كشف الباري
عما في صحيح البخاري
كتاب الصلوة
شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم
مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی
مکتبہ فاروقیہ
شاہ فیصل کالونی ۴ کراچی

حرفِ اوّل

الحمدُ لله الذي أرشَد حبيبَه ونبيَّه إلى هذه الكلمات التي يقولها النبي صلى الله عليه وسلم في آخر وترِه: "اللّٰهم إني أعوذ برضاك من سخطك، وأعوذ بمعافاتك من عقوبتك، وأعوذبك منك، لا أحصي ثناءً عليك، أنت كما أثنيتَ علىٰ نفسِك".

وصلِّ وسلِّمْ وبارِك على سيدِنا ومولانا محمدِ المصطفىٰ، وعلىٰ أشياعِه وأتباعِه وأنصارِه وإخوانِه من النبيين، وصلِّ على أهلِ طاعتِك أجمعين من أهل السمٰوات والأرضين.

وبعد! جب سے خدائے لم یزل نے واسطۂ علم "قلم" کی تخلیق کی، تب سے ہی بتوفیقِ ایزدی، بمطابق قولِ عزوجل: ﴿علّم الإنسانَ ما لم يعلم﴾ اصحابِ قلم اپنی مقدور بھر مساعی کو بروئے کار لاتے ہوئے ثمراتِ قلم سے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف صلوات کو مستفید فرماتے آئے ہیں؛ اور جیسے یہ مبارک سلسلہ تاہنوز جاری ہے، اسی طرح اللہ، اللہ کہنے والے آخری ذی نفس کی بقا تک باقی اور جاری وساری رہے گا۔

بڑے ہی مبارک ہیں وہ قدسی نفوس جو ودیعتِ باری تعالیٰ کے بارِ عظیم کو اپنے سینوں میں سمو کر فرموداتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوالِ اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی روشنی میں اُن جواہرِ بے بہا کو نہایت سلیقے سے چنے ہوئے موتیوں کی طرح نذرِ قرطاس کرنے کی سعادتِ عظمیٰ سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

میں اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کے ان گنت احسانات میں سے خدمتِ دین سے وابستگی کے احسانِ عظیم کا شکر ادا کرنے سے اپنے آپ کو تہی دامن پاتا ہوں کہ اس کریم ورحیم ذات نے اپنے محبوب اور لاڈلے پیغمبر صلی

اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی لسانِ مبارک سے نکلنے والے فرمودات کی تشریح وتوضیح کی خدمت کے لیے قبول فرمایا، اپنی نااہلیوں، کمیوں اور کوتاہیوں کی طرف نگاہ پڑتے ہی میری نگاہیں پستی کی طرف گھڑی جاتی ہیں، لیکن قربان جاؤں اس غفار وستار اور حلیم ذات پر کہ وہ ہماری نالائقیوں کی وجہ سے ہمیں محروم نہیں کرتا، بلکہ وہ تو عطا کرنے میں بے مثال ہے، اللہ-جل وعلا- ہم کو شاکر وقدر دان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تخصص فی الفقہ الاسلامی سال دوم کے آخر میں ماہِ شعبان میں شیخی ومربی، استاذی المکرم حضرت اقدس مولانا محمد یوسف افشانی صاحب زیدت معالیہ ومحاسنہ نے فرمایا کہ "استاذ المحدثین، شیخ المشائخ، صدر وفاق حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے فرمایا ہے کہ امسال کے متخصصین میں سے منتخب طلباء سے دار التصنیف میں "کشف الباری عما فی صحیح البخاری" پر کام کرنے کے لیے بات کی جائے، چناں چہ! آپ کے اساتذہ نے باہمی مشورہ سے آپ کے دیگر تین ساتھیوں کے ساتھ آپ کا انتخاب بھی کیا ہے"، بندہ نے حضرت اقدس کے سامنے اپنی کم استعدادی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی نااہلی کا اظہار کیا تو حضرت زید مجدہ نے فرمایا: "جس اللہ نے آپ کے اساتذہ کے دلوں میں آپ کا انتخاب ڈالا ہے، وہ ہی استعداد بھی پیدا کرے گا اور وہی بہترین معین ومدد بھی ہوگا"، اس پر بندہ نے اس سعادتِ عظمیٰ کو اپنے دنیوی واخروی مستقبل کی بھلائی کا وسیلہ سمجھتے ہوئے لبیک وسعدیک کہہ کر ہامی بھر لی، اس کے بعد استاذ المحدثین، شیخ المشائخ، صدر وفاق حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے ہم کو جمع فرمایا، تقسیمِ کار کے ساتھ ساتھ اپنے دستِ مبارک سے لکھا ہوا کام کے اصول وضوابط پر مشتمل ہدایت نامہ مرحمت فرمایا، اور ڈھیروں دعائیں دیتے ہوئے کام کی "بسم اللہ" کرنے کا فرمایا۔

چناں چہ! صلاۃ الحاجہ ادا کر کے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے کام شروع کیا، قدم قدم پر گرامی قدر، مکرم ومحترم حضرت مولانا نور البشر صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا مفتی مزمل سلاوٹ صاحب اور حضرت مولانا حبیب اللہ زکریا صاحب حفظہم اللہ کی مفید آراء اور مشورے آگے بڑھاتے رہے۔ فزاھم اللہ أحسن الجزاء

بندہ کو ''کتاب الصلاۃ'' کا کام تفویض ہوا، الحمدللہ! تقریباً تین سال کے عرصے میں ایک جلد کا کام مکمل ہو کر آپ کے سامنے آچکا ہے، اس جلد میں اٹھارہ ابواب کی اُنتیس احادیث اور بیس تعلیقات کی تشریح وتوضیح اور تحقیق شامل ہے، اس مجموعے کے ایک بڑے حصے کو گرامی قدر، مکرم ومحترم حضرت مولانا نورالبشر صاحب دامت برکاتہم نے اور اکثری حصے کو استاذ المحدثین، شیخ المشائخ، صدر وفاق حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اپنی پیرانہ سالی، ہجوم امراض، کثرتِ مشاغل اور مختلف ومتنوع ذمہ داریوں کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ بالاستیعاب دیکھا، قابلِ اصلاح امور کی نشاندہی فرمائی، تشنہ مباحث کی تکمیل کی طرف متوجہ کیا، توضیح طلب امور کی توضیح کا حکم فرمایا، بحمداللہ سبحانہ وتعالیٰ ان تمام امور کی تعمیل کر دی گئی ہے، ''کشف الباری عمافی صحیح البخاری'' کے اس مجموعے کی ترتیب ومراجعت اور تحقیق کے لیے جو منہج حضرت شیخ الحدیث صاحب زیدمجدہم العالیہ کے حکم سے بواسطۂ حضرت مولانا نورالبشر صاحب مدظلہ ہمارے لیے مقرر کیا گیا،اس کا نمونہ ذیل میں رقم کیا جاتا ہے:

۱- ترجمۃ الباب کے مقصد/مقاصد کی وضاحت اور تراجم ابواب پر سیر حاصل بحث

۲- ربطِ ابواب وذکرِ مناسبت

۳- حدیث باب کا ترجمہ

۴- حدیثِ باب کی امہاتِ ستہ سے تخریج

۵- رواۃِ حدیث کا جامع تعارف، خاص طور پر ان کی توثیقات وتعدیلات کا ذکر،اسی طرح ان پر اگر ائمہ کا کلام ہو تو ان کا ذکر، اگر بلاتکلف وتعسف دفاع ہو سکے تو دفاع، ورنہ کم از کم صحیح بخاری میں ایسے متکلم فیہ راوی کے مندرج ہونے کا عذر

۶- سندِ حدیث پر محدثانہ کلام

۷- متنِ حدیث پر محدثانہ کلام

۸- شرح حدیث میں ملحوظ امور:

☆- دیگر طرقِ حدیث میں وارد الفاظ مختلفہ کو لا کر تشریح

☆- نحوی،صرفی، بلاغی، لغوی اور اعرابی حیثیت سے تشریح وتحقیق

☆-فقہی مذاہب کی (اصحابِ مذاہب کی کتب سے) تنقیح اور حوالہ

☆-دلائلِ فقہیہ کا التزام

☆-حنفی مذہب کو مدلل ومبرھن انداز سے پیش کرنا اور وجوہِ ترجیح مذہب حنفیہ کا التزام کرنا

۹-حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

۱۰-متابعت وشواہد بخاری کی تخریجات

واضح رہے کہ حوالہ جات وتعلیقات میں درج ذیل امور کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جائے:

☆-کتبِ حدیث کا حوالہ جہاں جلد، صفحات کے ساتھ دیا جائے، وہاں ''کتاب'' اور ''باب'' اسی طرح ''رقم الحدیث'' ضرور ذکر کیے جائیں۔

☆-حدیثِ باب کی تخریج امہات ستہ سے خاص طور پر کی جائے، اگر امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث میں متفرد ہوں تو کسی معتمد مصنف کا حوالہ ضرور دیا جائے اور اس سلسلے میں فتح الباری اور عمدۃ القاری کے ساتھ ساتھ تحفۃ الاشراف سے مدد لی جائے۔

☆-متن میں جس کتابِ حدیث کا حوالہ آئے اور وہ کتاب اگر دار التصنیف میں موجود ہو یا آسانی سے مل سکتی ہو تو اس کی مراجعت کر کے حوالہ ثبت کیا جائے، ورنہ بدرجہ مجبوری ثانوی مراجع مثلاً: فتح الباری وغیرہ کا حوالہ دیا جائے۔

☆-تعلیقات بخاری کے سلسلہ میں تغلیق التعلیق سے ضرور استفادہ کیا جائے۔

☆-رواۃ کے سلسلہ میں عام شروح کا حوالہ دینے کے بجائے اسماء الرجال کی معتبر کتابوں کا حوالہ دیا جائے۔

☆-لغوی تحقیقات کے لیے لغاتِ حدیث اور عام بڑی لغت کی کتابوں مثلاً: تاج العروس، لسان العرب، المصباح المنیر اور المغرب وغیرہ کو ترجیح دی جائے۔

☆-اعرابی ونحوی وصرفی تحقیقات کے لیے (کتب نحو وصرف اور خاص طور سے) شروح حدیث سے استفادہ کیا جائے۔

☆-فقہی مذاہب ودلائل کے لیے ہر مکتبہ فکر کی اپنی کتابوں کو ملحوظ رکھا جائے۔

☆-حدیثی مباحث اور محدثانہ کلام کے لیے شروحات کے ساتھ ساتھ عللِ حدیث پر لکھی گئی کتابوں

کی طرف رجوع کیا جائے۔

☆-معاصر تقاریر پر سرسری استفادہ کی حد تک تو اعتماد ہو، لیکن حوالہ جاتی اعتماد ہرگز نہ کیا جائے۔

☆-ما یستفاد من الحدیث کا شراح حدیث کے کلام کی روشنی میں تذکرہ کیا جائے۔

☆-اسی طرح کسی حدیث پر فقہی وکلامی مباحث کو بھی مکرر نہ لکھا جائے، الا یہ کہ کسی جگہ ناگزیر ہو تو پہلی جگہ کا حوالہ بھی ذکر کریں۔

☆-حدیث شریف سے متعلق کون سے مباحث ذکر کرنے ہیں ان کی تعیین اکابرین کی شروحات وتقاریر کو سامنے رکھ کر کی جاسکتی ہے۔

بحمدہ وبفضلہ بندہ نے اس منہج کے مطابق کام کرنے کی مقدور بھر کوشش کی ہے، جس کے نتیجے میں نظر آنے والی ترتیب وتحقیق کا سہرا استاذ المحدثین، شیخ المشائخ، صدر وفاق حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے سر ہے، یقیناً یہ سب کچھ ان کی سرپرستی اور اِشراف کا ہی ثبوت ہے، اور ترتیب وتحقیق میں نادانستہ رہ جانے والی فروگذاشتوں کی نسبت بندہ کی جانب ہوگی، اس لیے کہ یہ خالصۃً علمی وتحقیقی کام متنوع فنون میں جس مہارت، قابلیت اور صلاحیتوں کا متقاضی ہے، بندہ ان سے عاری ہے، بایں وجہ! حضرات اہل علم کی خدمت میں گذارش ہے کہ دورانِ مطالعہ ایسی جو بھی فروگذاشتیں سامنے آئیں، ان سے ضرور مطلع فرمائیں، تاکہ ان کی تصحیح کی جاسکے۔

☆-بندہ جامعہ فاروقیہ کراچی کے شعبہ دار التصنیف کے ناظم اعلیٰ حضرت اقدس مولانا عبید اللہ خالد صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا نہایت مشکور ہے کہ حضرت اقدس مدظلہ العالی جامعہ کے اس عظیم شعبہ کی ترقی کے لیے شب وروز ساعی وکوشاں رہتے ہیں، دار التصنیف کا وسیع ذخیرۂ کتب اور رفقاءِ دار التصنیف کے لیے منعقد کی جانے والی تربیتی، مشاورتی مجالس حضرت اقدس مدظلہ العالی کی شعبہ تصنیف سے لگاؤ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

☆-اس کام میں جن جن حضراتِ اساتذہ کرام ودیگر اہلِ علم حضرات ومعاونین ومحسنین حفظہم اللہ تعالیٰ کی سرپرستی، مشاورت، راہنمائی اور معاونت رہی، بندہ ان تمام حضرات کے لیے بارگاہِ عزوجل میں دعاگو

ہے کہ وہ اپنی شایانِ شان ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

☆- کمپوزنگ کے تمام مراحل میں بھائی عرفان انور مغل نے انتہائی تعاون کا مظاہرہ کیا، جب کہ دیگر انتظامی اُمور میں بھائی یوسف رانا صاحب (انچارج شعبہ کمپیوٹر ادارہ الفاروق) کا خوب تعاون حاصل رہا، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ فجزاهم الله أفضلَ ما يُجزي الواصلين من أرحامهم، الموفين بعهودهم، فمهما أَنَسَ من الأشياء، فلستُ أنسىٰ برَّهم وصلتَهم، وحُسنَ جائزتِهم.

❁❁❁

آخر میں تمام قارئین کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ شیخ الحدیث، حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی صحت وعافیت کے خوب دعائیں فرمائیں کہ اللہ رب العزت حضرت کو بعافیت صحتِ کاملہ عطا فرمائے اور ان کا بابرکت سایۂ عاطفت ہمارے سروں پر تا دیر بعافیت قائم ودائم رکھے، اور ہم ضعفاء کو مزید سے مزید استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے رکھے۔

نیز! بندہ کے لیے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو آسان فرمائے اور جلد از جلد بعافیت مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت سے نوازے اور میرے، میرے اساتذہ اور والدین ومتعلقین کے واسطے ذخیرۂ نجات بنائے۔ آمین

وأقول: اللهم تقبل مني مساعيَ ترتيبَ هذا الكتاب وتحقيقَه والتعليقَ عليه واجعله ذُخراً وسبباً للنجاة، واحشرنا في زُمرة محمد -صلى الله عليه وسلم- المصطفىٰ الذي انتخبته واخترتَه وجعلتَه الشافع لأوليائك المقدم علىٰ جميع أصفيائك الذي جعلتَ زُمرَته آمنةً من الروعات.

❁❁❁

مفتی محمد راشد ڈسکوی
رفیق شعبہ تصنیف وتالیف واستاذ جامعہ فاروقیہ کراچی
۱۰رجب المرجب/۱۴۳۵ھ

حرفِ اول

الحمد لله الذي أرشد حبيبه ونبيه إلى هذه الكلمات التي يقولها صلى الله عليه وسلم في آخر وتره: اللّٰهم إني أعوذ برضاك من سخطك، وأعوذ بمعافاتك من عقوبتك، وأعوذبك منك، لا أحصي ثناء عليك، أنت كما أثنيت على نفسك.

وصل وسلم وبارك على سيدنا ومولانا محمد المصطفى، وعلى أشياعه وأتباعه وأنصاره وإخوانه من النبيين، وصل على أهل طاعتك أجمعين من أهل السمٰوات والأرضين.

''ہدایت'' مخلوق کی فطری ضرورت ہے، خلاقِ عالم نے انسانوں کی ہدایت اور فلاح کے لیے پے در پے انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے، ان انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وقتاً فوقتاً صحائف اور کتب کی صورت میں ''ہدایت نامے'' بھی نازل ہوتے رہے، گزشتہ انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی نبوتیں اور ان پر نازل ہونے والی کتب اور صحائف اپنے اطلاق اور نفاذ کے اعتبار سے مخصوص زمانے اور علاقے کے لیے تھیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نے اپنا آخری نبی ورسول بنا کر بھیجا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ورسالت کے سلسلے کو اس شان کے ساتھ تمام فرمایا کہ اب تا قیامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا زمانۂ نبوت جاری ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اور بتلائی ہوئی شریعت دائمی ہے، اس دین کی حفاظت اور صیانت اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لی ہے، ربانی حفاظت وصیانت کی برکت سے مسلمانوں کی دینی روایت کا نہ صرف متن بلکہ اس کی شرح وتفسیر بھی محفوظ ہوگئی، مزید برآں بہ حفاظت ہر نسل سے دوسری نسل میں منتقل بھی ہوتی رہی، اگر

اس حفاظت کے تکوینی اسباب کا شمار کیا جائے تو تین اسباب بہت ہی کلیدی معلوم ہوتے ہیں:

۱۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کے وعدے نے کتاب اللہ شریف کے متن ہی کو تحریف و تلبیس سے محفوظ نہیں فرمایا، بلکہ ضمناً اس متن کی راست تعبیر اور منشاء و مراد کی حفاظت کے لیے اسے اپنے معصوم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کا حصار مہیا فرمایا۔ بالفاظ دیگر جس طرح علم الکتاب کا مصدر ذاتِ الٰہی ہے، ٹھیک اسی طرح علم الآثار کا منبع بھی حق تعالیٰ شانہ ہی کی ذات گرامی ہے، فرق بس اتنا ہے کہ علم الکتاب کی حفاظت میں لفظ و معنی دونوں مراد ہیں اور علم الآثار میں معنی و مراد محفوظ ہیں، روایت بالمعنی حفاظتِ الٰہی کے وعدے کی تکمیل کے لیے کافی ہے۔

۲۔اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کے ساتھ عصمت کو بھی ختم فرمادیا، اب یہ امت گو علی الانفراد معصوم نہیں، لیکن علی سبیل الاجماع معصوم ہے۔ بالفاظِ دیگر اللہ تعالیٰ نے اس امت کو مجموعی طور پر باطل پر جمع ہونے سے محفوظ رکھا، یہ ربانی حفاظت کا دوسرا تکوینی نظام ہے۔

۳۔حفاظت کے تیسرے تکوینی نظم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لن تزال هٰذه الأمةُ قائمةً على أمر الله، لا يضرهم من خالفهم، حتى يأتي أمر الله“.[صحیح البخاری]

اس حدیث مبارکہ میں متعین طور پر جس ”طائفہ“ کی صراحت کی گئی ہے، اس سے مراد حضرات اہلِ علم ہیں۔

اس طرح ان تین بنیادی حصاروں کے پہرے میں امت مسلمہ شروع سے آج تک خدا تعالیٰ کی آخری کتاب کے متن اور اس کی راست تعبیر اور درست تفسیر کی امین رہی ہے۔ کتاب اللہ شریف کے متن کی ربانی شرح کا نام ”حدیث“ ہے۔ اہلِ اسلام نے اس شرح یعنی: حدیث کی خدمت میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، صحیح بخاری شریف منشاء و مرادِ الٰہی کے ربانی شارح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا ایک نہایت وقیع اور متبرک مجموعہ ہے۔ اہلِ اسلام نے اس کے زمانۂ تالیف سے لے کر آج تک تدریس و تصنیف کے ذریعے اس مجموعے کی جو خدمت کی ہے، اس کی اجمالی فہرست بھی ایک مستقل تالیف کا تقاضا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے علمائے اہل سنت دیوبند نے بھی اس مجموعہ احادیث کی بہت سی شروح و حواشی تالیف فرمائے ہیں۔

ہمارے اس زمانے میں اللہ تعالی نے جن بزرگوں کو صحیح بخاری شریف کی خدمت کے لیے نہایت قبولیت کے ساتھ منتخب فرمایا ان میں ہمارے شیخ و مربی، استاذ الاساتذہ، مرجع الکل حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم

اللہ خان قدس سرہ کی ذاتِ گرامی سب سے نمایاں ہے۔

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے شہرۂ آفاق دروس کی ترتیب وتدوین کا سلسلہ ایک طویل عرصے سے "کشف الباري عما في صحیح البخاري" کے نام سے جاری ہے، نہایت اہتمام کے ساتھ علمائے کرام کی ایک جماعت اس کام میں لگی ہوئی ہے، تا حال اس بے مثال وعظیم شرح کی بائیس جلدیں منظرِ عام پر آ کر اہلِ علم کے ہاں مقبولیت حاصل کر چکی ہیں، زیرِ نظر تیسویں جلد بھی اس مبارک سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ بندہ کو کتاب الصلاۃ کا کام تفویض ہوا تھا، جس کی الحمد للہ دوسری جلد آپ حضرات کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کا ہی بے پایاں فضل واحسان ہے کہ اس نے اس عظیم کام کی اپنے اس عاجز اور تہی از علم وعمل بندے کو سعادت بخشی۔ فالحمد لله علی ذٰلك۔

حضرت قدس سرہ کی توجہات وتصرفات کی تاثیر ایسی تھی کہ بہت سے لاینحل مسائل بے کہے سنے از خود حل ہو جاتے تھے۔ پندرہ ماہ قبل حضرت شیخ قدس سرہ اپنی بھرپور دینی وعملی زندگی گزار کر راہی ملک بقا ہوئے، جو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے لیے حدیث نبوی: "الدنیا سجن المؤمن" کے تحت قید سے رہائی تھی، لیکن ہمارے لیے حضرت اقدس قدس سرہ کی جدائی کا صدمہ صحرا کی جھلسا دینے والی دھوپ میں شجرِ سایہ دار سے محروم شخص کی تکلیف کی مانند ہے۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

اس جلد کا تین ربع کام تو حضرت شیخ قدس سرہ کی حیات مبارکہ میں ہی مکمل ہو چکا تھا، اور بقیہ ایک ربع کام حضرت قدس سرہ کے بعد پایہ تکمیل کو پہنچا ہے، چنانچہ اس جلد میں بھی تحقیق وتعلیق کے سلسلے میں مکمل اسی نہج کو سامنے رکھا گیا جو کتاب الصلوٰۃ کی جلد اول کے "حرفِ اول" میں بالتفصیل لکھ دیا گیا تھا، اس طرح اس جلد میں کل بیالیس ابواب (از باب:۱۹ "إذا أصاب ثوب المصلي امرأته إذا سجد"، تا باب:۶۰ "إذا دخل المسجد فليركع ركعتين") تک کی تشریحات ومباحث مکمل ہوگئی ہیں، ان بیالیس ابواب میں کل چھیاسٹھ [٦٦] احادیث اور اکیس [۲۱] تعلیقات شامل ہیں۔

چونکہ مابعد الموت بھی بزرگوں کی کرامات کا ظاہر ہونا امرِ واقع ہے، اس لیے اس جلد میں جو کچھ تحقیقی وتعلیقی کام ہو سکا ہے، وہ سب حضرت شیخ قدس سرہ ہی کا فیض اور صدقہ ہے۔ اور ترتیب وتحقیق میں

نادانستہ رہ جانے والی فروگزاشتوں کی نسبت بندہ کی جانب ہوگی، اس لیے کہ یہ خالصۃً علمی وتحقیقی کام متنوع فنون میں جس مہارت، قابلیت اور صلاحیتوں کا متقاضی ہے، بندہ ان سے عاری ہے، بایں وجہ! حضراتِ اہل علم کی خدمت میں گزارش ہے کہ دورانِ مطالعہ ایسی جو بھی فروگزاشتیں سامنے آئیں، ان سے ضرور مطلع فرمائیں، تاکہ ان کی تصحیح کی جاسکے۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

بندہ جامعہ فاروقیہ کراچی کے نائب رئیس، وشعبۂ دارالتصنیف کے ناظم اعلیٰ حضرت اقدس مولانا عبید اللہ خالد صاحب زید مجدہم کا نہایت مشکور ہے کہ حضرت اقدس مدظلہ العالی جامعہ فاروقیہ کے انتظام وانصرام اور تدریسِ علوم دینیہ میں مشغولیت کے باوجود، یک ماہی اور دو ماہی مجالس مشاورت کے انعقاد فرماتے رہنے کے ساتھ ساتھ دارالتصنیف اور رفقاءِ دارالتصنیف کی سرپرستی، راہنمائی وحوصلہ افزائی فرماتے رہے، یہ سب کچھ یقیناً حضرت اقدس مدظلہ العالی کے شعبۂ تصنیف سے لگاؤ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جزاہ اللہ خیرا أحسن الجزاء.

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

اس کام میں جن جن حضراتِ اساتذۂ کرام ودیگر اہلِ علم حضرات ومحسنین حفظہم اللہ تعالیٰ کی سرپرستی، راہنمائی، معاونت اور دعائیں شاملِ حال رہیں، بندہ ان تمام حضرات کے لیے بارگاہِ عزوجل میں دعا گو ہے کہ وہ اپنی شایانِ شان ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

فجزاهم الله أفضل ما يجزي الواصلين من أرحامهم، الموفين بعهودهم، فمهما أنس من الأشياء، فلست أنسى برهم وصلتهم، وحسن جائزتهم. آمين

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

مفتی محمد راشد ڈسکوی عفا اللہ عنہ

رفیق شعبہ تصنیف وتالیف، واستاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۱۴۳۹ھ ـــــ ۱۴/ مارچ/ ۲۱۰۸م

''کشف الباری عمافی صحیح البخاری'' اردو زبان میں صحیح بخاری شریف کی عظیم الشان اردو شرح ہے جو شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم کی نصف صدی کے تدریسی افادات اور مطالعہ کا نچوڑ وثمرہ ہے، یہ شرح ابھی تدوین کے مرحلے میں ہے۔ ''کشف الباری'' عوام وخواص، علما وطلبہ ہر طبقے میں الحمدللہ یکساں مقبول ہو رہی ہے، ملک کی ممتاز دینی درس گاہ دارالعلوم کراچی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی صاحب (شہیدؒ) نے ''کشف الباری'' سے والہانہ انداز میں اپنے استفادے کا ذکر کرتے ہوئے کتاب کے متعلق اپنے تأثرات قلمبند فرمائے ہیں، چنانچہ ان دونوں حضرات علماء کے یہ تأثرات افادۂ عام کی غرض سے شامل اشاعت کیے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

تأثرات

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم، کراچی

کشف الباری صحیح بخاری کی اردو میں ایک عظیم الشان شرح

احقر کو بفضلہ تعالیٰ اپنے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب (أطال اللّٰه بقاء ه بالعافية) سے تلمذ کا شرف پچھلے 43 سال سے حاصل ہے، ان میں سے ابتدائی تین سال تو باقاعدہ اور باضابطہ تلمذ کا موقع ملا، جس میں احقر نے درس نظامی کی متعدد اہم ترین کتابیں حضرت سے پڑھیں، جن میں ہدایہ آخرین، میبذی اور دورۂ حدیث کے سال جامع ترمذی شامل ہیں، پھر اس کے بعد بھی الحمدللہ استفادہ کا سلسلہ کسی نہ کسی جہت سے قائم رہا۔ حضرت کا دلنشین اندازِ تدریس ہم سب ساتھیوں کے درمیان یکساں طور پر مقبول اور محبوب تھا اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ مشکل سے مشکل مباحث حضرت کی سلجھی ہوئی تقریر کے ذریعے پانی ہوجاتے تھے، خاص طور سے جامع ترمذی کے درس میں یہ بات نمایاں طور پر نظر آئی کہ شروحِ حدیث کے وہ مباحث جو مختلف کتابوں میں غیر مرتب انداز میں پھیلے ہوئے ہوتے، وہ حضرت کے درس میں نہایت انضباط کے ساتھ اس طرح مرتب ہوجاتے تے کہ ان کا سمجھنا اور یاد رکھنا ہم جیسے طالب علموں کے لیے نہایت آسان ہوتا اور اس طرح حضرت نے ایک کتاب اور اس کے موضوعات ہی نہیں پڑھائے، بلکہ اس بات کی تعلیم بھی دی کہ بکھرے ہوئے مباحث کو کس طرح سمیٹا جائے اور انہیں فہم سے قریب کرنے کے لیے کیا انداز اختیار کیا جائے، حضرت کے اس اندازِ تدریس کا یہ احسان میرے علاوہ ان تمام طلبہ کے لیے ناقابل فراموش ہے جنہیں حضرت سے پڑھنے کے بعد کسی علمی خدمت کا موقع ملا۔

حضرت نے اپنے علمی مقام اور اپنے وسیع افادات کو ہمیشہ اپنی اس متواضع، سادہ اور بے تکلف زندگی کے پردے میں چھپائے رکھا جس کا مشاہدہ ہر شخص آج بھی ان سے ملاقات کر کے کرسکتا ہے۔ لیکن پچھلے دنوں حضرت کے بعض تلامذہ نے آپ کی تقریر بخاری کو ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے مرتب کر کے شائع کرنے کا ارادہ کیا اور اب بفضلہ تعالیٰ ''کشف الباری'' کے نام سے منظر عام پر آچکی ہیں۔

جب پہلی بار ''کشف الباری'' کا ایک نسخہ میرے سامنے آیا تو حضرت سے پڑھنے کے زمانے کی جو خوشگوار یادیں ذہن پر مرتسم تھیں، انہوں نے طبعی طور پر کتاب کی طرف اشتیاق پیدا کیا۔ لیکن آج کل مجھ ناکارہ کو گوناگوں مصروفیات اور

اسفار کے جس غیر متناہی سلسلے نے جکڑا ہوا ہے اس میں مجھے اپنے آپ سے یہ امید نہ تھی کہ میں ان ضخیم جلدوں سے پورا پورا استفادہ کرسکوں گا، یوں بھی اردو زبان میں اکابر سے لے کر اصاغر تک بہت سے حضرات اساتذہ کی تقاریر بخاری معروف و متداول ہیں اور ان سب کو بیک وقت مطالعے میں رکھنا مشکل ہوتا ہے۔

لیکن جب میں نے ''کشف الباری'' کی پہلی جلد سرسری مطالعے کی نیت سے اٹھائی تو اس نے مجھے خود مستقل طور پر اپنا قاری بنالیا۔ اپنے درس بخاری کے دوران جب میں ''فتح الباری، عمدۃ القاری، شرح ابن بطال، فیض الباری، لامع الدراری اور فضل الباری کا مطالعہ کرنے کے بعد'' کشف الباری'' کا مطالعہ کرتا تو ظاہر ہوتا کہ اس کتاب میں مذکورہ تمام کتابوں کے اہم مباحث دلنشین تفہیم کے ساتھ اس طرح یک جا ہوگئے ہیں جیسے ان کتابوں کا لب لباب اس میں سمٹ آیا ہو۔ اور اس کے علاوہ بھی بہت سے مسائل اور مباحث اس پر مستزاد ہیں۔ اس طرح مجھے بفضلہ تعالیٰ ''کشف الباری'' کی ابتدائی دو جلدوں کا تقریباً بالاستیعاب مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا اور کتاب المغازی والی جلد کے بیشتر حصے سے استفادہ نصیب ہوا اور اگر میں یہ کہوں تو شاید یہ مبالغہ نہیں ہوگا کہ اس وقت صحیح بخاری کی جتنی تقاریر اردو میں دستیاب ہیں ان میں یہ تقریر اپنی نافعیت اور جامعیت کے لحاظ سے سب پر فائق ہے، اور یہ صرف طلبہ ہی کے لیے نہیں، بلکہ صحیح بخاری کے اساتذہ کے لیے بھی نہایت مفید ہے۔ مباحث کے انتخاب، تطویل اور اختصار میں ہر پڑھانے والے کا مذاق جدا ہوسکتا ہے۔ لیکن اس میں صحیح بخاری کے طالب علم اور استاذ کے لیے تقریباً تمام ضروری مسائل کا احاطہ کرلیا گیا ہے۔ پہلی دو جلدیں تقریباً 14 سو صفحات پر مشتمل ہیں۔ اور ان میں صرف کتاب الایمان مکمل ہوئی ہے۔ جب کہ شروع میں علم حدیث اور صحیح بخاری کے بارے میں نہایت مفید مقدمہ بھی شامل ہے دوسری دو جلدیں کتاب المغازی اور کتاب التفسیر پر مشتمل ہیں۔ اور ان کی ضخامت بھی قریب قریب اتنی ہی ہے۔

اس تقریر کی ترتیب اور تدوین میں مولانا نور البشر اور مولانا ابن الحسن عباسی صاحبان (فاضلین دار العلوم کراچی) نے اپنی صلاحیت اور قابلیت کا بہترین مظاہرہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جزائے خیر عطا فرمائیں، وفقهما الله تعالیٰ لأمثال أمثاله، دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائیں اور تقریر کے باقی ماندہ حصے بھی اسی معیار کے ساتھ مرتب ہوکر شائع ہوں۔ انشاء اللہ یہ کتاب اپنی تکمیل کے بعد اردو میں صحیح بخاری کی جامع ترین شرح ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ حضرت صاحب تقریر کا سایۂ عاطفت ہمارے سروں پر تادیر بعافیت تامہ قائم رکھیں، ہمیں اور پوری امت کو ان کے فیوض سے مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

احقر اس لائق نہیں تھا کہ حضرت والا کی تقریر کے بارے میں کچھ لکھتا، لیکن تعمیل حکم میں یہ چند بے ربط اور بے ساختہ تاثرات قلمبند ہوگئے۔ حضرت صاحب تقریر اور اس عظیم الشان کتاب کا مرتبہ یقیناً اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

تأثرات

حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی صاحب (شہیدؒ)

شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی

حدیثِ رسول قرآن کریم کی شرح ہے

﴿لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیهم رسولا من انفسهم یتلو علیهم آیاته ویز کیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة﴾ ۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری قرآن کریم کی آیات صرف پڑھ کر سنانا نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کتاب اللہ کے احکام کی تعلیم، قولی اور عملی طریقے سے دینا بھی آپ کے فرائض میں داخل تھا اور یہ ان مقاصد میں سے تھا جس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا کیونکہ علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حکمت سے مراد قرآن کریم کے علاوہ شریعت کے وہ احکام ہیں جن پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی خفی کے ذریعہ آپ کو اطلاع دی تھی، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الرسالۃ'' میں لکھا ہے:

"سمعت من أرضی من أهل العلم بالقرآن یقول: الحکمة سنة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم" [ص:٢٤]

''میں نے قرآن کے ان اہل علم کو جن کو میں پسند کرتا ہوں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ حکمت سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے''۔

امام شاطبی نے اپنی کتاب ''الموافقات'' (ج ۴ص:۱۰) پر لکھا ہے:" فکانت السنة بمنزلة التفسیر والشرح لمعاني أحکام الکتاب" ''یعنی سنت کتاب اللہ کے احکام کے لئے شرح کا درجہ رکھتی ہے''۔

اور امام محمد بن جریر طبری سورۂ بقرہ کی آیت" ربنا وابعث فیهم رسولا ......" کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

"الصواب من القول عندنا فی الحکمة أن العلم بأحکام اللہ التی لا یدرك علمها إلا ببیان الرسول صلی اللہ علیه وسلم، والمعرفة بها ومادل علیه فی نظائره، وهو عندي مأخوذ من الحکم الذي بمعنی الفصل بین الباطل والحق".

''ہمارے نزدیک صحیح تر بات یہ ہے کہ حکمت اللہ تعالیٰ کے احکام کے علم کا نام ہے جو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے......"

اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ "الا إنی أوتیت القرآن ومثله معه" یعنی مجھے قرآن کریم دیا گیا ہے اور اس کے مثل مزید، جس سے مراد قرآن کریم کی شرح یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی وفعلی احادیث مبارکہ ہی ہیں اور اسی لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو قرآن حکیم میں خطاب کر کے دین کے اس حصے کی حفاظت کا حکم فرمایا تھا......: ﴿واذکرن مایتلی فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمة......﴾ کہ تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔

علمائے امت کے ہاں اس پر اجماع ہے کہ قرآن کریم کے مجملات ومشکلات کی تفسیر وتشریح اور اعمال دینیہ کی عملی صورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال اور آپ کے احوال جانے بغیر نہیں ہوسکتی، کیونکہ آپ مرادِ الٰہی کے بیان وتفسیر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر تھے، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ [سورة النحل] "آپ پر ہم نے یہ ذکر یعنی یادداشت نازل کی تاکہ جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے، آپ اس کو کھول کر لوگوں سے بیان کردیں"۔ چنانچہ قرآن کریم میں جتنے احکام نازل فرمائے گئے تھے، مثلاً وضو، نماز، روزہ، حج، درود، دعا، جہاد، ذکر الٰہی، نکاح، طلاق، خرید وفروخت، اخلاق ومعاشرت...... یہ سب احکام قرآن کریم میں مجملاً تھے، ان احکام کی تفسیر وتشریح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔

"ومن یطع الرسول فقداطاع اللہ ......"

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث قرآن کریم سے الگ عجمی دین نہیں پیش کرتی ہیں اور نہ ہی یہ عجمی سازش ہے، بلکہ یہ قرآن کریم کے اجمال کی تفصیل ہے اور دینِ اسلام کا حصہ ہے۔

حفاظتِ حدیث، امت مسلمہ کی خصوصیت

اسی اہمیت وخصوصیت کی بناء پر اس کی حفاظت وتدوین اور تشریح کے لئے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کی کوششیں صرف ہوئی ہیں، حافظ ابن حزم ظاہریؒ نے اپنی کتاب "الفصل" میں لکھا ہے کہ پچھلی امتوں میں کسی کو بھی یہ توفیق نہیں ملی کہ اپنے رسول کے کلمات کو صحیح اور ثبوت کے ساتھ محفوظ کرسکے، یہ صرف اس امت کی خصوصیت ہے کہ اس کو اپنے رسول کے ایک ایک کلمے کی صحت اور اتصال کے ساتھ جمع کرنے کی توفیق ملی، مسلمانوں کے اس عظیم کارنامے کا اعتراف غیر مسلموں کو بھی ہے۔

"خطبات مدراس" میں مولانا سید سلیمان ندوی نے ڈاکٹر اسپنگر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں نے علم حدیث کی حفاظت کے لئے اسمائے رجال کا فن ایجاد کیا، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ سے زیادہ انسانوں کے حالات محفوظ

ہو گئے، یہ وہ لوگ ہیں جن کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے جمع ونقل کا تعلق ہے، اس کے علاوہ علمِ حدیث کے سو فنون ہیں جن کی تفصیل مصطلح الحدیث کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

تدوینِ حدیث کی ابتداء

حدیث کی جمع وترتیب اور تدوین کی تفصیل ان کتب میں دیکھی جائے جو منکرینِ حدیث اور مستشرقینِ یورپ کے جواب میں علمائے امت نے لکھی ہیں، یہاں اس کا موقع نہیں البتہ مختصراً اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ احادیث مبارکہ کے لکھنے کا سلسلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی تھا اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو محفوظ وقلمبند کیا، اس کے بعد پھر تابعین اور تبع تابعین کے دور میں احادیث کی ترتیب وتدوین کے کام میں مزید ترقی ہوئی اور پہلی صدی ہجری کے اختتام اور دوسری صدی ہجری کے ابتدائی حصے میں خلیفۂ راشد وعادل حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانۂ خلافت میں سرکاری طور پر اس کے لئے اہتمام شروع ہوا اور پھر ان کے انتقال کے بعد اگرچہ اس کام کا سرکاری اہتمام تو باقی نہیں رہا لیکن علمائے امت نے اس کا بیڑا سنبھالا اور الحمدللہ آج احادیث مرتب اور منقح صورت میں جو ہمارے سامنے موجود ہیں، یہ محدثین، فقہاء اور علمائے امت کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے کہ واقعۃً تاریخِ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

صحیح بخاری شریف کا مقام

اس سلسلۂ ترتیب وتدوین کی ایک زریں کڑی امام محمد بن اسماعیل البخاری کی کتاب "الجامع الصحيح المسند من حديث رسول صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه" ہے، اس کتاب میں امام بخاریؒ نے وہ آٹھ اقسام جمع کردیے ہیں جو کسی کتاب کے جامع ہونے کے لئے ضروری ہیں امام بخاری نے نہ معلوم کس قدر عظیم اخلاص کے ساتھ یہ کتاب لکھی تھی جس کی بناء پر اللہ تبارک تعالیٰ نے اسے وہ عظیم مقبولیت عطا فرمائی کہ مخلوق کی کتابوں میں جس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی، چنانچہ حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ "اللہ کی کتاب کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم سب سے صحیح ترین کتابیں ہیں: "إن كتاب البخاري أصح الكتابين صحيحا، وأكثرهما فوائد" اور امام نسائی فرماتے ہیں: "أجود هذه الكتب كتاب البخاري" اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب "حجة الله البالغة" [ص:۲۹۷] میں ارشاد فرماتے ہیں: "جو شخص اس کتاب کی عظمت کا قائل نہ ہو، وہ مبتدع ہے اور مسلمانوں کی راہ سے ہٹا ہوا ہے" پھر قسم اٹھا کر فرماتے ہیں: "اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کتاب کو جو شہرت عطا فرمائی، اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا"۔

اس کتاب میں جو خصوصیات اور امتیازات ہیں ان کی تفصیل کو زیرِ نظر کتاب کے مقدمہ میں دیکھا جائے۔

شروح بخاری

ان ہی خصوصیات وامتیازات اور اہمیت ومقبولیت کی بناء پر صحیح بخاری کی تدوین وتصنیف کے بعد ہر دور کے علماء نے اس پر شروح وحواشی لکھے ہیں، شیخ الحدیث حضرت اقدس حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ نے ''لامع الدراری'' کے مقدمہ میں ایک سو سے زیادہ شروح وحواشی کا ذکر کیا ہے۔ابھی ابھی ''ابن بطال'' کی شرح بخاری چھپی ہے اس کے مقدمہ میں کتاب کے محقق ابوتمیم یاسر بن ابراہیم فرماتے ہیں:

"فأضحى هذا الكتاب أصح كتاب بعد القرآن، واحتل من بين الكتب الصدارة والاهتمام، فقضى العلماء أمامه الليالي والأيام، فمنهم الشارح لما في ألفاظ متونه من المعاني والأحكام، ومنهم الشارح لمناسبات تراجم أبوابه، ومنهم المترجم لرجال أسانيده، ومنهم الباحث في شرط البخاري فيه، ومنهم المستدرك عليه أشياء لم يخرجها، ومنهم المتتبع أشياء انتقدها عليه، إلى غير ذلك من أنواع العلوم المتعلقة بالجامع الصحيح". [ص:۷ ج۱]

یعنی ان کتب حدیث میں جب صحیح بخاری نے صدارت کا مقام حاصل کیا تو علماء امت نے اپنی زندگیاں اور دن رات اس کتاب کی خدمت میں صرف کردیے۔بعض لوگوں نے اس کتاب کے متون حدیث میں جو معانی واحکام ہیں ان پر کتابیں لکھیں، بعض علماء نے ابواب بخاری کی مناسبت یا اس کی اسانید کے رجال کے حالات پر اور بعض نے بخاری کی شرائط پر اور بعض نے کتاب پر استدراک وانتقاد کے سلسلے میں کتابیں لکھیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری کی سب سے پہلی شرح حافظ ابوسلیمان الخطابی (التوفی ۳۸۶ ہجری) کی ''أعلام الحدیث'' ہے،اس شرح میں صرف غریب الفاظ کی تشریح ہے۔

اس کے بعد پھر حافظ داؤدی (التوفی ۴۰۲ ہجری) کی شرح ہے، ابن التین نے اپنی شرح بخاری میں اس کی عبارتیں نقل کی ہیں، ان کے بعد پھر علامہ ''مهلب بن احمد بن ابی صفرہ'' (التوفی ۴۳۵ ہجری) کی شرح ہے، اسی شرح کی تلخیص شارح کے شاگرد ''ابوعبداللہ محمد بن خلف بن المرابط الاندلسی المصری (التوفی ۴۸۵ ہجری) نے کی ہے، ان کے بعد پھر ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی (التوفی ۴۴۹ ہجری) کی شرح ہے، یہ مہلب کے شاگرد تھے اور انھوں نے ان کی شرح سے استفادہ کیا ہے، ابن بطال کی شرح سے پہلے صرف ''خطابی'' کی شرح مطبوع ہے، اور اب ''ابن بطال'' کی شرح چھوٹے سائز کی دس جلدوں میں چھپ چکی ہے، امام نووی (التوفی ۶۷۹ ہجری) نے بھی صرف کتاب الایمان کی شرح لکھی، اسی طرح امام شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانی (التوفی ۷۸۶ ہجری) کی شرح ''الکواکب الدراری'' شیخ

جمال الدین الشافعی (المتوفی ۶۷۲ ہجری) کی ''شواھد التوضیح والتصحیح لمشکلات الجامع الصحیح'' حافظ ابن حجر العسقلانی (المتوفی ۸۵۲ ہجری) کی ''فتح الباری'' امام بدرالدین عینی (المتوفی ۸۵۵ ہجری) کی ''عمدۃ القاری'' علامہ جلال الدین السیوطی (المتوفی ۹۱۱ ہجری) کی ''التوشیح'' امام قسطلانی کی ''ارشاد الساری'' علامہ نورالحق بن مولانا الشیخ عبدالحق محدث دھلوی (المتوفی ۱۰۷۳ ہجری) کی ''تیسیر القاری'' شیخ الاسلام بن محب اللہ البخاری کی شرح جو تیسیر القاری کے حاشیہ پر ہے، حافظ دراز پشاوری کا حاشیہ بھی ''تیسیر القاری'' کے حاشیہ پر چھپا ہے، علامہ ابوالحسن نورالدین محمد بن عبدالھادی سندھی کا حاشیہ...... یہ تمام صحیح بخاری کے مشہور اور مطبوع شروح وحواشی ہیں۔

ہندوستان میں علم حدیث کی خدمات کا مختصر جائزہ

ہندوستان میں جب علم حدیث کا سلسلہ شروع ہوا تو اس کے بعد حدیث کی خدمت کے سلسلے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ان کے گھرانے کی گراں قدر خدمات ہیں، حضرت شیخ نے خود مشکوۃ المصابیح پر عربی اور فارسی میں شروح لکھیں اور ان کے صاحبزادے نے صحیح بخاری پر شرح لکھی پھر ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خاندان کی خدمات بھی آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

صحیح بخاری کے ابواب وتراجم پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا رسالہ صحیح بخاری کی ابتدا میں مطبوع اور متداول ہے پھر ان کے بعد حدیث کی تدریس وتشریح کے سلسلے میں علماء دیوبند کا دور آتا ہے جن میں نمایاں خدمت حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری کا حاشیہ بخاری ہے، جس کی تکمیل حضرت قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے کی، نیز حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری نے صحاح کی اکثر کتب پر حواشی لکھے اور احادیث کی کتب اہتمام صحت کے ساتھ چھپوائیں۔

پھر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نوراللہ مرقدہ کی خدمات تدریسِ حدیث اور ان کے لائق تلامذہ کی وہ تقاریر بھی خدمتِ حدیث کی سنہری کڑیاں ہیں جن میں صحیح بخاری پر ''لامع الدراری'' اور سنن ترمذی پر ''الکوکب الدری'' جو حضرت شیخ الحدیثؒ کے قیمتی حواشی کے ساتھ چھپ چکی ہیں، سنن ابن ماجہ پر حضرت شیخ الہند کے استاذ ملا محمودؒ کا حاشیہ اور سنن ابی داؤد پر حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی کے حواشی، سنن ترمذی اور سنن النسائی پر حضرت مولانا اشفاق الرحمان کاندھلویؒ کے حواشی اور ابوداؤد پر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی بے مثال شرح ''بذل المجہود'' سنن ترمذی اور سنن ابی داؤد پر حضرت شیخ الہند کی تقاریر، صحیح بخاری اور سنن ابی داؤد پر حضرت امام العصر علامہ انور شاہ کاشمیری کی تقاریر، سنن ترمذی پر علامہ انور شاہ کشمیری اور شیخ الاسلام حضرت مدنی کی تقاریر، صحیح مسلم پر حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی لاجواب شرح، اسی طرح سنن ترمذی پر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے مختصر نکات، صحیح بخاری پر حضرت عثمانی کی تقریر اور حضرت شیخ الحدیث کی تقریر اور ''الابواب والتراجم'' موطا امام مالکؒ پر ان کی شرح ''اوجز المسالک'' موجودہ زمانے میں حضرت

مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی "تکملۃ فتح الملہم" اور درس ترمذی، حضرت مولانا فخر الدینؒ کی "ایضاح البخاری" اور "الابواب والتراجم" پر ان کی کتاب، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی "التعلیق الصبیح" اور صحیح بخاری پر "الابواب والتراجم" مولانا عبدالجبار اعظمی کی "امداد الباری" شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی کا "حاشیہ مشکوۃ" حضرت مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) کی تقریر ترمذی، حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب کی ترمذی پر شرح، مولانا نذیر احمد صاحب فیصل آبادی کی مشکوۃ پر تقریر، حضرت مولانا عبدالرحمان کاملپوری کی "معارف ترمذی" اور اس طرح کی دیگر لاتعداد کتب، علم حدیث کی وہ گرانقدر خدمات ہیں جن سے زمانہ صرف نظر نہیں کرسکتا اور نہ علوم کی تاریخ لکھنے والا ان خدمات کو نظر انداز کرسکتا ہے۔

کشف الباری - صحیح بخاری کی شروح میں ایک گرانقدر اضافہ

موجودہ دور میں علم حدیث اور خصوصاً صحیح بخاری کی خدمت وتشریح کے سلسلے میں ایک گراں قدر، قیمتی اور بے مثال اضافہ سیدی وسندی، مسند العصر، استاذ العلماء، شیخ الحدیث وصدر وفاق المدارس پاکستان حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہ وفیوضہ وادام اللہ علینا ظلہ کی صحیح بخاری پر تقریر "کشف الباری عما فی صحیح البخاری" ہے، یہ کتاب حضرت کی ان تقاریر پر مشتمل ہے، جو صحیح بخاری پڑھاتے وقت حضرت نے فرمائیں۔

جامعہ فاروقیہ میں احقر کے دورۂ حدیث پڑھنے کا پس منظر

بندہ نے خود بھی حضرت دام ظلہ سے صحیح بخاری پڑھی تھی جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ بندہ صوبہ سرحد، ضلع سوات، تحصیل مٹہ، گاؤں فاضل بیگ گڑھی، کے دیہات سے رمضان المبارک کے آخر میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں داخلے کے ارادے سے روانہ ہوا، راولپنڈی آکر اگلی منزل پر روانگی کے لئے دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار، راولپنڈی میں ٹھہر گیا، یہ ۱۹۷۳ء کی بات ہے اس زمانے میں جامعہ اشرفیہ میں علم کے آفتاب وماہتاب حضرت مولانا رسول خان صاحب اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھاتے تھے، بندہ بھی شیخین سے استفادہ کی خاطر گھر سے نکلا تھا، راولپنڈی میں قیام کے دوران طالب علمی کے دور کے شفیق وبزرگ ساتھی حضرت مولانا محمد اکبر صاحب چکیسری سے ملاقات ہوئی، وہ اس سال جامعہ فاروقیہ میں حضرت دام مجدہ سے دورۂ حدیث پڑھ چکے تھے، انھوں نے بندہ کے ارادے پر مطلع ہونے کے بعد کچھ اس والہانہ اور محبت کے انداز میں حضرت کی طرز تدریس اور قدرت علی التدریس کا تذکرہ کیا کہ بندہ کے لاہور جانے کے ارادے میں کچھ تزلزل پیدا ہوا اور پھر انھوں نے مجھ پر اصرار کیا کہ میں بھی دورۂ حدیث جامعہ فاروقیہ کراچی میں حضرت سے پڑھ لوں، چنانچہ بندہ نے ان کی معیت میں کراچی کا سفر کیا، انھوں نے حضرت سے سفارش کر کے بندہ کا داخلہ دورہ حدیث میں کرایا "مشکوۃ المصابیح" میں حضرت نے خود بندہ کا امتحان لیا، مجھے اب تک مقام امتحان کی وہ حدیث یاد ہے۔

اس وقت جامعہ فاروقیہ ایک نوزائیدہ مدرسہ تھا اور اکثر عمارات کچی تھیں، اسباق شروع ہونے سے پہلے بندہ کو کچھ بے

چینی اور شکوک وشبہات نے گھیرا، چنانچہ بندہ نے چپکے سے کراچی کے ایک اور بڑے مدرسہ میں داخلہ لیا، وہاں اسباق شروع تھے، صحیح بخاری اور سنن ترمذی کے سبق میں ایک دن شریک ہوا لیکن پھر واپس جامعہ فاروقیہ آیا، دوسرے دن وہاں اسباق شروع ہوئے، حضرت دام مجدہ کے پاس صحیح بخاری کا سبق تھا، پہلے دن کا سبق سن کر اور ابتدائی ابحاث پر حضرت کا خوبصورت اور دل موہ لینے والا مرتب اور واضح انداز تدریس کا مشاہدہ کرکے دل کو اطمینان ہوا اور اپنے رفیق حضرت مولانا محمد اکبر مدظلہ کے لئے دل سے دعا نکلی، بندہ نے خود بھی حضرت کی بخاری شریف کی تقریر لکھی تھی جو بعد میں میری غفلت کی وجہ سے ضائع ہوگئی۔

میں نے مولانا سلیم اللہ خان صاحب جیسا استاذ ومدرس نہیں دیکھا

یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ بندہ نے ایک طویل عرصے تک حضرت کے زیر سایہ جامعہ فاروقیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیے اور اب تقریباً دس بارہ سال سے جامعہ العلوم الاسلامیہ میں درس دے رہا ہے، اس وقت حضرت دام ظلہ سے میرا کوئی دنیوی مفاد وابستہ نہیں ہے، یہ تمہید میں نے اس لئے لکھی، کہ آئندہ جو بات میں لکھنا چاہتا ہوں، شاید کچھ حضرات اس کو مبالغہ اور تملق پر محمول کریں گے وہ بات یہ کہ بندہ نے اپنی مختصر سی طالب علمی کی زندگی میں اور اس کے بعد تقریباً ستائیس اٹھائیس سالہ تدریسی زندگی میں حضرت جیسا مدرس اور استاذ نہیں دیکھا جس کی تقریر ایسی مرتب جامع اور واضح ہو کہ اعلیٰ، متوسط اور ادنی درجے کا ہر طالب علم اس سے استفادہ کرسکتا ہو، اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو جو تحقیقی ذوق عطا فرمایا، اس کے ساتھ مرتب اور جامع طرز تدریس عموماً بہت کم ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات گرامی میں یہ تمام صفات جمع فرمائی ہیں۔

کشف الباری مستغنی کردینے والی شرح

بندہ تقریباً تین سال سے جامعہ علوم اسلامیہ میں صحیح بخاری پڑھاتا ہے اور الحمدللہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کہتا ہوں کہ مجھے مطالعہ کرنے کا ذوق اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے عطا فرمایا ہے، صحیح بخاری کی مطبوعہ ومتداول شروح، حواشی اور تقاریر اکابر میں سے شاید کوئی شرح، حاشیہ، یا تقریر ایسی ہوگی، جو بندہ کی نظر سے نہیں گذری لیکن میں نے ''کشف الباری'' جیسی ہر لحاظ سے جامع، مرتب اور تحقیقی شرح نہیں دیکھی، اگرچہ علماء کا مشہور مقولہ ہے: "لایغني کتاب عن کتاب" لیکن...... "مامن عام إلا وقد خص عنه البعض" کے قاعدے کے مطابق ''کشف الباری'' اس قاعدے سے مستثنی ہے، بلا مبالغہ حقیقۃً وواقعۃً یہ ایسی شرح ہے کہ انسان کو دوسری شروح سے مستغنی کردیتی ہے۔

میں ان لوگوں کی بات تو نہیں کرتا جو کسی خاص تقریر کا مطالعہ کرکے سبق پڑھاتے ہیں البتہ وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے تحقیقی ذوق دیا ہے، اور متقدمین شارحین جیسے خطابی، ابن بطال، کرمانی، عینی، ابن حجر، قسطلانی، سندھی وغیرھم کی شروح کا مطالعہ کرتے ہیں اور متاخرین میں تیسیر القاری، لامع الدراری، کوثر المعانی، اور فیض الباری کو دیکھتے ہیں، وہ اس بات کی گواہی دیں گے۔

کشف الباری کی خصوصیات

''کشف الباری عمانی صحیح البخاری'' کی خصوصیات اور امتیازات تو بہت ہیں اور ان شاء اللہ بندہ کا ارادہ ہے کہ اس موضوع پر دوسری شروح کے ساتھ ایک تقابلی جائزہ آئندہ پیش کرے گا یہاں ارتجالاً چند خصوصیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱- مشکل الفاظ کے لغوی معانی کا اور یہ کہ یہ لفظ کس باب سے آتا ہے بیان ہوتا ہے۔

۲- اگر نحوی ترکیب کی ضرورت ہو تو جملے کی نحوی ترکیب کو ذکر کیا گیا ہے۔

۳- حدیث کے الفاظ کا مختلف جملوں کی صورت میں سلیس ترجمہ کیا گیا ہے۔

۴- ترجمۃ الباب کے مقصد کا تحقیقی طریقے سے مفصل بیان کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں علماء کے مختلف اقوال کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

۵- باب کا ماقبل سے ربط و تعلق کے سلسلے میں بھی پوری تحقیق و تنقید کے ساتھ تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

۶- مختلف فیہا مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک اور دوسرے مسالک کی تنقیح و تحقیق کے بعد ہر ایک کے مستدلات کا استقصاء اور پھر دلائل پر تحقیقی طریقے سے ردوقدح اور احناف کے دلائل کی وضاحت او ترجیح بیان کی گئی ہے۔

۷- اگر حدیث میں کوئی تاریخی واقعہ مذکور ہو تو اس کی پوری وضاحت کی گئی ہے۔

۸- جن احادیث کو تقریر کے ضمن میں بطوراستدلال پیش کیا گیا ہے ان کی تخریج کی گئی ہے۔

۹- تعلیقات بخاری کی تخریج کی گئی ہے۔

۱۰- اور سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مختلف اقوال کے نقل کرنے میں حضرت صرف ناقل نہیں ہیں بلکہ ہر قول پر محققانہ اور تنقیدی کلام بھی بوقت ضرورت کیا گیا ہے۔

تلك عشرة كاملة.

حضرت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے تدریس کا طویل موقعہ عنایت فرمایا، اس کتاب میں آپ کی پوری زندگی کی تدریس کا نچوڑ موجود ہے، بندہ کی رائے یہ ہے کہ اس دور میں صحیح بخاری پڑھانے والا کوئی بھی استاذ اس کتاب کے مطالعہ سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت کا سایہ تادیر ہم پر قائم رہے، اس تقریر کے مرتب کرنے والے حضرات کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، دینی طبقہ پر عموماً اور حضرت کے طبقۂ تلامذہ پر خصوصاً جن میں بندہ بھی شامل ہے، یہ ان حضرات کا عظیم احسان ہے۔

فهرس إجمالي لأبواب كتاب الصلاة

کتاب الصلوۃ کے ابواب کی اجمالی فہرست

فهرس إجمالي لأبواب كتاب الصلاة

کتاب الصلوٰۃ کے ابواب کی اجمالی فہرست

عنوان باب	صفحہ نمبر

أبواب القبلة

صفحہ نمبر	عنوان باب

أبواب المساجد

صفحہ نمبر	عنوان باب

فہرست مضامین

صفحہ	عنوانات

صفحہ	عنوانات

صفحہ	عنوانات

عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات
۱۵۵	شق صدر اور صاحب سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۱۵۶	شق صدر اور سر سید احمد خان
۱۵۶	مذکورہ مؤقف کا جائزہ
۱۵۹	ایک وضاحت
۱۶۰	کیا شق صدر سابقہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ہوا؟
۱۶۱	ثُمَّ غَسَلَهٗ بِمَاءِ زَمْزَمَ
۱۶۲	زمزم سے قلب اطہر دھونے کی وجہ
۱۶۲	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو جنت کے پانی سے کیوں نہیں دھویا گیا؟
۱۶۳	آب زمزم افضل ہے یا آب کوثر؟
۱۶۶	ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ
۱۶۷	قلب اطہر دھونے کے لیے طشت کا استعمال ہی کیوں کیا گیا؟
۱۶۷	سونے کا طشت کیوں استعمال کیا گیا؟
۱۶۹	سونے کے استعمال کی حکمت
۱۷۱	سونے کے طشت سے "تحلیته المصحف" کے جواز پر استدلال
۱۷۱	مُمْتَلِئٌ حكمةً وإيماناً، فأَفْرَغَهُ في صَدْرِيْ ثُمَّ أَطْبَقَهُ
۱۷۱	"ممتلئ" مذکر لانے کی توجیہ
۱۷۲	"حکمت" کے معنی
۱۷۳	"ایمان" کا مطلب
۱۷۴	دل میں "حکمت اور ایمان" کیسے بھرا گیا؟
۱۷۵	ایمان اور حکمت کو حقیقتاً بھرا گیا یا حکماً؟
۱۷۵	ثُمَّ أَطْبَقَهُ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات

صفحہ	عنوانات

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات

صفحہ	عنوانات

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات

صفحہ	عنوانات

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات

☆☆☆........☆☆........☆☆☆

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

☆☆☆......☆☆......☆☆☆

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

☆☆☆......☆☆......☆☆☆

عنوانات	صفحہ نمبر

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

☆☆☆......☆☆......☆☆☆

صفحہ نمبر	عنوانات

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

Salaat- vol: 2 - Proof no :3

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

فهرس أسماء الرجال المترجم لهم

علىٰ ترتيب حروف الهجاء

ایک ضروری وضاحت

اس تقریر میں ہم نے صحیح بخاری کا جونسخہ متن کے طور پر استعمال کیا ہے، اس پر ڈاکٹر مصطفیٰ دیب البغا صاحب نے تحقیقی کام کیا ہے، ڈاکٹر مصطفیٰ دیب نے احادیث پر نمبر لگانے کے ساتھ ساتھ احادیث کے مواضع متکررہ کی نشان دہی کا بھی التزام کیا ہے، اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں نمبرات سے اس کی نشان دہی کرتے ہیں کہ اس نمبر پر یہ حدیث آرہی ہے اور اگر حدیث گزری ہے تو نمبر سے پہلے [ر] لگا دیتے ہیں، یعنی اس نمبر کی طرف رجوع کیا جائے۔

فهرس أسماء الرجال المترجم لهم

علىٰ ترتيب حروف الهجاء

صفحہ نمبر	اسمائے رجال

☆☆☆☆..........☆☆☆..........☆☆☆☆

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

☆☆..........☆..........☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۸- كتاب الصلاة

کتاب الصلوٰۃ کا ماقبل سے ربط

امام بخاری رحمہ اللہ کتاب الطہارۃ سے فارغ ہونے کے بعد کتاب الصلوٰۃ شروع فرمارہے ہیں۔احکام طہارت کو احکام صلاۃ سے پہلے اس لیے بیان کیا گیا کہ عبادت کے لیے طہارت بمنزلہ شرط ہے اور خود عبادت بمنزلہ مشروط کے ہے،اور چونکہ شرط،مشروط سے مقدم ہوتی ہے اس لیے شرط (طہارت) کے تفصیلی احکامات کا ذکر کرنے کے بعد مشروط (نماز) کے تفصیلی احکامات ذکر کیے جارہے ہیں (۱)۔

نیز نماز مقصود ہے اور اس کے لیے طہارت وسیلہ،اور یہ بات ظاہر ہے کہ وسیلہ،مقصود سے مقدم ہوتا ہے اور مقصود مؤخر (۲)۔

اس کے علاوہ!طہارت،ظاہری اور جسمانی پاکی حاصل کرنے کا نام ہے اور نماز باطنی وروحانی صفائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے،چونکہ باطن کی صفائی کے لیے اہم اور بنیادی کردار ظاہری صفائی کا ہے اس لیے بھی طہارت کے احکام کو پہلے ذکر کیا گیا اور نماز کے احکامات کو بعد میں (۳)۔

لفظ"صلوٰۃ" کے لغوی معنی

صلوٰۃ کے لغوی معنی میں بہت سے اقوال ہیں،مثلاً:۱-لغت میں صلاۃ کے معنی"دعا" کے ہیں (۴)،جیسا کہ

---

(۱) عمدة القاري، كتاب الصلاة: ٤/٥٨، دار الكتب العلمية

(۲) فتح الباري، كتاب الصلاة: ١/٥٩٤، دار المعرفة

(۳) أنوار الباري، كتاب الصلاة: ١١/١.

(٤) لسان العرب، مادة: ص ل ی: ٧/٣٩٧، معجم الصحاح، ص: ٥٩٦، التعريفات،ص: ١٧٥

(٥) التوبة: ١٠٣

قول باری تعالیٰ ہے: ﴿وصَلِّ عليهم﴾ (۵) اور فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے "وإن كان صائماً فَلْيُصَلِّ(۱) أي: فليَدْعُ لهم بالخَيرِ والبرَكةِ" (۲) امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور اہل عرب اور فقہاء کا یہی قول ہے (۳)۔

۲-صلاۃ کے معنی تعظیم کے بھی آتے ہیں (۴)۔ نماز میں چونکہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی جاتی ہے، اس لیے اس کو بھی "صلاۃ" کہتے ہیں، اسی وجہ سے "اللّٰهم صَلِّ علىٰ محمد" کے معنی "اللّٰهم عَظِّمْهُ في الدُّنيا بإعلاءِ ذكرِه و إظهارِ دَعْوتِه وإبقاءِ شريعتِه وفي الآخِرَة بَتَشْفِيعه في أُمَّتِه و تضعيفِ أجرِه و مَثُوْبَتِه" سے کیے جاتے ہیں (۵)۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اے اللہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں ان کے ذکر کو بلند کر کے اور ان کی دعوت کو عام کر کے اور ان کی شریعت کو تا قیامت باقی رکھ کے عظمت دے اور آخرت میں ان کی امت کے حق میں شفاعت قبول فرما کر اور ان کے اجر اور ثواب کو بڑھا کر عظمت دے۔

۳-بعض علماء کا قول ہے کہ "صلوٰۃ" "مصلّی" سے ماخوذ ہے اور "مصلّی" اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو میدانِ مسابقت میں "مجلّی" کے پیچھے ہوتا ہے، یعنی "مجلّی" گھوڑا گھڑ دوڑ میں سب سے آگے ہوتا ہے اور "مصلّی" اس کے پیچھے ہوتا ہے، اسی طرح نماز "تالية الإيمان" ہے، کیونکہ ایمان کے بعد نماز کا نمبر ہے، یعنی جس طرح "مصلی" کا نمبر "مجلی" کے بعد ہوتا ہے، اسی طرح "صلاۃ" کا نمبر "ایمان" کے بعد ہوتا ہے، اسی مناسبت سے نماز کو صلاۃ کہتے ہیں (۶)۔

۴-بعض علماء کہتے ہیں کہ "صلاۃ" کے معنی "رحمت" کے ہیں، چنانچہ عبادتِ مخصوصہ کو صلاۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں اللہ رب العزت کی رحمت کو اپنی طرف کھینچا جاتا ہے (۷)۔

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الصوم، باب في الصائم يدعىٰ إلى وليمة، رقم الحديث: ٢٤٦٥

(۲) بذل المجهود، كتاب الصلوة: ٥/٣

(۳) شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الصلوة: ٢٩٧/٤، المجموع شرح المهذب، كتاب الصلوة: ٢/٣

(٤) لسان العرب: ٣٩٧/٧

(٥) النهاية في غريب الحديث والأثر: ٥٠/٣

(٦) بذل المجهود: ٦/٣، معجم الصحاح، ص: ٥٩٦، لسان العرب: ٣٩٧/٧

(٧) لسان العرب: ٣٩٧/٧، المعجم الوسيط، ص: ٥٢٢، معجم الصحاح، ص: ٥٩٦

۵-بعضوں نے کہا ہے کہ یہ "الصلا" سے ماخوذ ہے اور "صلا" وہ ہڈی ہے جس پر دونوں سرینیں ہوتی ہیں جو نماز پڑھتے ہوئے، رکوع اور سجود کے وقت حرکت کرتی ہیں (۱)۔

۶-بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ "صليت العصا بالنار" سے ماخوذ ہے، یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب لکڑی کو آگ پر تاپ کر نرم کیا جاتا ہے تاکہ اس کو سیدھا کیا جائے (۲)۔ چنانچہ نماز کو صلاۃ اسی لیے کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے انسان اپنی نفسانی کجی کو دور کرتا ہے۔

مذکورہ معنی پر دو اشکالات اور ان کے جوابات

صلوٰۃ کے اس معنی پر دو اشکالات پیدا ہوتے ہیں: ۱-لفظی، ۲-معنوی۔

۱-لفظی اعتبار سے اس معنی پر امام نووی رحمہ اللہ نے یہ اشکال کیا ہے کہ: "صلّيتُ العود" میں "صلّیت" ماخوذ ہے "صلّی" سے، جو ناقص یائی ہے اور "صلوٰۃ" ناقص واوی ہے تو پھر یہ اشتقاق کیسے درست ہوا؟ (۳)۔

۲-معنوی اشکال یہ ہوتا ہے کہ بہت سے افراد برسہابرس سے نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں لیکن پھر بھی ان کے نفس کے کجی دور نہیں ہوتی، نماز بھی پڑھتے رہتے ہیں اور کبائر کے مرتکب بھی رہتے ہیں، اور منکرات سے بھی باز نہیں آتے۔

پہلے اشکال کا جواب

امام نووی رحمہ اللہ کی طرف سے ذکر کیے گئے اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال اس وقت ہوسکتا ہے جب "اشتقاقِ صغیر" ہو، جبکہ یہاں "اشتقاقِ صغیر" نہیں ہے (۴)۔ لہٰذا یہ اشکال درست نہیں ہے۔

جواب کی تفصیل یہ ہے کہ:

قوانینِ صرف کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک کلمہ سے دوسرے کلمہ کو بنانا "اشتقاق" کہلاتا ہے (۵)۔ اس کی

---

(۱) المغرب: ۴۷۹/۱

(۲) معجم الصحاح، ص: ۵۹۶

(۳) المجموع شرح المهذب: ۲/۳

(۴) عمدة القاري: ۸۴/۴

(۵) المعجم الوسيط، ص: ۴۸۹

تین قسمیں ہیں: ۱-اشتقاقِ صغیر، ۲-اشتقاقِ کبیر، ۳-اشتقاقِ اکبر، دو لفظوں کے درمیان حروف میں بھی تناسب ہو اور ترتیب میں بھی، تو یہ ''اشتقاقِ صغیر'' ہے جیسے: ''ضَرَبَ، ضَرْبٌ سے مشتق ہے، اور اگر دو لفظوں کے درمیان حروف میں تو تناسب ہو لیکن ترتیب میں تناسب نہ ہو تو یہ ''اشتقاقِ کبیر'' ہے، جیسے: جَبَذَ، جَذْبٌ سے مشتق ہے۔ اور اگر حروف اور ترتیب میں تناسب نہ ہو لیکن دونوں لفظوں کے درمیان حروف کے مخرج میں تناسب ہو تو یہ ''اشتقاقِ اکبر'' ہے، جیسے: ''نعق، نهق'' سے(۱)۔ چنانچہ صلوٰۃ کا صلّیتُ العود علی النار سے ماخوذ ہونا، اشتقاق صغیر نہیں ہے، بلکہ اشتقاق اکبر ہے۔

دوسرے اشکال کا جواب

دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ نماز کا نمازی کو روکنا اور نماز کے ذریعے نفس کی کجی کا دور ہونا اس وقت ہے جب کہ نماز حقیقت میں نماز بھی ہو، جیسا کہ قرآن حکیم میں اس کے لیے اقامت صلوٰۃ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، اور اقامت صلوٰۃ کا مفہوم یہ ہے کہ نماز کے تمام ظاہری اور باطنی آداب اس طرح ادا کیے جائیں جس طرح جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر ادا کر کے بتلائے، چنانچہ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں نماز کے ظاہری آداب میں ''بدن، کپڑے اور جائے نماز کی مکمل طہارت، نماز باجماعت کا مکمل اہتمام اور نماز کے تمام اعمال کو سنت کے مطابق بنانا'' شامل ہے، اور نماز کے باطنی آداب میں ''مکمل خشوع وخضوع سے اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کھڑا ہونا کہ گویا وہ حق تعالیٰ سے عرض ومعروض کر رہا ہے'' داخل ہے، اقامتِ صلوٰۃ کرنے والے کو من جانب اللہ خود بخود اعمال صالحہ کی توفیق بھی ہوتی ہے اور ہر طرح کے گناہوں سے بچنے کی توفیق بھی۔ اور جو شخص نماز پڑھنے کے باوجود گناہوں سے نہ بچے تو یقیناً اس کی نماز میں کمی ہے(۲)۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بیان القرآن میں اس اشکال کا حل ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ ''بے شک نماز اپنی وضع کے اعتبار سے بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے، یعنی بلسانِ حال کہتی ہے کہ جس معبود کی تو اتنی تعظیم کرتا ہے فحشاء ومنکر کے ارتکاب سے اس کی بے تعظیمی نہایت

(۱) جامع الدروس العربية: ۱/۱۵۶، كشاف اصطلاحات فنون: ۱/۷٦٦

(۲) معارف القرآن: ٦/٦٩٦، الجامع لأحكام القرآن: ۱۳/۲۲٦

نازیباہے(۱)۔

بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ ”آیت ﴿إن الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر﴾ میں خبر، امر کے معنی میں ہے، تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ”نمازی کو چاہئے کہ وہ فحشاء اور منکر سے بچے“ خلاصہ کلام یہ کہ نماز بذات خود ہاتھ پکڑ کر برائی سے نہیں روکتی، بلکہ یہ برائی سے رکنے کا سبب بنتی ہے(۲)۔

اسی تناظر میں مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اکثر مفسرین کے نزدیک (قول محقق) یہ ہے کہ نماز میں بالخاصہ یہ اثر بھی ہے کہ اس کے پڑھنے والے کو گناہوں سے بچنے کی توفیق ہو جاتی ہے، اور جس کو توفیق نہ ہو تو غور کرنے سے ثابت ہو جائے گا کہ اس نماز میں کوئی خلل تھا اور اس نے اقامتِ صلوٰۃ کا حق ادا نہیں کیا(۳)۔

اور بعض حضرات نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ جب تک نمازی نماز میں مشغول رہتا ہے، اس وقت تک وہ منکرات سے بچا رہتا ہے، اور یہی مراد ہے آیت مبارکہ سے(۴)۔

اور یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ نمازی بنسبت بے نمازی کے منکرات میں کم مبتلا ہوتے ہیں(۵)۔

صلوٰۃ کے اصطلاحی معنی

ارکان معہودہ اور افعال مخصوصہ کو اصطلاح شرع میں ”صلوٰۃ“ کہتے ہیں(۶)۔

لفظ صلوٰۃ کو معنی لغوی سے معنی شرعی کی طرف نقل کیا گیا ہے یا مجازاً استعمال کیا جانے لگا ہے؟

اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ اگر پہلی صورت ہے تو ”صلوٰۃ“ بمعنی الأركان المخصوصة حقیقت شرعیہ ہے اور دعا کے معنی ہیں مجاز شرعی، اور اگر دوسری صورت ہو تو صلوٰۃ کا ارکان مخصوصہ کے لیے

(۱) بيان القرآن: ۱۱۳/۳

(۲) الجامع لأحكام القرآن: ۲۲٦/۱۳

(۳) معارف القرآن: ٦۹۷/٦

(٤) روح المعاني: ۳٦۷/۱۰

(٥) روح المعاني: ۳٦۷/۱۰، تفسير الكشاف: ٤٤۳/۳

(٦) الكوثر الجاري: ۲۷/۲، عمدة القاري: ۳/٤، الموسوعة الفقهية: ۵۱/۲۷، البناية: ٤/۲

استعمال مجاز اور دعا کے لیے استعمال حقیقت ہوگا(۱)۔

کتاب الصلوٰۃ میں امام بخاری رحمہ اللہ کا طرز

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کتاب الصلوٰۃ کے تحت ذکر کیے جانے والے ابواب کے درمیان مناسبت اور ترتیب کو ذکر کیا ہے، چنانچہ! حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جب میں نے کتاب الصلوٰۃ میں غور کیا تو میں نے اس کتاب کو بیس سے زائد انواع پر مشتمل پایا، چنانچہ میں ان کے درمیان ترتیب میں مناسبت کو ذکر کروں گا الخ" ابواب کے درمیان حافظ صاحب رحمہ اللہ کی ذکر کردہ مناسبت کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

نماز کی چار شرائط ہیں: طہارت، ستر عورت، استقبال قبلہ اور وقت۔ چونکہ طہارت کے مسائل بہت زیادہ ہیں، اس لیے مؤلفین حضرات اپنی کتب میں اس کو مستقل الگ ذکر کرتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہی کیا اور بقیہ شرائط کو کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا، پھر ان شرائط میں سے "ستر عورت" چونکہ صرف نماز کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے، اس لیے اس کے عام ہونے کی وجہ سے اس کو پہلے لائے، اس کے بعد استقبال قبلہ کو ذکر کیا اس لیے کہ یہ چند مخصوص نمازوں (جیسے: نماز خوف اور سفر کے دوران نوافل) اور عذر کی حالت کے علاوہ فرائض اور نوافل تمام نمازوں میں ضروری ہے، اور استقبال چاہتا ہے مکان کو تو اس لیے اس کے بعد ابوابِ مساجد ذکر کیے، اور بعض اوقات مسجد میسر نہیں ہوتی تو کسی ایسے مکان کی ضرورت پڑتی ہے جہاں یکسوئی ہو اور یکسوئی کا حصول سترہ سے ہوتا ہے، اس لیے مساجد کے بعد سترہ کے ابواب ذکر کیے، پھر ان تمام شرائط سے فارغ ہونے کے بعد آخری شرط مواقیت صلوٰۃ کو ذکر کیا، اور چونکہ اوقات کے لیے اعلام و اعلان مشروط ہے۔ اسی لیے اذان کو ذکر کیا، اور اذان چونکہ اجتماع مسلمین کے لیے ہوتی ہے اس لیے اذان کے بعد جماعت کو ذکر کیا، اور چھوٹی سے چھوٹی جماعت ایک امام اور ایک مقتدی سے قائم ہو جاتی ہے اس لیے جماعت کے بعد امامت کو ذکر کیا، پھر جب نماز کی شرائط اور اس کے توابع سے فارغ ہو گئے تو صفۃ الصلوٰۃ کے ابواب ذکر کیے، اور چونکہ صلوٰۃ بالجماعۃ کبھی مخصوص وقت اور مخصوص ہیئت کے ساتھ بھی ادا کی جاتی ہے تو اس مناسبت سے صلوٰۃ الجمعۃ اور صلوٰۃ الخوف کو اس کے بعد ذکر کیا اور ان دونوں میں سے بھی نماز جمعہ کو اس لیے پہلے ذکر کیا کہ وہ بنسبت نمازِ خوف کے کثیر الوقوع ہے۔ اس کے بعد چونکہ فرائض کے علاوہ بھی جماعت ہوتی ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے بعد عیدین، وتر،

---

(۱) تفسير البيضاوي: ۱/۱۸۵، معارف السنن: ۲/۲، فتح الملهم: ۳/۱۳۳

استسقاء اور صلوٰۃ کسوف کو ذکر کیا، پھر چونکہ نماز کسوف میں (حافظ رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق) رکوع زائد ہوتا ہے اس لیے اس کے بعد سجودِ تلاوت کے ابواب ذکر کیے، کیونکہ یہ بعض اوقات نماز میں واقع ہو جاتے ہیں، جس سے نماز میں ایک یا دو سجدے زیادہ ہو جاتے ہیں امام بخاری رحمہ اللہ نے ان نمازوں کے ذکر کے بعد جن نمازوں میں رکوع یا سجود زیادہ ہوتے ہیں ایسی نمازوں کو ذکر فرمایا، جن میں نقص (رکعات کی کمی) واقع ہوتا ہے، یعنی: سفر کی نماز، اور جب امام بخاری رحمہ اللہ ان نمازوں کے بیان سے فارغ ہوئے، جن میں جماعت مشروع تھی تو ایسی نمازوں کو ذکر کیا جن میں جماعت مشروع نہیں، یعنی نوافل، پھر چونکہ نماز میں کچھ شرائط ایسی بھی ہیں جو نماز شروع ہو جانے کے بعد ہوتی ہیں، جیسے: بات چیت کا چھوڑنا، نماز سے خارج زائد فعال کا چھوڑنا اور کھانے پینے کو چھوڑنا، اس لیے ان کی مناسبت سے تراجم قائم کیے گئے۔ پھر نماز کا باطل ہونا کبھی عمداً ہوتا ہے اور کبھی سہواً، اس لیے اس کے بعد احکام سہو ذکر کیے۔ اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اب تک تمام احکام ایسی نمازوں کے تھے جو رکوع وسجود والی تھیں، چنانچہ اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے ایسی نماز کے احکام ذکر کیے، جن میں نہ رکوع ہے نہ سجود، جیسے نماز جنازہ (۱)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کا اس بارے میں طرز عمل

کتاب الصلوٰۃ کے ابواب کے درمیان مناسبت کے بارے میں علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان ابواب میں سے ہر دو ابواب کی مناسبت کو ان کے مقام پر ذکر کریں گے، اور وہ مناسبت اس مناسبت کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہوگی جو حافظ صاحب رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے اور ذہن میں جلد بیٹھنے والی ہوگی (۲)۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی تحقیق

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کتاب الصلوٰۃ کے ابواب کے درمیان جو مناسبت حافظ صاحب قدس سرہ نے بیان فرمائی ہے، وہ بہت عمدہ اور بہترین ہے، لیکن اس کے باوجود بعض جگہوں میں اگر مزید گہرائی سے غور کیا جائے تو ان سے بھی زیادہ بہتر مناسبت ظاہر ہو سکتی ہیں (۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱/۵۹٤

(۲) عمدة القاري: ٤/٥٨

(۳) لامع الدراري: ۲/۳۱٤، أبواب والتراجم، ص: ٦٨، الكنز المتواری: ٤/٤

ا- منجملہ ان کے ایک مناسبت وہ بھی ہے جو حافظ رحمہ اللہ نے ابواب السہو کے بارے میں ذکر کی ہے، کہ حافظ صاحب رحمہ اللہ نے ذکر کیا تھا (امام بخاری رحمہ اللہ جب ابواب العمل فی الصلوٰۃ سے فارغ ہو گئے تو) ''نماز کے بطلان کے اسباب اختیاریہ میں مبتلا ہونے کی صورت میں احکام سہو کیا کیا ہوں؟ یہ بتلانے کے لیے احکام سہو کے ابواب لائے تھے''۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں زیادہ بہتر توجیہ یہ ہے کہ ''کتاب الصلوٰۃ میں ابواب العمل فی الصلوٰۃ کی تکمیل کے لیے ابواب سہو کو ذکر کیا گیا نہ کہ ابواب العمل فی الصلوٰۃ سے فارغ ہو کر ابواب سہو کو ذکر کیا گیا'' اس کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جب ''ابواب العمل فی الصلوٰۃ'' کو شروع کیا تو ابتدا میں اعمال ظاہرہ اور انتہاء میں اعمال قلب کے ابواب ذکر کیے، جس کے لیے ''باب تفكر الرجل الشیء في الصلوٰة'' کا ترجمہ قائم کیا، پھر چونکہ تفکر کے باعث کبھی سہو پیدا ہو جاتا ہے تو اس کے لیے احکام سہو کو ذکر کیا، چنانچہ ابواب السہو الگ سے مستقل ابواب نہیں ہیں بلکہ یہ تو ثمرۃ التفکر کی بناء پر وجود میں آئے ہیں اور تفکر اعمال قلب میں سے ہے، لہٰذا ابواب سہو، ابواب العمل فی الصلوٰۃ میں ہی داخل ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابواب السہو کے بعد ''باب اذا تكلّم و هو يصلي'' اور ''باب الإشارة في الصلوٰة'' کا ترجمہ قائم کیا ہے، اب اگر حافظ صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق ابواب السہو کو الگ اور مستقل شمار کیا جائے تو ان دو ابواب کا غیر محل میں ہونا لازم آئے گا، حالانکہ یہ ابواب العمل فی الصلوٰۃ میں سے ہیں (۱)۔

۲- اسی طرح حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الصلوٰۃ کی ابتداء نماز کی فرضیت کے بیان سے کی، کیونکہ دیگر ارکان اسلام سے قطع نظر نماز ایسا رکن ہے جس کا وقت متعین ہے (۲)۔

(۱) لامع الدراري: ۲/۳۱٤، أبواب والتراجم، ص: ٦٨، الكنز المتواري: ٤/٤

(۲) فتح الباري: ۱/٥٩٤

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جگہ میرے نزدیک زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ یہ کہا جاتا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس سے نماز کی فرضیت کی ابتداء کیسے اور کب ہوئی بتانا چاہ رہے ہیں، جیسا کہ اکثر ارکان اسلام کے ذکر کرنے میں ان کا طریقہ یہ ہے، نیز تراجم بخاری میں غور کرنے سے یہ بات سامنے آجاتی ہے، چنانچہ یہاں تو مبداء فرضیتِ صلوٰۃ کی صراحت موجود ہے، کیونکہ اس کا ثبوت ''نص'' یعنی حدیثِ معراج سے موجود ہے(۱)۔

۳-اس کے علاوہ! حافظ صاحب رحمہ اللہ نے یہ فرمایا تھا کہ نماز شروع ہوجانے کے بعد تین شروط ہیں: ترك الكلام، ترك الأفعال الزائدة وترك المفطر، توامام بخاری رحمہ اللہ نے ان کے لیے تراجم قائم کئے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کلام میں "ترك المفطر" کے بجائے "ترك الخصر" ہونا چاہئے کیونکہ کتاب الصلوٰۃ میں "ترك المفطر" کا کوئی ترجمہ نہیں ہے جبکہ ''ترک الخصر'' کا ترجمہ موجود ہے(۲)۔ اس کے علاوہ اور بھی کچھ جگہیں ہیں جن کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان پر تنبیہ ان کے مقام پر کی جائے گی(۳)۔

١ - باب : كَيْفَ فُرِضَتِ ٱلصَّلَوَاتُ فِي ٱلْإِسْرَاءِ .

یہ ترجمۃ الباب کُشْمِیهَنِيْ اور مُسْتَمْلِيْ (۴) کی روایت کے مطابق ہے جب کہ بخاری کے بعض نسخوں میں "الصلوٰت" (جمع کا صیغہ) کی بجائے "الصلوٰۃ" ہے۔(۵)

ترجمۃ الباب کا ماقبل اور مابعد سے ربط

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ کتاب (الصلاۃ) اُمورِ صلاۃ اور احوال صلوٰۃ پر مشتمل ہے، انہی

---

(١) الكنز المتواري: ٤/٥

(٢) لامع الدراري: ٢/٣١٤

(٣) الكنز المتواري: ٤/٥، الأبواب والتراجم، ص: ٦٩

(٤) كُشْمِيهَنِيْ، أبو الهيثم محمد بن المكي بن زراع الكشميهنى "مُسْتَمْلِيْ" أبو اسحاق ابراهيم بن أحمد بن ابراهيم المستملي (فهرس ابن عطية، ص: ١٣٧)

(٥) فتح الباري: ١/٥٩٦، عمدة القاري: ٤/٥٩

میں سے نماز کی فرضیت کی کیفیت کی معرفت بھی ہے، اور یہ معرفت اصل ہے اور باقی سب امور اس پر عارض ہیں، اور یہ بات ظاہر ہے کہ اصل قائم مقام ذات کے اور عوارض قائم مقام صفات کے ہوتے ہیں، اور ذات صفات سے مقدم ہوتی ہے، اسی لیے نماز کی فرضیت کی کیفیت کو تمام ابواب سے مقدم رکھا(۱)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود نماز کی فرضیت کی ابتداء کے بارے میں بتانا ہے کہ وہ کب فرض ہوئی؟ اس بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ نماز کی فرضیت لیلۃ الاسراء میں فرض ہوئی، اور امام صاحب کے نزدیک اسراء اور معراج ایک ہی ہے(۲)۔ اس پر مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی تحقیق

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ ترجمۃ الباب کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صحیح البخاری میں امام بخاری رحمہ اللہ نے تیس جگہ اصالۃً "کیف" سے ابواب کو شروع کیا ہے، ان میں سے یہ پانچواں باب ہے، اس باب سے کیفیتِ فرضیت بیان فرمارہے ہیں کہ نماز کی فرضیت کی کیا صورت ہوئی؟ فرضیت کی صورت یہ ہوئی کہ اولاً پچاس نمازیں فرض ہوئیں اور انتہاءً پانچ رہ گئیں۔

جیسا کہ روایات میں آرہا ہے، اس میں اختلاف ہے کہ اسراء اور معراج ایک ہی رات میں ہوئیں یا الگ الگ؟! امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ ایک ہی رات میں دونوں ہوئیں، اس لیے "فرضت الصلوٰۃ في الاسراء" فرمایا، حالانکہ فرضیت آسمان پر ہوئی اور وہ معراج ہے اور (امام بخاری رحمہ اللہ) پھر "في الإسراء" فرمارہے ہیں، معلوم ہوا کہ دونوں ایک ہی رات میں ہیں (۳)۔

ترجمۃ الباب کو "کیف" سے شروع کرنے کی حکمت

"کیف" بیان حال کے لیے ہوتا ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو مجازاً کیفیتِ مکانی اور کیفیت زمانی

---

(۱) عمدة القاري: ٥٩/٤

(۲) الكوثر الجاري: ٥/٢، فتح الباري: ٥٩٦/١، الكنز المتواري: ٥/٤

(۳) تقرير بخاري: ١١٧/٢، لامع الدراري: ٣١٤/٢

کے لیے استعمال کیا جائے۔ اگر اس جگہ امام بخاری رحمہ اللہ نے علی وجہ العموم اس لفظ کو کیفیتِ حال، مکان و زمان کے لیے استعمال کیا ہے تو حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق (کہ کیف کا استعمال احوالِ مختلفہ پر تنبیہ کے لیے ہوتا ہے، حاصل اس کا) یہ ہے کہ اولاً نمازیں پچاس فرض ہوئیں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار بارگاہِ عزوجل میں تخفیف کے لیے درخواست کرتے رہے، حتیٰ کہ پچاس سے کم ہوتے ہوتے نمازیں پانچ رہ گئیں۔ پھر یہ فرضیت لیلۃ الاسراء میں ہوئی اور یہ مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران ہوئی تو اس سے مکان اور زمان کا بھی بیان ہوگیا (۱)۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے نماز کی فرضیت کی ابتداء کے بارے میں ترجمہ ترجمہ قائم کیا ہے جبکہ دیگر طاعات کے لیے تراجم منعقد نہیں کیے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نماز کی فرضیت کی ابتداء کے متعلق تو قطعی طور پر معلوم ہے لیکن دیگر طاعات کی فرضیت کی ابتداء کے بارے میں قطعی معلومات نہیں ہیں کہ ان کی فرضیت کب ہوئی؟ (۲)۔

"إسراء" کا معنی

"إسراء" باب افعال کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں "رات کو چلنا"، اور بعض کہتے ہیں کہ رات کا اکثر حصہ چلنا (۳)۔ ابوعبیدہ اور زمخشری کہتے ہیں کہ "سری" اور "اسری" دونوں ایک ہیں اور اس کا ہمزہ تعدیہ کے لیے نہیں، لیکن ابن عطیہ کی رائے ہے کہ یہ ہمزہ تعدید کے لیے ہے (۴)۔

اس کے علاوہ "اللیث" کی رائے یہ ہے کہ "اسریٰ" رات کے ابتدائی حصے میں چلنے اور "سری" رات کے آخری حصے میں چلنے کو کہتے ہیں، اور جمہور کے نزدیک "سار" عام ہے۔ رات یا دن دونوں میں چلنے کے لیے استعمال ہوتا ہے (۵)۔

---

(۱) فضل الباري: ۱/۱۲۱، معجم الصحاح، ص: ۹۳۵

(۲) فتح الباري: ۱/۵۹٤

(۳) لسان العرب: ٦/۲۵۲، مختار الصحاح، ص: ۱۸۳

(٤) روح المعاني: ۸/٦

(۵) روح المعاني: ۸/٦

جبکہ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پہلا (قول یعنی: ابوعبید اور زمخشری والا قول) معروف ہے(۱)۔

معراج کے معنی

''معراج'' عروج سے مأخوذ ہے، عروج کہتے ہیں چڑھنے کو اور معراج کہتے ہیں آلہ عروج کو، یعنی سیڑھی کو(۲)۔

اسراء اور معراج ایک ہی ہیں یا الگ الگ؟

اسراء اور معراج دو لفظ ہیں، ان کی حقیقتیں الگ الگ ہیں: اسراء کا اطلاق مکہ مکرمہ سے لے کر بیت المقدس تک کی سیر پر ہوتا ہے اور معراج کا اطلاق بیت المقدس سے لے کر آسمان تک کی سیر پر ہوتا ہے(۳)۔ اور کبھی دونوں کا اطلاق ایک دوسرے پر بھی ہوتا ہے(۴)۔

البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں کو ایک ہی قرار دیتے ہوئے ان کو اسراء کہا ہے(۵)۔

اس سلسلے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ پورے سفر کو اسراء کہتے ہیں، وہ اس فرق کے قائل نہیں ہیں جو پیچھے ذکر کیا گیا ہے اس کی دلیل امام صاحب کا ''کیف فرضت الصلوٰۃ في الإسراء'' کے عنوان سے ترجمہ قائم کرنا ہے، کیونکہ نمازوں کی فرضیت تو معراج میں ہوئی لیکن اس کے باوجود امام صاحب کا ''لفظ اسراء'' استعمال کرنا بتا رہا ہے کہ ان کے نزدیک دونوں ایک ہی ہیں(۶)۔

کیا اسراء اور معراج ایک ہی رات میں ہوئی؟

اسراء اور معراج دونوں کا وقوع ایک ہی رات میں ہوا یا متعدد راتوں میں الگ الگ؟ تو اس بارے میں

(۱) الجامع لأحكام القرآن: ۱۰/۱۳٤

(۲) مختار الصحاح، ص: ۲٥٤، التعليق الصبيح، باب في المعراج: ۷/۱۳٦

(۳) الجامع لأحكام القرآن: ۱۰/۱۳۸، التعليق الصبيح: ۷/۱۳٦

(٤) التعليق الصبيح: ۷/۱۳٦

(٥) شرح صحيح البخاري لابن رجب: ۲/٥، فيض الباري: ۲/٥

(٦) فتح الباري: ۱/٥۹٦

علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

جمہور علماء و محققین کا مذہب یہ ہے کہ اسراء اور معراج دونوں بیداری کی حالت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر اور روح مبارک کے ساتھ ایک ہی رات میں پیش آئے (۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عقلاً یا نقلاً اس مذہب کو چھوڑ کر کسی اور مذہب کو اپنانے کی گنجائش نہیں ہے (۲)۔

اور صاحب فتح الملہم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور کے مسلک سے ہٹنا ٹھیک نہیں ہے، بالخصوص موجودہ دور میں جبکہ سائنس کے نت نئے تجربات اور تحقیقات سامنے آرہی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، تو پھر معراج جیسے خلاف قیاس واقعے کا پیش آنا عقلاً بھی ممکن ہو چکا ہے (۳)۔

اسراء اور معراج بیداری کی حالت میں ہوئی یا نیند کی حالت میں؟

سابقہ بحث کی طرح سلف صالحین کے اس بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں، یہاں بھی جمہور علماء کا مسلک وہی ہے جو اوپر ذکر ہوا کہ دونوں واقعے بیداری کی حالت میں پیش آئے (۴)۔

جمہور علماء کی پہلی دلیل

جمہور علماء کا مسلک یہ تھا کہ اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دربار میں بیداری کی حالت میں آپ کے جسد و روح کے ساتھ بلایا تھا، اس کی دلیل قرآن پاک کی آیت ﴿سبحٰن الذی اسریٰ بعبده لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ﴾ ہے (۵)۔ کہ اس آیت مبارکہ کے پہلے لفظ میں ہی اس طرف اشارہ موجود ہے کہ یہ سفر صرف روحانی نہیں تھا بلکہ جسمانی تھا (۶)۔ کیونکہ لفظ ''سبحان'' تعجب اور

---

(۱) عمدة القاري: ۲٦/۱۷، باب حديث الإسراء، فتح الباري: ۲٤۷/۷، باب حديث الإسراء، التعليق الصبيح: ۱۳٦/۷، مرقاة المفاتيح، باب في المعراج: ٥٤۷/۱۰.

(۲) فتح الباري: ۲٤۷/۷

(۳) فتح الملهم: ۱۸٥/۲، باب الإسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم إلى السمٰوٰت

(٤) فتح الباري: ۲٤۷/۷

(٥) التفسير الكبير: ۱۲۱/۲

(٦) تفسير ابن كثير: ۱۱٤/٤

کسی عظیم الشان امر کے لیے استعمال ہوتا ہے(۱)۔اگر معراج صرف روحانی (بطور خواب کے) ہوتی تو اس میں کوئی ایسی عجیب بات نہیں تھی کہ اس کے لیے لفظ ''سبحان'' استعمال کیا جاتا، اس لیے کہ خواب تو ہر انسان دیکھ سکتا ہے کہ میں زمین کے ایک کونے سے دوسرے کونے کی طرف گیا یا آسمان پر چڑھا، یا پھر آسمانوں سے اوپر عرش تک پہنچ گیا وغیرہ وغیرہ، اور اس پر کوئی تعجب بھی نہیں کرتا(۲)۔

جمہور کی دوسری دلیل

جمہور کی دوسری دلیل اسی آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے "عَبْــــــدِہٖ" کا خطاب ہے۔ وہ اس طرح کہ ''عبد'' کا اطلاق جسد اور روح دونوں کے مجموعے پر ہوتا ہے(۳)۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص کہے کہ ''جاء نی عبد فلان'' تو اس کے حقیقی اور متبادر معنی یہی ہیں کہ وہ بیداری میں اپنے جسم اور جان سمیت آیا، پس ''عبد'' کا مصداق روح وجسد کے مجموعہ اور بیداری میں اس فعل کے صدور پر ہوتا ہے نہ کہ خواب میں اور نہ صرف روح پر(۴)۔ نیز اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں دوسرے موقع پر ''عبد'' کا استعمال جسد مع الروح اور بیداری کی حالت کے ساتھ ہی استعمال کیا ہے(۵)۔ جیسے ﴿لـمـا قـام عبداللہ یـدعـوہ کـادوا...... یـکـونـون علیہ لِبَدًا﴾(٦) کہ ''جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ کہ اس کو پکارے، (تو) لوگوں کا بندھنے لگا اس پر ٹھٹھ (جھرمٹ، بھیڑ)(۷)۔اور ﴿ارء یـت الـذی ینـھـیٰ عبدا اذا صلی﴾(۸)۔ کہ ''تو نے دیکھا کہ اس کو؟ جو منع کرتا ہے، ایک بندہ کو جب وہ نماز پڑھے''(۹)۔

---

(۱) فتح الباري: ۲٤۹/۷

(۲) روح المعاني: ۹/۸

(۳) التفسير الكبير: ۱۲۱/۲۰، روح المعاني: ۹/۸

(٤) بيان القرآن: ۳٦۱/۲

(٥) التفسير الكبير: ۱۲۱/۲، سبل الهدى والرشاد: ۱۲/۳

(٦) سورة الجن: ۱۹

(۷) ترجمه تفسير عثماني، ص: ٤٤٦

(۸) سورة العلق: ۹، ۱۰

(۹) تفسير عثماني، ص: ۷۸۲

نیز اگر یہ سفر خواب میں اور صرف روح کو پیش آتا تو "بروح عبده" استعمال ہوتا نہ کہ "بعبده" (۱).

امام رازی رحمہ اللہ نے اس بات کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ جمہور کا مسلک قرآن اور حدیث دونوں سے ثابت ہوتا ہے (قرآن سے اس بات کا ثبوت اوپر گذر چکا) اور حدیث پاک ہے اس کا ثبوت صحاح کی وہ مشہور حدیث ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر جانے کو بیان کرتی ہے (۲)۔

جمہور کی تیسری دلیل

جمہور کی ایک دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أسري بي" یہ فعل ہے، اور افعال میں اصل یہ ہے کہ وہ بیداری کی حالت میں سرانجام دیئے جاتے ہیں الا یہ کہ اس کے خلاف عقلی یا شرعی دلیل قائم ہو جائے۔ اور وہ یہاں ہے نہیں (۳)۔

جمہور کی چوتھی دلیل

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو براق پر سوار کروا کر لے جایا گیا اور جانوروں پر ارواح کو نہیں اجسام کو سوار کرایا جاتا ہے، اس پر علامہ زرقانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: چنانچہ یہ بات ضروری ہے کہ جانور پر سوار ہونے والا جسد مع الروح کے سوار ہو (۴)۔

جمہور کی پانچویں دلیل

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس تشریف لے آئے اور صبح قریش کے سامنے اپنا قصہ بیان کیا تو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اور کچھ نئے نئے ایمان لانے والے مرتد بھی ہو گئے، اور ایک گروہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور جا کر کہا کہ تمہارا ساتھی یہ کہتا ہے کہ وہ رات ہی رات میں بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا وہ ایسا بیان کر رہے ہیں؟

---

(۱) الجامع لأحكام القرآن: ۱۰/۱۳٦، شرح المواهب للزرقاني: ۸/۱۵

(۲) التفسير الكبير: ۲/۱۲۱

(۳) شرح المواهب: ۸/۱۵

(٤) تفسير ابن كثير: ٤/۱۱٤، شرح المواهب: ۸/۱۵

لوگوں نے جواب دیا کہ ہاں وہ ایسا بیان کررہے ہیں اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر وہ ایسا بیان کررہے ہیں تو ٹھیک ہے، سچ فرمارہے ہیں، اس پر لوگوں نے کہا کہ کیا اس بات کی بناء پر بھی ان کو سچا کہہ رہے ہو کہ رات میں ہی بیت المقدس گئے صبح سے پہلے ہی واپس بھی آگئے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں ان کی تصدیق کرتا ہوں''(۱)۔

چنانچہ! معراج کے واقعہ کو سن کر بعض افراد کا مرتد ہو جانا، قریش کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانا اور بطور تعجب اور جھٹلانے ہی کے واسطے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان کو خبر دینا اور پھر ان کا تصدیق کرنا، یہ تمام امور اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ واقعہ بیداری میں اور جسم مع الروح کو پیش آیا ورنہ معراجِ نامی ہوتی تو یہ تمام امور بعید از عقل ہیں (۲)۔

جمہور کی چھٹی دلیل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ معراج جب حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کو بتلایا تھا تو انہوں نے مشورہ دیا تھا کہ آپ اس کا کسی سے ذکر نہ کریں ورنہ لوگ اور زیادہ تکذیب کریں گے، اگر معاملہ خواب کا ہوتا تو اس میں تکذیب کی کیا بات تھی؟ یعنی یہ واقعہ بیداری میں پیش آیا اور سب اس کو ایسا ہی جان رہے تھے، تب ہی تو یہ سارے واقعات ہوئے (۳)۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی زبانی جمہور کے مؤقف کی وضاحت

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تفسیر عثمانی میں فرماتے ہیں:

''قرآن کریم نے جس قدر اہتمام اور ممتاز و درخشاں عنوان سے واقعہ ''اسراء'' کو ذکر فرمایا اور جس قدر جد و مستعدی سے مخالفین اس کے انکار و تکذیب پر تیار ہو کر میدان میں نکلے، حتیٰ کہ بعض موافقین کے قدم بھی لغزش کھانے لگے، یہ اس کی دلیل ہے کہ واقعہ کی

(۱) دلائل النبوة للبيهقي، باب الإسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم: ٢/٣٦١

(۲) تفسير قرطبي: ١٣١/١٠، تفسير ابن كثير: ١١٤/٤، مرقاة المفاتيح، كتاب الفضائل والشمائل، باب في المعراج: ٥٨٤/١٠

(۳) سيرت ابن شام، ذكر الإسراء والمعراج: ٤٠٢/١

نوعیت محض ایک عجیب وغریب خواب یاسیرِ روحانی کی نہ تھی، روحانی سیر وانکشافات کے رنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو دعاوی ابتدائے بعثت سے رہے ہیں، دعوائے اسراء کفار کے لیے کچھ ان سے بڑھ کر تعجب خیز وحیرت انگیز نہ تھا جو خصوصی طور پر اس کو تکذیب وتردید اور استہزاء وتمسخر کا نشانہ بناتے اور لوگوں کو دعوت دیتے کہ آؤ، آج مدعی نبوت کی ایک بالکل انوکھی بات سنو، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص اس واقعہ کے اظہار پر اس قدر متفکر ومتوحش ہونے کی ضرورت تھی جو بعض روایات صحیحہ میں مذکور ہے، بعض احادیث میں صاف لفظ ہیں ''ثُمَّ اَصْبَحْتُ بِمَكَّةَ'' یا ''ثُمَّ اَتَيْتُ مَكَّةَ'' (پھر صبح کے وقت میں مکہ پہنچ گیا) اگر معراج محض کوئی روحانی کیفیت تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے غائب ہی کہاں ہوئے؟ اور شداد بن اوس وغیرہ کی روایت کے موافق بعض صحابہ کا یہ دریافت کرنا کیا معنی رکھتا ہے کہ ''رات میں قیام گاہ پر تلاش کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف لے گئے تھے؟''

ہمارے نزدیک ''اَسْرىٰ بِعَبْدِهٖ'' کے یہ معنی لینا کہ خدا اپنے بندے کو خواب میں یا محض روحانی طور پر مکہ سے بیت المقدس لے گیا'' اس کے مشابہ ہے کہ کوئی شخص ''فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ'' کے یہ معنی لینے لگے کہ ''اے موسیٰ میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو خواب میں یا محض روحانی طور پر لے کر مصر سے نکل جاؤ'' یا سورہ کہف میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لیے جانا اور ان کے ہمراہ سفر کرنا جس کے لیے کئی جگہ ''فَانْطَلَقَا'' کا لفظ آیا ہے، اس کا مطلب یہ لے لیا جائے کہ یہ سب کچھ محض خواب میں یا بطور روحانی سیر کے واقع ہوا تھا''(۱)۔

معراجِ منامی کے قائلین کی پہلی دلیل

معراج منامی کے قائلین کی پہلی دلیل یہ ہے کہ محمد بن اسحاق بن یسار نے یہ اثر ذکر کیا ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر معراج کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ

(۱) تفسیر عثماني، ص: ۳۶۷

وہ اللہ کی جانب سے سچا خواب تھا اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ آیت مبارکہ ﴿وما جعلنا الرؤیا التی اریناك الا فتنة للناس﴾ اسی بارے میں نازل ہوئی ہے(۱)۔

چنانچہ اس اثر اور آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سفرِ معراج بیداری کی حالت میں نہیں بلکہ نیند کی حالت میں، خواب میں پیش آیا، جیسا کہ مذکورہ اثر اور آیت مبارکہ میں ''رؤیا'' کے لفظ سے ظاہر ہے۔

مذکورہ دلیل کا جواب

محمد بن اسحاق نے جس سند سے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا اثر ذکر کیا ہے وہ یہ ہے ''حدثني يعقوب بن عتبة بن المغيره بن أخنس أن معاوية بن أبي سفيان ...... الخ'' شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یعقوب اگرچہ ثقہ ہیں، لیکن انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ کو نہیں پایا۔ لہٰذا یہ خبر منقطع ہے، اور منقطع حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں (۲)۔

نیز یہ روایت اس لیے بھی باطل ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان کی وفات ۶۰ ہجری میں ہوئی (۳)۔ اور یعقوب بن عتبہ کی وفات ۱۲۸ ہجری میں ہوئی (۴)۔

مذکورہ اثر اور آیت مبارکہ میں ''الرؤیا'' کے لفظ سے استدلال کیا گیا ہے۔ چونکہ ''الرؤیا'' کا استعمال نیند کی حالت میں خواب دیکھنے میں غالب کا ہے، اس لیے ان دونوں جگہوں میں معراج کے نیند میں پیش آنے کا مغالطہ لگا۔

جبکہ ''الرؤیا'' کا استعمال حالت بیداری میں حقیقی آنکھوں سے دیکھنے پر بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ لسان العرب میں ہے (۵)۔

''وقد جاء الرؤيا في اليقظة'' . قال الراعي:

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۱۱۴/۴، سیرت ابن ہشام: ۴۰۰/۱

(۲) سبل الهدى والرشاد، في كيفية الاسراء: ۶۹/۳

(۳) إكمال تهذيب الكمال: ۲۶۴/۱۱، الإصابة في تميز الصحابة: ۴۳۴/۳

(۴) الكاشف، الترجمة: ۵۵۹۷: ۱۳۹/۳

(۵) لسان العرب: ۸۸/۵، التفسير الكبير: ۱۸۸/۲۰

فـكـبَّـر لـرؤيـا وهـشَّ فـؤادُه

وبشَّـر نـفسـاً كان قبلُ يلومُها

وعليه فسر قوله تعالىٰ: ﴿وما جعلنا الرؤيا التى اريناك الا فتنة للناس﴾

قال: وعليه قول أبي الطيب:

"ورؤياك أحلى في العيون عن الغمض"

چنانچہ امام ثعلبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں ''وما جعلنا الرؤيا" آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں کہ یہاں ''الرؤيا" سے مراد کھلی آنکھوں سے دیکھنا ہے، اور اس سے مراد ان عجائب اور اللہ کی نشانیوں کو دیکھنا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں دیکھی، یہی وجہ تھی کہ سننے والے فتنہ کا شکار ہو گئے، کچھ نے انکار کیا، کچھ نے جھٹلایا اور کچھ دین سے پھر گئے۔

اور اسی پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو محمول کیا جائے گا کہ جب ان سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسراء کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ''كانت رؤيا من الله صادقة" یعنی یہ اللہ کی جانب سے جاگتی آنکھوں سے دیکھنا تھا۔

اور مذکورہ آیت کی مذکورہ تاویل، سعید بن جبیر، حسن، مسروق، ابو مالک، قتادہ، مجاہد، ضحاک، ابوزید، ابن جریج، عکرمہ اور عطیہ رحمہم اللہ کا قول ہے(۱)۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب المعراج، کتاب التفسیر اور کتاب القدر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر نقل کیا ہے کہ آیت مبارکہ میں ''الرؤیا" سے مراد رؤیا منام نہیں بلکہ رؤیہ بصریہ اور رؤیہ عین ہے(۲)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سید المفسرین ہیں، ان کے لیے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فہم قرآن کی دعا فرمائی تھی، لہٰذا اس بارے میں ان کا قول ہی معتبر ہوگا۔

اس مراد پر خود آیت مبارکہ میں ہی دلیل ہے کہ جو آپ کو دکھلایا گیا وہ لوگوں کے لیے فتنہ تھا، اگر یہ

---

(۱) الكشف والبيان المعروف بتفسير الثعلبي: ٥٨/٤، نسيم الرياض، القسم الأول في تعظيم العلي الأعلى لقدر النبي صلى الله عليه وسلم: ١٠٠/٣

(۲) صحيح البخاري، باب المعراج: ٣٨٨٨، وفي التفسير: ٤٧١٦، وفي القدر: ٦٦١٣

خواب ہوتا تو پھراس کا فتنہ ہونا کیسے ممکن تھا، خواب میں تو یہ ہی کیا، اس سے بھی آگے کی باتیں نظر آجاتی ہیں، فتنہ تو اس صورت میں ہوتا تو جب یہ رؤیت بصریہ ہوتی (۱)۔ اور اگر مراد خواب بھی ہوتو اس کے علاوہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں مفسرین کے اور اقوال بھی ہیں:

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق جنگ بدر سے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ شروع ہونے سے پہلے مقتولینِ کفار کے مصارع اور ان کے مقتل دکھلا دیئے گئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "هذا مصرع فلان وهذه مصرع فلان وهذا مصرع فلان" (۲).

بعض علماء کا قول یہ ہے کہ یہ آیت حدیبیہ کے خواب سے متعلق کا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب دکھایا گیا تھا کہ آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کیا (۳)۔

بعض روایت میں ہے کہ اس سے مراد بنوامیہ کی مخصوص حالت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ بنوامیہ آپ کے منبر پر چڑھ رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعبیر یہ کی کہ ان کو دنیا نصیب ہوگی (۴)۔

امام قرطبی رحمہ اللہ کا فرمانا ہے کہ حدیبیہ کے خواب والی تاویل ضعیف ہے۔ کیونکہ سورت مکی ہے اور یہ رؤیا مدینہ میں ہوا (۵)۔ اس کے علاوہ "بنوامیہ" والی تاویل پر بھی بعض کی طرف سے اعتراض ہوا، لیکن امام رازی، امام قرطبی اور علامہ آلوسی رحمہم اللہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مکہ میں منبر نہیں تھا لیکن یہ عین ممکن ہے کہ آپ نے مدینہ منورہ میں اپنے لیے قائم کیے جانے والے منبر کے بارے میں مکہ میں خواب دیکھا ہو (۶)۔

---

(۱) تفسير قرطبي: ۱۰/۱۸۳، فتح الباري، كتاب مناقب الأنصار: ۷/۲۷۳، عمدة القاري: ۱۷/٤۰

(۲) روح المعاني: ۸/۱۰۲، إرشاد الساري: ١٤/٢٥

(۳) التفسير الكبير: ۲۰/۱۸۸، نسيم الرياض، فصل في إبطال حج من قال إنها نوم: ۳/۱۱۳، تفسير قرطبي: ۱۰/۱۸۳، روح المعاني: ۸/۱۰۲

(٤) المصدر السابق، تفسير السمرقندي: ۲/۲۷٤

(٥) تفسير قرطبي: ۱۰/۱۸۳

(٦) التفسير الكبير: ۱۰/۱۸۸، تفسير قرطبي: ۱۰/۱۸۳، روح المعاني: ۸/۱۰۲

یہ تمام اقوال اپنی جگہ، لیکن درست بات یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق معراج کے ساتھ ہے (۱)۔

نیز آیت مذکورہ کی تاویل کرتے ہوئے بعض علماء نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ بیداری کی حالت میں عالم غیب کے مشاہدات کی تعبیر کے لیے لغت عرب میں کوئی لفظ نہیں، اس لیے اس جگہ ''رؤیا'' ہی زیادہ مناسب تھا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم غیب میں عجائبِ ملکوت کا مشاہدہ کیا تھا، جیسے آدمی خواب میں بہت سی عجیب وغریب باتیں مافوق العقل مشاہدہ کرتا ہے۔

نیز تورات میں اس لفظ ''رؤیا'' کا اطلاق بکثرت حالتِ بیداری میں انبیاء علیہم السلام کے مشاہدات کے لیے کیا گیا ہے (۲)۔

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی رحمہ اللہ نے یہ لکھا ہے کہ سفرِ معراج بیداری میں ہوا، اس کے باوجود اس کو ''رؤیا'' سے تعبیر کرنے کی وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ منکرین کے قول کے مطابق بطورِ مشاکلت کہہ دیا ہو (۳)۔

معراجِ منامی کے قائلین کی دوسری دلیل

معراجِ جسمانی کا انکار کرنے والوں کی دوسری دلیل وہ روایت ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بطریقِ شریک بن عبداللہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ تخریج کیا ہے، اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کی تصریح ہے، ملاحظہ ہو ''وهو نائم في المسجد الحرام'' اور حدیث پاک کے آخر میں ہے ''واستيقظ وهو في المسجد الحرام'' (۴)۔

مذکورہ دلیل کا جواب

منکرین کی دلیل کا پہلا جواب یہ ہے کہ شریک بن عبداللہ کی روایت میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو

---

(۱) التفسير الكبير: ۱۸۹/۲۰

(۲) فيض الباري، باب المعراج: ۵۳۲/٤

(۳) إرشاد الساري: ۲۵/٤

(٤) صحيح البخاري، كتاب التوحيد، رقم الحديث: ۷۵۱۷، وكتاب المناقب، باب: كان النبي صلى الله عليه وسلم تنام عينه ولا ينام قلبه، رقم الحديث: ۳۵۷۰

قصہ معراج روایت کرنے والے راویوں میں سے کسی نے بھی ذکر نہیں کیں (۱)۔

چنانچہ! حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شریک کی روایت میں جو باتیں مشہور روایوں کی روایات کے خلاف ہیں وہ دس بلکہ دس سے بھی زیادہ ہیں۔ پھر حافظ صاحب نے بارہ اوہام اور ابن قیم رحمہ اللہ کی نسبت سے تیرہ اوہام ذکر کیے ہیں۔ جن میں ایک وہم یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج نیند کی حالت میں ہوئی (۲)۔

شریک بن عبداللہ کے بارے میں ائمہ کے اقوال

شریک بن عبداللہ کی بہت سے ائمہ نے توثیق کی ہے اور بعض نے ان کی تضعیف بھی کی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے متعدل اور فیصلہ کن بات یہ فرمائی ہے کہ ان کی احادیث کو اصحاب اصول نے قابل احتجاج گردانا ہے، البتہ حدیثِ اسراء (جسے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں) میں کچھ مقامات ہیں جو شاذ ہیں اور ان کی متابعت نہیں ملتی (۳)۔

شریک بن عبداللہ پر تفصیلی کلام ائمہ کے اقوال کشف الباری، جلد سوم میں گذر چکے ہیں (۴)۔

نیز اس راوی پر امام نووی (۵)، حافظ ابن حجر (۶)، علامہ عینی (۷)، علامہ خفاجی (۸) اور علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہم اللہ (۹) نے بھی سب اقوال کو جمع کر کے تفصیلی بحث کی ہے۔

---

(۱) فتح الباري، كتاب التوحيد: ۶۰۳/۱۳

(۲) فتح الباري: ۶۰۲/۱۳، نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض: ۱۱۷/۳

(۳) هدي الساري مقدمه فتح الباري، ص: ۵۸۲

(٤) كشف الباري، كتاب العلم: ۱۵۸/۳

(۵) شرح النووي على صحيح مسلم: ۳۸٤/۳

(٦) فتح الباري: ۲۵٦/۷

(۷) عمدة القاري: ۳۰/۱۷

(۸) نسيم الرياض: ۱۱٤/۳

(۹) فتح الملهم: ۱۷۱/۲

دوسرا جواب

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء'' میں یہ بات لکھی ہے کہ ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سفرِ اسراء میں مختلف حالات پیش آئے ہوں، مثلاً کچھ حصے میں آپ اپنی آنکھیں بند کر کے سوتے رہے، ادب کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ اپنے ربِ عزوجل کے سوا کسی اور کو نہ دیکھ سکیں، اور بعض حصے میں بیدار رہے ہوں اور بعض میں نیند اور بیداری کے درمیان کی حالت میں ہوں۔

اس پر الشفاء کے شارح علامہ خفاجی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ توجیہ محض اٹکل اور اندازے لگانے والی بات ہے، اگر مصنف رحمہ اللہ اس کو ذکر ہی نہ کرتے تو اچھا تھا (۱)۔

تیسرا جواب

ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس جگہ سونے کی ہیئتِ اضطجاع کو ''نوم'' سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ اضطجاع کہتے ہیں اپنے کو زمین پر ایسے ڈال دینا کہ نہ کھڑا ہو اور نہ ہی بیٹھا ہوا ہو۔ چنانچہ اس ہیئت کو مجازاً نیند سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے، بوجہ نیند اور اس ہیئت کے درمیان ملابست کے (۲)، اسی مفہوم پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے (۳)۔

جس میں سفرِ معراج کے ابتداء کی حالت کو بیان کیا گیا ہے، جس کے یہ الفاظ روایت میں موجود ہیں ''بینما أنا في الحطیم". وربما قال: "في الحجر ومضطجعاً" اور بعض روایات کے مطابق ''بین النائم والیقظان" کے الفاظ ہیں۔ چنانچہ ان سے مراد نیند نہیں بلکہ ہیئتِ نیند لی جائے گی (۴)۔

چوتھا جواب

بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ نوم اور استیقاظ کے الفاظ سے ان کا ظاہری معنی ہی مراد لیا جائے تو

---

(۱) نسیم الریاض، القسم الأول في تعظیم العلي الأعلی لقدر النبي صلی اللہ علیہ وسلم: ۳/۱۱۶

(۲) لسان العرب: ۸/۲۲، نسیم الریاض: ۳/۱۱۷

(۳) صحیح البخاري، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة، رقم الحدیث: ۳۲۰۷، جامع الأصول، رقم الحدیث: ۸۸۱۶: ۱۱/۲۹۲

(٤) نسیم الریاض: ۳/۱۱۶

بھی کوئی حرج نہیں، وہ اس طرح کہ اس صورت میں کہا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں تو سو رہی تھیں لیکن آپ کا دل بیدار تھا اور احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء کی آنکھیں تو سوتی ہیں، لیکن ان کے دل بیدار رہتے ہیں (۱)۔

لیکن اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر معراج جسم کے ساتھ پھر اور آپ کی آنکھیں سو رہی ہوں تو یہ نا صرف خلاف معتاد ہے بلکہ غیر مفید بھی ہے۔

اس پر ''الشفاء'' میں قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اس لیے کیا ہو کہ آپ کے احساسات اللہ رب العزت سے ہٹ کر کسی اور طرف متوجہ نہ ہوں۔

اس کے جواب میں علامہ خفاجی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اگر ایسا مراد لیا جائے تو پھر جسمانی معراج کی بھی ضرورت نہیں رہتی، محض روحانی معراج سے بھی یہ مقصود حاصل ہو جانا ممکن ہے۔

نیز! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھانا، اور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقاتیں بالخصوص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بار بار مراجعت بھی اس کا انکار کرتی ہے کہ سونے والے شخص سے ان کا صدور نہیں ہو سکتا (۲)۔

پانچواں جواب

بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ نیند ابتدائے قصہ میں تھی، بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے تھے، کیونکہ اس روایت سمیت کسی بھی روایت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، جس سے پتہ چلے کہ آپ پورے واقعے میں سوتے رہے (۳)۔

مذکورہ جواب پر اشکال اور اس کا جواب

مذکورہ جواب پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ تسلیم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قصہ کی ابتداء میں تو سوتے رہے پھر بیدار ہو گئے، اس لیے کہ روایت کہ آخر میں ''استيقظ وهو في مسجد الحرام" ہے۔ اس سے پتہ چلتا

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب قوله: "وكلّم الله موسىٰ تكليماً"، رقم الحديث: ۷۵۱۷

(۲) نسيم الرياض: ۳/۱۱۵، ۱۱۶

(۳) إرشاد الساري: ۱۵/۴۸۵، فتح الملهم: ۲/۱۷۱، نسيم الرياض: ۳/۱۱۴

ہے کہ آپ پورے قصہ میں سوتے رہے(۱)۔

اس کا ایک جواب تو گذر چکا ہے کہ یہ زیادتی صرف شریک بن عبداللہ کی روایت میں ہے، جو کہ غیر مقبول ہے(۲)۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس سے مراد اس نیند سے بیدار ہونا ہے جو آپ نے اسراء سے واپس آنے کے بعد کی۔

تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس سے مراد خواب سے بیدار ہونا نہیں۔ بلکہ عالم ملکوت کے مشاہدے میں استغراق سے افاقہ پا جانا مراد ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جوابات اس وقت ہیں جب ان دونوں باتوں کا ایک ہی قصہ میں پیش آنا مراد لیا جائے، ورنہ یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا دیگر روحانی معراجوں میں پیش آیا ہو تو پھر اس صورت میں کوئی اشکال نہیں رہے گا(۳)۔

معراجِ منامی کے قائلین کی تیسری دلیل

معراج جسمانی کا انکار کرنے والوں کی تیسری دلیل حضرت مالک بن صعصعة رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس کو امام بخاری رضی اللہ عنہ نے کتاب بدء الخلق میں(۴) اور امام مسلم رحمہ اللہ نے کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے۔ جس میں ہے(۵) ''أنا عند البيت بين النائم واليقظان'' کہ میں اپنے گھر میں نیند اور بیداری

(۱) إرشاد الساري: ۱۵/۴۸۵، الكوثر الجاري: ۱۱/۲۹۰

(۲) شرح النووي على صحيح مسلم: ۳/۳۸۴، فتح الباري: ۷/۲۵۶، عمدة القاري: ۲۷/۳۰، نسيم الرياض: ۳/۱۱۴، فتح الملهم: ۲/۱۷۱

(۳) تحفة الباري، كتاب التوحيد، باب "وكلم الله موسىٰ تكليماً": ۶/۵۷۲، الكوثر الجاري، كتاب التوحيد: ۱۱/۲۹۰، عمدة القاري: ۲۵/۲۶۰، إرشاد الساري: ۱۵/۴۸۵، فتح الباري: ۱۳/۶۰۲، ۶۰۴، شرح المواهب للزرقاني، المقصد الخامس في تخصيصه عليه الصلاة والسلام بخصائص المعراج والإسراء: ۸/۴۳، نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض: ۳/۱۱۴

(۴) صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة، رقم الحديث: ۳۲۰۷

(۵) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ۱۶۴

کی درمیانی حالت میں تھا۔

اورامام بخاری رحمہ اللہ نے انہی کی روایت باب المعراج میں ذکر کی ہے جس میں ہے ”بینما أنا في الحطیم“ وربما قال: في الحجر ومضطجعاً“ کہ میں حطیم میں یا حجر کے پاس ٹیک لگا کر لیٹا ہوا تھا(۱)۔

چنانچہ ان دونوں قسم کی روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفرِ معراج کے وقت بیداری کی حالت میں نہیں تھے(۲)۔

مذکورہ دلیل کا جواب

علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے مذکورہ دلیل کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ”بین النائم والیقظان“ کی حالت، نیند کی حالت نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ آپ کی نیند بیداری کے قریب تھی۔

اور یہ اس سفر کی ابتدائی حالت کا بیان ہے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام کی طرف لے جایا گیا اور براق پر سوار کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیداری کی حالت میں تھے تو آخر واقعہ تک بیدار ہی رہے(۳)۔

علامہ خفاجی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد بیٹھنے کی حالت میں اونگھنا ہے نہ کہ سونا(۴)۔

دوسرا جواب

امام قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو متعدد بار معراج ہوئی ہے، اور کوئی بعید نہیں کہ ان میں بعض خواب کی حالت میں ہوئی ہو، چنانچہ صحیحین کی روایت میں جو الفاظ ہیں ”بینا أنا عند البیت بین النائم والیقظان“ وہ اسی پر محمول ہوں گے کہ ممکن ہے کہ خواب والی معراج کے بارے میں ہوں(۵)۔

---

(۱) صحیح البخاري، باب المعراج، رقم الحدیث: ۳۸۸۷

(۲) نسیم الریاض: ۹۹/۳

(۳) شرح النووي: ۳۸٤/۲، فتح الباري: ۲٥٦/۷، عمدة القاري: ۳۰/۱۷، تحفة الأحوذي سورة الم نشرح: ۲۷۹/۹

(٤) نسیم الریاض: ۹۹/۳، ۱۱٤

(٥) تفسیر قرطبي: ۱۳٦/۱۰

معراجِ منامی کے قائلین کی چوتھی دلیل

معراجِ جسمانی کا انکار کرنے والوں کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے "السیرۃ" میں یہ روایت ذکر کی ہے: "حدثني بعض آل أبي بكر أن عائشة رضي الله عنها كانت تقول: مافقد جسده الشريف ولكن أسري بروحه" (۱)

یہی روایت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "الشفاء" میں ان الفاظ سے نقل کی ہے "مَا فَقَدْتُ جَسَدَ رسول الله صلى الله عليه وسلم" (۲)

روایت کا ترجمہ یہ ہے "محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک کھویا نہیں گیا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو شب میں لے جایا گیا"۔

اور دوسری روایت کے مطابق ترجمہ یہ ہوگا کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو گم نہیں پایا"۔

مذکورہ دلیل کا جواب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مذکورہ اثر سے دلیل پکڑنا درست نہیں ہے، قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر ثابت نہیں ہے (۳)۔ اس لیے کہ اس روایت کی سند میں انقطاع ہے، راوی مجہول ہیں، ملاحظہ پھر ابن اسحاق رحمہ اللہ کے الفاظ "حدثني بعض آل أبي بكر"، "بعض آل ابی بکر" کون ہے؟ کچھ خبر نہیں۔

---

(۱) سيرة ابن هشام، ذكر الإسراء والمعراج: ۴۰۲/۱، شرح المواهب: ۷/۸، تفسير ابن كثير: ۱۱۴/۴، شرح ابن بطال، كتاب التوحيد: ۵۲۱/۱۰

(۲) الشفاء بتعريف حقوق المصطفى صلى الله عليه وسلم، فصل في تفضيله بما تضمنه كرامة الإسراء: ۱۲۱/۱

(۳) الشفاء بتعريف حقوق المصطفى صلى الله عليه وسلم، فصل في تفضيله بما تضمنه كرامة الإسراء: ۱۲۵/۱

علامہ صالحی شامی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''سبل الهدیٰ والرشاد'' میں لکھا ہے کہ جو روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ہے، اس کی سند ایسی نہیں ہے کہ اس سے دلیل پکڑنا صحیح ہو، بلکہ اس کی سند میں تو انقطاع ہے۔ ابو خطاب بن دحیہ نے ''التنویر في مولد السراج المنیر صلی اللہ علیه وسلم'' میں لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، اور ''معراج صغیر'' میں لکھا ہے کہ امام الشافعیہ قاضی ابو عباس بن سریج نے فرمایا کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے، اس کو صحیح احادیث کے رد کے لیے گھڑا گیا ہے (۱)۔

دوسرا جواب

مذکورہ دلیل کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر مذکورہ روایت ٹھیک بھی ہو تو بھی چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے مشاہدے کی بنیاد پر یہ خبر نہیں دے رہیں، بلکہ کسی سے سنی ہوئی خبر دے رہی ہیں (کیونکہ اس وقت تک آپ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ نہیں بنی تھیں، اور نہ ہی آپ کی عمر اتنی تھی کہ کوئی بات ٹھیک طریقے سے سمجھ سکتی یا محفوظ رکھ سکتی۔ اس لیے جب یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ آپ اسراء کے زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں نہیں تھیں، تو یہ آپ کے مشاہدہ نہ کرنے پر اور اپنے علاوہ کسی اور سے سن کر خبر دینے پر دلالت ہے۔ لہٰذا آپ کی خبر کو دوسروں کے مقابلہ میں ترجیح نہیں دی جائے گی، خاص طور پر وہ جن کی روایت صراحتاً ان کے قول کے خلاف ہے، جیسے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا، حضرت مالک بن صعصعۃ، حضرت ابو ذر، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کی روایت (۲)۔

لیکن علامہ خفاجی رحمہ اللہ اس جواب پر عدم اطمینان ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے کہ ''ان کے غیر کی خبر کو ترجیح دی جائے گی ان کی خبر پر، اس لیے کہ آپ رضی اللہ عنہا مجہول سے روایت کر رہی ہیں، بلکہ اس وجہ سے بھی کہ اس روایت کا ثبوت آپ سے ہے ہی نہیں (۳)۔

تیسرا جواب

وہ روایت جس میں متکلم کا صیغہ استعمال ہوا ہے (ما فقدتُ جسدَ رسولِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه

---

(۱) سبل الهدی والرشاد، فصل في کیفیة الإسراء: ۷۰/۳

(۲) الشفاء بتعریف حقوق المصطفی صلی اللّٰہ علیه وسلم: ۱۲٤/۱، التعلیق الصبیح، باب في المعراج: ۱۳۷/۷

(۳) نسیم الریاض: ۱۲۰/۳

وسلم) اس کے مطابق بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب مذکورہ قول کمزور پڑ جاتا ہے، کیونکہ آپ کی شادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں ہوئی نہ کہ مکہ میں اور "واقعہ اسراء" مشہور اور راجح قول کے مطابق ہجرت سے پہلے مکہ میں پیش آیا(۱)۔

اس وقت تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہت چھوٹی تھیں یا بقولِ بعض اس وقت تک پیدا بھی نہ ہوئی تھیں، چنانچہ یہ تمام صورتحال اس روایت کی عدمِ صحت پر دلالت کرتی ہے(۲)۔

بلکہ اس بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا صحیح قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسراء جسد اطہر کے ساتھ ہوا۔

جیسا کہ یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس مؤقف سے ظاہر ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ الاسراء میں اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذکورہ مؤقف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جسد اطہر کے ساتھ ہی لے جایا گیا، مگر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاگتی آنکھوں سے اللہ رب العزت کو نہیں دیکھا۔

اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند کی حالت میں اسراء کروائی جاتی تو آپ اس بات کا انکار نہ کرتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے کہ اس لیے کہ نیند کی حالت میں تو رب عزوجل کا دیدار ممکن ہے، محال نہیں اور اس کے انکار کا کوئی وجہ نہیں(۳)۔

چوتھا جواب

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے ایک جواب اور دیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے معنی "ما فُقِدَ جسدُہ عن الروح بل کان مع روحه، وکان المعراج للجسد والروح جمیعاً" ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر آپ کی روح مبارک سے الگ نہیں ہوا، بلکہ ساتھ ساتھ تھا اور معراج جسد مع الروح کو ہوئی۔

---

(۱) واقعہ معراج کب ہوا؟ تفصیلی بحث آگے آرہی ہے

(۲) سبل الهدى والرشاد: ۷۰/۳

(۳) الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ صلى الله عليه وسلم: ۱۲۵/۱، التعليق الصبيح: ۱۳۷/۷

علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جواب اس وقت تسلیم کیا جاسکتا ہے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اثر کو درست تسلیم کرلیا جائے اوراس توجیہ کی ضرورت اس وقت پیش آسکتی ہے جب روایات اور آثار میں تطبیق دی جائے (۱)۔

پانچواں جواب

اس جگہ ایک اور قول علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کا بھی ہے، ان کی رائے یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے معراجِ منامی کو بیان نہیں کیا بلکہ معراج روحانی کو بیان کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ کہنا چاہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو معراج کروائی گئی، جسم کو نہیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کا قول ذیل میں تفصیلاً بیان کیا جاتا ہے:

"ابن اسحاق رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ: ان دونوں نے کہا کہ معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو لے جایا گیا اور آپ کے جسم کو گم نہیں پایا گیا (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر اسی دنیا میں اپنی جگہ موجود تھا) اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے لیکن مناسب یہ ہے کہ معراج کے خواب میں واقع ہونے کے قول اور جسم کے بغیر صرف روح کو معراج میں لے جانے کے قول میں فرق ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج خواب میں ہوئی، بلکہ انہوں نے تو یہ کہا ہے کہ "معراج میں آپ کی روح کو لے جایا گیا اور آپ کے جسم کو کھویا نہیں گیا۔

ان دونوں میں بڑا فرق ہے سونے والا جو کچھ دیکھتا ہے، کبھی محسوس صورتوں میں (جو کہ اس کو معلوم ہیں) ان کی تمثیلیں اس (سونے والے) کے سامنے کی جاتی ہیں، پس وہ دیکھتا ہے کہ گویا اس کو آسمان پر چڑھایا گیا، یا مکہ مکرمہ لے جایا گیا اور زمین کے مختلف اطراف میں اس کو پھرایا گیا، حالانکہ اس کی روح نہ چڑھی، نہ گئی اور نہ ہی پھری، صرف اتنا

(۱) شرح المواهب للزرقاني: ۸/۸، الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ صلى الله عليه وسلم : ۱/۱۲۵

ہوا کہ خواب کے فرشتوں نے اس کے لیے ایک معلوم چیز کی تمثیل سامنے کردی۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر چڑھایا گیا ان میں دو فرقے ہیں: ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج بدن و روح دونوں کے ساتھ ہوئی، اور دوسرا فرقہ یہ کہتا ہے کہ صرف روح کے ساتھ ہوئی اور بدن (اس عالمِ دنیا سے) کھویا نہیں گیا۔ اس دوسرے فریق کا مقصد یہ نہیں کہ قصہ معراج کا پیش آنا خواب میں تھا، بلکہ مقصد یہ ہے کہ خود بذات روح مبارک کو معراج ہوئی اور حقیقت میں روح کو ہی اوپر لے جایا گیا، اور روح نے اس طرح کیا جس طرح جسم سے جدا ہونے کے بعد کرتی ہے اور اس میں اس کی وہی حالت تھی جو اس کی جسم سے جدا ہونے کے بعد ہوتی ہے اور آسمانوں میں سے ایک ایک آسمان پر چڑھنے میں ہوتی ہے، یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر جا کر ٹھہر جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر کھڑی ہو جاتی ہے، پھر اللہ رب العزت جو چاہتا ہے اس کی نسبت حکم دیتا ہے، پھر وہ زمین پر واپس آجاتی ہے، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی شب جو کچھ حاصل ہوا وہ اس سے بھی زیادہ کامل تھا، جو ایک عام روح کو اپنے قالب (جسم) سے جدا ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ درجہ اس سے بڑا ہے جو سونے والے کو خواب میں نظر آتا ہے۔

لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرقِ عادات کے مقام میں تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ چاک کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے، لیکن آپ کو تکلیف نہیں ہوئی، اسی طرح خود روح مبارک بذاتہٖ اوپر چڑھائی گئی، بغیر اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت طاری کی گئی، آپ کے علاوہ اور کسی کی روح کو موت اور مفارقتِ تن کے بغیر یہ عروج نصیب نہیں ہوا" (۱)۔

چھٹا جواب

منکرین کی مذکورہ دلیل کا جواب حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے بھی دیا ہے:

---

(۱) زاد المعاد، تحقيق القول في أن الإسراء كان بجسده وروحه: ۳/ ۴۰، ۴۱

فرمایا: ''اور بعض کو حضرت معاویہ و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کے اقوال سے شبہ پڑ گیا ہے، سو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں بھی نہیں آئیں تھیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت تک اسلام بھی نہ لائے تھے، خدا جانے کسی سے سن کر کہا ہے یا اجتہاداً کہا ہے یا کسی دوسرے واقعہ کی نسبت کہا ہے'' إذا جاء الإحتمال بطل الاستدلال''.

علاوہ ازیں قول عائشہ رضی اللہ عنہا ''ما فُقِدَ جَسَدُ محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم'' کی ایک یہ توجیہ بھی ہوسکتی ہے کہ ''فقدان'' کے معنی تلاش کرنے کے ہیں، کما في سورة یوسفِ من تنویر المقیاس ﴿قالو وَاَقْبَلُوْا علیهم ماذا تَفْقِدُون) تطلبون ﴿قالو نَفْقِدُ﴾ نطلُب ﴿صواع الملك﴾ مطلب یہ کہ معراج کی واپسی اس قدر جلد ہوئی کہ کسی کو آپ کے جسد کے غائب ہونے کی اطلاع بھی نہ ہوئی، جو تلاش کی نوبت آتی کہ آپ کہاں تشریف لے گئے، اور اگرچہ اس مضمون کو ''ما فُقِد محمدٌ'' سے بھی تعبیر کر سکتے تھے، لیکن جسد کی طرف نسبت کرنا اشارہ ہے تعلقِ معراج بالجسد کی طرف کہ آپ کی غیبت ایسی تھی کہ اگر تلاش ہوتی تو تلاش کا متعلق جسد ہوتا، سو اس میں بالعکس اور زیادہ تائید ہوئی اثبات معراج بالجسد کی، نہ کہ نفی، اور اگر ''ما فُقِدَ جَسَدُ محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم'' میں فقدان کے مشہور معنی لیے جاویں، تب بھی معراجِ جسمانی کے منافی نہیں، کیونکہ فقدان کے معنی محض غائب اور گم ہونے کے نہیں، بلکہ اس کے معنی ''گم کرنا'' ہے۔ جس کے لیے ایک کا فاقد، دوسرے کا مفقود ہونا ضروری ہے، پس مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رات کسی نے گھر سے غائب اور گم نہیں پایا۔ اور یہ درست ہے کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، اس وقت سب گھر والے سو رہے تھے اور ان کی بیداری سے قبل واپسی ہوگئی، غرض اس کی نوبت نہیں آئی کہ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر میں نہ دیکھا ہو'' (۱)۔

---

(۱) بیان القرآن، سورة الإسراء: ۳٦۱/۲، اشرف الجواب، تیرہواں اعتراض، ص: ٦۵

اس بارے میں مختلف اقوال بیان ہو چکے، اب آخر میں سلف صالحین کا عقیدہ ''ابن اسحاق رحمہ اللہ'' کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے۔

"وكان في مسراه، وما ذكر عنه بلاء وتمحيص، وأمر من أمر الله(عزوجل) في قدرته وسلطانه، فيه عبرة لأولي الألباب، وهدي ورحمة وثبات لمن آمن وصدق وكان من أمرالله سبحانه وتعالىٰ على يقين، فاسرى به (سبحانه وتعالىٰ) كيف شاء، ليريه من آياته ما أراد، حتى عاين ماعاين من أمره وسلطانه العظيم وقدرته التي يصنع بها يريد"(۱).

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سفر شبانہ اور جو کچھ اس کے متعلق بیان کیا گیا ہے اس میں آزمائش اور کافر و مؤمن کی تمیز ہے، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور سلطنت میں سے اللہ کی شان ہے، اور اس (واقعہ) میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے، اور جو شخص اللہ پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی اور اللہ کے کاموں پر یقین کیا، اس کے لیے اس واقعہ میں ہدایت، رحمت اور ثابت قدمی ہے، پس اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو رات کے وقت میں لے گیا، جس طرح اور جیسے چاہا، تاکہ اپنے اس بندے کو اس کے پروردگار کی نشانیوں میں سے جو چاہے دکھائے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی شان اور اس کی عظیم الشان قدرت میں سے وہ کچھ دیکھا وہ دیکھا، اور اس قدرت کو دیکھا جس سے وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔''

واقعہ معراج کب پیش آیا؟

علماء سیر کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کب کروائی گئی؟! اس بارے میں عموماً دس اقوال ملتے ہیں، جو ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

اس میں سب سے پہلا قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے پہلے معراج ہوئی۔ لیکن یہ قول شاذ ہے، سوائے اس کے کہ اس بات کو اس پر محمول کیا جائے کہ بعثت سے قبل نیند میں ہوئی ہوگی۔

اکثر علماء کے اقوال کے مطابق معراج بعثت کے بعد ہوئی۔

(۱) سيرة ابن هشام، باب ذكر الإسراء: ۱/۳۹٦، ۳۹۷

بعثت کے بعد وقوع معراج میں مختلف اقوال ہیں۔

سب سے پہلا قول، ہجرت سے ایک سال قبل کا ہے، اس کے قائل ابن سعد ہیں۔

ابن حزم نے اس قول پر اجماع نقل کیا ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ معراج کے وقوع کے بارے میں کسی ایک قول کو "اجماعی قول" کہنا مبالغہ ہے، ان کے اس قول کو رد کیا گیا ہے، کیونکہ اسمیں تو اختلاف ہے، دس سے زیادہ مختلف اقوال ہیں، جس کی وجہ سے کسی ایک پر اجماع کا دعویٰ کرنا ممکن نہیں ہے۔

ابن جوزی کا قول ہے کہ معراج ہجرت سے آٹھ ماہ قبل ہوئی۔

ابوالربیع بن سالم کی رائے ہجرت سے چھ ماہ قبل کی ہے۔

ابراہیم الحربی کا کہنا ہے کہ معراج ہجرت سے گیارہ ماہ قبل ہوئی، ابن منیر "السیرۃ لابن عبدالبر" کی شرح میں اس قول کو ترجیح دی ہے۔

ابن عبدالبر نے ہجرت سے ایک سال اور دو ماہ قبل کا قول بھی نقل کیا ہے۔

ابن فارس نے ہجرت سے ایک سال اور تین ماہ قبل کا قول نقل کیا ہے۔

سدی نے ہجرت سے ایک سال اور پانچ ماہ قبل کا قول نقل کیا ہے۔

ابن سعید نے ہجرت سے ایک سال اور چھ ماہ قبل کا قول ذکر کیا ہے۔

ابن الاثیر نے ہجرت سے تین سال قبل کا قول اختیار کیا ہے۔

زہری سے نقل کیا گیا ہے کہ واقعہ معراج ہجرت سے پانچ سال قبل پیش آیا، قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

امام قرطبی اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ اس مقام پر "امام زہری" کا قول نقل کرتے ہوئے علامہ قسطلانی رحمہ اللہ سے سہو ہوگیا۔ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے "المواہب اللدنیہ" میں لکھا ہے "قال الزهري: وكان ذلك بعد المبعث بخمس سنين" کہ زہری نے فرمایا: معراج بعثت کے پانچ سال بعد ہوئی، اس پر علامہ زرقانی رحمہ اللہ شرح المواہب میں لکھتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ زہری کا قول ہجرت سے پانچ سال قبل کا ہے نہ کہ بعثت سے پانچ بعد کا(۱)۔

---

(۱) شرح المواهب للزرقاني، وقت الإسراء: ۲/۶۹

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ فرضیت نماز کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی ہے، دوسری بات: نماز کی فرضیت لیلۃ الاسراء میں ہوئی، تیسری بات: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہجرت سے تین یا پانچ سال قبل وفات پا گئی، ان مقدمات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ معراج ہجرت سے پانچ سال قبل ہوئی۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ صحیح قول کے مطابق حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات بعثت کے دس سال کے بعد رمضان المبارک میں ہوئی، اور یہ نماز کی فرضیت سے قبل ہوا، ان تینوں حضرات کا قول ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پانچوں نمازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کیں غلط ہے۔

اس بات کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پانچ نمازوں کی فرضیت سے قبل فوت ہوئیں، اور اس سے یہ بات بھی لازم آتی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات لیلۃ الاسراء سے قبل ہوئی نہ کہ بعد میں، اور یہی قول معتمد ہے۔

نیز قاضی عیاض رحمہ اللہ اور ان کے ہم نوا حضرات بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سن وفات میں متردد ہیں، جیسا کہ ان کے قول ''تین سال یا پانچ سال قبل الہجرت'' سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان کے اس تردد کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ختم کر دیتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہجرت سے تین سال قبل فوت ہوئیں (۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان حضرات کے جواب میں لکھا ہے کہ:

''معراج کے بارے میں جتنے بھی اقوال ہیں، ان میں یہاں چند باتیں قابل غور ہیں:

نمبر۱: ''عسکری'' نے حکایت کی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہجرت سے سات سال قبل فوت ہوئیں، اور ان کی وفات کے بارے میں دوسرا قول ہجرت سے چار سال قبل کا ہے، اور اس کے علاوہ ''ابن اعرابی'' سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہجرت کے سال میں فوت ہوئیں۔

نمبر۲: نماز کی فرضیت میں اختلاف ہے کہ کس سال فرض ہوئی؟ چنانچہ اس بارے میں کہا گیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی اس وقت ہی آپ پر دو نمازیں فرض ہو گئیں تھیں، اور لیلۃ الاسراء میں تو پانچ نمازوں کی فرضیت ہوئی۔

(۱) شرح المواهب للزرقاني، وقت الإسراء: ۲/۶۹، ۷۰

نمبر۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول ''حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نمازیں فرض ہونے سے قبل فوت ہوئیں'' سے مراد پانچ نمازوں کی فرضیت سے قبل فوت ہونا لیا جائے گا، چنانچہ اس سے یہ بات لازم آئیگی کہ آپ اسراء سے قبل وفات پا گئی (۱)۔

ان اقوال میں سے سب سے زیادہ مشہور قول جس کو ترجیح دی گئی ہے وہ ہجرت سے ایک سال پہلے کا ہے (۲)۔

علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ راجح قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد اور بیعت عقبہ سے پہلے معراج ہوئی، جیسا کہ ہجرت سے تین سال اور پانچ سال قبل کے اقوال کے علاوہ دیگر اقوال سے ظاہر ہے۔ غرض یہ کہ کثرت اسی جانب ہے، نیز یہ امر روایات سے ثابت ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پانچوں نمازوں کی فرضیت سے قبل ہی وفات پا گئیں اور یہ بھی مسلّم ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا شعب ابی طالب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں، شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد ان کا انتقال ہوا اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء شعب ابی طالب سے ۱۰ نبوی میں باہر نکلے، لہٰذا ان تمام مقدمات سے نتیجہ یہی نکلے گا کہ معراج ۱۰ نبوی کے بعد ۱۱ نبوی میں کسی مہینہ میں ہوئی (۳)۔

معراج کس مہینے میں ہوئی؟

جس طرح سال میں اختلاف ہے اسی طرح مہینے میں بھی اختلاف ہے، اس بارے میں بعض جگہ پانچ مہینوں کا ذکر مختلف اقوال میں ملتا ہے اور بعض جگہ چھ کا، اکثر علماء کا قول ربیع الاول ہے، جیسا کہ عمدۃ القاری میں مذکور ہے (۴)۔

---

(۱) فتح الباري، باب المعراج: ۲۵٤/۷، سبل الهدى والرشاد، الباب الرابع في أي زمان ومكان وقع الإسراء، الفصل الثاني في زمانه: ۳/٦٤، ٦٥، عمدة القاري: ۱۷/۲۷۰، نسيم الرياض: ۳/۷۰

(۲) فتح الباري: ۷/۲٥٤، عمدة القاري: ۱۷/۲۷، فتح الباري لابن رجب: ۲/٤، سبل الهدى والرشاد: ۳/٦٥، زاد المعاد: ۳/٤۲، مرقاة المفاتيح: ۱۰/٥٤۸، التعليق الصبيح: ۷/۱۳۸

(۳) شرح المواهب للزرقاني: ۲/۷۰

(٤) عمدة القاري: ۱۷/۲۷، شرح المواهب للزرقاني: ۲/٦۹

ابراہیم بن اسحاق الحربی نے ربیع الآخر کے مہینے میں معراج کا ہونا لکھا ہے(۱)۔

عبدالغنی بن سرور المقدسی نے رجب کے مہینے کو ترجیح دی ہے، یہی قول مشہور بھی ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے ''الروضۃ'' میں اسی کو قوی قرار دیا ہے(۲)۔

سدّی نے شوال میں معراج کا ہونا لکھا ہے(۳)۔

اور ابن فارس نے ذوالحجہ میں معراج کا ہونا لکھا ہے(۴)۔

ان اقوال میں سے امام نووی رحمہ اللہ نے ''الروضۃ'' میں ''رجب'' کو اور اپنے فتاوی میں ۲۷ر ربیع الآخر کو، اور شرح مسلم میں ربیع الاول کے مہینے کو ترجیح دی ہے(۵)۔

ان اقوال مختلفہ کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے بطور قاعدہ یہ لکھا ہے کہ ''سلف صالحین میں جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو اور کسی ایک جانب کے راجح ہونے پر کوئی دلیل بھی نہ ہو تو دو یا دو سے زیادہ اقوال پر عمل کرنے کے لیے دیکھنا ہوگا کہ امت میں ان اقوال میں سے کس قول کے وجود ملا، چنانچہ ایسے قول کو اپنا لیا جائے، یہی قول راجح کہلائے گا، اور معراج کے باب میں انسانیت کا عمل ۲۷ر رجب کو قبول کرنے کا ہے، لہٰذا یہی قول قوی شمار ہوگا''(۶)۔

معراج کس رات میں ہوئی؟

اس باب میں علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس بارے میں تین اقوال مشہور ہیں کہ جس رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کروائی گئی وہ جمعہ کی رات تھی یا ہفتہ کی یا پیر کی رات تھی۔ لیکن حتمی طور پر تعیین آسان امر نہیں ہے، بوجہ تاریخ معراج میں اختلافات کے(۷)۔

---

(۱) شرح المواهب: ۷۱/۲

(۲) عمدة القاري: ۲۶/۱۷، شرح المواهب للزرقاني: ۷۰/۲

(۳) عمدة القاري: ۲۶/۱۷

(٤) شرح المواهب: ۷۰/۲، عمدة القاري: ۲۶/۱۷

(٥) شرح المواهب: ۶۹/۲-۷۱

(٦) شرح المواهب للزرقاني: ۷۱/۲

(۷) شرح المواهب للزرقاني: ۷۱/۲، سبل الهدى والرشاد: ۶۶/۳

بوقتِ معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس جگہ تھے؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کروائی گئی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تھے؟ اس بارے میں روایات میں مختلف مقامات کا ذکر ملتا ہے، مثلاً: زہری کی روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں "فُرِجَ سقفُ بيتي وأنا بمكة"، واقدی کی روایت میں ہے "أنه أُسرِيَ به من شِعب أبي طالب"، طبرانی نے ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے جس میں ہے "أنه بات في بيتها"۔ خلاصہ یہ کہ پہلی روایت کے مطابق بوقتِ معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اپنے گھر میں تھے، دوسری روایت کے مطابق بوقتِ معراج شعب ابی طالب میں تھے اور تیسری روایت کے مطابق ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔

ان تینوں روایات میں تطبیق اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کروائی گئی، اس وقت آپ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے، جو شعب ابی طالب میں تھا اور اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا گھر اس لیے کہہ دیا کہ آپ اس گھر میں تھے(۱)۔

اس بات کی مزید تشریح کرتے ہوئے علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر کو اپنا گھر ادنی سی ملابست کی وجہ سے کہہ دیا، کیونکہ گھر کی نسبت اس میں رہنے والی کی طرف ہی کی جاتی ہے(۲)۔

اس کے علاوہ روایات میں بوقت ابتدائے معراج کے بارے میں "بينا أنا في المسجد الحرام" کے الفاظ بھی وارد ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں تھے، جب آپ کو معراج کروائی گئی تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ حدیث میں وارد "بينا أنا في المسجد الحرام" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "في بيتي" اور ام ہانی رضی اللہ عنہا کے قول "بات في بيتها" میں کوئی منافات نہیں ہے اس تمام سے مراد ام ہانی رضی اللہ عنہا کا گھر ہی ہے، اس کی تائید حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا اثر ہے جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

---

(۱) فتح الباري، باب المعراج: ۲۵٦/۷، عمدة القاري: ۳۰/۱۷، نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض: ۱۱۰/۳

(۲) شرح المواهب للزرقاني: ٤١/۷

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو فرشتے آئے اور آپ کو آپ کے گھر سے مسجد حرام لے گئے (۱)۔

لیلۃ الاسراء افضل ہے یا لیلۃ القدر؟

لیلۃ الاسرا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رب العزت نے اعزاز بخشا اور اپنے پاس بلالیا اور لیلۃ القدر میں اعمال کا اجر بہت ہی زیادہ ہے حتیٰ کہ اس رات کو ہزار مہینوں سے بہتر بتایا گیا ہے اس لیے یہاں پر سوال اٹھتا ہے کہ ان دونوں راتوں میں سے کونسی رات افضل ہے؟ تو اس کے جواب میں الشیخ ابو امامۃ بن النقاش رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں لیلۃ الاسراء، لیلۃ القدر سے افضل ہے، اس لیے کہ اس رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے حد اعزاز واکرام کیا گیا، بہت سے عجائبات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائے گئے اور سب سے بڑھ کر راجح قوال کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہ کی زیارت جیسی بے حد عظیم دولت نصیب ہوئی۔

اور امت کے حق میں لیلۃ القدر افضل ہے اس لیے اس میں امت کے لیے اعمال کرنا گذرے ہوئے اَسّی سالوں میں اعمال کرنے سے افضل ہے۔ امت کے حق میں لیلۃ الاسراء کے افضل ہونے کی کوئی دلیل احادیث میں نہیں ملتی، نہ صحیح احادیث میں اور نہ ہی ضعیف احادیث میں، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اس رات کی تعیین نہیں فرمائی اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اس رات کے بارے میں کوئی دوٹوک بات فرمائی، اس بارے میں جس نے جو کچھ بھی کہا وہ اس نے اپنے پاس سے تخمیناً کہا، اس کے پاس کوئی مستند سند نہیں ہے، محض اقوال مختلفہ میں سے جس کے بارے میں ان کا رجحان غالب ہوا اس کو نقل کر دیا۔

لہٰذا اگر اس رات میں امت کے لیے کچھ بھی نفع متعلق ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے ضرور بیان کر دیتے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لیے اس بارے

(۱) سبل الهدى والرشاد: ٦٤/٣

میں بہت حریص تھے"(۱)۔

امام بلقینی رحمہ اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں قصیدہ لکھا جس سے اخذ کرتے ہوئے علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ لیلۃ الاسراء، لیلۃ القدر سے افضل ہے، فرماتے ہیں کہ شاید حکمت اس میں یہ ہے کہ اس رات میں رؤیت باری تعالیٰ نصیب ہوئی، جو ہر چیز سے افضل ہے اور یہ محض اللہ رب العزت کی جانب سے مؤمنین پر احسان ہے اور فضل ہے(۲)۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ان دونوں راتوں میں سے کون سی رات افضل ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں لیلۃ الاسراء افضل ہے اور امت کے حق میں لیلۃ القدر۔ اس لیے کہ اس رات میں جن انعامات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختص کیا گیا وہ ان سے کہیں بڑھ کے ہیں جو شب قدر میں عطا ہوئے، اور امت کو جو ہدیہ شب قدر میں نصیب ہوا وہ اس سے کامل ہے جو شب معراج میں حاصل ہوا، اگرچہ امتیوں کے لیے شب معراج میں بھی بہت بڑا اعزاز ہے، لیکن اصل فضل، شرف اور اعلیٰ مرتبہ اس ہستی کے لیے ہے جس کو معراج کروائی گئی، صلی اللہ علیہ وسلم (۳)۔

علامہ ابن قیم جوزی رحمہ اللہ نے اس بحث کو ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ایک اور جواب نقل کیا ہے، اس کا خلاصہ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ لیلۃ الاسراء، لیلۃ القدر سے افضل ہے اور دوسرا اس کے برعکس کہتا ہے، ان دونوں میں سے حق پر کون ہے؟

اس کے جواب میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

لیلۃ الاسراء کو افضل کہنے والے کی مراد اگر یہ ہو کہ یہ رات امت محمدیہ صلی اللہ علیہ

---

(۱) شرح المواهب للزرقاني، المقصد الخامس: ۸/۱۸

(۲) سبل الهدى والرشاد، جماع أبواب معراجه، الباب الأول: ۳/۱۵، نسيم الرياض: ۳/۷۱

(۳) مجموع الفتاوى، كتاب الفقه، كتاب الصيام، رقم الحديث: ۷۲۳، ۲۵/۱۳۰

وسلم کے حق میں اس اعتبار سے بہتر ہے کہ اس رات میں قیام، دعا (ودیگر عبادات) لیلۃ القدر میں سرانجام دینے سے افضل ہیں تو یہ قول باطل ہے، اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، اور پھر اس بناء پر لیلۃ الاسراء کو افضل سمجھنا اس وقت ممکن ہوسکتا تھا، جب متعین طور پر معلوم ہو کہ یہ رات کونسی ہے؟! حالانکہ اس کی تعیین پر کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ اس بارے میں تو نقول منقطع اور مختلف ہیں، اور پھر خاص اس رات میں کوئی عبادت بھی مشروع نہیں ہے، بخلاف لیلۃ القدر کے، کہ صاف ارشاد فرمادیا گیا کہ لیلۃ القدر کو رمضان المبارک کے آخری عشرے میں تلاش کرو، اور اس رات میں عبادت کے مخصوص فوائد بھی احادیث میں وارد ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس نے شب قدر میں ایمان اور احتساب کے ساتھ قیام کیا تو اس کے گذشتہ تمام گناہ معاف کردیئے جائیں گے(۱)۔ اور خود حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس کو ہزار مہینوں سے بہتر فرمایا ہے اور اسی رات میں قرآن مجید نازل ہوا(۲)۔

اور اگر اسی قائل کی مراد یہ ہے کہ چونکہ اس رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں پر لے جایا گیا اور اس رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کچھ حاصل ہوا جو کسی اور رات میں حاصل نہیں ہوا اور وہ اس رات میں قیام یا کسی مخصوص عبادت کی مشروعیت کا قائل بھی نہیں ہے، تو اس کا ایسا کہنا صحیح ہے، یقیناً اس زمان اور مکان سے بڑھ کر افضل کوئی اور زمان یا مکان نہیں ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر خاص فضل فرمایا''(۳)۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس جیسے امور میں کلام کرنے کے لیے قطعی حقائق کی ضرورت

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب تحري ليلة القدر في الوتر من العشر والأواخر، رقم الحديث: ٢٠١٥، صحيح مسلم، كتاب الصوم، باب فضل ليلة القدر، رقم الحديث: ١١٦٩

(٢) سورة القدر: ٤

(٣) زاد المعاد، مقدمه، التفاضل بين ليلة القدر وليلة الإسراء: ١/ ٥٧، ٥٨

ہوتی ہے اوران کا علم وحی کے بغیر ممکن نہیں اوراس معاملے میں کسی تعیین کے بارے میں وحی خاموش ہے لہٰذا بغیر علم کے اس بارے میں کلام کرنا جائز نہیں ہے(۱)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ایک بار ہوئی یا ایک سے زیادہ مرتبہ؟

اس بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں، صحیح ومستند روایات کے مطابق اور جمہور علماء کرام کے قول کے مطابق معراج صرف ایک دفعہ واقع ہوئی۔ جن علماء کے اقوال متعدد بار کے ہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ روایات میں واقعہ معراج کی جزئیات میں اختلاف ہے، اس لیے ان علماء نے رفع اختلاف اور تطبیق کے لیے متعدد بار معراج کا وقوع تسلیم کیا ہے تاکہ ہر مختلف فیہ واقعہ ایک الگ معراج پر منطبق ہو سکے لیکن یہ ایک فرضِ محض ہے جس کا واقعیت سے کوئی تعلق نہیں، معتبر روایات میں سے کسی میں بھی تعددِ معراج کا اشارہ تک نہیں ہے(۲)۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے امام نووی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ اسراء دو مرتبہ پیش آیا ایک بار نیند کی حالت میں اور دوسری بار بیداری میں (۳)۔

اس پر علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ شارح بخاری المہلب رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اور اس کو نقل کرنے والی ایک بڑی جماعت ہے، منجملہ ان کے ایک ابونصر بن القشیری رحمہ اللہ بھی ہیں، اور ابوسعد "شرف المصطفیٰ" میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سے زائد مرتبہ معراج ہوئی، بیداری کی حالت میں اور نیند کی حالت میں (۴)۔

امام سہیلی رحمہ اللہ نے اپنے شیخ قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ کے حوالے سے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے، اس طور پر نیند کی حالت میں کروائی جانے والی اسراء بطور تمہید کے تھی اور اس لیے تھی کہ بیداری کی حالت میں پیش آنے والا واقعہ آپ پر آسان ہو جائے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے نبوت کی ابتداء رؤیاء صالحہ سے ہوئی تاکہ

---

(۱) زاد المعاد، مقدمه، التفاضل بين ليلة القدر وليلة الإسراء: ۱/۵۷، ۵۸

(۲) روض الأنف، ذكر الإسراء: ۳/۴۱۸، فتح الباري: ۷/۲۴۹

(۳) المواهب اللدنيه، الإسراء والمعراج: ۲/۳۴۰

(۴) سبل الهدى والرشاد: ۳/۷۲، شرح العلامة الزرقاني: ۷/۹، فتح الباري: ۷/۲۴۹، روض الأنف: ۳/۴۱۷

آپ پر امرِ نبوت "جو کہ ایک امر عظیم تھا اور انسانی قویٰ اس کے متحمل ہونے سے عاجز تھے" آسان ہو جائے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں:

"أول مابدئ به رسول الله صلى الله عليه وسلم الرؤيا الصادقة(۱)

وفي رواية" الصالحة في النوم، فكان لايرى إلا جاء ت مثل فلق الصبح"(۲).

کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبوت عطاء ہونے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب دکھلائے جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب بھی دیکھتے وہ روشن صبح کی سچا ثابت ہوتا۔

اسی طرح واقعہ اسراء کو بیداری سے قبل نیند میں دکھلا کر آپ کے لیے آسان کر دیا گیا کہ ایک بڑی ہیبت والا اور بڑا عظیم الشان سفر بیداری میں پیش آنے والا تھا۔

اسی طرح متعدد بار وقوع معراج کے قائلین میں سے بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ حالت نیند میں پیش آنے والا واقعۂ اسراء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے سے قبل پیش آیا(۳)۔ اس قول پر تفصیلی بحث سابق میں صفحہ نمبر: ۱۰۹ پر گذر چکی ہے۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ آپ کو چار مرتبہ واقعہ اسراء پیش آیا اور چاروں مرتبہ بیداری میں ہی پیش آیا، ان کا استدلال بھی ان مختلف روایات سے ہے، جو اسراء کے بارے میں مروی ہیں(۴)۔

ان کے جواب میں علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مذکورہ استدلال ٹھیک نہیں ہے اس لیے کہ واقعہ معراج کو روایت کرنے والے کئی صحابہ ہیں، چنانچہ ہوتا یہ رہا کہ ان میں سے کسی نے ایک بات کو بیان کر دیا اور دوسرے نے وہ بات بیان نہیں کی، کسی نے ایک بات کو چھوڑ دیا تو کسی دوسرے نے وہ بات ذکر کر دی، تو اس وجہ سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اس طرح کے اختلاف روایت کی وجہ سے واقعہ بھی متعدد بار پیش آیا(۵)۔

ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ روایات کا مختلف ہونا تعدد پر دلالت نہیں کرتا، کہ راوی روایت کرتے

---

(۱) صحيح مسلم، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ۱٦٠

(۲) صحيح البخاري، كتاب الايمان، رقم الحديث: ۳

(۳) شرح العلامة الزرقاني: ۷/۱۰، فتح الباري: ۷/۲٤۹

(٤) المواهب اللدنية: ۲/۳٤۱

(٥) شرح العلامة الزرقاني: ۷/۱۰، فتح الباري: ۷/۲٤۸

ہوئے حدیث کا کچھ حصہ اس کے عام اور معلوم ہونے کی وجہ سے بھی حذف کردیتے ہیں اور کبھی کسی بات کے بھول جانے کے باعث بھی اس کا حذف ہوجانا ممکن ہوتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ راوی صرف اسی بات کو بیان کرتا ہے جو اس کے نزدیک زیادہ اہم ہے اور کبھی راوی نشاط میں ہوتا ہے جس کی بناء پر پوری روایت ذکر کردیتا ہے اور کبھی صرف وہی بات ذکر کرتا ہے جو مخاطب کے لیے زیادہ نفع والی ہے۔ لہٰذا اس طرح اختلاف کی وجہ سے معراج کے متعدد بار ہونے کا قول ٹھیک نہیں ہے (۱)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''جس نے ہر مختلف روایت کی وجہ سے الگ ایک معراج کا قول ذکر کیا اور ان روایات کی وجہ سے متعدد معراجوں کا قائل ہوا اس نے ایک ایسی بات کہہ دی جو آج تک کسی نے نہیں کہی، وہ ایسی جگہ کی طرف بھاگا جس کی طرف بھاگا نہیں جاتا، یعنی اس کے ذریعے سے دفع تعارض میں کچھ بھی مدد نہیں ملتی اور مطلب بھی پورا نہیں ہوتا اور سلف میں سے کسی نے بھی اس طرح نقل نہیں کیا، اگر ان متعدد روایات سے متعدد معراجوں کا پتہ چلتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو اس کی خبر ضرور دیتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس تعداد اور تکرار کو نقل کرتے، حالانکہ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا'' (۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

''مختلف روایات کی وجہ سے وقوع معراج کے تعدد کا قول بہت کمزور ہے، اس لیے کہ اس قول کے تسلیم کرلینے میں ہر دفعہ کے سفر معراج میں یہ بات لازم آئے گی کہ ہر سفر میں آپ کا انبیاء سے مکالمہ، ہر آسمان کے دروازے پر آپ کو روک کر پوچھنا ''کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے'' اور ہر دفعہ نمازوں کی فرضیت اور پھر کم کروانے کے لیے بار بار اللہ تعالیٰ کے حضور چکر لگانا لازم آئے گا اور ایسا کہیں منقول نہیں ہے، اس لیے یہ بات متعین ہوجاتی ہے کہ روایاتِ مختلفہ میں تطبیق یا ترجیح کا راستہ اختیار کیا جائے اور اگر معراج کے تعدد کو نیند

(۱) شرح العلامة الزرقاني: ۱۰/۷، فتح الباري: ۲٤۹/۷، سبل الهدى والرشاد: ۷۹/۳

(۲) تفسير ابن كثير، سورة الإسراء: ۱۱۳/٤، تفسير البغوي: ۵۸/۵، السيرة الحلبية: ۱۵۲/۲

میں مان لیا جائے اور پھر بیداری میں وقوع معراج کو تسلیم کرلیا جائے تو اس میں کوئی خرابی نہیں ہے''(۱)۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا:

''روایات کے اختلاف کی وجہ سے وقوع معراج میں تعدد کا قول اختیار کرنا روایات کے ظاہری الفاظ پر عمل کرنے والے کم علم لوگوں کا طریقہ ہے کہ جب انہوں نے قصہ میں کوئی ایسی بات دیکھی جو دوسری بعض روایات کے خلاف ہے تو اس روایت کی وجہ سے الگ سے ایک اور معراج کا قول اختیار کرلیا، حتیٰ کہ ان کے سامنے جتنی بھی ایسی روایات آئی، جن میں لفظی اختلاف تھا تو انہوں نے اتنی ہی بار وقوع معراج کا ذکر کردیا، حالانکہ درست اور صحیح مذہب وہی ہے جس پر ائمہ سیر ہیں کہ معراج صرف ایک بار مکہ میں بعثت کے بعد ہوئی''(۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

''حافظ ابو محمد عبدالرحمان بن اسمٰعیل رحمہ اللہ (جو ابوشامہ'' کے نام سے مشہور ہیں) کا بھی اس بارے میں یہی رجحان ہے کہ معراج ایک سے زیادہ مرتبہ ہوئی، ان کی دلیل مسند بزار کی حدیث ہے، جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں(۳)، اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی ''شعب الایمان'' میں ذکر کیا ہے(۴)، اس حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے انہوں نے میرے شانے پر تھپکی دی، میں اٹھا اور ان کے ساتھ ایک درخت کی طرف بڑھا، اس درخت پر پرندے کے گھونسلوں کی طرح دو گھونسلہ نما

---

(۱) فتح الباري: ۲۴۹/۷؛ شرح المواهب: ۱۱/۷، زاد المعاد: ۲۲/۳

(۲) زاد المعاد: ۴۲/۳، شرح المواهب: ۱۱/۷، سبل الهدى والرشاد، الباب الثامن في سياق القصة: ۷۹/۳

(۳) البحر الزخار المعروف بمسند البزار، مسند أنس رضي الله عنه، رقم الحديث: ۷۳۸۹، ۹/۵

(۴) شعب الإيمان للبيهقي، كتاب الإيمان، باب في معرفة الملائكة، رقم الحديث: ۱۵۵، ۱۷۵/۱

جگہیں بنی ہوئی تھیں، ان میں سے ایک میں حضرت جبرئیل علیہ السلام بیٹھ گئے اور دوسرے میں میں بیٹھ گیا، پھر وہ درخت ہمیں لے کر بلند ہوا، یہاں تک کہ اس نے زمین وآسمان اور اطراف اربعہ کو بھر دیا، میں اللہ تعالی کی قدرت کی نشانیاں دیکھ رہا تھا، میں اگر آسمان کو چھونا چاہتا تو اس کو چھو سکتا تھا، پھر آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ میرے لیے کھولا گیا پھر میں نے ایک بہت بڑے نور کو دیکھا......الخ"۔

حافظ صاحب لکھتے ہیں:

اس حدیث کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے، لیکن یہ سفر معراج کے علاوہ کوئی اور قصہ ہے جو بظاہر مدینہ کے قیام کے دوران پیش آیا، اور اس کے نیند کی حالت میں وقوع پر کوئی بعید بات نہیں ہے۔ بُعد اور نکارت تو اس معراج کے متعدد جاننے میں ہے جس میں ہر نبی اور ہر آسمان والوں سے مکالمہ ہوا، نماز کی فرضیت ہوئی اور نمازوں میں کمی کروانے کے واسطے بار بار بارگاہ الٰہی کی طرف مراجعت کی گئی (۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

"ابن عبدالسلام نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسراء نیند میں اور بیداری کی حالت ہوئی اور یہ واقعہ مکہ اور مدینہ میں پیش آیا، اس پر حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر ان کی مراد مدینہ میں اسراء سے نیند کی حالت میں وقوع کی ہے تو ان کلام لف ونشر غیر مرتب کے طریق پر ہوگا، جو کہ ٹھیک ہے، یعنی مدینہ منورہ میں واقعہ اسراء حالتِ نیند میں اور مکہ میں واقعہ اسراء حالتِ بیداری میں پیش آیا۔ اور (مکہ میں پیش آنے والا واقعہ اسراء) وہ ہے جو معراج کے ساتھ متصل پیش آیا اور اس میں نمازوں کی بھی فرضیت ہوئی اور مناسب یہ ہے کہ اس میں یہ اضافہ بھی ہوتا کہ مدینہ میں واقعہ اسراء حالتِ نیند میں ایک سے زیادہ بار پیش آیا" (۲)۔

---

(۱) فتح الباري، باب الإسراء: ۲۴۹/۷، عمدة القاري: ۲٦/۱۷، شرح العلامة الزرقاني: ۲۲/۷، سبل الهدى والرشاد: ۷۱/۳، ۷۲

(۲) فتح الباري، باب الإسراء: ۲۴۹/۷، عمدة القاري: ۲٦/۱۷، شرح العلامة الزرقاني: ۱۲/۷، سبل =

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چونتیس مرتبہ سفرِ اسراء پیش آیا، جن میں سے ایک بار جسمانی اور حالت بیداری میں اور بقیہ روحانی طور پر خواب تھے، جو آپ نے دیکھے" (۱)۔

علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

حق اور صحیح قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج صرف ایک بار جسد مع روح کے ساتھ ہوئی اور اس پورے سفر میں آپ بیدار رہے، اسی پر جمہور علماء محدثین، فقہاء اور متکلمین ہیں تمام روایات صحیحہ اس پر وارد ہوئیں ہیں، اس سے عدول کرنے کی بالکل بھی گنجائش نہیں ہے" (۲)۔

سفرِ معراج پر ملحدین کے اعتراضات اور ان کے جوابات

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ معراج کے وقوع کا مسلمانوں میں سے کوئی بھی انکار کرنے والا نہیں ہے۔ دین اسلام سے دور ملحدین وفلاسفر یا نفاق کا لبادہ اوڑھنے والوں نے اس سفر کو عقلاً محال قرار دیتے ہوئے اس پر اعتراضات کیے اور طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کیے، منجملہ ان کے یہ ہے کہ کسی جسم کی اتنی تیز حرکت (کہ وہ کچھ ہی لمحات میں اتنا لمبا اور عظیم الشان سفر کرلے) غیر معقول ہے، اور اگر کوئی جسم اتنی تیز حرکت کر بھی لے تو آسمانوں کا پھٹنا لازم آئے گا اور یہ محال ہے، اور کسی ثقیل، ٹھوس وزنی چیز کا آسمانوں کی طرف بلند ہونا بھی غیر مقبول ہے، اور مذکورہ تینوں باتوں کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو پھر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا معجزہ ہوگا جو بے مثال اور تمام معجزوں سے بڑا ہوگا، لہٰذا ضروری تھا کہ ایسا واقعہ انسانوں کے اجتماع میں ان کے سامنے پیش آتا کہ وہ یہ واقعہ دیکھ کر آپ کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کرتے اور آپ پر ایمان لے آتے، چنانچہ اس واقعے کا ایسے وقت میں پیش آنا کہ نہ کسی نے آپ کو دیکھا اور نہ کسی کو خبر ہوئی، یہ ایسا عبث فعل ہے جو حکیم کی شان کے

= الهدى والرشاد: ۳/۷۱، اللباب في علوم الكتاب سورة الإسراء: ۱۲/۲۰۵

(۱) المواهب اللدنيه: ۲/۳٤۱

(۲) شرح العلامة الزرقاني: ۷/۱۳، عمدة القاري: ۱۷/۲٦، فتح الباري: ۷/۲٤۷، التعليق الصبيح: ۷/۱۳٦، مرقاة المفاتيح: ۱۰/۵۲٤

لائق نہیں ہے (العیاذ باللہ) (۱)۔

تیز رفتاری کس حد تک ممکن ہے؟

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ملحدین کے اعتراضِ اول کہ ''کوئی جسم رات کے تھوڑے سے حصے میں مکہ سے بیت المقدس اور وہاں سے ساتوں آسمانوں کی سیر کر کے واپس بھی آجائے، تو یہ محال ہے'' میں استحالہ والی کوئی بات نہیں ہے، عقلاً یہ چیز ممکنات سے خارج نہیں ہے، البتہ مستبعد ضرور ہے، وگرنہ جو شخص ان کے محال ہونے کا دعویٰ کرے وہ دلیل پیش کرے، جب معترضین اس پر دلائل پیش کریں گے تو ان کا جواب بھی دے دیا جائے گا، انشاء اللہ۔

البتہ استبعاد کو دور کرنے کے لیے ہم کہیں گے کہ تمہارے نزدیک ''زمانہ'' زمین وآسمان کی گردش کا نام ہے چنانچہ دن رات کا آنا، طلوع وغروب کا ہونا سب حرکتِ افلاک سے مربوط ہے، چنانچہ اگر حرکتِ فلک موقوف ہو جائے تو جو وقت ہوگا وہی رہے گا۔ اگر رات موجود ہوگی تو رات ہی رہے گی اور اگر دن موجود ہوگا تو دن ہی رہے گا، تو عین ممکن ہے حق تعالیٰ نے رات کے وقت حرکتِ فلک کو روک دیا ہو، اور اس میں کچھ تعجب بھی نہیں ہے، معزز ومحترم مہمانوں کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے دنیا والوں کا بھی یہ دستور وقاعدہ ہے کہ جب بادشاہِ وقت کی سواری نکلتی ہے تو گذرگاہ سے آمد ورفت کو اور کاروبارِ زندگی کو روک دیا جاتا ہے تاوقتیکہ سواری نہ گذر جائے۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے اگر آسمان وزمین کی حرکت کو روک دیا ہو کہ محبوب کی سواری آرہی ہے، لہٰذا ہر مخلوق کی ہر حرکت کو روک دیا، تو اس میں کیسا استبعاد ہے؟ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے فارغ ہو گئے تو حرکتِ فلک جہاں موقوف تھی وہاں سے ہی جاری کر دیا اب گر کوئی اس کے خلاف دوام حرکتِ افلاک پر دعویٰ کرے تو اس کی دلیل

(۱) سبل الهدى والرشاد، الباب السادس: ۷٤/۳

قائم کرے۔انشاء اللہ ایک بھی دلیل ثابت نہ کر سکے گا(۱)۔

اسی طرح روشنی کا سفر اتنا تیز ہے کہ ایک منٹ میں ایک کروڑ بیس لاکھ میل کی مسافت طے کرتی ہے، بجلی ایک منٹ میں پانچ سو مرتبہ زمین کے گرد گھوم سکتی ہے اور ایسے ستارے بھی دریافت ہو چکے ہیں جو ایک گھڑی میں اٹھارہ لاکھ اسی ہزار میل کی رفتار سے حرکت کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ انسانی آنکھ جب کسی جہت میں دیکھتی ہے تو اس کی شعاعی حرکت اتنی تیز ہوتی ہے کہ آن کی آن میں آسمان تک پہنچ جاتی ہے۔

جس وقت سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی روشنی ایک ہی لمحے میں پوری زمین پر پھیل جاتی ہے۔

نیز ہوائیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کی گئی تھیں، جو تخت سلیمانی کو لے کر بہت ہی کم وقت میں بہت لمبا سفر طے کر لیتی تھیں۔

جیسا کہ قرآن پاک میں آتا ہے:﴿فسخرنا له الريح تجري بأمره﴾. (ص:۳۸) ”اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا جو ان کے حکم سے چلتی تھی۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہی قصے میں آتا ہے کہ ان کے ایک وزیر جن نے مہینوں دور کی مسافت سے ملکہ بلقیس کا تخت پلک جھپکنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا تھا، جیسا کہ قرآن پاک میں اس کو بیان کیا گیا ہے﴿قال الذي عنده علم من الكتاب أنا اتيك به قبل أن يرتد اليك طرفك فلما راه مستقرا عنده قال هذا من فضل ربي ﴾”بولا وہ شخص جس کے پاس تھا ایک علم کتاب کا، میں لائے دیتا ہوں تیرے پاس اس کو، اس سے پہلے کہ پھر آئے تیری طرف آنکھ“ (تفسیر عثمانی، النمل:۴۰)

جب ایک جسم کا ملک یمن سے پلک جھپکنے میں ملک شام میں پہنچ جانا ممکن ہے، تو پھر اس طرح کی تیز رفتار حرکت ہر ہر جسم میں ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ تو بہت ہی زیادہ قادر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو رات کے کچھ ہی لمحے میں اوپر بھی لے جائے اور واپس بھی لے آئے (۲)۔

(۱) اشرف الجواب: چونسٹھواں اعتراض، ص:۵۷۴

(۲) سبل الهدى والرشاد، الباب السادس في دفع شبهة أهل الزيغ في استحالة المعراج: ۳/۷۴، ۷۵، روح المعاني، الإسراء: ۸/۹، ۱۰، التفسير الكبير، الإسراء: ۲۰/۱۱۸، ۱۱۹، اشرف الجواب، ص:۶۶

آسمانوں کا پھٹنا اور دوبارہ مل جانا

ملحدین کا دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی کو تسلیم کیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ جب آپ آسمانوں پر تشریف لے گئے تو اوپر جانے کے لیے آسمان پھٹا اور بعد میں مل گیا، حالانکہ یہ محال ہے، لہٰذا آپ کے سفرِ معراج جسمانی کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے جواب میں حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

فلاسفہ کے پاس افلاک کے خرق والتیام پر کوئی دلیل نہیں ہے، جب وہ دلیل بیان کریں گے تو اس کا جواب بھی دے دیا جائے گا(۱)۔

اور عقلی جواب یہ ہے کہ مذکورہ دعویٰ ''کہ خرقِ افلاک محال ہے'' باطل ہے اس لیے کہ تمام اجسام جدا جدا لیکن ایک جیسے جواہر سے مرکب ہو کر وجود میں آتے ہیں، چاہے وہ اجسامِ سفلی ہوں یا اجسامِ سماوی۔ اور اجسامِ سفلیہ میں خرق والتیام ممکن اور مشاہد ہے، تو جب بعض اجسام میں فرق کا پیدا ہونا ممکن ہے تو دوسرے بعض میں بھی ممکن ہے اور پھر اللہ رب العزت تو بہت ہی زیادہ قادر ہے اس امر پر کہ وہ آسمان کو پھاڑ کر اپنے نبی کو اوپر لے جائے اور واپس بھی لے آئے۔ اور جب اس بارے میں نص بھی وارد ہو چکی ہو تو پھر اس کی تصدیق کرنا واجب ہو جاتا ہے(۲)۔

وزنی جسم کا آسمانوں کی طرف بلند ہونا

فلاسفہ کے نزدیک ایک ٹھوس وزنی جسم کا آسمانوں کی طرف بلند ہونا بھی غیر مقبول ہے۔

حالانکہ اس کمزور اعتراض کا باطل ہونا موجودہ زمانہ میں جس طرح واضح ہو چکا ہے شاید ہی کبھی ہوا ہو۔

اولاً تو اس اعتراض کے تسلیم کر لینے کی صورت میں تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کی نبوت ورسالت کا انکار لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

اسی طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام کا نزول بھی باطل ٹھہرے گا کیونکہ وہ بھی جسم ہے اور جیسے صعود محال

(۱) اشرف الجواب، ص: ۶۵، اسلام اور عقلیات اصول موضوعہ نمبر ۷، ۴۹:

(۲) سبل الھدی والرشاد: ۷۵/۳، التفسیر الکبیر: ۱۱۸/۲۰، سیرۃ المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم، ملاحدہ کے اعتراضات وجوابات: ۲۷۰/۱

ٹھہرایا جارہا ہے ویسے ہی نزول بھی ہے۔ چنانچہ اگر صعود کو ناممکن قرار دیا گیا تو نزول بھی ناممکن ہونا چاہئے۔ حالانکہ انبیاء کی نبوت اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا نزول وصعود سب کے نزدیک کسی نہ کسی عقیدے کے ساتھ مسلّم ہے۔تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صعود إلی السماء کے انکار سے ان سب فرشتوں کا بھی انکار لازم آئے گا اور یہ محال ہے،تو جب بعض اجسام کا نزول وصعود ممکن ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اوپر تشریف لے جانا بھی ممکن ہے۔

اس کے علاوہ جب موجودہ زمانہ میں ہزار ہا من وزن کے طیاروں کا آسمانی فضاء میں اڑتا اور گھنٹوں ہزاروں میل کی مسافت طے کرنا ساری دنیا کے سامنے ہے تو فقط ایک انسان کی پرواز کے بارے میں انسانیت کیوں اس قدر حیران اور سرگرداں ہے؟!(۱)۔

معراج کے رات کے وقت ہونے کی حکمت

ایک انتہائی بے بنیاد بات یہ بھی کی جاتی ہے کہ اگر مذکورہ تمام امور کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو پھر ہونا یہ چاہئے تھا کہ یہ عظیم معجزہ رات کے وقت کی بجائے دن کے وقت میں ہوتا اور لوگوں کے سامنے صعود ونزول ہوتا تا کہ اس سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کے سچا ہونے پر دلیل پکڑتے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ایسے وقت میں لے جایا گیا کہ کوئی بھی اس منظر کو دیکھنے والا نہ تھا تو یہ محض عبث فعل ہے۔

تو اس اعتراض کے بھی بہت سے جوابات علماءِ دین نے دیئے ہیں۔منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ایسا رات کے وقت میں اس لیے ہوا کہ اس خبر کی تصدیق کر کے ایمان والوں کا ایمان بالغیب زیادہ ہو اور کفر والوں کا کفر اس خبر کے انکار کی وجہ سے اور زیادہ ہو۔جیسا کہ اللہ رب العزت نے اس واقعہ کے بارے میں فرمایا:

> ﴿وما جعلنا الرؤيا التي أريناك إلا فتنة للناس﴾ (الإسراء: ٦٠) (ہم نے واقعہ معراج میں) جو تماشا (بحالت بیداری) آپ کو دکھلایا تھا،ہم نے اس کو ان لوگوں کے لیے موجب گمراہی کردیا۔(۲)

(۱) سبل الهدى والرشاد، الباب السادس: ٣/٧٥، ٧٦، التفسير الكبير، الإسراء: ٢٠/١١٨، ١١٩، روح المعاني: ٨/٩، ١٠، سیرت المصطفیٰ: ۱/۲۷۰،۲۷۱

(۲)(خلاصہ تفسیر از معارف القرآن:۵/۵۰۰)

اور ایک حکمت بھی بیان کی گئی ہے کہ عرفارات کا وقت خلوت کا ہوتا ہے اس وقت میں محب اور محبوب کا ملاقات کرنا اور دن کے وقت ملاقات کرنا برابر نہیں ہوسکتا ہے، اس کے علاوہ یہ بات تو قلبِ سلیم والوں کے لیے ہے، جن کے دل ہی کجی پر پختہ ہوچکے ہوں ان کے نزدیک تو راہِ فرار کے سینکڑوں اور اشکلات ہوں گے۔ ان کے سامنے یہ واقعہ رات کو ہوا یا دن کو، دونوں برابر ہیں، یہ لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے خود ہی چاند کے دو ٹکڑے کرنے کا مطالبہ کیا اور جب ایسا ہوگیا تو کہنے لگے ھذا: ﴿سحر مُستَمِرٌّ﴾ (القمر:۲) کہ یہ جادو ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے (تفسیر عثمانی: ۶۸۷)(۱)۔

تعلیق

وَقَالَ ٱبْنُ عَبَّاسٍ : حَدَّثَنِي أَبُو سُفْيَانَ فِي حَدِيثِ هِرَقْلَ فَقَالَ : يَأْمُرُنَا - يَعْنِي ٱلنَّبِيَّ ﷺ - بِالصَّلَاةِ وَٱلصِّدْقِ وَٱلْعَفَافِ . [ر : ۷]

”حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے مجھے ہرقل (قصرِ روم) کے ساتھ پیش آنے والا مکالمہ سناتے ہوئے کہا کہ وہ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھنے، سچائی اور پاکدامنی اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں“۔

تعلیق کی تخریج

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب ”کیف فرضت الصلاۃ في الإسراء“ قائم کرنے کے بعد حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر تعلیقاً ذکر کیا ہے، جو کہ حدیثِ ہرقل کا ایک ٹکڑا ہے ”حدیث ہرقل موصولاً اور سنداً تفصیل سے ”کتاب بدء الوحی“ میں گذر چکی ہے۔

جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا ہے کہ تعلیقاتِ بخاری دو قسم کی ہیں:

۱- جو صرف بطورِ تعلیق کے ہی ذکر کی گئی ہیں اور دوسری وہ تعلیقات ہیں جو تعلیقاً بھی مذکور ہیں اور پوری حدیث بھی صحیح البخاری میں کسی دوسری جگہ مذکور ہوئی ہے (۲)۔ چنانچہ مذکورہ تعلیق بھی اس دوسری قسم سے ہے، یہ تعلیق جس حدیث پاک کا ٹکڑا ہے وہ صحیح البخاری میں گیارہ مقامات پر کہیں مفصل اور کہیں مختصر مذکور ہے، اس کے

---

(۱) المواهب اللدنيه: ۳۴۲/۲، سبل الهدى والرشاد: ۷۵/۳، ۷۶، التفسير الكبير: ۱۲۱/۲۰، اشرف الجواب، ص: ۶۷

(۲) هدى الساري مقدمة فتح الباري، الفصل الثالث، ص: ۱۵، ۱۶

علاوہ صحیح مسلم، سنن ابوداؤداور سنن الترمذی میں بھی یہ حدیث مذکور ہے(۱)۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما

ترجمان القرآن، حبر الأمۃ، ابنِ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف رضی اللہ عنہما کا تفصیلی تعارف کشف الباری جلد اول اور دوم میں گذر چکا ہے(۲)۔

مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اس اعتبار سے ہے کہ نماز کی فرضیت اسلام کے شروع کے زمانہ میں ہی خوب مشہور ہوگئی تھی اور اس

---

(۱) أخرجه البخاري في كتاب الإيمان، باب (بلا ترجمة، بعد سؤال جبريل النبي صلى الله عليه وسلم عن الإيمان والإسلام والإحسان ...... رقم الحديث: ٥١

وفي كتاب الشهادات، باب من أمر بإنجاز الوعد، رقم الحديث: ٢٦٨١، وفي كتاب الجهاد، باب قول الله عزوجلّ: ﴿قل هل تربصون بنا إلا إحدى الحسنيين، والحرب سجال، رقم الحديث: ٢٨٠٤، وباب دعاء النبي صلى الله عليه وسلم الناس إلى الإسلام والنبوة ...... رقم الحديث: ٢٩٤١، وباب ماقيل في لواء النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ٢٩٧٨، وفي كتاب الجزية والموادعة، باب فضل الوفاء بالعهد، رقم الحديث: ٣١٧٤، وفي كتاب التفسير، باب: ﴿قل يا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم أن لا نبعد إلا الله﴾، رقم الحديث: ٤٥٥٣، وفي كتاب الأدب، باب صلة المرأة أمها ولها زوج، رقم الحديث: ٥٩٨٠، وفي كتاب الاستئذان، باب كيف يكتب إلى أهل الكتاب، رقم الحديث: ٦٢٦٠، وفي كتاب الأحكام، باب ترجمة الحكام وهل يجوز ترجمان واحد، رقم الحديث: ٧١٩٦، وفي كتاب التوحيد، باب مايجوز من تفسير التوراة وغيرها من كتب الله بالعربية وغيرها، رقم الحديث: ٧٥٤١.

ومسلم في صحيحه، كتاب الجهاد والسير، باب كتب النبي صلى الله عليه وسلم إلى هرقل، رقم الحديث: ٤٦٠٧.

وأبوداود في سننه، كتاب الأدب، باب كيف يكتب إلى الذمي، رقم الحديث: ٥١٣٦.

والترمذي في سننه، كتاب الاستئذان، باب ماجاء كيف يكتب إلى أهل الشرك، رقم الحديث: ٢٧١٧

(٢) كشف الباري: ١/٤٣٥، ٢/٢٠٥

کی خبر دور دور کے شہروں تک پہنچ چکی تھی (۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس تعلیق کے ذکر کرنے سے امام بخاری رحمہ اللہ کی منشاء یہ بیان کرنا ہے کہ نماز کی فرضیت مکہ مکرمہ میں ہوئی، وہ اس طرح کہ ابوسفیان جب ہرقل سے ملے تو اگرچہ یہ زمانہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد کا تھا، لیکن ہجرت کے بعد ابوسفیان کی ملاقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہوئی، اس لیے ہرقل کے جواب میں ابوسفیان نے جو یہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں، سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے ہی مکہ میں نماز کا حکم فرمایا کرتے تھے اور راجح قول کے مطابق واقعہ اسراء بھی ہجرت سے قبل ہی پیش آیا تھا جس میں نمازوں کی فرضیت ہوئی۔

حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (فرضیت نماز کا) بیان وقت اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے کیفیت سے تعلق نہیں رکھتا لیکن یہ بھی کیفیت کے جملہ مقدمات میں سے ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح کے شروع میں کیف کان بدء الوحی کے تحت بہت دور دور کی ادنیٰ مناسبت والی احادیث لائے ہیں، اسی طرح یہاں بھی مناسبت ظاہر ہو جاتی ہے (۲)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ عینی رحمہ اللہ، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی مذکورہ توجیہ کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ایسی کوئی تفصیل یا وضاحت نہیں ہے جس سے فرضیت نماز کی کیفیت ظاہر ہوئی ہو۔ لہٰذا "فظهرت المناسبة" کہہ دینا ٹھیک نہیں ہے، بلکہ اس بارے میں بہترین توجیہ یہ ہے کہ کسی بھی چیز کی کیفیت سمجھنے سے پہلے اس کی ذات کو پہچاننا ضروری ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر میں فرضیت کے اعتبار سے نماز کی ذات کو بتایا گیا ہے اور اس سے اگلی حدیث میں کیفیتِ فرضیت کو بتایا گیا ہے، تو اس

---

(۱) شرح تراجم أبواب البخاري، ص: ۲۰

(۲) فتح الباري، كتاب الصلاة: ۵/۵۹۷، الكوثر الجاري: ۲/۲۷، فيض الباري: ۲/۵، الكنز المتواري: ۶/۴، حاشية السهارنفوري: ۱/۵۰

طرح حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر نماز کی کیفیتِ فرضیت کے بیان کے لیے مقدمہ اور تمہید شمار ہوگا، تو اس توجیہ سے یہ اثر ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت رکھے گا(۱)۔

لغوی ونحوی تحقیق

مذکورہ تعلیق میں "فقال" کا فاعل "أبوسفیان" ہے، اور "النبي" منصوب ہے "یعنی" فعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے، اور "بالصلاۃ"، "یأمرنا" سے متعلق ہوگا(۲)۔

"الصلاۃ"

ارکان معہودہ اور افعال مخصوصہ کو اصلاح شرع میں صلاۃ کہتے ہیں، اس عبادت کی ابتداء "تکبیر" سے اور انتہاء "سلام" پر ہوتی ہے(۳)۔

"الصدق"

صدق ایسی بات کو کہتے ہیں جو واقع کے مطابق ہو(۴)۔

"العفاف"

اپنے کو حرام سے بچانا "عفاف" کہلاتا ہے(۵)۔

مذکورہ تعلیق میں صلاۃ کے بعد صدق کا ذکر ہے جب کہ صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں (جو کہ کتاب

(۱) عمدة القاري: ٤/٦٠

(۲) عمدة القاري: ٤/٦٠

(۳) شرح كرماني: ٤/٢، عمدة القاري: ٤/٣، الكوثر الجاري: ٢/٢٧، البناية: ٢/٤، الموسوعة الفقهية: ٢٧/٥١

(٤) شرح كرماني: ٤/٢، عمدة القاري: ٤/٦٠، لسان العرب: ٧/٣٠٧، تاج العروس: ٢٧/٥، مختار الصحاح، ص: ٢١٦

(٥) شرح كرماني: ٤/٢، عمدة القاري: ٤/٦٠، حاشية صحيح البخاري للسهارنفوري: ١/٥٠، تاج العروس: ٢٤/١٧٢، مختار الصحاح، ص: ٢٦٤

الجہاد میں ہے) صدق کی بجائے "صــدقة" کا لفظ ہے(۱)، اس کے علاوہ ایک اور روایت (جو کتاب التفسیر میں ہے) میں "الزكاة" کا لفظ ہے(۲) اور یہی روایت جو صحیح مسلم میں ہے، اس میں بھی "الزكاة" کا لفظ ہے(۳)۔

راجح یہ ہے کہ یہاں "صدق" اور "صــدقة" دونوں لفظ ہیں، رواۃ کے تصرف کی وجہ سے کہیں صرف "صدق" اور کہیں "صدقة" مذکور ہے اسی وجہ سے کشمیہنی اور سرخسی کی روایت میں دونوں لفظوں کو جمع کیا گیا ہے "بالصلاة والصدق والصدقة" (٤).

حدیث باب (پہلی حدیث)

٣٤٢ : حدَّثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ : حَدَّثَنَا ٱللَّيْثُ ، عَنْ يُونُسَ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ[٥] قَالَ : كَانَ أَبُو ذَرٍّ يُحَدِّثُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَالَ : (فُرِجَ عَنْ سَقْفِ بَيْتِي وَأَنَا بِمَكَّةَ ، فَنَزَلَ جِبْرِيلُ ، فَفَرَجَ صَدْرِي ، ثُمَّ غَسَلَهُ بِمَاءِ زَمْزَمَ ، ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ ، مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَإِيمَانًا ، فَأَفْرَغَهُ فِي صَدْرِي ، ثُمَّ أَطْبَقَهُ ، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَعَرَجَ بِي إِلَى ٱلسَّمَاءِ ٱلدُّنْيَا ، فَلَمَّا جِئْتُ إِلَى ٱلسَّمَاءِ ٱلدُّنْيَا ، قَالَ جِبْرِيلُ لِخَازِنِ ٱلسَّمَاءِ : ٱفْتَحْ ، قَالَ : مَنْ هٰذَا ؟ قَالَ : هٰذَا جِبْرِيلُ ، قَالَ : هَلْ مَعَكَ أَحَدٌ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، مَعِي مُحَمَّدٌ ﷺ ، فَقَالَ : أُرْسِلَ إِلَيْهِ ؟ قَالَ : نَعَمْ . فَلَمَّا فَتَحَ عَلَوْنَا ٱلسَّمَاءَ ٱلدُّنْيَا ، فَإِذَا رَجُلٌ قَاعِدٌ ، عَلَى يَمِينِهِ أَسْوِدَةٌ ، وَعَلَى يَسَارِهِ أَسْوِدَةٌ ، إِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِينِهِ ضَحِكَ ، وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَسَارِهِ بَكَى ، فَقَالَ : مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ ٱلصَّالِحِ وَٱلِابْنِ ٱلصَّالِحِ ، قُلْتُ لِجِبْرِيلَ : مَنْ هٰذَا ؟ قَالَ : هٰذَا آدَمُ ، وَهٰذِهِ ٱلْأَسْوِدَةُ عَنْ يَمِينِهِ وَشِمَالِهِ نَسَمُ بَنِيهِ ، فَأَهْلُ ٱلْيَمِينِ مِنْهُمْ أَهْلُ ٱلْجَنَّةِ ، وَٱلْأَسْوِدَةُ ٱلَّتِي عَنْ شِمَالِهِ أَهْلُ ٱلنَّارِ ، فَإِذَا نَظَرَ عَنْ يَمِينِهِ ضَحِكَ ، وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكَى ، حَتَّى عَرَجَ بِي إِلَى ٱلسَّمَاءِ ٱلثَّانِيَةِ ، فَقَالَ لِخَازِنِهَا : ٱفْتَحْ ، فَقَالَ لَهُ خَازِنُهَا مِثْلَ مَا قَالَ ٱلْأَوَّلُ ، فَفَتَحَ) . قَالَ أَنَسٌ : فَذَكَرَ : أَنَّهُ وَجَدَ فِي ٱلسَّمَاوَاتِ آدَمَ ، وَإِدْرِيسَ ،

---

(١) كتاب الجهاد، باب دعاء النبي صلى الله عليه وسلم إلى الإسلام، رقم الحديث: ٢٩٤١

(٢) كتاب التفسير، ﴿باب قل يا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم﴾، رقم الحديث: ٤٥٥٣

(٣) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، رقم الحديث: ٤٦٠٧

(٤) فتح الباري: ١/ ٥٠

(٥) قوله: عن أنس بن مالك، أخرجه البخاري في كتاب الحج، باب ماجاء في زمزم، رقم الحديث: ١٦٣٦، =

وَمُوسَى ، وَعِيسَى ، وَإِبْرَاهِيمَ ، صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ ، وَلَمْ يُثْبِتْ كَيْفَ مَنَازِلُهُمْ ، غَيْرَ أَنَّهُ ذَكَرَ : أَنَّهُ وَجَدَ آدَمَ فِي ٱلسَّمَاءِ ٱلدُّنْيَا ، وَإِبْرَاهِيمَ فِي ٱلسَّمَاءِ ٱلسَّادِسَةِ ، قَالَ أَنَسٌ : فَلَمَّا مَرَّ جِبْرِيلُ بِالنَّبِيِّ ﷺ بِإِدْرِيسَ ، قَالَ : مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ ٱلصَّالِحِ وَٱلْأَخِ ٱلصَّالِحِ . (فَقُلْتُ : مَنْ هٰذَا ؟ قَالَ : هٰذَا إِدْرِيسُ ، ثُمَّ مَرَرْتُ بِمُوسَى ، فَقَالَ : مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ ٱلصَّالِحِ وَٱلْأَخِ ٱلصَّالِحِ ، قُلْتُ : مَنْ هٰذَا ؟ قَالَ : هٰذَا مُوسَى ، ثُمَّ مَرَرْتُ بِعِيسَى ، فَقَالَ : مَرْحَبًا بِالْأَخِ ٱلصَّالِحِ وَٱلنَّبِيِّ ٱلصَّالِحِ ، قُلْتُ : مَنْ هٰذَا ؟ قَالَ : هٰذَا عِيسَى ، ثُمَّ مَرَرْتُ بِإِبْرَاهِيمَ ، فَقَالَ : مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ ٱلصَّالِحِ وَٱلِابْنِ ٱلصَّالِحِ ، قُلْتُ : مَنْ هٰذَا ؟ قَالَ : هٰذَا إِبْرَاهِيمُ ﷺ) .

قَالَ ٱبْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِي ٱبْنُ حَزْمٍ : أَنَّ ٱبْنَ عَبَّاسٍ وَأَبَا حَبَّةَ ٱلْأَنْصَارِيَّ : كَانَا يَقُولَانِ : قَالَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ : (ثُمَّ عُرِجَ بِي حَتَّى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى أَسْمَعُ فِيهِ صَرِيفَ ٱلْأَقْلَامِ) . قَالَ ٱبْنُ حَزْمٍ وَأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ : قَالَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ : (فَفَرَضَ ٱللّٰهُ عَلَى أُمَّتِي خَمْسِينَ صَلَاةً ، فَرَجَعْتُ بِذٰلِكَ ، حَتَّى مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى ، فَقَالَ : مَا فَرَضَ ٱللّٰهُ لَكَ عَلَى أُمَّتِكَ ؟ قُلْتُ : فَرَضَ خَمْسِينَ صَلَاةً ، قَالَ : فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ ، فَرَاجَعَنِي فَوَضَعَ شَطْرَهَا ، فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى ، قُلْتُ : وَضَعَ شَطْرَهَا ، فَقَالَ : رَاجِعْ رَبَّكَ ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ، فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا ، فَرَجَعْتُ إِلَيْهِ ، فَقَالَ : ٱرْجِعْ إِلَى رَبِّكَ ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ ، فَرَاجَعْتُهُ ، فَقَالَ : هِيَ خَمْسٌ ، وَهِيَ خَمْسُونَ ، لَا يُبَدَّلُ ٱلْقَوْلُ لَدَيَّ ، فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى ، فَقَالَ : رَاجِعْ رَبَّكَ ، فَقُلْتُ : ٱسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّي ، ثُمَّ ٱنْطَلَقَ بِي ، حَتَّى ٱنْتَهَى بِي إِلَى سِدْرَةِ ٱلْمُنْتَهَى ، وَغَشِيَهَا أَلْوَانٌ لَا أَدْرِي مَا هِيَ ، ثُمَّ أُدْخِلْتُ ٱلْجَنَّةَ ، فَإِذَا فِيهَا حَبَايِلُ ٱللُّؤْلُؤِ ، وَإِذَا تُرَابُهَا ٱلْمِسْكُ) .

[١٥٥٥ ، ٣١٦٤ ، وانظر : ٣٠٣٥]

"باب كيف فرضت الصلاة في الاسراء" کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے دو احادیث ذکر کی ہیں، ان میں سے پہلی حدیث "حدیثِ معراج" کہلاتی ہے، کتاب الصلاۃ کے تحت اس حدیث کو مفصلاً ذکر کرنے کا مقصد فرضیتِ صلاۃ کی کیفیت کو بیان کرنا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے واقعہ معراج سے متعلق کہیں

= وفي كتاب أحاديث الأنبياء، باب ذكر إدريس عليه السلام، رقم الحديث: ٣٣٤٢.

ومسلم في كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله إلى السموات، رقم الحديث: ١٦٣.

وكذا في جامع الأصول، كتاب النبوة، الباب الرابع في الإسراء، رقم الحديث: ٨٨٦٨، ١١/٣٠٥

مفصلاً اور کہیں مختصراً تیرہ مقامات پر احادیث ذکر کیں ہیں(۱) صحیحین میں اس بارے میں سب سے مفصل بیان حضرت ابوذر(۲)، حضرت مالک بن صعصعہ(۳) اور حضرت انس بن مالک(۴) رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

حضرت انس بن مالک سے تین طرق سے یہ حدیث مروی ہے، ایک طریق میں (صحیح البخاری، کتاب التوحید اور صحیح مسلم، کتاب الایمان باب الاسراء) آخری راوی آپ ہی ہیں۔ لیکن اس طریق میں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ انہوں نے خود براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے(۵)۔

دوسرے طریق (صحیح البخاری، باب ذکر الملائکۃ، وباب المعراج، اور صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء) میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے یہ واقعہ حضرت مالک بن صعصعہ سے سنا ہے(۶) اور تیسرے طریق (صحیح

---

(١) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب ماجاء في زمزم، رقم الحديث: ١٦٢٦، وفي كتاب أحاديث الأنبياء، باب ذكر إدريس عليه السلام، رقم الحديث: ٣٣٤٢، وفي كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة، رقم الحديث: ٣٢٠٧، وفي كتاب أحاديث الأنبياء، باب قوله تعالىٰ: ﴿وهل أتك حديث موسىٰ﴾ رقم الحديث: ٣٣٩٣. وفي باب قوله تعالىٰ: ﴿ذكر رحمة ربك عبده زكريا﴾، رقم الحديث: ٣٤٣٠، وفي كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج، رقم الحديث: ٣٨٨٧، وفي باب كان النبي صلى الله عليه وسلم تنام عينه ولا ينام قلبه، رقم الحديث: ٣٥٧٠، وفي باب حديث الإسراء، رقم الحديث: ٣٨٨٦، وفي كتاب التفسير، باب سورة الكوثر، رقم الحديث: ٤٩٦٤، وفي كتاب الأشربة، باب شرب اللبن، رقم الحديث: ٥٦١٠، وفي كتاب الرقاق، باب في الحوض، رقم الحديث: ٦٥٨١، وفي كتاب التوحيد، باب قوله تعالىٰ: "وكلم الله موسىٰ تكليماً"، رقم الحديث: ٧٥١٧

(٢) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب كيف فرضت الصلاة، رقم الحديث: ٣٤٩

(٣) كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج، رقم الحديث: ٣٨٨٧

(٤) كتاب التوحيد، باب قوله تعالىٰ: "وكلم الله موسىٰ تكليماً"، رقم الحديث: ٧٥١٧

(٥) صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب قوله تعالىٰ: "وكلم الله موسىٰ تكليماً"، رقم الحديث: ٧٥١٧.

صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء، رقم الحدث: ١٦٢

(٦) صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة، رقم الحديث: ٣٢٠٧، وفي كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج، رقم الحديث: ٣٨٨٧. .... =

البخاري، کتاب الصلاة، باب کیف فرضت الصلاة في الاسراء، اور کتاب الانبیاء) میں اس کی تصریح ہے کہ انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے سنا (۱) اس کے علاوہ تابعین میں سے متعدد کبار تابعین نے حضرت انس بن مالک سے یہ واقعہ نقل کیا ہے، جن میں ثابت البنانی (۲)، ابن شہاب زہری (۳)، قتادہ (۴) شریک بن عبداللہ ابي نمر (۵) شامل ہیں، ان میں سے سب سے زیادہ مستند بیان حضرت ثابت البنانی کا ہے، اور شریک بن عبداللہ کی روایت میں متعدد مقامات میں جمہور کے خلاف باتیں ہیں، جن کی وجہ سے امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم، باب الاسراء میں اشارۃً ذکر کر کے ان کی حدیث کو چھوڑ دیا ہے، الغرض تمام رواۃ کے سیاق وسباق میں کچھ نہ کچھ ایسے امور ہیں جو دوسری روایت میں نہیں ہیں (۶)۔

تراجم رجال

اس حدیث کی سند میں چھ روات ہیں:

یحییٰ بن بُکَیر

ان کا پورا نام "أبو بكر یا یحییٰ بن عبدالله بن بكير القرشي المخزومي المصري" رحمہ

= وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء، رقم الحديث: ١٦٤

(١) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب كيف فرضت الصلاة، رقم الحديث: ٣٤٩، وفي كتاب أحاديث الأنبياء، باب ذكر إدريس عليه السلام، رقم الحديث: ٣٣٤٢.

وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء، رقم الحديث: ١٦٣

(٢) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء، رقم الحديث: ١٦٢

(٣) سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجآء كم فرض الله على عباده الصلوٰت، رقم الحديث: ٢١٣

(٤) سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب فرض الصلاة، رقم الحديث: ٤٤٩

(٥) صحيح البخاري، كتاب التوحيد، رقم الحديث: ٧٥١٧

(٦) فتح الباري: ٥٩٦/١، عمدة القاري: ٦١/٤، ٦٢، سبل الهدى والرشاد، الباب السابع في أسماء الصحابة الذين رووا القصة: ٧٦/٣، نسيم الرياض في شرح الشفاء، القسم الأول في تعظيم العلي الأعلى لقدر النبي صلى الله عليه وسلم: ١١٠/٣، شرح العلامة الزرقاني، المقصد الخامس: ٢٥/٨، ٢٦

الله ہے،ان کے تفصیلی حالات "كتاب بدء الوحي" کی تیسری حدیث میں گذر چکے ہیں(۱)۔

الليث

یہ "امام أبو الحارث ليث بن سعد بن عبدالرحمن فهمي" رحمه الله ہیں ان کے حالات بھی "كتاب بدء الوحی" کی تیسری حدیث میں گذر چکے ہیں (۲)۔

يونس

یہ "يونس بن يزيد بن أبي النجاد أيلي" رحمه الله ہیں۔ان کا مختصر ترجمہ "كتاب بدء الوحی" کی پانچویں حدیث کے ذیل میں اور تفصیلی حالات "كتاب العلم" کے باب: "من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين" میں گذر چکے ہیں (۳)۔

ابن شهاب

ان کا مکمل نام "أبو بكر محمد بن مسلم بن عبيدالله بن عبدالله بن شهاب بن عبدالله بن زهرة بن كلاب بن مرة بن كعب بن لؤي الزهري المدني" ہے۔ان کے حالات "بدء الوحی" کی تیسری حدیث میں گذر چکے ہیں (۴)۔

أنس بن مالك

یہ مشہور صحابی "أنس بن مالك بن نضر بن ضمضم بن زيد خزرجي أنصاري" رضی الله عنه ہے،ان کے تفصیلی حالات "كتاب الإيمان" کی پہلی حدیث میں گذر چکے ہیں (۵)۔

أبو ذر

ان کا نام مشہور قول کے مطابق "جندب بن جناده" رضی الله عنه ہے،مشہور صحابی ہیں۔ان کے

(۱) دیکھیے،كشف الباري: ۳۲۳/۱

(۲) كشف الباري: ۳۲٤/۱

(۳) كشف الباري: ٤٦٣/۱، ۲۸۲/۳

(٤) كشف الباري: ۳۲٦/۱

(٥) كشف الباري: ٤/۲

تفصیلی حالات "كتاب الإيمان، باب المعاصي من أمر الجاهلية ...... الخ" میں گذر چکے ہیں (۱)۔

حدیث معراج کو نقل کرنے والے صحابہ کی تعداد

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے "المواہب اللدنیہ" میں چھبیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء ذکر کیے ہیں اوران اصحابِ رسول سے جنہوں نے روایت نقل کی ہے، ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ (۲) پھر علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے شرح المواہب میں انیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ناموں کا اضافہ کیا ہے، اس طرح کل پینتالیس صحابہ بنتے ہیں جو قصہ معراج کو مختصراً یا مفصلاً ذکر کرنے والے ہیں، ان کے اسماء گرامی ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱-حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (مسند احمد وابن مردویہ)، ۲-حضرت علی رضی اللہ عنہ (مسند احمد وابن مردویہ)، ۳-حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما (بخاری، مسلم، نسائی، احمد، بزار، ابن مردویہ، ابویعلی، ابونعیم)، ۴-حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (ابوداؤد، بیہقی)، ۵-حضرت ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (ابن سعد، ابن عساکر)، ۶-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (مسلم، ابن ماجہ، مسند احمد، بیہقی، طبرانی، بزار، ابن عرفہ، ابو یعلیٰ)، ۷-حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ (ابن سعد، ابن عساکر)، ۸-حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (بیہقی، ابن مردویہ، حاکم)، ۹-حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا (طبرانی، ابویعلیٰ، ابن عساکر، ابن اسحاق)، ۱۰-حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ (بیہقی، ابن ابی حاتم، ابن جریر)، ۱۱-حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ (دلائل ابی نعیم)، ۱۲-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (بخاری، مسلم، احمد، ابن ماجہ، ابن مردویہ، طبرانی، ابن سعد، سعید بن منصور، ابن جریر، ابن ابی حاتم، بیہقی، حاکم)، ۱۳-حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ (بخاری، مسلم)، ۱۴-حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ (بخاری، مسلم، احمد، بیہقی، ابن جریر)، ۱۵-حضرت أبوامامہ رضی اللہ عنہ (ابن مردویہ)، ۱۶-حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ (بخاری، مسلم في اثناء حديث أبي ذر رضی اللہ عنہ)، ۱۷-حضرت ابی بن کعب (ابن مردویہ)، ۱۸-حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (بخاری، مسلم، احمد، ابن مردویہ، نسائی، ابن ابی حاتم، ابن جریر، بیہقی، طبرانی، ابن سعد، بزار)، ۱۹-حضرت جابر رضی اللہ عنہ (بخاری، مسلم، طبرانی، ابن مردویہ) ۲۰-حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ (ترمذی، حاکم)، ۲۱-حضرت سمرۃ بن جندب رضی

(۱) كشف الباري: ۲۳۸/۲

(۲) المواهب اللدنيه: ۳۴۵/۲، ۳۴۶

اللہ عنہ (ابن مردویہ)، ۲۲-حضرت شداد بن اَوس رضی اللہ عنہ (بزار، طبرانی) بیہقی، ۲۳-حضرت صہیب رضی اللہ عنہ (طبرانی)، ۲۴-حضرت ابوحبّہ بدری رضی اللہ عنہ (بزار، طبرانی، بیہقی)، ۲۵-حضرت اسماء بنت اُبی بکر رضی اللہ عنہا (ابن مردویہ) ۲۶-حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا (طبرانی (۱)، ۲۷-حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ (ابن عساکر)، ۲۸-حضرت عبداللہ ابن اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ (بزار، بغوی، ابن قانع)، ۲۹-حضرت ابوالحمراء رضی اللہ عنہ (طبرانی)، ۳۰-حضرت ابولیلیٰ انصاری رضی اللہ عنہ (طبرانی، ابن مردویہ)، ۳۱-حضرت عبدالرحمٰن بن قرط رضی اللہ عنہ (سعید بن منصور)، ۳۲-حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (ابن دحیہ)، ۳۳-حضرت عبدالرحمٰن بن عابس رضی اللہ عنہ (ابن دحیہ)، ۳۴-حضرت اَبوسلمہ رضی اللہ عنہ (ابن دحیہ)، ۳۵-حضرت عیاض رضی اللہ عنہ (ابن دحیہ)، ۳۶-حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ (ابوحفص نسفی)، ۳۷-حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (ابوحفص نسفی)، ۳۸-حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ (ابوحفص نسفی)، ۳۹-حضرت اَبوسلمیٰ راعی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ابوحفص نسفی)، ۴۰-حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ابوحفص نسفی)، ۴۱-حضرت بلال بن حمامہ رضی اللہ عنہ (ابوحفص نسفی)، ۴۲-حضرت بلال بن اسعد رضی اللہ عنہ (ابوحفص نسفی)، ۴۳-حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ (ابوحفص نسفی)، ۴۴-حضرت ابن اَبی اَوفیٰ (ابوحفص نسفی)، ۴۵-حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ (ابوحفص نسفی) (۲)۔

یہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ جن سے قصہ معراج مروی ہے۔ ان سب کا تفصیل سے تذکرہ امام یوسف شامی رحمہ اللہ نے بھی کیا ہے، لیکن انہوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کا تذکرہ ابوحفص النسفی نے اپنی تفسیر میں کیا ہے، لیکن مجھے ان کی حدیث تلاش کے باوجود مل نہ سکی (۳)۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے "تفسیر ابن کثیر" میں سولہ راویوں کی مختلف طرق سے احادیث کو جمع کیا ہے،

---

(۱) اس کے بعد والے اسماء شرح المواہب میں ہیں۔

(۲) شرح العلامة الزرقاني، المقصد الخامس في تخصيصه عليه الصلوة والسلام بخصائص المعراج والإسراء: ۸/۲۵-۲۷

(۳) سبل الهدى والرشاد، الباب السابع في أسماء الصحابة الذين رَوَوا القصة عن النبي صلى الله عليه وسلم: ۳/۷٦-۷۷

جن میں صحیح، حسن اور ضعیف ہر طرح کی احادیث شامل ہیں(۱)۔

كان أبو ذر يحدث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: فرج عن سقف بيتي وأنا بمكة فنزل جبريل

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ (ایک شب) میرے گھر کی چھت کھولی گئی، اس وقت میں مکہ میں تھا، پھر (اس کھلی ہوئی چھت سے) حضرت جبرئیل علیہ السلام اترے۔''

''فرج'' باب ضَرَبَ یَضرِبُ سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ ہے، جس کا مطلب ہے ''پھاڑنا''، شگاف ڈالنا، تو مطلب یہ بنے گا کہ ''چھت میں شگاف ڈالا گیا'' اسی سے مناسب ایک اور لفظ ''فَشُقَّ'' ایک روایت موجود ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام کی چھت کے راستے سے آنے کی حکمت

اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام عام راستہ سے، گھر کے دروازے سے کیوں داخل نہیں ہوئے؟ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وأتوا البيوت من أبوابها﴾ (البقرة:۱۸۹)

تو اس کے جواب میں علماء کرام کی طرف سے مختلف حکمتیں بیان کی گئی ہیں: منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اس طریقے سے داخل ہو کر اس بات پر تنبیہ کی گئی کہ ظہورِ کرامت کوئی میعادی اور اختیاری چیز نہیں ہے بلکہ یہ کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ ظاہر ہو سکتی ہے۔

۲-دوسری حکمت یہ بتائی گئی ہے: کمرے میں اس طرح سے داخل ہونا اس خبر کو زیادہ دل میں راسخ کرنے والا تھا، جس کو وہ فرشتے لے کر آئے تھے، وہ اس طرح کہ اس طرح سے ان کا داخل ہونا جس طرح غیر معمولی ہے اسی طرح وہ خبر بھی غیر معمولی ہوگی، جس کو لے کر یہ آئے۔

۳-ایک تیسری حکمت یہ بھی بتائی گئی کہ عام راستہ چھوڑ کر چھت پھاڑ کر آنا واقعہ شق صدر کی تمہید تھا، یعنی جس طرح ایک یہ کام خلاف عادت پیش آیا ہے اسی طرح ایک اور خلافِ عادت اور خرق عادت کام پیش

(۱) تفسير ابن كثير، سورة الإسراء: ٤/٨٢-١١٣

آنے والا ہے، تو جس طرح دیکھتے ہی دیکھتے چھت پھٹی اور فوراً دوبارہ مل کر دوبارہ اپنی اصلی حالت پر آ گئی، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے ساتھ بھی یہی پیش آئے گا، گویا چھت کا پھٹنا اور دوبارہ متصل ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی کا سامان تھا۔

۴۔ یہ وجوہات بھی لکھی گئی ہے کہ: حضرت جبریل علیہ السلام کا یک بارگی اور براہ راست آسمان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا اس لیے تھا کہ کسی دوسرے راستے سے پہنچنے میں ملاقات اور مناجات کی تاخیر واقع نہ ہو اور اس طرف بھی اشارہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو آسمانوں پر طلب کیا گیا ہے وہ بلا تقرر وقت ہے اور یہ بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو بھی اسی راستے آسمان کی طرف لے جایا جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسا اس لیے کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اشارہ ہو جائے کہ میرے ساتھ کوئی خلاف معمول، خرقِ عادت امر پیش آنے والا ہے۔

۵۔ ایک اور وجہ یہ بھی ملتی ہے کہ اس واقعہ سے اشارہ ملتا ہے کہ اہم امور کو استقامت سے اور بلا تاخیر ادا کرنا چاہیے اور اس کی انجام دہی کے لیے قریب ترین راستہ اختیار کرنا چاہیے (۱)۔

بوقتِ معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تھے؟

اس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میرے گھر کی چھت پھٹی''، یعنی گھر کی نسبت اپنی طرف کی، جبکہ دوسری بعض روایات کے مطابق یہ گھر آپ کا نہیں تھا بلکہ ''ام ہانی رضی اللہ عنہا'' کا گھر تھا، تو پھر کسی اور کے گھر کو اپنی طرف کیوں منسوب کیا؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ایسا ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے کہا گیا کہ اس وقت آپ نے اپنی جائے قیام کو اپنی طرف ہی منسوب کر لیا اور ایسا کلامِ عرب میں اکثر ہوتا ہے، نیز اس موضوع پر تفصیلی گفتگو ما قبل میں گذر چکی ہے (۲)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱/۵۹۷، عمدة القاري: ٤/٦٢، سبل الهدى والرشاد، الباب التاسع في تنبيهات على بعض فوائد تتعلق بقصة المعراج: ۳/۹٦، الكنز المتوارى: ٤/٧، شرح العلامة الزرقاني: ٨/٤٢

(۲) فتح الباري: ٧/٢٥٦، عمدة القاري: ١٧/٣٠، نسيم الرياض على شرح شفاء القاضي العياض: ٣/١١٠، شرح المواهب: ٧/٤١

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے والا ایک فرشتہ تھا یا ایک سے زیادہ؟

اس حدیث میں ہے کہ "حضرت جبریل علیہ السلام آئے" جبکہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے(۱) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "أتیت فانطلقوا بي إلى زمزم" کہ فرشتے مجھے زمزم کی طرف لے کر گئے، یعنی ایک سے زیادہ فرشتے تھے، اور صحیح مسلم کی ہی ایک روایت کے مطابق "تین نفر" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے(۲)۔

اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ(۳) شب اسراء میں وحی سے قبل آپ کے پاس تین نفر آئے، اور سب کا آپ سے تعارف ہوا، پھر وہ چلے گئے، اس کے بعد وہ پھر ایک رات میں آئے اور معراج کے تمام امور حضرت جبریل علیہ السلام کے سپرد ہوئے جیسے کہ "فتولاہ جبریل ثم عُرِجَ به إلى السماء" سے اشارہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس بات سے ہی یہ بات بھی متعین ہو جاتی ہے کہ ابتداء میں اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے والے فرشتے کتنے ہی کیوں نہ ہو، لیکن آخر میں صرف حضرت جبریل علیہ السلام ہی رہ گئے تھے اور مذکورہ صحیح البخاری کی روایت میں اسی آخری حالت کا یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کے آنے کا تذکرہ ہے(۴)۔

فَفَرَجَ صَدْرِي

"پھر انہوں نے میرے سینے کو چاک کیا"

"فَرَجَ" شق کے معنی میں ہے، یہاں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے "شق صدر" کا بیان ہے۔ اس مقام پر تو صرف اتنا ہی مذکور ہے کہ جبریل علیہ السلام نے میرے سینے کو چیرا، لیکن دوسری بعض روایات میں اس بات کی بھی تفصیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو کہاں سے کہاں چیرا گیا، چنانچہ صحیح البخاری کی کتاب بدء الخلق میں حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے(۵)۔

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء، رقم الحديث: ١٦٢

(٢) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء، رقم الحديث: ١٦٤

(٣) صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب كان النبي تنام عينه ولا ينام قلبه، رقم الحديث: ٣٥٧٠

(٤) عمدة القاري: ١٦/١٦٢، الكوثر الجاري: ٢/٢٨

(٥) صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة، رقم الحديث: ٣٢٠٧

فَشُقَّ مِنَ النَّحْرِ إلى مراق البطن" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو اوپر سے لے کر پیٹ کے نیچے تک چیرا۔"

یہی الفاظ صحیح مسلم کی ایک روایت میں بھی ہیں(۱)۔

مسلم کی ہی ایک اور روایت میں "فَشَرحَ صدري إلى كذا وكذا ...... إلى أسفل بطنه" کے الفاظ ہیں(۲) مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ، میرے سینے کو یہاں سے یہاں تک (اشارہ کر کے بتایا) چیرا گیا (راوی کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) پیٹ کے نیچے تک کے حصہ پر اشارہ کیا۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: "فَشَقَّ مابين هذه الى هذه ...... قال من ثُغْرِهِ الى شعرته" وسمعته يقول من قَصِّهِ إلىٰ شعرته" (۳) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "پھر جبریل علیہ السلام نے یہاں سے یہاں کے حصے کو چیرا، یعنی سینے کی اوپر والی ابھری ہوئی ہڈی سے لے کر زیر ناف بالوں تک" نیز "ثغرہ" کے بجائے "قَصِّہ" کے الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں، "قَصِّہ" کا مطلب "سینے کا اوپر والا حصہ" ہے۔

اس جگہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے یہ لکھا ہے کہ بعض جگہ "إلى شعرته" کی بجائے "إلى الشنة" کے الفاظ بھی ملتے ہیں، "شنة" کے معنی وہ جگہ جو ناف اور عانہ کے درمیان ہو، ہیں(۴)۔

الغرض ان تمام واردشدہ مختلف الفاظ سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کی ابتداء سے پیٹ کے نیچے تک جہاں زیر ناف بال ہوتے ہیں، چاک کیا گیا"(۵)۔

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء، رقم الحديث: ١٦٤

(٢) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء، رقم الحديث: ١٦٣

(٣) صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، رقم الحديث: ٣٨٨٧

(٤) شرح الكرماني، كتاب مناقب الأنصار: ١٥/ ١٠٠

(٥) عمدة القاري، باب المعراج: ١٧/ ٣٠، فتح الباري: ٧/ ٢٥٦، مرقاة المفاتيح: ٨/ ٥٤٩، التعليق الصبيح: ٨/ ١٣٩، شرح العلامة الزرقاني: ٨/ ٤٨، سبل الهدى والرشاد: ٢/ ٨٨، ٣/ ٨٠

شقِ صدر کتنی بار ہوا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شقِ صدر کا واقعہ راجح قول کے مطابق چار مرتبہ پیش آیا:

پہلی مرتبہ زمانہ طفولیت میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ سعدیہ کی پرورش میں تھے پیش آیا، دوسری مرتبہ دس سال کی عمر میں پیش آیا، تیسری بار بعثت کے وقت پیش آیا، اور چوتھی بار بوقت معراج پیش آیا، چار مرتبہ شقِ صدر کا ثبوت احادیثِ صحیحہ اور معتبرہ سے ملتا ہے، بعض نے پانچویں بار بھی شقِ صدر ہونا ثابت کیا ہے، روایات صحیحہ اور جمہور علماء محدثین کے نزدیک پانچویں بار ہونے والا شق صدر (جو بیس سال کی عمر میں بتایا جاتا ہے) ثابت اور معتبر نہیں (۱)۔

پہلی مرتبہ کا شقِ صدر

پہلی بار جو شقِ صدر کا واقعہ ہے اس کی تفصیل بہت سی کتب میں مختلف طرق سے مذکور ہے، جن میں صحیح احادیث کے ساتھ ساتھ کچھ ضعیف احادیث بھی ہیں، لیکن ان ضعیف روایات سے واقعہ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ تعددِ طرق سے اس ضعف میں کمی آجاتی ہے، نیز یہ ضعیف احادیث، صحیح احادیث کی مؤید بن کر واقعہ کی صحت اور ثقاہت کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

واقعہ کی مختصر تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے:

"جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی پرورش میں تھے تو ایک دن جب آپ اپنے ہم عمر لڑکوں کے ہمراہ جنگل میں کھیل رہے تھے، تو حضرت جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ کو پکڑ کے زمین پر لٹایا، پھر آپ کے دل کے مقام کو چیرا اور دل نکالا اور اس کو چیرا پھر اس سے خون کا جما ہوا کچھ حصہ نکالا اور فرمایا یہ آپ میں شیطان کا حصہ ہے (اور اس کو پھینک دیا) پھر دل کو آبِ زم زم سے دھویا جو ایک طشت میں تھا، اس کے بعد دل کو واپس اپنی جگہ پر رکھ کے سینہ پر ٹانکے لگائے، اسی

---

(۱) فتح الباري: ۱/۵۹۷، ۷/۲۵٦، عمدة القاري: ٤/٦۲، ۱۷/۳۰، فتح الباري لابن رجب: ۲/۷، شرح العلامة الزرقاني: ۱/۲۸۲–۲۸۹، ۸/٤۹، سبل الهدى والرشاد: ۲/۸۲–۸٦، نسيم الرياض: ۳/۷۳، التعليق الصبيح: ۷/۱۳۹، الكنز المتوارى: ٤/۷

دوران (ساتھ کھیلنے والے) بچے دوڑتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کردیا گیا، وہ (اوران کا خاوند یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی والد) دوڑتے ہوئے آپ کے پاس پہنچے تو اس وقت (معاملہ اپنی اصل پہلے والی کیفیت پر آچکا تھا اور) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ اڑا ہوا تھا۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''میں نے (خود) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر سلائی (ٹانکوں کے لگنے) کے نشانات دیکھے ہیں۔''

اس حدیث مبارکہ کو صحیح مسلم (۱) میں اور مسند احمد بن حنبل میں ذکر کیا گیا ہے (۲) اس کے علاوہ پہلی دفعہ کے شقِ صدر کے واقعے سے متعلق مختلف طرق سے روایات المستدرك علی الصحین، دلائل النبوة لأبي نعيم اور إتحاف الخيرة المهرة للبوصيري میں بھی مذکور ہیں (۳)۔

دوسری مرتبہ کا شقِ صدر

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس سال کے ہوئے تو دوسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دل کے چیرے جانے اور دھونے کا واقعہ پیش آیا، جس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ:

> حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! امر نبوت میں سے سب سے پہلے آپ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا؟ آپ نے جواباً فرمایا کہ ایک بار میں جب دس سال کا تھا ایک صحرا میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک میں نے اپنے سر کے اوپر (فضا میں) دو افراد کو دیکھا، ان میں سے ایک دوسرے سے پوچھ رہا تھا کہ وہ یہی ہے؟ تو دوسرے نے جواب دیا کہ ہاں! تو ان دونوں نے مجھے پکڑا، اس حال میں کہ میں ان کے پکڑنے کو محسوس بھی نہیں کر رہا تھا، پھر ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس کو

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء، رقم الحديث: ۱٦۲

(۲) مسند أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ۱۲٥۰٦، ۱۹/٤۸۹

(۳) المستدرك على الصحيحين، تفسير "ألم نشرح": ۲/٥۲۸، دلائل النبوة لأبي نعيم، رقم الحديث: ۱٦۸، ۱/۲۲۱، إتحاف الخيرة المهرة للبوصيري، كتاب علامات النبوة: ۷/۱۷

لٹادو تو اس نے مجھے بغیر کسی مشقت کے لٹادیا، پھران میں سے ایک نے ساتھی سے کہا کہ اس کے سینے کو چاک کرو، تو اس نے ایسا ہی کیا، میں اپنے سینے سے نہ خون نکلتے دیکھا اور نہ ہی چیرے جانے کی درد محسوس کی، پھر ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس کے دل کو چیر کر اس سے کینہ اور حسد نکال دو، تو اس نے جمے ہوئے خون کی مثل کچھ نکال کر پھینک دیا، پھر اس نے کہا کہ اس میں نرمی اور رحمت بھر دو تو اس نے چاندی کی مثل کوئی چیز اس میں ڈال دی، پھر سفوف نما کوئی چیز نکال کر زخم پر چھڑک دی (تو وہ زخم دوبارہ اپنی اصلی حالت پر ہوگیا)۔

اس واقعے کو دلائل النبوۃ لأبي نعیم (۱) اور مسند احمد بن حنبل (۲) میں اور دیگر کئی کتب میں نقل کیا گیا ہے (۳)۔

تیسری مرتبہ کا شقِ صدر

نبوت ملنے کی ابتداء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شقِ صدر کا واقعہ پیش آیا، جس کی مختصر تفصیل ذیل میں بزبانِ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پیش کی جاتی ہے:

”کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ایک مہینہ اعتکاف کرنے کی نذر مانی، (اعتکاف کے دوران) ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ نے ”السلام علیک“ کی آواز سنی تو میں نے سمجھا کہ یہ کسی جن کی آواز ہے تو میں تیزی سے چلتا ہوا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچا، انہوں نے دریافت کیا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ (کسی غیبی آواز سے) ”سلام“ سنا تو انہوں نے کہا کہ (گھبرانے کی بات نہیں) سلام (کی آواز سننے میں تو) خیر ہی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری بار باہر نکلے تو اچانک حضرت جبریل علیہ السلام کو

---

(۱) دلائل النبوة لأبي نعيم، رقم الحديث: ١٦٦، ٢١٩/١

(٢) مسند أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ٢١٢٦١، ١٨١/٢٥

(٣) الأحاديث المختارة للمقدسي، رقم الحديث: ١٢٦٤، ٣٩/٤

اس حال میں دیکھا کہ وہ سورج کے قریب تھے، ان کے ایک پر نے مشرق کی فضا کو اور دوسرے پر نے مغرب کی فضا کو بھرا ہوا تھا، میں خوف سے بھاگا تو اچانک وہ (سورج کے پاس سے ہٹ کر) میرے اور میرے گھر کے دروازے درمیان حائل تھے، انہوں نے مجھ سے بات چیت کرنا شروع کی، حتی کہ میں ان سے مانوس ہوگیا، پھر انہوں نے مجھ سے کسی بات کا وعدہ لیا، اس دوران کچھ دیر ہوگئی، میں نے لوٹنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام اتر کر میرے قریب آگئے اور حضرت میکائیل علیہ السلام زمین اور آسمان کے درمیان ہی کھڑے رہے، پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے پکڑ کے گدی کے بل زمین پر لٹایا اور میرے سینہ کو چاک کر کے میرے دل سے وہ کچھ نکالا جس کے نکالنے کو اللہ نے چاہا، پھر انہوں نے میرے دل کو آبِ زم زم سے دھویا پھر اس کو واپس اس کی جگہ پر رکھ کے سینہ کو بند کر دیا اور میری پشت پر ایک مہر (نبوت کی) لگادی، یہاں تک کہ میں نے اس کے اثر کو اپنے دل پر محسوس کیا'' (۱)۔

چوتھی مرتبہ کا شقِ صدر

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کروائی گئی تو اس سفر کی ابتداء میں (چوتھی بار) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو نکال کر آب زم زم سے دھویا گیا۔ اس بار والے شقِ صدر کی تفصیل (جو ماقبل میں بھی ذکر کر دی گئی ہے) بہت سی کتاب احادیث میں ملتی ہے۔ صحیحین میں کئی روایات مختلف طرق سے قدرے مختلف الفاظ سے مذکور ہیں، جن کے بہت سے مفید مضامین آگے بھی ذکر کیے جائیں گے (۲)۔

شقِ صدر کی حکمت

زمانہ طفولیت میں جب پہلی بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو چاک کیا گیا تو اس کی حکمت یہ

(۱) دلائل النبوة لأبي نعيم، رقم الحديث: ۱۶۳، ۱/۲۱۶، مسند أبي داود الطيالسي، رقم الحديث: ۱۶۴۳، ۳/۱۳۵

(۲) صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب كان النبي صلى الله عليه وسلم تنام عينه ولاينام عينه، رقم الحديث: ۳۵۷۰، وفي كتاب بدء الخلق تحت باب ذكر الملائكة، رقم الحديث: ۳۲۰۷. .... =

بیان کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں جو معصیت کا مادہ تھا، اس کو نکال کے پھینک دیا گیا، اور ایسا اس لیے کیا تا کہ آپ ہر اعتبار سے شیطان کے اثر سے محفوظ رہ سکیں۔

اور دوسری بار دس سال کی عمر میں سینہ چاک کر کے قلبِ اطہر کو دھونے سے مقصود آپ کے اندر سے لہو ولعب کا مادہ ہی نکال دینا تھا، کیونکہ یہ مادہ لہو ولعب خدائے بزرگ و برتر سے غافل کر دیتا ہے۔

تیسری بار نبوت ملنے سے قبل اس لیے شقِ صدر کیا گیا کہ آپ کا دل مبارک وحی کے اسرار و برکات اور علومِ الٰہیہ کا تحمل کر سکے۔

اور چوتھی بار معراج پر جانے سے قبل آپ کے دل مبارک کو نکال کر اس لیے دھویا گیا کہ وہ عالَمِ ملکوت کی سیر، تجلیات الٰہیہ اور آیاتِ ربانیہ کے مشاہدہ اور خداوند تعالیٰ کے ساتھ مناجات اور اس کے ساتھ ہم کلام ہونے کی صلاحیت حاصل کر سکے۔

بعض علماء نے یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ جب بیت اللہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کو مسنون قرار دیا گیا ہے تو جب خود بارگاہ عز وجل میں حاضری ہو رہی ہو تو تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ اور پھر حرم شریف اور اس میں داخلہ تو ظاہرِ کائنات ہے، چنانچہ اس کے لیے ظاہرِ جسم کا غسل ہی مقرر کیا گیا، اور بارگاہِ عز وجل میں حاضری باطنِ کائنات میں حاضری ہے اس کے لیے باطنِ جسم (قلب اطہر) کے غسل کو مقرر کیا گیا، واللہ أعلم بحقیقة حاله. الغرض بار بار کے شقِ صدر کی حکمت جدا جدا تھی، مقصودِ مشترک یہ تھا کہ قلبِ مطہر کی نورانیت وطہارت انتہاء کو پہنچ جائے (۱)۔

کیا "شقِ صدر" ضروری تھا؟

متعدد بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو چاک کر کے آپ کے قلبِ اطہر کو دھویا گیا اور کچھ حصہ (جس کو شیطان کے حصے سے تعبیر کیا گیا) جدا بھی کیا گیا، تو اس جگہ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت تو اس بات پر قادر تھے کہ آپ کے قلبِ اطہر کو نہ نکالا جاتا بلکہ اس کے بغیر ہی اس کو ایمان اور حکمت سے

= صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء، رقم الحديث: ١٦٢، ١٦٤

(١) فتح الباري: ١/٥٩٧، ٧/٢٥٧، عمدة القاري: ٤/٦٤، ١٧/٣٠، إرشاد الساري: ٢/٥، سبل الهدى والرشاد: ٢/٩١، ٩٢، شرح العلامة الزرقاني: ١/٢٨٩، ٨/٤٩، مرقاة المفاتيح: ٨/٥٤٩

بھر دیا جاتا، تو پھر ایسا کیوں نہ کیا گیا؟ اور بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو کیوں چاک کیا گیا؟

اس کے جواب میں الشیخ أبو محمد بن أبي جمرۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اللہ رب العزت اس پر قادر تھے لیکن حکمت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یقین کی قوت میں زیادتی ہو جائے، اس لیے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ کو چاک ہوتے دیکھا اور اس سے کوئی اثر آپ نے قبول نہ کیا، تو اس کی وجہ سے آپ کو ہر اس خوف سے امن دے دیا گیا جو عادتاً ممکن ہوتا ہے، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالاً اور مقالاً تمام انسانوں سے زیادہ بہادر اور نڈر تھے اور اسی وجہ سے اللہ رب العزت نے سورۃ النجم کی آیت نمبر ۱۷ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وصف بیان کیا "ما زاغ البصرُ و ما طغیٰ" (۱) کہ نگاہ نہ بہکی اور نہ حد سے بڑھی۔ یعنی آنکھ نے جو کچھ دیکھا پورے تمکن اور اتقان سے دیکھا، نہ نگاہ ٹیڑھی ترچھی ہو کر دائیں بائیں ہٹی اور نہ ہی مُبصَر سے تجاوز کر کے آگے بڑھی، بس اس چیز پر جمی رہی جس کا دکھلانا منظور تھا (۲)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں "العَلَقَةُ السَّوْدَاء" پیدا کرنے کی حکمت

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو چیرا گیا تو اس سے سیاہ رنگ کا جما ہوا خون نکال کر پھینک دیا گیا تھا، اس کے بارے میں شیخ الاسلام أبو الحسن السبکی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ "جما ہوا خون" جسے اللہ تعالیٰ انسانوں کے قلوب میں پیدا کرتے ہیں، اس میں شیطان اپنے تصرفات اور وساوس وغیرہ پیدا کرتا ہے، تو شقِ صدر کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے اس کو دور کر دیا گیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں شیطان کے تصرف کرنے کا کوئی امکان ہی باقی نہ رہا، اور یہی معنی ہیں حدیث پاک کے اس جملے "هذا حظ الشيطان منك" اور "ولم يكن للشيطان فيه حظ" کے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں شیطان کے اس حصے کو پیدا ہی کیوں کیا گیا؟ حالانکہ یہ بات بھی تو ممکن تھی کہ اللہ رب العزت اسے پیدا ہی نہ کرتا۔

---

(۱) بهجة النفوس وتحليها بمعرفة مالها وما عليها بشرح مختصر صحيح البخاري لابن أبي جمرة الأندلسي، باب المعراج والإسراء، الوجه الخامس عشر: ۱۸۵/۳، فتح الباري، باب في المعراج: ۲۵۸/۷، سبل الهدى والرشاد، الباب الرابع عشر فيما جاء في شق صدره وقلبه الشريفين صلى الله عليه وسلم: ۹۰/۲

(۲) تفسير عثماني، سورة النجم: ۱۷، ص: ۶۹۴

تو جواب دیا کہ یہ جزء بھی دیگر اجزاء انسانی کی طرح ہی ہے جس کے بغیر تخلیق انسانی مکمل نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس کو پیدا تو اس لیے کیا کہ اس خلقت کی تکمیل ہو جائے اور پھر اس کو بطورِ کرامت جدا کر دیا گیا۔

اس کے علاوہ اس کا جدا کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مرتبے پر فائز ہونے کو بھی بتلاتا ہے۔

بعضوں نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بغیر پیدا فرماتے تو اوروں کو اس حقیقت کا پتہ نہ چلتا، نیز اس عمل کے ذریعے اللہ رب العزت نے انسانیت کے سامنے یہ ظاہر کر دیا کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری طور پر (یعنی جسمانی لحاظ سے) ہر طرح سے مکمل تھے، اسی طرح باطن کے اعتبار سے بھی آپ کامل واکمل ہیں (۱) واللہ اعلم بالصواب۔

مذکورہ بحث کے جواب میں علامہ سہیلی رحمہ اللہ نے ایک اور عجیب نکتہ بیان کیا ہے جس سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر انسان کی تخلیق کی ابتداء ''نطفہ'' سے ہوتی ہے، جسکا ظہور شہوت سے ہوتا ہے، یہی نطفہ تدریجاً بستہ خون کی شکل اختیار کرتا ہے، پھر یہی بستہ خون ''لوتھڑے'' کی شکل اختیار کر لیتا ہے، یہی بستہ خون ''مغز شیطان'' (یعنی جس جگہ شیطان چوکہ لگا کر بچے کو تنگ کرتا ہے) کہلاتا ہے۔

علامہ سہیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ شہوات کے تمام مقامات پر شیاطین کی خصوصی اور دلچسپی سے نظر ہوتی ہے، اسی وجہ سے ہر قالبِ انسانی کے اس جزء پر بھی خاص طور پر ان کی توجہ رہتی ہے اور وہ ہر پیدا ہونے والے بچے میں تلاش کرتے ہیں۔

دوسری طرف! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت چونکہ نوع انسانی کے دستور کے مطابق ہوئی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اس مغز (وہ لوتھڑا جس کو شیطان رنگ کرنے کے لیے چھیڑتا ہے) کا ہونا لازمی تھا، مگر یہ بات ظاہر ہے کہ اس مغز کا جو تعلق بھی تھا وہ سارے کا سارا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کی طرف سے تھا، مولود مبارک کی حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد طفولیت ہی میں اس مغز کو نکال کر پھینک دیا گیا اور صرف اس پر بس نہیں بلکہ روح القدس جیسے فرشتے کے ہاتھوں زم زم سے دھو کر ایمان وحکمت سے بھرا ہوا ایک طشت آپ کے قلبِ اطہر میں ڈالا گیا (۲)۔

---

(۱) سبل الهدى والرشاد، الباب الرابع عشر فيما جاء في شق صدره وقلبه الشريفين صلى الله عليه وسلم: ۲/۹۰، شرح العلامة الزرقاني، ذكر رضاعه صلى الله عليه وسلم وما معه: ۱/۲۸۹، ۸/۴۹

(۲) الروض الأنف في شرح السيرة النبوة لابن هشام، شق صدر: ۲/۱۷۰، ترجمان السنة، الرسول العظيم =

منکرین شقِ صدر کا رد

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے معراج سے پہلے ہونے والے شقِ صدر کا انکار کیا ہے اور ان کے انکار کی بنیاد حضرت شریک بن ابی نمر کی روایت ہے(۱) چنانچہ وہ لکھتے ہیں ”کہ روایت شریک میں بہت سے غلط باتیں ہیں، منجملہ ان کے ”شق بطن“ بھی ہے، حالانکہ یہ واقعہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زمانہ طفولیت میں پیش آیا تھا(۲)۔

چنانچہ حافظ ابوالفضل العراقی رحمہ اللہ نے ”تقریب“ کی شرح ”طرح التثریب“ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ”ابن حزم اور قاضی عیاض نے لیلۃ الاسراء میں ہونے والے شقِ صدر کا انکار کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ شریک کی گھڑی ہوئی بات ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، لیلۃ الاسراء میں ہونے والا شقِ صدر تو شریک کے علاوہ اور بہت سے راویوں سے منقول ہے اور ان کی روایات صحیحین میں بھی موجود ہیں“۔ (جیسا کہ ماقبل میں تفصیل سے گذر چکا ہے(۳)۔

ابوالعباس القرطبی رحمہ اللہ نے ”المفہم“ میں لکھا ہے کہ ”لیلۃ الاسراء میں ہونے والے شقِ صدر کے جھٹلانے والے کی طرف بالکل توجہ نہیں کرنی چاہئے، اس لیے کہ اس کا ثبوت ایسے رُواۃ سے ہے جو ثقات اور مشاہیر ہیں“(۴)۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے ”المواہب اللدنیہ“ میں اور علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ:

”یہ جو کچھ مروی ہوا یعنی شقِ صدر اور قلبِ مبارک کا نکالنا وغیرہ اس قسم کے خوارق وغیرہ کو اس طرح تسلیم کرنا واجب اور لازم ہے جس طرح منقول ہوئے، ان کو اپنی

= وعصمته في عهد طفوليته: ٣/٣٦٣

(١) صحيح البخاري، كتاب التوحيد، رقم الحديث: ٧٥١٧

(٢) الشفاء بتعريف حقوق المصطفى، فصل في تفضيله بالإسراء: ١/١١٦

(٣) طرح التثريب في شرح التقريب، فصل في التراجم: ١/١٨

(٤) المفهم للقرطبي، كتاب الإيمان، باب كيف كان ابتداء الوحي: ١/٣٨٢

حقیقت سے نہیں پھیرنا چاہیے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ، علامہ طیبی رحمہ اللہ، حافظ تورپشتی رحمہ اللہ، حافظ عسقلانی رحمہ اللہ، علامہ سیوطی رحمہ اللہ اور دیگر علماء بھی یہی فرماتے ہیں کہ شقِ صدر اپنی حقیقت پر محمول ہے اور حدیث صحیح اس کی مؤید ہے وہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیون یعنی سلائی کا نشان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے"(۱)۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ مسلم کی شرح "المفہم" میں لکھتے ہیں کہ:

"جو شخص یہ کہتا ہے کہ شقِ صدر صرف ایک بار زمانہ طفولیت میں ہوا، اس کی بات کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے، اس کی بات غلط ہے اور یہ اس کا وہم ہے، زمانہ طفولیت میں اور بوقت معراج شقِ صدر کو بیان کرنے والے ائمہ مشاہیر اور حفاظ حدیث ہیں اور جوانہوں نے ذکر کیا ہے اس کے تسلیم کرنے میں نہ کوئی امر محال ہے، نہ ان میں کوئی تعارض ہے اور نہ ہی کوئی تناقض ہے، لہٰذا صحیح وہی ہے جو اوپر بیان کر دیا گیا اور یہی مؤقف علماء کی ایک بڑی جماعت کا ہے"(۲)۔

شقِ صدر یا شرح صدر؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو حقیقی طور پر چاک کیا گیا(۳) جیسا کہ احادیثِ مبارکہ میں ذکر ہونے والے لفظ "فَشَقَّ" سے صاف ظاہر ہوتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان واقعات کے بیان میں "فَشَرَحَ" کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے، "شَرَحَ" کا استعمال "چیرنے پھاڑنے" میں بھی ہے اور معنوی کشادگی

(۱) المواهب اللدنية: ۲/۳٤۰، كتاب الميسر في شرح المصابيح: ٤/۱۲۷۱، شرح العلامة الزرقاني: ۸/۵۱، المفهم: ۱/۳۸۲، شرح الطيبي، باب في المعراج: ۱۱/٦٦، سبل الهدى والرشاد: ۲/۸۹، فتح الباري: ۷/۲۵۷، عمدة القاري: ۱۷/۳۰، مرقاة المفاتيح: ۸/۵٤۹، شرح الشفاء لملا علي القاري: ۱/۳۹۳

(۲) المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب الإيمان، باب شق صدر: ۱/۳۸۳، السيرة الحلبية، باب ذكر الإسراء والمعراج: ۱/۵۱۷

(۳) المُغرِب: ۱/٤۳۷، لسان العرب: ۷/۱٦۵، معجم بحار الأنوار: ۳/۲٤۱

میں بھی ہے(۱) چنانچہ "شَــرَحَ" کی دو قسمیں بن جائیں گی، شرح صدر ظاہری اور شرح صدر معنوی، اول الذکر "شق" کے معنی میں استعمال ہوگا اور ثانی الذکر "کشادگی معنوی، حصولِ اطمینان اور حوصلے کی فراخی" کے معنی میں استعمال ہوگا۔

"سورۃ الم نشرح لك" میں "شرح" سے مراد معنوی شرح صدر ہے، جیسا کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تفسیر عثمانی میں لکھتے ہیں(۲) "کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ" کہ اس میں علوم ومعارف کے سمندر اتار دیئے اور لوازمِ نبوت اور فرائضِ رسالت برداشت کرنے کو بڑا وسیع حوصلہ دیا کہ بے شمار دشمنوں کی عداوت اور مخالفوں کی مزاحمت سے گھبرانے نہ پائیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تفسیر عزیزی میں اس مضمون کو بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے جس کا خلاصہ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔ فرمایا:

> شرح صدر "حوصلے کی فراخی" کا نام ہے، جو ہر کسی کو اس کے مرتبے، کمال اور استعداد کے بقدر حاصل ہوتی ہے یہ حوصلے کی فراخی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر اور باطن میں حاصل ہوئی، سو "شرح صدر معنوی" یعنی حوصلے کی باطنی فراخی کو اس طرح سمجھا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں ایک بڑا میدان لق ودق واقع ہوا ہے، جس میں ایک بڑی عظیم الشان عمارت بنی ہوئی ہے، اس عمارت میں بارہ مجالس ہیں کہ بعض ان میں دنیا سے تعلق رکھی ہیں اور بعض آخرت سے اور بعض دین اور دنیا سے۔ ان میں سے ایک نمبر مجلس میں خیال کیا جائے کہ ایک بڑا بادشاہ بیٹھا ہوا امورِ سلطنت انجام دے رہا ہے، دوسری مجلس میں ایک بڑا دانا حکیم بیٹھا ہوا حکمت اور دانائی کی باتیں بتا رہا ہے۔ تیسری مجلس میں ایک قاضی لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کر رہا ہے، چوتھی مجلس میں ایک مفتی لوگوں کو ان کے مسائل کا حل بتا رہا ہے، پانچویں مجلس میں ایک محتسب بیٹھا ہوا ہے، جو لوگوں کی غلط راہ روی پر پکڑ دھکڑ، مؤاخذہ اور محاسبہ کر رہا ہے، چھٹی مجلس میں ایک خوش خواں

---

(۱) المُغرِب: ۱/۴۵۰، لسان العرب: ۷/۷۳، معجم بحار الأنوار: ۳/۱۹۴

(۲) تفسیر عثمانی، سورہ ألم نشرح، ص: ۷۸۱

اور خوش الحان قاری اپنی خوبصورت آواز میں تلاوتِ کلام پاک سے لوگوں کو مسرور کر رہا ہے، ساتویں مجلس میں ایک عابد دنیا و مافیہا سے بے خبر عبادت میں مشغول ہے، آٹھویں مجلس میں ایک عارفِ کامل حکمتِ الٰہیہ اور علوم و معرفت کی باتیں لوگوں کو بتا رہا ہے، نویں مجلس میں ایک واعظ شیریں بیان ممبر پر بیٹھا ہوا وعظ و نصیحت سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ کر رہا ہے، دسویں مجلس میں ایک اولوالعزم رسولِ خدا بیٹھا ہوا اللہ پاک کے احکامات لوگوں تک پہنچا رہا ہے، گیارہویں مجلس میں ایک مرشدِ کامل بیٹھا ہوا مریدین اور طالبینِ اصلاح کے احوال، مقامات، مراتب کے اعتبار سے رہنمائی کر رہا ہے اور بارہویں مجلس میں ایک محبوب نازنین بیٹھا ہوا ہے، جو سراپا حسن و جمال ہے اور اس نے اپنی محبت کی کشش سے لوگوں کے دلوں کو شکار کر رکھا ہے، ہزاروں لوگ اس کے جمال کی ایک جھلک کے مشتاق ہیں۔

خوب اچھی طرح غور کر لیا جائے کہ ہر قسم کے انسانی کمالات انہی بارہ قسموں میں داخل ہیں اور یہ بارہ کی بارہ مجالس جس میدان میں واقع ہیں، وہ میدان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک ہے، جس طرح ایک دریا سے بے شمار نہریں جاری ہوتیں ہیں اور ایک درخت کی جڑ کی تازگی سے تمام شاخیں اور تمام پتے تازہ اور سرسبز رہتے ہیں، اسی طرح سارے کمالاتِ انسانیہ کے شعبے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر سے فیض پاتے ہیں، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک تمام کمالات کا منبع و مخزن ہے، تو جس قدر ماٰخذ اصلی منظم اور قوی ہوگا، اسی قدر اس سے فیض پانے والے سیراب ہوں گے، چنانچہ شرح صدر باطنی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری طرح باکمال کر دیا گیا۔

اس کے بعد شرح صدر ظاہری کو سمجھنے کے لیے جاننا چاہئے کہ باطن (یا عالمِ غیب) اور ظاہر کی نسبت ایسے ہے جیسے اصل کی نسبت فرع سے، جو کچھ عالمِ ظاہر میں وجود پذیر ہے تو اس کی عالمِ غیب میں کچھ اصل ہے، لہٰذا جو کچھ عالمِ ارواح اور عالمِ غیب میں ہے وہ مصدر اور جڑ ہے اور جو کچھ عالمِ اجسام اور عالمِ ظاہری میں ہے وہ مظہر اور شاخ اس کی ہے، جب

یہ مقدمہ جان لیا گیا تو اب جاننا چاہئے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شرح صدر معنوی عالم غیب میں ثابت ہوا تو عالم ظاہری میں شرح صدر (بمعنی مشق) چار مرتبہ ظاہر ہوا اور متعدد بار ظاہری شرح صدر کی حکمتیں جدا جدا ہیں اور یہ تمام فعل حکیم کی حکمت کے عین مطابق ہیں (۱)۔

یہ خلاصہ تھا حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کے کلام کا جو انہوں نے تفصیلاً تفسیر عزیزی میں درج کیا ہے۔

ظاہری شرح صدر کے منکرین کی تردید

ماقبل میں تفصیل سے شقِ بطن کا ذکر ہو چکا ہے، بعض کج رو ایسے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر معجزوں کی طرح حقیقی طور پر ہونے والے شقِ صدر کا انکار کرتے ہیں کہ عقلاً یہ بات ناممکن ہے کہ کسی کا پیٹ چاک کیا جائے، اس کا دل نکالا جائے، اس کو بھی چیرا جائے اور مبتلیٰ بہ کا نہ خون نکلے، نہ اس کو تکلیف ہو اور وہ کچھ ہی دیر بعد دوبارہ پہلے جیسا تندرست اور توانا ہو جائے، لہٰذا انہوں نے ان روایات میں تاویلات کیں اور شقِ صدر ظاہری کی نفی کرتے ہوئے اس کو معنوی شرحِ صدر پر محمول کیا۔

ان پر رد کرتے ہوئے امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"ان واقعات (جن میں شقِ بطن کا قصہ مذکور ہے) کو ان کے ظاہر اور ان کی حقیقت پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ ان کے متن میں عقلاً کوئی امرِ محال مذکور نہیں، اس اعتبار سے کہ سینہ کا چیرا جانا اور دل کا نکالنا عادت کے موافق موت کا سبب ہے، لیکن خارقِ عادت بطورِ معجزۃ یا بطورِ کرامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت طاری نہیں ہوئی" (۲)۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"یہ حدیث (جس میں شقِ بطن کا قصہ مذکور ہے) اور اس جیسی دوسری احادیث جو اس نوعیت کی ہیں کہ ان کو اسی طرح قبول کرنا واجب ہے، جیسا مذکور ہوا، ان میں معنی

---

(۱) تفسیر عزیزی، پارہ عم، سورۃ الم نشرح: ٤/٣٧٧-٣٩٣

(۲) المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب الإيمان: ١/٣٨٢

حقیقی کو چھوڑ کر معنی مجازی کی طرف نہیں بڑھا جائے گا، کیونکہ یہ ایسے صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبریں ہیں، جو ایسے قادر کی طرف سے نقل کرتا ہے، جو ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے"(۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"شقِ صدر، استخراجِ قلب اور دیگر خارقِ عادت پیش آمدہ امور کو اسی طرح تسلیم کر لینا واجب ہے، جیسے مذکور ہوئے، ان کے معنی حقیقی سے اعراض نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہ اللہ کی قدرت کے تحت داخل ہیں اور اس کے لیے کوئی چیز محال نہیں ہے"(۲)۔

امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "سبل الہدی والرشاد" میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ:

"ہمارے بعض ہم عصروں نے شقِ صدر (حقیقی) کا انکار کیا ہے اور امرِ معنوی (شرحِ صدر معنوی) پر محمول کیا ہے اور (الٹا) شقِ صدر حقیقی کے قائلین کو قلبِ حقائق کا الزام دیا ہے، تو یہ ان کا جہلِ صریح اور فحش غلطی ہے اور ان سے ایسا علومِ فلسفیہ پر بہت زیادہ اعتماد اور سنت کے اسرار و رموز سے دوری کی وجہ سے ہوا ہے، نتیجتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسوائی ان کا مقدر بن چکی ہے، اللہ رب العزت ہمیں اس قسم کی فحش غلطیوں میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھے"(۳)۔

شقِ صدر اور صاحبِ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

عصرِ حاضر میں صاحبِ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ بھی اس مسئلہ میں جمہور کا ساتھ دیتے ہوئے نظر نہیں آتے سید صاحب نے "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں ذکر کیا ہے:

"ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرح صدر ہے...... اور قرآنِ مجید کی "سورۃ الم

---

(۱) شرح الطيبي على مشكاة المصابيح، باب علامات النبوة، كتاب الفضائل: ١١/٦٦

(۲) فتح الباري، كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج: ٧/٢٥٧، عمدة القاري: ١٧/٣٠

(۳) سبل الهدى والرشاد، الباب الرابع عشر: ٢/٨٩

نشرح" میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، ﴿الم نشرح لك صدرك﴾ کیا ہم نے تیرے سینے کو کھول نہیں دیا؟! پھر آگے لکھتے ہیں کہ "شرح صدر" کے معنی "سینہ کھول دینے" کے ہیں اور کلام عرب میں اس سے مقصود "بات کا سمجھا دینا" اور "اس کی حقیقت کا واضح کر دینا" ہوتا ہے" (۱)۔

سید صاحب کی اس بات کا جائزہ لینے سے قبل ایک عقل پرست اور دینِ اسلام کی حقیقی صورت بدلنے والے کا مذہب بھی ملاحظہ کر لینا چاہئے۔

شقِ صدر اور سرسید احمد خان

سرسید احمد خان نے بھی شقِ صدر حقیقی کا انکار کرتے ہوئے شرح صدر معنوی کو مراد لیا ہے اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ اس نے تو معراجِ جسمانی اور حالتِ بیداری میں اس واقعے کے عدمِ وقوع کا قول بھی ذکر کیا ہے (۲)۔

مذکورہ مؤقف کا جائزہ

ماقبل میں پوری تفصیل سے یہ بات ذکر کر دی گئی ہے کہ شرحِ صدر دو طرح سے ہوا، ظاہراً بھی اور باطناً بھی، شقِ صدر باطنی کو شرحِ صدر اور علمِ لدنی پر پوری طرح منطبق کر دینا کسی بھی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے "الم نشرح لك صدرك" کے تفسیری فوائد میں لکھا ہے:

"کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا کہ اس میں علوم و معارف کے سمندر اتار دیئے اور لوازمِ نبوت اور فرائضِ رسالت برداشت کرنے کو بڑا وسیع حوصلہ دیا کہ بے شمار دشمنوں کی عداوت اور مخالفوں کی مزاحمت سے گھبرانے نہ پائے (تنبیہ) احادیث و سیر سے ثابت ہے کہ ظاہری طور پر بھی فرشتوں نے متعدد مرتبہ آپ کا سینہ چاک کیا، لیکن آیت کا مدلول بظاہر وہ معلوم نہیں ہوتا" (۳)۔

---

(۱) سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، شقِ صدر یا شرحِ صدر؟ ۳/۲۶۹-۲۷۹

(۲) تفسير القرآن، سر سيد أحمد خان، سورة الإسراء، شق صدر: ٦/١٢٣-١٣١

(٣) تفسير عثماني، سورة الم نشرح، ص: ٧٨١

اس سے معلوم ہوا کہ شرح صدر کی ایک صورت شقِ صدر والی بھی ہے، مگر یہ مدلول آیت کا نہیں، جس طرح شقِ صدر ثابت بالا حادیث کا مدلول صرف معنوی شرحِ صدر نہیں ہے، الغرض دونوں کے مدلول الگ الگ ہیں۔

علامہ بدرعالم میرٹھی رحمہ اللہ نے حدیثِ معراج کی تشریح کرتے ہوئے ترجمان السنۃ میں لکھا ہے(۱):

"اس (معراج) کے تعدد میں شبہ اس کو ہوسکتا ہے، جس کے ذہن میں واقعہ معراج کی کوئی اہمیت نہ ہو، ایک ارضی مخلوق کو سماویات اور فوق السماوات کی سیر معمولی بات نہیں، یہ شرف دنیا میں صرف ایک ہی رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا اور وہ بھی تمام عمر میں بحالت بیداری صرف ایک بار، پھر عہدِ طفولیت کا واقعہ (تو) دوسروں کا چشم دید تھا اور یہ واقعہ خود آپ کی زبانِ فیض ترجمان کا بیان کردہ ہے، ایک برق رفتار سواری پر سوار ہونا اور سماوات کو طے کرکے فوق السماوات جا پہنچنا، اس کے لیے قلب میں کتنی کہربائیتِ الٰہیہ کی طاقت درکار ہوگی، ایک عادی طبیعت بھلا اس کا کیا اندازہ کرسکتی ہے، اگر اس کو شرحِ صدر بنادیا جائے، تو شقِ صدر سرے سے احادیث سے معدوم ہو جائے گا اور پھر کیا یہ سوال پیدا نہیں ہوگا کہ جب شرحِ صدر آپ کے زمانہ طفولیت میں ہو چکا تھا تو پھر قبل از معراج ہونے کی دوبارہ ضرورت کیا تھی؟ مگر جو شخص حدیث سے بے خبر ہو، اس کی نظر عقلی دائرہ میں اتنی محدود ہوتی ہے کہ وہ یہ سمجھنے سے بھی قاصر ہوتا ہے کہ جو شق کی تفاصیل احادیث میں موجود ہیں، کیا ان کو شرحِ صدر پر محمول کرنا معقول ہے؟ یہاں صرف ایک "شق" کے لفظ پر بحث نہیں، بلکہ غور کرنا یہ ہے کہ شق کی جو تفصیلات اور کیفیات آئی ہیں، کیا وہ بھی اس تاویل کی متحمل ہوسکتی ہیں یا نہیں؟! مثلاً! ایک فرشتہ کی آمد، اس کا سینہ مبارک کو چاک کرنا، اور حدودِ شق کی تعیین کرنا، قلبِ مبارک کو باہر نکالنا، پھر ایک طشت میں اس کو دھونا، اس طشت کا سونے کا ہونا، پھر پانی کا نام لے کر "ماءِ زمزم" بتانا، اسی طرح سے پھر اس کی درستگی کی تفصیلی کیفیت بیان کرنا، اگر ان سب چیزوں کا نام شرحِ صدر ہو، تو یہ تاویل ہوگی یا الفاظ

(۱) ترجمان السنة، الرسول الأعظم وشق صدره ليلة المعراج صلوات الله وسلامة عليه: ۱۵۹/٤، ۱٦۰

کا مسخ کرنا ہوگا؟ اور اس طرح کی تاویلات کرنے سے جن کے لیے الفاظ میں گنجائش نہ ہو، کیا شریعت سے ایمان اٹھا دینا نہیں ہے؟ اگر یہ شقِ صدر بمعنی شرحِ صدر ہوا ہے، جو بقولِ منکرین ہر نبی کو حاصل ہوتا ہے تو کیا ان تفصیلات کا ثبوت کسی نبی کی زندگی میں پیش کیا جاسکتا ہے؟! یہ شرحِ صدر بھی عجیب تھا جس کو ہر نبی کے لیے ثابت کیا جائے، مگر شق کی ان تفصیلات کا ثبوت گذشتہ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے جمِ غفیر میں سے کسی ایک کے اندر بھی پیش نہ کیا جاسکے، یاللعجب!"

الغرض شقِ صدر اور شرحِ صدر دونوں الگ الگ مدلول کے ساتھ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں، ماقبل میں محدثین کرام اور علماءِ سیر کے اقوال منقول ہوچکے، اب ذیل میں مفسرین کرام کے اقوال ذکر کیے جاتے ہیں کہ انہوں نے بھی دونوں کا الگ الگ مدلول ذکر کیا ہے۔

اس تفصیل کو علامہ ثعلبی رحمہ اللہ نے "الکشف والبیان" میں، علامہ زمخشری رحمہ اللہ نے "تفسیر الکشاف" میں علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے "زاد المسیر" میں، علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے "تفسیر البیضاوی" میں، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں، علامہ أبوسعود رحمہ اللہ نے "تفسیر أبي السعود" میں، علامہ صاوی رحمہ اللہ نے "حاشیۃ الصاوی علی الجلالین" میں علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" میں اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے "روح المعانی" میں ذکر کیا ہے(۱)۔

---

(۱) الكشف والبيان في تفسير القرآن المعروف بتفسير الثعلبي: ٦/٤٨٦، ٤٨٧.

تفسير الكشاف للزمخشري، "سورة ألم نشرح": ٤/٧٥٩

زاد الميسر في علم التفسير لابن الجوزي: ٨/٢٨٤

حاشية الشهاب على تفسير البيضاوي: ٩/٥١٦، ٥١٧

تفسير ابن كثير، "سورة ألم نشرح": ٦/٤٨٥

تفسير أبي السعود للقاضي أبي السعود: ٦/٤٤٣ .... =

''خلاصہ کلام یہ کہ شق صدر سے حقیقۃً سینہ کا چاک کرنا مراد ہے۔ شق صدر سے شرح صدر کے معنی مراد لینا جو ایک خاص قسم کا علم ہے صریح غلطی ہے، شق صدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص الخاص معجزات میں سے ہے اور شرح صدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے سے لے کر اب تک بھی علماء صالحین کو شرح صدر ہوتا رہا ہے۔

نیز اگر شق صدر سے شرحِ صدر کے معنی مراد ہوں جو کہ ایک امرِ معنوی ہے تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا؟ کہ سیون (سلائی) کا نشان جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ کیا شرح صدر سے سینہ پر سلائی کے نشان نمودار ہو جاتے ہیں؟ لاحول ولاقوة إلا بالله العلي العظيم"(۱).

ایک وضاحت

سید صاحب کے اس مؤقف پر ''انوار الباری'' میں بھی گرفت کی گئی ہے اس مقام پر مؤلف انوار الباری ''سید احمد رضا صاحب بجنوری'' نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ

''حضرت سید صاحب کے جن تفردات اور طرزِ تحقیق پر نقد کیا گیا ہے، ہمارا ذاتی خیال یہ ہے کہ انہوں نے اس کے بڑے حصے سے رجوع فرما لیا تھا اور ایک بار ان کا رجوع ''معارف'' میں شائع بھی ہو گیا تھا، مگر یہ ادارہ دار المصنفین اعظم گڑھ کی بڑی فروگذاشت ہے کہ نہ ان کے رجوع کے مطابق تالیفات میں اصلاح کی اور نہ اس کو ان کی تالیفات کے ساتھ شائع فرمایا۔

= حاشية الصاوي على تفسير الجلالين: ٤/٣٨٩،

فتح القدير للشوكاني: ٥/٥٧٧

تفسير روح المعاني: ١٥/٣٨٥-٣٨٧

التفسير الكبير للرازي: ٣٢/٣-٥

(۱) سیرۃ المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم للکاندھلوی، شق صدر کی حقیقت: ۱/۸۲

ایسی صورت میں حضرت رحمہ اللہ کی کسی سابق تحقیق پر نقد وطعن ہوتا ہے تو اس سے دل کو تکلیف ہوتی ہے، خصوصاً اس لیے کہ راقم الحروف کو حضرت سید صاحب رحمہ اللہ سے ان کی گراں قدر علمی خدمات کی وجہ سے مجلس علمی ڈابھیل ہی کے زمانہ سے قلبی تعلق رہا ہے اور ایک عرصہ تک یہ سعی وتمنا بھی رہی کہ وہ اپنے تفردات سے رجوع فرمالیں، پھر رجوع کی خبر ایک محترم کے نجی خط سے ملی اور ''معارف'' میں بھی شائع ہوا، تو نہایت مسرت ہوئی پھر آخری زندگی میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے جوں جوں موصوف کا تعلق واستفادہ بڑھتا گیا، ان کے خیالات میں مزید تبدیلی ہوتی گئی اور موصوف کی وفات سے صرف ایک ہفتہ قبل جو ملاقات احقر کی ہوئی، اس سے بھی مندرجہ بالا خیال کی تائید وتوثیق ہی ہوئی ہے، اس لیے یہ چند سطور اپنے علم واطمینان کے مطابق حضرت صاحب نور اللہ مرقدہ کے بارے میں لکھی گئیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ سیرۃ النبی' وغیرہ میں جو چیزیں اب تک چھپ رہی ہیں اور برابر ان کے تراجم بھی دوسری زبانوں میں چھپ رہے ہیں۔ ان سے جو غلط فہمی پھیل رہی ہے، اس کا ازالہ صحیح گرفت اور نقد سے ہی ہوسکتا ہے، جو اہل تحقیق کا حق ہے۔

جزاھم خیر الجزاء(۱).

کیا شقِ صدر سابقہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ہوا؟

جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شقِ صدر کا واقعہ پیش آیا، اسی طرح سابقہ انبیاء کے ساتھ بھی یہ امر پیش آیا کہ نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

امام شامی رحمہ اللہ ''سبل الہدیٰ والرشاد'' میں لکھتے ہیں کہ

''علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے نزدیک شقِ صدر کا معجزہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے، سابقہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کے ساتھ یہ واقعہ پیش نہیں آیا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ معجزہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ دیگر انبیاء علیہم السلام بھی اس معجزہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

(۱) انوار الباری شرح صحیح البخاری، شقِ صدر اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۱۱/ ۱۶، ۱۷

ساتھ شریک ہیں، جیسا کہ بعض روایات سے اس کی طرف اشارہ ملتا ہے"(۱)۔

جمہور کا قول بھی یہی ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے قلوب بھی دھوئے گئے تھے، البتہ! جس تفصیل اور اہتمام کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آنے والے معاملہ کی خبر ملتی ہے، اس طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ پیش آمدہ واقعہ کی خبر نہیں ملتی، صرف اشارہ ملتا ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے قلوب کو بھی غسل دیا جاتا تھا(۲)۔

ثُمَّ غَسَلَهٗ بِمَاءِ زَمْزَمَ

"پھر اسے زمزم کے پانی سے دھویا"

زمزم اس کنویں کا نام ہے، جو مسجد حرام میں ہے، لفظ زمزم تانیث اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ اس کو زمزام، زُوازِم اور زُوَزِم بھی کہتے ہیں۔ لغات میں اس کے بہت سے اور نام بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ جن میں سے مَكْتُوْمَةٌ، مَضْنُوْنَةٌ شُبَاعَةٌ، سُقْيَا، الرَّوَاءُ، رَكْضَةُ جِبرِيْل، هَزْمَةُ جِبْرِيْل، شِفَاءُ سُقْمٍ، طَعَامُ طُعْمٍ، حَفِيْرَةُ عبدِالمطلب(۳).

اسے زمزم کہنے کی وجہ اس پانی کا کثیر ہونا ہے، یا پھر جب زمین سے یہ پانی نکلا تھا، اس وقت حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اس کے پانی کے گرد منڈیر بناتے ہوئے (تاکہ پانی دائیں بائیں نہ بڑھے) کہا "زم زم" (ٹھہر جا، ٹھہر جا) یا پھر پانی ابلنے کے وقت حضرت جبریل علیہ السلام نے اس پانی سے کہا "زم زم" اور اس کے

---

(۱) سبل الهدى والرشاد، الباب الرابع في شق الصدر: ۹۱/۲

(۲) فتح الباري، باب المعراج: ۳۵۷/۷

شرح العلامة الزرقاني، في شق الصدر: ۲۸٦/۱

السيرة الحلبية، باب ذكر الإسراء والمعراج: ۵۱۷/۱

سبل الهدى والرشاد: ۹۱/۲

ذخيرة العقبىٰ، رقم الحديث: ۴۴۸، ۲۹/٦

(۳) الصحاح للجوهري، ص: ۴۵۸، لسان العرب: ۸٦/٦، القاموس المحيط، ص: ۱۰۰۸، ذخيرة العقبىٰ في شرح المجتبىٰ، رقم الحديث: ۴۴۸، ۲۹/٦

علاوہ بھی اور وجہ ہوسکتی ہے(۱)۔

زمزم سے قلبِ اطہر دھونے کی وجہ

علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو آبِ زمزم سے دھونے کی حکمت یہ ہے کہ یہ پانی دل کو تقویت بخشتا ہے اور گھبراہٹ کو دور کرتے ہوئے سکون پیدا کرتا ہے۔

حافظ زین الدین العراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لیلۃ الاسراء میں اس پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو اس لیے غسل دیا گیا کہ عالمِ ملکوت کی رؤیت پر آپ تقویت حاصل کرسکیں (۲)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو جنت کے پانی سے کیوں نہیں دھویا گیا؟

اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو چاک کرکے آپ کے قلبِ اطہر کو غسل دیا گیا، تو اس کے لیے فرشتے آسمان سے ہی طشت لے کر آئے، تو اس کے ساتھ ساتھ جنت سے پانی بھی لے لیتے، حالانکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ دنیا کے پانی سے آپ کے دل کو دھویا گیا، ایسا کیوں ہوا؟

اس کے جواب میں علامہ ابن ابی جمرۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر جنت کے پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو غسل دیا جاتا تو امت کے لیے اس کی برکت کا اثر باقی نہ رہتا، کیونکہ اس پانی کا مستقر دنیا نہیں ہے بلکہ جنت ہے۔ نیز! من وجہٍ آبِ زمزم بھی آسمانی یا جنتی پانی ہی ہے، وہ اس طرح کہ قول باری تعالیٰ ﴿وأنزلنا من السماء ماء بقدر فاسكناه في الأرض وإنا على ذهاب به لقادرون﴾ (المؤمنون:۱۸) کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ”زمین میں جو پانی بھی ہے وہ ان پانیوں میں سے ہے جو آسمان سے نازل ہوا اور ایک روایت میں بھی ہے کہ: جب بارش برستی ہے تو اس میں جنت کے پانیوں میں سے کچھ حصہ ملا ہوتا ہے اور اس بارش میں برکت اس ملے ہوئے پانی کے بقدر ہوتی ہے۔ چنانچہ اس معنی میں سارے کا سارا پانی جنت کا ہوتا ہے یا کچھ پانی جنت کا ہوتا ہے“۔

اس کے علاوہ آب زمزم کے مزید فوائد بھی ہیں، جن میں سے چند ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں، مثلاً:

۱-امت کے لیے برکت کو باقی رکھنا مقصود تھا۔

---

(۱) فيض القدير، رقم الحديث: ۲۲، ۸۱/۱

(۲) شرح العلامة الزرقاني: ۶۵/۸، ۶۶

۲-آب زمزم اس سرزمین پر واقع تھا جہاں بیت اللہ تھا۔

۳-یہ پانی ایک مبارک ہستی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اکرام کے لیے پیدا کیا گیا۔

۴-اس پانی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس پانی میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے لیے غذا رکھی گئی۔

۵-اس پانی کا ظہور خاص وجہ سے خاص مقصد کے لیے، خاص اور مقرب فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے ہوا۔ لہٰذا اس خاص پانی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ شرف اور آپ کی زیادہ تعظیم تھی، اس لیے اس پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو غسل دیا گیا۔

بعضوں نے یہ بھی کہا کہ جب یہ پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی حیاۃ کا سبب بنا، تو زیادہ مناسب یہی تھا کہ اسی کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو غسل دیا جاتا (۱)۔

آبِ زمزم افضل ہے یا آب کوثر؟

سفرِ معراج سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شقِ صدر کا معجزہ پیش آیا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو آبِ زمزم سے دھویا گیا، اس وقت آبِ زمزم کے استعمال کی وجہ سے یہ سوال پیدا ہوا کہ پانیوں میں سے آبِ زمزم افضل ہے یا آب کوثر؟ (جو جنت میں ایک چشمہ ہے، یا ایک نہر ہے۔)

چنانچہ اس بارے میں مجموعی طور پر تین اقوال سامنے آتے ہیں:

سب سے پہلا قول یہ ہے کہ آبِ زمزم تمام پانیوں سے افضل ہے، اسی لیے اس پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو غسل دیا گیا، اگر کوئی اور پانی اس سے افضل ہوتا تو کائنات کی سب سے عظیم اور مبارک ہستی کے لیے اسی پانی کا انتخاب کیا جاتا نہ کہ آبِ زم زم کا۔ چنانچہ اس قول کو اختیار کرنے والے شیخ الاسلام السراج البلقینی رحمہ اللہ ہیں۔ اس قول کو علامہ قسطلانی رحمہ اللہ، علامہ زرقانی رحمہ اللہ، علامہ ابن ابی جمرۃ رحمہ

---

(۱) بهجة النفوس، باب المعراج، خرق العادة للنبي صلى الله عليه وسلم: ۱۸۸/۳، ۱۸۹

ذخيرة العقبىٰ في شرح المجتبىٰ، باب فرض الصلاة، رقم الحديث: ٤٤٨، ٢٩/٦

الروض الأنف، عن شق الصدر مرة: ١٧٤/٢

شرح العلامة الزرقاني: ٦٥/٨، ٦٦

سبل الهدى والرشاد، الباب الرابع عشر: ٩٦/٢

اللہ، علامہ سہیلی رحمہ اللہ اور امام یوسف الصالحی رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے(۱)۔

دوسرا قول علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا ہے کہ آبِ زمزم کو مطلقاً تمام پانیوں سے افضل کہنا محلِ نظر ہے، البتہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ آب زم زم دنیا کے تمام پانیوں سے افضل ہے اور جنت کے پانیوں میں سے سب سے افضل آبِ کوثر ہے۔ کیونکہ آبِ کوثر دار البقاء سے تعلق رکھتا ہے، لہٰذا اسے دار الفناء میں استعمال نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا دار الفناء میں وہاں کے سب سے افضل پانی زم زم سے غسل دیا گیا۔

ان کی اس بات پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جس طشت کو اس واقعے میں استعمال کیا گیا، وہ بھی تو دار البقاء یعنی جنت سے لایا گیا تھا اور استعمال اس کو دار الفناء یعنی دنیا میں کیا گیا۔

تو اس کا جواب ان کی طرف سے یہ دیا گیا کہ یہ اشکال ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ طشت ایسی چیز تھی، جس کے استعمال سے وہ ختم نہیں ہو سکتی تھی، بخلاف پانی کے، کہ اس کے استعمال سے تو اس کی ذات ہی فنا ہو جاتی، اس لیے وہاں کا طشت تو استعمال کر لیا گیا، لیکن پانی استعمال نہیں کیا گیا۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی اس بات کا بھی جواب دیا گیا کہ جب آپ نے اتنا تسلیم کر لیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو افضل پانی سے ہی غسل دیا گیا، تو آپ کے شیخ الاسلام البلقینی رحمہ اللہ کا قول کہ زم زم ہی افضلِ میاہ ہے، کا تسلیم کرنا بھی لازم ہے۔ اس لیے کہ آپ کی ذکر کردہ دلیل کی وجہ زمزم کو افضل میاہ قرار دینے پر بھی کوئی دلیل نہیں ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ ''چونکہ آبِ کوثر جنت یعنی دار البقاء کا پانی ہے اس لیے اس کو دار الفناء میں استعمال نہیں کیا گیا'' اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ اس پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کو غسل نہ دیا جائے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور منصب کے تو لائق یہ تھا کہ آپ کے لیے مطلقاً افضل پانی استعمال کیا جاتا، نہ کہ محض دنیا کے پانیوں میں سے افضل پانی۔

دوسری بات: آپ کا یہ کہنا کہ ''طشت کا حال اور ہے اس پر قیاس کر کے اشکال نہ کیا جائے'' تسلیم نہیں ہے، اس لیے کہ یہ وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت کے اظہار کا تھا، ورنہ تو سونے کا استعمال تو حرام

---

(۱) المواهب اللدنية، المصدر الخامس: ۲/۳۵٤، شرح العلامة الزرقاني: ۸/٦٥، ٦٦، بهجة النفوس: ۳/۱۸۸، ۱۸۹، الروض الأنف: ۲/۱۷٤، سبل الهدى والرشاد: ۲/۹٦، عمدة القاري: ۱۷/۳۱، مرقاة المفاتيح: ۱۰/۵۲۸، التعليق الصبيح: ۷/۱۳۹، نسيم الرياض: ۳/۱۱۰، الكوثر الجاري: ۲/۲۸

تھا، جب اس کو جائز قرار دے دیا گیا، تو ہم نے جان لیا کہ یہ مقام اور وقت کسی خرقِ عادت امر کے ظاہر ہونے کا ہے، تا کہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید کرامت کا اظہار ہو، تو یہ بات تقاضا کرتی ہے، کہ ماءِ کوثر استعمال کیا جاتا اگر وہ افضل تھا تو، لیکن جب اس کے باوجود ماء زمزم کو استعمال کیا گیا تو یہ اس بات پر قرینہ ہے کہ یہی پانی ماءِ کوثر سے بھی افضل ہے۔ اس قول کو علامہ زرقانی رحمہ اللہ اور علامہ مناوی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے(۱)۔

تیسرا قول ''ابن الرفعۃ'' کا ہے کہ سب سے افضل پانی وہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے جاری ہوا بطور معجزہ کے۔ اور ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد بار ہوا، ان مواقع کو علامہ یوسف الصالحی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''سبل الھدیٰ والرشاد'' کی دسویں جلد میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

اس کے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا اور ماءِ زمزم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑھیاں رگڑنے سے، ان دونوں کے درمیان فرق صاف ظاہر ہے۔ اس لیے کہ جو معجزہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے ظاہر ہوا یہ زیادہ ابلغ ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے معجزے سے۔

البتہ اس بات کی وجہ سے علامہ بلقینی رحمہ اللہ کی اس بات پر اشکال نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو سب سے افضل پانی سے دھویا گیا، اس لیے کہ اس وقت وہاں کوئی اور پانی بالخصوص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پھوٹنے والا پانی موجود نہیں تھا، اس لیے وہاں موجود پانیوں میں افضل پانی مراد ہے۔

اور اسی طرح ''ابن الرفعۃ'' پر بھی اس صحیح حدیث کی وجہ سے کوئی اشکال وارد نہیں ہوسکتا، جس میں ماءِ زم زم کی فضیلت وارد ہے۔ "خير ماء على وجه الأرض ماء زمزم"(۲) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

---

(۱) شرح العلامة الزرقاني، المقصد الخامس في تخصيصه عليه الصلوة والسلام بخصائص المعراج والإسراء: ٨/٦٦، ٦٧، فيض القدير بشرح الجامع الصغير، حرف الهمزة، رقم الحديث: ٢٢، ١/٨١

(۲) المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث: ١١٠٠٤، ٥/٢٧٩

المصنف لعبد الرزاق، باب زمزم وذكره، رقم الحديث: ٩١١٩، ٥/١١٦

جامع الأحاديث للسيوطي، رقم الحديث: ١١٨١٩، حرف الخاء

فرمایا کہ روئے زمین پر سب سے افضل پانی آبِ زم زم ہے۔

اشکال اس لیے نہیں ہوسکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے وقت وہ پانی موجود ہی نہیں تھا، جو بطور معجزہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے نکلا، مطلب! اس وقت تک اس معجزے کا ظہور ہی نہیں ہوا تھا۔

اس قول کو علامہ زرقانی رحمہ اللہ، علامہ ابن ابراہیم حلبی رحمہ اللہ، علامہ یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے(۱)۔

اب ان تینوں اقوال میں سے راجح قول کون سا ہے؟ اس بارے میں علامہ عبدالرؤف المناوي رحمہ اللہ اس حدیث ''خير ماء علی وجه الأرض ماء زمزم'' کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اس نص کی وجہ ان علماء کے لیے تقویت پیدا ہوتی ہے جو ماءِ کوثر سے افضل ماءِ زمزم کو قرار دیتے ہیں۔

پھر کچھ آگے چل کر دیکھتے ہیں کہ اس حدیث ''خير ماء علی وجه الأرض ماء زمزم'' کی وجہ سے بعض علماء نے آبِ زمزم کو اس پانی سے بھی افضل کہہ دیا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے جاری ہوا تھا۔ حالانکہ اس موقع پر جب اس پانی کو افضل بتایا گیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے جاری ہونے والے پانی والا معجزہ ظاہر ہی نہیں ہوا تھا(۲)۔

خلاصہ کلام! اس وقت کے اعتبار سے جب شقِ صدر ہوا سب سے افضل پانی آبِ زم زم قرار پائے گا اور بعد ازیں وہ پانی جو آپ کی انگلیوں کے اثر سے پیدا ہوا۔

ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ

''پھر سونے کا ایک طشت لے کر آئے''

---

(۱) شرح العلامة الزرقاني: ۶۸/۸، السيرة الحلبية: ۴۱۳/۳، سبل الهدى والرشاد: ۱۳/۱۰، مرقاة المفاتيح: ۵۲۸/۱۰

(۲) فيض القدير، حرف الخاء، رقم الحديث: ۴۰۷۷، ۶۵۲/۳

مرقاة المفاتيح، باب علامات النبوة: ۵۲۸/۱۰

شرح العلامة الزرقاني، المقصد الخامس: ۶۸/۸

الكنز المتواري، باب كيف فرضت الصلوت: ۷/۴

طشت ایک تھال نما برتن ہوتا ہے، جو اکثر پیتل کا بنا ہوا ہوتا ہے، اکثر اس کا استعمال ہاتھ دھونے کے لیے کیا جاتا ہے۔

''طشت''، الطاء'' کی فتح اور ''سین'' کے سکون کے ساتھ ہوتا ہے، ابن قرقول کا کہنا ہے کہ یہ لفظ ''ط'' کی کسرہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے، لیکن اس کا استعمال فتح کے ساتھ زیادہ فصیح ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ''طست'' کی اصل ''طس'' سین کی تشدید کے ساتھ ہے، ایک ''سین'' کو ثقیل ہونے کی وجہ سے ''تا'' میں بدل دیا گیا۔ چنانچہ جب اس کی جمع لائی جاتی ہے تو ''سین'' لوٹ آتی ہے جیسے طِساسٌ، طَسِیْسٌ، اَطْسَاسٌ، طَسُوْسٌ.

''طست'' میں ایک سے زیادہ لغات بھی پائی جاتی ہیں، مثلاً: اَلطَّسُّ، اَلطَّسَّةُ، اَلطِّسَّةُ. ان میں سے اَلطَّسُّ'' کی جمع ''اَطْسَاسٌ'' طُسُوسٌ اور طَسِیْسٌ آتی ہے، اور ''اَلطَّسَّةُ'' کی جمع طِسَاس، اور طِسَسٌ آتی ہے(۱)۔

قلبِ اطہر دھونے کے لیے طشت کا استعمال ہی کیوں کیا گیا؟

علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس برتن کی تخصیص اور برتنوں کو چھوڑ کر اس لیے کی گئی کہ عرف میں اس طرح کچھ دھونے کے لیے اسی برتن کا استعمال کیا جاتا ہے(۲)۔

سونے کا طشت کیوں استعمال کیا گیا؟

شقِ صدر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو سونے کے طشت میں رکھ کے دھویا گیا، تو اس جگہ یہ سوال پیدا ہوا کہ شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو سونے کا استعمال حرام ہے، تو اسے کیوں استعمال کیا گیا؟

اس سوال کے علمائے امت نے بہت سے جوابات دیئے ہیں:

۱-سونے کے استعمال کی حرمت کا حکم اس دنیا میں اُسے استعمال کرنے پر ہے، آخرت میں نہیں، جیسا

---

(۱) الصحاح للجوهري، ص: ٦٤٠، النهاية في غريب الحديث والأثر: ٢/١١٠، المغرب: ٢/٢٠، لسان العرب: ٨/١٦٠، ١٦١، القاموس المحيط، ص: ١٤٣، عمدة القاري: ٤/٦٣، شرح النووي على صحيح مسلم: ٢/٣٨٩

(٢) عمدة القاري: ٤/٦٣، فتح الباري: ١/٣٩٧، سبل الهدى والرشاد: ٢/٩٣

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''هو لهم في الدنيا وهو لنا في الأخرة''(۱) کہ سونے کا استعمال کفار اور غیر مسلموں کے لیے اس دنیا میں ہے (ہمارے لیے نہیں بلکہ) ہمارے لیے تو اس کا استعمال آخرت میں ہوگا (وہاں ان کے لیے نہیں ہوگا)۔

پھر اس طشت کا استعمال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو پایا ہی نہیں گیا، اس کا استعمال تو ان فرشتوں نے کیا، جو اس برتن کو اپنے ساتھ لے کر آئے تھے اور احکام کے مکلّف ہم انسان ہیں، نہ کہ فرشتے۔

۲-یہ امر اس وقت پیش آیا جب ان برتنوں کے (یعنی سونے کے برتنوں کے) استعمال کی ممانعت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، بلکہ ان کا استعمال مباح تھا، ان کی حرمت کا حکم تو مدینۃ المنورۃ میں نازل ہوا۔

۳-ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ یہ امر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ جواب ملا علی القاری رحمہ اللہ نے مرقاۃ میں ذکر کیا ہے۔

۴-حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ بات بھی ممکن ہے کہ حرمت کا حکم احوال دنیا کے ساتھ مخصوص ہو اور جو کچھ لیلۃ الاسراء میں پیش آیا وہ اکثر احوالِ غیب سے متعلق تھا، اس لیے وہ احکام آخرت سے بھی ملحق ہوگا (اور آخرت میں تو سونے سے مستفید ہونے والے خالصتاً مؤمنین ہی ہوں گے)۔

۵-علامہ خفاجی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سونے کا استعمال اس لیے کیا گیا کہ وہ جنت کا سونا تھا، جو کہ ہماری دنیا کے سونے کی جنس سے نہیں ہے اور احکام کا تعلق اس دنیا کے سونے سے ہے، لہٰذا اس جگہ مزید جوابات کی ضرورت ہی نہیں رہتی (۲)۔

---

(۱) سنن ابن ماجه، باب كراهية اللباس، رقم الحديث: ۳۵۹۰، ص: ۱۱۸۷

المصنف لابن أبي شيبة، كتاب اللباس، رقم الحديث: ۲۵۱٤

(۲) بهجة النفوس، حديث الإسراء والمعراج: ۱۸۰/۳

مرقاة المفاتيح، كتاب الفضائل، باب علامات النبوة: ۵۲۸/۱۰

فتح الباري، كتاب المناقب، باب المعراج، رقم الحديث: ۳۸۸۷، ۲۵۷/۷

نسيم الرياض، القسم الأولى في تعظيم العلي الأعلى لقدر النبي صلى الله عليه وسلم: ۳٦/۳

إرشاد الساري: ۵/۲، عمدة القاري: ٦۲/٤، ٦۳، ۳۱/۱۷، التوضيح لشرح الجامع الصحيح: ۲۲۹/۵، ۲۳۰، شرح السيوطي على النسائي: ۲۱۷/۱

سونے کے استعمال کی حکمت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو دھونے کے لیے سونے کی دھات استعمال کرنے کی حکمت کیا تھی؟ اس بارے میں سب سے مفصل کلام علامہ سہیلی رحمہ اللہ نے کیا ہے اور اس کلام کو کچھ مزید تشریح اور اضافے کے ساتھ علامہ یوسف الصالحی الشامی نے اور علامہ الزرقانی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

چنانچہ علامہ سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح سونے کا ظاہر اور اس کی ذات ہے، اسی طرح اس کا لفظ اور اس کی صفات بھی ہیں اور دھات کے لفظ، اوصاف، ظاہر اور ذات کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم، وحی الٰہی اور قرآن مجید کے ساتھ مناسبت ہے، چنانچہ لفظ ''ذھب'' کو دیکھا جائے تو یہ اس معنی کے مناسب ہو جائے گا، جن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ارادہ کیا گیا تھا، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدے کی ناپاکی (شرک) دور کرنے کا ارادہ کی اور آپ کو ہر اعتبار سے ظاہراً اور باطناً پاک صاف کر دیا۔

اور اگر ''ذھب'' کے معنی اور اس کے اوصاف کی طرف دیکھا جائے تو اس کے معنی کسی شئے کو ہر طرح کی آلائشوں وغیرہ سے پاک کرنے اور صاف کرنے کے ہیں، چنانچہ سونے کے طشت کی مناسبت اس چیز سے ہوگئی، جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارادہ کیا گیا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کی صفائی۔

سونے کے اوصاف میں سے ایک اس کا ثقیل ہونا بھی ہے، حتیٰ کہ اسے اگر ''پارے'' میں بھی ڈال دیا جائے تو یہ اس میں بھی نیچے بیٹھ جاتا ہے۔ دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی جانے والی کتاب قرآن حکیم اور وحی بھی بے حد ثقل رکھتی تھی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إنا سنلقي عليك قولاً ثقيلاً﴾ (المزمل: ۵) کہ ہم ڈالنے والے ہیں تجھ پر ایک بھاری (وزن دار) بات۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی اور آپ اونٹنی پر ہوتے تو (وحی کے بوجھ کی وجہ سے) وہ اونٹنی بیٹھ جاتی، پھر وہ حرکت کرنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی (یہاں تک کہ وحی ختم ہو جاتی)''(۱)۔

چنانچہ صفت معقولہ (یعنی وحی کا بوجھ) اور صفت محسوسہ (سونے کی سختی اور بوجھ میں) مطابقت ظاہر ہوگئی۔

---

(۱) المستدرك على الصحيحين، كتاب التفسير، سورة المزمل، رقم الحديث: ۳۶٦٥، ۲/۵٤۹

سونے کے اوصاف میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سونے کو آگ نہیں کھاتی، اسی طرح قرآن ہے کہ قیامت والے دن آگ ایسے دل کو نہیں کھائے گا، جس میں قرآن محفوظ ہو اور نہ ہی ایسے بدن کو کھائے گی، جو قرآن کے مطابق عمل کرتا ہو۔

سونے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ زمین (یعنی مٹی) سونے پر اثر انداز نہیں ہوتی، اسی طرح قرآن اپنے بکثرت پڑھے جانے سے پرانا نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی اور بہتر اس میں تغیر وتبدل پیدا کرسکتی ہے۔

نیز "سونا" لوگوں کے ہاں ایک عزیز اور نفیس دھات ہے۔ اسی طرح قرآن حکیم بھی عزت والی کتاب ہے، جیسا کہ قول باری عزوجل ہے: "وإنه لكتاب عزيز" ترجمہ "اور وہ کتاب ہے نادر" (۱)۔

مذکورہ بحث تو سونے کے اوصاف اور اس کے لفظ سے متعلق تھی، اگر اس کی ذات اور اس کے ظاہر کی طرف نظر کی جائے تو یہ دنیا کی زینت وسجاوٹ ہے اور دوسری طرف قرآن مجید اور وحی الٰہی کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بادشاہوں کے خزانوں کا مالک بنا دیا گیا، ان کا سونا، چاندی اور تمام زینت کی اشیاء امتِ محمدیہ کے قبضے میں پہنچ گئی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر سونے کے محلات کا وعدہ بھی کیا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (مؤمن کے لیے) "دو جنتیں ہوں گی، جس کے برتن اور تمام چیزیں سونے کی ہوں گی" (۲)۔

اور قرآن پاک میں ہے ﴿يطاف عليهم بصحاف من ذهب﴾ ترجمہ: "اور لیے پھریں گے ان کے پاس رکابیاں سونے" (۳)۔

گویا کہ یہ سونا (جو طشت کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا) خبر دے رہا تھا اس سونے کی جو جنت میں ہوگا اور قرآن اور وحی الٰہی کی اتباع کرنے والوں کو ملے گا۔

---

(۱) سورة حم سجده: ٤١

(۲) صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب سورة الرحمٰن، رقم الحديث: ٤٥٩٧

صحيح مسلم، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ٢٩٦

(۳) سورة الزخرف: ٧١

اوراس سونے کے اوصاف خبر دے رہے تھے حق اور قرآن کے اوصاف کی اور سونے کا لفظ (یعنی: لفظِ ذھب) خبر دے رہا تھا، آسمان کی طرف لے جائے جانے کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر طرح کی ناپاکی دور کرنے کی (۱)۔

سونے کے طشت سے "تحلیته المصحف" کے جواز پر استدلال

اس جگہ علامہ سہیلی رحمہ اللہ نے "تحلیۃ المصحف" کے جواز پر استدلال کیا ہے، کہ جس طرح اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو غسل دینے کے لیے سونے کا طشت استعمال کیا گیا، اسی طرح قرآن مجید کو سونے سے مزین کرنا بھی جائز ہے۔ اسی کو قدرے تفصیل سے علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے بھی ذکر کیا ہے (۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے "تحلیۃ المصحف" کو جائز کہنا محلِ نظر ہے، اس کے جواز کے دلائل اور ہیں، یہ نہیں۔ اس لیے کہ اس سونے کے طشت کو استعمال کرنے والے فرشتے تھے، (انسان نہیں) چنانچہ جن احکامات کے وہ مکلّف ہیں، انہی احکامات کے مکلّف انسان بھی ہوں، اس کے لیے دلیل چاہیے (اور وہ ندارد ہے) نیز! اس واقعے کے وقت تو ویسے بھی سونے کا استعمال مباح تھا، کیونکہ سونے کے استعمال کی حرمت کا حکم تو مدینۃ المنورۃ میں آیا، لہٰذا مذکورہ استدلال درست نہیں ہے (۳)۔

مُمْتَلِئٌ حكمةً وإيماناً، فأفْرَغَهُ في صَدْرِيْ ثُمَّ أطْبَقَهُ

"(وہ طشت) حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا، (اس فرشتے نے ایمان اور حکمت کو) میرے سینے میں ڈال دیا اور سینہ کو بند کر دیا۔"

"ممتلئ" مذکر لانے کی توجیہ

طشت کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا "ممتلئ حكمةً وإيماناً"، حالانکہ "طشت" مؤنث ہے

(۱) الروض الأنف، لِمَ اختير طست من ذهب: ۱۷۵/۲، سبل الهدى والرشاد، الباب الرابع عشر: ۹۴/۲، ۹۵، شرح العلامة الزرقاني، المقصد الخامس في تخصيصه بخصائص المعراج والإسراء: ۵۷/۸، ۵۸، فتح الباري، كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج: ۲۵۷/۷

(۲) الروض الأنف، لِمَ اختير طست من ذهب: ۱۷۵/۲، شرح ابن بطال، رقم الحديث: ۳۴۹، ۷/۲، ۸

(۳) فتح الباري، كتاب الصلوة، رقم الحديث: ۳۴۹، ۵۹۷/۱، شرح العلامة الزرقاني: ۵۷/۸

اور ''ممتلئ'' مذکر ہے، تو علماء کرام نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس جگہ ممتلئ ''طست'' کی صفت نہیں بن رہا، بلکہ ''معنی طست''، یعنی برتن کی صفت بن رہا ہے اور وہ مذکر ہے، لہذا کوئی اشکال نہیں (۱)۔

''حکمت'' کے معنی

حکمت کے معنی میں علماء کرام کے بہت سے اقوال ہیں، مثلاً: قرآن مجید، فہم قرآن، خشیت، نبوت، اصابت في القول والفعل (۲) وغیرہ۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے حکمت کے معنی میں تفصیلی کلام کیا ہے، جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے عقل، فہم اور ذہانت کے معنی بیان کیے ہیں اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے حوالے سے ''عقل، فقہ اور اصابت في القول'' کے معنی نقل کیے ہیں، امام رازی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ علم کے مطابق عمل کی توفیق کامل جانا ''حکمت'' ہے۔

بعضوں نے ''حکمت'' سے مراد ایسی گفتگو لی ہے، جس سے لوگ نصیحت حاصل کریں اور ان کو اس گفتگو سے تنبیہ ہو۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ انسانی طاقت کے بقدر اشیاء کی حقیقتوں کی معرفت کا نام ''حکمت'' ہے (۳)۔

تاج العروس میں لکھا ہے کہ حکمت سے مراد اللہ کی اطاعت، دین کی سمجھ، اس پر عمل، خشیت، پرہیزگاری، فکر ونہج کی درستگی اور اللہ کے احکامات اور اس کی اتباع میں غور وفکر سے کام لینا ہے (۴)۔

ابن سیدہ نے لکھا ہے کہ حکمت کے بارے میں دو قول ہیں: ایک نبوت اور دوسرا قرآن، اور حکمت سے مراد ''قرآن'' لینے پر یہ بات کافی ہے، کہ ساری امت نے قرآن حکیم ہی کی بدولت جہالت کے بدلے علم حاصل

---

(۱) فتح الباري: ۳۴۹، ۱/۵۹۷، ارشاد الساري: ۲/۵، تحفة الباري: ۲/۲۸۱، التوضيح لشرح الجامع لابن ملقن: ۵/۲۳۱

(۲) تفسير الطبري، البقرة: ۲۶۹، ۵/۵۷۶

(۳) روح المعاني، لقمان: ۱۲، ۱۱/۸۲، ۸۳، التفسير الكبير، لقمان: ۱۲، ۲۵/۱۲۷، تفسير ابن كثير: ۵/۱۰٤

(٤) تاج العروس، ماده "حكم": ۳۱/۵۲۹

کیا ہے(۱)۔

امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''حکمت کی تفسیر میں اقوال بہت زیادہ ہیں اور ہر تعریف کرنے والے نے بعض صفات پر اقتصار کیا ہے، (امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ) ہم جامع مانع تعریف کررہے ہیں کہ حکمت نام ہے ایسے علم کا جو احکام کے ساتھ متصف ہو، اللہ کی معرفت پر مشتمل ہو، اور بصیرت، تہذیب نفس، حق، اس کے ساتھ عمل اور خواہشات اور باطل سے بچنے کے ساتھ ملا ہوا ہو'' (۲)۔

امام نووی رحمہ اللہ نے حکمت کی تفسیر میں ابن درید کا قول نقل کیا ہے کہ ''ہر ایسا کلمہ جو تجھ کو نصیحت کرے اور تجھے تنبیہ کرے اور تجھے عزت کی طرف بڑھائے یا ہر قبیح سے روک دے وہ حکمت ہے'' (۳)۔

''ایمان'' کا مطلب

''ایمان'' کا لفظ ''امن'' سے ماخوذ ہے اور ''امن'' ضد ہے ''خوف'' کی۔ ''امن'' اطمینان اور طمانیت کو کہتے ہیں۔

ایمان کا استعمال چار طریقے سے ہوتا ہے:

ایک تو یہ کہ وہ متعدی بنفسہ ہوتا ہے، خواہ ایک مفعول کی طرف ہو یا دو مفعولوں کی طرف، دوسرے مفعول کو حرف جر کے واسطے سے لایا جائے یا جر کے واسطے کے بغیر۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ''ایمان'' کا صلہ ''باء'' ہو اس وقت ایمان ''تصدیق'' کے معنی میں ہوگا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ''ایمان'' کا صلہ ''لام'' ہو، اس وقت اس کے معنی ''انقیاد'' کے ہوں گے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ اس کا صلہ ''علی'' ہو، اس وقت ایمان ''اعتماد'' کے معنی میں استعمال ہوگا، یہ صورت اقل قلیل ہے (۴)۔

---

(۱) المحكم والمحيط الأعظم: ۳/۵۰

(۲) شرح النووي على المسلم، كتاب الايمان، رقم الحديث: ۸۳، ۲/۲۲۰، عمدة القاري: ٤/٦٣، إرشاد الساري: ۲/۵، تحفة الباري: ۱/۲۸۱، فتح الباري: ۱/۵۹۷

(۳) شرح النووي على المسلم، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ۸۳، ۲/۲۲۰

(۴) ایمان کی لغوی، اصطلاحی، شرعی تعریف، ایمان کے مختلف صلات کے ساتھ استعمالات، ان کی مثالیں اور مزید دیگر علماء کی تعریفات اور ہر اعتبار سے جامع بیان کے لیے دیکھیے، کشف الباري، كتاب الإيمان: ۱/۵٦۱، ۵٦۹

ایمان کی شرعی واصطلاحی تعریف، مختلف تعبیرات اور مختلف عنوانات سے بہت سے علماء نے کی ہے، جمہور علماء نے ایمان کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے:

"وهو التصديق بما عُلِمَ مجيئي النبي صلى الله عليه وسلم به ضرورة تفصيلاً فيما عُلِمَ تفصيلاً وإجمالاً فيما عُلِمَ إجمالا".

مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جن چیزوں کا علم بدیہی طور پر ہوا ہے، اس کی تصدیق کرنا ایمان ہے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت اجمالی ہے تو اجمالی تصدیق ضروری ہے، اور اگر ثبوت تفصیلی ہے تو اس کی تصدیق تفصیلی طور پر کرنا ضروری ہے (۱)۔

دل میں "حکمت اور ایمان" کیسے بھرا گیا؟

علامہ سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ سونے کے طشت میں "ایمان اور حکمت" بھرے ہوئے ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس لیے کہ ایمان اور حکمت تو ایک عرض یا صفت ہے، جو کسی ذات کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور اس میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا (مثلاً: بھر دینا یا انڈیل دینا وغیرہ) ممکن نہیں ہے، کیونکہ انتقال وغیرہ جسم کا خاصہ ہے صفت یا عرض کا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ

اس کے معنی یہ ہیں کہ طشت میں کوئی ایسی چیز تھی جس کے ذریعے ایمان کے کمال اور حکمت کے کمال میں زیادتی حاصل ہوتی تھی اور یہ بات ممکن ہے کہ اس طشت کا بھرا ہوا ہونا حقیقی طور پر ہو، کیونکہ معانی کو جسم کی شکل میں ڈھال دینا ممکن ہے، جیسا کہ احادیث میں سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران کے بارے میں آتا ہے "البقرة وآل عمران ظلّتان أوغمامتان" کہ یہ دونوں سورتیں (اپنے پڑھنے والوں پر) سایہ کرنے والی ہوں گی (۲)۔

اسی طرح موت کے بارے میں آتا ہے، بروز قیامت "موت" کو لایا جائے گا، بکرے کی شکل میں اور

---

(۱) روح المعاني، البقرة: ۳، ۱/۱۱۰

(۲) أخرجه مسلم في كتاب صلاة المسافرين، باب فضل قراءة القرآن، رقم الحديث: ۱۸۷۳، والترمذي في كتاب فضائل القرآن، باب ماجاء في سورة آل عمران، رقم الحديث: ۲۸۸۳

اس کو بھی موت دی جائے گی یعنی ذبح کر دیا جائے گا(۱) مطلب! امرِ معنوی کو امرِ محسوس کی صورت دے دی گئی، تاکہ ہر ذی مشاہدہ کو یقینی کیفیت حاصل ہو جائے (۲)۔

نیز! اس دور میں تو یہ بات اور بھی یقینی ہو کر سامنے آچکی ہے مثلاً، گرمی کی تپش، جسم کی حرارت کی پیائش، ہوا کی رفتار، گردشِ زمین، الغرض ہر ہر غیر محسوس چیز کو بھی حسی انداز میں محفوظ کر لینے کی زیادہ سے زیادہ کوشش ہو رہی ہے، تو اسی طرح ایمان اور حکمت کو سمجھ لیا جائے (۳)۔

ایمان اور حکمت کو حقیقتاً بھرا گیا یا حکماً؟

اس جگہ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر میں ایمان اور حکمت کو حقیقی طور پر بھرا گیا یا حکماً ایسا فرمایا گیا؟

اس کے جواب میں علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایسا حقیقتاً پیش آیا، اس لیے کہ معانی کو جسد کی صورت میں ڈھالنا ممکن ہے، جیسا کہ کل قیامت میں اعمال کا وزن کیا جائے گا (۴)۔

ثُمَّ أَطْبَقَهُ

حضرت جبریل علیہ السلام نے طشت میں موجود حکمت اور ایمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر میں بھرا اور قلبِ اطہر کو بند کر دیا اور اس پر مہر لگا دی، جیسے کسی بھرے ہوئے برتن کا منہ بند کر کے مہر لگا دی جاتی ہے، اس لیے کہ مہر لگا ہوا برتن محفوظ ہوتا ہے، مطلب! آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں اجزائے نبوت کو جمع کر دیا گیا اور

---

(۱) أخرجه صاحب المشكوة في كتاب أحوال القيامة وبدء الخلق في الفصل الأول، رقم الحديث: ٥٥٩١، وأخرجه البخاري في صحيحه، رقم الحديث: ٦٥٤٨

(۲) الروض الأنف، لِمَ اختير طست من ذهب: ١٧٤/٢، إرشاد الساري: ٥/٢، تحفة الباري: ٢٨١/١، شرح النووي: ٣٩٠/٢، مرقاة المفاتيح: ٥٥٠/١٠، بهجة النفوس: ١٨٥/٣، التوضيح: ٢٣١/٥، سبل الهدى والرشاد: ٩٨/٢

(۳) الكنز المتواري: ٧/٤، الكوثر الجاري: ٢٨/٢

(٤) عمدة القاري، كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج، رقم الحديث: ٣٨٨٧، ٦٣/٤، شرح الكرماني: ٣/٤، فتح الباري لابن رجب: ٧/٢، شرح العلامة الزرقاني: ٥٩/٨

مہر لگادی گئی، تاکہ اس بارے میں کسی دشمن یعنی شیطان وغیرہ کو راستہ نہ ملے(۱)۔

ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِيْ

''پھر (جبریل علیہ السلام) نے میرا ہاتھ پکڑا''

اس روایت میں اختصار ہے، اس سفر کا پہلا حصہ جسے اسراء کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، ذکر نہیں کیا گیا، اس سے بعض لوگوں نے اس بات پر استدلال کیا کہ اسراء کا قصہ کسی اور رات میں پیش آیا اور معراج کا واقعہ کسی اور رات میں۔

اس کے جواب میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''یہ استدلال ٹھیک نہیں ہے، بلکہ اس جگہ یہ کہا جائے گا کہ اس روایت میں راوی نے اختصار سے کام لیا ہے(۲)، مسلم کی روایت میں اسراء اور معراج دونوں کا ذکر موجود ہے(۳)۔

دوسری بات روایت میں ہے ''ثم أخذ بيدي''، ثم تراخی کے لیے آتا ہے، لہٰذا شق صدر کے بعد سینہ کو ملانا اور آسمانوں کی طرف چڑھ جانا، دونوں امور کے درمیان بیت المقدس کا سفر عین ممکن ہے، جس کا قرینہ ''ثم'' بن سکتا ہے۔ حاصل یہ نکلے گا کہ بعض رواۃ نے واقعہ اسراء کو ذکر کردیا اور بعض رواۃ نے ذکر نہیں کیا(۴)۔

نیز امام بخاری رحمہ اللہ کا ترجمۃ الباب قائم کرنا بھی بتلا رہا ہے کہ دونوں ایک ہی رات میں واقعہ ہوئے(۵)۔ اس کی تفصیل ''ترجمۃ الباب کے مقصد'' کے تحت گذر چکی ہے۔

فَعَرَجَ بِيْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا

''پھر مجھے لے کر آسمان دنیا کی طرف چڑھ گئے''۔

---

(۱) عمدة القاري: ٤/٦٣، إرشاد الساري: ٢/٥، التوضيح: ٥/٢٣١

(٢) فتح الباري: ١/٥٩٧، ٥٩٨، التوشيح للسيوطي: ٢/٤٥٢، شرح العلامة الزرقاني: ٨/٦٩، ٧٠

(٣) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء، رقم الحديث: ٢٥٩

(٤) فتح الباري، باب كيف فرضت الصلاة في الإسراء، رقم الحديث: ٣٤٩، ١/٥٩٨، التوشيح للسيوطي: ٢/٤٥٢، شرح المواهب: ٨/٦٩، ٧٠

(٥) شرح صحيح البخاري لابن رجب: ٢/٥، فيض الباري: ٢/٥، فتح الباري: ١/٥٦٩، سبل الهدى والرشاد: ٣/٦٨

اس نسخے میں "فَعَرَجَ بِيْ" ہے۔"کشمیھنی" کی روایت میں "بِيْ" کی بجائے "به" یعنی متکلم سے غائب کی طرف التفات کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے(۱)۔

"عَرَجَ" صعد کے معنی ہے، جس کا مطلب چڑھنا، بلند ہونا کے آتے ہیں۔ یہ باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے فعل ماضی ہے، یعنی عَرَجَ یَعْرُجُ، عُرُوْجاً، اور "معراج" اسم آلہ کا صیغہ ہے، یعنی آلہ سعود، جیسے سیڑھی کہا جاتا ہے۔ اس کے عموم میں سفرِ معراج میں آپ علیہ السلام کی سواری "براق" بھی داخل ہو جاتی ہے(۲)۔

آسمانِ دنیوی

"السَّمآء" مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، علامہ ابن ملقن رحمہ اللہ نے علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ آسمان کو انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی بشر نے نہیں دیکھا۔

اس روایت میں "السماء" کی صفت "الدنیا" لائی گئی ہے، دنیا "فعلیٰ" کے وزن پر "الدُّنُوُّ" سے ماخوذ ہے، اور "دُنُـــوُّ" کا مطلب "قرب" ہے، لہٰذا پہلے آسمان کو "الدنیا" سے موسوم کرنا اس آسمان کے زمین پر رہنے والوں کے قریب ہونے کی وجہ سے ہے اور ایک روایت میں "سمــاء الـدنیـا" اضافت کے ساتھ بھی ہے(۳)۔

آسمانوں کی موٹائی

ابن عساکر نے حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے آسمانِ دنیا کو "مــوج مـکـفـوف" ٹھہری ہوئی لہر سے پیدا کیا، ایک اور جگہ ہے کہ "دھویں اور پانی سے پیدا کیا۔" پھر اس آسمان میں سورج اور چاند رکھے اور ستاروں کے ذریعے شیاطین سے اس کی حفاظت کی"(۴)۔

---

(۱) فتح الباري، باب كيف فرضت الصلاة في الإسراء: ۱/۵۹۷، ۵۹۸، إرشاد الساري: ۲/۵، التوشيح للسيوطي: ۲/۴۵۲

(۲) الصحاح للجوهري، ص: ۶۸۶، النهاية في غريب الاثر: ۲/۱۷۸، ۱۷۹، عمدة القاري: ۴/۶۸، التوضيح لابن ملقن: ۵/۲۳۵، شرح النووي على مسلم: ۲/۳۸۶، مرقاة المفاتيح: ۱۰/۵۶۰

(۳) التوضيح لابن ملقن: ۶/۶۳۵، ۶۳۸، الذخيرة العقبىٰ: ۶/۴۲

(۴) كنز العمال، خلق السماء والسحاب، رقم الحديث: ۱۵۱۸۴، ۶/۵۸

اس آسمان کو الرقیع، سقف محفوظ، موج مکفوف کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ زمین اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت کا سفر ہے اور اسی طرح ہر آسمان کے درمیان اتنی ہی مسافت ہے (۱)۔

کیا آسمان کے دروازے بھی ہیں؟

علامہ ابن ملقن رحمہ اللہ اور دوسرے بہت سارے علماء نے ذکر کیا ہے کہ آسمان میں دروازے ہیں، ان کی حفاظت کے لیے فرشتے متعین ہیں، کوئی بھی آنے جانے والا بلا اجازت اوپر یا نیچے نہیں آ سکتا، ابن ابی جمرة رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس سے پتہ چلا کہ جس کے بارے میں اللہ چاہتے ہیں، صرف وہی اوپر جا سکتا ہے، یعنی یہاں سے اللہ کی عظیم قدرت کا ظہور ہوتا ہے (۲)۔

آسمانِ دنیا کے فرشتے کا نام

مذکورہ روایت میں ہے کہ "مجھے آسمان دنیا کی طرف لے کر گئے، جبکہ ایک روایت میں آتا ہے کہ "آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازے کی طرف لے کر گئے"۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس دروازے کا نام "باب الحفظة" ہے، اس پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہے جس کا نام "اسماعیل" ہے اس کے تحت بارہ ہزار فرشتے ہیں (۳)۔

فَلَمَّا جِئْتُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، قَالَ جِبْرِيْلُ لِخَازِنِ السَّمَاءِ افْتَحْ، قَالَ: مَنْ هَذَا؟ قَالَ: جِبْرِيْلُ، قَالَ: هَلْ مَعَكَ أَحَدٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، مَعِيَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ

"پھر جب میں آسمانِ دنیا تک پہنچ گیا، تو جبریل علیہ السلام نے آسمان کے (دروازے پر متعین) پہرے دار سے کہا کہ دروازہ کھولو!، اس (پہرے دار) نے کہا، کون

---

(۱) سنن الترمذي، باب صفة الثياب أهل الجنة، رقم الحديث: ۲٥٤۰، إتحاف الخيرة المهرة، باب ماجاء في خلق السموٰت، رقم الحديث: ٥٥٨٥، ٦/١٦٥، كنز العمال، رقم الحديث: ١٥١٨٥

(۲) التوضيح لابن ملقن: ٦/٦٣٨، إكمال المعلم: ١/٥٠١، السراج الوهاج: ١/١٠٦، بهجة النفوس: ٣/١٩٥، الكنز المتواري: ٨/٤

(۳) إتحاف الخيرة المهرة، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ١٤٦، ١/١٤٧، دلائل النبوة للبيهقي: ٢/٣٩١، فتح الباري، باب المعراج: ٧/٢٦٢، عمدة القاري، باب المعراج: ١٧/٣٣، شرح العلامة الزرقاني: ٨/١١٧

ہے؟ انہوں نے جواب دیا (میں) جبریل، اس نے پوچھا، کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ تو جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں میرے ساتھ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں"۔

قولہ: "اِفْتَحْ"

اس جگہ مفعول محذوف ہے یعنی "افتح الباب" دروازہ کھولو۔ اس سے معلوم ہوا کہ آسمان کے دروازے بھی ہیں اور ان دروازوں پر باقاعدہ نگران بھی متعین ہیں۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ دروازہ بند تھا، اس کو کھلوایا گیا، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ اعزاز واکرام تھا، کہ باقاعدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دروازہ کھولا گیا، بخلاف اس کے کہ اگر دروازہ کھلا رہتا تو یہ بات نہ ہوتی، بلکہ اس میں تو قدرے بے ادبی کا شائبہ بھی تھا، وہ اس طرح کہ دروازہ کھلے ہونے کے باوجود اتنی بڑی ہستی کو روک پر پوچھا گیا(۱)۔

دربان کے سوال کے جواب میں کیا کہنا چاہیے؟

اس جگہ ایک ادب معلوم ہوا کہ اگر کسی کے دروازے پر دستک دی جائے اور دربان سوال کرے کہ "دروازے پر کون ہے؟" تو جواب میں ایسا لفظ بولنا چاہیے کہ دربان کے سامنے آنے والے کی اچھی طرح پہچان ہوجائے، جیسے حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنا نام جواب میں ذکر کیا، علماء نے اس جگہ یہ بات بھی کہی ہے کہ نام کے اندر بھی اپنا نام اتنا ظاہر کیا جائے کہ آپ کی پوری شخصیت واضح ہوجائے اور چونکہ فرشتوں میں "جبریل" نام کا کوئی اور فرشتہ نہیں تھا، اس لیے انہوں نے صرف "جبریل" کہنے پر اکتفا کیا، ورنہ ساتھ کچھ اور بھی ملانا تھا،

اس کے علاوہ سائل کے جواب میں اپنا نام لینے کے بجائے "میں" کہنا درست نہیں، اس طرح کہنے والے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر کی ہے(۲)۔ ملاحظہ ہو: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (ایک دفعہ) میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر دستک دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کون؟ میں نے جواب میں کہا کہ "میں"، تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے

(۱) عمدة القاري: ٦٤/٤، فتح الباري: ٥٩٨/١، التوشيح للسيوطي: ٤٥٢/٢، الكنز المتواري: ٨/٤، سبل الهدى والرشاد: ١٤٩/٣، شرح العلامة الزرقاني: ١١٩/٨

(۲) صحيح البخاري، كتاب الاستئذان، باب: إذا قال: من ذا؟ فقال أنا، رقم الحديث: ٦٢٥٠

فرمایا ”میں، میں“ (۱)۔

معراجِ جسمانی پر ایک اور دلیل

حضرت جبریل علیہ السلام کے دروازہ کھلوانے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی تھی، نہ کہ روحانی، ورنہ دروازہ کھلوانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، ایسے ہی گذر جاتے (۲)۔

قوله: هَلْ مَعَكَ أَحَدٌ؟

فرشتوں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے سوال کیا کہ ”کیا تمہارے ساتھ کوئی ہے؟“ سوال یہ ہے کہ انہیں اس بات کا احساس کیسے ہوا کہ ان کے ساتھ کوئی ہے؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ احساس یا تو شاہد کی وجہ سے ہوا یا اس موقع پر انوار و برکات کی زیادتی کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے اس بات کو محسوس کیا کہ ان کے ساتھ کوئی اور بھی ہے (۳)۔

قوله: "محمد" صلى الله عليه وسلم

فرشتے کے سوال کے جواب میں حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ میرے ساتھ ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ ہیں یہ جواب اس بات کی دلیل ہے کہ کنیت سے زیادہ آپ علیہ السلام کا اسمِ گرامی زیادہ معروف ہے، اس لیے جواب میں کنیت کی بجائے اسم ذکر کیا، کیونکہ آپ اسی سے تمام جہانوں میں مشہور و معروف تھے۔ اگر کنیت نام سے زیادہ اشرف ہوتی تو جواب میں کیفیت ذکر فرماتے (۴)۔

فقال: أَأُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ

”دربان فرشتے نے پوچھا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیج کر بلایا گیا ہے؟ تو جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہاں۔“

---

(۱) فتح الباري: ۱/۵۹۸، إرشاد الساري: ۲/۶، سبل الهدى والرشاد: ۳/۱۱۹، الكنز المتواري: ٤/۸

(۲) عمدة القاري: ٤/٦٤، التوضيح: ٦/۲۳۷، الكنز المتواري: ٤/۸

(۳) فتح الباري: ۷/۲٦۲، شرح العلامة الزرقاني: ۸/۱۲۲۲، سبل الهدى والرشاد: ۳/۱۱۹

(٤) عمدة القاري: ۳/۳٤، سبل الهدى والرشاد: ۳/۱۲۰

کیا فرشتے کا سوال رسالت کے بارے میں تھا؟

فرشتے کے مذکورہ سوال کی وجہ سے بعض علماء کی طرف سے بات کہی گئی کہ یہ سوال آپ علیہ السلام کی بعثت سے متعلق تھا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے ہیں؟ کیونکہ اتنی بات تو ان کو معلوم تھا کہ آپ کی بعثت ہونی ہے، البتہ کب ہونی ہے؟ اس بارے میں کثرتِ مشاغل کی وجہ سے ان کو معلوم نہ تھا، تو اس موقع پر انہوں نے یہ سوال کیا۔

لیکن جمہور علماء کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ یہ بات ٹھیک نہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی چار دانگ عالم شہرت ہو چکی تھی، آسمانوں پر جنات اور شیاطین کا جانا ممنوع ہو چکا تھا اور سرکش شیاطین کو ستارے مار کر بھگایا جاتا تھا، تو یہ کس طرح ممکن تھا؟! کہ آسمان کے دربانوں کو اس بارے میں معلوم نہ ہو، حقیقت یہ ہے کہ یہ سوال بعثت کے بارے میں نہیں، بلکہ اس بارے میں تھا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیج کر بلایا گیا ہے؟

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ سوال اظہارِ تعجب کے لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے پر اتنا بڑا انعام کیا یا پھر خوشخبری کے طور پر یہ تھا کہ آج تک کسی فرد کو اتنا بڑا اعزاز حاصل نہیں ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ اتنا بڑا ہے کہ آپ کو خود بلایا گیا، "ماشاء اللّٰه كان" (۱)۔

فلمّا فتَحَ عَلَوْنا السَّماءَ الدنيا، فإذا رَجُلٌ قاعدٌ علىٰ يمينِهِ أسْوِدَةٌ وعَلىٰ يسارِهِ أسوِدَةٌ، إذا نظَرَ قِبَلَ يمينه ضحِكَ، وإذا نَظَر قَبلَ يَسارِهِ، بكى ......

پھر جب دروازہ کھول دیا گیا تو ہم آسمانِ دنیا کے اوپر چڑھے، تو وہاں ہم نے ایک شخص کو دیکھا، جو بیٹھا ہوا تھا، اس کے دائیں جانب کچھ دھندلی سی صورتیں تھیں اور بائیں جانب بھی کچھ دھندلی سی صورتیں تھیں، جب وہ اپنی دائیں جانب دیکھتے تو مسکرا دیتے اور جب بائیں جانب دیکھتے تو رو دیتے تھے، انہوں نے (مجھے دیکھ کر) کہا "مرحبا بالنبي الصالح والابن الصالح" خوش آمدید "اے صالح نبی اور اے صالح بیٹے"، میں

(۱) شرح الكرماني: ٥/٤، عمدة القاري: ٣٤/٣، فتح الباري: ٥٩٨/١، فتح الباري لابن رجب: ٧/٢، الكوثر الجاري: ٢٩/٢، إرشاد الساري: ٦/٢، الكنز المتواري: ٨/٤، المفهم: ٣٨٩/١، إكمال المعلم: ٥٠٢/١، الروض الأنف: ٤٣٢/٣، بهجة النفوس: ١٩٥/٣، سبل الهدى والرشاد: ١١٩/٣، ١٢٠

نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ آدم علیہ السلام ہیں، اور یہ ان کے دائیں اور بائیں جانب جو لوگ ہیں، ان کی اولاد کی روحیں ہیں، داہنی جانب جنتی روحیں ہیں اور باہنی جانب جہنمی روحیں ہیں، اسی وجہ سے وہ جب اپنی دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنس دیتے ہیں اور جب اپنی بائیں جانب دیکھتے ہیں تو رودیتے ہیں۔

"أسودة" کی لغوی تحقیق

أسودة "سواد" کی جمع ہے جیسے أزمِنَة، زمان کی جمع ہے۔ اس کا مطلب "شخص" ہے، کسی چیز کو جب دور سے دیکھا جائے تو وہ مثل سیاہ کے معلوم ہوتی ہے، یعنی دھندلی دھندلی، اس طرح کہ ان کی صورتوں میں تمیز نہ کی جاسکے، مذکورہ قصے میں ارواح کو أسودة کہنے کی وجہ یہی ہے کہ ان میں صورت کے اعتبار سے تمیز ممکن نہیں تھی، بس دھندلی دھندلی سی پرچھائیاں معلوم ہو رہی تھیں (۱)۔

"مرحبا" کی تحقیق

یہ "رَحِبَ یَرْحَبُ" سے ظرف کا صیغہ ہے، جس کا مطلب "کشادہ جگہ" ہے۔ یہ کلمہ آنے والے کو مانوس کرنے کے لیے بولا جاتا ہے، یہ کلمہ فعل محذوف کے لیے ظرف مکان ہو کر مفعول فیہ واقع ہوگا، یعنی: "رحبت مرحباً" آپ اس جگہ کو کشادہ پائیں گے (۲)۔

"النّبيّ الصالح" کہنے کی حکمت

حضرت آدم علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "بالنبي الصالح" کہہ کر مخاطب کیا، اس خطاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت ہی عظیم الشان تعریف کی گئی ہے، وہ اس طرح کہ وصف نبوۃ کے ساتھ وصف صلاح کو جمع کیا گیا، یعنی اس خطاب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وصف کے ذریعے فضیلت

---

(۱) النهاية في غريب الحديث والأثر، مادة "سود": ۸۲۱/۱، فتح الباري: ۵۹۸/۱، شرح الكرماني: ۵/٤، عمدة القاري: ٦٤/٤، إرشاد الساري: ٦/۲، فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۸/۲، الكوثر الجاري: ۲۹/۲، شرح العلامة الزرقاني: ۱۲٤/۸، الكنز المتواري: ۸/٤

(۲) معجم الصحاح، ص: ۳۹٤، النهاية في غريب الحديث والأثر: ٦٤۳/۱، عمدة القاري: ٦٤/٤، إرشاد الساري: ٦/۲، الكوثر الجاري: ۳۰/۲، شرح العلامة الزرقاني: ۱۲۳/۸

بخشی گئی۔

اس جگہ علماء فرماتے ہیں کہ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی صلاح، عامۃ الناس کی صلاح سے الگ اور خاص ہے، اس بات کی دلیل یہ ہے کہ انبیاء کی ادعیہ میں ملتا ہے کہ انہوں نے اپنے کو صالحین میں داخل کیے جانے کی تمنا کی، حالانکہ اعلیٰ، ادنیٰ کی تمنا نہیں کرسکتا، اور اس بات میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں ہے کہ نبوت عامۃ الناس کی صلاح سے اعلیٰ ہے، لہٰذا یہ امر محقق ہو جائے گا کہ انبیاء کی صلاح، خاص اور اعلیٰ درجہ کی صلاح ہے، جس کے حصول کی تمنا انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے معلوم ہوتی ہے۔

''صلاح'' کا مطلب

''صلاح'' اس وصف کا نام جس سے موصوف شخص اپنے پر لازم تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا پورا ادا کرنے والا ہو اور یہ ایسا جامع لفظ ہے جو ہر قسم کی خصلت حمیدہ کو شامل ہو، اسی وجہ سے کسی نے آپ کو "النبی الصادق" اور "النبی الأمین" کہہ کر مخاطب نہیں کیا، کیونکہ صالح کا لفظ تمام صفات پر حاوی تھا (۱)۔

"ابن الصالح" کہنے کی حکمت

علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بطورِ فخر کے آپ علیہ السلام کو ''ابن صالح'' کہہ کر بھی مخاطب کیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی کی اولاد میں سے ہیں (۲)۔

قوله: قلت لجبريل من هذا؟

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش آمدید کہا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے ان کے بارے میں دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ جبکہ حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ والی روایت جو کتاب المناقب میں باب المعراج کے تحت موجود ہے، میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ان کے بارے میں دریافت کیا، اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''مرحبا'' کہا۔

---

(۱) سبل الهدى والرشاد: ۱۲۲/۳، ۱۲۳، عمدة القاري: ٦٤/٤، فتح الباري: ۲٦۳/۷، إرشاد الساري: ٦/۲، شرح العلامة الزرقاني: ۱۲٤/۸

(۲) عمدة القاري: ۳٤/۱۷، سبل الهدى والرشاد: ۱۲۰/۳

چنانچہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اصل ترتیب وہی ہے جو حضرت مالک بن صعصعہ والی روایت میں ہے، اس روایت میں تقدیم وتاخیر واقع ہوئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "قلت لجبریل" کہا، "فقلت لجبریل" نہیں کہا جو ترتیب پر دلالت کرتا، لہٰذا راجح بات وہی بنے گی جو حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ والی روایت میں ہے (۱)۔

قوله: "نَسَمُ بنيه"

"نَسَم" نون اور سین کی فتح کے ساتھ ہے، یہ جمع ہے، اس کی واحد "النَّسَمَةُ" ہے۔ روح کو "النسمة" کہتے ہیں۔ مراد اس لیے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی ارواح ہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابن التین کی روایت میں شین کی کسرہ اور "ی" کی فتح کے ساتھ "نَشِيَم" ہے (۲)۔

کفار کی روحیں آسمان پر کیسے پہنچیں؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں اور بائیں مؤمنین اور کفار کی روحوں کو دیکھا۔

اس پر قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں (۳) کہ اس بات میں دلالت ہے کہ جہنمیوں کی روحیں سجین میں ہیں اور مؤمنیں کی روحیں جنت میں انعامات میں ہیں، تو پھر دونوں قسم کی روحیں آسمان میں کیسے جمع ہوگئیں؟

پھر اس کا جواب یہ دیا کہ اس بات کا احتمال ہے کہ یہ (دوزخیں کی) روحیں مختلف اوقات میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پیش کی جاتی ہوں، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اوپر تشریف لے گئے تو اسی وقت ان روحوں کے پیش ہونے کا بھی وقت تھا، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ارواح کو وہاں دیکھا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

مذکورہ جواب پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ کفار کی ارواح کے لیے تو آسمان کے دروازے کھولے ہی نہیں

---

(۱) فتح الباري: ۵۹۸/۱، سبل الهدى والرشاد: ۱۲۰/۳، شرح العلامة الزرقاني: ۱۲۵/۸

(۲) فتح الباري: ۵۹۸/۱، عمدة القاري: ٦٤/٤، فتح الباري لابن رجب: ۸/۲، إرشاد الساري: الكوثر الجاري: ۳۰/۲، الكنز المتواري: ۸/٤، فيض الباري: ۵/۲

(۳) إكمال المعلم لقاضي عياض: ۵۰۳/۱

جاتے پھر وہ اوپر کیسے پہنچ جاتی تھیں؟ تو اس کا یہ جواب دیا گیا۔

کہ جنت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب ہے اور جہنم بائیں جانب تو وہاں سے جہنمیوں کی حالت آدم علیہ السلام پر منکشف ہو جاتی تھی۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا یہ ارواح وہ تھیں جو ابھی تک اجسام میں داخل ہی نہیں کی گئی تھیں، ان کا مستقر آدم علیہ السلام کے دائیں اور بائیں جانب تھا، اللہ تعالیٰ نے مستقبل کے حالات کے اعتبار سے ان کا جنتی اور جہنمی ہونا حضرت آدم علیہ السلام کو دکھلایا تھا، اسی وجہ سے وہ دائیں طرف دیکھ کر خوش ہوتے تھے اور بائیں جانب دیکھ کر غمگین ہوتے تھے۔

پہلے جواب میں اتنی بات رہ جاتی تھی، کہ جنت تو آسمان میں ہے اور جہنم زمین کے نیچے، پھر انہوں نے دائیں بائیں کیسے دیکھا؟ تو اس کا یہ جواب دیا گیا کہ یہ جہالت زمین میں ہیں، آسمان میں نہیں، جنت اور جہنم کے اعتبار سے دائیں بائیں دکھایا گیا(۱)۔

حتىٰ عَرَج بي، إلىٰ السماء الثانية، فقال لخازنها: افتح. فقال له خازنها مثل ماقال الأول، ففتح.

”یہاں تک کہ حضرت جبریل علیہ السلام مجھے لے کر دوسرے آسمان کی طرف چڑھے، پھر دوسرے آسمان کے دربان سے کہا کہ دروازہ کھولو، تو اس آسمان کے دربان فرشتے نے بھی ویسا ہی سوال کیا جیسا پہلے آسمان کے فرشتے نے کیا تھا، پھر اس نے دروازہ کھول دیا“۔

قال أنس: فذكر أنه وَجَد في السموات آدم وإدريس وموسىٰ وعيسىٰ وابراهيم صلوٰت الله عليهم، ولم يُثْبِتْ كيف منازلهم.

”حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

---

(۱) فتح الباري: ۵۹۸/۱، عمدة القاري: ٦٤/٤، الكوثر الجاري: ۲۹/۲، إرشاد الساري: ٦/۲، فتح الباري لابن رجب: ۸/۲، شرح العلامة الزرقاني: ۱۲۵/۸، سبل الهدى والرشاد: ۱۲۱/۳، الكنز المتواري: ۹/٤، فيض الباري: ٥/۲، التوضيح لابن ملقن: ۲٤۰/٥

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں میں حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ادریس، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم الصلوات والتسلیمات کو پایا۔ (لیکن) انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی (آسمانوں میں) منازل بیان نہیں کیں۔ (کہ کون سے نبی کس آسمان پر تھے)"۔

غير أنه ذكر أنه وَجَد آدم في السماء الدنيا، وابراهيم في السماء السادسة.

"(حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہ بات ذکر کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانِ دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کی اور چھٹے آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے۔"

"لَمْ يُثْبِتْ منازِلَهم"

اس مقام پر حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ذکر کردہ روایت پر اپنا تبصرہ نقل فرما رہے ہیں کہ انہوں نے ہر نبی کے لیے آسمان معین کو ذکر نہیں کیا، علاوہ اس کے کہ آدم علیہ السلام سے آسمانِ دنیا میں ملاقات ہوئی اور ابراہیم علیہ السلام سے چھٹے آسمان میں ملاقات ہوئی۔ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت (جو حضرت مالک بن صعصعہ سے نقل کرتے ہیں) میں ہے(۱) کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانِ دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات فرمائی، (اتنی بات تو تمام روایات کے مطابق متفق علیہ ہے) اور دوسرے آسمان میں حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام، تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے میں حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں میں حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔

مذکورہ روایت اور حدیثِ باب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ والی اس بارے میں مخالف ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چھٹے آسمان میں تھے یا ساتویں میں؟! اس کا جواب دیتے ہوئے کہا گیا کہ اگر معراج متعدد بار ہو تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں، کہ ایک بار چھٹے آسمان میں تھے اور دوسری بار ساتویں میں۔ ان دونوں آسمانوں میں

(۱) صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة، رقم الحديث: ۳۲۰۷، صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الإسراء، رقم الحديث: ١٦٤

سے ایک ان کا وطن اور جائے قیام تھی اور دوسرا آسمان ان کے لیے غیر وطن تھا۔

اور اگر معارج کو ایک ہی بار مانا جائے (جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے) تو کہا جائے گا کہ پہلی بار ان کو چھٹے آسمان میں ہی دیکھا، پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتویں آسمان کی طرف چلے گئے۔

ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ معراج میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنے کے بارے میں راجح بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھا اور بیت المعمور ساتویں آسمان میں ہے، لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ساتویں آسمان میں تھے، اس بات کے قائل نے اس بات کو ''بلا خلاف'' کہہ کر نقل کیا ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات کو ''بلا خلاف'' کہنا درست نہیں، اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تین طرح کی روایات ہیں: پہلی میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان دنیا میں دیکھا اور دوسری روایت کے مطابق چھٹے آسمان میں اور تیسری کے مطابق ساتویں آسمان میں۔

اس پر کیا گیا کہ ان اقوال میں تو منافات ہے، یہ سب جمع کیسے ہوں گے؟ یا ان میں سے ترجیح کس کو ہوگی؟

تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس بات کا احتمال ہے کہ اللہ نے ان کو معراج کی رات چھٹے آسمان میں بلایا، وہاں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز میں ساتویں آسمان تک گئے، پھر ان کو آسمان دنیا میں واپس لوٹایا گیا(۱)۔

قال أنس فلمّا مرَّ جبريل بالنبی صلی اللہ علیه وسلم بإدريس، قال: مرحباً بالنبيّ الصّالح والأخ الصالح، فقلت: من هذا؟ قال: هذا إدريس، ثم مررتُ بموسیٰ، فقال مرحباً بالنبی الصالح والأخ الصالح، قلت: من هذا؟ قال: هذا موسیٰ، ثم مررتُ بعيسیٰ، فقال: مرحباً بالأخ الصالح والنبيّ الصالح، قلت:

(۱) التوضيح لابن ملقن: ۲۴۲/۵، ۲۴۳، شرح الكرماني: ۴/۴، الروض الأنف: ۳۴۵/۳، فتح الباري: ۵۹۹/۱، عمدة القاري: ۶۵/۴، فتح الباري لابن رجب: ۸/۲، مرقاة المفاتيح: ۵۶۵/۱۰

من هذا؟ قال: هذا عيسىٰ، ثمّ مررت بإبراهيم، فقال: مرحباً بالنبيّ الصالح والإبن الصّالح، قلت: من هذا؟ قال: هذا إبراهيم.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب حضرت جبریل، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس سے گذرے، تو انہوں نے "مرحبا بالنبی الصالح والأخ الصالح" (خوش آمدید پھراے صالح نبی اور صالح بھائی) کہا، (حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ) میں (حضرت جبریل علیہ السلام سے) پوچھا، کہ یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرا تو انہوں نے (مجھے دیکھ کر) کہا "مرحبا بالنبی الصالح والأخ الصالح"، میں نے (جبریل علیہ السلام سے) پوچھا، یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں، پھر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرا تو انہوں نے کہا "مرحبا بالأخ الصالح والنبی الصالح"، میں نے (حضرت جبریل علیہ السلام سے) پوچھا، یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں، پھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گذرا تو انہوں نے (مجھے دیکھ کر) کہا "مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح" (خوش آمدید پھراے صالح نبی اور یہ صالح بیٹے)، میں نے (جبریل علیہ السلام سے) پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

"قال أنس"

بظاہر اس کے بعد والی عبادت کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا، بلکہ انہوں نے خود دیگر راویوں سے سنی ہوئی تفصیل کو نقل کیا ہے(۱)۔

فلما مرَّ جبريلُ بالنبي بإدريس

اس جملے میں "النبی" پر جو "با" داخل ہے، وہ مصاحبۃ کے لیے ہے اور "ادریس" پر داخل ہونے والی

(۱) عمدة القاري: ٤/٦٥، فتح الباري: ١/٥٩٩، تحفة الباري: ١/٢٨١، إرشاد الساري: ٢/٦

''با'' الصاق کے لیے ہے، یا ''علی'' کے معنی میں ہے اور دونوں ''با'' ''مَرَّ'' کے ساتھ متعلق ہوں گی، ترجمہ یہ ہوگا کہ ''جبریل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس سے گذرے'' (۱)۔

''مرحبا بالأخ الصالح''

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس سے گذرے تھے تو انہوں نے ''مرحبا بالأخ الصالح'' یعنی! خوش آمدید ہو، اے صالح بھائی کہہ کر مخاطب کیا، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ''صالح بیٹے'' کہہ کر خطاب کیوں نہیں کیا؟

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد میں حضرت ادریس علیہ السلام کے ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے، جسے علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اگر تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد میں داخل نہیں، تو پھر تو معاملہ واضح ہو گیا اور اگر داخل ہیں تو پھر اس خطاب کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ انہوں نے ایسا اسلامی ونبوی اخوت کی بناء پر کہا، اس بناء پر ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ لہٰذا کوئی اشکال والی بات نہیں (۲)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس روایت میں گذرا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے انبیاء علیہم السلام کی آسمانوں میں منازل کو بیان نہیں کیا، حالانکہ اسی روایت کے آخر میں ''ثم'' کے ساتھ انبیاء کی منازل متعین طور پر سامنے آجاتی ہیں تو پھر روایت کے یہ الفاظ ''لم یثبت کیف منازلھم'' کا محمل کیا ہوگا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہ السلام کے آسمانی مکان کے بارے میں ''ثم'' سے جو ترتیب سامنے آرہی ہے، وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ نہیں ہے، بلکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ہے۔ لہٰذا اشکال وارد ہی نہیں ہوتا۔

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/٥، التوشيح للسيوطي: ٢/٤٥٣، تحفة الباري: ١/٢٨١، إرشاد الساري: ٢/٦، ٧، فتح الباري: ١/٥٩٠

(٢) شرح الكرماني: ٤/٥، الكوثر الجاري: ٢/٣٠، تحفة الباري: ١/٢٨١

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس جگہ "ثم" ترتیبِ زمانی یا مکانی کے لیے نہیں ہے بلکہ ترتیبِ اخباری کے لیے ہے، اس لیے اس جگہ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کو ذکر کیا گیا ہے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کا ذکر ہے، حالانکہ تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ملاقات ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بعد میں۔

نیز ابہام تو "ثم" کے باوجود ہے، وہ اس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان صرف تین انبیاء علیہ السلام سے ملاقات کا ذکر موجود ہے، حالانکہ آسمان ان کے درمیان پانچ تھے، تو کچھ انبیاء کا تذکرہ تو یہاں بھی نہیں کیا گیا(۱)۔

قال ابن شهاب فأخبرني ابن حزم أن ابن عباس وأبا حبة الأنصاري كانا يقولان: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "ثم عُرِجَ بِيْ حتىٰ ظهرت لمُستوىً، أسمع فيه صريفَ الأقلام"

ابن شہاب نے کہا کہ مجھے ابن حزم نے خبر دی کہ ابن عباس اور ابوحبہ انصاری رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ پھر مجھے اوراوپر چڑھایا گیا، یہاں تک کہ میں ایک ایسے بلند مقام تک پہنچا، جہاں میں نے (فرشتوں کے) قلموں کی (کشش کی) آواز سنی۔

ابن شهاب

ان کا مکمل نام "ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب رحمہ اللہ" ہے(۲) ان کے تفصیلی حالات کشف الباری کی پہلی جلد میں کتاب بدء الوحی کی تیسری حدیث میں گذر چکے ہیں(۳)۔

ابن حزم

یہ "ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم الأنصاری" رحمہ اللہ ہیں۔ ولید کے زمانے میں مدینہ منورہ کے قاضی

---

(۱) شرح الكرماني، كتاب الصلاة، باب كيف فرضت الصلوت: ٤/٥، إرشاد الساري، كتاب الصلاة، باب كيف فرضت الصلوت: ٢/٧، عمدة القاري: ٤/٧٤، تحفة الباري: ١/٢٨١، الكنز المتواري: ٤/١٠

(٢) عمدة القاري، كتاب الصلاة، باب كيف فرضت الصلوت: ٤/٦٥، إرشاد الساري: ٢/٧

(٣) كشف الباري: ١/٣٢٦

اورامیر تھے(۱)۔ان کے تفصیلی حالات کشف الباری کی چوتھی جلد میں گذر چکے ہیں (۲)۔

ابن عباس

یہ حضرت ''عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما'' ہیں، ان کے تفصیلی حالات بھی کشف الباری پہلی اور دوسری جلد میں گذر چکے ہیں۔(۳)

أبو حبّة

ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے،بعض نے کہا کہ ان کا نام ''عامر'' ہے،اور بعض نے کہا کہ ''عمر'' ہے اور بعض کے نزدیک ''ثابت'' ہے،واقدی رحمہ اللہ نے ان کا نام ''مالک'' ذکر کیا ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس سند میں بھی کلام کیا گیا ہے کہ ابن حزم سے مراد خود ''ابوبکر'' ہیں یا ان کے والد ''محمد'' ہیں۔اگر ''ابوبکر'' مراد ہیں،تو انہوں نے ''ابوحبہ'' کو نہیں پایا اور اگر ان کے والد ''محمد'' مراد ہیں تو انہوں نے زہری کو نہیں پایا،تو اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ابن حزم نے ''أنّ'' کے ساتھ مرسلاً اس روایت کو بیان کیا ہے، سمعت یا أخبرني وغیرہ سے بیان نہیں کیا،لہٰذا کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا(۴)۔

"عُرِجَ بِيْ"

اس فعل ''عُرِجَ'' کو معروف اور مجہول دونوں طرح سے نقل کیا گیا ہے(۵)۔

ظهرت

یہ علوتُ اور ارتفعت کے معنیٰ میں ہے، کہ میں اوپر چڑھا(٦)۔

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/٦، فتح الباري: ١/٥٩٩، عمدة القاري: ٤/٦٥، إرشاد الساري: ٢/٧

(۲) كشف الباري: ٤/٦٩

(۳) كشف الباري: ١/٤٣٥، ٢/٢٠٥

(٤) عمدة القاري: ٤/٦٥، إرشاد الساري: ٢/٧، تحفة الباري: ١/٢٨١

(٥) فتح الباري: ١/٥٩٩، إرشاد الساري: ٢/٧، تحفة الباري: ١/٢٨١

(٦) شرح الكرماني: ٤/٦، إرشاد الساري: ٢/٧

لِمُستوىً

مستوی میں لام علت کے لیے ہے، کہ بلندی کے لیے، شرف کے لیے ایک بلند مقام تک پہنچا(۱)۔
مستوی، بلند اور ہموار مقام کو کہا جاتا ہے(۲)۔

صَرِيفَ الأقلام

یہ کراماً کاتبین کے قلموں کے لکھنے کی آواز تھی، وہ لوحِ محفوظ سے احکامات کو نقل کرتے ہیں (۳)۔

قال ابن حزم وأنس بن مالك: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "ففرض الله على أمّتي خمسين صلاةً، فرجعت بذلك حتّى مررتُ على موسىٰ. فقال: ما فرض الله لك على أمّتك؟ قلت: فرض خمسين صلاةً. قال: فارجع إلى ربّك، فإنّ أمّتك لا تُطيقُ ذلك. فراجَعَني فوضَع شطرها. فرجعتُ إلى موسىٰ، قلت: وضَع شطرَها فقال: راجِع ربّك، فإن أمّتك لا تُطيقُ. فراجَعتُ، فوضَع شطرَها. فرجَعتُ إليه، فقال: إرجع إلى ربّك، فإن أمّتك لاتُطيقُ ذلك. فراجَعتُهُ، فقال: هي خمسٌ، وهي خمسون، لايُبَدَّلُ القول لديّ. فرجَعتُ إلى موسىٰ. فقال: راجع ربّك، فقلتُ: استحييتُ من ربّي.

ابن حزم نے (اپنے شیخ سے) حدیث بیان کی اور انس بن مالک نے (ابو ذر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے) بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پس اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں، جب میں یہ فریضہ لے کر لوٹا، یہاں تک

(۱) شرح الكرماني: ٦/٤، إرشاد الساري: ٧/٢

(۲) فتح الباري: ٥٩٩/١، إرشاد الساري: ٧/٢، الكوثر الجاري: ٣١/٢

(۳) فتح الباري: ٥٩٩/١، فتح الباري لابن رجب: ١٠/٢، إرشاد الساري: ٧/٢، الكوثر الجاري: ٣١/٢، فيض الباري: ٧/٢، سبل الهدى والرشاد: ١٤٣/٣

کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرا تو انہوں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے (یہ سن کر) کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے پاس واپس تشریف لے جایئے کیوں کہ آپ کی امت اس قدر عبادت کی طاقت نہیں رکھتی، تب میں لوٹ گیا، تو اللہ تعالیٰ نے (اس عبادت کا) ایک حصہ معاف کر دیا، پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹ کر آیا اور بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک حصہ معاف کر دیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہی بات کہی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار سے رجوع کی جیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی، میں نے پھر رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ایک اور حصہ معاف کر دیا، پھر میں ان کے پاس لوٹ آیا (اور خبر دی) تو وہ بولے آپ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جایئے، کیونکہ آپ کی امت (اس کی بھی) طاقت نہیں رکھتی، چنانچہ میں نے پھر اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا (اب) یہ پانچ نمازیں (مقرر کی جاتیں) ہیں، اور یہ (حقیقت میں ثواب کے اعتبار سے) پچاس ہیں، میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی، پھر وہیں موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹ کے آیا، انہوں نے کہا کہ اپنے رب سے رجوع کی جیے، میں نے کہا (کہ اب) مجھے اپنے پروردگار سے (بار بار کہتے ہوئے) شرم آتی ہے۔

قال ابن حزم وأنس بن مالك

یہاں سے حدیث شریفہ کا بقیہ ٹکڑا ابن حزم اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے اور بظاہر یہ پورا ٹکڑا ابن شہاب کا مقولہ ہے اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی تعلیق ہو اور اس جگہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا واسطہ بھی نہیں ہے اور اسی طرح ابن حزم اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما یا ابوحبہ کا واسطہ نہیں ہے، چنانچہ یہ ٹکڑا یا تو مرسل ہے یا پھر یہ کہا جائے گا کہ راوی نے درمیان کا واسطہ سابقہ ذکر پر ہی اعتماد کرتے ہوئے چھوڑ دیا ہے۔ اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ صحابی رسول جب "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

کہہ کر بات کرتا ہے تو مراد یہی ہوتی ہے کہ اس صحابی رضی اللہ عنہ نے اس بات کو بغیر واسطے کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ چنانچہ یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت انس نے کچھ حدیث براہ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو اور کچھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے (۱)۔

فرض الله على أمتي

اس روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں، جب کہ کتاب المناقب میں حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی روایت اور صحیح مسلم، باب الاسراء میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں "فرض عليَّ خمسين صلاة كل يوم وليلة" کے الفاظ ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کی ہیں (۲)۔

اس جگہ تطبیق یوں دی گئی ہے کہ کسی جگہ اختصار کے پیش نظر اپنی طرف حکم منسوب کر دیا اور کہیں امت کا ذکر کر دیا۔

دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ آپ پر فرض کا ذکر اس بات کو بھی مستلزم ہے کہ وہ حکم امت پر بھی فرض ہو۔ الا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی وجہ سے کوئی حکم اس قاعدہ سے خارج ہو، مطلب! یہ بات بھی کبھی ممکن ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی وجہ سے کوئی حکم صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض ہوتا ہے اور وہی کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر فرض نہیں ہوتا (۳)۔

فَرَاجَعَنِي

اس نسخے میں "فراجعني" کے الفاظ ہیں، جبکہ "كشميهني" کی روایت میں "فَرَاجَعْتُ" کے الفاظ

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/٧، فتح الباري: ١/٦٠٠، عمدة القاري: ٤/٦٦، تحفه الباري: ١/٨٢، الكثر الجاري: ٢/٣١، إرشاد الساري: ٢/٧، الكنز المتواري: ٤/١١

(٢) صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج، رقم الحديث: ٣٨٨٧

صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء، رقم الحديث: ١٦٣

(٣) فتح الباري: ١/٦٠٠، عمدة القاري: ٤/٦٦، الكوثر الجاري: ٢/٣١، إرشاد الساري: ٢/٨

ہیں۔ دونوں کے معنیٰ ایک ہی ہے(۱)۔

ہر چکر میں نمازیں کتنی کتنی کم ہوئیں؟

اس روایت میں ہے "فوضع شطرها" کہ اللہ تعالیٰ نے نمازوں کا ایک حصہ کم کردیا، جب کہ حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں "فوضع عني عشراً" کے الفاظ ہیں۔ اور حضرت شریک بن عبداللہ کی روایت میں "فوضعه عنه عشر صلوٰت" کے الفاظ ہیں اور ثابت البنانی کی روایت میں "فحط عنّي خمساً" کے الفاظ ہیں(۲)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے "شطر" کے معنیٰ "نصف" کے لیے ہیں، چنانچہ اس کے مطابق مطلب یہ بنے گا کہ پہلے چکر میں پچیس نمازیں کم کی گئیں اور دوسرے چکر میں تیرہ نمازیں کم ہوئیں اور تیسرے چکر میں سات نمازیں کم ہوئیں(۳)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ اس پر لکھتے ہیں کہ یہ تفصیل قابلِ قبول نہیں ہے، کیوں کہ روایت میں اللہ تعالیٰ کی طرف آنے جانے کے چکر تین مذکور ہیں اور نمازوں کی کمی تو صرف پہلے دو چکروں میں ہوئی، تیسرے چکر میں تو یہ فرمایا گیا کہ یہ ادائیگی کے اعتبار سے پانچ نمازیں ہیں، لیکن ثواب کے اعتبار سے پچاس نمازیں ہیں، جبکہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ کے کلام سے تو یہ لازم آرہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار چکر لگے، پہلی بار آدھی نمازیں کم ہوئیں، دوسری بار تیرہ نمازیں کم ہوئیں، تیسری بار سات نمازیں کم ہوئیں، اور چوتھی بار یہ فرمایا گیا کہ یہ پانچ نمازیں پچاس کے برابر ہیں، حالانکہ روایت کے مطابق معاملہ اس طرح پیش نہیں آیا۔

اور محدث ابن المنیر رحمہ اللہ نے فرمایا "شطر" نصف کے معنیٰ میں نہیں ہے، بلکہ اس کے معنی میں عموم ہے کہ کمی ضروری نہیں کہ ساری نمازوں ایک ہی چکر میں کم کردی گئی ہوں(۴)۔

---

(۱) عمدة القاري: ٤/٦٦، تحفة الباري: ١/٢٨٢، الكنز المتواري: ٤/١٢

(٢) صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج، رقم الحديث: ٣٨٨٧، صحيح البخاري، كتاب التوحيد، رقم الحديث: ٧٥١٧، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء، رقم الحديث: ١٦٢

(٣) شرح الكرماني: ٤/٧

(٤) عمدة القاري: ٤/٦٦، سبل الهدى والرشاد: ٣/١٤٥

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک تمام روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ کل سات چکر لگے، پہلے دو چکر میں دس دس نمازیں کم ہوئیں اور پانچ چکروں میں پانچ، پانچ نمازیں کم ہوئیں، اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس جگہ یہ احتمال بھی ہے کہ کل دو چکر لگے، پہلے چکر میں دو مرتبہ دس دس نمازیں کم ہوئیں اور دوسرے چکر میں پانچ بار پانچ پانچ نمازیں کم ہوئیں اور وہ احتمال بھی ہے جو حافظ صاحب رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے (۳)۔

هي خمس وهي خمسون

اس روایت میں تو خمس اور خمسون کا مبتدا "هي" ہے جبکہ اس جگہ دوسری روایت هن خمس وهن خمسون بھی ہے، مراد یہ ہے کہ عمل میں تو یہ پانچ نمازیں ہیں، لیکن ثواب میں پچاس کے برابر ہیں (۴)۔

کیا کوئی حکم عمل سے پہلے منسوخ ہوسکتا ہے؟

اس جگہ جب پچاس نمازوں میں تخفیف ہوئی اور پانچ باقی رہ گئی تو یہ سوال پیدا ہوا کہ ابھی تک تو امت تک پچاس نمازوں کا حکم پہنچا ہی نہیں تھا اور اس حکم پر ابھی تک عمل کی نوبت نہیں آئی تھی، تو پھر اس حکم کا نسخ کیسے ہوگیا؟ کیوں کہ عمل سے پہلے کسی حکم کا منسوخ ہوجانا معقول نہیں۔

اس کا جواب علامہ عینی رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ پچاس نمازوں کا حکم اولاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو تھا، تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم مل گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل کرنے کے عزمِ مصمم اور امت تک اس حکم کے پہنچانے کے عزمِ مصمم کے ساتھ لوٹ آئے تھے، پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمانے پر اللہ عزوجل سے عرض معروض میں جو تخفیف ہوئی یہ نسخ حقیقی اور صحیح ہے۔

الغرض ان نمازوں کا حکم ہوجانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نسخ کے لیے سبب تو ضرور بنی، لیکن یہ شفاعت حکم کو باطل کرنے والی نہیں تھی، چنانچہ آپ کی شفاعت منظور ہوئی اور آپ

---

(۳) فتح الباري: ۱/۶۰۰، عمدة القاري: ٤/٦٦، إرشاد الساري: ۲/۸، تحفة الباري: ۱/۲۸۲، الكنز المتواري: ٤/۱۲

(٤) عمدة القاري: ٤/٦٦، فتح الباري: ۱/۶۰۰، شرح الكرماني: ٤/۷

کے حق میں پچاس نمازوں کا حکم اور امت تک یہ حکم پہنچانا منسوخ ہو گیا۔

اور امت کے حق میں تو نسخ قبل العمل کا اعتراض ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ امت تک تو یہ حکم پہنچا ہی نہیں تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ پچاس نمازوں کا حکم تعبدی نہیں تھا، بلکہ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بطورِ خبر بتائی گئی تھی، یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ خبر آپ کو دی تھی، کہ لوحِ محفوظ میں آپ کے پچاس نمازیں مقرر ہوئی تھیں، اس کا مطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالفعل پچاس نمازیں پڑھنے کا لیا تھا، پھر جب اس بارے میں مراجعت ہوئی تو واضح ہو گیا کہ پچاس کی تعداد ثواب کے اعتبار سے تھی، عمل کے اعتبار سے نہیں (۱)۔

لا يُبَدَّلُ القَوْلُ لَدَيَّ

اللہ رب العزت کے اس فرمان "کہ میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی" پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایسا ہے تو نمازیں پچاس سے کم کر کے پانچ کیسے کر دی گئیں؟

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ بات ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں تبدیلی نہیں ہوتی، لیکن اس سے مراد "اخبارات" ہیں، نہ کہ امورِ تکلیفیہ، امورِ تکلیفیہ میں تبدیلی ممکن ہے، اخبارات میں نہیں جیسے، پانچ نمازوں کا ثواب پچاس کے برابر ہونا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد قضاءِ مبرم ہے کہ وہ نہیں بدلتی، قضاءِ معلق نہیں کہ اس میں بھی تبدیلی ممکن ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک کی اس آیت ﴿يمحوا الله ما يشاء ويثبت﴾ (الرعد: ۳۹) کہ "اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتے ہیں ہٹا دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں باقی رکھتے ہیں" سے ظاہر ہوتا ہے۔

یا پھر تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مقصود یہ تھا کہ اس (آخری فیصلے) کے بعد ہمارے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔

اس جگہ علامہ یوسف صالحی شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبانی یا

(۱) عمدة القاري: ٤/٧١، فتح الباري: ١/٦٠١، شرح الكرماني: ٤/٩، إرشاد الساري: ٢/٨، الكوثر الجاري: ٢/٣١، تحفة الباري: ١/٢٨٢، سبل الهدى والرشاد: ٣/١٥٠-١٥٣، شرح العلامة الزرقاني: ٨/٢٦٤، ٢٦٥

صحف میں یہ وعدہ کیا ہے کہ ان (امت محمدیہ) کے لیے ہر دن رات میں پچاس نمازوں کا اجر ہے، پھر جب پچاس کے عدد کو منسوخ کر کے پانچ کر دیا گیا تو صرف عدد میں تبدیلی ہوئی، اجر باقی رہا اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "هن خمس وهن خمسون". سے مراد "عدد کے اعتبار سے پانچ اور شمار (یعنی: ثواب) کے اعتبار سے پچاس ہی ہیں" ہے اور یہ اللہ رب العزت کی طرف سے اس امت پر محض فضل واحسان ہے، ورنہ چوبیس گھنٹوں میں پچاس نمازوں کی ادائیگی ایک ایسا امر تھا جس سے امت مشقت میں پڑ جاتی۔

الغرض! "لایبدل القول" میں قول سے مراد اجر بھی لیا جا سکتا ہے، کہ اجر میں تبدیلی نہیں ہوتی (۱)۔

"استحييتُ ربّي"

"أصیلی" کی روایت میں اس جملے سے پہلے "قد" کا اضافہ ہے، یعنی "قد استحییت" (۲).

جب نمازیں پچاس سے کم ہو کر پانچ رہ گئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر فرمایا کہ آپ دوبارہ اللہ تعالیٰ کی طرف تشریف لے جائیں اور کمی کی درخواست کریں، تو اس بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اب مزید کمی کی درخواست کرنے میں مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بار اللہ عزوجل کی بارگاہ میں لوٹنے سے حیا آنے کی وجوہات ذکر کی گئی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "ابن المنیر" کا قول نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندازہ لگالیا تھا کہ اگر اب کی بار درخواست کی تو کہیں یہ آخری بار تخفیف کا سوال بالکلیہ ساری نمازوں کے معاف کروانے کا سوال ہی نہ بن جائے، اس لیے آپ علیہ السلام نے یہ جملہ فرمایا، بخلاف اس سے قبل کی تخفیفات کے سوال کے، کہ ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نمازوں میں کمی کا اعلان قطعی نہ تھا اور اس آخری مرتبہ کے چکر میں جب اللہ جل شانہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ "ما يبدل القول لدي" تو آپ نے یہ جان لیا کہ اب مزید تخفیف کی درخواست کرنا منشاءِ خداوندی کے خلاف ہے۔

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/٧، ٨، شرح ابن بطال: ٢/٨، عمدة القاري: ٤/٧٤، إرشاد الساري: ٢/٨، تحفة الباري: ١/٢٨٢، سبل الهدى والرشاد: ٣/١٤٩

(٢) إرشاد الساري: ٢/٨، تحفة الباري: ١/٢٨٢

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی توجیہ میں ایک یہ بات بھی ذکر کی گئی ہے کہ شاید اس آخری بار آپ علیہ السلام کو اندیشہ ہوگیا ہے کہ یہ بار بار کا سوال کرنا پسندیدہ نہیں ہے، لیکن اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ نہیں یہ بات ٹھیک نہیں ہے اس لیے کہ اللہ رب العزت سے گریہ زاری کرنا برا نہیں ہے بلکہ پسندیدہ اور محمود ہے۔

اس پر حافظ صاحب نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر کامل طریقے سے شکر نہ بجالانے کے اندیشے سے یہ جملہ ارشاد فرمایا ہے۔ واللہ اعلم (۱)۔

ثم انطلق بي حتى انتهىٰ بي إلىٰ سدرة المنتهىٰ و غشيها ألوان لا أدري ماهي؟ ثم أدخلت الجنة، فاذا فيها حبائل اللؤلؤ، واذا ترابها المسك

پھر حضرت جبریل امین علیہ السلام مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے۔ اس (درخت) کو ایسے رنگوں نے ڈھانپا ہوا تھا کہ ان کے متعلق مجھے معلوم نہ ہوا کہ وہ کیا ہیں۔ اس کے بعد مجھے جنت میں لے جایا گیا، میں نے جنت میں موتیوں کے ہار دیکھے اور اس کی مٹی مشک (کی طرح) تھی۔

''سدرۃ المنتہیٰ'' کیا ہے؟

''سدرۃ'' بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور ''منتہیٰ'' سے مراد یہ ہے کہ یہاں ہر کسی کی انتہاء ہوجاتی ہے۔ اس درخت کو ''سدرۃ المنتہیٰ'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ جنت اس آخری کنارے پر واقع ہے جس کے آگے کا کسی کو کچھ علم نہیں۔ اس سے آگے کوئی فرشتہ جا نہیں سکتا، حتیٰ کہ حضرت جبریل علیہ السلام بھی اس سے آگے نہیں جاسکتے۔

صرف اور صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے آگے لے جایا گیا، یہ درخت ایک روایت کے مطابق چھٹے آسمان پر واقع ہے، لیکن مشہور روایت کے مطابق یہ درخت ساتویں آسمان پر واقع ہے، ان دونوں روایتوں کے درمیان اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ اس درخت کی جڑ چھٹے آسمان پر ہے اور شاخیں ساتویں آسمان پر (۲)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱/۶۰۰، عمدة القاري: ۴/۶۷، إرشاد الساري: ۲/۸، تحفة الباري: ۱/۲۸۲، فيض الباري: ۲/۷

(۲) فتح الباري لابن رجب حنبلي: ۲/۱۳، فتح الباري: ؟؟؟، عمدة القاري: ۴/۶۷، إرشاد الساري: ۲/۸، =

اس درخت کی صفات کے بارے میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ''سدرۃ المنتہیٰ'' کا ذکر کیا گیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی (تیز رفتار) سوار اس کی شاخوں کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے، یا یہ ارشاد فرمایا کہ اس کے سائے میں بیک وقت سو سوار دم (سکون کا سانس) لے سکیں، اس درخت پر سونے کے ٹڈیاں ہیں گویا اس کے پھل مٹکوں کے برابر ہیں (۱)۔

''سونے کی ٹڈیاں''

''اس درخت پر سونے کی ٹڈیاں ہیں'' سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف احتمالات ہیں، ایک احتمال یہ ہے کہ اس درخت پر نورانی فرشتوں کے پر اس طرح چمکتے اور جھلملاتے ہیں، جیسے اس کی شاخوں پر سونے کی چمدار ٹڈیاں ادھر ادھر پھدک رہی ہوں اور یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ اس درخت سے جو انوار اٹھتے ہیں اور شاخوں پر جو ایک خاص قسم کی روشنی پھوٹتی رہتی ہے، اس کو ''سونے کی ٹڈیوں'' سے تعبیر فرمایا ہے (۲)۔

سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں یہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دراصل آیت مبارکہ "إذ يغشى السدرة ما يغشى" کی تفسیر ہے، جیسا کہ علامہ بیضاوی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ فرشتوں کی ایک بہت بڑی جماعت ہے جو اللہ کے ذکر میں مصروف رہتی ہے اور اس درخت کو ڈھانپے رکھتی ہے (۳)۔

سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں حضرت کشمیری رحمہ اللہ کی تحقیق

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ دنیا یعنی ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان سارے کا سارا جہنم کا علاقہ ہے، جنت کا علاقہ ساتویں آسمان سے اوپر ہے اور جنت کی چھت اللہ تعالیٰ کی عرش کا ہے۔

= تحفة الباري: ۱/۲۸۲، الكنز المتواري: ۱٤/٤

(۱) سنن الترمذي، كتاب في صفة الجنة، باب ماجاء في صفة أثمار الجنة، رقم الحديث: ۲٥٤۱

(۲) فتح الباري لابن رجب حنبلي: ۱۲/۲، التعليق الصبيح، باب في المعراج، الفصل الأول: ۱٥۸/۷، سبل الهدى والرشاد، في سياق القصة: ۸۷/۳، ۸۸، عمدة القاري: ۷٦/٤

(۳) حاشية الشهاب على البيضاوي، سورة النجم: ۹/۹

اس مقدمے کے بعد سمجھئے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑیں علاقہ جہنم میں ہیں اور اس کا تنا اور شاخیں علاقہ جنت میں (یعنی آسمانوں سے اوپر) ہے۔ اس پر دلیل قرآن پاک کی آیت مبارکہ "عندها جنة المأویٰ" اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ جنت کا علاقہ وہاں سے شروع ہوتا ہے، جہاں جہنم کا علاقہ ختم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس درخت کا نام "سدرۃ المنتہیٰ" اس وجہ سے کہ یہاں جہنم کا علاقہ ختم ہو جاتا ہے اور جنت کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (۱)۔

"حبائل اللؤلؤ" کی تشریح

کتاب الصلوٰۃ کی اس روایت کے آخری جملے میں یہی الفاظ ہیں، جبکہ معراج سے متعلق دیگر تفصیلی روایات میں مذکورہ لفظ کی جگہ "جنابذ اللؤلؤ" کے الفاظ ہیں۔ جیسا کہ کتاب احادیث الأنبیاء، باب ذکر إدریس علیه السلام، رقم الحدیث: ۳۳٤۲ میں آ رہی ہے۔

"حبائل" جمع ہے "حِبالہ" کی جس کے معنیٰ قلادۃ، ہار، کڑی کے آتے ہیں، تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ علیہ السلام نے جنت میں موتیوں کی لڑیاں یا ہار دیکھے۔

علماء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اس جگہ کسی راوی سے تسامح ہو گیا ہے اور بطور تصحیف "حبائل" ذکر ہوا ہے ورنہ اصل میں "جَنَابِذ" ہے۔ یہ جمع ہے "جُنبُذ" کی۔ جُنبُذ کسی چیز کی بلندی کو کہتے ہیں جو مثل گولائی کے ہو۔ جیسے "قبے" گولائی میں اور بلند اٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ تو مراد یہ ہوگی کہ موتیوں کے بنے ہوئے قبے دیکھے (۲)۔

خلاصہ حدیث

مذکورہ طویل حدیثِ مبارکہ میں آپ علیہ السلام کے سفرِ معراج، شقِ صدر، دورانِ سفر انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات اور ان کی رہنمائی پر اللہ تعالیٰ کی طرف مراجعت بسلسلہ کیفیت فرضیتِ صلوٰۃ سامنے آئی۔

---

(۱) فیض الباري: ۹/۹

(۲) شرح ابن بطال: ۲/۹، فتح الباري لابن رجب حنبلي: ۲/۱۳، عمدة القاري: ٤/٦٨، الكوثر الجاري: ۲/۳۲، إرشاد الساري: ۲/۹، تحفة الباري: ۱/۲۸۳، فيض الباري: ۲/۸، الكنز المتواري: ٤/١٤

سفرِ معراج میں اہل سنت والجماعت کا مؤقف یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی طور پر بیداری کی حالت میں معراج کروائی گئی اور شقِ صدر میں حقیقی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو چیرا گیا اور اس کو دھو کر واپس اس کی جگہ پر رکھا گیا۔

حدیث باب (دوسری حدیث)

٣٤٣ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ ٱلزُّبَيْرِ ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ ٱلْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ : فَرَضَ ٱللهُ ٱلصَّلَاةَ حِينَ فَرَضَهَا ، رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ ، فِي ٱلْحَضَرِ وَٱلسَّفَرِ ، فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ ٱلسَّفَرِ ، وَزِيدَ فِي صَلَاةِ ٱلْحَضَرِ .
[١٠٤٠ ، ٣٧٢٠]

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے نماز کی فرض کی تو سفر اور حضر میں (دونوں جگہ) دو دو رکعتیں تھیں (مغرب کی نماز کے علاوہ)، پھر سفر کی نماز کو (اسی طرح دو رکعت) باقی رکھا گیا اور حضر کی نماز میں (دو رکعتوں کا) اضافہ کر دیا گیا۔

حدیث کی تخریج

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الصلاۃ کے علاوہ دو جگہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم، امام ابوداؤد نے سنن ابوداؤد، امام نسائی رحمہ اللہ نے سنن النسائی اور امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں ذکر کیا ہے۔ یعنیہ انہی الفاظ سے صرف صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں ہے اور قدرے مختلف الفاظ سے دوسری کتب میں موجود ہے(۱)۔

---

(١) صحيح البخاري، كتاب سجود القرآن، باب يقصر إذا خرج من موضعه، رقم الحديث: ١٠٩٠، وكتاب مناقب الأنصار، باب التاريخ، رقم الحديث: ٣٩٣٥.

صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة المسافرين، رقم الحديث: ٦٨٥

سنن أبي داود، كتاب صلاة المسافر، باب صلاة المسافر، رقم الحديث: ١١٩٨

سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب كيف فرضت الصلاة، رقم الحديث: ٤٥٤ .... =

تراجم رجال

اس حدیث میں چھ رواۃ کا ذکر ہے۔

عبدالله بن يوسف

یہ ابومحمد بن یوسف تِنِّیسی کلاعی دمشقی رحمہ اللہ ہیں، ان کا تعارف کشف الباری کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث اور کتاب العلم باب لیبلغ العلم الشاهد الغائب میں گذر چکا ہے(۱)۔

مالك بن أنس

یہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر الأصبحی المدنی رحمہ اللہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الایمان، باب:" من الدين الفرار من الفتن" میں گذر چکا ہے(۲)۔

صالح بن كيسان

یہ ابومحمد یا ابوالحارث صالح بن کیسان المدنی رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب "من كره أن يعود في الكفر كما يكره أن يلقى في النار من الإيمان" کی تیسری حدیث میں گذر چکا ہے(۳)۔

عروة بن زبير

یہ عروہ بن الزبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزی قصی قرشی اسدی مدنی رضی اللہ عنہ ہیں، ان

= الموطأ للإمام مالك، كتاب الصلاة، باب قصر الصلاة في السفر: ۱۲۸/۱، نور محمد كتب خانه

تحفة الأشراف، مسند عائشة، صالح بن كسان، رقم الحديث: ۱۶۳۴۸، ۸/۱۲

جامع الأصول، كتاب الصلاة، الفصل الأول في الوجوب والكميّة، رقم الحديث: ۳۲۴۹، ۱۸۵/۵

(۱) كشف الباري، كتاب بدء الوحي: ۳۸۹/۱، وكتاب العلم: ۱۱۳/٤

(۲) كشف الباري، كتاب الإيمان باب من الدين الفرار من الفتن: ۲۹۰/۱، ۸۰/۲

(۳) كشف الباري، كتاب الإيمان، باب من كره أن يعود في الكفر كما يكره أن يلقى في النار من الإيمان: ۱۲۱/۲

کا تعارف کشف الباری، كتاب الإيمان باب أحب الدين إلى الله أدومه میں گذر چکا ہے(۱)

عائشة صديقة

آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنت سیدنا ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا تعارف کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث میں گذر چکا ہے(۲)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

باب كيف فرضت الصلاة کے تحت یہ دوسری حدیث ہے، جس کو امام بخاری رحمہ اللہ لائے ہیں، اس حدیثِ مبارکہ کی مناسبت ترجمۃ الباب سے بالکل واضح ہے کہ نماز کی فرضیت کی نوعیت ابتداء میں سفر وحضر دونوں میں تمام اوقات کے لیے دو، دو رکعت ہی تھی، پھر بعد میں سفر کی تو دو رکعتیں ہی باقی رہیں، البتہ حضر واقامت کی چار رکعتیں ہوگئیں(۳)۔

فرضها ركعتين ركعتين

مذکورہ حدیث مبارکہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سفر وحضر میں نماز کی کیفیت کو بیان کیا ہے کہ سفر کے دوران فرض نماز کی کتنی رکعات ہیں اور حضر میں فرض نماز کی کتنی رکعات ہیں، چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ رب العزت نے نماز فرض کی تو وہ سفر میں اور حضر میں دونوں جگہ دو دو رکعتیں تھیں۔

''رکعتین'' کو تکرار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اس میں بظاہر حکمت یہ ہے کہ آپ کا یہ قول ہر چار رکعت والی نماز کو شامل ہو جائے، وگرنہ اگر بغیر تکرار کے صرف ایک بار ''رکعتین'' ذکر کیا جاتا، تو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ سفر وحضر میں چوبیس گھنٹوں میں صرف دو ہی رکعتیں ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ خلافِ واقعہ اور خلافِ مقصود ہے، اس وہم کا ازالہ ''رکعتین'' کو مکرر ذکر کرنے سے ہوگیا(۴)۔

---

(۱) كشف الباري: ۴۳۶/۲

(۲) كشف الباري: ۲۹۱/۱

(۳) عمدة القاري: ۷۷/۴، تقرير بخاري: ۳۲۹/۲، أنوار الباري: ۹۱/۱۱

(٤) عمدة القاري: ۷۷/٤، إرشاد الساري: ۹/۲، تحفة الباري: ۲۸۳/۱

اسی حدیث کومسند احمد بن حنبل میں ذکر کیا گیا ہے، وہاں "إلا المغرب فإنها كانت ثلاثة" کے الفاظ کی زیادتی ہے، کہ سفر وحضر میں دو رکعتیں تھیں، سوائے نماز مغرب کے کہ اس کی تین رکعتیں تھیں۔ (اور یہ تین رکعتیں سفر وحضر میں اسی طرح رہیں، ان میں کمی یا زیادتی نہیں ہوئی، اس لیے اوپر یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے کہ ہر چار رکعت والی نماز میں دو رکعات کا اضافہ کر دیا گیا) (۱)۔

حضرت شاہ صاحب کی تحقیق

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے گمان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کہ "شروع میں دو دو رکعتیں فرض تھیں بعد میں چار رکعت کر دی گئیں" سے مراد یہ نہیں کہ ابتداً تمام نمازیں دو دو رکعتوں کی تھیں، بعد میں رباعی نمازوں کی رکعتیں زیادہ کر کے چار چار کر دی گئیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ واقعہ اسراء سے قبل مسلمان جو عشاء کی نماز دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے، وہ اسراء کے بعد چار رکعتیں کر دی گئیں۔ یعنی قبل الاسراء تو دو دو رکعت فرض کی گئی تھیں اور بعد الاسراء جو فرضیت ہوئی، وہ چار چار رکعت کی تھی (۲)۔

حدیثِ مذکور پر دو اشکالات

اس حدیث پر دو طرح سے اشکال ہوتا ہے کہ مذکورہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ سفر کی نماز کو اسی طرح برقرار رکھا گیا، یعنی سفر کی نماز میں کوئی تبدیلی یا زیادتی نہیں کی گئی، یہ بات قرآن حکیم کی ایک آیت:

﴿وإذا ضربتم في الأرض فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة إن خفتم أن يفتنكم الذين كفروا﴾ (۳) ترجمہ: "اور جب تم زمین میں سفر کرو، سو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا کہ تم نماز کو کم کر دو، اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم کو کافر لوگ پریشان کریں گے"۔ (بیان القرآن: ۱۰/ ۳۹۷)

---

(۱) مسند أحمد بن حنبل، مسند النساء، مسند الصديقة عائشة، رقم الحديث: ۲۶۳۳۸، ۹/ ۵۳۹، التوشيح للسيوطي: ۲/ ۴۵۴، التوضيح لابن ملقن: ۵/ ۲۶۸

(۲) فيض الباري، كتاب الصلاة، باب كيف فرضت الصلاة: ۲/ ۹

(۳) سورة النساء: ۱۰۱

کے خلاف ہے۔ یعنی آیت کریمہ سے تو یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ ''قصر في الصلاة'' یعنی نماز میں کمی ہوئی ہے اور روایت سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ نماز میں کمی نہیں ہوئی۔

دوسرا اشکال

دوسرا اشکال حدیثِ مذکورہ پر یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث خود حدیث کی راویہ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمل کے خلاف ہے، کیونکہ وہ سفر میں اتمام کرتی تھیں، جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے:

''عن عائشه: أن الصلاة أول مافرضت ركعتين، فأقرت صلاة السفر وأتمّت صلاة الحضر، قال الزهري: فقلت لعروة: مابال عائشة تتم في السفر؟ قال: إنها تأولت كما تأول عثمان''(۱).

کہ زہری نے حضرت عروۃ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ جب معاملہ اس طرح ہے کہ سفر میں نماز اپنی اصلی حالت پر برقرار رہی، تو پھر حضرت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود اتمام کیوں کرتی تھیں؟

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فعل ان کی روایت کے خلاف تھا۔

پہلے اشکال کا جواب

پہلے اشکال ''کہ روایت اور آیتِ قرآنی میں تعارض ہے'' کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ آیتِ مذکورہ کے بارے میں مفسرین کرام کے دو اقوال ہیں کہ یہ آیت صلاۃ الخوف کے بارے میں ہے یا سفر کی نماز کے بارے میں۔

اس آیت کا تعلق صلاۃ الخوف سے ہے، اس کے قائل حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں(۲)، اور امام بخاری رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، جیسا کہ ان کے صنیع سے

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب سجود القرآن، باب يقصر إذا خرج من موضعه، رقم الحديث: ۱۰۹۰

صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، رقم الحديث: ۱۵۷۰

(۲) أوجز المسالك، كتاب قصر الصلاة في السفر، رقم الحديث: ۳۲۵، ۱۶۷/۳، بذل المجهود، باب =

معلوم ہوتا ہے، یعنی انہوں نے اس آیت کو باب صلاۃ الخوف کے تحت ذکر کیا ہے(۱)۔

دوسرا جواب

اسی اشکال کا دوسرا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ آیت سفر کے بارے میں ہی ہے نہ کہ صلاۃ الخوف کے بارے میں، تو بھی یہ روایت آیتِ قرآنی کے معارض نہیں ہے، اس صورت میں آیتِ قرآنی کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ یہاں صلاۃ السفر کو مجازاً ''قصر'' فرمایا گیا ہے۔ یعنی حضر کی نماز کے اعتبار سے سفر کی نماز کو قصر فرمایا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ صلاۃ السفر پر قصر کا اطلاق قصر کے ظاہری لفظ کے اعتبار سے ہے نہ کہ حقیقت کے اعتبار سے (۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

اس جگہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح معنیٰ یہ ہیں کہ لیلۃ الاسراء میں نماز مغرب کے علاوہ بقیہ نمازیں دو دو رکعتیں فرض کی گئیں، پھر ہجرت کے بعد صبح کی نماز کے علاوہ بقیہ نمازوں میں زیادتی کردی گئی، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتی ہیں کہ حضر اور سفر کی نماز دو دو رکعت فرض کی گئی، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور کچھ عرصہ میں اطمینان حاصل ہوا تو اس وقت حضر کی نماز میں زیادتی کی گئی، سوائے فجر کی نماز کے، کہ اس میں لمبی قرأت تھی اور سوائے مغرب کی نماز کے کہ وہ دن کے وتر (یعنی طاق رکعات) تھے۔ پھر جب کہ فرض نماز چار چار رکعات ہوچکے تھے، تو ان میں سے رباعی نمازوں میں سفر کے دوران مذکورہ آیت ﴿فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة﴾ کے نزول کے وقت کمی کرکے دو رکعت کردی گئیں، اور یہ ہجرت کے چار سال بعد ہوا، یعنی اس صورت میں صلاۃ الحضر میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی اور صلاۃ السفر (یعنی: حالتِ سفر میں پڑھی جانے والے رباعی نمازوں) میں کمی کردی گئی، چنانچہ! اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول ''فأقرت صلاة السفر'' میں یہ توجیہہ کرنی پڑے گی کہ ''فأقرت باعتبار ما آل'' کے فرمایا، نہ یہ کہ جب سے نماز فرض ہوئی

= صلاة المسافر، رقم الحديث: ١١٩٨، ٥/٣٣١، تفسير ابن كثير: ٢/٣٩٣، تفسير الطبري: ٩/١٣٢

(١) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب صلاة الخوف

(٢) أوجز المسالك: ٣/١٦٨، بذل المجهود: ٥/٣٣٢، الكنز المتواري: ٤/١٥

ہے، اس وقت سے یہ (سفر کی نماز) اسی طرح دو رکعت ہے(۱)۔

حضرت کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی مذکورہ رائے کو رد کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حافظ صاحب کے اس جواب میں نظر ہے، وہ اسی طرح کہ اگر یہ مان لیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ نسخ دو مرتبہ ہوا، پہلی مرتبہ دو رکعتوں سے چار رکعتوں کی طرف اور دوسری بار چار رکعتوں سے دو رکعتوں کی طرف، حالانکہ حافظ صاحب کے پاس علماء کے قول کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے، نیز اس سے تو یہ بھی لازم آئے گا کہ نزولِ قصر سے قبل مسافر چار سال تک چار رکعات ہی پڑھتے تھے اور اس پر بھی ان کے پاس کوئی نقلی دلیل نہیں ہے، سوائے ان کے اجتہاد ہے۔

چنانچہ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک اس کی ایک تاویل وہی ہے، جو ماقبل میں گذر چکی اور دوسرا وہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں احناف کے پاس اور بہت سارے اس سے مضبوط دلائل ہیں، جو اپنے مقام پر تفصیل سے ذکر کیے جائیں گے(۲)۔

تیسرا جواب

پہلے اشکال کا تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آیتِ مذکورہ میں قصر سے مراد نماز کی رکعتوں میں کمی نہیں ہے، بلکہ نماز کی کیفیت میں کمی مراد ہے، اس طور پر کہ نماز کے ارکان مثلاً: رکوع اور سجود کو مختصر کیا جائے، قیام میں قرأت بس بقدرِ فرض کی جائے وغیرہ(۳)۔

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت میں جو قصر کی بات کی گئی ہے اس کی مراد میں

---

(۱) فتح الباري، كتاب الصلاة: ۱/۶۰۲، رقم الحديث: ۳۵۰

(۲) فيض الباري، كتاب الصلاة: ۲/۸، ۹، رقم الحديث: ۳۵۰

(۳) أوجز المسالك: ۳،۱۶۸، بذل الجهود: ۵/۳۳۲

إعلاء السنن، باب فرضت الصلاة الركعتين: ۷/۲۶۱

معارف السنن، كتاب الصلاة، باب قصر صلاة المسافر: ۴/۴۶۱

فتح الملهم، باب صلاة المسافرين وقصرها: ۴/۵۰

سلف صالحین کا اختلاف رہا ہے، مثلاً: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضر کی نماز چار رکعات، سفر کی نماز دو رکعات اور نماز خوف ایک رکعت فرض کی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد خوف کی نماز ہے، جو ایک رکعت ہے۔

مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہاں عدد میں قصر ہے، یعنی ۴ رکعت والی نماز دو رکعت کردی گئی۔

ابن جریج، حضرت ابن طاؤس رحمہ اللہ اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ اس سے مراد خوف اور قتال کی نماز ہے اور نماز ہر حالت میں یعنی پیدل یا سوار (حالت خوف میں) پڑھ لینا ہے (یعنی کیفیت میں قصر مراد ہے)، اور فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور لوگوں کی نماز سفر میں دو رکعتیں ہی ہوتی تھیں اور ان میں قصر نہیں تھا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک اور روایت ہے کہ اس آیت میں قصر سے مراد نماز کی حدود میں قصر ہے اور وہ یہ ہے کہ نمازی اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرے اور رکوع وسجود کے لیے سر کا اشارہ کرے اور نماز مکمل کرلے۔

امام جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ معانی میں سے سب سے بہتر معنی وہ ہیں، جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی آخری روایت اور حضرت طاؤس رحمہ اللہ کی روایت میں مراد لیے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ رکوع وسجود کی جگہ اشارہ کیا جائے اور قیام کی بجائے سوار ہو کر نماز پڑھی جائے۔

اور فرمایا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ قصر سے مراد نماز کے دوران چلنا ہو، کیونکہ خوف کی نماز کے علاوہ کی نماز میں چلنا پھرنا نماز کو فاسد کردیتا ہے۔

اور اس بات کی دلیل کہ آیتِ مذکورہ میں قصر سے مراد "قصر في صفة الصلاة"، حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اور میرا ایک ساتھی ایک سفر میں نکلے، میں سفر میں پوری نماز (یعنی چار رکعت والی چار رکعت ہی) پڑھتا تھا اور میرا ساتھ قصر کرتا تھا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا: (نہیں حقیقت میں) تو قصر کرتا تھا (یعنی کمی والا کام کرتا تھا، جو کہ سنت کے خلاف تھا) اور تیرا ساتھی پوری نماز پڑھتا تھا، (یعنی: اس کا سفر میں قصر کرنا حقیقت میں ایسے ہی ہے، جیسے اس نے حضر میں پوری نماز پڑھی)۔

امام جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ قصر رکعات میں قصر نہیں ہے اور سفر میں دو رکعتیں قصر نہیں ہیں۔ (بلکہ یہ پوری تمام نماز ہے)۔

اور یہی بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ "سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں اور عید الفطر کی نماز دو رکعتیں ہیں اور عید الاضحیٰ کی نماز دو رکعت ہے، یہ نمازیں پوری اور مکمل نمازیں ہیں، قصر نہیں ہیں، یہ حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صادر ہوا ہے۔"

چنانچہ ثابت ہوا کہ قصرِ مذکور جو آیتِ مبارکہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے، نماز کے وصف میں قصر ہے، نماز کی رکعات میں قصر نہیں ہے۔ امام جصاص رحمہ اللہ کا کلام پورا ہوا (۱)۔

دوسرے اشکال کا جواب

دوسرے اشکال (کہ خود راویہ کا عمل ان کی روایت کے خلاف ہے) کا جواب خود اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہی موجود ہے کہ جب زہری نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بارے میں ایسے ہی تاویل کرتی تھیں، جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ منیٰ میں قیام کے دوران اتمامِ صلوٰۃ تاویل کی بناء پر کرتے تھے۔

یعنی! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آخری عمر میں منیٰ میں پوری نماز پڑھتے تھے اور جب ان سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس مقام کو اپنا وطن بنالیا ہے (اس کے علاوہ اس بات کی مکمل تفصیلی وضاحت اپنے مقام پر آئے گی)۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے اتمام کے لیے تاویل کرتی تھیں، لیکن یہ تاویل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ والی تاویل نہیں تھی۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تاویل کے بارے میں توجیہات مختلفہ اپنے مقام پر بیان کی جائیں)۔ لہٰذا حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا قول "إنما تأولت كما تأول عثمان" میں فعل تأویل میں مشابہت بتائی گئی ہے، نہ کہ اس بات میں مشابہت کہ وہ بھی وہی تأویل کرتی تھیں، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کرتے تھے (۲)۔

---

(۱) أحكام القرآن للجصاص، سورة النساء: ۲/۳۱۵، ۳۱۶

(۲) فتح الباري: ٤/٤٩، ٥٠، ٥٢، أوجز المسالك: ۲/۱٦٨، عمدة القاري: ٤/٧٩، بذل المجهود: ٥/٢٧١، إعلاء السنن: ٧/٢٥٢، ٢٥٩

ابن قیم رحمہ اللہ نے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف سے یہ بات نقل کی ہے کہ یہ بات بعید از عقل ہے کہ جس عمل کو خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھتی رہیں وہ اس کے خلاف کیسے کرسکتی تھیں، لہذا یہی کہنا ہوگا کہ وہ تاویلاً ایسا کرتی تھیں، نا یہ کہ ان کے نزدیک سفر میں اتمام جائز یا افضل تھا(۱)۔

نیز! اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ منقول ہوتا تو حضرت عروہ رضی اللہ عنہ یہ نہ فرماتے کہ وہ تاویل کرتی تھیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ منقول نہیں، بلکہ قصر متعین ہے(۲)۔

قصر عزیمت ہے یا رخصت؟

سفر میں قصر (یعنی رباعی نمازوں کے نصف ہوجانے) کی مشروعیت پر اجماع ہے، البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ دورانِ سفر ''قصر کرنا'' عزیمت ہے یا رخصت؟

احناف کے نزدیک قصر کرنا عزیمت ہے رخصت نہیں، چنانچہ اگر کسی نے سفر میں اتمام کیا اور آخر میں سجدہ سہو نہیں کیا، تو اس کی نماز نہیں ہوئی، البتہ اگر بھولے سے اتمام کرلیا اور آخر میں یاد آنے پر سجدہ سہو کرلیا تو اس کی نماز ہوجائے گی، ورنہ واجب الاعادہ ہوگی (۳)۔

خلاصہ کلام! احناف کے نزدیک سفر میں اتمام کرنا جائز نہیں، بلکہ قصر کرنا ہی واجب ہے اور یہ قصر کا لفظ باعتبار صلاۃ حضر کے ہے، ورنہ حقیقت میں احناف کے نزدیک سفر کی نماز مکمل نماز ہے، جو فرض ہی دو رکعت ہوئی تھی، نہ یہ کہ چار رکعت سے کم ہوکر دو رکعت ٹھہری۔

---

(۱) زاد المعاد، بحث قصر الصلاة في السفر: ۱/٤٦٤

مجموع الفتاوى لابن تيميه، هل القصر في السفر سنة أو عزيمة؟ ٢٤/٦

(۲) معارف السنن: ٤/٤٥٥

(۳) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱/۱۲۳

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱/۳۵۹

عمدة القاري: ٤/٧٩، إعلاء السنن: ٧,٢٥٢

أوجز المسالك: ٣/١٦٨، بذل المجهود: ٥/٢٧١

ائمہ ثلاث کا مسلک

امام مالک رحمہ اللہ کے اس مسئلہ میں ایک سے زیادہ اقوال ہیں، ایک قول کے مطابق ان کے نزدیک بھی قصر واجب ہے(۱)۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس کو رخصت قرار دیتے ہیں، لیکن ایک قول کے مطابق وہ بھی قصر کو قول محتاط فرماتے ہیں کہ اس میں کسی کی مخالفت لازم نہیں آئی (۲)۔

شوافع اس کو رخصت قرار دیتے ہیں، لیکن ان کے نزدیک بھی افضل قصر ہے (۳)۔

آئمہ ثلاث کے دلائل اور ان کے جوابات پر تفصیلی بحث اپنے مقام یعنی باب صلاۃ المسافر میں ذکر کی جائے گی۔ اس جگہ صرف احناف کے دلائل ذکر کیے جاتے ہیں۔

احناف کے دلائل

مذکورہ حدیثِ باب ''قصر'' کے عزیمت ہونے میں احناف کی دلیل ہے، یعنی

عن عائشة رضي الله عنه، قالت: فرض الله الصلاة حين فرضها: ركعتين ركعتين في الحضر والسفر، فأقرت صلاة السفر، وزِيْدَ في صلاة الحضر"

یعنی سفر کی نماز اسی طرح دو رکعت برقرار رکھی گئی اور حضر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر کی نماز تخفیف کی بناء پر نہیں ہے، بلکہ وہ دو رکعت اپنی اصل پر ہیں، لہٰذا یہ رخصت نہ ہوئی، بلکہ قصر ہوئی (۴)۔

---

(۱) التاج والإكليل، فصل في أحكام صلاة السفر: ۲/۱۳۹، حاشية الدسوقي، فصل في أحكام السفر: ۱/۳۵۸، مواهب الجليل، فصل في صلاة السفر: ۲/۴۸۸، إكمال المعلم: ۳/۵

(۲) الشرح الكبير لابن قدامة، فصل في قصر الصلاة: ۲/۹۰، شرح الزركشي، باب صلاة المسافر: ۱/۳۵۴، إقناع للجاوردي، كتاب المسافر: ۱/۲۳۷

(۳) المجموع شرح المهذب: ۴/۳۳۲، أسنى المطالب: ۳/۳۵۱، كتاب الأم: ۱/۱۷۹، مغني المحتاج: ۳/۳۶۰، شرح النووي، كتاب الصلاة، رقم الحديث: ۱۵۷۲، ۶/۲۰۱

(۴) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب كيف فرضت الصلاة، رقم الحديث: ۳۵۰

دوسری دلیل

احناف کی دوسری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے:

عن مجاهد عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: "فرض الله الصلاة على لسان نبيكم في الحضر أربع ركعات، وفي السفر ركعتين، وفي الخوف ركعة"(۱).

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضر میں چار رکعت اور سفر میں دو رکعت اور خوف میں ایک رکعت فرض کی ہے اور یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دینے سے معلوم ہوئی، (خوف کی ایک رکعت کے بارے میں تفصیلی بحث وتوجیہات، باب ''صلاۃ الخوف'' کے تحت آئیں گی)

یہی روایت طبرانی میں مذکور ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

افترض رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين في السفر، كما افترض في الحضر أربعاً.

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں دو رکعتیں فرض قرار دی ہیں، جیسے حضر میں چار رکعتوں کو فرض قرار دیا گیا ہے۔

تیسری دلیل

احناف کی قصر کے عزیمت ہونے کے بارے میں تیسری دلیل نسائی اور ابن ماجہ کی حدیث ہے، ملاحظہ ہو:

"عن عبدالرحمٰن بن أبي ليلىٰ عن عمر رضى الله عنه قال: صلاة السفر ركعتان وصلاة الأضحىٰ ركعتان، وصلاة الفطر ركعتان، وصلاة

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، رقم الحديث: ٦٨٧

سنن النسائي، كتاب قصر الصلاة، رقم الحديث: ١٩١٢

جامع الأصول، كتاب الصلاة، الفرع الأول في الوجوب والكمية، رقم الحديث: ٣٨٣٨، ١٨٤/٥

الجمعة ركعتان، تمام، غير قصر، على لسان محمد صلى الله عليه وسلم".

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں، عید الاضحیٰ کی نماز دو رکعتیں ہیں، عید الفطر کی نماز دو رکعتیں ہیں اور جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہیں اور یہ سب نمازیں قصر نہیں ہیں، بلکہ مکمل نمازیں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ سب کچھ معلوم ہوا ہے(۱)۔

چوتھی دلیل

چوتھی دلیل بھی نسائی کی روایت ہے:

"عن ابن عمر رضي الله عنه، قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم أتانا، ونحن ضلال، فعلمنا، فكان فيما علمنا أن الله تعالىٰ عزوجل أمرنا أن نصلي ركعتين في السفر".

کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم علم سے نا آشنا تھے کہ ہمارے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ہم نے ان سے بہت کچھ سیکھا، ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ سفر کی نماز کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم دو رکعت پڑھیں (۲)۔

---

(۱) سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب عدد صلاة العيد، رقم الحديث: ۱۵٦۷

سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب تقصير الصلاة في السفر، رقم الحديث: ۱۰٦۳.

امام نسائی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ ابن أبي لیلیٰ رحمہ اللہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں یہ بات لکھی ہے کہ ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کا سماع حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے، بلکہ بعض روایات کے مطابق تو باقاعدہ ان کے یہ الفاظ ہیں کہ "سمعت عمر بن الخطاب ...... الخ"

اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ ابن ماجہ نے اسی حدیث کو اپنی کتاب (كتاب الصلاة، باب تقصير الصلاة، رقم الحديث: ۱۰٦٤) میں اس سند سے ذکر کیا ہے، "عن عبد الرحمان بن أبي ليلىٰ عن كعب بن عجرة عن عمر". (نصب الراية، كتاب الصلاة: ۲/۱۸۹، ۱۹۰)

(۲) سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب كيف فرضت الصلاة، رقم الحديث: ٤٥۷، ۱/۲۳٦ .... =

پانچویں دلیل

"قال ابن عمر رضي الله عنه: صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فكان لايزيد في السفر على ركعتين وأبا بكر وعمر وعثمان رضي الله عنه"(۱).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی صحبت میں رہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ اصحاب رضی اللہ عنہم سفر میں دو رکعات سے زیادہ نہیں ادا کرتے تھے۔

چھٹی دلیل

"قال أنس رضي الله عنه: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم من المدينة إلى مكة، فكان يصلي ركعتين ركعتين، حتى رجعنا إلى المدينة"(۲).

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی طرف سے مکہ المکرمہ کی طرف سفر میں نکلے، اس سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو دو رکعتیں نماز پڑھتے رہے، یہاں تک کہ ہم مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

ساتویں دلیل

جمہور علماء کا مذہب یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ہمیشہ قصر ہی نماز پڑھی ہے(۳)۔

= جامع الأصول، كتاب التفسير، سورة النساء، رقم الحديث: ۵۸۶، ۱۰۵/۲، نصب الراية: ۱۹۰،۱۸۹/۲

(۱) جامع الأصول، الفصل الثالث، رقم الحديث: ٤٠٤٧

صحيح البخاري، باب من لم يتطوع في السفر، رقم الحديث: ۱۱۰۷

(۲) سنن النسائي، كتاب الصلاة، كتاب قصر الصلاة في السفر، رقم الحديث: ۱۹۰۹، ۳۵۹/۲

السنن الكبرى للبيهقي، باب اتمام المغرب في السفر، رقم الحديث: ٥٦٤٩، جامع الأصول، رقم الحديث: ٤٠١٤

(۳) معارف السنن: ٤٥٣/٤، إعلاء السنن: ۲٥۱/۷

صاحب البدائع نے لکھا ہے کہ اگر قصر کرنا رخصت ہوتا اور اکمال کرنا عزیمت ہوتا، تو ایسا ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عزیمت کو کبھی ترک نہ کرتے، إلا بعذرٍ، کیونکہ عزیمت پر عمل کرنا افضل ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم افضل اعمال کو ہی اختیار کرتے تھے اور افضل عمل کبھی کبھی تو امت کی تعلیم کے لیے ترک کر دیتے تھے، تاکہ یہ عمل امت کے لیے رخصت ہی رہے، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثری معلوم اسی پر ہوتا تھا، بہر حال یہ کہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل عمل ہمیشہ ترک کیا، یہ خلاف واقعہ ہے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کو کم کرنا ہے، الغرض یہ ایسا فعل ہے، جس کا احتمال بھی ممکن نہیں ہے(۱)۔

اس کے علاوہ بے شمار اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار اس بارے میں مروی ہیں، ان میں چند ایک ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

عن أبي نضرة قال: مرّ عمران ابن حصين في مجلسنا، فقام إليه فتًى من القوم، فسأله عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم في الحج والغزو والعمرة؟ فجاء، فوقف علينا، فقال: إن هذا سألني أمر، فأردت أن تسمعوه -أو كما قال-: غزوت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلم يصل إلا ركعيتن، حتى رجع إلى المدينة وحججت معه، فلم يصل إلا ركعتين، حتى رجع إلى المدينة، وشهدت معه الفتح، فأقام بمكة ثمان عشرة ليلةً، لايصلي إلا ركعتين، يقول لأهل البلد: "صلوا أربعاً فإنا سَفْرٌ" واعتمرت معه ثلاث عُمَرٍ لا يصلي إلا ركعتين وحججت مع أبي بكر وغزوت، فلم يصل إلا ركعتين، حتىٰ رجع إلى المدينة وحججت مع عثمان سبع سنين من إمارته لا يصلي إلا ركعتين ثم صلاها بمنىٰ أربعا(۲).

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة: ۱/۴٦٤

(۲) المصنف لابن أبي شيبه، كتاب الصلاة، رقم الحديث: ۸۲۵۲، ۵/۳۷۱

مسند أحمد بن حنبل، حديث عمران بن حصين، رقم الحديث: ۱۹۸۷۱ .... =

حضرت ابونضرۃ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے، ہمارے پاس سے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ گذرے، ہماری قوم میں سے ایک نوجوان کھڑا ہوا اور ان سے پوچھنے لگا کہ حج، عمرے اور غزوات کے دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کیسی ہوتی تھی (یعنی ان اسفار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قصر کرتے تھے یا اتمام؟) اس پر حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ہمارے درمیان آ کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ یہ شخص اس بارے میں سوال کر رہا ہے، میں نے چاہا کہ اس کا جواب تم بھی سنو! پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شرکت کی، تو اس سفر میں آپ واپس لوٹ آنے تک دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے۔

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تک لوٹ آنے تک دو رکعتیں ہی ادا فرماتے رہے۔

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر بھی حاضر تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں اٹھارہ راتیں قیام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر دو رکعتیں ہی ادا فرماتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر والوں سے فرمادیا تھا کہ ہم مسافر ہیں (اس لیے دو رکعت پڑھ رہے ہیں)، تم چار ہی پڑھتے رہو۔

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین عمرے کیے (اس سفر کے دوران بھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعات ہی پڑھتے تھے۔

(ارشاد فرمایا کہ) میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج بھی کیا اور ان کے ساتھ غزوات میں بھی شریک رہا، وہ دو رکعتیں ہی ادا فرماتے تھے۔ اور ایسے ہی نماز پڑھتے رہتے تھے، یہاں تک کہ مدینہ لوٹ آتے۔

میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کئی حج کیے، وہ بھی مدینہ لوٹ آنے تک دو رکعتیں ہی پڑھتے تھے۔

= المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث: ۲۰۹، ۲۰۸/۱۳

اور میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ سات سال تک ان کی امارت میں حج کیے، وہ دو رکعتیں ہی پڑھتے تھے، پھر (آخر میں) انہوں نے منیٰ میں چار رکعتیں ادا کرنا شروع کردیں تھیں۔

(اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایسا تاویل کی بناء پر کرتے تھے۔ مکمل وضاحت اپنے مقام پر آئے گی)۔

۲- حاتم بن اسماعيل عن عبدالرحمن بن حرملة، أنه سمع رجلاً يسأل سعيد بن المسيّب: أتمّ الصلاةَ وأصوم في السفر؟ قال: لا، قال: فإني أقوىٰ على ذلك، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم أقوىٰ منك، كان يقصر الصلاة في السفر ويفطر، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "خيارکم من قصر الصلاة في السفر وأفطر"(۱).

حضرت عبدالرحمٰن بن حرملہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو سنا وہ حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے سوال کر رہا ہے کہ سفر کے دوران میں نماز پوری پڑھ سکتا ہوں؟ اور روزہ رکھ سکتا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں (یہ دونوں امر سفر میں نہیں کیے جائیں گے)۔ اس شخص نے کہا کہ میں ان دونوں کاموں کے کرنے پر قدرت رکھتا ہوں۔ حضرت رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کاموں پر تم سے زیادہ قدرت رکھنے والے تھے، لیکن وہ سفر میں قصر بھی کرتے تھے اور روزہ بھی نہیں رکھتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تم میں سے بہترین وہ شخص ہے: جو سفر میں قصر نماز پڑھے اور روزہ نہ رکھے"۔

مذکورہ دلائل اور دیگر اور بہت سارے دلائل وشواہد سے یہ بات پوری طرح کھل کے سامنے آجاتی ہے کہ سفر کے دوران قصر واجب ہے، نہ کہ سنت یا رخصت۔

(۱) المصنف لابن ابي شيبه، كتاب الصلاة، رقم الحديث: ۸۲۵۴، ۳۶۹/۵

المصنف لعبد الرزاق، كتاب الصلاة، رقم الحديث: ۴۴۸۰

جامع الأحاديث، مراسيل سعيد بن المسيب، رقم الحديث: ۴۴۰۰۵

١ - باب : وُجُوبِ ٱلصَّلَاةِ فِي ٱلثِّيَابِ ، وَقَوْلِ ٱللهِ تَعَالَى :
«خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ» /الأعراف: ٣١/ . وَمَنْ صَلَّى مُلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ .

مذکورہ باب کی ماقبل سے مناسبت

سابقہ باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نماز کی فرضیت کی کیفیت بیان فرمارہے تھے۔اب فرضیتِ صلاۃ کے بعد شرائطِ نماز میں سے پہلی شرط یعنی: نماز کے دوران کپڑوں کے استعمال کی ضرورت کا بیان فرمارہے ہیں۔

چنانچہ اس بارے میں (یعنی: مرد کے لیے، عورت کے لیے، سردی میں، گرمی میں، لباس کے زیادہ ہونے کی صورت میں، لباس کے کم ہونے کی صورت میں کیا حکم ہوگا؟) امام بخاری رحمہ اللہ نے سترہ ابواب قائم کیے ہیں۔جن میں سب سے مقدم اس بات کو ذکر کیا ہے کہ اگر کسی کے پاس صرف ایک ہی کپڑا ہو، جسے پہن کر وہ نماز پڑھ سکے، تو اس میں عموماً تین حالتیں پیش آسکتی ہیں یا تو وہ کپڑا بہت کشادہ اور وسیع ہوگا یا درمیانہ درجے کا ہوگا اور یا بہت چھوٹا، تنگ ہوگا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلا باب "باب عقد الإزار على القفا في الصلاة" باندھ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر ایک ہی کپڑا متوسط درجہ کا ہو، تو پھر نمازی کو چاہیے کہ اس کے دونوں کناروں کو پکڑ کر اپنی گردن کے پیچھے گرہ لگالے، تاکہ اٹھتے بیٹھتے وقت کپڑا اگر کر سترِ عورت کی حالت اختیار نہ کرلے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کپڑا اتنا بڑا نہ ہو کہ اس کو باقاعدہ جسم کے گرد لپیٹا جاسکے اور اگر کپڑا اتنا بڑا ہو کہ اس کو اوڑھا جاسکے، تو اس کے حکم کو بتانے کے لیے دوسرا باب قائم کیا "باب الصلاة في الثوب الواحد ملتحفاً به" اس میں بتایا کہ اس صورت میں کپڑے کا ایک پہلو کندھے پر ڈال لیا جائے، تاکہ اس طریقے سے پورا جسم چھپ جائے اور جسم کا کوئی بھی حصہ ننگا (یعنی بغیر کپڑے کے) نہ رہے۔

اور اگر تیسری صورت ہو یعنی کپڑا بہت ہی تنگ ہو، نہ تو اسے اوڑھا جاسکے اور نہ ہی گردن میں گرہ لگا کر لٹکایا جاسکے، تو اس کا حکم واضح کرنے کے لیے تیسرا باب "باب إذا كان الثوب ضيقاً" قائم کیا اور بتایا کہ ایسی صورت میں اس تنگ کپڑے کو ازار کی طرح استعمال کرتے ہوئے سترِ عورت کو چھپالیا جائے اور بقیہ جسم کو ننگا چھوڑ دیا جائے تو بھی نماز ہوجائے گی۔

خلاصہ یہ کہ مقصودِ اوّلی اور اصلی "تستر" ہے، اس کے لیے جیسا کپڑا ہوگا، ویسا حکم ہوگا۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

مذکورہ باب "وجوب الصلاة في الثياب" سے امام بخاری رحمہ اللہ شرائطِ نماز میں سے پہلی اہم شرط کی اہمیت کو ظاہر فرمانا چاہ رہے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"امام بخاری رحمہ اللہ کے اصول موضوعہ میں سے یہ ہے کہ جہاں ائمہ کرام کا اختلاف قوی ہوتا ہے، وہ (خود سے) کوئی حکم نہیں لگاتے اور جہاں کوئی قوی اختلاف نہ ہو، وہاں امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک جو راجح ہو، اس پر حکمِ قطعی لگا دیتے ہیں۔

چنانچہ اس سند میں اختلاف تھا کہ نماز کے لیے ثیاب شرط ہے یا نہیں؟ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ شرط نہیں اور بقیہ ائمہ کے نزدیک شرط ہے اور یہی مسلک امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک راجح تھا کہ ثیاب نماز کے لیے شرط ہیں، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ نے وجوب کا لفظ استعمال کیا، گویا اس عنوان سے مالکیہ کا رد کیا گیا ہے۔ (اختلاف ائمہ کی وضاحت آگے آرہی ہے) اور وجوب پر استدلال آیت کریمہ ذکر کر کے کیا ہے "خذو زينتكم" کہ یہ امر حکمِ ایجابی ہے اور "زينتكم" سے مراد لباس ہے، چونکہ ننگا رہنے کے مقابل یہ زینت ہیں، اس لیے کپڑوں کے بجائے زینت کا لفظ ذکر کر کے یہ اشارہ کر دیا گیا کہ نماز کے وقت اچھے کپڑے پہن کر نماز پڑھنی چاہیے (۱)۔

حضرت کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

حضرت کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ شرائط نماز کو شروع فرما رہے ہیں، اور امام

---

(۱) تقریر بخاری شریف: ۲/۱۲۲، الكنز المتواري: ٤/١٦

بخاری رحمہ اللہ نے بعض فقہاء کی مخالفت کرتے ہوئے اس بات کی تصریح کردی ہے کہ "ستر" چھپانا نماز کی شرائط اور فرائض میں داخل ہے۔

اور "ستر" سے مراد فقہاء کے نزدیک ایسا "ستر" ہے کہ اس میں دیکھنا کسی کے لیے ممکن نہ ہو، بصورت دیگر اگر لباس سے اعضاء نمایاں ہو رہے ہوں، تو وہ غیر معتبر ہے(۱)۔

﴿خذوا زينتكم عند كل مسجد﴾ (الأعراف:۳۱)

(اے بنی آدم) لے لو اپنی آرائش ہر نماز کے وقت۔

یہ آیت ان لوگوں کے رد میں نازل ہوئی جو کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کیا کرتے تھے اور اسے بڑی قربت اور پرہیزگاری سمجھتے تھے، تو ان کو اس فعل سے منع کر دیا گیا کہ ہر عبادت کے وقت لباس پہنا کرو(۲)۔

زینت سے مراد لباس ہے۔ اور لباس وہ ہوتا ہے جو ستر کو چھپادے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس آیت کو ترجمۃ الباب میں ذکر کر کے گویا اس بات پر استدلال کر رہے ہیں کہ جب طواف کے اندر کپڑے پہننے کو ضروری قرار دیا گیا ہے، اس حال میں کہ طواف ایسی عبادت ہے، جس میں نماز کے پابندیاں کم ہوتی ہیں، تو نماز میں کپڑے پہننا بدرجہ اُولیٰ ضروری ہوگا، کیونکہ نماز کی پابندیاں تو طواف کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں(۳)۔

پھر آیتِ مذکورہ میں سترِ عورت کا حکم مسجد میں آنے کے ساتھ مقید کیا گیا ہے، نہ کہ نماز پڑھنے کے ساتھ۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ شریعت کی نظر میں فرض نماز کی ادائیگی مسجد میں ہی ہونی چاہیے، غرض نماز کو اچھے لباس میں اور مسجد میں جماعت کے وقت پورے اہتمام کے ساتھ جا کر ادا کرنا چاہئے، کیونکہ لفظ زینت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی حالت میں بنسبت اور حالات کے بہتر لباس ہونا چاہیے(۴)۔

---

(۱) حاشية الدسوقي، فصل في الستر: ۲۱۱/۱، فيض الباري: ۱۰/۲، أنوار الباري: ۹۵/۱۱

(۲) تفسير عثماني، سورة اعراف، ص: ۱۹۱، فتح الباري: ۶۰۳/۱، عمدة القاري: ۸۰/٤، التفسير الكبير: ۵۰/۱٤، الجامع لأحكام القرآن: ۱۶۷/۷، تفسير ابن كثير: ۱٤۹/۳

(۳) عمدة القاري: ۸۰/٤، الكنز المتواري: ۱۷/٤، فيض الباري: ۱۰/۲، أنوار الباري: ۹۶/۱۱

(٤) فيض الباري: ۱۰/۲، أنوار الباري: ۹۶/۱۱

سترِ عورت کا حکم

مذکورہ باب کے ترجمۃ میں ذکر کی جانے والی آیت مبارکہ سے نماز کے لیے لباس کے ضروری ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔

ستر کے چھپانے کا حکم وجوبی ہے یا استحبابی؟ اس بارے میں سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ تمام علماء کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ سترِ عورت مطلقاً فرض ہے، چاہے نماز میں ہو یا نماز سے خارج۔ اختلاف اس بات میں ہے سترِ عورت نماز کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ہے یا نہیں؟

اسی طرح مرد اور عورت کے ستر کی حد کیا ہے؟ اس میں بھی اختلاف ہے۔

چنانچہ پہلے مسئلہ میں امام مالک رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ ستر عورۃ نماز کی سنت ہے، شرط نہیں۔

اور آئمہ ثلاث رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ نماز کے فرائض میں سے ہے(۱)۔

اس اختلاف کا سبب آثار میں تعارض اور اللہ رب العزت کے قول ﴿یا بني آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد﴾ کا مفہوم اخذ کرنے میں ہے۔ وہ اس طرح کہ اس آیت مبارکہ میں "خذوا" امر کا صیغہ ہے۔ اب اس سے امرِ وجوبی مراد ہے یا امرِ استحبابی؟ اس میں اختلاف ہے۔

آئمہ ثلاث کے نزدیک یہ امرِ وجوبی ہے اور اس سے مراد ستر عورت ہے اور اس کے لیے ان کے پاس دلیل اس آیت کا شانِ نزول کہ بیت اللہ کا طواف مرد اور عورتیں برہنہ ہو کر کرتی تھیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "آئندہ کوئی بھی مشرک بیت اللہ کا حج یا طواف ننگے ہو کر نہ کرے"۔

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب في الشروط: ۱/٤٦٥.

التبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب في شلروط: ۱/۲٥۲.

البناية، كتاب الصلاة، باب في شرائط الصلاة: ۱/۱۱۹-۱۲۱.

التناج والإكليل، كتاب الصلاة، فصل في ستر العورة: ۱/٤۹۷.

الإقناع، كتاب الصلاة، فصل القول في شروط الصلاة والسنن: ۱/۱۲۷.

المنتقى، كتاب الصلاة، الرخصة في الثوب الواحد: ۲/۲۲٥

"أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا يحج بعد العام مشرك ولا يطوف بالبيت عريان"(۱).

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ امر وجوبی نہیں، استحبابی ہے اور اس سے مراد چادر وغیرہ کے ذریعے ظاہری زینت ہے یا چادر کے علاوہ دیگر جو کپڑے زینت کے لیے استعمال ہوتے ہیں، وہ مراد ہیں،(۲) ان کی دلیل مؤمنین کی وہ حالت ہے جس کا ذکر حدیثِ رسول میں آتا ہے:

"من أنه كان رجال يصلون مع النبي صلى الله عليه وسلم عاقِدِيْ أُزُرِهِمْ على أعناقهم كهيئة الصبيان، ويقال للنساء: لا ترفَعْنَ رؤسكُنَّ حتىٰ يستوي الرجال جلوسا"(۳).

کہ "لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، اس حال کہ ان کے ازار (چادریں) ان کی گردنوں کے ساتھ بندھی ہوتی تھیں، جیسے بچوں کی ہیئت ہوتی ہے اور عورتوں کو کہا جاتا تھا کہ اپنے سروں کو اس وقت تک نہ اٹھائیں، جب تک مرد بیٹھ نہ جائیں"۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے

اس مسئلہ میں امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک بھی سترِ عورۃ نماز کی شرائط میں سے ہے، جیسا کہ ان کے صنیع سے معلوم ہو رہا ہے کہ باب کا عنوان ہی "باب وجوب الصلاة في الثياب" قائم کیا، پھر ترجمۃ الباب

---

(۱) هذا ليس بحديث واحد، ولكنه حديثان: الأول: من حديث ابن عباس في سبب نزول الآية ﴿خذوا زينتكم عند كل مسجد﴾.

أخرجه مسلم في كتاب التفسير، رقم الحديث: ۳۰۲۸، والحديث الثاني: وهو "ألا يحج بعد العام مشرك".

وأخرجه البخاري في كتاب الحج، باب لايطوف بالبيت عريان، رقم الحديث: ۱۶۲۲

(۲) بداية المجتهد، كتاب الصلاة، باب الرابع في ستر العورة: ۲/۱۸۳

(۳) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الرجل يعقد الثوب، رقم الحديث: ۳۶۲، صحيح مسلم، رقم الحديث: ٤٤١.

میں حضرت سلمہ بن رکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ٹکڑا بھی اسی طرح نشاندہی کر رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی چادر کو کسی کانٹے وغیرہ سے مدد لے کر باندھ کے رکھو۔ مطلب یہ کہ جب نماز سے خارج شکار کے دوران اپنے ستر کو چھپانے کا حکم دیا گیا تو نماز کے دوران بدرجہ اولیٰ اس کا حکم ہوگا۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث کو ترجمۃ الباب میں لانا سترِ عورۃ کے وجوب پر دلالت کے لیے اور سابقہ آیت میں زینت اختیار کرنے سے مراد لباس پہننے کی طرف اشارہ کرنا ہے، نہ کہ ستر کی تزیین اور تحسین کے لیے زائد لباس استعمال کرنے کی طرف (۱)۔

ومن صلّٰی ملتحفا في ثوب واحدٍ

وہ شخص جو ایک ہی کپڑے میں لپٹ کر نماز پڑھے (اس کی نماز صحیح ہے۔)

یہ جملہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کا جزو بنا کر ذکر کیا ہے، اس بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور امام شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد قسطلانی رحمہ اللہ نے یہ بات لکھی ہے کہ ترجمۃ الباب میں یہ جملہ صرف مستملی کے نسخے میں ہے حموی اور کشمیہنی وغیرہ کے نسخوں میں یہ جملہ ترجمۃ الباب میں نہیں ہے۔

اس کی وجہ یہ بھی ممکن ہے کہ اسی عنوان سے ایک باب مستقل بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے (۲)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

مذکورہ جملہ سابقہ بات (کہ نماز کے لیے سترِ عورۃ واجب ہے) کی طرف ہی اشارہ کرنے کے لیے لایا گیا ہے، کہ کپڑا چاہے بڑا ہو یا چھوٹا، ایک ہو یا زیادہ، نماز اس کپڑے سے ستر چھپا کر ہی پڑھی جائے گی (۳)۔

علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اسی بات کو امام طحاوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں "الصلاة في الثوب الواحد"

---

(۱) عمدة القاري، كتاب الصلاة: ٤/٨١

(۲) فتح الباري: ١/٦٠٢، إرشاد الساري: ٢/١١

(۳) الكنز المتواري: ٤/١٧، الكوثر الجاري: ٢/٣٤، فتح الباري: ١/٦٠٢

کے نام سے باب قائم کر کے ذکر کیا ہے اور مقصد اس کا یہ ہے کہ اگر نماز ایک ہی کپڑے میں پڑھنی ہو، تو وہ اگر بڑا ہے تو اس کو بطور توشح، التحاف واشتمال استعمال کرنا چاہیے، جس کو اردو میں ''گاتی مارنا'' کہتے ہیں، یعنی چادر کا سرا گردن کے پیچھے گھما کر سامنے سینہ پر لاکر باندھ لے۔

اگر اتنی گنجائش نہیں ہے تو پیچھے لاکر گدی پر گرہ لگادے اور اگر اس سے بھی کم ہے تو تہبند کی طرح بدن پر ناف سے اوپر باندھ لے، غرض یہ ہے کہ جتنا بھی کپڑا ہو وہ سب استعمال میں آجائے (۱)۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے فرمایا:

اس جگہ امام بخاری رحمہ اللہ نے چار جملے ذکر فرمائے ہیں: ''ایک: من صلی ملتحفا في الثوب الواحد، دوسرا: یذکر عن سلمة، تیسرا: من صلی في الثوب الذي...... الخ چوتھا: أمر النبي صلی اللہ علیہ وسلم أن لا یطوف...... الخ'' ان چاروں جملوں کو شراح جزو ترجمہ قرار دیتے ہیں اور ہر ایک کو روایت سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جملہ اولیٰ ''من صلی ملتحفا...... الخ'' سے شراح پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ اگر اس کو جزو ترجمہ قرار دیا جائے، تو تکرار ترجمہ لازم آتا ہے، اس لیے کہ آگے مستقل ایک باب ''الصلوٰة في الثوب الواحد ملتحفا به'' آرہا ہے۔ اس کا جواب شراح یہ دیتے ہیں کہ یہاں تبعاً ذکر فرمادیا اور مستقل باب سے اصالۃً ذکر فرمادیا۔

مگر میرے نزدیک ان میں سے کوئی جزو ترجمہ نہیں ہے، بلکہ ایسے جملے کبھی ''مثبَت'' بفتح الباء الموحدہ ہوتے ہیں اور کبھی ''مثبِت'' بکسر الباء میرے نزدیک یہ ''مثبَت'' نہیں بلکہ ''مثبِت'' ہیں۔ ''مثبَت'' بالفتح کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ جزو ترجمہ ہوتا ہے اور اس کا اثبات روایت وغیرہ سے مقصود ہوتا ہے، اور ''مثبِـــت'' کا مطلب یہ ہوتا ہے وہ (جملہ) ترجمہ کو ثابت کرتا ہے۔

---

(۱) فیض الباري: ۲/۱۱، أنوار الباري: ۱۱/۹۷

اب یہ کیسے "مثبِت" (بکسر الباء) ہوا؟ اس طور پر کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے وجوبِ ثیاب کا باب قائم کیا، اس کے بعد "من صلی ملتحفاً" ذکر فرما کر بتاتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر ایک کپڑا ہو تو التحاف کرے، تو اگر کپڑا (نماز کے لیے) شرط نہ ہوتا تو یہ التحاف وغیرہ کی کیا ضرورت تھی؟ اسی طرح حضرت سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے، جو ابوداؤد میں مفصل مذکور ہے کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں شکار کرتا ہوں اور ایک ہی قمیص ہوتی ہے، نماز کے وقت کیا کروں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "أذره ولو بشوكة" یعنی گھنڈی لگالیا کرو اور اگر کچھ اور نہ ملے تو کانٹے سے بند کرلیا کرو۔

یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح نہیں مگر استدلال اس طرح پر ہے کہ اگر ثیاب شرط نہ ہوتے تو "اذره" کہنے کی کیا ضرورت تھی؟

اور "من صلى في الثوب الذي يجامع فيه...... الخ" سے استدلال یوں ہے کہ ایک ہی کپڑا ہو اور اس کو پہن کر جماع بھی کرتا ہو، تو پھر بھی اس کو پہن کر نماز پڑھنے کو منع فرما رہے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ثیاب شرط ہے اور "أن لا يطوف بالبيت عريانا" سے بالکل واضح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "طواف بالبيت عريانا" سے منع فرمایا ہے اور خود ہی ارشاد فرمایا ہے "الطواف بالبيت صلوٰة" تو جب کہ جو چیز صلوٰۃ حقیقی بھی نہیں، بلکہ اس کے حکم میں ہے اور اس کو ننگے ہو کر ادا کرنے سے منع فرمایا جا رہا ہے، تو اصل چیز یعنی نماز، وہ کیسے عریان (ننگے ہو کر) ہو کر پڑھی جا سکتی ہے؟ (۱)

التحاف سے کیا مراد ہے؟

ترجمۃ الباب میں مذکور جملہ میں "ملتحفاً" کا لفظ استعمال ہوا ہے "ملتحفاً" اسمِ فاعل کا صیغہ ہے، "التحاف" سے۔ اس کے لغوی معنی کپڑے سے اپنے پورے بدن کو چھپانے کے ہیں تو ملتحفاً کے معنی ہوئے،

(۱) تقرير بخاري، باب وجوب الصلاة في الثياب: ۲/۲۳۱، ۲۳۲

پورے بدن پر کپڑا لپیٹنے والا (۱)۔ نیز کپڑے کی دونوں طرفوں کو اپنے دونوں کندھوں پر ڈال لینے کو بھی التحاف کہتے ہیں، اسی کا دوسرا نام "التوشیح" بھی ہے۔

اس بارے میں (یعنی بدن پر کپڑا لپیٹنے کے بارے میں تین الفاظ استعمال ہوتے ہیں: التحاف، توشّح اور اشتمال۔ پہلے دو (التحاف اور توشّح) تو ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ البتہ تیسرے کی تین صورتیں ہیں۔۱-اشتمال مطلق،۲-اشتمال الصمّاء،۳-اشتمال بمعنی اضطباع۔

پہلے کی صورت تو التحاف والی ہی ہے۔ دوسری سے مراد وہ ہیئت ہے جس میں بدن پر اس طرح کپڑا لپیٹ لیا جائے کہ بوقت ضرورت بسہولت اپنے ہاتھ باہر نہ نکال سکے، یہ صورت شرعاً ممنوع ہے کہ اس سے کشفِ عورت لازم آئے گا، اور تیسری صورت اضطباع کی ہے کہ کپڑا دائیں کندھے کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے کے اوپر ڈال لیا جائے، اس صورت میں بھی با آسانی ہاتھ استعمال کرنا قدرے دشوار ہوتا ہے، اس لیے یہ صورت بھی پسندیدہ نہیں ہے، اگرچہ جائز ہے۔

البتہ "اشتمال صماء" والی صورت میں اگر ازار الگ ہو اور ازار والے جسم پر الگ سے کوئی کپڑا لپیٹا ہوا ہو تو پھر یہ صورت جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں کشفِ عورۃ سے امن رہتا ہے، یہ اس بندے کے لیے منع ہے، جس کے جسم پر ازار نہ ہو، کیونکہ اس وقت ہاتھ باہر نکالتے وقت ستر ظاہر ہوگا (۲)۔

تعلیق

وَيُذْكَرُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : (يَزُرُّهُ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ) . فِي إِسْنَادِهِ نَظَرٌ ، وَمَنْ صَلَّى فِي الثَّوْبِ الَّذِي يُجَامِعُ فِيهِ مَا لَمْ يَرَ أَذًى . وَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ لَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ . [ر : ٣٦٢]

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "(اگر ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھنے کی نوبت آجائے تو) اس کو ٹانکہ

---

(۱) القاموس المحيط، ماده (ل، ح، ف) ص: ٧٦٧، المعجم الوسيط، ماده (ل، ح، ف)، ص: ٨١٨

(٢) شرح الزرقاني على المؤطا، كتاب الصلاة، باب الرخصة في الصلاة في الثوب الواحد: ٤١١/١، المنتقى: ٢٢٧/٢، تنوير الحوالك للسيوطي: ١٢٢/١، فتح الباري لابن رجب: ١٤٤/٢، شرح ابن بطال: ٢٠/٢، فيض الباري: ١١/٢، عمدة القاري: ١٦٨/٤، تحفة الأحوذي، باب ماجاء في الصلاة في الثوب الواحد

لگالو (یعنی اس کے گریبان کو بند کرلو، اگرچہ اس کو بند کرنا) ایک کانٹے سے ہی ہو۔ (تاکہ رکوع کرتے ہوئے شرمگاہ پر نظر نہ پڑے۔" اس (حدیث) کی سند میں کلام ہے۔

روایت کی تخریج

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو ترجمۃ الباب میں ذکر کیا ہے، مستقلاً اس کو اپنی صحیح میں ذکر نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ روایت امام صاحب کے معیار اور شرائط کے مطابق نہیں ہے، اسی لیے اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے "في اسناده نظر" کہا ہے۔ تاہم اس روایت کو امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے اپنی اپنی سنن میں ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ یہ روایت صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک علی الصحیحین میں بھی موجود ہے (۱)۔

حضرت سلمه بن الأكوع رضي الله عنه

یہ مشہور صحابی حضرت سلمہ بن عمرو بن الاکوع اسلمی مدنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے تفصیلی حالات کشف الباری، کتاب العلم میں گذر (۲) چکے ہیں۔

يَزُرُّهُ کا مطلب

"یزرہ" نَصَرَ يَنْصُرُ سے مضارع کا صیغہ ہے، اس کا مطلب ٹانکہ لگانا ہے (۳)۔

روایت کا ترجمۃ الباب سے تعلق

پوری روایت کا مفہوم اس طرح ہے کہ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ

---

(۱) سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في الرجل يصلي في قميصٍ واحدٍ، رقم الحديث: ٦٣٢
سنن النسائي، كتاب الصلاة، الصلاة في قميص واحد، رقم الحديث: ٧٦٦
صحيح ابن حبان، كتاب الصلاة، باب مايكره المصلي ومايكره، رقم الحديث: ٢٢٩٤
صحيح ابن خزيمة، كتاب الصلاة، باب الامر بذر المقميص واجبة، رقم الحديث: ٧٧٨
المستدرك على الصحيحين، كتاب الصلاة، رقم الحديث: ٩١٣

(۲) كشف الباري، كتاب العلم: ١٧٣/٤

(۳) النهاية في غريب الأثر، مادة "زرر": ٧٣١/١، معجم الصحاح، ماده "زرر"، ص: ٤٤٩

وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! میں اکثر شکار کرتا ہوں اور میرے بدن پر ایک ہی کپڑا ہوتا ہے، تو کیا میں اسی ایک کپڑے میں نماز پڑھ لیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس چادر کو ٹانکہ لگا کر باندھ لیا کرو (تاکہ شرمگاہ پر نظر پڑھنے سے بچا جا سکے) اگرچہ ٹانکہ کسی کانٹے سے لگانا پڑھے، تو بھی اس سے ٹانک لیا کرو۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے لیے کپڑوں کا ہونا ضروری ہے اور یہی بات ترجمۃ الباب میں کہی گئی ہے (۱)۔

دورانِ نماز ستر دیکھنے کا حکم

دورانِ نماز اگر اپنے ستر پر نظر پڑ جائے، تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "يَـزُرُّهُ وَلَـوْ بِشَـوْكَةٍ" سے "محمد بن شجاع" نے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز کی حالت میں ستر کی طرف دیکھنا مفسدِ صلاۃ ہے (۲)۔

"وفي إسناده نظر" کی تشریح

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث ترجمۃ الباب میں ذکر کرنے کے بعد "فـي اسـنـاده نظر" کہا ہے اور اسی وجہ سے (کہ مذکورہ حدیث امام صاحب کے نزدیک ان کی شرائط کے مطابق نہیں ہے) اسے مستقلاً ذکر نہیں کیا بلکہ ترجمۃ الباب کا جز بنا کر ذکر کیا ہے۔

یہ حدیث موسیٰ بن ابراہیم کی ہے، وہ اسے حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

قال: قلت: يارسول الله، إني رجل أصيد، أفأصلي في القميص الواحد؟ قال: "نعم، زره ولو بشوكة".

اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تصحیح بیان کی ہے۔

---

(۱) عمدة القاري، كتاب الصلاة، باب وجوب الصلاة في الثياب: ٨١/٤

(۲) عمدة القاري، كتاب الصلاة، باب وجوب الصلاة في الثياب: ٨١/٤، فيض الباري: ١١/٢، أنوار الباري: ٩٧/١١

اس حدیث کو دراوردی نے موسیٰ بن ابراہیم کے طریق سے بیان کیا ہے اور اسی طریق کو لیتے ہوئے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس روایت کی تخریج کی ہے۔

اور دراوردی نے اسی روایت کو عطاف بن خالد کے طریق سے بھی بیان کیا ہے۔اس طریق کی تخریج امام احمد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے کی ہے۔

ابن القطان نے ''برقانی'' سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس روایت میں ''موسیٰ بن ابراہیم'' سے مراد ''موسیٰ بن محمد بن ابراہیم بن حارث التیمی'' ہے۔ابن قطان کی اس بات سے دو امر لازم آتے ہیں: ایک اس روایت کی اسناد میں ضعف ہونا، کیونکہ موسیٰ بن محمد بن ابراہیم التیمی کے ضعف پر اتفاق ہے۔دوسرا: اس روایت کا منقطع ہونا۔کیونکہ موسیٰ بن ابراہیم التیمی کا حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنا ثابت نہیں ہے، وہ تو صرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ مضمون ہے ابن قطان کا، ان کے گمان کے مطابق یہ وہ ''نظر'' ہے جس کی طرف امام بخاری رحمہ اللہ نے "في اسناده نظر" میں اشارہ کیا ہے(۱)۔

"نظر" کا حل

اس ''نظر'' کا حل یہ ذکر کیا گیا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ مذکورہ روایت میں ''موسیٰ'' سے مراد ''موسیٰ بن ابراہیم التیمی''، نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد ''موسیٰ بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی ربیعہ المخزومی'' ہے۔

علی بن المدینی رحمہ اللہ نے اس پر جزم نقل کیا ہے اور ان سے قاضی اسماعیل رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''أحکام القرآن'' میں نقل کیا ہے، اور اسی طرح اس کو مفضل غلابی رحمہ اللہ نے ''اپنی تاریخ'' میں مصعب زبیری رحمہ اللہ کی روایت سے ذکر کیا ہے، اسی کو ابوبکر الخلال رحمہ اللہ نے ''کتاب العلل'' میں ذکر کیا ہے اور متاخرین میں سے عبدالحق الإشبیلی رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے، اسی وجہ سے ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کی تخریج کی ہے اور موسیٰ بن محمد بن ابراہیم التیمی کی کسی روایت کی تخریج نہیں کی، اس کے ضعف پر

---

(۱) فتح الباري لابن رجب: ۲/ ۲۰، شرح ابن بطال: ۱/ ۱۲، فتح الباري: ۱/ ۶۰۳، ۶۰۴، عمدة القاري: ۴/ ۸۱، ۸۲، الكوثر الجاري: ۲/ ۴۳، إرشاد الساري: ۲/ ۱۱، تحفة الباري: ۱/ ۴۸۴، التوشيح: ۱/ ۲۹۹

اتفاق کی وجہ سے (۱)۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ ذھبی رحمہ اللہ نے بھی اس کی توثیق کی ہے (۲)۔

"ومن صلى في الثوب الذي يجامع فيه إذالم يرفيه أذىً"

(یہ باب ہے اس شخص کے بارے میں) جو اس کپڑے میں نماز پڑھے، جس میں اس نے اپنی بیوی سے جماع کیا، جب کہ وہ اس کپڑے میں ناپاکی نہ دیکھے (یعنی اس کی نماز صحیح ہے۔)

اس عبادت میں مستملی اور حموی کی روایت کے مطابق "فیہ" کا لفظ ساقط ہے (۳)۔

روایت کی تخریج

یہ جملہ بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کا جز بنا کر ذکر کیا ہے، یہ جملہ بھی دراصل ایک حدیث مبارکہ کا ٹکڑا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کپڑوں میں نماز ادا فرما لیتے تھے، جن میں جماع کرتے تھے؟ تو انہوں جواب دیا کہ جی ہاں! جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کپڑوں میں کوئی نجاست لگی نہ دیکھتے۔

تعلیق

"عن معاوية بن أبي سفيان أنه سأل أخته أم حبيبة: هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي في الثوب الذي يجامع فيه؟ قالت: نعم؛ إذلم ير فيه أذىً".

اس حدیث کو امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور ابن حبان تخریج کیا اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے (۴)۔

---

(١) فتح الباري: ١/٦٠٤، عمدة القاري: ٤/٨١، إرشاد الساري: ٢/١١، الكوثر الجاري: ٢/٣٤، تحفة الباري: ١/٤٨٤

(٢) فتح الباري: ١/٦٠٤، عمدة القاري: ٤/٨١، إرشاد الساري: ٢/١١

(٣) المستدرك على الصحيحين، كتاب الصلاة، رقم الحديث: ٩١٣، ١/٣٧٩

(٤) سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة في الثوب الذي يصيب أهله فيه، رقم الحديث: ٣٦٦ =

مقصدِ روایت

ترجمۃ الباب میں اس روایت کو بطور جز پیش کرنے سے مقصود وہی ہے کہ نماز کپڑے کے ساتھ ہی ادا کی جائے گی، حتیٰ کہ اگر صحبت کرنے والے کے پاس اس کپڑے کے سوا اور کوئی کپڑا نہیں، جس کو پہن کر جماع کیا تھا، تو بھی اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کپڑے میں نماز ادا کرے، البتہ شرط یہ ہے کہ اس کپڑے میں نجاست نہ لگی ہو(۱)۔

"أذیً" سے کیا مراد ہے؟

اذیٰ نجاست کو کہتے ہیں۔ اور مراد اس سے "منی" ہے، قرینہ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سوال اور اس کے جواب میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مذکورہ کلام ہے(۲)۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک منی کا حکم:

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کا منی کے بارے مذہب سامنے آ رہا ہے کہ وہ بھی احناف کی طرح منی کے نجس ہونے کے قائل ہیں(۳)۔

وأمر النبي صلى الله عليه وسلم أن لايطوف بالبيت عريان

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کوئی بھی برہنہ شخص بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہ جملہ بطورِ اقتباس امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں ذکر کیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ جس طرح طواف کے لیے سترِ عورت کو شرط قرار دیا گیا ہے، اسی طرح نماز جس کا درجہ حج سے بڑا ہے، اس کے لیے تو سترِ

= سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب المني يصيب الثوب، رقم الحديث: ٢٩٤

سنن ابن ماجة، رقم الحديث: ٥٤٠، صحيح ابن حبان، رقم الحديث: ٢٣٣١، صحيح ابن خزيمة، رقم الحديث: ٧٧٦

(١) عمدة القاري: ٤/٨١، الكنز المتواري: ٤/١٨

(٢) عمدة القاري: ٤/٨١، فيض الباري: ٢/١١، أنوار الباري: ١١/٩٧

(٣) عمدة القاري: ٤/٨١، فيض الباري: ٢/١١، أنوار الباري: ١١/٩٧

عورت بدرجہ اولیٰ شرط ہے۔

طواف والی حدیث کو بغرضِ استدلال جزوِ ترجمہ بنانے کی وجہ یہ ہے کہ "طواف" نماز کے مشابہ ہے، اسے نماز کے ہی حکم میں قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ جب طواف کے لیے ستر شرط ٹھہرا، تو نماز اس کے زیادہ لائق ہے کہ ستر کا چھپانا اس کے لیے شرط ہو(۱)۔

روایت کی تخریج

روایت کا یہ جملہ یہاں اقتباس کے طور پر ہے اور صحیح بخاری میں ہی دیگر سات مقامات پر سنداً مذکور ہے(۲)، اس جملے کو تعلیق کے بغیر اقتباس اس لیے کہا گیا ہے کہ روایت میں امرِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح نہیں ہے۔ جب کہ ترجمۃ الباب میں ذکر کردہ جملے میں امن کی تصریح کی گئی ہے، اس لیے اس جملے کو اقتباس کہنا تو درست ہے، تعلیق کہنا درست نہیں (۳)۔

حدیث باب

۳٤٤ : حدَّثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ : حَدَّثنا يَزِيدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ(٤) قَالَتْ : أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ ، وَذَوَاتِ الْخُدُورِ ، فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ

(١) فتح الباري لابن رجب: ٢/٢٣، فتح الباري: ١/٦٠٤، عمدة القاري: ٤/٨٣، الكوثر الجاري: ٢/٣٥، تحفة الباري: ١/٤٨٤، إرشاد الساري: ٢/١١، فيض الباري: ٢/١١

(٢) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب مايستر من العورة، رقم الحديث: ٣٦٩

وفي كتاب الحج، باب لايطوف بالبيت عريان، رقم الحديث: ١٦٢٢

وفي كتاب الجزية، باب كيف ينبذ إلى أهل العقد، رقم الحديث: ٣١٧٧

وفي كتاب المغازي، باب حج أبي بكر بالناس في سنة تسع، رقم الحديث: ٤٣٦٣

وفي كتاب التفسير، باب فسيحوا في الأرض أربعة أشهر، رقم الحديث: ٤٦٥٥

وباب "وأذان من الله ورسوله في الناس يوم الحج الأكبر"، رقم الحديث: ٤٦٥٦

وباب "إلا الذين عاهدتم من المشركين"، رقم الحديث: ٤٦٥٧

(٣) عمدة القاري: ٤/٨٣

(٤) أخرجه البخاري في كتاب الحيض، باب شهود الحائض العيدين، رقم الحديث: ٣٢٤ .... =

وَدَعْوَتَهُمْ ، وَيَعْتَزِلُ ٱلْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ ، قَالَتِ ٱمْرَأَةٌ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ ؟ قَالَ : (لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا) .

وَقَالَ عَبْدُ ٱللهِ بْنُ رَجَاءٍ : حَدَّثنا عِمْرَانُ : حَدَّثنا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ : حَدَّثَتْنَا أُمُّ عَطِيَّةَ : سَمِعْتُ ٱلنَّبِيَّ ﷺ بِهٰذَا . [ر : ۳۱۸]

ترجمہ حدیث

حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہمیں (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) حکم دیا گیا کہ عیدین میں حائضہ اور پردہ نشین عورتوں کو لے کر باہر نکلیں، تاکہ وہ مسلمانوں کی جماعت میں اوران کی دعا میں شریک ہوں اور حائضہ عورتیں نماز سے علیحدہ رہیں (یعنی بوجہ حیض کے نماز ادا نہ کریں)۔ ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم میں سے کسی کے پاس (کبھی) کپڑا نہیں ہوتا (جس سے وہ پردہ کرسکے،تو

= وفي كتاب الصلاة، باب التكبير أيام منىً، رقم الحديث: ۹۷۱

وباب خروج النساء والحيّض إلى المصلّى، رقم الحديث: ۹۷٤

وباب إذا لم يكن لها جلباب في العيد، رقم الحديث: ۹۸۰

وباب اعتزال الحيّض المصلّى، رقم الحديث: ۹۸۱

وفي كتاب الحج، باب تقضي الحائض المناسك كلها إلا الطواف بالبيت، رقم الحديث: ۱٦٥۲

وأخرجه مسلم في صلاة العيدين، باب ذكر إباحة خروج النساء في العيدين إلى المصلّى وشهود، رقم الحديث: ۸۹۰

وأخرجه أبوداؤد في الصلاة، باب خروج النساء في العيد، رقم الحديث: ۱۱۳٦–۱۱۳۹

وأخرجه الترمذي في الصلاة، باب ماجاء في خروج النساء في العيدين، رقم الحديث: ۵۳۹، ۵٤۰

وأخرجه النسائي في العيدين، باب خروج العواتق وذوات الخدور في العيدين، رقم الحديث: ۱۵۵۹، وباب اعتزال الحيّض مصلّى الناس، رقم الحديث: ۱۵٦۰

جامع الأصول، كتاب الصلاة، الفصل السادس في صلاة العيدين، الفرع التاسع في خروج النساء إلى العيدين، رقم الحديث: ٤۲٦۳

وہ عورت کیا کرے؟ یعنی کیسے نکلے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اس کے ساتھ والی عورت کو چاہیے کہ وہ اس (عورت کو جس کے پاس پردہ نہیں ہے) پردہ (یعنی دوپٹہ) اوڑھادے۔"

تراجم رجال

موسیٰ بن إسماعیل

یہ ابوسلمہ موسیٰ بن اسماعیل تبوذکی بصری رحمہ اللہ ہیں، ان کے تفصیلی حالات کشف الباری میں کتاب بدء الوحی کی چوتھی حدیث کتاب العلم باب: "من أجاب الفتیا بإشارة الید والرأس" کی دوسری حدیث میں گزر چکے ہیں (۱)۔

یزید بن إبراهیم

یہ ابوسعید یزید بن ابراہیم التستری رحمہ اللہ ہیں، مولیٰ بنی أسید ہیں اور اہل بصرہ میں سے ہیں (۲)۔

یہ حسن، ابن سیرین، ابن ابی ملیکہ، عطاء، قتادہ، ابی زبیر، ابراہیم بن العلاء الغنوی، عبداللہ بن یسار المکی، قیس بن سعد اور لیث بن ابی سلیم رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں (۳)۔

اور ان سے وکیع، بہز بن اسد، عبدالرحمٰن بن مہدی، عبدالملک بن ابراہیم الجدی، ابن مبارک، ابو أسامہ، عبدالصمد، یزید بن ہارون، ابوداؤد، ابوالولید الطیالسیان، حجاج بن منہال، ابوعمر والحوضی اور سہل بن بکار رحمہم اللہ روایت کرتے ہیں (۴)۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: "ثقة".

امام صاحب کے بیٹے حضرت عبداللہ نے اپنے والد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آپ کو "یزید بن ابراہیم" سے زیادہ محبت ہے یا "علی بن علی" سے؟

---

(۱) كشف الباري: ۱/٤۳۳، كشف الباري: ۳/٤۷۷

(۲) التاريخ الكبير للبخاري: ۸/۲۱۸، كتاب الثقات لابن حبان: ٤/٤۰۳

(۳) تهذيب الكمال: ۳۲/۷۷، تهذيب التهذيب: ۱۱/۳۱۱

(٤) تهذيب الكمال: ۳۲/۷۷، تهذيب التهذيب: ۱۱/۳۱۱

توامام صاحب نے جواب دیا کہ مجھے ''یزید بن ابراھیم'' سے زیادہ محبت ہے(۱)۔

ابن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یزید بن إبراهیم أثبت من جریر بن حازم''

أبی خیثمہ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معین سے یزید بن ابراھیم اور سری بن یحییٰ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ان دونوں میں سے ''أثبت'' کون ہے؟ تو ابن معین رحمہ اللہ نے جواب دیا ''یزید لاشك فیه، والسري ثقة''، ولکن یزید بن إبراهیم أکبر منه''(۳).

أبوالولید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یزید بن إبراهیم أثبت عندنا من هشام بن حسان'' (۴)۔

وکیع بن الجراح رحمہ اللہ کے پاس یزید بن ابراہیم التُستري رحمہ اللہ کا ذکر کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا: ''ثقة، ثقة''(۵)۔

علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یزید بن إبراهیم ثبتٌ في الحسن وابن سیرین'' (۶)۔

امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ثقة'' (۷)۔

سعید بن عامر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حدثنا یزید بن إبراهیم الصدوق المسلم''(۸).

یزید بن زریع رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ما رأیت أحداً من أصحاب الحسن أثبت من یزید بن إبراهیم''(۹).

محمد بن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کان ثقةً ثبتاً(۱۰).

---

(۱) الجرح والتعدیل: ۳۱۱/۹

(۲) تهذیب التهذیب: ۳۱۲/۱، سیر أعلام النبلاء: ۲۹۲/۷

(۳) تهذیب الکمال: ۷۹/۳۲، سیر أعلام النبلاء: ۲۹۳/۷

(٤) الجرح والتعدیل: ۳۱۱/۹، سیر أعلام النبلاء: ۲۹۲/۷

(٥) الجرح والتعدیل: ۳۱۱/۹، تهذیب التهذیب: ۳۱۲/۱

(٦) تهذیب الکمال: ۸۰/۳۲

(۷) سیر أعلام النبلاء: ۲۹۳/۷، تهذیب الکمال: ۸۰/۳۲

(۸) تهذیب الکمال: ۸۰/۳۲

(۹) تهذیب التهذیب: ۳۱۲/۱

(۱۰) سیر أعلام النبلاء: ۲۹۲/۷

ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''یزید کی احادیث مستقیم ہیں، سوائے اِن کی اُن احادیث کے جنہیں وہ ''عن قتادة، عن أنس'' سے روایت کرتے ہیں، اور فرمایا کہ ''وهو ممن يُكتَبُ حديثُه ولا بأس به، وأرجو أن يكون صدوقاً''(۱).

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں یزید بن ابراہیم کی طرف تین جگہ تخریج کی ہے دو جگہ متابعۃً اور تیسری جگہ احتجاجاً، پہلی جگہ ''کتاب الصلاۃ'' میں، دوسری جگہ ''سجود السہو'' میں اور تیسری جگہ ''کتاب التفسیر'' میں (۲)۔

ان کی وفات کے بارے میں تین اقوال ہیں:

ابوالولید الطیالسی فرماتے ہیں کہ ان کی وفات ۱۶۱ ہجری میں ہوئی۔

عمرو بن علی فرماتے ہیں کہ ۱۶۲ ہجری میں ہوئی۔

ابوبکر محمد بن سعید بن یزید فرماتے ہیں کہ ۱۶۳ ہجری میں ہوئی (۳)۔

محمد

یہ مشہور تابعی عالم، امام، شیخ الاسلام ابوبکر محمد بن سیرین انصاری بصری رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے حالات کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: ''اتباع الجنائز من الإيمان'' میں گذر چکا ہے (۴)۔

أم عطية

''یہ نُسَیبہ بنت کعب'' الأنصاریہ رضی اللہ عنہا ہیں اور ایک قول کے مطابق ''نُسَیبہ بنت الحارث'' ہیں، ام عطیہ ان کی کنیت ہے، ان کے حالات کتاب الوضوء ''باب التيمن في الوضوء والغسل'' میں گذر چکے ہیں (۵)۔

---

(۱) تهذيب الكمال: ۳۲/۸۱، تقريب التهذيب: ۲/۳۲۹

(۲) هدي الساري، ص: ۶۳۰

(۳) تاريخ الكبير للبخاري: ۸/۳۱۸، الكاشف: ۲/۳۸۰، الثقات لابن حبان: ۴/۴۰۳

(۴) كشف الباري، كتاب الإيمان، باب اتباع الجنائز من الإيمان: ۲/۵۲۴

(۵) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب التيمن في الوضوء والغسل

ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیثِ مذکورہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے کہ اس میں حکم دیا گیا کہ "لِتُلبِسْها صاحبتُها من جِلبابها" جس عورت کے پاس پردے کے لیے چادر وغیرہ نہیں ہے، اُس کو اس کی کوئی ساتھی عورت اپنی چادر وغیرہ دے دے، پھر پردہ کر کے وہ عورت عیدگاہ کی طرف آئے۔ پس جب عید کے لیے آتے ہوئے پردے کی تاکید کی گئی ہے، جو کہ واجب نماز ہے، تو یہ پابندی فرائض کے لیے بدرجہ اُولیٰ ہوگی (۱)۔

أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ

بخاری کی روایت میں "أُمِرنا" مجہول کے صیغے کے ساتھ ہے، جبکہ مسلم کی روایت میں "عن هشام عن حفصة" کے طریق سے "أَمَرَنَا رسول الله صلى الله عليه وسلم" کے الفاظ ہیں (۲)۔

الحُيَّض

"ح" کے "ضمہ" اور "ی" کی تشدید کے ساتھ "حائض" کی جمع ہے (۳)۔

يوم العيدين

یہاں "العیدین" تثنیہ کا صیغہ ہے، جبکہ مستملی اور کشمیهنی کی روایت میں "یوم العید" واحد کا صیغہ ہے (۴)۔

عن مصلاهن

"هن" ضمیر ان عورتوں کی طرف لوٹ رہی ہے، جو حیض والی نہیں ہیں۔

مستملی کی روایت میں "المصلی" کی اضافت "هم" کی طرف ہے، یعنی "مصلاهم" اس

---

(۱) عمدة القاري: ٨٣/٤، فتح الباري: ٦٠٥/١، الكنز المتواري: ١٨/٣

(۲) صحيح مسلم، كتاب صلاة العيدين، ذكر إباحة خروج النساء في العيدين إلى المصلّى، رقم الحديث: ٨٩٠

(۳) معجم الصحاح، المادة ح ى ض، ص: ٢٧٧، النهاية في غريب الاثر: ٤٥٩/١، إرشاد الساري: ١٢/٢

(٤) فتح الباري: ٦٠٥/١، إرشاد الساري: ١٢/٢، عمدة القاري: ٨٣/٤

صورت میں مذکر ضمیر کو ذکر کرنا تغلیباً ہے کہ "مؤنث" مذکر کے تحت ہونے کی وجہ سے اس میں داخل ہیں۔

جبکہ کشمیهنی کی روایت میں یہ لفظ اضافت کے بغیر ہے، یعنی "عن المصلّی" . اس وقت مراد فقط "نماز کی جگہ" ہوگی (۱)۔

قالت إمرأة

"إمرأة" سے مراد "أم عطية" ہے۔ "قالت" سے مراد انہوں نے خود اپنی ذات کو لیا ہے (۲)۔ ورنہ خود ایک روایت میں "قلت: یارسول الله! إحدانا) موجود ہے (۳)۔

جِلْبَاب

"ج" کی کسرہ کے ساتھ "جلباب" ہے۔ جلباب بڑی چادر کو کہتے ہیں، جس سے عورت اپنا سر اور سینہ چھپاتی ہے، اس کے علاوہ "جلباب" کے معنی اوڑھنی، قمیص، ازار وغیرہ بھی آتے ہیں (۴)۔

لِتُلْبِسْهَا

"سین" کے جزم کے ساتھ امر کا صیغہ ہے، مراد یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد کپڑا کسی ضرورت مند کو عاریتاً دے دے (۵)۔

مذکورہ روایت کی تفصیلی مباحث کتاب الوضوء میں گذر چکی ہیں۔ یہاں صرف اس بات پر استشہاد مقصود تھا کہ نماز میں سترِ عورۃ فرض ہے۔

تعلیق

قال عبدالله بن رجاء، ثنا عمران، حدثنا محمد بن سيرين حدثنا أم عطية،

---

(١) فتح الباري: ١/٦٠٥، إرشاد الساري: ٢/١٢، تحفة الباري: ١/٢٨٤

(٢) عمدة القاري: ٤/٨٣

(٣) صحيح مسلم، كتاب العيدين، ذكر إباحة خروج النساء في العيدين إلى المصلّى، رقم الحديث: ٨٩٠

(٤) معجم الصحاح، ص: ١٨٠، فتح الباري لابن رجب: ٢/٢٤

(٥) إرشاد الساري: ٢/١٢، تحفة الباري: ١/٢٨٤، عمدة القاري: ٤/٨٤

سمعت النبيّ صلى الله عليه وسلم بهذا

تعلیق کی تخریج

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''تغلیق التعلیق'' میں اس تعلیق کو مکمل سند اور متن کے ساتھ ذکر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"أخبرني بذلك أحمد بن أبي بكر المقدسي، في كتابه عن محمد بن علي بن ساعد الحلبي أن يوسف بن خليل الحافظ، أخبرهم: أنا محمد بن أبي زيد أنا محمود بن إسماعيل الصير في، أنا أحمد بن محمد [بن فاذشاه] أنا سليمان بن أحمد ثنا علي بن عبدالعزيز البغوي ثنا عبد الله بن رجاء الغداني، أنا عمران القطان، عن محمد بن سيرين، حدثتنا أم عطية الأنصارية، قالت وقد غزوت مع النبي صلى الله عليه وسلم غزوات كنا نقوم على الكلمیٰ، ونداوي الجرحیٰ، فقلت: يا رسول الله! إحدانا تخرج مع الناس يوم الفطر، ويوم النحر، قالت: فسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: يخرجن العواتق وذوات الخدور والحيض، فيشهدن الخير ودعوة المسلمين، قلت: يارسول الله! إحدانا لايكون لها ثوب، قال: تلبسبها أختها"(١).

مفہوم حدیث یہ ہے کہ

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ''میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کئی غزوات میں شریک ہوئی، ہم (عورتیں) مریضوں کے پاس ہوتی تھیں، زخمیوں کا علاج کرتی تھیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی دوسرے لوگوں کے ساتھ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں شریک ہوئی ہیں، آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ آزاد، پردہ نشین اور حائضہ عورتیں مسلمانوں کی خیر کی مجالس

---

(١) تغليق التعليق، كتاب الصلاة: ٢/٢٠٣، المعجم الكبير للطبراني، نُسَيْبَة أم عطية الأنصارية نزلت البصرة ما أسندت أم عطية، محمد بن سيرين عن أم عطية: ٢٥/٥٠، رقم الحديث: ١٠١، فتح الباري: ١/٦٠٥

میں حاضر ہوا کریں، حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (کسی وقت) ہم میں سے کسی کے پاس کوئی کپڑا بھی نہیں ہوتا (کہ اس سے وہ عورت پردہ کرسکے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (ایسی صورت میں) اس کی ساتھی عورت اسے اپنا زائد کپڑا پہنا دیا کرے۔"

تعلیق کے رجال

عبداللہ بن رجاء:

یہ عبداللہ بن رجاء الغُدانی رحمہ اللہ ہیں۔

واضح رہے کہ "عبداللہ بن رجاء" دو ہیں: ایک "عبداللہ بن رجاء بن عمر الغدانی البصری" اور دوسرے "عبداللہ بن رجاء المکی البصری"۔ اس تعلیق میں اول الذکر "عبداللہ بن رجاء" مراد ہیں، جیسا کہ اس کی تصریح حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے کی ہے (۱)۔

ان کا پورا نام "عبداللہ بن رجاء بن عمر" ہے، ان کو ابن المثنی الغُدانی، أبوعمر کہا جاتا ہے اور ایک قول "أبوعمر" کی بجائے "أبوعمرو" کا بھی ہے، یہ بصری تھے (۲)۔

یہ اسحاق بن یزید الکوفی، اسرائیل بن یونس، جریر بن ابواب البجلی، حارث بن بل البصری، حرب بن شداد، حرب بن میمون الأنصاری، حسن بن صالح بن حی، حماد بن سلمہ، ربعی بن عبداللہ بن الجارود، ربیعہ الکنانی، عمران بن داؤد القطان، محمد بن راشد المکحولی رحمہم اللہ اور دوسرے بہت سے شیوخ سے روایت نقل کرتے ہیں۔

اور ان سے نقل کرنے والوں میں بخاری، ابراہیم بن اسحاق الحربي، احمد بن أبي صلابہ، اسحق بن الحسن الحربي، اسماعیل بن عبداللہ الأصبهاني، سمویہ، أسید بن عاصم الأصبهاني، عبداللہ بن محمد بن سنان، عبداللہ بن محمد البراد رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں (۳)۔

ان کے بارے میں "ابن معین" فرماتے ہیں: "كان شيخاً صدوقاً، لابأس به" (٤).

---

(١) فتح الباري: ١/٦٠٥، عمدة القاري: ٤/٨٥

(٢) تهذيب الكمال: ١٤/٤٩٥–٥٠٠، تهذيب التهذيب: ٥/٣٠٩

(٣) تهذيب الكمال: ١٤/٤٩٥–٤٩٨، تهذيب التهذيب: ٥/٣٠٩، ٣١٠، سير أعلام النبلاء: ١٠/٣٧٦، ٣٧٧

(٤) تهذيب التهذيب: ٥/٢١٠، سير أعلام النبلاء: ١٠/٣٧٧

ہاشم بن مَرثد الطبر انی، یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ’’كثير التصحيف، وليس به بأس‘‘ (١).

’’عمرو بن علی‘‘ فرماتے ہیں: صدوق، كثير الغلط والتصحيف، ليس بحجة‘‘(٢).

’’ابوزرعہ‘‘ فرماتے ہیں: ’’حسن الحديث عن إسرائيل‘‘. (٣)

’’ابوحاتم‘‘ فرماتے ہیں: ’’كان ثقة رضيء‘‘ (٤).

’’ابن المدینی‘‘ فرماتے ہیں کہ اہل بصرة دو آدمیوں کی عدالت پر مجتمع ہیں، ایک: أبوعمر الحوضی، اور دوسرے: عبداللہ بن رجاء (٥)۔

امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ’’عبدالله بن رجاء المكي والبصري كلاهما ليس بهما بأس‘‘(٦).

’’ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں ’’کتاب الثقات‘‘ میں ذکر کیا ہے (٧)۔

ان کی وفات کے بارے میں ’’أبو القاسم اللا لكائي‘‘ نے ۲۱۹ دوسوانیس ہجری کا قول نقل کیا ہے۔

محمد بن عبداللہ الحضرمی ۲۲۰ دوسوبیس ہجری کے قائل ہیں۔

ان کے علاوہ خلیفہ بن خیاط اور ابن عساکر نے ذکر کیا ہے کہ یہ ۲۱۹ دوسوانیس ہجری میں ذوالحجہ کے مہینے میں فوت ہوئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دوسوبیس ہجری، محرم کے مہینے میں فوت ہوئے (٨)، ان کی روایات امام ابوداود، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے بھی نقل کی ہیں (٩)۔

---

(١) تهذيب الكمال: ١٤/ ٤٩٨، تهذيب التهذيب: ٥/ ٢١٠

(٢) الجرح والتعديل: ٥/ ٦٤، تهذيب الكمال: ١٤/ ٤٩٨

(٣) تهذيب التهذيب: ٥/ ٢١٠، سير أعلام النبلاء: ١٠/ ٣٧٧

(٤) الجرح والتعديل: ٥/ ٦٤، تهذيب الكمال: ١٤/ ٢٩٩

(٥) تهذيب الكمال: ١٤/ ٢٩٩، سير أعلام النبلاء: ١٠/ ٣٧٧

(٦) تهذيب الكمال: ١٤/ ٢٩٩، تهذيب التهذيب: ٥/ ٢١٠

(٧) كتاب الثقات لابن حبان: ٨/ ٣٤١، سير أعلام النبلاء: ١٠/ ٣٧٧

(٨) إكمال تهذيب الكمال: ٧/ ٣٤٦، تقريب التهذيب: ١/ ٤٩١

(٩) تهذيب الكمال: ١٤/ ٢٩٩

عمران

یہ أبوالعوام عمران بن داوَر العمی البصری القطان رحمہ اللہ ہیں (۱)۔

ان کے اساتذہ میں أبان بن أبي العیاش، بکر بن عبداللہ المزنی، حسن بصری، حسین بن عمران الجهنی، حمید الطویل، خالد بن أبي عبداللہ، سلیمان التیمی، قتادة، محمد بن جحادة، محمد بن سیرین، معمر بن راشد رحمہم اللہ اور ان کے علاوہ ایک جماعت ہے۔

اور ان کے شاگردوں میں أشعث بن أشعث السعدانی، حماد بن مسعدة، أبوقتیبة، سلم بن قتیبة، سہل بن تمام بن بزیع، عبداللہ بن رجاء الغدانی اور أبوداود الطیالسی رحمہم اللہ وغیرہ قابل ذکر ہیں (۲)۔

''عمرو بن علی'' فرماتے ہیں کہ ''عبدالرحمٰن بن مہدی'' عمران القطان سے روایت بیان کرتے تھے اور یحییٰ ان سے بیان نہیں کرتے تھے، پھر یحییٰ نے ایک دن ''عمران القطان'' کا ذکر کیا اور ان کی خوب تعریف بیان کی (۳)۔

''عبداللہ بن احمد بن حنبل'' اپنے والد ''احمد بن حنبل'' رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ''أرجوا أن يكون صالح الحديث'' (٤).

''أبوعبید الآجری'' فرماتے ہیں کہ میں نے ''أبوداود رحمہ اللہ'' کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''عمران العمی'' حسن (بصری) کے ساتھیوں میں سے ہے اور میں نے ان کے بارے میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں سنا (۵)۔

ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''وهو ممن يكتب حديثه'' (٦).

ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے (۷)۔

---

(۱) سير أعلام النبلاء: ۷/۲۸۰، تهذيب التهذيب: ۸/۱۳۰

(۲) تهذيب الكمال: ۲۲/۳۲۸، تهذيب التهذيب: ۸/۱۳۱

(۳) الجرح والتعديل: ٦/۳۸۱، سير أعلام النبلاء: ۷/۲۸۰

(٤) تهذيب الكمال: ۲۲/۳۲۸، الجرح والتعديل: ٦/۳۸۱

(۵) تهذيب الكمال: ۲۲/۳۲۹، تهذيب التهذيب: ۸/۱۳۲

(٦) سير أعلام النبلاء: ۷/۲۸۰، تهذيب التهذيب: ۸/۱۳۲

(۷) الثقات لابن حبان: ۷/۲٤۳

امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی روایات کو بطور تعلیق اور استشہاد ذکر کیا ہے اور "الأدب المفرد" میں ان سے روایت بھی ذکر کی ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ کے علاوہ بقیہ چاروں ائمہ نے ان سے روایت اپنی کتب میں ذکر کی ہیں (۱)۔

اس (تعدیل) کے علاوہ ان پر جرح بھی کی گئی ہے:

امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ضعيف" (٢).

یزید بن زریع رحمہ اللہ فرماتے ہیں "كان حروريا وكان يرىٰ السيف على أهل القبلة" کہ عمران القطان حروری تھے اور اہل قبلہ کے خلاف تلوار اٹھانے کو جائز سمجھتے تھے (۳)۔

ابن معین فرماتے ہیں: "ليس بالقوي".

ابن معین ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید ان سے روایت بیان نہیں کرتے تھے اور فرمایا "وليس هو بشيء" (٤).

أبوعبید الاجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے أبوداؤد رحمہ اللہ سے عمران القطان کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا کہ: "ضعيف" أفتىٰ في أيام إبراهيم ابن عبدالله بن حسن بفتوىٰ شديدة فيها سفك دماء" یعنی فرمایا: کہ وہ ضعیف راوی ہے، اس نے ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کے زمانے میں ایک سخت فتویٰ دیا تھا، جس میں خون بہانے کا ذکر کیا تھا (۵)۔

الغرض! "عمران القطان" کے بارے میں جرح وتعدیل ہر دو قسم کے اقوال موجود ہیں۔ اس بناء پر امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی روایات کو صرف تعلیقاً اور بطور استشہاد ذکر کیا ہے، مسنداً اور مستقلاً نہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ راوی میں ضعف اگرچہ ہے، لیکن اس درجہ کا ہے کہ اس کا تحمل کرتے ہوئے تعلیقات اور شواہد کے لیے قبول کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ "تحریر تقریب التہذیب" میں لکھا ہے۔

---

(١) تهذيب الكمال: ٢٢/٣٣٠، سير أعلام النبلاء: ٧/٢٨٠

(٢) الكاشف: ٢/٩٣، هدي الساري، ص: ٦٤٥، تهذيب الكمال: ٢٢/٢٣٠

(٣) تهذيب التهذيب: ٨/١٣٣، سير أعلام النبلاء: ٧/٢٨٠

(٤) الجرح والتعديل: ٦/٣٨١، تهذيب الكمال: ٢٢/٣٢٩

(٥) سير أعلام النبلاء: ٧/٢٨٠، تهذيب الكمال: ٢٢/٣٣٠

"بل: ضعيف يعتبر به المتابعات والشواهد، فقد ضعفه أبوداؤد، والنسائي، والعقيلي، وابن معين، في رواية الدوري وابن محرز، وقال في رواية عبدالله بن أحمد: "أرجوا أن يكون صالح الحديث"، وقال البخاري: "صدوق، يهم"، وقال الدار قطني: "كان كثير المخالفة والوهم، وقال ابن عدي: "وهو ممن يكتب حديثه" (يعني: "في المتابعات والشواهد") ووثقه العجلي، وذكره ابن حبان في الثقات(۱).

مذکورہ عبارت کا خلاصہ اور اقوال کی تفصیل اوپر ذکر کی جا چکی ہے۔

اور حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے ''تہذیب التہذیب'' میں لکھا ہے کہ ''ابن زریع کے قول "کان حروریا" میں مجھے تأمل ہے، وہ حروری نہیں تھے، اگر چہ کچھ میلان ان کا اس طرف ضرور تھا''۔

اور یہ بھی لکھا ہے کہ ''عقیلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''عمران القطان'' خوارج کی رائے کے حامی تو تھے، لیکن وہ اس کی طرف دعوت دینے والے نہیں تھے اور الساجی نے ان کو ''صدوق'' کہا ہے اور عفان نے ان کی توثیق کی ہے، عجلی نے ان کو ''ثقہ'' کہا ہے اور الحاکم نے بھی ان کو ''صدوق'' لکھا ہے(۲)۔

اس کے علاوہ حافظ صاحب رحمہ اللہ نے ''هدي الساري'' میں ان کے بارے میں "صاحب قتادة صدوق" کے الفاظ لکھے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں ان کی روایات کو بعض مقامات پر تعلیقاً نقل کیا ہے(۳)۔

''عمران القطان'' کی وفات ایک سو ساٹھ ۱۶۰ ہجری کے آگے پیچھے ہوئی(۴)۔

تعلیق کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ تعلیق اس لیے ذکر کی کہ وہ اس بات کی تصریح کرنا چاہ رہے ہے کہ محمد

(۱) تحرير تقريب التهذيب، رقم الترجمة: ٥١٥٤، ٣/١١٣، ١١٤

(۲) تهذيب التهذيب: ٨/١٣١، ١٣٢، سير أعلام النبلاء: ٧/٢٨٠

(۳) هدي الساري مقدمة فتح الباري، ص: ٦٤٥

(٤) تقريب التهذيب: ١/٧٥١، سير أعلام النبلاء: ٧/٢٨٠

ابن سیرین کا ام عطیہ سے حدیث بیان کرنا ثابت ہے اور اس خیال باطل کی تردید مقصود ہے کہ ''محمد بن سیرین'' کا سماع ان کی اپنی بہن ''حفصہ'' سے ہے اور ''حفصہ'' کا اُم عطیہ'' سے''(۱)۔

٢ - باب : عَقْدِ الْإِزَارِ عَلَى الْقَفَا فِي الصَّلَاةِ .

وَقَالَ أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ : صَلَّوْا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عَاقِدِي أُزْرِهِمْ عَلَى عَوَاتِقِهِمْ . [ر : ٣٥٥]

''یہ باب ہے نماز میں تہبند کو گردن پر باندھنے کے بارے میں۔

''الإزار'' کا مطلب

''ازار'' اس کپڑے کو کہا جاتا ہے، جس کے ذریعے ناف سے نیچے والے حصے کو چھپایا جاتا ہے، اس کا استعمال مذکر اور مؤنث دونوں طرح سے ہوتا ہے، اس کو ازار کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے پشت کو باندھا جاتا ہے، کیونکہ ازار کا لغوی معنی ''کمر'' ہی ہے(۲)۔

''القفا''

گردن کے پیچھے والے حصے کو ''قفا'' کہتے ہیں، اردو میں اسے ''گدی'' کہتے ہیں۔ ''قفا'' اسم مقصور ہے۔ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے(۳)۔

مذکورہ باب کی سابقہ باب سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ باب کی ماقبل کے باب اور مابعد کے پندرہ ابواب سے مناسبت ظاہر ہے کہ تمام ابواب لباس کے اُحکام کے بیان میں ہیں، سوائے پانچ ابواب کے جو ان پندرہ کے درمیان آرہے ہیں کہ ان سے مقصود لباس کے اُحکام کا بیان مقصود نہیں، ان پانچ ابواب کی ماقبل اور مابعد کے ابواب سے مناسبت ان کے مواقع پر بیان کی جائے گی۔ (وہ پانچ ابواب یہ ہیں: باب مایذکر في الفخذ، باب الصلاة

---

(١) التوضيح لابن ملقن: ٢٨١/٥، فتح الباري: ٦٠٥/١، عمدة القاري: ٨٤/٤، الكوثر الجاري: ٣٦/٢، ارشاد الساري: ١٢/٢

(٢) معجم الصحاح، ص: ٤٠، التوضيح: ٢٨٢/٥، الكوثر الجاري: ٣٦/٢

(٣) معجم الصحاح، ص: ٧٧٤، التوضيح: ٢٨٢/٥، الكوثر الجاري: ٣٦/٢

في المنبر والسطوح والخشب، باب الصلاة على الحصير، باب الصلاة على الخمره، باب الصلاة على الفراش)(۱)

تعلیق

وقال: أبو حازم عن سهل: صلّوا مع النبي صلى الله عليه وسلم عاقدي أزرهم على عواتقهم.

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس تعلیق کو متصلاً ومسنداً اس باب سے آگے تیسرے باب "باب إذا كان الثوب ضيقا" میں ذکر کیا ہے۔

تراجم رجال

"أبو حازم"

یہ "سلمة بن دينار الأعرج الزاهد المدني" رحمه الله ہیں، ان کے حالات کشف الباری، کتاب الوضوء، باب "غسل المرأة أباها الدام عن وجهه" میں گذر چکے ہیں (۲)۔

"سهل"

یہ "ابن سعد الساعدي أبو العباس الأنصاري الخزرجي". ہیں، ان کا نام "حزن" تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر "سہل" رکھ دیا تھا۔ یہ اکانوے ہجری ۹۱ میں فوت ہوئے، آپ مدینہ میں آخری صحابی تھے وفات کے اعتبار سے۔

ان کے حالات بھی کشف الباری کتاب الوضوء باب "غسل المرأة أبا ها الدم عن وجهه" میں گذر چکے ہیں (۳)۔

---

(۱) عمدة القاري: ٨٤/٤

(۲) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب غسل المراة أباها الدم عن وجهه

(۳) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب غسل المراة أباها الدم عن وجهه

تعلیق کا مقصد

مذکورہ روایت آگے مستقلاً ایک الگ باب کے تحت آرہی ہے، اس کے باوجود اس روایت کے ایک جزو کو بطورِ تعلیق ذکر کرنے کا مقصد مذکورہ ترجمۃ الباب ہے کہ اس ترجمہ کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ سترِ عورت کا حکم تاکیداً سامنے آجائے، اسی کی تائید کے لیے یہ تعلیق ذکر کی۔ اس سے سترِ عورت کی تاکید اس طرح ہے کہ جب اپنے ازار کو اپنی گردن پر باندھ لے گا، تو رکوع کے وقت اس کے اعضائے مستورہ ظاہر نہیں ہوں گے(۱)۔

لغوی ونحوی تحقیق

صلّوا

یہ فعل ماضی ہے، اس کا فاعل ضمیر جمع ہے "عاقدین" کی "أزرهم" کی طرف اضافت کی وجہ سے "نون" ساقط ہوگیا، یہ جملہ حال ہے، "صلّوا" کی ضمیر سے۔ کشمیہنی کی روایت میں "عاقدوا أزرهم" ہے، جو راجع ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف (۲)۔

عاقدي أزرهم

یہ اصل میں "عاقدین أزرهم" تھا، اس صورت میں یہ جملہ خبر بنے گا، مبتداء محذوف کی، یعنی: "صلّوا وهم عاقدوا أزرهم" (۳)۔

أُزْرهم

ہمزہ کی ضمہ کے ساتھ اور "ز" کے سکون کے ساتھ، یہ جمع ہے "ازار" کی۔ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے (۴)۔

---

(۱) عمدة القاري: ٤/٨٥

(۲) فتح الباري: ١/٦٠٦، عمدة القاري: ٤/٨٥، إرشاد الساري: ٢/١٣

(۳) فتح الباري: ١/٦٠٦، عمدة القاري: ٤/٨٥، إرشاد الساري: ٢/١٣

(٤) عمدة القاري: ٤/٨٥، إرشاد الساري: ٢/١٣

عواتق

عواتق جمع ہے عاتق کی، کندھوں پر چادر رکھنے کی جگہ کو عاتق کہتے ہیں، مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے(۱)۔

تشریح

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نماز کے وقت استعمال کیے جانے والے کپڑے کے ساتھ اس طرح کرتے کہ اپنے کندھوں پر گردن کے پیچھے اپنی چادر کو گرہ لگا لیتے تھے اور وہ ایسا اس لیے کرتے تھے کہ ان کا ستر رکوع اور سجدے کے وقت چھپا رہے، کیونکہ ان کے پاس شلواریں نہیں ہوتی تھیں اور یہ صحابہ کی جماعت اہلِ صفہ کی تھی جیسا کہ "باب نوم الرجال في المسجد" میں آرہا ہے(۲)۔

حدیث الباب (پہلی حدیث)

٣٤٦/٣٤٥ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ : حَدَّثنا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ : حَدَّثَنِي وَاقِدُ ٱبْنُ مُحَمَّدٍ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ ٱلْمُنْكَدِرِ[۳] قَالَ : صَلَّى جَابِرٌ فِي إِزَارٍ قَدْ عَقَدَهُ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ ، وَثِيَابُهُ مَوْضُوعَةٌ عَلَى ٱلْمِشْجَبِ ، قَالَ لَهُ قَائِلٌ : تُصَلِّي فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ ؟ فَقَالَ : إِنَّمَا صَنَعْتُ ذٰلِكَ ، لِيَرَانِي أَحْمَقُ مِثْلُكَ ، وَأَيُّنَا كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ عَلَى عَهْدِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ ؟

ترجمہ:

"حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک دن ایسے تہبند میں نماز پڑھ رہے تھے، جسے انہوں نے پشت پر باندھا ہوا تھا، اس حال میں کہ ان کے کپڑے ایک لکڑی کے اسٹینڈ پر رکھے ہوئے تھے، ایک کہنے والے نے ان سے

---

(١) عمدة القاري: ٨٥/٤، تحفة الباري: ٢٨٥/١، إرشاد الساري: ١٣/٢

(٢) فتح الباري: ٦٠٦/١

(٣) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب إذا كان الثوب ضيقاً، رقم الحديث: ٣٦١، الصلاة بغير رداء، رقم الحديث: ٣٧٠

وفي صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الرخصة في الصلاة في الثوب الواحد، رقم الحديث: =

کہا کہ آپ ایک ہی کپڑے میں نماز ادا فرما رہے ہیں، (حالانکہ آپ کے پاس زائد کپڑے بھی موجود ہیں) تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس کو جواب دیا کہ میں نے ایسا اس لیے کیا کہ تمہارے جیسے بیوقوف مجھ کو دیکھ لیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم میں سے کس کے پاس دو کپڑے ہوتے تھے؟"

تراجم رجال

أحمد بن يونس:

یہ "احمد بن عبداللہ بن یونس بن عبداللہ بن قیس تمیمی یربوعی الکوفی رحمہ اللہ" ہیں، ان کا تعارف کشف الباری جلد دوم میں گذر چکا ہے (۱)۔

عاصم بن محمد

یہ "عاصم بن محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب العمری المدنی رحمہ اللہ" ہیں۔ ان کے بھائیوں میں ابوبکر، عمر، زید اور واقد ہیں (۲)۔

یہ اپنے بھائی زید بن محمد بن زید، عمر بن محمد بن زید، واقد بن محمد بن زید، اور اپنے والد محمد بن زید، اور عبداللہ بن سعید، اور ابوسعید المقبری، قاسم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر، مثنیٰ بن یزید، محمد بن کعب القرظی اور محمد بن المنکدر رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الفزاری، احمد بن عبداللہ بن یونس،

= ٥١٨، وفي كتاب صلاة المسافرين، باب الدعا في صلاة الليل، رقم الحديث: ٧٦٦

وفي أبي داود، كتاب الصلاة، باب الرجل يصلي في قميص واحد، رقم الحديث: ٦٣٣، وفي باب إذا كان الثوب ضيقاً تيزر به، رقم الحديث: ٦٣٤

وفي جامع الأصول، الكتاب الاول في الصلاة، الباب الاول، الفصل السادس، النوع الثاني في الثوب الواحد، رقم الحديث: ٣٦٣٦، ٥/٤٥٤

(١) كشف الباري، كتاب الإيمان، باب من قال إن الإيمان هو العمل، رقم الحديث: ٢٦، ٢/١٥٩

(٢) الكاشف: ١/٥٢٠، الجرح والتعديل: ٦/٤٥٧

اسحاق بن منصور بن حیان الاسدی، اسحاق بن یوسف الازرق، اسماعیل بن أبي أویس، بشر بن عمر الزہرانی، عبداللہ بن رجاء الغدانی۔ قبیصہ بن عقبہ، أبوالولید ہشام بن عبدالملک الطیاسی، وکیع بن الجراح، یزید بن ھارون اور یعقوب بن ابراھیم بن سعد رحمہم اللہ اوران کے علاوہ ایک جماعت شامل ہے(۱)۔

ان کے بارے میں ابن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ثقة'' (۲)

أبوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لا بأس به'' (۳)

امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لیس به بأس'' (٤).

ابوزرعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''صدوق الحدیث'' (٥).

بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''صالح الحدیث'' (٦).

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے(۷)۔

علامہ ذھبی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''صدوق''(۸)۔

واحد بن محمد

یہ واقد بن محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب العدوی المدنی رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے حالات کشف الباری، کتاب الایمان، باب الحیاء من الایمان میں گذر چکے ہیں(۹)۔

---

(١) تهذيب الكمال: ١٣/٥٤٢، ٥٤٣، تهذيب التهذيب: ٥/٥٧

(٢) الجرح والتعديل: ٦/٤٥٧

(٣) تهذيب الكمال: ١٣/٥٤٣

(٤) تهذيب التهذيب: ٥/٥٧

(٥) تهذيب التهذيب: ٥/٥٧

(٦) تهذيب الكمال: ١٣/٥٤٣، تهذيب التهذيب: ٥/٥٧

(٧) كتاب الثقات لابن حبان: ٧/٢٥٦

(٨) الكاشف: ١/٥٢١

(٩) كشف الباري، كتاب الإيمان، باب الحياء من الايمان: ٢/١٥٣

محمد بن المنکدر

یہ ''محمد بن المنکدر بن عبداللہ بن الہدیر بن عبدالعزی بن عامر المدنی رحمہ اللہ'' ہیں۔

ان کا تعارف کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: "صب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضوئہ" میں گذر چکا ہے(۱)۔

جابر

یہ ''جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام الانصاری رحمہ اللہ'' ہیں۔

ان کے حالات کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: "من لم یر الوضوء إلا من المخرجین من القبل والدبر" میں گذر چکے ہیں۔

شرح حدیث

قبل قفاہ

قِبل قفاہ، ''ق'' کی زیر اور ''ب'' کی زبر کے ساتھ ہے، اس سے مراد ''جہت'' ہے یعنی: گردن کی طرف(۲)۔

"مِشْجَبْ" سے کیا مراد ہے؟

تین لکڑیاں اس طرح کھڑی کی جائیں کہ ان کے اوپر والے سرے آپس میں بندے ہوئے ہوں اور نیچے والے سرے پھیلے ہوئے ہوں تو لکڑیوں کی اس صورت کو "مِشْجَبْ" کہتے ہیں۔

وضوء، غسل وغیرہ کے وقت اس پر کپڑے رکھ دیے جاتے ہیں اور پانی ٹھنڈا کرنے کے لیے اس پر مشکیزے اور ڈول وغیرہ بھی لٹکا دیے جاتے ہیں(۳)۔

---

(۱) کشف الباري، کتاب الوضوء، باب صب النبي صلی اللہ علیہ وسلم وضوءہ

(۲) کشف الباري، کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء إلا من المخرجین من القبل والدبر

(۳) فتح الباري: ۱/۶۰۶، إرشاد الساري: ۲/۱۳، تحفة الباري: ۱/۲۸۵

(٤) النهاية لابن الأثير: ۱/۸٤۳، معجم الصحاح، ص: ۵۳٤، فتح الباري: ۱/۶۰۶، عمدة القاري: ٤/۱۶، =

ابن بطال رحمہ اللہ نے اس کا مطلب مطلقاً اس لکڑی سے بیان کیا ہے جیسے دیوار میں گاڑھ دیا جائے اوراس پر کپڑے لٹکائے جائیں(۱)۔

اورعلامہ محمد انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ ''تپائی'' سے کیا ہے(۲)۔

"قال له قائل" کا مصداق

''ایک کہنے والے نے کہا'' اب یہ کہنے والا کون شخص تھا؟ اس بارے میں صحیح مسلم کی روایت میں صراحت موجود ہے کہ یہ قائل، ''عبادة بن الولید بن عبادة بن الصامت رحمہ اللہ'' تھے(۳)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

> اس باب کے بعد کچھ ہی بعد آرہا ہے کہ حضرت سعید بن الحارث نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا اور قریب ہی باب "الصلاة بغير رداء" میں ''ابن المنکدر'' کے طریق سے ایک روایت ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کرنے والے ''ابن المنکدر'' تھے۔
>
> سوال کرنے والے مختلف رواۃ کا ہونا کوئی قابل اشکال بات نہیں ہے، یہ ممکن ہے کہ متعدد افراد نے سوال کیا ہے اور مختلف مواقع یا مختلف مجالس میں یہ سوال کیا ہو(۴)۔

تصلّي في إزار واحد؟

حدیث پاک کے اس جملہ سے پہلے ہمزہ استفہام محذوف ہے کہ اصل میں عبادت ''أتصلّي في إزار واحد؟" ہے(۵)۔

= إرشاد الساري: ٢/١٣، تحفة الباري: ١/٢٨٥

(١) شرح ابن بطال: ٢/١٤، معجم الصحاح، ص: ٥٣٤، المعجم الوسيط، ص: ٤٧٢

(٢) أنوار الباري: ١١/٩٨، باب عقد الإزار على في الصلاة

(٣) صحيح مسلم، كتاب الزهد، باب حديث جابر الطويل، رقم الحديث: ٣٠٠٨

(٤) الكنز المتواري، باب عقد الإزار على القفا في الصلاة: ٤/١٩، ٢٠، فتح الباري: ١/٦٠٦

(٥) عمدة القاري: ٤/٨٦، تحفة الباري: ١/٢٨٥، إرشاد الساري: ٢/١٣، شرح الكرماني: ٤/١٣

ليراني أحمق مثلك

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہاں میں نے ایسا اس لیے کیا کہ "تم جیسے جاہل اور بے وقوف مجھے ایسا کرتے ہوئے دیکھ لیں"۔

"اُحمق" فاعل ہے "یرانی" کا۔ اس کا معنیٰ "جاہل" کے ہیں۔ یہ "حُمق" (بضم الحاء وسكون المهم) سے صفت مشبہۃ کا صیغہ ہے اور "حُمق" سے مراد "عقل کا کم ہونا" ہے(۱)۔

علامہ ابن الأثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"حقيقة المحمق وضع الشي في غير موضعه مع العلم بقبحه".

مفہوم یہ ہے کہ "حمق کی حقیقت کسی چیز کو اس کی وضع کردہ جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ رکھنا ہے، اس کی قباحت کو جاننے کے باوجود"۔ اس کو حماقت سے تعبیر کیا جاتا ہے(۲)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس جواب کہ "لیرانی" میں "لام" تعلیل اور غرض کے لیے ہے۔

اب محض کسی کا دیکھنا غرض کیسے بن سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ غرض یہ بن سکتی ہے کہ گویا انہوں نے یہ کہا کہ "میں نے ایسا اس لیے کیا کہ کوئی جاہل مجھے ایسا کرتے ہوئے دیکھے اور اپنی جہالت کی وجہ سے مجھ پر اعتراض کرے، پھر میں اس کے سامنے اس فعل کا جواز ظاہر کروں"(۳)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

> حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول "مثلك" کا مطلب یہ ہے کہ تیرے جیسا وہ شخص جس کو واجبات، سنن اور استحبات کے درمیان تمیز نہ ہو مجھے دیکھ لے(۴)۔
>
> اور فرمایا کہ اس جواب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے گویا یہ فرمایا کہ: "میں نے یہ فعل جان بوجھ کر کیا ہے تاکہ اس کا جائز ہونا معلوم ہو جائے، یا تو اس طرح کہ جاہل

---

(۱) عمدة القاري: ٤/٨٦، معجم الصحاح، ص: ٢٦٣، شرح الكرماني: ٤/١٣

(۲) النهاية في غريب الحديث والأثر لابن الأثير: ١/٤٣٣

(۳) عمدة القاري: ٤/٨٦، تحفة الباري: ١/٢٨٥، إرشاد الساري: ٢/١٣

(٤) الكنز المتواري: ٤/١٩

لوگ ابتداءً ہی (ایسی حالت میں) میری اقتداء کریں (یعنی بوقت ضرورت اس طرح نماز پڑھ لیا کریں)۔ یا اس طرح کہ مجھے ایسا کرتے دیکھ کر مجھ پر اعتراض کریں اور میں ان کو اس فعل کے جائز ہونے کا بتاؤں (۱)۔

کسی کو احمق کہنے کا حکم؟

علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایسا شخص جس کو بنیادی ضروری سنتوں کا بھی علم نہ ہو تو اس کی اس کمی کی وجہ سے اُس کو تنبیہ کرنے کے واسطے کوئی عالم دین احمق یا جاہل کہے تو اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس شخص کی طرف حماقت کی نسبت کرنے کی وجہ یہی تھی کہ اس نے اپنی کم علمی کی وجہ سے ان پر اعتراض کیا تھا (۲)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے کلام میں سختی اس لیے پیدا کی کہ کم علم لوگوں کو علماء پر اعتراض کرنے سے باز رکھا جائے اور امور شرعیہ کے بارے میں بحث وتکرار سے بچا جائے (۳)۔

أيُّنا كان له ثوبان على عهد النبي صلى الله عليه وسلم

"أيّ" کی اضافت ہے "نا" ضمیر کی طرف۔ یہ استفہام ہے، لیکن یہ نفی کا فائدہ دے رہا ہے کہ ہمارے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو دو کپڑے نہیں ہوتے تھے، بلکہ ایک کپڑا ہوتا تھا اور وہ بھی کبھی چھوٹا اور کبھی بڑا۔ الغرض ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک ہی کپڑے میں نماز ادا فرما لیتے تھے۔

نیز! اس جملے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا مقصود اپنے فعل کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک سند بیان کرنا بھی ہے (۴)۔

---

(١) الكنز المتواري: ٤/٢٠

(٢) عمدة القاري: ٤/٨٦، ٨٧، شرح الكرماني: ٤/١٣، شرح ابن بطال: ٢/١٤، فتح الباري: ١/٦٠٦

(٣) الكنز المتواري: ٤/٢٠

(٤) شرح الكرماني: ٤/١٣، عمدة القاري: ٤/٨٦، إرشاد الساري: ٢/١٣

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک کپڑے میں نماز ادافرمارہے تھے اور اس کپڑے کو انہوں نے اپنی گردن کے پیچھے باندھ رکھا تھا(۱)۔

حدیث الباب (دوسری حدیث)

(٣٤٦) : حدّثنا مُطَرِّفٌ أَبو مُصْعَبٍ قَالَ : حَدَّثنا عَبْدُ ٱلرَّحْمٰنِ بْنُ أَبي ٱلْمَوَالِي ، عَنْ مُحَمَّدِ ٱبْنِ ٱلْمُنْكَدِرِ(۲) قَالَ : رَأَيْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ ٱللهِ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ ، وَقَالَ : رَأَيْتُ ٱلنَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ . [٣٦٣]

ترجمہ:

”حضرت محمد بن المنکدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے“۔

تراجم الرجال:

مُطَرِّف أبو مُصْعَب

یہ ”مطرف بن عبداللہ بن مطرف بن سلیمان بن یاسر الیساری الھلالی رحمہ اللہ“ ہیں۔

---

(١) عمدة القاري: ٨٦/٤

(٢) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب إذا كان الثوب ضيقاً، رقم الحديث: ٣٦١، وفي باب الصلاة بغير رداء، رقم الحديث: ٣٧٠

وأخرجه مسلم في كتاب الصلاة، باب الرخصة في الصلاة في الثوب الواحد، رقم الحديث: ٥١٨، وكتاب الصلاة المسافرين، باب الدعاء في صلاة الليل، رقم الحديث: ٧٦٦

وأخرجه أبوداود، كتاب الصلاة، باب الرجل يصلي في قميص واحد، رقم الحديث: ٦٣٣، في باب إذا كان الثوب ضيقا يتزر به، رقم الحديث: ٦٣٤

وفي جامع الأصول، كتاب الصلاة، باب في الثوب الواحد، رقم الحديث: ٣٦٣٦، ٤٥٤/٥

ان کی کنیت "أبو مصعب المدني" ہے، یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے غلام اور حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ کے بھانجے ہیں (۱)۔

ان کی پیدائش ایک سو سینتیس ہجری ۱۳۷ھ میں ہوئی (۲)۔

ابن شیرازی اور ابن عدی کا کہنا ہے کہ "مطرف" لقب ہے، نام نہیں، لیکن ابن عدی نے ان کا نام ذکر نہیں کیا (۳)۔

یہ أسامہ بن زید بن اسلم، زبیر بن سعید الہاشمی، عبداللہ بن زید بن اسلم، عبداللہ بن سلیمان الأسلمی، عبداللہ بن عمر العمری، عبدالرحمٰن بن أبي الموال، عبدالعزیز محمد الدراوردی اور مالک بن انس رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں بخاری، ابراہیم بن سعد بن الزہری أخو عبیداللہ بن سعد، ابراہیم بن المنذر الحزامی، أحمد بن خلید الحلبی، أحمد بن داؤد بن أبي صالح الحرانی، ابویحییٰ عبداللہ بن أحمد بن الحارث بن أبي مسرّی المکی، أبوزرعۃ عبدالرحمٰن بن عمرو الدمشقی، اور أبوسبرۃ بن محمد بن عبدالرحمان القرشی المدنی رحمہم اللہ شامل ہیں (۴)۔

ان کے بارے میں عبدالرحمٰن بن أبي حاتم فرماتے ہیں کہ میرے باپ أبوحاتم سے "مطرف بن عبداللہ" کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے جواب دیا: "مضطرب الحديث، صدوق".

عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب سے پوچھا کہ آپ کو "مطرف بن عبداللہ" اور "اسماعیل بن أبي أویس" میں سے کون زیادہ محبوب ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ "مطرف" (۵)۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "هو من كبار الفقها" (٦).

---

(١) الكاشف: ٢/٢٦٩، كتاب التاريخ الكبير: ٧/٤٩٧، تهذيب الكمال: ٢٧/٧٠

(٢) الثقات لابن حبان: ٩/١٨٣، تهذيب الكمال: ٢٧/٧٣

(٣) الكامل لابن عدي: ٦/٣٧٨

(٤) تهذيب الكمال: ٢٨/٧١، ٧٢، تهذيب التهذيب: ١/١٧٥

(٥) تهذيب الكمال: ٢٨/٧٢، الجرح والتعديل: ٨/٣٦٢

(٦) ميزان الاعتدال: ٦/٤٤٣

ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وكان ثقةً وكان به صمم'' (۱).

دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ثقة"(۲).

ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''يأتي بمناكير''.

پھر ''ابن عدی'' نے وہ روایات ذکر کی ہیں:

"حدثنا أحمد بن داؤد بن أبي صالح، حدثنا أبو مصعب مطرف، حدثني ابن أبي ذئب، عن هشام بن عروة، عن محمد بن علي، عن أبي عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ثلاث من كن فيه، آواه الله في كنفه ونشر عليه رحمته، وأدخله جنته أوقال "في محبته"، قالوا: من ذا يارسول الله! قال: مَن اذا أعطي شكر، وإذا قدر غفر، وإذا غضب فقر".

وحدثنا ابن أبي صالح، حدثنا أبو مصعب، حدثنا مالك عن نافع، عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لكل أمر مفتاح، ومفتاح الجنة حب المساكين والفقراء الصُّبُرو هم جلساء الله يوم القيامة".

وبه: حدثني مالك، عن يحيىٰ بن سعيد، عن عروة، عن عائشة، مرفوعاً: "وجبت محبة الله على من أُغضِبَ فحلم"(۳).

ابن عدی رحمہ اللہ کے اس کلام پر نقد کرتے ہوئے علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ تمام روایات جن کی وجہ سے ''مطرف'' پر جرح کی گئی ہے، یہ سب ''اباطیل'' ہیں، ''مطرف'' ان کی وجہ سے الزام سے بری ہے۔ ان روایات میں پہلی روایت کا بوجھ ''أحمد بن داؤد'' پر ہے، ناجانے یہ امر ''ابن عدی'' پر کیسے مخفی ہوگیا؟

ابن عدی کے اس کلام کی ''دارالقطنی'' نے بھی تکذیب کی ہے اور دوسری

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد: ٤٣٨/٥

(۲) تهذيب التهذيب: ۱۷۷/۱۰

(۳) الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: ٣٧٧/٦، ٣٧٨

روایات کا بوجھ ''ابن حبیب'' پر ہے، جس نے ان روایات کو نقل کیا ہے اگر یہ روایات ان کے تراجم میں ذکر کی جاتی تو زیادہ بہتر ہوتا(۱)۔

اس کے علاوہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن عدی کے کلام کو رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

"هو ثقة، لم يُصِبْ ابن عدي في تضعيفه، هو من كبار العاشرة"(٢).

نیز! ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے (۳)۔

ابوبکر الشافعی، عیسیٰ بن موسیٰ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں "كان شيخاً بالمدينة أُطْرُوش "(٤).

یہ ۲۲۰ھ میں فوت ہوئے، ایک قول ۲۱۴ھ میں وفات کا بھی ہے (۵)۔

عبدالرحمن بن أبي الموال

یہ ''عبدالرحمٰن بن ابي اخوال المدنی ہے، ان کا نام ''زید'' ہے۔

حضرت علی بن ابي طالب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ان کے والد "أبي الموال" کو "أبي الموالي" بھی کہا جاتا ہے(۶)۔

یہ جن شیوخ سے روایت کرتے ہیں، ان میں ابراہیم بن سریج الأنصاری مولیٰ ابن زرارۃ، ایوب بن الحسن بن علی بن ابي رافع، الحسن بن علی بن محمد بن علی بن أبي طالب المعروف جده بابن الحنفية، الحسن بن علی بن الحسین بن علی بن ابي طالب، شیبۃ بن نصاح المقری، عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابي طالب، عبدالرحمٰن بن ابي عمرۃ الأنصاری، محمد بن کعب القرظی، محمد بن مسلم بن شھاب الزھری، محمد بن المنکدر، محمد بن الموسیٰ الفطری

(١) ميزان الاعتدال: ٦/٤٤٣

(٢) تقريب التهذيب: ٢/١٨٨، ١٨٩، هدي الساري: ١/٦٢٥

(٣) الثقات لابن حبان: ٩/١٨٣

(٤) تهذيب الكمال: ٢٨/٧٢، تهذيب التهذيب: ١/١٧٥

(٥) الثقات لابن حبان: ٩/١٨٣، إكمال تهذيب الكمال: ١١/٢٣١

(٦) الكاشف: ١/٦٤٦، تقريب التهذيب: ١/٥٩٣، الجرح والتعديل: ٥/٣٥٥

اور موسیٰ بن ابراہیم بن ابی ربیعہ المخزومی رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اوران کے تلامذہ میں مطرف بن عبداللہ الیساری المدنی أبومصعب، اسحاق بن ابراہیم الحنینی، اسحاق بن الطباع، خالد بن مخلد القطوانی، زیادہ بن یونس، زید بن الحباب، سفیان الثوری وھومن أقرانہ، عبداللہ بن مبارک، عبداللہ بن وھب، محمد بن عمر الواقدی، یحییٰ بن یحییٰ النیسابوری، ابوسعید مولیٰ بنی ہاشم اور أبوعامر العقدی رحمہم اللہ شامل ہیں(۱)۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: "لا بأس به"(۲).

ابن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "صالح" (۳).

امام ترمذی اور امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ثقة"(٤).

ابوزرعۃ فرماتے ہیں: "لا بأس به، صدوق" (٥).

ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لا بأس به، وهو أحب إلي من أبي معشر" (٦).

عبدالرحمن بن یوسف بن خراش رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "صدوق"(۷).

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے(۸)۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ثقة مشهور"(۹).

قتیبہ فرماتے ہیں کہ یہ ۱۷۳ ہجری میں فوت ہوئے(۱۰)۔

(١) تهذيب التهذيب: ٢٨٣/٦، تهذيب الكمال: ٤٤٦/١٧، ٤٤٧

(٢) تهذيب الكمال: ٤٤٨/١٧، الجرح والتعديل: ٣٥٥/٥

(٣) تهذيب الكمال: ٤٤٨/١٧، الجرح والتعديل: ٣٥٥/٥

(٤) تهذيب التهذيب: ٢٨٣/٦، تهذيب الكمال: ٤٤٨/١٧

(٥) تهذيب الكمال: ٤٤٨/١٧، تهذيب التهذيب: ٢٨٣/٦

(٦) الجرح والتعديل: ٣٥٥/٥، تهذيب التهذيب: ٢٨٣/٦

(٧) تهذيب الكمال: ٤٤٨/١٧، تهذيب التهذيب: ٢٨٣/٦

(٨) الثقات لابن حبان: ٩١/٥، طبقات ابن سعد: ٤١٥/٥

(٩) ميزان الاعتدال: ٥٩٣/٢، الكاشف: ٦٤٦/١

(١٠) الكاشف: ٦٤٦/١، تهذيب التهذيب: ٢٨٣/٦، تقريب التهذيب: ٥٩٣/١

مذکورہ راوی پر کلام

ابوطالب امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ "عبدالرحمن بن أبي الموالي" حدیثِ منکر روایت کرتے ہیں، جیسا کہ وہ استخارہ کی حدیث ابن المنکدر رسے روایت کرتے ہیں اور ابن المنکدر ر حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں اور حدیثِ استخارہ ان کے علاوہ اور کسی نے روایت نہیں کی۔

اور حافظ صاحب نے تقریب التہذیب میں ان کے بارے میں "صدوق، ربما أخطا" کے الفاظ ذکر کیے ہیں (۱)۔

جرح کا رد

"عبدالرحمن بن أبي الموالي" کی توثیق پر محدثین کی ایک بڑی جماعت (ابن معین، ترمذی، نسائی، ابوداود، أبوشاہین، ابن عدی، أحمد، أبوزرعۃ، أبوحاتم، اور ابن خراش) کے اجتماع کے بعد مذکورہ جرح کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔

بایں طور کہ ان سے مروی حدیث استخارہ صرف انہی سے نہیں، بلکہ ان کے علاوہ اور صحابہ سے بھی مروی ہے، جیسا کہ ابن عدی نے یہ بات واضح کی ہے کہ "قد روى حديث الإستخار غير واحد من الصحابة". لہٰذا اس حدیث کی وجہ سے "صدوق، ربما أخطا" کہنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا" (۲)۔

محمد بن المنكدر

یہ "محمد بن المنکدر ربن عبداللہ المدنی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کا تعارف، کشف الباری، کتاب الوضوء، باب "صب النبی صلی اللہ علیه وسلم وضوء ه" میں گذر چکے ہیں (۳)۔

(۱) تهذيب التهذيب: ٦/٢٨٣، تقريب التهذيب: ١/٥٩٣

(۲) ميزان الاعتدال: ٢/٥٩٣، هدي الساري، ص: ٣٩٣، المغني في الضعفاء: ١/٦١٤، تهذيب التهذيب: ٦/٢٨٣، تحرير تقريب التهذيب: ٢/٣٥١

(۳) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب صب النبي صلى الله عليه وسلم وضوء ه

جابر بن عبداللہ

یہ "جابر بن عبداللہ بن الحرام الأنصاری رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے حالات، کشف الباری، کتاب الوضوء، باب "من لم یر الوضوء إلا من المخرجین من القبل والدبر" میں گذر چکے ہیں(۱)۔

روایت سے مقصود

یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا دوسرا طریق ہے۔ اس روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے فعل کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے کہ ایک کپڑے میں نماز ادا کرنے کا فعل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی صادر ہوا ہے۔ سابقہ حدیث میں بھی اگر چہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس فعل کی سند نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، لیکن اس طریق کا انداز بنسبت سابقہ حدیث کے زیادہ اوقع في النفس تھا، اس لیے اسے بھی ذکر کر دیا گیا(۲)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ اس روایت کی ترجمۃ الباب سے کیسے مناسبت قائم ہوگی؟ کیونکہ ترجمۃ الباب "عقد الإزار علی القفا في الصلاۃ" ہے اور روایت میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ تو میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ مطابقت یا تو اس طرح ہوگی کہ اس روایت کو سابقہ روایت کا ٹکڑا قرار دیا جائے، یا یہ کہا جائے کہ یہ روایت غلبہ کے اعتبار سے ترجمۃ پر دلالت کرتی ہے، وہ اس طرح کہ ایک کپڑا ہونے کی صورت میں اگر گردن یا پشت پر اس کی گرہ لگا کر مضبوط نہ کیا جائے تو اکثر سترِ عورت ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا غلبہ کی صورت کا اعتبار کرنے سے مطابقت پیدا ہو جاتی ہے(۳)۔

---

(۱) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين من القبل والدبر

(۲) فتح الباري: ۱/۶۰۶، عمدة القاري: ٤/٨٦، إرشاد الساري: ٢/١٤

(۳) شرح الكرماني: ٤/١٤

علامہ کرمانی رحمہ اللہ پر حافظ صاحب رحمہ اللہ کا رد

حافظ ابن حجر صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''یہ معاملہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ پر واضح نہیں ہوسکا، وہ اس طرح کہ اگر علامہ صاحب اس روایت کے الفاظ پر غور کر لیتے اور اس باب کے بعد آنے والے آٹھویں باب ''الصلاة بغیر رداء'' کی روایت پر غور کر لیتے تو علامہ صاحب نے جو احتمالی جواب دیا ہے اس کی ضرورت نہ رہتی، لہٰذا یہ روایت سابقہ روایت کا جز نہیں، بلکہ آنے والی روایت (باب الصلاة بغیر رداء) کا جز ہے۔

نیز علامہ صاحب کا دوسرا جواب ''کہ غلبہ کا اعتبار کر لیا جائے'' بھی ٹھیک نہیں، اس لیے کہ جب روایت آنے والی روایت کا جز قرار پائے گی تو اس روایت کے الفاظ ''وهو يصلي في ثوب ملتحفاً به'' ہیں، چنانچہ وہ قصہ دوسرا ہے، جو کہ اس حالت کا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کپڑا کشادہ تھا اور آپ علیہ السلام نے اس کپڑے کو اپنے گرد لپیٹا تھا۔ جبکہ پہلی روایت اس بارے میں ہے کہ کپڑا چھوٹا اور تنگ ہوتا تھا، جس کی بناء پر گردن یا پشت پر اس کپڑے کی گرہ لگائی جاتی تھی'' (۱)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کا حافظ صاحب رحمہ اللہ پر رد

علامہ عینی رحمہ اللہ مذکورہ روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بیان کرتے ہوئے، علامہ کرمانی اور حافظ ابن حجر صاحب رحمہ اللہ کا کلام نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

یہ روایت نہ تو سابقہ روایت کا جز ہے اور نہ ہی آگے آٹھ ابواب کے بعد آنے والی روایت کا جز ہے، بلکہ ان تمام روایات میں سے ہر روایت مستقلاً الگ حدیث ہے (۲)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱۰۷/٦

(۲) عمدة القاري: ٤/۸۷

۳ - باب : اَلصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ مُلْتَحِفًا بِهِ .

یہ باب ہے اس شخص کی نماز (صحیح ہونے) کے بیان میں، جو ایک کپڑے میں نماز پڑھے، اس حال میں کہ وہ کپڑا اس کے جسم پر لپٹا ہوا ہو۔

"التحاف" کی تشریح

ترجمۃ الباب میں "ملتحفاً به" کا لفظ ہے، التحاف کے معنیٰ بدن پر کپڑا لپیٹنے کے ہیں، "التحاف" کے مراد و مصداق پر تفصیل، باب "وجوب الصلاة في الثياب" کے جز "من صلى ملتحفاً في ثوب واحد" کی تشریح میں گذر چکی ہے(۱)۔

ترجمۃ الباب کی سابقہ باب سے مناسبت

سابقہ باب نماز کے دوران صرف ایک کپڑے کے پہننے پر انحصار کرنے کے بارے میں تھا کہ جب کپڑا تنگ یا چھوٹا ہو تو اسے پہن کر نماز پڑھنے کی کیا صورت ہوگی۔ اب یہ باب ذکر کرنے سے مقصود ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھنے کا بیان ہے، جب کہ وہ کپڑا کچھ کشادہ ہو یا پھر التحاف کے ساتھ نماز کا جواز بتلانا مقصود ہے(۲)۔

ترجمۃ الباب سے مقصود

اس ترجمۃ الباب کے قائم کرنے کا ایک مقصد تو گذر چکا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کپڑے کو بصورت التحاف اوڑھ کر نماز کے جائز ہونے کو بیان کر رہے ہیں(۳)۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اس ترجمۃ الباب سے مقصود بظاہر اس ذہن کی تردید کرنا مقصود ہے، جو حضرت

(۱) كشف الباري، كتاب الصلاة، باب وجوب الصلاة في الثياب، جلد هذا، ص: ٢٢٤

(٢) فتح الباري: ١/٦٠٧

(٣) فتح الباري: ١/٦٠٧

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ''تم ہرگز نماز ادا نہ کرو، ایک ہی کپڑے میں، چاہے وہ کپڑا زمین اور آسمان سے بھی زیادہ کشادہ ہو'' اور فرمایا کہ غرضِ اصلی محض ایک ہی کپڑے میں نماز کے جواز کو بیان کرنا ہے(۱)۔

قَالَ ٱلزُّهْرِيُّ فِي حَدِيثِهِ : ٱلْمُلْتَحِفُ ٱلْمُتَوَشِّحُ ، وَهُوَ ٱلْمُخَالِفُ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ ، وَهُوَ ٱلِاشْتِمَالُ عَلَى مَنْكِبَيْهِ . قَالَ : قَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ : ٱلْتَحَفَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ بِثَوْبٍ ، وَخَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ .

امام زہری رحمہ اللہ نے اپنی حدیث میں بیان کیا ہے کہ ''ملتحف'' کے معنی ''متوشح'' کے ہیں اور یہ ایسا شخص ہے جو اپنی چادر کے ایک کنارے (حصے) کو بائیں کندھے پر اور دوسرے کنارے (حصے) کو دائیں کندھے پر ڈالے اور وہ اپنے دونوں کندھوں کو چادر سے ڈھانپ لیتا ہے۔

تراجم رجال

الزهري

یہ ''ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب بن عبد اللہ الزہری المدنی رحمہ اللہ'' ہیں۔
ان کے حالات ''کتاب بدء الوحی'' کی تیسری جلد میں گذر چکے ہیں (۲)۔

شرح عبارت

امام بخاری نے ترجمۃ الباب قائم کرنے کے بعد امام زہری رحمہ اللہ اور ام ہانی رضی اللہ عنہا کے اقوال کو ترجمہ کا جز بنا کر ذکر کیا ہے۔

في حديثه

امام بخاری رحمہ اللہ ترجمۃ الباب کے لفظ "ملتحفاً" کی تشریح کی غرض سے "ملتحف" کے بارے میں امام زہری رحمہ اللہ کا قول لائے ہیں کہ "ملتحف" سے مراد "متوشح" ہے اور یہ بات انہوں نے اپنی

(۱) الكنز المتواري: ٤/٢٠، تقرير بخاري: ٢/١٣٢

(۲) كشف الباري: ١/٣٢٦

روایت کردہ حدیث میں کہی ہے۔

اور وہ روایت "مصنف ابن أبي شيبة" میں موجود ہے، جو کہ عن سالم عن ابن عمر کے طریق سے مروی ہے۔ پوری روایت مع سند اس طرح ہے:

حدثنا عبد الأعلى عن معمر عن الزهري عن سالم عن ابن عمر:
"أن عمر بن الخطاب رأى رجلا يصلي ملتحفاً، فقال: "لا تشبهوا باليهود، من لم يجد منكم إلا ثوباً واحداً فليتزر به"(۱).

مفہوم یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا اور اس کی حالت یہ تھی کہ اس نے اپنی چادر اپنے جسم پر لپیٹی ہوئی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہود کی مشابہت اختیار نہ کرو، تم میں جو شخص ایک ہی کپڑا پائے تو وہ اسے اپنے جسم پر تہبند کی طرح باندھ لے۔

اس روایت کو امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس طریق سے ذکر کیا ہے:

"عن أبي داود عن عبد الله بن صالح عن اللّيث عن عقيل عن ابن شهاب عن سالم عن ابن عمر ...... الخ"(۲).

یا پھر اس سے مراد امام زہری کا وہ اثر ہے، جو انہوں نے عن سعيد عن أبي هريرة سے بیان کیا ہے، اس کو مسند احمد میں ذکر کیا گیا ہے(۳)۔

"وهو المخالف بين طرفيه......الخ"

بظاہر یہ عبارت امام بخاری رحمہ اللہ کی اپنی ہے، امام زہری رحمہ اللہ کی نہیں (۴)۔

---

(۱) المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب من كان يقول: "إذا كان الثوب واحداً"، رقم الحديث: ۳۲۱۵، ۱۰۶/۳

(۲) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب الصلاة في الثوب الواحد، رقم الحديث: ۲۲۲۰

(۳) مسند أحمد بن حنبل، مسند أبي هريرة، رقم الحديث: ۷۲۵۰

(٤) فتح الباري: ۱/۶۰۶، عمدة القاري: ٤/۸۸

اورامام صاحب رحمہ اللہ ان الفاظ سے ملتحف یا متوشح کی وضاحت بیان فرمارہے ہیں کہ چادر کے دو کناروں یا دو پہلوؤں میں سے ایک طرف (یعنی دائیں جانب) کو بائیں کاندھے پر اور چادر کے بائیں کنارے کو اپنے دائیں کاندھے پر ڈال لیا جائے، یہی التحاف ہے اور اسی کو توشح کہتے ہیں۔

التحاف اور توشح کی تشریح پیچھے گذر چکی ہے (۱)۔

قال: قالت أم هانیء: "التحف النبي صلى الله عليه وسلم بثوب وخالف بين طرفيه على عاتقيه"

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے ایک کپڑے کے ساتھ التحاف کیا ہے، یعنی چادر لپیٹی، اس حال میں کہ چادر کے دونوں پہلو دونوں کاندھوں پر ادلے بدلے تھے، (یعنی ایک پہلو بائیں کندھے پر تھا، تو دوسرا پہلو دائیں کندھے پر)۔

أم هانيء

یہ "أم هانیء فاختة بنت أبي طالب بن عبدالمطلب رضي الله عنه" ہیں۔

ان کا تذکرہ کتاب الغسل، باب "التستر في الغسل عند الناس" میں گذر چکا ہے (۲)۔

التحف النبي صلى الله عليه وسلم بثوب

امام بخاری رحمہ اللہ نے "ام ہانی رضی اللہ عنہا" کے اس قول کو تعلیقاً ترجمۃ الباب کا جز بنا کر ذکر کیا ہے اور پوری روایت کو اسی باب کے آخر میں ذکر کیا ہے۔

لیکن اس روایت میں "وخالف بين طرفيه على عاتقيه" کے الفاظ نہیں ہے، اس صورت میں ام ہانی رضی اللہ عنہا کے قول کے بعد اس جملے کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مراد ہے ام ہانی رضی اللہ عنہا کے قول "التحف النبی صلى الله عليه وسلم بثوب" کی۔

ابن بطال رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

---

(۱) جلد هذا، ص: ۲۲۶

(۲) كشف الباري، كتاب الغسل، باب التستر في الغسل عند الناس

''چادر اس طرح مخالفت کے ساتھ اوڑھنے کا فائدہ یہ ہے کہ نمازی کی نظر رکوع کی حالت میں اپنے ستر پر نہ پڑے''۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

یہ فائدہ بھی ہے کہ رکوع وسجود میں اس کا کپڑا گرنے سے محفوظ رہے گا(۱)۔

فائدہ

بخاری میں ام ہانی رضی اللہ عنہا کی مذکورہ روایت میں تو ''وخالف بين طرفيه على عاتقيه'' کے الفاظ نہیں ہیں، لیکن صحیح مسلم کی ایک روایت میں دوسرے طریق کے ساتھ یہ الفاظ مذکور ہیں۔

حدثنا إسحاق، ثنا عبدالله بن الحارث المخزومي، ثنا الضحاك بن عثمان، عن إبراهيم بن عبدالله بن حنين، عن أبي مرة، عن أم هاني بنت أبي طالب قالت رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم "يصلي في ثوب واحد مخالفاً بين طرفيه ثماني ركعات بمكة يوم الفتح"(۲).

حدیث باب (پہلی حدیث)

۳٤۷/۳٤۹ : حدَّثنا عُبَيْدُ ٱللهِ بْنُ مُوسَى قَالَ : حدَّثنا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عُمَرَ ابْنِ أَبِي سَلَمَةَ : أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ ، قَدْ خَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ .

ترجمہ

حضرت عمر بن ابی سلمہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں نماز ادا فرمائی، اس حال میں آپ نے اپنی چادر کے دونوں پہلوؤں کو اپنے کندھوں پر مخالف سمت میں ڈالا ہوا تھا۔

(۱) شرح ابن بطال: ۲/۱٦، فتح الباري: ۱/٦٠٧، عمدة القاري: ٤/۸۸، التوضيح لابن الملقن: ٥/۲۸۷

(۲) فتح الباري: ۱/٦٠٧، تغليق التعليق: ۲/۲٠٤، ۲٠٥

صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب صلاة الضحىٰ، رقم الحديث: ۸۳

تراجم رجال:

عبيدالله بن موسىٰ

یہ ''عبیداللہ بن موسیٰ بن باذم عبسی کوفی رحمہ اللہ'' ہیں۔

ان کے حالات، کتاب الایمان کی آٹھویں حدیث میں گذر چکے ہیں(۱)۔

هشام بن عروة

یہ ''ابوالمنذر یاابوعبداللہ ھشام بن عروۃ بن الزبیر بن العوام المدنی رحمہ اللہ'' ہیں، یہ مشہور تابعی ہیں۔

ان کے حالات کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکی ہیں (۲)۔

عن أبيه

یہ ''عروۃ الزبیر بن العوام المدنی رحمہ اللہ'' ہیں، جلیل القدر تابعی ہیں۔

ان کے حالات بھی کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث میں گذر چکے ہیں (۳)۔

عمر بن أبي سلمة

نام ونسب

یہ عمر بن ابی سلمہ ہیں، ان کا نام ''عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم القریشی المخزومی، أبوحفص المدنی رحمہ اللہ'' ہیں (۴)۔

آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرۃ ام سلمہ رضی اللہ عنہ کے پہلے شوہر کے بیٹے ہیں، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب ہیں (۵)۔

---

(۱) كشف الباري، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ٨، ١/٦٣٦

(٢) كشف الباري: ١/٢٩١

(٣) كشف الباري: ١/٢٩١

(٤) تهذيب التهذيب: ٧/٤٥٥، التاريخ الكبير للبخاري: ٣/١٣٩

(٥) تهذيب الكمال: ٢١/٣٧٢، تهذيب التهذيب: ٧/٤٥٥

مشائخ وتلامذہ

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اوراپنی والدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجۃ المطہرۃ سے روایت کرتے ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں أبوأسامہ أسعد بن سہل بن حنیف، ثابت البنانی، سعید بن المسیب، عبداللہ بن کعب الحمیری، عروۃ بن الزبیر، عطاء بن أبي رباح، قدامۃ بن ابراہیم بن محمد بن حاطب، وہب بن کیسان، ان کے بیٹے محمد بن عمر بن أبي سلمۃ اوران کے ایک اور بیٹے جن کا نام معلوم نہیں رحمہم اللہ شامل ہیں (۱)۔

حالات وواقعات

حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کے اسماء میں ''جنہوں نے حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کی'' أبوسلمہ بن عبدالأسعد'' اوران کے ساتھ ان کی زوجہ ام سلمۃ کا بھی ذکر کیا، ہجرت کے دوران ''ارض حبشہ'' میں عمر بن أبي سلمہ پیدا ہوئے (۲)۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس بات کی تردید کی ہے کہ یہ ہجرت حبشہ کے بعد ارض حبشہ میں پیدا ہوئے، بلکہ ان کی پیدائش ہجرت سے دوسال قبل یااس سے بھی پہلے ہوئی ہے۔اس لیے کہ ان کے والد صاحب ہجرت کے دوسرے سال غزوہ بدر میں شہید ہوگئے تھے، توان کا جائے پیدائش أرض حبشہ ۲ ہجری کیسے ہوسکتا ہے۔

ان کی تین بہنیں تھیں، سلمہ، زینب اوردرّۃ، یہ سب سے بڑے تھے۔ یہ وہ شخص ہیں جنہوں نے بچے ہونے کی حالت میں اپنی والدہ کا نکاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کروایا (۳)۔

جس کی تفصیل امام نسائی رحمہ اللہ نے كتاب النكاح، باب إنكاح الابن أمه میں ذکر کی ہے۔

''کہ جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہوگئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف نکاح کا پیغام بھیجا۔انہوں نے قبول نہیں کیا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نکاح کا پیغام دے کر بھیجا، توانہوں

(۱) تهذيب الكمال: ۲۱/۳۷۳، تهذيب التهذيب: ۷/۴۵۵

(۲) تهذيب الكمال: ۲۱/۳۷۳

(۳) سير أعلام النبلاء: ۳/۴۰۷

نے جواب دیا کہ میں ایسی عورت ہوں، جو غیرت والی ہوں (یعنی میرے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ رہنا ممکن نہیں ہوگا، حاشية السيوطي على النسائي: ٦/٨٢). اور میرے بچے بھی موجود ہیں اور میرے اولیاء میں سے بھی کوئی موجود نہیں ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور ساری باتیں پیش خدمت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ کہہ کر بھیجا کہ جہاں تک تمہاری پہلی بات ہے کہ تم غیرت والی عورت ہو، تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ وہ تمہاری غیرت کو دور کردے اور تمہارے بچوں کی کفالت کا بندوبست بھی ہوجائے گا اور تمہاری یہ بات کہ تمہارے اولیاء میں سے کوئی بھی موجود نہیں ہے، جس سے تم مشورہ کرسکو تو تمہارے حاضر اولیاء اور غائب اولیاء میں سے کوئی ایسا نہیں ہے، جسے اس شادی پر اعتراض ہوگا۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ باتیں سنی تو اپنے بیٹے "عمر بن ابي سلمة" کو کہا، اے عمر! اٹھ اور میرا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کروادے، چنانچہ انہوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کروادیا" (۱)۔

حضرت عمر بن ابي سلمہ رضی اللہ عنہ کی تربیت خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمائی، چنانچہ ایک بار جب یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھانے لگے، تو آپ نے فرمایا: "اے بیٹے اپنے سامنے کھاؤ، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اللہ کا نام لے کر شروع کرو" (۲)۔

---

(۱) سنن النسائي، رقم الحديث: ٣٢٥٤، سير أعلام النبلاء: ٤٠٧/٣، تهذيب التهذيب: ٤٥٥/٧، الإصابة: ٥١٩/٢

(۲) سير أعلام النبلاء: ٤٠٧/٣، الإصابة: ٥١٩/٢

صحيح ابن حبان، كتاب الأطعمة، باب آداب الأكل، رقم الحديث: ٥٢١٢، صحيح البخاري، =

انہوں نے یہ بھی یادرکھا اور بھی اس کے علاوہ احادیث یادرکھی۔

نیز! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی رضاعی چچا بھی تھے، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر مجھ سے دوسال بڑے تھے(۱)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی والدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ جنگ جمل میں ان کے ساتھ شریک ہوں، تو انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ جنگ جمل میں اپنے بیٹے عمر بن أبي سلمہ کو بھیجا(۲)۔

کہا گیا ہے کہ حضرت عمر بن أبي سلمہ رضی اللہ عنہ اسی جنگ جمل میں شہید ہو گئے تھے(۳)۔

لیکن صاحب تہذیب الکمال علامہ مزی نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ایسی کوئی بات سچ نہیں ہے۔

بلکہ آپ نے عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ۸۳ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی(۴)۔

تخریج حدیث

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اسی باب میں تین مختلف طرق سے بیان کیا ہے۔ پہلا طریق تو "عبيد الله ابن موسى" سے ہے اور دوسرا طریق "محمد بن المثنیٰ" سے ہے اور تیسرا طریق "عبيدالله بن اسماعيل" سے مروی ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث کو قدرے مختلف الفاظ سے مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور صاحب مؤطا نے بھی ذکر کیا ہے(۵)۔

= رقم الحديث: ٥٣٧٧، جامع الأصول، رقم الحديث: ٥٤٤٥

(١) سير أعلام النبلاء: ٤٠٧/٣، تهذيب التهذيب: ٤٥٦/٧، الإصابة: ٥١٩/٢

(٢) سير أعلام النبلاء: ٤٠٨/٣، تهذيب التهذيب: ٤٥٦/٧، الإصابة: ٥١٩/٢

(٣) تهذيب الكمال: ٣٧٣/٢١، تهذيب التهذيب: ٤٥٦/٧

(٤) تهذيب الكمال: ٣٧٣/٢١، الإصابة: ٥١٩/٢

(٥) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الصلاة في ثوب واحدٍ، رقم الحديث: ٥١٧

سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب جماع أثواب مايصلى فيه، رقم الحديث: ٦٢٨

سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب الصلاة في الثوب الواحد، ٣٣٩

سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب الصلاة في الثوب الواحد، رقم الحديث: ٧٦٤ .... =

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے کہ اس میں ذکر ہے "قد خالف بین طرفیہ" اور یہ وہی التحاف ہے۔ جیسے التوشح اور اشتمال علی المنکبین کہتے ہیں(۱)۔

حدیث باب (دوسری حدیث)

(۳۴۸) : حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ : حَدَّثنا يَحْيَى قَالَ : حَدَّثنا هِشَامٌ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ : أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ ، فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ ، قَدْ أَلْقَى طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ .

ترجمہ

حضرت ہشام فرماتے ہیں کہ میرے والد (حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ) نے حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے مجھے فرمایا کہ: "عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نماز ادا فرماتے ہوئے دیکھا، اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کے دونوں سروں کو اپنے کندھوں پر ڈالا ہوا تھا"۔

تراجم رجال:

محمد بن المثنیٰ

یہ "ابو موسیٰ محمد بن المثنیٰ بن عبید عنزی بصری رحمہ اللہ" ہیں۔

- سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب الصلاة في الثوب الواحد، رقم الحديث: ۱۰٤۹

الموطا للامام مالك، كتاب الصلاة، باب: الرخصة في الصلاة في الثوب الواحد، رقم الحديث: ۳۱۷

جامع الأصول، كتاب الصلاة، رقم الحديث: ۳٦۳۷، ٤٥۷/٥

(۱) عمدة القاري: ٤/۸۸

ان کے حالات کتاب الایمان، باب "حلاوة الایمان" میں گذر چکے ہیں(۱)۔

یحیٰ

یہ "یحیٰ بن سعید بن فروخ القطان تمیمی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے حالات کتاب الایمان، باب "من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه" میں گذر چکے ہیں(۲)۔

هشام

یہ "ابوالمنذر یا ابوعبداللہ ہشام بن العروة بن الزبیر بن العوام المدنی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے حالات، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

أبي

یہ ہشام کے والد "عروة بن الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ" ہیں۔

ان کے حالات کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث میں گذر چکے ہیں(۴)۔

عمر بن أبي سلمة

ان کا نام "عمر بن أبي سلمہ، عبداللہ بن عبدالأسد المخزومی رضی اللہ عنہ" ہے۔

ان کے حالات اسی باب کی پہلی حدیث میں گزر چکے ہیں(۵)۔

شرح حدیث:

یہ سابقہ روایت کے ہی ہم معنیٰ دوسرا طریق ہے، اس طریق کے ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں اس بات

---

(١) كشف الباري: ٢٥/٢

(٢) كشف الباري: ٢/٢

(٣) كشف الباري: ٢٩١/١

(٤) كشف الباري: ٢٩١/١

(٥) كشف الباري، كتاب الصلاة، باب الصلاة في الثوب الواحد ملتحفاً، رقم الحديث: ٣٥٣، ص: ٢٦٩

کی تصریح ہے کہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑے میں نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا۔

اور اس طریق کی روایت میں "في بيت أم سلمة" کی زیادتی سے تصریح مذکور کی مزید تائید ہو جاتی ہے (۱)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

اس حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب سے بالکل ظاہر ہے کہ دونوں میں التحاف کا ذکر ہے۔

تخریج حدیث

مذکورہ حدیث کی تخریج وہی ہے، جو سابقہ حدیث میں گذر چکی۔

حدیث باب (تیسری حدیث)

(۳۴۹) : حَدَّثنا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ : حَدَّثنا أَبُو أُسَامَةَ ، عَنْ هِشَامٍ ، عَنْ أَبِيهِ : أَنَّ عُمَرَ بْنَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَهُ قَالَ : رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ ، مُشْتَمِلًا بِهِ ، فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ ، وَاضِعًا طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ .(۲)

تراجم رجال

عبيد بن إسماعيل

یہ "عبيد بن اسماعيل الهباري الكوفي رحمه الله" ہیں۔

ان کے حالات کتاب الحیض، باب "نقض المرأة شعرها عند غسلها من المحيض" میں گذر چکے ہیں (۳)۔

أبو أسامة

یہ "أبو أسامه حماد بن أسامه بن زيد قريشي كوفي رحمه الله" ہیں۔

---

(۱) راجع رقم الحديث: ۳۵٤

(۲) فتح الباري: ۱/۶۰۸، عمدة القاري: ٤/۸۸، إرشاد الساري: ۲/۱۰۵

(۳) كشف الباري، كتاب الحيض، باب نقض المرأة شعرها عند غسلها من المحيض

ان کے حالات کتاب العلم باب "فضل مَنْ عَلِمَ وعَلَّمَ" میں گذر چکے ہیں (۱)۔

عن هشام عن أبيه

یہ "ہشام بن عروہ" اور "عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ" ہیں۔

ان کے حالات بدء الوحی کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں (۲)۔

عمر بن أبي سلمه

یہ "عمر بن ابی سلمہ، عبداللہ بن الاسعد رضی اللہ عنہ" ہیں۔

ان کے حالات اسی باب کی پہلی حدیث میں گذرے ہیں (۳)۔

شرح حدیث

اس باب کی پہلی حدیث کا یہ تیسرا طریق ہے جو کہ عبید بن اسماعیل کے واسطے سے ہے۔

اس طریق میں مزید دو فائدے ایسے ہیں، جو پہلے دونوں طریق میں نہیں تھے:

فائدہ نمبر۱: اس طریق میں اس بات کی تصریح ہے کہ خود عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ نے عروۃ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو مذکورہ واقعہ کی خبر دی، جبکہ پہلی دونوں روایتوں میں عنعنہ تھا اور یہاں اخبار ہے۔

فائدہ نمبر۲: اس طریق میں اشتمال کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جو کہ التحاف یعنی "قد خالف بين طرفيه" کی حقیقی تفسیر ہے (۴)۔

تخریج حدیث

اولاً تو اس مذکورہ حدیث کی تخریج وہی ہے، جو اس باب کی پہلی حدیث (رقم الحدیث: ۳۵۳) میں گذری ہے، البتہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے چار طریق اور بھی ذکر کیے ہیں جو کہ چاروں صحیح ہیں:

---

(۱) كشف الباري، كتاب العلم، باب فضل من عَلِمَ وعلَّم: ۲/۲۵

(۲) كشف الباري، كتاب بدء الوحي: ۱/۲۹۱

(۳) كشف الباري، كتاب الصلاة، باب الصلاة في الثوب الواحد ملتحفاً، رقم الحديث: ۳۵۳، ص: ۲۶۹

(٤) فتح الباري: ۱/۶۰۸، عمدة القاري: ٤/۸۹، ۹۰، إرشاد الساري: ۲/۱۵

الـطـريـق الأول: حدثنا ابن أبي داود، قال: ثنا بن أبي مريم وعبدالله بـن صـالح قالا ثنا الليث عن يحيىٰ بن سعيد عن أبي أمامة بن سهل عن عمر بـن أبـي سلمة قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم: "يصلي في ثوب واحد ملتحفاً به".

الـطـريـق الثـاني: حدثنا يونس قال: أنا بن وهب أن مالكاً حدثه عن هشام بن عروة عن أبيه عن عمر بن أبي سلمة: أنه رأى رسول الله صلى الله عـليـه وسـلم: "يصلي في ثوب واحد في بيت أم سلمة رضى الله عنها واضعاً طرفيه على عاتقيه".

الطريق الثالث: حدثنا علي بن عبدالرحمن قال ثنا عبدالله بن صالح قـال حدثني الليث قال ثنا يحيىٰ بن سعيد عن أبي أمامة بن سهل عن عمر بن أبـي سـلـمة: قـال: "رأيـت النبي صلى الله عليه وسلم يصلي في ثوب واحد ملتحفاً به مخالفاً بين طرفيه على منكبيه".

الـطريق الرابع: حدثنا أبو بكرة قال: ثنا روح بن عبادة قال ثنا هشام بن حسـان وشـعبة عن هشام بن عروة غن أبيه عن عمر بن أبي سلمة، قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي في ثوب واحد مخالفاً بين طرفيه(۱).

يصلي في ثوب واحد مشتملاً به

یہ جملہ "رأیت" کے لیے مفعول ثانی ہے اور "مشتملاً" يصلي کی ضمیر سے حال ہے۔ مستملی اور حموی کی روایت کے مطابق یہ لفظ مشتملٍ یا مشتملٌ ہے، جر کی صورت جرِ جوار کی وجہ سے معتبر ہوگی اور رفع کی صورت میں یہ مرفوع ہوگا مبتدا محذوف کی وجہ سے، یعنی "هو مشتملٌ به"(۲).

---

(١) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، الصلاة في ثوبٍ واحدٍ، رقم الحديث: ٢٠٧١، ٢٠٨٤، ٢٠٨٦

عمدة القاري: ٤/ ٩٠

(٢) فتح الباري: ١/ ٦٠٨، عمدة القاري: ٤/ ٩٠، إرشاد الساري: ٢/ ١٦

حدیث باب (چوتھی حدیث)

۳۵۰ : حدّثنا إسماعيلُ بنُ أبي أُوَيْسٍ قالَ : حدَّثني مالكُ بنُ أنسٍ ، عنْ أبي النَّضرِ ، مَوْلَى عُمرَ بنِ عُبيدِ اللهِ : أنَّ أبا مُرَّةَ ، مَوْلَى أُمِّ هانِئٍ بنتِ أبي طالِبٍ ، أخبَرَهُ : أنَّهُ سَمِعَ أُمَّ هانِئٍ بنتَ أبي طالِبٍ [1] تَقولُ : ذَهَبتُ إلى رسولِ اللهِ ﷺ عامَ الفتحِ ، فوَجَدْتُهُ يَغتسِلُ ، وفاطِمةُ ابنتُهُ تَسْتُرُهُ ، قالَتْ : فسلَّمتُ عليهِ ، فقالَ : (مَنْ هذهِ) . فقلتُ : أنا أُمُّ هانِئٍ بنتُ أبي طالِبٍ ، فقالَ : (مَرحبًا بأُمِّ هانِئٍ) . فلمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ ، قامَ فصلَّى ثمانيَ رَكَعاتٍ ، مُلْتَحِفًا في ثوبٍ واحدٍ ، فلمَّا انصرَفَ ، قلتُ : يا رسولَ اللهِ ، زَعَمَ ابنُ أُمِّي ، أنَّهُ قاتِلٌ رجُلًا قد أجَرْتُهُ ، فلانَ بنَ هُبَيْرةَ ، فقالَ رسولُ اللهِ ﷺ : (قد أجَرْنا مَنْ أجَرْتِ يا أُمَّ هانِئٍ) . قالَتْ أُمُّ هانِئٍ : وذلكَ ضُحًى . [ر : ۲۷٦ ، ۱۰۵۲]

ترجمہ

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

(۱) أخرجه البخاري في صحيحه في كتاب الغسل، باب التستر في الغسل عند الناس، رقم الحديث: ۲۸۰

وفي كتاب الجهاد، باب أمان النساء وجوارهن، رقم الحديث: ۳۱۷۱

وفي كتاب الأدب، باب ماجاء في زعموا، رقم الحديث: ٦١٥٨

ومسلم في صحيحه، كتاب الحيض، باب تستر المغتسل بثوبٍ ونحوه، رقم الحديث: ۳۳٦، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب صلاة الضحىٰ، رقم الحديث: ۷۱۷

أبوداؤد، كتاب الصلاة، باب الضحىٰ، رقم الحديث: ۱۲۹۰

وكتاب الجهاد، باب في أمان المرأة، رقم الحديث: ۲۷٦۳

سنن الترمذي، كتاب الاستئذان، باب ماجآء في مرحباً، رقم الحديث: ۲۷۳۵

سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب ذكر الاستتار عند الاغتسال، رقم الحديث: ۲۲۵

الموطأ لإمام مالك، في قصر الصلاة، باب صلاة الضحىٰ، رقم الحديث: ۵۱۸

جامع الأصول، كتاب الصلاة، رقم الحديث: ۱۱۴۵، ۲/٦۵۵

تحفة الأشراف، رقم الحديث: ۱۸۰۱۸، ۲/۲۰۷

پاس فتح مکہ والے سال گئی، میں نے آپ کو غسل کرتے ہوئے پایا۔ اس حال میں کہ آپ کی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پردہ کیا ہوا تھا، ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آپ نے فرمایا کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں ام ہانی رضی اللہ عنہا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ام ہانی کو خوش آمدید ہو"۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل سے فارغ ہو گئے، تو کھڑے ہو گئے اور ایک کپڑے میں التحاف کر کے (یعنی اپنے گرد لپیٹ کر) آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے، تو میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میری ماں کے بیٹے (حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ) کہتے ہیں کہ وہ ہبیرہ (میرے خاوند) کے فلاں بیٹے کو مار ڈالیں گے، حالانکہ میں نے اسے پناہ دی ہوئی ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام ہانی جس کو تم نے پناہ دی، اسے ہم نے پناہ دی، اُم ہانی نے فرمایا کہ یہ چاشت کا وقت تھا۔

تراجم رجال

إسماعيل بن أبي أويس

"یہ أبو عبدالله إسماعيل بن أبي أويس الأصبحي المدني رحمه الله" ہیں۔

ان کا تذکرہ وتفصیلی تعارف کتاب الایمان، باب "تفاضل أهل الإيمان في الأعمال" میں گذر چکا ہے(۱)۔

مالك بن أنس

یہ "أبو عبدالله مالك بن أنس بن مالك بن أبي عامر الأصبحي المدني رحمه الله" ہیں۔

ان کے حالات کتاب الایمان، باب "من الدين الفرار من الفتن" میں گذر چکے ہیں(۲)۔

---

(۱) كشف الباري: ۱۱۳/۲

(۲) كشف الباري: ۸۰/۲

أبي النضر مولیٰ عمر بن عبیداللّٰه

ان کا نام "سالم بن أبي أمیه مولیٰ عمر بن عبیداللّٰه القریشي التیمي رحمه اللّٰه" ہیں۔

ان کا تذکرہ کتاب الوضوء باب "المسح علی الحفین" میں گذر چکا ہے(۱)۔

أبو مرة مولیٰ أم هانيء

یہ "أبو مرة عبدالرحمن مولیٰ أم هانی" ہیں۔

ان کا تذکرہ کتاب العلم، باب "من قعد حیث ینتهی به المجلس" میں گذر چکا ہے(۲)۔

أم هانيء بنت أبي طالب

یہ "أم هانی فاختة بنت أبي طالب بن عبدالمطلب رضي اللّٰه عنها" ہیں۔

ان کا تذکرہ کتاب الغسل، باب التستر في الغسل عند الناس میں گزر چکا ہے(۳)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت "فلما فرغ من غسله، قام فصلّی ثماني رکعات ملتحفاً في ثوب واحد" سے ہے(۴)۔

شرح حدیث

فلما فرغ من غسله

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل سے فارغ ہوگئے، تو آپ نے آٹھ رکعات ادا فرمائی، اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جسم پر ایک کپڑا لپیٹا ہوا تھا۔

اس روایت میں ہے "فصل ثماني رکعات" یعنی: ثَمَانِيَ "ن" کی کسرہ اور "ی" کی فتحہ کے

---

(۱) کشف الباري، کتاب الوضوء، باب المسح علی الخفین

(۲) کشف الباري: ۳/۲۱٤

(۳) کشف الباري، کتاب الغسل، باب الستر في الغسل عند الناس.

(٤) عمدة القاري: ٤/٩٢

ساتھ۔ جبکہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے "ثمانَ رکعاتٍ" کا لفظ لکھا ہے۔ اس صورت میں "ثمانَ" نون کی فتحہ کے ساتھ "فصلّی" کا مفعول ہوگا۔

تو اصلاً یہاں دو باتیں ذکر کرنا مقصود ہے۔

ایک: غسل سے فراغت پر چاشت کی آٹھ رکعات اور دوسرا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا التحاف کی حالت میں نماز ادا کرنا(۱)۔

زعم ابن أمي أنه قاتل رجلاً

"زعم" سے مراد اس جگہ "قال" ہے یا پھر "ادعی" مراد ہے کہ "اس نے کہا ہے"(۲)۔

اس روایت میں "ابن أمي" کے الفاظ ہیں، جبکہ حموی کی روایت میں "ابن أبي" کے الفاظ ہیں، لیکن مقصود میں تفاوت نہیں ہے، اس لیے کہ "أم هاني" حضرت علی کرم رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن ہیں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ اس جگہ فرماتے ہیں اگرچہ مقصود میں خلل واقع نہیں ہوتا، لیکن "ابن أمي" کے الفاظ حرمت کی تاکید، قرابت اور پیدائش میں مشارکت پر زیادہ دلالت کرتے ہیں (۳)۔

"إنه قاتل" میں "قاتل" باب مفاعلہ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، مراد یہ ہے کہ وہ قتل کا عزم کرنے والا ہے۔ اس لیے کہ حقیقت میں وہ اس وقت تک قاتل نہیں بنے تھے۔ لیکن فعل کے سرانجام دینے پر عزم کی وجہ سے ان کے لیے "قاتل" کا لفظ استعمال کیا گیا(۴)۔

قد أجرته

یہ جملہ محلاً منصوب ہے "رجلاً" کی صفت ہونے کی وجہ سے(۵)۔

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/١٦، عمدة القاري: ٤/٩٢

(۲) عمدة القاري: ٤/٩٢، شرح الكرماني: ٤/١٦، فتح الباري: ١/٦٠٩

(۳) عمدة القاري: ٤/٩٢، شرح الكرماني: ٤/١٦، فتح الباري: ١/٦٠٩

(٤) شرح الكرماني: ٤/١٦، فتح الباري: ١/٦٠٩

(٥) شرح الكرماني: ٤/١٧، إرشاد الساري: ٢/١٧

فلانَ بنَ هُبَيْرَةَ

اس لفظ کو منصوب اور مرفوع دونوں طرح پڑھنا جائز ہے، منصوب تو بدل ہونے کی وجہ سے کہ یا تو رجلاً سے بدل ہوگا یا پھر ''أجرته'' کی ''ہ'' ضمیر سے بدل بنے گا۔

اور مرفوع مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے ہوگا(۱) ''هبيرة''، ''ه'' کی فتحہ، ''ب'' کی فتحہ، ''ي'' کے جزم اور ''را'' کی فتحہ کے ساتھ ہے(۲)۔

یہ ''ابن أبي وهب بن عمر بن عائذ بن عمران المخزومی رحمہ اللہ'' ہیں، اُم ہانی کے شوہر ہیں، اور اُم ہانی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سگی بہن ہیں۔ فتح مکہ کے سال میں مسلمان ہوئیں، ان کے شوہر ہبیرۃ سے ان کی اولاد ہیں عمر، ہانی، یوسف اور جعدۃ ہیں، ان میں سے ھبیرۃ، ابن عمر کی کنیت سے اور ان کی زوجہ ''فاختۃ'' ام ہانی کی کنیت سے مشہور ہوئیں(۳)۔

اب ان ''فلان بن ہبیرۃ'' سے کیا مراد ہے؟ سو اس بارے میں دو طرح کا اختلاف ہے، ایک: روایت کے الفاظ کے درمیان، دوسرا: اس کے مصداق کے بارے میں۔

مؤطا امام مالک کی شرح ''التمہید'' میں اُم ہانی کی روایت ''محمد بن عجلان'' کے طریق سے اس طرح ہے:

> عن أم هاني قالت، أتاني يوم الفتح حموان لي، فأجرتهما، فجاء علي يريد قتلهما، فأتيت النبي صلى الله عليه وسلم وهو في قبة بالأبطح بأعلى مكة" وفيه: "أجرنا من أجرت أمنا من أمنت"(٤).

اور معجم الکبیر الطبرانی کی روایت میں: ''إني أجرت حموي'' ہے(۵)۔ اور المعجم کی ہی ایک

---

(١) شرح الكرماني: ١٧/٤، فتح الباري: ٦٠٩/١

(٢) عمدة القاري: ٩٣/٤

(٣) شرح الكرماني: ١٧/٤، عمدة القاري: ٩٣/٤، تهذيب الكمال: ٥٦٥/٤، الإصابة: ٢٥٧/١، الاستيعاب لابن عبدالبر: ٢٤٠/١، ٢٤١، إرشاد الساري: ١٧/٢

(٤) التمهيد، باب السين، أبو نضر مولىٰ عمر بن عبد الله، الحديث الثامن: ١٨٩/٢١

(٥) المعجم الكبير للطبراني، فاختة أم هانيء، رقم الحديث: ١٠٠٩

روایت میں: "حموي ابني هبيرة" ہے(۱)۔

یعنی حدیثِ باب میں جس کو پناہ دی گئی، وہ ایک ہے اور ان دوسری روایات میں دو کو پناہ دیے جانے کا ذکر ہے۔

دوسرا اختلاف اس "فلان بن هبيرة" کے مصداق کے بارے میں ہے۔

ابو العباس ابن سریج نے کہا ہے کہ یہ دو شخص تھے، جعدۃ بن ہبیرۃ اور دوسرا کوئی اور ہے جس کا معلوم نہیں۔ یہ دونوں ان لوگوں میں سے تھے، جنہوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور انہوں نے نہ تو امان قبول اور نہ ہی ہتھیار ڈالے، ان کو اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے پناہ دی تھی اور یہ دونوں اُم ہانی کے سسرالی رشتہ دار تھے(۲)۔

الأزرقي نے واقدی کی سند سے نقل کیا ہے کہ یہ حارث بن ہشام اور ابن ہبیرۃ بن ابی وھب تھے(۳)۔

ابن ہشام نے "تهذيب السيرة" میں جزماً یہ بات لکھی ہے کہ جن دو افراد کو اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے پناہ دی تھی، وہ حارث بن ہشام اور زہیر بن ابی اُمیہ تھے اور یہ دونوں مخزومی تھے(۴)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی رائے

"فلان بن ہبیرۃ" کے مصداق کی تعیین کے بارے میں علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

شاید اُم ہانی رضی اللہ عنہ نے فلان بن ھبیرۃ سے مراد اپنا حقیقی بیٹا مراد لیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اپنا لے پالک (اپنی تربیت میں لیا ہوا بیٹا) مراد لیا ہو، معاملہ مبہم ہے، یہ احتمال بھی ہے وہ ام ہانی کا بیٹا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے علاوہ سے ہو، راوی اس کا نام بھول گیا ہے، اس لیے اس کو "فلان" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني، فاختة أم هانيء، رقم الحديث: ١٠١٥

(٢) فتح الباري: ٦٠٩/١، عمدة القاري: ٩٥/٤، التوضيح: ٢٨٨/٥

(٣) فتح الباري: ٦٠٩/١، عمدة القاري: ٩٥/٤، التوضيح لابن ملقن: ٢٨٨/٥

(٤) فتح الباري: ٦٠٩/١، عمدة القاري: ٩٥/٤، إرشاد الساري: ١٧/٢، إكمال المعلم لقاضي عياض: ٦١/٣

زبیر بن بکار نے کہا ہے کہ وہ حارث بن ہشام المخزومی تھا(۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ کرمانی رحمہ اللہ کے قول: ”وقال الزبير: فلان بن هبيرة هو الحارث بن هشام“ ذکر کرنے پر فرمایا ہے کہ

زبیر کے کلام میں تصرف واقع ہوا ہے، اس لیے کہ جو قصہ زبیر کے پاس پیش ہوا، اس میں ”فلان بن هبيرة“ کی بجائے ”الحارث بن هشام“ کا ذکر تھا۔

حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک روایت باب میں کچھ کلمات کا حذف واقع ہوا ہے، گویا کہ عبارت اس طرح تھی، ”فلان ابن عم هبيرة“ پھر لفظ ”عم“ ساقط ہوگیا۔ یا پھر عبارت میں ”فلان قريب هبيرة“ تھا، یعنی اس جگہ لفظ ”ابن“ کی جگہ ”قریب“ تھا، جسے حذف کر کے ”ابن“ لگایا گیا۔

اس تعبیر سے الحارث بن ہشام، زہیر بن ابی اُمیہ، عبداللہ بن ابی ربیعہ میں سے ہر ایک پر کلام صادق آجائے گا، اس لیے کہ یہ یا تو ”ابن عم ہبیرۃ“ ہیں یا ان کے قریبی ہیں، کیونکہ یہ سب مخزومی ہیں (۲)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے اور حافظ صاحب پر رد

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اُصوب اور اُقرب یہ ہے کہ ”فلان“ سے مراد ہبیرۃ کا اُم ہانی کے علاوہ کسی اور عورت سے بیٹا ہو اور راوی اس کا نام بھول گیا ہو، اس رائے کی صحت پر ”التمہید“ اور ”الطبرانی“ کی روایات دلالت کرتی ہیں، ان روایات میں یہ تھا کہ ”جس کو اُم ہانی رضی اللہ عنہ نے پناہ دی تھی، وہ ان کا سسرالی رشتہ دار تھا“۔

اس پر ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اُبونضر والی روایت میں جس کو پناہ دی، اس کے ایک ہونے کا

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/١٧

(۲) فتح الباري: ١/٦٠٩

ذکر ملتا ہے اور المعجم والی روایت میں دو افراد کا ذکر ہے، تو علامہ عینی رحمہ اللہ کا قول اس صورت میں کیسے صادق آئے گا؟

تو خود علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ

کوئی حرج والی بات نہیں، عین ممکن ہے کہ بھولنے کی وجہ سے راوی نے صرف ایک کا ذکر کیا، یہ ایسے ہی ہے، جیسے راوی اس کا نام بھول گیا۔

ابن جوزی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر تو ہبیرہ کا وہ بیٹا مراد ہے جو اُم ہانی رضی اللہ عنہا سے ہے، تو وہ ''جعدۃ'' ہوگا۔

اُبو عمر نے یہ کہا ہے کہ وہ جعدۃ کے علاوہ کوئی اور تھا، یعنی اُم ہانی کے بطن سے نہیں تھا۔

پھر علامہ عینی رحمہ اللہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی تحقیق درست ہے اور بعض لوگوں نے (مراد حافظ صاحب ہیں) ''والذي يظهر لي'' کہہ جو تحقیق پیش کی ہے، وہ حقیقت سے دور ہے اور اس شخص کا اپنے پاس سے تصرف کرنا ہے، بغیر کسی وجہ کے، اس لیے کہ اس میں حذف، مجاز اور شیء بعید کے مقدر ماننے کا ارتکاب لازم آئے گا، نیز! یہ تمام مذکورین کے خلاف ہے۔ یعنی سب خلاف اصل ہے(۱)۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کی رائے بھی وہی ہے جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے رد میں علامہ عینی رحمہ اللہ نے پیش کی ہے، شاہ صاحب، حافظ صاحب کی بات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

''اس سے قبل حافظ صاحب رحمہ اللہ نے علامہ کرمانی رحمہ اللہ کا قول بھی نا تمام ذکر کر دیا، اس پر محقق عینی رحمہ اللہ نے کرمانی کا پورا قول نقل کیا کہ اُم ہانی نے ہبیرہ کا بیٹا مراد لیا ہے اپنے بطن سے، یا ربیب کا ارادہ کیا (یعنی دوسرے کے بطن سے) اور یہ قول اقرب الی الصواب اور زیادہ معقول ہے اور حافظ صاحب رحمہ اللہ نے جو توجیہ حذف ومجاز و تقدیر شیء بعید سے کی ہے، وہ کسی طرح مناسب نہیں، یہ سب خلاف اصل اور بے جا

(۱) عمدة القاري: ٤/٩٤، التوضيح لابن ملقن: ٥/٢٨٨، أوجز المسالك: ٣/٢٢٩-٢٣١

تصرف کلام ہے، نیز محققین کے اقوال مذکورہ کے بھی مخالف ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ حضرت اُم ہانی کا دیور تھا، جو اس وقت تک حالت کفر میں تھا(۱)۔

کسی کو عورت کے امان دینے کا حکم؟

مذکورہ روایت میں اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "قد أجرته فلانَ بنَ هبيرة" اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قد أجرنا من أجرتِ يا أم هاني" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم ہانی کی پناہ کو (یعنی غیر مسلم کو امان دینے والے معاملے کو) برقرار رکھا۔

یہاں یہ بات نہیں ہے کہ پہلی امان صحیح نہیں تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ دی (یعنی امان دی) بلکہ اُم ہانی کے امان دینے سے امان ہوگئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی کے لیے فرمایا کہ "جس کو تم نے امان دی، اس کو ہم نے بھی امان دے دی"۔

فقہ حنفی اور جمہور فقہاء کا مذہب بھی یہی ہے کہ کسی کافر کو اگر کسی مسلمان نے پناہ دے دی، تو وہ شرعاً مامون ہو جاتا ہے، خواہ اس کو کسی غلام نے امن دیا ہو یا عورت نے یا (عقل مند) بچہ نے، اس کو قتل کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا، اگر اس کو قتل کرنا ہی مقصود ہو، تو پہلے نقضِ امان کا اعلان کرنا ہوگا، اس کے بعد اس کا قتل جائز ہو سکے گا۔

البتہ مالکیہ میں سے ابن ماجشون کا قول ہے کہ عورت، غلام اور بچہ اگر ابتداء ہی کسی کو امان دے دیں، تو یہ جائز نہیں ہے، لیکن اگر یہ امان دے دیں، تو پوری کی جائے، البتہ امام کو اختیار ہوگا کہ اس کو باقی رکھے یا نہ رکھے(۲)۔

---

(۱) أنوار الباري: ۱۰۱/۱۱

(۲) عمدة القاري: ۹۵/٤، الموسوعة الفقهية: ۲۳۵/٦، بدائع الصنائع، كتاب السير، في شرائط أمان: ٤١٦/٩، الجوهرة النيرة، كتاب السير على من يجب الجهاد، التاج والإكليل، كتاب الجهاد، فصل في ما يحرم في الجهاد: ۳٦۰/۳، الفواكة الدواني، في أحكام الجهاد: ۸۹۰/۲، المدونة الكبرىٰ، في أمان المرأة: ٥۲٥/۱، شرح مختصر خليل: ۱۲۳/۳، تحفة الأحوذي: ۱۹۱/٤، عارضة الأحوذي: ٥٦/٤، أوجز =

وذلك ضحىً

روایت کے آخر میں اُم ہانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "وذلك ضحیً" کہ یہ چاشت کا وقت تھا۔

"ذلك" کا مشارالیہ:

"ذلك" اسم الاشارہ ہے، اس کے مشارالیہ میں دو احتمال ہیں:

ایک: الصلاۃ (جو آٹھ رکعات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی)، دوسرا: وقت۔

یعنی جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعات ادا فرمائی، وہ چاشت کا وقت تھا (۱)۔

ضحیً

اس لفظ کو دو طریقہ سے پڑھا جاتا ہے: ایک ''ض'' کے ضمہ اور آخر میں ''الف مقصورہ'' کے ساتھ، یعنی: "الضحیٰ"۔

اور دوسرا ''ض'' کی فتحہ اور ''الف مدہ'' کے ساتھ، یعنی: "الضَّحاء"، "الضُّحیٰ" (بالضم والقصر) سورج طلوع ہونے کے بعد دن کے ابتدائی وقت کو کہتے ہیں۔

اور "الضَّحاء" (بالفتح والمد) اس وقت کو کہتے ہیں جب سورج آسمان کے ایک چوتھائی تک بلند ہو جائے، یعنی چوتھائی آسمان تک بلند ہونے کا وقت اور اس کے بعد زوال تک کا وقت مراد ہے (۲)۔

اس کے علاوہ "ضحیً" کی تشریح میں اور بھی کئی اقوال ہے، جو امہات کتب اللغہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کونسی نماز ادا کی؟

جس دن مکہ فتح ہوا، اس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعات ادا کی، چاشت کا وقت تھا۔

اس لیے اس موقع پر یہ اختلاف پیدا ہوا کہ یہ نماز نمازِ چاشت تھی یا نمازِ فتح؟ (یعنی فتح کی خوشی میں شکرانے کی نماز)۔

= المسالك: ۲۳۱/۳

(۱) عمدة القاري: ٤/٩٥، إرشاد الساري: ۱۷/۳

(۲) أوجز المسالك: ۲۱۹/۳، مرقاة المفاتيح: ۳۵۱/۳، النهاية في غريب الحديث والأثر: ۷۲/۲، معجم الصحاح، ص: ٦١٥

چنانچہ اس بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں: ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کی نماز ادا فرمائی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ رکعات "صلاۃ الفتح" کی تھی، نہ کہ چاشت کی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑائی میں رات کو رہ جانے والی قضاء نماز ادا فرمائی تھی، لیکن یہ قول مرجوح اور ضعیف ہے۔

"ذلك ضُحًى" سے پہلے فریق نے استدلال کیا ہے کہ یہ ادا کی جانے والی رکعات چاشت کی رکعات تھیں۔

لیکن اس بارے میں فریق ثانی والوں کا کہنا ہے کہ اس جملے سے تو چاشت کی نماز پر کوئی دلالت نہیں ہوتی، اس لیے کہ حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے وقت کی خبر دی ہے، نہ کہ نماز کی۔

فریق ثانی کا کہنا ہے کہ یہ آٹھ رکعات سنتِ فتح کی تھیں (۱) اس کی تائید مسلم کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ "ام ہانی رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ چاشت کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قبل ادا فرمائی اور نہ اس کے بعد (۲)

اور ابن قیم رحمہ اللہ کے قول کے مطابق حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنی بعض فتوحات کے موقع پر "صلاۃ الفتح" ادا کی (۳)۔

علامہ طبری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب "حیرۃ" فتح کیا، تو اس وقت صلاۃ الفتح آٹھ رکعات ادا فرمائی اور ان کے درمیان سلام کے ذریعے فصل نہیں کیا (۴)۔

---

(۱) أوجز المسالك، كتاب قصر الصلاة في السفر: ۲۳۲/۳، بذل المجهود: ۵۱۸/۵، مرقاة المفاتيح: ۳۵۱/۳، ۳۵۲، الحل المفهم لصحيح مسلم: ۱۸۵/۱

(۲) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، رقم الحديث: ۷۲۰

(۳) زاد المعاد: ۳۵٤/۱

(٤) تاريخ الرسل والملوك: ۳۱۹/۲

علامہ سہیلی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ علماء کے نزدیک یہ نماز صلاۃ الفتح کے نام سے معروف ہے، اُمراء جب کوئی شہر فتح کرتے تھے، تو یہ نماز ادا فرماتے تھے اور فرمایا کہ: اس نماز کی سنت میں سے یہ بھی ہے کہ اس میں جہراً قرأت نہ کی جائے اور اس نماز کے لیے دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح مکہ کے موقع پر نماز ادا فرمانا ہے (۱)۔

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب مدائن فتح ہوا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایوانِ کسریٰ میں یہ نماز ادا کی، اس میں آٹھ رکعات تھی، جن کے درمیان انہوں نے فصل نہیں کیا (۲)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بظاہر اُم ہانی رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں اس بات پر دلالت نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کی نماز ادا کی، اس میں تو صرف نماز پڑھنے کے وقت کو ظاہر کیا گیا ہے (۳)۔

اس کے بالمقابل سنن ابوداؤد میں "کریب" کے طریق سے اُم ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت ذکر کی گئی ہے، جس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کی آٹھ رکعات ادا فرمائی (۴) اور مسلم کی کتاب الطہارۃ میں اُبومرۃ کے طریق سے ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کے آٹھ نوافل ادا کیے (۵)۔

اور سب سے زیادہ صریح وہ روایت ہے کہ جسے ابن عبدالبر نے "التمہید" میں نقل کیا ہے۔ جس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ رکعات ادا فرمائی (۶)۔

چاشت کی نماز کا حکم

چاشت کی نماز احناف کے نزدیک مستحب ہے۔ جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

---

(۱) سبل الهدى والرشاد: ٥/٤٠١، شرح المواهب للزرقاني: ٢/٣٢٦، فتح الباري: ٣/٧٠

(۲) تاريخ الرسل والملوك، حديث المدائن القصوى التي كان فيها منزل كسرى: ٢/٤٦٤

(۳) إكمال المعلم: ٣/٦١، زاد المعاد: ٤/٤١٠، فتح الباري: ٣/٧٠

(٤) سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب صلاة الضحىٰ، رقم الحديث: ١٢٩١

(٥) صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب التستر عند المغتسل بثوب وغيره، رقم الحديث: ٣٣٦

(٦) التمهيد لمحمد بن شهاب، الحديث الخامس والثلاثون: ٨/١٣٦

"وندب أربع فصاعداً في الضحیٰ علی الصحیح من بعد الطلوع إلی الزوال، ووقتها المختار بعد ربع النهار".

کہ صحیح قول کے مطابق طلوع شمس سے لے کر زوال شمس تک چار یا چار سے زائد نوافل پڑھنا مستحب ہے اور بہتر و پسندیدہ وقت اس نماز کے لیے ایک چوتھائی دن نکل جانے کے بعد ہے (۱)۔

چاشت کی نماز کے حکم میں علماء کا زبردست اختلاف ہے، اس بارے میں فقہاء و محدثین کے چھ اقوال ہیں، جن کی وضاحت اور دلائل، آئمہ اربعہ کے مذاہب اور قول راجح پر متعلقہ مقام پر بحث کی جائیگی (۲)۔

اشراق اور چاشت کی نماز ایک ہی ہے یا الگ الگ؟

دوسری بحث اس جگہ یہ ہے کہ نماز چاشت اور نماز اشراق ایک ہی نماز کے دو نام ہیں یا یہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں؟

اس بارے میں بھی تفصیلی بحث تو متعلقہ مقام پر آئے گی، خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء و محدثین کے ظاہری کلام کے مطابق یہ دونوں نمازیں الگ الگ نہیں، بلکہ ایک ہی نماز ہے۔ کیونکہ فقہاء نے ان دونوں نمازوں کا ایک ہی وقت ذکر کیا ہے، یعنی طلوع شمس سے زوال شمس تک۔

لیکن قولِ معتمد و مختار یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں (۳)۔

ملا علی القاری رحمہ اللہ نے "شرح الشمائل" میں لکھا ہے کہ

تحقیق یہ ہے کہ چاشت کی نماز کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے، جب کراہت کا وقت نکل جاتا ہے اور اس نماز کا آخری وقت زوال تک رہتا ہے اور جو نماز اس وقت کی ابتداء میں ادا کی جاتی ہے، اسے اشراق کی نماز کہتے ہیں (۴)۔

---

(۱) ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الصلاة، سنة الضحیٰ: ۲/۴٦۵

(۲) أوجز المسالك: ۳/۲۲۰، ۲۲۱، الحل المفهم لصحیح مسلم: ۱/۱۸۵، ۱۸٦، فتح الباري: ۳/۷۰، بذل المجهود: ۵/۵۱۳

(۳) أوجز المسالك: ۳/۲۲۲، بذل المجهود: ۵/۵۱٦، الحل المفهم لصحیح مسلم: ۱/۱۸٦، أنوار الباري: ۱۱/۱۰۰

(٤) جمع الوسائل في شرح الشمائل: ۲/۸۵

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ خصائل النبوی شرح شمائل ترمذی میں لکھتے ہیں کہ

''فقہاء اور محدثین کے نزدیک بعد وقتِ مکروہ نکل جانے کے، زوال تک سب صلوٰۃ الضحیٰ کہلاتی ہے، لیکن صوفیہ کے یہاں یہ دو نمازیں ہیں: ایک اشراق کی نماز کہلاتی ہے اور دوسری چاشت کی نماز، چوتھائی دن تک اشراق کا وقت رہتا ہے اور چوتھائی کے بعد زوال تک چاشت کا وقت (۱)۔

استنباط احکام وفوائد

۱- مذکورہ حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی مرد کے لیے غسل کے وقت اپنی کسی محرم عورت سے پردہ کروانا جائز ہے۔

۲- یہ بھی معلوم ہوا کہ محرم عورت اپنے رشتہ دار مرد کو سلام کرسکتی ہے۔

۳- یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کو پردے کے پیچھے سے جواب دینا جائز ہے۔

۴- اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی تعارف کرنا چاہے تو جواب میں صرف ''میں'' نہیں کہنا چاہیے، بلکہ اپنے اس نام سے اپنی پہچان کروانی چاہیے، جو معروف ہو، چاہے نام سے ہو، کنیت سے ہو یا لقب سے۔

۵- یہ بھی معلوم ہوا کہ آنے والے کے استقبال اور اعزاز میں ''مرحبا'' کہنا چاہئے۔

۶- اور یہ بھی معلوم ہوا کہ چاشت کی آٹھ رکعات ادا کرنا مستحب ہے۔

۷- اور دوسرے قول کے مطابق صلاۃ الفتح کے استحباب کا بھی معلوم ہوا۔

۸- اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی عورت کسی غیر مسلم کو امان دے دے، تو اس کا امان دینا جائز ہے۔

۹- اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مہمان، میزبان میں یا میزبان، مہمان میں جو اچھی صفات دیکھے، اسے اوروں تک منتقل کردے (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) خصائل نبوی، ص: ۳۱۹

(۲) شرح الكرماني: ٤/١٧، التوضيح لابن الملقن، كتاب الصلاة: ٥/٢٨٧، ٢٨٨، عمدة القاري، كتاب الصلاة: ٤/٩٥

حدیث باب (پانچویں حدیث)

۳۵۱ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ ٱلْمُسَيَّبِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ[1] : أَنَّ سَائِلًا سَأَلَ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ ، عَنِ ٱلصَّلَاةِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (أَوَلِكُلِّكُمْ ثَوْبَانِ) . [۳۵۸]

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سائل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایک کپڑے میں نماز ادا کرنا جائز ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے فرمایا کہ کیا تم میں ہر کسی کے پاس دو کپڑے ہوتے ہیں؟! (یعنی ایک کپڑے میں نماز ادا کرنا جائز ہے)۔

تراجم رجال:

عبداللہ بن یوسف

یہ "ابو محمد عبداللہ بن یوسف، تنیسی کلاعی دمشقی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے احوال کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث اور کتاب العلم کے باب "یبلغ العلم الشاهد الغائب" میں گذر چکے ہیں (۲)۔

---

(۱) أخرجه البخاري، في باب الصلاة في القميص والسراويل والبنان، رقم:۳٦٥

ومسلم في كتاب الصلاة، باب الصلاة في ثواب واحد، رقم الحديث: ٥١٥

وأبوداؤد في كتاب الصلاة، باب جماع أثواب مايصلى فيه، رقم الحديث: ٢٢٥

والنسائي في كتاب الصلاة، باب الصلاة في الثواب الواحد، رقم الحديث: ٧٦٤

والمؤطأ في كتاب الصلاة، باب الرخصة في الصلاة في الثوب الواحد، رقم الحديث: ٣٠

جامع الأصول، كتاب الصلاة، رقم الحديث: ٣٦٣٥، ٤٥٢/٥

(۲) كشف الباري: ۲۸۹/۱، ۱۱۳/٤

مالك

یہ ''ابوعبداللہ مالک بن انس الاصبحی المدنی رحمہ اللہ'' ہیں۔

ان کے حالات کتاب الایمان، باب ''من الدین الفرار من الفتن'' میں گذر چکے ہیں(۱)۔

ابن شهاب

یہ ''ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب بن عبداللہ الزہری المدنی رحمہ اللہ'' ہیں۔

ان کا تعارف کتاب بدء الوحی کی تیسری حدیث میں گذر چکا ہے(۲)۔

سعيد بن المسيب

یہ ''سعید بن المسیب بن حزن بن ابی وہب قرشی مخزومی رحمہ اللہ'' ہیں۔

ان کے حالات کتاب الایمان، باب ''من قال: إن الإيمان هو العمل'' میں گذر چکے ہیں(۳)۔

أبو هريرة

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب الایمان، باب ''أمور الإيمان'' میں گذر چکا ہے(۴)۔

شرح الحديث

أن سائلاً

اس روایت میں ہے کہ ایک سائل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے:

''قال: قام رجل فقال: يارسول الله! أونصلي في ثوب واحد؟'' قال:

---

(۱) كشف الباري: ۸۰/۲

(۲) كشف الباري: ۳۲٦/۱

(۳) كشف الباري: ۱۵۹/۲

(٤) كشف الباري: ٦۵۹/۱

"نعم"، فقال: "أو كلكم يجد ثوبين؟"(١).

اور ابن شیبہ نے جو روایت ذکر کی ہے اس میں ہے:

قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الصلاة في الثوب الواحد؟

فقال: أو لكلكم ثوبان؟"(٢).

دونوں روایات کا مفہوم وہی ہے جو حدیثِ باب کا تھا۔ بہرصورت سائل کا نام معلوم نہیں ہے، البتہ علامہ سرخسی رحمہ اللہ نے المبسوط میں اس کا نام "ثوبان" ذکر کیا ہے(٣)۔

أولكلكم ثوبان؟

"ہمزہ" استفہام کے لیے ہے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"ہمزہ" کے بعد "واؤ" عاطفہ ہے، پھر اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس واؤ کے ذریعے کس پر عطف ڈالا گیا ہے؟ تو میں کہوں گا کہ یہاں معطوف علیہ محذوف ہے اس کی تقدیر "أأنت سائل عن مثل هذا الظاهر" ہوگی، اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس جیسے واضح اور ظاہر سوالوں کے بارے میں نہ تو سوال کیا جاتا ہے اور نہ ہی تمہارے پاس دو دو کپڑے ہیں۔

یعنی استفہام اس مقام کے قرینہ کی وجہ سے نفی کا فائدہ دے رہا ہے(٤)۔

اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لفظ اگرچہ استفہام کا ہے لیکن یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حال کو جانتے ہوئے کہ ان کے پاس یا تو کپڑے ہوتے ہی نہیں یا پھر تنگ ہوتے ہیں، ان کو خبر

---

(١) شرح معاني الآثار، باب الصلاة في الثوب الواحد، رقم الحديث: ٢٠٦١

(٢) المصنف لابن أبي شيبة، في الصلاة في الثوب الواحد، رقم الحديث: ٣١٨٢

(٣) المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، كيفية الصلاة: ٣٣/١

(٤) شرح الكرماني: ١٧/٤

دے رہے ہیں، گویا کہ یوں کہہ رہے ہیں کہ جب تمہارا حال یہ ہے کہ تمہارے میں سے کسی کے پاس دو دو کپڑے بھی نہیں ہیں اور نماز ادا کرنا تم پر فرض بھی ہے، تو جان لو کہ تمہارے لیے ایک کپڑے میں ہی نماز ادا کر لینا جائز ہے(۱)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ صیغہ صیغہ استفہام ہے، لیکن اس کے معنیٰ تقریر اور اخبار کے ہیں، جو کہ ان کے حال سے ظاہر ہو رہا تھا، اس کے ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی(۲)۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ لفظ تو استفہام کا ہے، لیکن اس کے معنیٰ اخبار کے ہیں، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے ظاہری حال کی طرف دیکھتے ہوئے خبر دی، اس کلام کے ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتویٰ بھی دے دیا کہ "جب تم پر ستر کا چھپانا واجب ہے، اور نماز کی ادائیگی بھی تم پر لازم ہے اور دو دو کپڑے بھی نہیں، تو کیا تم نے نہ جانا کہ ایک ہی کپڑے میں بھی نماز جائز ہے"(۳)۔

علامہ طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اگر نماز ادا کرنا ایک کپڑے میں مکروہ ہوتا، تو اس شخص کے لیے بھی مکروہ ہوتا، جس کے پاس ایک ہی کپڑا ہوتا، اس لیے کہ جس کے دو کپڑے ہوں اس کے لیے ایک کپڑے میں نماز ادا کرنے کا حکم وہی ہے جو اس شخص کے لیے جو ایک کپڑے کے علاوہ کوئی اور نہ رکھتا ہو(۴)۔

---

(۱) عمدة القاري: ٩٦/٤، التوضيح لابن ملقن: ٢٨٩/٥

(٢) إكمال المعلم شرح مسلم: ٢٣٩/٢

(٣) معالم السنن للخطابي، رقم الحديث: ٢٠١، ١٥٦/١

(٤) شرح معاني الآثار، رقم الحديث: ٢٢٣٣، ٣٨٠/١

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت ظاہر ہے، اس لیے کہ اس حدیث میں ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا ہے، جس کا جواب یہ دیا گیا کہ نماز ایک کپڑے میں ادا کرنا جائز ہے(۱)۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"أو لکلکم ثوبان" سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ مسئلہ غیر محل میں واقع ہوا ہے، اس لیے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان افراد کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جنہوں نے ایک کپڑا پہنا ہوا تھا پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع نہیں فرمایا تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے فعل پر تقریر ہوگئی، لہذا اس کے بعد اس بارے میں سوال کرنے کے کوئی معنی باقی نہیں رہ جاتے (۲)۔

٤ - باب : إِذَا صَلَّى فِي ٱلثَّوْبِ ٱلْوَاحِدِ فَلْيَجْعَلْ عَلَى عَاتِقَيْهِ .

یہ باب ہے اس بارے میں کہ جب کوئی شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اسے چاہیے کہ اس کا کچھ حصہ اپنے کندھے پر ڈال لے۔

بعض نسخوں میں "علی عاتقه" مفرد لفظ کے ساتھ ہے (۳)۔

"عاتق" سے کیا مراد ہے؟

یہ ضَرَبَ یَضْرِبُ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، گردن اور کندھے کے درمیان کی جگہ کو "عاتق" کہتے ہیں، یہ چادر رکھنے کی جگہ ہوتی ہے، مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، اس کی جمع عواتق آتی ہے (۴)۔

---

(۱) عمدة القاري: ٤/٩٥

(۲) الكنز المتواري: ٤/٢٣

(۳) شرح الكرماني: ٤/١٧، عمدة القاري: ٤/٩٧

(٤) القاموس المحيط، ص: ١٧١، المحكم: ١/١٧٩، المغرب في ترتيب المعرب: ٢/٢٤٧، تاج العروس: ٢٦/١٢٣، لسان العرب: ١٠/٢٣٤، عمدة القاري: ٤/٩٧

حدیث باب (پہلی حدیث)

۳۵۳/۳۵۲ : حدّثنا أبو عاصِمٍ ، عَنْ مالِكٍ ، عَنْ أَبي الزِّنادِ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبي هُرَيْرَةَ[1] قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (لَا يُصَلِّي أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ ، لَيْسَ عَلَى عَاتِقَيْهِ شَيْءٌ) .

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسے کپڑے میں نماز نہ پڑھے جس میں سے کچھ اس کے شانے پر نہ ہو“۔

تراجم رجال

أبو عاصم

یہ ”ابو عاصم ضحاک بن مخلد بن ضحاک بن مسلم الشیبانی البصری رحمہ اللہ“ ہیں۔

ان کے حالات کتاب العلم، باب ”القرآءة والعرض على المحدث“ میں گذر چکے ہیں(۲)۔

مالك

یہ ”ابو عبد اللہ مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ“ ہیں۔

---

(۱) رواه البخاري في هذا الباب

ومسلم في كتاب الصلاة، باب الصلاة في الثوب واحدٍ، رقم الحديث: ٥١٦

وأبوداؤد في كتاب الصلاة، باب جماع أثواب مايصلى فيه، رقم الحديث: ٦٢٦

والنسائي في كتاب الصلاة، باب صلاة الرجل في ثوبٍ واحدٍ ليس على عاتقه منه شيء، رقم الحديث: ٧٧٠

جامع الأصول، كتاب الصلاة، النوع الثاني، في الثوب الواحد، وهيئة اللبس، رقم الحديث: ٣٦٣٣، ٥/٤٥٢

(۲) كشف الباري: ٣/١٥٢

ان کے حالات کتاب الایمان، باب "من الدين الفرار ومن الفتن" میں گذر چکے ہیں(۱)۔

أبي الزّناد

یہ "ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان المدنی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے حالات کتاب الایمان، باب "حب الرسول من الإيمان" میں گذر چکے ہیں (۲)۔

عبدالرحمن الأعرج

یہ "ابوداؤد عبدالرحمٰن بن ہرمز مدنی قرشی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے حالات بھی کتاب الایمان، باب: "حب الرسول من الإيمان" میں گذر چکے ہیں (۳)۔

أبو هريرة

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے حالات، کتاب الایمان، باب "أمور الايمان" میں گذر چکے ہیں (۴)۔

شرح حدیث

لا يصلّي أحدُكُمْ

حدیث مبارکہ کے اس جملے میں "يصلي" ی کے اثبات کے ساتھ ہے، اس لیے کہ اس پر لائے نفی داخل ہے، لیکن اس کے معنی نہی کے ہیں "کہ تم میں سے کوئی نماز نہ پڑھے"۔

تاہم دارقطنی نے "غرائب المالک" میں "لا يصلّ" کے لفظ کے ساتھ روایت ذکر کی ہے، اس جگہ "لا" ناہیہ ہوگا، جس نے "ی" کو ساقط کردیا (۵)۔

---

(۱) كشف الباري: ٢/٨٠

(٢) كشف الباري: ٢/١٠

(٣) كشف الباري: ٢/١٠

(٤) كشف الباري: ١/٦٥٩

(٥) شرح الكرماني: ٤/١٧، فتح الباري: ٢/٦٢١، عمدة القاري: ٤/٩٨

لیس علی عاتقیه شیء

یہ جملہ حالیہ ہے، واؤ کے بغیر، علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جیسے جملوں میں واؤ کو ترک کرنا جائز ہے(۱)۔

کندھے پر چادر ڈالے بغیر نماز پڑھنے کا حکم

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نہی تحریمی ہے یا تنزیہی؟ پھر اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ نہی کا ظاہر تو نہی تحریمی کا تقاضہ کرتا ہے، لیکن اس کے ترک کے جواز پر اجماع منعقد ہے (یعنی اگر کوئی شخص ایک کپڑے میں نماز ادا کرے اور اس کپڑے کا ایک حصہ کندھے پر نہ ڈالے تو اس کی نماز درست ہو جائے گی) کیونکہ مقصود سترِ عورت ہے، جس بھی طریقے سے یہ حاصل ہو جائے، جائز ہے(۲)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ کا اس پر اجماع کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ امام احمد رحمہ اللہ اور محمد بن علی سے عدمِ جواز کا قول منقول ہے، اس کے علاوہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی خلاف کا ذکر کیا ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس موضوع سے متعلق مستقل باب قائم کیا ہے، انہوں نے حضرت ابن عمر، طاؤس اور نخعی رحمہ اللہ کا بھی خلاف ذکر کیا ہے، پھر سب احادیث کو ذکر کرنے کے بعد نتیجہ یہ نکالا ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ چادر کے دونوں سرے مونڈھوں پر ڈال کر نماز ادا کی جائے، یہ اس وقت ہے جب چادر اتنی بڑی ہو کہ اس کو مونڈھوں پر ڈال سکے اور اگر چادر چھوٹی ہو تو پھر حکم یہ ہوگا کہ اسے تہبند کی طرح باندھ لیا جائے(۳)۔

شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف بھی وجوب کا قول منسوب کیا ہے، مگر کتب شافعیہ میں قولِ راجح اس کے خلاف ہے(۴)۔

---

(۱) عمدة القاري: ٩٨/٤، إرشاد الساري: ١٨/٢

(٢) شرح الكرماني: ١٧/٤

(٣) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب في الثوب الواحد، رقم الحديث: ٢٠٩٧، ٣٨٣/١

(٤) الحاوي، كتاب الصلاة، باب إذا صلت الأمة مكشوفة الرأس: ١٧٣/٢، المجموع شرح المهذب: ١٧٤/٣

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے عدم وجوب پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں نماز ادا فرمائی، اس حال میں کہ اس کپڑے کا ایک سرا بعض ازواج مطہرات پر پڑا ہوا تھا اور وہ سو رہی تھیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو کپڑا اتنا بڑا تھا کہ اسے مونڈھوں پر ڈال سکتے اور نہ ہی اتنا چھوٹا تھا کہ اسے بطور تہبند باندھ سکتے، حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس استدلال میں تأمل ہے(۱)۔

بظاہر امام بخاری رحمہ اللہ کے مذہب میں تفصیل ہے کہ کپڑا بڑا ہو تو مونڈھوں پر ڈال لینا واجب ہے۔ اور اگر تنگ ہو تو واجب نہیں۔ اسی تفصیل کی طرف اشارہ کرنے کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اگلا باب "إذا كان الثوب ضيقاً" قائم کیا ہے(۲)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مذہب امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب سے مختلف ہے، وہ اس طرح کہ امام احمد رحمہ اللہ صرف کندھے چھپانے کو شرط صلاۃ یا واجب قرار دیتے ہیں، جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ اور ابن المنذ رصرف وجوب کے قائل ہیں اور کپڑا تنگ ہونے کے وقت تو وجوب کے بھی قائل نہیں ہیں (۳)۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے ابن عیینہ کے طریق سے جو روایت ذکر کی ہے، اس میں "ليس على عاتقيه شيء" کے جملے میں "شيئ" سے قبل "منه" کا اضافہ ہے(۴)۔

اور اس جملہ سے مراد یہ ہے کہ جب چادر کشادہ ہو تو اس چادر کو تہمند کی مثل کمر یا کولھوں پر نہ باندھے، بلکہ چادر کے دونوں کناروں کے ذریعے اشتمال کرے، یعنی چادر کے دونوں سرے کندھوں پر ڈالے، اس لیے کہ اس طریقے سے بدن کے اوپر والے حصہ کا بھی ستر ہو جائے گا، اگرچہ وہ حصہ ستر میں داخل نہیں ہے۔ نیز اس طریقے میں سترِ عورت پر قدرت بھی زیادہ مضبوط طریقے سے حاصل ہوتی ہے(۵)۔

---

(۱) التوضيح: ٢٩١/٥، فتح الباري: ٦٢١/٢، عمدة القاري: ٩٨/٤

(۲) فتح الباري: ٦٢١/٢، عمدة القاري: ٩٧/٤

(۳) عمدة القاري: ٩٨/٤

(٤) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الصلاة في ثوبٍ واحدٍ، رقم الحديث: ٥١٦

(٥) فتح الباري: ٦٢١/٢

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے کہ دونوں میں چادر کا موڑھے پر ڈالنا مذکور ہے نماز کی حالت میں (۱)۔

حدیث باب: (دوسری حدیث)

(۳۵۳) : حدّثنا أبو نُعَيمٍ قَالَ : حَدَّثنا شَيْبَانُ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبي كَثِيرٍ ، عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ : سَمِعْتُهُ ، أَوْ كُنْتُ سَأَلْتُهُ قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ (۲) يَقُولُ : أَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ : (مَنْ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ ؛ فَلْيُخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ) .

ترجمہ

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایک کپڑے میں نماز ادا کرے تو اسے چاہیے کہ اپنے کپڑے کے دونوں سروں میں کندھوں پر ڈالتے ہوئے مخالفت پیدا کرے، (یعنی ایک سرا دوسرے کاندھے پر اور دوسرا سرا پہلے کاندھے پر ڈالے)۔

تراجم رجال

أبو نعیم

یہ "ابو نعیم الفضل بن دکین الملائی الکوفی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے احوال، کتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه میں گذر چکے ہیں (۳)۔

(۱) عمدة القاري: ٤/٩٨

(۲) سنن أبوداود، كتاب الصلاة، باب جماع أثواب مايصلى فيه، رقم الحديث: ٦٢٧

جامع الأصول، كتاب الصلاة، النوع الثاني، رقم الحديث: ٣٦٣٤، ٥/٤٥٢

(۳) كشف الباري: ٢/٦٦٩

شیبان

یہ ”ابومعاویہ شیبان بن عبدالرحمٰن تمیمی نحوی بصری رحمہ اللہ“ ہیں۔

ان کے حالات، کتاب العلم باب کتابة العلم کی دوسری حدیث میں گذر چکے ہیں(۱)۔

یحییٰ بن کثیر

یہ مشہور امام ”یحییٰ بن کثیر طائی یمامی رحمہ اللہ“ ہیں۔

ان کا ذکر بھی کتاب العلم، باب ”کتابة العلم“ کی دوسری حدیث میں گذر چکا ہے(۲)۔

عکرمة

یہ ”ابوعبداللہ عکرمہ مولیٰ عبداللہ ابن عباس مدنی رحمہ اللہ“ ہیں۔

ان کے احوال کتاب العلم باب ”قول النبی صلی اللہ علیه وسلم ”اللهم علمه الکتاب“ میں گذر چکے ہیں(۳)۔

أبو هريرة

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کے حالات، کتاب الایمان، باب ”أمور الإیمان“ میں گذر چکے ہیں(۴)۔

شرح حدیث

سمعته، أو كنت سألته

اس حدیث کے راوی یحییٰ بن کثیر کو حضرت عکرمہ سے سماع یا ان سے سوال کرنے کے بارے میں شک ہے۔

یعنی پہلے تو انہوں نے کہا کہ ”میں نے عکرمہ سے سنا“، پھر کہا کہ ”میں نے ان سے سوال کیا“۔ چنانچہ

---

(۱) كشف الباري: ۲/۲٦۳

(۲) كشف الباري: ۲/۲٦۳

(۳) كشف الباري: ۳/۳٦۳

(٤) كشف الباري: ۱/٦٥۹

مفہوم یہ بنے گا کہ "میں نے عکرمہ سے سنا اپنے پوچھنے کے بعد یا پوچھے بغیر (۱)۔

سنن أبي داؤد کی تخریج کردہ روایت میں اس شک کے بغیر عنعنہ کے ساتھ مضمون ہے، یعنی

"یحییٰ عن عکرمة عن أبي هريرة" (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب جماع أبواب مايصلّي فيه، رقم: ٦٣٧)

أشهد أني سمعت

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے ان کی ذہانت، ان کے حافظے اور استحضار پر اشارہ ہے (۲)۔

في ثوب واحد

"ثوب" کی صفت "واحد" صرف کشمیہنی کی روایت ہے، ان کے علاوہ کی روایت میں "واحد" کے بغیر صرف "ثوب" مذکور ہے (۳)۔

فليخالف بين طرفيه

مراد یہ ہے کہ کپڑے کی دونوں طرفوں میں مخالفت پیدا کریں۔ اور اس مخالفت سے مراد "توشح" یعنی "اشتمال على المنكبين" ہی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم اس لیے دیا کہ بدن کے اوپر والا حصہ اور زینت کی مواضع بھی ستر میں چھپ جائیں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس لیے دیا کہ رکوع کی حالت میں چادر وغیرہ نیچے نہ گرے (۴)۔

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نمازی کی نظر رکوع کی حالت میں اپنے ستر پر نہ پڑے (۵)۔

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/١٨، فتح الباري: ٢/٦٢١، عمدة القاري: ٤/٩٩

(۲) شرح الكرماني: ٤/١٨، فتح الباري: ٢/٦٢١

(۳) فتح الباري: ٢/٦٢١، إرشاد الساري: ٢/١٩

(٤) شرح الكرماني: ٤/١٨، عمدة القاري: ٤/١٠٠

(٥) شرح ابن بطال: ٢/١٦

یہ اُمر جمہور علماء کے نزدیک استحباب کے لیے ہے، یہاں تک اگر کوئی شخص اپنے کندھے پر چادر کا کوئی سرا رکھے بغیر نماز پڑھے تو اس کی نماز درست ہو جائے گی (۱)۔

ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ اگر توشح نہ کیا، یعنی اپنی چادر کو اپنے کاندھوں پر نہ ڈالا، تو نماز میں اٹھتے بیٹھتے وقت اور اسی طرح رکوع وسجود کے وقت اس چادر کو سنبھالنا پڑے گا، اس میں مشغولیت کی وجہ سے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے والی سنت اس سے فوت ہو جائے گی (۲)۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے قدرت کے وقت چادر کا سرا اپنے مونڈھے پر رکھنے کو شرط قرار دیا ہے۔ انہی سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر کسی نے ایسا نہ کیا تو اس کی نماز درست ہو جائے گی، لیکن وہ گناہ گار ہوگا (۳)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اس طور پر ہوگی کہ کپڑے کے دونوں اطراف کی دونوں کندھوں پر مخالفت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ چادر کا پہلو کندھے پر ہو۔ اور یہی چیز ترجمۃ الباب میں ہے (۴)۔

٥ - باب : إِذَا كَانَ ٱلثَّوْبُ ضَيِّقًا .

یہ باب ہے اس بارے میں کہ جب نمازی کے پاس کوئی تنگ (چھوٹا) کپڑا ہو، تو وہ کیا کرے؟

"ضیّقا" "ی" کی تشدید اور تخفیف دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔ دونوں کا معنیٰ ایک ہی ہے۔ یہ صفت مشبہ ہے، اس مادہ سے اسم فاعل "ضائق" فاعل کے وزن پر ہوگا۔

البتہ ان کے درمیان فرق اس طور پر ہوگا کہ ضیقاً صفت مشبہ ہونے کی وجہ سے دوام اور ثبوت پر دلالت

(١) شرح الكرماني: ١٩/٤، فتح الباري: ٦٢٢/٢، عمدة القاري: ١٠٠/٤، إرشاد الساري: ١٩/٣، الكوثر الجاري: ٤١/٢

(٢) شرح الكرماني: ١٩/٤، فتح الباري: ٦٢٣/٢، عمدة القاري: ١٠٠/٤

(٣) شرح الكرماني: ١٩/٤، فتح الباري لابن رجب: ٣٢/٢، فتح الباري لابن حجر: ٦٢٢/٢، عمدة القاري: ١٠٠/٤، تقرير بخاري: ٣٣٣/٢

(٤) شرح الكرماني: ٢٠/٤، عمدة القاري: ١٠٠/٤

کرے گا، اور ضائقاً اسم فاعل ہونے کی وجہ سے حدوث پر دلالت کرے گا(۱)۔

پیچھے ذکر ہوا کہ کپڑے تین قسم کے ہو سکتے ہیں: ۱-بڑا، ۲-متوسط، ۳-قصیر۔

تو امام بخاری رحمہ اللہ نے باب "الصلوٰة في الثوب الواحد ملتحفاً" قائم کر کے بتادیا کہ اگر کپڑا کشادہ اور بڑا ہو تو پھر نماز کے لیے التحاف کیا جائے اور اگر کپڑا دوسری قسم کا ہو، یعنی متوسط ہو تو اس کے لیے امام صاحب رحمہ اللہ نے باب "إذا صلى في الثوب الواحد، فليجعل على عاتقية" قائم کر کے بتادیا کہ اس صورت میں چادر اس طرح اوڑھی جائے کہ ایک سرا کندھے پر ہو۔

اور اگر کپڑا تیسری قسم کا ہو، یعنی چھوٹا ہو تو پھر نماز کے لیے اس کپڑے کو اپنے کولہوں پر باندھ لے، اس کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل باب "باب إذا كان الثوب ضيقاً" قائم کیا ہے(۲)۔

حدیث باب: (پہلی حدیث)

٣٥٤ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ قَالَ : حَدَّثنا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمانَ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ ٱلْحارِثِ قَالَ : سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبدِ ٱللهِ(۳) : عَنِ ٱلصَّلَاةِ فِي ٱلثَّوْبِ ٱلْوَاحِدِ ، فَقَالَ : خَرَجْتُ مَعَ ٱلنَّبِيِّ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ ، فَجِئْتُ لَيْلَةً لِبَعْضِ أَمْرِي ، فَوَجَدْتُهُ يُصَلِّي ، وَعَلَيَّ ثَوْبٌ وَاحِدٌ ، فَاشْتَمَلْتُ بِهِ ، وَصَلَّيْتُ إِلَى جَانِبِهِ ، فَلَمَّا ٱنْصَرَفَ قَالَ : (مَا ٱلسُّرَى يَا جَابِرُ) . فَأَخْبَرْتُهُ بِحَاجَتِي ، فَلَمَّا فَرَغْتُ قَالَ : (مَا هٰذَا ٱلِاشْتِمَالُ ٱلَّذِي رَأَيْتُ) . قُلْتُ : كَانَ ثَوْبٌ ، يَعْنِي ضَاقَ ، قَالَ : (فَإِنْ كَانَ وَاسِعًا فَالْتَحِفْ بِهِ ، وَإِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهِ) .

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/٢٠، عمدة القاري: ٤/١٠٠

(۲) تقرير بخاری شریف: ۲/۱۲۳

(۳) رواه البخاري أطراف هذا الحديث في الصلاة، باب عقد الإزار على القفا في الصلاة، رقم الحديث: ٣٠٣، وفي باب الصلاة بغير رداء، رقم الحديث: ٣٧٠

صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الدعا في صلاة الليل، رقم الحديث: ٧٦٦، وفي كتاب الصلاة، باب الصلاة في ثوب واحد وصفة لبسه، رقم الحديث: ٥١٨، وفي كتاب الزهد والرقاق، رقم الحديث: ٣٠١٠

سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في الرجل في قميص واحد، رقم الحديث: ٦٣٣، وباب إذا =

ترجمہ

حضرت سعید بن الحارث فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا، انہوں نے فرمایا کہ ایک بار میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کسی سفر میں نکلا، ایک رات میں اپنی کسی ضرورت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نکلا، تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوا پایا، میرے جسم پر ایک ہی کپڑا تھا، تو میں نے اس سے اشتمال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں کھڑے ہو کر میں نے نماز پڑھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ اے جابر! رات کے وقت کس غرض سے آنا ہوا؟ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ضرورت بتائی، جب میں اس امر سے فارغ ہو گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ اشتمال جو میں نے دیکھا، کیسا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ ایک ہی کپڑا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کپڑا وسیع ہو تو اس سے التحاف کر لیا کرو اور اگر کپڑا تنگ ہو تو اس کا تہبند باندھ لیا کرو۔

تراجم رجال

یحییٰ بن صالح

نام ونسب

یہ "الامام العالم الحافظ الفقیہ أبو زکریا، یحیٰ بن صالح الوحاظی رحمہ اللہ" ہیں، ان کو أبو صالح الشامی الدمشقی بھی کہا جاتا ہے اور ان کی نسبت "حمص" کی طرف کرتے ہوئے "الحمصی" بھی کہا گیا ہے(۱)۔

= كان الثوب ضيقا عزر به، رقم الحديث: ٦٣٤

الموطا، كتاب صلاة الجمعة، باب الرخصه في الصلاة في الثوب الواحد، رقم الحديث: ٣٠

جامع الأصول، كتاب الصلاة، باب في الثوب الواحد، رقم الحديث: ٣٦٣٦، ٤٥٤/٥

(١) الكاشف: ٣٦٨/٢، التاريخ الكبير: ٢٨٢/٨، تاريخ الإسلام للذهبي: ١٦٣/٦

ولادت

ابن حبان رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق ان کی پیدائش ۱۴۷ھ میں ہوئی اور ابن زبر کے قول کے مطابق ۱۳۷ھ میں ہوئی۔(۱)

مقام

ابن سعد رحمہ اللہ نے ان کا ذکر ''الطبقة السابقه من الشام'' میں کیا ہے(۲)۔

مشائخ وتلامذہ

یہ جن حضرات سے روایت نقل کرتے ہیں، ان میں مالک بن انس، سعید بن عبدالعزیز، فلیح بن سلیمان، زہیر بن معاویہ، حماد بن شعیب الکوفی، سلیمان بن بلال، عفیر بن معدان، سعید بن بشیر، سلیمان بن عطاء، محمد ابن مہاجر، سلمۃ بن کلثوم، معاویہ بن سلام حبشی، اسحاق بن یحییٰ الکلبی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔

اور ان سے روایات کرنے والوں میں بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، محمد بن یحییٰ الذہلی، أحمد بن أبي الحواری، محمد بن عوف، ابن وارۃ، أبو أمیہ الطرسوسی، عثمان بن سعید الدارمی، ابو زرعہ الدمشقی، یعقوب النسوی، احمد بن محمد بن یحییٰ بن حمزۃ، احمد بن عبدالوہاب، علی بن محمد بن عیسیٰ الجکانی اور ان کے علاوہ ایک جم غفیر شامل ہے(۳)۔

ان کے بارے میں اقوالِ محدثین

ان کے بارے میں ''یحییٰ بن معین'' فرماتے ہیں: ''ثقة''(٤).

ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''صدوق''(٥).

---

(۱) تهذيب الكمال: ۳۷۸/۳۱، إكمال تهذيب الكمال: ۳۲۷/۱۲

(۲) طبقات لابن سعد: ٤٧٣/٧، تقريب التهذيب: ۲۰۵/۲

(۳) تهذيب الكمال: ۳۷٥/۳۱-۳۷۸

(٤) الجرح والتعديل: ١٩٤/٩

(٥) الجرح والتعديل: ١٩٤/٩

ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے(۱)۔

أبو عوانه الإسفرايني فرماتے ہیں: ”حسن الحديث، وصاحب الرأي، وكان عديل محمد بن الحسن الفقيه الى مكة(۲). أبو زرعه الدمشقي رحمه الله فرماتے ہیں: ”لم ليقل -يعني:- أحمد بن حنبل. في يحيىٰ بن صالح الاخيراً(۳).

سلیمان بن عبدالحمید البھرانی فرماتے ہیں کہ میں نے أبوالیمان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ”الحسن بن موسىٰ الأشيب“ ہمارے پاس حمص کے قاضی بن کر آئے، انہوں نے کہا کہ مجھے کسی ایسے شخص کے بارے میں بتائیں، جو ثقہ ہو، موسر ہو، میں اس سے اپنے معاملات کے بارے میں رائے طلب کروں، تو میں نے کہا کہ میں تو یحییٰ بن صالح سے زیادہ ثقہ کسی کو نہیں پاتا“(۴)۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے(۵)۔

ابن عدی رحمہ اللہ نے انہیں شام کے ثقات میں ذکر کیا ہے(٦)۔

الخلیلی فرماتے ہیں: ”ثقة، روى عنه الأئمة“(۷).

أبو یحییٰ کہتے ہیں: ”وهو من عندهم من أهل الصدوق والأمانة“(۸).

أحمد بن صالح المصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن صالح نے مالک بن انس رحمہ اللہ سے تیرہ احادیث روایت کی ہیں، ہم نے ان روایات کو ان کے علاوہ کسی اور سے نہیں سنا(۹)۔

---

(۱) الثقات لابن حبان: ۲٦۰/۹

(۲) سير أعلام النبلاء: ۱۰ى/٤٥٤

(۳) تهذيب الكمال: ۳۸۰/۳۱

(٤) تهذيب التهذيب: ۲۳۰/۱۱

(٥) تاريخ الإسلام الذهبي: ۱٦۳/٦

(٦) تهذيب الكمال: ۳۷۹/۳۱، تهذيب التهذيب: ۲۳۰/۱۱

(۷) إكمال تهذيب الكمال: ۳۲۷/۱۲، تهذيب التهذيب: ۲۳۱/۱۱

(۸) ميزان الاعتدال: ۳۸٦/٤، إكمال تهذيب الكمال: ۳۲۷/۱۲

(۹) ميزان الاعتدال: ۳۸٦/٤

أحمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک محدث نے بیان کیا کہ یحییٰ بن صالح نے کہا کہ اگر اصحاب حدیث رؤیت کے بارے میں دس احادیث چھوڑ دیں، تو اچھا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گویا ان کا میلان جہمیوں کی طرف ہے(۱)۔

کچھ آئمہ کی طرف سے ان پر جرح بھی کی گئی ہے اور یہ جرح ان کے عدم اتقان کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ ان میں بدعت کے پائے جانے کی وجہ سے ہے(۲)۔

عقیلی فرماتے ہیں: ''یحییٰ ابن صالح حمصی، جهمّي(۳).

تہذیب الکمال کے حاشیہ میں ''بشار عواد'' لکھتے ہیں کہ: یحییٰ بن صالح کے بارے میں ان کی تضعیف کے بارے میں جو کچھ گذرا، وہ عقائد اور رائے میں ان کی مخالفت کے سبب سے ہے، اسی وجہ سے بہترین بات وہ ہے جو علامہ ذھبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب النافع میں کہی ہے کہ جس کے بارے میں کلام کیا گیا ہے، وہ ثقہ ہے، یعنی اپنی ذات کے اعتبار سے ثقہ ہے، لیکن ان کی رائے اور تجہیم کے بارے میں کلام کیا گیا ہے(۴)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن صالح الوحاظي الحمصّي امام بخاری رحمہ اللہ کے شیوخ میں سے ہیں، یحییٰ بن معین، أبوالیمان اور ابن عدی رحمہ اللہ نے ان کی توثیق کی ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ان کی مذمت بیان کرتے ہوئے، ان کی نسبت جہمیوں کی طرف کی ہے اور اسحاق بن منصور نے تو ان کو ''کان مرجئاً'' کہا ہے، اور الساجی نے ان کے بارے میں ''هو من أهل الصدق والأمانة'' کہا ہے، ابوحاتم نے ''صدوق'' کہا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سے دو یا تین حدیثیں روایت کی ہیں، اور ائمہ ستہ میں سے امام نسائی رحمہ اللہ کے سوا سب نے ان کی روایات نقل کی ہیں(۵)۔

تحریر تقریب التہذیب میں ہے کہ یہ ثقہ ہیں، امام بخاری، ابن معین، ابن عدی، ابوالیمان اور ذہبی

---

(۱) ميزان الاعتدال: ٣٨٦/٤، تهذيب التهذيب: ٢٣٠/١١

(۲) سير أعلام النبلاء: ٤٥٥/١٠

(۳) تهذيب الكمال: ٣٧٩/٣١، تهذيب التهذيب: ٢٣١/١١

(٤) تهذيب الكمال: ٣٨١/٣١

(٥) هدي الساري مقدمه فتح الباري، ص: ٦٣٥، دار السلام

رحمہم اللہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ابو حاتم نے ان سے روایت کی ہے اور ان کے بارے میں ''صدوق'' کہا ہے، ابن حبان نے ان کو ''ثقات'' میں شمار کیا ہے۔

احمد، عقیلی اور الحاکم نے ''الرأي'' کی وجہ سے ان کے بارے میں کلام کیا ہے اور یہ ایسی تضعیف ہے، جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے(۱)۔

وفات

ان کی عمر نوے سال سے زیادہ تھیں، ایک جماعت نے ان کے بارے میں یہ کہا ہے کہ ان کی وفات ۲۲۲ ہجری میں ہوئی(۲)

ابن زبر رحمہ اللہ نے یہ کہا ہے کہ ان کی عمر پچاسی سال تھی(۳)۔

فليح بن سليمان

یہ ''أبو یحیٰ فلیح بن سلیمان بن أبي المغیرہ خزاعی، اسلمی مدنی رحمہ اللہ'' ہیں۔

ان کے حالات کتاب العلم، باب: ''من سئل علماً وهو مشتغل في حديثه، فأتم الحديث ثم أجاب السائل'' میں گذر چکے ہیں(۴)۔

سعيد بن الحارث

یہ ''سعید بن الحارث بن أبي سعید بن المعلی رضی اللہ عنہ'' ہے۔ مدینہ کے قاضی تھے، ان کو ''ابن أبي المعلی الأنصاری، المدنی'' بھی کہا جاتا ہے(۵)۔

یہ ''جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن حنین، عبداللہ بن عمر بن الخطاب، أبوسعید الخدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ'' سے روایت کرتے ہیں۔

---

(۱) تحرير تقريب التهذيب: ٨٨/٤

(۲) سير أعلام النبلاء: ٤٥٦/١٠، تهذيب التهذيب: ٣٣٠/١١

(۳) تهذيب الكمال: ٣٨١/٣١، إكمال تهذيب الكمال: ٣٢٧/١١

(٤) كشف الباري: ٥٥/٣

(٥) الكاشف: ٤٣٣/١، التاريخ الكبير للبخاري: ٤٦٣/٣، تقريب التهذيب: ٣٤٩/١

اور ان سے روایت کرنے والوں میں ''عمرو بن الحارث، فلیح بن سلیمان، محمد بن عمرو بن علقمۃ بن وقاص، موسیٰ بن عبیدۃ الترمذی، اور أبو یحییٰ الأسلمی'' ہیں(۱)۔

ابن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مشہور" (۲).

یعقوب بن سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''ھو ثقة" (۳)

ابن حبان نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے (۴)۔

ان کی وفات ۱۲۰ ہجری کے سال میں ہوئی (۵)۔

یہ طبقہ ثالثہ میں سے تھے۔(۶)

جابر بن عبدالله

یہ مشہور صحابی ''حضرت جابر بن عبداللہ الأنصاری رضی اللہ عنہ'' ہیں۔

ان کے حالات کتاب الوضو، باب "من لم یر الوضوء إلا من المخرجين من القبل والدبر" میں گذر چکے ہیں (۷)۔

شرح حدیث

یہ روایت سعید بن الحارث کے طریق سے افراد بخاری میں سے ہے (۸)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ کے طریق سے ایک طویل حدیث میں نقل کیا ہے، اس میں ہے:

---

(۱) تهذيب الكمال: ۳۷۹/۱۰، سير أعلام النبلاء: ۱٦٤/٥، ۱٦٥

(۲) الجرح والتعديل: ۱۲/٤، تهذيب التهذيب: ١٥/٤

(۳) إكمال تهذيب الكمال: ۲۷۳/٥، تقريب التهذيب: ١٥/٤.

(٤) تهذيب التهذيب: ١٥/٤

(٥) سير أعلام النبلاء: ١٦٥/٥، تاريخ الإسلام للذهبي: ٥٢٤/٣

(٦) تقريب التهذيب: ٣٤٧/١

(۷) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب "من لم ير الوضوء إلا من المخرجين من القبل والدبر"

(۸) التوضيح لابن الملقن: ۲۹۲/٥، عمدة القاري: ١٠١/٤

"يـا جـابـر! إذا كـان واسـعـاً، فـخـالـف بين طرفيه، وإن كان ضيقاً، فاشدده على حقوبك"(۱).

اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے بھی عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے طریق سے ہی یہ روایت ذکر ہے (۲)۔

خرجت مع النبی صلی اللہ علیه وسلم في بعض أسفاره

ایک سائل نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ جب ہم میں سے کسی کے پاس ایک ہی کپڑا ہو تو وہ اس میں کیسے نماز پڑھے؟ تو اس کے جواب میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک قصہ بیان فرمایا، کہ میں ایک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کسی سفر میں تھا"۔

بخاری کی مذکورہ روایت میں اس سفر کی تفصیل بیان نہیں کی گئی۔

لیکن مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ غزوۃ، "غزوۃ بواط" تھا (۳)۔

"غزوۃ بواط"

جس جہاد وقتال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفسِ نفیس شرکت فرمائی ہو، اسے غزوہ کہا جاتا ہے، چاہے اس میں قتال کی نوبت آئی ہو یا نہ آئی ہو۔ غزوات کی تعداد میں علماءِ سیر کا اختلاف ہے، راجح قول کے مطابق ستائیس غزوات زمانۂ نبوت میں پیش آئے (۴)، ان کی مکمل تفصیل کتاب المغازی میں آئے گی۔

ان ستائیس غزوات میں سے صرف نو غزوات میں قتال کی نوبت پیش آئی، بدر، احد، خندق، قریظہ، مصطلق، خیبر، مکہ، حنین اور طائف (۵)۔

"غزوۃ بواط" میں قتل کی نوبت نہیں آئی۔

"بواط" ب کی فتحہ اور ضمہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ "بواط" ایک پہاڑ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الأدب والرقاق، باب حدیث جابر الطویل، رقم الحدیث: ۳۰۱۰

(۲) سنن أبي داؤد، کتاب الصلاة، باب إذا کان الثوب ضیقاً یتزر به، رقم الحدیث: ٦٣٤

(۳) صحیح مسلم، کتاب الزهد والرقاق، باب حدیث جابر الطویل، رقم الحدیث: ۳۰۱۰

(٤) تاریخ الطبری: ٢/٤٠٤، ٤٠٥، الکامل لابن اثیر: ٢/٢٠٧، سیرة ابن هشام: ٢/٣٥٤

(٥) سیرة ابن هشام مع الروض الأنف: ٢/٣٥٤

منورۃ کے درمیان ایک مقام "ینبع" کے قریب واقع ہے(۱)۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ ینبع اور مدینہ کے درمیان چار برد کا فاصلہ ہے(۲)۔ دو ہجری، ماہ ربیع الاول میں یہ غزوہ پیش آیا، اس غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ دوسو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے، قریش کے جس قافلہ کے تعاقب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تھے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زد سے نکل گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر قتال کے واپس تشریف لے آئے، اس غزوے کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو مدینۃ المنورۃ کا حاکم مقرر کیا تھا(۳) جب کہ ابن سعد کے بیان کے مطابق سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا گیا تھا(۴)۔

فحبثُ ليلة لبعض أمري

پوری عبارت تقدیری طور پر اس طرح ہوگی۔

"فجئت ليلة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم لأجل بعض حوائجي"

کہ اس سفر میں، میں ایک رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی کسی حاجت کی وجہ سے آیا۔

"الأمر" سے مراد اُمور میں سے کوئی امر ہے، یعنی کسی کام یا کسی حاجت کی غرض سے آیا، یہ "اَمر" اَوامر سے نہیں، یعنی احکامات میں سے کسی حکم کی وجہ سے نہیں آیا(۵)۔

اب حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کس کام سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے تھے؟ اس بارے میں بھی مسلم کی روایت میں تفصیل موجود ہے(۶)، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت جبار بن صخر رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا کہ وہ پڑاؤ کے مقام پر جا کر پانی کا کھوج لگائیں اور بندوبست کریں(۷)۔

---

(۱) معجم البلدان، ماده "ينبع": ٥/٤٥٠

(۲) طبقات ابن سعد، غزوه بواط: ۲/۱۰

(۳) سيرة ابن هشام، غزوه بواط، رقم الحديث: ٦٩٨، ٢/٢٥١، تاريخ الطبري: ٢/٤٠٥

(٤) طبقات ابن سعد، غزوه بواط: ٢/١٠، البداية والنهاية: ٣/٢٤٦

(٥) شرح الكرماني: ٤/١٩، عمدة القاري: ٤/١٠١، الكنز المتواري: ٤/٢٧

(٦) صحيح مسلم، كتاب الزهد والرقاق، باب حديث الجابر الطويل، رقم؛ ٣٠١٠

(٧) فتح الباري: ٢/٦٢٢، الكنز المتواري: ٤/٢٧

فاشتملتُ به

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنی حالت کی خبر دیتے ہوئے بتلا رہے ہیں کہ میرے جسم پر ایک ہی کپڑا تھا، جس کا میں نے اشتمال کیا ہوا تھا۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جگہ "فاشتملت" کہنے کی تعبیر اختیار کرنے میں کچھ نقص ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے کپڑے کے دونوں پہلوؤں کو اپنی تھوڑی کے نیچے دبایا ہوا تھا، اس کو اشتمال نہیں کہا جاتا، ان کو مسئلہ معلوم نہ تھا، ورنہ ایسی حالت میں کپڑے کو کمر سے باندھنا چاہیے تھا(۱)۔

وصليت إلى جانبه

فرمایا کہ "میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی"

اس جملہ میں "إلیٰ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اور "إلیٰ" انتہا کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ

اس جملہ میں انتہاء کے معنیٰ کا کیا مطلب؟ اور کیا مقام؟ مناسب یہ تھا کہ یہ کہا جاتا کہ "صليت في جانبه" تو اس کا جواب یہ ہے کہ "إلیٰ" اس جگہ "في" کے معنیٰ میں ہے اور ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ کلام میں ایک حرف جر، دوسرے حرف جر کے معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں "صليتُ" میں انضمام کے معنیٰ کی تضمین ہے، یعنی یہ جملہ "صليت مُنضَمًّا إلیٰ جانبه" ہے، اس بحث کی تفصیل یہ ہے کہ "تضمین" کہتے ہیں، ایک اسم یا فعل میں دوسرے اسم یا فعل کے معنیٰ استعمال کرنا۔ اس کا حاصل اور فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جب فعل اپنے فعل اصلی میں ہو تو بسا اوقات اس کے لیے کسی "صلہ" کا استعمال درست نہیں ہوتا، جیسے: یہاں "صليت" إلیٰ کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے اور صلّی کا صلہ "إلی" نہیں آتا۔ تو یہاں کہا جائے گا کہ "صليت"، انضممتُ کے معنیٰ کو متضمن ہے اور "انضممتُ" کا صلہ "إلی" استعمال ہوتا ہے، تو جملہ "صليتُ مُنضمًّا إلیٰ جانبه" کے معنیٰ میں ہوگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو سے مل کر نماز پڑھی"۔

---

(۱) فيض الباري: ۲/۱٤، أنوار الباري: ۱۱/۱۰٤

تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ "إلیٰ" اس جگہ انتہاء کے لیے ہی ہے اور اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، اس صورت میں جملہ اس طرح ہوگا، "صلیت متنهیاً إلیٰ جانبه". اس کا مطلب یہ ہوگا کہ "میں نے آپ کے پہلو کے قریب پہنچ کر نماز پڑھی" (۱)۔

فلمّا انصرف

"پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھرے"۔

یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر قبلہ کی جانب سے پھرے (۲)۔

ما السُّریٰ

"السُّریٰ" سین کے ضمہ اور الف مقصورہ کے ساتھ، رات کے وقت چلنے کو "السُّریٰ" کہتے ہیں، اس جگہ "سریٰ" کے وجود کا سوال نہیں کیا گیا، بلکہ "سریٰ" کے سبب کے بارے میں سوال کیا گیا ہے۔ یعنی: اے جابر! تیرے رات کے اس وقت آنے کا کیا سبب ہے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ سوال اس لیے ہوا کہ عموماً وہ وقت کسی کی آمد و رفت کا نہیں ہوتا (۳)۔

ماهذا الاشتمال الذي رأيت؟

اشتمال کا مطلب تو یہی ہے کہ کسی کپڑے کے ذریعے اپنے بدن کو لپیٹ لینا، پھر اگر یہ لپیٹنا ایسا ہو کہ بوقتِ ضرورت اپنے ہاتھ اپنی چادر سے نکالنا ممکن ہو، تو اشتمال کرنا جائز ہے۔ لیکن ایک صورت اشتمال کی ناجائز بھی ہے، وہ یہ ہے کہ پورے بدن پر اس طرح کپڑا لپیٹ لینا کہ بوقتِ ضرورت بآسانی اپنے ہاتھ نہ نکال سکے، حتیٰ کہ ہاتھ نکالنے کے لیے چادر کے پہلوؤں کو اٹھانا پڑے، جس کی وجہ سے اس کا ستر کھلتا ہو، اس اشتمال کو اشتمالِ صمّاء اور اشتمالِ ممنوع کہتے ہیں (۴)۔

مذکورہ حدیث میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا "فاشتملت" کہنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/ ٢٠، عمدة القاري: ٤/ ١٠١، إرشاد الساري: ٢/ ٢٠

(٢) شرح الكرماني: ٤/ ٢٠، عمدة القاري: ٤/ ١٠١، إرشاد الساري: ٢/ ٢٠

(٣) شرح الكرماني: ٤/ ٢٠، فتح الباري: ٦/ ٦٢٣، الكوثر الجاري: ٢/ ٤٢

(٤) فتح الباري لابن رجب: ٢/ ١٤٤، فيض الباري: ٢/ ١١، إرشاد الساري: ٢/ ٢٠

''ماھذا الاشتمال؟'' کہنے سے متبادر معنی تو یہی بنتے ہیں کہ شاید انہوں نے اشتمالِ صماء والی صورت اپنائی ہوئی تھی جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کرلیا؟(۱)

دوسری بات یہاں ''ماھذا'' سے سوال استفہامی انکاری ہے، جس کا مطلب یہ بنے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا یہ فرمایا کہ تمہیں اس طرح اشتمال نہیں کرنا چاہیے تھا(۲)۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال اشتمال صماء کی وجہ سے نہیں تھا۔ جیسا کہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ صاحب کا قول ذکر کیا جاچکا ہے کہ یہاں تعبیر ناقص استعمال کی گئی ہے، وہ اس طرح کہ اشتمالِ صماء تو اس وقت ممکن ہوتا ہے، جب کپڑا بڑا اور کشادہ ہو، جبکہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس تو کپڑا تنگ اور چھوٹا تھا، جیسا کہ آگے انہوں نے خود ''كان ثوبا يعني ضاق'' کہا ہے(۳)۔

چنانچہ کہا جائے گا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے صورتاً اشتمال کیا ہوا تھا، وہ اس طرح کہ ان کے پاس کپڑا چھوٹا تھا، اس کپڑے کا استعمال اس صورت میں بطورِ اشتمال نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس کو تہبند کے طرز پر باندھنا تھا اور انہوں نے مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس چھوٹے کپڑے کو اشتمال کی طرز پر اپنے بدن پر لپیٹا ہوا تھا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغرضِ انکار پوچھا کہ اے جابر! یہ اشتمال جیسی صورت کیوں اپنا رکھی ہے؟

اسی بات کو امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم میں بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کا سبب یہ تھا کہ کپڑا چھوٹا تھا اور اس کپڑے کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بصورتِ اشتمال لیا ہوا تھا، جس کی وجہ سے ستر کامل طریقے سے چھپانا مشکل ہو رہا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسئلہ کی صحیح صورت بتائی، کہ اشتمال اس صورت میں ہوتا ہے، جب کپڑا کشادہ ہو اور جب کپڑا چھوٹا ہو تو اس وقت اس کپڑے کو تہبند کی طرح باندھنا چاہئے۔ کیونکہ مقصدِ اصلی سترِ عورت ہے اور وہ چھوٹے کپڑے میں تہبند کی صورت میں ہی ہوسکتا ہے(۴)۔

مسلم شریف کی روایات کے الفاظ یہ ہیں:

---

(۱) التوضيح لابن ملقن: ۵/۲۹۲، شرح ابن بطال: ۲/۲۱

(۲) فتح الباري: ۲/۶۲۳

(۳) فيض الباري: ۲/۱۴، أنوار الباري: ۱۱/۱۰۴

(٤) فتح الباري: ۲/۶۲۳

”وكانت عليّ بردة، ذهبت أن أخالف بين طرفيها، فلم تبلغ لي، وكانت لها ذباذب فنگستها، ثم خالفتُ بين طرفيها، ثم تواقصت عليها، ثم جئت حتىٰ قمتُ عن يسار رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأخذ بيدي فأدارني، حتىٰ أقامني عن يمينه، ثم جآء جبار بن صخر فتوضأ، ثم جآء فقام عن يسار رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بأيدينا جميعاً، فَدَفَعَنَا حتىٰ اقامنا خلفه، فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يرمقني وأنالا أشعر، ثم فطنت به، فقال هكذا بيده، يعني شُدَّ وسطك، فلما فرغ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ياجابر! قلت: لبيك، يارسول الله! قال: إذا كان واسعاً فخالف بين طرفيه، وإذا كان ضيقاً فاشدده على حِقوك“(۱).

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ:

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے، میرے بدن پر ایک چھوٹی چادر تھی، میں اس کے دونوں کناروں کو الٹنے لگا، وہ چھوٹی تھی، آخر میں نے اسے اوندھا کیا، پھر اس کے دونوں کنارے الٹے اور اسے اپنی گردن پر باندھ لیا، اس کے بعد میں آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف کھڑا ہوگیا، آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور گھما کر دائیں جانب کھڑا کردیا، پھر جبار بن صخر آئے، انہوں نے بھی وضو کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب کھڑے ہوگئے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ کر پیچھے ہٹایا اور اپنے پیچھے کھڑا کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے گھورنا شروع کیا، جس کا مجھے علم نہ ہوا، اس کے بعد مجھے خبر ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنی کمر باندھ لے (تاکہ ستر نہ کھلے) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جابر! میں نے عرض کیا، حاضر

(۱) صحيح مسلم، كتاب الزهد والرقاق، باب حديث الجابر الطويل، رقم الحديث: ۳۰۱۰

ہوں، یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب چادر کشادہ ہوتو اس کے دونوں کنارے الٹ لو اور جب تنگ ہو تو اسے کمر پر باندھ لو۔"

کان ثوباً

گویا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "کان الذي اشتملت به ثوباً واحداً" یعنی وہ کپڑا جس سے میں نے اشتمال کیا ہوا تھا وہ ایک کپڑا تھا۔ "ثوبا" منصوب ہے، کان کی خبر ہونے کی بناء پر۔

أبوذر اور کریمہ کی روایت میں یہ "ثـــوب" ہے، رفع کے ساتھ۔ اس صورت میں یہ کان تامہ ہوگا اور "ثوبٌ" اس کا فاعل۔

اور "اسماعیلی" نے یہاں ایک لفظ کا اضافہ بھی نقل کیا ہے۔ وہ ہے "ضیقاً"، یعنی "کان ثوباً ضیقاً" (۱).

حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اس جگہ ثـوباً کی صفت واحدا نکالنا ٹھیک نہیں ہے، جیسے امام شہاب الدین ابوالعباس احمد قسطلانی رحمہ اللہ نے نکالی ہے (۲)، اس لیے کہ یہ مقام ایک کپڑے کی تنگی اور چھوٹا ہونے کا چل رہا ہے، اس لیے مناسب یہ ہے کہ اس جگہ ثوباً کی صفت "ضیقاً" سے نکالی جائے، یعنی "کان ثوباً ضیقاً" (۳).

اس جگہ "ثـــوب" رفع کی صورت میں کان کو تامہ قرار دیتے ہوئے، حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے لکھا ہے کہ جب کان تامہ ہے تو پھر خبر کی ضرورت نہیں ہے (۴)۔

اس پر علامہ البدر الدمامینی رحمہ اللہ نے ان دونوں حضرات پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ کان تامہ بناتے ہوئے اس کے فاعل پر اقتصار کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے صرف "کان ثوب" سے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کا جواب نہیں بنے گا، بلکہ جواب تو خبر دینے کی صورت میں ہی بن سکے گا۔ تو مناسب یہی ہے کہ اسی جگہ مقام کے مناسب کوئی تقدیر نکالی جائے، اسی لیے اکثر نسخوں میں اس

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/٢٠، فتح الباري: ٢/٦٣٢، عمدة القاري: ٤/١٠١، إرشاد الساري: ٢/٢٠

(٢) إرشاد الساري: ٢/٢٠

(٣) فيض الباري: ٢/١٤، أنوار الباري: ١١/١٠٤

(٤) فتح الباري: ٢/٦٢٣، عمدة القاري: ٤/١٠١

مقام پر"یعني ضاق" کہہ کر مقام کی وضاحت کی گئی ہے(۱)۔

کشادہ کپڑا استعمال کرنے کا طریقہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا:"فإن کان واسعاً فالتحف به" کہ اگر کپڑا بڑا اور کشادہ ہو تو اس کا التحاف کرلیا کرو۔ اس کی صورت علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے یہ لکھی ہے کہ کپڑے کے ایک کنارہ کو بصورت تہبند لپیٹ کر دوسرے پہلو کو کندھے پر ڈال لیا کرو(۲)۔

تنگ کپڑا استعمال کرنے کا طریقہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اگر کپڑا تنگ ہو یا چھوٹا ہو تو اس کے ذریعے تہبند باندھ لیا کرو(۳)۔

فاتزر به

"اتزر" باب افتعال سے امر حاضر معروف کا واحد کا صیغہ ہے، اس کی "ائتزر" ہے، پہلا ہمزہ باب افتعال کا ہے اور دوسرا ہمزہ، فعل کا حرف اصلی ہے۔ اس ہمزہ کو"تاء" سے بدل کر"تاء" میں مدغم کردیا، "اتزر" ہوگیا(۴)۔

حدیثِ مبارکہ سے مستنبط احکام

حدیث مذکور سے مندرجہ ذیل احکامات مستنبط ہوتے ہیں:

۱- کسی کے سوال کے جواب میں صرف ہاں یا نہیں کی بجائے، مکمل تفصیل ذکر کرنا نا صرف جائز بلکہ اکثر زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے۔

۲- بغرضِ حوائج رات کے وقت کسی کے پاس جانا جائز ہے۔

---

(۱) إرشاد الساري: ۲/۲۰

(۲) إرشاد الساري: ۲/۲۰

(۳) حديث باب، رقم الحديث: ۳٦۱

(٤) شرح الكرماني: ٤/۲۰، عمدة القاري: ۱۰۱، ۱۰۲، إرشاد الساري: ٤/۲۰، تحفة الباري: ۱/۲۸۸

۳-نماز کے شوق اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت واقتداء میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا نماز پڑھنا بھی معلوم ہوتا ہے۔

۴-نماز میں عملِ قلیل کے ساتھ کسی کو تنبیہ کرنا بھی ثابت ہوا۔

۵-نماز کے بعد آنے والے سے آنے کا مقصد صراحتاً معلوم کرنا بھی ظاہر ہوا۔

۶-کسی خطا پر نرم انداز سے متصل سمجھانا بھی معلوم ہو رہا ہے(۱)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت:

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت، آخری جملہ ''وإن كان ضيقاً فاتزر به'' سے ظاہر ہے(۲)۔

حدیث باب، (دوسری حدیث)

۳۵۵ : حدَّثنا مُسَدَّدٌ قَالَ : حَدَّثنا يَحْيَى ، عَنْ سُفْيانَ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ ، عَنْ سَهْلٍ(۳) قَالَ : كَانَ رِجَالٌ يُصَلُّونَ مَعَ ٱلنَّبِيِّ ﷺ ، عَاقِدِي أُزْرِهِمْ عَلَى أَعْنَاقِهِمْ ، كَهَيْئَةِ ٱلصِّبْيَانِ ، وَيُقَالُ لِلنِّسَاءِ : (لَا تَرْفَعْنَ رُؤُوسَكُنَّ حَتَّى يَسْتَوِيَ ٱلرِّجَالُ جُلُوساً) . [۱۱۵۷، ۷۸۱]

ترجمہ

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ آپ صلی اللہ

(۱) عمدة القاري: ٤/١٠٢، شرح الكرماني: ٤/٢٠

(۲) عمدة القاري: ٤/١٠٠، منار الباري: ١/٣٧٩

(۳) أخرجه البخاري في الصلاة، باب عقد الإزار على القفا، وفي باب هذا، وفي صفة الصلاة، باب عقد الثياب وشدها، رقم الحديث: ٨١٤، وفي العمل في الصلاة، باب: إذا قيل للمصلي، تقدم أو انتظر، فانتظر لابأس رقم الحديث: ١٢١٥

ومسلم في الصلاة، باب خروج النساء المصليات وراء الرجال، رقم الحديث: ٤٤١

وأبوداؤد في الصلاة، باب الرجل يعقد الثوب في القفا، رقم الحديث: ٦٣٠

والنسائي في القبلة، باب الصلاة في الإزار، رقم الحديث: ٧٦٧

وجامع الأصول، كتاب الصلا، رقم الحديث: ٣٦٤٥، ٥/٤٦٠

علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ انہوں نے اپنے ازار (تہبند، چادریں وغیرہ) اپنے گردنوں کے ساتھ اس طرح باندھے ہوتے تھے، جیسے بچوں کی گردنوں میں کپڑوں کو باندھ دیا جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو فرمادیتے تھے کہ جب تک مرد سجدے سے اٹھ کر بیٹھ نہ جایا کریں، اس وقت تک تم سجدے سے اپنے سر نہ اٹھایا کرو۔

تراجم رجال

مسدَّد

یہ "مُسدَّد بن مسرہد بن مسربل بن مرعبل الاسدی البصری رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کا تذکرہ، کتاب الایمان، باب: "من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه" اور کتاب العلم، باب "من خصّ بالعلم قوماً دون قوم كراهية أن لا يفهموا" میں گذر چکا ہے(۱)۔

یحیٰ

یہ "یحیٰ بن سعید بن فروخ القطان تمیمی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے حالات کتاب الایمان، باب "أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه" میں گذر چکے ہیں(۲)۔

سفیان

یہ مشہور تابعی "ابوعبداللہ سفیان بن سعید ثوری کوفی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کا تذکرہ کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق کی دوسری حدیث میں گذر چکا ہے(۳)۔

أبو حازم

یہ "سلمہ بن دینار الأعرج الزاہد المدنی رحمہ اللہ" ہیں، ان کی کنیت ابوحازم ہے۔

---

(۱) كشف الباري: ۲/۲، ٤/٥٨٨

(۲) كشف الباري: ۲/۲

(۳) كشف الباري: ۲/۲۷۸

ان کے حالات کتاب الوضوء، باب "غسل المرأة أباها الدم عن وجهه" میں گذر چکے ہیں (۱)۔

سهل

یہ "ابن سعد الساعدی، أبو العباس الأنصاری الخزرجی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے حالات بھی کتاب الوضو، باب "غسل المرأة أباها الدم عن وجهه" میں گذر چکے ہیں (۲)۔

شرحِ حدیث

مذکورہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے "باب عقد الإزار على القفا في الصلاة" میں تعلیقاً نقل کی تھی، اب اس باب میں سنداً ذکر کر رہے ہیں۔

اس حدیث کی سند میں "سفیان" سے مراد سفیان بن عیینہ ہیں، یا سفیان الثوری؟ اس میں اختلاف ہے اس لیے کہ یہ دونوں حضرات ابو حازم سے روایت کرتے ہیں، جیسا کہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے (۳)۔

لیکن علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے "سفیان بن عیینہ" کے احتمال کو رد کیا ہے اور سفیان الثوری پر جزم قرار دیا ہے (۴)۔

اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے بھی حافظ مزی رحمہ اللہ کے حوالے سے اسی پر جزم فرمایا ہے، جیسا کہ أطراف میں حافظ مزی صاحب نے تصریح کی ہے (۵)۔

اس حدیث کو امام مسلم نے "عن أبي بكر بن أبي شيبة عن وكيع" (٦).

---

(١) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدّم عن وجهه

(٢) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدّم عن وجهه

(٣) شرح الكرماني: ٤/٢٠، تحفة الباري: ١/٢٨٨

(٤) إرشاد الساري: ٢/٢٠

(٥) عمدة القاري: ٤/١٠٢، تحفة الأشراف، سهل ابن سعد، رقم الحديث: ٤٦٨١، ٤/١٠٥

(٦) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب خروج النساء، المصليات ورآء الرجال، رقم الحديث: ٤٤١

ابوداؤد نے "عن محمد بن سليمان الأنباري عن وكيع" (١)۔

اورنسائی رحمہ اللہ نے "عن عبيدالله بن سعيد عن يحيٰ" کی سند سے روایت کیا ہے (٢)، ان میں سے سنن ابی داؤد کی روایت کے الفاظ قدرے مختلف ہیں، وہ یہ ہیں

"عن سهل بن سعد، قال: رأيت الرجال عاقدي أزرهم في أعناقهم من ضيق الأزر خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلاة كأمثال الصبيان، فقال قائل: يا معشر النساء لا ترفعن رؤوسكن حتىٰ يرفع الرجال".

كان رجال يصلون مع النبي صلى الله عليه وسلم

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے۔

"رجال" میں تنوین کے بارے میں علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تنویع یا تبعیض کے لیے ہے، یعنی "بعض الرجال"، اگر اس کو معرفہ ذکر کیا جاتا، تو یہ استغراق پر دلالت ہوتی جو کہ مقصود کے خلاف تھی (٣)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "رجال" میں تنوین تنویع کے لیے ہے، جو کہ اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ بعض رجال ایسا کرتے تھے اور بعض اس کے خلاف کرتے تھے اور ابوداؤد کی روایت میں "الرجال" معرف باللام ہے، اس میں لام جنس کے لیے ہے، جو نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے (٤)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ ان دونوں حضرات کی بات نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ جو ابوداؤد کی روایت میں مذکور ہے وہ اس بات کو رد کرتا ہے جو یہ دونوں حضرات فرما رہے ہیں اور وہ الرجال معرف باللام ہے (٥)۔

علامہ سہارنپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ الرجال میں لام عہد کے لیے ہے۔ مراد اس سے "بعض رجال"

---

(١) سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الرجل يعقد الثوب في القفا، رقم الحديث: ٦٢٨

(٢) سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب الصلاة في الإزار، رقم الحديث: ٧٦٧

(٣) شرح الكرماني: ٢١/٤

(٤) فتح الباري: ٦٢٣/٢

(٥) عمدة القاري: ١٠٢/٤

ہےاوران رجال سے مراداصحاب صفہ ہیں(۱)۔

عاقدي أزرهم على أعناقهم كهيئة الصبيان

مراد یہ ہے کہ وہ مرد اپنی چادروں کو اپنی گردنوں میں اس طرح باندھتے تھے، جیسے بچے (کہ ان کے گلوں میں کپڑا باندھ دیا جاتا ہے تاکہ وہ کپڑا کھلے نہیں)

"عاقدي" مضاف ہے"أزرهم" کی طرف۔اصل میں "عاقدين" تھا،اضافت کی وجہ سے"نون" گرگیا،اور"أزر"جمع ہے،"الإزار" کی۔

یہ جملہ منصوب ہے حال ہونے کی بناء پر اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا نصب کان کی خبر ہونے کی بناء پر ہو(۲)۔

بخاری کی اس روایت میں "كهيئة الصبيان" کے الفاظ ہیں اور أبوداؤد کی روایت میں "كأمثال الصبيان" کے الفاظ ہیں، معنی دونوں کا تقریباً ایک ہی ہے کہ جیسے بچوں کی گردن میں گرہ باندھ کر لٹکا دیا جاتا ہے، ایسے ہی ان مردوں نے اپنے کپڑوں کی گرہ اپنی گردنوں پر لگائی ہوتی تھی (۳)۔

وقال للنسآء: لا ترفعن رؤوسكن حتىٰ يستوي الرجال جلوساً

اور عورتوں سے فرمایا کہ تم نماز میں مردوں کے سجدے سے اٹھ جانے سے پہلے اپنے سروں کو نہ اٹھایا کرو۔

سنن أبي داؤد کی رویات میں ہے"قال قائل"۔

یہ قائل کون تھا؟ اس میں دو احتمال ہیں کہ یہ قول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کسی اور کا ہو(۴)۔

حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "قال" کے فاعل حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہیں (۵)۔

---

(۱) بذل المجهود: ٣/٥٦١

(۲) شرح الكرماني: ٤/٢٠، عمدة القاري: ٤/١٠٢، إرشاد الساري: ٢/٢٠، بذل المجهود: ٣/٥٦٢

(۳) سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ٦٢٨

(٤) سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ٦٢٨

(٥) بذل المجهود: ٣/٥٦٢

کشمیہنی کی روایت میں "ولیقال للنسآء" کے الفاظ ہیں(۱)۔

اورنسائی کی روایت میں "فقیل للنسآء" کے الفاظ ہیں(۲)۔

اورابوداؤدرحمہ اللہ نے حضرت اسماءرضی اللہ عنہ سے ایک روایت ان الفاظ سے نقل کی ہے:

"سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من كان منكن تؤمن بالله واليوم الآخر، فلا ترفع رأسها، حتى يرفع الرجال رؤوسهم، كراهية أن ترين عورات الرجال"(٣).

اس روایت میں تصریح ہے کہ یہ قول خود جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

"لا ترفعن رؤوسكهن" أي: لاترفعن من السجود(٤).

مراد یہ ہے کہ تم اپنے سروں کو سجدے سے نہ اٹھاؤ، یہاں تک کہ مرد حضرات سیدھے ہوکر بیٹھ جائیں۔

"جالساً" منصوب ہے حال ہونے کی بناء پر، اور یہ مصدر ہے "جالسین" کے معنیٰ میں(۵)۔

عورتوں کو مذکورہ حکم بوجہ کپڑے تنگ، چھوٹے یا کم ہونے کے دیا گیا۔ تا کہ اگر ستر کھلا ہو تو کسی کی نظر ان کے اعضائے مستورہ پر نہ پڑے(۶)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر کسی نے اپنے اعضاء پر کپڑا لپیٹ کر ان کو چھپایا ہوا ہو اور نیچے سے دیکھنے کی صورت میں اعضاءِ مستورہ نظر آئے ہوں، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یعنی نیچے کی جانب سے بھی پردہ کرنا، ستر چھپانا واجب نہیں ہے(۷)۔

---

(١) عمدة القاري: ١٠٢/٤

(٢) سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب الصلاة في الإزار، رقم الحديث: ٧٦٧

(٣) سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب رفع النساء إذا كن مع الرجال رؤوسهن من السجود، رقم الحديث: ٨٥١

(٤) شرح الكرماني: ٢١/٤، عمدة القاري: ١٠٣/٤

(٥) شرح الكرماني: ٢١/٤، عمدة القاري: ١٠٣/٤

(٦) شرح ابن بطال: ٢٠/٤، شرح الكرماني: ٢١/٤، عمدة القاري: ١٠٣/٤، شرح النووي على صحيح مسلم: ٣٨٠/٤

(٧) فتح الباري: ٦٢٣/١، العالمگيرية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الأول: ٦٥/١، =

اسی طرح علامہ عینی رحمہ اللہ ابوداؤد شریف کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اگر ہوا کی وجہ سے نمازی کے اعضاءِ مستورہ میں سے کوئی ظاہر ہوجائے، پھر اسی وقت بلاتاخیر اپنی جگہ لوٹ آئے، تو اس سے کوئی حرج نہیں ہوتا۔ تاہم اگر رکن کی ادائیگی کے وقت کے برابر تک کوئی عضو کھلا رہے، تو نماز فاسد ہوجائے گی (۱)۔

مذکورہ حدیث کا ترجمۃ الباب سے ربط

اس حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اس طرح ہے، عورتوں کو سجدے سے سر اٹھانے سے منع کرنے کی وجہ یہ تھی، کہ مردوں کے پاس کپڑا تنگ ہوتا تھا، پوری طرح ستر چھپانا دشوار ہوتا تھا، اس بناء پر عورتوں کو منع کر دیا گیا کہ مردوں سے پہلے اپنے سر سجدوں سے نہ اٹھائیں، اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کے پاس کپڑا تنگ ہوتا تھا اور یہی بات ترجمۃ الباب میں مذکور ہے۔

٦ – باب : اَلصَّلَاةِ فِي اَلْجُبَّةِ اَلشَّأْمِيَّةِ .

یہ باب ہے اس جبے میں نماز پڑھنے کے بیان میں جو شام کا بنا ہوا ہو۔

"جُبَّة" جیم کے ضمہ اور "ب" مشدد کی فتحہ کے ساتھ ہے۔

"ثوب مقطوع الكم طويل، يلبس فوق الثياب، وجمعه، جُبَبٌ وجِبَابٌ (٢).

"جُبّہ" ایسا لباس ہے جو کپڑوں کے اوپر پہنا جاتا ہے، اس کی آستینیں کٹی ہوئی ہوتی ہیں اور یہ لمبا ہوتا ہے۔ اس کی جمع، جُبَبٌ اور جِبَابٌ آتی ہے۔

"الشــــأم" یہ معروف عرب ملک ہے، پہلے ہمزہ کی فتح کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کے سکون (یعنی الف) کے ساتھ، اور اسے ہمزۃ کی فتحہ کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے۔ یہ ملک سرزمینِ انبیاء کہلاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ کافر ملک تھا (۳)۔

"الــجبة الشــامية" سے مراد ایسا جُبہ جو شام کا بنا ہوا تھا اور چونکہ ملکِ شام کافر ملک تھا، اس لیے

= بدائع الصنائع: ١/٢١٩، الفقه الإسلامي وأدلته: ١/٧٤٣

(١) شرح أبي داود للعيني، رقم الحديث: ٦١١، ٣/١٥٨، الفقه الإسلامي وأدلته: ٢/١٠٣٣

(٢) أقرب الموارد، المادة "ج ب ب": ١/١٠٠، لسان العرب: ٢/١٦١، ١٦٢، معجم الصحاح، ص: ١٥١

(٣) معجم البلدان، تذكرة الشام: ٣/٣١١، شرح الكرماني: ٤/٢١، تحفة الباري: ١/٢٨٨

دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسا جبہ جس کو کافروں نے تیار کیا ہو"الشامية" کی صفت سے یہ بات مقصود ہے کہ کفار کا تیار کیا ہوا کپڑا۔ کیونکہ"الشام" دار الکفر تھا، مطلقاً صرف اہلِ شام کا تیار کردہ لباس ذکر کرنا مقصود نہیں۔ بلکہ ترجمۃ الباب میں اس لفظ کا ذکر محض حدیثِ مبارکہ میں وارد لفظ"شام" کی رعایت سے ہے اور مراد ہر کافر کا تیار کردہ لباس ہے۔ بشرطیکہ اس میں نجاست کا ہونا متحقق نہ ہو جائے، اگر ان کپڑوں کا نجس ہونا متحقق ہو جائے تو پھر ان کو پاک کرنا ضروری ہے(۱)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ ابن بطال، علامہ کرمانی، علامہ ابن رجب حنبلی، حافظ ابن حجر، علامہ عینی، علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی، علامہ قسطلانی اور شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمہم اللہ نے اس ترجمۃ الباب کا یہ مقصد بیان کیا ہے کہ غیر مسلموں نے ہاتھوں سے بنے ہوئے لباس میں نماز پڑھنا جائز ہے، چاہے انہوں نے یہ کپڑے اپنے ملک میں تیار کیے ہوں اور وہاں سے منگوائے ہوں، چاہے دار الاسلام تیار کیے ہوں (۲)۔

حضرت کشمیری صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ترجمۃ الباب اور حدیث الباب دونوں کا بظاہر اور مقصدِ اولیٰ یہ ہے کہ کفار کی وضع قطع کے کپڑے بھی نماز کے وقت استعمال کیے جا سکتے ہیں، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شامی جبہ کا استعمال فرمایا، کیونکہ اس وقت شام رومیوں کے تحت اور کفار کے قبضہ میں تھا اور وہاں رومیوں کے طرز ہی کے لباس استعمال ہوتے تھے، دوسرا ضمنی اور ثانوی مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفار کے بنائے ہوئے یا استعمالی کپڑوں کا استعمال بغیر دھوئے ہوئے نماز کے وقت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جس کی طرف امام بخاری رحمہ اللہ نے بعد الترجمۃ آثار سے اشارہ کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے سامنے پہلا مقصد

(۱) شرح ابن بطال: ۲/۳۲، عمدة القاري: ۴/۱۰۳، إرشاد الساري: ۲/۲۱، تحفة الباري: ۱/۲۸۸

(۲) شرح ابن بطال: ۲/۳۲، فتح الباري لابن رجب: ۲/۳۸، فتح الباري لابن حجر: ۲/۶۲۳، عمدة القاري: ۴/۱۰۳، الكوثر الجاري: ۲/۴۳، إرشاد الساري: ۲/۲۲، تحفة الباري: ۱/۲۸۸

وضع قطع ہی ہے، جو حدیث الباب کے بھی منطوق ومنصوص کے مطابق ہے، دوسری بات ضمنی وثانوی درجہ کی ہے۔

اس کے برخلاف شارحینِ بخاری (جیسے کہ ماقبل میں گذرا) نے لباسِ کفار کی طرف طہارت ونجاست کو مقصود قرار دیا ہے اور وضع قطع کی طرف کوئی تعرض نہیں کیا، حالانکہ حدیث الباب میں ساری بات اسی سے متعلق معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے شامی جبہ پہنا تھا، جس کی آستین تنگ تھیں، وضو کے وقت آپ ان کو اوپر نہ چڑھا سکے، تو آپ نے اپنے ہاتھ آستینوں کے نیچے سے نکال لیے، تب وضو فرمایا، لہٰذا حدیثِ باب میں بظاہر طہارت ونجاست ثیابِ کفار سے کوئی تعرض نہیں ہے، البتہ ضمناً وہ بات ضرور نکل سکتی ہے (۱)۔

شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی رائے

''میری اور شراح کی رائے ہے کہ کفار کے ہاتھوں کے بنے ہوئے کپڑے کا جوازِ لُبس ثابت کرنا ہے، چونکہ اہلِ کفر نجاست اور پاکی وغیرہ کی کوئی پرواہ نہیں کرتے، لہٰذا ان کے بنائے ہوئے کپڑوں کا استعمال ممنوع ہونا چاہئے، تو امام بخاری رحمہ اللہ اس کا جواز ثابت کرتے ہیں، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے صرف کراہت منقول ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وقت کے اندر اعادہ کرے اور جمہور کی رائے یہ ہے کہ اصل طہارت ہے، اس لیے اس کا پہننا جائز ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ بھی جمہور کے ساتھ ہیں اور بعض مشائخِ درس کی رائے یہ ہے کہ اس ترجمہ سے ان کپڑوں کے پہننے کا جواز ثابت کرنا ہے، جو علیٰ ہیئۃ الکفار بنے ہوئے ہوں، جیسے پتلون، کوٹ وغیرہ، مگر میرے نزدیک یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ روایت اور آثار میں سے کوئی چیز اس کی مساعدت نہیں کرتی (۲)۔

حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں دو چیزیں ہیں ایک وہ جس کی طرف علامہ

(۱) فيض الباري: ۲/۱۵، انوار الباري: ۱۱/۱۰۵

(۲) الكنز المتواري: ۴/۲۷، تقرير البخاري: ۲/۳۳۴

عینی رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے کہ "یہ باب ہے ان کپڑوں میں نماز کے جواز کے بیان میں جن کو کفار نے بنایا ہو(۱)۔

اور دوسری بات کی طرف اشارہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی بات سے ملتا ہے کہ یہ باب ہے ان کپڑوں میں نماز جائز ہونے کے بیان میں جو کفار کے ہوں، جبکہ ان کا نجس ہونا متحقق نہ ہو جائے (۲)۔

ایک تیسری بات حضرت کشمیری رحمہ اللہ سے ملتی ہے کہ کفار کی وضع قطع پر بنے ہوئے لباس میں نماز کے جواز کا حکم (۳)۔

چنانچہ تینوں امور پر بقدر کفایت کلام نقل کیا جاتا ہے۔

کفار کے بنے ہوئے لباس کے استعمال کا حکم؟

جمہور علماء کرام کا اس بارے میں مسلک یہ ہے کہ جن کپڑوں کو کفار نے تیار کیا ہو، بنایا ہو یا سلائی کیا ہو تو ان کپڑوں کا استعمال نماز اور خارج نماز استعمال درست ہے، اس لیے کہ مذکورہ باب کے بارے میں خود علامہ عینی رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں:

"إنما أوّلنا بهذا لأن الباب معقود لجواز الصلاة في الثياب التي تنسجها الكفار مالم تتحقق نجاستها"(٤).

کہ مذکورہ باب قائم ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ کفار کے تیار کیے ہوئے لباس پہن کر نماز کے جائز ہونے کا حکم معلوم ہو جائے۔ بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ یہ کپڑے نجس نہیں ہیں، اگر ان میں نجاست کا ہونا متحقق ہو جائے تو نماز جائز نہیں ہوگی، لیکن اس صورت میں یہ نماز کا عدمِ جواز اُس نجاست کی وجہ سے ہوگا نہ کہ کفار کے تیار کیے ہوئے لباس کی وجہ سے۔

---

(١) عمدة القاري: ١٠٣/٤

(٢) فتح الباري لابن حجر: ٦٢٣/٢

(٣) فيض الباري: ١٥/٢، انوار الباري: ١٠٥/١١

(٤) عمدة القاري: ١٠٣/٤، مرقاة المفاتيح، رقم الحديث: ٤٣٥، ١٩٢/٨

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

”جمہور کے نزدیک راجح یہ ہے کہ کفار کے تیار کیے ہوئے لباسوں میں ان کو پاک کیے بغیر نماز پڑھنا مکروہ ہے، مالکیہ کے نزدیک وقت کے اندر اندر اس نماز کا اعادہ کرنا ضروری ہے اور وقت گذرنے کے بعد ضروری نہیں ہے اور صاحبین رحمہ اللہ کے نزدیک جب تک ان میں نجاست کا تحقق نہ ہوجائے، اس وقت تک ان میں نماز ادا کرنا اور دوسرے اعمال کرنا سب جائز ہے اور ہمارے نزدیک اسی پر فتویٰ ہے“(۱)۔

کفار کے استعمال کیے ہوئے کپڑوں کا حکم؟

دوسری بات ان کپڑوں کے استعمال کی ہے جو کفار کے استعمال شدہ ہوں، کہ ان کا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟ اس لیے کہ کفار کے ہاں نجاست یا طہارت کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں، چنانچہ عین ممکن ہے کہ ان کے استعمال شدہ کپڑے بھی طاہر نہ ہوں۔

تو ان کپڑوں کے استعمال کے بارے میں فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ اگر تو وہ ایسے کپڑے ہیں جو کفار ممالک سے آئے ہیں اور نئے ہیں ان کے استعمال شدہ نہیں ہیں، تو ان کا حکم ماقبل گذر چکا ہے کہ ان کے طاہر یا نجس ہونے کا مدار ان کپڑوں میں نجاست کے تحقق یا عدم تحقق پر ہے اور اگر وہ استعمال شدہ ہوں تو پھر دیکھا جائے گا کہ وہ کپڑے جسم کے اوپر والے حصے میں استعمال کیے جانے والے ہیں یا نیچے والے حصے میں، اگر وہ کپڑے جسم کے اوپر والے حصوں میں استعمال ہوتے ہیں، جیسے: ٹوپی، عمامہ، صدری، اچکن، شرٹ، چادر، رومال وغیرہ تو ان کپڑوں کو دھوئے بغیر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ کپڑے جسم کے نیچے والے حصوں میں استعمال ہوتے ہیں، جیسے: شلوار، تہبند وغیرہ تو ان کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ ان کپڑوں میں ادا کی گئی نماز کو لوٹایا جائے۔ اب امام احمد رحمہ اللہ کے اس قول میں دو احتمالات ہیں کہ اس نماز کا اعادہ واجب ہے، یہ قول مالکیہ میں سے قاضی صاحب رحمہ اللہ کا ہے۔ اور دوسرا قول (یعنی: احتمال) عدمِ وجوب کا ہے یہ قول ابوالخطاب کا ہے، اس لیے کہ اصل طہارت ہے جو شک سے زائل نہیں ہوتی۔

---

(۱) الکنز المتواري: ٤/٢٧، تقریر بخاري: ٢/٣٣٤

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ سے کراہت کا قول منقول ہے، اس لیے کہ یہ نجاست سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے، لہٰذا پائجامے، شلواریں، اور تہبند وغیرہ کا استعمال مکروہ ہوگا۔

اور قولِ راجح گذر چکا کہ اصل تحقق نجاست ہے۔ لہٰذا کفار کے کپڑے دھو کے استعمال کیے جائیں (۱)۔

کفار کی مشابہت اختیار کرنے کا حکم؟

جیسا کہ ماقبل میں معلوم ہوا کہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ شامیہ کا جو ذکر ہے، اس سے مقصود غیر مسلموں، کافروں کی وضع قطع کی بعض خاص صورتوں کے اختیار کرنے کا جواز معلوم کروانا ہے۔ کیونکہ جبکہ شامیہ کی تنگ آستینیں (جنہیں تنگی کی وجہ سے وپر چڑھانا بھی مشکل تھا، جس کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بازو جبے کے نیچے سے نکالنے پڑے) اسی طرف اشارہ کررہی ہیں۔

اس جگہ اس بحث کی کافی تفصیل معلومات میں موجود ہے کہ کافروں کے ساتھ کن چیزوں میں کس حد تک مشابہت اختیار کرسکنے کی گنجائش ہے اور کس حد تک ممانعت ہے؟

ذیل میں تشبہ بالکفار سے متعلق قدرے وضاحت کی جائے گی۔

تشبہ کی تعریف

تشبہ بالکفار کے بارے میں سب سے زیادہ تفصیلی بحث حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب رحمہ اللہ نے کی ہے۔ حضرت نے اسلامی تہذیب وتمدن المعروف بہ ''التشبہ في الاسلام'' کے نام سے سوا تین سو صفحات کی کتاب لکھی ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

''تشبہ کا مسئلہ ایسا مکمل ومدلل لکھا ہوا میں نے نہیں دیکھا، جن لطائف تک ذہن

---

(۱) المغني لابن قدامة، كتاب الطهارة: ۹۷/۱، شرح الكبير: ۴۱/۲۱، كشاف القناع لابن يونس البهوتي الحنبلي: ۴۴۷/۱، تهذيب الفروق والقواعد السنية في الإسرار الفقهية، الفرق التاسع والثلاثون والمائتان: ۲۸۵/۴، فتح القدير: ۲۱۱/۱، ۲۱۲، حاشية ابن عابدين، كتاب الحيض، مطلب في الفرق بين الاستبراء والاستنقاء والاستنجاء: ۵۶۵/۱، الكنز المتواري: ۲۸/۴

جانے کا احتمال تک نہ تھا، وہ منصۂ ظہور پر آگئے، بعید سے بعید شبہات کا قلع قمع کر دیا گیا۔

(مجموعہ رسائل حکیم الاسلام، اسلامی تہذیب وتمدن: ۵/ ۳۵)

اس کے علاوہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر بہت وضاحت سے اپنی تصنیف ''سیرۃ المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں سیر حاصل گفتگو کی ہے، جو الگ رسالے میں بھی مطبوع ہے۔

حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ نے تشبہ کی تعریف میں پانچ قول ذکر کیے ہیں۔ جن سے تشبہ کی قباحتوں اور مضرتوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

تعریف اول: اپنی حقیقت اور اپنی صورت اور وجود کو چھوڑ کر دوسری قوم کی حقیقت، اس کی صورت اور اس کے وجود میں مدغم ہو جانے کا تشبہ ہے۔

تعریف دوم: اپنی ہستی کو دوسرے کی ہستی میں فنا کر دینے کا نام تشبہ ہے۔

تعریف سوم: اپنی ہیئت اور وضع کو تبدیل کر کے دوسری قوم کی وضع اور ہیئت اختیار کر لینے کا نام تشبہ ہے۔

تعریف چہارم: اپنی شانِ امتیازی کو چھوڑ کر دوسری قوم کی شانِ امتیازی کو اختیار کر لینے کا نام تشبہ ہے۔

تعریف پنجم: اپنی اور اپنوں کی صورت اور سیرت کو چھوڑ کر غیروں اور پرائیوں کی صورت اور سیرت کو اپنا لینے کا نام تشبہ ہے(۱)۔

اس لیے کہ شریعتِ مطہرہ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان ایک خاص قسم کا امتیاز چاہتی ہے کہ مسلم اپنی وضع قطع میں، رہن سہن میں اور چال ڈھال میں غیر مسلم پر غالب اور اس سے ممتاز ہو، الگ سے جداگانہ طور پر مسلم کی عبادت، معاملات اور معاشرت ہو، ظاہری علامات اس امتیاز کے لیے ڈاڑھی اور لباس مقرر کی گئی۔ کہ لباس ظاہری اور خارجی علامت ہے اور خود انسانی جسم میں ڈاڑھی اور ختنہ کو فارق قرار دیا گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع بہ موقع اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو غیر مسلموں کے مشابہ ہونے سے روکا ہے۔ ذیل میں ان میں سے کچھ احکامات ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

تشبہ بالکفار سے متعلق ارشادات نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ رب العزت کی طرف سے بواسطہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر مسلمین

(۱) تشبه بالكفار للكاندهلوي، ص: ۷، مكتبه حكيم الأمت، كراچي

کفار و یہود اور نصاریٰ سے دور رکھنے کی متعدد مقامات پر تلقین کی گئی، مثلاً

﴿یا أیها الذین أمنوا لا تتخذو الیهود والنصاریٰ أولیاء، بعضهم أولیاء بعض، ومن یتولهم منکم، فإنه منهم، إن الله لایهدي القوم الظالمین﴾(١).

''اے ایمان والو! مت بناؤ یہود اور نصاریٰ کو دوست، وہ آپس میں دوست ہیں ایک دوسرے کے، اور جو کوئی تم میں سے دوستی کرے ان سے، تو وہ انہی میں سے ہے، اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو(۲)۔

﴿یا أیها الذین امنوا لاتکونوا کالذین کفروا﴾(٣)۔

اے ایمان والو تم نہ ہو (جاؤ) ان کی طرح جو کافر ہوئے (۴)۔

سنن الترمذی میں ایک روایت ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ملتِ اسلامیہ کے علاوہ کسی اور ملت کے ساتھ مشابہت اختیار کرے، تو وہ ہم میں سے نہیں، ارشاد فرمایا کہ: تم یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو (۵)۔

"عن عمرو بن شعیب عن أبیه، عن جده؛ أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "لیس منا من تشبه بغیرنا، لا تشهوا بالیهود ولا بالنصاریٰ".

اس حدیث کی شرح میں صاحبِ تحفۃ الأحوذی لکھتے ہیں کہ

مراد یہ ہے کہ تم یہود و نصاریٰ کے ساتھ ان کے کسی بھی فعل میں مشابہت اختیار نہ کرو (٦)۔

سنن ابی داؤد میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار

---

(١) المائدة: ٥١

(٢) تفسیر عثمانی، ص: ١٥٠

(٣) آل عمران: ١٥٦

(٤) تفسیر عثمانی، ص: ٩٠

(٥) سنن الترمذي، کتاب الاستئذان، باب ماجاء في کراهیة إشارة الید بالسلام، رقم الحدیث: ٢٦٩٥

(٦) تحفة الأحوذي للمباکفوري: ٧/٥٠٤

کرے گا وہ انہی میں سے ہوگا (۱)۔

علامہ سہارنپوری رحمہ اللہ ہیں کہ مشابہت عام ہے خیر کے کاموں میں ہو یا شر میں، انجام کار وہ ان کے ساتھ ہوگا، خیر یا شر میں (۲)۔

"من تشبہ" کی شرح میں ملاعلی القاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

جو شخص مشابہت اختیار کرے کفار، فساق کی، فجار کی یا پھر نیک وصلحاء کی، لباس وغیرہ میں (پھر یا کسی اور صورت میں) وہ گناہ اور خیر میں ان کے ساتھ ہوگا (۳)۔

ایک اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے"

ہم میں مشرکین کے درمیان فرق (علامت) ٹوپیوں پر عمامے کا باندھنا ہے"۔

یعنی ہم ٹوپی پر عمامہ باندھتے ہیں اور مشرکین بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھتے ہیں (۴)۔

تشبہ کے بارے میں آثارِ صحابہ وتابعین

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں جب سلطنت اسلامیہ کا دائرہ وسیع سے وسیع ہوتا چلا گیا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس بات کی فکر دامن گیر ہوئی کہ مسلمانوں کا عجمیوں کے اختلاط سے اسلامی امتیازات میں کوئی فرق نہ آجائے۔ اس خطرے کے پیش نظر ایک طرف مسلمانوں کو اس سے بچنے کی تلقین کی تو دوسری طرف غیر مسلمین کے لیے بھی دستور قائم کیا۔

جیسا کہ حضرت عثمان النہدی رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ

ہم عتبہ بن فرقد کے ساتھ آذربیجان میں تھے کہ ہمارے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خط بھیجا (جس میں بہت سارے احکامات وہدایات تھیں، منجملہ ان کے ایک یہ بھی تھی کہ) "تم اپنے آپ کو اہلِ شرک اور اہلِ کفر کے لباس اور ہیئت سے دور رکھنا"۔

---

(١) سنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، رقم الحديث: ٤٠٣٠

(٢) بذل المجهود: ٥٩/٤

(٣) مرقاة المفاتيح: ٢٢٢/٨

(٤) سنن أبي داود، كتاب اللباس، رقم الحديث: ٤٠٧٨، مرقاة المفاتيح، رقم الحديث: ٤٣٤٠، ٢١٥/٨

"عن أبي عثمان النهدي قال "كتب إلينا عمر بن الخطاب ونحن بأذربائيجان مع عتبة بن فرقد: يا عتبة إنه ليس من كدك ولا كد أبيك ولا كد أمّك، فأشبع المسلمين في رحالهم ما تشبع منه في رحلك وإياكم والتنعم وزي أهل الشرك ولبوس الحرير ...... الخ"(۱).

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا کہ

"أما بعد! فاتزروا وارتدوا وانتعلوا...... وعليكم بلباس أبيكم إسماعيل، وإياكم والتنعم وزي العجم......وتمعددوا واخشوشنوا واخلولقوا ...... الخ"(۲).

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اے مسلمانو! ازار اور چادر کا استعمال رکھو اور جوتے پہنو اور اپنے جد امجد اسماعیل علیہ السلام کے لباس (لنگی اور چادر) کو لازم پکڑو اور اپنے آپ کو عیش پرستی اور عجمیوں کے لباس اور ان کی وضع قطع اور ہیئت سے دور رکھو، (مبادا کہ تم لباس اور وضع قطع میں عجمیوں کے مشابہ بن جاؤ)......اور موٹے، کھردرے اور پرانے لباس پہنو جو اہل تواضع کا لباس ہے۔

اور دوسری طرف اہل نصاریٰ اور یہود کو دارالاسلام میں رہنے کی صورت میں بہت سے امور کا پابند کیا، جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بہت مضبوط انداز میں اسلامی تہذیب وتمدن اور اسلامی اقدار کی حفاظت کی گئی ہے۔

چنانچہ فتح شام کے موقع پر نصاریٰ شام کے عہدِ صلح کے بعد جو شرائط طے کی گئی وہ یہ تھیں:

"......وأن نوقر المسلمين وأن نقوم لهم من مجالسنا إن أرادوا جلوساً ولا نتشبه بهم في شيء من لباسهم من قلنسوة، ولا عمامة، ولا نعلين، ولا فرق شعر ولا نتكلم بكلامهم ولا نتكنى بكناهم ولا نركب السروج ولا نتقلد

---

(۱) جامع الأصول، الكتاب الأول في اللباس، الفصل الرابع في الحرير، النوع الثاني، رقم الحديث: ۸۳۴۳، ۶۸۷/۱۰

(۲) شعب الإيمان للبيهقي، الملابس والزي، رقم الحديث: ۵۷۷۶، ۲۵۳/۸

السيوف ولا نتخذ شيئامن السلاح ولا نحمله معنا ولا ننقش خواتيمنا بالعربية ولا نبيع الخمور وأن نجز مقاديم رؤوسنا وأن نلزم زينا حيثما كنا وأن نشد الزنا نير على أوساطنا، وأن لانظهر صليب على كنائسنا ولا كتبنا في شيء من طريق المسلمين ولا أسواقهم وأن لا نضرب في كنائسنا إلا خفيفاً وأن لا نرفع أصواتنا بالقرآءة في كنائسنا في شيء من حضرة المسلمين وأن لا نخرج شعانين ولا بعوثاً ولا نرفع موتانا مع أمواتنا ولا نظهر النيران معهم في شيء من طرق المسلمين ولا نجاوزهم موتانا...... الخ".

عہد نامہ میں امان کے مطالبہ کے بعد مندرجہ ذیل شرائط کی پاسداری کا اقرار تھا کہ:

ہم (نصاریٰ شام) مسلمانوں کی تعظیم وتوقیر کریں گے۔ اور اگر مسلمان ہماری مجالس میں بیٹھنا چاہیں گے تو ہم ان کے لیے مجلس چھوڑ دیں گے۔ اور ہم کسی امر میں مسلمانوں کے ساتھ تشبہ اور مشابہت اختیار نہ کریں۔ نہ لباس میں، نہ عمامہ میں، نہ جوتے میں اور نہ سر کی مانگ میں۔ ہم ان جیسا کلام نہیں کریں گے اور نہ مسلمانوں جیسا نام اور کنیت رکھیں گے اور نہ زین پر گھوڑے کی سواری کریں گے، نہ تلوار لٹکائیں گے، نہ کسی قسم کا ہتھیار بنائیں گے اور نہ اٹھائیں گے، اور نہ اپنی مہروں پر عربی نقش کندہ کرائیں گے، اور نہ شراب کا کاروبار کریں گے اور سر کے اگلے حصے کے بال کٹائیں گے اور ہم جہاں بھی رہیں گے اپنی ہی وضع پر رہیں گے، اور گلوں میں زنار لٹکائیں گے اور اپنے گرجاؤں پر صلیب کو بلند نہ کریں گے، اور مسلمانوں کے کسی راستہ اور بازار میں اپنی مذہبی کتاب شائع نہ کریں گے، اور ہم گرجاؤں میں ناقوس نہایت آہستہ آواز میں بجائیں گے، اور ہم اپنے مردوں کے ساتھ آگ نہیں لے جائیں گے (یہ آخری شرط مجوس سے متعلق ہے)۔

عبدالرحمٰن بن غنم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ شرائط نامہ لکھ کر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے ملاحظہ کرنے کے لیے رکھا، تو انہوں نے کے اس شرائط نامہ میں کچھ مزید اضافہ کروایا تو یہ تھا کہ

"وأن لانضرب أحدا من المسلمين، شرطنا لهم ذلك على أنفسنا،

وأهـل مـلتـنـا وقبـلـنـا مـنـهـم الأمان، فإن نحن خالفنا شيئاً مما شرطناه لكم، فضمناه على أنفسنا، فلا ذمة لنا، وقد حل لكم ما يحل لكم من أهل المعاندة والشقاق"(۱).

''کہ ہم کسی مسلمان کو ماریں گے نہیں، یعنی تکلیف نہیں پہنچائیں گے، ہم نے انہی شرائط پر اپنے لیے اور اپنے اہل مذہب کے لیے امان حاصل کیا ہے، پس اگر ہم نے شرائط مذکورہ بالا میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کی تو ہمارا عہد اور امان ختم ہو جائے گا اور جو معاملہ اہل اسلام کے دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ ہے، وہی ان کے لیے روا ہوگا۔''

ایک اور روایت ''جسے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے'' میں مذکورہ بالا شرائط کے علاوہ کچھ مزید شرائط کا بھی ذکر ہے اور وہ یہ ہیں:

"أن لا نـحـدث فـي مدينتنا ولا في حولها ديراً ولا كنيسةً، ولا قلايةً. ولا صـومعة راهب، ولا نجدد ماخرب منها، ولا نحيي منها ماكان في خطط المسـلـمين، وأن لا نـمـنع كنائسنا أن ينزلها أحد من المسلمين في ليل ولا نهار، وأن نوسع أبوابها للمارة وابن السبيل، وأن ينزل من مر بنا من المسلمين ثلاثة أيام نطعمهم، ولا نؤوي في كنائسنا ولا منازلنا جاسوساً، ولا نكتم غشاً لـلمسلمين، ولا نعلم أولادنا القرآن ولا نظهر شركاً، ولا ندعو إليه أحداً، ولا نمنع أحدا من ذوي قرابتنا الدخول في الاسلام إن أرادوا......الخ(۲).

''کہ ہم اپنی آبادی میں کوئی نیا گرجا گھر نہیں بنائیں گے اور جو گرجا گھر خراب ہو جائے گا، اس کی مرمت نہیں کریں گے اور جو خطہ زمین مسلمانوں کے لیے ہوگا ہم اسے آباد نہیں کریں گے، اور کسی مسلمان کو دن ہو یا رات، کسی وقت بھی گرجا میں اترنے سے نہیں روکیں گے، اور اپنے گرجاؤں کے دروازے مسافروں اور گزرنے والوں کے لیے کشادہ

---

(۱) تفسیر ابن كثير، سورة التوبة: ۲۹، ۳۷٤/۳

(۲) تفسير ابن كثير، سورة التوبة: ۲۹، ۳۷۳/۳

رکھیں گے اور تین دن تک مسلمان مہمان کی مہمانی کریں گے اور اپنے کسی گرجا اور کسی مکان میں مسلمانوں کے جاسوس کو ٹھکانہ نہیں دیں گے اور مسلمانوں کے لیے غل وغش کو پوشیدہ نہ رکھیں گے اور اپنی اولاد کو قرآن کی تعلیم نہیں دیں گے اور کسی شرک کی رسم کو ظاہر اور اعلانیہ طور پر نہ کریں گے اور نہ کسی کو شرک کی دعوت دیں گے اور نہ اپنے کسی رشتہ دار کو اسلام میں داخل ہونے سے روکیں گے۔"

مذکورہ بالا شرائط کو دیکھتے ہوئے صاف اندازہ ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کے اسلامی تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے کس قدر اہتمام کیا گیا، اس لیے کہ اسلام میں غیروں کے طور طریقوں کا آجانا مسخ اسلام اور تخریب اسلام ہے۔

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "تشبہ بالغیر في الحقیقت تخریب حدود اور ابطالِ ذاتیات کا نام ہے(۱)۔

غیروں کے ساتھ اختلاط تک سے کس طرح روکا گیا، اس کا اندازہ ذیل میں ذکر کیے جانے والے اس مکالمے سے بخوبی ہوسکتا ہے جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوا۔

"أبو موسیٰ: قلت، لعمر رضي الله عنه أن لي كاتباً نصرانياً"

عـمر: مالك ؟قاتلك الله! أما سمعت الله يقول: ﴿يا أيها الذين امنوا لا تتخذوا اليهود والنصارىٰ أولياء، بعضهم أولياء بعض﴾، أُلا اتخذت حنيفاً؟

أبو موسیٰ: يا أمير المؤمنين! إن لي كتابته وله دينه.

عمر: لا أكرمهم إذا أهانهم الله ولا أعزهم إذا أذلهم الله ولا أدينهم إذا أقصاهم الله تعالىٰ"(۲).

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے

---

(۱) مجموعہ رسائل حکیم الإسلام، إسلامی تهذیب وتمدن: ۸۱/۵

(۲) الفتاوی الکبری لابن تیمیه، مسألة عما في الخميس ونحوه من البدع: ۴۸۵/۲

المستطرف في كل فن مستظرف: ۶۰/۲

کہا کہ میرے یہاں ایک نصرانی کاتب ملازم ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تجھے کیا ہوا؟ خدا تجھے غارت کرے کیا تو نے اللہ کا یہ حکم نہیں سنا کہ "یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ، کیونکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں"، تو نے کسی مسلمان کو ملازم کیوں نہ رکھا؟

اُبوموسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے کہا، امیر المؤمنین میرے لیے اس کی کتابت ہے اور اس کے لیے اس کا دین، (یعنی، مجھے تو اس کی کتابت سے غرض ہے، میرا اس کے دین سے کیا تعلق؟)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جن کی اہانت اللہ نے کی ہے میں ان کی تکریم نہیں کرونگا، جن کو اللہ نے ذلیل کیا ہے میں ان کو عزت نہیں دونگا، جن کو اللہ نے دور کیا ہے میں ان کو قریب نہیں کروں گا۔

اس پر مغز مکالمے سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ:

۱- جب تک کوئی اضطراری حالت داعی نہ ہو، اس وقت تک اصل یہی ہے کہ غیر مسلمین سے استعانہ اور وہ بھی ایسا کہ جس میں ان کی تکریم ہوتی ہو، دینِ متین کی فہمِ حقیقی اور عقل و دانش اس کی اجازت نہیں دیتی۔

۲- یہ عذر قابلِ سماعت نہیں کہ ہمیں صرف خدمات درکار ہیں نہ کہ ان کا مذہب، کیونکہ اس تحصیلِ خدمت کے ذیل میں ان کے ساتھ معیت اس شدت و تغلیظ کو کم یا محو کر دے گی، جو ایک مسلمان کا اسلامی شعار بتایا گیا ہے اور یہی قلتِ تغلیظ بالآخر مداہنت و چشم پوشی اور اعراض عن الدین کا مقدمہ بن کر کتنے ہی شرعی منکرات کے نشو و نما کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

۳- حضرت فاروق اعظم اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما کے بعد کوئی شخص ان جیسا تدین نہیں لاسکتا، لیکن اگر کوئی شخص بالفرض لے بھی آئے تو کوئی وجہ نہیں کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو تو کفار کی خدمات حاصل کرنے سے روک اور اسے نہ روکا جائے۔

یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ ایک شخص پختہ اور راسخ الایمان بھی ہے اور اس اشتراک عمل سے اس میں کوئی تزلزل بھی نہیں آسکتا، لیکن یہ تو ہوسکتا ہے کہ ایسی ذمہ دار ہستی کا اشتراک عمل، عامۃ المسلمین کے لیے بڑی

استعانت اور اختلاط کے معاملے میں شبہ کا باعث بن جائے اور عوام اپنے لیے اس فعل کو حجت شمار کریں اور اس طرح یہ اختلاط والتباس عام ہو کرنا قابلِ تدارک مفاسد کا باعث بن جائے۔

۴- جس مخلوق کی اس کے خالق نے تکریم نہ کی اور ان کے لیے عزت کا کوئی شمہ گوارا نہ کیا تو اسی خالق کے پرستاروں کی غیرت وحمیت کے خلاف ہے کہ وہ اس کے اعداء کی تکریم کریں، وہ جسے پھٹکار دے یہ اس سے پیار کریں۔

ورنہ یہ تو اسلام کے نام سے شرائع الٰہی کی توہین اور خود افعالِ باری ہی کی صریح تکذیب ہو جائے گی۔ نعوذ باللہ۔

۵- اسلام میں سیاستِ محضہ مقصود نہیں، بلکہ محض دین مقصود ہے۔ سیاسی الجھنیں محض تحفظِ دین کے لیے برداشت کی جاتی ہیں، پس اگر سیاست ہی کا کوئی شعبہ تخریبِ دین یا مداہنت وحق پوشی کا ذریعہ بننے لگے تو بے دریغ اس کو قطع کر کے دین کی حفاظت کی جائے گی، وگرنہ بصورتِ خلاف قلبِ موضوع اور انقلابِ ماہیت لازم آجائے گا، کہ وسیلہ مقصود ہو جائے اور مقصود وسیلہ کے درجہ پر بھی نہ رہے(۱)۔

تشبہ بالکفار کے مفاسد

غیروں کی وضع قطع اور ان جیسا لباس اختیار کرنے میں بہت سے مفاسد ہیں:

۱- پہلا نتیجہ تو یہ ہوگا کہ کفر اور اسلام میں ظاہراً کوئی امتیاز نہ رہے گا اور ملتِ حقہ، ملتِ باطلہ کے ساتھ ملتبس ہو جائے گی، سچ پوچھیے تو حقیقت یہ ہے کہ ”تشبہ بالنصاریٰ (معاذ اللہ) نصرانیت کا دروازہ اور دہلیز ہے۔

۲- دوم یہ کہ غیروں کی مشابہت اختیار کرنا غیرت کے بھی خلاف ہے، آخر قومی نشان اور قومی پہچان بھی تو کوئی چیز ہے، جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ شخص فلاں قوم کا ہے، پس اگر یہ ضروری ہے تو اس کا طریقہ سوائے اس کے کیا ہے کہ کسی دوسری قوموں کا لباس نہ پہنیں، جیسے اور قومیں اپنی اپنی وضع کے پابند رہیں اور دوسری قوموں کے مقابلہ میں ہماری خاص پہچان ہو۔

۳- کافروں کا معاشرہ، تمدن اور لباس اختیار کرنا در پردہ ان کی سیاست اور برتری کو تسلیم کرنا ہے، بلکہ اپنی کمتری اور تابع ہونے کا اقرار اور اعلان ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

---

(۱) مجموعہ رسائل حکیم الاسلام، اسلامی تہذیب وتمدن: ۵/ ۹۷، ۹۸

۴- نیز اس تشبہ بالکفار کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ کافروں سے مشابہت کا دل میں میلان اور داعیہ پیدا ہوگا، جو صراحۃً ممنوع ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار، ومالكم من دون الله من أولياء ثم لا تنصرون﴾(۱).

اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں، مبادا ان کی طرف مائل ہونیکی وجہ سے تم کو آگ نہ لگے اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا دوست اور مددگار نہیں، پھر تم کہیں مدد نہ پاؤ گے"۔

بلکہ غیر مسلموں کا لباس اور شعار اختیار کرنا ان کی محبت کی علامت ہے۔ جو شرعاً ممنوع ہے، کما قال تعالیٰ:

﴿یا أیها الذین امنوا لا تتخذوا الیهود والنصاریٰ أولیاء بعضهم أولیاء بعض ومن یتولهم منکم فإنه منهم، إن الله لا یهدي القوم الظالمین﴾(۲).

"اے ایمان والو! تم یہود اور نصاریٰ کو دوست مت بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور رفیق ہیں۔ وہ تمہارے دوست نہیں اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ انہی میں سے ہوگا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا"

۵- اس کے بعد رفتہ رفتہ اسلامی لباس اور اسلامی تمدن کے استہزاء اور تمسخر کی نوبت آئے گی، اسلامی لباس کو حقیر سمجھے گا اور تبعاً اس کے پہننے والوں کو بھی حقیر سمجھے گا، اگر اسلامی لباس کو حقیر نہ سمجھتا تو انگریزی لباس کو کیوں اختیار کرتا؟

۶- اسلامی احکام کے اجراء میں دشواری پیش آئے گی، مسلمان اس کی کافرانہ صورت دیکھ کر گمان کریں گے کہ یہ کوئی یہودی اور نصرانی ہے، یا ہندو ہے اور اگر کوئی ایسی لاش مل جائے تو تردد ہوگا کہ اس کافر نما انسان کی نماز جنازہ پڑھیں یا نہ پڑھیں؟! اور کس قبرستان میں اس کو دفن کریں؟۔

۷- جب اسلامی وضع کو چھوڑ کر دوسری قوم کی وضع اختیار کرے گا تو قوم میں اس کی کوئی عزت باقی نہیں

---

(۱) الهود: ۱۱۳

(۲) المائدة: ۵۱

رہے گی اور جب قوم ہی نے اس کی عزت نہ کی تو غیروں کو کیا پڑی ہے کہ وہ اس کی عزت کریں، غیر بھی اس کی عزت کرتے ہیں جس کی قوم میں عزت ہو۔

۸- دوسری قوم کا لباس اختیار کرنا اپنی قوم سے لاتعلقی کی دلیل ہے۔

۹- افسوس! کہ دعویٰ تو اسلام کا، مگر لباس، طعام، معاشرہ، تمدن، زبان اور طرزِ زندگی سب کا سب اسلام کے دشمنوں جیسا! جب حال یہ ہے تو اسلام کے دعوے ہی کی کیا ضرورت ہے؟! اسلام کو ایسے مسلمانوں کی نہ کوئی حاجت ہے اور نہ کوئی پرواہ ہے کہ جو اس کے دشمنوں کی مشابہت کو اپنے لیے موجب عزت اور باعثِ فخر سمجھتے ہوں (۱)۔

تشبہ کے فقہی اعتبار سے مراتب

تشبہ کی ممانعت اور مفاسد ظاہر ہو جانے کے بعد جاننا چاہیے کہ تشبہ بالکفار کے وہ کون سے مراتب ہیں، جن سے تشبہ کے جواز، عدم جواز، حرمت وکراہت، استحسان وعدمِ استحسان اور امکان وعدم امکان کی تفصیلات واضح ہو کر سامنے آسکیں۔

چنانچہ انسان سے صادر ہونے والے افعال واعمال کی عقلاً دو ہی قسمیں ہو سکتی ہیں: اضطراری امور اور اختیاری امور۔ ذیل میں ہر دو قسموں پر تفصیلی بحث نقل کی جاتی ہے۔

اضطراری امور میں تشبہ اختیار کرنے کا حکم

اضطراری امور سے مراد وہ امور ہیں جن کے ایجاد وعدم ایجاد میں انسانی اختیارات کو کوئی دخل نہیں ہوتا، مثلاً انسان کی خلقی اوضاع واطوار اور جبلی اقتضاءات، یعنی: اس کے اعضاءِ بدن، چہرہ، مہرہ، پھر اس کے ذاتی عوارض، مثلاً: بھوک پیاس لگنا، اس اندرونی داعیہ کی بناء پر کھانے پینے پر مجبور ہونا، اپنے بدن کو ڈھانپنا وغیرہ ایسے امور ہیں جو اختیاری ہیں، اگر وہ نہ بھی چاہے، تب بھی یہ جذبات اس کے دل پر ہجوم کرتے رہتے ہیں۔

تو ظاہر ہے کہ شریعت ایسے امور میں انسان سے خطاب نہیں کرتی، یہ امور کفار وغیر کفار میں مشترک ہیں، یہ نہیں کہا جائے گا کہ منع تشبہ کی وجہ سے اشتراک کو ختم کیا جائے، یعنی شریعت ان امور میں یہ نہیں کہتی کہ

(۱) مسئلة تشبه بالكفار للكاندهلوي، ص: ١٦-٢٠

چونکہ کفار کھانا کھاتے ہیں تو ان کے مشابہت کو ترک کرتے ہوئے تم کھانا نہ کھاؤ، یا چونکہ وہ لباس پہنتے ہیں لہٰذا تم لباس نہ پہنو، یا ان کے ہاتھ، ناک، پاؤں وغیرہ ہیں تو تم ان کی مخالفت میں ان اعضاء کو کاٹ ڈالو،

بلکہ شریعت اس بات کا حکم دیتی ہے کہ تم کھانا تو کھاؤ لیکن تم کھانے کے طریقے کو ترک تشبہ کے ذریعے ممتاز ضرور بناؤ، کیوں کہ یہ تمہارا اختیاری فعل ہے۔اسی طرح شریعت یہ نہیں کہتی، کہ ترک تشبہ کے جوش میں لباس ہی ترک کردو، لیکن یہ ضرور کہتی ہے کہ تم لباس کی وضع قطع کو غیر اقوام کے لباس سے ممتاز اور نمایاں رکھو کہ یہ ضرور تمہارے حدود اور اختیار میں ہے۔

شریعت کبھی نہیں کہے گی کہ تم غیر مسلموں کی ناک کان وغیرہ دیکھ کر ترک تشبہ سے اپنے اعضاء بدن کاٹ ڈالو کہ یہ اعضاء تمہارے اختیار و ایجاد سے کب وجود میں آئے ہیں؟ ہاں یہ ضرور کہے گی کہ تمہارے چہرے اور بدن کی خوبصورتی غیر اقوام کی زینتوں سے نمایاں ہو، کیوں کہ تو تمہارے ہی اختیار کا فعل ہے۔

شریعت کبھی یہ نہیں کہے گی کہ اپنے اعضاءِ بدن کاٹ ڈالو کہ یہ تمہارے اعضاءِ جوارح غیر مسلم اقوام کی طرح ہیں، اس لیے بوجہ مشابہت یہ نہیں ہونے چاہییں، ہاں یہ ضرور کہے گی کہ ٹھیک ہے کہ ان کا وجود میں آنا تمہارے اختیار یا ایجاد سے نہیں ہوا، لیکن تمہارے ان اعضاء کی تزیین اور بناؤ سنگھار کا غیر اقوام سے ممتاز اور نمایاں ہونا تو تمہارے اختیار کا ہی فعل ہے نا، وہ چھوٹنے نہ پائے۔

اختیاری امور میں تشبہ اختیار کرنے کا حکم

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ انسان سے صادر ہونے والے اختیاری امور کی دو قسمیں ہیں: مذہبی امور اور معاشرتی و عادی امور۔

مذہبی امور میں تشبہ کا حکم

مذہبی امور سے مراد وہ اعمال ہیں، جن کا تعلق مذہب سے ہو، یعنی: ان افعال و اعمال کو عبادت کے طور پر کیا جاتا ہے، جیسے: نصاریٰ کی طرح سینہ پر صلیب لٹکانا، ہندوؤں کی طرح زنار باندھنا، یا پیشانی پر قشقہ لگانا، یا سکھوں کی طرح ہاتھ میں لوہے کا کڑا پہننا وغیرہ، تو اس قسم کے مذہبی امور میں غیر اقوام کی مشابہت اختیار کرنا بالکلیہ ناجائز اور حرام ہے۔

اس حرمت ہی کی وجہ سے اسلامی اقدار کا امتیاز باقی رہ سکتا ہے ورنہ غیروں کے ساتھ اختلاط سے تباہی کے علاوہ اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

عادی ومعاشرتی امور میں تشبہ کا حکم

عادی ومعاشرتی امور بھی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک: وہ امور جو قبیح بالذات ہیں، یعنی جن سے شریعتِ اسلام نے براہِ راست منع کیا ہے کہ ان افعال کو نہ کیا جائے، دوسرے وہ امور جو مباح بالذات ہیں، جن سے شریعت نے براہ راست منع نہیں کیا، لیکن دیگر خارجی امور کی وجہ سے وہ منع قرار دیے جاتے ہوں۔

قبیح بالذات امور میں تشبہ کا حکم

قبیح بالذات امور میں غیر اقوام کی مشابہت اختیار کرنا بھی حرام ہے، جیسے ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانا، ریشمی لباس استعمال کرنا، یا کسی قوم کی ایسی حرکت کی نقل اتارنا، جن میں ان کے معبودانِ باطلہ کی تعظیم ہو، جیسے بتوں کے آگے جھکنا وغیرہ۔ ان افعال میں تشبہ کی حرمت اس وجہ سے ہے کہ یہ امور بالذات قبیح ہیں۔ شریعت کی طرف سے ان کی ممانعت صاف طور پر آئی ہے۔

مباح بالذات امور میں تشبہ کا حکم

اگر وہ امور اپنی ذات کے اعتبار سے قبیح نہ ہوں بلکہ مباح ہوں، تو ان کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک: وہ امور کسی غیر قوم کا شعار (یعنی علامتی وشناختی علامت) ہوں، دوسرے: وہ افعال جو کسی غیر قوم کا شعار نہ ہوں۔ ہر دو کی تفصیل ذیل میں لکھی جاتی ہے:

غیر اقوام کے شعائر میں مشابہت

اگر تو وہ (مباح بالذات) امور غیر اقوام کے شعائر (یعنی علامتی وشناختی علامت) میں سے ہوں، تو بھی ان امور میں غیر اقوام کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے، مثلاً: غیر اقوام کا وہ لباس جو صرف انہی کی طرف منسوب ہو اور انہی کی نسبت سے مشہور ہو اور اس مخصوص لباس کو استعمال کرنے والا انہی میں سے سمجھا جاتا ہو، جیسے ہمارے زمانے اور ہمارے علاقے میں ماہِ محرم میں خصوصاً اور باقی دنوں میں عموماً سیاہ لباس یا فقط سیاہ قمیص روافض کا شعار ہے، اور اسی طرح سبز عمامہ اور گہری براؤن رنگ کی چادر اس دور میں ایک بدعتی گروہ کا شعار بن

چکا ہے۔

مطلقاً غیروں کے افعال میں مشابہت کا حکم

اگر وہ مباح بالذات امور غیر مسلم اقوام کے شعار میں سے نہیں ہیں، تو پھر ان افعال کی دو قسمیں ہیں، کہ ان کا افعال کا بدل مسلمانوں کے پاس موجود ہے یا ان کا بدل مسلمانوں کے پاس موجود نہیں ہے، ان دونوں قسموں میں مشابہت کا حکم ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

ذی بدل اشیاء میں غیروں کی مشابہت اختیار کرنے کا حکم

اگر ان مباح بالذات امور میں مسلمانوں کے پاس امتیازی طور پر ایسے طور طریقے موجود ہوں جو کفار کے طور طریقوں کے مشابہ نہ ہوں تو ایسے امور میں غیروں کی مشابہت مکروہ ہے، کیونکہ اسلامی غیرت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ان اقوام کی ان اشیاء کا استعمال ترک کر دیں، جن کا بدل ہمارے پاس موجود ہو، ورنہ یہ مسلم اقوام کے لیے عزت کے خلاف ایک چیز ہوگی اور بلا ضرورت خوامخواہ دوسروں کا محتاج و دست نگر بننا پڑے گا۔

جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے ہاتھ کے ہاتھ میں فارسی کمان (یعنی: ملکِ ایران کی بنی ہوئی کمان) دیکھی تو ناخوشی سے ارشاد فرمایا کہ: یہ کیا لیے ہوئے ہو؟ اسے پھینک دو اور عربی کمان اپنے ہاتھ میں رکھو، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تمھیں قوت و شوکت دی اور بلاد ارض کو مفتوح کیا' ملاحظہ ہو:

"عن علي رضي الله عنه، قال: كانت بيد رسول الله صلى الله عليه وسلم قوس عربية، فرأى رجلا بيده قوس فارسية، فقال: "ماهذه؟ ألقها؛ وعليكم بهذه وأشباهها و رماح القنا فانهما يزيد الله لكم بهما في الدين، ويمكن لكم في البلاد"(۱).

چونکہ فارسی کمان کا بدل عربی کمان موجود تھی، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیرت دلا کر روک دیا تا کہ غیر اقوام کے ساتھ ہر ممکن سے ممکن امتیاز پیدا ہو، اور چھوٹے سے چھوٹے اشتراک کا بھی انقطاع ہو جائے۔

---

(۱) سنن ابن ماجة، كتاب الجهاد، باب السلاح، رقم الحديث: ۲۸۱۰

غیر ذی بدل اشیاء میں غیروں کی مشابہت کا حکم

اور اگر غیر اقوام کی اشیاء ایسی ہوں کہ ان کا کوئی بدل مسلمانوں کے پاس موجود نہ ہو، جیسے آج یورپ کی نئی نئی ایجادات، جدید اسلحہ، تمدن وتہذیب کے نئے نئے سامان، تو اس کی پھر دو صورتیں ہیں، یا تو ان کا استعمال تشبہ کی نیت سے کیا جائے گا یا تشبہ کی نیت کے بغیر کیا جائے گا۔ پہلی صورت میں استعمال جائز نہیں ہوگا، کیونکہ تشبہ بالکفار کو نیۃً وارادۃً مقصود بنالینا، ان کی طرف میلان ورغبت کے بغیر نہیں ہوسکتا اور کفار کی طرف میلان یقیناً اسلام کی چیز نہیں، بلکہ اسلام سے نکال دینے والی چیز ہے، قرآن حکیم نے تو صاف اعلان کردیا ہے۔

﴿ولا تركنوا إلى الذين ظلموا، فتمسكم النار﴾(۱).

''اور ان کی طرف نہ جھکو جو ظالم ہیں، مبادا ان کی طرف مائل ہونے کی وجہ سے تم کو آگ نہ چھولے''۔

نیز! غیر مسلموں کی تقلید کسی مسلم کو بامِ عروج پر نہیں پہنچاسکتی، جیسا کہ ظلمت کی تقلید نور کی چمک میں، مرض کی تقلید صحت میں، اور کسی ضد کی تقلید دوسری ضد میں کوئی اضافہ وقوت پیدا نہیں کرسکتی، ہاں اگر ان چیزوں میں تشبہ کی نیت نہ ہو، بلکہ اتفاقی طور پر یا ضرورت کے طور پر استعمال میں آرہی ہوں تو ضرورت کی حد تک ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے(۲)۔

خلاصہ کلام

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم مسلمان اپنی تہذیب اور اپنی اقدار کو باقی رکھتے ہوئے ہر غیر مسلم قوم کے طور طریقوں سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

حضرت کشمیری رحمہ اللہ کی تحقیق

تشبہ بالکفار کی ممانعت کے بارے میں نہایت ہی نتیجہ خیز گفتگو صاحب انوار الباری نے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ کی نقل کی ہے، فرمایا:

---

(۱) الهود: ۱۱۳

(۲) مجموعه رسائل حكيم الإسلام، اسلامی تهذيب وتمدن: ۱۲۸/۵-۱۳۳، تشبه بالكفار للكاندهلوي، ص: ۸-۱۲، أنوار الباري: ۱۱/۱۰۵، ۱۰۶، فيض الباري: ۱۵/۲

شعار کی بحث صرف ان امور میں چلے گی، جن کے بارے میں صاحب شرع سے کوئی ممانعت کا حکم موجود نہ ہو، ورنہ ہر ممنوع شرعی سے احتراز کرنا ضروری ہوگا، خواہ وہ کسی قوم کا شعار ہو یا نہ ہو، اس کے بعد جن چیزوں کی ممانعت موجود نہ ہو، اگر وہ دوسروں کا شعار ہوں تو ان سے بھی مسلمانوں کو اجتناب کرنا ضروری ہوگا، اگر وہ نہ رکیں اور ان کا تعامل بھی دوسروں کی طرح عام ہو جائے، یہاں تک کہ اس زمانے کے مسلمان صلحاء بھی ان کو اختیار کرلیں تو پھر ممانعت کی سختی باقی نہ رہے گی۔

جس طرح کوٹ کا استعمال ابتداء میں صرف انگریزوں کے لباس کی نقل تھی، پھر وہ مسلمانوں میں رائج ہوا۔ یہاں تک کہ پنجاب میں صلحاء اور علماء تک نے اختیار کرلیا تو جو قباحت شروع میں اختیار کرنے والوں کے لیے تھی، وہ آخر میں باقی نہ رہی، اور حکم بدل گیا، لیکن جو امور کفار و مشرکین میں بطور مذہبی شعار کے رائج ہیں، یا جن کی ممانعت صاحب شرع نے بہ صراحت کردی ہے، ان میں جواز یا نرمی کا حکم کبھی نہیں دیا جا سکتا(۱)۔

تشبہ سے متعلق آخری بات لباس کی کن کن صورتوں میں تشبہ بالغیر ہے، اس کے بارے میں ہمارے علماء دیوبند نے موقع بموقع امتِ مسلمہ کی راہنمائی کی ہے، جن کی نظائر ان اکابر علماء کے مطبوعہ اردو فتاویٰ میں دیکھی جا سکتی ہے، واضح رہے کہ لباس میں مشابہت (اگر وہ لباس غیروں کا مخصوص لباس نہ ہو تو اس) کا تعلق ہر علاقے کے مزاج اور عرف کے ساتھ ہوتا ہے، ایک ہی چیز ایک شہر و علاقے میں عرف کی وجہ سے ناجائز ٹھہرتی ہے تو وہی چیز دوسرے علاقے میں عرف نہ ہونے کی وجہ سے ناجائز نہیں ہوتی، اس لیے اس معاملے میں اپنے علاقے کے ماہر تجربہ کار مفتیانِ عظام سے رابطہ کرکے صورتِ حقیقی سے باخبر رہنا ضروری ہے۔

وَقَالَ ٱلْحَسَنُ فِي ٱلثِّيَابِ يَنْسُجُهَا ٱلْمَجُوسِيُّ : لَمْ يَرَ بِهَا بَأْسًا . وَقَالَ مَعْمَرٌ : رَأَيْتُ ٱلزُّهْرِيَّ : يَلْبَسُ مِنْ ثِيَابِ ٱلْيَمَنِ مَا صُبِغَ بِٱلْبَوْلِ . وَصَلَّى عَلِيٌّ فِي ثَوْبٍ غَيْرِ مَقْصُورٍ .

وقال الحسن في الثياب ينسجها المجوسيّ لم ير بها بأساً

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے ان کپڑوں کے بارے میں فرمایا، جن کو مجوس بنتے ہیں (کہ انہیں پہن کر نماز پڑھنے میں) کوئی حرج نہیں ہے۔

---

(۱) فیض الباري: ۲/۱۵، أنوار الباري: ۵/۱۰۱

الحسن

یہ مشہور تابعی ''ابوسعید الحسن بن ابی الحسن یسار بصری رحمہ اللہ'' ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کتاب، الایمان، باب:''وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما، فَسَمَّاهم المؤمنين'' میں گذر چکے ہیں(۱)۔

يَنْسُجُها

''يَنسِجُهَا'' بكسر السين المهملة وضمها وبضم الجيم ہے،اس کے معنیٰ ہیں بُننا، تیار کرنا(۲)۔

المجوسي

حموی اور کشمیہنی کی روایت میں اسی طرح ہے، مفرد کے صیغہ کے ساتھ اور مراد جنسِ مجوس ہے اوران دو حضرات کے علاوہ کے نسخوں میں جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے ''المجوس''(۳)۔

لم يَرَ

''لم یر'' کومعروف ومجہول دونوں طرح استعمال کیا گیا ہے، معروف پڑھنے کے راوی علامہ عینی رحمہ اللہ اور مجہول پڑھنے کے راوی علامہ کرمانی رحمہ اللہ ہیں۔پہلی صورت میں لم یر کے فاعل حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ہوں گے اور یہ صیغہ صنعتِ تجرید سے ہوگا۔گویا کہ حضرت حسن نے اپنے آپ سے ایک شخص کو جدا کیا اور پھر اس کی طرف غائب کی اسناد لوٹائیں۔

اور مجہول کی صورت میں اس کا نائب فاعل ''القوم'' قرار دیا گیا ہے(۴)۔

مذکورہ جملے کی تخریج

اس اثر کو ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے موصولاً نقل کیا ہے۔ملاحظہ ہو:

---

(۱) كشف الباري: ۲/۲۲۰

(۲) فتح الباري: ۲/٦۲٤، عمدة القاري: ٤/۱۰٤

(۳) شرح الكرماني: ٤/۲۱، فتح الباري: ۲/٦۲٤، عمدة القاري: ٤/۱۰٤

(٤) شرح الكرماني: ٤/۲۱، فتح الباري: ۲/٦۲٤، عمدة القاري: ٤/۱۰٤

حدثنا وكيع، قال: "لا بأس بالصلاة في رداء اليهودي والنصراني"(۱).

اوراس سے بھی واضح اثر حافظ صاحب رحمہ اللہ نے ابونعیم بن حماد کی نسبت سے ذکر کیا ہے: عن معتمر عن هشام، عن الحسن: "لا بأس بالصلاة في الثوب الذي ينسجه المجوسي قبل أن يغسل"(۲).

اور ایسے لباس میں نماز ادا کرنے کے بارے میں ابن سیرین رحمہ اللہ سے کراہت کا قول منقول ہے(۳)۔

وقال معمر: رأيت الزهريّ يلبس من ثياب اليمن ما صبغ بالبول

معمر نے کہا ہے میں نے زہری کو یمن کے وہ کپڑے پہنے دیکھا، جو پیشاب سے رنگے جاتے تھے۔

معمر

"معمر" بفتح المیم مشہور امام ہیں، ان کا نام "معمر بن راشد ازدی، حدانی، بصری رحمہ اللہ" ہے۔

ان کے حالات کتاب بدء الوحی کی پانچویں حدیث اور کتاب العلم، باب کتابته العلم کی تیسری حدیث میں گذر چکے ہیں (۴)۔

زهري

یہ "ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب بن عبداللہ لوئی الزہری المدنی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے احوال، کتاب بدءالوحی، باب کیف کان بدء الوحی کی تیسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں (۵)۔

اثر کی تخریج

امام زہری رحمہ اللہ کے مذکورہ اثر کو امام عبدالرزاق بن ہمام نے "المصنف" میں موصولاً ذکر کیا ہے۔

---

(۱) المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، في الثوب يخرج من النساج، رقم الحديث: ٦٣٧٠

(۲) فتح الباري: ٢/٦٢٤

(۳) المصنف لابن أبي شيبة، رقم الحديث: ٦٣٦٩

(٤) كشف الباري: ١/٤٦٥، ٤/٣٢١

(٥) كشف الباري: ١/٣٢٦

"عبدالرزاق عن معمر قال: رأيت الزهري يلبس ما صبغ بالبول".

''عبدالرزاق نے معمر سے روایت کیا کہ معمر نے فرمایا کہ میں زہری ایسے کپڑوں میں ملبوس دیکھا جو پیشاب میں رنگے گئے تھے(۱)۔

ما صبغ بالبول

ملک یمن میں کپڑے بنتے وقت انہیں پیشاب سے رنگا جاتا تھا۔

چنانچہ معمر رحمہ اللہ امام زہری رحمہ اللہ کی وہ حالت بیان کر رہے ہیں، جب انہوں نے وہ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

اس بارے میں بہت سے ائمہ نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں، جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

شیخ الاسلام زکریا الانصاری ذکر فرماتے ہیں کہ امام زہری ایسا لباس خارجِ نماز استعمال فرماتے تھے، وہ بھی خشک ہونے کی حالت میں (۲)۔

علامہ کرمانی، حافظ ابن حجر، علامہ عینی اور دیگر اور بہت سے ائمہ رحمہم اللہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ "البول" کے شروع میں جو الف لام ہے، وہ جنس کے لیے ہے یا عہدی ہے، اگر جنسی ہے، تو مراد یہ ہوگا کہ آپ ایسے کپڑوں کو دھونے کے بعد استعمال فرماتے تھے، یعنی جب دھوتے دھوتے پیشاب کا اثر ختم ہو جاتا تھا، تب اس کپڑے کو استعمال فرماتے تھے، اور اگر الف لام عہدی ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ یہ پیشاب ان جانوروں کا ہوتا ہوگا، جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، یعنی: حلال جانوروں کا، اور امام زہری رحمہ اللہ ماکول اللحم حیوانات کے پیشاب کی طہارت کے قائل تھے (۳)۔

---

(۱) المصنف لعبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الثوب يصبغ بالبول، رقم الحديث: ١٤٩٨، ٢٩٢/١

(٢) تحفة الباري: ٢٨٩/١

(٣) شرح الكرماني: ٢١/٤، ٢٢، فتح الباري: ٦٢٤/٢، عمدة القاري: ١٠٤/٤، شرح ابن بطال: ٢٣/٢، الكوثر الجاري: ٤٣/٢، إرشاد الساري: ٢١/٢، فيض الباري: ١٥/٢

ماکول اللحم حیوانات کے ابوال سے متعلق امام زہری رحمہ اللہ کا مسلک

امام زہری رحمہ اللہ نے جو یہ یمنی کپڑے پہنے تھے، اس بارے میں اکثر شراحِ بخاری نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ امام زہری رحمہ اللہ ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کو طاہر سمجھتے تھے۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی تحقیق

حضرت کشمیری رحمہ اللہ شراح بخاری کی اس بات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ امام زہری رحمہ اللہ کی طرف یہ نسبت غلط ہے، کیونکہ میرے نزدیک ان کا مذہب سارے ابوال کی نجاست کا ہی ہے اور اس کے ثبوت میں میرے پاس مصنف عبدالرزاق وغیرہ کی نقول ہیں۔ پھر اس کے باوجود ان کے استعمالِ مذکور کی وجہ یہ تھی کہ ایسے کپڑوں کو پیشاب میں رنگنے کے بعد دھونے کا رواج بھی تھا، اس لیے وہ بھی ضرور دھونے کے بعد استعمال کرتے ہوں گے اور دھونے کے بعد استعمال کا ذکر یہاں اس لیے کیا گیا کہ جو طبائع ایسے کپڑوں کا استعمال دھونے کے بعد پسند نہ کریں، ان کو اس نقل سے فائدہ ہوگا کہ طبعی کراہت نہ کریں گے۔

پھر فرمایا: مجھے جب سے یہ معلوم ہوا ہے کہ حیدرآبادی رومال بھیڑ بکریوں کے پیشاب میں رنگے جاتے ہیں، تو میں بھی استعمال سے پہلے دھلوا لیتا ہوں۔

نیز فرمایا: کہ صرف اس قول ''معمر عن الزهري'' سے استدلال کرتے ہوئے امام زہری رحمہ اللہ کا مذہب ''طهارة أبوال ماكول اللحم'' قرار دے دینا درست نہیں ہے، کیونکہ مصنف عبدالرزاق سے ان کا مذہب نجاستِ ابوال ثابت ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الطب میں ''باب ألبان الأتن'' قائم کیا ہے اس میں ''هل تشرب أبوال الإبل'' کے سوال سے بھی اشارہ نجاست کی طرف ہے (اس سوال کے جواب میں ابوادریس نے کہا کہ دوائی کی ضرورت سے ان کا استعمال جائز سمجھا گیا ہے، ورنہ اگر وہ سائل و مجیب کی نظر میں طاہر ہوتے، تو مذکور سوال و جواب کا کیا موقع تھا؟)

پوری روایت اس طرح ہے(۱):

"حدثني يونس عن ابن شهاب قال: وسألته: هل نتوضأ أو تشرب ألبان الأتن أو مرارة السبع أو أبوال الإبل؟ فقال: قد كان المسلمون يتداوون بها، فلا يرون بذلك بأساً، فأما ألبان الأتن؛ فقد بلغنا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهىٰ عن لحوحها، ولم يبلغنا عن ألبانها أمرولا نهي".

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر بھی دیکھا ہے کہ انہوں نے یمنی کپڑوں کے استعمال کی ممانعت کا ارادہ کرلیا تھا، جو پیشاب سے رنگے جاتے تھے، لیکن جب حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ ایسی چیز کی ممانعت کا حکم کیونکر کرسکتے ہیں، جس کی ممانعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارادہ ترک کردیا۔

پوری روایت اس طرح ہے:

"عبدالرزاق عن ابن عيينة عن عمرو عن الحسن قال: قال عمر، لونهينا عن هذا العصب، فإنه يصبغ بالبول، فقال أبيّ بن كعب: والله! ماذلك لك، قال: ما؟ قال: لأنا لبسناها على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم والقرآن ينزل، وكُفِن فيه رسولُ الله صلى الله عليه وسلم، فقال عمر: صدقت"(۲).

مطلب یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مطلقاً سب ابوال کی نجاست کے قائل تھے، تب ہی تو یمنی کپڑوں کے استعمال کو روکنا چاہا تھا، مگر چونکہ ایسے کپڑوں کو دھونے کے بعد استعمال کی شرعاً گنجائش موجود تھی اور اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ممانعت ثابت نہیں تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی کی بات کو قبول کرلیا، تاکہ لوگ سختی و

(۱) صحيح البخاري، كتاب الطب، باب ألبان الأتن، رقم الحديث: ۵۷۸۱

(۲) المصنف لعبد الرزاق، باب ماجاء في الثوب يصبغ بالبول، رقم الحديث: ۱۴۹۷

تنگی میں مبتلا نہ ہوں، پھر جب امام زہری رحمہ اللہ کا مذہب بھی تمام ابوال کی نجاست ہی کا تھا، تو وہ کیوں کر بغیر دھلے یمنی کپڑے استعمال کر سکتے تھے؟(۱)۔

ماکول اللحم حیوانات کے پیشاب کا حکم؟

کتاب الطہارہ میں ماکول اللحم حیوانات کی طہارۃ وعدمِ طہارۃ کا مسئلہ بمعہ اختلافات ائمہ گذر چکا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی، سفیان ثوری رحمہ اللہ کے نزدیک ہر قسم کا پیشاب، بول وبراز نجس ہے اور صاحبین میں سے امام ابو یوسف کا مسلک بھی یہی ہے(۲) اور حافظ صاحب نے اسی مذہب کو جمہور کا مذہب قرار دیا ہے(۳)۔

امام مالک، امام احمد، امام بخاری اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کے نزدیک ماکول اللحم کا پیشاب پاک ہے، فیض الباری میں لکھا ہے کہ امام محمد اور امام زفر رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے اور علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ شوافع میں سے ابن المنذر، ابن خزیمہ، ابن حبان اور اصطخری ورویانی کا بھی یہی مسلک ہے(۴)۔

نجاست کے قائلین کی دلیل

امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف رحمہما اللہ اور دیگر وہ ائمہ جو ہر قسم کے پیشاب کے نجس ہونے کے قائل ہیں۔ان کی دلیل "استنزهوا من البول فإن عامة عذاب القبر منه" ہے۔

مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ تمام پیشاب کے چھینٹوں سے بچو، کیوں کہ عام طور پر عذابِ قبر کا سبب پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنا ہوتا ہے۔

اس حدیث کو مختلف الفاظ اور مختلف طرق سے الدارقطني، المستدرک علی الصحیحین، الجامع الصغیر، نیل

---

(۱) فيض الباري: ۲/۱۵، أنوار الباري: ۱۱/۱۰۶، ۱۰۷

(۲) عمدة القاري: ۳/۲۳۱

(۳) فتح الباري: ۲/٤٤۷

(٤) نيل الأوطار، كتاب الطهارة، باب الرخصة في بول مايوكل لحمه، رقم الحديث: ۳۷، ۱/٦۰، عمدة القاري، كتاب الوضوء، باب أبوال الإبل والدواب والغنم ومرابضها، رقم الحديث: ۲۳۳، ۳/۲۳۱

الأوطار، الترغيب والترتیب، الجامع الکبیر للطبرانی اور مجمع الزوائد وغیرہ میں ذکر کیا ہے(۱)۔

طہارت کے قائلین کی دلیل

ماکول اللحم کے ابوال کی طہارت کے قائلین کی دلیل حدیثِ عرینہ ہے(۲)۔

ان حضرات کے جملہ دلائل اور ان کے جوابات اپنے مقام پر گذر چکے ہیں۔

وصلّى علي في ثوبٍ غير مقصورٍ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کورے (بغیر دھلے) کپڑے میں نماز پڑھی۔

عليّ

یہ امیر المؤمنین سیدنا ''علی بن ابی طالب بن ہاشم مکی مدنی رضی اللہ عنہ'' ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کتاب العلم، باب: "إثم مَن كذبه على النبي صلى الله عليه وسلم" میں گذر چکے ہیں(۳)۔

اثر کی تخریج

مذکورہ اثر کو موصولاً ابن سعد نے عطاء بن محمد کے طریق سے ''الطبقات الکبریٰ'' میں نقل کیا ہے:

---

(۱) سنن الدارقطني، كتاب الطهارة، باب نجاسة البول والأمر بالتنز، رقم الحديث: ۲، ۷، ۹

المستدرك على الصحيحين، كتاب الطهارة، رقم الحديث: ٦٥٣

الجامع الصغير، باب حرف الألف، رقم الحديث: ١٣

نيل الأوطار، كتاب الطهارة، باب الرخصه في بول مايوكل لحمه، رقم الحديث: ٣٧، ١/٦٠

الترغيب والترهيب، الترهيب من إصابة البول الثوب، رقم الحديث: ١٥٧، ١٥٨، ١٦١

الجامع الكبير للطبراني، باب الصاد، صدى عن عجلان أبو أمامه الباهلي، رقم الحديث: ٦٧٠٥، ٦٨٦٩

مجمع الزوائد، كتاب الطهارة، باب استنزاه من بول، رقم الحديث: ١٠٢٣، ٤٢٩٣

(٢) صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب أبوال الإبل، رقم الحديث: ٢٣٣

(٣) كشف الباري: ٤/١٤٩

عن عطاء بن محمد قال: "أريت علياً رضي الله عنه صلّىٰ و عليه قميص كرابيس غير مغسول"(١).

غیر مقصور

اس سے مراد خام چیز ہے، یعنی: کوری چیز، خام مال یا کوراماں اسے کہا جاتا ہے، جو وجود میں آنے کے بعد بہت زیادہ استعمال نہ ہوا ہو یا دھلا نہ ہو(۲)۔

یہاں بھی یہی مراد ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسے کپڑے میں نماز پڑھی جو نیا تھا، دھلا ہوا نہیں تھا۔

مذکورہ آثار کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کے جز کے طور پر تین اثر ذکر کیے ہیں۔ان میں پہلے اثر کی تو ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے، البتہ دوسرے دو اثر ترجمۃ الباب کے موافق نہیں ہیں۔

اس بارے میں علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ پہلا اثر مقصودی ہے اور بقیہ دو اس پہلے اثر کی موافقت کے لیے یعنی: طردا للباب ذکر کیے گئے ہیں(۳)۔

حدیث باب

٣٥٦ : حدّثنا يَحْيَى قَالَ : حَدَّثنا أَبُو مُعاوِيَةَ ، عَنِ ٱلْأَعْمَشِ ، عَنْ مُسْلِمٍ ، عَنْ مَسْرُوقٍ ، عَنْ مُغِيرَةَ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ : كُنْتُ مَعَ ٱلنَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ ، فَقَالَ : (يَا مُغِيرَةُ ، خُذِ ٱلْإِدَاوَةَ)(٤) . فَأَخَذْتُهَا ، فَانْطَلَقَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ حَتَّى تَوارَى عَنِّي ، فَقَضَى حاجَتَهُ ، وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ شَأْمِيَّةٌ ، فَذَهَبَ

(١) الطبقات الكبرىٰ لابن سعد، ذكر لباس علي رضى الله عنه: ١٨/٢

الزهد لابن حنبل، زهد أمير المؤمنين علي ابن طالب رضي الله عنه: ١٦٢/١

العلل ومعرفة الرجال، رقم الحديث: ٤٠٤١، ٣٢/٣

(٢) فتح الباري: ٦٢٤/٢، إرشاد الساري: ٢١/٢

(٣) عمدة القاري: ١٠٤/٤

(٤) صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب الرجل يوضئ صاحبه، رقم الحديث: ١٨٢، وباب المسح على =

لِيُخْرِجَ يَدَهُ مِنْ كُمِّهَا فَضَاقَتْ ، فَأَخْرَجَ يَدَهُ مِنْ أَسْفَلِهَا ، فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ ، فَتَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ ، وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ ، ثُمَّ صَلَّى . [ر : ١٨٠]

ترجمہ

حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مغیرہ! پانی کا برتن ساتھ لے لو، چنانچہ میں نے لے لیا، پھر آپ چلے یہاں تک کہ مجھ سے چھپ گئے (یعنی: اتنی دور چلے گئے، یہاں تک) کہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حاجت پوری کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت شامی جبہ زیب تن کیا ہوا تھا، آپ نے اس کی آستین سے اپنا ہاتھ نکالنا چاہا، تو وہ تنگ (ہونے کی وجہ سے اوپر نہ چڑھی) تھی۔ لہٰذا آپ نے اپنے ہاتھ کو اس کے نیچے سے نکالا، پھر میں نے آپ کے اعضاء وضو پر پانی

= الخفين، رقم الحديث: ٢٠٣، وباب إذا أدخل رجليه وهما طاهرتان، رقم الحديث: ٢٠٦، وكتاب الصلاة، باب الصلاة في الجبة الشامية، رقم الحديث: ٣٦٣، وكتاب الجهاد، الجبة في السفر والحرب، رقم الحديث: ٢٩١٨، وكتاب المغازي، باب (بلاعنوان) رقم الحديث: ٤٤٢١، وكتاب اللباس، باب من لبس جبة الصوف في الغزو، رقم الحديث: ٥٧٩٩، صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، رقم الحديث: ٢٧٤

سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، رقم الحديث: ١٤٩، ١٥٠، ١٥١

سنن الترمذي، كتاب الطهارة، باب ماجاء في المسح على الخفين أعلاه وأسفله، رقم الحديث: ٩٧، ٩٨

سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، رقم الحديث: ١٢٤، وباب المسح على الخفين في السفر، رقم الحديث: ١٢٥، وباب المسح على العمامة مع الناصية، رقم الحديث: ١٠٨

المؤطا الإمام مالك، كتاب الطهارة، باب ماجاء في المسح على الخفين: ١/٣٦

سنن ابن ماجة، كتاب الطهارة، باب الرجل يستعين على وضوءه، رقم الحديث: ٣٨٩

جامع الأصول، كتاب الطهارة، الفرع الأول في جواز المسح، رقم الحديث: ٥٢٦٩، ٧/٢٢٨

ڈالا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے وضو کی طرح وضو کیا، اپنے موزوں پر مسح کیا اور پھر نماز ادا فرمائی۔

تراجم رجال

یحییٰ

یہ "أبوزکریا یحییٰ بن موسیٰ البلخی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کا تذکرہ کتاب الحیض، باب: "دلك المرأة نفسها، إذا تطهرت من المحيض، وكيف تغتسل" میں گذر چکا ہے(۱)۔

ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان "یحییٰ" کا تذکرہ كتاب الجنائز (باب الجريد على القبر، رقم: ١٣٦١) اور تفسیر سورۃ الرحمٰن کے تحت بھی ہے "ابن السکن" نے کتاب الجنائز میں مذکور "یحییٰ" کی نسبت موسیٰ کی طرف کی ہے، یعنی: "یحییٰ بن موسیٰ" اور بقیہ دونوں جگہ بغیر نسبت کے مہمل چھوڑا ہے۔

اور "کلاباذی" نے ذکر کیا ہے کہ یحییٰ دو ہیں: ایک "یحییٰ بن موسیٰ" اور دوسرے "یحییٰ بن جعفر بن عون" یہ دونوں ابو معاویہ سے روایت کرتے ہیں۔ نیز! الطبرانی نے اپنی معجم میں ایک طریق "یحییٰ الحمانی عن أبي معاوية" بھی نقل کیا ہے۔ لیکن یہ "یحییٰ" امام بخاری رحمہ اللہ کے شیوخ میں سے نہیں ہے(۲)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ یحییٰ بن معین ہوں، اس لیے کہ یہ ابو معاویہ سے روایت کرتے ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ کے مشائخ میں سے بھی ہیں (۳)۔

أبومعاويه محمد بن خازم

یہ "محمد بن خازم التمیمی السعدی الکوفی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کا تذکرہ كتاب العلم، باب الحياء في العلم میں گذرا ہے(۴)۔

---

(۱) كشف الباري، كتاب الحيض، باب ذلك المرأة نفسها، إذا تطهرت من المحيض

(۲) التوضيح لابن ملقن: ٢٩٨/٥

(۳) شرح الكرماني: ٢٢/٤

(٤) كشف الباري: ٦٠٥/٤

أعمش

یہ "ابومحمد سلیمان بن مہران اسدی کوفی رحمہ اللہ" ہیں۔ جو أعمش کے لقب سے معروف ہیں۔
ان کا تذکرہ کتاب الایمان، باب "ظلم دون ظلم" کے تحت گذر چکا ہے(۱)۔

مسلم بن صبيح

یہ مسلم بن صبیح الھمدانی الکوفی العطار رحمہ اللہ" ہیں، ان کا لقب ابوالضحیٰ ہے، ایک قول کے مطابق مولیٰ همدان ہیں اور دوسرے قول کے مطابق مولیٰ آل سعيد بن العاص القرشي ہیں(۲)۔

انہوں نے جن مشائخ سے روایت نقل کی ہیں، ان میں جرير بن عبدالله البجلي، جعدة بن هبيرة المخزومی، شُتَير بن شكل، شريح القاضي، عبدالله بن عباس، عبدالله بن عمر بن الخطاب، عبدالله بن يزيد الخطمي، عبدالرحمن بن هلال العبسي، عبيدة السلماني، علقمة بن قيس النخعي، مسروق بن الأجدع اور نعمان بن بشير رحمهم الله داخل ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں سليمان الأعمش، جابر الجعفي، الحسن بن عبيدالله، حصين بن عبدالرحمن، سعيد بن مسروق الثوری، شِباك الضبي، عاصم بن بهدلة، عباد ابن منصور، عطاء بن السائب، عمرو بن المرة، مغيرة بن مقسم رحمهم الله وغیرہ شامل ہیں(۳)۔

ابن معین رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: "ثقة"(٤).

ابوزرعہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: "ثقة"(٥).

ابن حبان نے انہیں کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے(٦)۔

---

(١) كشف الباري: ٢٥١/٢

(٢) التاريخ الكبير: ٢٦٤/٧، الكاشف: ٥٨٩/٢، تقريب التهذيب: ١٧٩/٢

(٣) تهذيب الكمال: ٥٢١/٢٧، الجرح والتعديل: ٢١٤/٨

(٤) الجرح والتعديل: ٢١٤/٨، تهذيب الكمال: ٥٢٢/٢٧

(٥) الجرح والتعديل: ٢١٤/٨

(٦) الثقات لابن حبان: ٣٩١/٥

ابن سعد نے ان کے بارے میں لکھا ہے: "كان ثقةً كثير الحديث"(۱).

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "ثقة فاضل"(۲).

یہ سو ہجری میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی خلافت کے زمانہ میں فوت ہوئے (۳)۔

طبقہ رابعہ میں ان کا شمار ہوتا ہے (۴)۔

مسروق

یہ "ابو عائشہ مسروق بن الأجدع بن مالک بن امیہ ہمدانی کوفی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے حالات کتاب الایمان، باب: "علامة المنافق" کی دوسری حدیث میں گذر چکے ہیں (۵)۔

المغيرة

یہ "ابو محمد المغیرۃ بن شعبہ بن ابی عامر الثقفی رضی اللہ عنہ" ہیں۔

ان کے حالات کتاب الوضو، باب: "الرجل يوضي صاحبه" میں گذر چکے ہیں (٦)۔

شرح الحدیث

كنت مع النبيّ صلى الله عليه وسلم في سفر

حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں، میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔

اس سفر سے مراد سفرِ تبوک ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر اور دیگر شارحین رحمہ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے (۷)۔

---

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد: ۲۸۸/۹

(۲) تقريب التهذيب: ۱۷۹/۲

(۳) تهذيب الكمال: ۵۲۲/۲۷، الثقات لابن حبان: ۳۹۱/۵

(٤) تقريب التهذيب: ۱۷۹/۲

(٥) كشف الباري: ۲۸۱/۲

(٦) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب الرجل يوضي صاحبه

(٧) فتح الباري: ٤٠٦/٢، عمدة القاري: ١٤٧/٣، إرشاد الساري: ٢٢/٢، الكوثر الجاري: ٤٤/٢، شرح=

خذ الإداوة

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے مغیرۃ! پانی والا برتن ساتھ لے لو۔ "إدواة" ہمزہ کی کسرہ کے ساتھ، اس کا مطلب ہے، چمڑے کا بنا ہوا پانی کے لیے برتن، اس کی جمع "أداوی" آئی ہے(۱)۔

مذکورہ حدیث کی مکمل تشریح ماقبل (کتاب الوضوء، باب المسح علی الخفین) میں گذر چکی ہے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے کہ دونوں میں جبہ کا ذکر ہے(۲)۔

مذکورہ حدیث سے مستفاد امور

۱- اس حدیث مبارکہ سے موزوں پر مسح کی مشروعیت کا پتہ چلتا ہے۔

۲- دوسروں سے مدد طلب کرنے کا جواز بھی معلوم ہوا۔

۳- دباغت دیئے ہوئے مردار جانوروں کے چمڑے کا استعمال جائز ہے۔

۴- جب نجاست کے عدم تحقق کا علم ہو جائے تو کفار کے ملبوسات کے استعمال کا جواز معلوم ہوا۔

۵- مذکورہ حدیث سے ان حضرات کا رد ہوتا ہے جو آیات وضوء کے نزول کے بعد مسح علی الخفین کی مشروعیت کے منسوخ ہو جانے کے قائل تھے۔ اس لیے کہ آیات وضوء "غزوہ مریسیع" میں نازل ہوئیں تھیں اور یہ واقعہ (مسح علی الخفین والا) غزوہ تبوک میں پیش آیا، اور غزوہ تبوک، غزوہ مریسیع کے بعد واقعہ ہوا تھا۔

۶- سفر کے دوران چونکہ جلدی مطلوب ہوتی ہے، اس لیے بغرضِ سہولت تنگ لباس پہننا جائز ہے۔

۷- قضائے حاجت کے لیے لوگوں کی نگاہ سے دور نکل جانا مستحب ہے۔

۸- طہارت پر دوام مستحب و مطلوب ہے، کیونکہ ابتداء میں ہی حکم دے دیا تھا کہ پانی کا برتن لے لو۔

= الكرماني: ٤/٢٣

(١) النهاية في غريب الحديث والأثر: ١/٤٦، تفسير غريب ما في الصحيحين: ١/١٠٢، القاموس المحيط، ص: ١١٣٢، المعجم الوسيط، ص: ١٠

(٢) عمدة القاري: ٤/١٠٥

۹-مذکورہ حدیث سے بڑے اساتذہ ومشائخ کے مطالبہ کے بغیران کی خدمت کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

۱۰-ضرورت کے وقت بازو کا آستین کے نیچے سے نکالنا جائز ہے(۱)۔

۷ - باب : كَرَاهِيَةِ ٱلتَّعَرِّي فِي ٱلصَّلَاةِ وَغَيْرِهَا .

یہ باب ہے نماز اور خارج نماز ننگا ہونے کے مکروہ (ناپسندیدہ، ممنوع) ہونے کے بارے میں۔

ہمارے ہاں کے مروج نسخوں میں اور علامہ کرمانی رحمہ اللہ کے نسخے میں یہ باب اسی طرح ہے(۲)(یعنی: كراهية التعرّي في الصلاة وغيرها) جبکہ نسخہ مصریہ اور شروحِ ثلاثہ (فتح الباری، عمدۃ القاری اور ارشاد الساری) میں اس ترجمہ کا آخری لفظ "وغیرها" نہیں ہے، تو اس مقام پر ان حضرات نے یہ کہا ہے کہ اس ترجمہ میں کشمیہنی اور حموی نے "وغیرها" کا اضافہ کیا ہے(۳)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس باب کا مقصد سترِ عورت کی عمومیت کو بیان کرنا ہے کہ جس طرح حالتِ نماز میں سترِ عورت فرض ہے، اسی طرح خارجِ نماز بھی بلاضرورت ستر کھولنا پسندیدہ نہیں ہے، بلکہ مکروہ ہے(۴)۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "شراح کی رائے ہے کہ (امام بخاری رحمہ اللہ نے) اولاً لباس فی الصلاۃ ثابت فرمایا ہے، اب عموم ثابت فرماتے ہیں، خواہ "في الصلاة" ہو یا "في غير الصلاة" مگر میرے نزدیک یہ درست نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں اس کو ابواب اللباس میں ذکر کرنا چاہئے تھا۔

---

(۱) شرح ابن بطال: ۲/۲۳، شرح الكرماني: ۴/۲۲، عمدة القاري: ۴/۱۰۴، ۳/۱۴۷، ۱۴۸، الكوثر الجاري: ۲/۴۴، تحفة الباري: ۱/۲۸۹

(۲) شرح الكرماني: ۴/۳۴

(۳) فتح الباري: ۲/۶۳۵، عمدة القاري: ۴/۱۰۶، إرشاد الساري: ۲/۲۲، تحفة الباري: ۱/۲۸۹

(۴) عمدة القاري: ۴/۱۰۶

بلکہ میرے نزدیک غرض یہ ہے کہ سابق کے اندر تو لباس بقدرِ فرض ثابت فرمایا ہے کہ سترِ عورت ضروری ہے اور یہاں بقیہ بدن کے تستر کو ثابت فرماتے ہیں، کہ اگر کسی کے پاس کپڑے ہوں تو اس کو ستر کے علاوہ دوسرے جسم کو بھی ڈھانکنا چاہیے(۱)۔

حدیث باب

۳۵۷ : حدَّثنا مَطَرُ بْنُ ٱلْفَضْلِ قَالَ : حَدَّثنا رَوْحٌ قَالَ : حَدَّثنا زَكَرِيَّاءُ بْنُ إِسْحٰقَ : حَدَّثنا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ : سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ ٱللهِ(۲) يُحَدِّثُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ ، كَانَ يَنْقُلُ مَعَهُمُ ٱلْحِجَارَةَ لِلْكَعْبَةِ ، وَعَلَيْهِ إِزَارُهُ ، فَقَالَ لَهُ ٱلْعَبَّاسُ عَمُّهُ : يَا بْنَ أَخِي ، لَوْ حَلَلْتَ إِزَارَكَ ، فَجَعَلْتَ عَلَى مَنْكِبَيْكَ دُونَ ٱلْحِجَارَةِ ، قَالَ : فَحَلَّهُ فَجَعَلَهُ عَلَى مَنْكِبَيْهِ ، فَسَقَطَ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ ، فَمَا رُئِيَ بَعْدَ ذٰلِكَ عُرْيَانًا ﷺ . [۱۵۰۵ ، ۳٦۱۷]

ترجمہ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (نبوت ملنے سے پہلے) کعبہ (کی تعمیر) کے لیے قریش کے ہمراہ پتھر اٹھاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ مبارک پر ازار (تہبند) بندھی ہوئی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے میرے بھتیجے! کاش کہ آپ اپنے آزار کو کھول کر اپنے شانوں پر پتھروں کے نیچے رکھ لیتے (تو پتھر اٹھانے میں سہولت رہتی)۔

---

(۱) تقریر بخاری شریف: ۳۳۵/۲

(۲) أخرجه البخاري في كتاب الحج، باب فضل مكة وبنيانها، وقوله تعالىٰ: ﴿وإذ جعلنا البيت مثابةً للناس وأمنا...... ﴾ الخ، رقم الحديث: ۱۵۸۲، وفي كتاب مناقب الأنصار، باب بنيان الكعبة، رقم الحديث: ۳۸۲۹ ومسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب الاعتناء بحفظ العورة، رقم الحديث: ۳٤، جامع الأصول، حرف الفاء، الكتاب الأول: في الفضائل والمناقب، الباب الثامن في فضل الأمكنه، الفرع الثاني: في بناء البيت، رقم الحديث: ٦۹۰۷، ۳۰۱/۹

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہبند کھول کر اپنے شانوں پر ڈال لیا۔ (لیکن) آپ صلی اللہ علیہ وسلم (حیا کی وجہ سے) بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی برہنہ نہیں دیکھا گیا۔"

تراجم رجال

مطر بن الفضل

یہ "مطر بن الفضل المروزی رحمہ اللہ" ہیں (۱)۔

ان کے مشائخ میں "روح بن عبادہ، حجاج بن محمد المِصِّيْصِي، شَبَّابة بن سوّار، وكيع بن الجراح، يحيٰ بن أبي بكير الكرماني، اوريزيد بن هارون رحمهم الله" کا نام ملتا ہے۔

اوران سے روایت کرنے والے "امام بخاری، احمد بن حمویه الاسفرايینی، عبیداللہ بن واصل البخاری الحافظ اورمحمد بن علی الحکیم الترمذی" رحمہم اللہ ہیں (۲)۔

ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کا ذکر اپنی کتاب "الثقات" میں کیا ہے اور ان کے بارے میں کہا ہے: "مستقيم الحديث" (۳).

فربری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "مطر بن الفضل نے ہمارے پاس فربر میں وفات پائی۔ (یعنی: دوسو پچاس ہجری کے بعد) (۴)۔

روح

یہ "ابو محمد روح بن عبادۃ بن العلاء قیسی بصری رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کا تذکرہ کتاب الایمان، باب: "اتباع الجنائز من الإيمان" میں گذر چکا ہے (۵)۔

---

(۱) الكاشف: ۲/۲٦٩

(۲) تهذيب الكمال: ۲۸/۵۷، ۵۸

(۳) الثقات لابن حبان: ۹/۱۸۹

(٤) تهذيب التهذيب: ۱۰/۱۷۰

(۵) كشف الباري: ۲/۵۱۸

زکریا بن إسحاق

یہ ''زکریا بن اسحاق المکی رحمہ اللہ'' ہیں(۱)۔

یہ ''عمرو بن دینار، ابراہیم بن میسرہ، عطاء بن أبي رباح، عمرو بن أبي سفیان بن عبدالرحمٰن بن صفوان بن امیہ الجمحی، أبوزبیر محمد بن مسلم المکی، ولید بن عبداللہ بن أبي سمیرہ اور یحییٰ بن عبداللہ بن صیفی رحمہ اللہ'' سے روایتِ حدیث کرتے ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں: روح بن عبادۃ، ازھر بن القاسم، بشر بن سری، سعید بن سلام العطار البصری، أبو عاصم الضحاک بن مخلد، عبداللہ ابن المبارک، عبدالرزاق بن ھمام، أبو عامر عبدالملک بن عمرو العقدی، المعافی بن عمران اور وکیع بن الجراح رحمہم اللہ شامل ہیں (۲)۔

ان کے بارے میں احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ثقة"(۳).

ابوزرعہ، ابوحاتم اور امام نسائی رحمہم اللہ فرماتے ہیں: "لا بأس به"(٤).

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ثقة"(٥).

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے(٦)۔

ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''كان ثقة، كثير الحديث"(٧).

أبوعبید الآجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے أبوداؤد رحمہ اللہ سے پوچھا کہ ''زکریا بن اسحاق'' قدری ہیں؟ انہوں نے مجھ سے کہا کہ کیا تجھے ان کے بارے میں کچھ خوف ہے؟ تو میں نے کہا کہ وہ ''ثقہ'' ہیں

---

(١) التاريخ الكبير للبخاري: ٣/٤٢٣، الكاشف: ١/٤٠٥

(٢) تهذيب الكمال: ٩/٣٦٥، تقريب التهذيب: ١/٣١٣

(٣) الجرح والتعديل: ٣/٥٢٩

(٤) الجرح والتعديل: ٣/٥٢٩، سير أعلام النبلاء: ٦/٣٤٠

(٥) الكاشف: ١/٤٠٥، سير أعلام النبلاء: ٦/٣٤٠

(٦) تهذيب الكمال: ٩/٣٥٧

(٧) الطبقات لابن سعد: ٥/٤٩٣

انہوں نے کہا کہ (ہاں) وہ ثقہ ہے(۱)۔

ابوالحسن المیمونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ ان کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے(۲)۔

البرقی اور الحاکم رحمہما اللہ فرماتے ہیں: "کان ثقة"(۳).

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک سو اکاون، باون یا ترپن (۱۵۳،۱۵۲،۱۵۱) میں وفات پائی(۴)۔

عمرو بن دینار

یہ "ابومحمد عمرو بن دینار مکی جمحی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے حالات کتاب العلم، باب: "کتابة العلم" کی تیسری حدیث میں گذر چکے ہیں(۵)۔

جابر بن عبداللہ

یہ مشہور صحابی "حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ" ہیں۔

ان کے حالات کتاب الوضوء، باب: "من لم یر الوضوء إلا من المخرجین من القبل والدبر" میں گذر چکے ہیں(۶)۔

شرح حدیث

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان ينقل معهم الحجارة للكعبة

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے ساتھ مل کر کعبہ، بیت

---

(۱) تهذيب الكمال: ۳۵۷/۹

(۲) تهذيب التهذيب: ۳۲۹/۳، الطبقات لابن سعد: ۴۹۳/۵

(۳) تهذيب التهذيب: ۳۲۹/۳، إكمال تهذيب الكمال: ٦٤/٥

(٤) سير أعلام النبلاء: ٣٤٠/٦

(٥) كشف الباري: ٢٠٩/٤

(٦) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين من القبل والدبر

اللہ کی تعمیر کے لیے پتھر اٹھا کر لا رہے تھے۔

"للكعبة" سے مراد "لبناء الكعبة" ہے(١)۔

وعليه إزاره

اس دوران جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پتھر اٹھا کر لا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ مبارک پر آپ کا ازار یعنی تہبند بندھا ہوا تھا۔

بعض نسخوں میں یہ جملہ "واو" حرف عاطف کے بغیر ہے(٢)۔

فقال له العباس عمه، يا ابن أخي

حضرت عباس رضی اللہ عنہ یعنی آپ کے چچا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: کہ اے میرے بھتیجے اگر تم اپنا تہبند کھول لو، پھر میں اسے تمہارے کندھے پر پتھر کے نیچے رکھ دوں، تو یہ اچھا اور سہولت کا باعث ہو جائے گا، اس جگہ "لو" کا جواب محذوف ہوگا۔ اور وہ "لكان أسهل عليك" ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ اس "لو" کو تمنی کے لیے بھی قرار دے سکتے ہیں، اس صورت میں "جوابِ لو" کی ضرورت نہیں رہے گی(٣)۔

"فجعلت على منكبيك دون الحجارة" اس جملے میں کشمیہنی کی روایت کے مطابق "فجعلت" کی بجائے "فجعلته" مفعول کی ضمیر کے ساتھ ہے، اور "دون الحجارة" کا مطلب "تحت الحجارة" ہے(٤)۔

قال فحلّه وجعله على منكبَيه

"قال" کا فاعل کون ہے؟ اس بارے میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ اس کا فاعل "حضرت جابر رضی اللہ عنہ" ہیں اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کا فاعل وہ محدّث ہے، جو یہ حدیث بیان کر رہا ہے(٥)۔

---

(١) عمدة القاري: ٤/١٠٦، إرشاد الساري: ٢/٢٢

(٢) عمدة القاري: ٤/١٠٧

(٣) شرح الكرماني: ٤/٢٣، فتح الباري: ٢/٦٢٦

(٤) فتح الباري: ٢/٦٢٦، تحفة الباري: ١/٢٨٩

(٥) شرح الكرماني: ٤/٢٣، إرشاد الساري: ٢/٢٢

فسقط مَغْشِيًّا عليه

جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہبند کھول کر کندھے پر پتھر اٹھانے کے لیے رکھا، اسی وقت حیاء اور شرم کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش کر گر پڑے(۱)۔

فما رؤي بعد ذلك عريانا صلى الله عليه وسلم

اس وقت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ازار آپ پر باندھ دیا گیا اور آپ کو ہوش آ گیا، مگر اس کے بعد تادمِ حیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برہنہ نہیں دیکھا گیا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا اس نے آپ کا ازار آپ پر باندھا(۲)۔

نیز اس روایت میں ہے کہ اس کے بعد کبھی آپ کو برہنہ کسی نے نہیں دیکھا، جب کہ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں "فلم يتعر بعد ذلك" کہ آپ اس کے بعد کبھی برہنہ نہیں ہوئے(۳)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس حدیث میں مذکورہ واقعہ پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ نبوت کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے برہنہ ہو جائے۔

اس اشکال کے جواب کا تعلق وقوعِ واقعہ سے ہے کہ یہ واقعہ کب پیش آیا؟ چنانچہ پہلے اس بارے میں یہ بات واضح کی جائے گی۔

تعمیرِ کعبہ کا واقعہ کب پیش آیا

کعبہ کی اس تعمیر کے بارے میں علماءِ سیر کے مختلف اقوال ہیں کہ یہ تعمیر کب ہوئی اور اس وقت جب یہ واقعہ پیش آیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کیا تھی؟

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب قریش نے کعبہ کی تعمیر کی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالغ

(۱) شرح الكرماني: ٤/٢٣، عمدة القاري: ٤/١٠٧

(۲) التوضيح لابن ملقن: ٥/٣٩٩، عمدة القاري: ٤/١٠٧

(۳) فتح الباري: ٢/٦٢٦، إرشاد الساري: ٢/٢٢

نہیں ہوئے تھے(۱)۔

اس بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پندرہ سال تھی، اس قول کوذکر کرنے والے علامہ ابن بطال، علامہ کرمانی، علامہ زرقانی رحمہم اللہ ہیں (۲)۔

تیسرا قول یہ ہے کہ یہ واقعہ بعثت سے پانچ سال قبل پیش آیا، اس قول کوذکر کرنے والے امام محمد بن اسحٰق، امام ہشام، علامہ سہیلی اور امام طبری رحمہم اللہ ہیں (۳)۔

یہ بھی کہا گیا ہے بعثت سے پانچ سال قبل والا واقعہ دوسرا ہے اور پیش نظر واقعہ دوسرا ہے، تاہم اتنی بات یقینی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ واقعہ بعث سے قبل کا ہے۔

جواب کی توضیح

جن حضرات کے نزدیک مذکورہ واقعہ بلوغت سے پہلے کا ہے، تو پھر کوئی اشکال ہی وارد نہیں ہوتا۔ لیکن دوسرے اقوال کی روشنی میں اشکال وارد ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ننگا ہونے کو کیسے گوارا کرلیا۔ تو اس بارے میں اول بات تو یہ ہے کہ مذکورہ واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عرب میں تعری (ننگا ہونے) کو امرِ معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا، مشرکین بیت اللہ کا طواف عریانا کیا کرتے تھے، اس کا عام رواج تھا۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہاں ازار کھولنے کا ذکر ہے، قمیص کے ہٹانے کا ذکر نہیں ہے، لیکن چونکہ آپ کے شایانِ شان یہ بھی نہیں تھا، اس لیے اس کا ذکر کردیا گیا، یہ مقصد نہیں کہ آپ بالکل برہنہ ہوگئے تھے اور کاشف العورۃ ہوگئے تھے، قمیص جسم پر تھی، اس واسطے اس کی گنجائش تھی، لیکن اللہ تبارک وتعالی کو چوں کہ اپنے نبی کے لیے

(۱) المصنف لعبد الرزاق، باب بنيان الكعبة: ٥/١٠٠، ٥/٣١٧

(٢) شرح الكرماني: ٤/٢٤، شرح ابن بطال: ٢/٢٤، التوضيح لابن ملقن: ٥/٢٩٩، شرح المواهب للزرقاني، بنيان الكعبة: ١/٣٧٩

(٣) السيرة النبوية لابن هشام، حديث بنيان الكعبة: ١/١٩٢

الروض الأنف، حديث بنياد الكعبة: ١/١٢٧

تاريخ الطبري، تاريخ ماقبل الهجرة: ١/٥٢٦

البداية والنهاية، شيء مما وقع من الحوادث في زمن الفترة، فمن ذلك بنيان الكعبة: ٢/٢٦٥

فتح الباري لابن حجر، كتاب الحج، فضل مكة وبنيانها: ٣/٥٦٥

یہ بات بھی پسند نہیں تھی اور وحی کا سلسلہ تھا نہیں، لہٰذا آپ کی تربیت کا عنداللہ یہ انتظام ہوا کہ آپ بے ہوش کردیئے گئے اور لوگوں نے آپ کے اوپر کپڑا ڈال دیا، وہ جو تعری کا احتمال پیدا ہوتا تھا، وہ بھی ختم کردیا گیا، اس کے بعد کبھی آپ عریاں نہیں دیکھے گئے۔

عصمتِ انبیاء علیہم السلام

مذکورہ واقعے سے متعلق اشکال کا ایک پہلو مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام بھی ہے، کہ ننگا ہونا عصمتِ انبیاء علیہ السلام کے خلاف ہے، اور انبیاء علیہم السلام کے منصبِ نبوت کے خلاف امر ہے۔

مسئلہ عصمت انبیاء کے بارے میں خلاصۃً یہ جان لینا چاہئے کہ

''اس بات پر اجماع ہے کہ انبیاء علیہ السلام کی نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کفر اختیار کرنے سے معصوم ہوتے ہیں، ان سے کفر ہو ہی نہیں سکتا۔ اس بات پر بھی اجماع ہے کہ بعد النبوۃ تعمدِ ذنب نہیں ہوسکتا۔

البتہ سہواً صغائر کے مرتکب ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے:

اشاعرہ کے نزدیک حضرت انبیاء علیہ السلام سے صغائر سہواً تو کیا عمداً بھی صادر ہوسکتے ہیں، قبل النبوۃ بھی اور بعد النبوۃ بھی۔

جبکہ ماتریدیہ نے اس کا مطلقاً انکار کیا ہے، چنانچہ حافظ عراقی، تقی الدین سبکی، ابو اسحاق اسفرائینی اور قاضی عیاض رحمہم اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، پھر صغائر کے وقوع کو ممکن قرار دینے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے وہ صغائر صادر نہیں ہوسکتے جو خست، رذالت اور کمینگی پر دلالت کرتے ہوں (۱)۔

علامہ عثمانی رحمہ اللہ کی رائے

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اس واقعہ میں آپ

---

(۱) شرح المقاصد، المبحث السادس، الأنبياء صلوات الله عليهم معصومين: ۳۰۹/۳-۳۱۱

النبراس، مسئله عصمة الانبياء عليهم السلام، ص: ۲۸۳

التفسير الكبير، سورة البقرة: ۳۶، ۷/۳-۱۰، الشفاء لقاضى عياض: ۹۲/۲، شرح النووي على المسلم، كتاب الإيمان، باب حديث الشفاعة، رقم الحديث: ۴۷۴، فيض الباري: ۱۶۹/۱

مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، رقم الحديث: ۵۵، ۲۲۳/۱، =

صلی اللہ علیہ وسلم سے تعری (ننگے ہونے) کا صدور ہوا، اس کے متعلق مختصراً اتنی بات سمجھ لو کہ اس وقت (تک) کوئی احکام نازل نہیں ہوئے تھے پھر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ عامہ نہیں تھی، بلکہ ایک ہی مرتبہ اس کا صدور ہوا تھا، لہٰذا یہ فعل خصوصاً ایسی قوم کے درمیان جن کے نزدیک اس کو خلاف مروت بھی نہیں سمجھا جاتا، زائد از زائد اس وقت ایک صغیرہ گناہ ہوسکتا ہے اور اشاعرہ کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہ السلام سے قبل از بعثت صغائر کا صدور ہوسکتا ہے، اس صورت میں کوئی اشکال ہی نہیں۔

البتہ! ماتریدیہ کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء قبل از بعثت بھی کبائر وصغائر سب سے معصوم ہوتے ہیں، اس تقدیر پر (آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صدورِ تعری کا) جواب یہ ہوگا کہ ایک مصلحتِ عظیمہ کی وجہ سے ایک دفعہ اس صغیرہ کا تحمل کرلیا گیا۔ وہ مصلحت یہ تھی کہ قریش کو پہلے ہی سے دکھلا دیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت غیر معمولی طور پر کسی غیبی طاقت کی خاص نگرانی میں ہورہی ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بڑا کام لینا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی خصوصی شان رکھتے ہیں (یہی وجہ ہے کہ صدورِ تعری کے فوراً بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہوگئے) ورنہ ہزار ہا آدمی ننگے پھرتے رہتے ہیں، کسی کو یہ حال پیش نہیں آتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک لمحہ میں یہ حالت پیش آگئی۔ اس مصلحت کی بناء پر آپ کے حق میں ذرا سی دیر کے لیے تعری کا تحمل کرلیا گیا، جیسا کہ ایک خصوصی مصلحت کی بناء پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بعد بعثت مجمع کے سامنے عریاناً جانا ناگزیر ہوگیا، وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک نفرت انگیز عیب سے برأت علی رؤوس الاشہاد مطلوب تھی"۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ صحیح البخاری میں کتاب الغسل، باب من اغتسل عریانا واحده في الخلوة، رقم الحديث: ۲۷۸ میں موجود ہے)(۱)۔

= وكتاب الدعوات، باب جامع الدعاء، رقم الحديث: ۲۴۸۲، ۵/۳۹۰

(۱) فضل الباري: ۳/۳۹، ۴۰

صاحب ترجمان السنۃ کی رائے

صاحبِ ترجمان السنۃ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''اس وقت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سن مبارک میں مؤرخین کا اختلاف ہے، تاہم یہ متفق علیہ ہے کہ یہ واقعہ نبوت سے قبل کا ہے، دیکھیے! کیا یہاں یہ ممکن نہ تھا کہ تہبند کھولنے سے قبل ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عریانی سے بچالیا جاتا، مگر پھر یہ کیسے ثابت ہوتا کہ یہ وہ نہیں، جن کی برہنگی کی ایک مرتبہ بھی قابلِ برداشت ہو۔ اس لیے نظرِ تربیت چاہتی ہے کہ ایک واقعہ نادانستگی میں ایسا بھی پیش آجائے اور اس پر گرفت بھی ہو اور اس طرح یہ ظاہر کردیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کی ہستی عام انسانوں سے بالکل علیحدہ ہوتی ہے۔ معیاری اخلاق کے خلاف قدرت کو ان کا کوئی عمل گوارا نہیں ہوتا۔ آخر قدم قدم پر قدرت کی یہ روک ٹوک قوم کی نظروں میں ان کو ممتاز کرتی چلی جاتی ہے۔ تا آنکہ نبوت سے قبل ہی قبل یہ بات ذہنوں میں بیٹھ جاتی ہے کہ یہ ہمارے طبقہ سے کوئی الگ اور بلند انسان ہیں۔ اتنی بات کے لیے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ان سے کوئی ایسا فعل ہی سرزد ہو جو معصیت کی تعریف میں آتا ہو، خواہ وہ صغیرہ ہی سہی، بلکہ ہر وہ کام جو کسی اعلیٰ معیار سے ذرا سا بھی گرا ہوا ہو، اس کا صدور وہ بھی ایک دو مرتبہ بس اتنا ہی کافی ہے، کہتے ہیں کہ شریعتِ موسویہ میں ستر کا مسئلہ اتنا مکمل نہ تھا، جتنا کہ ہماری شریعت میں ہے، اس لحاظ سے اس وقت تک عریانی میں چنداں مضائقہ بھی نہ تھا، ادہر اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سنِ مبارک بھی زیرِ اختلاف ہے، نیز! اس وقت عرب میں کوئی شریعت ہی نہیں تھی، وہ لوگ اپنے نفس کو گو حنیف کہتے تھے، مگر ملتِ حنیفہ کا تخم بھی کھو بیٹھے تھے، پھر اس ایک واقعہ پر اتنی بڑی تنبیہ! اس کا لازمی ثمرہ یہ ہوتا تھا کہ لوگوں کی نظریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اٹھنے لگیں اور ان میں یہ شعور پیدا ہونے لگے کہ ضرور جن کا اول یہ ہے، ان کا آخر کچھ ہو کر رہے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک تو بہت بلند ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ غار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق جب کسی نے شیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ

سے پوچھا کہ زمانہ جاہلیت میں ان کا کیا حال تھا؟ تو شیخ موصوف نے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا: ''انه مازال بعين الرضا من الله عزوجل"(۱) یعنی وہ تو ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کی چشمِ رضا کے تحت رہے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جو اس طرح کا پروردہ ہو، وہ کسی شرک وکفر میں کب مبتلا ہوسکتا ہے؟ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایک امتی کا یہ حال ہو، تو خود بارگاہِ رسالت کا حال کیا ہوگا؟ اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہوسکتا ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات طیبہ میں یہ کل ایک واقعہ ہے وہ بھی نبوت سے قبل کا، اس میں بھی تصریح ہے کہ یہ عمِ بزرگوار (حضرت عباس رضی اللہ عنہ) کی تعمیلِ ارشاد پر ہوا، اپنی فطرت سے نہیں اور اسی پر اس شدت کے ساتھ غیبی گرفت موجود ہے، سوچیے! جس دور میں ابھی نزولِ ملک بھی شروع نہ ہوا ہو، اپنی شریعت کا کوئی تصور نہ ہو، پہلی شریعت موجود نہ ہو، ایسے دور میں کشفِ ستر کی اہمیت کیا رہنی چاہئے؟ اور کیا اس ایک واقعہ کی وجہ سے جو اس طرح زیرِ تنبیہ آچکا ہو، انبیاء علیہم السلام کی نبوت سے قبل کی زندگی میں صغائر کے لیے اصولی طور پر کوئی گنجائش تسلیم کرلینی چاہئے، یا اس کے برعکس ان کی عصمت کا سبق لینا چاہئے۔

''ابن ہشام'' بحیرا راہب کا قصہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فشب رسول الله صلى الله عليه وسلم، والله يكلؤه ويحفظه ويحوطه من أقذار الجاهلية لما يريد به من كرامته ورسالته، حتى بلغ أن كان رجلاً وأفضل قوم مروءةً، وأحسنهم خلقاً، وأكرمهم حسباً، وأحسنهم جواراً، واعظمهم حلماً، وأصدقهم حديثاً، وأعظمهم أمانةً، وأبعدهم من الفحش والأخلاق التي تُدَنِّسُ الرجال، تنزها وتكرماً، حتى ما اسمه في قومه إلا الأمين، لما جمع الله فيه من الأمور الصالحة"(۲).

(۱) اليواقيت والجواهر، المبحث الثالث والأربعون في بيان أن أفضل الأنبياء المحمديين: ۲/۷۳، بحواله: ترجمان السنة: ۳/۳۸۷

(۲) السيرة النبوية لابن هشام، رجوع أبي طالب رسول الله: ۱/۱۸۳

''آپ جوان ہوئے تو اس طرح پر کہ اللہ تعالیٰ آپ کی نگرانی فرماتا، آپ کی حفاظت رکھتا، اور جاہلیت کی تمام ناشائستہ حرکتوں سے آپ کو دور رکھتا تھا، یہاں تک کہ آپ عین شباب کے دور میں بلحاظِ مروت سب سے افضل، اخلاق میں سب سے بہتر، پڑوس کی رعایت سب سے زیادہ رکھنے والے، علم و بردباری میں سب سے بڑھ کر، گفتگو میں سب سے زیادہ راستباز، امانتداری میں سب سے زیادہ امانتدار، تمام فحش باتوں اور تمام بداخلاقیوں سے جو انسان کے لیے بدنما داغ ہوں، کوسوں دور تھے، اور ان ہی اوصاف حسنہ کی وجہ سے آپ کی قوم میں آپ کا لقب امین تھا، یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت کے منصب جلیل پر فائز کرنا تھا۔

حضرت میرٹھی رحمہ اللہ کا کلام ختم ہوا(۱)۔

حدیثِ مبارکہ سے مستفاد امور

حدیثِ مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ عز وجل نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا انتظام ان کے بچپن سے ہی فرمادیا تھا، چنانچہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم جملہ امورِ قبیحہ اور اہلِ جاہلیت کی خصلتوں سے محفوظ و مامون اور کوسوں دور رہے، انہی میں سے ایک ستر کا کھلنا بھی ہے۔

۲- اس حدیثِ مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے، حیاء کامل رکھنے والے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حیاء کے وصف میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کنواری لڑکی سے زیادہ حیاء والے تھے۔''كان أشد حياءً من العذراء في خدرها''(۲)۔

۳- یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرد کے لیے ان جگہوں کے علاوہ ''جہاں ستر کھولنا جائز ہے'' کسی اور جگہ ستر کھولنا جائز نہیں ہے(۳)۔

---

(۱) ترجمان السنة، مسئله عصمت: ۳/۳۸۶، ۳۸۷

نوٹ: مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام پر سب سے تفصیلی اور جاندار بحث اردو زبان میں ترجمان السنۃ: ۳/۳۴۵-۳۸۷ تک موجود ہے۔

(۲) صحيح مسلم، الفضائل، باب كثرة حيائه، رقم الحديث: ٦١٧٦

(۳) شرح ابن بطال: ۲/۷٤، شرح الكرماني: ٤/٢٤، فتح الباري: ٢/٦٢٦، عمدة القاري: ٤/١٠٧، إرشاد =

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت آخری جملہ "فما رؤي بعد ذلك عرياناً صلی اللہ علیہ وسلم" کے عموم سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بعد نماز یا خارج نماز کبھی ننگا نہ دیکھا گیا اور یہی چیز ترجمۃ الباب "کراهية التعري في الصلوٰة وغيرها" میں مقصود ہے(۱)۔

۸ - باب : اَلصَّلَاةِ فِي اَلْقَمِيصِ وَاَلسَّرَاوِيلِ وَاَلتُّبَّانِ وَاَلْقَبَاءِ .

یہ باب ہے قمیص (کرتے)، شلوار، لنگوٹے اور قبا میں نماز پڑھنے کے بیان میں۔

لغات کی وضاحت

قمیص

قمیص سوتی کپڑے سے بنی ہوئی ہوتی ہے، اس کو کرتا کہتے ہیں حضرت کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قمیص کا گریبان نہیں ہوتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودزمانے میں جو قمیص گریبان والی مروج ہے، یہ بعد کی ایجاد ہے(۲)۔

السراویل

یہ عجمی لفظ ہے، مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، اس کی جمع "سراویلات" آتی ہے، "سراویل" کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ جمع ہے "سـراولة" کی، نیز! سراویل سین کے بجائے شین کے ساتھ اور لام کے بجائے ن کے ساتھ بھی منقول ہے یعنی "شراویل" اور "سراوین"، اس کے علاوہ دو لغات اور بھی ہیں "سروال" اور سرویل"۔

شلوار کا پہننا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند

= الساري: ٢/ ٢٣، تحفة الباري: ١/ ٢٨٩، الشرح الميسر لصحيح البخاري: ١/ ٤

(١) عمدة القاري: ٤/ ١٠٦، الكوثر الجاري: ٢/ ٤٥، الكنز المتواري: ٤/ ٣٠

(٢) الصحاح، ص: ٨٨٤، القاموس المحيط، ص: ٥٦٥، لسان العرب: ١/ ٣٠٢، ٣٠٣، أنوار الباري: ١١/ ١١٥

فرمایااور چار دراہم کا خرید اربھی ہے(۱)۔

تُبّان

"ت" کی پیش اور "ب" کی تشدید وزبر کے ساتھ "تُبّان" ہے ہمارے عرف میں اسے "لنگوٹ" کہا جاتا ہے، پہلوان لوگ کشتی کے دوران اسے استعمال کرتے ہیں، یہ شلوار سے چھوٹا ہوتا ہے، اس کے ذریعے شرمگاہ وسرین کا ستر ہوتا ہے، اس کو دو صورتیں مستعمل ہوتی ہیں: ایک وہ جس میں کچھ حصہ رانوں کو بھی ڈھانپتا ہے۔ اس کو "نیکر" بولتے ہیں، دوسرا جس سے صرف شرمگاہ اور سرین چھپی ہوتی ہے۔ اسے جانگیہ/ انڈرویئر اور لنگوٹی وغیرہ بولتے ہیں (۲)۔

قَبَاء

"ق" کی فتح کے ساتھ، یہ بھی غیر عربی لفظ ہے، جو عرب میں استعمال ہونے لگا، یہ کوٹ یا شرٹ کی مثل، لیکن ان سے قدرے چھوٹا ہوتا ہے، کرتے کے اوپر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے مقابل "عباء" استعمال کی جاتی ہے جسے چوغہ بھی کہتے ہیں (۳)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہ ترجمۃ الباب قائم کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بوقتِ نماز نمازی کو جس بھی کپڑے کی سہولت میسر ہو اور اس سے سترِ عورۃ ممکن ہو تو اسے استعمال کر کے نماز پڑھنا درست ہے، چاہے وہ کپڑا صرف قمیص ہو یا شلوار، جانگیہ ہو یا قباء ان میں سے ہر کسی کے استعمال سے نماز درست ہو جائے گی (۴)۔

---

(۱) المحكم لابن سيده، ر س ل: ٤٧٢/٨، صحاح، ص: ٤٩١، مجمع بحار الأنوار: ٦٨/٣، لسان العرب: ٢٤٧/٦، ٢٤٨

(۲) المحكم لابن سيده، ت ب ن،: ٥٠٣/٩، صحاح، ص: ١٢٤، القاموس المحيط، ص: ١٠٦٦، لسان العرب: ١٨/٢، الكوثر الجاري: ٤٦/٢

(۳) المحكم لابن سيده ق ب و: ٥٨٥/٦، صحاح، ص: ٨٣٢، القاموس المحيط، ص: ١١٩، لسان العرب: ٢٧/١١، فتح الباري: ٦٢٦/٢

(٤) عمدة القاري: ١٠٩/٤

شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''شراح فرماتے ہیں مختلف انواع ثیاب میں الگ الگ جوازِ صلاۃ ثابت کرنا ہے اور میرے نزدیک امام بخاری رحمہ اللہ تنبیہ فرماتے ہیں کہ دو کپڑے اولیٰ ہیں۔ شراح کا استدلال ''أو کلکم یجد ثوبین'' سے اور میرا استدلال ''إذا وسع اللہ فاوسعوا'' سے ہے، کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی دو کپڑوں پر قادر ہو تو اس کے لیے دو کا پہننا افضل ہے(۱)۔

حدیث باب (پہلی حدیث)

۳۵۸ : حَدَّثنا سُلَيْمانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ : حَدَّثنا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ(۲) قَالَ : قَامَ رَجُلٌ إِلَى ٱلنَّبِيِّ ﷺ ، فَسَأَلَهُ عَنِ ٱلصَّلَاةِ فِي ٱلثَّوْبِ ٱلْوَاحِدِ ، فَقَالَ : (أَوَكُلُّكُمْ يَجِدُ ثَوْبَيْنِ) . ثُمَّ سَأَلَ رَجُلٌ عُمَرَ ، فَقَالَ : إِذَا وَسَّعَ ٱللهُ فَأَوْسِعُوا ، جَمَعَ رَجُلٌ عَلَيْهِ ثِيَابَهُ ، صَلَّى رَجُلٌ فِي إِزَارٍ وَرِدَاءٍ ، فِي إِزَارٍ وَقَمِيصٍ ، فِي إِزَارٍ وَقَبَاءٍ ، فِي سَرَاوِيلَ وَرِدَاءٍ ، فِي سَرَاوِيلَ وَقَمِيصٍ ، فِي سَرَاوِيلَ وَقَبَاءٍ ، فِي تُبَّانٍ وَقَبَاءٍ ، فِي تُبَّانٍ وَقَمِيصٍ ، قَالَ : وَأَحْسِبُهُ قَالَ : فِي تُبَّانٍ وَرِدَاءٍ . [ر : ۳۵۱]

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے پوچھا کہ ایک کپڑے میں نماز ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم میں سے ہر شخص دو کپڑوں کی وسعت رکھتا ہے؟

(بعد میں) یہی سوال حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا گیا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ (ایک کپڑے میں نماز ادا کرنا درست تو ہے، مگر اب جب کہ) اللہ

---

(۱) الكنز المتواري: ۴/۳۱، ۳۲، تقرير بخاري شريف: ۲/۱۲۷

(۲) رواه البخاري في الصلاة، باب الصلاة في الثوب الواحد ملتحفاً به وفي هذا الباب وأخرجه مسلم في كتابه، كتاب الصلاة، باب الصلاة في ثوب واحد، رقم الحديث: ۵۱۵

تعالیٰ نے تمھیں وسعت دی ہے تو اسی کے مطابق عمل کرو، لہٰذا ہر شخص کو چاہیے کہ ایک سے زائد کپڑے میں نماز پڑھے، مثلاً: (کوئی) تہبند اور چادر میں (کوئی) پاجامہ اور چادر میں، (کوئی) پاجامے اور کرتے میں، (کوئی) پاجامے اور قباء میں، (کوئی) جانگیے اور کرتے میں۔ راوی نے فرمایا کہ میرا گمان ہے انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ (کوئی) جانگیے اور کرتے میں بھی نماز پڑھے۔

تراجم رجال

سليمان بن حرب

یہ "ابوایوب سلیمان بن حرب بن بجیل ازدی، اشحی بصری رحمہ اللہ" ہیں،

ان کے حالات کتاب الایمان، باب "من كره أن يعود في الكفر كما يكره أن يلقى في النار من الإيمان" میں گذر چکے ہیں (۱)۔

حماد بن زيد

یہ "ابواسماعیل حماد بن زید بن درہم اَزدی بصری رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے احوال کتاب الایمان، باب: "وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما" میں گزر چکے ہیں (۲)۔

أيوب

یہ "ابوبکر ایوب بن ابی تمیمہ کیسان سختیانی بصری رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے احوال کتاب الایمان، باب "حلاوة الإيمان میں گذر چکے ہیں (۳)۔

---

(۱) كشف الباري: ۲/۱۰۵

(۲) كشف الباري: ۲/۲۱۹

(۳) كشف الباري: ۲/۲٦

محمد

یہ مشہور تابعی امام "ابوبکر محمد بن سیرین انصاری بصری رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے حالات کا تذکرہ کتاب الایمان، باب: "اتباع الجنائز من الإيمان" میں گذر چکا ہے(۱)۔

أبي هريرة

یہ مشہور صحابی رسول ہیں، رضی اللہ عنہ۔

ان کا تذکرہ، کتاب الایمان، باب: "أمور الإيمان" میں گذر چکا ہے(۲)۔

شرح حدیث

قام رجل الى النبيّ صلى الله عليه وسلم

ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور ایک کپڑے میں نماز ادا کرنے کے بارے میں سوال کیا کہ نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ تو اس کے جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم میں سے ہر کسی کے پاس دو دو کپڑے ہیں؟ مطلب یہ تھا کہ جب بوجہ غربت تمہارے پاس ہوتا ہی ایک کپڑا ہے، تو اس میں نماز کی ادائیگی درست ہو جائے گی۔

ماقبل میں باب "الصلاة في الثوب الواحد ملتحفاًبه" کے آخر میں یہی روایت "أولكلكم ثوبان؟" تک گذر چکی ہے، تاہم وہاں امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد راوی حضرت عبداللہ بن یوسف تھے اور یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت سلیمان بن حرب سے یہ روایت نقل کی ہے(۳)۔

ثم سأل رجل عمر

پھر یہی سوال کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی کیا (کہ ایک کپڑا پہن کر نماز درست ہو جاتی ہے

---

(۱) كشف الباري: ۲/۵۳٤

(۲) كشف الباري: ۱/٦٥٩، ٦٦٣

(۳) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الصلاة في ثوب الواحد ملتحفاً، رقم الحديث: ۳٥۸

یا نہیں؟)

سوال کرنے والا کون تھا؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کرنے والا شخص کون تھا؟ اس کا نام کیا تھا؟ اس بارے میں سب شارحین نے لکھا ہے کہ اس سائل کا نام معلوم نہیں ہے (۱)۔

البتہ بعض افراد نے یہ احتمال بیان کیا ہے کہ شاید یہ سائل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہوں، اس احتمال کی بنیاد یہ ہے کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ میں اسی مسئلے کے بارے میں اختلاف ہوا کہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے یا نہیں۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں، یعنی ہو جاتی ہے لیکن ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مؤقف یہ تھا کہ ایسا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ ایسا تو صرف اس وقت جائز تھا جب لوگوں کے پاس کپڑے ہوتے ہی نہیں تھے، بہر حال اب! جبکہ لوگ اس کی وسعت رکھتے ہیں، تو نماز دو کپڑوں میں ہی درست ہوگی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ درست وہ ہے جو ابن کعب نے فرمایا، نہ کہ وہ جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا (۲)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس اختلاف سے یہ بات متعین نہیں ہوتی، بلکہ اٹکل اور تخمینہ ہی رہتی ہے اس لیے کہ اس سائل کے مصداق کے بارے میں احتمال تو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بھی بن سکتا تھا (۳)۔

فقال: إذا وسع الله فأوسعوا

سائل کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: جب اللہ نے تم کو وسعت و کشادگی دی ہے تو نماز کے وقت میں بھی اس وسعت اور کشادگی کا اظہار کرو، ورنہ عام طور پر جیسے لوگ نماز پڑھتے ہیں وہ بھی ٹھیک ہے۔

جمع رجل عليه ثيابه، صلّى رجل......

ارشاد فرمایا کہ: حالتِ وسعت میں چاہیے کہ نمازی اپنی نماز میں اپنے کپڑوں کو جمع کرے اور

---

(۱) فتح الباري: ۲/۶۲۶، إرشاد الساري: ۲/۲٤

(۲) المصنف لابن عبد الرزاق، كتاب الصلاة باب مايكفي الرجل من الثياب، رقم الحديث: ۱۳۸٥، ۱/۳٥٦

(۳) عمدة القاري: ٤/۱۰۹

نماز پڑھے۔

اس جگہ "جمع اور صلی" ماضی کے صیغے ہیں، لیکن یہ دونوں امر کے معنیٰ میں ہیں یعنی: لیجمع اور لیصلي ہے۔

ابن المنیر رحمہ اللہ کے نزدیک یہ کلام شرط کی صورت میں ہے، یعنی: "إن جمع رجل علیه ثیابه فحسن" پھر مختلف صورتیں بیان کر کے اس جمع کی تفصیل بیان کردی گئی۔

ابن مالک رحمہ اللہ کا فرمانا ہے کہ اس حدیث مبارکہ سے دو فائدے حاصل ہوئے، ایک: ماضی کا استعمال امر کے معنیٰ میں، یعنی: جمع، لیجمع کے معنیٰ میں اور صلي، لیصلي کے معنیٰ میں، اور دوسرا فائدہ حرف عطف کے حذف کے ساتھ کلام لانے کا، کیوں کہ اصل میں "صلی رجل في إزار ورداء، وفي إزار وقمیص" ہونا چاہیے تھا(۱)۔

نماز میں کپڑوں کے استعمال کا طریقہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ جب وسعت ہو تو ایک کپڑے کی بجائے دو دو کپڑوں میں نماز پڑھے۔ ان دو دو کپڑوں کو جمع کرنے کی جو صورتیں ارشاد فرمائی وہ نو ہیں۔

کُل وہ کپڑے جن کا استعمال اس جگہ ذکر کیا گیا ہے، وہ چھ ہیں، ان میں سے تین ستر چھپانے کے لیے ہیں اور تین سے بقیہ جسم ڈھانپنا مقصود ہے، ان تین کو تین میں ضرب دینے سے نو صورتیں بنتی ہیں۔ تین کپڑے نیچے باندھے جانے والے تہبند، شلوار اور جانگیہ ہیں اور دوسرے تین چادر، قمیص اور قبا ہے، چنانچہ سب سے پہلے ارشاد فرمایا کہ اگر چاہو تو تہبند کے ساتھ چادر، قمیص یا قبا کو جمع کرلو، یعنی: تہبند اور چادر یا تہبند اور قمیص یا تہبند اور قباء کو جمع کرلو۔

اسی طرح شلوار کے ساتھ چادر، قمیص اور قباء کو جمع کر کے تین صورتیں: شلوار اور چادر، شلوار اور قمیص، شلوار اور قباء بن گئی۔

اور جانگیہ کے ساتھ چادر، قمیص اور قباء کو جمع کرنے سے بھی تین صورتیں جانگیہ اور چادر، جانگیہ اور

---

(۱) شرح ابن بطال: ۲/۲۹، فتح الباري: ۲/۶۲۷، عمدة القاري: ٤/۱۰۹، إرشاد الساري: ۲/۲٤، الكوثر الجاري: ۲/٤٦، فضل الباري: ۳/٤۱

قمیص، جانگیہ اور قباء بن جائیں گی، یہ کل نو صورتیں ہو گئیں۔ ان میں سے "جانگیہ اور چادر" والی صورت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذکر نہیں کیا(۱)۔

وأحسبه قال: في تبان ورداء

"احسبه" راوی کا قول ہے، دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ صورت ذکر نہیں کی تھی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس پر جزم نہیں ہے کہ یہ صورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی تھی یا نہیں، بلکہ انہوں نے فرمایا کہ میرا گمان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ صورت (یعنی: جانگیہ اور چادر میں نماز پڑھنے والی) ذکر فرمائی ہے۔

گمان کہہ کر اس لیے ذکر کیا کہ اس بات کا تو احتمال موجود ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قصداً اس صورت کو چھوڑا ہو، کیونکہ جو ستر دوسری دو صورتوں (جانگیہ اور قمیص، جانگیہ اور قباء) میں حاصل ہوتا ہے وہ جانگیہ اور چادر میں نہیں ہو سکتا۔

دوسری طرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مذکورہ صورتوں کے بیان کی ترتیب دیکھتے ہوئے، استقراء کا خیال کیا، اسی وجہ سے نویں صورت بھی گمان کہہ کے ذکر کر دی اور یہ صورت اس صورت میں ٹھیک ہو سکتی ہے کہ چادر بڑی ہو، کیونکہ اس وقت مقصود، یعنی: ستر عورت حاصل ہو جاتا ہے(۲)۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور

حدیث مبارکہ سے مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں کہ:

۱- جب کسی بات کا علم نہ ہو تو وہ کسی جاننے والے سے پوچھ لینی چاہئے۔

۲- کپڑوں کی وسعت ہوتے ہوئے کم کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

۳- نماز دو کپڑوں میں یا زیادہ کپڑوں میں ادا کرنا افضل و مستحسن عمل ہے۔

۴- نماز کی حالت میں بھی ایسے کپڑوں کا استعمال ہونا چاہیے جو کپڑے پہن کر ہم اپنی مجالس میں

---

(۱) فتح الباري: ۲/۶۲۷، عمدة القاري: ٤/۱۰۹، إرشاد الساري: ۲/۲٤

(۲) شرح ابن بطال: ۲/۲۸، فتح الباري: ۲/۶۲۷، عمدة القاري: ٤/۱۰۹، إرشاد الساري: ۲/۲٤

شریک ہوتے ہیں(۱)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابق واضح ہے کہ جن کپڑوں کا ذکر ہے، ان کا ذکر ترجمۃ الباب میں بھی ہے(۲)۔

تاہم ایک بات قابل غور ہے کہ ترجمۃ الباب میں "تبان" کا ذکر ہے، تبان سے مراد جانگیہ، انڈرویئر، نیکر، کچھا وغیرہ ہے اور یہ لباس ایسا ہے اس کو پہننے کی صورت میں رانیں کھلی رہتی ہیں، حالانکہ رانیں چھپانا نماز میں ضروری ہے، اسی طرح نماز کے علاوہ بھی ستر ہونے کی وجہ سے چھپانا ضروری ہے۔

حالانکہ ترجمۃ الباب کے مقصد میں یہ بات آئی تھی کہ اگر کسی کے پاس صرف یہی ہو، اس میں بھی نماز درست ہے۔

تو اس بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ صرف "تبان" میں نماز کے جواز کا قول صرف امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا میلان اس مسئلہ میں امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔

ہمارے نزدیک مراد یہ ہوگی کہ اگر "تبان" میں سترِ عورت ہو جاتا ہے تو پھر صرف اسی کو پہن کر نماز ادا کرنا درست ہے، وگرنہ اس کے ساتھ کسی اور کپڑے کو پہن کر نماز ادا کرنا درست ہوگا، ورنہ نہیں (۳)۔

ترجمۃ الباب سے متعلق حضرت مدنی رحمہ اللہ کی رائے

ہمارے استاد محترم حضرت مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس ترجمۃ الباب میں چار کپڑوں کا ذکر ہے، جس میں سلے ہوئے اور بلا سلے ہوئے دونوں طرح کے کپڑے شامل ہیں، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس ترجمۃ الباب سے یہ مقصد بیان کرنا ہے کہ آدمی کے پاس ستر چھپانے کے لیے جس طرح کا بھی کپڑا ہو، سلا ہوا یا بغیر سلا ہوا، اسے پہن کر نماز ادا کرنا درست ہے، یہ مراد لینے سے مذکورہ باب میں ذکر کی گئی دونوں احادیث کی

---

(۱) الشرح الميسر لصحيح البخاري: ۱/۲۲۰، فيض الباري: ۲/۱۷، شرح الكرماني: ٤/۲۵

(۲) عمدة القاري: ٤/۱۰۸

(۳) الكنز المتواري: ٤/۳۲

ترجمۃ الباب سے مطابقت قائم ہوجائے گی، اس لیے کہ حدیثِ اول میں تو براہ راست ان کپڑوں میں نماز پڑھنے کا ذکر موجود ہے، جبکہ دوسری حدیث میں عمرے کا ذکر ہے اوراس میں سلے ہوئے کپڑے پہننا ممنوع قرار دیا گیا ہے، لہٰذا عمرہ کے دوران بے سلی چادر باندھی جاتی ہے، اس طرح دوسری حدیث کا تعلق بھی بے غبار طریقے سے ترجمۃ الباب سے ہونا معلوم ہوجائے گا۔

حدیث باب (دوسری حدیث)

۳۵۹ : حدّثنا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ : حَدَّثنا ٱبْنُ أَبِي ذِئْبٍ ، عَنِ ٱلزُّهْرِيِّ ، عَنْ سَالِمٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ قَالَ : سَأَلَ رَجُلٌ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ فَقَالَ : مَا يَلْبَسُ ٱلْمُحْرِمُ ؟ فَقَالَ : (لَا يَلْبَسِ ٱلْقَمِيصَ ، وَلَا ٱلسَّرَاوِيلَ ، وَلَا ٱلْبُرْنُسَ ، وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ ٱلزَّعْفَرَانُ ، وَلَا وَرْسٌ ، فَمَنْ لَمْ يَجِدِ ٱلنَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ ٱلْخُفَّيْنِ ، وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتَّى يَكُونَا أَسْفَلَ مِنَ ٱلْكَعْبَيْنِ) .

وَعَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ ، عَنِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ : مِثْلَهُ . [ر : ١٣٤] (۱)

ترجمہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جو شخص احرام باندھے وہ کیا پہنے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ احرام باندھنے والا نہ قمیص پہنے گا، نہ عمامہ، نہ پائجامہ نہ برنس (یعنی وہ کپڑا جس کے ساتھ ٹوپی بھی سلی ہوئی ہو) اور نہ وہ کپڑا جس میں ورس یا زعفران لگا ہوا ہو، پھر اگر محرم کو پہننے کے لیے جوتے (چپل) نہ ملیں، تو موزے ٹخنوں سے نیچے تک کاٹ کر پہن لے۔

تراجم رجال

عاصم بن علی

نام ونسب

آپ ''عاصم بن علی بن عاصم صہیب الواسطی رحمہ اللہ'' ہیں۔

---

(۱) اس حدیث کی مکمل تخریج کشف الباری، کتاب العلم: ۴/۶۶۳، میں گزر چکی ہے۔

ان کی کنیت ابوالحسین ہے، جبکہ ان کی کنیت کے بارے میں ایک قول ابوالحسن القرشی التیمی کا بھی ہے(۱)۔ یہ قریبۃ بنت محمد بن ابی بکر الصدیق کے آزاد کردہ غلام تھے(۲)۔

شیوخ وتلامذہ

جن شیوخ سے یہ روایات نقل کرتے ہیں، ان میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب، ان کے بھائی الحسن بن علی بن عاصم، ان کے والد علی بن عاصم، ابوالأشہب جعفر بن حیان العطاردی، زہیر بن معاویہ، ابوالاحوص سلام بن سلیم، شریک بن عبداللہ، شعبہ بن الحجاج، عاصم بن محمد بن زید العمری، أبوأویس عبداللہ بن عبداللہ المدنی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ المسعودی، عکرمہ بن عمار الیمامی، یزید بن ابراہیم التستری اور دیگر بہت سارے آئمہ حدیث رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، ابراہیم بن اسحاق الحربی، احمد بن حنبل، عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی، عبیداللہ بن عمر القواریری، علی بن عبدالعزیز البغوی، عمر بن حفص السدوسی، محمد بن احمد بن النضر الأزدی، أبوحاتم محمد بن ادریس الرازی، محمد بن سوید الطحان، محمد بن یحییٰ الذہلی اور محمد بن یونس الکدیمی وغیرہ رحمہم اللہ داخل ہیں(۳)۔

آپ بغداد میں ایک لمبے عرصے تک درس حدیث دیتے رہے، اس کے بعد "واسط" کی طرف لوٹ آئے اور "واسط" میں ہی وفات پائی(۴)۔

اقوال جرح وتعدیل

عاصم بن علی کے بارے میں اکثر ائمۃ الرجال نے تعدیل کے اقوال ذکر کیے سوائے "ابن معین" کے، سب اقوال کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے:

صالح بن احمد بن حنبل اپنے والد ابن حنبل سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ما أقل خطأہ، قد

---

(۱) تقریب التھذیب: ۱/۴۵۸، الکاشف: ۱/۵۲۰، التاریخ الکبیر: ۳/۴۹۱

(۲) تھذیب الکمال: ۱۳/۵۱۱، الأعلام الزرکلي: ۳/۲۴۸

(۳) تھذیب الکمال: ۱۳/۵۰۹، ۵۱۰، تھذیب التھذیب: ۵/۵۰

(٤) تھذیب الکمال: ۱۳/۵۱۱، سیر أعلام النبلاء: ۹/۲۶۳

عرض علي بعض حديثه"(۱).

عبداللہ بن احمد بن حنبل اپنے والد سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "لقد عرض علي حديثه، وهو اصح حديثا من أبيه"، مطلب یہ ہے کہ میرے سامنے ان کی کچھ احادیث نقل کی گئی تو میں نے ان کی روایات کو ان کے والد کی روایات سے زیادہ صحیح پایا(۲)۔

ابوالحسن المیمونی احمد بن حنبل سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: صحيح الحديث، الغلط، ماكان أصح حديثه، وكان إن شاء الله صدوقاً(۳).

امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سنا کہ: ان سے عاصم بن علی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ: حديثه حديث مقارب حديث أهل الصدق، ماأقل الخطأ فيه(٤).

"امام ابوحاتم" فرماتے ہیں:: "صدوق"(۵)۔

ابن حبان نے انہیں کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے(٦)۔

ابوالحسین ابن المنادی فرماتے ہیں کہ: عاصم بن علی بغداد کی مسجد رصافہ میں درس حدیث دیتے تھے، ان کی مجلس میں ایک لاکھ سے بھی زیادہ لوگ ہوتے تھے، ان کی احادیث کو املاء کروانے والوں میں ہارون الدیک اور ہارون مکحلۃ بھی تھے(۷)۔

ان پر ابن معین رحمہ اللہ نے جرح کی ہے، ذیل میں اقوالِ جرح اور قولِ فیصل ذکر کیا جائے گا۔

صالح بن محمد الحافظ، یحییٰ بن معین کا قول کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: كان عاصم بن عليّ

(۱) الجرح والتعديل: ٦/٤٥٤، تهذيب التهذيب: ٥/٥٠

(۲) تهذيب الكمال: ١٣/٥١١، تهذيب التهذيب: ٥/٥٠

(۳) سير أعلام النبلاء: ٩/٢٦٣، تهذيب التهذيب: ٥/٥٠

(٤) تهذيب الكمال: ١٣/٥١١، تهذيب التهذيب: ٥/٥٠

(٥) الجرح والتعديل: ٦/٤٥٤

(٦) الثقات لابن حبان: ٧/٢٥٧

(٧) سير أعلام النبلاء: ٦/٢٦٣، تهذيب الكمال: ١٣/٥١٣

ضعیفاً(۱).

معاویہ بن صالح ابن معین سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں "لیس بشيء".

ایک اور روایت میں ہے "لیس بثقة"(۲).

مفضل بن غسان الغلابی فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے عاصم بن علی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عاصم بن علی کی مذمت کیا اور ان کا برا تذکرہ کیا(۳)۔

عبیداللہ بن محمد الفقیہ کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین کو عاصم بن علی کے بارے میں "کذاب ابن کذاب" کہتے ہوئے سنا(۴)۔

ابن معین کی جرح کے بارے میں علامہ ذھبی رحمہ اللہ عاصم بن علی کی تعدیل بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں، حالانکہ میرے نزدیک عاصم بن علی وہی ہیں، جو میں نے ذکر کردیا، یعنی: "کان عالماً، صاحب حدیث"(۵).

علامہ ذہبی رحمہ اللہ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ: عاصم بن علی پر یحییٰ بن معین نے جرح کی، حالانکہ درست بات یہ ہے کہ وہ "صدوق" ہیں، جیسا کہ ابوحاتم نے ذکر کیا ہے(۶)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن سعد اور ابن قانع نے ان کی توثیق کی ہے اور فرمایا: "کان ثقة في الحدیث"(۷).

ابن عدی نے "الکامل" میں عاصم بن علی کی چار منکر روایات ذکر کیں، اس کے بعد لکھا کہ عاصم بن علی کی روایت میں سے ان چار روایات کے علاوہ کسی اور روایت کو کمزور نہیں پایا، ان سے روایت کرنے والوں کی

---

(۱) تهذیب الکمال: ۱۳/۵۱۳، تهذیب التهذیب: ۵/۵۰

(۲) تهذیب الکمال: ۱۳/۵۱۳، تهذیب التهذیب: ۵/۵۰

(۳) تهذیب الکمال: ۱۳/۵۱۳، تهذیب التهذیب: ۵/۵۰

(٤) الکامل لابن عدي: ۵/۲۳٤، تهذیب الکمال: ۱۳/۵۱۳

(۵) میزان الاعتدال: ۲/۳۵٤، تذکرة الحفاظ: ۱/۳۹۷

(٦) سیر أعلام النبلاء: ٦/۲٦۳، الجرح والتعدیل: ٦/٤۵٤

(۷) تهذیب التهذیب: ۵/۵۱، إکمال تهذیب الکمال: ۷/۱۱۱

ایک بڑی جماعت ہے۔ہم نے ان چار روایات کے علاوہ کسی روایت میں کچھ حرج نہیں پایا۔

ابن معین نے ان کی تضعیف کی ہے تو احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ان کی، ان کے باپ کی اور ان کے بھائی کی توثیق بھی کی ہے(۱)۔

محمد بن احمد بن ابراہیم الحکیمی نقل کرتے ہیں ابوعبداللہ الجعفی الکوفی سے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے سنا وہ عاصم بن علی کے بارے میں فرما رہے تھے کہ وہ "سید المسلمین" ہیں(۲)۔

عبیداللہ بن محمد الفقیہ کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے کہا کہ آپ اللہ کا شکر ادا کیجئے، اس کی تعریف کیجئے، اس لیے کہ اس وقت "سید الناس" ہیں، تو انہوں نے کہا کہ تیرا ناس ہو، خاموش ہو جا، "سید الناس" تو عاصم بن علی ہے، اس کی مجلس میں تیس ہزار افراد ہوتے ہیں(۳)۔

أبوبکر المروذی کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے عاصم بن علی کے بارے میں پوچھا اور ساتھ ہی خود ہی یہ بھی کہہ دیا کہ یحییٰ بن معین کا کہنا ہے کہ دنیا میں "عاصم" نام کے جتنے بھی افراد ہیں، وہ سب کے سب ضعیف ہیں، اس پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "ما أعلم منه إلا خيراً، كان حديثه صحيحاً، و حديث شعبة والمسعودي ما كان أصحها"(٤).

ان کی مجلس میں ایک لاکھ بیس ہزار، ایک لاکھ تک افراد شامل ہوتے تھے(۵)۔

وفات

عاصم بن علی کی وفات دوسو اکیس ہجری میں ہوئی(٦)۔

اس پر زیادہ کرتے ہوئے ابن سعد نے لکھا ہے کہ رجب کا مہینہ تھا، پیر کا دن تھا اور نصف مہینہ گذر

(١) الكامل لابن عدي: ٢٣٥/٥، الكاشف مع حاشية: ٥٢٠/١

(٢) تهذيب الكمال: ٥١٣/١٣، تهذيب التهذيب: ٥٠/٥

(٣) ميزان الاعتدال: ٣٥٥/٢، تهذيب الكمال: ٥١٣/١٣

(٤) تهذيب الكمال: ٥١١/١٣، تهذيب التهذيب: ٥٠/٥

(٥) سير أعلام النبلاء: ٢٦٣/٩، ميزان الاعتدال: ٣٥٥/٢

(٦) الكاشف: ٥٢٠/١

چکا تھا(۱)۔

ابن أبي ذئب

یہ ''محمد بن عبدالرحمن، بن المغیرہ بن الحارث بن ابی ذئب القرشی العامری المدنی رحمہ اللہ'' ہیں۔

ان کے حالات کتاب العلم، باب: ''حفظ العلم'' میں گذر چکے ہیں(۲)۔

الزهري

یہ ''امام محمد بن مسلم بن عبیداللہ المعروف ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ'' ہیں۔

ان کے حالات کتاب الایمان، ''بدء الوحی'' کی تیسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

سالم

یہ ''سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم'' ہیں۔

ان کے حالات کتاب الایمان، باب: ''الحیاء من الإیمان'' کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

عبدالله ابن عمر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حالات کتاب الایمان، باب: ''الإیمان وقول النبي صلی اللہ علیه وسلم: بني الإسلام علی خمس'' کے تحت گذر چکے ہیں(۵)۔

شرح حدیث

مذکورہ حدیث کتاب العلم کے آخر میں گذر چکی ہے، اس حدیث کی تشریحی مباحث کچھ وہاں گذر چکی ہیں، حدیث مبارکہ چونکہ کتاب الحج سے متعلق ہے اس لیے تفصیلی مباحث تو وہاں ہی آئیں گی۔

---

(۱) الطبقات الکبری: ۷/۳۱٦، التاریخ الکبیر: ٦/٤۹۲، الکاشف: ۱/٥۲۰

(۲) کشف الباري: ۱/٤٤۲

(۳) کشف الباري: ۱/۳۲٦

(٤) کشف الباري: ۲/۱۲۸، ۱۲۹

(٥) کشف الباري: ۱/٦۳۷

تاہم اس باب میں اس حدیث کے ذکر کرنے سے مقصود صرف اس امر پر متنبہ کرنا ہے کہ نماز قمیص، شلوار یا کسی اور سلے ہوئے کپڑے پہنے بغیر ادا کرنا جائز ہے، جیسا کہ محرم ایسا لباس استعمال کرتا ہے، جو سلا ہوا نہیں ہوتا (۱)۔

حدیثِ مبارکہ سے مستفاد امور

حدیث مبارکہ سے مستفاد ہونے والے امور میں سے بہت سے تو کتاب العلم میں بیان ہو چکے ہیں، تاہم یہاں سے موضوع سے متعلق ایک یہ بات بھی مستفاد ہوتی ہے کہ نماز میں مقصودی امر سترِ عورة ہے، چاہے جس طرح کے کپڑے سے بھی ہو جائے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

علامہ عینی رحمہ اللہ مطابقت سے متعلق لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت اس حیثیت سے ہے کہ نماز قمیص اور شلوار کے بغیر بھی ادا ہو جاتی ہے اور ترجمۃ الباب میں بھی یہی امر ہے کہ نماز ذکر کردہ کپڑوں میں سے کسی ایک جائز ہے (۲)۔

وعن نافع عن ابن عمر عن النبيّ صلى الله عليه وسلم مثله

اس عبارت میں امام بخاری رحمہ اللہ مذکورہ روایت کا ایک اور طریق ذکر کر رہے ہیں، اس کی تشریح میں مختلف شارحین کے مختلف اقوال ہیں جو ذکر کیے جاتے ہیں۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ امام بخاری رحمہ اللہ کی تعلیق ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ "عن نافع" کا عطف گذری ہوئی روایت کی سند میں "عن سالم" پر ہو (۳)۔

ابن حجر رحمہ اللہ کا علامہ کرمانی رحمہ اللہ پر رد

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں عطف والی بات ہے، علامہ کرمانی کے زعم کے مطابق تعلیق

---

(۱) فتح الباري: ۲/۶۲۸، شرح الكرماني: ٤/۲٥

(۲) شرح الكرماني: ٤/۲٥، ۲٦، عمدة القاري: ٤/۱۱۰، الكوثر الجاري: ۲/٤۷

(۳) شرح الكرماني: ٤/۲٦

والی بات نہیں، اس لیے کہ یہ عقلی تجاویز ہیں، جن کا استعمال امورِ نقلیہ میں کرنا مناسب نہیں ہوتا(۱)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کا ابن حجر رحمہ اللہ پر رد

علامہ عینی رحمہ اللہ حافظ صاحب کے رد پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حافظ صاحب رحمہ اللہ کے علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی توجیہ کی شناعت بیان کرنا درست نہیں، اس لیے کہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اسے تعلیق ظاہری صورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ہے، اس پر جزم قرار نہیں دیا، یہی وجہ ہے کہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے، اس جگہ ایک احتمال عطف کا بھی ہے"(۲)۔

کتاب العلم میں مذکورہ روایت دو طرق سے ذکر کی گئی تھی، پہلا طریق حضرت نافع سے تھا اور دوسرا حضرت سالم سے ہے۔

یہاں بھی دو طرق سے مذکور ہے، البتہ ترتیب برعکس ہے، کہ پہلا طریق حضرت سالم سے ہے اور دوسرا حضرت نافع سے۔

٩ - باب : مَا يَسْتُرُ مِنَ الْعَوْرَةِ .

یہ باب ہے "سترِ عورۃ کے بیان میں"۔

عنوان باب کا مطلب

اس عنوان میں "ما" کے بارے میں دو احتمال ہیں: یہ مصدریہ ہوگا یا موصولہ، مصدریہ ہونے کی صورت میں اس کی تقدیر "باب في بيان ستر العورة" ہوگی اور اگر اسے موصولہ مانا جائے تو اس کی تقدیر "باب في بيان الشيء الذي يستر، أي: الذي يجب ستره"

پہلی صورت میں ترجمہ "یہ باب ستر عورۃ کے بیان میں ہے" ہوگا، اور دوسری صورت میں ترجمۃ "یہ باب ہے ان اعضاء کے بیان میں، جن کا چھپانا فرض ہے" ہوگا۔

دوسری بات: "من" بیانیہ ہوگا یا تبعیضیہ۔ اکثر شراح حدیث نے اس "من" کو بیانیہ قرار دیا ہے(۳)۔

---

(۱) فتح الباري: ۲/۶۲۸

(۲) عمدة القاري: ٤/۱۱۰

(۳) عمدة القاري: ٤/۱۱۱، إرشاد الساري: ۲/۲٦، تحفة الباري: ۱/۲۹۱، الكنز المتواري: ٤/۳٦

حضرت کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

اس موقع پر حضرت کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

''تراجم ابواب میں سو، سوا سو جگہ "مِـــن" آیا ہے، شارحین نے کہیں تبعضیہ اور کہیں بیانیہ بتایا ہے، ان دونوں کا فرق "رضـــي" میں دیکھا جائے، بیانیہ کی صورت میں اطرادِ حکم کے لیے ہوتا ہے۔ میں نے ہر جگہ تبعضیہ سمجھا ہے اور اس لیے بعض جگہ تقریر کر کے سمجھاتا ہوں اور شارحین آرام میں ہیں، یہاں تبعیض کی صورت اس طرح ہوگی کہ ''عورۃ'' لغت میں ہر اس شئے کو کہتے ہیں جس سے حیا کی جائے، لہٰذا اس کے افراد میں سے مرد وعورت کے وہ اعضاء بھی ہیں، جن کا ستر واجب ہے'' (۱)۔

"عورۃ" کے معنی

"عـورۃ" عور سے ہے، اس سے مراد ہر وہ عضو ہے، جس کے ظاہر ہو جانے پر اس سے حیاء کی جاتی ہو، اس کے علاوہ صرف ''شرمگاہ'' پر بھی ''عورۃ'' کا اطلاق کیا جاتا ہے (۲)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس باب کی غرض خارجِ صلاۃ سترِ عورت کی فرضیت اور حد بتانا ہے، اس باب سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ستر صرف انسان کی شرمگاہ (آگے اور پیچھے والی دونوں) ہے، اس باب میں مذکورہ روایات میں سے پہلی حدیث اس پر شاہد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی مقید ہے، اس وقت وصورت کے ساتھ کہ جب شرمگاہ پر کچھ بھی (کپڑا وغیرہ) نہ ہو، اس کا مقتضی یہ ہے کہ جب شرمگاہ مستور ہو تو بھی نہی نہیں ہے۔ اور داخلِ صلاۃ ستر کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ سابقہ

---

(۱) فیض الباري: ۲/۱۸، أنوار الباري: ۱۱/۱۱۸

(۲) النهاية في غريب الحديث والأثر: ۲/۲۷۰، معجم الصحاح، ص: ۷۵۳، مجمع بحار الأنوار: ۳/۷۰۰

ابواب میں تفصیل ذکر کر چکے ہیں(۱)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے اور حافظ صاحب رحمہ اللہ پر نقد

علامہ عینی رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً سترِ عورۃ کی مقدار واجب کا بیان فرمانا ہے، چاہے خارجِ صلاۃ ہو یا داخلِ صلاۃ۔

پھر علامہ عینی رحمہ اللہ حافظ صاحب رحمہ اللہ پر نقد فرماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض افراد نے اس امر کو خارجِ صلاۃ کے ساتھ مقید کیا ہے اور دلیل حدیث باب کے لفظ "احتباء" سے پکڑی ہے۔ حالانکہ اس جگہ خارجِ صلاۃ کی صورت میں نہی مقید نہیں ہے۔ بلکہ یہ امر خارجِ صلاۃ و داخلِ صلاۃ دونوں کے ساتھ ہے(۲)۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اس باب کی غرض اس بات کو بیان کرنا ہے کہ جسم کا وہ حصہ جو شرمگاہ میں داخل ہے اور جس کا ڈھکنا فرض ہے، اس کی مقدار کیا ہے(۳)۔

نیز! حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"میرے نزدیک راجح وہ ہے جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ اس لیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ستر عورۃ فقط دونوں شرمگاہیں ہی ہیں، ران ستر میں داخل نہیں ہے، اور اس کی تفصیل آگے مستقل تفصیل سے آرہی ہے(۴)۔

سترِ عورۃ کی مقدار

جن اعضاء کا چھپانا ضروری ہے، ان اعضاء کے تعیین میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے ابن بطال رحمہ اللہ کی نسبت سے اس اختلاف کی طرف اجمالی طور پر اشارہ کیا

(۱) فتح الباري: ۲/۶۲۸

(۲) عمدة القاري: ٤/۱۱۱

(۳) سراج القاري: ۲/۳۷۹

(٤) الكنز المتواري: ٤/۳٥

ہے، ذیل میں علامہ ابن بطال رحمہ اللہ کی ذکر کردہ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"سترِ عورت کی مقدار میں علماء کا اختلاف ہے، ایک گروہ کا کہنا ہے کہ سوائے قبل اور دبر کے مردوں کے کسی عضو کا ستر واجب نہیں ہے، یہ قول ابن ابی ذئب اور اہلِ ظواہر کا۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک سترِ عورۃ کی حد ناف اور گھٹنے کے درمیان ہے، یہی قول امام أبوحنیفہ، امام شافعی، امام اوزاعی اور ا أبوثور رحمہم اللہ کا ہے۔ ان تمام ائمہ کے نزدیک ناف اور گھٹنا ستر میں داخل نہیں ہے، بلکہ ان کے درمیان والا حصہ ستر میں داخل ہے۔ سوائے امام ابوحنیفہ کے، ان کے نزدیک گھٹنا ستر میں داخل ہے، ناف نہیں، یہی قول امام احمد رحمہ اللہ اور عطاء کا ہے (یعنی: ان حضرات کے نزدیک بھی ناف ستر میں داخل نہیں ہے اور گھٹنہ ستر میں داخل ہے)

جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے بعض اصحاب کے نزدیک ناف ستر میں داخل ہے (۱)۔

داخلِ صلاۃ سترِ عورت کے بارے میں مذاہب ائمہ

سترعورۃ کی دو قسمیں بن سکتی ہیں: ایک دورانِ نماز سترِ عورۃ اور خارجِ صلاۃ سترِ عورۃ۔ مسئلہ مبحوث عنہا "داخلِ صلاۃ سترِ عورت کی حد" ہے، ذیل میں اس مسئلہ سے متعلق ائمہ اربعہ کے اقوال ذکر کیے جاتے ہیں:

مذہب احناف

احناف کے نزدیک داخلِ صلاۃ مرد کے لیے سترِ عورۃ کی حد ناف سے گھٹنے تک ہے، گھٹنے ستر میں داخل ہیں، ناف نہیں اور داخلِ صلاۃ عورت کے لیے سترِ عورۃ کی حد اس کا پورا جسم ہے، یہاں تک کہ اس کے لٹکنے والے بال بھی۔ سوائے ہتھیلیوں کے باطن اور قدموں کے ظاہر کے اور چہرے کے یعنی: یہ تینوں اعضاء ستر سے خارج ہیں (۲)۔

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/٢٦، شرح ابن بطال: ٢/٣٢، ٣٣

(٢) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة: ٢٩٧، ٢٩٨، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ١/٤٦٨-٤٧٠ .... =

مذہب شوافع

شوافع کے نزدیک داخلِ صلاۃ مرد کے لیے سترِ عورۃ کی حد ناف سے گھٹنے تک ہے، ناف اور گھٹنے ستر میں داخل نہیں ہیں، بلکہ ان دونوں اعضاء کے درمیان کا حصہ ستر ہے، تاہم چونکہ یہ دونوں اعضاء اس حصے سے ملاصق ہیں جو ستر میں داخل ہیں، اس لیے ستر کی تمامیت کے لیے ان دونوں اعضاء کا چھپانا بھی ضروری ہے۔

اور داخلِ صلاۃ عورت کے لیے سترِ عورۃ کی حد اس کا پورا جسم ہے، حتیٰ کہ سر کے لٹکنے والے بال بھی، سوائے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کے، ان کے ظاہر و باطن سمیت، کہ یہ ستر کا حصہ نہیں ہیں (۱)۔

مذہب حنابلہ

داخلِ صلاۃ مرد کے لیے سترِ عورۃ کی حد حنابلہ کے نزدیک وہی ہے جو شوافع کے نزدیک ہے۔

اور عورت کے لیے بھی حدِ مثل مذہب شوافع ہی ہے، سوائے چہرے کے، کہ حنابلہ عورت کے کل جسم کو ستر قرار دیتے ہیں، صرف چہرے کو مستثنیٰ کرتے ہیں (۲)۔

مذہب مالکیہ

مالکیہ کے نزدیک داخلِ صلاۃ نمازی کے لیے ستر دو قسم پر ہے مغلظہ اور مخففہ:

= فتح القدير، كتاب الصلاة: ١/٢٦٤-٢٦٦

(١) العزيز شرح الوجيز، كتاب الصلاة، الباب الخامس في شرائط الصلاة، الشرط الثالث: ستر العورة: ٢/٣٤-٣٧

المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، باب ستر العورة: ٣/١٦٧

مغني المحتاج، كتاب الصلا، باب شروط الصلاة: ١/٢٨٥

نهاية المحتاج، كتاب الصلاة: ٢/١١، ١٢

(٢) الإنصاف للمرداوي، كتاب الصلاة، باب ستر العورة: ١/٤٤٩-٤٥٢

المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، ستر العورة في الصلاة وحد العورة: ١/٣٣٦، ٣٣٧

المبدع شرح المقنع، كتاب الصلاة، باب ستر العورة: ١/٣١٦-٣٢٠

كشف القناع عن متن الإقناع، كتاب الصلاة، ستر العورة: ١/٢٤٧، ٢٤٨

مرد کے لیے سترِ مغلظہ دونوں شرمگائیں ہیں اور سترِ مخففہ وہ ہے، جوان دونوں اعضاء سے زیادہ یعنی ناف گھٹنے تک کا حصہ اور جو اس کے محاذی ہے پشت کی طرف سے، سب ستر ہے۔ اور عورت کے لیے سترِ مغلظہ سوائے سینے اور اس کے مقابل اطراف اور پشت کا حصہ، سارا بدن ستر ہے اور سترِ مخففہ سینہ اور اس کے اطراف ہیں۔ ان کے نزدیک بھی چہرہ اور ہاتھوں کی پشت اور اندرونی جانب ستر سے خارج ہے(۱)۔

خارجِ صلاۃ سترِ عورۃ

اوپر دورانِ نماز سترِ عورۃ کی حد کے بارے میں بیان ہوا، اب نماز سے خارج کون کون سے اعضاء کو چھپایا جائے گا۔ یا بالفاظ دیگر کن اعضاء کی طرف نظر کرنا جائز ہوگا؟ اور جن کی طرف نظر ڈالنا جائز نہیں؟

اس بارے میں قیاس تو یہ ہے کہ عورت کل کی کل یعنی ساری سر کے بالوں سے لے کر قدموں تک چھپی رہے، اس کی طرف دیکھنا جائز نہ ہو۔ لیکن بعض ضرورت وحاجات کی بناء پر، لوگوں کے ساتھ نرمی والا معاملہ کرتے ہوئے استحساناً عورت کے بعض اعضاء کی طرف دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے(۲)۔

احناف کے مذہب کے مطابق اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

مرد کا عورت کی طرف دیکھنے کا حکم

نظر (دیکھنے) کے مسائل کو چار قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱-مرد کا مرد کی طرف دیکھنا ۲-عورت کا عورت کی طرف دیکھنا

۳-عورت کا مرد کی طرف دیکھنا ۴-مرد کا عورت کی طرف دیکھنا(۳)۔

---

(۱) المواهب الجليل، كتاب الصلاة، فصل في ستر العورة: ۱۷۹/۲

الشرح الصغير للدردير، كتاب الصلاة، شروط الصلاة، ستر العورة: ۲۸۳/۱-۲۸۵

حاشية الدسوقي، كتاب الصلاة، فصل في ستر العورة: ۳٤۱/۱-۳٤٥

الذخيرة، كتاب الصلاة، شروط الصلاة، ستر العورة: ۱۰۱/۲-۱۰۳

(۲) المبسوط للسرخسي، كتاب الاستحسان: ۱٥۱/۱۰

(۳) المبسوط: ۱٥۲/۱۰، بدائع الصنائع، كتاب الاستحسان: ٤۸۳/٦

مرد کا مرد کی طرف دیکھنا

مرد کے لیے مرد کی طرف سوائے ستر والی جگہ کے دوسرے تمام اعضاء کی طرف دیکھنا جائز ہے اور ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے، بشمول گھٹنے کے، پھر گھٹنے کا حکم بنسبت ران کے، قدرے خفیف ہے، اس لیے رُکبہ کی تفسیر اور معانی میں ایک سے زیادہ احتمالات ہیں، چنانچہ! جو شخص کسی دوسرے شخص کے کھلے ہوئے گھٹنے کی طرف دیکھ رہا ہو تو اسے نرمی سے سمجھایا جائے، اگر وہ انکار کر رہا ہو تو اس سے جھگڑا نہ کیا جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی ننگی ران کی طرف دیکھ رہا ہو تو اسے سختی سے روکا جائے، اور اگر وہ انکار کرنے والا ہو تو اس سے با قاعدہ جھگڑنا یعنی سختی سے کام لینا بھی جائز ہے۔ لیکن مار پیٹ سے اجتناب کیا جائے گا۔

مذکورہ حکم مرد کے لیے اس وقت ہے جب فتنے کا خوف نہ ہو، اگر فتنے کا خوف ہو تو پھر دیکھنا جائز نہیں ہے، مثلاً: بے ریش خوبصورت لڑکوں کی طرف دیکھنا (۱)۔

عورت کا عورت کی طرف دیکھنا

عورت کا عورت کی طرف دیکھنے کا حکم ایسا ہی ہے، جیسے مرد کا مرد کی طرف دیکھنا، بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ عورت کا عورت کی طرف دیکھنا حکم کے اعتبار سے ایسا ہے، جیسا مرد کا اپنی محارم عورتوں کی طرف دیکھنا، چنانچہ ان حضرات کے نزدیک عورت کے لیے دوسری عورت کی پیٹھ اور پیٹ دیکھنا جائز نہیں ہے (۲)۔

عورت کا مرد کی طرف دیکھنا

عورت کے لیے مرد کو دیکھنے کا حکم ایسے ہے جیسے مرد کا مرد کو دیکھنا، یعنی: عورت کے لیے کسی مرد کے اعضاء مستورہ کے علاوہ (ناف سے گھٹنے تک، بشمول گھٹنے کے) دیکھنا جائز ہے۔

یہاں یہ بھی شرط ہے کہ یہ دیکھنا اس وقت جائز ہے جب عدمِ شہوت کا یقین ہو اور اگر شہوت ہو یا ظنِ

---

(۱) المبسوط: ۱۵۲/۱۰، بدائع الصنائع: ۴۹۷/۶، الموسوعة الفقهية الكويتية: ۵۰/۳۱، ردالمحتار: ۲۵۸/۵

(۲) المبسوط: ۱۵۳/۱۰، ۱۵۴، بدائع الصنائع: ۴۹۹/۶، الموسوعة الفقهية: ۴۷/۳۱، ردالمحتار: ۲۶۲/۵

غالب ہو، شہوت کے پیدا ہو جانے کا، تو پھر دیکھنا جائز نہیں ہے(۱)۔

مرد کا عورت کی طرف دیکھنا

مرد کا عورت کی طرف دیکھنا، تو یہ چار قسموں پر ہے:

۱- اپنی بیوی اور مملوکہ باندی کی طرف دیکھنا۔

۲- اپنی محرمات کی طرف دیکھنا۔

۳- اپنے علاوہ کسی اور کی باندیوں کی طرف دیکھنا۔

۴- آزاد اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنا(۲)۔

اپنی بیویوں کی طرف دیکھنا

مرد کے لیے اپنی بیوی اور اپنی باندی کے پورے جسم سر سے لے کر پاؤں تک دیکھنا جائز ہے، چاہے شہوت کے ساتھ ہو یا شہوت کے بغیر۔ اس لیے کہ ان دونوں اصناف سے ہر اعتبار سے متمتع ہونے کے جواز کا حکم ہے تو پھر پردہ تو بہت دور کی بات ہے(۳)۔

اپنی محرمات عورتوں کی طرف دیکھنا

مرد کے لیے اپنی محرم عورتوں کے مواضع زینت کی طرف نظر کرنا مباح ہے، اسی طرح جس عضو کی طرف دیکھنا جائز ہے تو بوقتِ ضرورت ان اعضاء کو چھو بھی سکتے ہیں، لیکن یہ حکم بھی مشروط ہے عدم فتنہ اور عدم شہوت کے ساتھ، ورنہ جائز نہیں ہے۔ نیز! مواضع زینت کے علاوہ پشت یا پیٹھ کی طرف نظر کرنا یا چھونا جائز نہیں۔

مواضع زینت میں سر، بال، گردن، سینہ، بازو، کلائی، ہتھیلیاں، پنڈلی، پاؤں اور چہرہ داخل ہیں۔ ''سر اور بال'' تاج پہننے کی جگہ ہے ''گردن اور سینہ'' ہار وغیرہ پہننے کی جگہ ہے۔ ''کان'' بالیاں کانٹے پہننے کی

(۱) المبسوط: ۱۰/۱۵٤، الموسوعة الفقهية الكويتية: ۳۱/۵۱، ردالمحتار: ۵/۲٦۲

(۲) المبسوط: ۱۰/۱۵٤، الموسوعة الفقهية الكويتية: ۳۱/٤٤

(۳) المبسوط: ۱۰/۱۵٤، ۱۵۵، بدائع الصنائع: ٦/٤٨٤، الموسوعة الفقهية الكويتية: ۳۱/۵۳، ردالمحتار: ۵/۲۵۹

جگہ ہے، ''بازو وکلائی'' کنگن وچوڑیاں پہننے کی جگہ ہیں۔ ''ہاتھ'' انگوٹھی پہننے اور خضاب مہندی لگانے کی جگہ ہیں۔ ''پنڈلیاں'' پازیب پہننے کی جگہ ہیں اور ''قدم'' خضاب ومہندی لگانے کی جگہ ہیں۔ اور ''چہرہ تو سراپا زینت ہے(۱)۔

دوسروں کی باندیوں کی طرف دیکھنا

غیر کی باندیوں، مدبرات، امہات، الاولاد اور مکاتبات کی طرف دیکھنے کا حکم ایسا ہی ہے، جیسا مرد کا اپنی محرمات کی طرف دیکھنے کا حکم ہے۔ اس لیے کہ ایسی باندیوں کا گھر میں کام کاج کرنا، آنا جانا، خدمت کرنا وغیرہ ایسے امور ہیں کہ ان سے فرار ممکن نہیں ہے، اس ضرورت کی وجہ سے اتنے امور کی گنجائش ہے۔

ان کے ساتھ خلوت اور مسافرت بھی محارم عورتوں کی طرح ہے(۲)۔

اجنبیہ عورتوں کی طرف دیکھنا

جمہور فقہاء کے نزدیک عورت کا سارا جسم اجنبی مرد کے لیے ستر ہے، سوائے چہرہ اور دونوں ہاتھوں اور دونوں قدموں کے، اس لیے کہ بہت سے معاملات میں عورت مردوں کی محتاج ہوتی ہے، مثلاً: لینے اور دینے میں، لیکن ان اعضاء کا کھولنا بھی فتنہ سے امن ہونے کے ساتھ مقید ہے۔ فقہاء نے چہرہ کو ستر سے خارج قرار دیا ہے، لیکن دورِ حاضر میں فتنوں کے عام ہونے کی وجہ سے چہرے کا پردہ بھی کیا جائے گا(۳)۔

سترِ عورۃ کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا مؤقف

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے رائے حد سترِ عورۃ کے بارے میں اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سترِ عورۃ کی حد دو طرح کی ہے واجب اور مندوب: سترِ واجب نماز کی صحت کے لیے شرط ہے اور وہ

---

(۱) المبسوط: ۱۰/۱۵۵-۱۵۷، بدائع الصنائع: ۶/۴۸۹، الموسوعة الفقهية: ۳۱/۴۸، اس عنوان پر بھرپور تفصیلی بحث کتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوہ میں گزر چکی ہے، من شاء فليراجع.

(۲) المبسوط: ۱۰/۱۵۷، بدائع الصنائع: ۶/۴۹۱، فتح القدير: ۱/۲۹۶، الموسوعة الفقهية: ۳۱/۴۹، ردالمحتار: ۲/۲۵۹

(۳) المبسوط للسرخسي: ۱۰/۱۵۸-۱۶۰، فتح القدير: ۱/۲۶۶، بدائع الصنائع: ۶/۴۹۲-۴۹۴، البحر الرائق: ۱/۴۶۶، ردالمحتار: ۵/۲۶۱

مرد میں فقط دونوں شرمگاہیں ہیں تاکیدی طور پر، ان دونوں کے ساتھ رانوں کو بھی لاحق کردیا جائے گا، اور عورت کے لیے سترعورۃ کی حداس کا پورا جسم ہے۔

اور مندوب سترِ عورۃ یہ ہے کہ بشرطِ وسعت نمازی ایک کپڑے میں نماز ادا نہ کرے، بلکہ پوری طرح اپنا ظاہری حلیہ وہیئت شان وشوکت والی بنا کر بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو(۱)۔

اس جگہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی سیرت سے متعلق کچھ لکھا ہے، وہ یہ ہے کہ:

"ہمارے شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ جیسے مقلد ہیں، ویسے آدھے مجتہد بھی ہیں؛ وہ فرماتے ہیں کہ: مجھے تین چیزوں پر (روحانی طور پر) میری خلاف طبیعت مجبور کیا گیا، ایک تو تقلید؛ مگر یہ اختیار دیا گیا کہ چاہے جس کی تقلید کرو۔ انہوں نے ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی سوال کیا کہ ان مذاہب اربعہ میں کون سے افضل ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ: سب برابر ہیں، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں مذہب حنفیہ کے ساتھ تدلّی الٰہی کو دیکھتا ہوں، اس کے خلاف میں خطرات ہیں۔ اور میری رائے یہ ہے کہ تدلّی الٰہی جماعت تبلیغی کے ساتھ بھی وابستہ ہے۔ تدلّی سے مراد رحمتِ خاصہ ہے کہ اس کی مخالفت کرنا سخت مہلک ہے، ایک بار حضرت اقدس پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے فرمایا: "قدمي علی رقبة كل ولي" ایک بزرگ نے فرمایا: "إلا أنا، حضرت پیران پیر نے فرمایا: کہ جس کے کندھے پر میرا قدم نہیں، اس کے کندھے پر سور (خنزیر) کا قدم ہے۔ چنانچہ وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ حج کو جا رہے تھے، راستہ میں ایک نصرانیہ پر نظر پڑ گئی اور اس پر فریفتہ ہو گئے، اور شاگردوں کو رخصت کردیا، پھر اللہ نے کچھ دنوں کے بعد ان کو مریدان وشاگردان کی دعاؤں سے ہدایت دی۔

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں، اور دوسری چیز جس پر مجھ کو مجبور کیا گیا وہ تفضیلِ شیخین ہے میرا دل چاہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہوں، اس لیے کہ وہ حضور

---

(۱) حجة الله البالغة، فصل الصلاة، ثياب المصلي، الستر الواجب والمندوب: ۱/۵۴۷، ۵۴۸

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور تمام سلاسل اولیاء اللہ کے مرجع ہیں، مگر مجھے تفضیل شیخین رضی اللہ عنہما پر مجبور کیا گیا اور فرمایا گیا کہ شیخین سے تو ظاہر دین کا تحفظ وبقاء ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے باطن شریعت کا اور علوم واسرار کا اور یہ سب ظاہرِ شریعت کے تابع ہیں اور تیسری چیز جس پر مجھے مجبور کیا گیا وہ اختیارِ اسباب ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ اسباب کو ترک کردوں، مگر مجھے اس سے روکا گیا، ان حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کی رائے ہے کہ صرف سوأتین عورت ہیں مردوں کے لیے، اور متمدن حضرات کے لیے ران بھی عورت ہے''(۱)۔

حدیث باب (پہلی حدیث)

٣٦٠ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ : حَدَّثَنا لَيْثٌ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ ٱبْنِ عُتْبَةَ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ ٱلْخُدْرِيِّ(۲) أَنَّهُ قَالَ : نَهَى رَسُولُ ٱللهِ ﷺ عَنِ ٱشْتِمَالِ ٱلصَّمَّاءِ ، وَأَنْ يَحْتَبِيَ ٱلرَّجُلُ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ ، لَيْسَ عَلَى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْءٌ .

[١٨٩٠ ، ٢٠٣٧ ، ٢٠٤٠ ، ٥٤٨٢ ، ٥٤٨٤ ، ٥٩٢٧]

---

(١) الكنز المتواري: ٣٥/٤، ٣٦، تقرير بخاری شریف: ١٢٧/٢، ١٢٨

(٢) أخرجه البخاري أيضاً في كتاب الصوم، باب صوم النظر، رقم الحديث: ١٩٩٠

وفي كتاب البيوع، باب بيع الملابسة، رقم الحديث: ٢١٤٤، ٢١٤٥

وفي كتاب اللباس، باب إشتمال الصّمآء، رقم الحديث: ٥٨٢٠، وفي باب الاحتباء في ثوبٍ واحدٍ، رقم الحديث: ٥٨٢٢

وفي كتاب الاستئذان، باب الجلوس كيفما تيسّر، رقم الحديث: ٦٢٨٤

ومسلم في كتاب اللباس، باب النهي عن اشتمال الصماء والاحتباء في ثوبٍ واحدٍ كاشفاً بعض عورته، رقم الحديث: ٢٠٩٩

وأبوداؤد في كتاب الصيام، باب في صوم العيدين، رقم الحديث: ٢٤١٧

وفي كتاب البيوع، باب في بيع الغرر، رقم الحديث: ٣٣٧٧، ٣٣٧٨

والنسائي في كتاب الزينة، باب النهي عن اشتمال الصمّآء، رقم الحديث: ٥٣٤٢، ٥٣٤٣

وابن ماجة في كتاب اللباس، باب مانهي عنه من اللباس، رقم الحديث: ٣٥٥٩، ٣٥٦٠. =

ترجمہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "اشتمال صما" (یعنی ایک ہی کپڑے سے بدن ڈھانپ کر اس میں ستر کھل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے) نیز اس طرح بیٹھنے سے بھی منع فرمایا کہ ایک کپڑا پہن کر دونوں زانوؤں کو کھڑا کیا جائے، کہ اس صورت میں شرمگاہ پر کچھ نہ ہو (یعنی ستر کھلا رہ جائے)۔

تراجم رجال

قتيبة بن سعيد

یہ "شیخ الاسلام ابورجاء قتیبہ بن سعید بن جمیل بن طریف ثقفی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کتاب الایمان، باب "إفشاء السلام من الإسلام" میں گذر چکے ہیں (۱)۔

الليث بن سعد

یہ "امام ابوالحارث لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کتاب بدء الوحی کی تیسری حدیث میں گذر چکے ہیں (۲)

ابن شهاب

یہ "ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب بن عبداللہ بن لؤي الزهري المدنی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے حالات کتاب بدء الوحی کی تیسری حدیث میں گذر چکے ہیں (۳)۔

= والجامع الأصول، حرف الباء، كتاب البيوع، الباب الثالث، الفصل الثالث في النهي عن بيع الملامسة والمنابذة، رقم الحديث: ۳۴۳، ۵۲۳/۱، وحرف اللام، كتاب اللباس، الفصل الأول، النوع الخامس في الاحتباء والإشتمال، رقم الحديث: ۵۲۶۰، ۶٤۱/۱۰

(۱) كشف الباري: ۱۸۹/۲

(۲) كشف الباري: ۳۲٤/۱

(۳) كشف الباري: ۳۲٦/۱

عبيدالله بن عبدالله بن عتبة

یہ ''عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رحمہ اللہ'' ہیں۔

ان کے حالات، کتاب بدء الوحي کی پانچویں حدیث اور کتاب العلم، باب: "متی یصح سماع الصغار؟" میں گذر چکے ہیں (۱)

أبي سعيد الخدري

یہ مشہور صحابی ''سعد بن مالک بن سنان بن عبید بن ثعلبہ بن عبید بن الابحز انصاری خدری رضی اللہ عنہ'' ہیں۔

ان کے حالات کتاب الایمان باب "من الدين الفرار من الفتن" میں گذر چکے ہیں۔ (۲)

شرح حدیث

نهیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم عن اشتمال الصماء

راوی کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اشتمال الصماء'' سے منع فرمایا۔

"اشتمال الصمآء" کی تشریح

"اشتمال الصمآء" کی تشریح خود ایک دوسری حدیث مبارکہ میں کردی گئی ہے کہ "اشتمال الصمآء" یہ ہے کہ اپنے دونوں کندھوں میں سے ایک کندھے پر اس طرح کپڑا ڈال لیا جائے کہ دوسرا کندھا کھلا رہے، یعنی اس پر کپڑا نہ ہو اور دوسری تشریح یہ کی گئی کہ کسی شخص کا اپنے جسم پر اس طرح کپڑا لپیٹنا کہ اس کی شرمگاہ پر کوئی کپڑا نہ ہو، وہ کھلی رہے۔ (یہ طریقہ ممنوع ہے)۔ (۳)

"اشتمال الصمآء" کے معنی مذکور حدیث پاک میں آچکے ہیں، تاہم فقہاء کرام اور آئمہ لغات اس کی

---

(۱) كشف الباري: ۱/۴٦٦، ۳/۳۷۹

(۲) كشف الباري: ۱/۸۲

(۳) صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب اشتمال الصمآء، رقم الحديث: ۵۸۲۰

جامع الأصول، كتاب البيوع، الباب الثالث، الفصل الثالث، رقم الحديث: ۳۴۳، ۱/۵۲۳

کچھ مزید تشریح بھی کرتے ہیں۔

فقہاء کرام کے نزدیک

"اشتمال الصمآء" کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص ایک کپڑا اس طرح پہنے کہ اس کے جسم پر دوسرا کپڑا نہ ہو، پھر وہ اس کپڑے کی دو جانبوں میں سے ایک جانب کو اٹھا کر اپنے ایک کندھے پر رکھ لے اور اس طرح اس کی شرمگاہ ننگی ہو کر ظاہر ہو جائے۔(۱)

اور ائمہ لغت کے نزدیک

اشتمال الصماء کے معنی یہ ہیں کہ پورے جسم پر اس طرح کپڑا لپیٹ لینا ہے کہ اس کپڑے کی کوئی طرف اٹھی ہوئی نہ ہوئی، پھر اس کپڑے میں کوئی سوراخ ہو، جس سے پہننے والے اپنے ہاتھ نکالے۔ تو مراد اس مقام پر یہ ہوگا کہ پورے جسم کو اس طرح ڈھانپ لینا کہ بوقت ضرورت وحاجت با آسانی ہاتھ استعمال نہ کر سکے۔(۲)

وأن يحتبي الرجل في ثوب واحدٍ

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص ایک ہی کپڑے میں اس طرح احتباء کرے کہ اس کی شرمگاہ پر کوئی چیز باقی نہ رہے۔

"احتباء" کا مطلب

"احتبـــاء" بیٹھنے کی اس ہیئت کو کہتے ہیں، جس میں بیٹھنے والا اپنے دونوں گھٹنے کھڑے کر کے سرین پر بیٹھتا ہے اور اپنی کمر اور گھٹنوں کے اردگرد کوئی کپڑا یا رسی باندھ لیتا ہے، اس طرح بیٹھنے میں ظاہری حالت ایسی

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلاة، مايكره في الصلاة: ۱/۴۳

النهر الفائق، كتاب الصلاة، مايكره في الصلاة: ۱/۲۸۲

الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلاة: ۲/۹۷۵

(۲) لسان العرب، حرف ش م ل: ۷/۲۰۲

النهاية في غريب الحديث والأثر، المادة ش م ل: ۱/۸۹۱

معجم الصحح، المادة: ش م ل، ص: ۵۶۳

ہوتی ہے، جیسے بیٹھنے والا کسی چیز کے ساتھ ٹیک لگا کر یا سہارا لے کر بیٹھا ہے۔

اور کبھی ہاتھوں کے ذریعے بھی احتباء ہوتا ہے، یعنی اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں کے گرداگرد لپیٹ کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس صورت کی ممانعت اس وقت ہے، جب بیٹھنے والا اس طرح بیٹھ جائے اور اس کی شرمگاہ ننگی ہوجائے، اگر شرمگاہ پر کپڑا ہو جیسے شلوار پہنے ہوئے ہو تو پھر احتباءِ مذکور ممنوع ہے۔(۱)

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور

مذکورہ حدیث سے دو امور مستنبط ہوتے ہیں:

ایک: اشتمال صمّاء کی ممانعت

دوم: احتباء کی صورتِ ممنوعہ۔(۲)

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

ترجمۃ الباب سے مطابقت حدیث کے اس جملہ "ليس على فرجه منه شيء" سے ہے، اس طرح کہ فرج کا کھلا رکھنا ممنوع ہے، یہ دلالت کرتا ہے کہ سترِ عورت واجب ہے اور یہی باب کا عنوان ہے "ما يستر من العورة"(۳).

حدیث باب (دوسری حدیث)

۳٦۱ : حدّثنا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ قَالَ : حدّثنا سُفْيانُ ، عَنْ أَبِي ٱلزِّنَادِ ، عَنِ ٱلْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ(٤) قَالَ : نَهَى ٱلنَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعَتَيْنِ : عَنِ ٱللِّمَاسِ وَٱلنِّبَاذِ ، وَأَنْ يَشْتَمِلَ ٱلصَّمَّاءَ ، وَأَنْ يَحْتَبِيَ ٱلرَّجُلُ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ . [٥٥٩ ، ٥٦٣ ، ١٨٩١ ، ٢٠٣٨ ، ٢٠٣٩ ، ٥٤٨١ ، ٥٤٨٣]

---

(١) أعلام الحديث للخطابي: ١/٣٥٢، عمدة القاري: ٤/١١٣

جامع الأصول، كتاب البيوع، رقم الحديث: ٣٤٣، ١/٥٢٣

النهاية في غريب الحديث والأثر: ١/٣٢٩.

(٢) عمدة القاري: ٤/١١٣

(٣) عمدة القاري: ٤/١١١

(٤) أخرجه البخاري في مواقيت الصلاة، باب الصلاة بعد الفجر حتى ترفع الشمس، رقم الحديث: ٥٨٤

وفي الصوم، باب صوم يوم النحر، رقم الحديث: ١٩٩٣ .... =

ترجمہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کی بیع، بیع اللماس اور بیع النباذ سے منع فرمایا ہے اور اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص "اشتمال الصمآء" کرے، اور ایک ہی کپڑے میں احتباء کرے۔

تراجم رجال

قُبَیْصَة بن عُقبة

یہ "قُبَیْصَہ بن عُقبہ بن محمد بن سفیان السوائی کوفی رحمہ اللہ" ہیں۔
ان کے حالات کتاب الایمان، باب: "علامة المنافق" میں گذر چکے ہیں (۱)

سفیان

یہ "ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری کوفی رحمہ اللہ" ہیں۔
ان کے حالات کتاب الایمان، باب: "علامة المنافق" میں گذر چکے ہیں۔ (۲)

= وفي البيوع، باب بيع الملامسة، رقم الحديث: ٢١٤٥

وفي اللباس، باب اشتمال الصمآء، رقم الحديث: ٥٨١٩، وباب الاحتباء في ثوبٍ واحدٍ، رقم الحديث: ٥٨٢١

ومسلم في كتاب البيوع، باب إبطال بيع الملامسة والمنابذة، رقم الحديث: ١٥١١

والترمذي في كتاب البيوع، باب ماجآء في المنابذة والملامسة، رقم الحديث: ١٣١٠

والنسائي في كتاب البيوع، باب بيع الملامسة، رقم الحديث: ٤٥١٣، باب تفسير ذلك، رقم الحديث: ٤٥١٧

وابن ماجة، كتاب التجارات، باب ماجآء في النهي عن المنابذة والملامسة، رقم الحديث: ٢١٦٩

وفي جامع الأصول، حرف الباء، كتاب البيوع، الفصل الثالث، رقم الحديث: ٣٤٤، ١/٥٢٦

(١) كشف الباري: ٢/٢٧٨

(٢) كشف الباري: ٢/٢٧٨

أبو الزِناد

یہ "ابوعبدالرحمٰن، ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان مدنی قرشی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے حالات کتاب الایمان، باب:"حب الرسول صلى الله عليه وسلم من الإيمان" میں گذر چکے ہیں۔(۱)

أعرج

یہ "ابوداؤد عبدالرحمٰن بن ہرمز مدنی قرشی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے حالات، کتاب الایمان، باب:"حب الرسول من الإيمان" میں گذر چکے ہیں(۲)۔

أبو هريرة

حضرت "ابوہریرة رضی اللہ عنہ" جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے حالات کتاب الایمان، باب:"أمور الإيمان" میں تفصیل سے گذر چکے ہیں(۳)۔

شرح حدیث

نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيعتين: عن اللّماس والنباذ

راوی حضرت ابوہریرة رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کے بیوع سے منع فرمایا ہے: ایک بیع اللماس اور دوسری بیع النباذ.

"بيع اللّماس" کی تعریف

"اللِماس" لام کی کسرہ کے ساتھ باب مفاعلة کا مصدر ہے، اور اسی باب کا مصدر "ملامسة" بھی آتا ہے، اس کے معنی چھونے کے ہیں۔(۴)

---

(۱) كشف الباري: ۱۰/۲

(۲) كشف الباري: ۱۱/۲

(۳) كشف الباري: ۶۵۹/۱

(٤) عمدة القاري: ١١٤/٤

بیوع کی مختلف اقسام

بیوع کی مختلف اقسام میں سے ایک بیع، بیع اللماس یا بیع الملاسة بھی ہے، بیع ملاستہ کی تعریف وتشریح خود احادیث میں وارد ہے اور فقہاء کرام نے بھی اسے مفصل بیان کیا ہے۔

چناں چہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع ملامسہ سے منع فرمایا ہے(۱) اور مسلم کی روایت میں خود راوی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیان کیا گیا ہے کہ "ملامسہ یہ ہے کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک دوسرے کے کپڑے کو بغیر غور وفکر کے چھولے"(۲)۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی طرف منقول ہے کہ

"کوئی شخص دن میں یا رات میں دوسرے کے کپڑے کو ہاتھ سے چھولے، اور بغیر الٹے پلٹے صرف چھونے کے ساتھ ہی بیع کرے"(۳)۔

اس کے علاوہ فقہاء کرام نے مختلف صورتیں لکھی ہیں۔

مثلا: کوئی شخص لپٹے ہوئے کپڑے کو چھوئے یا اندھیرے میں کسی کپڑے کو چھوئے پھر اس کپڑے کو اس شرط پر خریدا جائے یا فروخت کیا جائے کہ جب وہ اسے دیکھے گا تو اس کے لیے خیار باقی نہیں رہے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ لپٹے ہوئے کپڑے کے بارے میں بائع مشتری سے کہے کہ جب تو اس کپڑے کو چھولے گا تو میں یہ تجھے فروخت کردوں گا یا تو میرے کپڑے کو چھولے گا تو بیع منعقد ہوجائے گی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی چیز کو اس شرط پر فروخت کرے کہ جب مشتری اسے چھولے گا تو خیار مجلس ختم ہوجائے گا۔(۴)

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب بيع الملامسة، رقم الحديث: ٢١٤٥

(٢) صحيح مسلم، كتاب البيوع، باب إبطال بيع الملامسة والمنابذة، رقم الحديث: ١٥١٢

(٣) صحيح مسلم، كتاب البيوع، باب إبطال بيع الملامسة والمنابذة، رقم الحديث: ١٥١١

(٤) ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، مطلب استثناء الحمل في العقود على ثلاث مراتب: ٦٥/٥

حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، كتاب البيوع، فصل علة طعام الربا اقتيات وإدخار: ٥٦/٣،

دارالكتب العربية .... =

"بیع النِباذ" کی تعریف

"نباذ" بھی مثل "لماس" ہے، اسی مصدر کا دوسرا وزن "منابذة" بھی مستعمل ہوتا ہے۔(۱)

"بیع منابذہ" کی تعریف بھی احادیث مذکور ہے اور فقہاء کرام نے بھی اس کی تفصیلی صورتیں ذکر کی ہیں۔

چناں چہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع منابذہ سے منع فرمایا ہے۔(۲)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ منابذہ یہ ہے کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک اپنے کپڑے کو دوسرے کی طرف پھینک دے۔ اور ان دونوں میں کوئی ایک بھی اپنے ساتھی کے کپڑے کو نہ دیکھے۔(۳)

اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ

منابذہ یہ ہے کہ بائع اور مشتری میں سے کوئی ایک دوسرے کی طرف اپنا کپڑا پھینک دے پھر دوسرا بھی پہلے کی طرف اپنا کپڑا پھینک دے، بلا دیکھے ہوئے اور بغیر رضامندی کے اس پھینکنے کو بیع قرار دے دیا جائے۔(۴)

منابذہ کی جو تفصیل فقہاء کرام کے کلام میں ملتی ہے۔ اس میں سے ایک تو وہی ہے جو اوپر حضرت ابو سعید خدری رحمہ اللہ کے روایت میں گذری۔

دوسری یہ ہے کہ بائع اور مشتری ایجاب وقبول کے الفاظ سے احتراز کرتے ہوئے محض پھینکنے کو بیع قراردیں۔ چناں چہ ان میں سے ایک کہے کہ میں دس (درھم) کے بدلے میں کپڑا تمھاری طرف پھینکوں گا،

= المغني، كتاب البيوع، فساد بيع الملامسة: ٢٩٧/٤، دار الفكر.

(١) عمدة القاري: ١١٤/٤

(٢) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب بيع المنابذة، رقم الحديث: ٢١٤٦

(٣) صحيح مسلم، كتاب البيوع، باب إبطال بيع الملامسة والمنابذة، رقم الحديث: ١٥١٣

(٤) صحيح مسلم، كتاب البيوع، باب إبطال بيع الملامسة والمنابذة، رقم الحديث: ١٥١٢

(چناں چہ وہ ایسا ہی کرتا ہے) اور دوسرا اٹھالیتا ہے۔

تیسری صورت یہ مذکور ہے کہ ''بائع کہتا ہے کہ میں بیع اتنی رقم کے بدلے تمھاری طرف پھینکوں گا اور جب پھینکوں گا تو بیع لازم ہو جائے اور خیار ختم ہو جائے گا''۔(۱)

دونوں بیوع کا حکم

بیع ملامسة اور بیع منابذه دونوں قسموں کو شارع علیہ السلام نے ممنوع قرار دیا ہے۔

اور علت ان کے ممنوع ہونے کی قمار، غرر، جہالت اور خیار مجلس کا باطل کرنا ہے۔(۲)

وأن يشتمل الصمّاء وأن يحتبي الرجل في ثوب واحدٍ

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشتمالِ صماء سے بھی منع فرمایا اور اس بات سے بھی منع فرمایا کہ کوئی شخص ایک ہی کپڑے میں احتباء کرے۔

پہلے جملے اور دوسرے جملے کا عطف "عن بیعتین" پر ہے، ان دونوں کی تشریح سابقہ حدیث میں گذر چکی ہے۔

مذکورہ روایت میں احتباء کا ذکر مطلق ذکر کیا گیا ہے، لیکن دوسری احادیث کی وجہ سے یہ احتباء بھی اسی قید کے ساتھ مقید ہوگا، جو ماقبل والی حدیث میں موجود تھی، یعنی: یہ احتباء اس طرح ہو کہ اس کی شرمگاہ پر کوئی کپڑا نہ ہو۔(۳)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

مذکورہ حدیث میں بھی اشتمال صماء اور احتباء سے منع کیا گیا، یہ ممانعت دلالت کرتی ہے کہ سترِ عورۃ نماز

---

(۱) ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب استثنآء الحمل في العقود على ثلاث مراتب: ٥/٦٥

حاشية الدسوقي، البيوع، فصل علة طعام الربا: ٣/٥٦

المغني، البيوع، فساد بيع المنابذة: ٤/٢٩٨

(۲) ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب استثنآء الحمل في العقود على ثلاث مراتب: ٥/٦٦

نيل الأوطار، كتاب البيوع، باب النهي عن بيوع الغرر، رقم الحديث: ٢١٦٦، ٥/١٦٠

(۳) عمدة القاري: ٤/١١٤، إرشاد الساري: ٢/٢٧، فتح الباري: ١/٥٢٩

میں ہو یا خارج صلاۃ ہر حال میں ضروری ہے۔(۱)

حدیث باب (تیسری حدیث)

٣٦٢ : حدّثنا إسْحٰقُ قَالَ : حَدَّثنا يَعْقُوبُ بْنُ إبْرَاهِيمَ قَالَ : حَدَّثنا ٱبْنُ أَخِي ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عَمِّهِ قَالَ : أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ ٱلرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ[۲] : بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ فِي تِلْكَ ٱلحَجَّةِ ، فِي مُؤَذِّنِينَ يَوْمَ ٱلنَّحْرِ ، نُؤَذِّنُ بِمِنًى : أَلَا لَا يَحُجُّ بَعْدَ ٱلْعَامِ مُشْرِكٌ ، وَلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ . قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ ٱلرَّحْمٰنِ : ثُمَّ أَرْدَفَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ عَلِيًّا ، فَأَمَرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ بِ «بَرَاءَةٌ» . قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : فَأَذَّنَ مَعَنَا عَلِيٌّ فِي أَهْلِ مِنًى يَوْمَ ٱلنَّحْرِ : لَا يَحُجُّ بَعْدَ ٱلْعَامِ مُشْرِكٌ ، وَلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ . [١٥٤٣ ، ٣٠٠٦ ، ٤١٠٥ ، ٤٣٧٨ — ٤٣٨٠]

ترجمہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے اس سال (جس سال انہیں امیر حج بنا کر بھیجا گیا تھا) اعلان کرنے والوں کے ساتھ قربانی والے دن بھیجا کہ ہم یہ اعلان کردیں کہ آئندہ سال کوئی مشرک حج کرنے کے لیے نہ

---

(١) عمدة القاري: ٤/١١٤

(٢) أخرجه البخاري في كتاب الحج، باب لايطوف بالبيت عريان، رقم الحديث: ١٦٢٢

وفي كتاب الجزية والموادعة، باب كيف ينبذ إلى أهل العهد، رقم الحديث: ٣١٧٧

وفي المغازي، باب حج أبي بكر بالناس، رقم الحديث: ٤٣٦٣

وفي تفسير سورة البراءة، باب قوله: ﴿فسيحوا في الأرض أربعة أشهر﴾، رقم الحديث: ٤٦٥٥

وباب: قوله ﴿وأذن من الله ورسوله﴾، رقم الحديث: ٤٦٥٦، باب قوله: ﴿إلا الذين عاهدتم من المشركين﴾ رقم الحديث: ٤٦٥٧

ومسلم في الحج، باب لايحج البيت مشرك، رقم الحديث: ٣٢٨٧

وأبوداؤد في الحج، باب يوم الحج الأكبر، رقم الحديث: ١٩٤٦

والنسائي في الحج، باب قوله: ﴿خذوا زينتكم عند كل مسجد﴾، رقم الحديث: ٢٩٦٠

وفي الجامع الأصول، الكتاب الأول في تفسير القرآن، سورة البراءة، رقم الحديث: ٦٤٣، ٢/١٥٣

آئے اور کوئی شخص ننگا ہونے کی حالت میں طواف نہ کرے۔

حمید بن عبدالرحمٰن (جو اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے ہیں) فرماتے ہیں کہ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (کے امیر حج بن کر چلے جانے کے بعد ان) کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ (منیٰ پہنچ کر) سورۃ براءۃ کا اعلان کردیں (یعنی پڑھ کر سنادیں)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمارے ساتھ منیٰ میں قربانی والے دن یہ اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہ آئے اور کوئی برہنہ (ہوکر) طواف نہ کرے۔

تراجم رجال

إسحاق

مذکورہ حدیث کی سند میں اس کے پہلے راوی سے مراد کون راوی ہے؟ اس بارے میں شراح حدیث متردد رہے ہیں۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ بخاری شریف کے نسخوں میں یہ نام بغیر نسبت کے اسی طرح ملتا ہے، بعض شارحین کا کہنا ہے کہ اس سے مراد اسحاق بن ابراہیم ہیں، جو "ابن راھویہ" کے نام سے معروف ومشہور ہیں، اور بعض شارحین کے نزدیک یہ اسحاق بن منصور کوسج ہیں۔

یہ اختلاف اس وجہ سے ہے کہ یہ دونوں حضرات اپنے شیخ یعقوب بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں۔

تاہم اول الذکر کو حافظ ابن حجر، علامہ عینی اور علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے ترجیح دی ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بخاری شریف کا جو نسخہ میرے پاس ہے، اس میں ابوذر کی روایت سے اسحاق بن ابراہیم بن راھویہ مذکور ہے۔(۱)

اور ثانی الذکر کو ترجیح دینے والوں میں ابن ملقن رحمہ اللہ، صاحبُ التوضیح ہیں۔(۲)

---

(۱) فتح الباري: ۱/۶۳۰، عمدة القاري: ٤/١١٤، إرشاد الساري: ٢/٢٧

(۲) التوضيح لابن ملقن: ٥/٣١١، تحفة الباري: ١/٢٩١، الكوثر الجاري: ٢/٤٩

بہرصورت اسحاق بن ابراہیم بن راہویہ کا ذکر کتاب العلم، باب: "فضل من عَلِمَ وعَلَّمَ" میں گذر چکے ہیں۔(۱)

اور اگر یہ اسحاق بن منصور کوسج ہوں تو ان کے تفصیلی حالات کتاب الایمان، باب "حسن اسلام المرء" کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

يعقوب بن إبراهيم

یہ "ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن سعد قرشی زہری رحمہ اللہ" ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، باب "ماذكر في ذهاب موسىٰ في إلى الخضر" میں گذر چکے ہیں۔(۳)

ابن أخي ابن شهاب

یہ امام زہری رحمہ اللہ کے بھتیجے "محمد بن عبداللہ بن مسلم زہری مدنی رحمہ اللہ" ہیں۔ ان کے حالات کتاب الایمان، باب: "إذا لم يكن الاسلام الحقيقة وكان على الاستسلام" میں گذر چکے ہیں۔(۴)

عن عمه

یہ "ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن شہاب الزہری المدنی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے حالات، کتاب بدء الوحی، باب "كيف كان بدء الوحي" کی تیسری حدیث میں گذر چکے ہیں۔(۵)

حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف

یہ مشہور صحابی حضرت "عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ" کے صاحبزادے ہیں ان کی کنیت "أبو إبراهيم" ہے، ان کے حالات کتاب الایمان، باب "تطوع قيام رمضان من الإيمان" کے تحت

---

(۱) كشف الباري: ۴۲۸/۳

(۲) كشف الباري: ۴۲۰/۲

(۳) كشف الباري: ۳۳۱/۳

(۴) كشف الباري: ۱۸۳/۲

(۵) كشف الباري: ۳۲٦/۱

گذر چکے ہیں۔(۱)

أبو هريرة

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے تفصیلی حالات کتاب الایمان، باب "أمور الإيمان" میں گذر چکے ہیں۔(۲)

شرح حدیث

في تلك الحجة

راوی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے اس سال اعلان کرنے والوں کے ساتھ......الخ) "اس سال" سے مراد وہ سال ہے، جس سال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اور یہ ہجرت کا نواں سال تھا۔(۳)

في مُؤذِّنين

اس سے مراد "في شرط المؤذنين، أي: في رهطٍ يؤذنون في الناس" ہے، یعنی مؤذنین کے ساتھ بھیجا اور مؤذن سے مراد اعلان کرنے والے ہیں، نہ کہ اذان دینے والے۔(۴)

ألا يحُجَّ بعدَ العام

"ألا" مرکب ہے "أن" اور "لا" سے، نون کو لام میں ادغام کر کے "ألا" کر دیا گیا۔ اکثر شراح نے روایت میں اسی لفظ کو ذکر کیا ہے۔ جبکہ "کشمیهني" کی روایت میں "ألا لا يحج" کے الفاظ ہیں۔ یعنی لا نافیہ سے پہلے "ألا" حرف تنبیہ ہے۔ اس کا مطلب ہوگا کہ خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے

(۱) كشف الباري: ۳۱٦/۲

(۲) كشف الباري: ٦٥۹/۱

(۳) شرح الكرماني: ۲۸/٤، عمدة القاري: ۱۱٤/٤، إرشاد الساري: ۲۸/۲، الكوثر الجاري: ٤۹/۲، الكنز المتواري: ۳۷/٤

(٤) عمدة القاري: ۱۱٥/٤

نہ آئیے۔(۱)

قال حميد بن عبدالرحمن

مذکورہ روایت کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حمید بن عبدالرحمٰن اس موقعہ پر موجود تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیجا، اور یہ اس منظر کو دیکھ رہے تھے، جب کہ یہ تابعی ہیں، صحابی نہیں، اس لیے یہ جملہ "مرسل" ہوگا، مراسیل تابعین میں سے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس جگہ یہ احتمال بھی ہے کہ قول حمید اور قول ابی ھریرۃ دونوں تعلیق کی قبیل سے ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں اسناد ذکر کیے گئے ہوں، لیکن یہ بات تو ظاہر ہے کہ "مسئلہ ارداف" اس جگہ اسناد مذکور نہیں ہے۔

اور صاحب التوضیح فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حمید نے یہ بات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تلقین کے بعد ذکر کی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت زہری رحمہ اللہ نے اس قول کو موصولاً ذکر کیا ہو۔

اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "راجح بات وہی ہے جو میں نے ذکر کردی یعنی یہ قول مراسیل تابعین میں سے ہے"۔ نیز علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے "تغلیق التعلیق" میں بطور تعلیق ذکر نہیں کیا۔(۲)

ثم أردف رسول الله صلى الله عليه وسلم علياً

پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا، اولاً تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا، پھر ان کے جانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی منی کی طرف بھیجا۔

خلاصہ یہ کہ اس جگہ "أردف" بمعنیٰ "إرسل" ہے(۳)

أَن يُؤَذِّن بِبَرَاءَةٌ

بَـراءَةٌ کا استعمال رفع کے ساتھ ہے یعنی: بِبَـراءَةٌ، ایسا اعراب حکائی کی وجہ سے ہے کہ آیت قرآنیہ

---

(۱) شرح الكرماني: ٢٨/٤، إرشاد الساري: ٢٨/٢، عمدة القاري: ١١٥/٤

(٢) شرح الكرماني: ٢٨/٤، التوضيح لابن ملقن: ٣١١/٥، الكنز المتواري: ٤٩/٢، عمدة القاري: ١١٥/٤

(٣) عمدة القاري: ١١٥/٤، إرشاد الساري: ٢٨/٢

میں "براءة من الله......" ہے۔(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس علان کے لیے بھیجنے کی حکمت

اس سال امیرِ حج حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، انہی کو اس اعلان براءت کا مکلف نہیں بنایا گیا، بلکہ اس اعلان کے لیے مستقل الگ فرد کو بھیجا گیا، اس کی حکمت کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ اس براءۃ سے مراد نقضِ عہد ہے، جو قریش مکہ اور مسلمانوں کے درمیان تھا۔ اور اہلِ عرب میں دستور تھا، نقض صرف اس صورت میں قابلِ قبول ہوگا، جب صاحب عقد بنفسِ نفیس خود اعلانِ براءت کرے یا اس کے خاندان اور قبیلہ میں سے کوئی اور شخص اعلان کرے۔ اس لیے اس اعلان کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے ہی ایک فرد تھے۔(۲)

"اعلانِ براءۃ" کن سے کیا گیا؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو اعلان کروایا گیا، وہ کیا تھا؟ اور کن سے براءۃ مقصود تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت چار قسم کے افراد تھے:

پہلی قسم کے لوگ وہ تھے، جن سے کوئی معاہدہ نہیں تھا۔

دوسری قسم کے لوگ وہ تھے، جن سے معاہدہ تو تھا لیکن معاہدے کی مدت متعین نہیں تھی۔

تیسری قسم کے وہ لوگ تھے، جن کے ساتھ معاہدہ تھا لیکن انہوں نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے توڑ دیا تھا۔

چوتھی قسم کے وہ لوگ تھے، جن کے ساتھ معاہدہ تھا اور وہ معاہدہ برقرار تھا، توڑا نہیں گیا تھا۔

چناں چہ! پہلی دونوں قسموں کے لیے تو اعلان یہ کروایا گیا کہ چار مہینے تک ان کو مہلت ہے، اس کے بعد ان کو یہاں رہنے کی اجازت نہیں ہے، اس عرصے میں اگر وہ چاہیں تو اسلام قبول کرلیں، اس صورت میں وہ ہمارے بھائی ہیں، اور اگر وہ اسلام قبول نہیں کرتے تو پھر انہیں یہاں سے نکلنا پڑے گا۔

اسی طرح تیسری جماعت ان لوگوں کی تھی، جنہوں نے معاہدہ توڑ دیا تھا، جیسے قبیلہ قریش، ان سے

---

(۱) شرح الكرماني: ٢٨/٤، إرشاد الساري: ٢٨/٢

(٢) التوضيح لابن ملقن: ٣١٣/٥، عمدة القاري: ١١٥/٤، إرشاد الساري: ٢٨/٢، الكنز المتواري: ٥٠/٢

حدیبیہ میں معاہدہ ہوا تھا، دس سال کے لیے، لیکن انہوں نے وہ معاہدہ ۸ ہجری میں توڑ دیا تھا، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف فوج کشی کی تو اللہ نے فتح مکہ کی صورت میں ان پر غلبہ عطا فرمایا، ان کے لیے بھی یہی حکم تھا کہ وہ چار مہینے کے اندر اندر اپنا بندوبست کرلیں، اگر ایمان لانا چاہیں تو ٹھیک اور اگر ایمان نہیں لانا چاہتے تو پھر یہاں سے چلے جائیں۔

چوتھی قسم میں کچھ قبیلے تھے، جن کے معاہدے کے ابھی تو ۹ مہینے باقی تھے، اور یہ اپنے عہد پر قائم بھی تھے تو ان کے لیے اعلان یہ تھا کہ آپ اپنی مدت پوری کریں، اس کے بعد اگر ایمان لاتے ہیں تو ٹھیک ورنہ یہ جگہ چھوڑنی ہوگی۔

یہ وہ چار قسمیں تھیں جن کے بارے میں اعلان براءۃ کیا گیا، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اعلان بھی کیا گیا جو راوی نے مذکورہ حدیث میں ذکر کیا ہے، یعنی مشرکین آئندہ سال حج کے لیے نہ آئیں اور کسی شخص کو ننگی حالت میں طواف کرنے کی اجازت نہیں ہے۔(۱)

بقیہ قصہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بن جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منی کی طرف بھیجا گیا اور سواری کے لیے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی "عضباء" ہی استعمال کی، جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کو بھیجے جانے کی علامت تھی، چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صبح کے وقت ذی الحلیفہ یا مقام عرج میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عضباء کی آواز سنی، متوجہ ہوئے، تو اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیٹھے ہوئے پایا تو دریافت فرمایا کہ کیا آپ کو امیرِ حج بنا کر بھیجا گیا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ نہیں مجھے تو مامور بنا کر اور یہ اعلان براءۃ کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔(۲)

روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت روایت کے آخری جملہ (ولا يطوف بالبيت عريان)

---

(۱) تفسير ابن كثير، سورة التوبة، آيت: ۱-۵، ۳/۱۰۰

جامع البيان عن تأويل آي القرآن، "تفسير طبري"، سورة التوبة: ۱۱/۳۰۱-۳۱۲

(۲) التوضيح لابن ملقن: ۵/۳۱۳، الكوثر الجاري: ۲/۲۹

سے ہے، کہ ننگے بدن طواف کرنے کی ممانعت سترعورۃ کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔(۱)

١٠ - باب : اَلصَّلَاةِ بِغَيْرِ رِدَاءٍ .

یہ باب چادر کے بغیر نماز پڑھنے کے حکم کے بارے میں ہے۔

٣٦٣ : حدَّثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ : حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي الْمَوَالِي ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ : دَخَلْتُ عَلَى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ(۲) : وَهُوَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ مُلْتَحِفاً بِهِ ، وَرِدَاؤُهُ مَوْضُوعٌ ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْنَا : يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ ، تُصَلِّي وَرِدَاؤُكَ مَوْضُوعٌ ؟ قَالَ : نَعَمْ أَحْبَبْتُ أَنْ يَرَانِيَ الْجُهَّالُ مِثْلُكُمْ ، رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي هٰكَذَا . [ر : ٣٤٥]

ترجمہ

حضرت محمد بن المنکدر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوا، اس حال میں کہ وہ ایک کپڑا پہنے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے جوانہوں نے اپنے جسم پر لپیٹ رکھا تھا، اوران کی چادر (ایک طرف) رکھی ہوتی تھی۔ پھر جب (آپ نماز ختم کر کے ہماری طرف) پھر گئے تو ہم نے عرض کیا کہ اے ابوعبداللہ! آپ نماز پڑھ رہے ہیں، اس حال میں کہ آپ کی چادر (ایک طرف) رکھی ہوئی ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں! میں ایسا اس لیے کر رہا ہوں کہ تمہارے جیسے ان پڑھ لوگ مجھے دیکھ لیں (کہ ایک چادر میں نماز ادا کرنا بھی جائز ہے)، آپ نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی طرح نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

تراجم رجال

عبدالعزیز بن عبداللہ

یہ "عبدالعزیز بن عبداللہ بن یحییٰ بن عمرو بن اُویس الاُویسی رحمہ اللہ" ہیں۔

(١) عمدة القاري: ٤/١١٤، الكوثر الجاري: ٢/٢٩

(٢) مرّ تخريجه تحت باب عقد الإزار على القفا في الصلاة، رقم الحديث: ٣٥٣، ص: ٢٤٩

ان کے تفصیلی حالات کتاب العلم، باب: "الحرص علی الحدیث" میں گذر چکے ہیں۔(۱)

ابن أبي الموالي

یہ "عبدالرحمن بن ابی الموال المدنی رحمہ اللہ" ہیں، ان کے تفصیلی حالات، کتاب الصلاۃ باب: "عقد الإزار على القفا في الصلاة" میں گذر چکے ہیں۔(۲)

محمد بن المنكدر

یہ "محمد بن المنکدر بن عبداللہ المدنی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کا تعارف، کتاب الوضو، باب: "صب النبي صلى الله عليه وسلم وضوء ه" میں گذر چکا ہے۔(۳)

جابر بن عبدالله

یہ "جابر بن عبداللہ بن الحرام الأنصاری رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات، کشف الباري، کتاب الوضو، باب: "من لم یر الوضوء إلا من المخرجين من القبل والدبر" میں گذر چکے ہیں۔(۴)

تشریح حدیث

اس حدیث مبارکہ کی مکمل تشریح باب "عقد الإزار على القفا في الصلاة" رقم الحدیث: ۳۵۲ کے تحت گذر چکی ہے۔

أحببت أن يراني الجهال

مذکورہ روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ "أحببت أن يراني الجهال مثلكم" وارد

(۱) كشف الباري: ٤/٤٨

(۲) كشف الباري، كتاب الصلاة، باب عقد الإزار على القفا في الصلاة، رقم الحديث: ٣٥٣، ص: ٢٥٩

(۳) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب صب النبي صلى الله عليه وسلم وضوء ه

(٤) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب "مَن لَم يَرَ الوضوء إلا من المخرجين مِن القُبل والدُبُر"

ہوئے ہیں جبکہ سابقہ حدیث نمبر:۳۵۲ میں یہ الفاظ "ليراني أحمق مثلك" تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا روایت بالمعنی کی وجہ سے ہوا ہے کہ ایک جگہ اختصار تو دوسری جگہ تفصیل ہے یا پھر ایسا ایک بار نہیں، بلکہ متعدد بار ہوا ہے، ایک مرتبہ وہ الفاظ کہے اور کوئی مرتبہ یہ الفاظ کہہ دیئے۔(۱)

ایک اشکال کا جواب

اس مقام پر ایک اشکال ذہن میں آتا ہے کہ ایک کپڑے میں نماز ادا کرنا اگر چہ جائز تو ہے، لیکن خلاف اولی ہے، بالخصوص جب متعدد کپڑے موجود بھی ہوں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ صرف ایک کپڑے میں نماز ادا کرنا جب تعلیم کے لیے ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔(۲)

۱۱ – باب : مَا يُذْكَرُ فِي ٱلْفَخِذِ .

وَيُرْوَى عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ ، وَجَرْهَدٍ ، وَمُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ ، عَنِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ : (ٱلْفَخِذُ عَوْرَةٌ) . وَقَالَ أَنَسٌ : حَسَرَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ عَنْ فَخِذِهِ ، وَحَدِيثُ أَنَسٍ أَسْنَدُ ، وَحَدِيثُ جَرْهَدٍ أَحْوَطُ حَتَّى يُخْرَجَ مِنِ ٱخْتِلَافِهِمْ . وَقَالَ أَبُو مُوسَى : غَطَّى ٱلنَّبِيُّ ﷺ رُكْبَتَيْهِ حِينَ دَخَلَ عُثْمَانُ . [ر : ٣٤٩٢] وَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ : أَنْزَلَ ٱللهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ وَفَخِذُهُ عَلَى فَخِذِي ، فَثَقُلَتْ عَلَيَّ ، حَتَّى خِفْتُ أَنْ تَرُضَّ فَخِذِي . [ر : ٤٣١٦]

یہ باب ان روایات کے بیان میں ہے جو ران کے (ستر ہونے یا نہ ہونے کے) کے بارے میں مذکور ہیں۔

"فَخِذٌ" ف کی فتحہ اور "خ" کی کسرہ اور سکون کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور ایک لغت "ف" کی کسرہ اور "خ" کے سکون کے ساتھ بھی ہے۔ یعنی: فَخِذٌ، فَخْذٌ اور فِخْذٌ. اس کے معنی "ران" کے ہیں۔(۳)

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

(۱) الكنز المتواري: ٣٨/٤

(۲) الكنز المتواري: ٣٨/٤، عمدة القاري: ١١٧/٤

(۳) معجم الصحاح، ص: ٧٩٩، لسان العرب: ١٩٨/١٠

''چونکہ فخذ کے اندر اختلاف تھا اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب منعقد فرمایا ہے اور چونکہ امام بخاری اس کے عورت ہونے کے متعلق رائے نہیں رکھتے، اس لیے "مایُذکَر" بصیغۂ مجہول ذکر فرمایا، مگر چونکہ جرہد کی روایت میں "غطِّ فخِذَ" کا حکم وارد ہوا ہے اور وہ روایۃً اگرچہ حدیث انس کے مقابل قوی نہیں ہے مگر پھر بھی چونکہ احوط یہی ہے اس لیے اس کی طرف بھی متوجہ فرمادیا کہ اصل تو عورت سوأتین ہیں، لیکن ستر فخذ بھی احتیاطاً کرنا چاہیئے، جیسا کہ حدیث جرید کا مقتضیٰ ہے''۔(۱)

ويُروىٰ عن ابن عباس وجَرْهَد ومحمد بن جَحْش عن النبي صلى الله عليه وسلم: "الفَخِذُ عَوْرَة"

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب قائم کر کے احادیث ذکر کرنے سے قبل اس عبارت میں تین تعلیقات ذکر کی ہیں جوران کے ستر ہونے پر دلالت کرتی ہیں، اسی کے بعد ایک تعلیق نقل کی ہے جوران کے ستر نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے، اس کے بعد امام صاحب رحمہ اللہ اپنا فیصلہ نقل کرتے ہیں۔

ذیل میں تمام تعلیقات موصولاً ومسنداً ذکر کی جاتی ہیں۔

پہلی تعلیق

امام بخاری رحمہ اللہ نے "ويروىٰ عن ابن عباس رضي الله عنه" سے پہلی تعلیق ذکر کی ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے موصولاً ذکر کیا ہے اور اس پر ''حسن غریب'' کا حکم لگایا ہے۔

حدثنا واصل بن عبدالأعلىٰ الكوفي: حدثنا يحي بن آدم: حدثنا إسرائيل عن أبي يحيٰ، عن مجاهد، عن ابن عباس رضى الله عنه: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الفَخِذُ عَوْرَةٌ".

قال أبو عيسىٰ: وهذا حديث حسن غريب"(۲)

(۱) تقرير بخاري: ۱۲۷/۲.

(۲) جامع الترمذي، كتاب الأدب، باب ماجاء أن الفخذ عورة، رقم الحديث: ۲۷۹۷

اس پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث راویوں میں ایک راوی ''ابویحییٰ القتات'' ہیں، جوضعیف ہیں۔ان کے نام کے بارے میں بھی اختلاف ہے، چھ یا سات اقوال ہیں، ان ناموں سے مشہور ''دینار'' ہے۔(۱)

دوسری تعلیق

جرہد کی حدیث کوامام ترمذی رحمہ اللہ، امام داؤد رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔(۲)

حدثنا ابن عمر: حدثنا سفيان عن أبي النضر موسىٰ عمر ابن عبيدالله، عن زُرعة بن مسلم بن جرهد الأسلمي، عن جده جرهد قال: مرَّ النبيُّ صلى الله عليه وسلم بجرهد في المسجد، وقد انكشف فخذه فقال: "إن الفخِذَ عورة".

قال أبوعيسىٰ: "هذه حديث حسن".

تیسری تعلیق

امام بخاری رحمہ اللہ نے تیسری تعلیق کے طور پر ''محمد بن جحش'' کا نام نقل کیا ہے، ان کی حدیث کوامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔

حدثنا هُشيم حدثنا حفص بن مَيْسرة، عن العلاء، عن ابي كثير مولىٰ محمد بن جحش عن محمد بن جحش خَتَن النبي صلى الله عليه وسلم : أن النبي صلى الله عليه وسلم مرَّ على معمر بفناء المسجد محتبياً كاشفاً عن طرَفِ فخذه، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم : "خَمِّرْ فخِذك يا معمر، فإن

(۱) فتح الباري: ۶۳۱/۲، عمدة القاري: ۱۱۸/۴

(۲) جامع الترمذي، كتاب الأدب، باب ماجآء أن الفخذ عورة، رقم الحديث: ۲۷۹۵

مسند أحمد بن الحنبل، رقم الحديث: ۱۵۹۲۶، ۲۷۴/۲۵، المستدرك على الصحيحين، رقم الحديث: ۷۳۶۰، ۳۶۷/۶

سنن أبي داود، كتاب الحمام، باب الدخول في الحمّام، رقم الحديث: ۴۰۱۴

الفخذ عورة".(۱)

تعلیق اول کا راوی: عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما

یہ مشہور صحابی رسول "حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما" ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی چوتھی حدیث اور کتاب الایمان، باب: "کفران العشیر، وکفرٌ بعد کفرٍ" میں گذر چکے ہیں۔(۲)

تعلیق دوم کا راوی: جرھد

نام ونسب

یہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کا نام "جرہد بن رزاح بن عدي رضی اللہ عنہ" ہے(۳)

ان کی کنیت کے بارے میں ایک قول ابوعبدالرحمٰن کا بھی ہے۔ یہ اہل صفہ میں سے تھے۔(۴)

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے نام کے بارے میں تین قول ذکر کیے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام "جرھد بن خویلد" تھا، امام زہری رحمہ اللہ نے بھی یہی ذکر کیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ "جرھد بن رزاح بن عدي بن سہم" تھے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ "جرھد بن خویلد بن بجرۃ بن عبدیالیل بن زرعہ بن رزاح بن اسلم بن افصی" تھے۔

لیکن ابن أبي حاتم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جرہد بن خویلد اور تھے اور جرہد بن رزاح الأسلمي اور تھے۔(۵)

---

(۱) مسند أحمد، باقي مسند الأنصار، مسند محمد بن عبدالله بن جحش، رقم ٢٢٤٩٤، والمستدرك على الصحيحين، رقم الحديث: ٧٣٦١، ١٨٠/٤

(٢) كشف الباري: ١/٤٣٥، ٢/٢٥

(٣) تهذيب الكمال: ٥٢٣/٤، إكمال تهذيب الكمال: ١٧٨/٣

(٤) إكمال تهذيب الكمال: ١٧٨/٣، الطبقات لابن سعد: ٢٩٨/٣

(٥) الإصابة: ٢٣١/١، الاستيعاب على هامش الإصابة: ٢٥٤/١، ٢٥٥

شیوخ وتلامیذہ

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اوران کی صرف ایک ہی حدیث ہے "الفخذ عورۃ" ہی روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً ذکر کی ہے۔(۱)

ان سے روایت کرنے والے ان کے پوتے "زرعۃ بن عبدالرحمٰن بن جرھد ہیں، ان کے نام کے بارے میں ایک قول زرعۃ بن مسلم بن جرھد کا بھی ہے۔

اس کے علاوہ ان کے بیٹے عبداللہ بن جرہد اور عبدالرحمٰن بن حسد بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

حضرت جرہد الأسلمی کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دفعہ یہ مجلس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا موجود تھا، (یہ کھانے میں شریک ہوئے) یہ چھوٹے تھے، انہوں نے اپنے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا، ان کے دائیں میں کوئی زخم وغیرہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ تو انہوں نے جواب دیا کہ یارسول اللہ! یہ تو مصیبت زدہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ پر پھونک ماری، جس کی برکت سے موت تک ان کے ہاتھ میں دوبارہ تکلیف نہیں ہوئی۔(۳)

انہوں نے افریقہ کی طرف جانے والے غزوہ میں شرکت کی۔ پھر اکسٹھ ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کی انتہاء اور یزید بن معاویہ کے دور حکومت کی ابتداء میں ان کا انتقال ہوا۔(۴)

امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی روایت کو تعلیقاً ذکر کیا ہے اور ان کی حدیث کو امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے ان کی روایت نقل کی ہے۔(۵)

---

(۱) تهذيب التهذيب: ۶۹/۱

(۲) الثقات لابن حبان: ۶۲/۳

(۳) الإصابة: ۲۳۱/۱، إكمال تهذيب الكمال: ۱۷۸/۳، تهذيب الكمال: ۶۹/۲

(٤) الطبقات لابن سعد: ۲۹۸/۳، الثقات لابن حبان: ٦٤/۳

(٥) تهذيب الكمال: ٦٩/۲

تعلیق سوم کا راوی:

محمد بن عبدالله بن جحش

یہ ''محمد بن عبداللہ بن جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرۃ ابن کبیر بن غنم الأسدی'' رضی اللہ عنہ ہیں۔(۱)

ان کے صحابی ہونے میں اختلاف نقل کیا گیا ہے، لیکن راجح قول کے مطابق یہ صحابی تھے۔(۲)

ان کی کنیت ''أبو عبداللہ'' ہے اور والدہ کا نام ''فاطمہ بنت أبي حبیش بن المطلب بن أسد بن عبدالعزیٰ'' ہے(۳)

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اپنی پھوپھی حمنہ اور زینب اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن سے روایت کرتے ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والے ان کے بیٹے ابراھیم، ان کے آزاد کردہ غلام أبو کثیر اور معلّٰی بن عرفان ہیں۔(۴) آپ نے اپنے والد اپنے چچا أبو أحمد کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔(۵)

آپ کے والد أن کبار صحابہ میں سے تھے، جو یوم اُحد میں شہید ہوئے۔(۶)

امام واقدی کے قول کے مطابق ان کی پیدائش ہجرت مدینہ سے پانچ سال قبل ہوئی۔(۷)

چوتھی تعلیق

وقال أنس: حسر النبي صلى الله عليه وسلم عن فخذه

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران سے کپڑا اٹھایا۔

---

(١) الثقات لابن حبان: ٦٢/٣، الجرح والتعديل: ٣٩٤/٧

(٢) تهذيب الكمال: ٤٥٨/٢٥، الجرح والتعديل: ٣٩٤/٧

(٣) الثقات لابن حبان: ٣٦٣/٣

(٤) تهذيب الكمال: ٤٥٩/٢٥، الجرح والتعديل: ٣٩٤/٧

(٥) خلاصة تذهيب تهذيب الكمال، ص: ٣٤٤

(٦) تقريب التهذيب، ص: ٤٨٤، تهذيب الكمال: ٤٥٨/٢٥

(٧) تهذيب التهذيب: ٢٥١/٩

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا جملہ تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ اس تعلیق کو امام صاحب نے خود اسی باب میں آنے والی پہلی حدیث میں موصولاً ذکر کیا ہے۔ تفصیلی بحث اسی جگہ آئے گی۔
"حسر" کے معنی "کشف" کے ہیں۔(۱)

وحديث أنس أسند، وحديث جرهدٍ أحوط، حتى يُخرَجَ من اختلافِهم

امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مبارکہ سند کے اعتبار سے زیادہ مضبوط ہے اور حضرت جرہد رضی اللہ عنہ والی حدیث عمل کے اعتبار سے زیادہ احتیاط والی ہے، یعنی: حضرت جرہد والی حدیث پر عمل کرنے سے بندہ اختلاف سے نکل سکتا ہے۔ اس لیے کہ پہلی دو احادیث سے ران کا ستر ہونا معلوم ہوتا ہے اور تیسری حدیث سے ران کا ستر نہ ہونا معلوم ہوتا ہے، لہٰذا ران کے ستر ہونے کا اعتبار کر لینا زیادہ محتاط قول ہے(۲)۔

حتیٰ یُخرج

مذکورہ الفاظ واحد مذکر غائب مجہول کے صیغہ کے ساتھ بھی منقول ہیں اور جمع متکلم معروف کے صیغہ کے ساتھ بھی مروی ہیں، یعنی: "نخرج". معنوی طور پر دونوں طرح پڑھنا یکساں ہے(۳)۔

پانچویں تعلیق

وقال أبو موسىٰ: غطى النبي صلى الله عليه وسلم ركبتيه حين دخل عثمان

حضرت ابوموسیٰ الاشعری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھٹنے مبارک کو کپڑے سے ڈھانپ لیا۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب "مایذکر من الفخذ" ہے اور مذکورہ تعلیق میں گھٹنے کا ذکر ہے نہ کہ ران کا، تو مذکورہ تعلیق کی

---

(۱) عمدة القاري: ١١٩/٤

(۲) عمدة القاري: ١١٩/٤

(۳) فتح الباري: ٦٣١/٢، عمدة القاري: ١١٩/٤

ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر کرتے ہوئے علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس روایت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا گھٹنا ڈھانپ لیا، اور ایسا اس کے ستر میں داخل ہونے کی وجہ سے کیا، چنانچہ جب گھٹنہ ستر میں داخل ہوا، تو ران جو فرج کے زیادہ قریب ہے، وہ بدرجہ اولیٰ ستر میں داخل ہوئی (۱)۔

تعلیق کا راوی

''حضرت ابو موسیٰ''

یہ مشہور صحابی ''حضرت ابو موسی الاشعری رضی اللہ عنہ'' ہیں۔ ان کے تفصیلی حالات کتاب الایمان، باب: "أي الإسلام أفضل" کے تحت گذر چکے ہیں (۲)۔

تعلیق کی تخریج

مذکورہ تعلیق درحقیقت ایک دوسری حدیث مبارکہ کا ایک جزء ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مناقب عثمان رضی اللہ عنہ میں ذکر کی ہے۔ وہ مکمل موصولاً ذیل میں ذکر کی جاتی ہے:

قال حماد: وحدثنا عاصم الأحول وعلي بن الحكم: سمعا أبا عثمان يحدث عن أبي موسیٰ بنحوه، وزاد فيه عاصم: أن النبي صلی الله عليه وسلم كان قاعداً في مكان فيه ماء، قد كشف عن ركبتيه أو ركبته، فلما دخل عثمان غطاها.(۳)

چھٹی تعلیق

وقال زيد بن ثابتٍ: أنزل الله علی رسوله صلی الله عليه وسلم وفَخِذُه علی فَخِذِي، فثقُلت عليَّ، حتیٰ خفتُ أن تَرُضَّ فَخِذي.

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (ایک بار) اللہ کی جانب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) عمدة القاري: ۱۲۲/٤

(۲) كشف الباري: ٦٩٠/١

(۳) صحيح بخاري، كتاب مناقب عثمان رضي الله عنه، رقم الحديث: ۳٦۹٥

پر وحی نازل ہوئی، اس حال میں کہ (اس وقت) جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک میری ران پر تھی، (اس وقت اس وحی کی وجہ سے) آپ کی ران میرے اوپر اتنی وزنی ہوگئی کہ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میری ران (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کے وزن کی وجہ سے) ٹوٹ جائے گی (یا چورا چورا ہو جائے گی)۔

تعلیق کی غرض

اس تعلیق سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد کیا ہے؟ اس بارے میں شراح متعجب ہیں کہ اس روایت سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مدعیٰ تو ثابت نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کا مقصود تو ران کا ستر نہ ہونا ثابت کرنا ہے، اور وہ اس روایت سے ممکن نہیں، اس لیے کہ ران کا ران پر ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ ران پر کپڑا بھی نہ ہو۔ لہٰذا اس تعلیق سے نہ تو اس پر دلالت ہوتی ہے کہ ران ستر میں داخل ہے اور نہ اس بات پر دلالت ہوتی ہے کہ ران ستر میں داخل نہیں ہے۔ ہاں اگر اس روایت میں اس بات کی تصریح ہوتی کہ آپ کی ران مبارک پر کپڑا نہیں تھا تو اس بات پر دلالت ہوسکتی تھی کہ ران ستر نہیں ہے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران مبارک کو کھلا رکھا(۱)۔

تعلیق کی تخریج

یہ تعلیق بھی ایک روایت کا ٹکڑا ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے کتاب التفسیر، سورة النساء في نزول قوله تعالیٰ: ﴿لا یستوي القاعدون من المؤمنین﴾ میں ذکر فرمایا ہے، ذیل میں مکمل حدیث موصولاً ذکر کی جاتی ہے۔

حدثنا إسماعیل بن عبدالله قال: حدثني إبراهیم بن سعد عن صالح، عن ابن شهاب قال: حدثني سهل بن سعد الساعدي أنه رأى مروان بن الحکم في المسجد، فأقبلت حتی جلست إلی جنبه، فأخبرنا أن زید بن ثابت أخبره: أن النبي صلی الله علیه وسلم أملیٰ علیه "لایستوي القاعدون من المؤمنین والمجاهدون فی سبیل الله" فجاء ه ابن أم مکتوم وهو یُمِلُّها عليّ، قال: یارسول الله! والله! لو أستطیع الجهاد معك لجاهدتُ، وکان أعمیٰ، فأنزل

(۱) عمدة القاري: ۱۲۳/۴

اللہ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفخذہ علی فخذي، فثقُلَتْ عليَّ، حتیٰ خِفتُ أن تَرُضَّ فخِذي، ثم سُرِيَ عنه، فأنزل الله:" غيرَ أولي الضررِ"(۱)

نیز یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الجہاد میں بھی نقل کی ہے۔(۲)

تعلیق کا راوی

زید بن ثابت:

یہ مشہور صحابی رسول "حضرت زید بن ثابت بن الضحاک بن زید بن لوذن بن عمرو بن عبدعوف بن غنم بن مالک بن النجار الأنصاري النجاري، المدني" ہیں رضی اللہ عنہ۔(۳)

ان کی کنیت ابوسعید اور ابوخارجہ بیان کی جاتی ہے۔(۴)

ان کی والدہ کا نام "النوار بنت مالک بن صرعہ بن فلان بن عدي بن عامر" ہے(۵)۔

واقعہ بُعاث (یہ ایک مشہور ون ہے جس میں قبیلہ اوس اور خزرج کے درمیان لڑائی پیش آئی) میں آپ چھ برس کے تھے، اس لڑائی میں آپ کے والد محترم "ثابت بن الضحاک" کو قتل کردیا گیا۔(۶)

پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت آپ کی عمر ۱۱ برس تھی۔(۷)

آپ کے بیٹے حضرت خارجہ بن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب نے

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب التفسير، سورة النساء، رقم الحديث: ٤٥٩٢

(۲) صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب قول الله: لايستوي القاعدون ...... الخ، رقم الحديث: ٢٨٣١

(۳) سير اعلام النبلاء: ٢/٤٢٦، تهذيب الكمال: ١٠/٢٤

(٤) ثقات لابن حبان: ٣/١٣٥

(٥) تهذيب الكمال: ١٠/٢٥

(٦) تهذيب التهذيب: ٣/٣٩٩، ثقات لابن حبان: ٣/١٣٦

(٧) تهذيب الكمال: ١٠/٢٨، تهذيب التهذيب: ٣/٣٩٩

فرمایا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورشریف لائے تو مجھے خدمت اقدس میں لے جایا گیا اور آپ علیہ السلام کو خبر دی گئی کہ یا رسول اللہ! یہ بچہ قبیلہ بنی النجار سے ہے، اس نے آپ پر اتاری جانی والی سورتوں میں سے سترہ سورتیں (اور ایک دوسری روایات کے مطابق سولہ سورتیں) زبانی یاد کر رکھی ہیں، اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنانے کو فرمایا تو میں نے وہ سب سورتیں سنا دیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اے زید! تو میری سہولت کی خاطر اہل کتاب یہود کے ساتھ خط وکتابت کے علم کے سیکھ لو۔ اللہ کی قسم میں خطوط کے معاملے میں یہود پر اطمینان نہیں کر پاتا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نصف مہینہ بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ میں کتابت کے علم میں ماہر ہوگیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بھیجے جانے والے خطوط میں لکھا کرتا تھا۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اوروں کے خطوط آتے تھے تو میں ہی پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔ (۱)

اسی طرح ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک میرے پاس خطوط آتے ہیں، میں نہیں چاہتا کہ انہیں ہر کوئی پڑھے، کیا تو اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ عبرانی زبانی (یا ارشاد فرمایا کہ سریانی زبان) سیکھ لے۔ تو میں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں (میں اس کے سیکھنے کی طاقت رکھتا ہوں) چناں چہ میں نے یہ زبان صرف سترہ راتوں میں سیکھ لی۔ (۲)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ اس حدیث سے اندازہ لگائے جاسکتے ہیں

عن النبي صلى الله عليه وسلم: "أرحم أمتي بأمتي أبوبكر، وأشدهم في دين الله عمر، وأصدقهم حياءً عثمان، وأفرضهم زيد بن ثابت"...... وذكر بقية الحديث(۳)

یعنی میری امت میں علم الفرائض کے سب سے بڑے ماہر زید بن ثابت ہیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہجرت سے پانچ سال قبل جب واقعہ بُعاث

---

(۱) سير أعلام النبلاء: ۴۲۹/۱۰، تهذيب الكمال: ۲۸/۱۰

(۲) طبقات لابن سعد: ۳۵۸/۲، تهذيب الكمال: ۲۸/۱۰

(۳) سير أعلام النبلاء: ۴۳۲/۱۰، تهذيب الكمال: ۲۹/۱۰

پیش آیا اس وقت میں گیارہ سال کا تھا، مجھے آپ کی خدمت اقدس میں پیش کر کے بتایا گیا کہ الخزاج کا یہ بچہ سولہ سورتیں زبانی یاد کر چکا ہے، فرمایا: کہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے مجھے غزوہ بدر اور احد میں شریک ہونے کی اجازت نہیں ملی، اس کے بعد غزوہ خندق میں شریک ہونے کی اجازت مل گئی۔(۱)

حضرت مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے فتویٰ دینے والے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین میں حضرت عمر، علی، ابن مسعود، زید بن ثابت، ابی بن کعب، اور ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہم تھے۔(۲)

الغرض آپ رضی اللہ عنہ کے مناقب اور فضائل بے حد منقول ہیں، ان میں محض چند اوپر ذکر کیے گئے ہیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کرتے ہیں۔(۳)

اور ان سے روایت کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے، جن میں سے چند مشہور ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

اُبان بن عثمان بن عفان، اُنس بن مالک، بشر بن سعید، ثابت بن الحجاج، حجر المدری، سعد بن مالک، سعید بن المسیب، سلیمان بن یسار، سھل بن حنیف، سھل بن سعد الساعدی، عطاء بن یسار، کثیر بن اُفلح، مروان بن الحکم، اُبوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت اُبوھریرہ رضی اللہ عنہ ورحمہم اللہ شامل ہیں (۴)۔

یحییٰ بن بکیر فرماتے ہیں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے چھپن سال کی عمر میں ہجرت کے پینتالیسویں سال وفات پائی۔

---

(۱) تهذيب الكمال: ۱۰/۳۰

(۲) تهذيب التهذيب: ۳/۳۹۹، سير أعلام النبلاء: ۱۰/۴۳۳

(۳) سير أعلام النبلاء: ۱۰/۴۳۷، تهذيب الكمال: ۱۰/۲۵

(٤) سير أعلام النبلاء: ۲/۴۲۷، تهذيب الكمال: ۱۰/۲۶

آپ کی وفات میں ایک قول چھیالیسویں سال میں وفات پانے کا بھی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی عمر اکاون سال یا پچپن سال تھی (۱)۔

لیکن علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ہجرت سے پینتالیس سال قبل وفات والے قول کو صحیح قرار دیا ہے، اس صورت میں آپ کی عمر چھپن سال بنتی تھی (۲)

حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے جنازے میں حاضر ہوا۔ جب آپ کو قبر میں دفن کر دیا گیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہو کہ اس کو یہ معلوم ہو کہ علم اس دنیا سے کیسے اٹھایا جائے گا تو (وہ شخص جان لے کہ) علم اس طرح (یعنی اس طرح کے افراد کے فوت ہو جانے) سے اٹھایا جاتا ہے۔ اللہ کی قسم آج علم کا بہت بڑا حصہ دفنا دیا گیا (۳)۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے ان کی وفات کے دن فرمایا کہ آج اس امت کا حبر الأمة (علم کا سمندر) اٹھا لیا گیا، شاید کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو (علم میں) ان کا خلیفہ بنا دیا جائے۔

ران کے ستر ہونے کے بارے میں بیان مذاہب

ران (جو کہ شرمگاہ اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہے) ستر میں داخل ہے یا نہیں؟ اس بارے میں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا مذہب اور اسی بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان کیا ہے؟ اس کی تفصیل ذیل میں اس طرح ذکر کی جاتی ہے، بایں صورت کہ اول جمہور علماء بمعہ ائمہ اربعہ کا مذہب اور دلائل ذکر کیے جائیں گے، اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان اور ان کے ذکر کردہ دلائل پر تفصیلی نظر ڈالی جائے گی۔

ائمہ اربعہ کا مذہب

صحیح ترین اور أصح في المذهب کے مطابق ائمہ اربعہ، صاحبین، امام زفر اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کے نزدیک ران ستر میں داخل ہے (۴) اور ان کے بالمقابل اہلِ ظواہر، امام احمد (ایک روایت کے مطابق) اور

---

(۱) تهذيب الكمال: ۱۰/۳۱

(۲) تهذيب التهذيب: ۳/۳۹۹، سير أعلام النبلاء: ۲/٤٤١

(۳) تهذيب التهذيب: ۳/۳۹۹، سير أعلام النبلاء: ۲/٤٣٩

(٤) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب في شروط الصلاة: ۱/۲۸٤ .... =

شوافع میں سے ابن حزم رحمہم اللہ کے نزدیک ران ستر نہیں ہے، بلکہ ستر صرف دونوں شرمگاہیں ہیں (۱)۔

اس کے بعد ران کے ساتھ متصل گھٹنوں کے بارے میں امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کا قول ستر ہونے کا ہے اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک گھٹنے ستر میں داخل نہیں ہے اور ناف کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دوسرے سب ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ ناف ستر میں داخل نہیں ہے۔

جمہور علماء کے دلائل

مسئلہ مذکور (کہ ران ستر میں داخل ہے) میں جمہور علماء کے دلائل ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

پہلی دلیل

"عن عبداللّٰه بن عمرو بن العاص رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: "إذا زوج أحدكم أمته عبده أو أجيرة، فلا ينظر إلى مادون السرة وفوق الركبة، فإن ما تحت السرة إلى الركبة عورة"(۲).

= المبسوط للسرخسي، كتاب الاستحسان: ۲۵۲/۱۰

شرح الوقاية، كتاب الصلاة، من شروط الصلاة: ۲۳۵/۱

حاشية الدسوقي على الشرح الكبير للدردير، باب في ستر العورة: ۲۱۱/۱

بداية المجتهد، الشرط الرابع في ستر العورة: ۷۸/۱، ۹٤

المجموع شرح المهذب، باب ستر العورة: ۱٦٥/۲

نهاية المحتاج، باب صفة أي: كيفية الصلاة: ۲۳۷/۷

أسنى المطالب، الشرط الخامس، ستر العورة: ٤۰/۳

الشرح الكبير لابن قدامه، كتاب الصلاة، باب ستر العورة: ۲۰۰/۳

المبدع شرح المقنع، باب ستر العورة: ۳۰۷/۱

الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف، كتاب الصلاة، باب ستر العورة: ۲۳۷/۲

(۱) نيل الأوطار، كتاب الصلاة، أبواب ستر العورة، بيان العورة وحدها: ٦۳/۲

(۲) سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة، رقم الحديث: ٤۹٦، وكذا في كتاب اللباس، باب في قول اللّٰه عزوجل: ﴿وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن﴾ رقم الحديث: ٤۱۱٦ =

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنی لونڈی (باندی) کا نکاح اپنے غلام یا نوکر سے کردے تو اس کے ناف سے نیچے گھٹنے تک کا حصہ اور گھٹنے سے اوپر کا حصہ نہ دیکھے، کیونکہ ناف کے نیچے سے گھٹنے تک کا حصہ ستر ہے''۔

دوسری دلیل

"عن علي رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لا تبرز فخذك ولا تنظر إلىٰ فخذ حي ولا ميت"(۱).

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی ران (دوسرے کے سامنے) نہ کھولو اور نہ (ہی) کسی زندہ یا مردہ کی ران کی طرف دیکھو۔

تیسری دلیل

"عن محمد بن (عبدالله بن) جحش رضي الله عنه قال: مرّ النبي صلى الله عليه وسلم وأنا معه على معمر وفخذاه مكشوفتان، فقال: يا معمر! غط عليك فخذيك، فإن الفخذين عورة"(۲).

= سنن الدارقطني، كتاب الصلاة، باب الأمر بتعليم الصلوات والضرب عليها وحدّ العورة التي يجب سترها، رقم الحديث: ۲

(۱) سنن أبي داود، كتاب الحمام، باب النهي عن التعري، رقم الحديث: ٤٠١٧

سنن الدارقطني، كتاب الحيض، باب في بيان العورة والفخذ منها، رقم الحديث: ٤

مسند أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ١٢٤٩، ٢/٤٠٥

(۲) المستدرك على الصحيحين، كتاب معرفة الصحابة، باب ذكر عبد الله بن عباس رضى الله عنهما، رقم الحديث: ٦٦٨٤

مسند أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ٢٢٤٩٥، ٢٧/١٦٦

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معمر کے پاس سے گزرے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا، حضرت معمر کی رانیں کھلی ہوئی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا: اے معمر! اپنی رانیں ڈھانپ کر رکھو، کیوں کہ رانیں ستر ہیں۔

چوتھی دلیل

"عن زرعة بن عبدالرحمن بن جرهد عن أبيه قال: كان جرهد هذا من أصحاب الصفة، إنه قال جَلَس رسول الله صلى الله عليه وسلم عندنا وفخذي منكشفة، فقال: "خمر عليك، أما علمت أن الفخذ عورة"(۱).

حضرت زرعہ بن عبدالرحمٰن اپنے والد جرہد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جرہد "جو اصحاب الصفہ میں سے ہیں" نے فرمایا کہ (ایک بار) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس جلوہ فروز ہوئے اس حال میں کہ میری ران کھلی ہوئی تھی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اپنے ستر کو چھپاؤ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ران ستر ہے"۔

پانچویں دلیل

"عن ابن عباس رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الفخذ عورة"(۲).

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "ران ستر ہے"۔

---

(۱) سنن أبي داود، كتاب الحمام، باب النهي عن التعري، رقم الحديث: ٤٠١٦

سنن الترمذي، كتاب الأدب، باب أن الفخذ عورة، رقم الحديث: ٢٧٩٧

سنن الدارمي، كتاب الاستئذان، باب في أن الفخذ عورة، رقم الحديث: ٢٦٥٠

مسند أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ١٥٩٣١، ٢٥/٢٧٩

(۲) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب مايذكر في الفخذ، تعليقاً

ران کوستر نہ ماننے والوں کے دلائل

جو افراد ران کو ستر تسلیم نہیں کرتے، ان کے دلائل میں حضرت انس اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کی احادیث ہیں، جو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں تعلیقاً اور موصولاً نقل کی ہیں۔ ان کی توجیہ اور جواب کچھ بعد تفصیل سے آرہا ہے(۱)۔

جمہور کے مذاہب کی وجہ ترجیح

جمہور فقہاء وائمہ کے دلائل (جو اوپر مذکور ہوئے) میں صحیح، حسن، مقبول اور ضعیف ہر طرح کی احادیث ہیں، لیکن جب ایک ہی مضمون بہت سارے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو، تو اس کے صحیح ہونے اور قبول ہونے میں کوئی تردد باقی نہیں رہ جاتا، اسی وجہ سے جمہور ائمہ سلف وخلف نے اس مضمون کو یعنی ران کے ستر ہونے کو تسلیم کیا ہے۔

دوسری بات: جب کسی جگہ حرمت اور حلت جمع ہو جائے تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔ مثلاً: اس مسئلہ میں بعض احادیث سے ران کھولنے کا جواز معلوم ہو رہا ہے اور بعض احادیث سے ران کا ستر ہونا، یعنی ان کو چھپانا معلوم ہو رہا ہے، تو چھپانا (یعنی ظاہر اور کھلا نہ رکھنا) کو ترجیح ہوگی اور ران ظاہر نہ کرنے پر عمل کیا جائے گا۔

اور اس وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے "حديث أنس أسند وحديث جرهد أحوط" کہا ہے، کیونکہ حضرت جرہد رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ران کا ستر ہونا معلوم ہوتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرنے میں احتیاط ہے۔ اگرچہ اس کے بالمقابل حدیثِ انس سند کے اعتبار سے زیادہ مضبوط ہے (۲)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے جمہور کے مذہب کی تائید اور ترجیح واضح ہو جاتی ہے (۳)

عند الأحناف گھٹنا بھی ستر میں داخل ہے

ران کے ساتھ متصل عضو رکبہ (گھٹنا) بھی عند الاحناف ستر ہے، (بخلاف دیگر ائمہ کے، کہ وہ اس کو

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب مايذكر في الفخذ، تعليقاً

(۲) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب مايذكر في الفخذ، تعليقاً

(۳) بداية المجتهد: ۱۸٤/۲

خارج از ستر قرار دیتے ہیں) کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گھٹنے کو بھی ستر قرار دیا گیا ہے۔

"عن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "الركبة من العورة"(۱).

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گھٹنا ستر میں داخل ہے۔

مذکورہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن حنیفہ کے نزدیک اس پر عمل کرنا عین احتیاط کے مطابق ہے۔

احناف کا محتاط رویہ اور دقیقہ رسی

ائمہ احناف کا خاصہ ہے کہ حتی الوسع سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وارشادات کو اپنانے کی سعی بلیغ فرماتے ہیں، حتیٰ کہ مذہب احناف میں حدیثِ ضعیف کو قیاس پر ترجیح دی جاتی ہے۔ چنانچہ مذکورہ حدیث اور حدیثِ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے آخری ٹکڑے "فإن ماتحت السرة إلى الركبة عورة" سے استدلال کرتے ہوئے احناف نے گھٹنے کو بھی ران کے ساتھ ستر قرار دیا ہے(۲)۔

البتہ مذہب احناف میں اختلافاتِ روایات کے پیش نظر ستر کے تین درجے قرار دیئے گئے ہیں، جس کی تفصیل اور ران کا حکم صاحب ہدایہ رحمہ اللہ نے بہت ہی بہترین انداز میں ذکر کیا ہے:

"وحكم العورة في الركبة أخف منه في الفخذ، وفي الفخذ أخف منه في السوأة حتىٰ أن كاشف الركبة ينكر عليه بالرفق وكاشف الفخذ يعنف عليه و كاشف السوءة يُؤَدَّب إن لَجّ"(۳).

ترجمہ: ستر کا حکم گھٹنے میں بہ نسبت ران کے اُخف ہے، اور ران میں بہ نسبت شرمگاہ کے اُخف ہے، چناں چہ اگر کسی شخص نے اپنے گھٹنے کھلے چھوڑے ہوں، تو اسے نرمی

---

(۱) سنن الدارقطني، كتاب الصلاة، باب الأمر بتعليم الصلوات والضرب عليها وحد العورة التي يجب سترها، رقم الحديث: ٤

(۲) سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة، رقم الحديث: ٤٩٦

(۳) الهداية، كتاب الكراهية، فصل في الوطء والنظر والمس: ۲۰۲/۷، البشرىٰ

سے ٹوکا جائے گا، اور اگر کسی شخص نے ران ننگی کی ہو تو ذرا سختی سے روکا جائے گا اور اگر کسی نے اپنی شرمگاہ کو بھی کھول رکھا ہو تو اسے بھرپور سختی سے روکا جائے (حتیٰ کہ نہ ماننے پر) تادیبی کاروائی بھی کی جائے۔

امام نظام الدین الشاشی رحمہ اللہ کا قول

نظام الدین الشاشی رحمہ اللہ نے "اصول الشاشی" میں لکھا ہے کہ کلمہ "إلیٰ" بعض صورتوں میں اسقاط کا فائدہ دیتا ہے، تو ایسی صورت میں "إلــیٰ" کا مابعد، ماقبل میں داخل ہوتا ہے، جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "عورة الرجل ماتحت السرة إلی الركبة" میں ہے کہ اس میں کلمہ "إلیٰ" اسقاط کے لیے ہے، لہٰذا رکبہ ستر کے حکم میں داخل ہوگا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورۃ الرجل کی حد بیان فرمائی تو "مـاتحت السرة" کہتے ہوئے ستر کا حکم ناف سے نیچے پورے بدن کو شامل ہوا، پھر "إلی الركبة" کہنے کے وقت حکم قدموں کی طرف سے ساقط ہوتا ہوا گھٹنوں تک پہنچا، جس کی صورت میں گھٹنے ستر میں شامل ہوئے نہ کہ خارج (۱)۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان

ران کے ستر ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی واضح مؤقف دوٹوک انداز میں اختیار نہیں کیا، نہ ہی بالکلیہ ران کے ستر ہونے کو بیان کیا ہے اور نہ ہی ستر نہ ہونے کو، بلکہ ترجمۃ الباب "مـا یـذكـر فـي الفخذ" قائم کرکے اشارہ کیا ہے کہ اس باب میں دونوں طرح کی روایات ذکر کی جائیں گی (۲)۔

چناں چہ! اول تین روایات تعلیقاً نقل کی ہیں، حضرت ابن عباس، حضرت جرہد اور حضرت محمد بن (عبداللہ بن) جحش رضی اللہ عنہم کی، لیکن ان کی روایات "یُروی" صیغہ مجہول کے ساتھ ذکر کرکے ان کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے، اس رویات سے ران کے ستر ہونے کا علم ہوتا ہے۔

---

(۱) أصول الشاشي، البحث الأول في كتاب الله، فصل في "إلی"، ص: ۱٤٧، ١٤٨

(۲) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب مايذكر في الفخذ

اس کے بعد تین روایت تعلیقاً ہی حضرت ابوموسیٰ الاشعری، حضرت انس بن مالک اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کی نقل کی ہیں۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "حديث أنس أسند وحديث جرهد أحوط".

یعنی سنداً تو حدیثِ انس مضبوط ہے بنسبت حدیث جرہد کے، البتہ عمل کے اعتبار سے حدیثِ جرہد زیادہ اُحوط ہے۔ اُمام صاحب کی اس بات سے اشارہ ملتا ہے اور امام صاحب کا رجحان ان کے طرزِ تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ران کے ستر نہ ہونے کی طرف مائل ہیں، لیکن احتیاطاً ران کو ڈھانپ کر رکھنے کا حکم دیتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ران کے ستر نہ ہونے کی جو تین روایات ذکر کی ہیں، ان میں سے حضرت اُبو موسیٰ الأشعری والی حدیث گھٹنا ڈھانپنے کے بارے میں ہے، نہ کہ ران کے بارے میں، لہٰذا اس سے استدلال تو ممکن ہی نہیں۔

دوسری روایت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ہے کہ اس میں ان کی ران پر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کے رکھے جانے کا ذکر تھا۔ نہ کہ ران کا برہنہ ہونے، اور ستر نہ ہونے کا۔ لہٰذا اس سے بھی استدلال تام نہیں ہوتا۔

تیسری روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران مبارک سے کپڑا ہٹایا"۔

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ پہلے اس حدیث کا سیاق وسباق مکمل طور پر دیکھ لیا جائے، اس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

> "فركب النبيّ صلى الله عليه وسلم وركب أبو طلحة، وأنا رديف أبي طلحة، فأجرى نبيّ صلى الله عليه وسلم في زقاق خيبر وإن ركبتي لتمس فخذ النبيّ صلى الله عليه وسلم، ثم حسر الإزار عن فخذه، حتىٰ إني أنظر إلى بياض فخذ النبي صلى الله عليه وسلم".

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہوئے، ابو طلحہ بھی (ایک دوسرے) گھوڑے پر سوار ہوئے، میں اس گھوڑے پر ابوطلحہ کے ساتھ ہی سوار ہوا۔ خیبر کی تنگ گلیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑا دوڑایا (اس کے ساتھ ساتھ ابوطلحہ بھی اپنا گھوڑا دوڑا رہے تھے، اور اس گھوڑا دوڑانے کے دوران جب ہمارا گھوڑا آپ علیہ السلام کے قریب سے گذرتا تو) میرا گھٹنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کے ساتھ مس ہوتا تھا، تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران سے اپنا ازار ہٹالیا، یہاں تک کہ میں آپ کی ران کی سفیدی دیکھ رہا تھا۔

یہ روایت ہے جس سے امام بخاری رحمہ اللہ ران کے ستر نہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ لیکن یہ استدلال کئی وجوہ سے ضعیف ہے۔

پہلی وجہ: یہ ہے کہ گھوڑے دوڑ رہے تھے، اس دوران کئی مرتبہ کپڑے خود بخود اٹھتے ہیں، لہٰذا "ثم حسر" کے یہ معنی لینا کہ حضور نے خود ازار کو ہٹایا اور اپنی فخذ کو کھول دیا، یہ مشکوک ہے(۱)۔

بلکہ اس جگہ پر تو کہا جائے گا کہ کتب اللغات، صحاح، قاموس وغیرہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ "حسر" لازم بھی استعمال ہوتا ہے اور متعدی بھی (۲)، لہٰذا گھوڑے کے دوڑنے کی وجہ سے اور ہوا کے مخالف ہونے کی بناء پر خود بخود ازار فخذ سے ہٹ گئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا لہٰذا اس سے استدلال کمزور ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مذکورہ احتمال (حسر کے لازم اور متعدی ہونے کا) کتب اللغہ کی وجہ سے ہے، جب کہ صحیح مسلم اور مسند احمد کی روایت میں "حسر" کے بجائے "انحسر" کا لفظ ہے جو ہے ہی لازم، "حسر" میں تو متعدی ہونے کا احتمال بھی تھا، لیکن مسلم کی روایت کے مطابق تو اس کے لازم والے معنی متعین ہو گئے ہیں کہ ازار ہٹایا نہیں، خود بخود ہٹ گیا تھا (۳)۔

---

(۱) الكنز المتواري: ٤/٤٠، ٤١

(۲) معجم الصحاح، المادة: ح س ر، ص: ۲۳۳، القاموس الوحيد، ماده ح س ر: ١/٣٣٦

(۳) صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب فضيلة إعتاقه أمته ثم يتزوجها، رقم الحديث: ٣٥٦٣ ....

البتہ اس موقع پر ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ چلیں ٹھیک ہے کہ ازار خود بخود اٹھ گیا تھا، لیکن اس کو فوراً ہی ڈھانپ لینا چاہئے تھا تا کہ کسی کو دیکھنے کا موقع ہی نہ ملتا، جبکہ یہاں تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ران دیکھی اور پھر اس کی رنگت بھی بیان فرمائی۔

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ سوال کرنا ہی فضول ہے، اس لیے کہ جب ازار ہٹا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نظر وہاں پڑ گئی، پھر آپ نے اس کو اسی وقت ڈھانپ بھی لیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ تو صرف یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوب تیزی سے گھوڑا دوڑا رہے تھے، اتنا تیز کہ انحسارِ ازار تک کی نوبت آ پہنچی، یعنی: گھوڑا تیز دوڑانے کی کیفیت بتلانا مقصود ہے، اس کے ضمن میں یہ بات بھی آ گئی کہ ران سے کپڑا ہٹا اور یہ بات بھی آ گئی کہ میری اس پر نظر بھی پڑ گئی۔ اس کے بعد آپ نے اپنی ران کو ڈھانپا یا نہیں؟ اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، سب کو معلوم ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی زیادہ شرم وحیاء والے انسان تھے، یقیناً انہوں نے فوراً اپنی ران ڈھانپ ہی لیا ہوگا۔ لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں (۱)۔

تیسری بات یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ میرا گھٹنا آپ کی ران سے مس ہو رہا تھا، جس کی وجہ سے یہ احتمال بھی ہے کہ اس گھٹنے کی رگڑ کی وجہ سے آپ کی ران سے کپڑا ہٹا، نہ کہ آپ نے خود کھولا یا ہوا سے کھل گیا، لہٰذا اس وجہ سے بھی استدلال درست نہیں رہتا (۲)۔

چوتھی بات یہ ہے کہ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے قدم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے ساتھ ٹکرائے، یعنی: اس روایت میں نہ تو فخذ کا ذکر ہے اور نہ ہی رکبہ کا، اگر اس روایت کا اعتبار کر لیا جائے تو پھر انکشافِ فخذ کا مسئلہ وہاں نہیں ہے (۳)۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا گھٹنا رگڑ کھا رہا تھا جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے بار بار ازار فخذ سے ہٹ جاتی تھی، اس سے آپ کو اندیشہ ہوا کہ اگر یہ اسی طرح رگڑ کھاتا رہا تو کہیں

= مسند أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ۱۱۹۹۲، ۱۹/۵۰

(۱) فتح الباري لابن رجب: ۲/۵٦، التوضيح لابن ملقن: ۵/۳۲

(۲) إرشاد الساري: ۲/۳۲

(۳) صحيح البخاري، كتاب الأذان، مايحقن بالأذان من الدماء، رقم الحديث: ٦۱۰

مسند أحمد، رقم الحديث: ۱۳۷۹۷، ۳/۲٦۳

ایسا نہ ہو کہ یہ ازار کھل ہی نہ جائے، لہٰذا أهون البليتين کو اختیار کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہ اپنی ازار کو فخذ سے ہٹا کر فخذ کے نیچے دبا لیا اور فخذ کھول لی۔ اس لیے اس سے بھی فخذ کے غیر عورت ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حدیث باب

٣٦٤ : حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ ٱلْعَزِيزِ ٱبْنُ صُهَيْبٍ ، عَنْ أَنَسٍ[1]: أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ غَزَا خَيْبَرَ ، فَصَلَّيْنَا عِنْدَهَا صَلَاةَ ٱلْغَدَاةِ بِغَلَسٍ ، فَرَكِبَ نَبِيُّ ٱللهِ ﷺ ، وَرَكِبَ أَبُو طَلْحَةَ ، وَأَنَا رَدِيفُ أَبِي طَلْحَةَ ، فَأَجْرَى نَبِيُّ ٱللهِ ﷺ فِي زُقَاقِ خَيْبَرَ ، وَإِنَّ رُكْبَتِي لَتَمَسُّ فَخِذَ نَبِيِّ ٱللهِ ﷺ ، ثُمَّ حَسَرَ ٱلْإِزَارَ عَنْ فَخِذِهِ ، حَتَّى إِنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِ فَخِذِ نَبِيِّ ٱللهِ ﷺ . فَلَمَّا دَخَلَ ٱلْقَرْيَةَ قَالَ : (اللهُ أَكْبَرُ ، خَرِبَتْ خَيْبَرُ ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ ، فَسَاءَ صَبَاحُ ٱلْمُنْذَرِينَ) . قَالَهَا ثَلَاثًا . قَالَ : وَخَرَجَ ٱلْقَوْمُ إِلَى أَعْمَالِهِمْ ، فَقَالُوا : مُحَمَّدٌ - قَالَ عَبْدُ ٱلْعَزِيزِ : وَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا : وَٱلْخَمِيسُ ، يَعْنِي ٱلْجَيْشَ - قَالَ : فَأَصَبْنَاهَا عَنْوَةً ، فَجُمِعَ ٱلسَّبْيُ ، فَجَاءَ دِحْيَةُ ، فَقَالَ : يَا نَبِيَّ ٱللهِ ، أَعْطِنِي جَارِيَةً مِنَ ٱلسَّبْيِ ، قَالَ : (ٱذْهَبْ فَخُذْ جَارِيَةً) . فَأَخَذَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى ٱلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : يَا نَبِيَّ ٱللهِ ، أَعْطَيْتَ دِحْيَةَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ ، سَيِّدَةَ قُرَيْظَةَ وَٱلنَّضِيرِ ، لَا تَصْلُحُ إِلَّا لَكَ ، قَالَ : (ٱدْعُوهُ بِهَا) . فَجَاءَ بِهَا ، فَلَمَّا نَظَرَ إِلَيْهَا ٱلنَّبِيُّ ﷺ قَالَ : (خُذْ جَارِيَةً مِنَ ٱلسَّبْيِ غَيْرَهَا) . قَالَ : فَأَعْتَقَهَا ٱلنَّبِيُّ ﷺ وَتَزَوَّجَهَا . فَقَالَ لَهُ ثَابِتٌ : يَا أَبَا حَمْزَةَ ، مَا أَصْدَقَهَا ؟ قَالَ : نَفْسَهَا ، أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا ، حَتَّى إِذَا كَانَ بِالطَّرِيقِ ، جَهَّزَتْهَا لَهُ أُمُّ سُلَيْمٍ ، فَأَهْدَتْهَا لَهُ مِنَ ٱللَّيْلِ ، فَأَصْبَحَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ عَرُوسًا ، فَقَالَ : (مَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَلْيَجِئْ بِهِ) . وَبَسَطَ نِطَعًا ، فَجَعَلَ ٱلرَّجُلُ يَجِيءُ بِالتَّمْرِ ، وَجَعَلَ ٱلرَّجُلُ يَجِيءُ بِالسَّمْنِ ، قَالَ : وَأَحْسِبُهُ قَدْ ذَكَرَ ٱلسَّوِيقَ ، قَالَ : فَحَاسُوا حَيْسًا ، فَكَانَتْ وَلِيمَةَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ .

[٥٨٥ ، ٩٠٥ ، ٢١١٥ ، ٢١٢٠ ، ٢٧٣٦ ، ٢٧٨٤ ، ٢٧٨٥ ، ٢٨٢٩ ، ٣٤٤٧ ، ٣٩٦١ ، ٣٩٦٢ ، ٣٩٦٤ ، ٣٩٦٥ ، ٣٩٧٤-٣٩٧٦ ، ٤٧٩٧ ، ٤٧٩٨ ، ٤٨٦٤ ، ٤٨٧٤ ، ٥٠٧٢ ، وانظر : ٢٧٣٢ ، ٣٩٦٣]

---

(١) رواه البخاري في كتاب النكاح، باب مايحقن بالأذان من الدماء، رقم الحديث: ٦١٠

وفي صلاة الخوف، باب التكبير والغلس بالصبيح، رقم الحديث: ٩٤٧ ....=

ترجمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر کے لیے روانہ ہوئے، (مقام) خیبر پہنچ کر ہم نے فجر کی نماز (اول وقت میں) اندھیرے میں ہی پڑھی، پھر (شہر میں داخل ہونے کے لیے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (اونٹنی یا گھوڑے پر) سوار ہوئے، اور (اسی طرح) ابوطلحہ بھی سوار ہوئے، اور میں بھی ابوطلحہ کے ہمراہ (اسی سواری پر، ابوطلحہ کے پیچھے) سوار ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی گلیوں

= وفي البيوع، باب بيع العبد والحيوان بالحيوان نسيئة، رقم الحديث: ٢٢٢٨

وفي البيوع، باب هل يسافر بالجارية قبل أن يستبرئها؟ رقم الحديث: ٢٢٣٥

وفي الجهاد، باب فضل الخدمة في الغزو، رقم الحديث: ٢٨٨٩

وفي الجهاد، باب من غزا الصبي للخدمة، رقم الحديث: ٢٨٩٣

وفي الجهاد، باب دعاء النبي صلى الله عليه وسلم إلى الإسلام والنبوة، رقم الحديث: ٢٩٤٣، ٢٩٤٤، ٢٩٤٥

وفي الجهاد، باب التكبير عند الحرب، رقم الحديث: ٢٩٩١

وفي الجهاد، باب مايقول إذا رجع من الغزو، رقم الحديث: ٣٠٨٥، ٣٠٨٦

وفي المناقب، باب سؤال المشركين أن يريهم النبي صلى الله عليه وسلم آية، رقم الحديث: ٣٦٤٧

وفي المغازي، باب غزوة خيبر، رقم الحديث: ٤١٩٧، ٤١٩٨، ٤١٩٩، ٤٢٠٠، ٤٢٠١، ٤٢١١، ٤٢١٢، ٤٢١٣

وفي كتاب النكاح، باب اتخاذ السراري، ومن أعتق جارية ثم تزوجها، رقم الحديث: ٥٠٨٥، ٥٠٨٦

وفي كتاب النكاح، باب البناء في السفر، رقم الحديث: ٥١٥٩، وفي كتاب النكاح، باب الوليمة ولو بشاةٍ، رقم الحديث: ٥١٦٩، وباب الخُبز المرقق والأكل على الخوان والسفرة، رقم الحديث: ٥٣٨٧

وفي كتاب الأطعمة، باب الحيس، رقم الحديث: ٥٤٢٥

وفي كتاب الذبائح والصيد، باب لحوم الحمر الإنسية، رقم الحديث: ٥٥٢٨

وفي كتاب اللباس، باب إرداف المرأة خلف الرجل ذا محرم، رقم الحديث: ٥٩٦٨ .... =

میں اپنی سواری دوڑانے لگے (شہر خیبر کے راستے اور گلیاں تنگ تھیں، سواریاں دوڑتے ہوئے ایک دوسرے ٹکڑا بھی جاتی تھیں، اسی طرح) میرا گھٹنا (بھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کو چھو جاتا تھا۔ (چناں چہ، ایک بار) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے ازار ہٹ گیا، یہاں تک کہ میری نظر آپ علیہ السلام کی ران کی سفیدی پر پڑی، پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی بستی میں داخل ہو گئے اور آپ نے (بلند آواز) میں ''اللہ اکبر'' کا نعرہ بلند کیا اور تین مرتبہ یہ جملہ دہرایا: "خربت خيبر" خیبر ہلاک ہو گیا، (پھر فرمایا: إنا إذا نزلنا بساحة قوم، فساء صباح المنذرين) کہ ہم جب کسی قوم کے آنگن میں (لڑائی کے لیے) اتر پڑتے ہیں، تو خوف سے دہشت زدہ لوگوں کی صبح (بہت) بری ہوئی ہے (یعنی: ان پر اللہ کی جانب سے مسلمانوں کی صورت میں عذاب اتر پڑتا ہے)۔

راوی کہتے ہیں کہ اس وقت بستی کے لوگ اپنے اپنے کاموں کی طرف نکل ہی رہے تھے، کہ وہ (آپس میں) کہنے لگے کہ محمد آ گئے (محمد آ گئے)۔

راوی عبدالعزیز کہتے ہیں کہ میرے بعض ساتھیوں نے بیان کیا ہے کہ بستی کے لوگ کہہ رہے تھے کہ محمد اور خمیس یعنی: ان کا لشکر (حملہ کرنے کے لیے) آ گیا ہے۔

چناں چہ! ہم نے خیبر بزور شمشیر فتح کیا، پھر قیدی جمع کیے گئے، پھر حضرت دحیہ

= وفي كتاب الأدب، باب قول الرجل: جعلني الله فداك، رقم الحديث: ٦١٨٥

وفي كتاب الدعوات، باب التعوذ من غلبة الرجال، رقم الحديث: ٦٣٦٣

وإمام مسلم في صحيحه، في النكاح، باب فضيلة إعتاقه أمة ثم يتزوجها، رقم الحديث: ٣١٦٥

وفي الجهاد، باب غزوة خيبر، رقم الحديث: ١٨٠١

وإمام أبوداود في سننه، في كتاب النكاح، باب في الرجل يعتق أمته ثم يتزوجها، رقم الحديث: ٢٠٥٤

والنسائي في سننه، في النكاح، باب البناء في السفر، رقم الحديث: ٣٣٨٢، ٣٣٨٤

وجامع الأصول، حرف الغين، الكتاب الأول، في الغزوات والرايا، غزوة خيبر، رقم الحديث: ٦١٢٦، ٣٤٠/٨

کلبی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! قیدیوں میں سے ایک باندی مجھے مرحمت فرمادیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کوایک باندی لینے کی اجازت مرحمت فرمادی، چناں چہ انہوں نے ''صفیہ بنت حیی'' کا انتخاب کیااور لے کر چلے گئے۔

پھرایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوااور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ نے (خیبر کے دوقبیلوں) بنوقریظہ اور بنونظیر کی سردار عورت ''صفیہ بنت حیی'' دحیہ کلبی کودے دی، حالاں کہ (مرتبہ کے اعتبار سے) وہ توصرف آپ کے لائق ہے، (کسی اور کے نہیں)، اس پر آپ علیہ السلام نے حکم فرمایا کہ دحیہ اور صفیہ دونوں کو بلاؤ، (جب دونوں پہنچ گئے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کی طرف دیکھا (توانہیں چہرے مہرے سے ویساہی پایا، جیسا سنا تھا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کوفرمایا کہ (اس صفیہ کوچھوڑ کراس کے بدلہ) کوئی اور باندی منتخب کرلو،

راوی کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطوراکرام) حضرت صفیہ بنت حیی کوآزاد کردیااوران سے رشتہ ازدواج قائم فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد ثابت نے ان سے پوچھا کہ اے ابو حمزہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کوبطورمہر کیا عطا فرمایا تھا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضرت صفیہ کوآزاد کردینا ہی ان کا حق مہر قرار پایا۔

پھر خیبر کے راستہ میں ہی اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت صفیہ کو (بناؤ سنگھار کرکے) دلہن بنایا، اور (شب عروسی کے لیے) رات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح دولہا ہونے کی حالت میں کی۔ پھر (صبح کو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے پاس (کھانے پینے کا) جوکچھ (سامان) ہو، وہ لے آئے، اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (چمڑے کا) ایک دسترخوان بچھادیا۔

پس کوئی شخص کھجور لے کر حاضر ہوا اور کوئی شخص گھی لایا، راوی عبدالعزیز کا بیان ہے کہ میرا گمان ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ستو (لانے کا) بھی بیان فرمایا تھا، الغرض! لوگوں نے (سب کچھ ملا کر) حیس (ملیدہ) تیار کیا (پھر سب نے مل کر تناول فرمایا)، اور یہی سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ولیمہ تھا"۔

تراجم رجال

اس کے تمام راوی کتاب الایمان، باب "حب الرسول من الإيمان" کی دوسری حدیث میں گذر چکے ہیں، تفصیلی حالات وہاں ملاحظہ فرمائیں (۱)۔

شرح حدیث

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم غزا خيبر

راوی بیان کرتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر کے لیے روانہ ہوئے۔

غزوہ خیبر کب ہوا؟

خیبر ایک شہر کا نام ہے، خیبر مدینہ منورہ سے شمال مشرق میں آٹھ منازل کے فاصلے پر شام کی طرف واقع ہے، اس علاقے میں کھجور کے درخت بکثرت پائے جاتے ہیں، یہود کی زبان میں خیبر "قلعہ" کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے بنی اسرائیل میں سے یہاں سب سے پہلے آنے والا شخص خیبر نامی تھا، اس کے نام پر ہی یہ شہر آباد ہوا۔ اسلام کی ابتداء میں یہاں دو قبیلے بنوقریظہ اور بنونظیر آباد تھے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ صلح حدیبیہ سے لوٹنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحجہ کا پورا مہینہ اور محرم کے ابتدائی کچھ ایام مدینہ منورہ میں ہی ٹھہرے رہے، پھر خیبر کی طرف کوچ کیا، اور محرم کے باقی ایام اسی غزوے میں گذرے، یہ ہجرت نبوی کا ساتواں سال تھا (۲)۔

نوٹ غزوہ خیبر کے تفصیلی وجزوی واقعات کتاب المغازی میں مفصل آرہے ہیں۔

---

(۱) كشف الباري: ۱۱/۲

(۲) التوضيح لابن ملقن: ۳۲۰/۵، عمدة القاري: ۱۲۴/٤، طبقات ابن سعد: ۱۰٦/۲، سيرة ابن هشام: ۳۷۸/۳

فصلينا عندها صلاة الغداة بغَلَس

پھر ہم نے خیبر (کے قریب ہی سرحدی علاقے) میں صبح کی نماز (پہلے وقت میں) اندھیرے میں ہی ادا کرلی۔

"عندها" سے مراد "خارجاً منها" ہے کہ ہم نے شہر کی آبادی سے باہر نماز ادا کی (۱)۔

"صلاة الغداة": فجر کی نماز کے لیے "صلاة الغداة" کا لفظ استعمال کیا، اس میں ان کے خلاف دلیل ہے جو نماز فجر کے لیے اس لفظ کے استعمال کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ "روضۃ الطالبین" میں لکھتے ہیں: صبح کو "فجر" یا "الصبح" کہتے ہیں، اور اس کا وقت "غداة" کا ابتدائی وقت ہے، نماز فجر کو "الغداة" کہنا ناپسندیدہ ہے (۲)۔

نماز فجر کا وقت

نماز فجر کے وقت مستحب کے بارے میں صاحب ہدایۃ المجتہد لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فجر کا مستحب وقت یہ ہے کہ اسفار، یعنی: جب اندھیرا چھٹ جائے اور روشنی پھیل جائے تو نماز فجر ادا کی جائے، جبکہ ائمہ ثلاث کے نزدیک نماز فجر کے مستحب وقت میں ادا کرنے کے لیے ضروری ہے، کہ تغلیس، یعنی، اندھیرے میں نماز ادا کی جائے (۳)۔

احناف کے مذہب کے بارے میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ نمازی کے لیے مستحب ہے کہ فجر کی نماز کی ابتداء اور انتہا، اسفار میں کرے، اور اسفار کی حد یہ ہے کہ ایسے وقت میں نماز ادا کرے کہ بصورتِ فساد یہ شخص سورج نکلنے سے قبل وضو کر کے مسنون قرأت کے ساتھ نماز ادا کر سکے۔

اور یہ حکم سردی اور گرمی کے اعتبار سے مطلق ہے سوائے مزدلفہ کے کہ اس وقت حاجی نمازِ فجر اندھیرے میں ادا کرے گا (۴)۔

---

(۱) فتح الباري: ۲/۶۳۳، إرشاد الساري: ۲/۳۲

(۲) روضة الطالبين، كتاب الصلاة، باب الأول في المواقيت: ۱/۲۹۳

(۳) بداية المجتهد، كتاب الصلاة، الباب الأول في معرفة الأوقات، المسئلة الخامسة: ۱/۹۷

(۴) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ۱/۵۸

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں راوی کا تغلیس کو خاص طور سے ذکر کرنا، گویا اس کو نئی بات سمجھنے کے مترادف ہے، جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت شریفہ ''غلس'' میں نماز صبح ادا کرنے کی نہ تھی، پھر یہ کہ ایسا کرنا غزوہ کی وجہ سے تھا کہ نماز سے جلد فارغ ہو کر جہاد میں مشغول ہوں، نہ اس لیے کہ نماز کی سنت وہی تھی، کیوں کہ سفر کی حالت میں تھے اور سب صحابہ ایک جگہ موجود تھے، ایسے وقت حنفیہ بھی یہی تعلیم کرتے ہیں۔ اس موقع پر حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر سو دفعہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غلس میں نماز پڑھنا ثابت ہو جائے، تب بھی حنفیہ کو مضر نہیں ہے، البتہ مضر جب ہے کہ ان کے پاس اسفار کے لیے کوئی حدیث نہ ہو۔

مبسوط امام محمد میں ہے کہ اگر جماعت کے لوگ سب موجود ہوں تو صبح کی نماز میں تغلیس کی جائے اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے اسفار کو اس طرح افضل کہا کہ نماز کی ابتداء تو غلس میں ہو اور ختم اسفار میں، حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں بھی مختار طحاوی ہی کو اختیار کرتا ہوں، خصوصاً اس لیے کہ وہ امام محمد رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے، اور اس میں تمام احادیث جمع ہو جاتی ہیں، کیونکہ بعض میں اسفار کا حکم آیا ہے، کسی میں ہے کہ آپ نے غلس میں نماز پڑھی، اسی لیے فقہ کی کتب فتاوی میں جو اسفار کی فضیلت لکھی ہے کہ شروع میں بھی اسفار میں ہو اور ختم بھی، اسی کو اختیار کرنے سے غلس والی احادیث معمول بہا نہیں رہتیں، بلکہ جب اسفار مذکور کو ہی افضل قرار دیا جائے گا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثری عمل کو مفضول قرار دینا پڑے گا، جس کی جرأت کوئی عاقل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا مختار امام طحاوی رحمہ اللہ ہی اولی بالقبول ہے(۱)۔

فركب نبيّ والله صلى الله عليه وسلم

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہوئے۔

(۱) أنوار الباري: ۱۱/۱۲۵، فيض الباري: ۲/۲۲

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس جانور پر سوار تھے؟

سواری کون سی تھی؟ علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک ضعیف حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ گدھے پر سوار تھے، لیکن بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ آپ گدھے پر نہیں، بلکہ گھوڑے پر سوار تھے، جیسا کہ روایت کے آنے والے الفاظ "أجری في زقاق خیبر حتیٰ انحسر الإزار عن فخذه" سے معلوم ہوتا ہے۔

اور پھر دونوں باتیں اسی طرح جمع ہو سکتی ہیں کہ دوران محاصرہ گدھے پر سوار ہوں اور بوقتِ حملہ گھوڑے پر سوار ہوں(۱)۔

ورکب أبو طلحة وأنا ردیف أبي طلحه

اورابوطلحہ بھی (گھوڑے) پرسوار ہوئے اس حال میں کہ میں بھی ان کے ساتھ ان کے پیچھے سوار ہوا۔

أبو طلحه

یہ "زید بن سہل الانصاری رضی اللہ عنہ" ہیں، ان کا تذکرہ، کتاب الوضو، باب: "الماء الذي یغسل به شعر الإنسان" میں گذر چکا ہے۔

یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ کے شوہر تھے(۲)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اُبوطلحہ کا ردیف تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح سوار ہونا جائز ہے، بشرطیکہ سواری اس کی متحمل ہو سکے(۳)۔

فأجریٰ نبيّ الله صلی الله علیه وسلم في زقاق خیبر

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری کو خیبر کی گلیوں میں دوڑایا۔

"أجریٰ" فعل کا مفعول بہ "مرکوبه" ہے۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱۲٤/٤

(۲) شرح الكرماني: ٣١/٤، عمدة القاري: ١٢٤/٤

(۳) فتح الباري: ٦٣٣/٢

"زُقاق" زا کے ضمہ کے ساتھ ہے، اس کی جمع "أزِقّہ" اور "زُقّان" آتی ہے، یہ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے(۱)۔

ثم حسر الإزار عن فخذه

راوی بیان کررہے ہیں کہ "پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران سے کپڑا ہٹالیا، اس بارے میں مکمل تفصیل اور جوابی احتمالات گذشتہ صفحات میں بیان ہوچکے ہیں۔ مزید یہ ہے کہ اشکالات اس وقت ہوتے ہیں جب "حسر" ماضی معروف کا صیغہ ہو (اگرچہ ماقبل میں یہ بات گذرچکی ہے کہ "حسر" متعدی بھی استعمال ہوتا ہے، پھر اس وقت کوئی اشکال باقی نہیں رہتا)۔

لیکن بقول علامہ عینی وحافظ ابن حجر رحمہما اللہ یہ ماضی مجہول کے صیغے کے ساتھ بھی مروی ہے، اگر ایسا ہو تو بھی کوئی اشکال نہیں رہتا، اس لیے کہ اس وقت اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ غیر اختیاری طور پر آپ کی ران سے ازار ہٹ گیا، اس معنیٰ کی تائید مسلم اور مسند احمد کی روایت سے بھی ہوتی ہے، جیسا کہ گذر چکا۔

نیز ایک روایت کے مطابق یہ لفظ "خر" ہے نہ کہ "حسر" اگر ایسا ہو تو بھی اس کے معنیٰ وہی ہوں گے، جو حُسِرَ اور انحسر کے ہیں، یعنی لازم والے(۲)۔

حتیٰ إني أنظر إلی بیاض فخذ نبيّ الله صلی الله علیه وسلم

یہاں تک کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کی سفیدی بھی دیکھ لی۔ اس نسخے کے مطابق تو "أنظر" کا لفظ ہے۔ جب کہ کشمیہنی کی روایت میں لام تاکید کے ساتھ "حتی إني لأنظر" کے الفاظ ہیں(۳)۔

فلما دخل خیبر

"پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہر خیبر میں داخل ہوئے"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گلیاں اور راستے شہر خیبر سے خارج تھے نہ کہ داخل(۴)۔

(۱) معجم الصحاح، ص: ٤٥٣، النهاية في غريب الحديث والأثر: ٧٢٦/١

(٢) فتح الباري: ٦٣٥/٢، عمدة القاري: ١٢٥/٤، تحفة الباري: ٢٩٣/١، التوضيح لابن ملقن: ٣٢٦/٥

(٣) فتح الباري: ٦٣٣/٢، عمدة القاري: ١٢٥/٤

(٤) شرح الكرماني: ٣١/٤، عمدة القاري: ١٢٥/٤، تحفة الباري: ٢٩٤/١

قال: الله اكبر، خربت خيبر، إنا إذا نزلنا بساحة قوم، فساء صباح المنذرين

علامہ ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں سے جنگ کے وقت ذکر اللہ اور تکبیر بلند کرنے کا مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ آیتِ قرآنی کے موافق ہے: ﴿يأيها الذين أمنوا إذا لقيتم فئةً، فاثبتوا واذكروا الله كثيراً﴾(۱).

"خربت خيبر" یعنی: شہر خیبر اجڑ گیا و برباد ہوگیا، اس میں فساد برپا ہوگیا۔

وقت سے قبل ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح خبر دینا غیب کی خبریں (جو من جانب اللہ معلوم ہوتی تھیں) بتانے سے متعلق ہے، یا اچھی فال کی خاطر ان کے خلاف بددعا کی قبیل سے ہے(۲)۔

"إنا إذا نزلنا" اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم جب لڑائی کے لیے اترتے ہیں۔

"بساحة قوم" کسی قوم کے آنگن، صحن میں، یعنی: گھروں کے آگے جو خالی جگہ یا میدان ہوتا ہے، اس جگہ میں جب ہم داخل ہوتے ہیں۔

"ساحة الدار" کہتے ہیں گھر کی ایک طرف والی جانب کو۔ اس کی جمع ساحات، سَاح اور سُوح بھی آتی ہے(۳)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "ساحة" کا اصل معنیٰ ہے، منازل کے درمیان کی خالی فضاء، البتہ بعد میں یہ گھر کی کوئی جانب پہلو اور تعمیر پر استعمال ہونے لگا(۴)۔

"فساء صباح المنذرين" تو ڈرائے ہوؤں کی صبح بری ہوتی ہے، یعنی جب ہم صبح ہی صبح کسی قوم پر حملہ کرتے ہیں، تو ان کے دلوں میں ہمارا خوف بیٹھ جاتا ہے، جس کی بناء پر وہ مقابلہ کرنے کی سکت کھو بیٹھتے ہیں اور ہم ان پر غالب آجاتے ہیں اور انہیں زیر کر لیتے ہیں۔

---

(۱) الأنفال: ٤٥

(۲) التوضيح لابن ملقن: ٣٢٦/٥، عمدة القاري: ١٢٥/٤، إرشاد الساري: ٢٢/٢

(۳) معجم الصحاح، ص: ٥٢٢، لسان العرب: ٤١٩/٦

(٤) عمدة القاري: ١٢٥/٤

قالها ثلاثاً

راوی کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نعرہ تکبیر اور مذکورہ جملہ تین بار فرمایا، اس پر صاحب التوضیح رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ قرآن پاک میں جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿واذکرو اللہ کثیرا﴾ میں کثیراً کے لفظ سے تین مرتبہ کا عدد مراد ہوسکتا ہے، جیسا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی اقدام (یعنی: تین بار یہ جملہ کہنے) سے سمجھ آرہا ہے(۱)۔

وخرج القوم إلى أعمالهم

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "إلى أعمالهم" میں أعمالهم سے قبل مضاف محذوف ہے، یعنی: "إلى مواضع أعمالهم". (۲)

اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک تو مطلب یہ ہوگا کہ "خرج القوم لأعمالهم التي كانوا يعملونها" کہ لوگ اپنے اپنے کاموں کی طرف نقل رہے تھے۔ جو بھی وہ کرتے تھے۔ کلمہ "إلى" اس جگہ "لام" کے معنیٰ میں ہے(۳)۔

فقالوا محمد

اہلِ خیبر نے جوں ہی نبی علیہ السلام کو اور لشکرِ اسلام کو دیکھا تو کہا کہ "محمد آگئے"۔

لفظ "محمد" مرفوع ہے، خبر ہونے کی بناء پر کہ اصل میں "هذا محمد" تھا یا فاعل ہونے کی بنیاد پر کہ "جاء" فعل محذوف کی خبر بنے گا(۴)۔

قال عبدالعزيز: وقال بعض أصحابنا والخميس، يعني: الجيش

عبدالعزیز (راوی) نے فرمایا کہ میرے ساتھیوں میں سے کسی نے روایت کرتے ہوئے (اس جگہ لفظ

---

(۱) التوضيح لابن ملقن: ٣٢٧/٥

(۲) شرح الكرماني: ٣٢/٤

(۳) عمدة القاري: ١٢٥/٤، إرشاد الساري: ٣٢/٢

(٤) شرح الكرماني: ٣٢/٤، الكوثر الجاري: ٥٤/٢

محمد کے ساتھ)"والخمیس" کالفظ بھی کہا ہے اور خمیس کا مطلب، جیش، یعنی لشکر ہے۔

یعنی: راوی عبدالعزیز نے "لفظِ خمیس" اپنے استاذ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا، بلکہ اپنے کسی ساتھی سے سنا ہے(۱)۔

اب یہ کون شخص تھا؟ اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس جگہ کوئی وضاحت نہیں کی، لیکن کتاب صلاۃ الخوف میں ذکر کردہ روایت کے مطابق عبدالعزیز کے ساتھی "ثابت البناني" رحمه الله ہیں، صحیح مسلم میں بھی اس روایت کی تخریج کی گئی ہے اور ایک احتمال "ابن سیرین" کا بھی ہے، جیسا کہ بخاری کی کتاب المغازی باب غزوۃ الخیبر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے(۲)۔

یعني: الجیش:

یہ لفظ عبدالعزیز راوی یا اس کے بعد والے راویوں میں سے کسی کا کلام ہے(۳)۔

جیش کو خمیس کہنے کی وجہ

دراصل لشکر کے پانچ حصے ہوتے ہیں: مقدمہ، ساقہ، قلب اور جناحان۔ ان پانچ حصوں میں تقسیم کی وجہ سے جیش کو خمیس کہا جاتا ہے اور ایک روایت کے مطابق یہ "تخميس الغنيمة" سے ہے(۴)۔

قال: فأصبناها عنوةً

راوی کا بیان ہے کہ ہم نے خیبر کو قوت کے ساتھ فتح کیا نہ کہ صلح کے ساتھ "عنوة" عین کی فتح کے ساتھ قہراً، جبراً کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "عنوۃ" کے ایک معنیٰ "صلحاً" سے بھی کیے جاتے ہیں تو اس وقت یہ

---

(۱) فتح الباري: ٢/٦٣٤

(۲) صحيح البخاري، كتاب صلاة الخوف، باب التكبير والغلس بالصبح، رقم الحديث: ٩٤٧، وفي كتاب المغازي، باب غزوة الخيبر، رقم الحديث: ٤١٩٨، صحيح مسلم، كتاب الجهاد، غزوة الخيبر، رقم الحديث: ١٣٦٥

(۳) فتح الباري: ٢/٦٣٤

(٤) شرح الكرماني: ٤/٣٢، فتح الباري: ٢/٦٣٤، تحفة الباري: ١/٢٩٤

لفظ اُضداد میں سے شمار کیا جائے گا، لیکن اُبوعمر ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس بات کو صحیح قرار دیا ہے کہ خیبر کی ساری آراضی غلبہ سے فتح ہوئی ہے نہ کہ صلح کے ساتھ (۱)۔

حضرت کشمیری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عند الحنفیہ فتح خیبر عنوۃً وغلبۃً ہے نہ کہ صلحاً، جب کہ شوافع کے نزدیک خیبر پر فتح صلحاً ہے، چنانچہ یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر مستقل باب قائم کر کے تفصیلی بات کی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اس بات پر بہت متحیر رہتا تھا کہ اس غزوہ میں تو بہت ساری لڑائیاں ہوئی ہیں، تو پھر اس کو کیسے صلحاً فرماتے ہیں، تو پھر بعد میں مجھ پر واضح ہوا کہ چونکہ آخر میں صلح ہی کی نوبت آئی تھی اس لیے اس فتح کو صلحاً سے تعبیر کر دیا اور اب ابتدائی حالات سے صرفِ نظر فرمالی۔ واللہ اعلم (۲)۔

فجمع السبي

پھر قیدیوں کو جمع کیا گیا۔

حضرت کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "سبی" سے مراد یہودیوں کی عورتیں اور بچے تھے، نہ کہ ان کے مرد اس لیے کہ خیبر کے یہودی عرب تھے اور احناف کے نزدیک جنگ میں عربوں کے لیے صرف دو راستے تھے یا تو وہ اسلام قبول کر لیں یا پھر انہیں قتل کر دیا جائے گا (۳)۔

فجاء دحية، فقال يا نبي الله! أعطني جارية من السبي

پس حضرت دحیہ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس) تشریف لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ! قیدیوں میں سے ایک باندی مجھے عنایت فرمادیں۔

دحية

یہ "دحیہ بن خلیفہ بن فروہ بن وفضالۃ بن زید الکلبی رضی اللہ عنہ" ہیں۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱۲۸/٤، التوضيح لابن ملقن: ٣٢٧/٥

(۲) فيض الباري: ۲۳/۲، أنوار الباري: ۱۲۸/۱۱

(۳) فيض الباري: ۲۳/۲، أنوار الباري: ۱۲۸/۱۱

ان کا تفصیلی تعارف، کتاب بدء الوحی کی چھٹی حدیث کے تحت گذر چکا ہے(۱)۔

''دحیہ'' لفظ دال کی فتحہ اور کسرہ طرح مستعمل ہے۔

قال: إذهب، فخذ جارية

حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کے مطالبہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا کہ جاؤ اور (اپنے لیے) ایک باندی لے لو۔

تقسیمِ غنیمت سے قبل کسی کو کچھ دینے کا حکم؟

اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مالِ غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو باندی لینے کا حکم کیسے فرمایا؟

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کا جواب

اس اشکال کا جواب علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت قاسم ان کا حصہ ان کو انفراداً دے دیا، اور اس کا آپ کو اختیار بھی تھا، تو اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں (۲)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کا جواب

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کے اس جواب پر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جواب تسلی بخش نہیں ہے، بلکہ اس جگہ اور بہت سے عمدہ جوابات موجود ہیں:

جواب نمبر ۱: ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں باندی لینے کی اجازت بطورِ تنفیل دی ہو نہ کہ بطور غنیمت، اور ایسا کرنا جائز ہے۔

جواب نمبر ۲: یہ بھی ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا، اس طور پر ہو کہ تقسیمِ غنائم کے بعد خمس سے اس کو شمار کر لیا جائے گا۔

جواب نمبر ۳: اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت اجازت دی گئی، اس لیے کہ جب بوقتِ تقسیم ان کا حصہ

---

(۱) كشف الباري، كتاب بدء الوحي، حديث: ٦، ١/٥١٨

(۲) شرح الكرماني: ٤/٣٢

متعین ہوگا، تو یہ باندی اس میں سے منہا کرلی جائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب (۱)۔

فأخذ صفية بنت حيي

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجازت دینے کے بعد حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کو منتخب کیا۔

صفيه بنت حيي رضي الله عنه

یہ "ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا" ہیں۔

ان کا تذکرہ کتاب الحیض، باب: "المرأة تحيض بعد الأفاضة" میں گذر چکا ہے (۲)۔

فجاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يارسول الله! أعطيت دحية صفية بنت حيي سيدة قريظة والنضير، لاتصلح إلا لك

پھر ایک شخص آکر کہنے لگا کہ یارسول اللہ! آپ نے قریظہ اور نضیر قبیلوں کی شہزادی دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو دے دی، حالانکہ وہ تو صرف آپ کے ہی لائق ہے۔

وہ کسی عام بندے کے لائق نہیں ہے، اس لیے کہ وہ خانوادۂ نبوت سے تعلق رکھتی ہے، اس طور پر کہ اس کا نسب حضرت ہارون علیہ السلام سے ملتا ہے اور یہود کے دو بڑے قبیلوں بنوقریظہ اور بنونظیر کے سردار کی بیٹی ہے اور بہت زیادہ حسین وجمیل بھی ہے اور دوسری طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے اخلاق حمیدہ کی وجہ سے تمام انسانوں سے کامل انسان ہیں، لہٰذا وہ قیدی عورت تو آپ کے پاس ہونی چاہیے (۳)۔

قال: ادعوه بها

اس آنے والے کی بات سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دحیہ کلبی کو کہو کہ صفیہ بنت حیی کو لے کر آئے۔

---

(۱) عمدة القاري: ٤/١٢٦، ١٢٧

(٢) كشف الباري، كتاب الحيض، باب "المرأة تحيض بعد الإفاضته".

(٣) إرشاد الساري: ٢/٣٣

چنانچہ لوگوں نے ان تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔

فجآء بها: "فلما نظر إليها النبي صلى الله عليه وسلم قال: "خذ جارية من السبي غيرها"

پس جب حضرت دحیہ کلبی (حضرت) صفیہ رضی اللہ عنہا کو لے کر (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں) پہنچ گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کی طرف دیکھا (تو چہرے مہرے سے ویسا ہی پایا، جیسا سنا تھا) تو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ (اسے چھوڑ کر) اس کے علاوہ کوئی اور باندی لے لو۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ کو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے واپس لینے کی حکمت

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ صفیہ کو چھوڑ دو اور اس کی جگہ کوئی دوسری باندلی لے لو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اس پر علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے ایک اشکال ذکر کر کے اس کے تین جواب ذکر کیے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو بطورِ ہبہ حضرت صفیہ دے دی، تو اس میں رجوع کیسے اور کیونکر کرلیا؟

چنانچہ پہلا جواب یہ دیا کہ ابھی تک ہبہ تام نہ ہوا تھا (لہٰذا اشکال کی کوئی بات نہیں) دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم أبو المؤمنین ہیں اور والد کے لیے جائز ہے کہ اپنی اولاد کے ہبہ میں رجوع کرنا چاہے تو کرلے۔

اور تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہبہ میں رجوع نہیں کیا، بلکہ باقاعدہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے حضرت صفیہ کو خریدا تھا (۱)۔

علامہ سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے حضرت صفیہ کو تقسیم سے قبل ہی واپس لے لیا تھا، اور جو بدل کے طور پر دیا تھا وہ علی سبیل التنفیل دیا تھا نہ کہ علی سبیل البیع (۲)۔

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/٣٣، تحفة الباري: ١/٢٩٤

(۲) سبل الهدى والرشاد: جماع أبواب سيرته في المعاملات، الباب الثاني: في شرائه وبيعه، السادس: في اشترائه الحيوان متفاضلاً وامتاعه من التسعير: ٩/٢٤

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حماد بن سلمہ کی جو روایت مسلم شریف میں عن ثابت عن انس سے مروی ہے اس میں ہے کہ صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی تھیں اور انہی کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کے بدلہ دس غلام دیئے اور ان کو خرید لیا۔ دونوں باتوں میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ اس جگہ اس کے سہم سے مراد ان کا وہ حصہ ہے جو انہوں نے خود اپنے لیے منتخب کرلیا تھا، وہ اس طور پر کہ جب انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک باندی کا مطالبہ کیا تو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک باندلی لے لینے کی اجازت دے دی، پس انہوں نے حضرت صفیہ کو لے لیا۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ وہ تو ایک شہزادی ہے، اور ایسی باندیاں مرتبے کے اعتبار سے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ جیسے اصحاب کو نہیں دی جاسکتی، اس لیے کہ صحابہ میں حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے بھی بڑے مرتبے کے افراد موجود تھے اور قیدیوں میں حضرت صفیہ جیسی باندیاں بہت کم تھیں، اس طرح ایسی باندی حضرت دحیہ کو دینے سے بعض کی دل شکنی متوقع تھی، تو مصلحتِ عامہ یہی تھی کہ ان کو حضرت دحیہ سے واپس ہی لے لیا جاتا اور پھر جو عمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہ اس کو اپنے لیے خاص کرلیا اس میں تو سب کی رضامندی شامل ہوگئی۔ اس کو ہبہ سے رجوع نہیں کہا جاسکتا۔

اور اس پر خرید وفروخت کا اطلاق کرنا بھی مجازاً ہے نہ کہ حقیقتاً، شاید کہ اولاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت صفیہ کے چچا کی بیٹی اور دوسری روایت میں ان کے خاوند کے چچا کی بیٹی عنایت کی اور جب ان کی دل خواہش نہ ہوا تو پھر ان کو اور بہت سارے غلام دے دیئے۔ جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے کہ سات غلام دے کر ان سے لے لیا۔(۱)

قال: فأعتقها النبي صلى الله عليه وسلم وتزوجها

راوی (حضرت انس رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ

(۱) فتح الباري، غزوة خيبر، رقم الحديث: ۴۲۰۱، ۹/۵۹۶

عنہا کو آزاد کیا اور ان سے نکاح کرلیا۔

ابن ملقن رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آقا کے لیے اپنی باندی کو آزاد کر کے اسی سے نکاح کر لینا مستحب ہے اور ایسے شخص کے لیے اس کے اس عمل پر دوہرا اجر ہوگا۔(۱)

جیسا کہ کتاب العلم میں حدیث نبوی علیہ السلام گزر چکی ہے کہ:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "ثلاثة لهم أجران: رجل من أهل الكتاب، آمن بنبيّه وآمن بمحمد صلى الله عليه وسلم، والعبد المملوك إذا أدى حق الله وحق مواليه، ورجل كانت عنده أمة يطؤها، فأدّبها فأحسن تأديبها، وعلّمها فأحسن تعليمها، ثم أعتقها فتزوجها، فله أجران".(۲)

مذکورہ حدیث میں تین افراد کے لیے دوہرے اجر کی خوشخبری دی گئی، ان میں سے تیسرا وہ شخص ہے، ''جس کے پاس کوئی باندی ہو، اسے اس نے ادب سکھایا اور خوب اچھی طرح سکھایا، اسے تعلیم دی اور اچھی تعلیم دی، پھر اُسے آزاد کیا اور پھر اس کے ساتھ نکاح کرلیا''۔

حضرت کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ جب کسی کو اس شرط پر آزاد کیا جائے کہ اس آزادی کی وجہ سے وہ آزاد کرنے والا اس سے شادی کرے گا تو ازسرِ نو ایجاب وقبول کرنے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ اعتاق کے الفاظ سے ہی ان کا نکاح منعقد ہو جائے گا۔

حالانکہ مذکورہ حدیث کے الفاظِ بالا (فأعتقها النبي صلى الله عليه وسلم وتزوجها) سے معلوم ہوتا ہے کہ عقدِ نکاح کے لیے الگ سے ایجاب وقبول ضروری ہے، نفسِ اعتاق تزویج کے قائم مقام نہ ہوگا۔(۳)

---

(۱) التوضيح لابن ملقن: ۵/ ۳۳۰

(۲) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب: تعليم الرجل أمته وأهله، رقم الحديث: ۹۷

نوٹ: مذکورہ حدیث کی مکمل تخریج، کشف الباری: ۳/ ۵۹۰ پر گزر چکی ہے۔

(۳) فيض الباري: ۲/ ۳۲

فقال له ثابت: يا أبا حمزة، ما أصدقها؟ قال: نفسها، أعتقها وتزوجها

''ثابت بنانی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے ابوحمزہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بطورِ حق مہر کیا دیا تھا؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضرت صفیہ کو آزاد کر دینا ہی ان کا حقِ مہر قرار پایا تھا''۔

حضرت کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حنفیہ کہتے ہیں کہ صورتِ واقعہ اس طرح تھی کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اولادِ ہارون علیہ السلام سے تھیں، اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر احسان کر کے آزاد کر دیا، پھر نکاح معروف طریقے پر کر لیا اور چونکہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے احسانِ اعتاق کے بدلے میں اپنا مہر معاف کر دیا اور کچھ نہ لیا تو راوی نے اس کو اس طرح تعبیر کر دیا کہ آزاد کر دینا ہی مہر ہو گیا۔ (۱)

قال نفسها

سائل کے جواب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کی ذات (یعنی: ان کی آزادی) ہی حق مہر تھی۔

اس پر حضرت کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ مآل اور انجام کا بیان ہے، یعنی جب حضور علیہ السلام نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا اور انہوں نے اپنا مہر ساقط کر دیا تو مہر بجز ان کی ذات کے الگ سے کوئی چیز باقی نہ رہی، کیونکہ سقوطِ مہر کی وجہ سے ظاہری طور پر کسی چیز کا لینا ہوا نہ دینا، بل کہ ان کی ذات ہی تھی، جس کو لیا دیا گیا، لہٰذا یہ تعبیر عرفی تھی، کسی فقہی مسئلہ کا بیان نہیں۔

میرا ظنِ غالب یہی ہے کہ اس واقعہ میں حضور علیہ السلام نے پہلے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور پھر نکاح فرمایا، تا کہ مطابق حدیثِ مذکور کتاب العلم کے ڈبل اجر حاصل کریں''۔ (۲)

(۱) أنوار الباري: ۱۱/ ۱۲۸، ۱۲۹

(۲) أنوار الباري: ۱۱/ ۱۲۹

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ کنایہ ہے عدمِ مہر سے (یعنی: آپ علیہ السلام نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بطورِ مہر کوئی چیز نہیں دی، اور) یہ اس بناء پر تھا کہ قرآنِ پاک میں تصریح ہے: ﴿وامرأة مؤمنة، إن وهبت نفسها للنبي﴾. (الأحزاب: ٥٠) (کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے لیے اس مؤمنہ عورت کو بھی حلال کر دیا جو اپنے آپ کو بغیر کسی مہر وغیرہ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کردے)۔

لیکن نکاح بلامہر کا جواز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، جیسا کہ آگے فرمایا: ﴿خالصة لك من دون المؤمنين﴾. (کہ مذکورہ باتیں آپ کی خصوصیات میں سے ہیں، جن میں دوسرے مؤمنین شامل نہیں) (۱)

آزادی (عتق) حق مہر بن سکتی ہے یا نہیں؟

حدیثِ مذکور کے اس مقام پر ایک اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ کسی باندی کو آزاد کرنا اس کا حقِ مہر بن سکتا ہے یا نہیں؟!

اس بارے میں حدیث کے ظاہر الفاظ کے مطابق (کہ عتق حق مہر بن سکتا ہے) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور احناف میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور ان کا مستدل یہی حدیث مبارکہ ہے۔ (۲)

اور ان کے بالمقابل جمہور ائمہ ہیں (۳)، جن میں امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام محمد اور امام

---

(۱) فضل الباري: ۵۰/۳

(۲) المغني لابن قدامة، كتاب النكاح، فصل إن اتفق السيد وأمته على أن يعتقها وتزوجه نفسها: ۴۵۷/۹

المقنع والشرح الكبير والإنصاف، كتاب النكاح، رقم المسألة: ۳۱۲۵، وإذا قال السيد لأمته اعتقتك وجعلت عتقك صداقك: ۲۳۴/۲۰

كشف القناع عن متن الإقناع، كتاب الصداق: ۱۱۹/۴

شرح الزركشي على مختصر الكرخي، كتاب النكاح: ۱۲۳/۶

(۳) فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في الوكالة بالنكاح وغيرها: ۳۴۲/۳

بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل مايصح تسمية مهراً: ۴۹۹/۳ .... =

زفر رحمہم اللہ ہیں، ان حضرات کے نزدیک عتق حق مہر نہیں بن سکتا۔

جمہور کے نزدیک حدیثِ باب کا مطلب یہ ہوگا کہ

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اولاً آزاد کیا، پھر ان سے مہر کے بغیر نکاح کرلیا، اور بغیر مہر کے نکاح کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز تھا، آپ علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کے لیے جائز نہیں، اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے شمار کیا گیا ہے۔(۱)

ابن العربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کے معاملے میں ایک خصوصی اور امتیازی شان رکھتے ہیں، ایسا کرنا آپ علیہ السلام کے لیے تو جائز تھا، لیکن آپ کے علاوہ کسی اور کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔(۲)

ایک دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ

آپ علیہ السلام نے ان کو بلاعوض آزاد کیا، پھر انہوں نے اپنا آپ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کردیا،

- البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۲۷۵/۳

بذل المجهود، كتاب النكاح، باب الرجل يعتق أمته ثم يتزوجها: ۵۹۶/۷

حاشية الدسوقي، كتاب النكاح، فصل في أحكام الصداق: ۳۰۳/۲

مواهب الجليل شرح مختصر الخليل، كتاب النكاح، باب في النكاح، فصل: ۱۳۱/۵

بداية المجتهد، كتاب النكاح، هل يصح أن يكون العتق صداقاً؟: ۲۴۰/۴

المهذب، كتاب الصداق، فصل العتق بشرط الزواج: ۱۹۷/۴

المجموع، كتاب النكاح، كتاب الصداق، فصل وإن اعتق رجل أمته على أن يتزوج به: ۱۴/۱۸

الحاوي في فقه الشافعي، كتاب النكاح، باب ما على الأولياء: ۸۵/۹

(۱) شرح معاني الآثار، كتاب النكاح، باب الرجل يعتق أمته على أن أعتقها صداقها: ۱۳/۲

معالم السنن للخطابي، ومن باب الرجل يعتق أمته ثم يتزوجها: ۱۸۲/۳، ۱۸۳

المنهاج شرح صحيح مسلم، كتاب النكاح، أقلّ الصداق: ۲۲۱/۹

بذل المجهود، كتاب النكاح، باب الرجل يعتق أمته ثم يتزوجها: ۵۹۶/۷

(۲) عارضة الأحوذي، باب ماجاء في الرجل يعتق الأمة ثم يتزوجها: ۳۲/۳

اس صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مہر کی ادائیگی ضروری نہیں تھی، اس کی دلیل سورۃ الاحزاب کی وہ آیت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات گنوائی گئی ہیں اور منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ﴿وامرأة مؤمنة إن وهبت نفسها للنبي﴾ یعنی: اگر کوئی مومنہ عورت اپنی ذات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کردے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قبول فرمالیں تو وہ عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال ہے، یعنی اس سے بھی نکاح ہوجاتا ہے، اور اس کے عوض کوئی حق مہر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب نہیں ہوتا۔(۱)

ایک اور جواب دیا گیا ہے کہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ”حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ذات ہی ان کا حق مہر تھی“ ان کے اپنے خیال کے مطابق تھا، انہوں نے اس بات کو موصولاً بیان نہیں کیا۔(۲)

لیکن اس جواب پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:(۳)

یہ جواب درست نہیں ہے، اس لیے کہ یہ الفاظ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمائے، خود حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے بھی منقول ہیں، آپ نے فرمایا: ”أعتقني النبي صلى الله عليه وسلم وجعل عتقي صداقي“ اس روایت کی تخریج المصنف میں کی گئی ہے۔(۴)

نیز حافظ ابن صلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ”عتق“ مہر کے قائم مقام ہوگیا، اگرچہ یہ مہر نہیں

---

(۱) معالم السنن للخطابي، كتاب النكاح، باب الرجل يعتق أمته ثم يتزوجها: ۱۸۳/۳

شرح معاني الآثار، كتاب النكاح، باب الرجل يعتق أمته على أن أعتقها صداقها: ۱۳/۲

فتح الباري، كتاب النكاح، باب من جعل عتق الأمة صداقها، رقم الحديث: ۵۰۸۶، ۱۶۱/۱۱

بذل المجهود، كتاب النكاح، باب الرجل يعتق أمته ثم يتزوجها: ۵۹۶/۷

(۲) بذل المجهود، كتاب النكاح، باب الرجل يعتق أمته ثم يتزوجها: ۵۹۸/۷

فتح الباري، كتاب النكاح، باب من جعل عتق الأمة صداقها، رقم الحديث: ۵۰۸۶، ۱۶۱/۱۱

(۳) فتح الباري، كتاب النكاح، باب من جعل عتق الأمة صداقها، رقم الحديث: ۵۰۸۶، ۱۶۱/۱۱

(٤) المصنف لابن أبي شيبة، كتاب النكاح، باب في رجل يعتق أمته ويجعل عتقها صداقها

بنا، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کہے "الجوع زاد من لا زاد له" یعنی بھوک اس شخص کے لیے توشہ ہے جس کے پاس کوئی توشہ نہ ہو۔(۱)

امام ترمذی رحمہ اللہ کے ایک سہو کا بیان

اس مقام پر امام ترمذی رحمہ اللہ نے "باب ماجآء في الرجل يعتق الأمة ثم يتزوجها" قائم کر کے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی، اس کے بعد لکھا:

"والعمل على هذا عند بعض أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم، وهو قول الشافعي وأحمد وإسحاق"(۲)

یعنی: اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض کا عمل اسی پر ہے (کہ وہ آزادی کو ہی مہر قرار دیتے ہیں) اور یہی قول امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق رحمہم اللہ کا ہے۔

مطلب یہ کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس مقام پر امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا یہی مذہب بتایا ہے، حالانکہ عتق کا مہر بننے میں جواز کا مذہب صرف امام احمد رحمہ اللہ کا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کا نہیں، ان کا مذہب تو جمہور کے ساتھ، یعنی: عدمِ جواز کا ہے۔

اس کی تصریح حافظ ابن حجر اور امام نووی رحمہما اللہ نے کی ہے۔(۳)

حتى إذا كان بالطريق

یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستے میں ہی تھے کہ اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا بناؤ سنگھار کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دلہن بنایا۔

"بالطریق" اس جگہ "ب" في کے معنی میں ہے۔(۴)

---

(۱) فتح الباري: ۱۶۱/۱۱

(۲) جامع الترمذي، كتاب النكاح، باب ماجآء في الرجل يعتق الأمة ثم يتزوجها، رقم: ۱۱۱۵

(۳) فتح الباري، كتاب النكاح، باب من جعل عتق الأمة صداقها، رقم الحديث: ۵۰۸۶، ۱۶۱/۱۱

شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب النكاح، أقل الصداق: ۲۲۱/۹

(۴) الكوثر الجاري: ۵۶/۲

"الطريق" سے کیا مراد ہے؟

مذکورہ روایت میں ہے: "إذا كان بالطريق" جب کہ بخاری کی ہی دوسری روایات میں اس سے متعلق مزید وضاحت ہے، مثلاً:

کتاب البیوع کی ایک روایت میں ہے:

"فخرج بها حتى بلغنا سدّ الروحاء، فحلت، فبنىٰ بها".(۱)

یعنی، پڑاؤ والی جگہ کا نام "سدّ الروحاء" تھا۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

"فخرج بها، حتى بلغ بها سدّ الصهباءِ حلّت، فبنى رسول الله صلى الله عليه وسلم".(۲)

اس روایت کے مطابق پڑاؤ والی جگہ کا نام "سدّ الصهباء" تھا، نہ کہ "سدّ الروحاء".

روایت کے اس اختلاف کو سامنے رکھتے ہوئے ترجیح کس کو ہوگی؟! تو اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ علامہ ابن ملقن، علامہ عینی اور علامہ قسطلانی رحمہم اللہ نے کتاب الصلاۃ کی مذکورہ روایت کی تشریح میں اس مقام کے مصداق میں "سدّ الروحاء" کو اختیار کیا ہے۔(۳)

لیکن حافظ ابن حجر اور صاحب الکوثر الجاری "علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی" رحمہما اللہ نے اس مصداق کی تردید کرتے ہوئے اس مقام کا مصداق "سدّ الصهباء" اختیار کیا ہے۔(۴)

"الروحاء" مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے ایک مقام کا نام ہے، جو تقریباً ۳۰ سے ۳۹ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب: هل يسافر بالجارية قبل أن يستبرئها، رقم الحديث: ٢٢٣٥

(۲) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم الحديث: ٤٢١١

(۳) التوضيح لابن ملقن: ٥/٣٣٣، عمدة القاري: ٤/١٢٨، إرشاد الساري: ٢/٣٣

(٤) فتح الباري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم الحديث: ٤٢١٢، ٩/٦١٠، ٦١١، الكوثر الجاري: ٢/٥٦

"الصہباء" خیبر سے مدینہ کی طرف جاتے ہوئے چھ میل کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام ہے۔(۱)

سدّ الصہباء میں قیام کی مدت

خیبر سے واپسی پر مقام صہباء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن، تین رات قیام فرمایا، جیسا کہ کتاب المغازی میں آنے والی روایات میں اس کی تصریح موجود ہے۔(۲)

جهّزتها له أم سليم

ام سُلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا بناؤ سنگھار کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دلہن بنایا۔

مذکورہ حدیث میں تو اُم سُلیم رضی اللہ عنہا کے ان کو از خود تیار کرنے کا ذکر ہے، جب کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

"ثم دفعها إلى أم سُليم، تصنعها له وتُهيِّئُها، قال: وأحسِبُهُ قال: وتعتد في بيتها".(۳)

یعنی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو خود اُم سلیم کی طرف بھیجا کہ وہ اس کا بناؤ سنگھار کر کے تیار کرے، راوی کا بیان ہے کہ "میرا گمان ہے کہ حضرت صفیہ نے استبراء کی مدت ام سلیم کے پاس مکمل کی"، تفصیل اس اجماع کی یہ ہے کہ حضرت صفیہ قیدی تھیں، آزادی کے بعد نئی شادی کے لیے استبراءِ رحم ضروری تھا، اور یہ دن ان کے ایامِ حیض کے تھے، مدتِ استبراء اُم سلیم کے پاس گزری، بعد ازاں انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو شرعی حدود میں رہتے ہوئے تیار کیا اور شبِ زفاف کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔

---

(۱) معجم البلدان، باب الصاد والهاء: ۴۳۵/۳، مجمع بحار الأنوار: ۳۷۳/۳ النهاية لابن اثير: ۶۱/۲، فتح الباري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم الحديث: ۴۲۱۲، ۶۱۱/۹، عمدة القاري، كتاب المغازي، باب غزوة الخيبر، رقم الحديث: ۴۲۱۲، ۳۲۶/۱۷

(۲) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم الحديث: ۴۲۱۲، ۴۲۱۳

(۳) صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب: فضيلة إعتاقه أمته ثم يتزوجها، رقم الحديث: ۳۴۸۵

مذکورہ حدیث سے رات کے وقت بیوی سے مجامعت کا معلوم ہوتا ہے اور اس سے ہٹ کر دیگر روایات سے دن میں بھی جوازِ مجامعت ثابت ہے۔(۱)

أم سليم

یہ ''اُمِ سُلیم بنت سلمان رضی اللہ عنہا'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، ان کے نام کے بارے میں بہت سارے اقوال ہیں، جن میں سے صحیح اُنَیسه ہے۔

ان کے تفصیلی حالات کتاب العلم، باب: "الحیاء في العلم" میں گزر چکے ہیں۔(۲)

فأهدتها له من الليل

پھر ام سُلیم نے اُن کو (تیار کر کے) شب باشی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا۔

"أهدتها" کے معنی "زفتها" ہیں، یعنی: شب باشی کے لیے، شبِ زفاف کے لیے بھیج دیا۔(۳)

فأصبح النبي صلى الله عليه وسلم عَروساً

پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح دولہا ہونے کی حالت میں کی۔

"عَروس" فَعُولٌ کے وزن پر دولہا اور دولہن دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے فرق کے لیے "رجل عروس" اور "امرأة عروس" کہا جاتا ہے اور مزید التباس سے بچنے کے لیے عورت پر "عروسة" کا اطلاق ہوتا ہے۔

اور "عَروس" مرد کی جمع "عُرُسٌ" اور "عروس" عورت کی جمع "عرائس" استعمال ہوتی ہے۔(۴)

فقال: من كان عنده شيء فليجيء به

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کر دیا کہ جس شخص کے پاس کھانے کی جو چیز ہو، وہ لے آئے۔

---

(١) التوضيح لابن ملقن: ٥/ ٣٣٣، شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب: فضيلة إعتاقه أمته ثم يتزوجها، رقم الحديث: ٣٤٨٥، ٩/ ٢٢٦

(٢) كشف الباري: ٤/ ٦١١

(٣) عمدة القاري: ٤/ ١٢٨

(٤) معجم الصحاح، ص: ٦٨٩، النهاية في غريب الحديث والأثر: ٢/ ١٨١، عمدة القاري: ٤/ ١٨٢، =

مذکورہ روایت کے اس جملے کے آخری الفاظ "فليجيء به" ہیں، امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بعض نسخوں میں یہ صیغہ نون وقایہ کے ساتھ "فليجئني به" بھی مذکور ہے۔(۱)

یہاں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ولیمے کا بیان ہے جس کی صورت یہ ہوئی کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس ولیمے کے کھانے وغیرہ کا انتظام نہیں کیا گیا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ جس شخص کے پاس کھانے پینے کی کوئی بھی چیز ہو وہ لے آئے، اور ہمارے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر کھالے۔

کیا دوسروں کے مال سے ولیمہ کیا جاسکتا ہے؟

لامع الدراری میں اس موقع پر ایک اشکال اور اس کا احتمالی جواب ذکر کیا گیا ہے، ایک نکتہ اور علمی پہلو سامنے لانے کی غرض سے وہ ذکر کیا جاتا ہے، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"آپ علیہ السلام کا یہ اعلان کرنا ظاہری اعتبار سے حلق سے اترنے والا نہیں ہے، اس لیے کہ ولیمہ تو خاوند کے مال سے ہی ہوتا ہے اور اس زوجہ کے علاوہ بقیہ ازواج المطہرات میں سے کسی کے ولیمے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کچھ نہیں لیا، تو اس زوجہ کے ولیمہ کے لیے اس طرح کیوں لیا؟ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی کھانے پینے کا سامان موجود تھا، چنانچہ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ نہیں ہوگا اس لیے اعلان کر کے جمع کرلیا۔

تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالصۃً ان کے اپنے اموال میں سے کچھ نہیں لیا، بلکہ تقسیم غنائم سے قبل جو مال ان کی احتیاج کے لیے دیا جاتا ہے یا الگ کردیا جاتا ہے، اس مال سے طلب کیا تھا۔

اور ایسے مال (جو قبل از تقسیم دیا جاتا ہے) کا حکم یہ ہے کہ امام المسلمین ایسے مال کو

= إرشاد الساري: ۲/۳۳، شرح الكرماني: ۴/۳۳

(۱) شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب النكاح، أقل الصداق: ۹/۲۲۱، التوضيح لابن ملقن: ۵/۳۳۴، عمدة القاري: ۴/۱۲۸

جب کہ وہ ضرورت سے زائد ہو، واپس لے سکتا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مال کے لیے اعلان فرمایا جس کا واپس لوٹانا خود ان پر ضروری تھا، اور یہ جملہ احناف کی اس مسئلہ میں دلیل ہے کہ غانمین کے لیے تقسیم غنائم سے قبل ملنے والے مال میں ملک ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر ان کی ملکیت ثابت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مال دینے کے بعد لینے کا مطالبہ نہ کرتے، اس حال میں کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم غنی تھے۔ اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعلان کر کے مال جمع کرنے میں حق بجانب تھے تو یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ یہ ولیمہ خالصۃً آپ کے حق خمس میں سے تھا جو مال غنیمت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے من جانب اللہ مختص تھا''۔(۱)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا کلام ختم ہوا، اس پر حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے بہت ہی باریک اور اہم نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کی طرف وہ روایات بھی دلالت کرتی ہیں جو مسلم اور بیہقی وغیرہ میں موجود ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "مَنْ كان عنده فضلُ زادٍ فليأتنا به، فجعل الرجل يجيء بفضل التمر وفضل السويق وفضل السمن". الحديث(۲)

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ ''جس شخص کے پاس (اس کی حاجت سے) زائد توشہ ہو تو وہ میرے پاس لے آئے، چنانچہ کوئی شخص (اپنی حاجت سے) زائد کھجور لے کر آیا اور کوئی شخص زائد آٹا اور کوئی شخص زائد گھی لے کر آیا''۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ بات حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ تو ہے مگر تمام شراح بخاری کے

---

(۱) لامع الدراري مع الكنز المتواري: ٤/ ٤٤، ٤٥

(۲) صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب فضيلة اعتاقه أمته، رقم الحديث: ٣٥٧٤، السنن الكبرى للبيهقي، كتاب النكاح، باب تأدى حق الوسيمة بأي طعام، رقم الحديث: ١٤٨٩٧، ٧/ ٢٥٩، جامع الأصول، رقم الحديث: ٨٩٥٠، ١١/ ٤١٣

کلاموں میں معروف بات وہی ملتی ہے جو ظاہرِ الفاظ سے معلوم ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا اشیاء لانا اپنے ہی مال سے اور بطورِ تبرع تھا"۔(۱)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ کسی بڑے شخص کو اپنے ساتھیوں پر بھروسہ کرنا چاہیے، اور بوقت ضرورت اپنے احوال میں اپنے ساتھیوں سے ضرورت کی شے طلب کر لینا چاہیے، اور اس بات پر بھی دلالت ہے کہ کسی شخص کے ساتھیوں کے لیے مستحب ہے کہ اپنے ساتھی کے ولیمے وغیرہ میں اس کی مدد کرے"۔(۲)

تقریر بخاری شریف میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ ایک اور بات فرماتے ہیں، "فليجي به" یہ اس وجہ سے تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ ولیمہ فرمائیں، کیونکہ گھر تو تھا نہیں کہ گھر لے جا کر ولیمہ فرماتے"۔(۳)

وبسط نِطَعاً

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دسترخوان بچھا دیا۔

"نطع" میں چار قسم کی لغات ہیں: "نِطَع" ن کے کسرہ اور ط کی فتحہ کے ساتھ۔ "نِطْع" ن کے کسرہ اور ط کے سکون کے ساتھ، "نَطَع" ن اور ط دونوں کے فتحہ کے ساتھ اور "نَطْع" ن کے فتحہ اور ط کے سکون کے ساتھ۔ ان سب میں سے افصح پہلی لغت ہے، یعنی: نِطَع. اس کی جمع نُطُوْع اور أَنْطَاع آئی ہے۔

نِطْع کا استعمال اس چمڑے کے لیے کیا جاتا ہے، جسے بوقت پھانسی مقتول کے نیچے بچھایا جاتا ہے، اور اسی طرح چمڑے کے دسترخوان کے لیے بھی کیا جاتا ہے، یہاں اسی دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے۔(۴)

(۱) الكنز المتواري: ٤/٤٤، ٤٥

(۲) شرح الكرماني: ٤/٣٤

(۳) تقرير بخاري شريف: ٢/١٢٩

(٤) معجم الصحاح، ص: ١٠٤٩، مجمع بحار الأنوار: ٤/٧٢٤، المعجم الوسيط، ص: ٩٣٠، عمدة القاري: ٤/١٢٨، شرح الكرماني: ٤/٢٤

فجعل الرجل يجيء بالتمر وجعل الرجل يجيء بالسّمن

پس کوئی شخص (زائد) کھجور لے کر آیا اور کوئی شخص (زائد) گھی لے کر آیا۔

ماقبل میں صحیح مسلم کی روایت کے حوالے سے یہ بات سامنے آچکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے زائد توشے کو لانے کا اعلان کیا گیا اور اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس جو زائد از ضرورت سامان تھا، وہی لے کر آئے۔(۱)

قال: وأحسِبُه قد ذكر السويق

راوی نے کہا میرا گمان ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ستو (لانے کا) بھی بیان فرمایا تھا۔

اس جملے میں "قال" کا فاعل "عبدالعزیز بن صہیب" راوی حدیث ہے اور "أحسبُه" کی "ہ" ضمیر اور "ذکر" کی ضمیر کا مرجع حضرت انس رضی اللہ عنہ ہے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ راوی کے اس گمان کی صورت میں سابقہ دو جملوں کے بعد یہ جملہ ہوگا: "وجعل الرجل يجيء بالسويق".

ایک دوسرا احتمال ضمائر کے مراجع میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "قال" کا فاعل امام بخاری ہوں، اور یہ جملہ فربری رحمہ اللہ کا ہو اور "أحسبه" کی ضمیرہ مفعول کا مرجع یعقوب ہو۔

لیکن احتمال اول راجح ہے اور دوسرے میں تکلفاتِ بعید اختیار کرنا ہے۔(۲)

فحاسوا حيساً

(جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان پر اپنی ضرورت سے زائد کھانے کی اشیاء لے آئے) تو انہوں نے کھجور، گھی اور ستو کو آپس میں ملا کر حیس تیار کیا (اور مل بیٹھ کر کھایا)

"حاسوا" کا مطلب ہے کہ انہوں نے جمع ہونے والی اشیاء کو ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر دیا،

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب فضيلة إعتاقه أمته، رقم الحديث: ٣٥٧٤

(٢) فتح الباري: ٦٢٤/١، دار المعرفة، عمدة القاري: ١٢٨/٤، شرح الكرماني: ٣٤/٤، إرشاد الساري: ٣٤/٢

حل کر دیا، نتیجۃً وہ ملیدہ سا تیار ہو گیا، جسے عربی میں "حیس" کہتے ہیں۔(۱)

حضرت کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اردو زبان میں اس لفظ کا ترجمہ "حلوہ یا ملیدہ" ہوگا۔(۲)

فكانت وليمة رسول الله صلى الله عليه وسلم

پس یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ولیمہ تھا۔

"کانت" فعل ناقص کی ضمیر جو کہ "کانت" کا اسم ہے، "حیس" کی طرف لوٹتی ہے اور "ولیمة" خبر ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔

مطلب اس جملہ کا یہ ہے کہ کھجور، ستو اور گھی ملا کر تیار کردہ حلوہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ تھا، اس کے علاوہ کسی بھی چیز کا اہتمام نہ کیا گیا تھا۔(۳)

وليمة

ولیمہ "الولم" سے مشتق ہے، اس کے معنی جمع ہونے کے ہیں، چونکہ ولیمہ میاں بیوی کے جمع ہونے، ملنے کے بعد ہوتا ہے، اس لیے اس کو ولیمہ کہتے ہیں۔

ولیمہ کے افضل وقت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، راجح قول کے مطابق شب زفاف کے بعد افضل ہے۔(۴)

ولیمہ کے احکام سے متعلق تفصیلی بحث اپنے مقام پر آئے گی، تاہم اس مقام پر لطیفے کے طور پر مختلف دعوتوں کے لیے عربی زبان میں استعمال ہونے والے مختلف الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں۔

---

(١) المحكم لابن سيده، الماده: الحاء والسين والياء: ٣/ ٣٢٥، معجم الصحاح، ص: ٢٧٧، النهاية في غريب الحديث والأثر لابن الاثير: ١/ ٤٥٨، التوضيح لابن ملقن: ٤/ ٣٣٤، فتح الباري: ١/ ٦٢٤، عمدة القاري: ٤/ ١٢٩، إرشاد الساري: ٢/ ٣٤

(٢) فيض الباري: ٢/ ٢٤، أنوار الباري: ١/ ١٣٠

(٣) التوضيح لابن ملقن: ٤/ ٣٣٥، عمدة القاري: ٤/ ١٢٩، إرشاد الساري: ٢/ ٣٤

(٤) فتح الباري: ٩/ ٢٨٧، إعلاء السنن، كتاب النكاح، باب استحباب الوليمة: ١٩/ ٩، عمدة القاري: ٤/ ١٣١

"وليمة" شادی کا کھانا۔"وكيرة"تعمیر مکان سے فراغت کی خوشی کا کھانا۔

"خُرْس" ولادت کی خوشی کھا کھانا۔"أعذار" ختنہ کی خوشی کا کھانا۔

"نقيعة" سفر سے واپس آنے کے وقت کا کھانا۔"نزل" مہمان کی پہلی ضیافت کا کھانا۔"وضيعة" مصیبت کے ٹلنے کے وقت کا کھانا۔"مأدبة" کسی بھی دعوت کے وقت تیار کیا جانے والا کھانا۔"قِرىٰ" مہمان کے کسی بھی کھانے کا نام۔"جَفَلَى"عمومی دعوت۔"نَقَرىٰ"خصوصی دعوت۔"خُرْسه" زچہ کا کھانا۔(۱)

حدیثِ مبارکہ سے مستفاد امور

مذکورہ طویل حدیثِ مبارکہ سے بہت سے احکام اور فوائد معلوم ہوتے ہیں، جن میں سے بہت سارے تو ذکر بھی ہو چکے ہیں اور بہت سوں کی وضاحت متعلقہ مقامات پر آئے گی، ذیل میں خلاصۃً مستنبط ہونے والے فوائد ذکر کیے جاتے ہیں:

۱-نمازِ فجر کو"صلاۃ غداۃ" کے نام سے ذکر کرنا بھی جائز ہے۔

۲-نمازِ فجر کا اصل وقتِ مستحب تو قدرے روشنی ہو جانے کا وقت ہے، لیکن بوقتِ ضرورت جب سب نمازی موجود ہوں تو اس وقت اندھیرے میں نماز ادا کر لینا بھی درست ہے۔

۳-ایک جانور پر دو سے زائد افراد کا سوار ہونا بھی درست ہے، بشرطیکہ جانور اس کی طاقت رکھتا ہو۔

۴-بوقتِ لڑائی نعرہ تکبیر بلند کرنا اور ذکر اللہ کرنا مستحب ہے۔

۵-تکبیر بھی تین بار کہنا مستحب ہے۔

۶-بوقتِ ضرورت یعنی: لڑائی کے وقت، گھوڑے کی تربیت کے وقت، قتال وغیرہ کی تربیت کے وقت، گھوڑا دوڑاتے ہوئے مرتبے سے بڑے افراد و شخصیات سے آگے نکل جانا بے ادبی نہیں ہے۔

۷-راجح مذہب کے مطابق ران ستر میں داخل ہے، جیسا کہ دلائل سے واضح ہو چکا۔

۸-آقا کا اپنی باندی کو آزاد کر کے اسی سے نکاح کر لینا مستحب ہے اور اس عمل میں اس آقا کے لیے دوہرا اجر ہے۔

---

(۱) أوجز المسالك، كتاب النكاح، باب ماجاء في الوليمة: ۲۱/۱۰، عمدة القاري: ۱۳۱/۴، أنوار الباري: ۱۳۱/۱

۹-کسی مصلحتِ عظیمہ کے وقت کسی کو دی ہوئی چیز واپس لے لینا بھی جائز ہے۔

۱۰-رات کے وقت شبِ زفاف یعنی: بیوی سے مجامعت کرنا جائز ہے، اور اسی طرح دن کے وقت بھی جائز ہے۔

۱۱-شادی میں ولیمہ کرنا مطلوب وممدوح ہے۔

۱۲-ولیمہ کے لیے ماحضر ہی کافی وپسندیدہ ہے، کسی لمبے چوڑے انتظام اور گوشت کا ہی ہونا ضروری ولازمی نہیں اور اس کے لیے قرضہ لینا تو بہت ہی زیادہ ناپسندیدہ اور مکروہ عمل ہے۔

۱۳-اس حدیثِ مبارکہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بڑا شخص اپنے ساتھیوں کی محبت پر اعتماد کرتے ہوئے بے تکلف ان سے کھانا وغیرہ طلب کرسکتا ہے۔

۱۴-کسی شخص کے ساتھیوں، پڑوسیوں اور تعلق والوں کے لیے اپنے ساتھی کی مدد کرنا مستحب ہے۔(۱)

روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب تھا "باب مایذکر في الفخذ" اور روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا جملہ "وإن رکبتي لتمسُّ فخذ النبي صلی اللہ علیه وسلم، ثم حسر الإزار عن فخذه النبي صلی اللہ علیه وسلم، حتی أنظر إلی بیاض فخذ النبي صلی اللہ علیه وسلم" گزرا، دونوں میں مطابقت بالکلیہ ظاہر ہے۔

۱۲ – باب : فِي كَمْ تُصَلِّي ٱلْمَرْأَةُ مِنَ ٱلثِّيَابِ .

وَقَالَ عِكْرِمَةُ : لَوْ وَارَتْ جَسَدَهَا فِي ثَوْبٍ لَأَجَزْتُهُ .

یہ باب ہے اس بارے میں کہ عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھ سکتی ہے۔

مذکورہ عنوان میں "بابٌ" تنوین کے ساتھ مبتدا محذوف کی خبر ہے، یعني: "هذا بابٌ".

دوسری بات یہ ہے کہ "کم" استفہامیہ ہو یا خبریہ صدارتِ کلام کو چاہتا ہے، جب کہ یہاں "کم" سے پہلے "في" ہے۔

---

(۱) عمدة القاري: ۴/۱۲۹-۱۳۱، التوضیح لابن ملقن: ۴/۳۱۶-۳۳۵، شرح الکرماني: ۴/۳۵

اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ "کم" کی صدارت باطل نہیں ہوئی، اس لیے کہ جار مجرور ایک کلمہ کے حکم میں ہوتا ہے۔(۱)

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت حسین احمد مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس ترجمۃ الباب سے مقصد یہ ہے کہ ابھی تک نماز میں مردوں کے لباس اور ستر کا بیان تھا، یہاں سے عورت کے ستر اور لباس کا بیان ہے۔

اسی طرح اس بات کا بیان کرنا بھی مقصود ہے کہ اگر عورت ایک ہی بڑی چادر لپیٹ کر نماز پڑھے کہ اس چادر میں اس کا پورا بدن چھپا ہوا ہو تو ایسا کرنا جائز ہے، اس کی نماز ہو جائے گی، جیسا کی تعلیق اور حدیث الباب سے معلوم ہو رہا ہے۔(۲)

تعلیق

وقال عكرمة: "لَوْ وَارَتْ جسدَها في ثوبٍ لأَجزْتُهُ"

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کوئی عورت ایک ہی (بڑی) چادر میں اپنے جسم کو چھپالے تو میں اس (کپڑے میں نماز ہو جانے کو) جائز قرار دوں گا۔

تعلیق کی تخریج

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کے اس قول کو امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً بیان کیا ہے، اور یہ قول موصولاً المصنف لابن عبدالرزاق اور لابن ابی شیبہ میں موجود ہے۔(۳)

مکمل روایت یہ ہے:

"عبد الرزاق عن يحيى بن أبي كثير عن عكرمة قال: لو أخذت المرأة

(۱) شرح الكرماني: ۴/ ۳۴، عمدة القاري: ۴/ ۱۳۱، إرشاد الساري: ۲/ ۳۴، الكوثر الجاري: ۲/ ۵۷

(۲) تقرير حسين احمد مدنى رحمه الله، غير مطبوع

(۳) تغليق التعليق، باب في كم تصلي المرأة من الثياب: ۲/ ۲۱۴، ۲۱۵، عمدة القاري: ۴/ ۱۳۱، التوضيح لابن ملقن: ۵/ ۳۳۷

ثوباً، فتقنعت به، حتى لايرى من شعرها شيء، أجزأ عنها مكان الخمار".(١)

مراد یہ ہے کہ اگر کوئی عورت ایک (بڑا) کپڑا لے پھر اس کے ذریعے اپنے بدن کو لپیٹ لے، یہاں تک کہ اس کے بالوں میں سے کچھ بھی نظر نہ آتا ہو تو یہ کپڑا ہی اوڑھنی یا دوپٹے کے قائم مقام ہو جائے گا۔

المصنف لابن عبدالرزاق میں ہی دوسری روایت ہے:

"عبد الرزاق عن معمر عن يحيىٰ بن أبي كثير قال: سئل عكرمة أتصلي المرأة في درع وخمار؟ قال: نعم، إذا لم يكن شفافاً".(٢)

مراد یہ ہے کہ حضرت عکرمہ سے پوچھا گیا کہ کیا عورت صرف قمیص اور اوڑھنی میں نماز ادا کر سکتی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! ادا کر سکتی ہے، بشرطیکہ یہ کپڑے باریک (جن سے جسم کی جلد یا بال نظر آتے ہوں) نہ ہوں۔

المصنف لابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا أبو أسامة، عن الجُريري، عن عكرمة قال: "تصلي المرأة في درع وخمار حصيف".(٣)

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عورت ایسی قمیص اور اوڑھنی میں نماز پڑھ سکتی ہے جو مضبوط اور موٹی ہو (جس سے رنگت نہ نظر آتی ہو)۔

ایک اور روایت میں ہے:

"حدثنا وكيع قال: حدثنا أبان بن صمعة، عن عكرمة، عن ابن عباس قال: لا بأس بالصلاة في القميص الواحد إذا كان صفيقاً".(٤)

---

(١) المصنف لعبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب في كم تصلي المرأة من الثياب، رقم: ٥٠٤٧، ٣/٤٤

(٢) أيضاً، رقم الحديث: ٥٠٤٨، ٣/٤٤

(٣) المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب المرأة في كم ثوب تصلي، رقم الحديث: ٦٢٣٧، ٤/٣٣٢

(٤) المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب في الصلاه في الثوب الواحد، رقم الحديث: ٦٢٤٦، ٤/٣٣٤

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ صرف ایک قمیص میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ قمیص موٹے کپڑے کی ہو۔

ایک اور روایت ہے:

"أبو أسامة، عن الجريري، عن عكرمة، أنه لا يرىٰ بأساً بالصلاة في القميص الواحد خصيصاً".(۱)

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ ایک ہی قمیص جو موٹے کپڑے کی ہو، میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

لَو وارَتْ جسدَها

"وارت" کے معنی "سترت" اور "غطَّتْ" کے ہیں، یعنی عورت اگر اپنے جسم کو چھپالے یا ڈھانپ لے۔(۲)

لَأَجزَتْهُ

کشمیہنی کی روایت میں اسی طرح ہے، اصیلی اور ابن عساکر کی روایت میں اس کلمے کی بجائے "جاز" کا لفظ ہے۔(۳)

عكرمة

یہ مشہور امامِ حدیث وتفسیر، "أبو عبداللہ عکرمہ مولی عبداللہ بن عباس مدنی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کا تفصیلی تعارف کتاب العلم، باب: "قول النبي صلى الله عليه وسلم: "اللّٰهم علّمه الكتاب" میں گزر چکا ہے۔(۴)

(۱) المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب في الصلاه في الثوب الواحد، رقم الحديث: ٦٢٥٥، ٤/٣٣٥

(۲) التوضيح لابن ملقن: ٥/٣٣٩، عمدة القاري: ٤/١٣١

(۳) إرشاد الساري: ٢/٣٤، فتح الباري: ١/٦٢٥

(٤) كشف الباري: ٣/٣٦٣

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب میں تھا کہ عورت کتنے کپڑوں میں نماز ادا کرسکتی ہے۔تو مذکورہ تعلیق سے اس طرف اشارہ کردیا کہ اگر ایک ہی بڑے کپڑے میں اپنے پورے بدن کو چھپا کرنماز پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی۔

حدیث باب

٣٦٥ : حدَّثنا أَبُو ٱلْيَمَانِ قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ ٱلزُّهْرِيِّ قَالَ : أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ : أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ[1] : لَقَدْ كَانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ يُصَلِّي ٱلْفَجْرَ ، فَيَشْهَدُ مَعَهُ نِسَاءٌ مِنَ ٱلْمُؤْمِنَاتِ ، مُتَلَفِّعَاتٍ فِي مُرُوطِهِنَّ ، ثُمَّ يَرْجِعْنَ إِلَى بُيُوتِهِنَّ ، مَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ . [٥٥٣ ، ٨٢٩ ، ٨٣٤]

ترجمہ

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر ادا فرماتے تھے تو کچھ مسلمان عورتیں آپ کے ہمراہ نمازِ فجر (کی جماعت میں) شریک ہو جاتیں تھیں اور وہ اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی ہوتی تھیں، پھر (نماز کے بعد) وہ اپنے گھروں کی طرف

---

(١) رواه البخاري في مواقيت الصلاة، باب وقت الفجر، رقم الحديث: ٥٧٨، وفي صفة الصلاة، باب انتظار الناس قيام الإمام العالم، رقم الحديث: ٨٦٧، وباب سرعة إنصراف النساء من الصبح وقلة ومقامهن في المسجد، رقم الحديث: ٨٧٢

ومسلم في المساجد، باب استحباب التكبير بالصبح في أول وقتها، رقم الحديث: ١٤٥٧، ١٤٥٨، ١٤٥٩

وأبوداود في الصلاة، باب وقت الصبح، رقم الحديث: ٤٢٣

والترمذي في الصلاة، باب في التغليس في الفجر، رقم الحديث: ١٥٣

والنسائي في المواقيت، باب التغليس في الحضر، رقم الحديث: ٥٤٦، ٥٤٧

وابن ماجة في كتاب الصلاة، باب وقت صلاة الفجر، رقم الحديث: ٦٦٩

والموطا في وقوت الصلاة، باب وقوت الصلاة: ٥/١

جامع الأصول، كتاب الصلاة، الفرع الثاني في تقديم أوقات الصلوت، رقم الحديث: ٣٢٨٣، ٢٢٣/٥

واپس لوٹتیں تھیں تو کوئی ان کو پہچان نہیں سکتا تھا"۔

تراجم رجال

أبو اليمان

یہ "أبوالیمان حکم بن نافع بہرانی حمصی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کتاب بدء الوحي کی چھٹی حدیث کے تحت گزر چکے ہیں۔(۱)

شعيب

یہ "ابوبشر شعیب بن ابی حمزہ القرشی الأموی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کتاب بدء الوحي کی چھٹی حدیث کے تحت گزر چکے ہیں۔(۲)

زهري

یہ "ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب من عبداللہ الزہری رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کتاب بدء الوحي کی تیسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں۔(۳)

عروة

یہ "عروہ بن الزبیر بن العوام رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے حالات کتاب بدء الوحي کی دوسری حدیث میں گزر چکے ہیں۔(۴)

عائشة

یہ "ام المومنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا" ہیں۔

---

(۱) كشف الباري: ۱/۴۷۹

(۲) كشف الباري: ۱/۴۷۹

(۳) كشف الباري: ۱/۳۲۶

(٤) كشف الباري: ۱/۲۹۱

ان کے حالات کتاب بدء الوحي کی دوسری حدیث میں گزر چکے ہیں۔(۱)

شرح حدیث

فیشهد معه نساء من المؤمنات

"یشهد" یحضر کے معنی میں ہے، اور "نساء" امرأة کی جمع ہے، من غیر لفظه.(۲)
مطلب یہ ہے کہ مومن عورتیں نماز فجر کی جماعت میں حاضر ہوتی تھیں۔

متلفعات في مُروطهن

وہ عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی تھیں۔
یہ جملہ "نِساء" سے حال بن کر واقع ہوا ہے، اکثر شارحین نے اس ترکیب کو بیان کیا ہے۔(۳)
لیکن صاحب الکوثر الجاری رحمہ اللہ نے اس بارے میں لکھا ہے:

"ویروی منصوباً علی الحال من النساء، ولیس بقوي؛ لأن ذا الحال إذا کان نکرة یجب تقدیم الحال علیه".

اور "متلفعاتٍ" نساء سے حال واقع ہونے کی بنا پر منصوب ہے، حالانکہ یہ بات مضبوط نہیں ہے، کیونکہ ذوالحال جب نکرہ ہو تو اس پر حال کو مقدم کرنا ضروری ہے۔(۴)
علامہ کورانی رحمہ اللہ کی اس بات کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ یہ قاعدہ مُسلم ہے لیکن اس پر عمل اس وقت ضروری ہوتا ہے جب ذوالحال نکرہ محضہ ہو، جب اس حدیث میں "نساء" نکرہ محضہ نہیں ہے، بلکہ نکرہ مخصوصہ ہے، یعنی: اس کی صفت "من المؤمنات" مذکورہ ہے، جس کی بناء پر یہاں مذکورہ قاعدہ جاری نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

"متلفعات" میں دوسرا احتمال صفت کا ہے، یعنی یہ جملہ "نساء" سے صفت واقع ہوگا اور مرفوع ہوگا،

---

(۱) کشف الباري: ۲۹۱/۱

(۲) التوضیح لابن ملقن: ۳۴۰/۵، عمدة القاري: ۱۳۲/۴، إرشاد الساري: ۳۵/۲

(۳) شرح الکرماني: ۳۴/۴، إرشاد الساري: ۳۵/۲، عمدة القاري: ۱۳۲/۴

(۴) الکوثر الجاري: ۵۷/۴

یعنی:"متلفعات"(۱)

مذکورہ جملہ کا پہلا لفظ اصیلی کی روایت میں "متلففات" ہے، "ف" کے تکرار کے ساتھ، لیکن دونوں لفظ متحد المعنی ہیں، مقصود میں اس تغیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔(۲)

"متلفعات" باب تفعّل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس کا مصدر ہے "تلفّع" اس کا مطلب ہے، کسی چادر یا کپڑے کے ذریعے سے اپنے سر اور بدن کو مکمل اچھی طرح ڈھانپ لینا۔(۳)

"مُروطهن" یہ جمع ہے "مِرطٌ" کی، اس کا معنی ہے اون یا ریشم کی وہ چادر جو کرتے کی جگہ اوڑھی جاتی ہے۔ البتہ اس چادر کی خصوصیت ہے کہ یہ سبز رنگ کی ہوتی ہے اور عورتوں کے ہی زیر استعمال رہتی ہے۔(۴)

ثم يرجعن إلى بيوتهن

پھر وہ عورتیں مسجد سے گھروں کی طرف لوٹتی ہیں۔

ما يعرفهن أحد

کوئی بھی ان کو پہچان نہیں پاتا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ وہ جس وقت نماز سے فارغ ہو کر گھروں کی طرف لوٹتی تھی تو ان کو دیکھ کر کوئی پہچان نہیں سکتا تھا کہ وہ عورتیں ہیں یا مرد؟ دیکھنے والے کو تو صرف شبیہ معلوم ہوتی تھی۔

صحیح البخاری کی ہی دوسری روایت میں تصریح ہے، "لا يعرفن من الغلس" یعنی ان کا نہ پہچانا جانا اندھیرے کی وجہ سے ہوتا تھا۔(۵)

---

(۱) شرح الكرماني: ٣٤/٤، إرشاد الساري: ٣٥/٢

(٢) عمدة القاري: ١٣٢/٤، الكوثر الجاري: ٥٧/٢، أوجز المسالك، رقم الحديث: ٤، ٢٧٢/١

(٣) معجم الصحاح، ص: ٩٥١، النهاية لابن الاثير: ٦٠٧/٢، شرح الكرماني: ٣٤/٤، التوضيح: ٣٤٠/٥، فتح الباري: ٦٢٥/١

(٤) معجم الصحاح، ص: ٩٨٢، النهاية لابن الاثير: ٦٥١/٢، شرح ابن بطال: ٣٨/٢، عمدة القاري: ١٣٢/٤، الكوثر الجاري: ٥٨/٢، إرشاد الساري: ٣٥/٢

(٥) صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب وقت الفجر، رقم الحديث: ٥٧٨

دراصل اس مقام پران عورتوں کو نہ پہچانا جانا دووجوہات کا احتمال رکھتا ہے کہ اس کا سبب اندھیرا ہوتا تھا یاپردہ کرنے میں خوب مبالغہ کرنا۔(۱)

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت "متلفعات في مروطهن" میں ہے، وہ اس طرح کہ ترجمۃ الباب میں تھا کہ عورت کتنے کپڑوں میں نماز ادا کرے تو وہ صحیح ہوجائے گی، تو اس جملے میں ہے کہ اگر ایک بڑی چادر میں لپٹ کر بھی نماز پڑھ لے گی تو نماز ہوجائے گی، اس لیے "مِـــرط" ایک چادر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔(۲)

امام بخاری رحمہ اللہ کا اس روایت اور اس سے قبل حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کی ذکر کردہ روایت سے اس بات پر استدلال کرنا کہ عورت کی نماز ایک کپڑے میں بھی ہوجاتی ہے، بشرطیکہ اس میں پورا بدن مستور ہو، معترضین کے نزدیک قابلِ اعتراض ہے کہ اس روایت سے استدلال تام نہیں ہے، اس لیے کہ عین ممکن ہے کہ ان عورتوں نے اپنی چادروں کے نیچے دوسرے کپڑے بھی پہنے ہوئے ہوں، جیسا کہ فی زماننا برقعہ کے نیچے دوسرے لباس کا استعمال مروج ہے۔(۳)

تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ کوئی وزنی اعتراض نہیں ہے اس لیے کہ ظاہر حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے جسموں پر فقط وہی ایک ایک چادر ہوتی تھی، اور اس تفتیش سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت اختیار کرنا بھی اس بات پر دلیل ہے کہ ایک ہی بڑے کپڑے میں مستور ہونے کی حالت میں عورتوں کی نماز درست ہے۔(۴)

عورتوں کے لیے حالتِ نماز میں کتنے کپڑے ضروری ہیں؟

عورتوں کی نماز کی صحت کے لیے کتنے کپڑے ضروری ہیں؟! اس بارے میں اختلاف ہے۔امام بخاری

---

(۱) التوضيح: ٥/ ٣٤١، فتح الباري: ١/ ٦٢٥، الكوثر الجاري: ٢/ ٥٨

نوٹ: اس مسئلہ کی تفصیل آگے "نمازِ فجر کا افضل وقت کیا ہے" کے عنوان کے تحت آرہی ہے۔

(۲) عمدة القاري: ٤/ ١٣٢، تقرير بخاري شريف: ٢/ ١٢٩

(۳) الكوثر الجاري: ٢/ ٥٨

(٤) فتح الباري: ١/ ٦٢٥، عمدة القاري: ٤/ ١٣٣، إرشاد الساري: ٢/ ٣٥

رحمہ اللہ کے صنیع، تعلیق اور روایت سے معلوم ہے کہ ان کے نزدیک ایک بڑی چادر میں لپٹ کر نماز پڑھنے کی صورت جواز والی صورت ہے۔

دوسرے فریق کے نزدیک صحتِ صلوۃ الرجل والمرأۃ کے لیے دو کپڑوں کا ہونا ضروری ہے۔

تیسرے فریق کے نزدیک تین کپڑوں کا ہونا ضروری ہے اور چوتھے فریق کے نزدیک چار کپڑوں کا ہونا ضروری ہے۔

دوسرے فریق کے قائلین امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ ہیں۔

اور تیسرے فریق کے قائل حضرت عطاء ہیں رحمہ اللہ۔

اور چوتھا فریق ابن سیرین رحمہ اللہ کا ہے، ابن المنذر رحمہ اللہ کہتے ہیں عورت پر اپنے سارے بدن کا چھپانا واجب ہے سوائے چہرے اور ہاتھوں کے، اب یہ چھپانا ایک کپڑے سے ہوجائے یا زیادہ سے، برابر ہے۔ متقدمین کی طرف سے اس بارے میں کوئی امرِ قطعی تین یا چار کے بارے میں منقول نہیں ہے اور یہ اختلاف استحباب میں ہے، یعنی کتنے کپڑے مستحب ہیں۔(۱)

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس سلسلہ میں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جس قدر کپڑا اس کے ستر کے لیے کافی ہو اس کو استعمال کرے اور بعض کی رائے ہے کہ دو کپڑے لے اور بعض کی رائے ہے کہ تین لے، اسی طرح ایک قول یہ ہے کہ چار کپڑے لے۔ عورت کا تمام بدن ستر ہے "إلا الوجه والكفين واختلف في القدمين".(۲)

نماز میں عورت کے ذمہ کتنا جسم چھپانا ضروری ہے؟

عندالاحناف عورت کا سارا بدن بجز چہرہ، ہاتھ اور قدموں کے ظاہر کے ستر ہے اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ صرف دو اجزاء چہرہ اور ہاتھ مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ ان دونوں حضرات کے نزدیک قدمِ عورت واجب الستر ہے، اگر نماز میں عورت کے قدم کھلے ہوئے ہوں تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک نماز کے وقت کے اندر اندر اس نماز کا اعادہ واجب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وقت باقی ہو یا نہ ہو، کچھ اعادہ

---

(۱) شرح ابن بطال: ۲/۳۷، عمدة القاري: ۴/۱۳۳

(۲) تقرير بخاري شريف: ۲/۱۲۹

ضروری ہے۔(۱)

اس مسئلہ کی مکمل تفصیل بمعہ حوالوں "باب مایستر من العورۃ" میں گزر چکی ہے۔

نمازِ فجر کا افضل وقت کیا ہے؟

مذکورہ حدیث میں ہے کہ جب عورتیں نماز فجر ادا کر کے لوٹتی تھیں تو ان کو کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔

اس جملہ کی وجہ سے نمازِ فجر کے مستحب و افضل وقت میں ائمہ کرام کے درمیان اختلاف ہوا۔ اس بارے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ نمازِ فجر کے وقتِ جواز کے بارے میں اختلاف نہیں ہے، وہ تو سب ائمہ کے نزدیک طلوعِ فجر سے لے کر طلوعِ شمس تک ہے۔(۲)

البتہ اختلاف اس وقت میں سے افضل وقت میں ہے کہ نمازِ فجر اول وقت یعنی: اندھیرے میں پڑھنا افضل ہے یا آخرِ وقت یعنی: روشنی میں پڑھنا افضل ہے۔

اس بارے میں تفصیل مذاہب کچھ اس طرح ہے کہ:

اگر آسمان صاف ہو، یعنی: بادل نہ ہوں تو احناف کے نزدیک نمازِ فجر روشنی میں پڑھنا اندھیرے میں پڑھنے سے افضل ہے، چاہے سفر میں ہو یا حضر میں، گرمی کا موسم ہو یا سردی کا، اور یہ حکم تمام لوگوں کے حق میں ہے۔ سوائے حاجی کے لیے کہ اس کے لیے مزدلفہ میں اندھیرے میں نماز پڑھنا روشنی میں پڑھنے سے افضل ہے۔(۳)

---

(۱) الدر مع الرد، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة: ۱/۲۹۷، ۲۹۸

المجموع شرح المهذب، کتاب الصلاة، باب ستر العورة: ۳/۱۶۷

المغني لابن قدامة، کتاب الصلاة، باب ستر العورة في الصلاة وحدها: ۱/۳۳۶، ۳۳۷

المواهب الجليل، کتاب الصلاة، فصل في ستر العورة: ۲/۹؟؟؟

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل في شروط الصلاة: ۱/۵۵۸، ۵۵۹

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، وأما شرائط الأركان: ۱/۵۷۱

فتح القدير، کتاب الصلاة، فصل في استحباب التعجيل: ۱/۲۲۷

حاشية ابن عابدين، کتاب الصلاة، مطلب في طلوع من مغربها: ۲/۲۴، دار عالم الكتب

تبيين الحقائق، کتاب الصلاةِ الأوقات التي يستحب فيها الصلاة: ۱/۲۲۱

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر نمازِ فجر میں لمبی قراءت کرنے کا ارادہ ہو تو پھر افضل یہ ہے کہ نماز اندھیرے میں شروع کرے اور روشنی میں مکمل کرے اور اگر لمبی قراءت کرنے کا عزم نہ ہو تو پھر ایسے شخص کے حق میں اسفار ہی افضل ہے تغلیس کی بجائے۔(۱)

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''احناف میں سے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ نمازِ فجر کی ابتداء اور انتہاء ''اسفار'' میں ہی کرنا افضل ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ابتدا اندھیرے میں اور انتہا روشنی میں کرنا افضل ہے، اسی کو امام طحاوی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔(۲)

ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) رحمہم اللہ کے نزدیک نمازِ فجر کی ابتداء اور انتہا دونوں ''اسفار'' میں کرنا افضل ہے۔(۳)

احناف کے دلائل

اس مسئلہ میں احناف کا مذہب صحیح احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے

(۱) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب الوقت الذي يصلى فيه الفجر، أي وقت هو؟ ١/١٣٤

(٢) العرف الشذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في التعليس بالفجر، رقم الحديث: ١٥٣، ١/٢٠٠

(٣) الذخيرة، كتاب الصلاة، الفصل السادس في وقت الصبح: ٢/٢٩

مواهب الجليل لشرح مختصر الخليل، كتاب الصلاة، مواقيت الصلاة: ٢/٣٤

المدونة الكبرى، كتاب الصلاة، في الأوقات: ١/٥٦، ٥٧

المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة: ٢/٥٣

روضة الطالبين، كتاب الصلاة، الباب الأول في المواقيت: ١/٢٩٣

الحاوي في فقه الشافعي، كتاب الصلاة، باب صفة الأذان وما يقام له من الصلاة ولايؤذن: ٢/٦٤

المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، فصل مايستحب من تعجيل الصلاة: ٢/٢٤

الإنصاف للمرداوي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ٣/١٦٦

المبدع شرح المقنع، كتاب الصلاة، شروط الصلاة: ١/٣٠٧

ثابت ہے۔

پہلی دلیل

احناف کی سب سے پہلی دلیل حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جسے اصحابِ سنن الاربعہ اوران کے علاوہ نے اپنی کتب میں بسندِ صحیح نقل کیا ہے۔(۱)

ہماری مستدل یہ حدیث محمد بن اسحاق اور محمد بن عجلان کے طرق سے مروی ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''محمد بن اسحاق'' کے طریق سے اور بقیہ ائمہ نے ''محمد بن عجلان'' کے طریق سے روایت کی ہے، ''ابن القطان'' نے اپنی کتاب میں ''محمد بن عجلان'' کے طریق کے بارے میں لکھا ہے، "طريقه طريق صحيح".(۲)

لہٰذا احناف کی مستدل مذکورہ حدیث ''محمد بن عجلان'' کے طریق سے مراد ہوگی۔

عن محمد بن عجلان عن عاصم بن عمر عن محمود ابن لبيد عن رافع بن خديج، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "أسفروا بالفجر، فإنه أعظم للأجر".

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''فجر کی نماز روشنی کر کے پڑھو، پس تحقیق یہ اجر کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے''۔

اسی روایت کو ابن حبان رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ تخریج کیا ہے:

---

(۱) سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في التغليس بالفجر، رقم الحديث: ١٥٤

سنن أبو داؤد، كتاب الصلاة، باب في وقت الصبح، رقم الحديث: ٤٢٤

سنن النسائي، في المواقيت، باب الأسفار، رقم الحديث: ٥٤٩

سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، أبواب مواقيت الصلاة، باب وقت صلاة الفجر، رقم الحديث: ٦٧٢

جامع الأصول، كتاب الصلاة، القسم الأول في الفرائض وأحكامها، الفصل الثاني في المواقيت، الفرع الرابع في أول الوقت بالصلاة، رقم الحديث: ٣٣٢٩، ٥/٢٥٢

(٢) نصب الراية للزيلعي، كتاب الصلاة، فصل، الحديث الثاني عشر: ١/٢٣٥

العرف الشذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في التغليس بالفجر، رقم الحديث: ١٥٤، ١/٢٠١

"أسفروا بصلاة الصبح، فإنّه أعظم للأجر". (١)

اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ تخریج کی ہے:

"أسفروا بالفجر فكلما أسفرتم، فهو أعظم للأجر أو قال لأجوركم". (٢)

اور بزار رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

"أسفروا بصلاة الفجر، فإنه أعظم للأجر". (٣)

اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ نقل کی ہے:

قال: "كان عليه السلام يؤخر كاسمها". (٤)

شرح معانی الآثار ہی کی ایک روایت میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أصبحوا الصبح، فكلما أصبحتم، فهو أعظم للأجر". (٥)

مطلب اس کا یہ ہے کہ صبح کی نماز جتنی روشنی کر کے پڑھو گے، اتنا ہی اجر زیادہ ملے گا، حالانکہ اندھیرا چھٹنے کے بعد جب فجر واضح ہو جاتی ہے تو اس کے بعد اس روشنی میں مزید اضافہ نہیں ہوتا۔ تو مقصود اس جگہ اس مسئلہ کو مبالغۃً اچھی طرح واضح کر دینا ہے۔

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کے بارے میں

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "حديث حسن صحيح". (٦)

---

(١) صحيح ابن حبان، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة، رقم: ١٤٩١

(٢) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب الوقت الذي يصلى فيه الفجر: ١/١٣٢

(٣) مسند البزار، مسند أبي حمزة أنس بن مالك رضي الله عنه، رقم الحديث: ٦٢٤٤، ٣/٣٥٠

(٤) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب الوقت الذي يصلى فيه الفجر: ١/١٣٣

(٥) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب الوقت الذي يصلى فيه الفجر: ١/١٣٢

(٦) سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في التغليس بالفجر، رقم الحديث: ١٥٣

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "صححه غير واحد".(۱)

علامہ زیلعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے یہ روایت بسند صحیح نقل کی ہے۔(۲)

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بزار نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔(۳)

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے رافع بن خدیج کی اسفار کے بارے میں مزید دو روایتیں نقل کیں اور اس کے بعد فرمایا:

"وهما من رواية هرير بن عبدالرحمن بن رافع بن خديج وقد ذكرها ابن أبي حاتم ولم يذكر في أحد منهما جرحاً ولا تعديلاً، قلت: "وهرير" ذكره ابن حبان في الثقات، وقال يروي عن أبيه".(٤)

دوسری دلیل

احناف کی دوسری دلیل حضرت ابو برزۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جسے امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، اس میں ہے:

"أن النبي صلى الله عليه وسلم كان ينصرف من صلاة الغداة حين يعرف الرجل جليسه".(٥)

مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت نماز فجر مکمل فرماتے تھے اور اس وقت آدمی اپنے ساتھ بیٹھنے والے دوسرے نمازی کو پہچان لیتا تھا کہ وہ کون ہے۔

---

(١) فتح الباري لابن حجر، كتاب مواقيت الصلاة، باب وقت الفجر، رقم الحديث: ٥٧٨، ٢/٧٣

(٢) نصب الرايه، كتاب الصلاة، فصل، الحديث الثاني عشر: ١/٢٣٥

(٣) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب الصلاة، باب وقت صلاة الصبح: ١/٣١٥

(٤) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب الصلاة، باب وقت صلاة الصبح: ١/٣١٦

(٥) صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب القراءة في الفجر، رقم الحديث: ٧٧١

صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب معرفة الركعتين، رقم الحديث: ٦٤٧

اب یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اس زمانے میں بجلی وغیرہ تھی نہیں، مسجد نبوی کچی اور چھوٹی تھی، تو بوجہ چھوٹی دیواریں اور نیچی چھت اندھیرا دیر تک رہتا ہوگا، تو ایسے حالات میں نماز سے فارغ ہونے کے وقت ایک دوسرے کی شکل وصورت کو پہچان لینے کا مطلب یہ ہے کہ خوب اچھی طرح روشنی ہو چکی ہوتی تھی، یہاں تک کہ اندر کے ماحول میں بھی ایک دوسرے کو پہچاننا بآسانی ممکن ہو جاتا تھا۔

تیسری دلیل

احناف کی تیسری دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جسے شیخین رحمہما اللہ نے ہی روایت کیا ہے۔

عن ابن مسعود قال: "ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم صلّى لغير وقتها إلا بجمع، فإنه جمع بين المغرب والعشاء بجمع، وصلى صلاة الصبح من الغد قبل وقتها".(۱)

یہ الفاظ سنن ابی داؤد کے ہیں۔ مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ انہوں نے نماز اپنے وقت کے بغیر ادا کی ہو، سوائے مزدلفہ کی صبح کے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی شام مغرب اور عشاء کو جمع کیا اور اگلی صبح نمازِ فجر اس کے وقت سے پہلے ہی ادا فرمالی۔

''وقت سے پہلے'' کا مطلب یہ ہے کہ روزانہ نماز پڑھنے کا جو وقت تھا، اس سے پہلے اور وہ عام طور پر اسفار میں پڑھنے کا تھا اور خاص اس دن اندھیرے میں نماز پڑھی تھی، اس لیے کہہ دیا کہ وقت سے پہلے ہی ادا

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب من يصلي الفجر بجمع، رقم الحديث: ۱۶۸۲

صحيح مسلم، كتاب الحج، باب استحباب زيادة التغليس بصلاة الصبح يوم الفجر، رقم الحديث: ۱۲۸۹

سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب الصلاة بجمع، رقم الحديث: ۱۹۳۴

کرلی، یہ مطلب نہیں ہے کہ وقتِ فجر داخل ہونے سے پہلے ادا کرلی۔(۱)

اس کی مزید وضاحت صحیح البخاری ہی کی ایک اور روایت سے ہوتی ہے، جس میں ہے:

"فلما طلع الفجر قال: إن النبي صلى الله عليه وسلم كان لايصلّي هذه الساعة إلا هذه الصلاة في هذا المكان من هذا اليوم".(۲)

ارشاد فرمایا کہ جب فجر طلوع ہوگئی......الخ، راوی نے فرمایا کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت (یعنی طلوع فجر کے فوراً بعد اندھیرے میں) نماز ادا نہیں فرماتے تھے، مگر یہ نماز صرف اسی دن اور اسی جگہ (یعنی مزدلفہ) میں ادا فرمائی۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کا معمول روشنی میں نماز پڑھنے اور پڑھانے کا تھا، اس ایک خاص دن خلافِ معمول عمل سامنے آیا تو صحابی رسول نے اس کو بیان فرمایا۔

چوتھی دلیل

احناف کی چوتھی دلیل وہ حدیث مبارکہ ہے، جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اوقاتِ نماز کی تعلیم دی، اس کے آخر میں وقتِ فجر کے بارے میں راوی کا بیان ہے کہ "ثم صلّى الصبح حين اسفرت الأرض"(۳) اور یہی روایت ابوداؤد شریف میں ہے، جس میں الفاظ ہیں: "صلّى بي الفجر فأسفر".(٤)

اور مستدرک للحاکم میں مذکور روایت میں ہے: "ثم جآء ه الصبح حين أسفر جدا". اس حدیث کے آخر میں امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "هذا حديث صحيح مشهور من حديث عبدالله بن

(۱) العرف الشذي، أبواب الصلاة، ماجاء في الإسفار بالفجر، رقم: ١٥٤، ٢٠٢/١

أوجز المسالك، كتاب وقوت الصلاة، رقم الحديث: ٤، ٢٧٤/١

تبيين الحقائق، كتاب الصلاة: ٢٢٢/١

(۲) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب من أذن وأقام لكل واحدة منهما، رقم الحديث: ١٦٧٥

(۳) سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجآء في مواقيت الصلاة، رقم الحديث: ١٤٩

(٤) سنن أبي داود، كتاب الصلاة، في المواقيت، رقم الحديث: ٣٩٣

المبارك".(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے التلخیص الحبیر میں امام ترمذی رحمہ اللہ کا کلام نقل کیا ہے کہ "قال محمد: حديث جابر أصحُّ شيء في المواقيت".(۲)

پانچویں دلیل

احناف کی پانچویں دلیل حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے، جسے بسندِ صحیح امام طحاوی رحمہ اللہ اور ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

"ما اجتمع أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم على شيء ما اجتمعوا على التنوير".(۳)

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی امر پر ایسے مجتمع نہیں ہوئے، جیسے کہ صبح کی روشنی میں نماز پڑھنے پر جمع ہوئے ہیں۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی امر پر مجتمع ہو جائیں۔(۴)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا مذہب مسئلہ مذکورہ میں یہ ہے کہ نمازِ فجر اندھیرے میں پڑھنا افضل ہے، ان حضرات کی دلیل مذکورہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب عورتیں نماز پڑھ کے واپس گھروں کی طرف جاتی تھیں، تو کوئی ان کو نہیں پہچانتا تھا، اور ایسا اندھیرے کی وجہ سے ہوتا تھا۔

---

(۱) المستدرك على الصحيحين، كتاب الصلاة، باب في مواقيت الصلاة، رقم الحديث: ۷۰٤

(۲) تلخيص الحبير، كتاب الصلاة، باب أوقات الصلاة، رقم الحديث: ۲٤۲، ۱/٤٤۷

(۳) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، الوقت الذي يصلى فيه الفجر: ۱/۱۳٦

المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، أوقات الصلاة، باب مَنْ كان ينور بها ويسفر ولا يرى به بأساً، رقم الحديث: ۳۲۷٥، ۳/۱۳۰

(٤) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، الوقت الذي يصلى فيه الفجر: ۱/۱۳٦

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا احناف کی طرف سے پہلا جواب

احناف کی طرف سے اس حدیث مبارکہ سے دلیل پکڑنے کے صحیح نہ ہونے پر مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔سب سے پہلے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ صحیح البخاری کے موجودہ مقام میں مذکور حدیث مبارکہ کے آخری جملہ(جس سے دلیل پکڑی جاتی ہے)کے الفاظ یہ ہیں:"ما یعرفھن أحد"(١). کہ کوئی ان کو پہچان نہیں پاتا تھا۔جب کہ یہی حدیث دوسرے مقامات پر ہے تو وہاں آخری الفاظ یہ ہیں:"لا یعرفھن أحد من الغلَس"(٢) ایک اور جگہ ہے:"لا یُعرَفن من الغلس".(٣)

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا استدلال اُن طرق سے ہے جن میں"من الغلس" کے الفاظ مذکور ہیں۔یعنی: عورتوں کی پہچان نہ ہو پانا اندھیرے کی وجہ سے ہوتا تھا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز اندھیرے میں ادا کی جاتی تھی نہ کہ روشنی میں،جس کی وجہ سے وہ نماز سے فارغ ہوتے ہی جلد گھروں کی طرف لوٹ جاتی تھیں۔

تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے آخر میں"من الغلس" کے الفاظ ان کے اپنے نہیں ہیں، بلکہ راوی کی طرف سے یہ الفاظ مندرج ہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جملہ اس لفظ سے پہلے ہی مکمل ہو گیا تھا،ان کے اس جملہ سے راوی نے یہ سمجھا کہ عورتوں کو نہ پہچانے جانے کی علت"غلس" اندھیرا ہی ہوگا،اس لیے اس نے یہ الفاظ بڑھا دیے۔اس جواب پر دلالت دو طرح سے ہوتی ہے،اول تو حدیث باب سے کہ وہاں مذکورہ روایت میں"من الغلس" کے الفاظ نہیں ہیں(۴)۔دوم،ابن ماجہ کی روایت ہے کہ وہاں بسندِ صحیح ہی روایت موجود ہے،اور اس کے آخری جملے میں"فلا یعرفھن احدٌ" کے بعد ہے:"تعني من الغلس".(٥) یعنی راوی نے کہا، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد کہ کوئی ان کو اندھیرے کی وجہ سے پہچان نہیں پاتا تھا" ہے۔

---

(١) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب في كم تصلي المرأة من الثياب، رقم الحديث: ٣٧٢

(٢) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، مواقيت الصلاة، باب وقت الفجر، رقم الحديث: ٥٧٨

(٣) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، صفة الصلاة، باب انتظار الناس قيام الإمام العالم، رقم الحديث: ٧٦٧

(٤) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب في كم يصلي المرأة من الثياب، رقم الحديث: ٣٧٢

(٥) سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب وقت صلاة الفجر، رقم الحديث: ٦٧٢

یعنی لفظِ تعني کی وجہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ جملہ (من الغلس) راوی کا ذکر کردہ ہے نہ کہ حضرت عائشہ کا۔(۱)

اور بر سر تسلیم اگر یہ الفاظ ثابت بھی ہوں تو جواب یہ ہوگا کہ اس وقت مسجد کی دیواریں اور چھت نیچی تھیں، جس کی بنا پر اسفار کے وقت بھی وہاں اندھیرا ہوتا تھا، جس کی بناء پر پہچان نہ ہوسکنا ممکن ہے۔(۲)

دوسرا جواب

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ

اگر روایات میں موجود غلس کو تسلیم کیا بھی جائے تو ایسا سفر وغیرہ کے لیے نکلنے کے عذر کی وجہ سے ہوگا، یا پھر ایسا ابتدائے اسلام میں ہوتا ہوگا جب عورتیں جماعت میں شریک ہوتی تھیں، بعد میں جب عورتوں کے لیے گھر میں ہی نماز ادا کرنے کا حکم آگیا تو پھر وہ تغلیس کا حکم بھی منسوخ ہوگیا۔(۳)

تیسرا جواب

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، امت کے لیے آپ نے جو حکم دیا ہے وہ اسفار میں نماز پڑھنے کا ہے۔(۴)

مذہب احناف کی وجہ ترجیح

یہ بات ماقبل میں گزر چکی ہے کہ تغلیق ہو یا اسفار، جائز دونوں وقتوں میں ہے، اختلاف دونوں وقتوں میں سے افضل وقت کے بارے میں ہے۔

روایات وآثار کی کثرت دیکھتے ہوئے خوب اچھی اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس بارے میں مذہب احناف

---

(۱) العرف الشذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الإسفار بالفجر، رقم الحديث: ١٥٤، ٢٠٠/١

الكوكب الدري، كتاب الصلاة، باب ماجاء في التغليس بالفجر، رقم الحديث: ١٥٣، ٢٠٠/١

(۲) تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، شرائط الصلاة: ٢٢٢/١

الكوكب الدري، كتاب الصلاة، باب ماجاء في التغليس بالفجر، رقم الحديث: ١٥٣، ٢٠٠/١

(۳) بدائع الصنائع: ٥٧٥/١، أوجز المسالك: ٢٧٦/١، بذل المجهود: ٩٣/٣

(٤) أوجز المسالك: ٢٧٦/١

راجح ہے، وہ اس طرح کہ جب ظاہری طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی احادیث اور فعلی احادیث میں تعارض معلوم ہو تو امت کے لیے قولی احادیث پر عمل کرنے کا حکم ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال میں تو بہت سارے افعال ایسے ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مخصوص تھے، امت کے لیے ان کا حکم نہیں ہے۔ بخلاف اقوال کے کہ وہ تو ارشاد ہی امت ہی کو فرمائے گئے ہیں۔ اور مسئلہ مبحوث بہا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی احادیث میں امت کے لیے اسفار بالفجر کا حکم ہے۔(۱)

نیز ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے قول کے بعد تو کسی اور جواب یا وجہ ترجیح کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی، اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی ایسے امر پر مجتمع ہو جائیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ نہ ہو، یہ ناممکن بات ہے۔(۲)

حضرت کشمیری رحمہ اللہ کی تحقیق

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بظاہر ابتداء عہدِ نبوی میں نمازِ صبح غلس میں ہوتی تھی، اگرچہ اس قدر غلس اور اندھیرے میں نہیں جو امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک ہے، وجہ یہ کہ وہ زمانہ شدتِ عمل کا تھا، جلیل القدر صحابہ اسلام لائے تھے جو اعلیٰ کمالاتِ نبوت کا مظہر بنے تھے، پھر وہ حضرات نمازِ تہجد کی بھی پابندی کرتے تھے، لہٰذا صبح کی نماز جماعت کے ساتھ باآسانی پڑھ لیتے تھے، پھر جب اسلام پھیلا اور بکثرت لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اور مجموعی طور سے ان میں (بنسبت سابقین اولین کے) ضعف ظاہر ہوا تو نمازِ صبح میں اسفار پر عمل ہونے لگا، تاکہ جماعت میں کمی نہ ہو۔

پس اگر اب بھی کوئی ایسا موقع ہو کہ سب لوگ ایک جگہ موجود ہوں اور جماعت

---

(۱) تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، شرائط الصلاة: ۱/۲۲۲، العرف الشذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الإسفار بالفجر، رقم الحديث: ۱۵٤، ۱/۲۰۰، نيل الأوطار، كتاب الصلاة، باب وقت صلاة الفجر، ماجاء في التغليس بها والإسفار، رقم الحديث: ٤٧٠، ۲/۲۱

(۲) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، الوقت الذي يصلى فيه الفجر: ۱/۱۳٦

کے لیے سہولت جمع ہوسکیں تو غلس میں نماز پڑھی جائے گی، جیسا کہ مبسوطِ سرخسی، باب التیمم میں ہے اور بخاری باب وقت الفجر میں سہل بن سعد کی حدیث آئے گی کہ میں گھر میں سحری کھاتا تھا پھر جلد ہی مسجد میں پہنچتا تھا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جماعت میں شریک ہوجاؤں۔(۱)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ تغلیس رمضان میں ہوتی تھی اور اس کا دستور ہمارے یہاں دارالعلوم دیوبند میں بھی اکابر کے زمانے سے ہے۔

نیز! حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعتِ فجر کی ابتداء غلس میں اور انتہاء اسفار میں ہوتی تھی اور اس کو امام طحاوی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں پوری نماز اسفار میں ہونے لگی تھی، جسے متاخرین حنفیہ نے اختیار کیا ہے۔(۲)

نوٹ

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے دیگر مستدلات اپنے مقام پر آئیں گے تو احناف کی طرف سے ان کے جوابات بھی ذکر کردیے جائیں گے۔فقط

۱۳ – باب : إِذَا صَلَّى فِي ثَوْبٍ لَهُ أَعْلَامٌ ، وَنَظَرَ إِلَى عَلَمِهَا .

یہ باب ہے اس شخص کے بارے میں جو ایسے کپڑوں میں نماز پڑھے جس پر بیل بوٹے نقش ونگار بنے ہوئے ہوں اور دورانِ نماز ان نقوش ونگار پر نگاہ بھی پڑے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ترجمۃ الباب کے آخری جملے میں ایک روایت "ونظر إلى عَلَمِهِ" بھی ہے، یعنی: عَلَم کی اضافت ضمیرِ مذکر کی طرف ہے، اس میں یہ ضمیر "ثوب" کی طرف لوٹے گی اور ضمیر مؤنث "خَمِيصَة" کے اعتبار سے ہے، جس کا ذکر حدیث میں آرہا ہے۔(۳)

---

(۱) صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب وقت صلاة الفجر، رقم الحديث: ٥٧٧

(۲) أنوار الباري: ١١/١٣٢، ١٣٣، شرح معاني الآثار: ١/١٣٦

(۳) شرح الكرماني: ٤/٢٥

"أعلام" جمع ہے عَلَم کی، اس جگہ اس سے مراد وہ نقوش اور دھاریاں ہیں جو کپڑے پر ہوتی ہیں، اس کپڑے کی تزئین اور خوبصورتی کے لیے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض ترجمۃ الباب سے یہ ہے کہ اگر نماز میں اِدھر اُدھر کا خیال آجائے تو نماز ہو جائے گی، اگر چہ پھول دار کپڑوں کو پہن کر اس کا خیال دل میں آجائے''۔(۱)

٣٦٦ : حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ : حَدَّثنا إِبْراهِيمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ : حَدَّثنا ٱبْنُ شِهَابٍ ، عَنْ عُرْوَةَ ، عَنْ عَائِشَةَ(٢): أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ صَلَّى فِي خَمِيصَةٍ لَهَا أَعْلَامٌ ، فَنَظَرَ إِلَى أَعْلَامِهَا نَظْرَةً ، فَلَمَّا ٱنْصَرَفَ قَالَ : (ٱذْهَبُوا بِخَمِيصَتِي هٰذِهِ إِلَى أَبِي جَهْمٍ ، وَأْتُونِي بِأَنْبِجَانِيَّةِ أَبِي جَهْمٍ ، فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي آنِفًا عَنْ صَلَاتِي) .

وَقَالَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَائِشَةَ : قَالَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ : (كُنْتُ أَنْظُرُ إِلَى عَلَمِهَا وَأَنَا فِي ٱلصَّلَاةِ ، فَأَخَافُ أَنْ تَفْتِنَنِي) . [٧١٩ ، ٥٤٧٩]

---

(١) تقرير بخاري: ٢/١٢٩، أوجز المسالك، كتاب الصلاة، باب النظر في الصلاة إلى ما يشغلك عنها، رقم: ٢١٢، ٢/٣٣٧

(٢) رواه البخاري في صفة الصلاة، باب الالتفات في الصلاة، رقم الحديث: ٧٥٢، وفي اللباس، في باب الأكسية والخمائص، رقم الحديث: ٥٨١٧

ومسلم في المساجد، باب كراهية الصلاة في ثوب له أعلام، رقم الحديث: ٥٥٦.

وأبوداود في الصلاة، باب النظر في الصلاة، رقم الحديث: ٩١٤، وفي اللباس، باب من كره لبس الحرير، رقم الحديث: ٤٠٥٢

والنسائي في القبلة، باب الرخصة في الصلاة في خميصة لها أعلام، رقم الحديث: ٧٧٢

والإمام مالك في الموطا، كتاب الصلاة، باب النظر في الصلاة إلى مايشغلك عنها، رقم الحديث: ٢١٢

وجامع الأصول، كتاب الصلاة، الفصل السادس في شرائط الصلاة ولوازمها، الفرع الثالث في ستر العورة، النوع الرابع في ما كره من اللباس، رقم الحديث: ٣٦٥٠، ٥/٤٦٢

ترجمہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی چادر میں نماز ادا فرمائی، جس میں نقش ونگار (بیل بوٹیاں اور دھاریاں وغیرہ) بنے ہوئے تھے۔ (دورانِ نماز) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ان نقوش پر پڑی، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری یہ چادر ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور ان سے ان کی (سادہ ایک رنگ والی) چادر لے آؤ، اس (نقوش والی) چادر نے مجھے میری نماز سے غفلت میں ڈال دیا۔

تراجمِ رجال

أحمد بن يونس

یہ "احمد بن عبداللہ بن یونس بن عبداللہ بن قیس تمیمی یربوعی کوفی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے تفصیلی کتاب الایمان، باب: "من قال إن الإيمان هو العمل" کے تحت گزر چکے ہیں۔(۱)

إبراهيم بن سعد

یہ "ابواسحاق ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف زہری مدنی رحمہ اللہ" ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کتاب الایمان، باب: "تفاضل أهل الإيمان في الأعمال" میں گزر چکے ہیں۔(۲)

ابن شهاب

ان کا مکمل نام "ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب بن عبداللہ لوئی الزہری المدنی رحمہ اللہ" ہے۔

---

(۱) كشف الباري: ۲/۱۵۹

(۲) كشف الباري: ۲/۱۲۰

ان کے تفصیلی حالات کتاب بدء الوحي کی تیسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں۔(۱)

عروة

یہ ''عروہ بن الزبیر بن العوام رحمہ اللہ'' ہیں۔
ان کے حالات کتاب بدء الوحي کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں۔(۲)

عائشة

یہ ''ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا'' ہیں۔
ان کے احوال بھی کتاب بدء الوحي کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں۔(۳)

شرح حدیث

صلّى في خَمِيْصَةٍ لها أعلام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خمیصة (چادر) میں نماز ادا فرمائی، اس چادر پر دھاریاں، نقش ونگار تھے۔

''خمیصة'' یہ لفظ ''خ'' کی فتحہ، ''م'' کی کسرہ اور ''ص'' کی فتحہ کے ساتھ مستعمل ہے، وہ چادر، جو اُون سے بنی ہوئی ہو، کالے یا سرخ رنگ کی، اس پر بیل بوٹے یا دھاریاں بنی ہوئی ہوں، مربع شکل میں ہو، خمیصہ کہلائی ہے۔ عام سادہ چادر کو خمیصہ نہیں کہا جاتا۔ خمیصہ کہا ہی اس چادر کو جاتا ہے جو سیاہ رنگ کی اور دھاریوں والی ہو۔(۴)

''لها أعلام'' عبارت میں اس لفظ کا استعمال بطور بیان اور تاکید کے ہے، اس لیے کہ ان الفاظ کے

---

(١) كشف الباري: ١/٣٢٦

(٢) كشف الباري: ١/٢٩١

(٣) كشف الباري: ١/٢٩١

(٤) معجم الصحاح، ص: ٣١٨، النهاية في غريب الحديث والأثر: ١/٥٣٤، مجمع بحار الأنوار: ٢/١١٤، التوضيح لابن ملقن: ٥/٣٤٥، الاستذكار، كتاب الصلاة، باب النظر في الصلاة إلى مايشغلك عنها، رقم الحديث: ٩٥، ١/٥٧٢، فتح الباري: ١/٦٢٦

معنی خود لفظِ خمیصہ میں موجود ہیں۔(۱)

فنظر إلى أعلامها نظرةً

اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اتفاقاً اُن نقوش ودھاریوں پر پڑی اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دھیان نماز سے ہٹنے کے قریب ہوا۔(۲)

فلمّا انصرف

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مکمل کرلی اور نمازیوں کی طرف رخ کرکے بیٹھ گئے۔

قال اذهبوا بخميصتي هذه إلى أبي جهم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اس رنگ دار چادر کو ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور اُسے دے دو۔

أبو جهم

یہ ابوجہم بن حذیفہ بن غانم بن عامر بن عبداللہ بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب القرشی العدوی رضی اللہ عنہ ہیں۔(۳)

ان کی والدہ کا نام بشیرہ بنت عبداللہ ہے، یہ عدی بن کعب کی نسل سے ہیں۔(۴)

یہ صحابی رسول ہیں، فتح مکہ کے موقع پر اسلام میں داخل ہوئے۔(۵)

ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے عامر لکھا ہے اور بعض نے ''عبید بن حذیفہ القرشی العَدَوی'' لکھا ہے۔(۶)

---

(۱) فتح الملهم، كتاب المساجد، باب كراهية الصلاة في ثوب له أعلام، رقم: ٥٥٦، ٣/ ٤٠١

(٢) بذل المجهود، كتاب اللباس، من كره لبس الحرير، رقم الحديث: ٤٠٥٢، ١٢/ ٨١

(٣) الإصابة في تمييز الصحابة، رقم الترجمة: ٢٠٧، ٤/ ٣٥

(٤) الطبقات الكبرى لابن سعد: ٥/ ٤٥١

(٥) الثقات لابن حبان: ٣/ ٢٩١، معرفة الصحابة لأبي نعيم: ٤/ ٤٤٦، سير أعلام النبلاء: ٢/ ٥٥٦

(٦) الثقات لابن حبان: ٣/ ٢٩١، التوضيح لابن ملقن: ٥/ ٣٤٤، شرح النووي على صحيح مسلم، رقم =

یہ صحابی زمانہ جاہلیت میں بیت اللہ کی تعمیر میں بھی شریک ہوئے تھے۔(۱)

ابونعیم الاصبہانی نے لکھا ہے کہ یہ فتح مصر میں بھی شریک ہوئے۔(۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زکوۃ وصدقات وصول کرنے کے لیے عامل بنا کر بھیجا تھا، ان سے کوئی روایت مروی نہیں ہے۔(۳)

ابن سعد نے لکھا ہے کہ ان کا انتقال حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد ہوا۔(۴)

مزید دوسری کتب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کے فوت ہوجانے کا ذکر مکتوب ہے۔(۵)

کتب حدیث میں یہ صحابی ''صاحب الانبجانیہ'' کے نام سے مشہور ہیں۔(۶)

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں ابواب التیمم میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ ابوجہم اور ابوجُہیم کی روایات کتب حدیث میں تین جگہ آئی ہیں، ایک "أبواب التيمم" میں، دوسری "أبواب اللباس" اور تیسری "مرور في الصلاة" میں اور میں وہاں بتلا چکا کہ "أبواب اللباس" میں تو ابوجہم صحیح ہے اور جو ''ابوجُہیم'' کہے، وہ غلط ہے اور بقیہ دونوں جگہ (یعنی: ابواب التیمم اور ابواب السترہ میں) ''ابوجہیم'' ہے۔(۷)

اور اسی کا ذکر حافظ ابن حجر، علامہ نووی، علامہ عینی رحمہم اللہ نے بھی کیا ہے۔(۸)

= الحديث: ١٢٣٨، ٥/٤٧، فتح الباري: ١/٦٢٦، عمدة القاري: ٤/١٣٨

(١) سير أعلام النبلاء: ٢/٥٥٦، الإصابة في تمييز الصحابة: ٤/٣٥

(٢) معرفة الصحابة لأبي نعيم: ٤/٤٤٦

(٣) سير أعلام النبلاء: ٢/٥٥٦

(٤) الطبقات الكبرى لابن سعد: ٥/٤٥١

(٥) الإصابة في تمييز الصحابة: ٤/٣٥، التوضيح لابن ملقن: ٥/٤٢٥، إرشاد الساري: ٢/٣٥

(٦) معرفة الصحابة لأبي نعيم: ٤/٤٤٦

(٧) تقرير بخاري شريف: ٢/١٣٠، أوجز المسالك، رقم الحديث: ٢١٢، ٢/٣٣٤، ٣٣٥

(٨) فتح الباري: ١/٦٢٦، شرح النووي على صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٢٣٨، ٥/٤٧، عمدة القاري: =

وأتوني بأنْبِجَانِيَّة أبي جهم

اورمیرے پاس ابوجہم کی انبِجَانِيه (بغیر نقوش کے ساتھ چادر) لے آؤ۔

"أنبجانية": "ہمزہ" کی فتحہ اور کسرہ کے ساتھ اور "ب" کی فتحہ اور کسرہ کے ساتھ اور "ی" کی تشدید اور تخفیف کے ساتھ مستعمل ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ کپڑا ایک جگہ کی طرف منسوب ہے، جسے "أنبجان" کہتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی دیگر اقوال کتب لغت میں مذکور ہیں۔

"أنبجانية" اس موٹی چادر کو کہتے ہیں، جس پر کسی قسم کے نقش ونگار بیل بوٹیاں یا دھاریاں وغیرہ نہ ہوں، اس کے بالمقابل اگر مذکور الذکر میں سے کوئی چیز کپڑے پر ہو تو اسے "خمیصہ" کہتے ہیں۔(۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منقش چادر ابوجہم کو ہی کیوں بھیجی؟

مذکورہ بالا جملوں میں یہ بات سامنے آئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ "خمیصہ" ابوجہم کو دے آؤ۔ اس مقام پر ایک سوال ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ چادر بھیجنے کے لیے ابوجہم کو خاص کرنے کی کیا وجہ ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چادر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوجہم نے ہی ہدیۃً بھیجی تھی (۲)، جیسا کہ مؤطا امام مالک میں ہے:

"أهدىٰ أبوجهم ابن حذيفة لِرسول الله صلى الله عليه وسلم خميصةً شاميّةً لها عَلَمٌ".(۳)

= ۱۳۸/٤، فتح الملهم: ۴۰۱/۳

(۱) معجم الصحاح، ص: ۱۰۱۵، لسان العرب: ١٤/١٤، إكمال المعلم شرح مسلم لقاضي عياض: ۴۹۰/۲، إكمال إكمال المعلم: ۲۵۳/۲، شرح الكرماني: ۳٦/٤، التوضيح لابن ملقن: ۳٤٥/٥، شرح النووي على صحيح مسلم: ٤٦/٥

(۲) أوجز المسالك، كتاب الصلاة، النظر في الصلاة إلى ما يشغلك عنها، رقم الحديث: ۲۱۲، ۳۳٦/۲، عمدة القاري: ۱۳۸/٤

(۳) الموطا للإمام مالك، كتاب الصلاة، النظر في الصلاة إلى ما يشغلك عنها، رقم الحديث: ۲۱۲

"انبجانية" اس جگہ مؤنث کا صیغہ استعمال ہوا ہے، "أبي جهم" کی طرف اضافت کے ساتھ، جب ایک اور روایت میں مذکر کا صیغہ استعمال ہوا ہے، "کساء له أبنجانياً". (۱)

فإنها ألهتني آنفاً عن صلاتي

پس تحقیق اس خمیصہ نے مجھے ابھی میری نماز سے غافل کر دیا۔

"أَلْهَتْنِيْ" کا مطلب "شَغَلَتْنِيْ" ہے، یعنی اس چادر کے نقش ونگار نے مجھے نماز کے دوران رب عز وجل کے ساتھ حضوری سے اور نماز میں غور وفکر کرنے سے مشغول کر دیا یعنی: غافل کر دیا۔ (۲)

اس جگہ "ألهتني" ماضی کا صیغہ ہے، جس کا مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غفلت میں پڑ گئے تھے، جب اس حدیث کے بعد آنے والے تعلیق میں ہے (۳): "فأخاف أن تفتنني". اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غفلت طاری نہیں ہوئی تھی، بلکہ غفلت میں پڑنے کا خوف پیدا ہوا تھا، جیسا کہ مؤطا کی روایت میں ہے (۴): "فكاد يفتنني" یعنی، قریب تھا کہ وہ نقش ونگار مجھے فتنہ میں ڈال دیتے۔ تو "فأخاف" اور "فكاد" کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ فتنہ واقع نہیں ہوا، کیونکہ لفظ "کاد" قربت کے معنی پر دلالت کرتا ہے اور فعل کے وقوع کو روکتا ہے۔ (۵)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ (روایات میں پیش آنے والے اس ظاہری تعارض کی وجہ سے) تاویل کی جائے گی کہ معنی یہ ہیں کہ میں غفلت میں پڑنے کے قریب ہوا، "إلهاء" کا اطلاق قرب میں مبالغہ کے لیے ہوتا ہے۔

یا یہ تاویل کی جائے گی کہ فتنہ کا مصداق "إلهاء" سے قوی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کے الفاظ کے ساتھ قربت والے الفاظ کو استعمال کیا اور "إلهاء" کے الفاظ کو مطلقاً استعمال کیا۔ (۶)

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب كراهة الصلاة في ثوب له أعلام، رقم الحديث: ٥٥٦

(٢) التوضيح لابن ملقن: ٥/٣٤٥

(٣) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب إذا صلى في ثوب له أعلام ونظر إلى علمها، رقم: ٣٧٣

(٤) الموطا للإمام مالك، أبواب الصلاة، النظر في الصلاة إلى مايشغلك عنها، رقم الحديث: ٢١٢

(٥) أوجز المسالك، رقم الحديث: ٢١٢، ٢/٣٣٧، فتح الملهم، رقم الحديث: ٥٥٦، ٣/٤٠١

(٦) فتح الباري: ١/٦٢٧، أوجز المسالك، رقم الحديث: ٢١٢، ٢/٣٣٧، إرشاد الساري: ٢/٣٦

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی رائے

مذکورالذکر بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ ظاہری تعارض سے بچنے کی خاطر پہلی بات "الھاء" کے معنی دوسری بات یعنی احتمال والے معنی مراد لیے جائیں تو مراد یہ ہوگی کہ غفلت پیش نہیں آئی تھی، بلکہ غفلت میں پڑنے کا احتمال پیدا ہوگیا تھا۔

اس پر حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا:

اس مقام پر حافظ ابن حجر اور علامہ قسطلانی رحمہما اللہ نے تاویل کی ہے ...... مگر میرے نزدیک تاویل کی ضرورت نہیں اور چونکہ یہ دونوں لفظ حدیثِ پاک میں آگئے ہیں، اس لیے جب تک ان کے معنی بلا تاویل کے بن سکتے ہوں، بنا لیے جائیں۔ چنانچہ یہاں معنی بن سکتے ہیں اور وہ یہ کہ "إلھاء" سے مراد "إلھاء خفیف" ہے، یعنی اِدھر اُدھر کا تھوڑا سا خیال آجانا اور "افتتنان" یہ ہے کہ ان خیالات وتفکرات کی شدت ہوجائے تو "ألھتني" کا مطلب یہ ہوا کہ کچھ خیال آیا اور "أخاف أن تفتنني" کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی بھرمار نہیں ہوئی۔ اب خلاصہ یہ نکلا کہ نفسِ خیال کا تو وقوع ہوا، مگر ان کی کثرت اور بھرمار نہیں ہوئی اور میرے خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ فقہاء نے ایک مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر اِدھر اُدھر کا خیال آجائے تو نماز صحیح ہوجائے گی، مگر یہ خیالات بہتر نہیں ہیں اور دلیل میں فقہاء اسی روایت کو پیش کرتے ہیں تو اگر الھاء واقع نہیں ہوا تو فقہاء کا استدلال کرنا کیسے صحیح ہوگا؟! لیکن خیالات وغیرہ لانا مکروہ ہوگا اور جس درجہ کا الھاء ہوگا، اسی درجہ کی کراہت ہوگی، حتیٰ کہ کبھی تنزیہی اور کبھی تحریمی تک کی نوبت پہنچ جائے گی، اس کے بعد یہ سمجھو کہ اس واقعہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور اعادہ نہیں فرمایا تو اس سے نماز کی صحت معلوم ہوئی اور چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کپڑا واپس فرمادیا تو اس سے کراہت معلوم ہوئی۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں کسی قسم کا بُرا خیال نہ لایا جائے، کیونکہ آپ تعلیم فعلی کے واسطے تشریف لائے تھے، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کرکے دکھلایا کہ اگر ایسا واقعہ پیش آجائے تو

نماز ہو جائے گی، یہی وجہ ہے کہ ہمارے لیے جو کام خلاف اولیٰ ہیں ان کے کرنے پر آپ کو واجب پر عمل کرنے کا ثواب ملے گا۔ اسی واسطے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی پورا ثواب ملتا ہے، اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے گناہ ہوئے، جیسے: چوری، زنا وغیرہ یہ سب بھی تعلیم امت کے لیے تھے، اس لیے کہ ان کی تعلیم امت کے لیے ضروری تھی اور (چونکہ) یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف تھے، اس لیے نبی کے اصحاب سے کرائے گئے۔(۱)

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کی رائے

مذکورہ ظاہری اختلاف کے حل میں شارح بخاری علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حالتیں تھیں: ایک حالتِ بشری، دوسری وہ حالت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھی، اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشری مقتضیات سے باہر ہوتے تھے، چنانچہ! پہلی حالت، حالتِ بشریہ کی طرف دیکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ألهتني" اور دوسری حالت کی طرف دیکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جزماً نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا کہ مجھے ڈر ہوا۔ اور اس سے فتنے میں وقوع حقیقۃً لازم نہیں آتا۔(۲)

ابوجہم کے پاس چادر بھیجنے پر ایک شبہ اور اس کا جواب

اس مقام پر ایک شبہ ہوتا ہے کہ وہ چادر جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں خلل واقع ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ناپسند سمجھتے ہوئے ابوجہم کے پاس بھیجنے کا حکم فرمایا، تو جو خود کو ناپسند تھی وہ کسی اور کے لیے کیسے پسند فرمائی؟

دوسری بات! جب وہ کپڑا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غفلت میں ڈالنے کا سبب بن گیا تو وہ کپڑا ابوجہم رضی اللہ عنہ کو تو یقیناً غفلت میں ڈال دے گا، ایسی چیز دوسرے کے پاس کیسے بھیج دی؟

---

(۱) تقرير بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب إذا صلى في ثوب له أعلام: ۳۴۶/۲، الكنز المتواري: ۴۷/۴، ۴۸، أوجز المسالك، كتاب الصلاة، باب النظر في الصلاة إلى مايشغلك عنها، رقم الحديث: ۲۱۲، ۳۳۷/۲، بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب من كره لبس الحرير، رقم الحديث: ۹۱۴، ۳۹۷/۴

(۲) إرشاد الساري: ۳۶/۲

علامہ عثمانی صاحب رحمہ اللہ کا جواب

اس کا جواب علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے یہ دیا:

أولاً یہ ہے کہ محض بھیجنا اس کی دلیل نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو وہ کپڑا پہن کر نماز پڑھنے کا حکم دے رہے ہیں (یہ تو ایسا ہی ہے)(۱) جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی لباس بھجا تھا، پھر تصریح فرمادی (تھی) کہ تمہارے استعمال کے لیے نہیں بھیجا (بلکہ اس لیے بھیجا تھا کہ اس کو فروخت وغیرہ کر کے قیمت کام میں لے آئے، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہ جوڑا دو ہزار درہم میں فروخت کیا تھا)۔(۲)

(اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک جوڑا بھیجا تھا کہ اس کو عورتوں کے لیے چادر، دوپٹہ وغیرہ کے طور پر استعمال کرلیا جائے)۔(۳)

ثانیاً یہ ایک چیز ایک شخص کے حق میں مُلہِی ہو تو ضروری نہیں کہ دوسرے شخص کے حق میں بھی مُلہِی ہو جائے۔

دوسرے جواب پر اشکال اور اس کا حل

اگر کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ذاتِ اقدس کے لیے جب "مُلہِی" ہوا تو دوسرے کے لیے بطریقِ اولیٰ (مُلہِی) ہونا چاہیے، کیونکہ دوسروں کو وہ کمالِ حضور حاصل نہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا؟

اس کا جواب ایک مثال سے سمجھ لیا جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کمالِ

---

(۱) شرح ابن بطال: ۲/۲۹

(۲) صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم استعمال إناء الذهب والفضة على الرجال والنساء، رقم الحديث: ٥٤١٩

(۳) صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم استعمال إناء الذهب والفضة على الرجال والنساء، رقم الحديث: ٥٤٤٢

(حضور) اور دوسروں کا عدمِ کمال ہی اس تفاوت کا سبب ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک بہت ہی صاف، سفید، براق (چمکدار) کپڑے پر ادنیٰ سا بہت ہی خفیف داغ دھبہ لگ جائے تو فوراً محسوس ہوگا، بخلاف اس کے کہ اگر کپڑا میلا کچیلا ہو اور اس پر معمولی سا، خفیف داغ دھبہ لگ جائے تو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ اسی طرح کاملین (جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم) کو چونکہ کمالِ حضور و استغراق نماز میں ہوتا ہے، اس لیے ادنیٰ ترین مشاغل بھی ان کے احساسِ باطنی پر اثر انداز ہوتا ہے، (اس کے برخلاف) ناقصین یا غیر کاملین کو بعض اوقات اس کا پتہ بھی نہیں چلتا، (الغرض یہ بات ممکن ہے کہ وہ منقش کپڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ حضور کی وجہ سے آپ کے احساسِ باطنی پر تو اثر انداز ہو، لیکن ابوجہم کے لیے اس کا باعث نہ بنے)۔ عارف رومی نے فرمایا:

گرز باغ دل خلالے کم بود
بر دلِ سالک ہزاراں غم بود(۱)

اس جگہ ایک اور سوال ہوتا ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بوقتِ معراج یہ سامنے آئی تھی: "ما زاغ البصر وما طغیٰ" اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اس وقت دنیا و مافیہا سے الگ ہو کر حق باری عز و جل کے سامنے بالکلیہ یکسو ہو گئے تھے، یعنی آپ کے اندر یہ صفت وصلاحیت موجود تھی کہ آپ ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہ ہو پائے، پھر آپ کے بارے میں یہ خیال کیسے متحقق ہو سکتا ہے کہ آپ محض ایک منقش چادر کی وجہ سے فتنہ و غفلت میں پڑنے کے قریب ہو گئے؟!

تو اس کا جواب یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حالتیں ہیں: ایک بشری اور دوسری روحانی، جب آپ معراج میں تشریف لے گئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بشری طبیعت سے الگ ہو گئے تھے، بخلاف وقتِ معراج کے، کہ اس

(۱) فضل الباري: ۵۳/۳، ۵۴، شرح ابن بطال: ۳۹/۲، إكمال إكمال المعلم: ۲۵۴/۲، شرح النووي على صحيح مسلم: ۴۷/۵، بذل المجهود: ۳۹۸/۴، أوجز المسالك: ۳۳۷/۲

وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ بشری طباع اور مقتضیات کی طرف متوجہ تھے، چنانچہ آپ سے وہ تمام چیزیں صادر ہونا متوقع ہیں جو کسی بشر سے متوقع ہوں۔(۱)

ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے بہت سے افراد کے ساتھ ایسی حالتیں وصفات پیش آئی ہیں کہ ان کو دورانِ نماز خبر تک نہیں ہوئی، حتیٰ کہ چھت گرنے، سانپ لپٹنے تک سے غفلت پیدا نہ ہوئی، تو پھر ایک نبی سے اس کا صدور کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ

یہ افراد اس وقت اپنی حالتِ بشریت سے خارج ہوتے ہیں، جس کی بنا پر ان کو خبر تک نہیں ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی حالت خاص پر ہوتے تھے اور کبھی غیر خواص کی حالت میں ہوتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیتے تھے، "لست کأحد کم"(۲) یعنی: میں تمہاری طرح نہیں ہوں اور جب دوسری حالت میں ہوتے تھے تو فرمادیتے تھے: "إنما أنا بشر"(۳) یعنی: میں بھی تم جیسا ہی بشر ہوں، اس وقت آپ اپنی طبعی حالت کی طرف لوٹا دیے جاتے تھے۔(۴)

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ نہ رہ سکے تو ابوجہم کیسے محفوظ رہ سکتے تھے؟

سوال یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود معصوم ہونے کے محفوظ نہیں رہ سکے تو پھر ابوجہم کیسے محفوظ رہ سکتے تھے؟

اس کا جواب سابق میں دیا گیا ہے، اس کی مزید تفصیل اس طرح ہے کہ

ابوجہل نابینا تھے، اگر وہ اس چادر کو پہن کر بھی نماز ادا کرلیتے تو ان سے الہاء متصور نہیں تھا، دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوگیا تھا وہ اس کو پہن کر نماز نہیں پڑھیں گے۔

(۱) أوجز المسالك: ۲/ ۳٤۰، فتح الملهم: ۳/ ٤۰۱

(۲) صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب الوصال، ومن قال ليس في الليل صيام، رقم الحديث: ۱۹٦۱

(۳) صحيح البخاري، كتاب المظالم، باب ثم من خاصم في باطل وهو يعلمه، رقم الحديث: ۲٤۵۸

(٤) أيضاً، التوضيح لابن ملقن: ۵/ ۳٤۷

تیسرا جواب ماقبل میں گزرا کہ پہننے کے لیے بھیجا ہی نہیں تھا، اس کے بھیجنے سے مقصود یہ تھا کسی اور استعمال میں لے آئیں یا فروخت کریں۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا، جیسا کہ ارشاد فرمایا: "كل فإني أناجي من لاتناجي".

ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص اس بات کا دعویٰ کرے کہ اس طرح کی چیزوں سے اس کا دل متاثر نہیں ہوتا تو تحقیق وہ سلوک کے طریق سے جاہل اور بے خبر ہے۔(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خمیصہ کے بدل میں چادر منگوانا کس لیے تھا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

یہ خمیصہ ابوجہم کو دے آؤ اور اس کے بدلے اس سے اس کی سادہ چادر (انبجانیه) لے آؤ۔ آپ نے ایسا اس لیے کیا کہ ابوجہم کا دل کبیدہ خاطر نہ ہو، کیونکہ "خمیصہ" ابوجہم نے ہی ہدیۃً دی تھی اگر محض اسے واپس کر دیا جاتا تو اسے گرانی ہوتی، اس لیے ایک واپس کر کے دوسری طلب کر لی، پہلی اس لیے واپس کی کہ ابوجہم کے استعمال کرنے سے ان کو بوجہ نابینا ہونے کے کوئی خطرہ نہ تھا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح طلب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر کا مال طلب کرنا اس وقت جائز ہے جب معلوم ہو کہ جس سے مانگا جا رہا ہے وہ خوش ہوگا۔ اور اس میں اس کی طیب نفس شامل ہے۔(۲)

روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب تھا، "إذا صلّى في ثوب له أعلام ونظر إلى علمها" اور روایت میں بھی مذکور ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر دورانِ نماز ان نقوش پر پڑی جو کپڑے پر تھے۔(۳)

---

(۱) فتح الملهم: ۴۰۱/۳، فتح الباري: ۶۲۷/۱، شرح الكرماني: ۳۶/۴

(۲) الاستذكار لابن عبدالبر، كتاب الصلاة، باب النظر في الصلاة إلى ما يشغلك عنها، رقم: ۹۵، ۵۷۵/۱، شرح الكرماني: ۳۶/۴، ۳۷، فتح الملهم: ۴۰۲/۳

(۳) عمدة القاري: ۱۳۷/۴

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور

اس حدیثِ مبارکہ سے بہت سے اہم اُمور مستنبط ہوتے ہیں، چند ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱- ایسے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، جس پر بیل بوٹے، نقش ونگار بنے ہوئے ہوں۔

۲- نماز کے اندر تھوڑا بہت دھیان بٹنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

۳- نماز میں کامل درجے کا خشوع وخضوع مطلوب ومحمود ہے، اس کے حصول کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

۴- جو چیز نماز کے خشوع وخضوع میں رکاوٹ بنے، اسے فوراً اپنے سے دور کرنا چاہیے۔

۵- عالم کے لیے اپنے سے چھوٹے کو کنیت سے پکارنا درست ہے۔

۶- ساتھیوں سے ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔

۷- کسی وجہ سے ہدیہ واپس کرنا ہو اور معلوم ہو کہ مُہدی ناراض نہیں ہوگا تو ہدیہ رد کرنا بھی جائز ہے۔

۸- ظاہری اشیاء کی تاثیر پاکیزہ نفوس اور قلوب پر اثر انداز ہوتی ہے۔(۱)

تعلیق

وقال هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة قال النبي صلى الله عليه وسلم "كنت أنظر إلى علمها وأنا في الصلاة، فأخاف أن تفتنني".

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نماز پڑھتے ہوئے چادر کے نقوش کی طرف دیکھتا رہا، پھر مجھے خوف ہونے لگا کہ کہیں یہ نقوش مجھے فتنہ میں نہ ڈال دیں (یعنی مجھے نماز کے خشوع وخضوع سے غافل نہ کردے)۔

تعلیق کی تخریج

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے لکھا ہے(۲) کہ اسی طریق سے اس روایت کی تخریج مسند احمد،

(۱) عمدة القاري: ۱۳۷/٤، شرح النووي على صحيح مسلم: ٤٦/٥، التوضيح لابن ملقن: ٤٣٦/٥

(۲) فتح الباري: ٦٢٧/١، تغليق التعليق: ٢١٦/٢، ٢١٧، عمدة القاري: ١٤٠/٤

المصنف لابن أبی شیبہ، صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں کی گئی ہے، لیکن ان تمام طرق میں بعینہ یہی الفاظ نہیں ہیں، جو اس طریق میں ہیں (۱)، تاہم الموطا للامام مالک میں اس کے قریب ترین الفاظ موجود ہیں اور وہ یہ ہیں:

"فإني نظرتُ إلى عَلَمِها في الصلاة، فكاد يفتنني". (۲)

تعلیق کے رجال

هشام بن عروه

یہ حضرت عروہ بن زبیر کے صاحبزادے ہیں، ان کی کنیت ابوالمنذر یا ابوعبداللہ ہے یہ تابعی ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ان کے حالات کتاب بدء الوحي کی دوسری حدیث میں گزر چکے ہیں۔ (۳)

أبيه

یہ حضرت عروہ بن زبیر بن العوام رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے حالات بھی بدء الوحي کی دوسری حدیث میں گزر چکے ہیں۔ (۴)

عائشة

یہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

ان کے حالات بھی بدء الوحي کی دوسری حدیث میں گزر چکے ہیں۔ (۵)

---

(۱) مسند أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ۲٤۰۸۷، ۲٤۱۹۰، ۲٥۷۳٤

المصنف لابن أبي شيبة بحواله فتح الباري: ۱/۶۲۷

صحيح مسلم، كتاب المساجد، مواضع الصلاة، باب كراهة الصلاة في ثوب له أعلام، رقم الحديث: ٥٥٦

سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب النظر إلى الصلاة، رقم الحديث: ۹۱٥

(۲) الموطا للإمام مالك، أبواب الصلاة، النظر في الصلاة إلى ما يشغلك عنها، رقم الحديث: ۲۱۲

(۳) كشف الباري: ۱/۱۹۱

(٤) كشف الباري: ۱/۱۹۱

(٥) كشف الباري: ۱/۱۹۱

تعلیق کی تشریح

اس تعلیق کی تشریح بھی سابقہ حدیث کی تشریح کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

"وأنا في الصلاة" جملہ حالیہ ہے، ماقبل جملہ میں "کنت" فعل کی "أنا" ضمیر سے۔

"فـأخـاف" اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غفلت میں پڑنے کا محض خوف واندیشہ ہوا تھا، حقیقۃً وقوعِ غفلت نہیں ہوا تھا۔

"أن تفتنني" أن مصدریہ ہے اور فعل کے اندر دو احتمال ہیں کہ ثلاثی مجرد سے ہو تو یہ "فَتَنَ يَفْتِنُ" ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہوگا۔ اور اگر ثلاثی مزید فیہ سے ہو تو یہ "أفْتَنَ يُفْتِنُ" بابِ افتعال سے ہوگا۔(۱)

تعلیق کا مقصد

روایت کے بعد تعلیق کا ظاہری مقصد اختلافِ روایات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ ماقبل روایت سے وقوعِ فتنہ کے تحقق کی خبر ہو رہی تھی اور اب اس روایت سے صرف احتمال معلوم ہو رہا ہے۔ پھر دونوں روایات میں تطبیق اور بالخصوص حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی رائے سابقہ اوراق میں مذکور ہو چکی ہے۔

١٤ - باب : إِنْ صَلَّى فِي ثَوْبٍ مُصَلَّبٍ أَوْ تَصَاوِيرَ ، هَلْ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ ؟
وَمَا يُنْهَى عَنْ ذَلِكَ .

یہ باب اس بارے میں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے کپڑے میں نماز ادا کرے، جس میں صلیب بنی ہوئی ہو یا کسی ایسے کپڑے میں نماز ادا کرے جس میں تصاویر بنی ہوئی ہوں تو اس کی نماز فاسد ہوگی؟ (یا نہیں) اور اس روایت کے بارے میں، جس میں ان کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

"ثوبٍ مُصَلَّبٍ" یہ موصوف صفت ہیں، "مصلّب" اسم مفعول کا صیغہ ہے، باب تفعیل سے، یعنی: "الذي فيه صورة الصليب" وہ کپڑا جس میں صلیب کی تصویر بنی ہوئی ہو۔(۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے، "أي: فيه صلبان منسوجة أو مَنْقُوشَة" یعنی ایسا کپڑا جس میں

(۱) فتح الباري: ١/٦٢٧، عمدة القاري: ٤/١٤٠، ١٤١، إرشاد الساري: ٢/٣٦

(۲) الكوثر الجاري: ٢/٥٩

صلیبیں لٹکی ہوئی ہوں یا منقوش ہوں۔(۱)

اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ معنی درست نہیں ہیں، یہاں صرف صلیب کی صورت کا ہونا ممنوع ہے، نفس صلیب کا لٹکا ہونا مراد نہیں ہے۔(۲)

"أو تصاویر" حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ "في ثوبٍ ذي تصاویر" ہے، "تصاویر" سے قبل مضاف محذوف ہے، جیسا کہ معنی اس پر دلالت کر رہا ہے۔(۳)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "تصاویر" کا عطف "ثوب" پر ہوگا، "مصلّب" پر نہیں۔ اور "تصاویر" مصدر ہے مفعول کے معنی میں۔ یا پھر اگر عطف "مصلّب" پر ہو تو تقدیراً عبارت اس طرح ہوگی "في ثوبٍ مصورٍ بالصليب" گویا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی منشأ "مصور بالصليب" کہنا ہے یا "مصورٍ بتصاوير غيره"(٤).

اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی مذکورہ تفصیل درست نہیں ہے، اس لیے کہ تصاویر جمع ہے تصویر کی، اور ہم اس لفظ کے مصدر بمعنی مفعول ہونے کو تسلیم کر لیں تو وہ تقدیر ماننا درست نہیں ہوگا جو علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے، یعنی: "إن صُلي في ثوبٍ مصورة" اس لیے موصوف صفت میں مطابقت نہیں رہے گی، حالانکہ مطابقت کا ہونا شرط ہے، لہذا ظاہر یہ ہے کہ "تصاویر" کا عطف "مصلّب" پر ہو، حرف صلہ محذوف ہونے کے ساتھ، اس صورت میں تقدیری عبارت یہ بنے گی: "إن صلي في ثوب مصور بصُليان، أو ثوبٍ مصوير بتصاوير التي هي التماثيل".(٥)

هل تفسُد صلاته؟

امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت یہ رہی ہے کہ جہاں کوئی اختلافی مسئلہ ہو، وہاں اپنی طرف سے قطعی حکم

(١) فتح الباري: ٦٢٧/١

(٢) عمدة القاري: ١٤١/٤

(٣) فتح الباري: ٦٢٧/١

(٤) شرح الكرماني: ٣٧/٤

(٥) عمدة القاري: ١٤١/٤

لگائے بغیر اس اختلاف کی طرف اشارہ کرنے والے الفاظ استعمال کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا، کہ اشارہ کردیا اور وہ اس طرح کہ جن کپڑوں میں تصاویر ہوں وہ پہن کر نماز پڑھ لی جائے تو اس سے نماز فاسد ہوجائے گی یا نہیں؟

تو جمہور اس پر ہیں کہ اگر تصویر سے متعلق واردشدہ نہی کی طرف دیکھا جائے تو پھر یہ فسادِ صلاۃ کا تقاضا کرتی ہے بصورت دیگر کراہت کا تقاضا کرتی ہے۔(۱)

وما يُنهى من ذلك

مراد اس جملے سے یہ ہے: "والذي ينهى عنه من المذكور" یعنی ماقبل میں جو مسئلہ مذکور ہوا (کہ تصاویر والے کپڑوں میں نماز ہوجائے گی یا نہیں؟) کے بارے میں وارد ہونے والی نہی کا بیان۔ بعض نسخوں میں ينهى کے بعد "عنه" مقدر ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ "من ذلك" کی بجائے "عن ذلك" ہے، پہلا قول راجح ہے۔(۲)

حدیث باب

٣٦٧ : حدّثنا أَبُو مَعْمَرٍ ، عَبْدُ ٱللهِ بْنُ عَمْرٍو قَالَ : حَدَّثنا عَبْدُ ٱلْوَارِثِ قَالَ : حَدَّثنا عَبْدُ ٱلْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ ، عَنْ أَنَسٍ(٣): كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ ، سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا ، فَقَالَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ : (أَمِيطِي عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا ، فَإِنَّهُ لَا تَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ فِي صَلَاتِي) . [٥٦١٤]

---

(١) فتح الباري: ١/٦٢٧، عمدة القاري: ٤/١٤١

(٢) فتح الباري: ١/٦٢٧، عمدة القاري: ٤/١٤١، إرشاد الساري: ٢/٣٧

(٣) رواه البخاري في كتاب اللباس، باب ما وطيء من التصاوير، رقم الحديث: ٥٩٥٤، ٥٩٥٥، وأخرجه النسائي بألفاظ، منها: "يا عائشة أخري هذا، فإني إذا رأيته ذكرت الدنيا". ومنها: "فهتكه بيده"، وقال: "إن أشد الناس عذاباً يوم القيامة الذين يشبهون بخلق الله". في كتاب الزينة، التصاوير، رقم الحديث: ٥٣٥٤، ٥٣٥٥، ٥٣٥٦، ٥٣٥٧

جامع الأصول، كتاب الزينة، الباب السابع في الصور والنقوش والستور، رقم الحديث: ٢٩٦٥، ٤/٨١٠

ترجمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پردہ تھا جس کے ساتھ وہ گھر کی ایک جانب کو چھپاتی تھیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! ہمارے سامنے سے اس پردے کو دور کرلو، اس کپڑے پر منقش تصاویر مسلسل میری نماز میں سامنے آکر نماز سے غافل کرتی رہیں۔

تراجم رجال

أبو معمر عبداللہ بن عمرو

یہ ابومَعمر عبداللہ بن عمرو بن ابی الحجاج مِنقَری بصری رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے حالات کتاب العلم، باب: "قول النبي صلى الله عليه وسلم: "اللهم علّمه الكتاب" میں گزر چکے ہیں۔(۱)

عبد الوارث

یہ عبدالوارث بن سعید بن ذکوان تمیمی عنبری تنوری بصری رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے حالات کتاب العلم، باب: "قول النبي صلى الله عليه وسلم: "اللهم علّمه الكتاب" میں گزر گئے ہیں۔(۲)

عبدالعزیز ابن صهیب

یہ حضرت عبدالعزیز بن صہیب بنانی بصری رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا مختصر تذکرہ کتاب الایمان، باب: "حب الرسول من الإيمان" میں گزر چکا ہے۔(۳)

یہ حضرت انس بن مالک، شہر بن حوشب، عبدالواحد البسانی، کنانہ بن نعیم العدوی، محمد بن زیاد، ابوصفیہ

---

(۱) كشف الباري: ۳۵۶/۳

(۲) كشف الباري: ۳۵۸/۳

(۳) كشف الباري: ۱۲/۲

صاحب ابی رزین، ابوغالب صاحب اُمامہ اورابونصرة العبدی رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

اوران سے روایت کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے، جن میں عبدالوارث بن سعید، ابراہیم بن طحان، حارث بن عبید ابوقدامہ الایادی، حسن بن ابی جعفر، حماد بن زید، حماد بن واقد، حماد بن سعید التمر اء، حماد بن واقد، حماد بن سعید البراء، حماد بن سلمہ، حماد بن یحییٰ، زکریا بن عمارہ الانصاری، سعید بن زید اخو حماد بن زید، حکم بن عتبہ، سعید بن عبدالعزیز رحمہم اللہ شامل ہیں۔(۲)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ثقة ثقة. (۳)

ان کے بیٹے نے ان سے پوچھا کہ عبدالعزیز اور یحییٰ بن اسحاق میں سے آپ کو کون زیادہ محبوب ہے؟ تو ابن حنبل رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ ''عبدالعزیز'' یحییٰ سے زیادہ ثقہ ہیں۔(۴)

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرے والد احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مَعْمَر عبدالعزیز بن صہیب کے بارے میں خطا پر ہے، معمر کا بیان ہے کہ عبدالعزیز حضرت انس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، حالانکہ وہ تو "بنانة" کے آزاد کردہ غلام تھے (نہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے)۔(۵)

ابن معین رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ثقة. (٦)

ابن سعد رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ثقة. (٧)

امام نسائی اور عجلی رحمہما اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ثقة(٨)

---

(١) تهذيب الكمال: ١٨/ ١٤٧، الجرح والتعديل: ٥/ ٤٥٢

(٢) تهذيب الكمال: ١٨/ ١٤٨، تهذيب التهذيب: ٦/ ٣٤١

(٣) الجرح والتعديل: ٥/ ٤٥٣، تهذيب الكمال: ١٨/ ١٤٨

(٤) الجرح والتعديل: ٥/ ٤٥٣، تهذيب الكمال: ١٨/ ١٤٨

(٥) الثقات لابن حبان: ٥/ ١٢٣، تهذيب الكمال: ١٨/ ١٤٩

(٦) تهذيب الكمال: ١٨/ ١٤٩

(٧) الطبقات الكبرى لابن سعد: ٧/ ٢٤٥

(٨) تهذيب التهذيب: ٦/ ٣٤٢

أنس

یہ مشہور صحابی حضرت انس بن مالک بن نضر بن ضمضم خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے حالات کتاب الایمان، باب: "من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه" میں گزر چکے ہیں۔(۱)

شرح حدیث

كان قرامٌ لعائشة

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پردہ تھا۔

"قِرام" ق کے کسرہ کے ساتھ ہے، اس کی جمع "قُرُمٌ" آتی ہے، اس سے مراد مختلف رنگوں کا موٹا اونی کپڑا ہے جس کا پردہ بنایا جاتا ہے۔ ایک دوسرا قول یہ ہے کہ "قرام" باریک منقش اونی پردہ ہوتا ہے۔(۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ پردہ گھر کے ایک کونے میں لٹکا کر رکھتی تھیں، تاکہ اس کے پیچھے چھپانے والی اشیاء کو چھپا کے رکھا جاسکے۔

أميطي عنّا قرامَكِ هذا

(فرمایا، اے عائشہ!) ہمارے سامنے سے اپنے اس پردے کو دور کرلو۔

"أميطي" کے معنی "ہٹادو"، "دور کردو" ہے۔(۳)

لا تزال تصاوير تعرض في صلاتي

اس کپڑے پر نقش تصاویر مسلسل میری نماز میں سامنے آکر مجھے نماز سے غافل کرتی رہیں۔

اس جملہ میں "تصاويره" اضافت إلی الضمیر کے ساتھ ہے، بعض نسخوں میں یہ لفظ اضافت کے بغیر

---

(۱) كشف الباري: ۴/۲

(۲) معجم الصحاح، ص: ۸۵۵، النهاية في غريب الحديث والأثر: ۴۴/۲، معجم تهذيب اللغة: ۳۳۲۷/۴، شرح الكرماني: ۳۷/۴، التوضيح لابن ملقن: ۳۵۰/۵، عمدة القاري: ۱۴۲/۴

(۳) التوضيح لابن ملقن: ۳۵۰/۵، عمدة القاري: ۱۴۲/۴

صرف ''تصاویر'' ہے۔ پہلی صورت میں ''ضمیر'' کپڑے یعنی: ''قرام'' کی طرف لوٹے گی۔(۱)

علامہ عثمانی رحمہ اللہ کا قول

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کی نماز میں اولیائے مغلوب الحال کی طرح ویسا استغراق نہیں ہوتا کہ بالکل کسی اور چیز کا احساس ہی باقی نہ رہے، کیونکہ یہ کوئی بڑا کمال نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کی نماز احساس باقی رہتے ہوئے پوری جمعیتِ خاطر اور استغراق باطن کے ساتھ ہوتی ہے، وہ فناء اور بقاء کے مقامات کو بیک وقت جمع رکھتے ہیں۔(۲)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی کی رائے

ترجمۃ الباب تھا کہ اگر کوئی شخص ایسے کپڑوں میں نماز پڑھے جن پر تصاویر بنی ہوں تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں؟

جب کہ حدیث مبارکہ میں ایسا کچھ مذکور نہیں ہے، حدیث میں تو یہ ہے کہ نمازی کے سامنے ایسے مصور کپڑے لٹکے ہوئے ہوں تو کیا حکم ہے؟

اس بارے میں علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اس طریقے سے ہے کہ نماز سے خارج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے پردے لٹکے ہوئے ہونے سے منع فرمادیا جس پر تصاویر تھیں تو اس کپڑے کا پہن کر نماز ادا کرنا تو بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہوگا۔

مزید لکھتے ہیں کہ

اگر یہاں اعتراض پیدا ہو کہ ترجمۃ الباب میں تو دو چیزوں کا ذکر ہے ایک صلیب کی تصویر والے

---

(۱) التوضيح لابن ملقن: ۳۵۰/۵، عمدة القاري: ۱۴۲/۴، تحفة الباري: ۲۹۶/۱

(۲) فضل الباري: ۵۵/۳

کپڑوں کا اور دوسرا مطلقاً تصاویر والے کپڑوں کا، جب کہ حدیث مبارکہ میں صرف ایک چیز کا ذکر ہے یعنی، مطلقاً تصاویر والے کپڑوں کا، تو مطابقت مکمل نہ ہوئی۔

تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ وہ کپڑا جس میں صلیبوں کی تصاویر لگی ہوں، اس کپڑے کو مطلقاً تصاویر والے کپڑے کے ساتھ ہی لاحق کیا جائے گا، کیونکہ دونوں تصاویر میں یہ اشتراک کی بات ہے کہ ان میں اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرنے کا پہلو موجود ہے۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بارے میں تین جواب دیئے ہیں، دو تو وہی جو علامہ عینی رحمہ اللہ نے دیئے اور تیسرا جواب یہ دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پردے کو زائل کر دینے کا حکم دیا تو یہ ایسے کپڑے کے مطلقاً استعمال کی ممانعت کو مستلزم ہے۔

حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں

پھر مجھ پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں جو "ثوبٍ مصلّبٍ" کہا ہے، اس سے اشارہ ہے اس بات کی طرف جو اسی حدیث کے بعض دوسرے طرق میں موجود ہے، اور وہ حدیث کتاب اللباس میں موجود ہے، اس میں ہے: "لم يكن رسول الله صلى الله عليه وسلم يترك في بيته شيئاً في تصليب إلا نقضه"(۲) اور اسی روایت میں "اسماعیلی" کے نسخے میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں: "ستراً أو ثوباً" چنانچہ مطابقت پوری طرح ثابت ہوگئی۔(۳)

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ ترجمہ میں دو جزء ذکر فرمائے گئے ہیں، ایک تصاویر کے متعلق، دوسرے مصلب کپڑے کے متعلق۔ اول جزء تو روایت سے ثابت ہوتا ہے، مگر

(۱) عمدة القاري: ٤/١٤٢

(۲) صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب ما وطيء من التصاوير، رقم الحديث: ٥٩٥٤

(۳) فتح الباري: ١/٦٢٨

دوسرا اجزاء (ثوب مصلب) وہ روایت سے ثابت نہیں ہوتا۔

شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ بہت سی جگہ ترجمہ قیاس سے ثابت فرماتے ہیں، یہاں بھی قیاس سے اس طرح ثابت فرمادیا کہ جب تصاویر والے کپڑے میں نماز ہوجاتی ہے تو مصلب میں تو بدرجۂ اولی ہوجائے گی۔

مگر میرے نزدیک قیاس سے ترجمہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ خود یہی روایت جلد ثانی میں صفحہ آٹھ سو اٹھاسی (كتاب اللباس، باب ماوطئ من التصاوير، رقم الحديث: ٥٩٥٤) میں آرہی ہے اس میں صلیب کا لفظ موجود ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں پر اس آنے والی روایت سے استدلال کرلیا۔(۱)

تصویروں والے کپڑے میں نماز کا حکم

مذکورہ باب کے ترجمہ میں ہے: إن صلّى في ثوبٍ مصلّبٍ أو تصاوير هل تفسُد صلاتُه؟ اس ترجمۃ الباب کے تحت مذکور حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ثابت کردیا کہ نماز ہوجائے گی، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو نماز توڑی اور نہ ہی بعد میں اس کا اعادہ فرمایا، لیکن چونکہ دوسری احادیث میں تصویر کی ممانعت وارد ہوئی ہے، اس لیے نماز مکروہ ہوگی، حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور ایک روایت میں حنابلہ کا بھی یہی مذہب ہے اور حنابلہ کی دوسری روایت کے مطابق نماز ہوگی ہی نہیں اور مالکیہ کے نزدیک اگر وقت کے اندر اندر معلوم ہوجائے تو اعادہ کیا جائے ورنہ مع الکراہت نماز ہوجائے گی، نماز کا وقت نکل جانے کے بعد اعادہ نہیں ہے۔(۲)

---

(١) الكنز المتواري: ٤/ ٤٩، تقرير بخاري شريف: ٢/ ١٣٠، ١٣١

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة ومالايكره: ١/ ١٠٧

بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في الصور، رقم الحديث: ٤١٥٢، ١٢/ ١٧٧، ١٧٨

الاستذكار، كتاب الاستئذان، باب ماجاء في الصور والتماثيل، رقم: ٤٠٦٩٨، ٢٧/ ١٧٧

المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، باب مايبطل الصلاة: ٢/ ٣٩٢، ٣٩٣

الإنصاف للمراوردي، كتاب الصلاة، باب شرائط الصلاة: ١/ ٤٨٦ .... =

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ثوب مصلب میں نماز مکروہ تحریمی ہے، نماز بہرحال ہو جائے گی، اس لیے کہ نماز کی ادائیگی کے لیے ستر عورۃ کی شرط ہے، ثوبِ مصلب سے بھی ستر عورت حاصل ہو جاتا ہے، لیکن صلیب کی شکل چونکہ نصاریٰ کا شعار ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں معمول رہا کہ آپ کو کہیں اس کی شکل نظر آئی تو اس کو مٹا دیتے، یا کوئی توڑی جانے والی چیز ہوتی تو اس کو توڑ ڈالتے تھے، اسی صورت میں ثوب مصلب میں نماز کا ادا کرنا کراہت سے خالی نہیں ہوگا۔

دوسرا مسئلہ ہے ثوب تصاویر یا مکانِ تصاویر میں نماز ادا کرنے کا، تو اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر تصویر قدموں کے نیچے ہے، پھر تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس لیے ان تصاویر کی اہانت وتحقیر ہو رہی ہے اور تصاویر کے استعمال کی یہ صورت جائز صورت ہے، اگر تصویر سر کے اوپر ہے اور لٹکی ہوئی ہے تو ایسی جگہ نماز ادا کرنا مکروہ ہے، کیونکہ اس صورت میں تصویر کی تعظیم ہے اور یہ عبادۃ الاوثان کے مشابہ ہے، جو جائز نہیں ہے۔ اگر تصاویر سامنے کی جانب ہیں تو اس صورت میں بھی کراہت ہے، اگر دائیں یا بائیں جانب ہے تو اس میں بھی عرض (یعنی نمازی کے درمیان میں مخل ہونے) کی ایک صورت چونکہ موجود ہے اس لیے اس صورت میں بھی کراہت کے ساتھ نماز ہو جائے گی، لیکن یہ کراہت (بنسبت اس کراہت کے جو تصاویر سامنے ہونے کی صورت میں تھی سے) کم درجے کی ہے اور اگر تصاویر پیچھے کی جانب ہے، تو اس میں بھی کراہت ہے، لیکن دائیں اور بائیں جانب ہونے کی صورت والی کراہت سے کم۔

نیز! اگر وہ کپڑے جنہیں استعمال کیا جا رہا ہے، ان میں تصاویر ہیں تو وہ دو حال سے خالی نہیں رہا، یا تو وہ تصاویر ذی روح کی ہیں یا غیر ذی روح کی ہیں، اگر ذی روح کی ہیں تو وہ کراہت کا باعث ہیں، ان کی وجہ سے نماز مکروہ ہوگی اور اگر وہ تصاویر غیر ذی روح کی ہیں تو وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو دل ان میں مشغول ہوگا یا مشغول نہیں ہوگا، اگر مشغول ہوتا ہو تو پھر ان کے استعمال میں کراہت ہے اور اگر مشغول نہیں ہوتا تو پھر کراہت نہیں ہوگی۔

وہ مکان جہاں تصاویر موجود ہیں، اس میں بھی یہی ذی روح اور غیر ذی روح والا فرق ہوگا، پہلے جو

= الروض الندي شرح كافي المبتدي، كتاب الصلاة، مايكره في الصلاة: ۸۱/۱

المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، باب ستر العورة: ۱۸٤/۳

تفصیل بیان ہوئی وہ ذی روح تصاویر کی تھی اور غیر ذی روح کی تصاویر اگر اس مکان میں ہوں تو وہاں اشتغالِ قلب کی صورت میں کراہت کا حکم ہوگا اور غیر اشتغال قلب کی صورت میں کراہت کا حکم نہیں ہوگا۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ذی روح کی تصاویر اگر بہت چھوٹی ہوں، واضح نظر نہ آتی ہوں تو اس میں کراہت نہیں۔(۱)

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں

> معلوم ہوا کہ شریعت کا منشا تصاویر و مجسموں کی بے توقیری ہے اور ان کو عزت و محبت کے مقام سے گرانا ہے، لہٰذا ہر وہ صورت جس سے ان کی تعظیم ہوتی ہو، ممنوع ہوگی اور جس سے اہانت ہوگی وہ مطلوب، باقی مجسمے یا تصاویر بنانا یا فوٹو لینا بہر صورت ناجائز و حرام ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کی صفتِ تخلیق کی مشابہت کے علاوہ عبادتِ غیر اللہ اور بہت سے مفاسد، برائیوں و بداخلاقیوں کا جو دروازہ کھلتا ہے اس سے کوئی منصف عاقل انکار نہیں کرسکتا۔(۲)

اسی حدیث کے دوسرے طرق میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پردے کو پھاڑ کر دو تکیے بنالیے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بیٹھتے بھی اور ٹیک بھی لگاتے تھے(۳)، اس سے ان تصاویر کا استعمال اہانت والے مواضع میں جائز ہوتا معلوم ہوتا ہے۔

تصاویر کا حکمِ شرعی

تصاویر کے احکامات تفصیلاً جدید طریقوں سے ہوں یا قدیم طریقوں سے کتاب اللباس میں متعلقہ جگہ آئیں گے۔

---

(۱) فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات: ۱/۴۲۷، ۴۲۸

ردالمحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب إذا تردد الحكم بين السنة والبدعة كان ترك السنة أولى: ۲/۴۱۶-۴۱۸

تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۴۱۴، ۴۱۵

حاشية الطحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات: ۱/۳۶۲

(۲) أنوار الباري: ۱۱/۱۳۶

(۳) صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب ما وطيء من التصاوير، رقم الحديث: ۵۹۵۴

۱۵　باب : مَنْ صَلَّى فِي فَرُّوجِ حَرِيرٍ ثُمَّ نَزَعَهُ .

یہ باب ہے اس شخص کے بارے میں جو ریشم کے بنے ہوئے کوٹ میں نماز پڑھے، پھر اس کو مکروہ سمجھ کر اتار دے۔

یہ ترجمۃ الباب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کی حکایت یا ترجمانی ہے جو حدیثِ باب میں آرہا ہے۔

"فَرّوج" کا معنی

یہ لفظ "ف" کی فتحہ اور "را" مشددہ کے ضمہ کے ساتھ مستعمل ہے، اس کے معنی ہیں، وہ کرتا نما کوٹ یا جبہ جو پشت کی جانب سے کھلا ہوا ہو، یہ شگاف کمر کے پاس ہوتا ہے، اس کی آستینیں تنگ ہوتی ہیں، یہ لباس سفر میں اور بوقت لڑائی و جنگ بہت سہولت کا باعث ہوتا ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ لفظ "ف" کی فتحہ اور ضمہ دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے، لیکن ضمہ کے ساتھ معروف ہے اور "را" ہر حال میں مضموم اور مشدّد ہوگی کبھی کبھار تخفیف کے ساتھ بھی استعال پایا جاتا ہے۔(۱)

ابوالعلاء المعری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ "ف" کے ضمہ کے ساتھ اور "را" کی تخفیف کے ساتھ ہے "خُرُوج" کے وزن پر۔(۲)

لیکن لغت کی امہات الکتب میں یہ لفظ "ف" کی فتحہ اور "را" مشدد کے ضمہ کے ساتھ ہی مذکور ہے۔(۳)

(۳) معجم الصحاح للجوهري، ص: ۸۰۲، النهاية في غريب الحديث والأثر: ۳۵۲/۲

(۲) شرح [illegible] عمدة القاري: ۱۴۳/۳

المحكم والمحيط الأعظم لابن سيده، المادة، ف ر ج: ۴۰۰/۷ .... =

حدیث باب

۳٦٨ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ : حَدَّثَنا ٱللَّيْثُ ، عَنْ يَزِيدَ ، عَنْ أَبِي ٱلْخَيْرِ ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ(۱) قَالَ : أُهْدِيَ إِلَى ٱلنَّبِيِّ ﷺ فَرُّوجُ حَرِيرٍ ، فَلَبِسَهُ فَصَلَّى فِيهِ ، ثُمَّ ٱنْصَرَفَ ، فَنَزَعَهُ نَزْعًا شَدِيدًا ، كَالْكَارِهِ لَهُ ، وَقَالَ : (لَا يَنْبَغِي هٰذَا لِلْمُتَّقِينَ) . [٥٤٦٥]

ترجمہ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ریشمی کوٹ ہدیۃً دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے پہنا اور نماز ادا فرمائی، پھر نماز سے فارغ ہوتے ہی فوراً اس ریشمی کوٹ اس طرح اتارا، گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے سخت ناپسند کرنے والے ہوں، پھر فرمایا، یہ لباس پرہیز گاروں کے لیے مناسب نہیں ہے۔

تراجم رجال

عبد اللہ بن یوسف

یہ مشہور امام ومحدث "ابو محمد عبد اللہ بن یوسف تنّیسی کلاعی دمشقی رحمہ اللہ" ہیں۔

= تاج العروس، المادة: ف ر ج: ١٤٦/٦

أعلام الحديث في شرح صحيح البخاري: ٣٥٧/١

إكمال المعلم بفوائد مسلم، كتاب اللباس، باب من لبس حرير غلطاً أو سهواً، رقم الحديث: ١٦٨٠، ٥٨٤/٦

(١) أخرجه البخاري في كتاب اللباس، باب القباء وخروج حربر وهو القباء، رقم الحديث: ٥٨٠٠

ومسلم في صحيحه في كتاب اللباس، باب تحريم لبس الحرير وغير ذلك للرجال، رقم الحديث: ٥٤٢٧

والنسائي في سننه في كتاب الصلاة، الصلاة في الحرير، رقم الحديث: ٧٧١

وجامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول في الصلاة، الفصل السادس في شرائط الصلاة ولوازمها، الفرع الثالث في ستر العورة، النوع الرابع فيما كره من اللباس، رقم: ٣٦٥١، ٤٦٣/٥، وحرف =

ان کے مختصر حالات کتاب بدء الوحي کی دوسری حدیث کے ذیل میں گزر چکے ہیں اور تفصیلی حالات کتاب العلم، باب: "لیبلغ العلم الشاهد الغائب" میں گزر چکے ہیں۔(۱)

اللیث

یہ مشہور امام لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی مصری رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے حالات کتاب بدء الوحي کی تیسری حدیث کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔(۲)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ

خلیفہ منصور عباسی نے ان پر ولایتِ مصر پیش کی، مگر انہوں نے قبول نہ کی۔(۳)

اس پر رد کرتے ہوئے علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ بات ٹھیک نہیں ہے بلکہ انہوں نے کچھ مدت تک یہ عہدہ سنبھالے رکھا تھا۔(۴)

اور یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متبعین میں سے تھے۔(۵)

یزید

یہ أبو رجاء یزید بن ابی حبیب سوید رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے حالات کتاب الایمان، باب: "إطعام الطعام من الإسلام" میں گزر چکے ہیں۔(٦)

أبي الخیر

یہ مرثد بن عبداللہ مزنی مصری رحمہ اللہ ہیں۔

= السلام، الكتاب الأول في اللباس، الفصل الرابع في الحرير، النوع الأول في تحريمه، رقم الحديث: ٨٣٣٦، ٦٨٤/١٠

(١) كشف الباري: ٢٨٩/١، ١١٣/٤

(٢) كشف الباري: ٣٢٤/١

(٣) شرح الكرماني: ٣٨/٤

(٤) عمدة القاري: ١٤٤/٤

(٥) وفيات الأعيان: ١٢٧/٤، مقدمه نصب الراية: ٤٠/١، مقدمه انوار الباري: ٢١٢/١

(٦) كشف الباري: ٦٩٤/١

ان کا تذکرہ بھی کتاب الایمان، باب: "إطعام الطعام من الإسلام" کے ذیل میں گزر چکا ہے۔(۱)

عقبة بن عامر

یہ حضرت عقبہ بن عامر بن عبس بن عمرو بن عدی بن عمرو الجہنی رحمہ اللہ ہیں۔(۲)

ان کی کنیت کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں: ابوحماد، ابوسعاد، ابوعامر، ابوعمرو، ابوعبس، ابواسد اور ابوالاسود۔(۳)

یہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔(۴) اصحاب صفہ میں سے تھے۔(۵)

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔(۶)

اور ان سے روایت کرنے والی بہت بڑی جماعت ہے، ان میں سے مشہور کا ذکر ذیل میں کیا جارہا ہے، ابوالخیر مرثد بن عبداللہ الیزنی، مسلمہ بن خالد، معاذ بن عبداللہ بن خبیب الجہنی، عامر بن سفیان بن عبداللہ، ربعی بن حراش، سعید المقبری، عبداللہ بن عباس، عکرمہ مولی ابن عباس، قیس بن ابی حازم، ابوقبیل المعافری اور ابوالہیثم العتواری وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔(۷)

ان کی صفات کے بارے کتب الرجال میں مذکور ہے: كان عالماً، مقرئاً، فصيحاً، فقيهاً فرضياً، شاعراً، كبير الشأن.(۸)

آپ قرآن بہت ہی خوش الحانی سے پڑھتے تھے، ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ

---

(۱) كشف الباري: ۱/۶۹٤

(۲) تهذيب الكمال: ۲۰/۲۰۲، سير أعلام النبلاء: ۲/٤٦۷

(۳) الجرح والتعديل: ٦/٤٠١، الكاشف: ۲/۲٦٦

(٤) تهذيب الكمال: ۲۰/۲۰۳، سير أعلام النبلاء: ۲/٤٦۷

(٥) الجرح والتعديل: ٦/٤٠١، سير أعلام النبلاء: ۲/٤٦۸

(٦) تهذيب الكمال: ۲۰/۲۰۳، تهذيب التهذيب: ۷/۲٤۲

(۷) تهذيب الكمال: ۲۰/۲۰۲، ۲۰۳، تهذيب التهذيب: ۷/۲٤۲

(۸) سير أعلام النبلاء: ۲/٤٦۷، تهذيب التهذيب: ۷/۲٤۳

مجھے قرآن سناؤ، انہوں نے قرآن پڑھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی قراءت سن کر بوجہ رقت کے رو پڑے۔(۱)

آپ کاتب بھی تھے، جن اصحاب نے قرآن کی کتابت کی تھی، ان میں سے ایک یہ بھی تھے ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن پاک آج بھی مصر میں محفوظ ہے، اس قرآن کی ترتیب جمع اس ترتیب کے مطابق نہیں ہے جو مصحف عثمانی میں ہے۔(۲)

آپ خود فرماتے تھے کہ مجھے جب (مدینہ میں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی خبر ملی اس وقت میں بکریوں کا ایک ریوڑ چرا رہا تھا، میں ان کو چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یارسول اللہ! میں آپ کے پاس بیعت کی غرض سے حاضر ہوا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ بیعت عربیہ کا ارادہ ہے یا بیعت ہجرۃ کا؟ پھر میں نے بیعت کر لی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہم (اصحاب صفہ) سے پوچھا کہ تم میں (قبیلہ) معد میں سے کون ہے؟ وہ کھڑا ہو جائے، کچھ لوگ کھڑے ہوئے، میں بھی ان کے ہمراہ کھڑا ہو گیا، آپ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا، پھر آپ نے دو یا تین بار ایسے ہی دریافت فرمایا، بالآخر میں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! کیا ہم "معد" سے نہیں ہیں؟!

آپ نے جواب دیا کہ نہیں، میں نے پوچھا کہ پھر ہم کون ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ تم قبیلہ قضاعہ بن مالک بن حمیر سے ہو۔(۳)

آپ سیاہ خضاب استعمال کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے:

نُغَيِّرُ أعلاها وتأبى أُصولُها

مراد یہ بنتی ہے کہ ہم تو ان بالوں کے اوپر کے حصوں کو رنگ سے بدلتے ہیں، لیکن ان بالوں کی جڑیں (بدلے جانے سے) انکار کرتی ہیں، یعنی: بہت جلد نئی نکل کر سفیدی کو ظاہر کر دیتی ہیں۔(۴)

---

(۱) سير اعلام النبلاء: ٤٦٨/٢

(۲) تهذيب التهذيب: ٢٤٣/٧، تذكرة الحفاظ: ٤٣/١

(۳) الطبقات الكبرى لابن سعد: ٣٤٤/٤

(٤) تذكرة الحفاظ للذهبي: ٤٣/١، الطبقات الكبرى لابن سعد: ٣٤٤/٤، تهذيب التهذيب: ٢٤٣/٧

آپ تین سال تک مصر کے والی بھی رہے، پھر آپ کی جگہ مسلمہ بن مخلد کو والی مصر بنا دیا گیا، اس وقت آپ اسکندریہ کی طرف جہاد کے سفر میں تھے، وہاں ان کو اپنے معزول کر دیے جانے کی خبر پہنچی تو فرمانے لگے، سبحان اللہ! مسافرت بھی اور معزولی بھی ایک ساتھ جمع ہوگئی۔(۱)

علامہ واقدی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے جنگ صفین میں بھی شریک ہوئے تھے۔(۲)

ان کی مروی احادیث کثیر تعداد میں ہیں، حضرت عبادۃ بن نسی سے مروی ہے کہ عبدالملک ابن مروان کی خلافت میں، میں نے ایک شخص کے پاس ایک جم غفیر دیکھا اور وہ شخص ان کے سامنے حدیث بیان کر رہا تھا، میں نے پوچھا کہ یہ محدث کون ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ عقبہ بن عامر ہیں۔(۳)

ان کا ایک گھر دمشق میں باب توما کے ایک جانب تھا۔

آپ کی وفات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوئی۔(۴)

یہ اٹھاون ہجری کا سال تھا۔(۵)

شرح حدیث

أهدي إلى النبي صلى الله عليه وسلم فرّوج حريرٍ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ریشم کا بنا ہوا ایک کوٹ ہدیہ دیا گیا۔

یہ کس کی طرف سے دیا گیا؟ اس بارے میں دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دومۃ الجندل کے بادشاہ اکیدر بن عبدالملک نے ہدیۃً دیا تھا(۶)۔ یہ عیسائی بادشاہ تھا۔

---

(۱) التاريخ الكبير للبخاري: ٤٣٠/٦، سير أعلام النبلاء: ٤٦٨/٢، تهذيب التهذيب: ٢٤٣/٧

(۲) تهذيب الكمال: ٢٠٥/٢٠، الطبقات الكبرى لابن سعد: ٣٤٤/٤

(۳) تذكرة الحفاظ للذهبي: ٤٣/١، تهذيب التهذيب: ٢٤٣/٧

(٤) الطبقات الكبرى لابن سعد: ٣٤٤/٤، سير أعلام النبلاء: ٤٦٩/٢

(٥) الكاشف: ٢٦٦/٢، تهذيب الكمال: ٢٠٥/٢، تهذيب التهذيب: ٢٤٣/٧

(٦) صحيح البخاري، كتاب الهبة، باب قبول الهدية من المشركين، رقم الحديث: ٢٦١٦ .... =

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے "دومۃ الجندل" کے تاریخی واقعات اجمالاً نقل فرمائے ہیں وہ ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں:

ربیع الاول ۵ ہجری میں غزوۂ دومۃ الجندل کا واقعہ پیش آیا، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ وہاں کفار کا جم غفیر اس لیے جمع ہو رہا ہے کہ "مدینہ طیبہ" پر حملہ کرے، اس لیے آپ ایک ہزار صحابہ کرام کے ساتھ اس طرف روانہ ہوئے، راستہ میں معلوم ہوا کہ ایسا اہم کوئی اجتماع نہیں ہے، بعض نقول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب حضور کی خبر آمد سن کر منتشر ہو گئے، اس لیے آپ لوٹ آئے، اس کے بعد سریہ دومۃ الجندل کا واقعہ ہوا، جس میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ شعبان ۶ ہجری میں وہاں تشریف لے گئے، اور وہاں کے عیسائیوں میں تین روز تک وعظ وتبلیغ فرماتے رہے، جس سے وہاں کا سردار مسلمان ہو گیا تھا۔

تیسرا واقعہ سریہ دومۃ الجندل کا ۹ ہجری میں پیش آیا، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیجا تھا، آپ نے وہاں کے حاکم "اکیدر" کو قید کر کے حضور علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ طیبہ بھیج دیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جان بخشی کی اور جزیہ ادا کرنے کے وعدہ پر اس کا علاقہ اسی کے سپرد کر دیا تھا۔

چوتھا واقعہ خلافتِ صدیقی ۱۳ھ میں پیش آیا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دومۃ الجندل کا قلعہ فتح کر کے اس کے دونوں سردار "اکیدر" اور "جودی بن ربیعہ" کو قتل کیا۔(۱)

"دومۃ الجندل" ایک قلعہ کا نام ہے، یہ لفظ "دال" کی ضمہ اور فتحہ دونوں طرح منقول ہے۔ ابن درید کا کہنا ہے کہ یہ "ضمہ" کے ساتھ ہی پڑھنا جائز ہے "فتحہ" کے ساتھ نہیں، محدثین کرام اس کو "فتحہ" کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ اس بارے میں خطاء پر ہیں۔

لیکن ایسا درست نہیں ہے۔ جوہری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ دونوں مشہور لغتیں ہیں۔ اہلِ لغت اس کو

= صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة على الرجال، رقم الحديث: ٥٣٨٩

مسند أبي يعلى الموصلي، مسند علي ابن أبي طالب، رقم الحديث: ٤٣٣، ٢١٥/١

(١) أنوار الباري: ١٣٨/١١، أسد الغابة في معرفة الصحابة: ١٣٤/١، شرح النووي على صحيح مسلم: ٢٧٥/١٤

''ضمہ'' کے ساتھ پڑھتے ہیں اور محدثین کرام ''فتحہ'' کے ساتھ دونوں صحیح ہیں۔(۱)

''دومۃ الجندل'' ایک قلعہ تھا، جو شام وعراق کی سرحد پر تھا، دمشق سے ۷ مرحلے (۱۱۲ میل) اور مدینہ طیبہ سے ۱۲ مرحلے (۲۰۸ میل) پر، نقشہ میں تبوک کا فاصلہ بھی مدینہ طیبہ سے ۱۳ مرحلے کا ہی معلوم ہوتا ہے، جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۹ ہجری کے رجب میں تشریف لے گئے تھے۔(۲)

''اکیدر بن عبدالملک الکندی'' ہمزہ کے ضمہ اور ''ک'' کے فتحہ کے ساتھ مستعمل ہے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الأسماء المبهمة في الأنباء المحكمة" میں لکھا ہے کہ یہ شخص نصرانی تھا، پھر مسلمان ہوگیا، پھر مرتد ہوگیا اور نصرانیت پر ہی فوت ہوا۔(۳)

أبو نعیم الأصبہانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''معرفۃ الصحابہ'' میں لکھا ہے کہ ''اکیدر'' نے اسلام قبول کرلیا تھا۔(۴) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ بھی بھیجا تھا۔

''ابن الاثیر'' رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "أسد الغابة في معرفة الصحابة" میں لکھا ہے کہ ان کا ہدیہ پیش کرنا اور صلح کرنا تو صحیح ہے، لیکن ان کا اسلام قبول کرنا صحیح نہیں ہے، انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اور اس بات میں اہل سیر میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، جو شخص اس کے اسلام قبول کرنے کا قائل ہے وہ کھلی اور فحش غلطی پر ہے۔(۵) یہ نصرانی تھا، اس کے قلعہ پر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چڑھائی کی تو اس نے صلح کی پیش کش کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے صلح کرلی اور اس کو اس قلعے میں باقی رکھا......الخ۔(۶)

لاينبغي هذا للمتقين

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ریشم کے لباس کا استعمال متقی کے لیے مناسب نہیں ہے۔

---

(١) معجم الصحاح للجوهري، ص: ٣٦٣، النهاية في غريب الحديث والأثر: ١/٥٨٩

(٢) شرح النووي: ١٤/٢٧٥، عمدة القاري: ٤/١٤٤، أنوار الباري: ١١/١٣٧

(٣) الأسماء المبهمة في الأنبياء المحكمة، حديث أكيدر بن عبدالملك، ص: ٢٤

(٤) معرفة الصحابة لأبي نعيم الأصبهاني: ١/٣٢٥

(٥) أسد الغابة في معرفة الصحابة: ١/١٣٤

(٦) شرح النووي على صحيح مسلم: ١٤/٢٧٥، عمدة القاري: ٤/١٤٤

ایک دوسری روایت میں ہے: "إن هذا ليس من لباس المتقين". (۱)

لفظِ "لا ينبغي" کے معنی

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ "لا ينبغي" سے جواز نہ سمجھا جائے (اور اس کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ ریشمی کپڑا جائز تو ہے البتہ مناسب نہیں) بعض جگہ حرام و ممتنع پر بھی عدمِ ابتغاء کا اطلاق کر دیا جاتا ہے (یعنی لفظِ "لا ينبغي" استعمال کر دیا جاتا ہے، جیسے) قرآن مجید میں ہے: "وما ينبغي للرحمٰن أن يتخذ ولداً". (۲)

حالانکہ "اتخاذِ ولد" رحمٰن کے حق میں محال و ممتنع ہے اور کسی درجہ میں بھی جائز نہیں۔ (۴) لیکن قرآن پاک میں اس جگہ "لا ينبغي" کا لفظ استعمال کیا گیا، چنانچہ اس جگہ اس لفظ کا معنی "مناسب نہیں" کرنا کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔

"للمتقين" متقین سے مراد وہ افراد ہیں جو کفر سے بچنے والے ہیں، یعنی: مطلقاً مسلمان مراد ہیں، عام ہے کہ وہ معاصی سے بچنے والے ہوں یا نہ ہوں، ریشم کی حرمت متقی اور غیر متقی ہر دو پر ثابت ہے۔ (۵)

کیا عورتوں کے لیے بھی ریشم کا استعمال جائز نہیں؟

اس جگہ ایک اعتراض ہوتا ہے کہ

اس جگہ "متقین" جمع مذکر سالم کا صیغہ استعمال کیا گیا، اور قاعدہ ہے کہ جمع مذکر سالم میں تبعاً مؤنث بھی داخل ہوتی ہے، اس سے نتیجہ نکلے گا کہ ریشم کی حرمت جس طرح متقین مذکر کے لیے ثابت ہوئی، اسی طرح اس حرمت میں متقیات مؤنث بھی داخل ہوں گی، حالانکہ نساء کے لیے ریشم کا استعمال جائز ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں کہ ہر مذکر کے تحت مؤنث بھی داخل ہو۔ لہٰذا اس جگہ حرمت کے حکم میں اشتراک لازم نہیں آتا۔

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني، أبو الخير مرثد بن عبدالله، رقم الحديث: ۷۵۸، ۲۷۵/۱۷

(۲) مريم: ۹۲

(۳) فضل الباري: ۵٦/۳

(٤) فتح الباري: ٦۲۹/۱، عمدة القاري: ۱٤٤/٤، إرشاد الساري: ۳۸/۲، تحفة الباري: ۲۹۷/۱

اور اگر ایسا تسلیم بھی کرلیا جائے تو کہا جائے گا کہ نساء کے لیے استعمالِ ریشم کی حلت دوسرے دلائل ونصوص سے ثابت ہے۔(۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی کوٹ باوجود حرمت کے کیوں پہنا؟

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اس جگہ ایک سوال جواب نقل کیا ہے۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی کوٹ استعمال کیسے کرلیا حالانکہ ریشم تو مردوں کے لیے حرام تھا؟

اس کا جواب علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے یہ دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ کوٹ استعمال کیا اس وقت تک اس کی حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

پھر اگر اعتراض کیا جائے کہ اس جیسے معاملہ کو تو نسخ کہا جاتا ہے، اس حیثیت سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً اس کے پہننے کو جائز قرار دیا اور پھر حرام قرار دیا، تو پہلا حکم دوسرے کی وجہ سے منسوخ ہوگیا۔

تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ یہ نسخ نہیں ہے، اس لیے کہ اس مسئلہ میں ریشم کا استعمال اُصلاً مباح ہے اور نسخ میں ضروری ہے کہ منسوخ شدہ حکم صحیح شرعی ہو (اور مباح ہونا حکم صحیح شرعی نہیں ہوتا)، اور اگر تسلیم کرلیا جائے کہ منسوخ شدہ حکم شرعی ہے تو بھی یہ نسخ نہیں کہلائے گا، اس لیے کہ نسخ میں تو یہ ہوتا ہے کہ حکم تمام مکلفین سے اُٹھالیا جاتا ہے نہ کہ بعض سے، (اور مسئلہ مبحوث عنہا میں حکم جواز صرف مردوں سے اٹھایا گیا ہے نہ کہ عورتوں سے) اگر ایسا ہو کہ حکم بعض سے تو اٹھایا جائے اور بعض سے نہ اٹھایا جائے (جیسا کہ یہاں ہوا) تو اس کو تخصیص کہتے ہیں نہ کہ نسخ۔(۲)

علامہ عینی رحمہ اللہ کا علامہ کرمانی رحمہ اللہ پر رد

علامہ عینی رحمہ اللہ نے علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی اس بات پر فرمایا کہ

میں کہتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس ریشمی لباس کا پہننا ایک حکم ہے اور پھر اس کو اتار دینا دوسرا

(۱) شرح الكرماني: ۳۸/٤، عمدة القاري: ١٤٤/٤، إرشاد الساري: ٣٨/٢، تحفة الباري: ٢٩٧/١، الكوثر الجاري: ٦٠/٢

(۲) شرح الكرماني: ۳۸/٤

حکم ہے، اور جس طرح دوسرا حکم حکمِ شرعی ہے اسی طرح پہلا حکم حکمِ شرعی ہے۔ اور دوسرے حکم نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا اور دوسرا حکم مرد اور عورت دونوں کو عام ہے تاہم عورتوں کے لیے اس لباس کی حلت دوسری نصوص سے ہے۔ (خلاصہ یہ کہ یہاں نسخ ہی پایا جاتا ہے، تخصیص نہیں)"۔(۱)

علامہ کورانی رحمہ اللہ کا جواب

علامہ عینی رحمہ اللہ کے جواب کو ہی مزید تفصیل سے علامہ کورانی رحمہ اللہ نے اس طرح بیان کیا ہے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کا کلام بہت ہی وجوہ سے فاسد ہے، مثلاً:

۱- اس جگہ جو سوال قائم کیا گیا کہ جب ریشم حرام تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کیسے پہن لیا، یہ ہی تسلیم نہیں، کیونکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی حرمت کا علم ہوتا تو یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے نہ پہنتے۔

۲- علامہ کرمانی رحمہ اللہ کا جواب خود آپس میں ایک دوسرے کے معارض ہے وہ اس طرح کہ ایک طرف تو علامہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ریشم کے استعمال کا حکم اصلاً مباح ہے اور دوسری طرف علامہ صاحب نے فرمایا کہ "پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پہننے کو جائز قرار دیا اور پھر اس کے استعمال کو حرام قرار دے دیا"۔

اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ علامہ صاحب کا "جوّز لُبسه" کہنا "الإباحة الأصلية" کے معارض ہے، وہ اس طرح کہ "جائز قرار دینے" کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہلے کوئی چیز حرام تھی پھر اس کو جائز قرار دے دیا گیا، اور دوسری طرف کہہ رہے ہیں کہ یہ استعمال مباحِ اصلی ہے، تو ایک ہی جگہ اباحت اور حرمت کیسے جمع ہوگئی؟!

۳- علامہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: "فالنسخ يكون رفعاً للحكم عن المكلفين، وهذا رفع عن البعض، فهو تخصيص"۔

یعنی: نسخ میں تو حکم تمام مکلفین سے اٹھ جاتا ہے، بعض سے اٹھے اور بعض سے نہ اٹھے تو یہ نسخ نہیں بلکہ تخصیص ہوتا ہے۔

---

(۱) عمدة القاري: ٤/ ١٤٤

اس پر علامہ کورانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بات تسلیم نہیں ہے کہ جب بعض سے حکم اٹھے تو اُسے تخصیص کہتے ہیں نہ کہ رفع، اس لیے کہ تخصیص تو نام ہے "متکلم کے ارادہ کے مطابق حکم میں بعض افراد کے عدم دخول کو بیان کرنے کا" لہٰذا یہاں رفع ہوگا وہاں نسخ ہی ہوگا نہ کہ تخصیص۔(۱) فقط

شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

علامہ عینی رحمہ اللہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل (یعنی: فروج ریشم پہننا) تحریمِ ریشم سے پہلے کا واقعہ ہے، ایسی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو کــالکــاره نکالنا قلبِ طہر کی صفائی اور آئندہ جو چیز حرام ہونے والی ہے، اس سے نفرت کا اظہار ہے۔

اور میری رائے یہ ہے کہ اسے قبل التحریم پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز بیانِ جواز اور تعلیم کے لیے پڑھی ہے اور یہ بتلا دیا کہ نماز تو ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی اور ساتھ ہی ساتھ ریشم کے استعمال کا گناہ بھی ہوگا۔(۲)

علامہ نووی رحمہ اللہ کی رائے

اس مذکورہ جواب کے ساتھ ساتھ علامہ نووی رحمہ اللہ نے ایک جواب اور دیا ہے کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لباس کو ناپسندیدگی سے اتارا تو اس وقت سے ہی نہی اور حرمت کی ابتداء ہوئی: اسی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں فرمایا: "نهاني عنه جبريل"(۳) تو "نهاني" کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ اس سے حرمت کی ابتداء ہوئی ہے۔(۴)

---

(۱) الكوثر الجاري: ٢/ ٦١

(۲) تقرير بخاري شريف: ٢/ ٣٤٧، الكنز المتواري: ٤/ ٥١

(۳) صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة، رقم الحديث: ٥٣٨٩

(٤) شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة: ١٤/ ٢٧٧، فتح الباري: ١/ ٦٢٩

حضرت گنگوہی صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لباس کو نماز سے فارغ ہوتے ہی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فوراً اتار دیا، گویا کہ نماز کی حالت میں ہی وحی کا نزول ہوا، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوراً اس لباس کو اتارنے سے دلالت ہوتی ہے۔(۱)

ریشمی لباس میں نماز کا حکم

اسی حدیث کے آخری جملے کہ ''آپ نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے وہ کوٹ اتار دیا'' سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ ریشمی لباس پہن کر نماز ہو جائے گی یا نہیں۔ تو اس بارے میں امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ ایسے لباس میں نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے، اگر کسی نے اس طرح نماز پڑھ لی تو فریضہ ذمہ سے ساقط ہو جائے گا لیکن گناہ کے ساتھ۔

البتہ ان ائمہ کرام میں سے امام مالک رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص پر وقت کے اندر اندر نماز کا اعادہ کرنا واجب ہے، ہاں! اگر وقت گزر گیا تو پھر اس سے اعادہ ساقط ہو جائے گا۔(۲)

---

(۱) الكنز المتواري: ٥١/٤

(۲) حاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة، مطلب في ستر العورة: ٧٥/٢

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ٤٧٨/١

الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، شروط صحة الصلاة: ٥٥/١

حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، كتاب الصلاة، فصل في ستر العورة: ٣٤٨/١، ٣٤٩

المدونة الكبرى، كتاب ماجاء في الصلاة، في الثوب يصلي فيه وفيه النجاسة: ٣٤/١

التاج والإكليل، كتاب الصلاة، فصل في ستر العورة: ٥٠٤/١

العزيز شرح الوجيز، كتاب الصلاة، باب ستر العورة: ٤٢/٢

روضة الطالبين، الباب الخامس في شروط الصلاة: ٣٩٣/١

المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، باب ستر العورة: ١٧٩/٣

الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلاة، الصلاة في الثوب الحرام: ٧٤٠/١ .... =

شوافع کی کتاب المہذب میں ہے:

مرد کے جائز نہیں ہے کہ وہ ریشمی لباس پہن کر نماز ادا کرے اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ کسی ریشمی کپڑے پر کھڑا ہو کر نماز ادا کرے، اس لیے کہ اس شخص پر نماز سے خارج ریشم کا استعمال حرام ہے تو نماز کے اندر تو بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا، پھر اگر مذکورہ دونوں صورتوں میں سے کسی صورت میں نماز ادا کرلی تو فریضہ نماز ادا ہو جائے گا، اس لیے کہ ان کی حرمت نماز کے ساتھ نہیں ہے اور نہ ہی ممانعت نماز کی طرف لوٹتی ہے، پس یہ نماز کی صحت کے لیے مانع نہیں ہوگا۔

اور عورت کے لیے جائز ہے کہ ریشمی لباس پہن کر نماز پڑھے، اس لیے کہ عورت کے لیے خارجِ نماز یا داخلِ نماز ریشم کا استعمال ممنوع نہیں ہے۔(۱)

اس مسئلہ میں حنابلہ کی دو روایتیں ہیں:

ان کی روایتِ مشہورہ میں یہ ہے کہ ایسے شخص کی نماز صحیح نہیں ہوگی، ابن عقیل نے اسے ذکر کیا ہے، اور یہ حکم اس وقت ہے جب اس کو ریشم کے استعمال کی حرمت کا علم ہو اور اگر اسے علم نہ ہو تو اس کی نماز کراہت کے ساتھ ادا ہو جائے گی۔ خلال اور صاحب الفنون نے اسے ذکر کیا ہے۔ یہی ان کی دوسری روایت ہے۔(۲)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا قول

اس مقام پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

کہ اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ نماز کا جواز حرمت کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے، جیسا کہ حنفیہ کا

= نيل الأوطار، باب الصلاة في ثوب الحرير والغصب: ٢/ ٨٠

(١) المهذب مع شرحه المجموع، كتاب الصلاة، باب ستر العورة: ٣/ ١٧٩

(٢) المبدع شرح المقنع لابن مفلح الحنبلي، كتاب الصلاة، باب ستر العورة: ١/ ٣٢٤، ٣٢٥

الإقناع في فقه الإمام أحمد بن حنبل، كتاب الصلاة، باب ستر العورة وأحكام اللباس: ١/ ٨٩

الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف على مذهب ابن حنبل، كتاب الصلاة، باب ستر العورة: ١/ ٤٥٧

المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، باب ستر العورة، لباس المصلي: ١/ ٣٤٢، ٣٤٣

شرح ابن بطال: ٢/ ٤١، التوضيح لابن ملقن: ٥/ ٣٥٣، ٣٥٤، فتح الباري: ١/ ٦٢٩

مذہب ہے اور حرام فعل کے (نادانستہ ارتکاب کے) سبب کسی اور جہت سے کوئی نعمت بھی میسر ہو جاتی ہے جو حرام نہیں ہوتی۔ (جیسا کہ ان روایات میں کہ ان حرام لباسوں کی حرمت نماز کے جائز ہونے سے مانع نہیں بنی۔(۱)

روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

اس روایت کا ترجمۃ الباب "باب: من صلى في فروج حرير ثم نزعه" تھا، اس ترجمہ سے حدیث کی مناسبت مکمل طور پر ظاہر ہے۔(۲)

حدیثِ مبارکہ سے مستفاد اُمور

اس حدیثِ مبارکہ سے مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں:

۱-اس حدیث میں مردوں کے لیے ریشم کے پہننے کی حرمت پر واضح دلیل ہے۔

۲-یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حرمت صرف مردوں کے حق میں ہے، عورتوں کے حق میں نہیں۔

۳-اس حدیث غیر مسلمین کا ہدیہ قبول کرنے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ جس نے ریشمی کوٹ ہدیہ کیا تھا، وہ مسلمان نہیں تھا۔

۴-ریشمی لباس میں نماز کا جواز معلوم ہوا، جو اگرچہ مکروہ ہے۔(۳)

١٦ - باب : اَلصَّلَاةِ فِي اَلثَّوْبِ اَلْأَحْمَرِ .

یہ باب ہے سرخ کپڑے میں نماز کے حکم کے بیان میں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ مذکورہ ترجمۃ الباب قائم کر کے یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ سرخ لباس پہن کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہوگا۔ اور ان کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا مقصود اِن کپڑوں میں نماز جائز ہونے کا

---

(۱) الكنز المتواري: ٥٢/٤

(۲) عمدة القاري: ١٤٤/٤

(۳) شرح الكرماني: ٣٨/٤، عمدة القاري: ١٤٦/٤، الشرح الميسر لصحيح البخاري: ٤٣١/١

بتلانا ہے۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا احناف پر رَد

اس ترجمۃ الباب کے بعد حافظ صاحب رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں: (۲)

"یہ ترجمہ سرخ کپڑے پہن کر نماز کے جائز ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے، اس مسئلے میں امام بخاری اور شوافع کا احناف کے ساتھ اختلاف ہے، احناف کہتے ہیں کہ سرخ کپڑے پہن کر نماز ادا کرنا مکروہ ہے اور حدیث الباب میں احناف تأویل کرتے ہیں کہ جس سرخ کپڑے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی وہ بالکلیہ سرخ نہیں تھا، بلکہ اس میں سرخ دھاریاں تھیں، جس میں نماز ادا کرنا مکروہ نہیں ہے"۔

اور فرمایا: احناف کے دلائل میں سنن أبي داود کی حدیث ہے۔ جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر اس شخص کے پاس سے ہوا، اس کے جسم پر دو سرخ رنگ کے کپڑے تھے، اس نے سلام کیا، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ تو یہ حدیث ضعیف الاسناد ہے۔(۳)

علامہ عینی کا حافظ صاحب پر رَد

حافظ صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ کلام کے بارے میں علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"کہ میں کہتا ہوں کہ حنفیہ جواز کے خلاف نہیں ہیں، اگر یہ معترض صاحب احناف کے مذہب کو جانتا ہوتا تو یہ ایسی بات نہ کہتے"۔

مزید فرماتے ہیں کہ:

"حافظ صاحب نے یہ بھی کہا ہے: حنفیہ کے دلائل میں سے حدیثِ ابی داوٗد بھی ہے، جو ضعیف الاسناد ہے"۔

---

(۱) عمدة القاري: ٤/١٦٤، فتح الباري: ١/٦٢٩

(۲) فتح الباري: ١/٦٢٩

(۳) سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب مايستر المصلي، رقم الحديث: ٦٨٨

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس پر لکھا ہے کہ

اس معترض صاحب نے عصبیت کی وجہ سے اتنا کہہ کر ہی خاموشی اختیار کرلی،

حالانکہ ابوداوٗد کی اسی حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر کر کے لکھا ہے:

"هذا حديث حسن".(۱)

علامہ عینی رحمہ اللہ کے اس قول کے بارے میں عرض ہے کہ شاید اس وقت علامہ صاحب کے پاس فتح الباری کا نسخہ ہو، اس میں صرف اتنا ہی ہو، جتنا علامہ صاحب نے ذکر کیا (کہ حافظ صاحب نے محض اُبوداوٗد والی حدیث کو ضعیف کہا اور صاحب ترمذی کے کلام "هذا حديث حسن" کو ذکر نہیں کیا) ورنہ اس وقت موجود فتح الباری کے متداول نسخوں میں اس مقام پر یہ عبارت "وإن وقع في بعض نسخ الترمذي أنه قال: حديث حسن صحيح؛ لأن في سنده كذا) موجود ہے (۲)، اس عبارت کی وجہ سے علامہ عینی رحمہ اللہ کا حافظ صاحب رحمہ اللہ پر مذکورہ اعتراضِ وارد نہیں ہوتا۔ البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ بعد میں اس عبارت کا اضافہ کیا گیا ہو۔ (۳)

سرخ لباس کے استعمال کے بارے میں احناف کا مذہب

سرخ لباس کے استعمال اور اس میں نماز کے بارے میں احناف کے ہاں سات یا آٹھ اقوال ہیں۔

ان اقوالِ فقہاء کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اس بارے میں احادیثِ مبارکہ مختلف ہیں، روایات کا یہ تعارض وجہ بنا، فقہاء کے اقوال مختلف ہونے کی۔

علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ نے ایک رسالہ لکھا تھا، جس میں آٹھ اقوال مختلفہ کو جمع کیا تھا۔ (۴)

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس رسالے کا نام "تحفة الأكمل والهمام المُصدَّر لبيان

---

(۱) سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء في إدخال الأصبع في الأذان عند الأذان، رقم: ۱۹۷

(۲) فتح الباري: ۱/ ٦٢٩

(۳) عمدة القاري: ٤/ ١٦٤

(٤) الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، باب في اللبس، ص: ٦٤٥، دار الكتب العلمية

جواز لُبس الأحمر" ہے۔(۱)

صاحبِ تنویر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ زعفرانی رنگ میں رنگے ہوئے سرخ اور زرد کا پہننا مکروہ ہے، اس کے علاوہ دیگر رنگوں کے استعمال میں کوئی حرج نہیں، پھر اس کی شرح میں علامہ حصکفی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مذکورہ رنگوں کا استعمال عورتوں کے لیے مکروہ نہیں ہے، صرف مردوں کے لیے مکروہ ہے۔ اور مجتبیٰ، قہستانی، اور أبوالمکارم کی شرح النقایہ میں ہے کہ سرخ رنگ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ان کتب کے حوالے سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان رنگوں کا استعمال مکروہ تنزیہی ہے۔ لیکن "تحفۃ الملوک" میں صراحۃً ان رنگوں کے استعمال کی حرمت کا قول موجود ہے(۲)، اس قول کا مقتضیٰ یہ ہے کہ صاحب تنویر کی عبارت "کرہ" سے مراد مکروہ تحریمی ہو اور جب "کرہ" کا لفظ مطلقاً بغیر قید کے مستعمل ہو تو اس سے مراد کراہتِ تحریمی ہی ہوتی ہے۔

علامہ حصکفی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ کا ایک رسالہ ہے، جس میں انہوں نے آٹھ اقوال جمع کیے ہیں، اُن میں ایک مستحب کا بھی ہے۔(۳)

علامہ شامی رحمہ اللہ، علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ کے رسالے سے ایک قول نقل کرتے ہیں کہ "ہم نے حرمت کی صراحت پر مشتمل دلیل کہیں نہیں دیکھی اور سرخ لباس کے استعمال کی ممانعت بھی ایسے شخص کا عورتوں اور (غیر مسلم) عجمیوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کے ممنوع ہونے کی وجہ سے سمجھ آتی ہے۔ یہ پھر ممانعت تکبر کی وجہ سے ہوگی، اور جب علت مرتفع ہو جائے اور پہننے سے مقصود محض اللہ کی نعمت کا اظہار ہو تو پھر ان رنگوں کے استعمال کی کراہت بھی جاتی رہے گی۔ اور کراہت کا تعلق صرف ان کپڑوں کے ساتھ ہوگا جو نجس رنگ میں رنگنے سے سرخ ہوئے ہوں۔ اور ہم امام اعظم رحمہ اللہ کا جواز کے قول اور اباحت کے قول پر واضح دلیل بھی دیکھ چکے ہیں اور وہ دلیل قرآن پاک کے حکم "زینت اختیار کرنے" کے اطلاق کی ہے۔ لہٰذا اس کی وجہ سے حرمت اور کراہت کا نہ ہونا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے مستحب ہونا ثابت ہو جاتا ہے"۔

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب في اللبس: ۵۱٦/۹، دار عالم الكتب

(۲) تحفة الملوك، مراتب اللبُس، لُبس الثوب المعصفر، ص: ۲۹۳

(۳) الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، باب في اللبس، ص: ٦٥٤

اس قول کونقل کرنے کے بعد علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''میں کہتا ہوں کہ (علامہ شرنبلالی صاحب رحمہ اللہ تو استحباب ثابت کررہے ہیں، لیکن) بڑی اور معتبر کتب میں کراہت کا قول ہی مذکور ہے، مثلاً: سراج، المحیط البرہانی، الاختیار، المنتقی اور ذخیرہ وغیرہ اور علامہ قاسم (قلوبغا) رحمہ اللہ نے اسی کراہت کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ اس کے علاوہ امام زاہدی رحمہ اللہ کی ''الحاوی'' میں مذکور ہے کہ سرخ رنگ کا سر پر استعمال اجماعی طور پر مکروہ نہیں ہے (یعنی سرخ ٹوپی وغیرہ) (۱)

سابقہ بحث علامہ شامی رحمہ اللہ کی حاشیۃ ابن عابدین سے نقل کی گئی ہے، لیکن علامہ صاحب نے ''تنقیح الفتاوی الحامدیہ'' میں اس بحث پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے کراہت تحریمی کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ کی عبارت کا جائزہ بھی پیش کیا ہے، "من شاء فليراجع". (۲)

علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

ثوب احمر کے استعمال کے بارے میں علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس مسئلہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ رنگ اگر زعفران کا ہو تو مکروہ تحریمی ہے، ان دونوں کے علاوہ اگر سُرخ گہرے رنگ کا اور شوخ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے، تحریمی نہیں، اور ہلکا ہو تو مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے اور سفید کپڑے پر اگر سرخ دھاریاں ہوں تو وہ بھی بلا کراہت جائز ہے، بلکہ بعض حضرات نے اس کو مستحب بھی کہا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خود پہنا ہے، پھر یہ مسئلہ کپڑے کا ہے چمڑے کا نہیں۔ (کہ اس کے کسی رنگ میں کراہت نہیں ہے) اور یہ مسئلہ مردوں کے لیے ہے، عورتوں کے لیے سب رنگ بلا کراہت درست ہیں۔ (۳)

---

(۱) حاشية ابن عابدين، كتاب الحظر والإباحة، باب في اللبس: ۵۱٦/۹

(۲) العقود الدرية المعروف بـ تنقيح فتاوى الحامدية، مسائل وقواعد شتى من الحظر والإباحة وغير ذلك ومطالبه، يحرم لبس الحرير: ۳۵۵/۲، ۳۵٦

(۳) العرف الشذي، كتاب الطهارة، باب ماجاء في إدخال الأصبع في الأذن عند الأذان، رقم الحديث: ۱۹۷، ۲۱۲/۱.

فيض الباري: ۲٦/۲، أنوار الباري: ۱۳۹/۱۱

حضرت بنوری رحمہ اللہ کی رائے

علامہ محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ نے سرخ رنگ کے استعمال کے بارے احناف کے مسلک پر بات کرتے ہوئے اولاً علامہ شامی رحمہ اللہ کی تفصیلی بحث ذکر کی، اس کے بعد فرمایا:

''میں نے سرخ لباس کے استعمال کی ممانعت والی احادیث جمع کیں، ان کی تعداد بیس تک پہنچی، ان میں صحیح بھی ہیں، حسن بھی، متصل بھی اور مُرسل بھی، ان میں سے جو حکم کم سے کم ثابت ہوا وہ کراہت تحریمی کا ہے''۔

پھر حضرت بنوری رحمہ اللہ نے آخر میں حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ کا قول مذکور ذکر کر کے بحث ختم کردی۔(۱)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے

مسئلہ مذکورہ میں حضرت اقدس رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''سرخ اور زرد کپڑے پہننے کے بارے میں مذہب یہ ہے کہ وہ سرخ اور زرد رنگ جو معصفر اور زعفران سے رنگ کیا ہوا ہو تو وہ مردوں کے لیے مطلقاً ممنوع ہے اور اس کے علاوہ سرخی یا زردی رنگ ہو تو فتویٰ مطلقاً ان کے جائز ہونے کا ہے۔لیکن تقویٰ یہ ہے کہ ان سے احتراز ہی کیا جائے''۔(۲)

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ثوب احمر کے بارے میں روایات بہت مختلف ہیں، بعض سے جواز اور بعض سے ممانعت معلوم ہوتی ہے، اسی طرح شراح نے سات قول نقل کیے ہیں اور خود احناف

---

(۱) معارف السنن، كتاب الطهارة، باب ماجاء في إدخال الأصبع في الأذن عند الأذان، رقم: ۱۹۷، ۲۰۴/۲

(۲) الكوكب الدري، كتاب الطهارة، باب ماجاء في إدخال الأصبع في الأذن عند الأذان، رقم الحديث: ۱۹۷، ۲۲۴/۱

کے یہاں باوجود قلت روایات کے اس مسئلہ میں آٹھ روایات ہیں، جن کو میں نے حاشیہ الکوکب میں لکھ دیا ہے، منجملہ ان کے تحریم واستحباب وکراہت بھی ہے۔ حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے اپنی تقریرات اور اپنے فتاویٰ میں جو قول اختیار فرمایا ہے، وہ یہ ہے کہ جن روایات سے پہن لینا ثابت ہے، وہ بیان جواز پر محمول ہیں اور جن روایات سے ممانعت معلوم ہوتی ہے، وہ خلاف اولیٰ ہونے پر محمول ہیں، یعنی فی نفسہ پہننا تو جائز ہے، مگر خلاف اولیٰ ہے۔

اور میرے نزدیک اختلاف روایات اور اختلاف مذاہب کا سبب رنگ کی حقیقت میں اختلاف اور تشبہ بالنساء ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا جن روایات سے ممانعت معلوم ہوتی ہے، وہ ان رنگوں پر محمول ہیں، جن کے اندر ناپاک چیز کی ملاوٹ کا احتمال ہو۔ مثلاً: اب سے چالیس برس قبل یہ مشہور تھا کہ سرخ رنگ میں خون پڑتا ہے، لہٰذا جس رنگ میں خون ہوگا، روایاتِ منع اس پر محمول ہوگی۔ اور پھر بعد میں معلوم ہوا کہ ان میں خون نہیں پڑتا، تو روایاتِ جواز اس پر محمول ہوں گی اور پھر چونکہ سرخ رنگ میں تشبہ بالنساء ہے، تو جہاں جیسا تشبہ ہوگا، وہاں ویسی ہی کراہت ہوگی۔ مثلاً: کوئی سرخ قمیص پہنے، اس کے اندر کراہت، کیونکہ یہ تشبہ بالنساء ہے۔ اور اگر یہ رنگ چادر کو دے کر پھر کوئی مرد اس کو پہنے تو اس میں مزید تشبہ بالنساء ہے۔ لیکن رزائی اور لحاف کا استر اگر سرخ رنگ کا ہو تو اس میں مضائقہ ہیں اور نہ ہی کوئی کراہت ہے۔ اس لیے کہ یہ خاص نوع عورتوں کے ساتھ خاص نہیں، لہٰذا تشبہ بھی نہ ہوگا۔ ایسے ہی اگر سرخ دھاریاں ہوں تو اس میں بھی تشبہ نہیں، لہٰذا یہ بھی جائز ہے"۔(۱)

علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا احناف کی طرف کراہت کی نسبت کرنا اور اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ کا رد گزر چکا ہے۔

---

(۱) تقرير بخاري شريف: ۱۳۱/۲، ۱۳۲، الكنز المتواري: ۵۳/٤، ٥٤

علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ احناف کا قول حرمت والا نہیں ہے، بلکہ احناف ایک دوسری حدیث کی وجہ سے کراہت (تنزیہہ) کے قائل ہیں، اور وہ حدیث وہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لباس معصفر پہننے سے منع فرمایا۔لہٰذا دو طرح کی احادیث کی وجہ سے جواز اور کراہت دونوں حکم ہوں گے، (دونوں حکموں کے مواقع کا بیان سابق میں گزر چکا ہے)۔(۱)

حدیثِ باب

٣٦٩ : حدَّثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَ : حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ ، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ ، عَنْ أَبِيهِ(۲) قَالَ : رَأَيْتُ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ فِي قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ ، وَرَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ وَضُوءَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، وَرَأَيْتُ ٱلنَّاسَ يَبْتَدِرُونَ ذَاكَ ٱلْوَضُوءَ ، فَمَنْ أَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهِ ، وَمَنْ لَمْ يُصِبْ مِنْهُ شَيْئًا أَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهِ ، ثُمَّ رَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ عَنَزَةً فَرَكَزَهَا ، وَخَرَجَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مُشَمِّرًا ، صَلَّى إِلَى ٱلْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ ، وَرَأَيْتُ ٱلنَّاسَ وَٱلدَّوَابَّ ، يَمُرُّونَ مِنْ بَيْنِ يَدَيِ ٱلْعَنَزَةِ . [ر : ١٨٥]

ترجمہ

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) چمڑے کے بنے ہوئے سرخ رنگ کے خیمہ میں (تشریف فرما) تھے، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وضو کا پانی لیے ہوئے (کھڑے) تھے، (یعنی وضو کرا رہے تھے)۔ اور لوگوں کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے (وضو میں استعمال کردہ پانی) لینے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے، پس جو شخص اس پانی لینے میں کامیاب ہوجاتا تو اس پانی کو (حصولِ برکت کے لیے، اپنے چہرے اور جسم پر) مَل لیتا، اور جس شخص کو کچھ نہ ملتا وہ اپنے ساتھی کے ہاتھوں پر لگی تَری سے کچھ (تری) حاصل کر کے اپنے

---

(۱) عمدة القاري: ٤/ ١٧٤

(۲) اس حدیث کی تخریج کتاب الوضوء، باب "استعمال فضل وَضوء الناس" میں گزر چکی ہے۔

(چہرے یا جسم) پرمل لیتا۔

پھر میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے ایک لاٹھی "جس کے نیچے لوہے کا پھل لگا ہوا تھا" زمین میں گاڑھ دی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سرخ رنگ کی پوشاک (یا چادر) پہنتے ہوئے خیمہ سے باہر تشریف لائے، اس حال میں کہ اس چادر کو سمیٹ رہے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لاٹھی کی طرف منہ کر کے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی، اس دوران میں نے لوگوں کو اور (مختلف الانواع) جانوروں کو اس لاٹھی کے پیچھے سے گزرتے دیکھا۔ (لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدستور نماز پڑھتے رہے)۔

تراجم رجال

محمد بن عَرْعَرَه

یہ محمد بن عرعرہ بن البرند القرشی السامی رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے حالات کتاب الایمان، باب: "خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لايشعر" کے تحت گزر چکے ہیں۔(۱)

عمر بن أبي زائدة

ان کے نام کے بارے میں "عمر بن ابی زائدہ، عمر زکریا بن ابی زائدہ، عمر بن خالد" کے اقوال ملتے ہیں۔(۲)

پورا نام "عمر زکریا بن ابی زائدہ خالد بن میمون الہمدانی، الوادعی الکوفی رحمہ اللہ" ہے۔(۳)

یہ عمرو بن عبداللہ الوادعی کے آزاد کردہ غلام تھے۔(۴) ان کے بھائی کا نام زکریا بن ابی زائدہ تھا۔(۵)

---

(۱) كشف الباري: ٥٥٧/٢

(٢) تهذيب الكمال: ٣٤٨/٢١، الجرح والتعديل: ١٠٦/٦

(٣) الثقات لابن حبان: ١٤٧/٧، تهذيب التهذيب: ٤٤٩/٧

(٤) العلل ومعرفة الرجال لأحمد بن حنبل: ٣٦٢/١، تهذيب الكمال: ٣٤٩/٢١

(٥) العلل ومعرفة الرجال لأحمد بن حنبل: ٣٦٢/١، تقريب التهذيب: ٤١٢/١

ان کے اساتذہ میں عون بن ابی جحیفہ، ابوصخرۃ جامع بن شداد المحاربی، عامر شعبی، عبداللہ بن ابی السفر، عکرمہ مولی بن عباس، العیزار بن جرول الحضرمی، قاسم بن مخیمرہ، قیس بن ابی حازم، مدرک بن عمارہ بن عقبہ بن ابی معیط القرشی، ابواسحاق السبیعی، ابوبردہ ابن ابی موسیٰ الاشعری رحمہم اللہ شامل ہیں۔(۱)

اوران کے شاگردوں میں محمد بن عرعرہ، اسحاق بن منصور السلولي، بہز بن أسد، حجاج بن منہال، حفص بن عمر الحوضی، حکم بن مروان، محمد بن فضیل وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔(۲)

عبدالرحمٰن بن مہدی ان کے بارے میں کہتے ہیں "كان كيس الحفظ"(۳)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صالح. (٤)

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثقة. (٥)

امام ابوحاتم اور امام نسائی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ليس به بأس.(٦)

ابوعبید الآجری، امام ابوداؤد سے روایت کرتے ہیں کہ: عمر يرى القدر.(٧)

اور دوسری جگہ میں یہ بھی کہا کہ: زكريا أعلىٰ عن أخيه عمر بكثير.(٨)

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۹)

امام عجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثقة.(١٠)

---

(١) تهذيب الكمال: ٣٤٨/٢١، تهذيب التهذيب: ٤٤٨/٧

(٢) تهذيب الكمال: ٣٤٩/٢١، تهذيب التهذيب: ٤٤٨/٧

(٣) الجرح التعديل: ١٠٦/٦، تهذيب التهذيب: ٤٤٩/٧

(٤) الجرح التعديل: ١٠٦/٦

(٥) الجرح التعديل: ١٠٦/٦، تاريخ يحيى بن معين: ١٩٩/١

(٦) تهذيب الكمال: ٣٥٠/٢١، تهذيب التهذيب: ٤٤٩/٧

(٧) الضعفاء الكبير: ١٧٨/٣، تهذيب الكمال: ٣٥٠/٢١

(٨) تهذيب الكمال: ٣٥٠/٢١، تهذيب التهذيب: ٤٤٩/٧

(٩) الثقات لابن حبان: ١٧٤/٧

(١٠) معرفة الثقات للعجلي: ١٦٦/٢، تهذيب التهذيب: ٤٤٩/٧

امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے ۱۵۹ھ میں وفات پائی۔(۱)

عون ابن أبي جحيفه

یہ عون بن ابی جحیفہ ہیں۔ان کے والد کا نام وہب بن عبداللہ السُّوائی الکوفی رحمہ اللہ ہے۔(۲)

ان کا تعلق بنوعامر صعصعۃ سے تھا۔(۳)

یہ عبدالرحمٰن بن بکیر، اپنے والد ابوحجیفہ السوائی، عبدالرحمٰن بن علقمہ الثقفی، مالک بن صحار، مخنف بن سلیم، مسلم بن رباح الثقفی رضی اللہ عنہ، منذر بن جریر بن عبداللہ البجلی رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں۔(۴)

اور ان سے روایت کرنے والوں میں

عمر بن ابی زائدہ، سعید بن مسروق الثوری، سفیان ثوری، شعبہ بن الحجاج، عبدالحمید بن ابی جعفر الفرآء، عبدالملک بن سعید بن ابجر، ابوادریس الاودی اور ابوخالد الدالانی وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔(۵)

حضرت اسحاق بن منصور یحیٰی بن معین، ابوحاتم اور امام نسائی رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہوئے ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ثقة.(٦)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ثقة.(٧)

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں "الثقات" میں شمار کیا ہے۔(۸)

ان کی وفات ۱۱۶ھ میں ہوئی۔(۹)

---

(١) خلاصة التهذيب للخزرجي، ص: ٢٨٢

(٢) التاريخ الكبير للبخاري: ٤/١٥، تهذيب الكمال: ٢٢/٤٤٨

(٣) الطبقات الكبرى: ٦/٣١٨، الجرح والتعديل: ٦/٥٠٦

(٤) تهذيب التهذيب: ٨/١٧٠، سير أعلام النبلاء: ٥/١٠٥

(٥) تهذيب الكمال: ٢٢/٤٤٨، الجرح والتعديل: ٦/٥٠٦

(٦) سير أعلام النبلاء: ٥/١٠٥، تهذيب الكمال: ٢٢/٤٤٨

(٧) الجرح والتعديل: ٦/٥٠٦

(٨) الثقات لابن حبان: ٥/٢٦٢

(٩) تهذيب التهذيب: ٨/١٧٠

یہ دور عراق میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی ولایت کا تھا۔(۱)

عن أبيه

اس سے مراد ابو جحیفہ ہیں۔ان کا نام وہب بن عبد السوائی رضی اللہ عنہ تھا۔

ان کے حالات كتاب العلم، باب كتابة العلم کے تحت گزر چکے ہیں۔(۲)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے،یعنی:خرج النبي صلى الله عليه وسلم في حلة حمر آء سے۔(۳)

شرح حدیث

في قبة حمراء من أدم

راوی کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چمڑے کے بنے ہوئے ایک خیمہ میں دیکھا، جو سرخ رنگ کا تھا۔

"قبة":"ق" کی ضمہ کے ساتھ اور "ب" مشدد کی فتحہ کے ساتھ۔

اس چھوٹے خیمہ یا شامیانہ کو کہتے ہیں، جو اوپر کی جانب سے گول ہو،اس کی جمع "قِباب" اور "قُبَبٌ" آتی ہے۔(۴)

"حمر آء": یہ فَعْلاء کے وزن پر ہے۔"أحْمَر" کی مؤنث ہے،سرخ رنگ کے معنی میں ہے۔

"أدَم" یہ لفظ ہمزہ اور دال کی فتح کے ساتھ ہے۔یہ أدِيْم کی جمع ہے۔اس کا مطلب ہے،پکایا ہوا چمڑا یا رنگا ہوا چمڑا یا دباغت دیا ہوا چمڑا، سب ایک دوسرے کے مترادفات ہیں۔دباغت سے پہلے والے چمڑے کو

---

(۱) الثقات لابن حبان: ٢٦٣/٥، تهذيب التهذيب: ١٧٠/٨

(۲) كشف الباري: ٢٣١/٤

(۳) عمدة القاري: ١٤٧/٤

(٤) معجم الصحاح، حرف القاف، ص: ٣٣٠، لسان العرب حرف القاف: ٧/١١، المغرب، حرف القاف: ١٥٥/٢

"إهاب" کہتے ہیں اور مطلقاً چمڑے کو "جِلْدٌ" کہتے ہیں۔(۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی جگہ

راوی نے جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قبہ میں قیام کا ذکر کیا وہ جگہ مکہ مکرمہ میں "أبـطـح" نامی تھی، یہ جگہ بطحاء کے نام سے معروف ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ منیٰ کے قریب ہے اور اس کا نام "محصب" ہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ جگہ ذوطوی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ ابن قرقول نے اس پر تنبیہ کی ہے۔(۲)

اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ابطح میں ٹھہرنا خود صحیح بخاری کی ہی روایت سے معلوم ہوتا ہے، جو آگے کتاب الأذان میں آرہی ہے۔(۳)

سنن النسائی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس وقت خیمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کچھ لوگ تھے۔(۴)

اور امام نسائی رحمہ اللہ کی ہی دوسری تالیف "السنن الکبری" میں ہے کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چالیس افراد تھے۔(۵)

ورأيت بلال أخذ وَضوءَه رسول الله صلى الله عليه وسلم

اور میں (حضرت) بلال (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وضو کا پانی لیے کھڑے تھے۔

"وَضُــوءٌ" یہ لفظ صحیح قول کے مطابق "واؤ" کی فتحہ کے ساتھ ہے۔ اس کے معنی ہیں، وہ پانی جو وضو کے

---

(۱) معجم الصحاح، ص: ٣٤، المحكم والمحيط الأعظم لابن سيده: ١٠/٩٧، النهاية في غريب الحديث الاثر: ١/٤٢، لسان العرب: ١/٩٦

(۲) التوضيح لابن ملقن: ٥/٣٥٦، عمدة القاري: ٤/١٤٨

(۳) صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب الأذان للمسافرين إذا كانوا جماعة والإقامة، رقم: ٦٣٣

(٤) السنن النسائي، كتاب الزينة، باب اتخاذ القباب الحمر، رقم الحديث: ٥٣٨٠

(٥) السنن الكبرى للنسائي، كتاب الزينة، باب اتخاذ القباب الحمر، رقم الحديث: ٩٧٤٢

لیے تیار کیا جائے۔(۱)

اس عبارت میں اختصار ہے۔ پوری بات یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یہ پانی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کروایا، پھر بچا ہوا پانی لے کر خیمہ سے باہر نکلے، اب یہاں دو احتمال ہیں کہ یہ پانی اس برتن کے اندر باقی ہو، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، یعنی: کچھ پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں استعمال کرلیا اور کچھ باقی رہ گیا، اس پانی کو لے کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ باہر تشریف لے آئے، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء سے لگ کر ٹپکنے والا تھا، یعنی مستعمل پانی تھا، اور بالاتفاق ماءِ مستعمل طاہر ہوتا ہے۔(۲)

ورأيت الناس يبتدرون ذلك الوضوء

اور میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی کو لینے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"يَبْتَـــدِرُوْنَ" باب افتعال سے جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے، اس کا مطلب ہے، کسی کام میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔ اس جگہ اس کی تفصیل یہ ہوگی کہ آپ علیہ السلام کے بچے ہوئے پانی سے برکت حاصل کرنے کی نیت سے ہر کوئی اس پانی کو حاصل کرنا چاہتا تھا، اور اس کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہا تھا۔(۳)

یہی بات ماقبل میں "کادوا يقتتلون على وَضوئه" کے الفاظ میں گزری ہے۔(۴)

یہ جملہ دراصل عروہ بن مسعود نے قریش کے سامنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفات بیان کرتے ہوئے کہا تھا، اور اس کا مشاہدہ انہوں نے صلح حدیبیہ کے وقت جب صلح کا پیغام لے کر آئے تھے، کیا تھا، اس میں

(۱) التوضيح لابن ملقن: ۳۵۷/۵، شرح الكرماني: ۳۹/٤، إرشاد الساري: ۳۹/۲، الكوثر الجاري: ٦٢/٢

(۲) أعلام بفوائد عمدة الأحكام، باب الأذان، الحديث الثاني، معنى الوَضوء: ٤٢٣/٢

(۳) معجم الصحاح، ص: ۷۸

(٤) صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب استعمال فضل الوضوء الناس، الحديث الرابع، رقم: ۱۸۹

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عظیم محبت اور عقیدت کا ثبوت ملتا ہے۔ پوری تفصیل ملاحظہ ہو، صحیح البخاري، کی کتاب الجہاد میں۔(۱)

اور یہاں جو "یقتتلون" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اس سے مراد حقیقی قتل نہیں ہے، بلکہ صحابہ کا ذوق وشوق اور اس کی طرف لپکنے کی تیزی دیکھتے ہوئے یہ لفظ مبالغۃً استعمال کیا گیا۔(۲)

"فمن أصاب منه شيئاً، تمسّح به، ومن لم يصب منه شيئاً، أخذ من بَلَلِ يد صاحبه".

پس جو شخص آپ علیہ السلام کے اس مستعمل پانی سے کچھ حصہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا تو وہ اس پانی کو اپنے (جسم وچہرے) پر مل لیتا تھا، اور جس شخص کو اس میں سے کچھ حاصل نہ ہوتا تو وہ دوسرے شخص کے گیلے ہاتھ سے کچھ تری لے کر اپنے جسم پر مَل لیتا تھا۔

صحیح بخاری کی ہی روایت میں ہے:

"وقام الناس، فجعلوا يأخذون يديه، فيمسحون بها وجوههم، قال: فأخذت بيده، فوضعتها على وجهي، فإذا هي أبرد من الثلج وأطيب رائحة من المسك".(۳)

کہ لوگ کھڑے ہوئے اور (آپ علیہ السلام کے مستعمل) پانی کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے چہروں پر مَلنے لگے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے (کچھ) پانی اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے چہرے پر ملا، تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبو والا تھا۔

سبحان اللہ۔

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الشروط، باب الشروط في الجهاد، والمصالحة مع أهل الحرب وكتابة الشروط والشروط مع الناس، رقم الحديث: ۲۷۳۱

(۲) الكوثر الجاري: ۲/ ۶۲، التوضيح لابن ملقن، كتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس، رقم الحديث: ۱۸۷، ۴/ ۳۰۵

(۳) صحيح البخاري كتاب المناقب، باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ۳۵۵۳

حدیث پاک کے اس مقام پر دو مسئلے قابل تحقیق ہیں:

۱- ماء مستعمل کا حکم۔ ۲- آپ علیہ السلام کے آثار سے تبرک کا حکم۔

ماء مستعمل کا حکم

ماء مستعمل کے بارے میں مکمل تفصیل ماقبل کتاب الوضوء اور کتاب الغسل میں متعلقہ مقامات میں گزر چکی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ماء مستعمل ایسے پانی کو کہتے ہیں جس سے حدیث و جنابت دور کرنے یا ثواب حاصل کرنے کے لیے وضو یا غسل کیا جائے، یہ پانی جیسے ہی بدن سے جدا ہوگا، اس پر مستعمل کا حکم لگ جائے گا۔

اس کا حکم یہ ہے کہ مفتی بہ قول کے مطابق عندالاحناف یہ پانی پاک ہوتا ہے، لیکن اس پانی سے وضوء یا غسل نہیں کیا جا سکتا، البتہ اس پانی کو پینے کے لیے استعمال کرنا کراہتِ خفیفہ کے ساتھ جائز ہے۔(۱)

ائمہ ثلاثہ کے اس بارے میں متعدد اقوال ہیں، لیکن ان کے نزدیک قولِ مشہور میں یہ پاک تو ہوتا ہے، لیکن اس سے پاکی حاصل نہیں کی جا سکتی۔(۲)

ماء مستعمل کے بارے میں علامہ عینی رحمہ اللہ کی وضاحت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”حدیث الباب سے ماء مستعمل کی طہارت بھی معلوم ہوئی اور اس کو جو حنفیہ کے خلاف سمجھا گیا ہے، وہ صحیح نہیں، کیونکہ وہ بھی اس کو طاہر ہی کہتے ہیں، نجس نہیں کہتے، حتیٰ کہ اس کا پینا جائز ہے، اس سے آٹا گوندھنا درست ہے، البتہ اس سے وضو و غسل کرنا صحیح نہیں

(۱) الفتح القدير، كتاب الطهارة: ۱/ ۹۰-۹۴، تبيين الحقائق، كتاب الطهارة: ۱/ ۸۶، ۸۸، البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/ ۱۲۲-۱۲۴، اللباب في شرح الكتاب، كتاب الطهارة: ۱/ ۲۳، ۲۴، حاشية الطحاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة: ۱/ ۲۲، بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في بيان الطهارة الحقيقية: ۱/ ۳۸۶-۳۹۲

(۲) الموسوعة الفقهية الكويتية: ۳۹/ ۳۵۹-۳۶۳، بداية المجتهد، الباب الثلث في المياه المسئلة الثالثة، الاختلاف في الماء المستعمل في الطهارة: ۱/ ۲۳، ۲۴

اور اس کے بارے میں جو امام صاحب رحمہ اللہ سے نجاست کی روایت منقول ہے۔ اول تو حنفیہ کے ہاں وہ معمول بہا نہیں ہے۔ دوسرے اس کا مطلب نجاستِ حکمی ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ نجس گناہوں کا ازالہ گنہگار بدن سے ہوتا ہے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلِ وضو پر تو اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ بدن بھی ہر لحاظ سے طاہر ومقدس تھا، پس وہ پانی تو طہور بھی تھا، بلکہ ہر طاہر واطیب سے زندہ مطہر تھا۔(۱)

آپ علیہ السلام کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کا حکم

حدیثِ مبارکہ کے اس مقام پر ایک دوسرا مسئلہ بھی زیرِ بحث آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار وملبوسات وغیرہ سے تبرک حاصل کرنا کیسا ہے؟

اس مذکورہ حدیثِ مبارکہ اور دیگر بہت ساری احادیثِ مبارکہ اور آثار سے یہ بات صحیح طریقے سے ثابت ہے اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی برکت حاصل کرنا مشروع اور ثابت ہے، البتہ اس میں یہ ضروری ہے کہ اس معاملہ میں شرک میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو، اور اگر کہیں اس کی وجہ سے شرک میں ابتلاء کا خوف ہو تو پھر یہ تبرک حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا۔(۲)

کتاب الوضوء میں اس موضوع پر تفصیلی بحث گزر چکی ہے، تاہم اس مقام پر صرف حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی کتاب ''اشرف الجواب'' سے ایک نہایت مفید بحث حواشی کے اضافے کے ساتھ ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

تبرکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

حضرت حکیم الامت صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''الف: تبرکات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک تو وہی زیادتی کی جارہی ہے جو اور بدعات میں ہے کہ لوگوں نے اس کو عید بنا رکھا ہے، اس باب میں اکثر لوگ یہاں تک کہ بعض طلبہ بھی شک میں ہیں، یوں سمجھتے ہیں کہ

---

(۱) عمدة القاري: ١٤٩/٤

(۲) التوضيح لابن ملقن: ٣٥٧/٥، عمدة القاري: ١٤٨/٤، الكوثر الجاري: ٦٢/٢، الموسوعة الفقهية الكويتية، حرف التاء: ٥٩/١٠

اس میں کیا حرج ہے؟ جبہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت باعثِ برکت ہے، اگر کوئی صرف زیارت کی نیت سے جائے تو کوئی مضائقہ نہیں معلوم ہوتا، مجھ سے ایک طالب علم نے جن کا مکان جلال آباد میں ہے اور جبہ شریف کے مکان کے پاس اس کی دکان ہے، سوال کیا کہ میں دکان پر بیٹھ کر جبہ کی زیارت کرلوں گا۔ مگر میں نے اس کی اجازت نہیں دی، کیونکہ وہ مجمع بالکل میلوں کی طرح، عرسوں کی طرح ہوتا ہے، تاریخ کی تعیین ہوتی ہے، دعوت ہوتی ہے دور سے آدمی آتے ہیں، عورتوں کا اجتماع بھی ہوتا ہے۔ ایسے لوگ جو نماز بھی نہیں پڑھتے، زیارت کو آتے ہیں، حالانکہ جبہ شریف کی زیارت کی فضیلت قبر شریف کے برابر نہیں ہوسکتی، حدیث "لا تتخذوا قبري عيدا"(۱) (میری قبر پر عیدگاہ کا ہجوم نہ لگاؤ) سے اس کی نفی ہوگئی، کیونکہ جبہ شریف کی فضیلت قبر شریف کے برابر نہیں ہوسکتی، گو اس میں یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ مثل یوم ولادت وغیرہ کے اس میں تبدیل ہوگیا، اگرچہ عدم تبدیل کا یقین بھی نہیں، مگر خیر جو بات دل میں نہیں، اس کو زبان پر بھی نہیں لانا چاہیے، مگر ایک دوسری بات مابہ الامتیاز یہاں بھی موجود ہے کہ اس وقت وہ ملبوس جسدِ اطہر سے مماس (ملا ہوا) نہیں، اور قبر شریف کو مماس کو شرف حاصل ہے، اس لیے جبہ نبوی کو کسی نے عرش کے افضل نہیں کہا، پس جب قبر کا عید بنانا حرام ہے تو ملبوس شریف کو عید بنانا کس طرح جائز ہوگا......؟؟!!

موئے مبارک

کہیں کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک اس وقت تک موجود ہیں، عید بنانا ان کی بھی جائز نہیں، کیونکہ اگرچہ بظاہر یہ خیال کرکے کہ موئے مبارک جزو بدن ہے، قبر سے افضل معلوم ہوتا ہے، مگر قبر میں اتصال اور تماس کی ایسی فضیلت موجود ہے، جو موئے مبارک کو بالفعل حاصل نہیں، اس لیے دونوں خیر مساوی ہوئے، موئے مبارک جزو ہے، مگر اب مماس نہیں اور قبر شریف جزو نہیں، مگر مماس (ملا ہوا) ہے، تو دونوں برابر ہوئے، اور ایک مساوی سے دوسرے مساوی کا حکم معلوم ہوسکتا ہے۔

پس حدیث، "لا تتخذوا قبري عيداً"(۲) سے موئے مبارک کو عید منانا ناجائز، حرام ہوگیا، یہ حضور

---

(۱) المسند للإمام أحمد بن حنبل، مسند أبي هريرة، رقم الحديث: ۸۸۰۴، ۱۴/۴۰۳

المصنف لابن أبي شيبة، باب في الصلاة، عيد قبر النبي صلى الله عليه وسلم، رقم: ۷۶۳۵، ۵/۱۷۸

مسند أبي يعلىٰ، مسند علي بن طالب، رقم: ۴۶۵، ۱/۳۶۱

(۲) حواله بالا

صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت بلاغت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو ذکر میں اختیار فرمایا، جس سے ملبوس اور شعر وغیرہ سب کے احکام خود بخود معلوم ہو گئے، علاوہ ازیں صحابہ اور سلف صالحین نے عید منانے کو کبھی اختیار نہیں کیا، حالانکہ ان کے پاس ہم سے زیادہ تبرکات نبویہ موجود تھے اور ان کو ہم سے زیادہ ثواب کے کاموں میں سبقت تھی، اگر یہ کوئی خیر ہوتی، تو سلف میں اس کی کچھ تو اصل ہوتی، اب صرف یہ سوال رہ گیا تھا کہ صحابہ میں عید کی طرح اجتماع نہیں تھا، تو آخر تبرکات کے ساتھ ان کا برتاؤ کیسا تھا؟ تو اس کے لیے میں نے چند احادیث ایک پرچہ پر لکھ لی ہیں، کیونکہ ان کا بلفظہ یاد رکھنا دشوار تھا، اس وقت ان کو نقل کیے دیتا ہوں۔

تبرکات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں احادیث

عن عثمان بن عبدالله بن وهب قال: "أرسلني أهلّ إلى أم سلمة رضي الله عنها بَقَدحٍ من ماءٍ، وكان إذا أصاب الإنسانَ عينٌ أو شيء بعث إليها مِخْضَبَةٌ لها، فأخرَجَتْ من شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت تمسكه في جُلْجُلٍ من فضة، فَخَضْخَضَتْ له، فَشَرِبَ منه، قال: فاطلعتُ في الجُلْجُلِ، فرأيتُ شعرات حَمْرآء". (۱)

ترجمہ: حضرت عثمان بن عبداللہ بن وہب سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ

---

(۱) مذکورہ حدیث کا حوالہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کا دیا ہے، جب کہ صحیح بخاری کے بہت سے نسخوں میں دیکھنے کے باوجود مذکورہ حدیث انہی الفاظ سے نہ مل سکی، صحیح البخاری میں موجود حدیث کے الفاظ یہ ہیں: عن عثمان بن عبدالله بن موهب قال: أرسلني أهلي إلى أم سلمة بقَدَحٍ من ماءٍ، وقبض إسرائيل ثلاث أصابع من قُصَّةٍ فيها شعرٌ مِن شَعر النبي صلى الله عليه وسلم: وكان إذا أصاب الإنسان عين أو شيء بعث إليها مِخْضَبَةً فاطَّلعتُ في الجُلجُل، فرأيتُ شعراتٍ حُمراءَ". (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب مايذكر في الشيب، رقم الحديث: ۵۸۹۶)

البتہ جامع الأصول میں مذکورہ حدیث انہی مذکورہ الفاظ میں صحیح البخاری کے حوالے سے مذکور ہے، ملاحظہ ہو۔ (جامع الأصول، حرف الزآء، الكتاب الثالث من حرف الزاي، الباب الثاني، الفصل الثاني في خضاب اليدين، رقم الحديث: ۲۸۶۶، ۴/ ۷۴۰)

یہ حدیث افراد بخاری میں سے ہے۔

مجھے میرے گھر والوں نے حضرت ام المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پانی کے پیالہ دے کر بھیجا اور قاعدہ یہ تھا کہ جب کسی انسان کو نظر وغیرہ کی تکلیف ہوتی تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پانی کا پیالہ بھیج دیا جاتا، ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال تھے، جن کو انہوں نے چاندی کی نلکی میں رکھ رکھا تھا، پانی میں ان بالوں کو ہلا دیتی تھیں، اور وہ پانی بیمار کو پلا دیا جاتا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے جو جھک کر نلکی کو دیکھا تو اس میں چند سُرخ بال تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ ایک صحابیہ (حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا) کے پاس بال مبارک نلکی میں رکھے ہوئے تھے، جس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا جاتا تھا کہ بیماروں کی شفا کے لیے اس کا غسالہ پلا دیا جاتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کے بارے میں اختلاف ہوا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال پکنے لگے تھے، جس سے دیکھنے والوں کو خضاب کا شبہ ہوتا تھا، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خضاب نہیں کیا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کل سفید بال قریب بیس کے تھے یا کچھ زائد۔

جبہ مبارک کا تذکرہ

عن أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنها ...... فأخرجت إلي جبةً طيالِسَةٍ كِسْرَ وَانِيَة لها لِبنَةُ ديباجٍ، وفرْجَيْها مكفوفَيْن بالديباج، فقالت: هذه (جُبَّةُ رسول الله صلى الله عليه وسلم) كانت عند عائشة، حتى قُبِضَتْ فلمّا قُبِضَتْ قَبَضْتُها، وكان النبي صلى الله عليه وسلم يلبَسُها، فَنَحْنُ نغسِلُها للمرْضىٰ لنَسْتَشْفِيَ بها". (١)

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے...... کہ انہوں نے ایک جبہ طیلسانی کسروی نکالا جس کے گریبان اور دونوں چاک پر ریشم کی سنجاف لگی ہوئی تھی اور کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے، جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا، ان کی وفات کے بعد میں نے اسے لے لیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پہنا کرتے تھے، ہم

(١) صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، تحريم لبس الحرير وغير ذلك للرجال، رقم الحديث: ٥٤٠٩

اس کو دھو کر پانی بیماروں کو پلا دیتے ہیں، شفا حاصل کرنے کے لیے۔

موئے مبارک سے متعلق حدیث

عن أنس بن مالك رضى الله عنه قال: لما رَمٰى رسول الله صلى الله عليه وسلم الجمرةَ، ونحر نسكه وحلَقَ، ناول الحالق شَقَه الأيمنَ، فَحَلَقَه، ثم دعا أبا طلحة الأنصاري، فأعطاه إيّاه، ثم ناوله الشق الأيسر فقال: "احلِق"، فَحلَقَه، فأعطاه أبا طلحة، فقال: "اقسِمْه بين الناس".(۱)

ترجمہ: ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں عرفات سے منیٰ میں تشریف لائے تو جمرہ عقبہ کے پاس پہنچے اور اس کی رمی کی، پھر منیٰ میں جو مکان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مقرر تھا، اس میں تشریف لائے اور قربانی کے جانوروں کو ذبح کیا، پھر حلاق (نائی) کو بلالیا، اور اس کو سر کا داہنا حصہ اول دیا، اس نے داہنے حصے کو مونڈا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور وہ بال ان کو عطا کیے، پھر نائی کو سر کا بایاں حصہ دیا اور فرمایا: مونڈو! اس نے بائیں حصہ کو بھی مونڈا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بال بھی ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الحج، باب بيان أن السنة يوم النحر أن يرمي، ثم ينحر، ثم يحلق، رقم الحديث: ۳۱۵۵

آپ علیہ السلام کے موئے مبارک سے تبرک کے حصول کے لیے اور بھی بہت سی احادیث مذکور ہیں، مثلاً دیکھیے:

صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب قربة صلى الله عليه وسلم من الناس وتبركهم به، وتواضعه لهم، رقم الحديث: ۶۰۴۲

اور صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب الماء الذي يُغسَل به شعرُ الإنسان، رقم الحديث: ۱۷۰، ۱۷۱، وغیرہ

اور صحيح البخاري، كتاب الاستئذان، باب من زار قوماً، فقال عندهم، رقم الحديث: ۶۲۸۱

اور صحيح مسلم، كتابُ الفضائل، باب طيب عرقه صلى الله عليه وسلم والتبرك به، رقم الحديث: ۶۰۵۶

دیئے اور فرمایا کہ اس کو لوگوں میں تقسیم کرو"۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت مقدار میں اپنے موئے مبارک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں تقسیم فرمائے ہیں، اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرقاً و غرباً منتشر ہو گئے تھے اور کہیں اگر موئے مبارک پایا جائے تو جلدی سے اس کا انکار نہ کر دیا جائے، بلکہ اگر سند صحیح سے اس کا پتہ معلوم ہو جائے، تب تو اس کی تعظیم کی جائے، ورنہ اگر یقینی دلیل افتراء واختراع کی نہ ہو تو سکوت کیا جائے، یعنی نہ تصدیق کی جائے، نہ تکذیب، مشتبہ امر میں شریعت نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے۔

لباس مبارک

وعن أم عطية (في قصة غسل زينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم تكفينها أنها) فألقى حقوَه، فقال: "أشعِرْنَها إياه". فقال الشيخ في اللمعات: "وهذا الحديث أصل في البركة بآثار الصالحين ولباسهم".(۱)

(۱) صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب في غسل الميت، رقم الحديث: ۲۱٦۸، ۲۱۷۳

اس روایت میں پوری بات اس طرح ہے:

قال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اغسلنها وِتراً ثلاثاً أو خمساً، واجعَلْنَ في الخامسة كافوراً، أو شيئاً من كافور، فإذا غَسَلْتُنَّهَا فأَعْلِمنيْ"، قالت: فأعلمناه، فأعطانا حِقوَه وقال: "أشعِرْنَها إياه".

صحيح البخاري، رقم الحديث: ۲۱۷۳

مفہوم یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جب تم غسل دے چکو تو (کفنانے سے پہلے) مجھے خبر دینا، چنانچہ ہم نے (غسل سے فارغ ہو کر) خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہبند ہماری طرف ڈالا......الخ۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أنه أمر بذلك تبركاً به".

(الديباج على صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب في غسل الحديث، رقم: ۲۱٦۸، ۱/۴۵۵)

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والحكمة في إشعار هابه تبريكها به، فيه التبرك بآثار الصالحين ولباسهم".

(شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب في غسل الميت، رقم الحديث: ۲۱٦۸، ۷/۷)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل وکفن کے واقعہ میں روایت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہبند ہمارے پاس ڈال دیا کہ اس کو مرحومہ کے بدن سے مماس کر کے پہناؤ، یعنی سب سے نیچے اس کو رکھو تاکہ اس کی برکت بدن سے متصل رہے۔

حضرت شیخ عبدالحق رحمہ اللہ لمعات شرح مشکوۃ میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: "یہ حدیث آثار وملبوساتِ صالحین سے برکت لینے میں اصل ہے"۔(۱)

معلوم ہوا کہ تبرکات سے برکت حاصل کرنے کا ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ بعد موت کے اس کو کفن میں رکھ دیا جائے، مگر اس سے قرآن اور دعاؤں کی کتابوں کا کفن میں رکھنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ اس میں ان کا احترام باطل ہوجاتا ہے کیونکہ قرآن کے ساتھ ناپاکی کا اتصال حرام ہے۔ اور بدنِ میت چند روز کے بعد پھولے پھٹے گا، وہ نجاست قرآن کو بھی لگے گی، اسی طرح وہ کتابیں جن میں دعائیں اور اس اللہ ورسول کا نام جابجا ہے، قابلِ احترام ہیں، بلکہ الفاظ وحروف مطلقاً قابلِ احترام ہیں، بلکہ سادہ کاغذ بھی بوجہ آلۂ علم ہونے کے قابلِ احترام ہے، بعض لوگ فرعون وہامان کا نام لکھ کر اس پر جوتے مارتے ہیں، یہ باطل لغو ومہمل حرکت ہے، اس پر تو بس نہ چلا، الفاظ کی ہی بے حرمتی پر بہادری دکھلائی، مگر ان سب کے ساتھ ان کو عید نہ بنانا چاہیے، کیونکہ یہ سمجھنے کی بات ہے کہ ان چیزوں کی قدر کس لیے ہے؟ اس لیے نا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چیزیں ہیں، پھر احکام بھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں، ان کی بھی تو قدر کرنی چاہیے، ان میں بھی تو برکت ہے، اس برکت کو بھی تو لینا چاہیے، غرض وہ جو سوال کیا گیا تھا کہ سلف صالحین کا تبرکات کے ساتھ کیسا برتاؤ تھا؟ ان روایتوں سے اس کا جواب معلوم ہوگیا، انہی کے موافق ہم کو بھی عمل کرنا چاہیے، اس سے زیادہ تعدی نہ کرنا چاہیے۔

تبرکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غلو

بعض لوگ یہاں غلو کرتے ہیں کہ حب شریفہ کے لیے نذریں مانتے ہیں، فقہاء نے اس کو حرام لکھا ہے، کیونکہ نذر عبادت ہے، اور عبادت مخلوق کے لیے نہیں ہوسکتی، عبادت خالق جل وعلا کے لیے خاص ہے، بحر الرائق میں اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ نذر ماننا مخلوق کے لیے سب کے نزدیک اتفاقاً حرام ہے، مجاوروں کو

(۱) لمعات التنقیح، کتاب الجنائز، باب غسل المیت وتکفینه، رقم الحدیث: ١٦٣٤، ٣١٨/٤

اس کا کھانا لینا اور اس میں کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں۔ (وعظ الحبور، ص:۲۱)

تبرکات کام نہیں آتے

(ب) تبرکات کے بھروسہ پر کوئی نہ رہے، بدون ایمان کے سب بے کار ہیں، چنانچہ دیکھ لو کہ ''ابن ابی'' کے پاس کتنے جمع ہوگئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قمیص مبارک اس کے کفن میں دیا، بھلا یہ بات کس کو نصیب ہوتی ہے؟ آج کل کوئی بہت کرے گا، غلافِ کعبہ کا ٹکڑا رکھ دے گا، مگر غلافِ کعبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قمیص سے کیا نسبت؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر عرش و کعبہ سے افضل ہے اور اگر غلافِ کعبہ کو قمیصِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر مان بھی لیا جائے تو یہ دولت کس کو نصیب ہوسکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا لعاب مبارک اس کے منہ میں پڑے، عبداللہ بن اُبی کے مرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک بھی اس کے منہ میں ڈال دیا تھا، وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جزو تھا، جس کی برکت لباس سے بھی زیادہ ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازے کی نماز پڑھی، گویا اس کے لیے دعائے مغفرت فرمائی، بھلا یہ شرف آج کس کو نصیب ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر اس کے جنازہ کی نمازیں پڑھیں، مگر باوجود ان تمام باتوں کے عبداللہ بن ابی کو ان تبرکات سے کچھ بھی نفع نہ ہوا، کیونکہ وہ ایمان سے محروم تھا، حق تعالیٰ نے صاف فرمادیا ہے: ﴿إنهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون﴾(۱) (الرفع والوضع، ص: ۳۰)

حکیم الامت صاحب رحمہ اللہ کی عبارت مکمل ہوئی۔(۲)

ورأيت بلالاً أخذ عَنَزَة، فرکزها

اور میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو عصا پکڑے ہوئے دیکھا (جس کے نیچے لوہے کا پھل لگا ہوا تھا) جسے انہوں نے زمین میں گاڑ دیا۔

عَنَزَة: یہ نصف نیزہ یا اس سے کچھ زیادہ لمبائی میں وہ عصا ہوتا ہے، جس کے نیچے لوہے کا پھل لگا ہوتا ہے، عام طور پر بڑی عمر کے افراد اپنے ساتھ رکھتے ہیں، ٹیک سہارا وغیرہ لگانے کے لیے۔(۳)

---

(۱) التوبة: ۸٤

(۲) اشرف الجواب، بیسواں اعتراض، تبرکات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت، ص:۱۳۲-۱۳۶

(۳) معجم الصحاح للجوهري، ص: ۷٤۷، النهاية في غريب الحديث والأثر: ۲/۲٦۲، المعجم الوسيط=

اس کی جمع عَنَز اور عَنَزاتٌ آتی ہے۔

فرکزھا: اس کو زمین میں گاڑ دیا تا کہ وہ نماز کے دوران ستر کا کام دے سکے۔

وخرج النبي صلى الله عليه وسلم في حلةٍ حمراءَ مُشمِّراً

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ سے باہر تشریف لائے سرخ جوڑا پہنے ہوئے اس حال میں کہ اپنے ازار (یا اپنی چادر) کو سمیٹ رہے تھے۔

حُلّة: نئے کپڑوں کے جوڑے کو حلہ کہتے ہیں۔ایک ہی قسم کے دو کپڑوں "چادر اور ازار" کو بھی حلہ کہا جاتا ہے،اس کے علاوہ حلہ کا استعمال دوہری تہہ والے کپڑے پر بھی ہوتا ہے۔اس کی جمع حُلَلٌ اور حِلَالٌ آتی ہے۔(۱)

ابن أبي داوٗد کی روایت میں اس "حلہ" کے بارے میں ہے:"وعليه حلة حمراء بُرودٌ يمانِيَةٌ قِطْرِيٌّ".(۲)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ رنگ کا حلہ پہنا ہوا تھا، جو کہ یمن کے ایک شہر قطر کی بنی ہوئی چادروں پر مشتمل تھا۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جوڑا تین اوصاف کا حامل تھا،یعنی: ذات کی صفت کے اعتبار سے سرخ رنگ کا تھا،جنس کی صفت کے اعتبار سے یمنی چادریں تھیں اور نوع کی صفت کے اعتبار سے وہ "قطري" تھا۔(۳)

= ص: ٦٣١، عمدة القاري: ١٤٨/٤

(١) معجم الصحاح للجوهري، ص: ٢٥٧، النهاية في غريب الحديث والأثر: ٤٦٣/٢، التوضيح لابن ملقن: ٣٥٦/٥، عمدة القاري: ١٤٨/٤

(٢) سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في المؤذن يستدير في أذانه، رقم الحديث: ٥٢٠

(٣) عمدة القاري: ١٤٨/٤، ١٤٩

شرح سنن أبي داؤد للعينى، كتاب الصلاة، باب في المؤذن يستدبر في ثوابه، رقم: ٥٢، ٤٧٢/٢

عون المعبود، كتاب الصلاة، باب في المؤذن يستدير في أذانه، رقم الحديث: ٥٢، ٢٢١/٢، ٢٢٢

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شارحینِ بخاری رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ اس کی زمین سفید تھی اور اس پر صرف سرخ دھاریاں تھیں، میں نے تتبع کیا تو احکام القرآن لابن عربی میں اس کے لیے روایت بھی مل گئی، بظاہر شارحین کے سامنے بھی وہی روایت ہوگی، مگر حوالہ نہیں دیا۔(۱)

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جگہ ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ حلہ سفر میں اس لیے پہنا تھا کہ اس سے دشمن پر رعب پڑے۔ اور کسی بھی غزوے میں ایسے لباس کا پہننا جائز ہے، جو غزوے کے علاوہ کے دنوں میں جائز نہیں ہوتا۔

علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ مذکورہ تاویل درست نہیں ہے اس لیے کہ یہ سفر کسی غزوے کے لیے نہیں تھا بلکہ یہ تو حجۃ الوداع سے واپسی کا سفر تھا، اس وقت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی غزوہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ ایسا معلوم تھا کہ اس بات کے قائل نے حنفیہ کے سرخ کپڑوں کے بارے استعمال کی عدم جواز والی روایت سن کر تاویل کی ہے، تو میں کہتا ہوں کہ اس کی ضرورت ہی نہیں ہے اس لیے کہ احناف کا یہ مسلک ہی نہیں، لہٰذا جواب مذکور کی کوئی حاجت ہی باقی ہیں رہتی۔(۲)

مُشَمِّرًا

یہ باب تفعیل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اس کا مطلب ہے کسی کپڑا کو سمیٹنا، آستین کا ہو یا ازار و شلوار وغیرہ کا، اور اس جگہ مراد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ازار کو سمیٹ رہے تھے کہ وہ زمین پر نہ گھسٹ رہا ہو۔ اس کی تفصیل ایک دوسری حدیث میں موجود ہے۔ کہ راوی کہتے ہیں: "كأني أنظر إلى بياض ساقيه".

(۱) فيض الباري: ٤/ ٢٦، أنوار الباري: ١١/ ١٣٩

العرف الشذي، كتاب الطهارة، باب ماجاء في إدخال الأصبع في الأذان عند الأذان، رقم: ١٩٧، ١/ ٢١٢

سبل السلام، كتاب الصلاة، باب اللباس، رقم الحديث: ٤٩٦، ٢/ ٢٦١

فتح الباري لابن رجب حنبلي: ٢/ ٦٩، ٧٢

مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الأول، رقم الحديث: ٤٣٢٧، ٨/ ٢٠٥

زاد المعاد، فصل في ملابسه صلى الله عليه وسلم: ١/ ١٣٧

(٢) عمدة القاري: ٤/ ١٤٩

گویا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیوں کی سفیدی دیکھ رہا تھا۔(۱)

صلى إلى العنزة بالناس ركعتين

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لاٹھی کی طرف منہ کر کے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس لاٹھی کو بطورِ سترہ گاڑھا گیا تھا، دوسری بات یہ کہ یہ دو رکعتین دوسری احادیث کی روشنی میں نماز ظہر کی دو رکعتیں تھی، جو حالتِ سفر میں ہونے کے باعث دو پڑھی گئی تھیں۔ ملاحظہ ہو، مسلم کی روایت میں ہے: "فتقدم فصلى الظهر ركعتين" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر ظہر کی نماز دو رکعت پڑھائی۔(۲)

ورأيت الناس والدواب يمرّون من بين يدي العنزة

اور میں نے لوگوں اور چوپاؤں کو دیکھا کہ وہ سترے کے سامنے سے گزر رہے تھے۔

یعنی سترہ کے سامنے یا پیچھے سے گزرنے والے گزر رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جاری تھی، اس سے معلوم ہوا کہ سترہ کے ورے سے کسی گزرنے والے کے گزرنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اس مقام کے بارے میں احادیث میں بہت سے دیگر مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں، مثلاً: "تمرّ عن ورائها المرأة"، "يمرّ بين يديه الحمار والكلب لايمنع"، "يمر من ورائها المرأة والحمار" اور "يمرّ بين يديه المرأة والحمار" وغیرہ۔(۳)

نیز سترہ سے متعلقہ تمام مباحث اپنے مقام پر آئیں گے۔

---

(۱) التوضيح لابن ملقن: ٢٥٧/٥، عمدة القاري: ١٤٩/٤

صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ٣٥٦٦

صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب سترة المصلي والندب إلى الصلاة إلى سترة، رقم: ١١١٩

(۲) التوضيح لابن ملقن: ٢٥٨/٥، عمدة القاري: ١٤٩/٤

صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب سترة المصلي والندب إلى الصلاة إلى سترة، رقم: ١١١٩، ١١٩٢

(۳) التوضيح لابن ملقن: ٢٥٨/٥، عمدة القاري: ١٤٩/٤، إرشاد الساري: ٣٦/٤

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے جو کہ "الحلة الحمرآء" سے ہے۔(۱)

مذکورہ حدیث مبارکہ سے مستفاد اُمور

اس حدیث سے بہت سے اُمور مستفاد ہوتے ہیں، مثلاً:

۱-سرخ کپڑے کا استعمال جائز ہے۔

۲-سرخ رنگ کے ہر خیمے کا استعمال جائز ہے۔

۳-نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے۔

۴-ماء مستعمل کا استعمال جائز ہے۔

۵-جنگل وغیرہ میں سترہ لگا کے نماز پڑھنی چاہیے۔

۶-سترہ کے ورے سے کسی گزرنے والے کے گزرنے سے کچھ حرج نہیں۔

۷-سفرِ شرعی میں رباعی نماز قصر کر کے پڑھی جاتی ہے۔

۸-سفر میں بڑے بندے کی خدمت کرنا مستحسن امر ہے۔(۲)

١٧ - باب : اَلصَّلَاةِ فِي السُّطُوحِ وَالْمِنْبَرِ وَالْخَشَبِ .

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ : وَلَمْ يَرَ الْحَسَنُ بَأْسًا أَنْ يُصَلَّى عَلَى الْجُمْدِ وَالْقَنَاطِرِ ، وَإِنْ جَرَى تَحْتَهَا بَوْلٌ ، أَوْ فَوْقَهَا ، أَوْ أَمَامَهَا ، إِذَا كَانَ بَيْنَهُمَا سُتْرَةٌ . وَصَلَّى أَبُو هُرَيْرَةَ عَلَى سَقْفِ الْمَسْجِدِ بِصَلَاةِ الْإِمَامِ . وَصَلَّى ابْنُ عُمَرَ عَلَى الثَّلْجِ .

یہ باب ہے چھتوں پر اور منبر پر اور لکڑی (سے بنے ہوئے کسی تختے وغیرہ) پر کھڑے ہو کر نماز کے حکم

(۱) عمدة القاري: ١٤٧/٤

(۲) التوضيح لابن ملقن: ٣٥٦/٥-٣٥٨

عمدة القاري: ١٤٧/٤-١٤٩، الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، باب الأذان، الحديث الثاني،

معنى الوضوء: ٤٣٣/٢-٤٣٥

إرشاد الساري: ٣٩/٢، الكنز المتواري: ٥٢/٤-٥٤

کے بارے میں۔

السُّطُوح

''سین'' کے ضمہ کے ساتھ جمع ہے "سطح" کی، اور مراد اس سے گھر کی چھت ہے، جس کو سَقْف (بھی کہتے ہیں۔ ویسے مطلقاً کسی بھی چیز کے اوپر والے حصہ کو اس کی ''سطح'' بھی کہا جاتا ہے۔(۱)

المِنْبَر

"م" کے کسرہ کے ساتھ "نبرتُ الشيء إذا رفعته" سے ماخوذ ہے، قیاس کے مطابق تو "م" کی فتحہ ہونی چاہیے تھی، اس لیے کہ ''کسرہ'' تو اسم آلہ کی علامت ہے، اور وہ یہاں مراد نہیں۔ لیکن یہ لفظ سماعی ہونے کی وجہ سے اسی طرح پڑھا جاتا ہے۔ اس کی جمع "منابر" آتی ہے۔

''منبر'' ہر بلند جگہ کو کہتے ہیں، لیکن اصطلاحاً واعظ اور خطیب کے لیے مسجد میں بنائی گئی بیٹھنے کی جگہ کو کہتے ہیں، اس کے دوسرے معنی: اجتماع عام کا مقام، عام مباحثوں کا مقام، اسٹیج اور پلیٹ فارم کے ہیں، جہاں سے کوئی آواز بلند کی جائے۔(۲)

الخَشَب

خا اور شین کے ساتھ "الخشبة" کی جمع ہے۔ یہی لفظ خُشُبٌ، خُشْبٌ اور خُشبانٌ بھی آتا ہے۔ اس کے معنی لکڑی، شہتیر کے ہیں۔(۳)

ترجمۃ الباب کا مقصد

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی رائے

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

---

(۱) معجم الصحاح للجوهري، ص: ٤٩٢، المعجم الوسيط، ص: ٤٢٩

(۲) معجم الصحاح للجوهري، ص: ١٠١٥، القاموس الوحيد، ص: ١٦٠٢

التوضيح لابن ملقن: ٣٦٠/٥، عمدة القاري: ١٥٠/٤

(۳) معجم الصحاح للجوهري، ص: ٤٩٦، النهاية في غريب الحديث والأثر: ٤٩٠/١، ٤٩١

"جُعِلَت لي الأرض مسجداً وطهوراً" سے بظاہر وہم یہ ہوتا ہے کہ نماز زمین پر ہی ہونی چاہیے، نہ کہ کسی اور چیز پر پڑھی جائے، تو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس وہم کو دور کیا کہ زمین کے علاوہ کسی دوسری چیز، مثلاً چھت، منبر اور لکڑی وغیرہ اگر پاک ہوں تو ان پر بلا کراہت نماز پڑھنا جائز ہے۔ (چونکہ اس مسئلہ میں سلف میں اختلاف تھا، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے جزئیات کو ذکر فرمایا)۔(۱)

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کی رائے یہ ہے کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے، جُعلت لي الأرض مسجداً وطهوراً ...... مگر میرے نزدیک اس مسئلہ کے زیادہ موافق "باب الصلاة على الفراش" ہے، جہاں اس مسئلہ سے بحث ہوگی، یہاں تو امام بخاری رحمہ اللہ دوسرے اختلافات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، گو یہ اختلاف اب ہمارے زمانے میں کچھ نہیں، "كان لم يكن" ہوگئے، مگر چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک یہ اختلاف تھے، اس لیے انہوں نے اس پر باب باندھا۔ اور بہت سے اختلافات ایسے ہیں جو بہت زیادہ شہرت پذیر ہیں، مثلاً: رفع الیدین یہ ایک ایسا معرکۃ الآراء نہ تھا، جیسا کہ اب ہوگیا ہے۔ بہرحال میرے نزدیک امام بخاری رحمہ اللہ اب باب سے بعض تابعین کے قول پر رد فرما رہے ہیں، جیسا کہ بعض شراح سے منقول ہے کہ وہ لوگ صلوة على السطح کی کراہت کے قائل ہیں۔ نیز اس باب سے مالکیہ پر بھی رد ہے کہ وہ صلاة على المنبر کی کراہت کے قائل ہیں، ایسے ہی خشب سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور ابن سیرین رحمہ اللہ کے قول پر رَد فرمایا ہے، کیونکہ ان سے صلوة على الخشب کی کراہت منقول ہے۔"(۲)

---

(۱) شرح تراجم أبواب البخاري لشاه ولي الله محدث الدهلوي، ص: ۲۱، تيسير القاري شرح فارسی صحيح البخاري: ۱۴۷/۲

(۲) تقرير بخاري شريف: ۱۳۲/۲، الكنز المتواري: ۵۵/۴

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ ابن رجب الحنبلی رحمہ اللہ اپنی شرح بخاری المسمی بہ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود اس ترجمۃ الباب سے یہ ہے کہ نماز ہر اس مقام میں جائز ہے جو سطح زمین سے اوپر ہو، برابر ہے کہ وہ سطح زمین پر رکھی گئی ہو، جیسے: منبر، لکڑی کا تخت وغیرہ یا سطح زمین سے اوپر تعمیر کی گئی ہو، مثلاً زمین کے اوپر تعمیر کمرہ کی چھت یا سطح زمین پر رکھی جانے والی وہ چیز جو پگھلنے والی نہ ہو، ٹھوس ہو، مثلاً: جمی ہوئی برف وغیرہ۔(۱)

حضرت کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا:

منبر سے اونچی جگہ پر نماز پڑھنے اور پڑھانے کے جواز کی طرف اشارہ ہے، اور خشب (لکڑی) سے بتلایا کہ جس طرح مٹی پر سجدہ ادا ہو سکتا ہے، اسی طرح لکڑی وغیرہ پر بھی ہو سکتا ہے۔(۲)

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ کی رائے

ان دونوں صاحبان نے اس ترجمۃ الباب کا مقصد یہی بتلایا ہے کہ اولاً تو امام بخاری رحمہ اللہ ان مذکورہ چیزوں پر نماز کی ادائیگی کا جواز بتلا رہے ہیں اور ثانیاً بعض تابعین اور امام مالک رحمہ اللہ کا رد مقصود ہے۔(۳)

قال أبو عبدالله

ابوعبداللہ سے مراد خود مصنف یعنی: امام بخاری رحمہ اللہ ہی ہیں۔

ولم يرَ الحسنُ بأساً أن يصلي على الجَمَد والقناطير وإن جرىٰ تحتها بولٌ، أو

---

(۱) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۲/۷۲، ۷۳

(۲) أنوار الباري: ۱۱/۱٤۱، فيض الباري: ۲/۲۷

(۳) فتح الباري: ۱/٦۳۰، عمدة القاري: ٤/۱٤۹

فوقها، أو أمامها، إذا كان بينهما سُترة

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ برف اور پلوں پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، چاہے اس کے نیچے، اوپر یا اس کے آگے پیشاب بہہ رہا ہو۔ جب کہ نمازی اور اس (بہنے والے پیشاب) کے درمیان کوئی آڑ ہو۔

مذکورہ عبارت امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے۔ جس میں انہوں نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف منسوب بات سے دلیل پکڑتے ہوئے یا حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف منسوب بات کو بطورِ دلیل کے پیش کیا ہے کہ جَمَد یعنی برف پر اور پلوں پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے۔

الجَمَد

یہ لفظ "جیم" کی فتحہ اور "میم" کی فتحہ اور سکون کے ساتھ مروی ہے، اس کی جمع أجماد اور جِمَاد آتی ہے۔ اس کے معنی "برف" کے ہیں، یعنی: جما ہوا پانی، جو ٹھوس شکل کو اختیار کر چکا ہو۔ (۱)

القناطير

یہ جمع ہے "قنطرہ" کی، قنطرة اس پل کو کہتے ہیں جو پانی کے اوپر گزرنے کے لیے بنایا جاتا ہے۔ یہ پل اگر اینٹ یا پتھر کا بنایا گیا ہو تو اس کو "قنطرة" کہتے ہیں اور اگر لکڑی سے بنایا گیا ہو تو اس کو "جَسَر" کہتے ہیں۔ (۲)

وإن جرىٰ تحتها ...... الخ

اس جملہ سے مختلف صورتوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ نمازی برف پر یا پانی کے اوپر بنے ہوئے پُل پر کھڑا ہو اور اس برف کی تہہ یا پل کے نیچے سے ناپاک اور نجس چیز مثلاً: پیشاب وغیرہ بہہ رہا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، نماز ہو جائے گی، اسی طرح نمازی کے آگے سامنے کی جانب سے پیشاب بہہ رہا ہو یا نمازی کے سر کی جانب چھت وغیرہ کے اوپر سے پیشاب بہہ رہا ہو تو اس سے نماز کے جواز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ شرط

(۱) معجم الصحاح للجوهري، ص: ۱۸٦، المحكم والمحيط الأعظم لابن سيده: ۲٤۹/۷، تاج العروس من جواهر القاموس للزبيدي: ۵۱۸/۷

(۲) المحكم والمحيط الأعظم: ٦۳۰/٦، المخصّص لابن سيده: ۱٦۲/۹، تاج العروس للزبيدي: ٤۸۳/۱۲

صرف اتنی ہے کہ پیشاب کے بہاؤ اور نمازی کے درمیان فصل ہو، جس کو لفظ سترہ سے بیان کیا گیا ہے۔

علامہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''زمانہ قدیم میں ٹھنڈے علاقوں میں یہ عام عادت تھی کہ ایسے مویشیوں کو لے کر پلوں کے نیچے لے جاتے تھے، وہاں وہ پیشاب بھی کر دیتے تھے، تو اس طرح پلوں کے نیچے سے وہ پیشاب بہتا رہتا تھا تو اس دوران اگر پل کے اوپر کوئی نماز پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔

اس جگہ ایک بات کہی جاتی ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف منسوب اس قول میں جس پیشاب کا ذکر ہے، اس سے مراد غیر ماکول اللحم کا پیشاب ہے نہ کہ ماکول اللحم کا، تو یہ انتہائی بعید از عقل بات ہے، اس لیے کہ پلوں کے نیچے جن مویشیوں کو لایا جاتا تھا وہ ماکول اللحم ہی ہوتے تھے نہ کہ غیر ماکول اللحم۔ بلکہ اس سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے نزدیک ماکول اللحم کا بول بھی نجس ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے نزدیک اونٹ، گایوں اور بکریوں کا پیشاب مکروہ ہے۔

نیز! ردالمحتار میں ایک مسئلہ بھی مذکور ہے کہ ''اصطبل کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے''۔ اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ اس اصطبل سے اٹھنے والی بدبودار ہوائیں اس کراہت کا سبب ہے نہ کہ ان کے اَبوال''۔(۱)

''وإن جری تحتها بول'' کے بارے میں علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق صرف ''قناطر'' کے ساتھ ہوگا۔(۲)

اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اس جملہ کا تعلق ''الجمد'' کے ساتھ ہونا بھی درست ہے، اس لیے کہ ''برف''

---

(۱) فيض الباري: ٤/٢٧

(۲) شرح الكرماني: ٤/٤٠

درحقیقت پانی ہی ہوتا ہے، سردی کی شدت کی وجہ سے وہ جم جاتا ہے اور کبھی تو نہر کا پانی بھی اس قدر جم جاتا ہے کہ اس پر بآسانی چلنا بھی ممکن ہو جاتا ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص برف پر کھڑے ہو کر نماز پڑھے اور اس جمی ہوئی برف کے نیچے پیشاب بہہ رہا ہو تو اس سے نماز کی صحت پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔

اور اگر اس پر یہ اشکال کیا جائے کہ اس صورت میں عبارت میں موجود الفاظ: "تحتها، فوقها اور أمامها" کی "ها" ضمیر مؤنث کا مرجع کیا ہوگا؟ اس لیے کہ "الجمد" تو مؤنث نہیں ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ معجم الصحاح کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے کہ "الجمد" جمع ہے "جامد" کی، اور "جمع" جماعت کے حکم میں ہو کر مؤنث ہوتی ہے، تو اس مؤنث ضمائر کا مرجع "الجمد" ہونے میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔(۱)

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اگر برف کی تہہ جمی ہوئی ہو اور اس پر سجدہ کی حالت میں پیشانی ٹک جائے تو اس پر سجدہ کرنا جائز ہے اور اگر برف کی سختی نہ ہو وہ پگھلی ہوئی ہو یا بکھری ہوئی ہو اور پیشانی اس پر ٹک نہ سکے تو اس پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

"مجتبیٰ" میں ہے کہ اگر سجدہ برف پر کیا یا گھاس کے ڈھیر پر کیا یا دھنکی ہوئی روئی پر سجدہ کیا اس طور پر کہ پیشانی ان اشیاء پر ٹک گئی اور پیشانی نے سختی کو پالیا تو سجدہ ہو جائے گا، ورنہ نہیں۔

"فتاوی أبی الحفص" میں ہے کہ

> برف، گندم، جَو، جوار وغیرہ پر سجدہ کرنے سے نماز درست ہو جائے گی، لیکن دھان پر سجدہ کرنے سے نماز درست نہ ہوگی۔ کیونکہ اس پر پیشانی اچھی طرح نہیں جم سکتی اور غیر منجمد برف اور گھاس وغیرہ پر بھی نماز درست نہیں ہوگی، الا یہ کہ گھاس کی تہہ اچھی طرح جمالی جائے اور سجدہ کرنے کی جگہ کی سختی اچھی طرح محسوس ہو جائے۔(۲)

---

(۱) عمدة القاري: ٤/ ١٥٠

(۲) عمدة القاري: ٤/ ١٥٠

علامہ کشمیری صاحب فرماتے ہیں کہ

ہمارے نزدیک چارپائی پر نماز پڑھنا درست ہے، اس لیے اس پر پیشانی اچھی طرح ٹک سکتی ہے، روئی پر نماز درست نہیں اس لیے کہ اس پر پیشانی نہیں جمتی، اور برف پر بھی پیشانی کو اچھی طرح نہیں جما سکتے، اور اس کی سخت ٹھنڈک کی وجہ سے ہاتھوں پر زور دے کر صرف مساس کر سکتے ہیں، جب کہ سجدہ میں پوری طرح سر کو جائے سجدہ پر ڈال دینا شرط اور ضروری ہے۔ لہٰذا برف کو تخت و چارپائی پر قیاس کرنا درست نہیں۔(۱)

إذا كان بينهما سترة

"بينهما" کی "هما" ضمیر کے مرجع کے بارے میں علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أي: "بين القناطر والبول، أو بين المصلي والبول".

یعنی: مذکورہ صحت میں نماز کے جواز کا حکم اس صورت میں ہے جب پلوں اور پیشاب کے درمیان کوئی حائل موجود ہو یا پھر نمازی اور پیشاب کے درمیان کوئی حائل موجود ہو۔

اور اس قید کا تعلق صرف لفظ "إمامها" کے ساتھ ہے، نہ کہ اس کے اَخوات "تحتها" اور "فوقها" کے ساتھ۔(۲)

اس قول میں علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے جو دوسرا احتمال ذکر کیا ہے اس میں "مصلي" کا ذکر صراحۃً امام بخاری رحمہ اللہ کے قول میں نہیں ہے، بلکہ وہ لفظ "یصلي" سے ماخوذ ہے۔(۳)

اس "قدام" سے مراد کتنا فاصلہ ہے؟ اس کی تعیین کسی حد کے ساتھ منقول نہیں ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ وہ نجاست نمازی سے متصل نہ ہو، پھر عام ہے کہ نزدیک ہو یا دور، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔(۴)

---

(١) أنوار الباري: ١٤٢/١١

(٢) شرح الكرماني: ٤٠/٤

(٣) عمدة القاري: ١٥١/٤

(٤) عمدة القاري: ١٥١/٤

البتہ! مالکیہ میں سے ابن حبیب کا قول ہے کہ اگر قصداً نجاست کے سامنے نماز پڑھے اور نجاست نمازی کے قریب ہوتو نماز کا اعادہ کیا جائے۔(۱)

جب کہ المدونۃ الکبریٰ میں ہے کہ اگر کسی نے بیت الخلاء کے سامنے نماز پڑھی تو کوئی حرج نہیں۔(۲)

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے اپنی شرح بخاری میں امام بخاری رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کے ہی ہم معنی اثر ذکر کیا ہے:

"روی حرب بإسناده، عن همام، سئل قتادة عن المسجد يكون على القنطرة؟ فكرهه، قال همام: فذكرت ذلك لمطر، فقال: كان الحسن لايرىٰ به بأساً".

حرب رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ ہمام رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے اس مسجد (میں نماز پڑھنے) کے بارے میں سوال کیا (کہ کیا حکم؟) تو انہوں نے ایسی مسجد میں نماز پڑھنے کو ناپسند قرار دیا۔(۳)

تعلیق

وصلى أبوهريرة على ظهر المسجد بصلاة الإمام

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے امام کی اقتداء میں مسجد کی چھت پر (کھڑے ہوکر) نماز پڑھی۔

اس جملہ میں "ظهر المسجد" کے الفاظ أبي ذر، أصيلي اور أبي الوقت کی روایت کے مطابق ہیں۔(۴)

اور مستملی کی روایت کے مطابق اس کے بجائے "سقف المسجد" کے الفاظ ہیں۔(۵)

تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو ابن شیبہ رحمہ اللہ نے موصولاً روایت کیا ہے۔

---

(۱) الذخيرة للقرافي، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، فصل في الرعاف: ۹۵/۲

(۲) المدونة الكبرىٰ، كتاب الصلاة، في المواضع التي تجوز فيها الصلاة: ۹۰/۱

(۳) فتح الباري لابن رجب حنبلي: ۷٤/۲

(٤) إرشاد الساري: ٤۰/۲

(٥) فتح الباري: ٦۳۰/۱، شرح الكرماني: ٤۰/٤، عمدة القاري: ۱٤۱/٤

عن ابن أبي ذئب، عن صالح مولى التوأمة -وفيه فقال- قال: "صليت مع أبي هريرة فوق المسجد بصلاة الإمام وهو الأسفل.(١)

راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی چھت پر امام کے پیچھے نماز پڑھی، اس حال میں کہ امام نیچے تھا۔

المصنف میں ہی اس اثر کے علاوہ مختلف حضرات کے بہت سے صحیح آثار مذکور ہیں۔(۲)

تشریح ومذاہب ائمہ

اس تعلیق سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر امام اور مقتدی کے کھڑے ہونے کے مقام مختلف ہوں تو بھی نماز درست ہے۔

اس بارے میں سب ائمہ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ مقتدی کو امام کے انتقالات کا بخوبی علم ہوتا ہو۔ مزید سب ائمہ کے نزدیک اس مقام پر کچھ جزوی تفصیلات بھی ہیں، جو کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہیں، یہاں اجمالاً اتنا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ احناف (۳)، شوافع (۴)، اور حنابلہ (۵) کے نزدیک مذکورہ صورت میں نماز

---

(١) المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من كان يرخص في ذلك، رقم الحديث: ٦٢١٥، ٣٢٨/٤

(٢) المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من كان يرخص في ذلك، رقم الحديث: ٦٢١٦-٦٢٢٠، ٣٢٨/٤، ٤٢٩

(٣) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والمأموم: ٨٨/١

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل وأما واجباتها، فأنواع، بعضها قبل الصلاة: ١٤٦/١

فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل، ويكره استقبال القبلة: ٤٣٣/١

(٤) كتاب الأم للشافعي، كتاب الصلاة، مقام الإمام مرتفعاً والمأموم مرتفع: ٣٧٤/٢

الحاوي في فقه الشافعي، كتاب الصلاة، باب موقف صلاة المأموم مع الإمام: ٣٤٣/٢

العزيز شرح الوجيز، كتاب الصلاة، الجماعة: شرائط القدوة: ١٧٦/٢

(٥) المبدع شرح المقنع، كتاب الصلاة، فصل في الموقف: ٩٨/٢

كشف القناع، كتاب الصلاة، فصل في أحكام الإقتداء: ٤٦٧/١ .... =

ادا کرنا درست ہے، البتہ سب کے نزدیک ضروری یہی ہے کہ امام کے انتقالات یا تو نظر آرہے ہوں یا آواز سے ان کی بخوبی خبر ہورہی ہو۔لیکن اگر امام اکیلا نیچے والی منزل پر ہو اور مقتدی سارے اوپر والی منزل پر ہوں تو یہ صورت مکروہ ہے۔

لیکن امام مالک رحمہ اللہ صلاۃ خمسہ میں تو ائمہ ثلاثہ کے ساتھ ہی ہیں، لیکن نمازِ جمعہ کے دوران وہ اس صورت کی اجازت نہیں دیتے۔(۱)

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے کہ ترجمۃ الباب میں سطوح پر نماز پڑھنے کا ذکر تھا اور یہی ذکر تعلیق میں بھی ہے۔(۲)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

مذکورہ تعلیق کا محل ہمارے نزدیک اس صورت میں ہوگا کہ جب چھت پر کھڑے ہوکر اقتداء کرنے والے امام سے آگے نہ ہو، اس لیے کہ اگر ایسا ہوا تو نماز یعنی اقتدا فاسد ہوگی اور امام تنہا نماز پڑھنے والا شمار ہوگا۔(۳)

اس پر حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ تائیداً درمختار سے جزئیہ پیش کرتے ہیں کہ اقتداء کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مقتدی کے قدم امام کی ایڑھیوں سے آگے نہ ہوں، اس پر علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر مقتدی کے قدم لمبے ہوں، جس کی وجہ سے اس کے پاؤں کی انگلیاں امام کے قدموں سے آگے بھی نکلی ہوں تو کوئی حرج نہیں۔(۴)

= شرح منتهى الإرادات للبهوتي، كتاب الصلاة، فصل في الاقتداء: ۵۸۲/۱

(۱) المدونة، كتاب الصلاة، الصلاة فوق ظهر المسجد بصلاة الإمام: ۸۲/۱

الذخيرة، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في تبعية الإمام في المكان: ۲۵۶/۲

حاشية الدسوقي، كتاب الصلاة، فصل في بيان حكم صلاة الجماعة: ۲۳۶/۱

(۲) عمدة القاري: ۱۵۱/٤

(۳) الكنز المتواري: ۵٦/٤

(٤) حاشيه ابن عابدين، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب شروط الإمامة الكبرىٰ: ۲۸٦/۲

وصلی ابن عمر علی الثَّلْج

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے برف پر کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

تلاشِ بسیار کے باوجود مذکورہ قول کی تخریج معلوم نہ ہو سکی۔ اور اس بارے میں شارحین نے بھی کوئی کلام نہیں کیا۔

البتہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے صرف اتنی بات کی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے مذکورہ قول میں مذکور لفظ "الثَّلج" سے مراد جمی ہوئی برف مراد لی جائے گی، تب ہی اس قول کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ثابت ہو سکے گی وہ اس طرح کہ پختہ برف پتھر، چھت یا لکڑی کے مشابہہ ہو جائے گا اور ان اشیاء پر نماز صحیح ہونے کا ذکر ترجمۃ الباب میں مذکور ہے اور اگر برف پگھلی ہوئی اور نرم ہو تو اس پر سجدہ کرنا درست نہیں ہوگا، جیسا کہ ماقبل میں مذکور ہوا۔(۱)

حدیث الباب (پہلی حدیث)

۳۷۰ : حدَّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ : حَدَّثنا سُفْيانُ قَالَ : حَدَّثنا أَبُو حَازِمٍ(۲) قَالَ : سَأَلُوا سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ : مِنْ أَيِّ شَيْءٍ الْمِنْبَرُ ؟ فَقَالَ : مَا بَقِيَ بِالنَّاسِ أَعْلَمُ مِنِّي ، هُوَ مِنْ أَثْلِ الْغَابَةِ ، عَمِلَهُ فُلَانٌ مَوْلَى فُلَانَةَ ، لِرَسُولِ اللهِ ﷺ ، وَقَامَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَ عُمِلَ وَوُضِعَ ، فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ ، كَبَّرَ وَقَامَ النَّاسُ خَلْفَهُ ، فَقَرَأَ وَرَكَعَ وَرَكَعَ النَّاسُ خَلْفَهُ ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرَى ، فَسَجَدَ عَلَى الْأَرْضِ ، ثُمَّ عَادَ إِلَى الْمِنْبَرِ ، ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ، ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرَى حَتَّى سَجَدَ بِالْأَرْضِ ، فَهٰذَا شَأْنُهُ .

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ : قَالَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ : سَأَلَنِي أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ رَحِمَهُ اللهُ عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ قَالَ : فَإِنَّمَا أَرَدْتُ ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ أَعْلَى مِنَ النَّاسِ ، فَلَا بَأْسَ أَنْ يَكُونَ الْإِمَامُ أَعْلَى مِنَ النَّاسِ بِهٰذَا الْحَدِيثِ . قَالَ : فَقُلْتُ : إِنَّ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ ، كَانَ يُسْأَلُ عَنْ هٰذَا كَثِيرًا ، فَلَمْ تَسْمَعْهُ مِنْهُ ؟ قَالَ : لَا . [۴۳۷ ، ۸۷۵ ، ۱۹۸۸ ، ۲۴۳۰]

---

(۱) عمدة القاري: ۱۵۱/۴، تيسير القاري شرح فارسی صحيح البخاري: ۱۴۶/۲

(۲) أخرجه البخاري في صحيحه، في كتاب المساجد، باب الاستعانة بالنجار والصناع في أعواد المنبر =

ترجمہ

حضرت ابوحازم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر کس چیز کا بنا ہوا تھا؟ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ لوگوں میں اس وقت اس بات کے بارے میں مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا، وہ منبر غابہ (مقام) کے جھاؤ کا بنا ہوا تھا، فلاں عورت کے فلاں غلام نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنایا، جب وہ تیار کرکے (مسجد میں) رکھ دیا گیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کھڑے ہوئے، اپنا رخ قبلہ کی طرف کرکے (نماز شروع کرنے کے لیے) تکبیر کہی، اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (نماز پڑھنے کے لیے) کھڑے ہوگئے، پھر آپ نے قراءت کی اور رکوع فرمایا، لوگوں نے آپ کے پیچھے (آپ کی اقتداء میں) رکوع کیا، پھر آپ نے اپنا سر (رکوع سے) اُٹھایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے ہٹے (یعنی: منبر کی سیڑھی سے نیچے اُترے، اس طرح کہ سینہ مبارک قبلہ کی طرف سے نہیں مڑا) اور زمین پر سجدہ کیا، پھر آپ دوبارہ منبر پر چڑھ گئے، پھر آپ نے قراءت کی اور پھر رکوع کیا، پھر

= والمسجد، رقم الحديث: ٤٤٨، وفي الجمعة، باب الخطبة على المنبر، رقم الحديث: ٩١٧، وفي البيوع، باب من النجار، رقم الحديث: ٢٠٩٤، وفي الهبة، باب من استوهب من أصحابه شيئاً، رقم الحديث: ٢٥٦٩

ومسلم في صحيحه، في المساجد، باب جواز الخطوة والخطوتين في الصلاة، رقم الحديث: ٥٤٤

وأبوداؤد في سننه، في الصلاة، باب في اتخاذ المنبر، رقم الحديث: ١٠٨٠

والنسائي في سننه، في المساجد، باب الصلاة على المنبر، رقم الحديث: ٧٤٠

وابن ماجة في سننه، في إقامة الصلوات، باب ماجاء في بدء شأن المنبر، رقم الحديث: ١٤١٦

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول في الصلاة، القسم الأول في الفرائض، الباب الثاني في صلاة الجماعة، الفصل الرابع في أحكام المأموم، الفرع الثاني في الاقتداء، النوع الرابع في ارتفاع مكان الإمام، رقم الحديث: ٣٩٠١، ٥/٦٣٤

رکوع سے سر اُٹھایا اور (قبلہ کی طرف سے رُخ پھیرے بغیر) پیچھے ہٹے اور زمین پر سجدہ کیا۔ یہ قصہ ہے اس (منبر) کا۔

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ مجھ سے علی بن عبداللہ (المدینی) رحمہ اللہ نے کہا کہ (امام) احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس حدیث کے (مدلول کے) بارے میں مجھ سے پوچھا اور کہا کہ میرا مطلب یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز پڑھاتے ہوئے) لوگوں کے مقابلہ میں اوپر (والی جگہ پر) تھے، لہٰذا اس حدیث کی بناء پر اگر امام لوگوں (یعنی: مقتدیوں) سے اوپر ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، انہوں نے (یعنی: علی بن عبداللہ المدینی رحمہ اللہ نے) کہا کہ میں نے کہا کہ حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے تو یہ حدیث اکثر پوچھی جاتی تھی، کیا آپ نے ان سے یہ حدیث نہیں سنی؟ تو انہوں نے (یعنی: احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے) جواب دیا کہ نہیں۔

تراجم رجال

علی بن عبداللہ

یہ امیر المومنین فی الحدیث امام ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح سعدی نصری رحمہ اللہ ہیں۔ یہ ''ابن المدینی'' کے نام سے معروف ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کتاب العلم، باب: "الفهم في العلم" میں گزر چکے ہیں۔(۱)

سفیان

یہ مشہور محدث ''سفیان بن عُیینہ بن ابی عمران ہلالی کوفی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کتاب العلم، باب: "قول المحدث: حدثنا، أو أخبرنا وأنبأنا" میں گزر چکے ہیں۔(۲)

(۱) دیکھئے، کشف الباري: ۲۹۷/۳

(۲) دیکھئے، کشف الباري: ۲۳۸/۱، ۱۰۲/۳

أبوحازم

یہ ”سلمان الأشجعي الكوفي مولی عزة الأشجعية“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کتاب العلم، باب: ”هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم“ کی دوسری حدیث میں گزر چکے ہیں۔(۱)

سهل بن سعد الساعدی

یہ حضرت ”سہل بن سعید الساعدی“ رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کتاب الوضوء، باب: ”غسل المرأة أباها الدم عن وجهه“ میں گزر چکے ہیں۔(۲)

شرح حدیث

قال سألوا سهل بن سعد، من أي المنبر؟

ابوالحازم نے کہا کہ لوگوں نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر کس چیز کا بنا ہوا تھا؟

مراد اس سے یہ ہے کہ منبرِ رسول کس لکڑی کا بنا ہوا تھا۔اور ”المنبر“ میں الف لام عہدی ہے اور مراد اس سے ”منبرِ رسول“ ہے۔(۳)

سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے کہ لوگ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور منبرِ رسول کے بارے میں اپنے شک کا اظہار بصورت سوال کرتے ہوئے دریافت کیا کہ وہ کس لکڑی کا بنا ہوا تھا؟(۴)

فقال: ما بقي بالناس أعلم منّي

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس بارے میں لوگوں میں مجھ سے زیادہ جاننے والا

(۱) كشف الباري: ۴/۱۰۱

(۲) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباها الدم عن وجهه

(۳) التوضيح لابن ملقن: ۵/۳۶۲، فتح الباري: ۱/۶۳۱، عمدة القاري: ۴/۱۵۲

(۴) سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في اتخاذ المنبر، رقم الحديث: ۱۰۸۰

کوئی فرد نہیں ہے۔

"بالناس" میں "ب" "في" کے معنی میں ہے یعنی: "في الناس" اور کشمیہنی کی روایت میں "في الناس" ہی ہے۔(۱)

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(حضرت سہل کا یہ قول) "ما بقي في الناس أعلم به مني" اس لیے کہ وہ سارے صحابہ جو اس وقت موجود تھے (جب قبر بنایا گیا تھا) وہ اب انتقال کر گئے، بس میں ہی زندہ ہوں، اس لیے مجھے اس کی زیادہ خبر ہے۔(۲)

ابن الملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کوئی عالم جب کسی چیز کے جاننے میں منفرد ہو تو وہ ایسا جملہ استعمال کر سکتا ہے تاکہ لوگ اس چیز کے علم کو محفوظ کرنے کی طرف متوجہ ہو سکیں۔(۳)

هو من أثل الغابه

وہ (منبر) غابہ کے جھاؤ سے بنا ہوا تھا۔

أثل کے معنی

جھاؤ کے درخت کو "أثل" کہتے ہیں(۴)، صحیحین کی روایات میں اس بارے میں دو طرح کے الفاظ ملتے ہیں: "مِنْ أَثْلِ الغابةِ" اور "من طرفاء الغابة"(۵)

أثل اور طرفاء کے معنی میں کوئی فرق نہیں ہے، ایک جنگلی درخت ہے، جسے "جھاؤ" کا درخت کہتے

(۱) فتح الباري: ۱/۶۳۱، عمدة القاري: ۴/۱۵۲، إرشاد الساري: ۲/۴۰

(۲) الكنز المتواري: ۴/۵۶، تقرير بخاري شريف: ۲/۱۳۳

(۳) التوضيح لابن ملقن: ۵/۳۶۳

(۴) معجم صحاح للجوهري، ص: ۲۸، النهاية في غريب الحديث والأثر: ۱/۳۸

(۵) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الخطبة على المنبر، رقم الحديث: ۹۱۷

صحيح مسلم، في المساجد، جواز الصلاة والخطوتين في الصلاة، رقم الحديث: ۵۴۴

ہیں، یہ بالکل سیدھا اور لمبا درخت ہوتا ہے، اس کی لکڑی بہت مضبوط اور پائیدار ہوتی ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ "أثل" لمبائی میں "طرفاء" سے کچھ بڑا ہوتا ہے اور "طرفاء" کے مشابہ ہوتا ہے۔

اور بعض نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ ''جھاؤ'' میں سے جو مذکر ہو، اُسے "أثـــل" اور جو مؤنث ہو اُسے "طرفاء" کہتے ہیں۔(۱)

غابۃ کے معنی

غابہ ایک جنگل کا نام ہے، یہ مدینہ طیبہ سے ملکِ شام کی طرف جاتے ہوئے ایک مشہور جگہ کا نام ہے، جو ۹ میل کی مسافت پر تھی، اس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹیاں رہتی تھیں اسی جگہ عرنیین کا قصہ پیش آیا تھا، یاقوت نے ''غابہ'' کو مدینہ سے چار میل پر بتلایا ہے اور بکری نے کہا ہے کہ ''غابہ'' نامی جگہیں دو تھیں، ایک علیا اور دوسری سفلیٰ۔ جامع میں ہے جہاں بھی گھنے درخت ہوں اس مقام کو غابہ کہتے ہیں۔(۲)

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"أثل" کے معنی جھاؤ کے ہیں اور "غابہ" ایک جگہ کا نام ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ ''غابہ'' مقام کے جھاؤ سے بنایا گیا تھا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ "أثل" کے معنی تو جھاؤ کے ہیں اور "غابہ" خوب گنجان کو کہتے ہیں۔

اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ گنجان درخت کا جھاؤ تھا، مگر اضافت زیادہ واضح پہلی صورت میں ہوتی ہے، میرے نزدیک بھی وہی اولیٰ ہے۔(۳)

---

(۱) التوضيح لابن ملقن: ٣٦٢/٥، فتح الباري: ٥١٣/٢، عمدة القاري: ١٥٢/٤، إرشاد الساري: ٤٠/٢، فضل الباري: ٥٩/٣، سراج القاري: ٤٠٣/٢

(٢) معجم الصحاح للجوهري، ص: ٧٩٠، النهاية في غريب الحديث والأثر: ٣٨/١

التوضيح لابن الملقن: ٣٦١/٥، فيض الباري: ٢٨/٤، عمدة القاري: ١٥٤/٤

فتح الباري، كتاب الأطعمة، باب الخطبة على المنبر، رقم الحديث: ٩١٧، ٥١٢/٢

(٣) تقرير البخاري للكاندهلوي: ١٣٣/٢، الكنز المتواري: ٥٦/٤

عَمِلَه فلانٌ مَوْلیٰ فلانةَ لِرسول الله صلی الله علیه وسلم

فلاں عورت کے فلاں غلام نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنایا۔

منبر کس نے بنایا؟

حدیثِ پاک میں تو صرف اتنا آیا ہے کہ یہ منبر فلانہ عورت کے فلاں غلام نے بنایا، اس کے نام کی تعیین میں شارحینِ حدیث نے احادیث وروایات اور آثار کی روشنی میں بہت سے نام ذکر کیے ہیں۔ حافظ ابن حجر صاحب رحمہ اللہ نے سات نام ذکر کیے ہیں اور ان میں سے ترجیح ''میمون'' نامی تجار (بڑھئی) کو دی ہے۔ اور ہمارے اکابر علمائے دیوبند میں سے حضرت شیخ الحدیث صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔(۱)

حافظ صاحب رحمہ اللہ نے جو نام گنوائے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

۱-ابراہیم، ۲-باقول، ۳-صباح، ۴-قبیصہ یا قبیصہ المخزومی، ۵-کلاب (حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا غلام) ۶-تمیم داری رضی اللہ عنہ، ۷-میناء، قبیلہ بنی سلمہ کی ایک انصاریہ عورت کا غلام۔

ان سات کے علاوہ ایک قول ''میمون'' کا بھی ہے، جس کے بارے میں "أشبه الأقوال بالصواب" کہا گیا ہے۔

حافظ صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک ہی شخص کے یہ مختلف نام ہوں، یہ احتمال بہت بعید درجے کا ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ ان سب نے مل کر بنایا ہو تو ایسا بھی نہیں ہے، اس لیے کہ اس وقت مدینہ میں صرف ایک ہی نجار تھا، البتہ کسی درجہ میں یہ بات قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے کہ اصل کام ایک کا ہو اور باقی اس کے معاون ہوں۔(۲)

"مولی فلانة" اب یہ عورت کون تھی؟ اس کی تعیین بھی بالتعیین معلوم نہیں ہوتی، صرف اتنا ہے کہ وہ

(۱) فتح الباري، كتاب الصلاة، في الجمعة، باب الخطبة على المنبر، رقم الحديث: ۹۱۷، ۵۱۳/۲

تقرير بخاری شریف: ۱۳۳/۲، الكنز المتواري: ۵۶/۴، ۵۷

(۲) التوضيح لابن ملقن: ۳۶۳/۵، فتح الباري، كتاب الجمعة، الخطبة على المنبر، رقم الحديث: ۹۱۳۰، ۵۱۲/۲

انصاریہ تھی، اس کے نام کے بارے میں ایک قول "علاثة" کا ہے اور دوسرا قول "عائشة أنصاريه" کا ہے۔ اس عورت کے نام کے بارے میں فَكِيْهَةُ بنتُ عُبيدِ بنِ دُلَيْم کا بھی قول ہے۔ ابوموسیٰ مدینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "علاثة" اصل میں "خلافة" کی تصحیف ہے اور "عائشة" "علاثة" کی تصحیف ہے۔(۱)

منبر کس سال میں بنایا گیا؟

منبر بنانے کے سال کے بارے میں ابن سعد نے سات ہجری پر جزم نقل کیا ہے، لیکن حافظ صاحب رحمہ اللہ نے اس بارے میں فرمایا ہے کہ اس میں نظر ہے، اس لیے کہ اس واقعہ میں حضرت عباس اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما کا عمل دخل منقول ہے اور ان دونوں حضرات میں سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام آٹھ ہجری اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا نو ہجری ہے۔(۲)

آٹھویں سال سے قبل ہجرت کے پانچویں سال میں بھی منبر کا تذکرہ ملتا ہے، ملاحظہ ہو غزوۃ المریسیع میں پیش آنے والا واقعہ افک۔ اس واقعے میں ایک موقع پر اوس اور خزرج دونوں قبیلے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے لڑائی کے لیے کھڑے ہو گئے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور ان سے خطاب شروع کیا(۳) اور یہ غزوہ پانچ ہجری میں پیش آیا۔(۴) اس غزوہ کے وقوع کے سال میں دیگر اقوال بھی ہیں، مثلاً: چھٹا سال اور چوتھا سال، لیکن راجح پانچواں سال ہی ہے۔(۵)

---

(١) شرح الكرماني: ٤/٤١، التوضيح لابن ملقن: ٥/٣٦٣

فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الخطبة على المنبر، رقم الحديث: ٩١٣، ٢/٥١٣، عمدة القاري: ٤/١٥٣

(٢) فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الخطبة على المنبر، رقم الحديث: ٩١٣، ٢/٥١٣، الموسوعة لفقهية منبر: ٣٩/٨٤

(٣) الجمع بين الصحيحين، المتفق عليه من مسند أم المؤمنين عائشة بنت صديق رضي الله عنها، رقم الحديث: ٣٢١١، ٤/١٢٤، مجموعة الفتاوىٰ لشيخ الإسلام ابن تيميه رحمه الله، سورة النور، قوله تعالىٰ: إن الذين يرمون المحصنات الغافلات، من قذف امرأة محصنة كالأمة والزية، ١٥/٢١١، دار الوفاء للطباعة والنشر.

(٤) الطبقات الكبرى لابن سعد، غزوة رسول الله صلى الله عليه وسلم المريسيع: ٢/٦٣

(٥) الجمع بين الصحيحين، المتفق عليه من مسند أم المؤمنين عائشة بنت صديق رضي الله عنها، رقم =

اس بارے میں حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے کہ منبر نویں سال ہجرت میں بنایا گیا تھا، مگر میرے علم میں ایسی روایات ہیں، جن سے منبر کا اس سے بہت زیادہ پہلے ہونا معلوم ہوتا ہے، آٹھویں سال سے دوسرے سال تک کی روایات موجود ہیں، اس طرح کے کسی واقعہ کا ذکر ہوا اور اس میں منبر کا بھی ذکر آگیا ہے، اور وہ واقعہ دیکھا گیا تو دو ایک سال تک کا تھا۔''(۱)

منبر کی سیڑھیاں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو یہ منبر بنایا گیا، اس کے تین درجے تھے، دو سیڑھیاں اور تیسرا بیٹھنے کے لیے، خلفاء راشدین کے زمانہ میں یہی منبر باقی رہا، پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ''مروان'' نے اس منبر میں چھ درجات کروادیئے، مروان اس وقت مدینہ کا گورنر تھا، اس کے بعد یہ منبر اسی طرح باقی رہا یہاں تک کہ چھ سو چون ۶۵۴ھ میں مسجد نبوی میں آگ لگی، جس کی بنا پر یہ منبر جل گیا، پھر یمن کے بادشاہ ''مظفر'' نے ۶۵۶ھ میں نیا منبر بنوایا۔ ایک زمانہ تک یہی منبر باقی رہا، اس کے بعد ۸۲۰ھ میں ملک مؤید نے دوبارہ نیا منبر تعمیر کرایا جو تا حال باقی ہے۔(۲)

وقام عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم حين عُمِلَ ووُضِعَ

جس وقت منبر تیار ہوگیا اور مسجد میں رکھ دیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کھڑے ہوئے۔

''عُمِلَ'' اور ''وُضِعَ'' دونوں مجہول کے صیغے ہیں۔(۳)

= الحديث: ٣٦١١، ١٢٤/٤

(١) انوار الباري: ١٤٣/١١

(٢) فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الخطبة على المنبر، رقم الحديث: ٩١٣، ٥١٣/٢

الإعلام بفوائد الأحكام، كتاب الصلاة، حديث سهل بن سعد الساعدي وصلاة الرسول صلى الله عليه وسلم على المنبر ليتعلم الناس صلاته، معنى "المنبر" واستحباب اتخاذه: ١١٦/٤

(٣) عمدة القاري: ١٥٤/٢، إرشاد الساري: ٤١/٢

فاستقبل القبلة، كبّر

آپ علیہ السلام نے اپنا رُخ قبلہ کی جانب کیا، (اور نماز شروع کرنے کی غرض سے) تکبیر تحریمہ کہی۔

اس جملہ میں لفظ "کبّر" واو کے بغیر ہے، یہ صیغہ دراصل سوال کا جواب بنتا ہے، کہ جب راوی نے کہا: "فاستقبل القبلة" کہ آپ علیہ السلام نے منبر پر چڑھ کے قبلہ کی طرف رخ کیا، تو اس پر سوال پیدا ہوا کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر تحریمہ کہی۔

ویسے یہ صیغہ "فکبّر" ف کے ساتھ اور "وکبّر" واو کے ساتھ بھی بعض نسخوں میں مروی ہے۔(۱)

وقام الناس خلفَه فقرأ وركع وركع الناس خلفه، ثم رفع رأسه

اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کی اقتداء کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیچھے (زمین پر) کھڑے ہوگئے، (یعنی: امام منبر پر تھا اور مقتدی زمین پر) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت کی، اور پھر رکوع کیا اور لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں رکوع کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے سر اُٹھایا۔

ثم رجع القَهْقَرىٰ

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے کی جانب لوٹ آئے۔

"القهقری" اسم مقصور ہے، اس کی اصل "قهقر" مصدر ہے۔ اس کے معنی ہیں اپنی پشت کی طرف اُلٹے پاؤں چلنا۔

یہ لفظ ایسے مصادر میں سے ہے جو فعل کے ساتھ معنی میں تو مطابقت رکھتے ہیں لیکن اشتقاق میں مطابقت نہیں رکھتے۔ لہٰذا اس جملہ کے معنی: "ثم نَزَلَ القهقریٰ" کے ہیں، کیونکہ لوٹنا تو اس وقت متحقق ہوتا ہے، جب کوئی شخص زمین پر ہو اور یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تھے، تو "رَجَعَ" بمعنی "نَزَلَ" ہے۔

پھر اس لفظ کے منصوب کی وجوہ میں تین احتمالات ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ "القهقری" فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی: "ثم رجع، فَهْقَرَ

---

(۱) عمدة القاري: ۲/۱۵٤، إرشاد الساري: ۲/٤۱، تحفة الباري: ۱/۲۹۹

القهقرىٰ".

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لفظ موصوف محذوف کے لیے صفت ہے، اور پھر موصوف، صفت مل کر "رجع" فعل کے لیے مفعول مطلق ہیں، یعنی: "ثم رجع الرجعةَ القهقرىٰ".

اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ لفظ "رجع" فعل کا مفعول مطلق ہے اور یہ مفعول مطلق کی وہ قسم ہے، جو فعل کے ساتھ معنی میں تو اشتراک رکھتی ہے لیکن لفظ میں نہیں۔

نیز آپ علیہ السلام کے اس طرح الٹے پاؤں اترنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک قبلہ کی جانب سے نہ پھیرے۔(۱)

فسجد على الأرض

پھر (نیچے اتر کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر سجدہ کیا۔

اس مقام پر "على الأرض" ہے اور اگلے افعال کے جو جملہ استعمال کیا گیا ہے، اس میں "بالأرض" کا لفظ ہے۔

دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، بس اول الذکر میں استعلاء کا معنی بتلایا گیا اور ثانی میں إلصاق کا۔(۲)

ثم عاد إلى المنبر، ثم ركع، ثم ركع رأسه، ثم رجع القهقرىٰ حتى سجد بالأرض

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم (سجدہ کرنے کے بعد دوبارہ) منبر پر تشریف لے گئے، پھر رکوع کیا، پھر رکوع سے سر اٹھایا، پھر الٹے پاؤں نیچے اُترے، یہاں تک کہ زمین پر سجدہ کیا۔

---

(۱) الإعلام بفوائد الأحكام، كتاب الصلاة، حديث سهل بن سعد الساعدي، وصلاة الرسول صلى الله عليه وسلم على المنبر، معنى "القهقرىٰ": ٤/ ١١٩

فتح الباري، كتاب الصلاة، الجمعة، الخطبة على المنبر، رقم الحديث: ٩١٣، ٢/ ٥١٤، التوضيح لابن ملقن: ٥/ ٣٦٤، عمدة القاري: ٤/ ١٥٤، إرشاد الساري: ٢/ ٤١، الكوثر الجاري: ٢/ ٦٤، تحفة الباري: ١/ ٢٩٩

(۲) عمدة القاري: ٤/ ١٥٤

اس عبارت میں دوسری رکعت کا بیان ہے کہ سجدہ کے علاوہ تمام ارکان منبر پر کھڑے ہوکر ادا کیے اور مسجد کے لیے نیچے زمین پر اتر جاتے تھے اور زمین پر سجدہ ادا فرماتے تھے۔

نماز کے دوران چلنے کا حکم

اگر نماز کے اندر بلا عذر چلنا پایا جائے اور چلنے والا متواتر اور کثیر چلے تو نماز فاسد ہوجائے گی، چاہے اس کا سینہ قبلہ کی طرف سے پھر جائے یا نہ پھرے، اور اگر کثیر غیر متواتر چلنا ہوا، یعنی مختلف رکعات میں متفرق چلنا پایا گیا، اور ہر رکعت میں قلیل چلنا ہوا تو سینہ سے قبلہ نہ پھرنے کی شرط کے ساتھ نماز فاسد نہیں ہوتی۔

کثیر کی حد مقتدی کے حق میں ایک دم، مسلسل دو صف چلنے کی مقدار ہے، اس سے کم چلنا قلیل شمار ہوگا، لہٰذا اگر کوئی شخص یکبارگی مسلسل دو صف کی بقدر چلا تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی اور ایک صف کے بقدر چلنے سے نماز حاسد نہیں ہوگی۔

اور کثیر غیر متواتر یا غیر مسلسل چلنے کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ایک صف کے بقدر چل کر ٹھہر جائے اور تقریباً تین بار سبحان اللہ کے بقدر ٹھہر جائے، پھر ایک صف کی بقدر چلے اور ٹھہر جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اگرچہ اس طرح بہت زیادہ چل لے بس شرط یہ ہے کہ مکانِ مصلی مختلف نہ ہوجائے، یعنی اگر مسجد میں نماز ادا کی جارہی ہے تو اس طرح چلتا ہوا مسجد کی شرعی حدود سے باہر نہ نکل جائے۔ اور اگر میدان میں نماز ادا کی جارہی ہے تو پھر نمازیوں کی صفوف سے باہر نہ نکل جائے۔

امام کے لیے سجدہ کی جگہ سے آگے بڑھ جانا کثیر شمار ہوگا اور اس سے نماز فاسد ہوجائے گی۔ اور منفرد کے لیے سجدہ کی جگہ کا اعتبار ہے، اس سے زائد چلنا نماز کو فاسد کردے گا۔

اور اگر نماز میں چلنا عذر کی وجہ سے ہو تو اس سے نماز کسی صورت میں نہیں ٹوٹتی، چاہے چلنا قلیل ہو یا کثیر، سینہ قبلہ کی طرف سے پھرے یا نہ پھرے، چاہے مسجد سے باہر نکل جائے نہ نکلے۔ عذر کی مثال: دورانِ نماز حدث ہوجانے کی صورت میں طہارت کے لیے نکلے۔ یا صلاۃ خوف میں نکلے وغیرہ۔(۱)

---

(۱) حاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب: في المشي في الصلاة: ۹۸-۹٤/٤، دار الثقافة، بيروت

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱۳/۲ .... =

"ثم رجع القهقرىٰ" سے متعلق حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی تشریح

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ اس مقام پر لکھتے ہیں:

''چونکہ سجدہ میں سب برابر ہوتے ہیں، کوئی کسی کو نہیں دیکھتا، اس لیے نیچے اُترے، نیز! اس (منبر) پر سجدہ کرنا دشوار تھا۔ اب یہاں اشکال یہ ہے کہ عمل کثیر پایا گیا اور یہ بالاتفاق مفسدِ صلاۃ ہے، گو اس کی جزئیات میں اختلاف ہو اور یہاں تو توالی حرکات پائی گئی، بار بار سجدہ کے لیے چڑھنا اُترنا، نیز خطوات بھی پائے گئے، اس لیے کہ پیچھے کو سیدھے ایک دم تو لوٹ نہیں سکتا، آہستہ آہستہ اقدام رکھ کر لوٹے گا اور یہ توالی حرکات وخطوات عمل کثیر میں داخل ہیں۔

شراح یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے، جب کہ نماز میں عمل کثیر جائز تھا اور میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کی رائے مبارک یہ ہے کہ "رجوع إلی القهقرىٰ" کا مطلب یہ نہیں کہ بالکل سیدھے پیچھے کو ہٹے، بلکہ ذرا ایک جانب مائل ہو کر "رجوع إلی القهقرىٰ" فرمایا، اس صورت میں ایک ہی قدم کے اندر رجوع ہو گیا اور توالی حرکات جو پائی گئی وہ ارکان مختلفہ میں تھیں اور جو توالی مفسد اور عمل کثیر میں داخل ہے وہ یہ ہے کہ ایک ہی رکن میں ہو، لہٰذا حدیث کے متعلق یہ کہنا کہ یہ عمل کثیر کے جائز ہونے کے وقت کی روایت ہے، اس کی ضرورت نہیں۔'' (۱)

حضرت کشمیری رحمہ اللہ کی وضاحت

حضرت کشمیری صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا:

''یہ منبر سے اُترنا بحالتِ نماز چونکہ صرف دو قدم اترنا تھا (دوسرے درجہ پر ہوں

= فتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع في مايفسد الصلاة ومايكره فيها، الفصل الأول في مايفسدها: ١٠٨/١، دار الكتب العلمية

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب في مايستحب ويكره فيها: ٨٦/١

(١) تقرير بخاري شريف: ٣٤٩/٢، الكنز المتواري: ٦١/٤، سراج القاري: ٤٠٢/٢

گے، ایک قدم نیچے کے درجہ پر رکھا ہوگا اور دوسرا سجدہ کی جگہ پر رکھا ہوگا، دو قدم ہوئے) لہٰذا وہ عمل قلیل تھا۔ اور ابن امیر الحاج نے لکھا کہ چلنا زیادہ ہو، اگر رُک رُک کر ہو اور متوالی و مسلسل نہ ہو تو وہ بھی مفسدِ صلاۃ نہیں ہے۔

درمختار میں ہے کہ اگر امام کا ارادہ قوم کو نماز کا طریقہ سکھایا ہو تو وہ اونچی جگہ پر کھڑا ہوسکتا ہے، علامہ نووی رحمہ اللہ نے بھی اس کو جائز بلکہ بوقتِ ضرورت مستحب لکھا ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس مسئلہ میں اب توسع کر کے جائز قرار دینا مناسب نہیں، کیونکہ ایسی ضرورت کا لحاظ صرف صاحب تشریع کے لیے تھا، موجودہ دور کے امام نماز سے پہلے یا بعد کو نماز کا طریقہ سمجھا سکتے ہیں اور اتنا کافی ہے۔

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ پر حیرت

فرمایا: بڑی حیرت ہے کہ موصوف نے اس حدیث کی نماز کو نافلہ قرار دیا ہے، اور پھر اس سے جماعتِ نفل کے جواز پر استدلال کیا ہے اور اس کا انکار کرنے والے پر سختی سے رَد کیا ہے، حالانکہ صحیح البخاری میں نماز کے نمازِ جمعہ ہونے کی صراحت موجود ہے۔

قراءتِ مقتدی کا ذکر نہیں

حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: حدیث الباب کی کسی روایت میں یہ ذکر نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت کی اور آپ کے ساتھ مقتدیوں نے بھی قراءت کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ جہری نماز میں امام کے ساتھ قراءت نہ کرتے تھے اور اس کا حکم امام شافعی رحمہ اللہ کی کتاب الام میں بھی نہیں ہے، صرف مزنی رحمہ اللہ نے بواسطۂ ربیع امام شافعی رحمہ اللہ سے جہری نماز میں قراءتِ مقتدی کی روایت نقل کی ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کی اور اہم ہے۔"(۱)

علامہ عینی، حافظ ابن الملقن، علامہ خطابی، علامہ قسطلانی، علامہ کورانی، اور علامہ زکریا انصاری رحمہم اللہ

(۱) أنوار الباري: ۱۱/۱۴۳، فيض القدير: ۲/۲۸، ۲۹، ۲/۴۳۴، كتاب الجمعة، الخطبة على المنبر، رقم الحديث: ۹۱۷، وكذا في عمدة القاري: ۴/۱۵۴

نے بھی اس تفصیل کو ذکر کیا ہے۔(۱)

نماز میں امام اور مقتدی کے مکان جدا ہونے کا حکم

اس مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھنے کی حالت میں نماز ادا کرنے سے ایک مسئلہ پر بحث آتی ہے کہ دورانِ نماز امام اور مقتدیوں کا مکان ایک نہ ہو تو اقتدا کا کیا حکم ہے؟

تو اس بارے میں تفصیل ذکر کی جاتی ہے:

مذہب احناف

اگر امام اکیلا کسی چبوترے پر کھڑا ہو اور سارے مقتدی اس سے پیچھے کھڑے ہوں اور ایسا کرنا بلا عذر ہو تو حدیث کی رو سے مکروہ ہے، بظاہر یہ کراہت تحریمی ہے، اگر چہ بعض نے تنزیہی بھی کہا ہے، اور اگر چبوترے پر کچھ مقتدی بھی امام کے ساتھ ہوں تو اصح یہ ہے کہ ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے، بعضوں نے کہا ہے کہ یہ حکم اس چبوترہ کا ہے جو قدِ آدم بلند ہو اور اگر اس سے کم بلندی کا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ چبوترہ کی بلندی اس قدر معتبر ہے کہ جس سے امتیاز و فرق ہو جائے، یہی قول ظاہر الروایۃ کا ہے، اور حدیث کے اطلاق سے بھی یہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ایک ذراع (یعنی: ایک ہاتھ، جو سترہ کی لمبائی کی مقدار ہے) کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس قول کو معتمد قرار دیا گیا ہے، اور یہی جمیع ہے، فتویٰ بھی اسی پر ہے۔

اگر بلندی اس سے کم ہو تو کراہتِ تنزیہی ہے۔

اور اگر صورتِ مذکورہ کے برعکس معاملہ ہو کہ امام نیچے اکیلا کھڑا ہو اور سب مقتدی کسی بلند جگہ پر ہوں تو بھی صحیح قول کی بنا پر مکروہ اور خلافِ سنت ہے، کیونکہ اس صورت میں امام کا مقام مقتدیوں کے مقام سے کم درجہ پر ہو گیا، لیکن یہ کراہت تنزیہی ہے۔ کیونکہ حدیث میں اس کی نہی وارد نہیں ہے۔

اور مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں (چاہے امام چبوترہ پر ہو اور مقتدی نیچے یا امام نیچے ہو اور مقتدی اوپر) اگر کچھ مقتدی امام کے ساتھ کھڑے ہوں تو پھر کراہت نہیں ہے۔

---

(۱) عمدة القاري: ١٥٤/٤، التوضيح لابن ملقن: ٣٦٤/٥، إعلام الحديث للخطابي: ٣٦٠/١، إرشاد الساري: ٤١/٢، الكوثر الجاري: ٦٥/٢، تحفة الباري: ٢٩٩/١، الإعلام بفوائد الاحكام، كتاب الصلاة، حديث سهيل بن سعد الساعدى: ١١٩/٤

موجودہ دور میں اکثر شہروں کی مساجد میں اس بات کا عام رواج ہوگیا ہے کہ تنگی کے باعث امام محراب میں یا بلندی پر کھڑا ہوتا ہے، تو اس کے ساتھ دو ایک مقتدی بھی کھڑے ہوجاتے ہیں، اور جگہ کی تنگی کے باعث امام کے ساتھ کوئی مقتدی بھی نہ ہو، تب بھی عذر کی وجہ سے کوئی کراہت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر تعلیم کے لیے امام اکیلا بلند جگہ پر کھڑا ہو تاکہ مقتدی اس کے افعال دیکھ کر نماز سیکھیں یا اکیلا مقتدی بلند جگہ پر اس لیے کھڑا ہو کہ وہ مکبر بنے گا (یعنی: بلند آواز سے "اللہ اکبر" کہے) تو مکروہ نہیں ہے۔ (۱)

مذہب شوافع وحنابلہ

شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بھی مسئلہ اسی طرح ہے تاہم بلاعذر ایسا کرنے میں کراہت ہے۔ اور بعذر بھی یہ شرط ضرور ہے کہ امام کے تمام انتقالات مقتدی کے سامنے ہوں۔ (۲)

مذہب مالکیہ

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک امام کے کھڑے ہونے کی جگہ تھوڑی سی اونچی ہو تو نماز ہوجائے گی اور

---

(۱) حاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب مكروهات الصلاة: ۱۶۰/۴، ۱۶۱، دار الثقافة، دمشق

فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل مايكره فيها: ۳۶۰/۱

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۲۸/۲

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان مايستحب فيها ومايكره: ۲۱۶/۱

فتاوى التاتر خانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في بيان مايكره للمصلي: ۵۶۷/۱

(۲) الحاوي الكبير، كتاب الصلاة، باب موقف صلاة المأموم مع الإمام: ۳۴۴/۲

العزيز، كتاب الصلاة بالجماعة، الفصل الثالث، الشرط الثاني: ۱۷۵/۲، ۱۷۶

المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، باب صلاة الجماعة، باب موقف الإمام: ۱۸۶/۴

المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، باب الإمامة، رقم المسئلة: ۲۵۷، ۴۴/۳

كشاف القضاع عن متن الإقناع، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۴۶۷/۱

شرح منهى الإرادات، كتاب الصلاة، باب صلاة الجماعة وأحكامها، فصل في الإقتداء: ۵۸۲/۱

اگر بہت زیادہ بلند ہو تو نماز نہیں ہوگی۔ امام احمد رحمہ اللہ کی ایک رائے اس کے موافق بھی ہے۔(۱)

فهذا شأنه

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کا یہ قصہ ہے (جو اوپر مذکور ہوا)۔

قال أبو عبدالله: قال علي بن عبدالله: سألني أحمد بن حنبل رحمه الله عن هذا الحديث، قال: فإنما أردت أن النبي صلى الله عليه وسلم كان أعلىٰ من الناس، فلا بأس أن يكون الإمام أعلى من الناس بهذا الحديث، قال: فقلتُ: إن سفيان بن عيينة كان يُسأل عن هذا كثيراً، فلم تسمعه منه، قال: لا.

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ مجھ سے علی بن عبداللہ (المدینی) رحمہ اللہ نے کہا کہ (امام) احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس حدیث کے (مدلول کے) بارے میں مجھ سے پوچھا اور کہا کہ میرا مطلب یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز پڑھاتے ہوئے) لوگوں کے مقابلہ میں اوپر (والی جگہ پر) تھے، لہٰذا اس حدیث کی بناء پر اگر امام لوگوں (یعنی: مقتدیوں) سے اوپر ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، انہوں نے (یعنی: علی بن عبداللہ المدینی رحمہ اللہ نے) کہا کہ میں نے کہا کہ حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے تو یہ حدیث اکثر پوچھی جاتی تھی، کیا آپ نے ان سے یہ حدیث نہیں سنی؟ تو انہوں نے (یعنی: احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے) جواب دیا کہ نہیں۔

تشریح

"قال أبو عبدالله" اس باب میں حدیثِ اول ذکر ہو چکنے کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ اپنے استاذ

---

(۱) المدونة الكبرىٰ، كتاب الصلاة، الإمام يصلي بالناس على أرفع مما عليه أصحابه: ۲/۸۱

مواهب الجليل شرح مختصر خليل، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجماعة: ۲/۴۵۰-۴۵۲

الذخيرة، الباب السابع: في الإمامة، الفصل الرابع: في تبعية الإمام في المكان، وفيه فروع أربعة، النوع الأول: قال في الكتاب إذا صلى بقوم على ظهر المسجد وهم أسفل: ۲/۲۵۷

علی بن عبداللہ المدینی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کا اسی حدیث کے مصداق و مدلول میں ہونے کا مکالمہ ذکر کرتے ہیں۔

اس قول کی ابتداء میں لفظ ''عبداللہ'' سے مراد خود امام بخاری رحمہ اللہ ہی ہیں، اس کے بعد آنے والی عبارت "قال: فإنما أردت" میں موجود ضمائر کے مراجع کے بارے میں شارحین کے مختلف اقوال ہیں، ذیل میں اکابرینِ امت کے چند تشریحی اقوال ذکر کیے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی رائے

"قال: فإنما أردت أن النبي صلى الله عليه وسلم" ذکر کرنے کے بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> یہاں بین السطورین "قال" کا فاعل شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے حوالہ سے ''علی بن عبداللہ بن المدینی'' کو لکھا ہے، مگر میرا ذوق یہ کہتا ہے کہ "قال" کا فاعل ''احمد بن حنبل رحمہ اللہ'' ہیں، اس لیے کہ وہ امام الفقہ ہیں اور مسئلہ بھی علم فقہ کا آرہا ہے، لہٰذا اب مطلب یہ ہوگا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے علی بن المدینی رحمہ اللہ سے کہا کہ میں نے اس حدیث سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے، "فلا بأس أن يكون الإمام أعلىٰ من الناس" اس لیے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے اوپر تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے، تو معلوم ہوا کہ امام کا مقتدیوں سے اوپر ہونا جائز ہے۔
>
> اب اس کے اندر اختلاف ہے کہ کتنا اوپر ہو سکتا ہے؟ احناف و شافعیہ کے یہاں اگر ایک ذراع سے کم اوپر ہے تو کوئی حرج نہیں اور اس سے زائد میں روایات مختلف ہیں، اور مالکیہ اوپر ہونے سے منع کرتے ہیں۔
>
> "قال: فقلتُ" اس "قال" کا فاعل ''علی بن عبداللہ المدینی'' ہیں اور یہ الگ ہے۔ ماقبل سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔
>
> "أن سفيان بن عيينه" اس کا مطلب یہ ہے کہ ''علی بن المدینی رحمہ اللہ'' نے حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے فرمایا کہ تمہارے استاد سفیان بن عیینہ سے اس حدیث کے

متعلق کثرت سے سوال ہوتا تھا، تم نے ان سے کچھ نہیں سنا؟ حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے نفی میں جواب دیا۔

یہاں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ایک اشکال کیا ہے کہ مسند احمد میں یہی روایت امام احمد رحمہ اللہ نے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کے واسطے سے نقل کی ہے، پھر یہاں نفی کا کیا مطلب؟ اس کا ایک جواب جو حافظ رحمہ اللہ نے دیا ہے وہ یہ ہے کہ بخاری کی روایت مفصل ہے، وہ تو انہوں نے ابن عیینہ سے سنی نہیں اور مسند احمد کی روایت جو مختصر ہے وہ انہوں نے ابن عیینہ سے سنی۔

مگر میرے نزدیک اس سے اچھا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے، اولاً سفیان بن عیینہ سے نہ سنی ہو، جب "علی بن المدینی" سے سن لی تو پھر سفیان بن عیینہ سے اس کے بعد سنی اور پھر ان کے واسطے سے نقل کی، ہاں! اگر یہ ثابت ہو جائے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے یہ سوال "علی بن المدینی" سے حضرت سفیان بن عیینہ کے انتقال کے بعد کیا ہے تو پھر یہ جواب نہیں چلتا۔ مگر اس کے لیے ثبوت کی ضرورت ہے۔(۱)

علامہ عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی رائے

قوله: "قال: وإنما أردت". اس "قال" کا فاعل اگر "علی بن المدینی" ہو تو "أردتُ" (بصیغہ متکلم)، اور اگر فاعل "احمد بن حنبل رحمہ اللہ" ہو تو "أردتَ" بصیغہ حاضر ہوگا۔

قوله: "قال: لا" (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یہ حدیث سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے نہیں سنی)، لیکن مسند احمد میں سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے یہ حدیث موجود ہے۔ البتہ فقط شروع کا حصہ ہے کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا) منبر "أثل الغابة" سے بنایا گیا تھا۔ اخیر کا ٹکڑا یعنی (جس میں یہ مذکور ہے کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی، یہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے نہیں سنا تھا۔ (اور "قال:

(۱) تقرير بخاري شريف: ۲/۱۳۳، ۱۳٤، سراج القاري: ۲/٤٠٤-٤٠٦، الكنز المتواري: ٤/٦١، ٦٢

لا“ سے یہی مراد ہے کہ اخیر والا حصہ اُن سے نہیں سُنا، یہ مقصد نہیں کہ پوری حدیث بالکلیہ نہیں سنی)۔(۱)

حضرت کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ کی اس عبارت کی شرح میں کئی اقوال ہیں:

۱-”قال“ کا فاعل وقائل امام احمد رحمہ اللہ ہوں اور ”أردتُ“ صیغہ متکلم ہو، یعنی: امام احمد رحمہ اللہ نے ”علی ابن المدینی“ سے کہا کہ میں نے آپ کی اس روایت کردہ حدیث کو سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے سمجھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے اوپر ہو کر نماز پڑھائی، لہٰذا امام کا اونچی جگہ پر ہونا جائز ہے، شیخ نے اس پر کہا، کیا تم نے خود سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے یہ حدیث نہیں سنی، حالانکہ ان سے تو اکثر اس مسئلہ کے بارے میں سوال کیا جاتا تھا، اور وہ یہی حدیث روایت کیا کرتے تھے، امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ نہیں، یعنی: اس تفصیل کے ساتھ نہیں سنی۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے اسی شرح کو پسند کیا ہے اور اس کو شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی شرح پر ترجیح دی ہے۔

۲-”أردتَ“ صیغہ خطاب ہو، امام احمد رحمہ اللہ نے شیخ سے کہا کہ آپ نے بظاہر اس حدیثِ سفیان سے یہی سمجھا ہے کہ امام کے اونچی جگہ پر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں الخ اس شرح کو علامہ سندھی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔

۳-”قال“ کا فاعل وقائل ”علی بن المدینی“ ہوں، یعنی: میرا مقصد اس روایت سے یہی ہے کہ حضور علیہ السلام نے اونچی جگہ پر ہو کر امام کی ہے، لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں، اور امام احمد رحمہ اللہ سے کہا کہ کیا تم نے سفیان سے یہ حدیث نہیں سنی، جب کہ تم نے ان سے روایات بھی کی ہیں، اور ان سے اکثر اس مسئلہ میں سوال بھی کیا جاتا تھا، اس شرح کو

(۱) فضل الباري: ۳/ ٦٠

شیخ الاسلام (حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے پوتے) نے اپنی شرح بخاری (تیسر القاری) میں اختیار کیا ہے، اور مطبوعہ بخاری (قدیمی وغیرہ) کے بین السطور بھی درج ہے۔(۱)

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسب واضح ہے کہ روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر پر نماز پڑھنا مکروہ ہے جو کہ لکڑی کا بنا ہوتھا اور ترجمۃ الباب میں بھی لکڑی پر نماز پڑھنے کا ذکر تھا۔(۲)

حدیث الباب (دوسری حدیث)

٣٧١ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ ٱلرَّحِيمِ قَالَ : حَدَّثنا يَزِيدُ بْنُ هارُونَ قَالَ : أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ ٱلطَّوِيلُ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ(٣) : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ سَقَطَ عَنْ فَرَسِهِ ، فَجُحِشَتْ سَاقُهُ ، أَوْ كَتِفُهُ ، وَآلَى مِنْ نِسَائِهِ شَهْرًا ، فَجَلَسَ فِي مَشْرُبَةٍ لَهُ ، دَرَجَتُهَا مِنْ جُذُوعٍ ، فَأَتَاهُ أَصْحَابُهُ يَعُودُونَهُ ، فَصَلَّى بِهِمْ جَالِسًا وَهُمْ قِيَامٌ ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ : (إِنَّمَا جُعِلَ ٱلْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا ، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا ، وَإِنْ صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا) . وَنَزَلَ لِتِسْعٍ وَعِشْرِينَ ، فَقَالُوا : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، إِنَّكَ آلَيْتَ شَهْرًا ؟ فَقَالَ : (إِنَّ ٱلشَّهْرَ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ) .

[٦٥٧ ، ٦٩٩ ، ٧٠٠ ، ٧٧٢ ، ١٠٦٣ ، ١٨١٢ ، ٢٣٣٧ ، ٤٩٠٥ ، ٤٩٨٤ ، ٦٣٠٦]

---

(١) أنوار الباري: ١١/١٤٣، ١٤٤، فيض الباري: ٤/٢٩

(٢) عمدة القاري: ٤/١٥١

(٣) أخرجه البخاري في صحيحه في كتاب الأذان، باب: إنما جعل الإمام ليؤتم به، رقم الحديث: ٦٧٩

وباب: إيجاب التكبير وافتتاح الصلاة، رقم الحديث: ٧٣٢، ٧٣٣

وباب: يهوي بالتكبير حين يسجد، رقم الحديث: ٨٠٥

وفي كتاب تقصير الصلاة، باب: صلاة القاعد، رقم الحديث: ١١١٤

وفي كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم : "إذا رأيتم الهلال فصوموا، وإذا رأيتموه فأفطروا" رقم الحديث: ١٩١١

في كتاب المظالم، باب: الغرفة والعُلِّيَّة المشرفة وغير المشرفة في السطوح وغيرها، رقم الحديث: ٢٤٦٩=

ترجمہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گر پڑے، جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلی یا کندھا چھل گیا، (اس وقت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ کا ایلا کیا تھا (یعنی: اپنی ازواج مطہرات سے ایک مہینہ تک الگ رہنے کی قسم کھائی تھی) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے گھر کے ایک) بالا خانہ میں تشریف فرما ہو گئے، جس کی سیڑھیاں کھجور کی لکڑی کی تھیں، پس (ایک دن) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے أصحاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کرنے کے لیے آپ کے پاس آئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز کے وقت میں) ان کو نماز اس حال میں پڑھائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھا رہے اور آپ کے صحابہ کھڑے ہو کر اقتداء کر رہے تھے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، پس جب وہ تکبیر (تحریمہ) کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو، اور جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔

= وفي كتاب النكاح، باب قول الله عزوجل: ﴿الرجال قوامون على النسآء﴾ رقم الحديث: ٥٢٠١

وفي كتاب الطلاق، باب قول الله عزوجل: ﴿للذين يؤلون من نسائهم تربّص أربعة أشهر﴾، رقم الحديث: ٥٢٨٩

وفي كتاب الأيمان والنذور، باب: من حلف أن لايدخل على أهله شهراً وكان الشهر تسعاً وعشرين، رقم الحديث: ٦٦٨٤

وأخرجه الترمذي في سننه، كتاب الصوم، باب: ماجاء أن الشهر يكون تسعاً وعشرين، رقم الحديث: ٦٩٠

وأخرجه النسائي في سننه، كتاب الطلاق، باب الإيلاء، رقم الحديث: ٣٤٨٦

وفي جامع الأصول، حرف الهمزة، الكتاب السابع، في الإيلاء، رقم الحديث: ١٣٧، ١/٣٥٢

اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم انتیسویں تاریخ کو(اپنی قسم پوری کر کے بالاخانہ سے) نیچے اُتر آئے، تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ نے تو ایک مہینہ کا ایلاء کیا تھا (پھر انیسویں تاریخ کو، یعنی: مہینہ ختم ہونے سے ایک دن پہلے بالاخانہ سے نیچے کیسے تشریف لے آئے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس ماہ مہینہ انتیس دن کا ہوا ہے۔

تراجم رجال

محمد بن عبدالرحیم

یہ ''حافظ ابویحییٰ محمد بن عبدالرحیم بن ابی زہیر العدوی المعز از الصاعقۃ'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے حالات کشف الباري، کتاب الوضوء، باب: "غسل الوجه باليدين من غرفة واحدة" میں گزر چکے ہیں۔(۱)

یزید بن هارون

یہ ''ابوخالد یزید بن ہارون بن زاذان السلمی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے حالات بھی کشف الباري، کتاب الوضوء، باب: "التبرز في البيوت" کی دوسری حدیث میں گزر چکے ہیں۔(۲)

حُمَيْد الطويل

یہ ''ابوعبیدہ حُمید بن ابی حمید الطویل الخزاعی، البصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کتاب الایمان، باب: "خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لايشعر" کی دوسری حدیث میں گزر چکے ہیں۔(۳)

---

(۱) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب "غسل الوجه باليدين من غرفة واحدة".

(۲) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب: "التبرز في البيوت".

(۳) كشف الباري: ۲/۵۷۱

أنس بن مالك رضی اللہ عنه

یہ مشہور صحابی رسول "حضرت انس بن مالک بن نضر الخزرجی الأنصاری" رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے تفصیلی حالات کتاب الإیمان، باب: "من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه" میں گزر چکے ہیں۔(۱)

شرح حدیث

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سقط عن فرسه

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) اپنے گھوڑے سے گر گئے۔

اس روایت میں "سقط" کے الفاظ ہیں، جب کہ صحیح البخاری کی ہی ایک روایت میں "خرّ" کا لفظ ہے(۲) اور سنن ابی داود کی روایت میں "فَصُرِعَ" کا لفظ ہے، معنی سب کا "سقط" والا ہی ہے، یعنی: گر پڑنا۔(۳)

گھوڑے سے گرنے کا واقعہ ہجرت کے پانچویں سال پیش آیا۔(۴)

فَجُحِشَتْ ساقُهُ أو كتفُه

پس (گرنے کی وجہ سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلی یا شانہ مبارک (رگڑ کھا کر) چھل گیا۔

"جُحِشَ" ماضی مجہول کا صیغہ ہے اس کے معنی: رگڑ کی وجہ سے جلد پر خراش آجائے اور چھل جانے کے ہیں، البتہ بنسبت "خدش" کے "جحش" میں چھل جانے کے معنی زیادہ پائے جاتے ہیں، یعنی: گہری خراش آئی، معمولی نہیں، حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس چوٹ کی وجہ سے نماز میں کھڑے ہونے سے عاجز

(۱) كشف الباري: ۴/۲

(۲) صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب إيجاب التكبير وافتتاح الصلاة، رقم الحديث: ۷۳۳

(۳) سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الإمام يصلي من قعود، رقم الحديث: ۶۰۱

(۴) التوضيح لابن الملقن: ۳۶۵/۵، ثقات لابن حبان، السنة الخامسة من الهجرة، سرية عبدالله أنيس: ۲۷۹/۱، فتح الباري، كتاب الأذان، باب إنما جعل الإمام ليؤتم به، رقم الحديث: ۶۷۹، ۲۳۱/۲

آ گئے، اس لیے بیٹھ کر نماز ادا کی۔(۱)

"أو كتفه" کلمہ "أو" راوی کا شک ظاہر کرتا ہے کہ راوی کے استاذ سے منقول بات میں راوی کو شک ہے کہ اس نے "ساق" کا لفظ بولا یا "كتف" کا لفظ بولا، اس کو پوری طرح یہ بات مستحضر نہیں ہے۔

یہ بات نہیں ہے کہ چوٹ "ساق یا کتف" پر آئی، اور اس (راوی) کو اس کی تعیین نہیں ہے۔(۲)

اس بارے میں روایات میں دیگر مختلف الفاظ بھی منقول ہیں، مثلاً صحیح البخاری اور سنن ابی داوٗد کی روایت میں ہے "شِقُّه الأيمن"(۳)

صحیح البخاری کی ہی ایک روایت میں "ساقه الأيمن" ہے(۴) اور ایک اور روایت میں "انفَكّتْ رجله" ہے(۵) اس کے علاوہ صحیح البخاری اور سنن ابی داوٗد کی روایت میں "اِنفَكّتْ قدمه" کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔(۶)

"أنفكت قدمه يا رجله" کے معنی، موچ آنے کے ہیں، یعنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پر موچ آ گئی تھی۔

ان روایات میں وارد ہونے والے مختلف الفاظ کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ سب الفاظ ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں، سب معنی کا احتمال موجود ہے، کسی ایک چوٹ میں مختلف جگہ بھی زخم

---

(۱) النهاية في غريب الحديث والأثر: ۱/۲۳۶، ۲۳۷، معجم الصحاح للجوهري، ص: ۱۵٤

إعلام الحديث للخطابي: ۱/۳٦۲، فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۲/۸۳، التوضيح لابن ملقن: ۵/۳٦۵، فتح الباري: ۱/٦۳۲

(۲) فتح الباري: ۱/٦۲۳، عمدة القاري: ٤/۱۵٦، تقرير بخاري شريف: ۲/۱۳٤

(۳) صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب يهوي بالتكبير وافتتاح الصلاة، رقم الحديث: ۸۰۵

سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الإمام يصلي من قعود، رقم الحديث: ٦۰۱

(٤) صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب يهوي بالتكبير وافتتاح الصلاة، رقم الحديث: ۸۰۵

(۵) صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب: إذا رأيتم الهلال، فصوموا، رقم الحديث: ۱۹۱۱

(٦) صحيح البخاري، كتاب المظالم، باب الغرفة والعُلِّيَّة، رقم: ۲٤٦۹

سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الإمام يصلي من قعود، رقم الحديث: ٦۰۲

آسکتے ہیں، موچ اور خراش وغیرہ جمع ہوسکتے ہیں: بعض زخموں کا اجتماع ممکن ہے اوران الفاظِ مختلفہ میں سے بعض بعض کی تفسیر بھی بن سکتے ہیں۔(۱)

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ واقعہ ذی الحجہ ۵ ہجری میں پیش آیا (مطابق مئی ۶۲۷ء) حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ محدث ابن حبان نے سنہ ۵ ہجری کا واقعہ بتلایا ہے، حضور علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہوکر غابہ کو جانا چاہتے تھے، گھوڑے نے ایک کھجور کے درخت کی جڑ پر گرادیا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک میں چوٹ لگی اور پہلو بھی چھل گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالاخانہ پر قیام فرمایا، معذوری کی وجہ سے مسجد میں نماز نہ پڑھ سکتے تھے۔

گھوڑے سے گرنے کا واقعہ

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا:

"سیرۃ محمدی" تالیف، مولوی کرامت علی صاحب تلمیذ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ میں حالات نہایت بسط وتفصیل سے دیئے گئے ہیں، لیکن اس میں اس واقعہ کو نہیں لکھا، یہ کتاب اچھی ہے مگر بے اعتنائی سے خراب اور غلط چھپی ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ احقر نے دوسری متداولہ کتبِ سیرت میں بھی اس واقعہ کو نہیں پایا، حالانکہ احادیثِ صحاح میں اس کا ذکر آتا ہے اور وہ تعیینِ زمانہ احقر کے نزدیک اسی طرح ہے:

غزوہ خندق شوال ۵ ہجری (مطابق فروری ومارچ ۶۲۷ھ میں ہوا ہے، اس سے واپسی پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ذی قعدہ ۵ ہجری (اپریل ۶۲۷ھ) میں غزوہ بنی قریظہ کے لیے تشریف لے گئے، اس سے فارغ ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ ماہ مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا ہے، یعنی: ماہ ذی قعدہ ۵ ہجری، محرم ۶ ہجری، صفر، ربیع الاول (مطابق مئی، جون، جولائی، اگست، ستمبر ۶۲۷ء) اسی دوران قیام مدینہ منورہ میں یہ حادثہ پیش آیا ہے،

(۱) فتح الباري، كتاب الأذان، باب إنما جعل الإمام ليوتم به، رقم الحديث: ۶۷۹، ۲/ ۲۳۱

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ضرورت سے غابہ کے جنگل میں جانا چاہتے ہوں۔

گھوڑے کی سواری کی چوں کہ بڑی فضیلت ہے، خصوصاً جہاد کے لیے تیاری وغیرہ کے سلسلہ میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود بھی فطری طور سے اس سواری کا شوق تھا، عمدہ گھوڑے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری میں رہتے تھے، برق رفتار گھوڑے کی سواری آپ کو بہت ہی مرغوب تھی، چنانچہ ایک دفعہ مدینہ طیبہ میں باہر سے کسی غنیم کے حملے کا خطرہ محسوس کیا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا ''مندوب'' نامی سواری کے لیے لیا، اور ننگی پیٹھ پر سوار ہوکر شہر سے باہر دور تک دیکھ کر آئے اور فرمایا کہ کوئی بات خطرہ وگھبراہٹ کی نہیں ہے ہم نے اس گھوڑے کو ''بحر'' پایا (یعنی، دریا کی طرح رواں دواں، جو رکنے کا نام نہیں لیتا) اس وقت حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی نکلے تھے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی میں ملے، اور دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہیں، اور گردن میں تلوار لٹکی ہوئی ہے۔

محقق عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس سے آپ کی تواضع وانکساری کا حال معلوم ہوا اور یہ کہ شہسواری کا فن خوب آنا چاہیے تا کہ ضرورت کے وقت بے تامل میدان میں جاسکے اور تلوار وغیرہ ہتھیار بھی سامنے رکھے تا کہ بوقتِ ضرورت اس کا مددگار ہو۔

حضور علیہ السلام نے مدینہ طیبہ کے باہر گھوڑ دوڑ کے میدان بھی بنوائے تھے، جن میں ایک سات میل کا لمبا تھا اور دوسرا ایک میل یا کچھ زیادہ کا تھا، گھوڑ دوڑ کی مسابقت میں ایک طرف سے ہار جیت کا ایک گھوڑا ''لُحَیف'' نامی تھا، جو بہت تیز رفتار تھا، اور عمدہ میں ہے کہ اس کو اسی لیے کہتے تھے کہ دوڑنے کے وقت گویا زمین کو لپیٹتا تھا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص خدا کی راہ میں جہاد کے لیے گھوڑا پالے گا، قیامت کے دن اس کی میزان میں اُس گھوڑے کی گھاس، دانہ، لید و پیشاب بھی وزن کیا جائے گا اور فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانی میں حق تعالیٰ شانہ نے قیامت تک کے لیے خیر وفلاحِ دارین لکھ دی ہے۔ یعنی: اَجر وغنیمت (یہ سب حدیثیں بخاری شریف، کتاب الجہاد میں ہیں) اور مسند

احمد وبیہقی میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ایک گھوڑا "سَبحہ" نامی تھا، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بازی میں دوڑایا، تو اس نے بازی جیتی اور آپ کو مسرت ہوئی (بیہقی: ۲۰/۲۱) ممکن ہے کہ یہی صبار فتار گھوڑا ہو، جس سے گرنے کا اتفاقی حادثہ پیش آیا، چونکہ وہ بہت ہی تیز رفتار تھا، اور اسی لیے دوسرے عمدہ گھوڑوں کے مقابلہ میں بازی بھی جیت لیتا تھا، ایسے بُراق صفت گھوڑے کے بارے میں کون شہسوار دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ کسی بھی وقت اتفاقی طور پر اس کی پیٹھ سے نہیں گر سکتا۔ لہٰذا یہ خیال نہ کیا جائے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت بڑے شہسوار تھے تو گھوڑے سے کس طرح گر گئے؟ کیونکہ برق رفتار عربی گھوڑوں سے گرنا بھی بڑے شہسواروں ہی کی شان ہو سکتی ہے، دوسرے تو ان پر سوار ہونے کی جراءت بھی نہیں کر سکتے۔ واضح ہو کہ یوں بھی عربی النسل کے گھوڑے عمدگی وتیز رفتاری وغیرہ میں ساری دنیا کے گھوڑوں سے بہتر ہوتے ہیں، اس واقعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سپاہیانہ اور مجاہدانہ شان بہت نمایاں معلوم ہوتی ہے اور یہ تعلیم ملتی ہے کہ مسلمانوں کو بھی ایسی ہی زندگی گزارنی چاہیے۔ واللہ الموفق

ممکن ہے بہت سے اہلِ سیر نے اس واقعہ سقوط کو اسی لیے ذکر نہ کیا ہو کہ اس پر لوگ شبہ کریں گے، لیکن ایسے خیالات کی وجہ سے صحیح وقوی السند واقعات کا ذکر نہ کرنا کسی طرح درست نہیں قرار دیا جا سکتا۔(۱)

وآلیٰ مِنْ نِسائه شهراً

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی کہ وہ ایک مہینے تک اپنی بیویوں کے پاس نہیں جائیں گے۔

حدیثِ مذکور میں یہ دوسرا مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ کا ایلاء کیا، اس ایلاء سے ایلاء شرعی واصطلاحی مراد نہیں ہے، بلکہ ایلاء لغوی مراد ہے، یعنی: مدتِ شرعی ایلاء سے کم مدت کی قسم کھائی۔(۲)

---

(۱) أنوار الباري: ۱۱/۱۴۵، ۱۴۶، فيض الباري: ۲/۲۹

(۲) التوضيح لابن ملقن: ۵/۳۶۵، فتح الباري: ۱/۶۳۲، عمدة القاري: ۴/۱۵۶، إرشاد الساري: ۲/۴۲،=

ایلاء شرعی چار مہینے تک بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھانے کا نام ہے۔(۱)

"مِن نسائه" میں لفظ "مِن" تعلیلیہ ہوسکتا ہے، اگر "من" کی اصل ابتداء کے لیے ہے، من تعلیلیہ کی صورت میں "آلیٰ من نسائه" کے معنی: آلیٰ بسبب نسائه، أي: مِن أجلهن" کے ہوں گے۔(۲)

فَجلَس في مَشْرُبَةٍ له

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالا خانے میں بیٹھ گئے۔(یعنی: وہاں قیام فرمایا)

"مَشْرُبَة": "م" کے فتحہ "شین" کے سکون اور "ر" کے فتحہ اور ضمہ، دونوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، گھر کے اوپر بنے ہوئے کمرہ کو "مشربة" کہا جاتا ہے۔(۳)

درجتها من جذوع

اس بالاخانہ کی سیڑھی کھجور کی شاخوں (لکڑی کی) تھی۔

"جُـذُوع" جمع ہے "جِـذْع" کی، "ج" کی کسرہ اور "ذال" کے سکون کے ساتھ، "جِـذْع" کی جمع "جُذوع" اور "أجذاع" آتی ہے۔

کھجور کا تنا "جذع" کہلاتا ہے۔(۴)

اس جگہ "جـــذوع" تنوین کے ساتھ بغیر اضافت کے ہے، لیکن "کشمیہنی" کی روایت میں اضافت کے ساتھ ہے، یعنی: "جذوع النخل"(۵)

= الكوثر الجاري: ٢/ ٦٥، فيض الباري: ٤/ ٣٠

(١) المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب الإيلاء: ٧/ ٢٤

ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الإيلاء: ٢/ ٥٩١، رشيدية

البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الإيلاء: ٤/ ١٠٠

(٢) عمدة القاري: ٤/ ١٥٦

(٣) معجم الصحاح للجوهري، ص: ٥٤٠، الفائق في غريب الحديث: ٣/ ١٣٣، النهاية في غريب الحديث والأثر: ١/ ٨٥٢، التوضيح لابن ملقن: ٥/ ٣٦٥

(٤) معجم الصحاح للجوهري، ص: ١٦٢، المعجم الوسيط، ص: ١١٣

(٥) فتح الباري: ١/ ٦٣٢، تحفة الباري: ١/ ٢٩٩

فأتاه أصحابه يعودونه: فصلّى بهم جالساً وهم قِيام

پس اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی عیادت کرنے کے لیے حاضر ہوئے، (اس دوران نماز کا وقت ہوگیا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز پڑھائی، اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے) کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

"جالساً" حال ہے "فصلّی" میں موجود ضمیر "هو" سے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے اور "وهم قيام" جملہ اسمیہ حال ہے، "بهم" کی "هم" ضمیر سے، جو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف لوٹ رہی ہے۔

"قِيام" مصدر ہے اسم فاعل کے معنی میں، یعنی: "قائمون".(۱)

فلمّا سلّم، قال: إنما جعل الإمام ليؤتم به

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز مکمل کرکے) سلام پھیرا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ امام کو تو اس لیے امام بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔

"إنما" یہ کلمۂ حصر ہے، اپنی بات کے اہتمام اور اس میں مبالغہ کے معنی بیدار کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

"جُعِل" دو مفعول کا تقاضا کرتا ہے یہاں ایک مفعول (قائم مقام فاعل) تو موجود ہے لیکن دوسرا محذوف ہے، اور وہ ہے "إماماً"، یعنی: "إنما جُعِل الإمام وإماماً".

"لِيُؤتَمَّ به" اس کے معنی ہیں: "ليقتدیٰ به" یعنی: امام کے افعال میں امام کی پیروی کی جائے۔(۲)

مقتدی کی امام کے ساتھ متابعت کا حکم

حدیثِ مبارکہ کے مذکورہ جملہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مقتدی پر نماز کے افعال میں امام کی متابعت یعنی پیروی کرنا واجب ہے، یہاں تک کہ کھڑے ہونے کی جگہ اور نیت تک میں متابعت ضروری ہے،

---

(۱) عمدة القاري: ۴/۱۵۷، إرشاد الساري: ۲/۴۲، الكوثر الجاري: ۲/۶۶، تحفة الباري: ۱/۲۹۹

(۲) عمدة القاري: ۴/۱۵۷، إرشاد الساري: ۲/۴۲، الكوثر الجاري: ۲/۶۶، تحفة الباري: ۱/۲۹۹

امام اور مقتدی کے درمیان نیت کا اختلاف مضر ہے، اس سے نماز واقتداء فاسد و باطل ہوگی، امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا یہی مسلک ہے(۱)، لیکن امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک افعال میں تو متابعت لازم ہے، لیکن نیت میں ضروری نہیں، یعنی: نیت میں امام ومقتدی کا اختلاف صحتِ صلاۃ کے لیے مضر نہیں ہے(۲)۔ یہ دونوں حضرات مذکورہ حدیث کو افعالِ ظاہرہ کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں بخلاف امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے، کہ یہ دونوں حضرات نیت کے اختلاف کو حدیث مذکورہ کے حصر کے تحت ہی داخل مانتے ہیں۔(۳)

فإذا كبّر فكبّروا، وإذا ركع فاركعوا، وإذا سجد فاسجدوا وإن صلى قائما، فصلوا قياماً.

پس جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب وہ سجدہ کرے تو

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل وأما شرائط الأركان: ۱۳۸/۱

شرح فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل في قيام رمضان، فصل منه: ۴۹۰/۱

ردالمحتار شرح الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة شروط الاقتداء: ۴۹۶/۳

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۳۸۲/۱

نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۱۳۲

بداية المجتهد، كتاب الصلاة، الباب الثامن: في معرفة النية وكيفية: ۱۲۰/۱

الاستذكار، كتاب الصلاة، صلاة الجماعة، باب صلاة الإمام وهو جالس: ۳۸۶/۵-۳۸۹

حاشية الدسوقي، كتاب الصلاة، باب الوقت المختار، صلاة الجماعة: ۳۲۵/۱

(۲) الأم للشافعي، كتاب الصلاة، اختلاف نية الإمام والمأموم: ۳۴۶/۲-۳۵۰

الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعي، كتاب الصلاة، باب اختلاف نية الإمام والمأموم وغير ذلك: ۳۱۶/۲

المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، باب الإمامة، فصل في صلاة المفترض خلف المتنفل: ۶۷/۳

كشاف القناع، كتاب الصلاة، باب النية: ۲۹۸/۱

شرح منتهى الارادات، كتاب الصلاة، باب النية، فصل النية في الجماعة: ۳۶۵/

(۳) عمدة القاري: ۱۵۹/۴

تم بھی سجدہ کرو، اور اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔

فإذا كبّر فكبّروا

جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔ "فکبروا" کی "ف" امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حال حال کے لیے ہے، یعنی: امام کے تکبیر کہنے کی حالت میں یا وقت میں تم بھی تکبیر کہو، امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کا حاصل یہ ہوا کہ مقتدی کی تکبیر امام کی تکبیر سے متصل ہونی چاہیے، نہ امام کی تکبیر سے مقدم ہو اور نہ ہی مؤخر۔

صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ امام کے تکبیر کہہ چکنے کے بعد مقتدی تکبیر کہے، اس لیے "فکبروا" میں "ف" تعقیب کے لیے ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کی حکمت یہ ہے کہ مقارنت والے قول میں عبادت کی طرف سرعت سے لپکنا ہے جو کہ مطلوب ہے، نیز اس میں مشقت ہے، جس کی بنا پر مقارنت افضل ہے۔ اور صاحبین رحمہما اللہ کے قول کی حکمت یہ ہے کہ تعقیب میں اشتباہ کا بالکلیہ ختم ہو جاتا ہے۔

دونوں اقوال کی صحت میں کوئی اختلاف نہیں، افضلیت میں اختلاف ہے، تاہم فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے، شیخ الاسلام خواہر زادہ کا قول ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کا قول أدق اور أجود ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کا قول أرفق اور أحوط ہے۔(۱)

فاركعوا فاسجدوا

ان دونوں الفاظ میں "ف" تعقیب کے لیے ہے، اس سے دلالت ہے کہ مقتدی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان افعال میں امام سے آگے بڑھے، حتیٰ کہ اگر مقتدی نے رکوع یا سجدہ کرلیا اور امام ان افعال میں مقتدی کے ساتھ شریک نہ ہوا تو نماز فاسد شمار ہوگی۔(۲)

---

(۱) حلبي كبير، كتاب الصلاة، فرائض الصلاة، الأول تكبيرة الافتتاح، ص: ٢٦١

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان شرائط الصلاة: ٦١٣/١

الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة: ٦٨/١، عمدة القاري: ١٥٩/٤

(٢) عمدة القاري: ١٥٩/٤، شرح الكرماني: ٤٣/٤، الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة: ٦٨/١، ٦٩

فإن صلی قائما فصلوا قیاماً

پھر اگر امام کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔

اس جملہ کے مفہوم مخالف ''اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو'' پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ حکم منسوخ ہے، اور ناسخ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی آخری نماز ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جگہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ دوسری روایت میں یہ الفاظ صراحۃً منقول ہیں: ''فإن صلی قاعدا فصلوا قعوداً'' تو میں جواب دوں گا کہ ''فصلوا قعوداً'' کے معنی یہ ہیں کہ جس امام قیام سے عاجز آ کر بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہے اگر اسی طرح تم بھی کھڑے ہونے سے عاجز ہو جاؤ تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔ پس یہ تخصیص کی قبیل سے ہوگا۔ (۱)

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر امام راتب کسی عذر سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدیوں کو بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا چاہیے اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں مقتدیوں کو بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس پر مستقل باب باندھ کر حنابلہ پر رد فرمائیں گے۔

شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ پھر فرماتے ہیں:

یہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ کا مستدل ہے اس مسئلہ پر کہ اگر امام راتب ہو تو ایسا کرنا جائز ہے، لیکن ائمہ ثلاث اس کا انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ مقتدیوں کو قیاماً اقتداء کرنی چاہیے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری زندگی میں بیٹھ کر نماز پڑھائی، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکبر کی حیثیت سے کھڑے ہو کر لوگوں تک تکبیرات پہنچا رہے تھے اور اس وقت تمام صحابہ کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے اور یہ فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام افعال سابقہ کے لیے ناسخ ہوگا۔ حنابلہ اس قسم کی روایات کی

(۱) عمدة القاري: ٤/١٥٩

تاویل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امام نہیں تھے، بلکہ وہاں حضرت ابوبکر ہی امام تھے۔(۱)

حضرت کشمیری صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کھڑے کی اقتداء عذر سے نماز بیٹھ کر پڑھنے والے امام کے پیچھے جائز ہے۔ حنفیہ وشافعیہ کا یہی مسلک ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بالکل جائز نہیں، امام احمد رحمہ اللہ کے یہاں تفصیل ہے کہ امام کو عذر اگر درمیان صلاۃ میں طاری ہوا تو مقتدی کھڑے ہوکر پڑھ سکتے ہیں اور اگر عذر شروع ہی سے تھا تو ان کو بھی بیٹھ کر پڑھنی چاہیے۔

حنفیہ اور شافعیہ نے حدیث الباب کو منسوخ قرار دیا ہے، اور اسی کی طرف امام بخاری رحمہ اللہ بھی گئے، چنانچہ اس کی صراحت صحیح بخاری شریف میں دو جگہ کی ہے، راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ وہ دونوں جگہیں حسب ذیل ہیں:

۱- باب "إنما جعل الإمام ليؤتم به" میں "قال أبو عبدالله......الخ امام بخاری رحمہ اللہ نے شیخ حمیدی سے نقل کیا ہے کہ قولہ علیہ السلام: وإذا صلّى جالساً فصلوا جلوساً یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مرض قدیم (گھوڑے سے گرنے کا واقعہ) میں تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد (مرض وفات میں) بیٹھ کر نماز پڑھی اور صحابہ نے کھڑے ہوکر اقتداء کی ہے، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں فرمایا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر سے آخر فعل ہی کو معمول بہ بنایا جاسکتا ہے۔

۲- باب "إذا عاد مريضاً" میں امام بخاری رحمہ اللہ نے لکھا: شیخ حمیدی رحمہ اللہ نے کہا یہ حدیث منسوخ ہے، میں کہتا ہوں اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری نماز بیٹھ کر پڑھائی ہے، جس میں لوگ آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔

---

(۱) تقرير بخاري شريف: ۲/ ۳۵۰، ۳۵۱، الكنز المتواري: ٤/ ٦٤

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: میرا جواب یہ ہے کہ حاصل حدیث مشاکلتِ امام وماموم کا استحباب بتلانا ہے کہ امام اقتداء ہی کے لیے ہے، یہاں جوازِ قیام وقعود کی تفاصیل بتلانا مقصود نہیں ہے، اس کے لیے شرع کے دوسرے اصول وقواعد دیکھنے ہوں گے، جن کا حاصل اقتداءِ قاعد کا غیر مطلوب ہونا نکلتا ہے، لیکن اگر اقتداء کی نوبت آ ہی جائے تو مطلوب مشاکلت ہے، جس قدر بھی ہو سکے۔ یہ تو حدیثِ قولی کا منشا ہوا، باقی وہ واقعہ جزئیہ جو ابوداؤد میں مروی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اقتداء کرنے والے نفل نماز پڑھ رہے تھے، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے ظہر کی نمازِ فرض مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھ لی ہوگی، یہ بہت مستبعد امر ہے کہ حضور علیہ السلام کی علالت کے دوران تمام دنوں میں مسجد جماعت سے معطل رہی ہے، لہٰذا اپنی فرض نماز ادا کر کے جب حضور علیہ السلام کے پاس عیادت کے لیے پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں تو وہ بھی آپ کے ساتھ برکت حاصل کرنے کے واسطے، جیسے ان کی عادت تھی، شریک ہو گئے ہوں، رمضان شریف میں بھی ایسا ہی کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اقتداء کر لی، پھر آپ دوسرے یا تیسرے روز تراویح فرض ہو جانے کے ڈر سے تشریف نہ لائے، غرض صحابہ کرام کی یہ نماز صرف تحصیلِ برکت وفضیلت کے خیال سے تھی، فرض کی ادائیگی نہ تھی، بعض لوگوں نے اسے فرض سمجھ لیا جو غلط ہے، مزید تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔ انشاء اللہ

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مزید فرمایا:

اگر کہا جائے کہ حدیثِ صلاۃ مرضِ وفات کے اندر اضطراب ہے، بعض راویوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو امام بتلایا، بعض نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو، اس لیے وہ ناسخ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات ان کے خلاف ہو سکتی ہے، جو حضور علیہ السلام کے صرف ایک بار مرض کی حالت میں باہر تشریف لانے کے قائل ہیں۔ میرے نزدیک یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار نمازوں میں تشریف لائے ہیں،

بعض میں امام تھے اور بعض میں مقتدی، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہت ساری روایات سے یہ بات یقین کو پہنچ گئی کہ اس نماز میں حضور علیہ السلام ہی امام تھے، دوسری یہ کہ حنابلہ جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اس میں بھی اضطراب ہے، کیونکہ وہی حدیثِ انس رضی اللہ عنہ مسلم شریف میں اس طرح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بیٹھ کر نماز پڑھائی، اور ہم نے بیٹھ کر ہی اقتداء کی، لہٰذا حدیثِ سقوط میں بھی اضطراب ہوگیا، اگرچہ تاویل کی گنجائش ہر جگہ نکل سکتی ہے۔ (۱)

ونـزل لتسـع وعشرين فقالوا يارسول الله! إنك آليت شهراً، فقال: إن الشهر تسع وعشرون

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتیسویں تاریخ کو (بالاخانہ سے) نیچے اتر آئے، تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ نے تو ایک مہینہ کا ایلاء کیا تھا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ (ہاں! بات اسی طرح ہے، لیکن) اس بار مہینہ انتیس دن کا ہوا ہے۔

مذکورا یلاء کا سبب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات سے ایک مہینہ تک الگ رہنے کی قسم کھائی تھی، اس کی وجہ یا سبب کیا تھا؟ اس بارے میں روایت سے تین وجوہ معلوم ہوتی ہیں:

۱۔شہد والا قصہ جو کہ صحیح البخاری میں موجود ہے (۲)۔

---

(۱) أنوار الباري: ۱۱/ ۱۵۰، ۱۵۱، فيض الباري: ۱/ ۳۰، ۳۱، وكتاب الأذان، باب إنما جعل الإمام ليؤتم به، رقم الحديث: ۶۸۹، ۱/ ۲۷۳-۲۷۵

وكتاب الأذان، باب إيجاب التكبير وافتتاح الصلاة، رقم الحديث: ۷۳۲، ۱/ ۳۰۹-۳۱۵

(۲) صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب لم تحرم ما أحل الله لك، رقم الحديث: ۴۹۶۷

صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب وجوب الكفارة على من حرم إمراته ولم ينو الطلاق، رقم الحديث: ۱۴۷۴

۲-ازواجِ مطہرات کی طرف سے زائد نفقہ کا مطالبہ۔(۱)

۳-حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کا قصہ۔(۲)

قصۂ عسل اور قصۂ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا والی روایات میں ایلاء کا ذکر نہیں ہے، مگر دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر کسی چیز کو حرام فرمالیا تھا، بعد میں اللہ رب العزت کی طرف سے عتاب ہوا، اور یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يا أيها النبي لم تحرم ما أحل الله لك تبتغي مرضاة أزواجك﴾(۳) اسی واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات پر غصہ ہوکران سے ایلا کیا تھا، اسی طرح تحریم حلال کے واقعہ میں مآلاً ایلاء اور ازواج سے علیحدگی اختیار کرنے کا قصہ پیش آیا، جیسا کہ بخاری شریف کی ایک روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو، صحيح البخاري، رقم الحديث: ٢٣٣٦.(٤)

مذکورہ حدیث میں راوی کا ایک وہم

حدیثِ مذکور میں دو واقعات کا ذکر ہے: ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواری سے گرنے کا اور یہ پانچ ہجری کا واقعہ ہے، دوسرے ایلاء، یعنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج مطہرات کے پاس نہ جانے کی قسم کھانے کا، یہ نو ہجری کا واقعہ ہے، اس پر اشکال یہ ہے کہ جب ان دونوں واقعات کے درمیان چار سال کا فاصلہ ہے، اور یہ دونوں الگ الگ واقعے ہیں تو پھر راوی نے دونوں کو ایک ساتھ کیوں جوڑ دیا؟

شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

بعض لوگوں نے کہا کہ یہ راوی کا وہم ہے، مگر میرے نزدیک بہتر جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(١) صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب بيان أن تخيير امرأته لا يكون طلاقاً إلا بالنية، رقم الحديث: ١٤٧٨
مسند أبي عوامه، كتاب الطلاق، بيان الخبر الدال على إيجاب النفقة النساء، رقم الحديث: ٤٥٨٦

(٢) سنن النسائي، كتاب عشرة النسآء، باب الغيرة، رقم الحديث: ٣٩٥٩

(٣) التحريم: ١

(٤) صحيح البخاري، كتاب المظالم، باب الغرفة والعلية المشرفة في السطوح وغيرها، رقم الحديث: ٢٣٣٦

نے ان دونوں مواقع پر "مشربہ" میں قیام فرمایا تھا، اس لیے راوی نے جب سواری سے گرنے اور "مشربہ" میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کرنے کو بیان کیا تو تبعاً ایلاء کا قصہ بھی ذکر کر دیا، کہ آپ علیہ السلام نے اس موقع پر بھی "مشربہ" ہی میں قیام فرمایا تھا۔(۱)

اس کے علاوہ دونوں قصوں میں وجہ اشتراک یہ بھی ہے کہ دونوں بار قیام کی مدت ۲۹ دن تھی۔

نیز نوعیت قیام میں بھی فرق تھا، مثلاً: واقعہ سقوط میں انفکاک قدم کی وجہ سے مسجد تشریف نہیں لے جاتے تھے، بالاخانہ ہی میں نماز ادا فرماتے تھے، بخلاف ایلاء والے واقعے کے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہی نماز ادا فرماتے تھے۔

اور واقعہ ایلاء میں ازواجِ مطہرات و متعلقین میں جو بے چینی اور اضطراب تھا، وہ واقعہ سقوط میں نہیں، دونوں قصوں میں یہی مغایرت کافی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی مسامحت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا:

"حافظ صاحب رحمہ اللہ نے دونوں واقعات کو ایک ہی سال میں قرار دے دیا ہے، جو قطعاً غلط ہے اور تعجب ہے کہ حافظ صاحب ایسے متیقظ سے اتنی بڑی غلطی کیسے ہوگئی؟ یہ غلطی ان کو بعض رواۃ کی تعبیر کے سبب ہوئی ہے کہ انہوں نے قصہ سقوط و قصہ ایلاء کو ایک ساتھ ذکر کر دیا، حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رواۃ کی تعبیری غلطی کی طرف حافظ زیلعی رحمہ اللہ نے بھی تنبیہ کیا ہے۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے بطریق متعددہ حدیثِ انس رضی اللہ عنہ بابتہ انفکاکِ قدمِ مبارک روایت کی ہے، مگر کسی بھی ایلاء کا ذکر نہیں ہے۔ اور یہی صورت حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا و جابر رضی اللہ عنہ کی ہے، مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے، چاروں احادیث میں امام زہری رحمہ اللہ ہیں، جنہوں نے ایلاء کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

اور بخاری شریف میں بھی (باب إنما جعل الإمام ليؤتم به) میں جو روایت

(۱) الكنز المتواري: ٤/ ٦٢، تقرير بخاري شريف: ٢/ ١٣٤، سراج القاري: ٢/ ٤٠٧

زہری عن انس ہے، اس میں ایلاء کا ذکر نہیں ہے، لیکن یہاں (حدیث الباب میں چونکہ روایت بواسطہ حمید الطویل ہے۔ بواسطہ ابن شہاب زہری نہیں) اس لیے ان سب میں ایلاء کا بھی ذکر شامل کر دیا گیا ہے اور یہ شامل کرنے کی وجہ راوی کے ذہن میں صرف یہ اشتراک ہے کہ واقعۂ سقوط ۵ ہجری اور واقعۂ ایلاء ۹ ہجری دونوں میں حضور علیہ السلام نے بالا خانہ قیام فرمایا تھا، اس امر کا خیال نہیں کیا کہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں، جن میں کئی سال کا فصل ہے، لیکن حافظ ایسے محقق مدقق سے یہ امر بہت ہی مستبعد ہے کہ انہوں نے صرف ایک راوی کی اس تعبیر مذکور کے باعث یہ فیصلہ کر دیا کہ ایلاء کے دوران ہی میں سقوط کا واقعہ بھی پیش آیا ہے اور اسی پر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی تعجب و حیرت کا اظہار فرمایا ہے۔(۱)

شرح الزرقانی وسیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں تسامح

المواہب اللدنیۃ اور شرح میں بھی علامہ قسطلانی رحمہ اللہ شارح بخاری اور علامہ زرقانی رحمہ اللہ (مالکی شارح موطا امام مالک رحمہ اللہ) دونوں سے تسامح ہوا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی طرح ۹ ہجری میں ایلاء اور سقوط دونوں کو مان لیا ہے، پھر علامہ زرقانی رحمہ اللہ سے مزید مسامحت یہ ہوئی کہ بحوالہ روایتِ شیخین وغیرہما عن أنس رضی اللہ عنہ سقوط و ایلاء کو یکجا نقل کیا، حالانکہ ہم اوپر نقل کر چکے ہیں کہ صرف بخاری میں بواسطہ حمید الطویل عن انس رضی اللہ عنہ سقوط کے ساتھ ایلاء کا ذکر مروی ہے، باقی مسلم شریف وغیرہ میں نہ حمید الطویل کے واسطہ سے روایت لی گئی ہے اور نہ ان کی روایت میں ایلاء کا ذکر سقوط والے واقعہ کے ساتھ کیا گیا ہے، وہ سب امام زہری رحمہ اللہ کے واسطہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں، جس میں ایلاء کا ذکر نہیں ہے اور خود بخاری میں بھی جو روایت ابن شہاب عن انس رضی اللہ عنہ ہے، اس میں ایلاء کا ذکر نہیں ہے، غرض اس معاملہ میں ایسے اکابرِ محدثین کو بھی مغالطہ لگ گیا ہے اور حسبِ ایماء حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ صرف محدث زیلعی اس تفرد پر متنبہ ہوئے ہیں، محقق عینی رحمہ اللہ نے اگرچہ دونوں واقعات کو ایک ساتھ اور ایک سال میں تو نہیں کہا، مگر دوسرے حضرات کی غلطی پر متنبہ بھی نہیں کیا۔

(۱) أنوار الباري: ١١/١٤٤، ١٤٥

پھر ہمارے اردو کے سیرت نگار بھی اس غلطی پر متنبہ نہ ہو سکے، چنانچہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایلاء کا ذکر کر کے لکھا ہے: ”اتفاق یہ کہ اس زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گر پڑے اور ساقِ مبارک پر زخم آیا......الخ“۔ اور لکھا ہے: ”۹ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایلاء کیا تھا اور نیز گھوڑے پر سے گر کر چوٹ کھائی تھی تو ایک مہینہ تک اسی (بالاخانہ) پر اقامت فرمائی تھی۔“(۱)

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب میں نماز کا ذکر ہے اور حدیثِ مبارکہ میں بھی مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے ساتھ بالاخانہ میں نماز پڑھی، وہ بالاخانہ اور اس کا زینہ لکڑی کا تھا، یہ بات علامہ ابن بطال رحمہ اللہ کی ہے۔

اس پر علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو اس پر دلالت کرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکڑی پر نماز ادا فرمائی، کیونکہ یہ بات تو معلوم ہوئی ہے کہ بالاخانہ کا زینہ کھجور کی شاخوں کا تھا، لیکن خود بالاخانہ کس چیز کا تھا؟! اس پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ نیز یہ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض چھت پر بیان کرنے کی دلالت ہو، وہ ٹھیک ہے، اس طرح کہ بالاخانہ کی زمین کو مجازاً چھت کہنا درست ہے۔(۲)

اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بالاخانہ لکڑی کا تھا، صرف زینے کی لکڑی کا ذکر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ باقی بالاخانہ کسی اور چیز کا ہو، پس وہ احتمال جو علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے اس احتمال سے زیادہ قوی نہیں ہے، جو ہم نے ذکر کیا ہے۔(۳)

مسئلہ اقتداء القائم خلف الجالس(٤)

اولاً اس میں اختلاف ہے کہ قائم کے لیے جالس کا امام بننا (یعنی: جو شخص کسی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز

(١) أنوار الباري: ١١/١٤٨

(٢) شرح ابن بطال: ٢/٤٧، شرح الكرماني: ٤/٤٣

(٣) عمدة القاري: ٤/١٥٥، ١٥٦

(٤) اقتداء القائم خلف الجالس کے موضوع پر حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی تقریر ”فضل الباری“ میں انتہائی =

پڑھنے کی قدرت نہ رکھتا ہو اور بیٹھ کر نماز پڑھتا ہو، اس کا ایسے آدمی کے لیے امام بننا جو قادر علی القیام ہو) صحیح ہے یا نہیں؟

امام مالک رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کا مسلک

امام مالک رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ قائم کے لیے جالس کی امامت ہی صحیح نہیں ہے۔(۱) (لہٰذا قادر علی القیام کے لیے ایسے شخص کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے، جو قیام سے عاجز ہو۔) اور (اس پر مرض الوفات کے واقعہ سے جو اشکال ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے بیٹھ کر امامت فرمائی اور لوگوں نے کھڑے ہو کر اقتداء کی اس کا جواب یہ ہے کہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت مانتے ہیں۔(۲)

انہوں نے خصوصیت کی دلیل میں ایک حدیث بھی پیش کی ہے، جس میں آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"لا يؤمَّنَّ أحدٌ بعدي جالساً". (۳)

(یعنی: میرے بعد کوئی بیٹھ کر امامت نہ کرے)۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو اس مسئلہ کے لیے فیصلہ کن

= تفصیلی بحث موجود تھی، حضرت شیخ الحدیث صاحب زید مجدہ العالی سے مشاورت اور ان کی اجازت سے یہاں اس کے حواشی سمیت بعینہ نقل کی جاری ہے۔

(۱) المدونة الكبرىٰ: ١/١٧٤، تسهيل المسالك إلىٰ هداية السالك إلىٰ مذهب الإمام مالك: ٢/٤٩٦، بداية المجتهد: ١/٣٦٨، موطا إمام محمد، ص: ١١٦، ١١٧، شرح معاني الآثار: ١/٢٧٣، عمدة القاري: ٣/٣٣٢

(٢) قال الطحاوي في شرح معاني الآثار: "وكان محمد بن الحسن يقول: لا يجوز لصحيح أن يأتم بمريض يصلي قاعداً، وإن كان يركع ويسجد. ويذهب إلىٰ ما كان مِن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم قاعداً في مرضه بالناس وهم قيام: مخصوص، لأنه قد فعل فيها مالا يجوز لأحدٍ بعده أن يفعله......إلخ.(شرح معاني الآثار: ١/٢٧٣) نیز دیکھیے :المحلىٰ لابن حزم: ٣/٤٥.

(٣) أخرجه محمد في الموطأ(ص: ١١٧)، والبيهقي في سننه الكبرىٰ: (٣/٨٠)قال محمد: حدثنا أحمد، أخبرنا إسرائيل بن يونس بن أبي إسحاق السبيعي، عن جابر بن يزيد الجعفي، عن عامر الشعبي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "لا يؤمن الناس أحد بعدي جالساً".

تھی۔مگر افسوس ہے کہ اس کا راوی ''جعفر جعفی'' ہے، جو سخت مجروح ہے(۱)

حتیٰ کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ جیسے محتاط شخص سے منقول ہے کہ "ما رأيت أكذب من جابر الجعفي"(۲) گو بعض ائمہ نے اس کی توثیق کی ہے، مگر اکثر ائمہ اس کی جرح پر متفق ہیں(۳) اس کے علاوہ یہ روایت مرسل بھی ہے۔

قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ نے خصوصیت کی تائید میں لکھا ہے کہ ''کبھی کبھی حال اور واقعہ کی نوعیت خود وجہِ تخصیص بنتی ہے، اور یہاں ایسا ہی ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سید المخلوقات اور امام ائمہ ہیں، آپ علیہ السلام کا عوض و بدل کوئی نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر کوئی شخص نہیں لاسکتا، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موجود ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدل اور قائم مقام (اور امام) دوسرا کوئی نہیں بن سکتا، اس لیے آپ علیہ السلام کے حق میں بحالتِ امامت جلوس کا تحمل کرلیا گیا''۔(۴)

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ(۵) عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے آپ علیہ السلام نے خود نماز پڑھی ہے۔(۶)

---

(١) قال البيهقي في سننه الكبرىٰ: (٨٠/١): قال علي بن عمر: لم يروه غير جابر الجعفي، وهو متروك، والحديث مرسل، لا تقوم به حجة ......قال الشافعي: "قد علم الذي احتج بهٰذا أن ليست فيه حجة وأنه لا يثبت، لأنه مرسل؛ ولأنه عن رجل يرغب الناس عن الرواية عنه".(وانظر أيضاً فتح الباري، كتاب الأذان، باب إنما جعل الإمام ليؤتم به: ١٧٥/٢

(٢) الكامل في ضعفاء الرجال: ٣٢٨/٢، تهذيب الكمال: ٣٠٦/٣

(٣)الجرح والتعديل: ٤٩٧/٢، الكامل في ضعفاء الرجال: ٣٢٧/٢، تهذيب الكمال: ٣٠٤/٣، ميزان الاعتدال: ٣٧٩/١، الكاشف في معرفة من له الرواية في الكتب الستة: ١٣١/١، تقريب التهذيب: ٨٥/١. قال الذهبي في الكاشف: وثقه شعبة فشذ، وتركه الحفاظ.

(۴) ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ کی اصل عبارت عارضة الأحوذي، كتاب الصلاة، باب إذا صلىٰ الإمام قاعداً فصلوا قعوداً: ١٥٩/٢، ١٦٠ میں دیکھیں۔

(٥) كما أجاب به الحافظ في الفتح (١٧٥/٢)

(٦)أخرجه مسلم في صحيحه (١٨٠/١) من طريق عباد بن زياد عن عروة بن المغيرة بن شعبة أن المغيرة بن شعبة أخبره: "أنه غزا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم تبوك، فتبرز رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل =

(اس لیے یہ کہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں دوسرا کوئی امام نہیں بن سکتا، درست نہیں)۔

اس کے جواب میں وہ لوگ کہتے ہیں کہ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آپ علیہ السلام کی عدمِ موجودگی میں امام بن گئے تھے، آپ بعد میں آکر نماز میں شامل ہوگئے۔ غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسبوق تھے، جب کہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ابتداء سے کوئی آپ کا عوض نہیں ہوسکتا۔

جمہور کا مذہب

جمہور ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ جالس کی امامت (قادر علی القیام کے لیے) جائز ہے۔(۱)

مسئلہ مذکورہ میں دوسرا اختلاف

پھر اختلاف اس میں ہے کہ ایسی حالت میں (جب کہ امام بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو) مقتدی کیا کریں گے؟ (آیا وہ بھی امام کی اقتداء میں نماز بیٹھ کر پڑھیں گے یا قادر علی القیام ہونے کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے)۔

اکثر فقہاء کا مسلک اور اس کی دلیل

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ و امام شافعی رحمہ اللہ اور اکثر علماء فقہاء کے نزدیک (ایسی حالت میں) مقتدی کے لیے جلوس جائز نہیں، (۲) کیوں کہ (نماز کے اندر) قیام نصِ قرآنی سے فرض ہے (چناں چہ قرآن عزیز میں ہے): ﴿وقوموا لله قانتين﴾ (البقرة:۲۳۸)، جو بلا عذر ساقط نہیں ہوسکتا اور یہاں امام تو بے شک معذور ہے

= الغائط، فحملت معه إداوة قبل صلاة الفجر، فلما رجع رسول الله صلى الله عليه وسلم إليَّ أخذت أهريق على يديه من الإداوة، وغسل يديه ثلاث مرات ...... ثم توضأ على خفيه، ثم أقبله. قال المغيرة: فأقبلت معه، حتى وجد الناس قد قدموا عبد الرحمن بن عوف، فصلى لهم، فأدرك رسول الله صلى الله عليه وسلم إحدى الركعتين، فصلى مع الناس الركعة الآخرة، فلما سلم عبد الرحمن بن عوف قام رسول الله صلى الله عليه وسلم يتم صلاته".

(۱) المحلىٰ لابن حزم: ۳/ ۵۰، فتح الباري: ۲/ ۱۷۵، عمدة القاري: ۳/ ۳۳۲

(۲) شرح معاني الآثار: ۱/ ۲۷۳، عمدة القاري: ۳/ ۳۳۲، كتاب الأم: ۱/ ۱۷۱، المجموع: ۴/ ۲۳۱، شرح صحيح مسلم للنووي: ۱/ ۱۷۷

مگر مقتدیوں کے لیے کوئی عذر نہیں، تو ان سے قیام کیسے ساقط ہوگا؟

ظاہریہ کا قول

ظاہریہ کہتے ہیں کہ مقتدیوں کو بھی اس صورت میں جالساً نماز پڑھنی چاہیے۔ ان کے نزدیک اس صورت میں مقتدیوں پر جلوس واجب ہے۔(۱) امام ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ نے اس میں اتنی تخصیص کی ہے کہ اگر کوئی مقتدی مکبّر و مُسمع تکبیر (یعنی: امام کی تکبیر دوسروں تک پہنچانے والا) ہو تو وہ مستثنیٰ ہے، وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے۔(۲)

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے جو یہ استثناء کیا، اس کی دلیل مرض الموت والا واقعہ ہے، کیوں کہ اس میں تصریح ہے کہ: "كان أبو بكر يُسمعنا التكبير قياماً"(۳)

(کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور ابو بکر کھڑے ہو کر دوسروں تک تکبیر پہنچا رہے تھے)۔

اصل مسئلہ (یعنی: امام کے جالس ہونے کی صورت میں مقتدیوں پر جلوس واجب ہونے کے مسئلہ) میں ظاہریہ کی دلیل یہی حدیث الباب ہے، یعنی: سقوط عن الفرس کا واقعہ ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کھڑے کھڑے اقتداء کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارۃً ان

---

(۱) المحلی لابن حزم: ۳/۴٤، نیل الأوطار للشوكاني: ۳/۱۷۰.

(۲) اور اگر چاہے تو بیٹھ کر بھی پڑھ سکتا ہے، یعنی: اسے دونوں باتوں کا اختیار ہے (دیکھیے: المحلی: ۳/۴٤)

(۳) أخرجه البخاري في صحيحه (۱/۹۹) من طريق أبي معاوية عن الأعمش عن إبراهيم عن الأسود عن عائشة قالت: "لما ثقل النبي صلى الله عليه وسلم ......إلخ" الحديث وفيه "فجاء النبي صلى الله عليه وسلم حتى جلس عن يسار أبي بكر، فكان أبو بكر يصلي قائماً وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي قاعداً، يقتدي أبو بكر بصلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم والناس مقتدون بصلاة أبي بكر".

وأخرجه أيضاً من طريق عبد الله بن داود عن الأعمش به، وفيه: "فتأخر أبو بكر، وقعد النبي صلى الله عليه وسلم إلى جنبه، وأبوبكر يسمع الناس التكبير". (وانظر: صحيح مسلم: ۱/۱۷۸-۱۷۹، وشرح معاني الآثار: ۱/۲۷۲)

کو بیٹھ جانے کا حکم دیا) اور قولاً صاف فرمادیا کہ: "وإذا صلیٰ جالساً، فصلوا جلوساً" (۱)

اور اس کو ضابطۂ ائتمام پر متفرع فرمایا (یعنی: مذکورہ حدیث میں ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے، وہ یہ کہ امام کی اقتداء کرنا لازم ہے، اسی ضابطہ پر تفریع کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اقتداءِ امام میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جب وہ نماز بیٹھ کر پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں)۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ امام نے اگر ابتداءً نماز کھڑے ہو کر شروع کی اور مقتدی بھی کھڑے تھے، پھر نماز کے درمیان امام کو کوئی عذر طاری ہو گیا، اس لیے وہ بیٹھ گیا، تو اِس صورت میں مقتدی کھڑے ہی رہیں، امام کے بیٹھ جانے کی وجہ سے مقتدی نہ بیٹھیں۔ اور اگر ابتداء ہی سے امام نے بیٹھ کر نماز شروع کی تو اس صورت میں مقتدی بھی بیٹھ کر ہی نماز ادا کریں۔ (۲)

واضح رہے کہ حنابلہ کے نزدیک بھی جالس کا قادر علی القیام کے لیے امام بننا اسی وقت صحیح ہے، جب کہ وہ مسجد کا امامِ راتب ہو، نیز اس کا عذر ایسا ہو کہ اس کے زوال کی امید ہو، ورنہ جالس کی امامت قادر علی القیام کے لیے بالکل صحیح نہیں (۳)

گویا انہوں نے عذرِ بادی (یعنی: جو عذر ابتداء سے تھا) اور عذرِ طاری (جو ابتداءِ نماز کے وقت تو نہیں تھا، بلکہ بعد میں طاری ہوا) میں فرق کیا (کہ عذرِ بادی کی صورت میں مقتدی بیٹھ کر نماز ادا کریں اور عذرِ طاری کی صورت میں کھڑے ہو کر)۔

حنابلہ کی دلیل

صورتِ ثانیہ میں ان کی دلیل یہی سقوط عن الفرس کی حدیث ہے (کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً ہی بیٹھ کر نماز شروع کی تھی، اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز

(۱) یہاں بخاری رحمہ اللہ نے جو حدیث ذکر کی ہے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل اور مذکورہ الفاظ کا ذکر نہیں ہے۔ دراصل بخاری رحمہ اللہ نے حدیث مختصراً ذکر کی ہے، ورنہ نفسِ حدیث میں مذکورہ عمل اور الفاظ کا بھی ذکر ہے۔

(۲) عمدة الفقه لابن قدامة ص۲۶، المغني: ۲/ ۲۲۰-۲۲۳، فتح الباري: ۲/ ۱۷۶، نيل الأوطار: ۳/ ۱۷۱

(۳) (دیکھیے: المغنی ج۲، ص۲۲۳)

پڑھنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارۃً انہیں بیٹھنے کا حکم کیا)۔

اور صورتِ اولیٰ میں ان کی دلیل مرض الموت کا واقعہ ہے(۱)، کیوں کہ وہاں ابتداءً ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (بحیثیتِ امام) نماز کھڑے ہوکر شروع کرائی تھی، پھر اثناءِ صلاۃ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاکر (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جگہ امام بنے)۔ چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مریض تھے، اس لیے آپ صلی اللہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ اب چوں کہ آپ علیہ السلام کی امامت بحالتِ عذر اثنائے صلاۃ میں طاری ہوئی اور ابتداءً ابوبکر امام تھے، جو کھڑے ہوکر نماز پڑھا رہے تھے، تو گویا ایسی صورت ہوئی کہ ایک امام نے کھڑے ہوکر نماز شروع کی اور اثنائے نماز میں عذر پیش آنے کی وجہ سے بیٹھ گیا، لہٰذا مقتدی سب کھڑے ہی رہے۔

حنابلہ کے استدلال کی یہ تقریر خود انہوں نے کی ہے(۲)، مگر شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ نے ان کی اس دلیل کی تقریر ایک اور طرز پر کی ہے(۳)، وہ یہ کہ: فقہ کا قاعدہ ہے کہ معذور جس رکن میں کھڑا ہوکر ادا کر سکے، اس کو کھڑا ہوکر ہی ادا کرنا فرض ہے، لہٰذا گو روایتوں میں تصریح نہیں آئی، مگر اس قاعدہ کا مقتضیٰ یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لاکر کھڑے کھڑے ہی تحریمہ ادا کرلیا ہوگا (کیوں کہ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر قادر تھے) پھر بیٹھے ہوں گے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بھی کھڑے ہوکر ہی شروع ہوئی پھر قعود طاری ہوا۔

---

(۱) أخرجها البخاري في صحيحه (۱/۹۹) ومسلم في صحيحه (۱/۱۷۸) -واللفظ للبخاري -من حديث عائشة قالت: "لما ثقل رسول الله صلى الله عليه وسلم جاء بلال يؤذنه بالصلاة، فقال: مروا أبابكر أن يصلي بالناس. فقلت: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم، إن أبابكر رجل أسيف، وإنه متى ما يقم مقامك لا يسمع الناس، فلو أمرت عمر، فقال: مروا أبا بكر يصلي بالناس، فقلت لحفصة: قولي له: إن أبا بكر رجل أسيف، وإنه متى يقم مقامك لا يسمع الناس، فلو أمرت عمر، قال: إنكن صواحب يوسف، مروا أبا بكر أن يصلي بالناس.

فلما دخل في الصلاة وجد رسول الله صلى الله عليه وسلم في نفسه خفة، فقام يهادي بين رجلين ورجلاه تخطان في الأرض حتى دخل المسجد، فلما سمع أبوبكر حسه، ذهب أبو بكر يتأخر، فأوما إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم، فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى جلس عن يسار أبي بكر، فكان أبو بكر يصلي قائماً، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي قاعداً، يقتدي أبو بكر بصلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم والناس مقتدون بصلاة أبي بكر".

(۲) دیکھیے: مغنی لابن قدامه ج۲ ص۲۲۳

(۳) دیکھیے: فتح القدير ج۱ ص ۳۲۲

لہذا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کو (استدلال میں) ملانے کی ضرورت نہیں ہے۔

بہر تقدیر، حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ اس واقعہ میں امام کی نماز قیاماً شروع ہوئی، خواہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کے اعتبار سے ہو، جیسا کہ حنابلہ نے تقریر کی، یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی امامت کے اعتبار سے، جیسا کہ امام ابن الہمام رحمہ اللہ نے کہا۔

مسئلہ مذکورہ میں جمہور کی ایک اور دلیل

(اس مسئلہ میں نصِ قرآنی کے علاوہ) جمہور کی (ایک اور) دلیل واقعۂ مرض الموت ہے۔ (وجہ استدلال یہ ہے کہ) اس میں آپ علیہ السلام امام تھے جالساً۔ اور مقتدی سب کھڑے ہوئے تھے۔

حدیثِ سقوط عن الفرس اور جمہور

باقی سقوط عن الفرس کی حدیث کا ان کی طرف سے مشہور جواب جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اختیار کیا، یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے، مرض الموت کی حدیث سے، کیوں کہ مرض الموت کا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری واقعہ ہے۔ اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ دو جگہ تصریح کریں گے کہ: "قال أبو عبد الله: إنما يؤخذ بالآخر، فالآخر من فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم......إلخ. (۱)

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مرض سقوط عن الفرس ۵ھ میں ہوا تھا۔ (۲)

مرض الموت کی حدیث سے جمہور کے استدلال پر امام ابن حزم رحمہ اللہ کی نکتہ چینی

لیکن امام ابن حزم رحمہ اللہ ظاہری نے یہاں (حدیثِ مرض الموت میں) ایک عجیب بحث پیدا کر دی (۳) کہ

---

(۱) یہ صاف تصریح بخاری میں صرف ایک جگہ پر (ج ۱، ص ۹۶، قبيل باب متى يسجد من خلف الإمام) آئی ہے، اور دوسری جگہ پر (ج ۱، ص ۹۵ باب إنما جعل الإمام ليؤتم به) امام بخاری نے نسخ کی طرف ان الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے: "وصلى النبي صلى الله عليه وسلم في مرضه الذي توفي فيه، بالناس وهو جالس" - حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں (ج ۲ ص ۲۰۴) تشریح و تعلیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "أي: والناس خلفه قياماً، ولم يأمرهم بالجلوس، كما سيأتي، فدل على دخول التخصيص في عموم قوله: "إنما جعل الإمام ليؤتم به".

(۲) صحيح ابن حبان: ۳/ ۲۸۱، كتاب الصلاة، باب فرض متابعة الإمام.

(۳) دیکھیے: المحلى: ۳/ ۴۷

صحابہ رضی اللہ عنہم مرض الموت کے واقعہ میں آپ علیہ السلام کے پیچھے کھڑے تھے، اس کی تصریح کہاں ہے؟ صحاح میں اس کی تصریح کہیں بھی نہیں۔ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق "قیاماً" کی تصریح آتی ہے (۱) اور (دوسروں کو ان پر قیاس کرنا صحیح نہیں، کیوں کہ) وہ بوجہِ مسمعِ تکبیر (اور مکبّر) ہونے کے مستثنیٰ ہیں، جیسا کہ موقف (اور نماز میں مصلّی کے مقام) کے اعتبار سے ان کو مستثنیٰ رکھا گیا، کیوں کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے آنے کے بعد) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مقتدی ہو گئے تھے اور مقتدی کا موقف امام کے پیچھے صفوف مقتدین میں ہوتا ہے، حالاں کہ روایتوں میں مصرح ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ علیہ السلام کے جنب (یعنی: آپ کی جانب) میں کھڑے ہو گئے۔ (۲)

یہ اس لیے تھا کہ مکبّر بن کر جماعت کو امام کے انتقالات سے مطلع کرتے رہیں۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ ان کا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بھی اسی مقصد کے لیے ہوگا۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی یہ دعویٰ کیا ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ (مرض الموت کے واقعے میں) باقی سب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بیٹھ گئے ہوں گے، کیوں کہ قصہٴ سقوط عن الفرس میں جب دیکھ چکے (کہ آپ علیہ السلام کے پیچھے کھڑے کھڑے اقتداء کرنے کی وجہ سے ان کو بیٹھ جانے کا حکم دیا گیا) اور "إذا صلى الإمام جالساً، فصلوا جلوساً" کا صریح امر سن چکے تھے تو پھر بعید بلکہ ناممکن ہے کہ سب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کے خلاف عمل کریں اور مرض الموت کے واقعہ میں پھر اس منہی وممنوع پر عمل درآمد رکھیں اور آپ علیہ السلام کے پیچھے کھڑے ہو کر اقتداء کرتے رہیں، کیوں کہ "إذا صلى الإمام جالساً، فصلوا جلوساً" کے خلاف آپ علیہ السلام سے اور کوئی چیز ثابت نہیں ہوئی تھی، جس کی بناء پر صحابہ رضی اللہ عنہم اس مرض الموت کے واقعہ میں اُس کے خلاف عمل درآمد رکھتے (پس ظاہر یہی ہے کہ دوسرے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس واقعہ میں بیٹھ کر نماز پڑھی نہ کہ کھڑے ہو کر)۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ کے اس دعویٰ نے جمہور کے استدلال میں ایک زلزلہ ڈال دیا! کیوں کہ جمہور کا سرمایہ اس مسئلہ میں یہی مرض الموت کا قصہ ہے، اسی کو دوسری احادیث کے لیے (جن میں امام کے جالس ہونے

(۱) انظر التعليق: ۱۰۷

(۲) كما أخرج مسلم في صحيحه (۱/ ۱۷۹) من طريق عيسىٰ: "فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي بالناس، وأبو بكر إلىٰ جنبه". (وانظر التعليق: رقم ۱۰۷)

کی صورت میں مقتدیوں کو بھی جلوساً نماز پڑھنے کا اَمر کیا گیا) وہ ناسخ بناتے ہیں اور اسی پر اقتداءِ قائم خلف الجالس کے ثبوت کا انحصار ہے۔ (جب کہ) امام ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قصہ مذکورہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی قیاماً اقتداء کا سرے سے کوئی ثبوت ہی نہیں، بلکہ ظاہرِ حال اس کے خلاف ہے، کما مر آنفاً.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی جمہور کے طرف سے دفاع کی کوشش:

امام ابن حزم رحمہ اللہ کے اس دعوئی کے خلاف خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جیسے وسیع النظر شخص نے بہت ہی جدوکد، چھان بین اور کوششِ بلیغ کے بعد ایک منقطع حدیث جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، پیش کی، جس میں تصریح ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ (۱)

پھر حضرت عطاء (بن رباح رحمہ اللہ) کا مرسل بھی اسی کے موافق پیش کیا ہے (۲)، کیوں کہ ان کے نزدیک (یعنی: شافعیہ کے نزدیک) علی الانفراد نہ منقطع حجت ہے نہ مرسل (۳)، مگر ایک کی دوسرے سے تائید ہوگئی، اس لیے قابلِ استدلال ہوگیا۔

خیر! حافظ رحمہ اللہ کی بات پر ہم تو قناعت کر سکتے ہیں، لیکن ابن حزم جیسا سخت مزاج جس میں اتنی حدت ہے کہ کسی بڑے سے بڑے کو نہیں چھوڑتا، چناں چہ! مشہور ہے کہ حجاج کی تلوار اور ابن حزم رحمہ اللہ کا قلم برابر ہے! ایسا شخص اس منقطع اور مرسل پر قناعت وسکوت کس طرح کر سکتا ہے؟ خصوصاً ایسی حدیث کے نسخ کے لیے جو متفق علیہ ہے، یعنی سقوط عن الفرس کی حدیث، پھر جس مرسل کا حوالہ دیا گیا ہے وہ عطاء (بن ابی رباح) کا مرسل ہے جو بالاتفاق مراسیل میں بہت زیادہ ضعیف سمجھا جاتا ہے۔ (۴)

---

(۱) فتح الباري: ۱۷۷/۲، کتاب الصلاة، باب إنما جعل الإمام ليؤتم به.

(۲) أخرجه عبد الرزاق في مصنفه (۴۵۸/۲) عن ابن جريج عن عطاء قال: .... فذكر الحديث، وفيه: "فصلى النبي صلى الله عليه وسلم للناس قاعداً، وجعل أبا بكر بينه وبين الناس، وصلى الناس وراءه قياماً، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لو استقبلت من أمري ما استدبرت، ما صليتم إلا قعوداً .... ما كان يصلي قائماً فصلوا وإن صلى قاعداً فصلوا قعوداً.

(۳) دیکھیے: مقدمه ابن الصلاح ص۲۰۷، شرح نخبة الفكر، ص: ۵۰، ۵۱

(۴) شرح علل الترمذي، ص: ۱۷۲، ۱۷۴، ۱۹۰، وتهذيب الكمال: ۵۳/۱۳ (ترجمة عطاء بن أبي رباح)

امام ابن حزم رحمہ اللہ کا مزید دعویٰ

اس کے بعد امام ابن حزم رحمہ اللہ نے ایک بہت بڑی مؤثر بات لکھی ہے(۱)

کہ اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا تعامل جہاں تک ہم کو ملتا ہے، تلاش کرنے سے صرف چار صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل دستیاب ہوا ہے: حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت اُسید بن حُضیر اور حضرت قیس بن قہد رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے دو تین کا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کا ہے، ان چاروں کا عمل یہی منقول ہے کہ انہوں نے عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ان کے پیچھے سب مقتدین نے بیٹھ کر نماز پڑھی۔(۲)

---

(۱) المحلى لابن حزم: ۳/۴۹، ۵۰

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (متوفی: ۴۵۶ھ) سے بہت پہلے حافظ ابن حبان رحمہ اللہ (متوفی: ۳۵۴ھ) نے تقریباً یہی بات لکھی ہے، چناں چہ وہ اپنی صحیح (۳/۲۷۲) میں لکھتے ہیں:

"في هذا الخبر واضح أن صلاة المأمومين قعوداً إذا صلى إمامهم قاعداً من طاعة الله جل وعلا......وهو عندي ضرب من الإجماع الذي أجمعوا على إجازته، لأن من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أربعة أفتوا به: جابر بن عبد الله، وأبو هريرة، وأسيد بن حضير، وقيس بن قهد. والإجماع عندنا إجماع الصحابة ...... ولم يرو عن أحمد من الصحابة خلاف لهؤلاء الأربعة، لا بإسناد متصل ومنقطع، فكأن الصحابة أجمعوا على أن الإمام إذا صلى قاعداً كان على المأمومين أن يصلوا وقعودا......".

(۲) علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت اسید بن حضیر رحمہ اللہ کا تو عمل نقل کیا ہے، مگر حضرت ابو ہریرہ کا عمل نہیں، بلکہ قول یعنی: ان کا فتوی نقل کیا ہے، نیز قیس بن قہد رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل نہیں، ان کی روایت سے ان کے محلہ کے ایک امام کا عمل نقل کیا ہے۔(دیکھیے: المحلی)

وقال الحافظ في الفتح (۲/۱۷٦، كتاب الصلاة، باب إنما جعل الإمام ليؤتم به): "......... روى عبد الرزاق -في مصنفه: ۲/٤٦۲ - بإسناد صحيح عن قيس بن قهد: أن إماما لهم اشتكىٰ على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: فكان يؤمنا وهو جالس ونحن جالس. وروى ابن منذر بإسناد صحيح - وابن أبي شيبة في مصنفه: ۲/۲۲٥- عن أسيد بن حضير: أنه كان يؤم قومه، فاشتكى، فخرج إليهم بعد شكواه =

یہ لکھ کر امام ابن حزم رحمہ اللہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس کے خلاف کسی ایک صحابی کا عمل یا اُن کے اِس عمل پر کسی ایک صحابی کا انکار بسندِ صحیح تو کُجا، بسندِ ضعیف ہی ثابت کردو۔(۱)

یقین ہے کہ تم ایسا ثابت نہیں کرسکتے، حالاں کہ اُن کا یہ عمل کسی گوشۂ بیت میں مخفی طور پر نہیں ہوا کہ کسی کو اطلاع نہ ہوئی ہو، جماعتِ (نماز) میں واقع ہوا، جس میں کتنے ہی صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم شریک ہوں گے۔ لیکن اس پر کسی نے انکار نہیں کیا، تو یہ بمنزلۂ اجماعِ سکوتی ہوگیا۔(۲)

ابن حزم رحمہ اللہ کے سب دلائل ودعویٰ کا جواب میرے پاس موجود ہے۔ مگر یہ جو اخیر کی بات انہوں نے کہی، یعنی: تعاملِ صحابہ رضی اللہ عنہم؛ آج تک اس کے متعلق کوئی تشفی بخش جواب مجھے نہیں ملا۔ حضرت انور شاہ صاحب مرحوم کی زندگی میں میں نے متعدد دفعہ ان سے اس کے متعلق گفتگو کی، مگر اُن جیسا وسیع النظر شخص بھی جسے گویا علوم کا چلتا پھرتا کتب خانہ کہنا چاہیے، اس کے خلاف کوئی نقل پیش نہیں کرسکا۔(۳) بہرحال یہ چیز واقعی خلجان کا موجب ہے۔

باقی امام ابن حزم رحمہ اللہ کا پہلا مطالبہ کہ مرض الموت میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوکر نماز پڑھی تھی، اس کی تصریح کہاں ہے؟ تو مدت تک میں تلاش جاری رکھی کہ کوئی متصل روایت قابلِ احتجاج، اس کے متعلق مل جائے، لیکن مجھے نہیں ملی، اسی حالت پر میں فتح الملہم میں یہ مقام لکھ چکا تھا، ابھی اس کے چھپنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کا ''الرسالہ'' دیکھا جو اصولِ (فقہ) میں ہے، اور (امام شافعی رحمہ اللہ کی) کتاب الأم'' کے ساتھ مصر میں چھپا ہے۔ اس میں انہوں نے یہی مرض الموت کی

= ...... فصلى بهم قاعداً وهم قعود ...... وروى ابن شيبة -في مصنفه: ٢/٢٢٤- بإسناد صحيح عن جابر: أنه اشتكىٰ، فحضرت الصلاة، فصلى بهم جالساً وصلوا معه جلوساً. وعن أبي هريرة أنه أفتى بذلك، وإسناده صحيح أيضاً".

(۱) یہ بات ابن حزم رحمہ اللہ کے کلام میں نہیں ملی، البتہ حافظ ابن حبان رحمہ اللہ نے ایسا دعویٰ کیا ہے (انظر التعليق: ١٢٢)

(۲) یہ اخیر کا حصہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا اضافہ ہے، ابن حزم رحمہ اللہ کا کلام نہیں۔

(۳) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ابن حبان رحمہ اللہ اور ابن حزم رحمہ اللہ کے اس دعویٰ کو تسلیم کرلیا، اسے رد نہ کرسکے۔ (دیکھیے: فتح الباري: ٢/١٧٧)

حدیث نقل کی ہے(۱)، اس میں امام نے اپنی اسناد سے موصولاً روایت کیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قیاماً آپ علیہ السلام کی اقتداء کی۔(۲)

اس روایت کے رجال ثقات ہیں اور اسناد مستقیم ہے۔

البتہ اس میں ایک بات بہت ہی مستبعد معلوم ہو رہی تھی، کہ یہ موصول روایت رسالۂ امام شافعی میں موجود ہے، لیکن حافظ رحمہ اللہ کو اس کی خبر نہیں ہوئی، یہ بہت ہی بعید ہے۔ مگر جس مطبع میں یہ رسالہ چھپا ہے، انہوں نے اس استبعاد کا ازالہ کر دیا کہ ناشر نے حاشیہ پر لکھ دیا کہ بعض نسخوں میں یہ روایت ساقط ہوگئی ہے، تو اب استبعاد کی کوئی بات نہ رہی، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ حافظ صاحب رحمہ اللہ کو وہی نسخہ ملا ہو، جس میں یہ روایت موجود نہ تھی۔(۳)

---

(۱) انظر: الرسالة، ص: ۲۵۲، ۲۵۳

(۲) "الرسالة" کی روایت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے قیاماً اقتدا کرنے کی تصریح تو ہے، لیکن اس میں یہ روایت متصل نہیں ہے، بلکہ معلق ہے، چناں چہ امام شافعی رحمہ اللہ کی عبارت یوں ہے:

"...... وذكر إبراهيم النخعي عن الأسود بن يزيدعن عائشة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر مثل معنى حديث عروة: "أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى قاعداً، وأبو بكر قائماً يصلي بصلاة النبي، وهم وراء ه قياماً".

تو یہ روایت امام شافعی رحمہ اللہ نے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے تعلیقاً ذکر کی ہے، ہاں "الرسالة" کے بعض نسخوں میں یہ روایت سند متصل کے ساتھ مروی ہے کہ:

"قال الشافعي رحمه الله : أخبرنا يحىٰ بن حسان عن حماد بن سلمة عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضي الله عنها، مثل حديث مالك، وبين فيه أن قال: صلى النبي صلى الله عليه وسلم قاعداً، وأبو بكر خلفه قائماً، والناس خلف أبي بكر قيام". (حاشية الرسالة، ص: ۲٥٤).

مگر بعض نسخوں کے اس جز کے بارے میں "الرسالة" کے نامور محقق محدث کبیر علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وهذه الزيادة ليس لها أصل في كتاب الرسالة، فلا توجد في أصل الربيع، ولم تذكر في النسخة المقروء ة على ابن جماعة، ولا في غيرها ......".

(۳) جیسا کہ اوپر گذرا، صحیح نسخوں میں یہ روایت موصولاً موجود نہیں ہے۔

اس کے بعد نصب الرایہ کو دیکھا، انہوں نے بھی اس روایت کو متعدد طرق سے موصولاً روایت کیا ہے(۱)، اور سند مستقیم ہے۔ پھر امام حازمی رحمہ اللہ کی ''کتاب الناسخ والمنسوخ'' میں بھی یہ روایت موجود ہے۔(۲)

بہرحال اب یہ تو اطمینان ہوگیا کہ مرض الموت کے واقعہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوکر نماز پڑھی، اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ جیسے وسیع النظر امام نے مکرر تصریح کی ہے: ''إنما یؤخذ بالآخِر فالآخر'' معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ بات بالکل محقق تھی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس واقعہ میں کھڑے ہوکر ہی نماز پڑھی ہے۔

جمہور کے مسلک پر چند اشکالات

۱- ''إذا صلى الإمام جالساً، فصلوا جلوساً'' کے قائلین کہتے ہیں کہ واقعۂ مرض الموت میں نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے (قیاماً نماز پڑھنے کی) کوئی تلقین ہے، نہ کوئی قول ہے۔ اور (برخلاف اس کے) سقوط عن الفرس کے قصہ میں إذا صلى الإمام جالساً، فصلوا جلوساً (کے ذریعے) ایک قانونِ کلی اور عام ضابطہ بیان ہوا ہے۔ اور عموماً علماء، خصوصاً حنفیہ قول وقانونِ کلی کی رعایت وتحفظ زیادہ کرتے ہیں، بنسبت واقعاتِ جزئیہ کے۔ تو (یہاں) ضابطہ وقانونِ کلی اور قول تو ''إذا صلى الإمام جالساً، فصلوا جلوساً'' ہے اور اس کے مقابلہ میں جو چیز پیش کی جارہی ہے (یعنی: مرض الموت کا قصہ) وہ کوئی قول وقانون نہیں، محض ایک واقعہ جزئیہ ہے، جس میں خصوصیت وغیرہ کا احتمال قائم ہے۔ لہٰذا عام ضابطہ بحال رکھتے ہوئے مرض الموت کے

---

(۱) ''نصب الرایہ'' میں نفس حدیثِ مرض الموت موصول طرق سے موجود ہے، مگر ان میں ''قیام مأمومین'' کی تصریح نہیں ہے۔ ''قیام مأمومین'' کی تصریح والی روایت صرف بیہقی کی ''معرفۃ السنن والآثار'' کے حوالے سے آئی ہے، مگر امام زیلعی رحمہ اللہ نے اس کی سند ذکر نہیں کی۔ (دیکھیں: نصب الراية: باب الإمامة، الحديث الحادي والسبعون، ج۲، ص ٤١-٤٦)

(۲) امام حازمی رحمہ اللہ کی روایت میں صرف قیام ابی بکر کی تصریح ہے، چناں چہ! اس کے الفاظ یہ ہیں:

''...... فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم، حتىٰ جلس عن يسار أبي بكر. قالت -عائشة-: فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي بالناس جالساً، وأبو بكر قائم، يقتدي أبو بكر بصلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم والناس تقتدون بصلاة أبي بكر''. قال الحازمي رحمه الله: هذا حديث صحيح ثابت (الاعتبار في الناسخ والمنسوخ للحازمي: ج١، ص٤١٦)

واقعہ میں کچھ تاویل کرلی جائے یا اسے خصوصیت پر محمول کیا جائے۔

اور یہ بات خصوصیت کی تائید کرتی ہے کہ اس واقعہ میں بعض عمل ایسے ہوئے جو بالاتفاق خصوصیت پر محمول ہوں گے(۱)، وہ یہ کہ استخلافِ امام (یعنی: امام کا دورانِ نماز دوسرے کو اپنا خلیفہ بنانا) یا تو حدث کی وجہ سے ہوتا ہے، یا مقدارِ مایجوز بہ الصلاۃ پڑھنے سے پہلے حصر (یعنی: قراءت سے عاجز) ہو جانے کی وجہ سے، بغیر کسی عذر کے استخلاف کسی مشہور مذہب میں جائز نہیں، چناں چہ! درمختار(۲) میں جہاں استخلاف کا مسئلہ بیان کیا، چونکہ یہ واقعہ (مرض الموت) ان کے قواعد کے خلاف تھا، اس لیے انہوں نے یہ تأویل کردی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حصر ہو گیا ہوگا (اسی وجہ سے آپ علیہ السلام ان کی جگہ امام بن گئے)۔ مگر یہ چیز روایت سے کہیں ثابت نہیں ہوتی، لہٰذا لامحالہ اس واقعہ میں استخلاف بدونِ عذر کو خصوصیت پر محمول کرنا ہوگا۔

اسی طرح فاتحہ جو رُکن یا واجب ہے، اس کا کل یا ایک حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فوت ہو گیا، کیوں کہ آپ علیہ السلام نے نہ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کی تاکہ ان کی قراءت حکماً آپ علیہ السلام کے حق میں قراءت سمجھی جاتی، بلکہ آپ آتے ہی خود امام بن گئے، اور نہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوت شدہ فاتحہ کو پڑھا، بلکہ جہاں سے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قراءت چھوڑی تھی، وہیں سے آپ علیہ السلام نے شروع کردی، جیسا کہ روایات سے ثابت ہے(۳)، تو لامحالہ اس کو بھی خصوصیت پر محمول کرنا پڑے گا۔

---

(۱) كما قال الطحاوي في شرح معاني الآثار(۱/۲۷۳): "...... ويذهب محمد بن الحسن إلى أن ما كان من صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم قاعداً في مرضه بالناس وهم قيام: مخصوص، لأنه قد فعل فيها ما لا يجوز لأحد بعده أن يفعله من: أخذه في القراءة من حيث انتهى أبو بكر، وخروج أبي بكر من الإمامة إلى أن صار مأموماً في صلاة واحدة، وهذا لا يجوز لأحد من بعده باتفاق المسلمين جميعاً، فدل ذلك على أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد كان خص في صلاته تلك بما منع غيره".

(۲) (ج: ۱، ص: ٦٠٤)

(۳) أخرج أحمد في مسنده (۱/۲۰۹) من طريق أرقم بن شرحبيل عن ابن عباس، عن عباس بن عبد المطلب: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: في مرضه: "مروا أبا بكر يصلي بالناس ...... الحديث، وفيه: "ثم جلس رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى جنب أبي بكر، فاقترأ من المكان الذي بلغ أبو بكر رضي الله عنه من السورة" (قال محققوا الكتاب: صحيح لغيره). وأخرجه أبو يعلى الموصلي في مسنده =

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جنب میں آپ کے ساتھ کھڑے ہوگئے (۱)، یہ بھی قدرے خصوصیت ہی کی شان رکھتی ہے، ورنہ ان کو مقتدیوں کی صف میں کھڑا ہونا تھا۔

اِن تمام باتوں پر غور کرنے سے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ (مرض الموت کے واقعہ میں) غالباً امامتِ صدیق رضی اللہ عنہ بالکلیہ نظر انداز نہیں کی گئی، بلکہ کسی درجہ میں من وجہٍ اس کی بھی رعایت رہی ہے، گویا یوں سمجھنا چاہیے کہ اصل امام تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کو بھی بالکلیہ نظر انداز نہیں کیا گیا، بلکہ امامتِ صدیق رضی اللہ عنہ اور امامتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دوسرے میں مندرج ہوگئی تھی، اسی لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صفِ (مقتدین) سے آگے موقفِ امام میں رہے۔ اور جب ان کی امامت کی کچھ رعایت رہی تو ان کی قراءت کا بھی اعتبار رہا۔ اس تقدیر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فاتحہ کے کل یا جزء کا فوت بھی لازم نہ آیا، کیوں کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی قراءت حکماً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت ہوگئی۔

الغرض صدیق کی امامت ایک حد تک مرعیٰ (ومعتبر) رہی، بالکلیہ غیرِ معتبر قرار نہیں دی گئی، چناں چہ روایات کے الفاظ بھی اس طرف کچھ مُشیر ہیں، (مثلاً) صحابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "والناس يصلون بصلاة أبي بكر رضي الله عنه" (۲). اور ایک روایت میں ہے: "ويقتدي الناس بصلاة أبي بكر رضي الله عنه". رواه مسلم. (۳) گو ان الفاظ میں تاویل کی گئی ہے کہ مراد یہ ہے کہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تکبیرات سن کر انتقالات کرتے تھے (۴)، مگر ظاہرِ لفظ تو اسی طرف مشیر ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت قوم کے حق میں من وجہٍ اخیر تک قائم رہی، اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی کہ آپ آکر اُن کے امام بنے۔

اب جب لوگوں کے حق میں صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کو ایک طرح سے تسلیم کر لیا گیا تو کہنے والا

= (٦/٦، رقم الحديث: ٦٦٧٤)، والدارقطني في سننه (١/٣٨٢، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض جالساً بالمأمومين)، وأخرجه ابن ماجة في سننه (ص: ٨٧) مطولاً، من حديث ابن عباس به.

(١) انظر التعليق: رقم: ١٠٧، ١١٧

(٢) أخرجه مسلم في صحيحه(١/١٧٨)

(٣) ج١، ص ١٧٩

(٤) دیکھیے: فتح الباري: ١/١٥٦ (كتاب الأذان، باب حد المريض أن يشهد الجماعة)، المسوّى شرح الموطا: ١/١٧٣.

کہہ سکتا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تو نماز شروع بھی کی تھی کھڑے ہو کر، اس لیے باقی سب مقتدین کو بھی کھڑا ہی رہنا چاہیے تھا (لہٰذا اس حدیث سے یہ استدلال کہ امام جالس ہونے کی صورت میں مقتدی کھڑے ہی نماز پڑھیں گے، صحیح نہ رہا۔) ایک بات تو یہ ہے۔

۲- دوسری بات وہ ہے جو شیخ ابوالحسن سندھی رحمہ اللہ نے کہی (۱) کہ "إذا صلى الإمام جالساً، فصلوا جلوساً" یہ کوئی مستقل قاعدہ اور مستقل مسئلہ بیان نہیں کیا، بلکہ اس کو ایک دوسرے ضابطہ پر متفرع کیا ہے، یعنی: "إنما جعل الإمام ليؤتم به" اس معنیٰ ائتمام (اور حکمِ اقتداء) پر فائے تفریعیہ سے چند چیزوں کو متفرع کیا۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ "فإذا صلى جالساً، فصلوا جلوساً" تو جب وہ علتِ متفرّع علیہا یعنی وظیفۂ امامت وائتمام اب بھی موجود ہے تو اس پر متفرع ہونے والی چیز بھی باقی رہنی چاہیے، ورنہ اس کے کوئی معنیٰ نہیں کہ علت تو بعینہ باقی رہے اور اس کا اثر اس پر متفرع نہ ہو۔ (۲)

۳- تیسری بات یہ ہے کہ سقوط عن الفرس کے واقعہ میں جب لوگوں نے کھڑے ہو کر اقتداء کی تھی تو نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إن كدتم آنفاً تفعلون فعل فارس والروم" (۳) یعنی: تمہارے اس فعل میں تشبہ ہے، فارس وروم (والوں) کے عمل کے ساتھ (کیوں کہ ان کا بادشاہ بیٹھا ہوتا ہے اور

---

(۱) ولفظه: "ثم لا يخفي أنه صلى الله عليه وسلم جعل العقود الإمام من جمله الاقتداء به حكم ثابت غير منسوخ بالاتفاق، فينبغي أن يكون القعود عند قعود الإمام كذلك، وأيضاً قد أشار صلى الله عليه وسلم إلى علة تحريم القيام عند قعود الأمة بأنه يشبه تعظيم الائمة في الصلاة كتعظيم فارس والروم ملوكهم، والصلاة ليست محلاً لتعظيم غير الله، ولا شك أن هذه العلة دائمة، فينبغي أن يدوم معلولها، إذ الأصل دوام المعلول عند دوام العلة، والله تعالىٰ أعلم". (حاشية السندي على صحيح مسلم: ۱/ ۱۸۰، ۱۸۱)

(۲) مطلب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اولاً ایک عام ضابطہ اور اصول بیان فرمایا کہ امام کی اقتداء ضروری ہے، اس اصل کی چند فروعات بیان فرمائیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ امام بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں مقتدین بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں، کیوں کہ مذکورہ اصل یعنی اقتداءِ امام اسی صورت میں پائی جاتی ہے۔ اور یہ اصل اور حکمِ اقتداءِ امام اب بھی موجود ہے کہ سب کے نزدیک اقتداءِ امام ضروری ہے۔ لہٰذا اس کی یہ فرع إذا صلى الإمام جالساً، فصلوا جلوساً بھی پائی جانی ضروری ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ اصل تو موجود ہو اور اس کی فرع نہ پائی جائے۔

(۳) رواه مسلم في صحيحه (۱/ ۱۷۷)

لوگ اس کے سامنے کھڑے رہتے ہیں)، سو(امام کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے وقت مقتدیوں کے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی صورت میں) یہ تشبہ اب بھی باقی ہے، لہٰذا وہ ممانعت بھی اس وقت باقی رہنی چاہیے۔

اس اشکال کا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی طرف سے جواب:

اس اخیر بات کے جواب میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب اصولِ اسلامیہ پورے واضح اور مستقر نہ ہوئے تھے، تب تک اس تشبہ سے بچانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ: ''فإذا صلی الإمام جالساً، فصلوا جلوساً''۔ اب جب اصولِ اسلامیہ بالکل مستقر و مستحکم اور واضح ہو چکے تو جو اصل حکم نماز میں تھا (یعنی) ﴿قوموا لله قانتين﴾ (البقرة:۲۳۸)، وہی لوٹ آیا اور اُس تشبہ سے اغماض وتسامح کیا گیا، کیوں کہ امورِ اسلامیہ دوسرے امور سے بالکل واضح و متمیز ہو چکے ہیں۔(۱)

(مگر) اولاً تو اس میں یہی کلام ہے کہ مسئلہ تشبہ اب بھی باقی ہے، بالکلیہ زائل نہیں ہوا۔ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اصولِ اسلامیہ مستحکم ہونے کے بعد مسئلہ تشبہ میں کچھ اغماض کیا گیا، یا وہ معتبر نہ رہا، لہٰذا اب ﴿قوموا لله قانتين﴾ پر عمل ہونا چاہیے، تو اس میں کلام یہ ہے کہ ﴿قوموا لله قانتين﴾ (کا حکم) اب بھی عذر کی وجہ سے بالاتفاق ساقط ہو جاتا ہے (چناں چہ معذور کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے)، اور مسئلہ مانحن فیہ میں جو ہم مقتدیوں سے قیام کو ساقط کہتے ہیں یہ بھی عذر ہی کی وجہ سے ہے، اس جگہ عذر یہ ہے کہ امام بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے۔ اور حدیث نے اس مشاکلتِ صوری کو (یعنی مقتدیوں کے امامِ جالس کی مشابہت اختیار کرنے والے کو) وظیفۂ امامت وائتمام (اور مقتضائے اقتداء) میں سے قرار دیا ہے کہ (فرمایا گیا) ''إذا صلى الإمام جالساً، فصلوا جلوساً'' تو گو کوئی خارجی سبب سقوطِ قیام کے لیے نہیں، مگر معنیٔ ائتمام ووظیفۂ اقتداء کو پورا کرنے کے لیے مقتدیوں کو بیٹھنا چاہیے۔(۲)

چناں چہ دیکھیے، امام کا سہو موجب ہوتا ہے، مقتدیوں پر سجدہ سہو کے لیے، حالانکہ مقتدیوں سے کوئی سہو

---

(۱) دیکھیے: حجة الله البالغة، ج: ۲، ص: ۲۷

(۲) أشار إلى هذا الإمام ابن دقيق العيد في "إحكام الأحكام" (۱/۲۰۴) بقوله: قوله "وإذا صلى جالساً فصلوا جلوساً" أخذ به قوم، فأجازوا الجلوس خلف الإمام القاعد للضرورة مع قدرة المأمومين على القيام، وكأنهم جعلوا متابعة الإمام عذراً في إسقاط القيام".

صادر نہیں ہوا۔اور اگر تنہا مقتدیوں سے کوئی سہو ہو بھی جائے پھر بھی ان پر سجدۂ سہو (واجب) نہیں ہوتا۔ یہ سب وظیفۂ ائتمام (اور اقتداء کے تقاضے) کو پورا کرنے کے لیے ہی ہوتا ہے۔اسی طرح اگر مسئلۂ مانحن فیہ میں بلا کسی سببِ خارجی کے محض وظیفۂ ائتمام (ومقتضائے اقتداء) کو پورا کرنے کے لیے مقتدیوں سے قیام ساقط مانا جائے بوجہِ اس حدیثِ (سقوط عن الفرس) کے،تو کون سا استبعاد ہے؟

اس کے علاوہ ایک اور چیز یہ ہے کہ نص میں تو ﴿قوموا لله قانتين﴾ مطلقاً آیا ہے، پھر کیا نفل میں بھی قیام فرض ہے؟ (ظاہر ہے کہ فرض نہیں)، حالانکہ (نفل میں بھی) باقی تمام ارکان بحالہا باقی ہیں۔تو یہ امر منصوص "قوموا" عام مخصوص منہ البعض ہوا اجماعاً،بس اب دوبارہ خبرِ واحد سے اس کی (مزید) تخصیص ہوسکتی ہے،اور وہ خبر یہی حدیثِ (سقوط عن الفرس) ہے، (پس اس کی بناء پر امام کے جالس ہونے کے وقت مقتدیوں سے قیام کی تخصیص کرلیں گے اور کہیں گے کہ اس حالت میں خبر واحد کی وجہ سے قیام ساقط ہے،لہٰذا اس نصِ قرآنی سے جمہور کا استدلال درست نہیں)۔

دلائل کی روشنی میں مسلکِ ابن حزم رحمہ اللہ کی قوت:

الغرض دلائل کے اعتبار سے انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو امام ابن حزم رحمہ اللہ کا مسلک قوی معلوم ہوتا ہے(۱)، کیوں کہ انہوں نے جو یہ بات پیش کی کہ تعاملِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں چار ہی صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اس مسئلہ میں ملتا ہے،اور چاروں کا عمل یہی منقول ہے کہ (انہوں نے) "إذا صلى الإمام جالساً، فصلوا جلوساً" پر عمل کیا،اس کے خلاف کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا عمل بھی منقول نہیں اور نہ ان چاروں کے

---

(۱) ابن حزم رحمہ اللہ سے پہلے بھی دوسرے بہت سے علماء مثلاً: حافظ عبد الرزاق، حافظ ابن خزیمہ، امام ابن المنذر، حافظ ابن حبان رحمہم اللہ وغیرہم اس قول کی طرف گئے ہیں۔ (دیکھئے: مصنف عبد الرزاق: ج۲، ص۴۶۳، صحیح ابن خزیمۃ: ج۳، ص۵۳-۵۷، صحیح ابن حبان: ج۳، ص۲۶۹، ۲۸۴، فتح الباری: ج۲، ص۱۷۶، ۱۷۷)

وقال عبد الرزاق (ت: ۲۱۱) في مصنفه: "ما رأيت الناس إلا على أن الإمام إذا صلى قاعداً صلى من خلفه قعوداً، وهي سنة من غير واحد".

اور علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر میں (ج۱ ص۳۲۱) مسلکِ احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو "أنهض من جهة الدليل" کہا۔

عمل پر کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا انکار منقول نہیں ہے، لہٰذا یہ ایک طرح کا اجماع ہو گیا۔ یہاں تک کہ امام ابن حزم رحمہ اللہ کا دعویٰ بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ ہم کو آج تک اس کے خلاف کوئی ایک بھی نقل نہیں ملی۔ تو یہ ایک چیز دل کو لگنے والی ہے۔

بلکہ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے تو آئندہ چل کر تابعین کے (إذا صلی الإمام جالساً، فصلوا جلوساً پر) اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے "إذا صلی الإمام جالساً، فصلوا جلوساً" کے خلاف فتویٰ دیا ہے، وہ مغیرہ بن مقسم رحمہ اللہ تھا کوفہ میں۔ اسی سے اس مسئلہ کو حماد بن سلیمان رحمہ اللہ نے لیا اور حماد سے ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے لیا۔(۱)

لیکن یہ (بات کہ سب سے یہ فتویٰ مغیرہ رحمہ اللہ نے دیا) ابن حزم رحمہ اللہ کا غلو ہے، کیوں کہ (اگر یہی بات ہے تو) حجاز میں امام شافعی رحمہ اللہ کو (یہ مسئلہ) پھر کہاں سے ملا؟ بلکہ بعد میں اکثر علماء تو اسی کے قائل ہوئے کہ (امام کے جالس ہونے کی صورت میں) مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھے۔

الحاصل ابن حزم رحمہ اللہ کے غلو کو چھوڑ کر ان کی پہلی بات بہت ہی قوی وزوردار اور مؤثر ہے کہ فقط چار صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل ملا (۲)، اور چاروں کا عمل بلا خلاف وبلا نکیر یہی منقول ہے (کہ ان کے پیچھے مقتدیوں نے بیٹھ کر نماز پڑھی)، حالاں کہ معاملہ جماعت کا تھا، اور ان میں سے دو تین کا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کا ہے۔

اس مسئلہ میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا مسلک اور اس کی دلیل:

چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جہاں اس مسئلہ پر بحث کی (۳) وہاں بہت طویل گفتگو کے بعد آخر میں عاجز ہو کر خود ایک ایسے قول کے قائل ہو گئے جو کسی کا مذہب نہیں۔

انہوں نے فرمایا کہ (امام کے جالس ہونے کی صورت میں) قیام مقتدی جائز ہے اور جلوس مستحب

---

(۱) یہ دعویٰ ابن حزم رحمہ اللہ کے کلام میں نہیں ملا، البتہ حافظ ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں (ج ۲ ص ۲۷۳) یہ باتیں لکھی ہیں۔

(۲) انظر التعلیق، رقم: ۱۲۳

(۳) (فتح الباری: ۲/۱۷۷، کتاب، باب إنما جعل الإمام لیؤتم به)

ہے، اور کہا کہ اس سے تمام حدیثوں میں تطبیق ہو جائے گی: بایں طور کہ مرض الموت کا واقعہ بیانِ جوازِ (قیامِ مقتدی مع جلوس الامام) پر محمول ہے اور "إذا صلى الإمام جالساً، فصلوا جلوساً" کا امر استحباب کے لیے ہے۔ اور اس کے لیے حافظ رحمہ اللہ نے ایک تائید بھی پیش کی، وہی عطاء (بن ابی رباح رحمہ اللہ) کا مرسل، جو واقعہ مرض الموت کے متعلق ہے، اور جس کا تذکرہ پہلے بھی ایک دفعہ آچکا ہے۔(۱) اس مرسل میں یہ جزء بھی ہے کہ نماز کے بعد آپ علیہ السلام نے فرمایا: "لو استقبلت من أمري ما استدبرت ما صليتم إلا قعوداً" (یعنی: میں نے بعد میں جو بات ملاحظہ کی، اگر یہ بات مجھے پہلے ہی معلوم ہو جاتی تو تم بیٹھ کر ہی نماز پڑھتے)، پھر فرماتے ہیں: "إذا صلى الإمام جالساً، فصلوا جلوساً"۔ تو (اس جزء سے) اب ایک اور بات نکل آئی کہ آپ علیہ السلام نے مرض الموت میں بھی مقتدین کے حق میں قیام کو ناپسند فرمایا اور جلوس کی ترغیب دی۔

حافظ رحمہ اللہ نے اس سے اپنے قول کی تائید اس طرح نکالی کہ آپ علیہ السلام نے (نماز کے) اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ اگر (جلوسِ امام کے وقت مقتدی پر) جلوس واجب ہوتا تو ضرور اعادۂ صلاۃ کا حکم دیتے، تاہم اتنا فرما دیا کہ "إذا صلى الإمام جالساً، فصلوا جلوساً"۔ تو کم از کم (جلوسِ امام کی صورت میں مقتدی کا جلوس) مستحب ضرور ہونا چاہیے۔

مذکورہ دلیل کا جواب:

لیکن اولاً یہ مرسلِ (عطاء بن رباح رحمہ اللہ) ہے، اور خود حافظ رحمہ اللہ نے تہذیب التہذیب میں مرسلِ عطاء کو تمام مراسیل میں ضعیف کہا ہے۔(۲)

نیز (بالفرض اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی) غالب گمان یہ ہے کہ یہ جملہ "لو استقبلت من أمري ما استدبرت ما صليتم إلا قعوداً" بھی سقوط عن الفرس ہی کے واقعہ میں فرمایا ہوگا، کیوں کہ اس واقعہ میں پہلے روز صحابہ رضی اللہ عنہ نے نفل میں کھڑے ہو کر اقتداء کی تھی، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا تھا۔ پھر دوسرے روز فرض میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا۔(۳) اسی پر

---

(۱) دیکھیے: مقدمة ابن الصلاح، ص: ۲۰۷، شرح نخبة الفكر: ۵۰، ۵۱

(۲) یہ حافظ رحمہ اللہ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے (دیکھئے: تہذیب التہذیب: ج۵، ص۵۶۹، ترجمہ عطاء)

(۳) انظر التعليق، رقم: ۹۱

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوگا کہ بعد میں جو مجھے تشبہ وغیرہ کا خیال ہوا یہ خیال ہوا، یہ خیال اگر پہلے ہوتا تو تم پہلے روز بھی نماز بیٹھ کر پڑھتے یعنی: اس روز ہی کھڑے ہونے سے منع کر دیتا۔

تو یہ مجموعۂ کلام "لو استقبلت من أمری مااستدبرت ما صلیتم إلاقعوداً"، "فإذا صلی الإمام جالساً، فصلوا جلوساً"، آپ علیہ السلام نے اِس سقوط عن الفرس کے قصہ ہی میں فرمایا، لیکن حضرت عطاء کو اس میں شاید اختلاف ہو گیا کہ اس کلام کو مرض الموت کے واقعہ میں بیان کر دیا۔

واقعۂ سقوط عن الفرس اور واقعۂ مرض الموت، ان دونوں میں لوگوں سے اس قسم کا اختلاط ہوا ہے۔ چناں چہ مسلم(۱) کی ایک روایت میں حضرت ابو الزبیر رضی اللہ عنہ نے واقعۂ سقوط عن الفرس میں یہ جملہ کہہ دیا ہے کہ "وأبو بکر یُسمعنا" بظاہر یہاں ان کو اختلاط ہو گیا کہ مرض الموت کے واقعہ کی بات سقوط عن الفرس کے واقعہ میں لگا دی۔ بظاہر اس واقعہ میں "وأبو بکر یُسمعنا" نہیں ہوا، (بلکہ مرض الموت کے واقعہ میں ہوا) کیوں کہ مرض الموت کے واقعہ مین مسجد کا قصہ بیان ہوا ہے، جہاں آدمی کثیر تھے اور ضعفِ مرض کی وجہ سے آپ کی آواز پست ہو گئی تھی، اس لیے مسمعِ تکبیر کی ضرورت پڑی۔ بخلاف واقعۂ سقوط عن الفرس کے، وہاں آدمی کم تھے، کیوں کہ (یہ واقعہ بالاخانہ میں پیش آیا اور) بالاخانہ میں کتنے آدمی آئیں گے؟ اور ظاہر ہے کہ عیادت کے لیے اکٹھے ہو کر کثیر تعداد میں آدمی نہیں آیا کرتے۔ پھر اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پست بھی نہیں ہوئی ہوگی، کیوں کہ اس وقت صرف آپ علیہ السلام کے پاؤں میں شکایت تھی، یوں آپ علیہ السلام صحیح وتندرست تھے (لہٰذا اس واقعہ میں مکبر کی کوئی ضرورت نہیں تھی)۔ اصل بات یہ ہے کہ راوی کو دونوں واقعہ میں اختلاط ہو گیا۔(۲)

بہر حال حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ابن حزم رحمہ اللہ کے دلائل سے گھبرا کر احادیث میں تطبیق دینے کے لیے یہ مسلک اختیار کیا، مگر ائمہ میں سے کسی کا یہ مسلک نہیں ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ وامام محمد رحمہ اللہ نے تو اس قسم کی باتوں کو دیکھ کر بس بحث کی جڑ ہی کاٹ دی کہ جالس کی امامت ہی صحیح نہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) (ج: ۱، ص: ۱۷۷)

(۲) اختلاط اس وقت ثابت ہوگا جب کہ ابو الزبیر کی روایت سقوط عن الفرس کے واقعہ سے متعلق ہو، مگر حافظ ابن حبان رحمہ اللہ کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ روایت مرض الموت کے قصہ سے متعلق ہے۔

کے عمل کو خصوصیت پر محمول کرلیا۔

حنابلہ کے مذہب پر حافظ ابن سید الناس رحمہ اللہ کی نکتہ چینی:

حنابلہ بہت خوش ہیں کہ ہم نے ایک ایسا مسلک اختیار کیا کہ احادیث میں کوئی تعارض نہ رہا اور نہ کسی حدیث کو ترک کرنا پڑا، ہم نے امام کے جلوسِ بادی وطاری میں فرق کیا، پس مرض الموت کے واقعہ میں جلوسِ امام طاری تھا، لما مر، اس لیے مقتدی سب کھڑے ہی رہے، اور سقوط عن الفرس کے واقعہ میں جلوس امام بادی تھا، اس لیے مقتدیوں کو بھی جلوس کا حکم ہوا۔ بس (اس تفصیل سے) سب روایتیں منطبق ہوگئیں اور حنابلہ بہت خوش گئے۔

ان کی اس خوشی پر حافظ ابوالفتح ابن سید الناس یعمری رحمہ اللہ نے کہا کہ بے شک حنابلہ کا جو مسلک ہے، اس سے احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے، مگر مجتہد کو محض اتنی بات پر اکتفاء نہ کرنا چاہیے، بلکہ مجتہد پر یہ بھی ضروری ہے کہ وجہِ فرق بھی بیان کرے، یہاں جو عذرِ طاری وبادی میں فرق کیا جارہا ہے، آخر اس فرق کا مدار ومبنیٰ کیا ہے؟ کس بناء پر تم یہ فرق کررہے ہو؟ ظاہر تو یہی ہے کہ طاری وبادی میں کوئی فرق نہ ہو، جلوسِ طاری کی صورت میں بھی (جلوس بادی کی طرح) مقتدی بیٹھ جائے، کیوں کہ مقتدیوں پر ہر حال میں اتباعِ امام ضروری ہے، اور منجملہ اتباعِ امام کے حدیث میں یہ بھی بیان کیا کہ: "وإذا صلى الإمام جالساً فصلوا جلوساً" اور اس کو اُسی معنیٰ ائتمام پر متفرع کیا، تو چاہیے کہ جس طرح عذرِ بادی کی صورت میں مقتدی بیٹھ جاتا ہے، اسی طرح عذرِ طاری کی صورت میں بھی امام کے ساتھ ساتھ بیٹھ جائے، (کیوں کہ) مناطِ حکم یعنی: وظیفۂ امامت وائتمام دونوں جگہ بحالہ موجود ہے، تو حکم میں فرق کی کیا وجہ؟

حدیثِ سقوط عن الفرس کے بارے میں شاہ صاحب رحمہ اللہ کی توجیہ:

انور شاہ صاحب مرحوم نے اس جگہ ایک اور طریقہ اختیار کیا(۱)، وہ کہتے ہیں کہ یہ جو حدیث ہے: "إنما جعل الإمام ليؤتم به...... إلىٰ قوله: وإذا صلى الإمام جالساً، فصلوا جلوساً" اس کا اصل مقصد یہ نہیں ہے کہ (امام کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں) ہر حال میں مقتدی بھی امام کے ساتھ بیٹھ کر (نماز)

---

(۱) (فیض الباری، ج: ۱، ص: ۲۴۲-۲۴۸، ۴۰۲-۴۰۵۔ العرف الشذی علی جامع الترمذی، ج: ۱، ص: ۸۶)

پڑھے، بلکہ مقصودِ اصلی اس سے اتنا بتلانا ہے کہ شرعاً جہاں تک مساغ (اور گنجائش) ہو مقتدیوں سے امام کی مشاکلت (ومشابہت) مطلوب ہے، باقی اس کی تفصیل کہ کس صورت میں امام کے ساتھ بیٹھ جائے اور کس صورت میں نہ بیٹھے، وہ یہاں مذکور نہیں، بلکہ یہ دوسرے قواعد ودلائل سے اخذ کرنا چاہیے کہ کہاں کہاں شریعت نے بلاعذر واضطرار بیٹھنے کی گنجائش رکھی ہے (اور کہاں بلاعذر بیٹھنے کی اجازت نہیں دی، چناں چہ) جہاں شریعت نے مقتدیوں کو بلاعذر واضطرار بیٹھنے کی اجازت دے گی وہاں یہ حکم ہوگا کہ امام کی مشاکلت (ومشابہت) کے لیے تم بھی بیٹھ جاؤ، گو تم بذاتِ خود معذور نہ ہو، تاہم "إنما جعل الإمام لیؤتم به" کے موافق امام کا اتباع کرو۔ مثلاً: اگر مقتدی متنفل ہو اور کسی امامِ جالس کے پیچھے اقتداء کرے تو شریعت اس کو اجازت دیتی ہے۔ لہٰذا (امام کی) مشاکلت کے لیے بیٹھ جانا اس کے حق میں افضل ہوگا، گو وہ خود معذور نہیں۔ چناں چہ ہمارے فقہاء نے بھی لکھا ہے(۱) کہ اگر تراویح میں امام جالس ہو تو مقتدیوں کے افضل واولیٰ یہی ہے کہ وہ بھی بیٹھ جائیں، گو وہ معذور نہ ہوں۔ کیوں کہ نفل نماز ہونے کی وجہ سے ان کو شرعاً مساغ ہے، لہٰذا بیٹھ جانا چاہیے تاکہ مشاکلت قائم رہے۔ اور اگر مقتدی مفترض ہے تو وہاں یہ نہیں ہوسکتا، کیوں کہ وہاں اس کو شرعاً بیٹھنے کا مساغ ہی نہیں۔

اِس توجیہ وتقریر پر اشکال

(مگر مذکورہ تقریر چند وجوہات کی بناء پر محلِّ نظر ہے)

(الف) اس تقریر کی بناء پر (حدیث: "إذا صلی الإمام جالساً، فصلوا جلوساً" میں) ایک تو قید لگانی پڑے گی کہ "فصلوا جلوساً أي: مهما أمکن شرعاً" (یعنی: جہاں دوسرے دلائل کی بنیاد پر شرعاً اجازت ہو وہاں بیٹھ کر نماز پڑھو۔ حالاں کہ اس قید کے لیے دلیل چاہیے، جو یہاں مفقود ہے)۔

(ب) دوسرے یہ کہ (اس توجیہ کے مطابق) "فصلوا جلوساً" کے امر کو استحباب کے لیے لینا پڑے گا، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا تھا، کیوں کہ حنفیہ کے نزدیک وجوبِ جلوس تو کسی صورت میں نہیں ہے، ہاں فقہاء نے تنفل کی صورت میں جلوس مقتدی کو (جب کہ امام جالس ہو) اولیٰ وافضل کہا ہے، کما مرّ، (اور امر کو استحباب پر محمول کرنے کے لیے قرینہ چاہیے اور وہ کہاں ہے؟)۔

(۱) دیکھیے: فتاویٰ قاضیخان علی هامش الهندیة، ج: ۱، ص: ۲۴۳، ۲۴۴، باب التراویح، فصل في أداء التراویح قاعداً.

(ج) خیران دو باتوں کا ہم تحمل کر لیتے ہیں، مگر اس میں ایک چیز کے ثبوت کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ (سقوط عن الفرس کے واقعہ میں) دوسرے دن جو نماز پڑھی گئی، جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا (کہ: "إنما جعل الإمام ليؤتم به ......إلخ)، اس نماز میں آپ علیہ السلام تو یقیناً مفترض تھے، ہاں صحابہ رضی اللہ عنہ کیا تھے مفترض یا متنفل؟ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی مفترض تھے تو پھر یہ سب مطلب (جو شاہ صاحب رحمہ اللہ کا بیان کیا) بیکار ہے، ہاں اگر کسی طرح ثابت کیا جاسکے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم متنفل تھے تو البتہ اس مطلب کی گنجائش ہے، مگر اس کے لیے کوئی تشفی بخش ثبوت موجود نہیں۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس پر (کہ صحابہ رضی اللہ عنہم متنفل تھے) ایک قرینہ بیان کیا ہے کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ نمازِ ظہر مسجد میں پڑھ کر آئے ہوں گے، پھر جب یہاں آکر آپ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو برکت کے لیے نفلاً اقتداء کرلی۔ وگرنہ (یعنی: اگر یہ کہا جائے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نماز مسجد میں نہیں پڑھی، یہاں آکر پڑھی تو تعطلِ مسجد (اور اس کا جماعت سے خالی رہ جانا) لازم آئے گا۔

لیکن یہ قرینہ کچھ قوی نہیں کیوں کہ تعطلِ مسجد تو جب لازم آتا جب سارے صحابہ رضی اللہ عنہ اکٹھے ہوکر دفعۃً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں چلے آتے، مسجد میں نماز پڑھنے والا کوئی بھی باقی نہ رہتا۔ اور یہ عادۃً بعید ہے کہ سب لوگ اکٹھے ہوکر عبادت کے لیے چلے آئیں (لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے نماز مسجد میں ادا کی اور عیادت کے لیے آنے والے صحابہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ ظہر یہاں ادا کی)۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کے ایک شاگرد ابن قاسم رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم متنفل تھے۔ (۱) لیکن فقط ان کا قول حجت کہاں ہوسکتا ہے، جب تک اس کا کوئی مأخذ معلوم نہ ہو؟ (اس لیے شاہ صاحب مرحوم کی مذکورہ تقریر کچھ دل کو لگنے والی نہیں)۔

خلاصۂ بحث

الحاصل میں نے اس مسئلہ میں بہت غور کیا اور اپنی بساط کے موافق بہت کچھ جد وجہد، تفتیش وتلاش کی لیکن ہمارے بلکہ جمہور علماء کے مذہب میں مجھے اب تک پوری تشفی اور شرح صدر حاصل نہ ہوا۔ اور گو ہم مقلد ہونے کی وجہ سے اپنے مذہب ہی پر فتویٰ دیں گے اور مسلکِ ائمہ سے خروج نہیں کرسکتے، کیوں کہ ہم جیسوں کی

---

(۱) (العرف الشذي على جامع الترمذي: ۱/ ۸۶)

کیا ہستی ہے کہ مجتہدین کا خلاف کریں! مگر اپنے علم کے موافق دلائل کے اعتبار سے امام ابن حزم رحمہ اللہ کا قول اس مسئلہ میں قوی نظر آتا ہے۔

مرض الموت کے واقعہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے قیاماً اقتداء کیوں کی؟

پھر دل میں یہ چیز ذرا کھٹکتی تھی کہ ابھی روایات سے اطمینان کے ساتھ ثابت کیا جا چکا ہے کہ مرض الموت کے واقعہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تھی۔ اب اس میں خلجان یہ پیش آتا ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم پہلے ایک دفعہ (سقوط عن الفرس کے واقعہ میں) عملاً بھی اور قولاً بھی "وإذا صلی الإمام جالساً، فصلوا جلوساً" کا امرِ صریح سن چکے تھے تو پھر اس واقعۂ مرض الموت میں آپ علیہ السلام کے امام جالس بن جانے کے بعد یہ کھڑے کیوں رہے؟ یہ تو ناممکن بات ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حکم سنیں اور پھر ایک نہیں، دو نہیں، ساری جماعت کی جماعت اس کے خلاف عمل کرے۔

اس (اشکال کے جواب) کے متعلق میری سمجھ میں ایک بات آتی ہے، جس کی طرف ذرا سا اشارہ کچھ پہلے بھی کر چکا ہوں۔ وہ یہ کہ اِس قصہٗ (مرض الموت) میں بعض اُمور یقیناً ایسے واقع ہوتے ہیں، جن کو لامحالہ سب لوگ خصوصیت پر محمول کرتے ہیں۔ چناں چہ ایک سب سے بڑی تو یہی ہے کہ بغیر کسی عذرِ مبیح کے استخلاف امام کا ارتکاب کیا گیا۔ بعضوں نے جو تاویل کی ہے کہ شاید حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو قراءت سے حصر ہو گیا تھا، یہ محض اٹکل کی باتیں ہیں، جن پر کوئی نقل آج تک پیش نہیں کی گئی۔ پھر استخلاف بھی اس طرح کہ ایک ایسی ہستی کو خلیفہ بنایا گیا جو ہنوز نماز میں شامل نہ تھی (کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آتے ہی صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی جگہ امام بن گئے، اس سے پہلے آپ علیہ السلام نماز میں شامل ہی نہ تھے)۔

دوسری چیز ایک درجہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ صفوفِ مقتدین میں نہیں آئے۔ قاعدہ تو اسی کو مقتضی تھا کہ اپنا موقف چھوڑ کر صف میں مل جائیں، لہٰذا ایک درجہ میں یہ بھی کچھ قابلِ تأمل چیز ہے۔

ان باتوں کو سب لوگ ہی خصوصیت پر محمول کیا کرتے ہیں، خاص کر مسئلۂ استخلاف کو۔ اور عموماً خصوصیت کی صورت یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ امامت سے بالکلیہ ہٹ گئے، وہ امام نہ رہے بلکہ اب ان کی جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امام بن گئے، حالاں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کوئی عذر پیش نہ آیا

تھا۔ تو کہا جائے گا کہ یہ خصوصیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھی، آپ کی موجودگی، سابق امام کو اگر آپ چاہیں تو معطل کر سکتی ہے۔ اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مقتدی ہو کر صفِ مقتدی میں نہ آئے وہیں رہے، یہ بھی کسی خصوصی وجہ سے تھا۔

بہر حال ان امور میں خصوصیت کو میں بھی مانتا ہوں۔ لیکن اس جگہ خصوصیت کی صورت اور معنی کے متعلق میری سمجھ میں ایک اور بات آتی ہے۔ وہ یہ کہ: اِس واقعۂ مرض الموت میں آپ علیہ السلام تشریف لانے کے بعد بے شک امام بن گئے تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ علیہ السلام کے مقتدی ہو گئے، مگر اس کے باوجود دیگر مقتدیوں کے اعتبار سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت جو پہلے سے چلی آرہی تھی، بالکلیہ غیر معتبر ونظر انداز نہیں کی گئی، ان کے حق میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت بھی فی الجملہ باقی رکھی گئی۔

میں اپنے اس خیال کی تائید میں ایک خاص چیز کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ وہ یہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرض الموت میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لانے سے معذور ہو گئے تو آپ علیہ السلام نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امام بنانے کا بہت ہی زیادہ اہتمام فرمایا۔ چناں چہ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اس میں (یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امام بنانے کے سلسلے میں) مزاحمت کرتی تھیں (۱)، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کچھ بہانہ بھی کیا: "إنه رجل أسيف" (کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بہت رقیق القلب اور رونے والے ہیں، اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ امام بنائے گئے تو غلبۂ بکاء کی وجہ سے نماز ہی نہیں پڑھا سکیں گے) وغیرہ وغیرہ، مگر آپ علیہ السلام بار بار فرماتے تھے کہ: "مروا أبابكر، فليصل بالناس" حتیٰ کہ اخیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو زجر فرمایا کہ: "أنتن كصواحب يوسف! مروا أبابكر، فليصل بالناس". ابوداؤد کی ایک روایت (۲) میں یہاں تک آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (ایک) نماز پڑھا دی تھی (۳)، قراءت کی آواز سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرۂ شریفہ سے سر باہر نکالا اور خفگی کے لہجہ میں فرمایا: "لا، لا، لا! ليصل للناس ابن أبي

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۹۳، صحيح مسلم، ج: ۱، ص: ۱۷۸

(۲) ج: ۲، ص: ٦٤١، كتاب السنة، باب في استخلاف أبي بكر رضي الله عنه

(۳) یعنی: پڑھانی شروع کر دی تھی۔

قحافة" اور ایک روایت میں فرمایا: "أين أبوبكر؟ يأبي الله ذلك والمسلمون". آگے ہے: "فبعث إلىٰ أبي بكر، فجاء بعد أن صلىٰ عمر تلك الصلاة، فصلىٰ بالناس".(۱)

اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ ظاہرِ الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ اسی نماز کا (جو عمر رضی اللہ عنہ پڑھا چکے تھے) اعادہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت میں کروایا گیا، كما فهمه منه أيضاً صاحب البذل.(۲) حالاں کہ ایک دفعہ آپ علیہ السلام نے خود عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی (۳)، اس کے باوجود اعادہ نہیں کرایا اور یہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام بنانے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کی پڑھائی ہوئی نماز کا اعادہ کرایا گیا۔

تو امامتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے جو اس قدر شد و مد سے اہتمام فرمایا اس کی وجہ کیا تھی؟ اس کے متعلق تمام علماء محققین یہ لکھتے ہیں کہ دراصل اس نماز کی امامت جو امامتِ صغریٰ ہے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اشارہ کرنا تھا امامتِ کبریٰ کی طرف، اور سب کو متنبہ کرنا تھا کہ جس طرح اس امامتِ صغریٰ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام بنایا جا رہا ہے اسی طرح امامتِ کبریٰ میں بھی انہی کو مقدم کیا جائے، اور کسی کو اس کا استحقاق نہیں ہے۔(۴)

چناں چہ روایتوں میں آتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے (مرض الموت کے واقعہ میں مسجد) تشریف لاکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تو (اشارہ سے) یہ فرمایا کہ: "مكانَك"(۵)

---

(۱) أخرجها أيضاً أبوداؤد في سننه: ۲/ ٦٤١، وأحمد في مسنده: ٤/ ۳۲۲، والطبراني في المعجم الأوسط: ۲/ ٤٠، والحاكم في المستدرك: ۳/ ٦٤٠، ٦٤١

(۲) حيث قال: "ولعل عمر رضي الله عنه لما علم أنه صلى الله عليه وسلم نهىٰ عن تقدم غير أبي بكر، لم يُتم الصلاة ونقضها في أثناء الصلاة، ثم لما جاء أبو بكر صلىٰ بالناس تماماً". (بذل المجهود في حل أبي داؤد، ج: ١٨، ص: ١٨٩).

(۳) انظر التعليق، رقم: ١٠٢

(٤) دیکھیے: شرح مسلم للنووي، ج: ١، ص: ١٧٨، عمدة القاري، ج: ٤، ص: ٢٨٣، كتاب الأذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة، فتح الباري، ج: ٧، ص: ٣١، كتاب فضائل الصحابة رضي الله عنه، باب لو كنت متخذا خليلاً، وبذل المجهود، ج: ١٨، ص: ١٨٩، كتاب السنة، باب في استخلاف أبي بكر رضي الله عنه، والسيرة النبوية للذهبي، ج: ٢، ص: ٤٨٥.

(٥) أخرجه البخاري في صحيحه (١/ ٩١) من طريق إبراهيم عن الأسود عن عائشة قالت: "لما مرض النبي =

یعنی تم اپنی جگہ ٹھہرے رہو، اور جو دو حضرات آپ علیہ السلام کو سہارا دے کر مسجد میں لائے تھے، ان کو فرمایا کہ مجھے ابوبکر کے یسار میں بٹھلا دو۔(۱)

تو گویا اِس میں اُسی مقصدِ امامتِ کبریٰ کے متعلق لطیف پیرایہ میں اشارہ تھا کہ میں تو اب بیٹھ گیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ قائم بالامامت والخلافت ہوئے۔ ساتھ ہی یہ بھی ایماء ہو گیا کہ اب قوم کا تعلق و معاملہ براہِ راست ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا میرے ساتھ ہے، تو جس چیز کو لے کر میں بیٹھا ہوں اسی چیز کو لے کر اب ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے ہیں، یہ نہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ امام بنانے کے بعد معزول کر دیئے گئے، بلکہ یوں سمجھیے کہ گویا امامتِ بارزہ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہے اور کامن و مستتر امامت اسی کے ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور مولانا رفیع الدین دیوبندی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ:

اس کے مناسب مولانا رفیع الدین دیوبندی رحمہ اللہ مہتمم اول دار العلوم دیوبند کا واقعہ ہے، حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے اہتمامِ مدرسہ کیلیے ان کو منتخب کیا تھا، تو مولانا رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ نے مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد ایک روز فرمایا کہ بھائی! میں کیا اہتمام کرتا ہوں! دراصل مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ کا ارادہ ہوا کہ خود اہتمام کریں، لیکن ظاہر باہر مہتمم بننا نہیں چاہتے تھے، اس لیے مجھے درمیان میں ایک واسطہ منتخب کر لیا، تو زندگی میں بھی وہی اہتمام کرتے تھے، اور اب بھی وہی کرتے ہیں۔ میں تو درمیان میں بمنزلۂ ایک آلۂ جارحہ کے ہوں۔

= صلى الله عليه وسلم .... إلخ وفيه: "فأراد أبو بكر أن يتأخر، فأومأ إليه النبي صلى الله عليه وسلم أن مكانك......... إلخ".

(۱) كما جاء في رواية موسىٰ بن أبي عائشة (عند البخاري: ۱/۹۵) عن عبيد الله عن عائشة: "......... فخرج بين رجلين أحدهما العباس لصلاة الظهر، وأبو بكر يصلي بالناس.........قال: "أجلساني إلىٰ جنب أبي بكر، فأجلساه إلى جنب أبي بكر".

وفي رواية أبي معاوية (عند البخاري أيضاً: ۱/۹۹) عن الأعمش عن إبراهيم عن الأسود عن عائشة: "......... فجاء النبي صلى الله عليه وسلم، حتى جلس عن يسار أبي بكر".

تو مولانا رفیع الدین رحمہ اللہ کا اہتمام گو بظاہر ان کا اہتمام تھا، مگر دراصل کامن و مستتر اہتمام مولانا نانوتوی رحمہ اللہ ہی کا تھا۔

اصل بحث کی طرف رجوع

اور واقع میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت ایسی ہی تھی، بالکل ہو بہو عکس اور نقشہ تھا حکومتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اسی کا ضمیمہ وتتمہ اور تکملہ تھا۔ چناں چہ جیشِ اُسامہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ایک ظاہری نمونہ بھی اس کا دکھلایا گیا، جسے آپ علیہ السلام اپنے دستِ مبارک سے قائم فرما گئے تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی کی تنفیذ وتکمیل کی، باوجودیکہ کہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اختلاف کر رہے تھے۔(۱)

اور یہ جو ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یسار میں بٹھلا دو(۲)، تو امام یسار میں کب ہوتا ہے؟ جب مقتدی صرف ایک ہو، جماعت نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فقط حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے امام تھے، اور باقی قوم کے امام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے، اسی لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا: "مكانَك" ورگرنہ اُن کو مقتدیوں کی صف میں آجانا تھا۔ تو گویا اس وقت یہ نقشہ دکھلایا جارہا تھا کہ اب قوم کے امام تو ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے امام خود حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چناں چہ روایتوں کے یہ الفاظ بظاہر اس کی تصریح کر رہے ہیں: "وكان أبوبكر يصلي، وهو قائم بصلاة النبي صلى الله عليه وسلم والناس يصلون بصلاة أبي بكر"(۳) اور ایک روایت میں ہے: "يقتدي أبوبكر بصلاة النبي صلى الله عليه وسلم، ويقتدي الناس بصلاة أبي بكر".(٤)

---

(۱) واقعہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے :صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٦٤١، فتح الباري، ج: ٨، ص: ١٥٢ (كتاب المغازي، باب بعث النبي صلى الله عليه وسلم أسامة بن زيد)، طبقات ابن سعد، ج: ٢، ص: ٣٤٥، سيرة ابن هشام، ج: ٤، ص: ٢٩١، ٢٩٩-٣٠١، سير الخلفاء الراشدين للذهبي، ص: ٣٢

(٢) (راجع التعليق، رقم: ١٦٤)

(٣) (صحيح مسلم، ج: ١، ص: ١٧٩)

(٤) (صحيح مسلم، ج: ١، ص: ١٧٩)

گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آخری نماز ایک طرح سے آپ علیہ السلام کی اُس پہلی نماز سے مشابہ ہوگئی جو فرضیتِ صلواتِ خمسہ کے بعد پڑھی گئی، جس میں جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امام تھے اور آپ علیہ السلام صحابہ رضی اللہ عنہم کے۔(۱) واللہ اعلم۔

لوگوں نے اگرچہ مرض الموت کی اِس نماز میں تأویلات کی ہیں، مگر میں کہتا ہوں کہ بالکل ظاہر پر ہے، اور اس میں اسی اہم واعظم مقصود (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی) امامتِ کبریٰ وخلافتِ عظمیٰ کے متعلق اشارہ کرنا تھا کہ اب سے قوم کی سیاست کا تعلق براہِ راست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوگا، اور تنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا براہِ راست تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے گا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ میں ایک قسم کا بہترین نقشہ اور امامتِ کبریٰ کی کیفیت اِس امامتِ صغریٰ کے ضمن میں دکھلا دی اور عجیب وغریب لطائف کے ساتھ ہُو بہو اُس امامتِ کبریٰ کی تصویر امامتِ صغریٰ کی تختی پر کھینچ دی، یعنی: (یہ بتلا دیا کہ) ایسا ہونا چاہیے اور ایسا ہی ہوگا۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔

اس ساری تقریر میں غور کرنے کے بعد یہ چیز بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ علمائے محققین کی رائے کے مطابق یہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت اور اس کے لیے بے حد اہتمام سے جو اہم اور اصل مقصود تھا، یعنی: امامتِ کبریٰ وخلافتِ عظمیٰ کی طرف اشارہ کرنا، اس مقصد کے پیشِ نظر یہاں یہ کہنا بہتر اور موزوں نہیں کہ آپ علیہ السلام کے تشریف لانے کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت بالکلیہ معطل اور غیر معتبر ہوگئی اور اسے کلیۃً نظر انداز کر دیا گیا، بلکہ اِس اہم مقصود کے بہت ہی مناسب اور لائق وہ بات ہے جو میں نے خصوصیت کی تقریر میں کہی کہ بالکلیہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کو غیر معتبر اور نظر انداز نہیں کیا گیا تھا، بلکہ کہنا چاہیے کہ قوم کے حق میں ان کی امامت برابر قائم رکھی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے امام تھے، لیکن قوم کے امام بدستور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی رہے۔ ہاں بالواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُسی وقت سب کے حق میں امامِ مطلق تھے۔

ایسا تسلیم کر لینے سے گویا خلافت کی ہو بہو کیفیت اور امامتِ کبریٰ کا صحیح نقشہ اس امامتِ صغریٰ کے ضمن میں متشکل ہو جاتا ہے اور اس بناء پر حدیث کے جو الفاظ ہیں: "يصلي أبوبكر بصلاة النبي صلى الله عليه

(۱) متعلقہ روایت سنن النسائی، ج:۱، ص:۶۰ (باب: آخر وقت العصر) میں دیکھیں۔

وسلم والناس يصلون بصلاة أبي بكر" اوراس سے بھی صریح جولفظ آیا ہے کہ "يقتدي أبوبكر بصلاة النبي صلى الله عليه وسلم، ويقتدي الناس بصلاة أبي بكر" ان الفاظ میں کسی قسم کی تاویل کی ضرورت نہیں رہتی۔

مذکورہ تقریر پر ایک شبہ اور اس کا جواب

اگر شبہ کیا جائے کہ اس میں (یعنی: مذکورہ تقریر کے مطابق) ایک جماعت کے لیے بیک وقت دوامام کا ہونا لازم آتا ہے، یہ کیسے صحیح ہوگا؟ ہم تو پوچھیں گے کہ بغیر کسی عذرِ مبیح، وہ بھی ایک غیر مقتدی (یعنی: آپ علیہ السلام) کو (دورانِ نماز امام کا) خلیفہ بنانا کیسے درست ہوا؟ اگر کہو کہ یہ خصوصیت تھی تو ہم بھی کہیں گے کہ وہ خصوصیت تھی۔

بہر حال تم کو بھی خصوصیت کا قائل ہونا پڑتا ہے اور ہم کو بھی۔ مگر تم نے خصوصیت کی جو تقریر کی اس سے ہماری بیان کردہ صورت زیادہ موزوں اور الیق وانسب ہے، کیوں کہ اس میں اہم واصل مقصود کا پورا نقشہ محفوظ رہتا ہے اور الفاظِ حدیث میں بھی تاویل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا صفِ مقتدی میں نہ آنا، اور آپ علیہ السلام کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یسار میں بیٹھ جانا، اور اِن جیسے دوسرے اُمور جو اس واقعہ میں پیش آئے، سب کی پُر لطف حکمت اور عجیب وغریب نکتہ معلوم ہو جاتا ہے۔

اُوپر ذکر کردہ پوری بحث کا ثمرہ:

پس جب قوم کے حق میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت باقی رہی، اس کو نظر انداز نہیں کیا گیا، تو پھر قوم (یعنی: مقتدیوں) کے بیٹھنے کی بھی کوئی وجہ نہیں تھی، کیوں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تو ابتداءً بھی کھڑے ہو کر نماز شروع کی تھی اور اب بھی کھڑے ہیں۔

اور وہ جو عطاء (بن ابی رباح رحمہ اللہ) کا مرسل تھا رحمہ اللہ: "لو استقبلت من أمري......إلخ"(۱) (اگر بالفرض اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو) اُس کا مطلب بھی اِس جگہ اچھی طرح چسپاں ہو سکتا ہے۔ چوں کہ آپ کو خیال ہوا کہ کوئی ظاہر بین ظاہری صورت کو دیکھ کر یہ سمجھ سکتا ہے اور اس عمل سے (یعنی: آپ علیہ السلام کے جالس ہونے کے

---

(۱) انظر التعليق، رقم: ۱۱۹

باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم کے قیاماً اقتداء کرنے سے) یہ استدلال کرسکتا ہے کہ امام اگر بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی کھڑے ہی رہے، تو آپ علیہ السلام نے فرمادیا کہ اگر میں پہلے جانتا جو بعد میں معلوم ہوا کہ میں نماز میں حاضر ہوسکوں گا تو پھر تم بیٹھ کر ہی نماز پڑھتے ، یعنی: میں شروع ہی سے آجاتا، ابوبکر رضی اللہ عنہ کا توسط ہی نہ رکھتا، جو تم کو کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کی نوبت آتی۔ (مگر) آئندہ کے لیے قانون یاد رکھو:"إذا صلى الإمام قاعداً، فصلوا قعوداً".

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کا تفصیلی کلام مع الحواشی مکمل ہوا۔ وللہ الحمد!(۱)

حدیثِ مبارکہ سے مستفاد اُمور

اس حدیثِ مبارکہ سے بہت سے اُمور مستفاد ہوتے ہیں منجملہ ان کے یہ ہیں:

۱-چھت پر یا لکڑی پر نماز ادا کرنا درست ہے۔

۲-کسی شرعی سبب سے کچھ عرصہ بیوی سے الگ رہنے کی قسم کھانا جائز ہے۔

۳-مہینہ ہمیشہ تیس دن کا نہیں ہوتا، بلکہ کبھی انتیس دن کا بھی ہوجاتا ہے۔

۴-مقتدی پر امام کی متابعت واجب ہے۔

۵-مقتدی کے لیے امام سے سبقت کرنا درست نہیں ہے۔(۲)

هذا آخر ما أردنا إيراده من شرح كتاب الصلاة ويليه إن شآء الله تعالىٰ في المجلد الثاني.

"باب: إذا أصاب ثوب المصلي امرأته إذا مسجد"

والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، والصلاة والسلام على رسوله محمد أفضل الموجودات، وأكرم المخلوقات، وعلىٰ آله وأصحابه والتابعين لهم بإحسان ما دامت الأرض والسماوات

---

(۱) فضل الباری، کتاب الصلاة، باب الصلاة فی السطوح والمنبر والخشب، رقم الحدیث:، مسئلة اقتداء القائم خلف الجالس: ۳/۶۷-۹۶، مرکز الدعوه السلامیه، کیرانی گنج، ڈھاکہ ۔

(۲) عمدة القاري: ٤/١٥٩، التوضيح لابن الملقن: ٥/٣٥٥-٣٥٧

بسم الله الرحمن الرحيم

١٨ - باب[1] : إِذَا أَصَابَ ثَوْبُ الْمُصَلِّي امْرَأَتَهُ إِذَا سَجَدَ .

یہ باب اس بارے میں ہے کہ

جب نمازی کا کپڑا سجدہ کرتے وقت اس کی بیوی کو لگ جائے۔ (تو نماز کا کیا حکم ہے؟)

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت تو یہ ہے کہ ترجمۃ الباب میں اس طرح کی عبارت اس وقت لاتے ہیں جب کسی حکمِ شرع میں کسی امام کا اختلاف ہو، لیکن اس مقام میں خلافِ عادت ایسا مسئلہ بیان ہوا ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے (۲)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

چونکہ مسِ مرأۃ بعض کے نزدیک ناقضِ وضو ہے تو ممکن ہے کہ کسی کو یہ وہم ہو کہ اگر نمازی کا کپڑا عورت کو لگ جائے بحالتِ صلاۃ، تو یہ باعثِ کراہت ہوگا، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ اس کو دفع فرما رہے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اس سے نماز میں کوئی خلل نہ ہوگا، مگر میں نے بیان کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نہ تو مسِ مرأۃ سے وضو کے قائل ہیں، نہ ہی مسِ ذکر سے، اور نہ ہی قہقہہ سے، وہ مسائل میں نہ احناف کے ساتھ ہیں، اور

(۱) کشف الباری میں الدکتور مصطفیٰ دیب البغا کے جس نسخے کو بطور متن کے بنیاد بنایا گیا ہے، اس نسخے کے مطابق اس باب کا نمبر ''اٹھارہ'' ہے، جب کہ دیگر نسخ میں جو فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری وغیرہ میں ہیں کے مطابق اس باب کا نمبر ''انیس'' ہے۔

(۲) عمدة القاري: ٤/ ١٦٠

نہ ہی شوافع کے ساتھ۔

اور دوسری غرض امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حنفیہ پر رد ہے، کیونکہ حنفیہ محاذاۃِ مرأۃ کو مفسدِ صلاۃ قرار دیتے ہیں، اور یہاں روایت میں "حذاء" کا لفظ موجود ہے، لیکن اس سے احناف پر رد نہیں ہوتا، کیونکہ حنفیہ مطلقا محاذات کو مفسد نہیں مانتے، بلکہ اس کے لیے کچھ شرائط ہیں، مثلا: امام نے عورت کی امامت کی نیت کی ہو اور عورت نماز میں اس کے ساتھ شریک ہو، لیکن چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ استدلال کرتے ہیں، اس لیے ممکن ہے کہ "حذاء" کے لفظ سے استدلال کرلیا ہو(۱)۔

حدیثِ باب

۳۷۲ : حدّثنا مُسَدَّدٌ ، عَنْ خَالِدٍ قَالَ : حَدَّثنا سُلَيمانُ ٱلشَّيْبَانِيُّ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ شَدَّادٍ ، عَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ :(۲) كَانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ يُصَلِّي وَأَنَا حِذَاءَهُ ، وَأَنَا حَائِضٌ ، وَرُبَّمَا أَصَابَنِي ثَوْبُهُ إِذَا سَجَدَ . قَالَتْ : وَكَانَ يُصَلِّي عَلَى ٱلْخُمْرَةِ . [ر : ۳۲٦]

ترجمہ حدیث

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں لیٹی ہوتی تھی، اس حال میں کہ میں حائضہ ہوتی تھی، اور بسا اوقات جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا میرے بدن کو لگ جاتا تھا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر نماز پڑھتے تھے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ میں پانچ رجال ہیں:

---

(۱) الكنز المتواري: ٤/٦٤، ٦٥۔ تقرير بخاري شريف: ۲/۱۳۵۔ سراج القاري: ۲/٤٠٨

(۲) مر تخريجه في كشف الباري، كتاب الحيض، باب، رقم الحديث: ۳۳۳

۱۔مسدد

یہ ''مسدد بن مسرہد بن مسربل بن مرعبل اسدی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الصلاۃ، باب:من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه ، میں گزر چکا ہے(۱)۔

۲۔خالد

یہ ''خالد بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطحان الواسطی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباري، کتاب:الوضو، باب:من مضمض واستنشق من غرفة واحدة، میں گزر چکا ہے(۲)۔

۳۔سلیمان الشیبانی

یہ ''سلیمان بن ابی سلیمان ابواسحاق شیبانی کوفی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباري، کتاب الحیض، باب: مباشرة الحائض، کی دوسری حدیث، کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

۴۔عبداللہ بن شداد

ان کے تفصیلی احوال کشف الباري، کتاب الحیض، باب: مباشرة الحائض، کی دوسری حدیث، کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

۵۔میمونہ

یہ ام المؤمنین ''حضرت میمونہ بنت الحارث''، رضی اللہ عنہا ہیں۔

---

(۱) کشف الباری: ۲/۲

(۲) كشف الباري، كتاب الوضو، باب: من مضمض واستنشق من غرفة واحدة

(۳) كشف الباري، كتاب: الحيض، باب: مباشرة الحائض، الحديث الثاني، ص: ۲٥۰

(٤) كشف الباري، كتاب: الحيض، باب: مباشرة الحائض، الحديث الثاني، ص: ۲٥۰

ان کا تذکرہ کشف الباري، کتاب العلم، باب: السمر في العلم، میں گزر چکا ہے(١)۔

شرح حدیث

مذکورہ حدیث مبارکہ کی مکمل شرح کتاب الحیض کے آخری باب کے تحت گزر چکی ہے۔

صرف "وأنا حذاءه" کی ترکیبی حالت کے بارے میں عرض ہے کہ "حذاءه" کو منصوب اور مرفوع دونوں طرح پڑھنا درست ہے، "نصب" ظرفیت کی بناء پر ہوگا اور "مرفوع" خبر کی بناء پر۔ ظرفیت کی صورت میں جملہ "أنا مفترشة حذاء النبي صلی الله علیه وسلم" ہوگا(٢)۔

قوله: "علی الخُمرة" بضم الخاء المعجمة وسکون المیم، کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چھوٹی چٹائی / جائے نماز کو کہتے ہیں، اس کی مکمل تشریح بھی کتاب الحیض کے آخری باب کے تحت گزر چکی ہے۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے کہ ترجمہ میں "إذا أصاب ثوب المصلي امرأته إذا سجد" ہے اور یہی بات حدیث مبارکہ کے جملے "ربما أصابني ثوبه إذا سجد" میں موجود ہے(٣)۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور وآداب

اس حدیث مبارکہ سے بہت سے امور وآداب مستنبط ہوتے ہیں، مثلاً:

١۔ حائضہ عورت کا جسم ناپاک نہیں ہوتا، اس لیے کہ اگر حائضہ عورت کا بدن نجس ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوران نماز اپنا کپڑا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا پر نہ گرنے دیتے، اور یہی حکم نفاس والی عورت کا بھی ہے۔

٢۔ حائضہ عورت اگر نمازی کے قریب ہو تو اس سے نماز میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔

٣۔ حائضہ عورت سے نماز معاف ہے۔

٤۔ کھجور کے پتوں سے بنی چٹائی پر نماز ادا کرنا درست ہے(٤)۔

---

(١) کشف الباری: ٤٢٠/٤

(٢) شرح الکرماني: ٤/ ٤٤۔ عمدة القاري: ٤/ ١٦٠

(٣) عمدة القاري: ١٦٠/٤۔ الکوثر الجاري: ٦٧/٢

(٤) شرح الکرمانی: ٤٤/٤۔ عمدة القاري: ٣٧١/٣، ١٦٠/٤

١٩ – باب : اَلصَّلَاةِ عَلَى اَلْحَصِيرِ .

یہ باب چٹائی پرنماز پڑھنے کے بارے میں ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بعض شراح نے یہاں حدیث: "جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا" ذکرکر کے غیرارض پر جوازصلوٰۃ کا ذکر کیا ہے۔مگر میرے نزدیک امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض ایک اورمسئلہ کو بیان کرنا ہے، وہ یہ کہ غالبا ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ وہ "صلوٰۃ علی الحصیر" کومکروہ بتلاتی ہیں اوران کا استدلال آیت شریفہ: ﴿وجعلنا جهنم للكافرين حصيرا﴾ سے ہے تو چونکہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کو کافرین کے لیے حصیر بنایا ہے تو یہاں اشتراک اسمی پایا جارہا ہے، لہٰذا حصیر پر نماز مکروہ ہوگی، تو اب امام بخاری رحمہ اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول پر رد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو "صلوة على الحصير" ثابت ہے(١)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسی نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے(٢)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اثر کی تخریج

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذکورہ اثر ''مسند ابی یعلی الموصلی'' میں موجود ہے، پورا اثر ملاحظہ کیجیے:

حدثنا أبو بكر حدثنا يزيد بن مقدام عن المقدام بن شريح، عن أبيه أنه سأل عائشة: أكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي على الحصير؟ فإني سمعت في كتاب الله: ﴿وجعلنا جهنم للكافرين حصيرا﴾ قالت: "لم يكن يصلي عليه"(٣).

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک مذکورہ اثر ثابت نہیں ہے۔ یا انہوں نے

---

(١)تقریر بخاری شریف: ١٣٧/٢، ١٣٨، الكنز المتواري: ٦٥/٤، سراج القاري: ٤٠٩/٢

(٢)فتح الباري: ٦٣٦/١

(٣)مسند أبي يعلى الموصلي، مسند عائشة، رقم الحديث: ٤٤٣١، ٧٥/٤

اسے شاذ قرار دیتے ہوئے رد کر دیا ہے، اس لیے کہ اس کے معارض اس سے قوی حدیث موجود تھی، جیسے: حدیثِ باب۔ بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بـاب: صـلوٰۃ اللیل میں حضرت ابوسلمہ کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چٹائی پر نماز پڑھنے کی تصریح ہے(۱)۔

اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے کہ انہوں نے خود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چٹائی پر نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا(۲)۔

نیز! الـمـصـنـف لابن ابی شیبـہ میں حضرت ابوسعید اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایات اور حضرت ابن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت مکحول، حضرت ثابت بن عبیداللہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے آثار موجود ہیں، جن سے حصیر (چٹائی) پر کھڑے ہو کر نماز کی ادائیگی کا درست ہونے ثابت ہوتا ہے(۳)۔

---

(۱) حـدثـنـا إبـراهيم بن المنذر، قال: حدثنا ابن أبي فديك، قال: حدثنا ابن أبي ذئب، عن المقبري، عن أبي سـلـمة بـن عبـد الـرحـمن، عن عائشة رضي الله عنها، أن النبى صلى الله عليه وسلم كان له حصير، يبسطه بـالنهار، ويحتجره بالليل، فثاب إليه ناس، فصلوا وراءه. (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب: صلاة الليل، رقم الحديث: ٧٣٠)

(٢) حـدثـنـي عمرو الناقد، وإسحاق بن إبراهيم -والـلفظ لعمرو- قـال: حـدثـني عيسى بن يونس، حدثنا الأعـمـش، عـن أبـي سـفيان، عن جابر، حدثني أبو سعيد الخدري أنه دخل على النبي صلى الله عليه وسلم قال: فـرأيتـه يـصلي على حصير يسجد عليه قال: ورأيتـه يـصـلي في ثوب واحد متوشحا به. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: في الصلاة على الحصير، رقم الحديث: ٥١٩)

(٣)١ـ حـدثـنـا أبـو معاوية، عن الأعمش، عن أبي سفيان، عن جابر، عن أبي سعيد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى على حصير.

٢ـ حـدثـنـا وكيع قال: حدثنا العمري، عن إسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة، عن أنس، أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى على حصير.

٣ـ حدثنا وكيع، عن سفيان، عن توبة العنبري، عن نافع، عن ابن عمر، أنه كان يصلي على حصير.

٤ـ حدثنا وكيع قال: حدثنا عمر بن ذر، عن يزيد الفقير قال: رأيت جابر بن عبد الله، يصلي على حصير من بردي.

٥ـ حدثنا وكيع، عن هشام بن الغاز، عن مكحول قال: رأيته يصلي على الحصير ويسجد عليه.

٦ـ حدثنا حفص، عن حجاج، عن ثابت بن عبيد الله قال: رأيت زيد بن ثابت، يصلي على حصير =

حصیر کی تعریف

کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی یا بوریا "حصیر" کہلاتا ہے، یہ "خمرۃ" سے بڑی ہوتی ہے اور عموماً قدِ انسانی کے برابر ہوتی ہے، اسے گھروں میں بچھایا جاتا ہے(۱)۔

تعلیق

وَصَلَّى جَابِرٌ وَأَبُو سَعِيدٍ فِي ٱلسَّفِينَةِ قَائِمًا .

تعلیق کا ترجمہ

حضرت جابر اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما نے کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو موصولاً ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے المصنف میں ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

حدثنا أبو بكر قال: حدثنا مروان بن معاوية، عن حميد، قال: سئل أنس عن الصلاة في السفينة، فقال عبد الله بن أبي عتبة مولى أنس وهو معنا جالس: سافرت مع أبي سعيد الخدري، وأبي الدرداء، وجابر بن عبد الله، قال حميد: وأناس قد سماهم، فكان إمامنا يصلي بنا في السفينة قائما، ونحن نصلي خلفه قياما، ولو شئنا لأرفأنا وخرجنا(۲).

تعلیق کے رجال

اس تعلیق میں دو راوی ہیں:

= يسجد عليه.

(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب: في الصلاة على الحصير، رقم الحديث: ٤٠٤٣ - ٤٠٥٦، ٣٩٨/١، ٣٩٩)

(۱)تاج العروس من جواهر القاموس، مادة: ح ص ر، ٢٨/١١۔ لسان العرب: ١٠٣/٣۔ المعجم الوسيط، ص: ١٧٩۔ إعلام الحديث للخطابي: ١/ ٣٧٢

(۲)المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من صلى فيها قائما، رقم الحديث: ٦٦٢٦، ٤٣١/٤.

۱۔ جابر

یہ مشہور صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب: من لم یر الوضوء إلا من المخرجین من القبل والدبر، کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ ابوسعید

یہ مشہور صحابی رسول حضرت "سعد بن مالک بن سنان بن عبید الانصاری الخزرجی" رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الدین الفرار من الفتن، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس پر اشکال ہے کہ سفینہ کا ذکر حصیر کے باب میں کیسے لے آئے؟ جن لوگوں نے باب کی غرض یہ بتلائی ہے کہ غیر ارض پر نماز پڑھنا "جعلت لي الأرض" کے خلاف معلوم ہوتا ہے، ان پر رد ہے، ان لوگوں کے نزدیک تو کوئی اشکال نہیں، کیونکہ سفینہ اور حصیر دونوں غیر ارض میں سے ہیں، مگر میری رائے پر اس سے اشکال وارد ہوگا، اور جواب اس کا یہ ہے کہ بعض مرتبہ ترجمہ میں استدلال عادت سے ہوتا ہے، تو چونکہ عام طور سے سفینہ کے اندر حصیر بچھانے کی عادت ہے تو اس عادت کے تحت گویا سفینہ میں نماز مثل صلاۃ حصیر ہے"(۳)۔

علامہ ابن المنیر رحمہ اللہ کی رائے

علامہ ابن المنیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "الصلاۃ علی الحصیر" کے ترجمہ میں "الصلاۃ في السفینة" داخل

---

(۱) کشف الباری، کتاب الوضو، باب: من لم یر الوضوء إلا من المخرجین من القبل والدبر

(۲) کشف الباري: ۸۲/۲

(۳) تقریر بخاری: ۱۳٦/۲

کرنے کی وجہ یہ ہے کہ چٹائی اور کشتی پر نماز ادا کرنا غیر زمین پر نماز ادا کرنا ہے، یعنی: دونوں اس امر میں شریک ہیں، اور مصنف علیہ الرحمۃ نے ایسا اس لیے کیا کہ یہ وہم پیدا نہ ہو جائے کہ نمازی کے لیے نماز کے دوران زمین سے الصاق ضروری ہے''(۱)۔

یہی بات شیخ بدرالدین بن جماعۃ رحمہ اللہ نے ''مناسبات تراجم البخاری'' میں(۲)؛ اور قاضی بدر الدین الدمامینی رحمہ اللہ نے ''مصابیح الجامع'' میں ذکر کی ہے(۳)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف کی طرح اشارہ کیا ہے، اُن کے نزدیک بلا عذر کے، یعنی: قیام پر قدر رہوتے ہوئے بھی کشتی میں بیٹھ کر نماز جائز ہے''(۴)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اس سے قوی مناسبت یہ ہے کہ جس طرح مصلّی اور جائے نماز زمین پر ہوتا ہے، اس طرح کشتی پانی پر ہوتی ہے، لہٰذا دونوں پر نماز درست ہے(۵)۔

کشتی میں نماز پڑھنے کا حکم و مسائل

اگر کشتی یا بحری جہاز چل رہا ہو تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بلا عذر بیٹھ کر فرض و واجب نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن خلافِ افضل اور مکروہ ہے اور کشتی میں بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی صورت میں بھی نماز رکوع وسجود کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے، بیٹھ کر اشارہ سے نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

---

(۱)المتواري على أبواب البخاري، ص: ۸۵

(۲)مناسبات تراجم البخاري، ص: ٤٦

(۳) مصابيح الجامع للدماميني: ۱۰۲/۲

(٤)فتح الباري: ٦٤٣/١

(٥)عمدة القاري: ٤/ ١٦٣

اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک کشتی میں بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اور عذر کی صورت میں ان کے نزدیک بھی جائز ہے۔

اس اختلافی صورت میں صاحبین رحمہما اللہ کا مسلک مختار وقوی ہے۔

اور اگر کشتی پانی میں چل نہ رہی ہو بلکہ کنارہ پر بندھی ہوئی ہو تو اس میں ایسے شخص کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، جو قیام پر قادر ہو۔ اس لیے کہ اس صورت میں یہ کشتی زمین کی مثل ہے، لہٰذا کوئی ایسا عذر جس کی وجہ سے زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا جائز ہو، اسی عذر کی وجہ سے کشتی میں بیٹھ کر بھی نماز ادا کرنا جائز ہوگا۔

اور اگر کشتی دریا کے اندر ٹھہری ہوئی ہے، یعنی: گہرے پانی میں لنگر انداز ہو، بندھی ہوئی ہو، لیکن ہوا کی وجہ سے بہت زیادہ ہلتی ہو تو وہ چلتی کشتی کے حکم میں اور تھوڑا ہلتی ہو تو وہ رکی ہوئی کشتی کے حکم میں ہے۔

نیز! کشتی میں نماز ادا کرتے وقت بھی قبلہ رُخ ہونا ضروری ہے، اور اگر کشتی قبلہ کی طرف سے پھر جائے تو نمازی بھی اپنا منہ قبلہ کی طرف پھیر لے۔ اگر باوجود قدرت کے قبلہ کی طرف نہیں گھومے گا تو اس کی نماز جائز نہیں ہوگی (۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا ایک قول اور اس کا جواب

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مناسبت کے تحت یہ بات ذکر کی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف کی طرف اشارہ کیا ہے (۲)۔

تو واضح رہے کہ اس مسئلہ میں امام صاحب رحمہ اللہ کا استدلال حدیثِ انس رضی اللہ عنہ سے ہے۔

دوسری بات: حسن بن زیاد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں سوید بن غفلہ کی سند سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے کشتی میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا تو دونوں حضرات نے فرمایا کہ کشتی کے چلنے کی حالت میں بیٹھ کر نماز پڑھو اور رکی ہوئی ہونے کی حالت میں کھڑے ہو کر

---

(۱) المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب: في الصلوات في السفينة: ۲/۲

رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: في الصلاة في السفينة: ۲/۵۷۲، ۵۷۳

مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، الصلاة في السفينة، ص: ۴۰۸

(۲) فتح الباري: ۱/۶۳۴

نماز پڑھو۔

تیسری بات: کشتی چلنے کی حالت میں اکثر دورانِ راس ہوتا ہے، لہٰذا سبب کی جگہ مسبب کو سمجھ لیا گیا اور ایسا ہی ہوتا بھی ہے، خصوصا جب کہ مسبب پر واقفیت دشوار ہو، یا وہ ایسا ہو کہ سبب کی موجودگی میں اس کا موجود نہ ہونا بہت نادر ہو۔ جس طرح امام صاحب نے مباشرتِ فاحشہ کو خروجِ منی کا قائم مقام قرار دیا ہے، لہٰذا حکم اکثری حالت پر دیا گیا(۱)۔

حضرت مجاہد، حضرت ابن سیرین، حضرت ابوقلابہ، حضرت طاؤس اور حضرت جنادہ بن ابی امیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مؤقف ہے(۲)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

دوسری تعلیق

وَقَالَ ٱلْحَسَنُ : قَائِمًا مَا لَمْ تَشُقَّ عَلَى أَصْحَابِكَ ، تَدُورُ مَعَهَا ، وَإِلَّا فَقَاعِدًا .

تعلیق کا ترجمہ

اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں، جب تک کہ تمہارے ساتھیوں پر دشوار نہ ہو، (اگر کشتی گھوم

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل: أما أركانها: ۱/۵۱۵.

(۲) حدثنا أبو بكر قال: حدثنا عبد الله بن إدريس، عن حصين، عن مجاهد، قال: كنا نغزو مع جنادة بن أبي أمية البحر، فكنا نصلي في السفينة قعودا.

حدثنا هشيم، عن يونس، أن ابن سيرين، قال: خرجت مع أنس إلى بني سيرين في سفينة عظيمة، قال: فأمنا فصلى بنا فيها جلوسا ركعتين، ثم صلى بنا ركعتين أخراوين.

حدثنا ابن علية، عن خالد، عن أبي قلابة، "أنه كان لا يرى بأسا بالصلاة في السفينة جالسا".

حدثنا وكيع، عن أبي خزيمة، وطاوس، قال: صل فيها قاعدا.

المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: صل في السفينة جالسا، رقم الحديث: ٦٥٦٠ -٦٥٦٣.

المصنف لابن عبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في السفينة، رقم الحديث: ٤٥٥٣-٤٥٥٦.

جائے تو) تم کشتی کے ساتھ گھومتے رہو (یہاں تک کہ تم قبلہ رخ ہو جاؤ) ورنہ بیٹھ کر نماز پڑھو۔

تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے موصولا ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

حدثنا حفص عن عاصم عن الشعبي والحسن وابن سيرين أنهم قالوا: صلّ في السفينة قائما، وقال الحسن: "لا تشق على أصحابك"(١).

تعلیق کے راوی

حسن

یہ مشہور تابعی "ابوسعید الحسن بن ابی الحسن یسار البصری" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا، فأصلحوا بينهما، کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

تشریح

"قائما" حال ہے، فعل محذوف "تصلي" سے، اس طرح یہ جملہ سائل کے سوال کا جواب بن جائے گا، کہ سائل نے دریافت کیا کہ کشتی میں نماز کھڑے ہو کر ادا کی جائے یا بیٹھ کر؟ تو جواب دیا کہ تو کشتی میں کھڑے ہونے کی حالت میں نماز ادا کر، جب تک تیرے لیے ایسا کرنا دشوار نہ ہو۔ اور جب کشتی چلنے کی وجہ سے تیرے لیے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا دشوار ہو جائے اور گرنے کا اندیشہ ہو جائے تو بیٹھ کر نماز پڑھ لو۔ اس لیے کہ اس صورت میں بھی کھڑے ہو کر ہی نماز ادا کرنا نمازی کے لیے حرج کا باعث ہے اور حرج مدفوع ہے" (۳)۔

---

(١) المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: صل في السفينة قائما، رقم الحديث: ٦٦٢٨

(٢) كشف الباري: ٢٢٠/٢

(٣) عمدة القاري: ١٦٢/٤

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی اس بات سے تین مسئلے معلوم ہوئے:

۱۔ کشتی میں اگر کوئی عذر نہ ہو تو بیٹھ کر نماز نہ پڑھے، بلکہ کھڑے ہو کر پڑھے۔

۲۔ کشتی میں بھی استقبالِ قبلہ ضروری ہے، اگر نماز کے دوران کشتی گھوم جائے تو نمازی کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ بھی گھوم جائے، یہی حکم ٹرین میں نماز پڑھنے کا ہے۔

۳۔ اگر کشتی میں نماز پڑھنا دشوار ہو تو کشتی سے باہر نکل کر پڑھنا افضل ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''علامہ قسطلانی رحمہ اللہ اس جملہ کا مطلب یہ لکھتے ہیں کہ کشتی جدھر جائے اسی رُخ پر چلتا رہے، میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کشتی قبلہ کی طرف سے دوسرے رُخ پر مڑ جائے تو مصلی اپنا رُخ قبلہ کی طرف موڑ لے، نہ کہ کشتی کے ساتھ گھومتا رہے، عند والدی علیہ الرحمۃ یہ بھی کشتی کے ساتھ ساتھ ہی پھرتا رہے، یعنی: جہاں جہاں وہ کشتی قبلہ سے ہٹ جائے وہاں وہ قبلہ کی طرف پھر جاوے''(۱)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیث باب

۳۷۳ : حدّثنا عَبْدُ ٱللّٰهِ قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ ، عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ ٱللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ(۲) : أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ ، دَعَتْ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ لَهُ ، فَأَكَلَ مِنْهُ ، ثُمَّ

---

(۱) إرشاد الساري: ۱/۵۸۲۔ الأبواب والتراجم: ۲/۱۹۹۔ سراج القاري: ۲/۴۰۹

(۲) رواه البخاري أيضا في الجماعة، باب: المرأة وحدها تكون صفاً، رقم الحديث: ۷۲۷. وفي صفة الصلاة، باب: وضوء الصبيان، رقم الحديث: ۸٦۰.وباب: صلاة النساء خلف الرجال، رقم الحديث: ۸۷۱.وفي التطوع، باب: ما جاء التطوع مثنى مثنى، رقم الحديث: ۱۱٦٤.

ومسلم في صحيحه، في المساجد، باب: جواز الجماعة في النافلة والصلاة على حصير، رقم الحديث: ٦٥۹، ٦٦۰.

وأبو داود في سننه، في الصلاة، باب: إذا كانوا ثلاثة كيف يقومون؟ رقم الحديث: ٦۱۲. وفي الصلاة على الحصير، رقم الحديث: ٦٥۷.

والترمذي في جامعه، في الصلاة، باب: ما جاء في الرجل يصلي ومعه الرجال والنساء، =

قَالَ : (قُومُوا فَلأُصَلِّ لَكُمْ) . قَالَ أَنَسٌ : فَقُمْتُ إِلَى حَصِيرٍ لَنَا ، قَدِ ٱسْوَدَّ مِنْ طُولِ مَا لُبِسَ ، فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ ، فَقَامَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ ، وَصَفَفْتُ أَنَا وَٱلْيَتِيمُ وَرَاءَهُ ، وَٱلْعَجُوزُ مِنْ وَرَائِنَا ، فَصَلَّى لَنَا رَسُولُ ٱللهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ ٱنْصَرَفَ . [٦٩٤ ، ٨٢٢ ، ٨٣٣ ، ١١١١]

ترجمہ حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی نانی مُلیکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی، جوانہوں نے (خاص) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہی تیار کیا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھانے سے تناول کیا، پھر فرمایا: آؤ کھڑے ہو جاؤ، میں (تمہارے گھر میں خیر وبرکت کے لیے) تمہیں نماز پڑھاؤں۔

حضرت انس رضی اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اٹھ کر ایک چٹائی لے آیا، جو کثرت استعمال کی وجہ سے سیاہ ہوگئی تھی، پھر میں نے اس پر پانی چھڑکا، (یعنی: اُسے دھویا) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کھڑے ہوگئے، میں نے اور ایک یتیم چھوٹے لڑکے نے آپ علیہ السلام کے پیچھے صف باندھی اور بوڑھی نانی ہمارے پیچھے کھڑی ہوگئیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعت پڑھائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے۔

تراجم رجال

اس حدیث مبارکہ میں کل چار رجال ہیں:

= رقم الحديث: ٢٣٤.

والنسائي في سننه، في المساجد، باب: الصلاة على الحصير، رقم الحديث: ٧٣٨، وفي الإمامة، باب: إذا كانوا ثلاثة وامرأة، رقم الحديث: ٨٠٢.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، القسم الأول: في الفرائض وأحكامها، الباب الأول: في الصلاة وأحكامها، الفصل السادس: في شرائط الصلاة، الفرع الرابع: في أمكنة الصلاة وما يصلي عليه، النوع الأول، فيما يصلي عليه، رقم الحديث: ٣٦٥٤، ٤٦٥/٥.

۱۔ عبداللہ بن یوسف

یہ ''عبداللہ بن یوسف تنیسی دمشقی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی تعارف، کتاب العلم، باب: لیبلغ الشاهد الغائب، کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۲۔ مالک

یہ مشہور امام ''مالک بن انس بن مالک الاصبحی المدنی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی تعارف کتاب الایمان، باب: من الدين الفرار من الفتن، کے تحت میں گزر چکا ہے(۲)۔

۳۔ اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ

یہ ''اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ انصاری نجاری مدنی''، رحمہ اللہ ہیں۔ ان کے دادا ''ابوطلحہ'' کا نام ''زید بن سہیل'' ہے۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب العلم، باب: "من قعد حيث ينتهي به المجلس ومن رأى فرجة في الحلقة فجلس فيها" کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

۴۔ انس بن مالک

یہ مشہور ومعروف صحابی رسول حضرت ''انس بن مالک بن نضر خزرجی انصاری''، رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گزر چکا ہے(۴)۔

---

(۱) کشف الباری: ۲۸۹/۱، ۱۱۳/٤

(۲) کشف الباری: ۲۹۰/۱، ۸۰/۲

(۳) کشف الباری: ۲۱۳/۳

(٤) کشف الباری: ٤/۲

مُلیکہ

یہ لفظ ''م'' کے ضمہ کے ساتھ ہے، لیکن أصیلي کے نزدیک یہ لفظ ''م'' کی فتحہ اور ''لام'' کی کسرہ کے ساتھ ہے۔

ان دونوں قولوں میں سے پہلا قول صحیح ہے، دوسرا نہیں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں دوسرا قول ذکر کرنے کے بعد فرمایا: "وهٰذا ضعيف مردود" (۱) اور ''مشارق الأنوار'' میں ہے: "ولا يصح" (۲)۔

"جدته" کی ضمیر کا مرجع

روایت میں "جدته مُليكة" کے الفاظ ہیں، یعنی: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دادی کا نام "مُليكه" تھا۔ پھر اس میں اختلاف ہوا کہ ''جدتہ'' کی ضمیر غائب "ہ" کا مرجع کیا ہے؟

ابن عبد البر، عبد الحق اور قاضی عیاض رحمہم اللہ کے نزدیک اس ضمیر کا مرجع ''اسحاق'' راوی ہے، یعنی: ''اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ'' کی دادی، امام نووی رحمہ اللہ نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے (۳)، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے (۴)۔

جب کہ ابن سعد، ابن مندہ اور ابن الحصار رحمہم اللہ کے نزدیک "ہ" ضمیر کا مرجع حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ علامہ ابن حبان رحمہ اللہ نے "فوائد العراقيين" میں اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ کی روایت نقل کی ہے، جس میں وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میری دادی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دعوت کا پیغام بھیجا، ان کا نام ''ملیکہ'' تھا، آپ صلی اللہ

---

(۱) شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: جواز الجماعة في النافلة، رقم الحديث: ۱۴۹۷، ۱٦٤/٥.

(۲) مشارق الأنوار، حرف الكاف، فصل الاختلاف والوهم غير ما تقدم: ۳۹۹/۱.

(۳) شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: جواز الجماعة في النافلة، رقم الحديث: ۱۴۹۷، ۱٦٤/٥.

(٤) إرشاد الساري: ۳۳/۲

علیہ وسلم تشریف لائے، پھر نماز کا وقت ہوا تو نماز کے لیے ایک چٹائی پر کھڑے ہوگئے............ إلخ (۱)۔

علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''دونوں میں سے جو بھی مرجع قرار پائے اس میں کوئی تضاد نہیں ہے، اس لیے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ''ام سلیم'' تھا، ان کی والدہ کا نام ''ملیکہ'' تھا۔ نیز! ''ام سلیم'' کے پہلے شوہر کا نام ''مالک بن النضر'' تھا، جن سے حضرت انس رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے، ان کی وفات کے بعد ''ام سلیم'' نے ''ابوطلحہ'' سے شادی کی، جن سے ''عبداللہ'' پیدا ہوئے، اوران سے اسحاق۔

اس طرح ''ام سلیم'' دادی بنی ''اسحاق'' کی، اوران کی ماں، یعنی: ''ملیکہ'' پڑدادی بنی، اور چونکہ عربی زبان میں ''جدۃ'' کا لفظ دادی اور پڑدادی دونوں پر بولا جاتا ہے، اس لیے ان کی طرف نسبت ٹھیک ہوئی، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف بھی نسبت ٹھیک ہوئی (۲)۔

الدکتور احمد الشاکر نے سنن ترمذی کے حاشیہ میں اس کی پوری تحقیق نقل کی ہے، جو بہت سے فوائد پر مشتمل ہے، اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے (۳)۔

---

(۱) عمدة القاري: ٤/١٦٣

(۲) قوله: (إن جَدَّتَهُ)، قيل: الضمير إلى إسحاق، وقيل: إلى أنس رضي الله عنه، وكلاهما صحيح، فإن أمَّ سليم والدة أنس رضي الله عنه كانت تزوجت بعده أبا طلحة رضي الله عنه، فصار عبد الله أخًا لأنس رضي الله عنه، وصارَت مُلَيْكَةُ جَدَّةً لإسحاق بن عبد الله. (فيض الباري: ٤/ ٣٢)

(۳) "مُليكة" بضم الميم، وفتح اللام، وقد أخطأ من ضبطه بفتح الميم وكسر اللام. وقوله: "جدته" اختلف في الضمير العائد؛ هل هو عائد على أنس، فتكون مليكة جدته هو؟ أو على إسحق بن عبد الله بن أبي طلحة، فتكون جدة إسحق؟

وقد ادعى ابن عبد البر أن مليكة هي أم أنس بن مالك، وأنها هي أم سليم بنت ملحان زوج أبي طلحة الأنصاري، وأن الضمير في "جدته" عائد على إسحق بن عبد الله بن أبي طلحة؛ واستدل لذلك برواية عبد الرزاق لهذا الحديث عن مالك "عن إسحق عن أنس: أن جدته مليكة، يعني: جدة إسحق، وذكر الحديث بمعنى ما في المؤطأ. وقلّد كثير من العلماء ابن عبد البر في ذلك، ورواية عبد الرزاق رواها أحمد في المسند رقم: ١٢٧٠٨، ج: ٣، ص: ١٦٤) وليس فيها قوله: "يعنى: جدة إسحق". =

شرح حدیث

أن جدته مليكة، دعت رسول الله صلى الله عليه وسلم لطعامٍ صنعتُه له.

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نانی ''ملیکہ'' نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کے لیے بلایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تیار کیا تھا۔

"لطعامٍ" میں "لام" اجلیہ ہے، یعنی: "لأجل لطعامٍ"(۱)۔

ایک طرح کے دو واقعات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف طرزِ عمل

بعض شارحین نے لکھا ہے کہ اس لفظ ''طعام'' سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت صرف اس لیے دی گئی تھی کہ آپ کھانا تناول فرمائیں، بخلاف حضرت ''عتبان بن مالک'' کے قصہ

= وما ذهب إليه ابن عبد البر خطأ، فإن أم سليم بنت ملحان اختلف في إسمها: فقيل: "الخميصاء" وقيل: "الرميصاء"، وقيل: "رميلة"، وقيل: "رميثة"، وهٰذه الأسماء بضم الأول فيها كلها، ولم يقل أحد أن إسمها "مليكة"، وأما "مُليكة" فهي أمها، وهي جدة أنس لأمه، وهي جدة إسحق بن عبد الله بن أبي طلحة، لأنها جدة أبيه عبد الله لأمه، وكانت ابنتها أم سليم تحت مالك بن النضر، فولدت له أنسا في الجاهلية، وأسلمت مع السابقين من الأنصار، فغضب مالك وخرج إلى الشام ومات بها، فتزوجها بعده أبو طلحة زيد بن سهل الأنصاري، فولدت له عبد الله وأبا عمير، وهؤلاء بنو ملحان معروفون، إخوة أشقاء: سليم وزيد وحرام وعباد وأم سليم وأم حرام، أبوهم: ملحان، بكسر الميم وإسكان اللام، واسمه: مالك بن خالد بن زيد بن حرام، من بني النجار، وأمهم: مليكة بنت مالك بن عدي بن زيد بن مناة بن عدي، من بني النجار. (انظر الإصابة، ج:۸، ص: ۱۹۰، ۱۹۱، وطبقات ابن سعد، ج۳، ص: ۷۱، ۷۲، ج:۸، ص: ۳۱۰).

ويؤيد هٰذا ما نقله السيوطي في شرح المؤطأ (۱: ۱٦۹) عن فوائد العراقيين لأبي الشيخ من طريق القاسم بن يحيى المقدمي عن عبد الله بن عمر عن إسحق بن أبي طلحة عن أنس قال: "أرسلني جدتي إلى النبي صلى الله عليه وسلم، وإسمها مليكة، فجاء نا فحضرت الصلاة"، فهٰذا صريح في أنها جدة أنس لا أمه. وانظر فتح الباري (۱: ٤۱۱، ٤۱۲). (حاشية لأحمد الشاكر على سنن الترمذي، كتاب الصلاة، الرجل يصلي ومعه رجل، تحقيق أن مليكة جدة أنس: ۱/٤٥٤، ٤٥٥، مطبعة مصطفى البابي الحلبي)

(۱) فتح الباري: ۱/٦۳٥۔ عمدة القاري: ٤/ ۱٦٤۔ التوشيح للسيوطي: ۱/۳۱۳.

کے(۱)، کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت حصولِ برکت کی غرض سے نماز پڑھنے کے لیے دی گئی تھی، چنانچہ ان کے قصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول نماز ادا کی، پھر کھانا تناول فرمایا، اور اس قصہ میں اول کھانا تناول فرمایا، پھر نماز ادا فرمائی، یعنی: جس غرض سے دعوت دی گئی، اس کو مقدم رکھا۔

اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ ضروری نہیں ہے کہ "ملیکہ" نے محض کھانے کے لیے ہی بلایا ہو، بلکہ بظاہر یہ بات ہے کہ ان کا مقصود بھی برکت کے لیے نماز پڑھوانے کے لیے بلانا تھا، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے ہاں چونکہ کھانا تیار ہو چکا تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے وہ تناول فرمالیا اور نماز ادا کی اور حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے قصہ میں کھانا اس وقت تیار نہ تھا اس لیے وہاں پہلے نماز ادا کی، پھر کھانا تناول فرمالیا، الغرض دونوں واقعات میں کوئی منافات نہیں ہے کہ تطبیق یا جمع کی نوبت پیش آئے''(۲)۔

(۱)حدثنا سعيد بن عفير، قال: حدثني الليث، قال: حدثني عقيل، عن ابن شهاب، قال: أخبرني محمود بن الربيع الأنصاري، أن عتبان بن مالك وهو من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ممن شهد بدرا من الأنصار أنه أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله قد أنكرت بصري، وأنا أصلي لقومي، فإذا كانت الأمطار سال الوادي الذي بيني وبينهم، لم أستطع أن آتي مسجدهم فأصلي بهم، ووددت يا رسول الله! أنك تأتيني فتصلي في بيتي، فأتخذه مصلى، قال: فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: سأفعل إن شاء الله، قال عتبان: فغدا رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبو بكر حين ارتفع النهار، فاستأذن رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأذنت له، فلم يجلس حتى دخل البيت، ثم قال: أين تحب أن أصلي من بيتك؟ قال: فأشرت له إلى ناحية من البيت، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فكبر، فقمنا فصفنا فصلى ركعتين ثم سلم، قال وحبسناه على خزيرة صنعناها له، قال: فآب في البيت رجال من أهل الدار ذوو عدد، فاجتمعوا، فقال قائل منهم: أين مالك بن الدخيشن أو ابن الدخشن؟ فقال بعضهم: ذلك منافق لا يحب الله ورسوله، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تقل ذلك، ألا تراه قد قال: لا إله إلا الله، يريد بذلك وجه الله، قال: الله ورسوله أعلم، قال: فإنا نرى وجهه ونصيحته إلى المنافقين، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فإن الله قد حرم على النار من قال: لا إله إلا الله، يبتغي بذلك وجه الله، قال ابن شهاب: ثم سألت الحصين بن محمد الأنصاري -وهو أحد بني سالم -وهو من سراتهم، عن حديث محمود بن الربيع الأنصاري: فصدقه بذلك.(صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب: المساجد في البيوت، الرقم: ٤٢٥)

(٢)عمدة القاري: ٤/١٦٤، فتح الباري: ١/٦٣٤

فأكل منه، ثم قال: "قوموا فلأصل لكم".

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کھانا تناول فرمایا، پھر فرمایا: تم لوگ کھڑے ہو جاؤ، تاکہ میں تم لوگوں کو (خیر و برکت) کے لیے نماز پڑھاؤں۔

"فلأصل لكم" کی ترکیبی حیثیت

کشمیہنی کی روایت میں یہ لفظ "لام" کے بغیر ہے، یعنی: "فأصلي"۔ اور اصیلی کی روایت میں ابتدا میں "لامِ امر" اور آخر میں "ي" کے حذف کے ساتھ۔ امر جب غائب اور متکلم کے لیے ہوتا ہے تو اس کی ابتداء "لام" سے ہوتی ہے اور جب مخاطب کے لیے ہوتا ہے تو "لام" کا حذف اور ذکر کرنا دونوں طرح ٹھیک ہوتا ہے۔

الغرض اس صورت میں یہ صیغہ جوابِ امر میں ہوگا اور "لام" لامِ امر ہوگا۔ اور کشمیہنی کی روایت والا لفظ خبر بنے گا مبتداء محذوف کی، یعنی: "قوموا؛ فأنا أصلي".

تیسرا احتمال یہ ہے کہ "ابتدائی لام" لامُ کي ہو، اور "ي" مفتوح ہو، اس صورت میں "لام" کے بعد "أن مصدريه" محذوف ہوگا، اسی صورت میں "ي" سے تخفیفاً فتحہ حذف کر کے "فلأصليْ" پڑھنا بھی جائز ہے۔

چوتھا احتمال یہ ہے کہ یہ "لام" مفتوح ہو، تاکید کے لیے، اور یہ جملہ جواب بنے قسم محذوف کا، یعنی: "قوموا: إن قمتم فوالله لأصلي لكم"، لیکن یہ احتمال ضعیف ہے(١)۔

---

(١)(قوموا فأصلي) هي عند الكشميهني بغير لام ساكنة الياء، وهي واضحة صحيحة، ورواها غيره: "فلأصلي" بلام مكسورة، وفتح الياء على أنها لام كي على زيادة الفاء، وقد رويت بفتح اللام وسكون الياء، كقوله تعالى: ﴿إن كاد ليضلنا﴾.

وقال ابن سيد: يرويه كثير من الناس بالياء، ومنهم: مَن يفتح اللام ويسكن الياء، ويتوهمونه قَسما، وذلك غلط؛ لأنه لا وجه للقسم، ولو كان لقال: "فلأصلين" بالنون،

وإنما الرواية الصحيحة "فلأصل" على معنى الأمر، والأمر إذا كان للمتكلم والغائب كان باللام أبدا، وإذا كان للمخاطب كان باللام وبغير اللام. (التنقيح لألفاظ الجامع الصحيح، كتاب الصلاة، رقم الحديث: ٣٨٠، ١/١٠٠)

فتح الباري: ١/٦٣٥. عمدة القاري: ٤/١٦٥

"لکم" سے مراد بھی "لأجلکم" ہے، یعنی: تم لوگوں کی خاطر (کہ تم لوگ برکت حاصل کرو، یا تم لوگ مشاہدۃً نماز سیکھ لو) نماز پڑھاتا ہوں (۱)۔

قال أنس: فقمت إلى حصير لنا، قد اسودّ من طول ما لُبِس.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک چٹائی اٹھا لایا جو کثرتِ استعمال کی بنا پر سیاہ ہو چکی تھی۔

"اسودّ" سے مراد رنگ بدل جانا ہے (۲)۔

"طولِ ما لُبِس" سے مراد لمبا زمانہ اس کو استعمال کرتے رہنے کے ہیں، لیکن اس جگہ اس سے مراد فائدہ اٹھانا ہے، جیسا کہ تاج العروس اور لسان العرب میں مصرّح ہے (۳)۔

علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''یہاں ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ افتراش پر لُبس کا اطلاق کیا جا سکتا ہے، اور شرعاً ولغۃً ہر چیز کا لُبس اس کے اعتبار سے الگ اور جدا ہوگا، لہٰذا افتراشِ حصیر کو عرفاً لباس نہیں کہا جائے گا۔

اس سے امام مالک رحمہ اللہ کے مسئلہ کا رد بھی ہو گیا کہ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص "لا یلبس ثوباً" کے الفاظ سے قسم اٹھائے اور پھر اسی ثوب پر بیٹھ جائے تو وہ حانث ہو جائے گا''، اس لیے کہ قسموں کا دار ومدار عرف پر ہوتا ہے اور عرف میں افتراش کو لباس نہیں کہا جاتا، جب کہ یہاں حالف نے نہ پہننے کی قسم اٹھائی تھی، لہٰذا حالف حانث نہیں ہوگا'' (۴)۔

علامہ نووی رحمہ اللہ بھی یہاں یہی فرماتے ہیں:

"من طول لُبس" میں قرینہ کی وجہ سے "لُبس" سے مراد افتراش ہے (۵)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱/۶۳۵

(۲) بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب: إذا كانوا ثلاثة كيف يقومون؟، رقم الحديث: ۶۱۰، ۲/۵۲۹

(۳) تاج العروس: ۱۶/۴۶۶. لسان العرب: ۶/۲۰۲

(٤) التوضيح لشرح الجامع الصحيح لابن الملقن: ۵/ ۳۷۲.

الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: تسوية الصفوف، الحديث الثالث: ۲/۵۳۰

(۵) شرح النووي، كتاب الصلاة، باب: جواز الجماعة في النافلة، رقم الحديث: ۱۴۹۷، ۵/۱۶۶

حافظ صاحب کا احناف پر رد اور اس کا جواب

نیز! حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس جگہ "لُبس" کو افتراش کے معنی میں لے کر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نام لیے بغیر اُن پر رد کیا ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقا ریشم کے استعمال سے منع فرمایا ہے، اس عموم نہی میں ریشم کو پہننا اور بچھا کر اس پر بیٹھنا، یا ریشم کے تکیوں پر ٹیک لگانا داخل ہے، لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول (کہ ریشم کے بستر پر بیٹھنے اور تکیہ لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے) ٹھیک نہ ہوا، کیونکہ لُبس پر افتراش ہوتا ہے(۱)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے ان تمام کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لُبس" کا جس طرح پہننے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اسی طرح اس کا استعمال نفع اٹھانے کے معنی میں بھی ہوتا ہے اور وہی یہاں مراد ہے، نہ کہ محض افتراش، اس سے حافظ صاحب کا جو رد ہے، اس کا بھی جواب ہوگیا"(۲)۔

فنضحته بماء.

پھر میں نے اس چٹائی پر پانی کے چھینٹے مارے۔

"نضح" کا مطلب پانی کے چھینٹے مارنا ہے، علامہ جوہری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس کا اطلاق کبھی کبھی دھونے پر بھی ہوتا ہے، لیکن پہلے معنی زیادہ مشہور ہیں(۳)۔

چٹائی پر پانی چھڑکنے کا مقصد اس کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی کو نرم کرنا تھا، یا اس کے گرد وغبار کو دور کرنا تھا، قاضی سلیمان مالکی رحمہ اللہ نے یہی وضاحت کی ہے(۴)۔

قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ کے نزدیک پانی کا چھڑکاؤ اس لیے تھا کہ نجاست کا شک دور ہو جائے، مالکیہ کے مذہب کے مطابق مشکوک چیز کی طہارت کے لیے دھونے کی ضرورت نہیں ہوتی، محض پانی کے چھینٹے مار دینا ہی کافی ہوتا ہے(۵)۔

---

(۱)فتح الباري: ۱/۶۳۵

(۲)عمدة القاري: ۱/۱٦٤

(۳)مختار الصحاح للجوهري، ص: ۲۷۷

(٤)شرح النووي، كتاب الصلاة، باب: جواز الجماعة في النافلة، رقم الحديث: ۱٤۹۷، ٥/۱٦٦

(٥)إكمال المعلم، كتاب الصلاة، باب: جواز الجماعة في النافلة، رقم الحديث: ۱٤۹۷، ۲/٦۳٦

فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم، وصففت أنا واليتيم وراءه، والعجوز من ورائنا.

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس چٹائی پر) کھڑے ہوئے، اور میں نے اور یتیم (ایک چھوٹے بچے) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صف بنالی، اور بڑھیا (میری نانی) ہم سے پچھلی صف میں کھڑی ہوگئی۔

"وصففت أنا واليتيم" صحیح البخاری کے اکثر نسخوں میں یہ جملہ اسی طرح ہے، لیکن مستملی اور حموی کی روایت میں یہ جملہ "صففت واليتيم" ہے، لفظِ أنا کے بغیر۔

اول الذکر جملہ سے نحویوں میں سے بصریین کے مذہب کو تقویت ملتی ہے، جیسا کہ ان کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جب اسم ظاہر کا عطف ضمیر مرفوع متصل پر ڈالنا ہوتو اول اس ضمیر مرفوع متصل کی تاکید ضمیر منفصل سے لاتے ہیں پھر عطف ڈالتے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿اسكن انت وزوجك الجنة﴾ (البقرة:۳۵)۔

اور کوفیین کے نزدیک ایسے موقع پر تاکید لانا کوئی ضروری نہیں ہے، لیکن ان دونوں میں سے بصریین کا مذہب زیادہ فصیح ہے(۱)۔

یتیم کا معنی ومطلب

وہ نابالغ بچہ جس کا باپ فوت ہوجائے، یتیم کہلاتا ہے، اور جانوروں میں جس کی ماں فوت ہوجائے وہ یتیم کہلاتا ہے، اس کی جمع: أيتام، يتامىٰ، يَتَمَةٌ، يُتَمَةٌ اور يتائِمُ آتی ہے(۲)۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بلوغت کے بعد لفظِ یتیم کا استعمال درست نہیں ہے، ہاں اگر کہیں استعمال ہوا ہوتو مجازاً استعمال ہوگا(۳)۔

(۱) فتح الباري: ۶۳۶/۱. عمدة القاري: ۱۶۵/٤. التنقيح لألفاظ الجامع الصحيح، كتاب الصلاة، رقم الحديث: ۳۸۱، ۱۰۱/۱

(۲) معجم الصحاح للجوهري، ص: ۱۱۶۷۔ لسان العرب: ۶٤٥/۱۲۔ الإعلام بفوائد عمدة الأحكام: ٥۳۲/۲

(۳) النهاية في غريب الحديث والأثر: ۹۲٥/۲، لسان العرب: ۶٤٥/۱۲

اس لفظ پر رفع اور نصب دونوں پڑھنا جائز ہے، رفع کی صورت میں اس کا عطف "أنـا" ضمیر پر ہوگا جو کہ ظرفیت کی بنا پر مرفوع ہے۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ "الیتیم" مبتداء ہو اور "وراء ہ" خبر ہو اور پورا جملہ مل کر حال ہو۔

اور نصب اس صورت میں ممکن ہوگا، جب "واؤ" کو مع کے معنی میں لے لیں، یعني: "وصـفـفت أنا مع الیتیم" (۱)۔

حدیث مذکورہ میں یتیم کا مصداق کون؟

حدیثِ پاک کے اس جملے میں جس یتیم کا ذکر آیا ہے، اس سے کون مراد ہے؟ اس کی تعیین میں بہت سارے اختلافی اقوال ہیں:

ملاعلی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ لفظ اسمِ علَم ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی کا (۲)۔

لیکن علامہ سہارنپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ قول سوائے ملاعلی قاری رحمہ اللہ کے کسی اور کا نہیں ملا (۳)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا نام "ضُمَیرة" تھا (۴)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے مزید لکھا ہے کہ ان کے والد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، صحابی تھے اور قبیلہ حمیر سے تھے، ان کا نام سعد تھا (۵)۔

"العجوز" کا مصداق

مذکورہ عبارت میں "الـعـجـوز" سے مراد حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نانی ہیں، جن کا ذکر شروع میں گزر چکا ہے (۶)۔

---

(۱) شرح الکرماني: ٤٦/٤. التوضیح لابن الملقن: ٣٧٣/٥. التنقیح لألفاظ الجامع الصحیح، کتاب الصلاة، رقم الحدیث: ٣٨١، ١٠١/١

(۲) مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، باب: الموقف، رقم الحدیث: ١١٠٨، ٧٥/٣

(۳) بذل المجهود، کتاب الصلاة، باب: إذا کانوا ثلاثة کیف یقومون؟ رقم الحدیث: ٦١٠، ٥٢٩/٢

(٤) شرح الکرماني: ٤٦/٤

(٥) عمدة القاري: ١٦٥/٤

(٦) فتح الباري: ٦٣٦/١. عمدة القاري: ١٦٥/٤

فصلی لنا رسول الله صلی الله علیه وسلم رکعتین.

پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی۔

"لنا" میں لام اجلیہ ہے، یعنی: ہماری خاطر، یا ہماری دلجوئی کے لیے، یا ہمیں سکھلانے کے لیے دو رکعت نماز پڑھائی (۱)۔

ثم انصرف.

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔

اس جملہ میں کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں، ایک یہ کہ انصرف "سلّم" کے معنی میں ہے۔ اور دوسرا یہ کہ "رجع" کے معنی میں ہے، یعنی: "رجع إلی بیته" (۲)۔

علامہ کورانی رحمہ اللہ نے اس دوسرے قول کو ترجیح دی ہے (۳)۔

مذکورہ حدیث مبارکہ سے مستنبط شدہ امور و احکام

شراح حدیث نے اس حدیث مبارکہ سے بہت سے احکامات و آداب اخذ کیے ہیں، ان میں سے کچھ ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔ کھانے کی دعوت چاہے وہ ولیمہ کی دعوت کے علاوہ ہو، قبول کرنا مستحب ہے۔

۲۔ دعوت قبول کر لینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع پر دلالت کرتا ہے۔

۳۔ نوافل میں افضل یہ ہے کہ گھر میں ادا کیے جائیں۔

۴۔ اکرام کرنے والے کے اکرام کے بدلے کچھ نہ کچھ احسان کرنا چاہیے، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گھر والوں کو نفل نماز پڑھائی۔

۵۔ مکان کا صاف ستھرا رکھنا مستحب ہے۔

---

(۱) عمدة القاري: ٤/١٦٥. إرشاد الساري: ٢/٣٣

(۲) الإعلام بفوائد الأحكام، كتاب الصلاة، باب: تسوية الصفوف: ٢/٥٣٨

(۳) الكوثر الجاري: ٢/٦٨

۶۔بچوں کی نماز بھی درست ہے۔

۷۔بچوں کا بڑوں کی صف میں کھڑا ہو کر نماز پڑھنا درست ہے۔

۸۔عورتوں کا نماز با جماعت میں کھڑے ہونے کا مقام آخری صف ہے۔

۹۔کپڑوں، چٹائی وغیرہ میں اصل یہ ہے کہ وہ پاک ہی ہوتی ہیں، الا یہ کہ ان کے ناپاک ہونے کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو پاک کرنا ضروری ہے۔

۱۰۔جس طرح نماز زمین پر ہو جاتی ہے اسی طرح کپڑے، چٹائی وغیرہ پر بھی ہو جاتی ہے(۱)۔

۱۱۔بعض حضرات نے یہ بھی ذکر ذکر کیا ہے کہ اس حدیث میں دلالت ہے کہ وہ اشیاء جو آگ پر پکی ہوئی ہوں ان کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ میں وضو نہیں فرمایا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں نظر ہے، اس لیے کہ امام دار قطنی رحمہ اللہ نے ''غرائب مالک'' میں "عن البغوي عن عبد الله بن عون عن مالك" کی سند سے روایت ذکر کی ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں: "صنعت مليكة لرسول الله صلى الله عليه وسلم طعاما، فأكل منه، وأنا معه، ثم دعا لوضوء..........". یعنی: اس طریق میں وضو کرنے کا ذکر موجود ہے(۲)۔

صف بندی کی ترتیب

علامہ کورانی رحمہ اللہ نے بھی یہی ذکر کیا ہے(۳)۔

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں جس طرح صف بنانے کا ذکر آیا ہے، احناف اسی طریقے کے قائل ہیں کہ سب سے آگے امام، اس سے پیچھے بالغ مرد، اس سے پیچھے بچے۔ اور اگر عورتیں بھی ہوں تو وہ سب سے پیچھے۔

---

(۱)أعلام الحديث للخطابي: ۳۷۳/۱. الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: تسوية الصفوف: ۵۲۳/۲-۵۳۸. الشرح الميسر لصحيح البخاري: ۴۳۴/۱. شرح الكرماني: ۳۶/۴. عمدة القاري: ۱۶۴/۱، ۱۶۵

(۲)فتح الباري: ۶۳۶/۱

(۳)الكوثر الجاري: ۸۶/۲

اور اگر مرد ایک ہو اور بچہ بھی ایک ہی ہو تو دونوں ایک ساتھ ایک ہی صف میں، یعنی: امام سے پچھلی صف میں، اور عورت سب سے آخری صف میں۔ یہی مذہب بہت سارے فقہاء کرام کا ہے(۱)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب

صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر دو مقتدی ہوں تو امام ان دونوں کے درمیان میں کھڑا ہوگا، ان سے الگ صف میں کھڑا نہیں ہوگا (۲)۔

ابن الملقنؒ کی احناف کی طرف ایک مسئلہ کی نسبت میں سہو

علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ نے "التوضیح لشرح الجامع الصحیح" میں احناف کا مذہب بھی یہی

---

(۱)الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب: الإمامة: ٣١٤/٢- ٣١٦

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان مقام الإمام والمأموم: ٦٧٤/١

الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الصلاة، الفصل الخامس في بيان المقام الإمام والمأموم: ٨٨/١

(٢)حدثنا محمد بن العلاء الهمداني أبو كريب، قال: حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن الأسود، وعلقمة، قالا: أتينا عبد الله بن مسعود في داره، فقال: أصلى هؤلاء خلفكم؟ فقلنا: لا، قال: فقوموا فصلوا، فلم يأمرنا بأذان ولا إقامة، قال: وذهبنا لنقوم خلفه، فأخذ بأيدينا فجعل أحدنا عن يمينه والآخر عن شماله، قال: فلما ركع وضعنا أيدينا على ركبنا، قال: فضرب أيدينا وطبق بين كفيه، ثم أدخلهما بين فخذيه، قال: فلما صلى، قال: إنه ستكون عليكم أمراء يؤخرون الصلاة عن ميقاتها، ويخنقونها إلى شرق الموتى، فإذا رأيتموهم قد فعلوا ذلك، فصلوا الصلاة لميقاتها، واجعلوا صلاتكم معهم سبحة، وإذا كنتم ثلاثة فصلوا جميعا، وإذا كنتم أكثر من ذلك، فليؤمكم أحدكم، وإذا ركع أحدكم فليفرش ذراعيه على فخذيه، وليجنأ، وليطبق بين كفيه، فلكأني أنظر إلى اختلاف أصابع رسول الله صلى الله عليه وسلم فأراهم.(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: الندب إلى وضع الأيدي على الركب في الركوع، رقم الحديث: ١٢٢١)

والمذكور في "نزهة الألباب في قول الترمذي: وفي الباب هذا: "أما حديث ابن مسعود"، فرواه مسلم: ٣٧٨/١، وأبو عوانة في مستخرجه: ١٨٠/٢، ١٨١، والنسائي في المجتبى: ٦٦/٢، والكبرىٰ:٣٧٨/١، وأحمد: ٤١٣/١، ٤١٨، وغيرهم. (نزهة الألباب وفي قول الترمذي:"وفي الباب"، كتاب الصلاة: ٥٥٤/٢)

نقل کیا ہے(۱)۔

مذکورہ سہو کا رد

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس پر رد کرتے ہوئے فرمایا ہے:

’’علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ کا یہ نسبت کرنا درست نہیں ہے، بلکہ احناف کا مذہب اس مسئلہ میں وہی ہے جو حدیث میں مذکور ہوا کہ امام جب دو مقتدیوں کی امامت کر رہا ہو تو خود آگے کھڑا ہوگا اور وہ دونوں مقتدی پچھلی صف میں کھڑے ہوں گے، نہ کہ اسی صف میں امام کے دائیں اور بائیں۔ البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے کہ امام ان دونوں کے درمیان کھڑا ہوگا‘‘(۲)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذہب کا جواب

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس مؤقف کے تین جوابات دیئے گئے ہیں:

۱۔ ان تک حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث نہیں پہنچی ہوگی(۳)۔

۲۔ انہوں نے ایسا مسجد کی تنگی یا کسی اور عذر کی وجہ سے کیا ہوگا، نہ کہ سنت سمجھ کر(۴)۔

۳۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”معرفة السنن والآثار“ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز ادا کرتے دیکھا، اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، ان دونوں میں سے ہر کوئی اپنی نماز ادا کر رہا تھا۔ (یعنی: ایسا نہیں تھا کہ وہ دونوں حضرات جماعت سے نماز ادا کر رہے ہوں۔)

تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات کے پیچھے کھڑے ہو گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اشارہ کیا کہ بائیں طرف کھڑے ہو جاؤ۔

تو انہوں نے گمان کیا کہ کھڑے ہونے کا سنت طریقہ یہی ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن کو اس بات

---

(۱) التوضيح لشرح الجامع الصحيح لابن الملقن: ٣٧٤/٥

(۲) عمدة القاري: ١٦٧/٤

(۳) البناية، كتاب الصلاة، باب: الإمامة: ٣٤١/٢

(۴) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب: الرجل يصلي بالرجلين، رقم الحديث: ١٨٣٩، ٣٠٧/١

کا علم ہی نہیں تھا کہ وہ دونوں حضرات انفرادی نماز میں ہیں، یا جماعت کروا رہے ہیں، یہاں تک کہ جو روایت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں یہ بات مذکور ہے کہ ہم میں سے ہر کوئی اپنی نماز ادا کر رہا تھا (۱)۔

نوافل کی جماعت کا شرعی حکم

اسی حدیثِ مبارکہ سے شوافع نے نفل کی جماعت پر استدلال کیا ہے (۲)۔

لیکن احناف کا مذہب مختار یہ ہے کہ نوافل کی جماعت علی سبیل التداعی مکروہ تحریمی ہے، خواہ رمضان ہو یا غیر رمضان، حکم عام ہے۔

عندالاحناف مذکورہ حدیث مبارکہ سے نوافل کی جماعت کا جو جواز معلوم ہو رہا ہے، وہ بلا تداعی میں داخل ہے، لہٰذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں ہے۔

تداعی کا مطلب اور حکم

تداعی کا مطلب یہ ہے کہ اعلان اور اہتمام کیا جائے، لہٰذا اگر بغیر تداعی، یعنی: بغیر اعلان ودعوت کے ہو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

فقہاء کرام نے تداعی کی حد میں لکھا ہے کہ اگر ایک یا دو مقتدی ہوں تو تداعی نہیں ہے، اور اگر تین مقتدی ہوں تو اس وقت اس کے تداعی میں ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے، اور اگر چار مقتدی ہوں تو یہ بہر

---

(١) "فأما ما روي في ذلك عن ابن مسعود، فقد قال محمد بن سيرين: كان المسجد ضيقا، وقد قيل إنه رأى النبي صلى الله عليه وسلم يصلي، وأبو ذر عن يمينه يصلي، كل واحد منهما يصلي لنفسه، فقام ابن مسعود خلفهما، فأومأ إليه النبي صلى الله عليه وسلم بشماله فظن عبد الله أن ذلك سنة الموقف، ولم يعلم أنه لا يؤمهما، وعلمه أبو ذر حتى قال فيما روي عنه: يصلي كل رجل منا لنفسه". (معرفة السنن والآثار للبيهقي، كتاب الصلاة، باب: موقف الإمام والمأموم، المسألة: ٢٨٣، كيفية الوقوف لصلاة الجامعة وموضع وقوف الإمام والمأموم: ٤/ ١٧٦)

(٢)شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: جواز الجماعة في النافلة، رقم الحديث: ١٤٩٧: ١٦٤/٥

التوضيح لشرح الجامع الصحيح: ٣٧٣/٥

صورت تداعی میں داخل ہے(۱)۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نفل کی جماعت علی سبیل التداعی مکروہ ہے، لیکن تداعی میں تین یا چار کی تحدید صاحبِ مذہب سے منقول نہیں ہے، یہ تو عملی طور پر متعین کی گئی ہے، اس لیے تداعی سے مراد؛ یہ لینا کہ نفل کی جماعت کے لیے بلایا جائے، زیادہ بہتر ہے، بنسبت تحدید کے، واللہ تعالی اعلم بالصواب''(۲)۔

---

(۱)الدر المختار، كتاب الصلاة، باب: الوتر والنوافل: ۴۹/۲

الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في النوافل، ص: ۴۸

حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب: الوتر والنوافل: ۲۴۰/۱

الفتاوى التاتر خانية، كتاب الصلاة، صلاة التراويح، نوع آخر في المتفرقات: ۶۷۰/۱

(۲)ولا جماعة فيه عندنا، وكره له التداعي، وهو على اللغة عندي، فإن الله سبحانه لما جعلنا في مكنة من تركها وفعلها رأسا، فأين ينبغي أن نتداعى له الناس؟ فالنداء من خصائص المكتوبة. وفسر الحلواني بما فوق الثلاث. قلت: وإنما أراد الحلواني ضبطه ليتمشى عليه العوام لا تفسيره، فإن اللفظ منكشف في معناه، بين في مراده لا يحتاج إلى تفسير، فما ذكره أنسب للفتوى، ثم تتبعت النوافل الداخلة في بنية الصلاة، فوجدتها كذلك، لا جماعة فيها أيضا، وكل فيها أمير نفسه، وهو الشاكلة في جملة الأذكار الداخلة في صلب الصلاة، فتجد كلها على المقتدي أيضا، وذلك لأن كلا منهم منفرد فيها، يفعلها لنفسه، فالتضمن إنما روعي حيث كان الشيئ فرضا، وليعلم أن النيابة تجري في الأقوال دون الأفعال، فهي على الكل ثم النيابة في الأقوال، إنما اعتبرت حيث كان القول مما لا بد منه كالقراء ة، أما الأقوال التي لو تركت رأسا لم تكن عليه تبعة، فإنها لا تحتاج إلى عبرة النيابة، فإن قلت: إن صلاة الكسوف والاستسقاء والتراويح سنة، فلزم أن لا تكون جماعة، قلت :كأن تلك مستثناة من ذلك . (فيض الباري، كتاب الصلاة، باب: صلاة النوافل، رقم الحديث: ۱۱۸۶، ۵۸۶/۲)

وكذا في فيض الباري، كتاب الصلاة، إذا دخل بيتا يصلي حيث شاء، رقم الحديث:۲۲۲، ۵۵/۲.

وأيضا الباب، طول السجود في قيام الليل، رقم الحديث: ۱۱۲۳، ۵۵۴/۲.

بعض اکابر کا رمضان میں نوافل جماعت سے ادا کرنا

بعض اکابرین اپنی تحقیق کی بناء پر رمضان المبارک میں تراویح کے علاوہ نوافل میں بھی تمام رات قرآن کریم پڑھتے اور سناتے تھے، مگر یہ احناف کا اصل مذہب نہیں ہے، ان حضرات اکابر کے تبحر وتدین کی وجہ سے ان پر اعتراض نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی ان کے اتباع میں اصلِ مذہب سے عدول کیا جائے گا(۱)۔

مسئلہ محاذاۃ

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حدیث الباب سے معلوم ہوا کہ لڑکا اگر تنہا ہو تو اس کو مردوں کی صف میں کھڑا کر لینا چاہیے، لیکن عورت اگر تنہا ہو تو بھی مردوں کی صف میں کھڑا نہیں کر سکتے، اس کو مؤخر کرنا ضروری ہے، یعنی: لڑکوں کا تاخر استحباب کے درجہ میں اور عورتوں کا وجوب کے درجہ میں ہے۔

اس سے امام صاحب رحمہ اللہ کے مسئلہ محاذاۃ کا استنباط بھی واضح ہوا، لہٰذا مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی رحمہ اللہ کا اس حنفی مسئلہ کی تضعیف کرنا یا یہ کہنا کہ امام صاحب کے پاس اس مسئلہ کی کوئی دلیل نہیں ہے، غلط ہوا۔ اور میں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ قوی ہے کہ کیونکہ مسئلہ اجتہادی ہے اور مجتہد کو حق ہے کہ دقیق فروق کے پیش نظر وہ تاخیر بیان کو مرتبہ سنت میں قرار دے اور تاخیرِ نسواں کو مرتبہ شرطیت و وجوب میں، مثلاً: احادیث سے الگ صف میں تنہا کھڑے ہونے کی کراہت ثابت ہے، یہاں تک کہ امام احمد رحمہ اللہ نے تو ایسی نماز کو باطل قرار دیا ہے، لیکن باوجود اس کے بھی حضور علیہ السلام نے اس واقعہ میں عورت کو پیچھے کی صف میں تنہا الگ کھڑا کرادیا اور آپ نے ایک مرتبہ بھی کسی عورت کو مردوں کی صف میں کھڑا نہیں ہونے دیا، بخلاف لڑکوں کے کہ ان کی جگہ بھی اگرچہ صفوفِ رجال کے پیچھے ہے، مگر تنہا لڑکے کو صفِ رجال میں تکمیل صف کے لیے کھڑا کرانے کا ثبوت موجود ہے۔

اس سے یہی بات واضح ہو جاتی ہے کہ نظر شارع میں لڑکے کے لیے تو مردوں کی صف میں کھڑا ہونے کا تحمل بعض صورتوں میں ہو سکتا ہے، لیکن عورتوں کے لیے اس کا تحمل کسی صورت میں بھی نہیں ہو سکتا، ایسی صورت میں امام صاحب رحمہ اللہ کا محاذاۃِ نسواں کو مبطل صلاۃ قرار دینا شریعتِ غرا کی ترجمانی نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت رحمہ اللہ نے مزید فرمایا: مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ نے صاحبِ ہدایہ پر بھی اعتراض کیا

(۱)فتاوی محمودیه، کتاب الصلاة، باب: السنن والنوافل: ۲۴۹/۷

ہے کہ انہوں نے حدیث: "اخروهن من حيث اخرهن الله" کو خبر مشہور کہا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی مراد اصولیین کی اصطلاح ہے، یعنی: یہ حدیث متلقی بالقبول ہے پھر حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ بہ لحاظ نظر شارع بہت سے امور میں عورتوں کا مرتبہ مردوں کی نسبت سے گھٹا ہوا ہے، مثلاً: ان میں جماعتِ نماز نہیں ہے اور اگر کریں بھی تو ان کی امام مرد کی طرح صف کے آگے کھڑی نہیں ہوگی۔ جس طرح ننگوں کی جماعت ہو سکتی ہے، پھر امامتِ صلوٰۃ کی طرح وہ شرفِ نبوت سے بھی محروم ہیں (۱)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

۲۰ – باب : اَلصَّلَاةِ عَلَى الْخُمْرَةِ .

یہ باب ہے چٹائی پر نماز (جائز ہونے) کے بیان میں

ترجمۃ الباب سے مقصود

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اس باب میں مذکور حدیث ابھی دو احادیث قبل ہی تو گزری ہے، پھر اس کو دوبارہ ذکر کرنے سے کیا مقصود ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں یہ روایت ''مسدد'' کے طریق سے مفصل مذکور تھی اور یہاں ''ابوالولید'' کے طریق سے مختصر مذکور ہے، تو اعادہ محض اس کی موافقت کے لیے ہے (۲)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس سے پہلے باب منعقد فرمایا تھا، باب الصلاة على الحصير، اب یہاں سے "خمرة" پر نماز کا حکم بتلاتے ہیں، "خمرة" حصیر سے چھوٹا ہوتا ہے۔

ہمارے شیخ المشائخ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: یہاں سے مقصود دفع توہم ہے، اس لیے کہ "جعلت لي الأرض طهورا" سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف زمین پر ہی نماز پڑھتے، لیکن میرا خیال ہے

(۱) انوار الباری: ۱۲/۱۶۱۔ فیض الباری: ۲/۳۲، ۳۳

(۲) عمدة القاري: ٤/١٦٧

کہ یہ توجیہ آنے والے باب کے زیادہ مناسب ہے اور میرے نزدیک اس باب کی غرض یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ "خمرۃ" پر نماز نہیں پڑھتے تھے اور اگر کبھی نوبت آ بھی جاتی تو اسے مٹی سے ملوث کر دیتے تھے۔

میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ "خمرۃ" چونکہ "حصیر" سے چھوٹا ہے تو اس پر نماز پڑھنے کی صورت میں بدن کا بعض حصہ اس کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے زمین پر رہے گا تو یہاں سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اگر بعض حصہ حصیر پر اور بعض حصہ ارض پر ہو نماز میں کوئی مضائقہ نہیں (۱)۔

حدیثِ باب

٣٧٤ – حدّثنا أَبُو ٱلْوَلِيدِ قَالَ : حَدَّثنا شُعْبَةُ قَالَ : حَدَّثنا سُلَيْمانُ ٱلشَّيْبَانِيُّ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ ٱبْنِ شَدَّادٍ ، عَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ (۲) : كَانَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي عَلَى ٱلْخُمْرَةِ . [ر : ٣٢٦]

ترجمہ حدیث

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر نماز ادا فرما لیتے تھے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ میں کل پانچ رجال ہیں:

۱۔ابوالولید

یہ "ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی، باہلی، بصری" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا مختصر تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: علامة الإيمان حب الأنصار میں، اور تفصیلی تذکرہ کتاب العلم، باب: إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم کی دوسری حدیث، کے تحت گزر چکا ہے (۳)۔

---

(۱) تقریر بخاری شریف: ۲/۱۲۶م ۱۲۷۔ لامع الدراري: ۱/۱۵۲۔ الكنز المتواري: ٤/٧٠

(۲) مر تخريجه في كشف الباري، كتاب الحيض، باب، رقم الحديث: ۳۳۳

(۳) کشف الباری: ۲/۳۸، ٤/۱۵۹

۲۔شعبہ

یہ امیر المؤمنین "شعبہ بن الحجاج بن الورد عتکی الواسطی بصری"، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۳۔سلیمان الشیبانی

یہ مشہور محدث "سلیمان بن ابی سلیمان ابواسحاق شیبانی کوفی"، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تفصیلی تذکرہ کشف الباری، کتاب الحیض، باب: مباشرة الحائض، دوسری حدیث، کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

۴۔عبداللہ بن شداد

یہ مشہور محدث "عبداللہ بن شداد بن الہاد لیثی"، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تفصیلی تذکرہ کشف الباری، کتاب الحیض، باب: مباشرة الحائض، دوسری حدیث، کے تحت گزر چکا ہے(۳)۔

۵۔میمونہ

یہ ام المؤمنین "حضرت میمونہ بنت الحارث"، رضی اللہ عنہا ہیں۔

ان کا تفصیلی تذکرہ کشف الباری، کتاب العلم، باب: السمر في العلم، کے تحت گزر چکا ہے(۴)۔

شرح حدیث

مذکورہ حدیث مبارکہ کی تشریح اور متعلقہ مباحث کتاب الحیض، باب: "مباشرة الحائض" (۵) اور

---

(۱) كشف البارى: ۶۷۷/۱

(۲) كشف البارى، كتاب الحيض، باب: مباشرة الحائض، دوسرى حديث، ص: ۲۵۰

(۳) كشف البارى، كتاب الحيض، باب: مباشرة الحائض، دوسرى حديث، ص: ۲۵۰

(۴) كشف البارى: ۴۲۰/۴

(۵) كشف البارى، كتاب الحيض، باب: مباشرة الحائض، ص: ۲۳۹-۲۶۰

کتاب الصلاۃ، باب: "إذا أصاب ثوب المصلي امرأته إذا سجد" میں گزرچکی ہیں(۱)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

۲۱ - باب : اَلصَّلَاةِ عَلَى اَلْفِرَاشِ .

یہ باب بچھونے پر نماز کے جواز میں ہے

"فِـراش"، ف کی زیر کے ساتھ، اس سے مراد "بچھونا" ہے، جو کپڑے کا ہو یا اُون وصفوف وغیرہ کا، جو بیٹھنے یا لیٹنے کے لیے زمین پر بچھایا جائے، اسے فِراش کہتے ہیں، اس کی جمع "فُروش" اور "اَفرِشة" آتی ہے(۲)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ باب بچھونے پر نماز جائز ہونے کے بیان میں ہے، برابر ہے کہ اس بچھونے پر اس نمازی کے ساتھ کوئی عورت سوئی ہوئی ہو، یا نہ ہو، غالباً امام بخاری رحمہ اللہ اس ترجمۃ الباب سے اس حدیث کی طرف اشارہ کررہے ہیں، جو ابوداؤد وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اشعث کے طریق سے نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لحاف میں نماز ادا نہیں فرماتے تھے(۳)۔

گویا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک یہ روایت ثابت نہیں ہے یا ایک ایسی رائے ہے جو قابلِ قبول نہیں"(۴)۔

---

(۱) کشف الباري، کتاب الصلاة، باب: إذا أصاب ثوب المصلي امرأته إذا سجد

(۲)لسان العرب، المادة: ف ر ش: ٣٣٨٢/٦- تاج العروس، المادة: ف ر ش: ٢٩٩/١٧

(۳)حدثنا عبيد الله بن معاذ، حدثنا أبي، حدثنا الأشعث، عن محمد ابن سيرين، عن عبد الله بن شقيق عن عائشة، قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يُصَلّي في شُعُرِنا، أو لُحُفِنا. قال عُبَيد الله: شكَّ أبي. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوٰة، باب: الصلاة في شُعُر النساء، رقم الحديث: ٣٦٧)

(٤)فتح الباري: ٦٣٧/١

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اس باب میں اور سابقہ ابواب میں مغایرت ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، اس باب میں آثار اور افعالِ صحابہ لاکر یہ ثابت کیا ہے کہ بچھونے پر نماز ادا کرنا جائز ہے، برابر ہے کہ نمازی کے تمام اعضاء اس بچھونے پر آتے ہوں یا نہ آتے ہوں، یعنی: وہ بچھونا چھوٹا ہو، جیسا کہ آنے والے باب "السجود علی الثوب" سے ثابت ہوتا ہے(۱)۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی اس عبارت پر ''لامع الدراری'' کے حاشیہ میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک زیادہ بہتر توجیہ یہ ہے کہ اس ترجمۃ الباب سے مقصود اس اعتراض کو ختم کرنا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: "جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا" سے پیدا ہوتا ہے کہ نماز کا جواز زمین کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ بچھونے وغیرہ پر بھی نماز ادا کرنا جائز ہے۔

نیز فرمایا: کہ یہ اعتراض بھی نہ کیا جائے کہ یہ مقصود تو سابقہ دو ابواب سے حاصل ہو چکا ہے، پھر اس باب سے کیا مقصود؟ اس لیے کہ وہ دونوں ابواب بڑی چٹائی اور چھوٹی چٹائی پر نماز کے جواز کی تخصیص پر دلالت کرتے ہیں اور یہ باب تخصیص بعد التعميم کی قبیل سے ہے(۲)۔

تعلیقِ اول

وَصَلَّى أَنَسٌ عَلَى فِرَاشِهِ ،

تعلیق کا ترجمہ

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے بچھونے پر (کھڑے ہوکر) نماز ادا فرمائی۔

(۱) لامع الدراري: ۱/۱۵۲، ۱۵۳

(۲) الكنز المتواري: ٤/ ۷۱، ۷۲

تعلیق کے راوی

یہ مشہور صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ مشہور ومعروف صحابی رسول ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه، کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

تعلیق کی تخریج

مذکورہ اثر موصولا المصنف لابن ابی شیبہ میں ابن مبارك عن حميد عن انس کے طریق سے **مذکور** ہے، اوراسی کو طاؤس نے حکایت کیا ہے(۲)۔

تعلیقِ دوم

وَقَالَ أَنَسٌ : كُنَّا نُصَلِّي مَعَ ٱلنَّبِيِّ ﷺ ، فَيَسْجُدُ أَحَدُنَا عَلَى ثَوْبِهِ .

تعلیق کا ترجمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھتے تھے تو ہم میں سے بعض اپنے کپڑے پر سجدہ کرتے تھے۔

تعلیق کی تخریج

مذکورہ تعلیق سنداً صحیح البخاری کے ہی اگلے باب میں آرہی ہے(۳)۔

تشریح

مذکورہ تعلیق کی مکمل تشریح تو اگلے باب میں ہی بیان کی جائے گی، ان شاءاللہ، یہاں فقط اتنا ہی کافی ہے

(۱) کشف الباري: ٢/٤

(۲)حدثنا أبو بكر قال: نا ابن مبارك، عن حميد، عن أنس: "كان يصلي على فراشه".

حدثنا أبو بكر قال: نا حفص، عن ليث، عن طاؤس "أنه كان يصلي على الفراش الذي مرض عليه".

(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب: في الصلاة على الفراش، رقم الحديث: ٢٨٢٦، ٢٨٢٧، ٢/٥١١)

(۳)صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب: السجود على الثوب في شدة الحر، رقم الحديث: ٣٨٥

کہ "أحدنا" سے مراد "بعضنا" ہے۔

اور "علی ثوبه" کے مصداق میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ ممکن ہے کہ سجدہ اسی کپڑے پر واقع ہوتا ہو جو پہنا ہوا ہوتا تھا۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ پہنے ہوئے کپڑے سے الگ کوئی کپڑا، جیسے: چادر، رومال وغیرہ، اور ایسا سجدہ والی جگہ کے شدید گرمی ہونے کی وجہ سے ہوتا تھا، یعنی: اس گرمی سے بچنے کے لیے(۱)۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ان دونوں تعلیقات کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے کہ جب سجدہ کپڑے پر ہوتا تھا تو یہ "فراش" پر ہی شمار ہوگا، کیونکہ! فراش ہر اس چیز پر بھی صادق آتا ہے، جس کو بچھایا جائے (۲)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

حدیثِ باب، (پہلی حدیث)

۳۷۷/۳۷۵ : حدّثنا إسْماعِيلُ قَالَ : حَدَّثَنِي مالِكٌ ، عَنْ أَبِي ٱلنَّضْرِ ، مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ ٱللهِ ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ ٱلرَّحْمٰنِ ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ أَنَّهَا قَالَتْ[(۳)] : كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ وَرِجْلَايَ فِي قِبْلَتِهِ ، فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ ، فَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا ، قَالَتْ : وَالْبُيُوتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيهَا مَصَابِيحُ .

---

(۱)عمدة القاري: ١٦٨/٤، ارشاد الساري: ٤٦/٢

(۲)عمدة القاري: ١٦٨/٤

(۳)أخرجه البخاري في الصلاة فى الثياب، باب: الصلاة على الفراش، رقم الحديث: ٣٨٢، ٣٨٣، ٣٨٤. وفي سترة المصلي، باب التطوع خلف المرأة، رقم الحديث: ٥١٣، وفي سترة المصلي، باب: الصلاة إلى السرير، رقم الحديث: ٥٠٨، وباب: استقبال الرجل وهو يصلي، رقم الحديث: ٥١١ ، وباب: الصلاة خلف النائم، رقم الحديث: ٥١٢، وباب: من قال: لا يقطع الصلاة شئ، رقم الحديث: ٥١٤ ، وباب: هل يغمز الرجل امرأته عند السجود لكي يسجد، رقم الحديث: ٥١٩، وفي الوتر، باب إيقاظ النبي صلى الله عليه وسلم أهله بالوتر، رقم الحديث: ٩٩٧، وفي الاستئذان، باب السرير، رقم الحديث: ٦٢٧٦.

ورواه مسلم في صحيحه، في الصلاة، باب: الاعتراض بين يدى المصلي، رقم الحديث: ٥١٢

وأبو داود في سننه، في الصلاة، باب: من المرأة لا تقطع الصلاة، رقم الحديث: ٧١١، ٧١٢، =

ترجمہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچھونے پر نماز تہجد ادا فرماتے، اور اس وقت) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوئی رہتی تھی، اور میرے پیر آپ کے قبلہ میں (یعنی: آپ کے سجدہ کرنے کی جگہ میں) پھیل جاتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جاتے تو دبا دیتے تھے تو میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ سے کھڑے ہوتے تو میں اپنے پاؤں دوبارہ پھیلا لیتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (یہ بھی) فرمایا کہ اس زمانے میں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کے کل پانچ رجال ہیں۔

۱۔اسماعیل

یہ "**ابوعبداللہ اسماعیل ابی اویس عبداللہ بن عبداللہ بن اویس اصبحی مدنی**" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تفصیلی تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: "تفاضل أهل الإيمان في الأعمال"، کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

= ۷۱۳، ۷۱٤

والنسائي في سننه، في الطهارة، باب: ترك الوضوء من مس الرجل امرأته من غير شهوة، رقم الحديث: ۱٦٦، ۱٦۷، ۱٦۸، وفي القبلة، باب: الرخصة في الصلاة خلف النائم، رقم الحديث: ۷٦۰

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول في الصلاة، القسم الأول في الفرائض، الباب الأول في الصلاة، الفصل السادس في شرائط الصلاة، الفرع السابع في قبلة المصلي، النوع الأول في المعترض بين يدي المصلي، رقم الحديث: ۳۷۱۹، ٥/٥۰٤.

(۱) کشف الباری: ۱۱۳/۲

۲۔ مالک

یہ ”امام دارالہجرہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر الاصبحی المدنی“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الدین الفرار من الفتن، کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۳۔ ابی نضر مولیٰ عمر بن عبید اللہ

یہ ”ابوالنضر سالم بن ابی امیہ ہیں، عمر بن عبید اللہ کے آزاد کردہ غلام“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب: المسح علی الخفین، میں گزر چکے ہیں(۲)۔

۴۔ ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن

یہ ”حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ“ کے صاحبزادے ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: صوم رمضان احتسابا من الایمان، میں گزر چکے ہیں(۳)۔

۵۔ عائشہ

یہ ام المؤمنین، زوجہ رسول، بنت ابی بکر صدیق حضرت ”عائشہ“ رضی اللہ عنہا ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

شرح حدیث

عـن عـائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم أنها قالت كنت أنام بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلاي في قبلته.

---

(۱) كشف الباری: ۲/ ۸۰

(۲) كشف الباری، كتاب الوضو، باب: المسح على الخفين.

(۳) كشف الباری: ۲/ ۳۲۳

(٤) كشف الباری: ۱/ ۲۹۱

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوئی رہتی تھی، اس حال میں کہ میرے پیر آپ کے قبلہ کی جگہ میں پھیل جاتے تھے۔

یہاں مطلقا سونا بتلانا مقصود نہیں ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ جب رات کے وقت تہجد کے نوافل کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تھے، اس وقت اندھیرے میں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لیٹی سوئی رہتی تھی۔

اس عبارت میں "ورجلاي في قبلته" جملہ حالیہ ہے، مطلب اس کا" في مكان سجوده" ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کرنے والی جگہ میں سو رہی ہوتی تھی (۱)۔

فإذا سجد غمزني.

پھر جب سجدہ میں جاتے تو دبا دیتے تھے۔

"غمز" کا مطلب اشارہ کرنا ہے، چاہے آنکھ سے ہو، یا ہاتھ سے (۲)۔

اس جگہ "غمز باليد" مراد ہے (۳)۔

اس معنی کی طرف واضح اشارہ "سنن ابی داؤد" کی روایت میں ملتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے میرے پاؤں پر مارا، تو میں نے ان کو سمیٹ لیا (۴)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱/ ٦٣٨. عمدة القاري: ٤/ ١٦٩

(۲) بعضهم فسّر الغمز في بعض الأحاديث بالإشارة، كالرمز بالعين أو الحاجب أو باليد. (النهاية في غريب الحديث والأثر: ۲/ ۳۲۱- تاج العروس، المادة: غ م ز: ١٥/ ٢٦١)

(۳) عمدة القاري: ٤/ ١٦٩

(٤) حدثنا مسدد، حدثنا يحيى، عن عبيد الله، قال: سمعت القاسم يحدث عن عائشة قالت: بئسما عدلتمونا بالحمار والكلب، لقد رأيت رسول الله يصلي وأنا معترضة بين يديه، فإذا أراد أن يسجد غمز رجلي، فضممتها إلي، ثم يسجد. (سنن أبي داؤد، في الصلاة، باب: من قال: المرأة لا تقطع الصلاة، رقم الحديث: ۷۱۲)

فإذا قام بسطتُها.

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کر کے کھڑے ہوتے تو میں اپنے پاؤں (دوبارہ) پھیلا لیتی تھی۔

"بسطتهما" میں 'هما' ضمیر تثنیہ کی ہے، لیکن مستملی کی روایت میں یہاں بھی واحد کی ضمیر ہے(۱)۔

والبيوت يومئذ ليس فيها مصابيح.

اس زمانے میں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔

اس جملہ میں "البيوت" مبتدا ہے اور بقیہ جملہ اس کی خبر ہے(۲)۔

"يومئذ" سے مراد "وقتئذ" ہے، یعنی: جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حیات تھے(۳)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہاں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دفعِ دخل مقدر فرمارہی ہیں کہ مجھ پر اعتراض نہ کیا جائے کہ میں پیر کیوں نہیں سمیٹ لیتی تھی؛ اس لیے ان دنوں چراغ تو تھا نہیں کہ کچھ نظر آجاتا اور یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام کتنا طویل ہوگا، چار چار اور پانچ پانچ پارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے؛ اس لیے پیر دوبارہ پھیلا دیا کرتی تھی(۴)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت "كنتُ أنام" سے ہے، وہ اس طرح کہ سونا عام طور پر بستر پر ہی ہوتا ہے، اور ترجمۃ الباب بھی "الصلاة على الفراش" ہے، نیز! آخری حدیث میں اس کی تصریح بھی موجود ہے کہ ہم جس بستر پر سوئے تھے، میں اس پر سو رہی تھی(۵)۔

مذکورہ حدیث مبارکہ سے مستنبط فوائد واحکام

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سے فوائد واحکام مستنبط ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ ذیل میں ذکر کیے

(۱) عمدة القاري: ۱٦۹/٤ـ إرشاد الساري: ٤٦/٢

(۲) عمدة القاري: ١٦٩/٤

(۳) فتح الباري: ٦٣٨/١ـ الكوثر الجاري: ٧٠/٢

(٤) سراج القاري: ٤١٣/٢ـ تقرير بخاری شریف: ٣٠٦/٢

(٥) فتح الباري: ٦٣٨/١، عمدة القاري: ١٦٨/٤، الكوثر الجاري: ٧٠/٢

جاتے ہیں:

۱۔اس حدیث سے عورت کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کا جواز معلوم ہورہا ہے، بعض ائمہ نے شارع علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کو ایسا کرنے سے منع کیا ہے، اس لیے کہ اس میں فتنے کا خوف ہے اور قلب ونظر کا اس عورت کی طرف متوجہ ہونا ہے، البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس سے پاک تھے، اس لیے ان پر تو کوئی حرف نہیں آسکتا۔ نیز! یہ رات کا بھی وقت تھا، اس دور میں چراغ وغیرہ بھی نہیں ہوتے تھے۔

۲۔اس حدیث سے سونے والے شخص کو نماز کے لیے اٹھانے کا مستحب ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔

۳۔یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں عملِ قلیل سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔

۴۔یہ بھی معلوم ہوا کہ بچھونے پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

۵۔عورت کا نمازی کے سامنے ہونا نماز کو باطل نہیں کرتا(۱)۔

نمازی کے سامنے کوئی عورت ہوتو نماز کا حکم

جمہور فقہاء کرام رحمہم اللہ جن میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ شامل ہیں، کے نزدیک کسی عورت کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا یا عورت کا نمازی کے سامنے سے گزر جانا نماز کو باطل نہیں کرتا، البتہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے نماز باطل ہوجاتی ہے(۲)۔

---

(۱)فتح الباري: ۱/۶۳۸۔ عمدة القاري: ٤/١٦٩۔ الكوثر الجاري: ۲/۷۰

(۲)المبسوط للسرخسي، لتاب الصلاة، باب: الحدث في الصلاة: ١/ ١٩١

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: بيان حكم استخلاف: ١/٢٤١

تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب: ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ١/١٦٠

الذخيرة، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، النوع السادس: لا يقطع الصلاة شيئ يمر بين يدي المصلي: ٢/١٥٩

روضة الطالبين، كتاب الصلاة، الباب الخامس في شروط الصلاة، فصل: الشرط السادس، فرع: يستحب للمصلي أن يكون بين يديه سترة: ١/٢٩٥

المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، باب: الإمامة، فصل: لا بأس بالعمل اليسير في الصلاة للحاجة، مسألة: قال لا يقطع الصلاة إلا الكلب الأسود البهيم: ٣/ ٩٧

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’جس حدیث میں ہے کہ عورت، گدھا اور کتا نمازی کے سامنے سے گزرنے پر نماز فاسد ہو جاتی ہے، اُس کا جواب یہ ہے کہ ان کے گزرنے سے نماز ناقص ہو جاتی ہے، کیونکہ دل ان چیزوں کے ساتھ مشغول ہو جاتا ہے، اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ ان کے گزرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، وجہ یہ ہے کہ دل ان چیزوں کے ساتھ مشغول ہو جاتا ہے، کیونکہ عورت کی طرف دیکھنے سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں، اور گدھا مکروہ آوازیں نکالتا ہے، اور کتا فتنہ میں ڈالتا ہے اور اضطراب پیدا کرتا ہے، اور چونکہ یہ چیزیں نماز منقطع کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں اس لیے ان پر نماز کے منقطع ہونے کا اطلاق کر دیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کی مستدل حدیث منسوخ ہے، اور ناسخ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی (اور نماز کی حالت میں اپنے سے آگے گزرنے والے کو) تم اپنی پوری قوت سے دھکیل دو، وہ شیطان ہے۔

اور شارع علیہ السلام نے نماز ادا کی اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور قبلہ کے درمیان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

نیز حدیث میں ہے کہ گدھی نمازیوں کے آگے چر رہی تھی اور اس پر کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔

حضرت ابن عباس اور عطا رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو عورت نماز کو منقطع کرتی ہے اس سے مراد حائضہ عورت ہے۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ کتا، خنزیر، یہودی اور نصرانی نماز کو منقطع کر دیتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے (۱)۔

مس مرأۃ کی وجہ سے وضو کا حکم

اس حدیث مبارکہ سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

اس بارے میں مذاہب کی تفصیل یہ ہے کہ احناف کے نزدیک عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اِلا

(۱) عمدة القاري: ٤/١٦٩، ١٧٠

یہ کہ مباشرتِ فاحشہ ہوجائے (۱)۔

شوافع کے ہاں عورت کو چھونا ناقضِ وضو ہے، لیکن ان کے نزدیک اس میں بہت سے مختلف اقوال ہیں، مثلا: ایک روایت میں غیر محرم کو چھونا ناقضِ وضو ہے۔ دوسری میں محرم کو چھونا، ایک روایت میں بلا حائل چھونا ناقض ہے۔ اور دوسری روایت میں حائل کے ساتھ بھی ناقضِ وضو ہے، ایک روایت میں لذت کے ساتھ چھونا ناقض ہے اور دوسری میں بلا لذت بھی ناقض ہے۔ اور پھر ملموس (جس کو چھوا جا رہا ہے) کے بارے میں بھی دو روایتیں ہیں، ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کی، اکثر نے ترجیح ٹوٹنے کو دی ہے (۲)۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک جب لذت کے ساتھ چھوئے تو ناقض وضو ہے (۳)۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی اس مسئلہ میں تین روایتیں ہیں، ایک: احناف کے مطابق، اور دوسری شوافع کے مطابق، اور تیسری مالکیہ کے مطابق (۴)۔

مذکورہ حدیث مبارکہ احناف کی دلیل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاؤں کو ہاتھ لگاتے تھے وہ سمیٹ لیتی تھیں، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تھے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ اس مقام پر فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس مسّ کے وقت حائل موجود ہو (۵)۔

اس کے جواب میں علامہ ابن بطال رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کی تردید کی ہے کہ پاؤں میں اصل یہ ہی ہے کہ وہ بلا حائل ہوتے ہیں، جیسا کہ ہاتھ بلا حائل ہوتا ہے (۶)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ایک احتمال بیان کیا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

(۱) الدر المختار، کتاب الطهارة، أركان الوضوء، ص: ۲۵

الفتاوى العالمگيرية، كتاب الطهارة، الباب الأول في الوضوء، الفصل الخامس في النواقض: ۱/ ۱۵

تحفة الملوك، كتاب الطهارة، نواقض الوضوء، ص: ٤٢

(۲) المجموع شرح المهذب، كتاب الطهارة، باب: الأحداث التي ينقض الوضوء: ۲/ ۲٦

(۳) بداية المجتهد، الطهارة، الوضوء، نواقض الوضوء، المسألة الثالثة: ۱/ ٤۳، ٤٤

(٤) المغني لابن قدامة، الطهارة، انتقاض الوضوء بملامسة النسآء: ۱/ ۲۱۹

(٥) شرح الكرماني: ٤/ ٤۷

(٦) شرح ابن بطال: ۲/ ٥۱

خصوصیت ہو کہ بلا حائل چھونے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہ ٹوٹتا ہو(۱)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خصوصیت کا دعوی بلا دلیل ہے(۲)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

حدیثِ باب، (دوسری حدیث)

(٣٧٦) : حدّثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ : حَدَّثنا ٱللَّيْثُ ، عَنْ عُقَيْلٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ : أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ[٣] : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي ، وَهْيَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ ٱلْقِبْلَةِ ، عَلَى فِرَاشِ أَهْلِهِ ، ٱعْتِرَاضَ ٱلْجَنَازَةِ .

ترجمہ

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (ان کے حجرے میں) اپنی بیوی کے بچھونے پر کھڑے ہو کر اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قبلہ کے درمیان اس طرح لیٹی ہوتی تھی جیسے جنازے کی چارپائی۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کے کل چھ رجال ہیں:

۱۔ یحیی بن بکیر

یہ "ابوذکریا یحیی بن عبداللہ بن بکیر القرشی المخزومی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، باب: كيف كان بدء الوحي کی تیسری حدیث، کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

---

(١)فتح الباري: ٦٣٨/١

(٢)عمدة القاري: ١٧٠/٤

(٣)مر تخريجه في كشف الباري تحت الحديث السابق، الرقم: ٢٨٢

(٤)کشف الباری: ٣٢٣/١

۲۔ اللیث

یہ ”امام ابوالحارث اللیث بن سعد بن عبدالرحمٰن“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب: بدءالوحی، باب: كيف كان بدء الوحي کی تیسری حدیث، کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۳۔ عقیل

یہ ”عُقیل بن خالد بن عَقیل“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدءالوحی کی تیسری حدیث کے تحت، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: فضل العلم، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

۴۔ ابن شہاب

یہ ”ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب الزہری المدنی“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدءالوحی کی تیسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

۵۔ عروہ

یہ ”عروہ بن زبیر عوام“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدءالوحی کی دوسری حدیث کے تحت، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: ”أحب الدين إلى الله أدومه“، کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

۶۔ عائشہ

یہ ”ام المؤمنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا وعنہ“ ہیں۔

---

(۱) کشف الباری: ۱/۳۲٤

(۲) کشف الباری: ۱/۳۲۵، ۳/٤۵۵

(۳) کشف الباری: ۱/۳۲٦

(٤) کشف الباری: ۱/۲۹۱، ۲/٤۳٦

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

شرح حدیث

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی تشریح ماقبل کی حدیث میں گزر چکی ہے۔ البتہ ''اعتراض الجنازۃ'' سے ایک مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ

عورت کی نماز جنازہ ادا کرتے ہوئے امام عورت کے وسط میں کھڑا ہوکر نماز پڑھائے گا، یہ احناف کا مختار مذہب ہے، اور راجح مذہب سینہ کے مقابل کھڑے ہونے کا ہے(۲)۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اشارہ (النص) کبھی عبارت (النص) سے بھی بڑھ جاتا ہے، کیونکہ عبارت (النص) سے تو صرف ایک جزئیہ کی صراحت ملتی ہے، لیکن اشارہ (النص) سے زیادہ بات حاصل ہوجاتی ہے، مثلا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تشبیہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے سے ذہنوں میں یہ بات موجود ہے کہ جنازہ سامنے درمیان میں ہوا کرتا ہے، کیونکہ مشبہ بہ کے طور پر وہی چیز بیان کی جاتی ہے جو پہلے سے سب کو معلوم ہو(۳)۔

"اعتراض الجنازة" یہ لفظ حرف جر مقدر کے ساتھ ہے، یعنی: "كاعتراض الجنازة"، اور یہ مصدر محذوف کی صفت بنے گا، یعنی: تقدیری عبارت یہ بنے گی: "وهي معترضة بينه وبين القبلة اعتراضا كاعتراض الجنازة"(٤)۔

"جَنازة" جیم کی فتح کے ساتھ، اس تخت کو بولتے ہیں، جس پر میت رکھی جاتی ہے(۵)۔

---

(۱) كشف الباري: ۲۹۱/۱

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: في كيفية الصلاة على الجنازة: ۳۳۹/۲، ۳٤۰

الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱٦٤/۱

رد المحتار، كتاب الصلاة، باب: صلاة الجنازة، مطلب: هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصبي: ۱۱۸/۳

(۳) فيض الباري: ۳٤/۲۔ انوار الباري: ۱٦۳/۱۲

(٤) عمدة القاري: ۱۷۱/٤۔ مصابيح الجامع للدماميني: ۱۰٦/۱

(۵) المصباح للجوهري، ص: ۱۹۲۔ النهاية في غريب الحديث والأثر: ۲۹۹/۱

روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے کہ دونوں میں فراش یعنی: بچھوے پر نماز ادا کرنے کا ذکر ہے(۱)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیثِ باب (تیسری حدیث)

(۳۷۷) : حدثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ : حَدَّثنا ٱللَّيْثُ ، عَنْ يَزِيدَ ، عَنْ عِرَاكٍ ، عَنْ عُرْوَةَ : أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي ، وَعَائِشَةُ مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ ٱلْقِبْلَةِ ، عَلَى ٱلْفِرَاشِ ٱلَّذِي يَنَامَانِ عَلَيْهِ .[۲] [٤٩١ ، ٤٩٣ ، ١١٥١ ، وانظر : ٤٨٦]

ترجمہ حدیث

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بستر پر نماز پڑھتے تھے، جس پر وہ لوگ (یعنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سوتے تھے، اس حال میں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی رہتیں۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کے کل رجال چھ ہیں۔

ا۔عبداللہ بن یوسف

یہ "عبداللہ بن یوسف تنیسی دمشقی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: بدء الوحی کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

---

(۱)عمدة القاري: ١٧١/٤

(۲) مر تخريجه تحت رقم الحديث: ٣٨٢

(۳)کشف الباری: ۲۸۹/۱

۲۔ اللیث

یہ "امام ابوالحارث اللیث بن سعد بن عبدالرحمٰن" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب: بدءالوحی کی تیسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۳۔ یزید

یہ "ابوالرجاء یزید بن ابی حبیب" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: "إطعام الطعام من الإسلام"، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

۴۔ عراک

یہ عراک بن مالک الغفاری الکنانی المدنی رحمہ اللہ ہیں(۳)۔ بنی حماس سے تعلق رکھتے ہیں(۴)۔

جن اساتذہ ومشائخ سے انہوں نے روایت کی ہے، ان میں

عروہ بن زبیر، طلحہ بن عبیداللہ بن کریز الخزاعی، عبداللہ بن عمر بن خطاب، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، ابوہریرہ، عبید بن عبداللہ بن عتبہ، عبدالمالک بن ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری، نوفل بن معاویہ الدیلی، حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق، زینب بنت ابی سلمہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وعنہم وغیرہ شامل ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں

یزید بن ابی حبیب مصری، عبداللہ بن عراک بن مالک، خُثَیم بن عراک بن مالک، عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز، سلیمان بن یسار، عبداللہ بن ابی سلمہ ماجشون، مکحول شامی، یحیی بن سعید انصاری اور خالد بن ابی صلت وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں(۵)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کے سماع پر اعتراض بھی کیا گیا ہے، حضرت موسی بن ہارون

(۱) کشف الباری: ۳۲٤/۱

(۲) کشف الباری: ٦٩٤/۱

(۳) الکاشف: ۲/۲۵۵۔ التاریخ الکبیر للبخاري: ۸۸/۷

(٤) تهذيب الكمال: ٥٤٧/١٩

(٥) تهذيب الكمال: ٥٤٦/١٩۔ تقريب التهذيب: ١٧٢/٧

فرماتے ہیں کہ ہمیں عراک کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع کا کچھ علم نہیں ہے(۱)۔

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے(۲)۔

احمد بن عبداللہ العجلی فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ تھے اور بڑے درجے کے تابعین میں سے تھے(۳)۔

ابوزرعہ اور ابوحاتم فرماتے ہیں: ثقة(٤).

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بیٹے عبدالعزیز کہتے ہیں کہ میرے والد (عمر بن عبدالعزیز) عراک بن مالک کے برابر کسی کو شمار نہیں کرتے تھے(۵)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے عراک بن مالک سے زیادہ کسی کو نماز پڑھنے والا نہیں دیکھا، وہ ہر دس آیات کے بعد رکوع کر لیتے تھے، اور پھر سجدہ کرتے تھے۔ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ وہ ہر دس آیات پر رکوع کرلیا کرتے تھے(٦)۔

معن بن عیسی ثابت بن قیس سے روایت کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ یہ صائم الدہر تھے(۷)۔

منذر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھیوں میں سے عراک بن مالک اس معاملے میں بہت زیادہ سخت تھے کہ بنی مروان نے اموالِ فیئ اور لوگوں کے اموال میں بے جا ظالمانہ قبضہ کیا ہوا تھا، وہ ان سے واپس لیا جائے۔جب یزید بن عبدالملک والی بنا تو اس نے عبدالواحد بن عبداللہ نصری کو مدینہ کا والی بنایا۔عبدالواحد بن عبداللہ نصری حضرت عراک کو اپنے بہت زیادہ قریب رکھتے تھے، انہیں اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتے تھے، کوئی کام

(۱)تقريب التهذيب: ١٧٤/٧۔ ميزان الاعتدال: ٦٣/٣

(۲)الثقات لابن حبان: ٢٨١/٥

(۳)تهذيب الكمال: ٥٤٧/١٩۔ تهذيب التهذيب: ١٧٢/٧

(٤)الجرح والتعديل: ٥٣/٧

(٥)تهذيب الكمال: ٥٤٧/١٩۔ تهذيب التهذيب: ١٧٢/٧

(٦)تهذيب الكمال: ٥٤٧/١٩۔ تهذيب التهذيب: ١٧٢/٧

(٧)الكاشف: ٥٥/٢۔ الطبقات لابن سعد: ٢٥٣/٥

ان کے مشورے کے بغیر نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ عراک ایک نیک ساتھی ہے(۱)۔

محمد بن سعد اور مفضل بن غسان الغلانی کا قول ہے کہ یہ یزید بن عبدالملک کے زمانہ خلافت میں فوت ہوئے (۲)۔

ابن سعد نے طبقات میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی وفات مدینہ میں ہوئی (۳)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی وفات کے بعد یزید بن عبدالملک کی خلافت ایک سو ایک ہجری میں تھی اور چار سال سے کچھ اوپر قائم رہی (۴)۔

۵۔عروہ

یہ "عروہ بن زبیرعوام" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث کے تحت، اور تفصیل احوال کتاب الایمان، باب: "أحب الدین إلی اللہ أدومہ" کے تحت گزر چکے ہیں(۵)۔

۶۔عائشہ

یہ "ام المؤمنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا وعنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۶)۔

شرح حدیث

زیر بحث ترجمۃ الباب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ تین احادیث لائے ہیں، ترجمۃ الباب کے اثبات کے لیے پہلی حدیث ہی کافی تھی کہ ظاہر ہے کہ جس بستر پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لیٹی ہوئی تھیں، اس پر آپ

(۱)تهذيب الكمال: ۵۴۷/۱۹۔ تهذيب التهذيب: ۱۷۲/۷

(۲)الكاشف: ۲۵۵/۲۔ الثقات لابن حبان: ۲۸۱/۵

(۳)الطبقات لابن سعد: ۲۵۳/۵

(۴)سير أعلام النبلاء: ۶۴/۵۔ تهذيب الكمال: ۵۴۹/۱۹

(۵) کشف الباری: ۲۹۱/۱، ۴۳۶/۲

(۶) کشف الباری: ۲۹۱/۱

صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے ہیں، لیکن یہ امر حدیثِ اول میں صراحت کے ساتھ منقول نہ تھا۔اس لیے دوسری حدیث ذکر کی کہ اس میں تصریح تھی کہ اپنے اہل خانہ کے بستر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سامنے جنازہ کی مثل لیٹی رہتی تھیں، اس کے بعد تیسری روایت میں مزید تفصیل آ گئی کہ یہ بستر وہ تھا جس پر یہ دونوں حضرات آرام فرماتے تھے۔

الغرض ان تینوں روایات سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد پورا ہو گیا کہ بچھانے کی جو بھی چیز ہو: بوریا، چٹائی، بچھونا وغیرہ چاہے وہ سونے کے کام آتے ہوں، ان پر نماز ادا کرنا درست ہے۔

یہ تیسری حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن یہ اس بات پر محمول ہے کہ حضرت عروہ رحمہ اللہ نے یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی سنی ہو، جیسا کہ یہی امر ماقبل کی حدیثِ مسند سے مترشح ہو رہا ہے۔

اور اس حدیثِ مرسل کے لانے سے مقصود اس بات پر تنبیہ ہے کہ بستر ان دونوں حضرات کے سونے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

اور یہ نکتہ بھی ہے کہ مذکورہ حدیث مرسلا اور مسندا دونوں طرح مروی ہے(۱)۔

روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت پوری طرح واضح ہے۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

۲۲ – باب : اَلسُّجُودِ عَلَى اَلثَّوْبِ فِي شِدَّةِ اَلْحَرِّ .

یہ باب ہے نمازی کا گرمی کی شدت کی وجہ سے کپڑے پر سجدہ کرنے کے (جواز کے) بارے میں

ترجمۃ الباب کا مقصد

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس باب سے مقصود نمازی کا گرمی کی شدت سے بچنے کی خاطر اپنے کپڑے کے کنارے یا پہلو مثلا: دامن یا آستین وغیرہ پر سجدہ کرنے کے جواز کو بیان کرنا ہے، البتہ "الحر" کی قید آنے والی حدیث کے الفاظ کی موافقت اور محافظت کے لیے ہے، اس لیے کہ سردیوں میں بھی ایسا

(۱) عمدة القاري: ٤/١٧٢

کرنا جائز ہے، بلکہ جو حضرات کپڑے پر سجدہ کے جواز کے قائل ہیں وہ اس کو کسی حاجت کے ساتھ مقید نہیں مانتے (۱)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ شوافع پر رد فرما رہے ہیں، اس لیے کہ ان کے نزدیک ثوب متصل پر سجدہ کرنا مکروہ ہے، بلکہ منفصل ہونا چاہیے۔ اور جمہور کے نزدیک یہ جائز ہے، امام بخاری رحمہ اللہ جمہور کے ساتھ ہیں (۲)۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

پہلے باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے کپڑے پر سجدہ کرنے کا جواز مطلقا بتایا تھا، اور یہاں سخت گرمی کے وقت کی قید لگا کر اس کا مسئلہ بھی الگ سے بیان کر دیا ہے، کیونکہ آثار سے بھی دونوں طرح جواز ثابت ہوتا ہے، اس لیے کہ علم معانی میں یہ امر طے شدہ ہے کہ جب کسی مقید پر حکم کیا جاتا ہے تو قیود ہی ملاحظہ ہوتی ہیں، جیسے: جاء ني زيد، جاء ني زيد راكبا اور جاء ني زيد راكبا امس میں فرق ہے کہ قیود بڑھنے سے ان کے فوائد بڑھ جاتے ہیں (۳)۔

تعلیق

وَقَالَ ٱلْحَسَنُ : كَانَ ٱلْقَوْمُ يَسْجُدُونَ عَلَى ٱلْعِمَامَةِ وَٱلْقَلَنْسُوَةِ ، وَيَدَاهُ فِي كُمِّهِ .

تعلیق کا ترجمہ

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: لوگ (یعنی: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کر لیا کرتے تھے، اس حال میں کہ ان کے ہاتھ ان کی آستین میں ہوتے تھے۔

---

(۱) فتح الباري: ۶۳۹/۱۔ عمدة القاري: ۱۷۳/٤

(۲) تقرير بخاري شريف: ۳۷/۳۔ سراج القاري: ٤١٤/٢

(۳) انوار الباري: ۱٦٤/۱۲۔ فيض الباري: ٣٤/٢

تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق رحمہما اللہ نے موصولاً نقل کیا ہے، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا مذکورہ قول دونوں کتابوں میں ہشام کے طریق سے مذکور ہے، ملاحظہ ہو:

حدثنا أبو أسامة، عن هشام، عن الحسن قال: إن أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم يسجدون وأيديهم في ثيابهم، ويسجد الرجل منهم على عمامته(۱).

اور مصنف عبدالرزاق میں مذکور اثر یہ ہے:

عبد الرزاق عن هشام بن حسان عن الحسن قال: أدركنا القوم وهم يسجدون على عمائمهم ويسجد أحدهم ويديه في قميصه(۲).

تعلیق کے رجال

الحسن

یہ مشہور تابعی ''ابوسعید حسن بن ابی الحسن یسار بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلو وأصلحوا، فسماهم المؤمنين، کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

تعلیق کی تشریح

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پگڑی اور ٹوپی پر سجدہ کرلیا کرتے تھے۔

''القوم'' سے مراد اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں(۴)۔

''القلنسوة'' سے مراد ٹوپی ہے، المعجم الوسیط میں لکھا ہے: ''لباس للرأس، مختلف الأنواع

(۱) المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب: في الرجل يسجد ويداه في ثوبه، رقم الحديث: ۲۷۵٤، ٤۹۷/۲

(۲) المصنف لعبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب: السجود على العمامة، رقم الحديث: ۱۵٦٦، ٤۰۰/۱

(۳) كشف الباري: ۲۲۰/۲

(٤) عمدة القاري: ۱۷۳/٤۔ إرشاد الساري: ٤۸/۲

والأشكال"، سر کا وہ لباس جو مختلف شکلوں کا ہوتا ہے، اس لفظ میں کئی لغات ہیں: قُلَنْسِية، اور جمع قلانِسُ، قلانِيسُ، قَلاسٍ، قلاسِيّ آتی ہے(۱)۔

"يداه في كمه"، بخاری کے اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے، البتہ کشمیهني کی روایت میں "يديه في كمه" ہے(۲)۔

اکثر کے قول کے مطابق "يداه" مرکب اضافی ہو کر مبتداء بنے گا، اور "في كمه" اپنے متعلق سے مل کر خبر، اور پورا جملہ حال بنے گا، تقدیری عبارت اس طرح بنے گی: "ويدا كل واحد في كمه"، ویسے مقام تقاضا کرتا تھا کہ "وأيديهم في أكمامهم في ثيابهم" ہوتا، جیسا کہ "المصنف لابن ابی شیبہ" کی روایت میں "وأيديهم في ثيابهم" ہے(۳)۔

اور کشمیهنی کی روایت کے مطابق "يديه" حالت نصب میں ہوگا فعل محذوف کی وجہ سے، یعنی: "يجعل كل واحد يديه في كمه"(٤).

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس اثر کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بہت کھینچ تان کر ثابت کرنا پڑھتی ہے، اس لیے کہ ترجمۃ الباب دلالت کرتا ہے: "السجود على الثوب" پر۔ اور ثوب کا اطلاق عمامہ اور ٹوپی پر نہیں ہوتا، لیکن یہ باب اور اس سے پچھلے تین ابواب میں "غير وجه الأرض" پر سجدہ کرنے کا جواز بیان ہوا، بلکہ اس شئے پر سجدہ کرنے کا جواز معلوم ہوا جو زمین پر بچھی ہوئی یا رکھی ہوئی ہوتی ہے، مثلا: چھوٹی چٹائی، بڑی چٹائی، بچھونا، عمامہ اور ٹوپی وغیرہ(۵)۔

(۱)المعجم الوسيط، ص: ٧٥٤۔ معجم الصحاح للجوهري، ص: ٨٨٠

(۲)فتح الباري: ٦٣٩/١۔ عمدة القاري: ١٧٣/٤

(۳)"حدثنا أبو بكر قال: نا أبو أسامة، عن هشام، عن الحسن، قال: كان أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم يسجدون وأيديهم في ثيابهم، ويسجد الرجل منهم على عمامته". (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب: في الرجل يسجد ويداه في ثوبه، رقم الحديث: ٢٧٥٤، ٤٩٧/٢)

(٤)فتح الباري: ٦٣٩/١۔ عمدة القاري: ١٧٣/٤ إرشاد الساري: ٤٨/٢

(٥)عمدة القاري: ١٧٣/٤

لہٰذا اس اعتبار سے مناسبت ثابت ہو جاتی ہے۔

آستین پر سجدہ کرنے کی شرط

آستین پر سجدہ کرنے کی شرط یہ ہے کہ آستین یا دامن کا کپڑا پاک ہو اور وہ جگہ بھی پاک ہو، اگر وہ جگہ پاک نہیں ہے تو سجدہ درست نہیں ہوگا، اسی طرح ہر اس چیز پر سجدہ کرنے کا یہی حکم ہے جو نمازی کے بدن سے ملی ہوئی ہے، کہ جب اس کے نیچے کی جگہ پاک ہو تو سجدہ جائز و درست ہے، اگرچہ وہ ملی ہوئی جگہ نمازی کا جزو ہو، لیکن آستین اور اس کے علاوہ متصل کپڑے کا سجدہ کے لیے بلا عذر بچھانا مکروہ ہے، اس لیے کہ یہ تکبر کا فعل ہے، لہٰذا اگر تکبر کے فعل سے ایسا کرے تو مکروہ تحریمی ہے، اور تکبر کا قصد نہ ہو اور بلا ضرورت و بلا عذر ہو تو مکروہ تنزیہی ہے، اگر عذر یعنی: مٹی ہو، یا کنکر، یا سردی و گرمی وغیرہ کی ایذا کا خوف ہو تو مباح ہے(۱)۔

پگڑی کے پیچ پر سجدہ کرنے کا حکم

پگڑی کے پیچ پر بغیر عذر کے سجدہ کرنا درست ہے، لیکن مکروہ تنزیہی ہے، جب کہ پیچ ساری پیشانی پر ہو، یا پیشانی کے کچھ حصے پر ہو، جیسا کہ بعض اوقات پیچ ڈھلک کر پیشانی پر آجاتا ہے۔

اور پیچ پر سجدہ جائز ہونے میں شرط یہ ہے کہ سجدہ کی جگہ پاک ہو اور پیچ کے نیچے سے زمین کی سختی نمازی کو اس طرح محسوس ہوتی ہو کہ اگر اب سر کو اور دبائے تو نہ دبے، پس اگر ماتھا نہ جما، بلکہ فقط چھو گیا کہ اگر دبائے تو دب جائے گا تو سجدہ نہ ہوا، بہت لوگ اس سے غافل ہیں۔

اگر پیچ تھوڑے حصے پر ہے، پیشانی کا باقی حصہ زمین پر لگ رہا ہے تو سجدہ جائز ہے۔

اور اگر پیچ نمازی کے صرف سر پر ہے، (پیشانی پر نہیں) اور صرف پیچ پر سجدہ کرے، زمین پر اس کی پیشانی نہ لگے تو سجدہ جائز نہیں، اکثر لوگ اس سے بھی غافل ہیں(۲)۔

(۱) عمدة الفقه، كتاب الصلاة، فرائض الصلاة: ٢/ ٩٤

(۲) عمدة الفقه، كتاب الصلاة، فرائض الصلاة: ٢/ ٩٥

حدیث باب

۳۷۸ : حدّثنا أَبُو ٱلْوَلِيدِ ، هِشَامُ بْنُ عَبْدِ ٱلْمَلِكِ ، قَالَ : حَدَّثنا بِشْرُ بْنُ ٱلْمُفَضَّلِ قَالَ : حَدَّثَنِي غَالِبٌ ٱلْقَطَّانُ ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مالِكٍ قَالَ : كُنَّا نُصَلِّي مَعَ ٱلنَّبِيِّ ﷺ ، فَيَضَعُ أَحَدُنَا طَرَفَ ٱلثَّوْبِ ، مِنْ شِدَّةِ ٱلْحَرِّ ، فِي مَكَانِ ٱلسُّجُودِ .(۱) [۵۱۷ ، ۱۱۵۰]

ترجمہ حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے تو ہم میں سے بعض لوگ گرمی کی شدت کی وجہ سے اپنے (پہنے ہوئے) کپڑے کا کنارہ سجدہ کرنے کی جگہ رکھ لیا کرتے تھے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ میں کل پانچ رجال ہیں:

(۱)أخرجه البخاري أيضا وفي مواقيت الصلاة، باب وقت الظهر عند الزوال، رقم الحديث: ٥٤٢.
وفي كتاب العمل في الصلاة، باب: بسط الثوب في الصلاة في السجود، رقم الحديث: ١٢٠٨
ومسلم في صحيحه، كتاب الصلاة، في المساجد، باب: استحباب تقديم الظهر في أول الوقت في غير شدة الحر، رقم الحديث: ٦٢٠
وأبو داود في سننه، كتاب الصلاة، في الصلاة، باب: الرجل يسجد على ثوبه، رقم الحديث: ٦٦٠
والترمذي في سننه، في الصلاة، باب: ما ذكر من الرخصة في السجود على الثوب في الحر والبرد، رقم الحديث: ٥٨٤
والنسائي في سننه، كتاب الصلاة، باب: السجود على الثياب، رقم الحديث: ١١١٧
وابن ماجة في سننه، كتاب الصلاة، باب: السجود على الثياب في الحر والبرد، رقم الحديث: ١٠٣٣
وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الصلاة، القسم الأول في الفرائض، الباب الأول في الصلاة وأحكامها، الفصل السادس في شرائط الصلاة، الفرع الرابع في الأمكنة، النوع الأول فيه يصلى عليه، رقم الحديث: ٣٢٦٠، ٤٦٨/٥

۱۔ ابوالولید ہشام بن عبدالملک

یہ ''ابوالولید ہشام بن عبدالملک الباہلی الطیالسی المصری'' رحمہ ہیں۔

ان کا مختصر تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: علامة الإيمان حب الأنصار، کے تحت اور تفصیلی تذکرہ کتاب العلم، باب: إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۲۔ بشر بن المفضل

یہ ''بشر بن المفضل بن الاحق البصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب العلم، باب:قول النبي صلى الله عليه وسلم: رب مبلغ أوعىٰ عن سائل، کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

۳۔ غالب القطان

ان کا پورا نام ابوسلیمان غالب بن خُطّاف ہے، جنہیں ابی غَیلان القطان کہتے ہیں، ان کو ابوعفان البصری بھی کہا جاتا ہے(۳)۔

یہ ایک قول کے مطابق مولی عبداللہ بن عامر بن کُریز ہیں، دوسرا قول مولی بن تمیم کا ہے، تیسرا قول مولی بن غنم کا ہے، اور چوتھے قول کے مطابق یہ مولی بنی راسب ہیں(۴)۔

''خَطّاف'' خ کی فتحہ کے ساتھ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ اور خ کی ضمہ کے ساتھ ابن معین اور علی بن المدینی سے منقول ہے(۵)۔

یہ جن اساتذہ وشیوخ سے روایت کرتے ہیں ان میں:

بکر بن عبد اللہ المزنی، ابوالجوزاء، اوس بن عبد اللہ الربعی، الحسن البصری، سعید بن جبیر، سلیمان

---

(۱) کشف الباری: ۲/۳۸، ٤/۱٥۹

(۲) کشف الباری: ۳/۲۲۲

(۳) تهذيب الكمال: ۲۳/۸٤، التاريخ الكبير للبخاري: ٤/۹۹، ۱۰۰

(٤) الثقات لابن حبان: ۷/۳۰۸۔ الجرح والتعديل: ۷/٦٤

(٥) تهذيب الكمال: ۲۳/۸٤۔ تهذيب التهذيب: ٥/۲٤۲

الاعمش، عمرو بن شعیب، مالک بن دینار، محمد بن سیرین، ابو المُهزِّم التیمی وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں

بشر بن المفضل، اسماعیل بن عُلَیّہ، حزم بن ابی حزم القطعی، حماد بن معقل البصری، خالد بن عبدالرحمٰن السُّلَمی، الخلیل بن ذکریا الشیبانی، دوید بن مجاشع، الربیع بن صَبیح، سہیل بن ابی حزم القُطعی، سلام بن ابی مطیع، شعبہ بن الحاج رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں(۱)۔

ان کے بارے میں احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثقة، ثقة(۲).

یحیی بن معین اور امام نسائی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ثقة(۳).

ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صدوق صالح(٤).

عمار بن عمر بن المختار اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: حدثنا غالب القطان وكان ولله من خيار الناس(٥).

ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے(٦)۔

ان کی روایات بخاری، مسلم اور ابن ماجہ میں بشر بن المفضل کے واسطے سے منقول ہیں(۷)۔

۴۔ بکر بن عبداللہ

یہ ''بکر بن عبداللہ بن عمرو بن ہلال المزنی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تفصیلی تذکرہ کشف الباری، کتاب الغسل، باب: عرق الجنب وأن المسلم لا ينجس، کے

---

(۱)تهذيب الكمال: ٨٥/٢٣۔ تهذيب التهذيب: ٦٤٢/٨

(۲)سير أعلام النبلاء: ٢٠٦/٦۔ الجرح والتعديل: ٦٤/٧

(۳)الطبقات لابن سعد: ٢٧١/٧۔ تهذيب الكمال: ٨٦/٢٣

(٤)الجرح والتعديل: ٦٤/٧۔ تقريب التهذيب: ٣/٢

(٥)تهذيب التهذيب: ٦٤٢/٨۔ تهذيب الكمال: ٨٥/٢٣

(٦)الثقات لابن حبان: ٣٠٨/٧

(۷)ميزان الاعتدال: ٣٣١/٣۔ تهذيب الكمال: ٨٧/٢٣

تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۵۔انس بن مالک

یہ مشہور صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

شرح حدیث

"طرف ثوبه" یہ جملہ "یضع" فعل کے لیے مفعول بنے گا، مراد یہ کہ گرمی کی شدت کی وجہ سے سجدے کی جگہ میں ہر آدمی اپنا کپڑا رکھ لیا کرتا تھا، اب یہ کپڑا اپنا پہنا ہوا کپڑا ہوتا تھا یا جسم سے الگ کوئی پڑا ہوتا تھا جو بچھا کر اس پر سجدہ کرلیا جاتا تھا؟

تو اس زمانے کے اعتبار سے دیکھیں تو ظاہر ہے کہ قلت ثیاب کا دور تھا، لہٰذا وہی کپڑا مراد ہوسکتا ہے جو پہنا ہوا ہوتا تھا، نہ کہ الگ سے، بالخصوص جب کہ کپڑے کی اضافت بھی یہی بتا رہی ہے(۳)۔

اور اس سے بھی واضح الفاظ صحیح مسلم، سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ میں ہیں کہ "بسط ثوبه فيسجد عليه"(۴)۔

---

(۱) کشف الباری، کتاب الغسل، باب: عرق الجنب وأن المسلم لا ينجس.

(۲) کشف الباری: ۴/۲

(۳) عمدة القاري: ۱۷۴/۴

(۴) حدثنا يحيى بن يحيى، حدثنا بشر بن المفضل، عن غالب القطان، عن بكر بن عبد الله، عن أنس بن مالك، قال: كنا نصلي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في شدة الحر، فإذا لم يستطع أحدنا أن يمكن جبهته من الأرض، بسط ثوبه، فسجد عليه. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب السجود على الثوب في شدة الحر، رقم الحديث: ٦٢٠)

حدثنا أحمد بن حنبل، حدثنا بشر -يعني: ابن المفضل-، حدثنا غالب القطان، عن بكر بن عبد الله عن أنس بن مالك، قال: كنا نصلي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في شدة الحر، فإذا لم يستطع أحدنا أن يمكن وجهه من الأرض بسط ثوبه، فسجد عليه. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: الرجل يسجد على ثوبه، رقم الحديث: ٦٦٠) =

اور سنن نسائی کی روایت میں ہے کہ "كنا إذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم بالظهائر سجدنا على ثيابنا اتقاء الحر"(۱).

اور المصنف کی روایت میں ہے: "كنا نصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم في شدة الحر والبرد، فيسجد على ثوبه"(۲).

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت پوری طرح واضح ہے(۳)۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور و آداب

۱۔ مذکورہ حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نماز میں عملِ قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

۲۔ کپڑا پیشانی کے نیچے بچھا کر اس پر سجدہ کرنے سے بھی نماز پر کوئی فرق نہیں پڑتا، چاہے وہ کپڑا متصل ہو یا غیر متصل۔

= حدثنا إسحاق بن إبراهيم بن حبيب قال: حدثنا بشر بن المفضل، عن غالب القطان، عن بكر بن عبد الله، عن أنس بن مالك، قال: كنا نصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم في شدة الحر، فإذا لم يقدر أحدنا أن يمكن جبهته، بسط ثوبه فسجد عليه. (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب: السجود على الثياب في الحر والبرد، رقم الحديث:۱۰۳۳)

(۱)أخبرنا سويد بن نصر، قال: أنبأنا عبد الله بن المبارك، عن خالد بن عبد الرحمن هو السلمي، قال: حدثني غالب القطان، عن بكر بن عبد الله المزني، عن أنس قال: كنا إذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم بالظهائر سجدنا على ثيابنا اتقاء الحر. (سنن النسائي، كتاب الصلاة، السجود على الثياب، رقم الحديث: ۱۱۱۷)

(۲)حدثنا أبو بكر قال: نا بشر بن المفضل، عن غالب، عن بكر، عن أنس، قال: كنا نصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم في شدة الحر، فإذا لم يستطع أحدنا أن يمكن وجهه من الأرض بسط ثوبه فسجد عليه. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب: في الرجل يسجد على چوبه من الحر والبرد، رقم الحديث: ۲۷۸۵، ۳٦۹/۱)

(۳)عمدة القاري: ۱۷٤/٤

کپڑے پر سجدہ کرنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

گرمی یا سردی کی شدت کے وقت جب کہ پیشانی زمین پر نہ ٹکتی ہو، اپنے جسم پر پہنے ہوئے کپڑے کا کوئی کنارہ بچھا کر اس پر سجدہ کرنا امام ابوحنیفہ، امام مالک، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک جائز ہے(۱)۔

جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اس کے قائل نہیں ہیں، ان کے نزدیک جسم کے ساتھ متصل کپڑا بچھا کر نماز کا سجدہ کرنا تو جائز نہیں ہے، البتہ اگر کوئی کپڑا جسم سے منفصل ہو تو اس پر سجدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یعنی: جو کپڑا جسم کے اوپر ہے، اس کا کوئی حصہ سجدے کی جگہ رکھتے ہیں، اور وہ حصہ نمازی کی حرکت سے متحرک ہوتا ہے تو اس پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر وہ کپڑا اتنا بڑا ہے کہ سجدہ کرنے کی جگہ وہ پڑا ہوا ہے اور اس کا بقیہ حصہ نمازی نے پہن رکھا ہے، وہ رکوع میں جائے، سجدہ کرے، قیام کرے، تو ان سب حالتوں میں وہ کپڑا حرکت نہیں کرتا، تو پھر ایسے کپڑے پر سجدہ کرنے کی اجازت ہے، یا پھر نماز سے خارج کپڑے پر سجدہ کرنے کی اجازت ہے، ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ نمازی کے بدن پر جو کپڑا ہوتا ہے وہ بھی مثلِ جزو بدن ہو کر نمازی کے ساتھ ہے، لہٰذا جس طرح جزوِ بدن پر سجدہ نہیں ہوسکتا، بلکہ زمین پر سجدہ کرنا ضروری ہے، اسی طرح اس متصل کپڑے پر سجدہ کرنا بھی درست نہیں ہے(۲)۔

---

(۱)بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما سننها فكثيرة: ٦٤٠/١

البحر الرائق، كتاب الصلاة، فصل: في اللغة فرق ما بين الشيئين: ٢١٠/١

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب: شروط الصلاة: ١٥٥/١

المدونة الكبرىٰ، كتاب الصلاة، السجود على الثياب والبسط: ١٧١/١

مواهب الجليل في الشرح الكبير، كتاب الصلاة، في فرائض الصلاة، فرع: فرش خمرة فوق البساط وصلى عليها: ٢٥٧/٢

المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، فصل: مباشرة الأعضاء والسجود للمصلي: ١٩٧/٢

الإنصاف، كتاب الصلاة، صفة الصلاة: ٦٨/٢

المبدع شرح المقنع، كتاب الصلاة، في صفة الصلاة: ٤٠٣/١

(٢)العزيز شرح الوجيز، كتاب الصلاة، كيفية الصلاة: ٥٢١/١

الحاوي الكبير للماوردي، كتاب الصلاة، باب: صفة الصلاة: ١٦٤/٢

روضة الطالبين، كتاب الصلاة، باب: في صفة الصلاة: ٣٦٣/١

۲۳ – باب : اَلصَّلَاةُ فِي اَلنِّعَالِ .

یہ باب ہے جوتے پہن کر نماز کے حکم کے بیان میں

"في النعال" یہ "في" علی کے معنی میں ہے، یا "ب" کے معنی میں، علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو ظرفیہ کے معنی میں لینا صحیح نہیں(۱)۔

اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جوتے کے ساتھ یعنی: جوتے پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

"نِعال" جمع ہے "نعلٌ" کی، اس کا معنی یہ ہے: جوتا اور ہر وہ چیز جس سے قدم کو بچایا جا سکے(۲)۔

مذکورہ باب کی ماقبل سے مناسبت

اس باب اور ماقبل کے باب کی مناسبت یہ ہے کہ وہاں چہرے کا اس کپڑے سے مَس کرنا تھا، جس پر سجدہ کیا جا رہا تھا، اب پاؤں کا اس جوتے سے مَس کرنا ہے جو پاؤں میں پہنا ہوا ہے(۳)۔

حدیثِ باب

۳۷۹ : حدّثنا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ : حَدَّثنا شُعْبَةُ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو مَسْلَمَةَ ، سَعِيدُ بْنُ يَزِيدَ اَلْأَزْدِيُّ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مالِكٍ(۴) : أَكَانَ اَلنَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي فِي نَعْلَيْهِ ؟ قَالَ : نَعَمْ . [۵۵۱۲]

---

(۱)عمدة القاري: ٤/١٧٦

(۲)معجم الصحاح للجوهري، ص: ١٠٥٣

(۳)فتح الباري: ١/٦٤٠- عمدة القاري: ٤/١٧٤

(٤)أخرجه البخاري أيضا في اللباس، باب: النعال السبتية، رقم الحديث: ٥٨٥

ومسلم في صحيحه، في المساجد، باب: جواز الصلاة في النعلين، رقم الحديث: ٥٥٥

والترمذي في جامعه، في الصلاة، باب: ما جاء في الصلاة في النعال، رقم الحديث: ٤٠٠

والنسائي في سننه، في القبلة، باب: الصلاة في النعلين، رقم الحديث: ٧٧٦

وابن ماجة في سننه، في الصلاة، باب: الصلاة في النعال، رقم الحديث: ١٠٣٧

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، الباب الأول: في =

ترجمہ حدیث

حضرت سعید بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جوتوں میں نماز ادا فرماتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں، (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جوتے پہن کر نماز ادا فرماتے تھے)۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کے کل چار رجال ہیں:

۱۔آدم بن ابی ایاس

یہ ''ابوالحسن آدم بن ابی ایاس عبدالرحمٰن العسقلانی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۲۔شعبہ

یہ ''امیر المؤمنین شعبہ بن الحاج بن الورد العتکی واسطی بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، کے تحت گزر چکا ہے(۲)۔

۳۔ابومسلمہ سعید بن یزید الازدی

ان کا پورا نام ''سعید بن یزید بن مَسلَمہ الازدی'' ہے، ان کو ''الطاحی'' بھی کہا جاتا ہے(۳)، ''الطاحی''

= الصلاة وأحكامها، الفصل السادس: في شرائط الصلاة، الفرع الثاني: في طهارة اللباس، رقم الحديث: ٣٦١٨، ٥/٤٤٥

(١) كشف الباري: ١/٦٧٨

(٢) كشف الباري: ١/٦٧٨

(٣) تاريخ البخاري الكبير: ٢/ ٥٢٠- الكاشف: ١/٣٢٨، إكمال تهذيب الكمال: ٥/ ٣٧٢

قاضی کی مثل ہے، جوکہ الأزد کے ایک محلّہ ''الطاحیہ'' کی طرف منسوب ہے(۱)، یہ نسبت ابن حبان رحمہ اللہ نے ''الطاحی'' کی بجائے ''الطحان'' ذکر کی ہے(۲)۔

علامہ مغلطائی رحمہ اللہ نے اس نسبت کے ذکر کرنے کو جید قرار نہیں دیا(۳)۔

ان کی کنیت ''ابومسلمہ البصری القصیر'' ہے(۴)۔ ''مَسلمہ'' میم کی فتحہ، سین کے سکون اور لام کی فتحہ کے ساتھ ہے، بعض لوگ اس کو میم کے ضمہ اور لام کی کسرہ سے نقل کرتے ہیں، وہ درست نہیں ہے(۵)۔

یہ جن اساتذہ ومشایخ سے روایت کرتے ہیں، ان میں

انس بن مالک، ابونضرہ، عکرمہ، ابی قلابہ، مطرف، یزید بن عبداللہ بن الشخیر، حسن بصری، شقیق بن نور وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں

شعبہ، ابراہیم بن طہمان، حماد بن زید، عباد بن عوام، خالد بن عبداللہ، بشر بن المفضل، ابن عُلیہ، یزید بن زریع وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں(۶)۔

ابوحاتم رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: صالح(۷).

یحیی بن معین اورامام نسائی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ثقة(۸).

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن سعد، العجلی اور ابوبکر ابزار نے بھی ان کی توثیق کی ہے(۹)۔

---

(۱) تهذيب التهذيب: ٤/١٠٠ـ إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام: ١/٢٥٨

(۲) الثقات لابن حبان: ٤/٢٧٩

(۳)إكمال تهذيب الكمال: ٥/٣٧٢

(٤) التاريخ الكبير للبخاري: ٢/٥٢٠ـ تهذيب الكمال: ١١/١١٤

(٥) إكمال اتهذيب الكمال: ٥/٣٧٣

(٦)تهذيب الكمال: ١١/١١٥ـ تهذيب التهذيب: ٤/ ١٠٠

(٧)الجرح والتعديل: ٤/ ٧٤

(٨)خلاصة الخزرجی، ص: ١٤٥ـ تهذيب الكمال: ١١/ ١١٥

(٩)تهذيب التهذيب: ٤/١٠١

ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کو ''الثقات'' میں بیان کیا ہے (۱)۔

۴۔انس بن مالک

یہ مشہور صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گزر چکا ہے (۲)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر جوتے پہن کر کوئی نماز پڑھے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ قرآن پاک میں ہے: ﴿فاخلع نعليك﴾ اور نماز تو وادی مقدس سے بھی افضل ہے، کیونکہ "المصلي يناجي ربه" وارد ہوا ہے، تو ابہام ہوتا تھا کہ نماز بھی جوتوں میں جائز نہیں ہونا چاہیے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ اس باب سے اس کا جواز ثابت فرما رہے ہیں۔ بعض علماء یوں فرماتے ہیں کہ عرب کے جوتوں میں تو نماز جائز ہے، ہندی جوتوں میں نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے جوتے بالکل چپل کی طرح ہوتے ہیں، جیسا کہ نعلین شریفین کے نقشۂ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے'' (۳)۔

شرح حدیث

مذکورہ حدیث سے یہ امر ثابت ہو رہا ہے کہ جوتے پہن کر نماز ادا کرنا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ وہ پاک ہوں، یہ بات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے آثار سے ثابت ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس بات کو اس امت کے خصائص میں سے شمار کرایا ہے (۴)۔

---

(۱) الثقات لابن حبان: ٢٧٩/٤

(۲) کشف الباری: ٤/٢

(۳) سراج القاري: ٤١٦/٢

(٤) أنموذج اللبيب في خصائص الحبيب، الباب الأول: في خصائص التي اختص بها دون جميع الأنبياء، الفصل الثاني: فيما اختص به في شرعه وأمته في الدنيا، ص: ٩٠

علامہ مقرئی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "فتح المتعال في مدح النعال" میں حافظ زین الدین العراقی رحمہ اللہ کا ایک سوال و جواب نقل کیا ہے، جس میں حافظ صاحب رحمہ اللہ نے لکھا کہ (بخاری شریف کی اس حدیث سے) ظاہر یہ ہوتا ہے کہ جوتوں میں نماز ادا کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مستمرہ تھی (۱)۔

اس کا جواب علامہ عبدالحئی لکھنوی رحمہ نے اپنی کتاب "غاية المقال فيما يتعلق بالنعال" میں یہ دیا ہے کہ حافظ عراقی رحمہ اللہ کی دوام واستمرار والی بات قابلِ تسلیم نہیں ہے، اس لیے کہ اس حدیث میں اس بات پر دلالت کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے، ہاں! یہ ممکن ہے کہ حدیث میں موجود لفظِ ''کان'' سے استدلال کیا گیا ہو کہ وہ استمرار کے معنی پیدا کرتا ہے، لیکن اس بارے میں جان لینا چاہیے کہ لفظِ ''کان'' اصالۃً دوام واستمرار پر دلالت نہیں کرتا، جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی شرح مسلم میں لکھا ہے (۲)۔ لہٰذا اس سے بھی دلیل پکڑنا درست نہیں ہوگا (۳)۔

ابن دقیق العید رحمہ لکھتے ہیں:

''اس حدیث مبارکہ سے جوتے پہن کر نماز ادا کرنے کے جواز کا علم ہوتا ہے، لیکن یہ مناسب نہیں ہے کہ اس عمل کے استحباب کا قول اختیار کیا جائے، اس لیے کہ یہ امر نماز کے معنی مطلوب میں داخل نہیں ہے۔

اس پر اعتراض کیا جائے کہ جوتے پہننے سے زینت حاصل ہوتی ہے، چنانچہ جس طرح نماز میں اچھے کپڑوں کے ذریعے حصولِ زینت مطلوب ہے اسی طرح اس معاملے میں بھی ہونا چاہیے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی بات تسلیم ہے مگر بات یہ ہے کہ ہم زمین پر جوتے پہن کر ہی چلتے ہیں، حالانکہ زمین پر نجاستیں پڑی ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے جوتے بھی نجس ہو جاتے ہیں، اس کی وجہ سے نماز میں جوتوں کی وجہ سے حاصل ہونے والی زینت کا حکم ساقط ہو جاتا ہے، اس طرح یہاں جوتوں کی زینت اور اپنے سے نجاست والی چیزوں کو دور کرنے میں تعارض ہو گیا، جس کے نتیجے میں ازالہ نجاست کو ترجیح دی جائے گی، لہٰذا

(١)فتح المتعال في مدح النعال، بحث جواز الصلاة في النعل،ص: ٩٣، دار القاضي للتراث.

(٢) شرح النووي، كتاب الحج، باب: الاشتراك في الهدي واجزاء البقرة، رقم الحديث: ٣٣٢٧، ٤٦١/٤

(٣) إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام، رقم الحديث: ٩٤، الصلاة في النعلين، ص: ٥٠

غاية المقال فيما يتعلق بالنعال، مسألة: يجوز الصلاة في النعلين، ص: ٢١

نماز میں جوتے اتار کر نماز پڑھنا راجح ہوگا، اس لیے کہ وہ نجاست سے ملوث ہوتے ہیں، اور جوتوں کے ذریعے زینت کا حصول مرجوح ہو جائے گا"(۱)۔

علامہ شامی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے:

تاتارخانیہ میں ہے کہ یہود کی مخالفت کی غرض سے پاک جوتے یا موزے پہن کر نماز ادا کرنا افضل ہے(۲)۔

طبرانی رحمہ اللہ نے "المعجم الکبیر" میں حدیث نقل کی ہے: "صلوا في نعالكم ولا تشبهوا باليهود"(۳)۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے "جامع الصغیر" میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، اسی وجہ سے حنابلہ اس فعل کو سنت قرار دیتے ہیں، اگرچہ انہیں پہن کر گلی محلوں میں پھرا جاتا ہو، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جوتوں کے ساتھ مدینہ کے راستوں میں چلا کرتے تھے، اور پھر انہیں میں نماز ادا کر لیا کرتے تھے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اگر جوتے کی وجہ سے مسجد کا گرد وغبار وغیرہ سے ملوث ہونا ثابت ہوتا ہو تو پھر بغیر جوتوں کے ادا کرنا بہتر ہوگا، اگرچہ پاک ہوں۔ مسجدِ نبوی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسی ہوتی تھی کہ اس کے فرش پر سنگریزے اور کنکر وغیرہ بچھے ہوتے تھے، بخلاف ہمارے زمانے کے۔ کہ آج کل تو مسجد نبوی اور دیگر مساجد میں قالین وغیرہ بچھے ہوتے ہیں۔

اور عمدۃ المفتی میں مذکور قول "کہ مسجد میں جوتے پہن کر داخل ہونا سوء ادب ہے" کا محمل یہی ہوگا(۴)۔

علامہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میری رائے یہ ہے کہ چپلوں میں نماز پڑھنا زیادہ سے زیادہ مباح (بلا کراہت) کے درجہ میں ہے،

(۱) إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام، الحديث: ٩٤، الصلاة في النعلين، ص: ٢٠

(٢) التاترخانيه، كتاب الصلاة، الفصل الرابع: في بيان ما يكره للمصلي: ١/٥٧١

(٣) عن هلال بن ميمون، عن يعلى بن شداد، عن أبيه، أو غيره من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، شك هلال، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلوا في نعالكم، ولا تشبهوا باليهود. (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث: ٧١٦٤، ٧/٢٩٠)

(٤) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب: ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: في أحكام المسجد: ٤/١٩٩، دار الثقافة

مستحب نہیں، لہٰذا شامی میں اس کو ایک جگہ مستحب لکھنا اور دوسری جگہ مکروہِ تنزیہی، خلافِ تحقیق ہے۔ میرے نزدیک حقیقتِ امر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر پہنچنے کے وقت نعلین اُتارنے کے حکم سے یہود نے مطلقاً ممانعت سمجھی تھی، اس لیے ان کے نزدیک کسی صورت میں بھی نعلین کے ساتھ نماز جائز نہیں ہے، اسی غلطی اور شدت کی شریعت محمدیہ نے اصلاح کی ہے، اور مطلق جواز کو باقی رکھا، بعض روایات میں "خالفوا اليهود" آیا بھی ہے، معلوم ہوا کہ جن روایات میں نعلین کے ساتھ نماز کا حکم آیا ہے، وہ بھی یہود کی مخالفت کے لیے ہے، اس لیے نہیں کہ وہ فی نفسہ مطلوبِ شرع ہے کہ مستحب سمجھ لیا جائے۔

مؤطا امام مالک میں کعب احبار سے یہ روایت موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نعلین مردہ گدھے کے چمڑے کے تھے، اس لیے ان کو اتارنے کا حکم ہوا تھا (☆)۔

میں ظاہر قرآن سے یہ سمجھا ہوں کہ نعلین اتارنے کا حکم "تأدبا" تھا، اسی لیے اس سے پہلے "إني أنا ربك" فرمایا ہے، گویا سببِ خلع کی طرف اشارہ ہے، لہٰذا اس سے عدمِ جواز بھی ثابت نہیں ہوگا۔ غرض کہ ادب کے ساتھ جواز کی تعلیم ملتی ہے، خواہ امرِ خلع کو اس وجہ سے سمجھا جائے جو کعب نے ذکر کی ہے، یا اس وجہ سے ہو جس کی طرف الفاظِ قرآنی راہنمائی کرتے ہیں۔ اور یہود کے عدمِ جواز والے حکم کی کوئی گنجائش نہیں ہے، شریعت محمدیہ نے اسی طرح بہت سے دوسرے مواضع میں بھی مزاعمِ یہود کی تغلیط واصلاح کی ہے، یعنی: جن امور میں ان کو مغالطے لگے اور وہ حقیقت سے دور ہٹ گئے، ہماری شریعت نے حقیقت واضح کر کے ان کی غلطیوں کی اصلاح کی ہے (۱)۔

''نعال'' سے کیا مراد ہے؟

علامہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس زمانہ کے ''نعال'' (چپل) ہمارے زمانے کے جوتوں سے مختلف تھے، اور غالب یہ ہے کہ اِن جوتوں میں نماز درست بھی نہیں ہوگی، کیونکہ پاؤں ان کے اندر ہوتے ہوئے زمین پر نہیں لگتے، بلکہ اوپر لٹکے رہتے ہیں، لہٰذا سجدہ کامل نہیں ہوگا (۲)۔

(☆) مؤطا امام مالك، الجامع، ما جاء في النعال، رقم الحديث: ٣٣٩٦

(١) انوار الباری: ١٢/١٦٥۔ فيض الباري: ٢/٣٤، ٣٥

(٢) فيض الباري: ٢/٣٤، العرف الشذي، كتاب الصلاة، باب: ما جاء في الصلاة في النعال، رقم الحديث: ٩٣، ١/١٢٧، انوار الباري: ١٢/١٦٥

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ بات یہاں خیال رہے کہ عرب میں "نعل"، مطلق جوتے کو نہیں کہا جاتا، بلکہ "نعل"، اصل میں چپل کو کہا جاتا ہے اور عرب کا چپل ایسا ہوتا تھا کہ اس کو پہن کر سجدہ کرنے میں پاؤں کی انگلیاں بالکلیہ زمین سے الگ نہیں رہتی تھیں، بلکہ اسے (پہنے ہوئے بھی) پیر زمین سے ملصق ہوتے تھے، باقی آج کل ہمارے یہاں کا جو جوتا ہے، مثلاً: بوٹ؛ اس کو عربی میں "نعل" نہیں کہا جاتا، بلکہ "مداس" کہا جاتا ہے، یہ بوٹ یا اس قسم کا جو جوتا بھی ہو، جس کو پہن کر سجدہ میں جانے سے پیر زمین سے اٹھا رہتا ہے، ایسے جوتے پہن کر نماز درست نہیں، کیونکہ سجدہ کے وقت پیر زمین سے لگنا چاہیے۔

یہ بات بھی خیال رہے کہ جوتا جو عرب کے نعل جیسا ہو، (اور پاک بھی ہو) اس میں نماز اگر چہ جائز ہے، مگر آج کل ان کو پہن کر مسجدوں میں نہ جانا چاہیے، کیونکہ آج کل مسجدوں میں قیمتی فرش ہوتا ہے، وہ (چپل گردوغبار وغیرہ سے) ملوث ہوگا، مسجدِ نبوی میں تو فرش نہیں تھا، کنکریاں بچھی ہوئی تھیں (۱)۔

علامہ سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جوتوں میں نماز کی ادائیگی کا حکم یہود کی مخالفت کی وجہ سے دیا گیا، اور ہمارے اس زمانے میں مناسب یہ ہے کہ ننگے پاؤں ہی نماز ادا کرنے کا حکم دیا جائے، اس لیے کہ وہ جوتے سمیت اپنی عبادت کرتے ہیں (۲)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت پوری طرح واضح ہے (۳)۔

(۱)فضل الباري: ۱۰۱/۳- فتح الملهم، كتاب الصلاة، باب: جواز الصلاة في النعلين، رقم الحديث: ٦٠

(۲)بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في النعل، رقم الحديث: ٦٥٢، ٣٢٠/٤، ٣٢١

(۳)عمدة القاري: ١٧٦/٤

٢٤ – باب : اَلصَّلَاةِ فِي اَلْخِفَافِ .

یہ باب موزوں میں نماز پڑھنے کے بارے میں ہے

"خِفاف" بکسر الخاء "خف" کی جمع ہے، اس کے معنی چمڑے کے بنے ہوئے موزے ہیں(۱)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

شراح اس باب کے متعلق بھی یہی فرماتے ہیں کہ چونکہ "خفاف" لباس میں داخل ہیں، اس لیے اس کا ذکر فرمایا۔ اور میری رائے ہے کہ "صلاة في الخفاف" کی اولویت بیان فرمارہے ہیں، اس لیے کہ ابوداؤد میں ہے: "خالفوا اليهود، فإنهم لا يصلون في نعالهم ولا خفافهم" تو اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی اولویت کی طرف اشارہ فرمایا ہے(۲)۔

حدیثِ باب: (پہلی حدیث)

٣٨٠ : حدَّثنا آدَمُ(۳) قَالَ : حَدَّثنا شُعْبَةُ ، عَنِ اَلْأَعْمَشِ قَالَ : سَمِعْتُ إِبْراهِيمَ يُحَدِّثُ : عَنْ هَمَّامِ بْنِ اَلحارِثِ قَالَ : رَأَيْتُ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اَللهِ بَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ ، وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ ، ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى ، فَسُئِلَ فَقَالَ : رَأَيْتُ اَلنَّبِيَّ ﷺ صَنَعَ مِثْلَ هٰذَا .

قَالَ إِبْراهِيمُ : فَكَانَ يُعْجِبُهُمْ ، لِأَنَّ جَرِيرًا كَانَ مِنْ آخِرِ مَنْ أَسْلَمَ .

---

(١)القاموس المحيط: ١٣١/٣۔ المعجم الوسيط، ص: ٢٧٧

(٢)تقرير بخاری شريف: ٢/ ١٣٧

(٣) رواه مسلم في الطهارة، باب: المسح على الخفين، رقم الحديث: ٢٧٢

وأبو داؤد في سننه، في الطهارة، باب: المسح على الخفين، رقم الحديث: ١٥٤

والترمذي في جامعه، في الطهارة، باب: في المسح على الخفين، رقم الحديث: ٩٣

والنسائي في سننه، في الطهارة، باب: المسح على الخفين، رقم الحديث: ١١٨

وابن ماجة في سننه، في الطهارة، باب: ما جاء في المسح على الخفين، رقم الحديث: ٥٤٣

وفي جامع الأصول، حرف الطاء، الكتاب الأول: في الطهارة، الباب الرابع: في الوضوء، الفصل الثالث: في المسح على الخفين، الفرع الأول: في جواز المسح، رقم الحديث: ٥٢٧٤، ٧/٢٣٧

ترجمہ حدیث

حضرت ہمام بن حارث فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور اپنے دونوں موزوں پر مسح کیا اور نماز ادا کی، ان سے پوچھا گیا (کہ یہ آپ نے کیا کیا) تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔

حضرت ابراہیم (نخعی) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ حدیث لوگوں کو بہت پسند تھی کیونکہ حضرت جریر بن عبداللہ اسلام قبول کرنے والوں میں سے آخر کے آدمیوں میں سے تھے۔

تراجم رجال

اس حدیث کے رجال کے کل چھ رجال ہیں:

۱۔آدم

یہ ''ابوالحسن آدم بن ابی ایاس عبدالرحمٰن العسقلانی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۲۔شعبہ

یہ ''شعبہ بن الحجاج بن الورد العتکی واسطی بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

---

(۱) کشف الباری: ۱/۶۷۸

(۲) کشف الباری: : ۱/۶۷۸

۳۔ اعمش

یہ ''ابومحمد سلیمان بن مہران اسدی کوفی الاعمش''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: ظلم دون ظلم، کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

۴۔ ابراہیم

یہ ''ابوعمران ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود نخعی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: ظلم دون ظلم، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

۵۔ ہمام بن حارث

ان کا پورا نام ہمام بن الحارث النخعی الکوفی رحمہ اللہ ہے(۳)۔ یہ اہل شام کے طبقہ اولی کے تابعی تھے(۴)۔

ان کے اساتذہ ومشائخ میں

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی، حذیفہ بن الیمان، عبداللہ بن مسعود، عدی بن حاتم، عمار بن یاسر، عمر بن الخطاب، مقداد بن الاسود، ابومسعود الانصاری اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وعنہم وغیرہ شامل ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں

ابراہیم نخعی، سلیمان بن یسار اور وبرہ بن عبدالرحمٰن وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں(۵)۔

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے(۶)۔

یحیی بن معین رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ثقة(۷).

---

(۱) كشف الباري: ۲۵۱/۲

(۲) كشف الباري: ۲۵۳/۲

(۳) التاريخ الكبير للبخاري: ۲۳٦/٤۔ خلاصة الخزرجي، ص: ٤۱۱

(٤) الطبقات الكبرى لابن سعد: ۱۱۸/٦

(۵) تهذيب الكمال: ۲۹۷/۳۰۔ تهذيب التهذيب: ٦٦/۱۱

(٦) كتاب الثقات لابن حبان: ۵۱۰/۵

(۷) الجرح والتعديل: ۱۳۱/۹۔ سير أعلام النبلاء: ۲۸٤/٤

ابوالحسن المدائنی رحمہ اللہ انہیں اہل کوفہ کے عباد میں ذکر کرتے ہیں (۱)۔

یہ رات کو تھوڑی دیر سوتے تھے، اکثر رات جاگ کر عبادت میں گذارا کرتے تھے، اور اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے: "اللھم اشفني من نومي يسير، واجعل سهري في طاعتك" (۲). جب یہ سوکر اٹھتے تھے تو ان کے چہرے کو دیکھ کر خبر ہو جاتی تھی وہ رات بھر نہیں سوئے (۳)۔

ان کی وفات کے بارے میں ابن حبان رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ یزید بن معاویہ کے زمانے میں تریسٹھ ہجری میں فوت ہوئے۔ اور "قیل" کے ساتھ ایک قول یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ یہ عبداللہ بن یزید کی امارت میں پینسٹھ ہجری میں فوت ہوئے (۴)۔

جب کہ تاریخ ابن قانع میں ہے کہ اکسٹھ ہجری میں فوت ہوئے۔ اور تاریخ خلیفہ میں ہے کہ چونسٹھ ہجری میں فوت ہوئے (۵)۔

٦۔ جریر بن عبداللہ

یہ "مشہور صحابی رسول حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کوفی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: قول النبي صلى الله عليه وسلم الدين النصيحة، کے تحت گزر چکا ہے (٦)۔

شرحِ حدیث

عن همام بن الحارث قال رأيت جرير بن عبد الله بال، ثم توضأ، ومسح على خفيه، ثم قام، فصلى.

(۱) حلية الأولياء: ٤/١٧٨

(۲) الطبقات الكبرى لابن سعد: ٦/١١٦۔ سير أعلام النبلاء: ٤/٢٨٤

(۳) إكمال تهذيب الكمال: ١٢/١٦٤

(٤) الثقات لابن حبان: ٥/٥١٠۔ الطبقات الكبرى لابن سعد: ١١٦/6

(٥) إكمال تهذيب الكمال: ١٢/١٦٤۔ تهذيب التهذيب: ١١/٦٦

(٦) كشف الباري: ٢/٧٦٤

حضرت ہمام بن حارث روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا، پھر نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور نماز ادا کی۔

اتنی بات کا ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے موزوں میں ہی نماز ادا کی۔ اس لیے کہ اگر وہ موزے اتارتے تو ان پر پاؤں کا دھونا ضروری ہوتا، جس کی بنا پر وہ پاؤں دھوتے، چنانچہ اگر یہ سب کچھ ہوتا تو اس کو نقل بھی کیا جاتا، اور یہاں یہ سب کچھ مذکور نہیں ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا(۱)۔

فسئل

پس حضرت جریر بن عبداللہ رجی اللہ عنہ سے ان کے موزوں پر مسح کرنے اور موزوں میں ہی نماز ادا کرنے کی بابت پوچھا گیا کہ آپ نے یہ کیا کیا؟ (۲)

سائل کون تھا؟

طبرانی رحمہ اللہ نے ایک روایت ذکر کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سوال کرنے والے حضرت ہمام بن الحارث رحمہ اللہ تھے (۳)۔

اور المعجم الکبیر میں ہی امام طبرانی رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں ہے: ”فعاب ذلك عليه رجل من القوم“ (٤).

---

(١)فتح الباري: ١/٦٤١۔ عمدة القاري: ٤/١٧٨

(٢)فتح الباري: ١/٦٤١۔ عمدة القاري: ٤/١٧٨

(٣)حدثنا أسلم بن سهل الواسطي، ثنا محمد بن حسان البرجاني، ثنا محمد بن يزيد الواسطي، عن جعفر بن الحارث، عن سليمان، عن إبراهيم، عن همام بن الحارث، قال: بال جرير ثم توضأ ومسح على خفيه، فقلت له: أتفعل هذا وقد بلت؟ قال: فإني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم بال ثم توضأ، ومسح على خفيه. (المعجم الكبير للطبراني، باب الجيم، جرير بن عبد الله البجلي، رقم الحديث: ٢٤٢٨، ٢/٣٤٣.)

(٤)حدثنا محمد بن النضر الأزدي، ثنا معاوية بن عمرو، ثنا زائدة، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن همام بن الحارث، قال: بال جرير، فتوضأ ومسح على الخفين، فعاب ذلك عليه رجل من القوم، فقال جرير: إن أفعل فقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل هذا. (المعجم الكبير للطبراني، باب الهمام بن الحارث، رقم الحديث: ٢٤٢٣، ٢/٣٤١.) =

فقال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم صنع مثل هذا.

تو حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

یعنی: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح موزوں پر مسح کیا اور پھر انہی موزوں میں نماز ادا فرمائی (۱)۔

قال إبراهيم: فكان يعجبهم؛ لأن جريرا كان من آخر من أسلم.

حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث لوگوں کو بہت پسند تھی، کیونکہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا اخیر زمانہ میں تھا۔

''ابراہیم'' سے مراد ابراہیم نخعی رحمہ اللہ ہی ہیں، جو سند میں مذکور ہوئے ہیں (۲)۔

"فکان" کی ضمیر کا مرجع "حديثِ جرير" ہوگا جو کہ سیاق وسباق سے سمجھ آ رہا ہے، اور "يعجبهم" کی "هم" ضمیر قوم کی طرف لوٹے گی (۳)۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث لوگوں کو اس لیے بہت زیادہ پسند تھی کہ جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آخر میں مسلمان ہوئے، ان میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ بھی تھے، لہٰذا ان کا وضوء میں موزوں پر مسح کرنا اور پھر یہ بتلانا کہ میں نے اسی طرح موزوں پر مسح کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیکھا ہے، اس امر کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا موزوں کے مسح پر آخر تک عمل رہا ہے۔

صحیح مسلم کی روایت میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ الفاظ ہیں: "لأن إسلام جرير كان بعد نزول المائدة"(٤).

=نوٹ: فتح الباری اور عمدۃ القاری میں "فعاب عليه ذلك" ہے، جب کہ اصل کتاب میں "فعاب ذلك عليه" ہے، یعنی: ذلك اور عليه کی تقدیم وتاخیر ہے۔ ملاحظہ ہو: فتح الباری: ۱/۶۴۱، اور عمدۃ القاری: ۴/۱۷۸

(۱)إرشاد الساري: ٢/٥٠

(٢)عمدة القاري: ٤/١٧٨ـ إرشاد الساري: ٢/٥٠

(٣)عمدة القاري: ٤/١٧٨ـ إرشاد الساري: ٢/٥٠

(۴)حدثنا يحيى بن يحيى التميمي، وإسحاق بن إبراهيم، وأبو كريب، جميعا عن أبي معاوية ح، وحدثنا =

اور سنن ابی داؤد میں "شہر بن حوشب" کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "إنما كان ذلك قبل نزول المائدة، قال: ما أسلمت إلا بعد نزول المائدة"(۱).

اور سنن الترمذی میں "شہر بن حوشب" کی روایت میں ہے کہ انہوں نے پوچھا کہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ المائدہ کے نزول سے قبل ایسا کرتے دیکھا ہے یا بعد میں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں تو مسلمان ہی سورۃ المائدہ کے نزول کے بعد ہوا ہوں، یعنی: نزول مائدہ کے بعد ہی میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مفسر ہے، اس لیے کہ بعض منکرین مسح علی خفین کے بارے میں یہ بات ذکر کرتے ہیں کہ موزوں پر مسح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ مائدہ نازل ہونے سے قبل کیا تھا، جبکہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ اس حدیث میں یہ بات ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے سورۂ مائدہ نازل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے(۲)۔

= أبو بكر بن أبي شيبة، حدثنا أبو معاوية، ووكيع واللفظ ليحيى، قال: أخبرنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن همام، قال: بال جرير، ثم توضأ، ومسح على خفيه، فقيل: تفعل هذا؟ فقال: نعم، رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم بال، ثم توضأ ومسح على خفيه. قال الأعمش: قال إبراهيم: كان يعجبهم هذا الحديث لأن إسلام جرير، كان بعد نزول المائدة. (صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب: المسح على الخفين، رقم الحديث: ۲۷۲)

(۱) حدثنا على بن الحسين الدرهمي، حدثنا ابن داود، عن بكير بن عامر، عن أبي زرعة بن عمرو بن جرير أن جريرا بال ثم توضأ فمسح على الخفين، وقال: ما يمنعني أن أمسح وقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح، قالوا: إنما كان ذلك قبل نزول المائدة، قال: ما أسلمت إلا بعد نزول المائدة. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب: المح على الخفين، رقم الحديث: ۱۵٤)

(۲) ويروى عن شهر بن حوشب، قال: رأيت جرير بن عبد الله توضأ، ومسح على خفيه، فقلت له في ذلك، فقال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم توضأ، ومسح على خفيه، فقلت له: أقبل المائدة، أم بعد المائدة؟ فقال: ما أسلمت إلا بعد المائدة، حدثنا بذلك قتيبة، قال: حدثنا خالد بن زياد الترمذي، عن مقاتل بن حيان، عن شهر بن حوشب، عن جرير. =

علامہ کشمیری رحمہ اللہ کا قول

علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا: سورۂ مائدہ کی آیت: ﴿وامسحوا برؤسكم وأرجلكم إلى الكعبين﴾ سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وضو میں پاؤں دھونے کی فرضیت ہی سمجھی تھی، اس لیے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے فعل وروایتِ مذکورہ سے بہت خوش ہوئے تھے، کیونکہ اس آیت سے وہم مسح خفین کے منسوخ ہونے کا ہوسکتا تھا، وہ اُن کے فعل وروایت کی وجہ سے ختم ہو گیا تھا، اور یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ مسحِ خفین کا حکم آیتِ مائدہ مذکورہ کے بعد بھی بدستور باقی ہے، لیکن حضرات صحابہؓ کے علم وفہم کے برخلاف روافض نے یہ سمجھا کہ آیتِ مائدہ مذکورہ کے تحت وضو کے اندر ہر حالت میں اور بغیر موزوں کے بھی پاؤں پر مسح ہی کرنا چاہیے، دھونا فرض نہیں ہے، اور خوارج وامامیہ کے نزدیک موزوں پر مسح درست نہیں ہے، وہ اسی آیتِ مائدہ سے یہ سمجھے ہیں کہ مسح کا حکم صرف پاؤں کے لیے ہے، لہٰذا موزے پہنے ہوئے کی حالت میں ان پر مسح کرنا جائز نہ ہوگا۔

ان دونوں فرقوں کے علاوہ تمام ائمہ مجتہدین اور سارے علمائے سلف وخلف کا مذہب یہی ہے کہ بغیر موزوں کے وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے، اور موزوں کی حالت میں ان پر مسح کرنا جائز ہے۔

اور صحابہ کرام میں سے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ابن عباس، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی طرف عدمِ جوازِ مسح علی الخفین کا قول منسوب کیا گیا ہے، اول تو یہ نسبت ضعیف ہے۔ دوسرے ان حضرات سے بھی ثبوتِ جواز کے لیے قوی روایات موجود ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے وہ خیال ہوا اور پھر اس سے رجوع کر لیا ہو، واللہ تعالی اعلم

ائمہ میں سے امام مالک رحمہ اللہ کی طرف بھی انکار منسوب ہوا، لیکن علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ فقہائے سلف میں سے کسی نے بھی مسح خفین کا انکار کیا ہو، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے، مگر ان میں سے جو صحیح روایات ہیں وہ ثبوت کی صراحت کرتی ہیں (۱)۔

= وروى بقية، عن إبراهيم بن أدهم، عن مقاتل بن حيان، عن شهر بن حوشب، عن جرير.

وهذا حديث مفسر لأن بعض من أنكر المسح على الخفين تأول أن مسح النبي صلى الله عليه وسلم على الخفين كان قبل نزول المائدة، وذكر جرير في حديثه أنه رأى النبي صلى الله عليه وسلم مسح على الخفين بعد نزول المائدة. (سنن الترمذي، كتاب الطهارة، باب: المسح على الخفين، رقم الحديث: ٩٤)

(۱) انوار الباری: ١٢/١٦٧۔ فيض الباري: ٢/٣٦

موزوں پر مسح اجماعی مسئلہ ہے

صاحب بدائع الصنائع فرماتے ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موزوں کے مسح پر قولا وفعلا اجماع ہے، حتی کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر بدری صحابہ کو پایا وہ سب کے سب مسح علی الخفین کی روایت کرتے تھے۔

اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مسح علی الخفین کے جواز کا عقیدہ رکھنا اہل سنت والجماعت کی شرائط میں سے ہے، انہوں نے فرمایا: اہلِ سنت کی علامت یہ ہے تم شیخین (حضرت ابوبکر وحضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کو فضیلت دو اور دو دامادوں (حضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھو، موزوں پر مسح کو جائز سمجھو اور کھجور کی نبیذ کو حرام قرار نہ دو۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ

میں نے اس وقت تک موزوں پر مسح کو جائز قرار نہیں دیا جب تک ان کا جواز مجھ پر روز روشن کی طرح واضح نہیں ہو گیا، اور اس کا انکار کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر رد کرنا ہے اور ان کو خطا پر قرار دینا ہے، اس لیے علامہ کرخی رحمہ اللہ نے فرمایا: جو موزوں پر مسح کا انکار کرے مجھے اس پر خطرہ کفر ہے۔.................................

حضرت عائشہ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ مائدہ نازل ہونے کے بعد مسح کیا ہے۔

اور حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا، ان سے پوچھا گیا: سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد ہی تو اسلام قبول کیا ہے(۱)۔

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب کی مناسبت حدیث مبارکہ کے جملے: "ومسح علی خفیه، ثم قام، فصلی" سے پوری طرح واضح ہے(۲)۔

(۱)بدائع الصنائع، کتاب الطهارة، باب: المسح علی الخفین: ۱/۱۳۰، دار الکتب العلمیه

(۲)عمدة القاري: ۴/۱۷۷

حدیث مبارکہ سے مستنبط فوائد واحکام

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں، مثلا:

۱۔لوگوں کی موجودگی میں پیشاب کرنا جائز ہے، اگر چہ سنت یہ ہے کہ لوگوں سے دور جا کر کرے(۱)۔

۲۔موزوں پر مسح کرنا جائز ہے(۲)۔

۳۔احکام میں سے کسی حکم کے باقی رہ جانے یعنی: منسوخ نہ ہونے پر خوشی کا اظہار کرنا پسندیدہ امر ہے(۳)۔

۴۔موزے پہن کر نماز ادا کرنا جائز ہے(۴)۔

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

حدیثِ باب: دوسری حدیث

٣٨١ : حدّثنا إِسْحٰقُ بْنُ نَصْرٍ(٥) قَالَ : حَدَّثَنا أَبُو أُسَامَةَ ، عَنِ ٱلْأَعْمَشِ ، عَنْ مُسْلِمٍ ، عَنْ مَسْرُوقٍ ، عَنِ ٱلْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ : وَضَّأْتُ ٱلنَّبِيَّ ﷺ ، فَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ وَصَلَّى . [ر : ١٨٠]

ترجمہ حدیث

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کروایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موزوں پر مسح کیا اور نماز ادا کی۔

تراجمِ رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ میں کل چھ رجال ہیں:

(١) عمدة القاري: ٤/١٧٩، الشرح الميسر: ١/٤٣٩

(٢)عمدة القاري: ٤/١٧٩، الشرح الميسر: ١/٤٣٩

(٣)عمدة القاري: ٤/١٧٩

(٤)التوضيح لابن الملقن: ٤/٣٦٨۔ الشرح الميسر: ١/٤٣٩

(٥)مر تخريجه تحت كتاب الوضوء، باب: الرجل يوضئ صاحبه

اسحاق بن نصر

یہ ''اسحاق بن ابراہیم بن نصر البخاری السعدی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الغسل، باب: من اغتسل عريانا وحده في الخلوة، وهي تستر، فالستر أفضل(۱).

ابواسامہ

یہ ''ابواسامہ حماد بن اسامہ بن زید قرشی کوفی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: فضل من علِم وعلَّم، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

الاعمش

یہ ''ابومحمد سلیمان بن مہران اسدی کوفی'' رحمہ اللہ ہیں

ان کے حالات کا بیان کشف الباری، کتاب الایمان، باب: ظلم دون ظلم، کے تحت ہو چکا ہے(۳)۔

مسلم

یہ ''مسلم بن صبیح'' رحمہ اللہ ہیں، یا ''مسلم بن عمران'' رحمہ اللہ، اس بارے میں دونوں قسم کے احتمالات ہیں، اس لیے کہ یہ دونوں حضرات ''اعمش'' سے روایت کرتے ہیں۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ ''مسلم'' یا تو ''ابن عمران'' ہیں، جو ابطین سے مشہور ہیں، یا پھر ''ابن صُبیح'' ہیں، جو ابوالضحی سے مشہور ہیں، لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہاں مراد پہلے والے ہیں(۴)۔

لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کا مذکورہ دعوی کرنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ یہاں دوسرے کو مراد لینا زیادہ ظاہر

---

(۱) كشف الباري، كتاب الغسل، باب: من اغتسل عريانا وحده في الخلوة، وهي تستر، فالستر أفضل.

(۲) كشف الباري: ۳/۴۱۴

(۳) كشف الباري: ۲/۲۵۱

(۴) شرح الكرماني: ۴/۵۰

ہے، جیسا کہ امام مزی رحمہ اللہ نے "أطراف" میں تصریح کی ہے(۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی "حفاظ" کا قول ذکر کرتے ہوئے "مسلم بن صُبیح"، کو ہی ترجیح دی ہے(۲)۔

جو بھی صورت ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ دونوں ہی صحیح البخاری کے راوی ہیں، اور دونوں ہی ثقہ ہیں(۳)۔

اگر یہ "مسلم بن صُبیح"، مراد ہوں تو ان کا ذکر کتاب الصلاۃ، باب: الصلاة في الجبة الشامية، ص: ۳۵۸، میں گزر چکا ہے۔ اور اگر "مسلم بن عمران" ہیں تو ان کا ذکر آگے کتاب العیدین، باب: فضل العمل في أيام التشريق میں آئے گا۔

مسروق

یہ "مسروق بن الاجدع بن مالک بن امیہ وداعی ہمدانی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: علامۃ المنافق، کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

مغیرۃ بن شعبہ

یہ "مغیرہ بن شعبہ" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: الرجل الذي يوضئ صاحبه، کے تحت گزر چکے ہیں(۵)۔

شرح حدیث

مذکورہ حدیث کی مکمل تشریح کتاب الوضوء میں گزر چکی ہے۔

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

اس حدیث مبارکہ کی مناسبت ترجمۃ الباب سے واضح ہے کہ دونوں میں موزوں میں نماز ادا کرنے کا ذکر ہے(۶)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

---

(۱)عمدة القاري: ٤/١٨٠

(۲)فتح الباري: ١/٦٤٢

(۳)عمدة القاري: ٤/١٨٠

(٤)كشف الباري: ٢/٢٨١

(٥) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب: الرجل الذي يوضئ صاحبه. (٦)عمدة القاري: ٤/١٧٩

۲۵ – باب : إِذَا لَمْ يُتِمَّ ٱلسُّجُودَ .

یہ باب ہے کہ جب کوئی نمازی سجدہ پورا نہ کرے (تو اس کی نماز باطل ہے)

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہ باب اور اس سے آگے والا باب "يبدي ضبعيه ويجافي في السجود" اشکال کا باعث بن گئے ہیں، اس لیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ستر کے مسائل اور مصلی کی طہارت کے مسائل بیان کرتے ہوئے آ رہے ہیں۔

جبکہ یہاں "إذالم يتم السجود" کا ترجمہ نہ ستر سے متعلق ہے اور نہ طہارتِ مصلی سے متعلق ہے، بلکہ اس کا تعلق تو صفتِ صلوٰۃ سے ہے، اور صفت صلوٰۃ کے ابواب آگے آ رہے ہیں، اور وہاں بھی یہ دونوں ترجمے آ رہے ہیں، چنانچہ بظاہر ان کا ذکر بے محل ہے۔

تکرار کا اشکال تو وہاں ہوگا جب یہ دوبارہ آئیں گے، یہاں تو پہلی دفعہ آ رہے ہیں، لیکن بے محل ہونے کا اشکال بہر حال موجود ہے۔

اصیلی کے نسخے میں یہ دونوں باب موجود ہیں، اور مستملی کے نسخے میں یہ دونوں باب نہیں ہیں، تو یہ نسّاخ کی غلطی ہے(۱)۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فربری سے یہ منقول ہے کہ بخاری کے بعض اوراق علیحدہ علیحدہ تھے، بعض کاتبوں اور ناسخین کو مغالطہ پیش آیا، انہوں نے ان اوراق کے ابواب کو بے محل یہاں ذکر کر دیا، یہ ان ابواب کا مقام اور محل نہیں ہے، بات ایک ہی ہے کہ یہ ناسخین کی غلطی ہے(۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مستملی کا نسخہ زیادہ معتبر ہے، نیز! اس لیے کہ ہر باب کا اپنے مقام پر آنا ہی زیادہ مناسب ہے اور پھر

(۱) فتح الباري: ۱/٦٤٢

(۲) تراجم أبواب صحيح البخاري للدهلوي، ص: ۳۱

مصنف یعنی: امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت بھی یہ نہیں کہ وہ ابواب کو مکرر لائیں۔

اور اگر مناسبت تلاش کرنا چاہیں تو وہ بھی ممکن ہے، مثلا: اس پہلے باب کی مناسبت یہ بن سکتی ہے کہ جس نے شرائط نماز میں سے کوئی شرط موقوف کر دی تو یہ ایسا ہی ہے، جیسے: اس نے نماز کے رکن کو ترک کیا، یعنی: دونوں کی نماز نہیں ہوگی، تو یہاں سجدہ پورا نہ کرنے سے نماز کی عدمِ تمامیت کو بیان کیا ہے۔

اور آگے والے دوسرے باب کی ماقبل سے مناسبت اس طرح بن سکتی ہے کہ سجدہ میں مجافات (یعنی: بازوؤں کو پیٹ سے دور رکھنا) ستر کے منافی نہیں ہے، لہٰذا اس سے نماز باطل نہیں ہوگی۔

لیکن فی الجملہ اصل بات وہی ہے کہ ان ابواب کا یہاں مذکور ہونا کاتبوں کی غلطی ہے، ان سے نماز باطل نہیں ہوگی (۱)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ عینی رحمہ اللہ حافظ صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ آخری بات (کہ میرے نزدیک راجح یہی ہے کہ یہ کاتبوں کی غلطی کی وجہ سے ہے) کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ کا ان دونوں ابواب کا اعادہ کرنا بغیر کسی وجہ کے نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ ہے۔ کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ کسی فائدے کی وجہ سے ہی تکرار کرتے ہیں، اور وہ یہاں موجود ہے، مثلا: یہاں ترجمۃ الباب ہے: "باب: إذا لم يتم السجود" اور آگے آنے والے باب میں عنوان: "باب: إذا لم يتم الركوع" ہے۔

اور اس جگہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد "الصلت ابن محمد" ہیں، جو عن مهدي عن واصل عن أبي وائل عن حذيفة أنه رأى رجلا ....الخ" کی سند سے روایت کرتے ہیں۔

اور آگے آنے والے باب میں امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ "حفص بن عمر" ہیں، جو عن شعبة عن سليمان قال: سمعت زيد بن وهب قال: رأى حذيفة رجلا ....إلخ کی سند سے روایت کرتے ہیں، اس کے علاوہ متن میں بھی قدرے تغایر ہے۔

البتہ دوسرے باب کا اس جگہ ذکر بے محل ہے، اس لیے بالکلیہ یہ باب اس ترجمہ، متن اور رواۃ کے

---

(۱) فتح الباري: ۱/٦٤٢

ساتھ آگے آرہاہے۔

اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ ''اصیلی'' کی روایت میں تو یہ دونوں ابواب موجود ہیں، تو پھر اس صورت میں ان ابواب کی ماقبل ابواب کے ساتھ کیا مناسبت ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مناسبت ظاہر ہے کہ ماقبل ابواب بھی اور یہ دونوں ابواب بھی سجود کے حکم سے متعلق ہیں(۱)۔

علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ بات ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ فقہاء کرام نے سجدہ کے لیے شرائط ذکر کی ہیں، جیسے: حالتِ سجدہ میں زمین کی سختی کو پانا وغیرہ، پس اعتدال کے ساتھ سجدہ کرنا بھی اس جہت کے ساتھ نماز اور سجدہ کی شرائط میں سے، پس اس مناسبت سے اسے ذکر کردیا(۲)۔

علامہ بدر عالم صاحب میرٹھی رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس سے سجدہ کی تمامیت کا شرائط نماز سے ہونا مراد ہے(۳)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ دونوں باب صفحہ ایک سو بارہ پر آرہے ہیں، اور باب: ''لا يكف ثوبه في الصلاة'' صفحہ ایک سو تیرہ پر۔ اب شراح یہ کہتے ہیں کہ یہاں تو ابواب الثیاب چل رہے تھے، یہ درمیان میں دو باب کیسے آگئے، ہو نہ ہو یہ کسی کاتب کا تصرف ہے کہ غلط جگہ پر آگئے ہیں، اور لباس کے دو باب جو صفحہ ایک سو تیرہ پر آرہے ہیں وہ ابواب السجود میں چلے گئے ہیں، یہ بھی کاتب کا تصرف ہے۔

حضرت شاہ صاحب (ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہ) رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے اور انہوں نے فربری سے اس کی تائید نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ بخاری کی نقل میں کہیں کہیں غلطی واقع ہوگئی ہے، حافظ صاحب

(۱)عمدة القاري: ٤/ ١٨٠

(۲)فيض الباري: ٢/ ٣٧، أنوار الباري: ١٢/ ١٧١

(۳)البدر الساري إلى فيض الباري: ٢/ ٣٧

رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چونکہ بخاری کے نسخوں میں یہ باب یہاں موجود ہے، اس لیے اس کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ قیاس ونظر سے سترِ عورت کی اہمیت ثابت فرماتے ہیں کہ "من ترك شرطا لا تصح صلوٰته كمن ترك ركنا"۔

مگر میری رائے یہ ہے کہ ہر باب اپنی جگہ پر ہے اور صحیح ہے، وہ اس طرح پر کہ امام بخاری رحمہ اللہ ابواب الثیاب ذکر فرما رہے تھے تو امام صاحب نے باب: يبدي ضبعيه منعقد فرما کر یہ بتلا دیا کہ اگر کپڑے چھوٹے چھوٹے ہوں تو سجدہ میں اخفاء نہ کرے، بلکہ ابداء کرے، کیونکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے چھوٹے ہونے کے باوجود ابداء کیا، اگر کپڑا چھوٹا نہ ہوتا تو بغل کی سفیدی کیسے نظر آتی، اور اس کے اثبات کے واسطے باب: إذا لم يتم السجود منعقد فرما دیا کہ اگر تجافی نہ کرے گا تو اتمامِ سجود نہ ہوگا، اور وہاں بحیثیت کیفیتِ سجود کے آ رہے ہیں، جن پر مستقل کلام ہوگا (۱)۔

حدیث باب

٣٨٢ : أَخْبَرَنَا ٱلصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ : أَخْبَرَنَا مَهْدِيٌّ ، عَنْ وَاصِلٍ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ ، عَنْ حُذَيْفَةَ[٢] : رَأَى رَجُلًا لَا يُتِمُّ رُكُوعَهُ وَلَا سُجُودَهُ ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ ، قَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ : مَا صَلَّيْتَ – قَالَ : وَأَحْسِبُهُ قَالَ – لَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ . [٧٥٨ ، ٧٧٥]

(١)تقرير بخاري شريف: ١٣٨/٢۔ الكنز المتواري: ٧٦/٤۔ سراج القاري: ٤١٩/٢

(٢)أخرجه البخاري أيضا في صحيحه، كتاب الأذان، باب: إذا لم يتم الركوع، رقم الحديث: ٧٩١، وباب: إذا لم يتم السجود، رقم الحديث: ٨٠٨.

والنسائي في سننه، كتاب السهو، باب: تطفيف الصلاة، رقم الحديث: ١٣١٣.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، القسم الأول: في الفرائض، الباب الأول: في الصلاة، الفصل الخامس: في كيفية الصلاة، الفرع الرابع: في الركوع والسجود، النوع الأول: مقدار الركوع والسجود، رقم الحديث: ٣٤٩٥، ٣٦٧/٥.

وفي تحفة الأشراف، حديث: حذيفة بن اليمان، رواه عنه زيد بن وهب الجهني، رقم الحديث: ٣٣٢٩، ٣٢/٣، ورواه عنه شقيق بن سلمة ابو وائل الأسدي، رقم الحديث: ٣٣٤٤، ٣٩/٣.

ترجمہ حدیث

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو (نماز پڑھتے ہوئے) دیکھا کہ وہ اپنے رکوع اور سجدے کو پوری طرح ادا نہیں کرتا تھا، پھر جب وہ اپنی نماز پوری کر چکا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو کہا کہ تو نے نماز (کامل طریقے سے) ادا نہیں کی، (یعنی: تجھ پر اس نماز کا اعادہ واجب ہے) حضرت ابو وائل کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر تو (اسی حالت میں) مر گیا تو تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر نہیں مرے گا۔

تراجم رجال

اس حدیث کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

۱۔صلت بن محمد

ان کا پورا نام "أبو همام الصلت بن محمد بن عبد الرحمن بن أبي مغيرة البصري" رحمہ اللہ ہے(۱)۔

یہ جن مشائخ سے روایت کرتے ہیں ان میں

مہدی بن میمون، ابراہیم بن حمید بن عبدالرحمٰن الرؤاسی، ابواسامہ حماد بن اسامہ، حماد بن زید، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن عبدالعزیز اللیثی، عبدالواحد بن زیاد وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں

امام بخاری، ابراہیم بن المستمر العروقی، احمد بن محمد بن ابی بکر المقدمی، رَوح بن حاتم ابوغسان البصری، عباس بن عبدالعظیم العنبری، عبدالرحمٰن بن محمد بن حبیب وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں(۲)۔

---

(۱)التاريخ الكبير للبخاري: ٣٠٤/٤۔ سير أعلام النبلاء: ٤٢٦/١٠

(۲)تهذيب الكمال: ٢٢٨/١٣۔ تهذيب التهذيب: ٤٣٥/٤

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے(۱)۔

یہ طبقہ عاشرہ سے تعلق رکھتے تھے(۲)۔

ابوحاتم رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں کہا ہے: صالح الحديث(۳).

دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ثقة(٤).

ابوبکر البزار رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: کان ثقة(٥).

ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں ان کے "صدوق" کا لفظ استعمال کیا ہے(٦)۔

۲۔ مہدی

ان کا پورا نام "مهدي بن ميمون الأزدي المِعوَلي" رحمہ اللہ ہے(۷)۔ "مِعولي" میم کی کسرہ، "عين" کے سکون اور "واؤ" کی فتحہ کے ساتھ ہے(۸)۔ ان کی کنیت "ابویحییٰ" ہے(۹)۔

جن مشائخ سے انہوں نے روایت کی ہے، ان میں

واصل مولی ابی عیینہ، ابوالوازع جابر بن عمرو الراسبی، حسن بصری، سعید الجریری، شعیب بن الحجاب، عبداللہ بن صبیح البصری، عبیداللہ بن ابی بکر انس بن مالک، عثمان ابن عبید الراسبی، عمرو بن مالک النکري، عمران القصیر، غیلان بن جریر اور محمد بن سیرین وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اور جن سے یہ روایت کرتے ہیں ان میں

---

(۱)الثقات لابن حبان: ٣٢٤/٨

(۲)تقريب التهذيب: ٤٤٠/١

(۳)الجرح والتعديل: ٤٠٨/٤۔ الكاشف: ٣٢/٢

(٤)تهذيب التهذيب: ٤٣٦/٤

(٥)إكمال تهذيب الكمال: ٣٩٥/٦۔ تهذيب التهذيب: ٤٣٦/٤

(٦)تقريب التهذيب: ٤٤٠/١

(۷) تهذيب الكمال: ٢٨/ ٥٩٣۔ تقريب التهذيب: ٢١٨/٢

(۸) تقريب التهذيب: ٢١٨/٢۔ حاشية تهذيب التذيب: ٣٢٦/١٠

(۹) التاريخ الكبير للبخاري: ٤٢٥/٤۔ الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: ٢٨٠/٧

ابو همام الصلت بن محمد الخارَکی، اسد بن موسی، جُبارہ بن مُغلِّس، حَبّان بن ہلال، حجاج بن منہال، حسن بن ربیع البَجَلی، خالد بن خداش اور سریج بن النعمان وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں(۱)۔

عبداللہ بن ادریس رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے شعبہ سے کہا کہ آپ مہدی بن میمون کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ توانہوں نے جواب میں فرمایا: ثقة(۲).

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بیٹے عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے باپ احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سنا، وہ فرماتے تھے: مهدي بن ميمون ثقة، وهو أحب إلي من سلام بن مسكين وأبي الأشهب، وحوشب بن عقيل(۳).

ابن سعد رحمہ اللہ کہتے ہیں: كان كُرديا، وكان ثقة(٤).

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے(۵)۔

ابن معین، النسائی اور ابن خراش رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ثقة(٦).

یہ طبقہ سادسہ سے تعلق رکھتے تھے(۷)۔

ابوحاتم رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ یہ ''مہدی'' کے زمانے میں فوت ہوئے(۸)۔

ابن حبان رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق ان کی وفات ایک سو اکہتر یا ایک سو بہتر ہجری میں ہوئی(۹)۔

اور محمد بن محبوب اور امام ترمذی رحمہما اللہ کے بیان کے مطابق ایک سو بہتر ہجری میں فوت ہوئے(۱۰)۔

---

(۱)تهذيب الكمال: ۲۸/۵۹۳۔ تهذيب التهذيب: ۱۰/۳۲٦

(۲)تهذيب الكمال: ۲۸/۵۹٤۔ الجرح والتعديل: ۸/۳۸۵

(۳)الجرح والتعديل: ۸/۳۸٦۔ تهذيب التهذيب: ۱۰/۳۲٦

(٤)الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: ۷/۲۸۰

(۵)الثقات لابن حبان: ۷/۵۰۱

(٦)تهذيب الكمال: ۲۸/۵۹۵۔ تهذيب التهذيب: ۱۰/۳۲۷

(۷)تقريب التهذيب: ۲/۲۱۸

(۸)الجرح والتعديل: ۸/۳۸۵

(۹)الثقات لابن حبان: ۷/۵۰۱

(۱۰)التاريخ الكبير للبخاري: ٤/٤۲۵۔ تهذيب الكمال: ۲۸/۵۹۵

٣۔ واصل

یہ ''واصل بن حیان احدب اسدی کوفی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا، فأصلحوا بينهما" کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۴۔ ابی وائل

یہ مشہور تابعی ''ابووائل شقیق بن سلمہ اسدی کوفی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

۵۔ حذیفہ

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''حذیفہ بن الیمان'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: قول المحدث: حدثنا وأخبرنا وأنبأنا، کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

شرح حدیث

عن حذيفة: رأى رجلا لا يتم ركوعه ولا سجوده

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو (نماز ادا کرتے ہوئے) اپنے رکوع وسجود کو اچھی طرح ادا نہیں کر رہا تھا۔

"رجلا!"، یہ رجل کون تھا؟ اس بارے میں کہیں تصریح نہیں ہے(۴)۔

---

(۱) کشف الباری: ۲۳۷/۲

(۲) کشف الباری: ۵۵۹/۲

(۳) کشف الباری: ۱۰۹/۳

(٤) إرشاد الساري: ٥١/٢

Salaat- vol: 2 - Proof no :1

لفظ "رجلاً" موصوف ہے، اور آگے والا جملہ "لا يتم ركوعه ولا سجوده" اس کی صفت ہے(۱)۔

فلما قضى صلاته

پھر جب اس نے نماز مکمل کرلی۔

"قضىٰ" ادا کے معنی میں ہے، اور ایسا ہوتا رہتا ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے: ﴿فإذا قضيت الصلاة، فانتشروا في الأرض﴾(۲).

"صلاته" سے مراد ناقص نماز ہے، یعنی: جس میں رکوع اور سجدہ کامل طریقے سے ادا نہیں کیا گیا تھا(۳)۔

قال له حذيفة: ما صليت

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو کہا کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔

یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے تو نماز پڑھی تھی، البتہ رکوع وسجود کامل طریقہ سے نہیں کیا تھا، پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کی مکمل نماز کی نفی کیوں کردی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں چونکہ جزء مفقود تھا تو اس کے نہ ہونے سے گویا کُل ہی مفقود ہوگیا۔ چنانچہ رکوع کی تمامیت کا نہ ہونا رکوع نہ ہونے کو مستلزم ہے اور رکوع کا نہ ہونا نماز نہ ہونے کو مستلزم ہے۔ اسی طرح سجود کا حکم ہے(۴)۔

وأحسبه قال: لو مت مت على غير سنة محمد صلى الله عليه وسلم

"وأحسِبُه" میں "أحسِبُ" کا فاعل "ابو وائل" ہے، اور "ہ" ضمیر کا مرجع حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں(۵)۔

"لومُتَّ" یہ مخاطب کا صیغہ ہے، "میم" کے ضمہ کے ساتھ، "ماتَ يموتُ" کے باب سے ہے،

---

(۱)عمدة القاري: ٤/ ١٨١- إرشاد الساري: ٢/ ٥١

(۲)عمدة القاري: ٤/ ١٨١- إرشاد الساري: ٢/ ٥١

(۳)إرشاد الساري: ٢/٥١.

(٤)عمدة القاري: ٤/ ١٨١- إرشاد الساري: ٢/ ٥١

(٥)عمدة القاري: ٤/ ١٨١- إرشاد الساري: ٢/ ٥١- الكوثر الجاري: ٢/٧٥

اسے "میم" کی کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس صورت میں "ماتَ یماتُ" سے ہوگا(۱)۔

"علی غیر سنة" میں "سنة" سے مراد طریقہ ہے، جو فرض اور نفل دونوں کو شامل ہے(۲)۔

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ما صلیتَ" میں نفیٔ کمال ہے، اور پورے عمل کی تامیت کی نفی اس لیے تھی کہ وہاں قلتِ تجوید تھی، یہ بات معروف ہے کہ جب کسی عمل کو ناقص کیا جائے تو یوں کہہ دیا جاتا ہے کہ تو نے تو یہ عمل کیا ہی نہیں، تو مراد اس جگہ کمال کی نفی ہوتی کہ تو نے پورے اہتمام اور کامل طریقے سے یہ عمل نہیں کیا۔ چنانچہ صحابی رسول حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا قول "علی غیر سنة" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ طمانینت نماز میں مسنون ہے(۳)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ابن بطال رحمہ اللہ کی مذکورہ تاویل ان افراد کے لیے تو درست ہے جو رکوع اور سجود میں طمانینت کے مسنون ہونے کے قائل ہیں، ان کے علاوہ امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک تو طمانینت فرض ہے، نہ کہ مسنون، اس کی تفصیلی وضاحت آگے آئے گی(۴)۔

ایک دوسری روایت جو صحیح البخاری کی کتاب الاذان میں آرہی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: "متَّ علی غیر الفطرة التي فطر علیها محمد" (۵)۔ یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ان ارکان میں طمانینت کے وجوب کے قائل تھے، اور اسی پر اکثر ائمہ ہیں(۶)۔

---

(۱)عمدة القاري: ٤/ ١٨١۔ إرشاد الساري: ٢/ ٥١

(۲)عمدة القاري: ٤/ ١٨١۔ إرشاد الساري: ٢/ ٥١۔ الكوثر الجاري: ٧٥/٢

(۳)شرح ابن بطال: ٥٤/٢

(٤)عمدة القاري: ١٨١/٤

(٥)حدثنا حفص بن عمر، قال: حدثنا شعبة، عن سليمان، قال: سمعت زيد بن وهب، قال: رأى حذيفة رجلا لا يتم الركوع والسجود، قال: ما صليت؛ ولو مت مت على غير الفطرة التي فطر الله محمدا صلى الله عليه وسلم عليها. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، أبواب الأذان، باب: إذا لم يتم الركوع، رقم الحديث: ٨٠٨)

(٦) الكوثر الجاري: ٧٥/٢

فطرت سے کیا مراد ہے؟

اس روایت کے مطابق تشریح کرتے ہوئے علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فطرت'' کو سنت کے معنی میں لیا ہے، اور اگر ''فطرت'' کے لغوی معنی مراد لیے جائیں تو وہ بھی ممکن ہے۔ ''فطرت'' کے معنی ہیں، جن خصال پر انسان پیدا ہوا، جس کو جبلّی خصلت کہا جاتا ہے، ہر شخص اپنے وجدان کی طرف دیکھے کہ اگر وہ کسی بادشاہ وحاکم کے دربار میں حاضر ہو تو وہاں کے تعظیمی آداب کس طرح بجالائے گا؟ سکون واطمینان اور سنجیدگی ومتانت کے ساتھ، یا اسی طرح دوڑتے بھاگتے کہ گویا کوئی اس کے سر پر جوتا لیے کھڑا ہے؟ (ظاہر ہے کہ پہلی صورت ہی ہوگی، لہذا نماز کے اندر جو دراصل احکم الحاکمین کے دربار میں حاضری دینے سے عبارت ہے، جلد بازی کرنے والا جبلی خصلت پر قائم نہیں)، (۱)۔

نماز میں تعدیل ارکان کا حکم

اس حدیثِ مبارکہ سے تعدیل ارکان کا مسئلہ بھی نکلتا ہے۔

صحیح قول کے مطابق رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ کو اطمینان سے اچھی طرح ادا کرنا واجب ہے، ''تعدیل ارکان'' اعضاء کے ایسے سکون کو کہتے ہیں کہ نمازی کے سب جوڑ کم از کم ایک تسبیح (سبحان اللہ) کی مقدار ٹھہر جائیں، یعنی: اپنی حرکت ختم کر کے سکون میں آجائیں (۲)۔

طرفین کے نزدیک رکوع اور سجود میں اطمینان اور قرار واجب ہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک فرض ہے، اسی کے قائل امام شافعی رحمہ اللہ بھی ہیں۔

یہاں تک کہ اگر کسی نمازی نے اعتدال چھوڑ دیا تو طرفین کے نزدیک نماز ہو جائے گی، البتہ واجب الاعادہ ہوگی۔ اور امام ابو یوسف وامام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک نماز ہی نہیں ہوگی (۳)۔

---

(۱) فضل الباری، کتاب الصلاۃ، کتاب الاذان، باب: إذا لم يتم الركوع: ٣/٦٦١

(۲) عمدة الفقه، كتاب الصلاة، فصل دوم: واجبات نماز: ٢/٩٩

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: الواجب الأصلي في الصلاة: ١/٦٨٦

حاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة، باب: صفة الصلاة، الواجبات: ٢/١٥٧

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، واجبات الصلاة، ص: ٢٤٩

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس قدر تاکید تعدیل ارکان کی نماز میں ہے، اور کسی کی نہیں، تقریباً پچاس حدیثیں اس میں وارد ہوئی ہیں، اور اس کو فطرۃِ نبی بتلایا ہے، جو اظہارِ اہمیت کے لیے کافی ہے۔

''تعدیلِ ارکان'' یہ ہے کہ بدن ہیئت طبعی پر پہنچ جائے اور حرکتِ انتقال مبدل بہ سکون ہو جائے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ طمانینتِ مطلوبہ فی الصلاۃ یہ ہے کہ حرکت جاتی رہے، جیسا کہ تفسیر حدیثِ ابی حمید میں آنے والی ہے، "باب: الطمانينة حين يرفع رأسه من الركوع" میں ابو حمید نے کہا کہ حضور علیہ السلام اپنا سر مبارک اٹھا کر مستوی ہو جائے، حتی کہ ہر عضو اپنی جگہ قرار پکڑ لیتا تھا''(۱)۔

علامہ عثمانی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے اپنی تقریر بخاری (۲) میں فرمایا ہے:

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں ہمارے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا مسلک یہ نقل کیا کہ اُن سب کے نزدیک تعدیل ارکان فرض ہے، طرفین کا خلاف بیان نہیں کیا (۳)۔ ہمارے بعض فقہاء نے بھی اسی کو اختیار کر لیا کہ اس مسئلہ میں ہمارے ائمہ ثلاثہ فرضیت پر متفق ہیں اور (امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی طرح) طرفین جمہور کے ساتھ ہی ہیں۔ علامہ عینی رحمہ اللہ کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے (۴)، چنانچہ انہوں نے امام طحاوی رحمہ

---

(۱) انوار الباری، کتاب الصلاۃ، باب: إذا لم يتم الركوع: ۴۵۴/۱۶

(۲) فضل الباری، كتاب الصلاة، كتاب الاذان، باب: أمر الذي لايتم ركوعه بالإعادة: ۶۶۳/۳

(۳) وعبارة الطحاوي ....وخالفهم في ذلك آخرون فقالوا: مقدار الركوع أن يركع حتى يستوي راكعا. ومقدار السجود أن يسجد حتى يطمئن ساجدا، فهذا مقدار الركوع والسجود الذي لا بد منه. ....وهذا قول أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى. (شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب: مقدار الركوع والسجود الذي لا يجزئ أقل منه: ۲۳۲/۱، دار عالم الكتب)

(۴) علامہ عینی رحمہ اللہ نے عمدة القاري میں اس مقام پر یعنی: کتاب الاذان میں اختلاف ہی نقل کیا ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ کی نقل پیش نہیں کی، البتہ ایک دوسری جگہ، باب: وجوب القراءة للإمام والمأموم (۶۵/۶) میں اس مسئلے پر کلام کرتے ہوئے فرمایا: "أما الطحاوي الذي هو العمدة في بيان اختلاف العلماء في الفقه، فإنه لم ينصب الخلاف بين أصحابنا الثلاثة على هذا الوجه" پھر آگے مذکورہ شعر بھی نقل کیا ہے۔

کی نقل پیش کر کے یہ شعر لکھ دیا:

إذا قالت حزام فصدقوها فإن القول ما قالت جذام

لیکن عام طور پر فقہاء اس مسئلہ میں طرفین رحمہما کا خلاف نقل کرتے ہیں۔

علامہ عثمانی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

یہاں ایک کوتاہی پر متنبہ کرتا ہوں، وہ یہ کہ اکثر حنفی لوگ عملاً تعدیلِ ارکان کا بالکل اہتمام نہیں کرتے، حالانکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فرض نہ سہی، وہ واجب تو ضرور ہے، اور امام طحاوی رحمہ اللہ کی نقل کی بنا پر تو فرض کہنا چاہیے۔

ایک حنفی عالم (علامہ محی الدین محمد پیر علی رومی معروف بہ برکلیؒ؛ متوفی: ۹۸۱ھ) نے اِس مسئلہ کے متعلق ایک رسالہ بنامِ "معدِّل الصلاۃ" لکھا ہے، اس میں انہوں نے شمار کرایا ہے کہ تعدیلِ ارکان کی پرواہ نہ کرنے پر تیس آفتیں اور تین سو پچاس سے زائد مکروہات متفرع ہوتے ہیں۔

اب رہا مسئلہ تعدیل ارکان جس میں اختلاف ہو رہا ہے، اس کے متعلق میرے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ کبھی کبھی ایک چیز کے مختلف اور متفاوت مراتب ہوتے ہیں، پھر نظر کرنے والوں کی نظر جس مرتبہ پر ہوتی ہے وہ اسی کے مطابق حکم لگاتے ہیں، واقع میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں محض نزاعِ لفظی سا ہوتا ہے۔

یہاں بھی یہی کیفیت معلوم ہوتی ہے، طمانینت وتعدیل میں مختلف مراتب ہیں۔ رکوع کے لغوی معنی "انحناء" اور سجود کے معنی "وضع الجبهة على الأرض" ہیں، جس کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ بس لغۃً مفہومِ انحناء اور مفہومِ وضع الجبهۃ صادق آجائے۔ اور ایک ہے اُس انحناء اور وضع الجبهہ پر قرار اور مکث، یعنی: اس حالت پر ذرا ٹھہرا رہے۔ پھر اِس "مکث وقرار" میں بھی مختلف مراتب ہیں: ایک یہ کہ فی الجملہ ادنی مکث پایا جائے، جس سے یہ رکوع وسجود بغرضِ تعظیم وتعبد سمجھا جائے، محض لہو ولعب اور استہزاء وسخریہ کے مشابہ نہ ہو۔

قرآن نے ﴿واركعوا واسجدوا واعبدوا﴾ سے جس رکوع وسجود کا حکم دیا ہے وہ محض لغوی "انحناء" اور "وضع الجبهہ" نہیں، کما ہو الظاہر، بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے وہ "انحناء" اور "وضع الجبهہ" مطلوب ہے، جو بطریقِ تعظیم وتعبد ہو، كما نبّه عليه الشيخ ولي الله الدهلويؒ۔ تو "فی الجملہ مکث وقرار" جس سے تعبد وتعظیم کا استشعار اور تحقق ہو اور صورتِ لعب وطیش یا ابہامِ استہزاء وسخریہ سے ممتاز ہو جائے، اتنا مکث تو فرض ہونا ہی

چاہیے، جیسا کہ جمہور کہتے ہیں، کیونکہ اگر بالکل مکث نہ ہو، بلکہ صرف جھکنا اور اٹھنا ہو، جسے اردو میں ''اٹھک بیٹھک'' کہتے ہیں، تو اس میں تعظیم واجلال کہاں؟ یہ تو ایک طرح لعب واستہزاء کی صورت ہوجاتی ہے۔

باقی یہ مکث کم از کم کس قدر رہونا چاہیے؟ اس کی تحدید مشکل ہے۔ پھر گو ہم اس کی پوری تحدید نہ کرسکیں، تاہم یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اس کا ایک مرتبہ ایسا ضرور ہے جو فرض ہونا چاہیے، اور ایک درجہ اس سے کچھ زیادہ مکث کا ہے وہ فرض نہیں ہوگا۔ تو میرا کہنا یہ ہے کہ تعدیل وطمانینت کے مراتب مختلف ہیں، کچھ بعید نہیں کہ مجتہدین کی انظار چونکہ مختلف مراتب پر پڑیں اس لیے یہ اختلاف ہو رہا ہو۔

پھر اس کے متعلق یہ چیز بھی قابلِ غور ہے کہ طمانینت وتعدیل کے ترک پر سخت وعید آئی ہے۔ اور قرآن کریم میں جہاں جہاں نماز کی فرضیت کا بیان ہے وہاں عموماً ﴿اقیموا الصلاۃ﴾ کا لفظ وارد ہوا ہے، لفظِ "صلوا" نہیں فرمایا۔ اور اقامتِ صلاۃ کے معنی یہ ہیں کہ اس کے حقوق وشروط کے ساتھ ادا کیا جائے، محض سرسری اٹھنے بیٹھنے کو اقامت صلاۃ نہیں کہا جاتا۔ فرضیتِ صلاۃ کے بیان کے موقع پر بکثرت ﴿اقیموا الصلاۃ﴾ ہی وارد ہوا ہے، ہاں موقعِ ذم وتقبیح میں "مصلی" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ ﴿فویل للمصلین، الذین ھم عن صلاتھم ساھون﴾ (الماعون:۴،۵) اور جیسے: ﴿قالوا، لم نك من المصلین﴾ (المدثر:۴۳) یہاں "ویل للمقیمین الصلاۃ" نہیں فرمایا۔

اور "صلوا" و "اقیموا الصلاۃ" کے درمیان یہ فرق پوری طرح صلاۃ الخوف کی آیت سے واضح ہوتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿واذا كانت فیھم فاقمت لھم الصلاۃ﴾ (النساء:۱۰۲) چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر حال میں طمانینت حاصل ہوتی تھی، کسی وقت نماز کے اندر خشوع وحضورِ قلب اور طمانینت بالکلیہ مفقود نہیں تھی، اس لیے حالتِ خوف کی نماز کو بھی آپ علیہ السلام کے حق میں "اقامتِ صلاۃ" ہی سے تعبیر فرمایا، لیکن دوسرے لوگ خواہ کسی درجہ کے ہوں، آپ علیہ السلام کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے، اور دشمن کے مقابلہ کے وقت خارجی احوال وپریشانیاں ان کو ایسا مضطرب کرسکتی ہیں کہ قلبی طمانینت حاصل نہ ہوسکے، اس لیے ان کے حق میں "فلیصلوا" کہا۔ (چنانچہ ارشاد ہے: ﴿ولتات طائفة اخری لم یصلوا فلیصلوا معك﴾ النساء:۱۰۲) "فلیقیموا الصلاۃ" نہیں فرمایا، یعنی: اس وقت اگر تم طمانینتِ معتد بہا حاصل نہ کرسکو اور مامور بہا اقامت صلاۃ پر پورا قابو نہ پاسکو تو جس طرح بھی ممکن ہو اس وقت نماز ادا کرلو۔ اب چونکہ طمانینت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے

اقامتِ صلاۃ میں نقصان آیا گویہ اضطراری ہی تھا، اس لیے اس کی تلافی کے لیے آگے فرماتے ہیں: ﴿فـــــإذا قضيتم الصلاة فاذكروا الله﴾ (النساء:۱۰۳) کیونکہ ذکر اللہ سے طمانینت قلب حاصل ہوتی ہے، فرماتے ہیں: ﴿الذين امنوا وتطمئن قلوبهم بذكر الله الا بذكر الله تطمئن القلوب﴾ (الرعد:۲۸) اس کے بعد جب یہ حالتِ خوف ختم ہوجائے اس وقت چونکہ اقامتِ صلاۃ کے لیے طمانینت ضروری ہے، نماز کو کما حقہ ادا کرنا چاہیے، اس لیے آگے فرماتے ہیں: ﴿فاذا اطمئننتم فاقيموا الصلاة﴾ (النساء:۱۰۳) اب چونکہ تمام حقوق کی رعایت ضروری اور مطلوب ہے اس لیے "فصلوا" نہیں کہا، ﴿فاقيموا الصلاة﴾ فرمایا۔

الغرض "اقيموا الصلاة" کا مقتضی یہ ہے کہ نماز طمانینت کے ساتھ ادا ہو، لہٰذا اطمانینت وتعدیل ارکان کا خوب خیال رکھنا چاہیے(۱)۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب تھا: "إذا لم يتم السجود" اور یہی چیز پوری طرح حدیث میں موجود ہے(۲)۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور

مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ سے بہت سے امور مستفاد ہوتے ہیں، مثلاً:

۱۔ نماز میں تعدیلِ ارکان واجب ہے۔

۲۔ سنت کی اہمیت پر متعینہ زندگی میں ظاہر ہے۔

۳۔ اچھے خاتمے کے حصول کے لیے دنیوی زندگی کو سنت کے مطابق ڈھالنا چاہیے۔

۴۔ دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ رکھنا بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک صحابی رسول نے کس فکرمندی کے ساتھ دوسرے کو تنبیہ فرمائی۔ وغیرہ وغیرہ (۳)

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

---

(۱) فضل الباري، كتاب الصلاة، كتاب الاذان، باب: أمر الذي لايتم ركوعه بالإعادة: ۳/٦٦٥-٦٦٨

(۲) عمدة القاري: ٤/١٨١

(۳) عمدة القاري: ٤/١٨١

۲٦ – باب : يُبْدِي ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِي فِي السُّجُودِ .

یہ باب سجدہ میں اپنے دونوں بازوؤں کو کھلا رکھنے اور (دونوں پہلوؤں کو) علیحدہ رکھنے کے بیان میں ہے

ترجمۃ الباب کا مقصد

سابقہ باب کے ترجمۃ الباب کے مقصد کے تحت جو بحث گزری ہے وہی بحث اس باب کے ترجمۃ الباب کے مقصد کی بھی ہے، وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

ترجمۃ الباب کی ماقبل سے مناسبت

ماقبل باب میں اتمام السجود کا بیان تھا کہ تمامیتِ سجود میں جیسے یہ ضروری ہے کہ تمکن وجہ علی الارض ہونا چاہیے، ایسے ہی تمامیتِ سجود میں یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی اپنے ضبعین کو اپنی بغلوں سے اور کوکھ سے علیحدہ رکھے، گویا یہ دوسرا باب پہلے باب کا تتمہ ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس جگہ صحیح البخاری میں مذکورہ باب کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو دونوں ابواب میں مناسبت اس طرح ہوگی کہ ماقبل باب میں سجود میں طمانینت کا حکم تھا اور اس باب میں دونوں بازوؤں اور دونوں پہلوؤں کے ملانے کا حکم ہے اور یہ سب کی سب باتیں احکام سجود سے متعلق ہیں (۱)۔

"يبدي" باب افعال سے "إبداء" مصدر کا فعل مضارع کا واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، مطلب اس کا "ظاہر کرنا" ہے۔

"ضبعيه"، یہ "ضبع" کی تثنیہ ہے، اس سے مراد بازو ہے (۲)۔ اوپر کی جانب سے بغل سے لے کر نصف بازو تک کا حصہ ضبع کہلاتا ہے (۳)۔

"يجافي" یہ باب مفاعلہ سے مضارع معروف کا واحد مذکر کا صیغہ ہے۔ اس کے معنی ہیں دور کرنا، علیحدہ رکھنا، مطلب یہ بنے گا کہ جب سجدہ میں جاؤ تو اپنے ہاتھوں کو خوب کھول کر اور پہلوؤں سے الگ و جدا رکھو (۴)۔

---

(١) عمدة القاري: ٤/١٨٢

(٢) معجم الصحاح للجوهري، ص: ٦١٣۔ سراج القاري: ٢/٤٢١

(٣) المعجم الوسيط، ص: ٥٣٣۔ سراج القاري: ٢/٤٢١

(٤) المعجم الصحاح للجوهري، ص: ١٢٨

"يجافي" کا مفعول محذوف ہوگا، اور وہ یہ ہے "جنبيه"، جنب، پہلو کو کہتے ہیں(١)۔

حدیث باب

٣٨٣ : أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ مُضَرَ ، عَنْ جَعْفَرٍ ، عَنِ ٱبْنِ هُرْمُزَ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ مالِكٍ ٱبْنِ بُحَيْنَةَ (٢): أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ : كَانَ إِذَا صَلَّى فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ ، حَتَّى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ .

ترجمہ حدیث

حضرت عبداللہ بن مالک ابن بُحینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز ادا فرماتے تھے تو اپنے دونوں بازوؤں کے درمیان اتنا فاصلہ رکھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کے کل رجال پانچ ہیں:

١۔ یحیی بن بُکیر

یہ "ابو ذکریا یحیی بن عبداللہ بن بکیر القرشی المخزومی" رحمہ اللہ ہیں۔

---

(١) عمدة القاري: ٤/١٨٢

(٢)أخرجه البخاري أيضا في صفة الصلاة، باب: يبدي ضبعيه ويجافي السجود، رقم الحديث: ٨٠٧. وفي كتاب الأنبياء، باب: صفة النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ٣٥٦٤.

ومسلم في صحيحه، في الصلاة، باب: ما يجمع صفة الصلاة، وما يفتتح به ويختم به، رقم الحديث: ٤٩٥.

والنسائي في سننه، في الافتتاح، باب: صفة السجود، رقم الحديث: ١١٠٦.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، كتاب الصلاة، القسم الأول: في الفرائض، الباب الأول: في الصلاة، الفصل الخامس: في كيفية الصلاة، الفرع الرابع: في الركوع والسجود، النوع الأول: هيئة الركوع والسجود، رقم الحديث: ٣٥٠٧، ٥/٣٧٤.

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی تیسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ بکر بن مُضَر

ان کا پورا نام بکر بن مُضر بن محمد بن حکیم بن سلمان المصری رحمہ اللہ ہے، کنیت کے بارے میں دو قول ہیں، ابو محمد اور ابو عبد الملک، یہ ربیعہ بن شرحبیل کے آزاد کردہ غلام تھے۔

ان کے اساتذہ میں

جعفر بن ربیعہ بن شرحبیل بن حسنہ، ابراہیم بن ابی عبلہ، حمزہ النصیبی، خالد بن یزید مصری، ربیعہ بن سیف، سعید بن بشیر، صخر بن عبداللہ بن حرملہ مُدلجی وغیرہ رحمہم اللہ اور ایک بڑی جماعت کے نام ملتے ہیں۔

اور ان سے فیض یاب ہونے والوں میں

یحیی بن عبداللہ بکیر، خلف ابن عبداللہ، عبدالرحمٰن بن قاسم، عثمان بن صالح سہمی، عمرو بن خالد حرانی، قتیبہ بن سعید ثقفی وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

ان کی پیدائش کے بارے میں ایک قول ایک سو دو ہجری کا اور دوسرا قول ایک سو ہجری کا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا: ثقة،ليس به بأس.

ایک اور جگہ فرمایا: إنه كان رجلا صالحا.

ابن معین، نسائی، اور ابو حاتم وغیرہ رحمہم اللہ نے ان کی توثیق کے اقوال ذکر کیے ہیں۔

ان کی وفات کے بارے میں ایک سو تہتر اور ایک سو چوہتر کے اقوال ملتے ہیں۔ نو ذی الحجہ اور منگل کے دن وفات ہوئی۔

ائمہ ستہ میں سے ابن ماجہ کے علاوہ سب نے ان کی روایات اپنی کتب میں نقل کی ہیں، رحمه الله رحمة واسعة(۲).

۳۔ جعفر

یہ ''ابو بشر جعفر بن ایاس یشکری واسطی بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

---

(۱) كشف الباري: ۳۲۳/۱

(۲)التاريخ الكبير للبخاري: ۲/ ۹۵۔ الجرح والتعديل: ۵۹۲/۱۔ الثقات لابن حبان: ۱۰٤/٦۔ الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: ۵۱۷/۷۔ تهذيب الكمال: ٤/ ۲۲۷-۲۲۹

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: من رفعه صوته بالعلم کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۴۔ابن ہُرمُز

یہ ''ابوداؤدعبدالرحمٰن بن ہُرمزمدنی قرشی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: حب الرسول من الإیمان، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

۵۔عبداللہ بن مالک ابن بُحَینہ

یہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مالک بن القشب ہیں، رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

ان کا نام جُندب بن نضلہ بن عبداللہ بن رافع بن محصن ہے، ان کی کنیت ابومحمد ہے۔

بنوالمطلب کے حلیف تھے، ان کی شہرت ابن بُحَینہ سے ہوئی، ''بُحَینہ'' ان کی والدہ کا نام تھا، جوکہ ''الأرت'' کی بیٹی تھی۔

واضح رہے کہ'' بُحَینہ'' عبداللہ کی والدہ ہیں، مالک کی نہیں، اسی وجہ سے ابن بُحَینہ الف کے ساتھ لکھا جائے گا، کیونکہ مالک کی صفت نہیں بلکہ عبداللہ کی صفت ہے۔

محمد بن سعد کا بیان ہے کہ ان کے باپ ''ابو مالک بن القشب'' مطلب بن عبد مناف کے حلیف تھے، انہوں نے'' بُحَینہ بنت حارث بن مطلب'' سے شادی کی، ان سے عبداللہ پیدا ہوئے، جن کی کنیت ابومحمد تھی، اس نے اسلام قبول کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی، یہ بہت ہی فاضل اور صائم الدہر تھے۔

مدینہ سے تیس میل کے فاصلے پر بطن ریم میں سکونت پذیر تھے، ان کی وفات مدینہ میں ہوئی، اس وقت مدینہ میں مروان بن حکم کی ولایت تھی، اور ولایت کی مدت چوّن ہجری سے لے کر ذی قعدہ اٹھاون ہجری تک رہی تھی۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

---

(۱) کشف الباری: ۷۱/۳

(۲) کشف الباری: ۱۱/۲

اوران سے روایت کرنے والوں میں عبدالرحمٰن بن ہُرمز الأعرج، حفص بن عاصم بن عمر بن خطاب، ابوجعفر محمد بن علی بن حسین، محمد بن یحیی بن حبان اور خود ان صحابی کے بیٹے علی بن عبداللہ بن بُحَینہ شامل ہیں، رحمہم اللہ تعالیٰ

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے ان کی روایت کی تخریج کی ہے، سنن ابی داوٗد اور سنن ترمذی میں ان کی روایت نہیں ہے(۱)۔

شرح حدیث

كان إذا صلى، فرج بين يديه، حتى يبدو بيض ابطيه

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے تھے تو (سجدہ میں) اپنے دونوں بازوؤں کے درمیان اتنا فاصلہ رکھتے تھے کہ آپ کی بغل کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔

"فرّج"، باب تفعیل سے ماضی معروف کا واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، یہ سجدہ کرنے کی حالت کا بیان ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بازو آپ کے پہلو سے جدا ہوتے تھے۔ ایسا کرنے میں حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ اس میں تواضع کی بہترین جھلک ہے، اور اس طرح کرنے میں پیشانی کا زمین پر پوری قوت اور سختی سے ممکن ہوتا ہے، جس سے سجدہ کامل طریقے سے ادا ہو جاتا ہے، اور اس طرح کرنے میں نمازی سست بندوں کی مشابہت سے پوری طرح نکل جاتا ہے۔

"بين يديه"، یہ لفظ اپنی حقیقت پر محمول ہے، یعنی: آپ کا سجدہ میں کشادگی اختیار کرنا اپنے سامنے کی جانب ہوتا تھا(۲)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدے کی ہیئت

آپ علیہ السلام کے سجدہ کی ہیئت کے بارے میں احادیثِ مبارکہ میں مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں، جو سب اسی کیفیت پر پوری وضاحت کے ساتھ دلالت کرتے ہیں، مثلاً:

---

(۱)تهذيب الكمال: ۱۵/ ۵۰۸۔ تهذيب التهذيب: ۵/ ۳۸۱، ۳۸۲۔ أُسد الغابه: ۳/ ۳۵۰۔ الطبقات الكبرىٰ: ٤/ ۳٤۲۔ الجرح والتعديل: ۵/ ۱۸٤۔ التاريخ الكبير للبخارى: ۵/ ۱۰۔ الثقات لابن حبان: ۳/ ۲۱٦

(۲)عمدة القاري: ٤/ ۱۸۳

صحیح مسلم میں ہے: "إذا سجد يُجَنّحُ في سجوده حتى يُرىٰ وضَح إِبطيه"،(۱) یعنی: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جاتے تھے تو اپنی کلائی کو زمین سے اس طرح اٹھا لیتے تھے، جیسے پرندے اپنے پروں کو اٹھاتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح سجدہ کرنے سے آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی تھی۔

"يُجنِّحُ"، باب تفعیل سے فعل مضارع معروف ہے، اس کا مطلب پرندے کے پر اٹھانے کی مثل بازو زمین سے اٹھالینا ہے۔

"وضح إبطيه"، سے مراد بغلوں کی سفیدی ہے۔(۲)

صحیح مسلم کی ہی ایک اور روایت میں ہے: "كان صلى الله عليه وسلم إذا سجد لو شاء ت بهمة أن تمرّ بين يديه، لمرت"(۳). یعنی: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ فرماتے تھے تو آپ کی بغلوں کے درمیان سے بکری کا چھوٹا بچہ بھی گزرنا چاہتا تو گزر سکتا تھا (مطلب یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک سجدہ کی حالت میں اتنا کشادہ ہوتا تھا)۔

"بُهمة"، بکری کے چھوٹے بچے کو کہتے ہیں، چاہے وہ مذکر ہو یا مؤنث (۴)۔

صحیح مسلم کی ہی ایک اور روایت میں ہے:"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سجد

---

(۱) حدثنا عمرو بن سواد، أخبرنا عبد الله بن وهب، أخبرنا عمرو بن الحارث، والليث بن سعد، كلاهما عن جعفر بن ربيعة، بهذا الإسناد. وفي رواية عمرو بن الحارث، كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سجد يجنح في سجوده، حتى يُرىٰ وضح إبطيه؛ وفي رواية الليث، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا سجد فرج يديه عن إبطيه حتى إني لأرىٰ بياض إبطيه. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: ما يجمع صفة الصلاة، رقم الحديث: ١١٣٤.)

(٢) عمدة القاري: ١٨٣/٤

(٣)حدثنا يحيى بن يحيى، وابن أبي عمر، جميعا عن سفيان، قال يحيى: أخبرنا، سفيان بن عيينة، عن عبيد الله بن عبد الله بن الأصم، عن عمه يزيد بن الأصم، عن ميمونة، قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا سجد لو شاء ت بهمة أن تمر بين يديه لمرت. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: ما يجمع صفة الصلاة، رقم الحديث: ١١٣٥.)

(٤) عمدة القاري: ١٨٣/٤

خوّى بيديه، يعني: جنّح ، حتى يُرى وضح إبطيه من ورائه(١).

یعنی: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرماتے تھے تو پرندے کے پر اٹھانے کی طرح اپنے بازوؤں کو اٹھا کر سجدہ کرتے تھے، حتی کہ اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ کی طرف سے دیکھتا تو اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی۔

"خوّیٰ"، کا مطلب یہ ہے کہ اپنے پیٹ کو زمین سے دور رکھتے اور اوپر اٹھا کر رکھتے، اور اپنی کہنیوں کو اپنے پہلوؤں سے جدا رکھتے (٢)۔

المستدرک علی الصحیحین میں ہے: عن ابن عباس، قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم من خلفه فرأيت بياض إبطيه وهو مُجخٌّ، وفرّج يديه(٣).

یعنی: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کی جانب سے آکر دیکھتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بازوؤں کو اپنے پہلوؤں سے دور رکھنے والے ہوتے تھے۔

"مُجخٌّ" اس ہیئت کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے بازوؤں کو اپنے پہلوؤں سے دور کرلے (٤)۔

اور صحیح ابن خزیمہ میں ہے: أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا سجد جافى حتى يُرى

---

(١) حدثنا إسحاق بن إبراهيم الحنظلي، أخبرنا مروان بن معاوية الفزاري، قال: حدثنا عبيد الله بن عبد الله بن الأصم، عن يزيد بن الأصم، أنه أخبره عن ميمونة زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سجد خوّى بيديه، يعني: جنح، حتى يُرى وضح إبطيه من ورائه. وإذا قعد اطمأن على فخذه اليسرى. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: ما يجمع صفة الصلاة، رقم الحديث: ١١٣٥.)

(٢) عمدة القاري: ١٨٣/٤

(٣) أخبرناه أبو بكر محمد بن المؤمل، ثنا الفضل بن محمد الشعراني، ثنا النفيلي، ثنا زهير، ثنا أبو إسحاق، عن التميمي الذي قد يحدث بالتفسير، عن ابن عباس، قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم من خلفه فرأيت بياض إبطيه وهو مجخٌّ، وفرّج يديه. (المستدرك على الصحيحين، كتاب الصلاة، باب: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سجد رؤي وضح إبطيه، رقم الحديث: ٨٢٩، ٢٢٨/١)

(٤) عمدة القاري: ١٨٣/٤

بياض إبطيه(١).

یعنی: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ فرماتے تھے تو کھل کے سجدہ فرماتے تھے حتی کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی تھی.

اور سنن ابی داؤد میں ہے: ثم كبر وسجد ووضع كفيه على الأرض، ثم جافى بين مرفقيه حتى استقر كل شيئ منه(٢).

یعنی: (حالت سجدہ میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دونوں کہنیوں میں کشادگی پیدا کر لیتے تھے حتی کہ ہر عضو سکون کے ساتھ قرار پکڑ لیتا تھا۔

سجدے کی مذکورہ ہیئت کی حکمتیں

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ترجمۃ الباب کے تحت جو حدیث ذکر کی ہے اس سے سجدے کی مذکورہ ہیئت کا استحباب معلوم ہوتا ہے، اس ہیئت کے استحباب کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ایک حکمت یہ ہے کہ اس سے چہرے پر بوجھ کم ہو جاتا ہے اور ناک و پیشانی کو زمین پر رکھنے سے کوئی

(١) نا محمد بن يحيى، ومحمد بن رافع، وعبد الرحمن بن بشر قالوا: حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا معمر، عن منصور، عن سالم بن أبي الجعد، عن جابر بن عبد الله، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا سجد جافى حتى يُرى بياض إبطيه. قال الأعظمي: إسناده صحيح. (صحيح ابن خزيمة، كتاب الصلاة، باب: التجافي في السجود، رقم الحديث: ٦٤٩، ١/٣٢٦)

(٢)حدثنا زهير بن حرب، حدثنا جرير، عن عطاء بن السائب، عن سالم البراد قال: أتينا عقبة بن عمرو الأنصاري أبا مسعود فقلنا له: حدثنا عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقام بين أيدينا في المسجد، فكبر، فلما ركع وضع يديه على ركبتيه، وجعل أصابعه أسفل من ذلك، وجافى بين مرفقيه، حتى استقر كل شيئ منه، ثم قال: سمع الله لمن حمده، فقام حتى استقر كل شيئ منه، ثم كبر وسجد ووضع كفيه على الأرض، ثم جافى بين مرفقيه حتى استقر كل شيئ منه، ثم رفع رأسه فجلس حتى استقر كل شيئ منه، ففعل مثل ذلك أيضا، ثم صلى أربع ركعات مثل هذه الركعة، فصلى صلاته، ثم قال: هكذا رأينا رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: صلاة من لا يقيم صُلبه في الركوع، رقم الحديث: ٨٦٢)

تکلیف نہیں ہوتی۔

دوسرا خیال یہ ہے کہ اس ہیئت میں تواضع ہے، کاہلی نہیں ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس ہیئت میں ایک عضو کا دوسرے پر اعتماد نہیں رہتا، بلکہ ہر عضو گویا مستقل طور پر سجدے میں چلا جاتا ہے، یہ حکمت ایک حدیث سے ماخوذ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: درندے کی طرح زمین پر ہاتھ نہ بچھاؤ، صرف ہتھیلیوں پر اعتماد نہ کرو، بازوؤں کو الگ رکھو، جب تم اس طرح سجدہ کروگے تو گویا تمہارا ہر عضو سجدے میں چلا جائے گا.................

حافظ صاحب رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

ان احادیث کا ظاہر تو یہ ہے کہ سجدہ میں کشادگی کی اس ہیئت کو واجب قرار دیا جائے، مگر چونکہ ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ کی روایت ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ صحابہ نے سجدے کے طویل ہونے کی مشقت کی شکایت کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "استعینوا بالرکب" اوراس کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ اگر سجدے میں دشواری ہو تو کہنیوں کو گھٹنے پر رکھنا بھی جائز ہے، مکروہ نہیں، اس لیے اس ہیئت کو واجب قرار دینے کی بجائے مستحب یا مسنون قرار دیا گیا ہے(۱)۔

علامہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ کا حافظ صاحبؒ پر رد

علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حافظ صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حدیث الباب سے بازو جدا کر کے سجدہ کرنے کا وجوب معلوم ہوتا ہے اور حدیث ابی داؤد سے اس کا استحباب مفہوم ہوتا ہے، جس میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے طوالتِ سجدہ کی صورت میں مشقتِ سجدہ کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھٹنوں سے مدد لو، یعنی: ان پر کہنیاں ٹیک کر۔

حالانکہ یہ صورت یہاں سے الگ ہے، اور بازوؤں کو بحالتِ سجدہ عام حالات میں جدا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ خاص صورت ہے کہ طوالتِ سجدہ کے وقت تھکن رفع کرنے کے لیے گھٹنوں سے مدد لی جائے، یہ گویا خاص صورت حالتِ عذر کی ہے۔

---

(۱)فتح الباري، كتاب الصلاة، باب: يبدي ضبعيه ويجافي في سجوده، رقم الحديث: ۸۰۷، ۲/۳۸۰، ۳۸۱

امام ترمذی رحمہ اللہ نے استعانت بالرکب کا حکم سجدے سے قیام کے لیے اٹھنے کے وقت مراد لیا ہے۔

اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے قومہ کے بعد سجدہ کو جاتے ہوئے "استعانت بالرکب" کو لیا ہے۔

غرض یہ کہ یہ چاروں صورتیں الگ الگ ہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں سجدے کی صحیح اور مشروع ومسنون صورت عام حالت کے لیے بیان کی ہے(۱)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت "کان إذا صلی" سے ہے، اس لیے کہ مذکورہ حدیث مبارکہ لفظ "صلی" سے "سجد" مراد لیا جائے گا، تو یہ اطلاق الکل علی الجزء کی قبیل سے ہوگا، مراد یہ ہوگا کہ جب سجدے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھوں کو کھلا رکھتے تھے تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ آپ کے بازو آپ کے پہلوؤں سے جدا ہوتے ہوں گے۔ اور یہی کچھ ترجمۃ الباب سے ثابت ہے(۲)۔

حدیث مبارکہ سے مستنبط فوائد واحکام

مذکورہ حدیث سے جو امور مستنبط ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

۱۔ نماز میں سنت یہ ہے کہ سجدے کی حالت میں دونوں ہاتھوں کے درمیان کشادگی رہے، بازوؤں اور پہلوؤں میں فصل ہو، یہ طریقہ مردوں کے لیے مسنون ہے، عورتوں کے لیے نہیں، بلکہ ان کے حق میں تو سجدہ کی حالت میں اپنے جسم کو سمیٹ کر، ملا کر رکھنا ہے، یعنی: جتنا ممکن ہو وہ اتنا زمین سے لگ کر سجدے کرے، اس لیے عورتوں میں مطلوب اور محمود ستر ہے، اور وہ اسی طرح حاصل ہوسکتا ہے(۳)۔

مرد اور عورت کی نماز میں بہت سے مقامات میں فرق ہے، جو احادیثِ نبویہ سے ثابت ہے، وہ ان شاء اللہ اپنے مقام پر مفصل آئے گا۔

---

(۱)انوار الباري ، كتاب الصلاة، باب : يبدي ضبعيه ويجافي في السجود، رقم الحديث: ۸۰۷، ۱۶/۴۷۳

(۲)عمدة القاري: ۱۸۲/۴۔ شرح الكرماني: ۵۳/۴.

(۳)التوضيح لابن الملقن: ۳۹۹/۴۔ عمدة القاري: ۱۸۳/۴۔ الشرح الميسر: ۴۴۱/۱.

۲۔نماز میں اطمینان اوراعتدال کے وجوب کا بھی علم ہوا(۱)۔

۳۔نماز میں سجدہ کی مذکورہ ہیئت اظہار خضوع اوراللہ کے لیے عبودیت پر بھی دلالت ہوتی ہے(۲)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

تعلیق

وَقَالَ ٱللَّيْثُ : حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ : نَحْوَهُ . [٧٧٤ ، ٣٣٧١]

تعلیق کا ترجمہ

اورلیث نے کہا کہ مجھ سے جعفربن ربیعہ نے اس کے مثل بیان کیا۔

تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کوامام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم میں موصولا نقل کیا ہے۔

ملاحظہ ہو:

حدثنا عمرو بن سواد، أخبرنا عبد الله بن وهب، أخبرنا عمرو بن الحارث، والليث بن سعد، كلاهما عن جعفر بن ربيعة،

اس سند کے مطابق ''جعفر بن ربیعہ'' سے روایت کرنے والے ان کے دوشاگرد ہیں، ایک: عمرو بن سواد، اوردوسرے: اللیث بن سعد، دونوں کی روایات میں قدرے فرق ہے، ملاحظہ ہو:

وفي رواية عمرو بن الحارث: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سجد يجنح في سجوده، حتى يُرىٰ وضح إبطيه.

وفي رواية الليث: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا سجد فرج يديه عن إبطيه حتى إني لأرىٰ بياض إبطيه. (۳)

---

(۱)التوضيح لابن الملقن: ٣٩٩/٤

(۲) الشرح الميسر: ٤٤١/١

(۳)صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: ما يجمع صفة الصلاة، رقم الحديث: ١١٣٤ .تغليق التعليق: ٢٢٠/٢

تعلیق کے رجال

مذکورہ تعلیق کے دو رجال ہیں:

اللیث

یہ ''امام ابوالحارث اللیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کی احوال کشف الباری، کتاب: بدء الوحی کی تیسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

جعفر بن ربیعہ

یہ ''ابوشرحبیل جعفر بن ربیعہ بن شرحبیل بن حسنہ القرشی الکندی المصری الازدی الحسنی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب التیمم، باب: التيمم في الحضر إذا لم يجد الماء، رقم الحديث: ۳۳۷، کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

تعلیق کا مقصد

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس تعلیق میں راوی کی طرف سے تحدیث ہے، یعنی: لیث بن سعد رحمہ اللہ نے ''حدثني'' کے صیغہ سے روایت کی ہے، اور ماقبل حدیث میں ''عنعنہ'' ہے، یعنی: وہاں راوی نے ''عن'' کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے روایت کی ہے۔ یعنی: صرف فرق سند بتلانا مقصود ہے (۳)۔

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

---

(۱) کشف الباري: ۱/۳۲٤

ملاحظہ: ان کے بارے میں بہت ہی عمدہ تفصیل اور مفید کلام انوار الباری (جلد: ۱۲، ص: ۱۷۴ یا ۱۷۷) پر ملاحظہ کی جیے۔

(۲) کشف الباري، کتاب التيمم، باب: التيمم في الحضر إذا لم يجد الماء، رقم الحديث: ۳۳۷، ص: ۱٦۰

(۳) شرح الکرماني: ٤/٥۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۰ - أبوابُ القِبلة [1]

۱ – باب: فَضْلِ اَسْتِقْبَالِ اَلْقِبْلَةِ.

یہ باب (نماز میں) استقبالِ قبلہ کی فضیلت کے بیان میں ہے

قولہ: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''. علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ ''بسم اللہ'' کے ساتھ کسی باب یا کتاب کی ابتداء اس وقت کرتے ہیں جب سابقہ باب اور موجودہ باب کے لکھنے میں کچھ مدت اور وقفہ گزر چکا ہو، چنانچہ اسی طرح یہاں ہوا (۲)۔

اس پر حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بخاری شریف کے ہندوستانی نسخہ اور علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی شرح المسمیٰ بـ الكواكب الدراري میں ''باب: فضل استقبال القبلة'' سے پہلے ''بسم اللہ'' موجود ہے، جب کہ اکثر مصری نسخوں، نیز فتح الباری، عمدۃ القاری اور ارشاد الساری میں اس جگہ ''بسم اللہ'' موجود نہیں ہے، اور نہ ہی ان شراحِ ثلاثہ رحمہم اللہ نے اس کے متعلق کچھ گفتگو فرمائی ہے، البتہ ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ جب امام بخاری رحمہ اللہ کو اپنی کتاب مرتب کرنے میں فترت واقع ہو جاتی ہے تو نئی مجلس کا آغاز ''بسم اللہ'' سے کرتے ہیں (۳)۔

مذکورہ باب کی ماقبل باب سے مناسبت

ماقبل میں سترِ عورت کے بارے میں ابواب چل رہے تھے، جب امام بخاری رحمہ اللہ سترِ عورت کے بیان سے فارغ ہوئے تو استقبالِ قبلہ کا بیان شروع فرمایا، کیونکہ مصلی پہلے سترِ عورت کا محتاج ہوتا ہے، جب وہ اپنا

(۱) کشف الباری میں الدکتور مصطفیٰ دیب البغا کے جس نسخے کو بطور متن کے بنیاد بنایا گیا ہے، اس نسخے کے مطابق اس جگہ ''ابواب القبلہ'' کا بڑا عنوان ہے، جس کے تحت باب نمبر ایک سے سلسلہ شروع ہوا ہے، جب کہ دیگر نسخ میں مثلاً: فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری وغیرہ کے مطابق اس باب کا نمبر اٹھائیس ہے۔

(۲) لامع الدراري: ۲/۳۶۰۔ الكنز المتواري: ۴/۷۷

(۳) الكنز المتواري: ۴/۷۷۔ تقرير بخاری شريف: ۲/۳۵۴۔ سراج القاري: ۲/۴۲۳

ستر عورت کرلے تو پھر استقبال قبلہ کا محتاج ہوگا، اس لیے اس کا بیان شروع فرمایا؛ لہٰذا ابواب سابقہ سے مناسبت ظاہر ہے(۱)۔

يَسْتَقْبِلُ بِأَطْرَافِ رِجْلَيْهِ ، قَالَهُ أَبُو حُمَيْدٍ ، عَنِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ . [ر : ۷۹٤]

(نمازی نماز میں حالتِ سجدہ میں) اپنے پیروں کی انگلیاں بھی قبلہ رُخ رکھے، اس کو ابوحمید نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔

اس جملہ سے متعلق شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

چونکہ شرائط صلوٰۃ بیان ہورہے تھے، اس لیے اولاً تو وضو کو ذکر فرمایا، کیونکہ وہ سب سے اہم ہے اور پھر لباس اور پھر استقبال قبلہ کو ذکر فرمایا، اور ابتداء اس کی فضیلت سے شروع فرمائی، مگر یہاں پر دو اشکال ہیں، بلکہ تین اشکال ہیں:

اول یہ کہ ابھی تو استقبال قبلہ کی فضیلت شروع فرمائی تو ابھی سے کہاں "استقبال اطراف رجلین الی القبلة" کے اندر پہنچ گئے؟ حالانکہ اطراف رجلین کا استقبال سجدہ میں ہوتا ہے، تو چاہیے یہ تھا کہ اولاً استقبال، قیام وغیرہ کا ذکر فرماتے اور پھر بتدریج استقبال اطراف رجلین کا ذکر فرماتے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ صفحہ ایک سو بارہ پر "باب: یستقبل القبلة بأطراف رجلین" آرہا ہے، لہٰذا یہ باب مکرر ہوگیا۔

اور تیسرا اشکال یہ ہے کہ ترجمہ میں ''اطراف رجلین'' کا اگر ذکر فرمایا ہے تو اس کی روایت ذکر نہیں فرمائی، اس لیے کہ اگر "قال أبو حميد عن النبي صلى الله عليه وسلم" کہہ دیا (جس میں ''اطراف رجلین'' کے استقبال کا ذکر ہے) تو وہ روایت تو اب تک نہیں آئی کہ اسی سے اشارہ ہو جاتا، کیونکہ یہ روایت ''صفة الصلوٰة'' میں آئے گی۔

اب جوابات سنو! امام بخاری رحمہ اللہ نے ''یستقبل القبلة بأطراف رجليه القبلة '' کو جز ترجمہ نہیں بنایا اور ''مُثْبَتُ'' بفتح الباء قرار نہیں دیا، بلکہ ''مُثبِت'' بالکسر قرار دیا ہے۔ اور غرض اس ذکر سے استقبال کی

(۱) عمدة القاري: ٤/ ١٨٤۔ سراج القاري: ٢/ ٤٢٣

تاکید اور فضلِ استقبال کو منقح کرنا ہے کہ استقبال اس درجہ مؤکد ہے کہ بحالتِ سجدہ بھی نہیں چھوڑا جا سکتا اور پاؤں کی انگلیوں تک سے کیا جاتا ہے۔

اور ''قال أبو حمید'' سے اس روایت کی طرف اشارہ فرما دیا جو آگے آرہی ہے، اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا، اس لیے کہ سارے اشکال کا مدار یہ تھا کہ اس کو جزء ترجمہ قرار دیا جاتا، اسی وجہ سے تکرار بھی لازم آرہا تھا، روایت کی بھی ضرورت ہورہی تھی اور کچھ بے ترتیبی بھی معلوم ہورہی تھی۔

رہا یہ اشکال کہ ترجمہ مکرر ہے، اس کا شراح نے یہ جواب دیا ہے کہ یہاں یہ باب بالتبع ہے اور وہاں صفحہ ایک سو بارہ پر بالقصد آرہا ہے(۱)۔

تعلیق کی تخریج

ابو حمید کی روایت کردہ حدیث مکمل سند کے ساتھ صفة الصلاة میں باب: سنة الجلوس في التشهد میں آرہی ہے، پھر اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ٹکڑے کو ترجمة الباب بنا کر بھی ذکر کیا ہے، یعنی: باب: یستقبل القبلة باطراف رجلیه"(۲).

---

(۱)تقریر بخاری شریف: ۲/۱۳۹۔ الكنز المتواري: ٤/ ٤٨۔ سراج القاري: ٢/ ٤٢٤

(۲)عمدة القاري: ٤/١٨٤

حدثنا يحيى بن بكير، قال: حدثنا الليث، عن خالد، عن سعيد، عن محمد بن عمرو بن حلحلة، عن محمد بن عمرو بن عطاء، وحدثنا الليث، عن يزيد بن أبي حبيب، ويزيد بن محمد، عن محمد بن عمرو بن حلحلة، عن محمد بن عمرو بن عطاء، أنه كان جالسا مع نفر من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، فذكرنا صلاة النبي صلى الله عليه وسلم، فقال أبو حميد الساعدي: أنا كنت أحفظكم لصلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم؛ رأيته إذا كبر جعل يديه حذاء منكبيه، وإذا ركع أمكن يديه من ركبتيه، ثم هصر ظهره، فإذا رفع رأسه استوى حتى يعود كل فقار مكانه، فإذا سجد وضع يديه غير مفترش ولا قابضهما، واستقبل بأطراف أصابع رجليه القبلة، فإذا جلس في الركعتين جلس على رجله اليسرى، ونصب اليمنى، وإذا جلس في الركعة الآخرة قدّم رجله اليسرى، ونصب الأخرى وقعد على مقعدته.

وسمع الليث يزيد بن أبي حبيب، ويزيد من محمد بن حلحلة، وابن حلحلة من ابن عطاء، قال أبو صالح، عن الليث: كل فقار، وقال ابن المبارك :عن يحيى بن أيوب، قال: حدثني يزيد بن أبي حبيب، أن محمد بن عمرو حدثه، كل فقار.

(صحيح البخاري، كتاب صفة الصلوٰة، باب: سنة الجلوس في التشهد، رقم الحديث: ٨٢٨)

(و كتاب الأذان، باب: يستقبل القبلة بأطراف رجليه، رقم الحديث: ١٣١)

تعلیق کے رجال

ابوحمید

یہ صحابی رسول حضرت ابوحمید الساعدی الانصاری المدنی رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے نام کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں، پہلا قول: ''عبدالرحمٰن'' کا ہے۔

دوسرا قول: ''المُنذر بن سعد ابن المنذر'' کا ہے۔

تیسرا قول: ''المُنذر بن سعد بن مالک'' کا ہے۔

اور چوتھا قول: ''المنذر بن شعد بن عمرو بن سعد بن المنذ د بن سعد بن خالد بن ثعلبہ ابن عمرو بن الخزرج'' کا ہے۔

ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت سہل بن سعد الانصاری کے چچا ہیں۔

یہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کرتے ہیں،

اور ان سے روایت کرنے والوں میں: اسحاق بن عبداللہ بن عمر بن الحکم، جابر بن عبداللہ، ان کے پوتے سعد بن المنذر بن ابی حمید الساعدی، عباس بن سہل بن سعد الساعدی، عبدالرحمٰن بن ابی سعید الخدری وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

واقدی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ان کی وفات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری زمانے میں ہوئی اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی وفات یزید بن معاویہ کے ابتدائی زمانے میں ہوئی (۱)۔

تعلیق کا مقصد

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ کا مذکورہ تعلیق اس جگہ ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ نمازی کے لیے جس قدر بھی

---

(۱) تهذيب الكمال: ۳۳/۲٦٤، ۲٦٥ـ تهذيب التهذيب: ۱۲/۷۹، ۸۰ـ الكاشف: ۳/۳۱۱ـ الإصابة في تمييز الصحابة: ٤/٤٦ـ الجرح والتعديل: ٥/۲٤۲ـ التاريخ الكبير للبخاري: ۷/۳٥٤ـ إسعاف المؤطأ برجال المؤطا للسيوطي: ۲/۳٦٦ـ أسد الغابة في معرفة الصحابة: ۲/ ۳٤۹، ٤/٤۹۱، ٥/۷۸ـ معرفة الصحابة لأبي نعيم، ص: ۲٥۱٥ـ الاستيعاب في معرفة الأصحاب، ص: ٤٤۹

اپنے اعضاء کو قبلہ رُخ کرنا ممکن ہو وہ کرے(۱)۔

لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ حافظ صاحب رحمہ اللہ کی اس بات کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

معاملہ ایسا نہیں ہے، اس لیے کہ ترجمۃ الباب استقبال قبلہ کی فضیلت بتانے کے لیے قائم کیا گیا ہے، مشروعیت کے لیے نہیں، اور حافظ صاحب رحمہ اللہ بات سے مشروعیت کا علم ہو رہا ہے، فضیلت کا نہیں(۲)۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جب استقبال قبلہ کی فرضیت اور اس استقبال کی فضیلت کو پہچان لیا جائے تو پھر تعلیق اور ترجمۃ الباب کی مناسبت بھی واضح ہو جائے گی۔

اور یہ دونوں امور بدیہی ہیں کہ نمازی سے اپنے جسم کے اعضاء کا جس قدر قبلہ رُخ کرنا ممکن ہوا تنا قبلہ رو ہونا فرض ہے، اور یہ عمل مسنون ہے کہ پاؤں تک کی انگلیوں کو قبلہ رخ کر لیا جائے۔ چنانچہ تعلیق میں بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالت سجدہ میں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ کرنا مذکور ہے، اور اسی میں ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ہے(۳)۔

حدیث باب (پہلی حدیث)

۳۸۵/۳۸٤ : حدّثنا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ قَالَ : حَدَّثنا ابْنُ الْمَهْدِيِّ(٤) قَالَ : حَدَّثنا مَنْصُورُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنْ مَيْمُونِ بْنِ سِيَاهٍ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا ، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا ، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا ، فَذَلِكَ الْمُسْلِمُ ، الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ ، فَلَا تُخْفِرُوا اللهَ فِي ذِمَّتِهِ) .

---

(١)فتح الباري: ٦٤٣/١

(٢)عمدة القاري: ١٨٥/٤

(٣)عمدة القاري: ١٨٤/٤

(٤) أخرجه البخاري أيضا تحت رقم الحديث: ٣٩٢، ٣٩٣

والنسائي في الأيمان، باب: صفة المسلم، رقم الحديث: ٤٩٩٧

وفي جامع الأصول، حرف الهمزه، الكتاب الأول: في الإيمان والإسلام، الباب الأول: في تعريفها، الفصل الأول: في حقيقتها، رقم الحديث: ١٨، ٢٣٥/١

ترجمہ حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص ہماری نماز کی طرح نماز پڑھے، اور ہماری طرح ہی استقبالِ قبلہ کرے، اور ہمارا ذبح کیا ہوا جانور کھائے، تو وہ ایسا مسلمان شمار ہوگا، جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے امان کا وعدہ ہے، پس تم اللہ کے اس وعدہ میں خیانت نہ کرو۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ میں پانچ رجال ہیں:

۱۔ عمرو بن عباس

یہ عمرو بن العباس الباہلی البصری الاہوازی الرُّزی رحمہ اللہ ہیں۔ ان کی کنیت ''ابو عثمان'' ہے۔

یہ جن مشائخ سے روایت کرتے ہیں، اُن میں

عبدالرحمٰن بن مہدی، ابراہیم بن صدقہ، ابراہیم بن ناصح، سفیان بن عیینہ، محمد بن جعفر غُندر، محمد بن مروان العجلی اور یزید بن ہارون وغیرہم رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں

امام بخاری، حرب بن اسماعیل الکرمانی، عباس بن عبدالعظیم العنبری، عبدان بن احمد الاہوازی، عیسی بن شاذان، محمد بن ابراہیم بن جناد، محمد بن عمرو ابن عباد بن جبلہ بن ابی رواد اور ابوبکر بن سلیمان البزار وغیرہم رحمہم اللہ شامل ہیں۔

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں الثقات میں شمار کیا ہے۔

ان کی وفات ذوالحجہ دوسو پینتیس ہجری میں ہوئی۔

---

(١) تهذيب الكمال: ٢٢/٩٤، ٩٥۔ تهذيب التهذيب: ٨/٦٠، ٦١۔ خلاصة الخزرجي، ج: ٢، رقم الترجمة: ٥٣٢٤۔ الجرح والتعديل، ج: ٦، رقم الترجمة: ١٣٩٦۔ الثقات لابن حبان: ٨/٤٨٦.

۲۔ابن مہدی

یہ عبدالرحمٰن بن مہدی بن حسان بن عبدالرحمٰن العنبری الأزدی رحمہ اللہ ہیں۔

علامہ مزی رحمہ اللہ نے ان کے مشائخ اور تلامذہ کی ایک بہت لمبی فہرست ذکر کی ہے، ان میں سے چند ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

مشائخ میں منصور بن سعد، ابان بن یزید العطار، ابراہیم بن سعد الزہری، ابراہیم بن نافع المکی، اسرائیل بن یونس، الاسود بن شیبان، حماد بن سلمہ، سلام بن ابی مطیع وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اور تلامذہ میں عمرو بن عباس الباہلی الرُّزی، عبداللہ بن المسندی، علی بن المدینی، عمرو بن علی الفلاس، محمد بن المثنی، اسحاق بن راہویہ وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

ان کی پیدائش ایک سو پینتیس میں ہوئی۔

ابوعبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں یحیی بن سعید اور عبدالرحمٰن جیسا بندہ نہیں دیکھا، اور ان دونوں میں سے بھی زیادہ فقیہ عبدالرحمٰن تھے۔

علی بن المدینی رحمہ اللہ بارہا کہا کرتے تھے: عبد الرحمن أعلم الناس.

علی بن احمد الأزدی؛ علی بن المدینی رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ یحیی بن سعید أعلم بالرجال تھے اور عبدالرحمٰن أعلم بالحدیث تھے۔ اور فرماتے تھے کہ عبدالرحمٰن کے علم بالحدیث کے بارے میں مجھے شبہ ہوتا تھا کہ ان کا علم جادوئی علم ہے۔

یہ ہر رات میں آدھا قرآن پڑھ کر دو راتوں میں قرآن ختم کر لیتے تھے۔

ابوبکر الأثرم کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب عبدالرحمٰن بن مہدی کسی آدمی سے روایت کرے تو وہ آدمی بھی حجت ہوگا۔

ان کی وفات ایک سو اٹھانوے ہجری میں ہوئی (۱)۔

---

(۱) تهذيب الكمال: ۱۷/ ۴۳۰-۴۴۲۔ الطبقات الكبرى لابن سعد: ۷/۲۹۷۔ الثقات لابن حبان: ۸/۳۷۳۔ سير أعلام النبلاء: ۹/۱۹۲۔ تهذيب التهذيب: ۶/۲۷۹۔ خلاصة الخزرجي: ۲/رقم الترجمة: ۴۲۵۹.

۳۔ منصور بن سعد

یہ منصور بن سعد البصری رحمہ اللہ ہیں، یہ صاحب اللؤلؤ کے نام سے معروف ہیں۔

ان کے مشائخ میں: میمون بن سیاہ، بدیل بن میسری العقیلی، ثابت البنانی، حماد بن ابی سلیمان، عباد بن کثیر، فرزدق شاعر اور عمار بن ابی عمار وغیرہم رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اور تلامذہ میں: عبد الرحمٰن بن مہدی، جارود بن یزید، حسان بن ابراہیم اور ابوسلمہ موسیٰ بن اسماعیل وغیرہم رحمہم اللہ شامل ہیں۔

ان کے بارے میں یحیی بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثقة

علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لم يكن به بأس

امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثقة

ابن حبان رحمہ اللہ نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے(۱)۔

۴۔ میمون بن سیاہ

یہ میمون بن سیاہ البصری رحمہ اللہ ہیں، ان کی کنیت ''ابوبحر'' ہے۔

یہ حضرت انس بن مالک، جندب بن عبد اللہ البجلی، حسن بصری اور شہر بن حوشب وغیر رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں: منصور بن سعد اللؤلؤی، حزم القطعی، حماد بن جعفر، حمید الطّویل وغیرہم رحمہم اللہ شامل ہیں۔

ان پر بعض ائمہ رجال نے کلام کیا ہے لیکن وہ کلام ایسا نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے اس راوی کی حدیث ضعفِ شدید میں داخل ہو جائے، اس لیے کہ بہت سارے ائمہ نے ان کی تعدیل بھی کی ہے، مثلاً:

یحیی بن معین رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں کہا: ضعيف

ابوداؤد رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں کہا: ليس بذٰلك

(۱) تهذيب الكمال: ۲۸/۵۲۷۔ الجرح والتعديل: ۸/ رقم الترجمة: ۷۶۰۔ الثقات لابن حبان: ۷/۴۷۵۔ تهذيب التهذيب: ۱۰/۳۰۷۔ الكاشف: ۳/رقم الترجمة: ۵۷۳۴

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، اور کہا ہے: "یخطئ"، اس کے بعد ابن حبان رحمہ اللہ نے ''المجروحین'' میں بھی ان کا ذکر کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ یہ مشاہیر سے منکر روایت بیان کرنے میں منفرد ہوتے ہیں، اور جب یہ منفرد ہوں تو اس وقت ان کی روایت سے حجت پکڑنا مجھے پسند نہیں ہے۔

ابو حاتم رحمہ اللہ نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے،

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے: يحتج به

حسن بن سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ سید القراء تھے.

اور حزم القطعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نہ کسی کی غیبت کرتے تھے اور نہ ہی سنتے تھے، ان کی مجلس میں اگر غیبت شروع ہو جاتی تو ٹوک دیتے تھے، ورنہ مجلس سے اٹھ جاتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اولا جرح کے کلمات نقل کیے، پھر تعدیل کے کلمات ذکر کیے اور فرمایا کہ امام بخاری اور امام نسائی رحمہما اللہ نے ان کی روایت نقل کی ہے۔

الدکتور بشار عواد نے اولا تضعیف کے اقوال اور پھر تعدیل کے کلمات ذکر کیے ہیں، اور پھر ابن عدی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ ''یہ بصری کے بڑے زاہدوں اور عابدوں میں سے ایک تھے۔ اور زاہد لوگ احادیث کو اس طرح ضبط نہیں کرتے، جیسے ضروری ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان کی حدیث میں کوئی حرج نہیں ہوگا''۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی ایک ہی روایت نقل کی ہے(۱)۔

۵۔ انس بن مالک

یہ مشہور صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال پر تفصیلی کلام کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه میں گزر چکا ہے(۲)۔

---

(۱) تهذيب الكمال: ٢٠٤/٢٩۔ الثقات لابن حبان: ٤١٢/٥۔ تهذيب التهذيب: ٣٨٨/١٠، ٣٨٩۔ الطبقات الكبرى لابن سعد: ١٥٢/٧۔ خلاصة الخزرجي: ٣/ رقم الترجمة: ٧٣٥٠۔ تقريب التهذيب: ٢٣٣/٢۔ تحرير تقريب التهذيب: ٤٤٥/٣۔ هدي الساري لابن حجر، ص: ٦٢٩

(۲) كشف الباري: ٤/٢

شرح حدیث

من صلى صلاتنا واستقبل قبلتنا وأكل ذبيحتنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص ہمارے نماز پڑھنے کی طرح نماز پڑھے، اور ہمارے قبلے کی طرف ہی منہ کرے، اور ہمارا ذبح کیا ہو جانور کھالے۔

"من صلى صلاتنا"، أي: صلى كما نصلي، یعنی: جس طرح قیام، قراءت، رکوع، سجود وغیرہ کے ساتھ ہم نماز پڑھتے ہیں، اسی طرح وہ نماز پڑھے۔

لفظ "صلاتنا" منصوب بنزع الخافض ہے، نفس الامر میں یہ لفظ مصدر محذوف کی صفت ہے، پورا جملہ اس طرح ہوگا: "صلى صلاة كصلاتنا"، پھر تخفیفاً مصدر اور خافض یعنی: "ك" تشبیہ کو حذف کر دیا گیا، اور "صلى صلاتنا" باقی رہ گیا (۱)۔

مسلمان ہونے کے لیے ضروری اُمور

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں تین کام کرنے والے کو مسلمان قرار دیا گیا ہے، ان میں سے پہلی بات: "من صلى صلاتنا" اس لیے ذکر فرمائی کہ ہماری طرح نماز پڑھنے والا وہی شخص ہو سکتا ہے، جو توحید اور رسالت کا اقرار کرنے والا ہو۔ اور جو شخص توحید و رسالت کا اقرار کرنے والا ہوگا وہ یقیناً جميع ما جآء به رسول الله صلى الله عليه وسلم من الله تبارك وتعالى کا بھی اقرار کرنے والا ہوگا، اور اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مسلمان ہوا گ، اس لیے کہ وہی تو مسلمان ہوتا ہے، جو تصدیق کرتا ہے اُس پورے دین اور شریعت کی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں، چنانچہ اس طرح نماز پڑھنا اس کے اسلام کی علامت ہو جائے گی، لہٰذا اس کو مسلِم قرار دیں گے (۲)۔

---

(۱) عمدة القاري: ٤/١٨٦۔ ذخيرة العقبى شرح سنن النسائي، كتاب المحاربة، باب: تحريم الدم، رقم الحديث: ٣٩٦٧، ٣١/٢٢٦

(٢) عمدة القاري: ٤/١٨٦۔ تحفة الأبرار شرح مصابيح السنة، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ٨٠، ١/٤٧.

"واستقبل قبلتنا"، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز ادا کریں۔

استقبال قبلہ مستقلاً ذکر کرنے کی حکمت

اس جملہ پر اشکال ہوتا ہے کہ استقبال قبلہ کا ذکر تو صلاۃ میں موجود ہی تھا، تو پھر اس کو الگ سے کیوں ذکر کیا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ قبلہ بمقابلہ نماز زیادہ اعرف ہے، بے شمار افراد ہوتے ہیں، جو نماز پڑھنے کے آداب، شرائط اور اصولوں وغیرہ سے ناواقف اور جاہل ہوتے ہیں، لیکن قبلہ کو وہ بھی جانتے ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا قبلہ کیا ہے، اور کس جانب ہے۔

اس کے علاوہ دوسری بات اور بھی ہے کہ نماز کے کئی ارکان ایسے ہیں، جو ہماری نماز اور دوسروں کی نماز میں مشترک ہیں، مثلاً: قیام؛ ہماری نماز میں بھی ہے اور یہود کی نماز میں بھی ہے۔ قراءت؛ ہماری نماز میں بھی ہے اور یہود کی نماز میں بھی ہے۔ لیکن قبلہ؛ میں ہمارے اور ان کے درمیان فرق ہے، اس واسطے "من صلی صلاتنا" کے بعد "واستقبل قبلتنا" کا ذکر فرمایا(۱)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں(۲): جب ان عبادات کا ذکر کردیا گیا جن کے ذریعے مسلم اور غیر مسلم میں امتیاز ہوتا تھا تو اس کے بعد وہ چیز ذکر فرمائی جو عبادت اور عادت دونوں اعتبار سے مسلم اور غیر مسلم میں فرق ظاہر کرتی ہے۔ اور وہ ہے ہمارے ذبیحہ کا استعمال، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"أکلِ ذبیحۃ" کی شرط کی اہمیت

"أکلو ذبیحتنا"، یہ جملہ دراصل اس بات پر دلالت کررہا ہے کہ جس طرح من حیث العبادۃ ہمارے اور دوسروں کے درمیان کئی طرح امور میں فرق ہے، اسی طرح بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ من حیث العبادۃ اور من حیث العادۃ ہمارے درمیان اور ان کے درمیان فرق ہے، ''اکل ذبیحہ'' کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے کہ عادت بھی یہی ہے کہ ایک ملت کے لوگ دوسری ملت کے ذبیحہ کو استعمال نہیں کرتے اور عبادت کے نقطہ نظر سے بھی ایک کا

---

(۱) فتح الباري: ۱/۶٤٤۔ عمدة القاري: ٤/۱۸٦۔ إرشاد الساري: ۲/۵۳۔ ذخيرة العقبى شرح سنن النسائي، كتاب المحاربة، باب: تحريم الدم، رقم الحديث: ۳۹٦۷، ۳۱/۲۲٦

(۲) عمدة القاري: ٤/۱۸٦

ذبیحہ دوسرے کے لیے صحیح اور درست قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لیے حدیث میں "واستقبل قبلتنا" کے بعد "وأكل ذبيحتنا" کا ذکر فرمایا(۱)۔

علامہ گنگوہیؒ کی رائے

علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أكلو ذبيحتنا" کی قید ان کفار کو (اسلام سے جدا رکھنے یا) نکالنے کے لیے ہے جو مسلمانوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے، وگرنہ مشرکین اور یہود ونصاری تو مسلمان کا ذبیحہ کھاتے ہیں، ان سے احتراز مقصود نہیں ہے(۲)۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی رائے

اس کی شرح میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اس عبارت کے ذریعے حضرت شیخ رحمہ اللہ نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ مشرکین اور اہل کتاب تو مسلمانوں کا ذبیحہ کھاتے ہیں، پھر ان کا ذکر کیوں کیا گیا؟

تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے جو جواب دیا اس کا حاصل یہ ہے کہ بعض مشرکین اور بعض اہل کتاب مسلمانوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے تھے۔ اور بعض وہ تھے جو غیر اللہ کے لیے ذبح کیا کرتے تھے، چنانچہ اول الذکر کے رد میں "أكل ذبيحتنا" فرمایا اور ثانی الذکر کے رد کے لیے روایات میں سے ایک روایت میں "ذبحوا مثل ذبيحتنا" کے الفاظ بھی ملتے ہیں(۳)۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ کی رائے

حدیث مبارکہ میں مذکورہ کلام یہود کے مقابلہ میں شمار کیا جائے تو معاملہ آسان ہے کہ استقبال کا عطف صلاۃ پر ڈالنا اور پھر ذبیحہ کا الگ سے خاص طور پر ذکر کرنا سب امور آسان ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ یہود مسلمانوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے تھے، یہ تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں پر اس وقت طعن وتشنیع کی تھی جب

(۱) عمدة القاري: ٤/١٨٦۔ الكاشف عن حقائق السنن المعروف بـ شرح الطيبي، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ١٣، ١/١٣١

(٢) لامع الدراري: ٢/٢٦١

(٣) الكنز المتواري: ٤/ ٨٠

مسلمانوں کو کعبہ کی طرف منہ پھیرنے کا حکم ہوا تھا، جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا: ﴿ما ولاهم عن قبلتهم التی کانوا علیها﴾ چنانچہ حدیث مبارکہ میں ان کو مسلمانوں سے جدا کرنے کے لیے فرمایا گیا کہ وہ ہماری طرح نماز پڑھیں اور قبلہ کی طرف منہ کرنے کے بارے میں، اور ہمارا ذبیحہ کھانے سے رکنے کے بارے میں ہم سے جھگڑا چھوڑ دیں تو وہ مسلمان شمار ہوں گے(۱)۔

"ذبیحة" فعیلة کے وزن پر مفعولة کے معنی میں ہے اور "التاء" جنس کے لیے ہے، جیسے: الشاة میں، تو معنی: ''ذبح کیا ہوا جانور'' ہوں گے(۲)۔

فذٰلك المسلم الذي له ذمة الله وذمة رسوله، فلا تخفروا الله في ذمته

تو وہ ایسا مسلم شمار ہوگا جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے امان کا وعدہ ہے، پس تم اللہ کے اس وعدے میں خیانت نہ کرو۔

"فذٰلك" اسم اشارہ ہے، اس کا مشار الیہ "من جمع هذه الأوصاف الثلاثة" قرار پائے گا۔ مطلب یہ ہوگا کہ ''وہ شخص جو ان تینوں اوصاف کو اپنے اندر جمع کرلے گا وہ مسلمان ہوگا''۔ پس "ذٰلك" اپنے مشار الیہ سے مل کر مبتداء ہوگا اور اس کی خبر اگلا پورا جملہ ہوگی(۳)۔

پھر جملہ اسمیہ شرط کے لیے جزاء بن جائے گا(۴)۔

"ذمة الله" ذمّة سے مراد امان، عہد اور کفالت ہے، یعنی: ایسا شخص اللہ کی امان میں، اللہ کی حفاظت میں اور اللہ کی کفالت میں ہے(۵)۔

اس پورے جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص مذکورہ تینوں کام کرلے گا وہ اللہ اور اس کے رسول کی

---

(۱)الكاشف عن حقائق السنن المعروف بـ شرح الطيبي، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ۱۳، ۱/۱۳۱

(۲)مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ۱۳، ۱/۱۵۲۔ ضياء الساري في مسالك أبواب البخاري: ۲۵۷/۵.

(۳)مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ۱۳، ۱/۱۵۲

(٤)عمدة القاري: ٤/۱۸٦۔ إرشاد الساري: ۵۳/۲

(۵)الصحاح للجوهري، ص: ۳۷۵۔ النهاية لابن اثير: ۱/٦۱۲۔ مصابيح الجامع للدماميني: ۱۰۸/۲

حفاظت میں آجائے گا کفار کے وبال سے، یعنی: کفار سے جو قتل وغیرہ مشروع ہے، اس شخص سے اس کا حکم اٹھالیا جائے گا۔ "ذمة" کا لفظ مکرر ذکر کیا گیا ہے، اللہ کے ساتھ بھی اور رسول کے ساتھ بھی، اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ دونوں کا ذمہ، امان، حفاظت دینا مقصود ہے، اگرچہ اصل ذمہ تو اللہ کا ہی ہے، اور یہ بھی مقصود ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں، اسی وجہ سے اگلے جملے "فلا تخفروا الله في ذمته" میں صرف "ذمة الله" کے ذکر پر اقتصار کیا گیا(۱)۔

"فلا تخفروا" یہ باب افعال سے نہی کا صیغہ ہے، "خَفَرَ" نصر ینصر اور ضرب یضرب سے امان اور حفاظت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور جب یہ باب افعال میں مستعمل ہو تو ہمزہ افعال سلب اور ازالہ کے معنی میں استعمال ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ امان توڑ دی گئی، حفاظت سے نکال دیا گیا، عہد میں خیانت کی گئی۔ چنانچہ "فلا تخفروا الله" کے معنی: تم اللہ سے خیانت نہ کرو، اس کی دی گئی امان نہ توڑو(۲)۔

"في ذمته" میں "ہ" ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں، ایک: یہ کہ اس مرجع اللہ ہو، اور دوسرا: یہ کہ اس کا مرجع مسلم ہو، اول الذکر میں مطلب یہ ہوگا کہ اس مسلم کے مال، جان، عزت اور آبرو کے درپے ہو کر اللہ کی دی ہوئی امان میں خیانت کے مرتکب نہ ہو جاؤ۔

اور ثانی الذکر میں مطلب یہ ہوگا کہ اس مسلمان کے بارے میں اللہ کے کیے ہوئے عہد کو نہ توڑو(۳)۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے اس جملے کا مطلب یہ بیان کیا ہے:

"معناه: لا تخونوا الله في تضييع حق من هذا سبيله". کہ جو ان تینوں اعمال کو اختیار کر کے اس کے راستہ پر چل پڑا ہو تو تم اس کے حقوق تلف کر کے اللہ کے ساتھ خیانت نہ کرو(۴)۔

(۱) فتح الباري: ۱/٦٤٤۔ عمدة القاري: ۱/۱۸۲۔ مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ۱۳، ۱/۱۵۲

(۲)الصحاح للجوهري، ص: ٣٠٦۔ النهاية في غريب الحديث والأثر: ۱/۵۱۰۔ عمدة القاري: ٤/۱۸٦۔ فتح الباري: ۱/٦٤٤۔ إرشاد الساري: ۲/۵۳

(۳) مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ۱۳، ۱/۱۵۲۔ عمدة القاري: ٤/۱۸٦، إرشاد الساري: ۲/۵۳

(٤)أعلام الحديث في شرح صحيح البخاري: ۱/۳۷۵

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت "واستقبل قبلتنا" کے لفظ سے ہے، اس جملہ کا ذکر قبلہ کی شان پر تنبیہ کے طور پر مذکور ہے، کیونکہ استقبالِ قبلہ تو من جملہ دیگر شرائط کے "من صلی صلاتنا" میں شامل تھا(۱)۔

حدیثِ مبارکہ سے مستفاد اُمور واحکامات

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سے امور واحکامات مستنبط ہوتے ہیں، جن میں سے کچھ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ مذکورہ حدیث سے قبلہ کی شان وعظمت ظاہر ہورہی ہے، کہ اس کی طرف منہ کرنا افضل ترین عبادت نماز میں قرار دیا گیا ہے، جو شخص عمداً استقبال قبلہ نہ کرے اس کی نماز مقبول نہیں ہے(۲)۔

۲۔ استقبال قبلہ مطلقاً نماز میں شرط ہے، سوائے حالتِ خوف کے، کہ ایسی حالت میں نمازی سے یہ شرط مرتفع ہے۔ پھر اس میں مزید تفصیل یہ ہے کہ جو شخص مسجد حرام میں ہو اس کے لیے عینِ قبلہ کا استقبال شرط ہے اور جو شخص مسجد حرام سے خارج ہو اس کے لیے جہتِ قبلہ کافی ہے(۳)۔

۳۔ مسلمانوں کی علامت میں ذبیحہ کا کھانا بھی معلوم ہوا، کیونکہ اہل کتاب کی ایک جماعت اور بت پرست مسلمانوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے(۴)۔

۴۔ مسلمان کی عزت آبرو، مال اور جان کی حفاظت ہم سب کی ذمہ داری ہے(۵)۔

۵۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ کوئی شخص محض شہادتین کی وجہ سے معصوم الدم نہیں ہو

---

(۱)عمدة القاري: ١/ ١٨٧۔ منار القاري: ٤/٢

(۲)عمدة القاري: ١٨٥/٤۔ إرشاد الساري: ٥٤/٢۔ مصابيح الجامع للدماميني: ١٠٨/٢

(۳)عمدة القاري: ١٨٥/٤۔ إرشاد الساري: ٥٤/٢۔ مصابيح الجامع للدماميني: ١٠٨/٢۔ اللامع الصبيح للبِرماوي: ١٣٢/٣

(٤)عمدة القاري: ١٨٧/٤۔ الشرح الميسر لصحيح البخاري: ٤٤٣/٢

(٥)الشرح الميسر لصحيح البخاري: ٤٤٣/٢۔ منار القاري: ٤/٢

جاتا، بلکہ اس پر لازم ہے کہ شہادتین کی حقوق بھی ادا کرلے، اور حقوق میں سب سے مؤکد حکم ''نماز'' ہے، اسی لیے اس کو خاص طور پر ذکر کیا(۱)۔

۶۔ایک اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ لوگوں میں بعض کے امور دوسرے بعض کے لیے ان کے ظاہر پر محمول ہوتے ہیں نہ کہ ان کے باطن پر، اور یہ بات ہے کہ جو شخص دین کے شعائر اور دین والوں کے طور طریقوں کو اپنا لیتا ہے تو اس پر دین اور دین والوں کے احکام ہی جاری کئے جائیں گے، جب کہ اس کا باطن معلوم نہ ہو۔ جیسے کوئی مسافر شخص آئے اور اس کا ظاہری حلیہ مسلمانوں کے مثل ہی ہو تو اس کو مسلمان ہی شمار کیا جائے گا، یعنی: اس کے ساتھ مسلمانوں والا برتاؤ ہی کیا جائے گا، جب تک اس سے اسلام کے خلاف کوئی بات ظاہر نہ ہو جائے (۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی اسی طرح لکھتے ہیں:

حدیث سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے احوال ومعاملات کو ظاہر پر محمول کرنا چاہیے، لہٰذا جو شخص شعارِ دین کو ظاہر کرے، اس پر اہلِ اسلام کے حکام ہی جاری کیے جائیں گے، جب تک کہ اس سے دین کے خلاف کوئی بات ظاہر نہ ہو(۳)۔

اسلام کے لیے انہی تین اُمور کے انتخاب کی حکمت

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اگر کوئی اعتراض کرے کہ دین کے سارے ارکان اور واجبات میں سے انہی تین کو کیوں خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں دین اسلام میں بہت بڑے درجے کی ہیں، ان پر عمل کرنے والا بہت جلد دوسروں میں ممتاز ہو جاتا ہے، کیونکہ ابتدائی ملاقات میں ہی اکثر اوقات ملنے والا اپنے میزبان کے بارے میں اس کے نماز پر کاربند ہونے کو پہچان لیتا ہے، بخلاف روزے یا حج کے، اول الذکر روزہ تو امرِ باطن کا

(۱)فتح الباري لابن رجب حنبلی: ۱۰۸/۲۔ منار القاري: ٤/۲

(۲)اللامع الصبیح للبِرماوي: ۱۳۲/۳۔ کوثر معاني الدارري في كشف خبايا صحيح البخاري: ۱۱/۷

(۳)فتح الباري: ٦٤٤/١

نام ہے اور فرض روزے کے ذریعے امتیاز تو ہورے سال میں ایک مہینے میں ہی ہوسکتا ہے اور ثانی الذکر حج کا بھی معاملہ یہی ہے، کچھ افراد پر تو یہ سرے سے واجب ہی نہیں ہوتا اور بعض؛ جن پر واجب ہوتا ہے، ان سے اس فعل کے پہچاننے میں مہینوں یا سال لگ سکتے ہیں (۱)۔

اہلِ قبلہ سے متعلق ایک تحقیق

علامہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان ہی احادیث سے اہلِ قبلہ کا لقب اہلِ اسلام کے لیے اخذ کیا گیا ہے، وجہ یہ ہے کہ یہ اہلِ اسلام کی بڑی اور کھلی ہوئی علامات ہیں، جن سے بڑی آسانی کے ساتھ دینِ اسلام والے دوسرے اہلِ مذاہب سے ممتاز ہو جاتے ہیں، کیونکہ وہ لوگ ہمارے ذبیحہ سے پرہیز کرتے ہیں، ہماری جیسی نماز نہیں پڑھتے، اور اپنی عبادات میں ہمارے قبلہ کی طرف رخ بھی نہیں کرتے، لہٰذا یہ تینوں چیزیں اسلام کے لیے شعار کے درجہ میں ہوگئی ہیں، لیکن یہ مطلب نہیں کہ جن لوگوں میں یہ تینوں چیزیں پائی جائیں ان کو ضرور مسلمان سمجھا اور کہا جائے گا، خواہ وہ دن کی (ضروری) چیزوں کا انکار بھی کردیں، اور خواہ وہ حضور علیہ السلام کے ارشاد ہی کے مطابق دینِ اسلام سے خارج بھی ہو جائیں، جس طرح تیر کمان سے دور ہو جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص پورے دین کو مانتا ہو اور اس پر عمل بھی کرتا ہو مگر ایک چھوٹی سے چھوٹی سورتِ قرآنی کا انکار بھی کرے، یا اس کے حکم کو نہ مانے، یا جان بوجھ کر اس کو غلط معنی پہنائے تو اس کے کفر میں شک نہیں کیا جاسکتا، چہ جائیکہ کوئی شخص نبوت کا دعوی کرے، انبیاء علیہم السلام کی اہانت کرے، ان کے خلافِ شان سخت نامناسب الفاظ استعمال کرے، دین کی تحریف کرے، احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اخبار و واقعات و معجزات علیہم السلام کا انکار و استہزاء کرے وغیرہ تو اس کو کیسے داخلِ اسلام قرار دیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ ہمارے زمانے میں مرزا غلام احمد قادیانی نے ان سب موجباتِ کفر کا ارتکاب کیا، جب کہ ان میں سے کسی ایک کا ارتکاب بھی ثبوتِ کفر کے لیے کافی تھا، مگر افسوس ہے کہ ہمارے اس دورِ جہالت کے بعض اہلِ علم نے بھی جن کو کتبِ فقہ وعقائد وکلام پر عبور نہیں تھا، مرزا کی تکفیر میں تردد کیا اور کہا کہ ہم احتیاط کرتے ہیں؛ اور یہ نہ سمجھا کہ جس طرح اکفارِ مسلم پر دلیری کرنا گناہ ہے، بالکل اسی طرح عدم اکفارِ کفار بھی گناہ ہے، اور اسی

(۱) شرح الکرماني: ٤/٥٥

لیے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قتال مانعین زکوٰۃ کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تردد کو دیکھ کر فرمایا تھا: "أجبار في الجاهلية وخوار في الإسلام ؟" (کہ زمانہ جاہلیت میں تو بڑے دلیر اور بہادر تھے، اب یہ اسلام کے زمانے میں بزدلی اور کمزوری کیسی؟) اس کے بعد پھر جلد ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی رائے بدل دی اور فرمایا: میرا دل بھی اس بات کے لیے کھل گیا، جس کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دل کھل گیا تھا اور وہ سمجھ گئے کہ احتیاط کا تقاضا بھی وہی تھا، جس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا تھا(۱)۔

اہلِ قبلہ کی تعریف

ملا علی قاری رحمہ اللہ اہلِ قبلہ کی تکفیر کرنے اور نہ کرنے کی بحث کے مقام پر سب سے قبل اہلِ قبلہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"إعلم أن المراد بأهل القبلة؛ الذين اتفقوا على ما هو من ضرورات الدين كحدوث العالَم، وحشر الأجساد، وعلم الله بالكليات والجزئيات، وما أشبه ذٰلك من المسائل؛ فمن واظب طول عمره على الطاعات والعبادات مع اعتقاد قِدم العالَم، أو نفي الحشر، أو نفي علمه سبحانه بالجزئيات لا يكون من أهل القبلة"(۲).

''جاننا چاہیے کہ اہلِ قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریات دینیہ پر اتفاق رکھتے ہوں، مثلاً: عالَم حادث ہے، (یعنی: اللہ نے اس کو پیدا کیا ہے) اور لوگ اپنے جسموں سمیت قیامت میں اکٹھے ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ تمام کلیات و جزئیات کا علم رکھتا ہے، اور اس قسم کے اور مسائل بھی وہ شخص مانتا ہو؛ پس جو شخص ساری زندگی طاعات و عبادات کی پابندی کرتا ہو، لیکن اس کا اعتقاد یہ ہو کہ عالَم قدیم ہے، (یعنی: ہمیشہ سے ہے) اور قیامت میں لوگ جسموں سمیت زندہ ہو کر اکٹھے نہیں ہوں گے، یا اللہ تعالیٰ کو جزئیات (یعنی: ہر چیز) کا علم نہیں ہے تو ایسا شخص اہلِ قبلہ میں سے نہیں ہے''۔

---

(۱) انوار الباری: ۱۷۹/۱۲

(۲) شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، مسئلة: استحلال المعصية ولو صغيرة كفر، ص: ۲۵۸.

پھر مزید فرماتے ہیں:

”وإن المراد بعدم تكفير أحد من أهل القبلة عند أهل السنة أنه لا يكفر ما لم يوجد شيئ من أمارات الكفر ولاماته ولم يصدر عنه شيئ من موجباته“(۱).

”اور اہل سنت کے نزدیک اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کی مراد یہ ہے کہ ان کی اس وقت تک تکفیر نہیں کی جائے گی جب تک ان میں کفر کی نشانیوں اور علامتوں میں سے کوئی چیز نہ پائی جائے اور جب تک اس سے موجباتِ کفر میں سے کوئی بات سرزد نہ ہو“۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ کی مذکورہ بحث کو دیکھتے ہوئے حدیث الباب کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ وہاں تین کام کرنے والوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے ضمان کا اعلان کیا گیا ہے، تو وہاں ظاہری طور پر ان تینوں کاموں کے کرنے والے صرف اس وقت تک مسلمان متصور ہوں گے، جب تک ان سے دیگر ضروریاتِ دین کا انکار سامنے نہ آئے اور جب ان سے دیگر ضروریاتِ دین کے خلاف کچھ سرزد ہو جائے گا، تو پھر ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا ضمان نہیں ہے، بلکہ ان کی تکفیر کی جائے گی، یعنی: ان کے ساتھ مسلمانوں والا سلوک نہیں کیا جائے گا۔

کتب علم الکلام والعقائد میں اس امر کی پوری تصریح موجود ہے۔

ابن امیر الحاج رحمہ اللہ کی تشریح

محقق ابن امیر الحاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أهل القبلة؛ هو الموافق على ما هو من ضروريات الإسلام، كحدوث العالم وحشر الأجساد من غير أن يصدر عنه شيئ من موجبات الكفر قطعا من اعتقاد راجع إلى وجود إله غير الله تعالى، أو إلى حلوله في بعض أشخاص الناس، أو إنكار نبوة محمد صلى الله

(۱) شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، مسئلة: استحلال المعصية ولو صغيرة كفر، ص: ۲۵۸.

عليه وسلم أو ذمه، أو استخفافه، ونحو ذلك المخالف في أصول سواها مما لا نزاع أن الحق فيه واحد كمسألة الصفات وخلق الأعمال وعموم الإرادة، وقدم الكلام ولعل إلى هذا أشار المصنف ماضيا بقوله إذ تمسكه بالقرآن، أو الحديث، أو العقل إذ لا خلاف في تكفير المخالف في ضروريات الإسلام من حدوث العالم وحشر الأجساد ونفي العلم بالجزئيات، وإن كان من أهل القبلة المواظب طول العمر على الطاعات، وكذا المتلبس بشيئ من موجبات الكفر ينبغي أن يكون كافرا بلا خلاف، وحينئذ ينبغي تكفير الخطابية لما قدمناه عنهم في فصل شرائط الراوي، وقد ظهر من هذا أن عدم تكفير أهل القبلة بذنب ليس على عمومه إلا أن يحمل الذنب على ما ليس بكفر، فيخرج المكفر به كما أشار إليه السبكي"(۱).

''اہل قبلہ وہ ہیں جو موافق ہوں تمام ضروریات دین کے، جیسے عالَم کا حدوث اور حشر اَجساد، اس طور پر کہ اس سے کوئی چیز موجبات کفر میں سے صادر نہ ہو، مثلا: ایسا اعتقاد جو حق تعالی شانہ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کو الٰہ ماننے کی طرف لے جائے، یا اللہ تعالیٰ کے کسی شخص میں حلول کر جانے کی طرف، یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے انکار کی طرف، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت اور استخفاف کی طرف لے جائے، یا اس طرح کی دیگر باتوں کی طرف لے جائے، (یہاں تک کہ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ) اس سے ظاہر ہو گیا کہ اہل قبلہ کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ کرنے کی حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے،

(۱) التقرير والتحبير لابن أمير الحاج على التحرير في أصول الفقه، المقالة الثالثة: في الاجتهاد وما يتبعه من التقليد والافتاء: ۴۰۲/۳

ہاں اگر گناہ سے مراد کفر کے علاوہ کوئی اور معنی لیا جائے، جیسا کہ اس کی طرف ملا سبکی رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے تو عموم مراد لیا جاسکتا ہے"۔

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کی تشریح

شرح المقاصد میں علامہ تفتازانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ومعناه أن الذين اتفقوا على ما هو من ضروريات إسلام كحدوث العالم وحشر الأجساد، وما أشبه ذٰلك، واختلفوا في أصول سواها كمسألة الصفات، وخلق الأعمال، وعموم الإرادة، وقدم الكلام، وجواز الرؤية، ونحو ذٰلك مما لا نزاع أن الحق فيها واحد، هل يكفر المخالف للحق بذٰلك الاعتقاد والقول به أم لا؟ فلا نزاع في كفر أهل القبلة المواظب طول العمر على الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفي الحشر، ونفي العلم بالجزئيات، ونحو ذٰلك، وكذا بصدور شيئ من موجبات الكفر عنه"(۱).

"جو لوگ ضروریاتِ اسلام پر تو متفق ہیں، مثلاً: حدوثِ عالَم اور حشر وغیرہ، اور ان کے سوا دوسرے اصول میں اختلاف کرتے ہیں، جیسے: مسئلہ صفات اور خلق افعال اور عموم ارادہ اور کلام اللہ کا قدیم ہونا اور رؤیۃ اللہ کا جواز وغیرہ، جن میں کوئی نزاع اس میں نہیں ہے کہ اس میں حق ایک ہی ہے، تو کیا اس اعتقاد اور اس کے قائل ہونے کی وجہ سے اس مخالفِ حق کی تکفیر کی جائے گی یا نہیں؟

سو ایسے اہلِ قبلہ کی تکفیر میں کوئی اختلاف نہیں ہے جو تمام عمر مداومت کے ساتھ قدیم عالَم اور نفی حشر اور نفی علم بالجزئیات وغیرہ کا قائل ہو اور اسی طرح موجباتِ کفر میں سے کسی چیز کے صدور سے اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۱) شرح المقاصد للتفتازاني، المبحث السابع: في حكم مخالف الحق في أهل القبلة: ۲۲۸/۵.

صاحبِ ''غایۃ التحقیق'' علامہ عبدالعزیز البخاریؒ کی تشریح

علامہ عبدالعزیز بن احمد ابن محمد البخاری رحمہ اللہ اصول فقہ کی کتاب ''حسامی'' کی شرح ''غایۃ التحقیق'' میں فرماتے ہیں:

"إن غلا فيه (أي: في هواه) حتى وجب الكفارة به لا يعتبر خلافه ووفاقه أيضا لعدم دخول في مسمى الامة المشهود لها بالعصر وإن صلى إلى القبلة، واعتقد نفسه مسلما، لأن الأمة ليست عبارة عن المصلين إلى القبلة بل؛ عن المؤمنين، وهو كافر؛ وإن كان لا يدري أنه كافر"(۱).

اگر کسی شخص نے اپنی خواہشاتِ نفسانیہ میں غلو کیا، یہاں تک کہ اس کہ تکفیر واجب ہوگئی تو اس (تکفیر) کے خلاف کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ یہ شخص امت کے اس طبقے میں شامل نہیں ہے، جس کے لیے حفاظت وعصمت کا وعدہ کیا گیا ہے، اگر چہ یہ شخص قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز بھی پڑھتا رہے، اور اپنے آپ کو مسلمان بھی سمجھتا رہے، کیونکہ ''امت'' قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والوں کا نام نہیں ہے، بلکہ امت تو مؤمنین کا نام ہے، اور ایسا شخص (جو غلو کرنے والا ہو) کافر ہے اگر چہ اسے اپنے کفر کا علم نہ ہو''۔

علامہ عبدالعزیز الفرہاوی رحمہ اللہ کی تشریح

علامہ عبدالعزیز الفرہاوی رحمہ اللہ شرح عقائد کی شرح النبراس میں فرماتے ہیں:

"ومن قواعد أهل السنة أن لا يكفر" مجهول من التكفير، وهو النسبة إلى الكفر "أحد من أهل القبلة" معناه اللغوي: مَن يصلي إلى القبلة، أو يعتقدها قبلةً، وفي إصطلاح المتكلمين: من يصدق بضروريات الدين، أي: الأمور التي علم ثبوتها في الشرع واشتهر، فمن

(۱) غاية التحقيق، ص: ۲۰۸، مير محمد كتب خانه، كراتشي

أنكر شيئا من الضروريات كحدوث العالَم، وحشر الأجساد وعلم الله سبحانه بالجزئيات وفرضية الصلاة والصوم، لم يكن من أهل القبلة، ولو كان مجاهدا في الطاعات وكذٰلك مَن باشر شيئا مِن أمارات التكذيب كسجود الصنم والإهانة بأمرٍ شرعي والاستهزآء عليه، فليس مِن أهل القبلة، ومعنى عدم تكفير أهل القبلة؛ أن لا يكفر بارتكاب المعاصي ولا بإنكار الأمور الخفية غير المشهورة، هٰذا ما حققه المحققون، فاحفظه"(۱).

''اہلِ سنت کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ اہلِ قبلہ کی تکفیر نہیں کی جائے گی، اہلِ قبلہ معنی لغوی کے مطابق اس شخص کو کہا جاتا ہے جو قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے والا ہو، یا قبلہ کے قبلہ ہونے کا اعتقاد رکھنے والا ہو، اور متکلمین کی اصطلاح میں وہ شخص ہے جو تمام ضروریات دین کی تصدیق کرتا ہو، یعنی: ان اُمور کی، جن کا ثبوت شریعت میں معلوم ومشہور ہو، پس جو انکار کرے کسی چیز کا ضروریات دین میں سے، جیسے: حدوثِ عالَم، حشر، علم اللہ بالجزئیات اور فرضیتِ نماز وروزہ؛ تو وہ اہلِ قبلہ میں سے نہ ہوگا، اگرچہ وہ طاعات کا پابند ہو، اور اسی طرح وہ شخص بھی اہلِ قبلہ میں سے نہ ہوگا جو کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرے جو کہ تکذیب کی کھلی علامت ہے، جیسے: بت کو سجدہ کرنا، یا کسی ایسے امر کا ارتکاب کرنا کہ اس سے کسی امر شرعی کا استہزاء اور اہانت ہوتی ہو، تو وہ اہلِ قبلہ میں سے نہیں ہے۔ اور اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ارتکاب معصیت کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کی جائے، یا کسی اور خفیہ غیر مشہور کے انکار کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کی جائے۔ یہ وہ تحقیق ہے جسے محققین نے درست قرار دیا ہے، اس کو محفوظ کرلو''۔

(۱) النبراس على شرح العقائد، الاستهزآء على الشريعة كفر، ص: ۵۷۱، ۵۷۲.

علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاویؒ کی تشریح

علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی رحمہ اللہ ''فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث'' میں فرماتے ہیں:

"إذ لا يكفر أحد من أهل القبلة إلا بإنكارٍ قطعي من الشريعة"(۱).

ہم اہلِ قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے مگر شریعت کے کسی قطعی امر کے انکار کی وجہ سے۔

اسی طرح شارح ہدایہ المسمی بـ العناية علامہ بابرتی (۲) اور علامہ الغنیمی المیدانی (۳) رحمہما اللہ

(۱) فتح المغيث شرح ألفية الحديث، تنبيهات: ۳۱۰/۱

(۲)، (ونسمي أهل قبلتنا مسلمين مؤمنين ما داموا بما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم معترفين، وله بكل ما قال وأخبر مصدقين)، لقوله عليه السلام: "من صلى إلى قبلتنا، وأكل ذبيحتنا فهو منا"، فإذا كانوا معترفين بما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم من الشرع والدين، ومعتقدين التوحيد، ومتمسكين بالشريعة، نسميهم مؤمنين ونحكم عليهم بجميع أحكام المؤمنين، ونراعي ظواهرهم ونكِلُ ضمائرهم إلى الله، بقوله عليه السلام: "بعثت أتولى الظواهر، والله يتولى السرائر".

وإنما قال: "ما داموا بما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم معترفين"، لأن مجرد التوجه إلى قبلتنا لا يدل على الإيمان ما لم يصدق النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ فيما جاء به من الشريعة، فإن الغلاة من الرافضة الذين يدعون أن جبريل غلِط في الوحي لمحمد، فإن الله أرسله إلى عليّ، وبعضهم قالو: بأنه إلٰه، فهؤلاء وإن صلوا إلى القبلة ليسوا بمؤمنين. (شرح عقيدة الطحاوية للبابرتي، بيان شرط تسمية أهل القبلة مؤمنين، ص: ۸۹)

(۳)، (ونسمي أهل قبلتنا) وهم الذين شهدوا شهادتنا، واستقبلوا قبلتنا، وصلوا صلاتنا، وأكلوا ذبيحتنا (مسلمين) و (مؤمنين) وإن وصفوا بإرتكاب الكبائر فاسقين (ما داموا) أي: مدة دوامهم (بما) أي: بالذي (جاء به النبي صلى الله عليه وسلم معترفين، وله) صلى الله عليه وسلم (بكل ما قال وأخبر) به (مصدقين) جازمين به (غير مكذبين)، ففي صحيح البخاري عن ٠نس بن مالك رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من صلى صلاتنا، واستقبل قبلتنا، وأكل ذبيحتنا، فذٰلك المسلم الذي له ذمة الله وذمة رسوله، فلا تخفروا الله في ذمته"، وفيه: عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا: لا إلٰه إلا الله، فإذا قالوها وصلوا صلاتنا، واستقبلوا قبلتنا، وذبحوا ذبيحتنا، فقد حرمت علينا دماؤهم وأموالهم إلا بحقها، وحسابهم على الله". (شرح عقيدة الطحاوية للغنيمي الميداني، إيمان من صدق بكل ما جاء به النبي، ص: ۱۰۳)

وغیرہ نے بھی شرح العقیدۃ الطحاویہ میں اس بارے میں عمدہ بحث کی ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی تشریح

اہل قبلہ کی تکفیر کا مسئلہ

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے فرمودات کو بیان کرتے ہوئے علامہ بجنوری رحمہ اللہ انوار الباری میں فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں باب: فضل استقبال القبلة کے تحت جو احادیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ جو بھی توحید کی شہادت دے، اور ہمارے قبلہ کا استقبال کرے، ہماری طرح نماز پڑھے، اور ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے، وہ خدا کی پناہ اور ذمہ داری میں آ گیا، لہٰذا خدا کی پناہ میں کوئی خلل اندازی نہ کرے، سب کا فرض ہے کہ اس کے جان و مال کی حرمت سمجھ کر اس کی حفاظت کریں، بجز اس کے کہ وہ خود ہی اپنے کو قصاص وغیرہ کسی مواخذہ میں مبتلا کر لے، وغیرہ

ان احادیث سے ایک اصولی مسئلہ یہ سمجھا گیا کہ کسی اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ان تین باتوں کے ساتھ اس کے عقائد و اعمال کیسے ہی خلافِ حق اور قرآن وحدیث کے مخالف ہوں، وہ اہلِ قبلہ ہی باقی رہے گا، کیونکہ ان احادیث میں بھی شہادتِ توحید وغیرہ سے اشارہ اس طرف موجود ہے کہ بہ لحاظ عقیدہ مقتضیاتِ شہادتِ توحید کے خلاف کوئی امر اس سے صادر نہ ہوا ہو اور بہ لحاظِ عمل قبلہ و ذبیحہ کے بارے میں اس نے عامہ مسلمین سے الگ طریقہ اختیار نہ کیا ہو۔

سب جانتے ہیں کہ بہت سی احادیث میں صرف توحید سے تمام ایمانیات وعقائد مراد لیے گئے ہیں، جیسے: من قال لا إله إلا الله دخل الجنة، اور مسلم وغیرہ سے یہاں بھی ہم ذکر کر آئے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ان تمام چیزوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا جو آپ لے کر آئے ہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو شخص ہمارے ذبیحہ سے پرہیز کرے گا وہ ضرور ہمارے عقائد سے مختلف عقیدہ رکھتا ہوگا، یا جو شخص ہمارے ساتھ یا ہمارے امام کے پیچھے اپنی نماز جائز نہ سمجھے وہ ہم سے مخالف عقائد والا ہوگا۔

ایک مغالطہ کا ازالہ

بعض لوگوں کو قلتِ علم ونظر کے باعث یہ مغالطہ ہوا ہے کہ اہلِ قبلہ اور اہلِ تاویل کی تکفیر درست نہیں،

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ ''اکفار الملحدین'' میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے، جس کے بعد کسی بھی اہلِ علم ونظر کے لیے مسئلہ مذکورہ کی صحیح پوزیشن سمجھنے میں دقت پیش نہیں آسکتی، حضرتؒ نے فرمایا: ممانعتِ تکفیر اہل قبلہ کا اصل مأخذ سنن ابی داؤد کی یہ حدیث ہے کہ تین چیزیں اصلِ ایمان ہیں، ا۔ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے والے کے جان ومال پر دست درازی نہ کرنا، ۲۔ کسی گناہ کے ارتکاب کی بنا پر اس کو کافر نہ کہنا، ۳۔ کسی عمل کی وجہ سے اس کو اسلام سے خارج نہ سمجھنا۔ (ابو داؤد، کتاب الجهاد، باب: في الغزو مع ائمة الجور: ۳٤۲/۱)

اس حدیث سے دو باتیں خاص طور پر معلوم ہوئیں، ایک: یہ کہ کسی گناہ کے ارتکاب کے باعث ایک مسلمان کو کافر یا اسلام سے خارج نہ سمجھا جائے۔ دوسری: یہ کہ ارشاد مذکور کا زیادہ تعلق ائمہ جور سے ہے، اسی لیے مذکورہ تین باتوں کے ذکر کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جہاد کا یہ حکم میری بعثت سے دجال تک ضرور جاری رہے گا، خواہ ائمہ عدل کے ساتھ ہو کر کیا جائے، یا ائمہ جور کے ساتھ ہو کر کرنا پڑے، اس لیے امام ابو داؤدؒ اس حدیث کو عنوانِ مذکور کے تحت لائے ہیں، اور ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے بھی یہ ہے کہ عدمِ تکفیر اہلِ قبلہ کا تعلق دراصل امراء اور حکمرانوں سے ہے کہ ان کی پوری اطاعت ضروری ہے اور جب تک اس سے کھلا ہوا کفر ایسا نہ دیکھ لیا جائے کہ اس کے کفر ہونے پر قرآن وحدیث کی روشنی میں دلیل وبرہان موجود ہو، ان کے خلاف بغاوت کرنا جائز نہیں، جیسا کہ بخاری ومسلم کی احادیث میں مروی ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قسم کا کھلا ہوا کفر اگر کسی میں دیکھ لیا جائے تو پھر اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ اُس کو قائل کر کے لاجواب بھی کر دیا جائے، یا اس کے کھلے ہوئے قولی یا فعلی کفر وشرک کی اس سے تاویل معلوم کی جائے (کیونکہ اس کے معاملہ کو اُن دیکھنے والے اہل علم ونظر کے فیصلہ ورائے پر محول کر دیا گیا ہے، جن کی نظر قرآن وحدیث کے دلائل وبراہن پر حاوی ہو) کسی گناہ کی وجہ سے عدمِ تکفیر کی بات امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابواب الایمان میں باب: ما جاء لا یزني الزاني وهو مؤمن کے تحت اختیار کی ہے، جس کا حوالہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ''اکفار الملحدین'' کے حاشیہ میں دیا ہے۔

حضرتؒ نے اس مغالطہ کو بھی رفع کیا کہ بہت سے جاہلوں نے امام اعظم کی طرف بھی عدمِ تکفیر اہلِ قبلہ کی بات مطلقا منسوب کر دی ہے، حالانکہ محقق ابن امیر الحاج نے شرح تحریر میں امام صاحب کا قول بھی ولا

نکفر أهل القبلة بذنب نقل کیا ہے اور ان کا یہ ارشاد حسبِ تحقیق علامہ نوح آفندیؒ صرف معتزلہ اور خوارج کی تردید کے لیے ہے (کہ خوارج گناہِ کبیرہ کی وجہ سے مسلمان کو کافر کہتے ہیں اور معتزلہ اس کو ایمان سے خارج اور مخلد فی النار قرار دیتے ہیں لیکن ہم اہل سنت والجماعت نہ اس کو گناہِ کبیرہ کے باعث کافر کہتے ہیں نہ اسلام سے خارج اور مخلد فی النار، بلکہ مسلمان اور لائق مغفرت مانتے ہیں)۔ امام صاحب کی طرف غلط بات اس لیے بھی منسوب ہوگئی کہ سب نے آپ کا قول "منتقیٰ" کے حوالے سے بغیر بذنب کے نقل کیا ہے، مثلاً: شرح مقاصد اور مسایرہ میں وغیرہا حالانکہ بذنب کی قید موجود تھی، اور اسی لیے حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی اپنی کتاب الایمان میں لکھا کہ ہم جب یہ کہتے ہیں کہ اہلِ سنت اس امر پر متفق ہیں کہ گناہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر نہ کہا جائے تو اس گناہ سے مراد زنا، شراب خوری وغیرہ معاصی ہوتے ہیں، علامہ نوویؒ نے بھی شرح عقیدۃ الطحاویہ میں اس کی پوری طرح وضاحت کی ہے۔ اور لکھا کہ بذنب کی قید بتا رہی ہے کہ فسادِ عقیدہ کی بنا پر ضرور کافر کہا جائے گا۔ (نقلہ الملاعلی قاری فی شرح الفقہ الاکبر ص: ۱۹٦) ....

..........خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) عدمِ تکفیر اہلِ قبلہ کا حکم غیر ضروریاتِ دین وغیر امور قطعی الثبوت سے متعلق ہے۔

(۲) حکم عدمِ تکفیر اہلِ قبلہ کا تعلق امراء و حکمرانوں سے ہے۔

(۳) حکم مذکور کا تعلق ذنوب کے ساتھ ہے نہ کہ عقائد و ایمانیات کے ساتھ۔

ہم نے اکفار الملحدین کے مضامین کا خلاصہ اوپر پیش کر دیا ہے، باقی علماء اور اہلِ تحقیق ونظر کا پوری کتاب ہی کا مطالعہ کرنا چاہیے، ورنہ دور سے شاید وہ بھی یہی خیال کریں کہ "دار التکفیر" والوں نے یوں ہی بے تحقیق کچھ لکھ پڑھ دیا ہوگا۔ "والناس أعداء لما جهلوا"۔ ....

ایمان واسلام وضروریاتِ دین کی تشریح

قرآن وحدیث واجماع سے ثابت شدہ تمام امورِ غیبیہ اور اعمالِ طاعت کو ماننا ایمان ہے، اور اعمال کی ادائیگی اسلام ہے، پھر ان تمام ثابت شدہ امور کو ضروریاتِ دین کہتے ہیں اور ان کا انکار یا تاویل باطل کفر ہے۔

حضرت مجاہد وقتادہؒ نے آیت: ﴿یایها الذین امنوا ادخلوا فی السلام کافة﴾ (بقرہ) کی تفسیر میں فرمایا: یہ آیت مسلمانوں کو شریعت محمدیہ کے ہر ہر جزو کے التزامِ طاعت کی دعوت دیتی ہے، خواہ فرائض ہوں

یا مستحبات، واجب علی الاعیان ہوں یا واجب علی الکفایہ، اگر فرض عین ہو تو اعتقادِ فرضیت کے ساتھ ان کی ادائیگی بھی فرض ہوگی، اور اگر مستحبات ہوں تو ان کے استحباب کا اعتقاد لازم ہوگا اور عمل صرف مستحب کے درجہ میں ہوگا، غرض جن چیزوں کا بھی دین میں داخل ہونا سب کو معلوم ہو چکا ہے، وہ سب ایمانیات میں داخل ہیں، کیونکہ ''ایمان'' رسولِ خدا کی کامل ومکمل فرمانبرداری کا نام ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے ضروریاتِ دین کی تشریح کے بعد فرمایا، مثلاً: (۱) نماز پڑھنا فرض ہے اور اس کے فرض ہونے کا اعتقاد بھی فرض ہے، اور نماز سیکھنا بھی فرض ہے، اور فرض سے ناواقفیت یا اس کا انکار کفر ہے۔

(۲) مسواک کرنا سنت ہے مگر اس کے سنت ہونے کا اعتقاد فرض ہے، اور اس کے مسنون ہونے کا انکار کفر ہے، اس کا علم حاصل کرنا سنت ہے، ناواقفیت محرومی کا باعث ہے، اور اس پر عمل نہ کرنا عتابِ نبوی اور ترک سنت کے درجہ کے عذاب کا موجب ہے۔

اس کے مسنون ہونے کا انکار اس لیے کفر ہوا کہ اس کا معمولات نبویہ میں سے ہونا سب عام وخاص کو معلوم ہے، اور جو چیز بھی اس درجہ کی ہے وہ ضروریات دن میں داخل ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بھی اپنے فتاوی میں پوری تفصیل کے ساتھ ایمان وکفر کی بحث ذکر فرمائی ہے، آپ نے فرمایا: جو شخص بھی ضروریاتِ دین کا انکار کرتا ہے وہ اہلِ قبلہ (اور مسلمان) رہتا ہی نہیں اس لیے کہ ضروریاتِ دین وہ کہلاتے ہیں جو کتاب اللہ اور احادیثِ متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہو چکے ہیں، ان تینوں کے ذریعہ جتنے بھی عقائد واعمال فرض ونفل وغیرہ ثابت ہیں، ان سب کو ماننا ضروری ہے، پھر عقائد کو جاننا مستحب اور عمل بھی صرف مستحب کے درجہ میں رہے گا، لیکن ضروریاتِ دین میں سے انکار کسی ایک چیز کا بھی کفر ہوگا۔

تفصیل ضروریاتِ دین

مندرجہ ذیل حقیقتوں پر ایمان ویقین رکھنا ایک مومن کے لیے ضروری ہے:

(۱) وجودِ باری تعالیٰ مع تمام صفاتِ کمال اس طرح کہ وہ اپنی ذات وصفاتِ عالیہ کے لحاظ سے یکتا وبے مثال اور ازلی وابدی ہے، اور صفاتِ عیوب ونقصان صفاتِ مخلوق سے اس کی ذات سبحانہ تعالیٰ منزہ ومبرا ہے۔

(۲) حدوثِ عالَم: کہ حق تعالیٰ کے سوا پہلے سے کچھ نہ تھا، اس کے سوا تمامی موجوداتِ عالَم (علوی

وسفلی) اس کی قدرت وارادہ کے تحت موجود ومخلوق ہوئی ہیں۔

(۳) قضاء وقدر پر ایمان؛ کہ جو کچھ دنیا میں اب تک ہوا، یا اب ہو رہا ہے، اور آئندہ ہوگا، وہ سب اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی کے مطابق ہیں، اور اسی کے ارادہ وقدرتِ کاملہ سے ظہور ووجود حاصل کرتا ہے، اور بندوں کو جن اعمال کا مکلّف بنایا گیا ہے، ان کے لیے بندوں کو بھی بقدرِ ضرورت اختیار وارادہ عطا کر دیا گیا ہے، یعنی: بندہ نہ مجبورِ محض ہے، نہ مختارِ مطلق، اور جس درجہ میں بھی اس کو اختیار وارادہ دے دیا گیا ہے، بقدر اس کے ہی اعمال کی جزاء وسزا مقرر کر دی گئی ہے، جو سراسر عدل ہے، اسی لیے اس کے خلاف عقیدہ رکھنا کہ بندہ کو کچھ بھی اختیار نہیں، یا وہ مکمل طور سے مختارِ مطلق ہے، دونوں باتیں ایمان کے خلاف اور کفر میں داخل ہیں۔

(۴) فرشتے، جن اور انسان اس کی اہم ترین مخلوقات میں سے ہیں۔

(۵) بنی آدم کو اپنی ساری مخلوقات پر شرف بخشا اور ان کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنایا، اور زمین وآسمان کی ساری چیزوں کو اس کے لیے مسخر کیا۔

(۶) بنی آدم میں سے انبیاء علیہم السلام کو منتخب کیا، اور ان کو شرفِ نبوت ورسالت سے سرفراز فرما کر جن وانس کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔

(۷) ہدایت ورہنمائی کے لیے وحی کا سلسلہ قائم کیا اور کتابیں بھی نازل فرمائیں، مثلاً: تورات، زبور، انجیل وقرآنِ مجید۔

(۸) انبیاء علیہم السلام کی تعداد خدا کو معلوم ہے، یہ سلسلہ آخری پیغمبر سرورِ دوعالم افضل الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر ختم ہو گیا، آپ کے بعد کوئی نیا نبی دنیا میں نہیں آئے گا۔

(۹) آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر کر دینِ محمدی کی تائید وتقویت فرمائیں گے، وہ آسمان پر زندہ اٹھائے گئے تھے اور اس وقت بھی وہاں پر زندہ موجود ہیں اور دنیا میں آکر اپنے مفوضہ کاموں کی تکمیل کے بعد وفات پا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مطہرہ مقدسہ میں دفن ہوں گے (قرآن مجید اور صحیح متواتر احادیث سے یہ سب امور ثابت ہیں)۔

(۱۰) انبیاء علیہم السلام کے بعد مرتبہ ان کے صحابہ کا ہے، ان کے بعد تابعین، تبع تابعین، علماء واولیائے امت کے درجات ہیں۔

(۱۱) انبیاء علیہم السلام کے جن معجزات کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہو چکا ہے، ان سب کو درست بلا تاویل ماننا ضروری ہے۔

(۱۲) شریعت محمدیہ کے تمام احکام جو قرآن مجید وحدیث واجماع وقیاس سے ثابت ہیں، ان سب کو ماننا اور درجہ بہ درجہ ان پر عمل کرنا ضروری ہے، یعنی: فرائض، واجبات، سنن ومستحباتِ دین سب ہی کو دین کا جز و یقین کرنا تو ضروری ہے، باقی عمل کے لحاظ سے فرض پر عمل کرنا فرض (واجب پر عمل کرنا واجب، سنت پر عمل کرنا سنت، اور مستحب پر عمل کرنا) مستحب ہوگا، وغیرہ اسی طرح نواہی ومنکرات دین کا حکم ہے۔

(۱۳) مرنے کے بعد ہر شخص آخرت کی پہلی منزل میں مقیم ہوگا، جس کو ''برزخ'' کہتے ہیں۔

(۱۴) روزِ قیامت کا یقین؛ کہ ایک دن خدا کے حکم سے ساری دنیا، زمین وآسمان کی چیزیں فنا ہو جائیں گی۔

(۱۵) روزِ جزاء، یعنی: حساب وکتاب کا دن؛ کہ ہر مکلّف کے سارے اعمال کا جائزہ لے کر جزاء وسزا کا حکم کیا جائے گا۔

(۱۶) جنت وجہنم کا وجود برحق ہے، جنت میں ابدی نعمتوں کے مستحق ہمیشہ رہیں گے، اور جہنم میں ابدی عذاب کے مستحق ہمیشہ رہیں گے، اور کسی کے لیے موت نہ ہوگی۔

(۱۷) حق تعالیٰ کے مقرب وبرگزیدہ بندوں کی شفاعت گنہگار بندوں کے لیے باذن واجازتِ خدواندی ہوگی۔

(۱۸) جنت میں حق تعالیٰ شانہ کی دائمی خوشنودی اور دولتِ دیدار بھی حاصل ہوگی جو سب نعمتوں سے برتر اور افضل ہوگی۔

کفر کی باتیں

اوپر کی درج شدہ تمام ضروریاتِ دین اور جو دوسری کتبِ عقائد وکلام میں مفصل درج ہیں، سب ہی پر ایمان ویقین رکھنا مؤمن کے لیے ضروری ہے، اور کسی ایک چیز کا انکار بھی کفر کی سرحد میں داخل کر دینے کے لیے کافی ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کی توحید، یا کسی صفت، یا حدوثِ عالَم کا انکار، اور وجودِ جن وملائکہ، برزخ، جنت وجہنم، معجزات وغیرہ یا احکامِ اسلام میں سے کسی کا انکار یا تاویل بھی کفر ہے، اسی طرح کسی نبی کی نبوت کا انکار، یا کسی

آیتِ قرآنی کا انکار وتحریف، یا خاتم النبیین کے بعد کسی نبی کی نبوت کا اقرار، یا عالم کو قدیم سمجھنا، یا حق تعالیٰ جل ذکرہ، انبیاء وملائکہ کے بارے میں توہین وتحقیر کے الفاظ استعمال کرنا، اور کسی شخص میں کفر کی باتیں ہوتے ہوئے اس کو کافر نہ سمجھنا، یا اس کو کافر کہنے میں تامل وتردد کرنا بھی کفر ہے، کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کفر وایمان کی باتوں میں فرق نہیں کرتا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ مزید تفصیلات ودلائل کے لیے اکفار الملحدین اور کتب عقائد وکلام کا مطالعہ کیا جائے۔ واللہ الموفق (۱)

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیثِ باب (دوسری حدیث)

(۳۸۵) : حدّثنا نُعَيْمٌ قَالَ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ ٱلْمُبَارَكِ ، عَنْ حُمَيْدٍ ٱلطَّوِيلِ ، عَنْ أَنَسِ[۱] بْنِ مالِكٍ قَالَ : قَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ ٱلنَّاسَ ، حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللهُ ، فَإِذَا قَالُوهَا ، وَصَلَّوْا صَلَاتَنَا ، وَٱسْتَقْبَلُوا قِبْلَتَنَا ، وَذَبَحُوا ذَبِيحَتَنَا ، فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ ، إِلَّا بِحَقِّهَا ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى ٱللهِ) .

ترجمہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے لوگوں سے اس وقت تک قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک وہ ''لا الہ الا اللہ'' نہ کہہ لیں، پھر جب وہ یہ کہہ لیں اور ہماری طرح نماز پڑھ لیں اور ہمارے قبلے کی طرف منہ کرلیں اور ہمارا ذبیحہ کھائیں تو ہم پر ان کے جان ومال حرام ہوگئے، مگر حق کی بناء پر، اوران کا حساب اللہ کے سپرد ہوگا۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ میں کل چار رجال ہیں:

(۱) انوار الباری: ۱۲/۱۷۹-۱۹۳

(۲) مر تخریجه تحت الحدیث السابق رقمه: ۳۹۱

۱۔نعیم

یہ ابوعبداللہ نعیم بن حماد بن معاویہ بن الحرث المروزي رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: دفع السواك إلى الأكبر میں گزر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ابن المبارک

یہ مشہور امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کتاب بدء الوحی کی پانچویں حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

۳۔حمید الطّویل

یہ ابوعبیدہ حمید بن ابی حمید الطّویل الخزاعی البصری رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

۴۔انس بن مالک

یہ مشہور صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

شرحِ حدیث

أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا: لا إله إلا الله

---

(۱) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب: دفع السواك إلى الأكبر

(۲) كشف الباري: ۱/٤٦٢

(۳) كشف الباري: ۲/٥٧١

(٤) كشف الباري: ۲/٤

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ (کلمہ توحید) لا الہ الا اللہ نہ کہہ لیں۔

"أُمِــــرتُ" صیغہ مجہول ہے، مراد اس سے یہ ہے کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے، معروف کو چھوڑ کر مجہول کا صیغہ اس لیے استعمال کیا کہ فاعل مشہور و معروف ہے اور اس میں فاعل (اللہ تعالی) کی تعظیم بھی ہے(۱)۔

"الناسَ" سے مراد مشرکین ہیں(۲)۔

اقرارِ توحید کے ساتھ اقرارِ رسالت ذکر نہ کرنے کی حکمت

"حتی یقولوا" یہاں تک کہ وہ کلمہ توحید کا اقرار کرلیں، یہاں اقرارِ توحید کے ساتھ اقرارِ رسالت کو ذکر نہیں کیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے یہاں کنایۃً رسالت کا اقرار مذکور ہے، وہ اس طرح کہ نماز کا طریقِ محمدی کے ساتھ ادا کیا جانا، جہتِ قبلہ کو قبلہ بنانا، طریقِ محمدی پر ہی جانور ذبح کرنا، سب اُمور قرارِ رسالت کی طرف ہی مشیر ہیں، اس لیے کہ یہ تینوں اُمور شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص ہیں، اس لیے کہ محض "لا الہ الا اللہ" کہنے والے یہود کی نماز رکوع سے خالی تھی، اور ان کا قبلہ کعبہ کے علاوہ کوئی اور تھا، اور ان کا ذبیحہ بھی ہمارے ذبیحہ کی طرح نہیں ہوتا تھا، چنانچہ صرف "لا الہ الا اللہ" کا اقرار ہی اقرارِ رسالت بھی ہے۔

جیسا کہ کوئی شخص کہے کہ میں نے "الم ذلك الکتاب" کی قراءت کی، تو اس سے مراد محض یہ الفاظ ہی نہیں ہوتے، بلکہ پوری سورت کی قراءت مراد ہوتی ہے، چنانچہ اب کہا جائے گا کہ جس شخص کے اس زبانی قول کے ساتھ اس کا فعل مل گیا، یعنی: جب لوگ زبان سے یہ کلمہ کہہ لیں گے اور فعل کے ساتھ اس کلمہ کے معنی کو ثابت کردیں گے تو اس کے مال و جان کی حرمت دیگر مسلمانوں کی طرح ہی ہوجائے گی(۳)۔

"صلوا صلاتنا" سے مراد رکوع و سجود والی نماز ہے(۴)۔

"ذبحوا ذبیحتنا"، مصری نسخوں میں اس جگہ اسی طرح ہے، یعنی: "ذبحوا" لیکن ہندی نسخوں میں "ذبحوا" کی جگہ "أکلوا" ہے(۵)۔

---

(۱)عمدة القاري: ٤/١٨٨ـ الكوثر الجاري: ٢/٧٨ـ إرشاد الساري: ٢/٥٤

(٢)عمدة القاري: ٤/١٨٨ـ الكوثر الجاري: ٢/٧٨ـ إرشاد الساري: ٢/٥٤

(٣)عمدة القاري: ٤/١٨٨ـ إرشاد الساري: ٢/٥٤

(٤)اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ٣/١٣٣ـ إرشاد الساري: ٢/٥٤

(٥) صحيح البخاري: ١/٥٦، قديمي ـ ١/١١٧، الطاف سنز كراتشي

یہی وجہ ہے کہ لامع الدراري میں اس مقام پر "قوله: ذبيحتنا" کہہ کر تشریح کی گئی ہے(۱)۔

علامہ برماوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: تقاضا تو یہ ہے کہ اس جگہ "أكلوا" ہوتا نہ کہ "ذبحوا"، چنانچہ مراد اس سے یہ ہے کہ "ذبحوا مثل ذبيحتنا"(۲).

"ذبيحتنا" سے مراد "مذبوحتنا" ہے، یعنی: ذبح کیا ہوا جانور، اس طرح "ذبيحة" فعيلة کے وزن پر "مذبوح" کے معنی میں ہے، تو عبارت بنے گی: "ذبحوا المذبوح مثل مذبوحنا"(۳).

ایک لغوی اشکال اور اس کا جواب

اس مقام پر علامہ کرمانی رحمہ اللہ ایک اعتراض اور اس کا جواب لکھتے ہیں کہ

اگر کوئی اعتراض کرے کہ "فعيل" جب مفعول کے معنی میں ہو تو اس میں مذکر ومؤنث دونوں برابر ہوتے ہیں، تو پھر اس جگہ (جب کہ فعیل مفعول کے معنی میں ہے تو) اس کے ساتھ "التاء" کو کیوں لاحق کیا گیا ہے؟ (جو کہ صرف مؤنث پر دلالت کرتی ہے)۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا اس لفظ پر اسمیت کے غلبہ کی وجہ سے کیا گیا، (دوسری بات یہ کہ) فعیل کے وزن میں مذکر ومؤنث اس وقت برابر ہوتے ہیں جب یہ موصوف کے ساتھ مذکور ہو، اور جب یہ لفظ موصوف کے بغیر تنہا ہو تو اس وقت اس میں مذکر ومؤنث برابر نہیں ہوتے (۴)۔

(۱) لامع الدراري: ۲/ ۲٦۱

(۲) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبِرماوي: ۳/ ۱۳۳

(۳) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبِرماوي: ۳/ ۱۳۳۔ عمدة القاري: ٤/ ۱۸۸۔ تحفة الباري: ۲/ ۹٦

(٤) شرح الكرماني: ٤/ ٥٥

اس اعتراض کے جواب کی جو تفصیل عمدة القاري میں نقل کی گئی ہے، وہ اس طرح ہے:

"فإن قلت: "فعيل" إذا كان بمعنى المفعول يستوي فيه المذكر والمؤنث، فلا تدخله التاء، قلت: لما زال عنه معنى الوصفية وغلبت الإسمية عليه، واستوى فيه المذكر والمؤنث، فدخله التاء، وقد يقال: إن الاستواء فيه عند ذكر الموصوف معه، وأما إذا انفرد عنه منه فلا". (عمدة القاري: ٤/ ۱۸۸)

اس عبارت میں ایک جملہ "واستوىٰ فيه المذكر والمؤنث" (جو کہ عمدة القاری کے دیگر مطبوع نسخوں میں بھی اسی طرح ہے) محلِّ نظر ہے، اس لیے کہ اس مقام پر علامہ عینی رحمہ اللہ معترض کا جواب دے رہے ہیں =

فقد حرمت علينا دماؤهم وأموالهم

توان کے خون اوران کے اموال ہم پرحرام ہوجائیں گے۔

"حرُمت"، "ح" کی زبراور"را" کی پیش کے ساتھ ہے، یعنی: کَرُمَ یَکرُمُ کے باب سے، اس میں دوسری لغت یہ بھی ہے کہ یہ باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ "حُرِّمَت" ہو۔

علامہ سیوطی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے اول الذکر کو ترجیح دی ہے(۱)۔اور علامہ برماوی رحمہ اللہ نے دوسری کو(۲)۔لیکن اس پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے رد کیا ہے اور پہلی رائے کو ہی راجح قرار دیا ہے(۳)۔

إلا بحقها

مگرحق کی بنا پر۔

علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: أي: إلا بحق الدماء والأموال"(٤).

= کہ معترض صاحب آپ کا بیان کردہ قاعدہ ٹھیک ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جب "فعیل" کے ساتھ اس کا موصوف بھی ذکر کیا گیا ہو، چنانچہ ایسی صورت میں اس پر "تا" داخل نہیں ہوتی۔لیکن جب "فعیل" سے معنی وصفیت زائل ہوجائیں اور اس پر اسمیت غالب آجائے (جیسا کہ ہمارے مبحوث عنہا عبارت میں ہے) تو اس پر "تا" داخل ہوتی ہے، چنانچہ "غلبت الإسمية عليه" کے بعد والی عبارت "واستوىٰ فيه المذكر والمؤنث" جواب اور قاعدہ کے مطابق نہیں بنتی، اس لیے کہ یہاں تو استویٰ کی نفی کرنا چاہ رہے ہیں، تو پھر اس کو یہاں کیسے ذکر کردیا؟

نیز! یا تو یہ کہا جائے گا کہ یہ علامہ عینی رحمہ اللہ سے یا ناقلین وکاتبین وغیرہ کی طرف سے تسامح ہوگیا ہے، یا پھر ایک دور کی تاویل کرتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ اس جملہ سے مراد یہ ہے کہ جب "فعیل" کے وزن میں اسمیت غالب آجائے تو اس وقت اُس میں مذکر ومؤنث دونوں؛ حکم کے اعتبار سے برابر ہیں کہ ان میں سے ہر ایک مستقل حکم رکھے گا، دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے تابع نہیں ہوگا، بلکہ حکم کے اعتبار سے ہر ایک مستقل ہونے میں برابر ہے۔

نیز! اس کے بعد والے جملہ "فدخله التاء" پر بھی "ف" داخل نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ یہ جملہ جوابِ لمّا ہے اور جوابِ لمّا پر "ف" داخل نہیں ہوتی۔

(۱) التوشيح للسيوطي: ٤٨٤/٣۔ فتح الباري: ٦٤٤/١

(۲) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبِرماوي: ١٣٤/٣.

(۳) فتح الباري: ١/ ٦٤٤

(٤) عمدة القاري: ١٨٨/٤

یعنی: اگر ایسے شخص پر مال یا جان کا تاوان وقصاص واجب ہوا تو وہ اس سے ضرور وصول کیا جاوے گا اور یہ وصول کیا جانا ہمارے اس سے کیے گئے عہد اور ذمہ کے خلاف متصور نہ ہوگا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"أي: بحق الكلمة والإسلام"، اور حق اسلام کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا کام کرے، جس پر اسلام میں حفظ دم وغیرہ نہ ہوگا، مثلا: کوئی اس کو قتل کر دے، یا محصن زنا کر لے تو پہلا شخص قصاصا قتل کیا جائے گا اور دوسرا رجم کیا جائے گا(۱)۔

وحسابهم على الله

اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک اس جملہ کا تعلق منافقین سے ہے کہ ان کا حساب اللہ کے ہی سپرد ہے، یعنی: روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو آدمی ظاہری طور پر اسلامی کلمہ کا اقرار کرے، اسلامی شعار ظاہر کرے، مثلا: فقط منہ سے کہہ دے کہ میں مسلمان ہو گیا، یا کلمۂ ایمانی پڑھ لے تو اب اس سے تعرض جائز نہیں، البتہ اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے کہ اس کے دل میں نفاق ہے یا اسلام، کیوں کہ دل کی حالت کو وہی جانتا ہے(۲)۔

"على الله"، لفظ علی اس مقام پر محض تشبیہ کے لیے ہے کہ کسی امر کے وقوع کے تحقق میں یہ ایسا ہے جیسے اللہ کے ذمہ کوئی چیز لازم ہو، ورنہ حقیقت میں اللہ پر کوئی چیز لازم نہیں ہے، یا پھر اس جگہ "على" لام کے معنی میں ہے، یا "إلى" کے معنی میں ہے، چنانچہ معنی ہوگا کہ "حسابهم موكول أو مفوض إلى الله" کہ ان کا حساب اللہ کے حوالے(۳)۔

---

(۱) تقرير بخاري شريف: ۲/ ۱۳۹

(۲) سراج القاري: ۲/ ۴۲۶، ۴۲۷

(۳) عمدة القاري: ۴/ ۱۸۸۔ إرشاد الساري: ۲/ ۵۴، مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ۱۱، ۱/ ۱۵۱۔

نوٹ: مذکورہ حدیث کی تشریح سے متعلقہ بہت سی اہم مباحث کشف الباری، کتاب الایمان، باب: فإن تابوا وأقاموا الصلاة............ میں گزر چکی ہے، ملاحظہ ہو، کشف الباری: ۲/ ۱۳۶ - ۱۵۲

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس باب کی پہلی حدیث اس بارے میں تھی کہ جو شخص شعائر اسلام ظاہر کرنے والا ہو تو اس سے کوئی تعرض نہ کرو، نہ اس کی جان میں اور نہ اس کے مال میں، یہاں تک کہ اس شخص سے اس شعارِ دین کے خلاف کوئی امر سرزد ہو جائے۔

اور دوسری حدیث اس بارے میں ہے کہ جو شخص شعائر دین کو تسلیم کرنے والا نہ ہو اس کے درپے رہو، یہاں تک کہ وہ ان شرائط کو تسلیم کرلے(۱)۔

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

تعلیق

قَالَ ٱبْنُ أَبِي مَرْيَمَ : أَخْبَرَنَا يَحْيَى : حَدَّثنا حُمَيْدٌ : حَدَّثنا أَنَسٌ ، عَنِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ .

تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کی تخریج میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ "ہدی الساري" میں لکھتے ہیں:

"ورواية ابن أبي مريم عن يحيى هو ابن أيوب وصلها محمد بن نصر المروزي في كتاب "تعظيم الصلاة"، والبيهقي وابن منده في الإيمان"(۲).

یعنی: اس تعلیق کو موصولا المروزی، البیہقی اور ابن مندہ رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے، محمد بن نصر بن الحجاج المروزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "تعظيم قدر الصلاة" میں اس سند کے ساتھ مذکورہ تعلیق کو موصولا نقل کیا ہے:

حدثنا محمد بن يحيى ثنا ابن أبي مريم أنا يحيى يعني: ابن أيوب، قال: أخبرني حميد أنه سمع أنس بن مالك، يقول: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله، وأن محمدا رسول الله، فإذا شهدوا أن لا إله

(۱) أعلام الحديث للخطابي: ۲/۳۷۷

(۲)هدي الساري، الفصل الرابع في بيان السبب في إيراده للأحاديث المعلقة، ص: ۳۰

إلا الـله، وأن محمدا رسول الله، وصلوا صلاتنا، واستقبلوا قبلتنا، وأكلوا ذبيحتنا، حرمت علينا أموالهم ودماؤهم إلا بحقها، له ما للمسلمين وعليه ما عليهم(۱).

اورامام بیہقی رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل سند کے ساتھ مذکورہ تعلیق موصولا نقل کی ہے:

أخبرنا علي بن محمد بن عبد الله بن بِشران العدل ببغداد، أنبأ أبو الحسن علي بن محمد المصري، ثنا يحيى بن أيوب، ثنا سعيد بن أبي مريم، ثنا يحيى بن أيوب، حدثني حميد أنه سمع أنس بن مالك رضي الله عنه يقول: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ”أمرت أن أقاتل المشركين حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، فإذا شهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، وصلوا صلاتنا، واستقبلوا قبلتنا، وأكلوا ذبيحتنا، حرمت علينا أموالهم ودماؤهم إلا بحقها، له ما للمسلم، وعليه ما على المسلم“(۲).

اورابن مندہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الایمان میں مذکورہ تعلیق کی موصولا جوتخریج کی ہے وہ یہ ہے:

أخبرنا عمر بن الربيع بن سليمان، ثنا يحيى بن أيوب المصري، حدثني حميد الطويل أنه سمع أنس بن مالك يقول: ”إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ”أمرت أن أقاتل المشركين حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، وصلوا صلاتنا، واستقبلوا قبلتنا، وأكلوا ذبيحتنا، حرمت علينا أموالهم ودماؤهم إلا بحقها، لهم ما للمسلمين، وعليهم ما على المسلمين“(۳).

---

(۱)تعظيم قدر الصلوٰة للمروزي، أول فريضة بعد الإخلاص بعبادة الله، رقم الحديث: ۱۰، ۹۳/۱

(۲)سنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب: لا يأثم مسلم بكافر لقول، رقم الحديث: ۵۳۴۷، ۹۲/۳

(۳)الإيمان لابن منده، ذكر الأخبار التي جاء ت عن النبي صلى الله عليه وسلم الدالة على أساس الإيمان وشعبه، رقم الحديث: ۱۹۱، ۳۵۵/۱

تعلیق کے رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ میں کل چار رجال ہیں:

۱۔ابن ابی مریم

یہ ابومحمد سعید بن الحکم بن محمد بن سالم جمحی المصری رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: من سمع شيئا فراجع حتى يعرفه، میں گزر چکے ہیں(۱)۔

۲۔یحیی

یہ یحیی بن ایوب الغافقی المصری رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: البزاق والمخاط ونحوه في الثوب میں گزر چکے ہیں(۲)۔

۳۔حمید

یہ ابوعبیدہ حمید بن ابی حمید الطّویل الخزاعی البصری رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب:خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

۴۔انس بن مالک

یہ مشہور صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

---

(۱) کشف الباری: ۱۰٦/٤

(۲) کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: البزاق والمخاط ونحوه في الثوب.

(۳) کشف الباري: ٥٧١/٢

(٤) کشف الباري: ٤/٢

تعلیق کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں خالد بن حارث کی روایت ذکی کی تھی، جو حمید الطّویل سے نقل کرنے والے تھے، اب اس تعلیق میں یحیی بن ایوب کی روایت حمید الطّویل سے ذکر کر کے متابعت کی ہے، اور اس میں حمید کے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح کی ہے(۱)۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ تعلیق کو اس لیے ذکر فرمایا کہ حمید الطّویل کے متعلق تدلیس کا قول منقول ہے، اور انہوں نے ترجمۃ الباب کی دوسری روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بصیغۂ عن نقل کیا ہے، اور مدلس کے عنعنہ میں تدلیس کا احتمال رہتا ہے، اس لیے تحدیث ثابت کرنے کے لیے اس روایت کا ذکر فرمایا(۲)۔

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

دوسری تعلیق

وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ : حَدَّثَنا خَالِدُ بْنُ ٱلحارِثِ قَالَ : حَدَّثَنا حُمَيْدٌ قَالَ : سَأَلَ مَيْمُونُ ٱبْنُ سِيَاهٍ(۳) أَنَسَ بْنَ مالِكٍ قَالَ : يَا أَبَا حَمْزَةَ ، مَا يُحَرِّمُ دَمَ ٱلْعَبْدِ وَمَالَهُ ؟ فَقَالَ : مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللهُ ، وَٱسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا ، وَصَلَّى صَلَاتَنَا ، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا ، فَهُوَ ٱلْمُسْلِمُ ، لَهُ مَا لِلْمُسْلِمِ ، وَعَلَيْهِ مَا عَلَى ٱلْمُسْلِمِ .

تعلیق کے رجال

مذکورہ تعلیق کے کل چار رجال ہیں:

---

(١)عمدة القاري: ١٨٨/٤

(٢)تقرير بخاري شريف: ١٤٠/٢ـ الكنز المتواري: ٧٩/٤

(٣) هذا معلق وموقوف، ووافقه النسائي عليه في سننه، كتاب تحريم الدم، رقم الحديث: ٣٩٩٨.

وفي جامع الأصول، حرف الهمزه، الكتاب الأول: في الإيمان والإسلام، الباب الثاني: في أحكام الإيمان والإسلام، الفصل الأول: في حكم الإقرار بالشهادتين، رقم الحديث: ٣٨، ٢٤٧/١

۱۔علی بن عبداللہ

یہ ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح سعدی بصری رحمہ اللہ ہیں،ابن المدینی کے نام سے معروف ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری،کتاب العلم،باب: المفهم في العلم میں گزر چکے ہیں(۱)۔

۲۔خالد بن الحارث

ان کا پورا نام خالد بن الحارث بن عبید بن سلیمان بن عبید بن سفیان بن مسعود رحمہ اللہ ہیں۔

ان کی کنیت ابوعثمان البصری ہے،سلیمان بن الحارث کے بھائی ہیں،تمیم قبیلہ کی شاخ بنوالعنبر کی شاخ بنوالھجیم سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان کے اساتذہ ومشائخ کی ایک لمبی فہرست ہے،ان میں سے

حمید الطّویل،حاتم بن ابی مغیرہ،سعید بن ابی عروبہ،سفیان الثوری،شعبہ بن الحجاج،عبداللہ بن عون، عبدالحمید بن جعفر وغیرہ رحمہم اللہ بھی ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں

علی بن عبداللہ ابن المدینی،ابوالشعث احمد بن مقدام عجلی،اسحاق بن راہویہ،عبداللہ بن وھاب الجحی، اورعمرو بن علی وغیرہ رحمہم اللہ اور ایک بڑی جماعت ہے۔

یحیی بن سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سفیان اور خالد بن الحارث سے بہتر کوئی اورنہیں دیکھا۔

ابوزرعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے: خالد الصدوق

ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إمام ثقة

امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثقة ثبت

یہ ایک سو بیس ہجری میں پیدا ہوئے اور ایک سو چھیاسی ہجری میں فوت ہوئے(۲)۔

---

(۱) كشف الباري: ۲۹۷/۳

(۲) تهذيب الكمال: ۳۵/۸-۳۸، الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: ۲۹۱/۷، سير أعلام النبلاء: ۱۲٦/٦، تهذيب التهذيب: ۸۲/۳، إكمال تهذيب الكمال للمغلطائي: ۳۰۹/۱

۳۔میمون بن سیاہ

ان کا تعارف کشف الباری کی اسی جلد میں باب: فضل استقبال القبلة، کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

تعلیق کا ترجمہ

حمید نے کہا کہ میمون بن سیاہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اے ابوحمزہ! کون سی چیز آدمی کے جان ومال کو حرام کر دیتی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور ہمارے قبیلہ کی طرف منہ کرے، ہماری طرح نماز ادا کرے، اور ہمارے ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت کھائے تو وہ مسلمان ہے، جو مسلمانوں کا حق ہوتا ہے، وہی اس کے لیے ہے اور جو مسلمانوں پر لازم ہے، وہی اس پر لازم ہے۔

شرح تعلیق

يا ابا حمزه! یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے(۲)۔

وما يحرم ؟ اصیلی کی روایت میں اس جملہ کی ابتداء میں "و" نہیں ہے، اثبات کی صورت میں اس "واو" میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ یہ استینافیہ ہو اور "ما يحرم" سے کلام مستانف ہو۔ اور دوسرا احتمال "واو عاطفه" ہونے کا ہے، اس صورت میں اس کا معطوف علیہ "شیئ" محذوف ہوگا، یعنی: عبارت اس طرح ہو گی: "سأل عن شيئ ثم قال: وما يحرم"(۳)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں پر اشکال یہ ہے کہ جواب سوال کے مطابق نہیں ہے کیوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سببِ

---

(۱) كشف الباری، كتاب الصلاة، باب: فضل استقبال القبلة، ص: ۱۸۰

(۲)عمدة القاري: ۱۸۹/٤۔ إرشاد الساري: ۵۵/۲

(۳)فتح الباري: ٦٤٥/۱۔ عمدة القاري: ۱۸۹/٤۔ إرشاد الساري: ۵۵/۲

تحریم (یعنی: کون سی چیز آدمی کی جان و مال کو حرام کرتی ہے) کے متعلق سوال کیا گیا تھا، اس کے جواب میں انہوں نے "من شهد أن لا إله إلا الله" فرمایا، تو ظاہر ہے کہ جواب سوال کے مطابق نہیں ہوا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اصولی طور پر جواب دیا، بایں معنی! کہ جو شخص کلمۂ شہادت کا اقرار کرے، ہمارے طریقہ پر نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے، اور ہمارے ذبیحہ کو استعمال کرے تو ایسا شخص مسلمان ہے، اور مسلمان کا خون بہانا اور اس کے مال کے درپے ہونا حرام ہے۔

یعنی: انہوں نے جس طرز پر جواب دیا اس سے خود بخود علم ہو گیا کہ کیا چیز مسلمانوں کے جان و مال کو حرام کرتی ہے(۱)۔

ما للمسلم: مراد جو منافع مسلمانوں کو پہنچیں گے، وہی اس مسلم کو ملیں گے۔

ما علی المسلم: مراد جو مضرت مسلمانوں کے لیے ہوگی وہی اس مسلم کے لیے ہوگی (۲)۔

تعلیق کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہ ایک اور استاد پیش کر رہے ہیں، ماقبل میں ان کے استاد پہلی حدیث میں عمرو بن عباس تھے، دوسری حدیث میں نعیم تھے، اور یہاں علی بن المدینی کی روایت بیان کر رہے ہیں، اسی باب کی پہلی حدیث میں میمون بن سیاہ کی روایت پیش کی تھی، یہاں اس کی تقویت بیان کرنا مقصود ہے، وہاں میمون سے نقل کرنے والے منصور بن سعد تھے، اور یہاں حمید الطّویل ہیں، اس لیے یہ حمید کی روایت منصور کی روایت کے متابع ہے، اور یہ دونوں میمون سے روایت کر رہے ہیں، اس طرح تائید ہوگئی، اور سماع کی تصریح بھی ہوگئی، پہلی روایت میں عن انس بن مالک تھا اور یہاں "سأل" ہے تو یہ سماع ہو گیا (۳)۔

(۱)فتح الباري: ۱/٦٤٥۔ عمدة القاري: ١٨٩/٤

(۲)عمدة القاري: ١٨٩/٤۔ إرشاد الساري: ٥٥/٢

(۳)عمدة القاري: ١٨٩/٤۔ إرشاد الساري: ٥٥/٢

٢ – باب[1] : قِبْلَةِ أَهْلِ ٱلْمَدِينَةِ ، وَأَهْلِ ٱلشَّأْمِ ، وَٱلْمَشْرِقِ .

لَيْسَ فِي ٱلْمَشْرِقِ وَلَا فِي ٱلْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ ، لِقَوْلِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ : (لَا تَسْتَقْبِلُوا ٱلْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ ، وَلٰكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا) .

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں بیان کر چکا ہوں کہ امام بخاریؒ کی ساری کمائی ان کے تراجم ہیں اور میں نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ چونکہ امام بخاریؒ کا وظیفہ طرق استنباط ہے، اس لیے تعلیم کے لحاظ سے بخاری شریف درجہ ثالث میں ہے، گو فضیلت کے لحاظ سے سب سے مقدم ہے اور ساری روایاتِ بخاری صحیح ہیں، اگر کسی نے کلام کیا ہے تو غلط کیا ہے، تو ان کے تراجم کا اثبات خود ایک معرکۃ الآراء چیز ہے اور پھر میں نے باب:"من بدأ بالحلاب والطیب" میں یہ بتلایا تھا کہ کچھ تراجم ایسے بھی ہیں، جن کے اندر شراح ومشائخ نے طبع آزمائی فرمائی ہے اور اپنی کوشش صَرف فرمائی ہے اور پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ امام بخاریؒ کی غرض اِن اَبواب سے کیا ہے؟ گو توجیہ ہر جگہ کرتے ہیں، چنانچہ! یہاں بھی توجیہ بیان کروں گا، کیونکہ یہ باب بھی ان ہی ابواب میں سے ہے جو معرکۃ الآراء ہیں۔

حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں:"باب قبلة أهل المدينة وأهل الشام" اہلِ مدینہ کا قبلہ تو جنوب میں ہے، اس لیے کہ ''مکہ'' مدینہ سے جنوب کی طرف واقع ہے اور اہلِ شام کا قبلہ بھی جنوب میں ہے، اس لیے کہ ''شام'' مدینہ سے شمال کے اندر واقع ہے، یہاں تک تو کوئی اشکال نہیں، مگر آگے جو"والمشرق"کا حضرت امام بخاریؒ نے بڑھا دیا ہے، یہ کسی طرح صحیح نہیں ہوتا، اس لیے کہ بعض شراح کی رائے تو یہ ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ اور بعض [شراح] کی رائے ہے کہ یہ اشکال اُس وقت ہوتا ہے، جب کہ اس [والمشرقِ] کو ''جرّ'' کے ساتھ پڑھا جائے، اور اگر اس [والمشرقُ] کو ''رفع'' کے ساتھ پڑھا جاوے اور خبر محذوف مانی جائے تو پھر

---

(۱) کشف الباری میں الدکتور مصطفیٰ دیب البغا کے جس نسخے کو بطور متن کے بنیاد بنایا گیا ہے، اس نسخے کے مطابق اس باب کا نمبر ''ابواب القبلۃ'' کے تحت ''دو'' ہے، جب کہ دیگر نسخ میں جو فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری وغیرہ میں ہیں، کے مطابق اس باب کا نمبر ''انتیس'' ہے۔

کوئی اشکال نہیں، اس صورت میں تقدیری عبارت یہ ہوگی: "والمشرقُ بخلافهما"، یعنی: ''قبلةُ أهلِ المشرق قبلةُ أهلِ مدينة والشام"، مگراس توجیہ پر اشکال یہ ہے کہ پھر اس مخالفت میں مشرق ہی کی کیا تخصیص ہے؟ مغرب کا بھی قبلہ ان دونوں کے خلاف ہے، علامہ عینیؒ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں "والمغرب" محذوف ہے، علی طريقة قوله تعالىٰ: ﴿سرابيل تقيكم الحر﴾ أي: والبرد یعنی: أحد المتقابلين کے ذکر پر اکتفاء کرلیا۔ کیونکہ دوسرا خود سمجھ میں آجائے گا، مگر اس مجموعے پر دو اشکال وارد ہوتے ہیں: ایک تو یہ کہ پھر یہ ترجمہ شانِ بخاریؒ کے موافق نہیں رہتا، کیونکہ یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ جو ایک جہت والوں کا قبلہ ہوگا وہ دوسری جہت والوں کا نہیں ہوگا۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: '' والمشرق ''جو روایت میں مذکور ہے وہ ''جر'' کے ساتھ ہے۔

اب تم یہ سنو کہ "والمشرق "جر کے ساتھ ہے نہ کہ رفع کے ساتھ، اب اِشکال جو یہاں پیش آیا اِس کی وجہ یہ ہے کہ "والمشرق "سے عام مراد لیا گیا ہے، حالانکہ حضرت امام بخاریؒ کی غرض اس سے عام نہیں ہے، بلکہ خاص ہے۔ اور خاص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے خاص خطے کے لوگ مراد ہیں، جو بخارا و مرو وغیرہ کے ہیں، یہ علاقے اُس زمانے میں ''مشرق'' کہلاتے تھے، اور ''شام'' چونکہ اس سے مغرب میں واقع ہے، اس لیے وہ ''مغرب'' کہلاتا تھا، تو یہاں پر ''مشرق'' سے مراد خاص بخارا اور مرو وغیرہ ہیں، جو ''شام'' کے مقابل میں مراد ہیں اور اہلِ شام ان کے مقابل میں ''مغرب'' میں ہیں اور بخارا و مرو وغیرہ سے قبلہ جنوب کی جانب میں ہے، لہٰذا جو اہلِ مدینہ وشام کا قبلہ ہے، وہی اہلِ مشرق خاص یعنی: اہلِ بخارا و مرو وغیرہ کا قبلہ ہوا۔ مگر چونکہ مرو وغیرہ تھوڑا سا مشرق میں دے کر واقع ہے، اس لیے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے امام ترمذیؒ نے ترمذی شریف میں واختار ابن المبارك لأهل مرو التياسر نقل کیا ہے کہ ذرا سا بائیں طرف کو مائل ہو کر نماز وغیرہ پڑھیں۔ اب اشکال نہیں رہا اور کوکب الدری صفحہ ایک سو باسٹھ جلد اول کے حاشیہ میں جہاں حضرت ابن المبارکؒ کا یہ مقولہ ترمذی میں مذکور ہے، وہاں بخارا اور مرو، مکہ، مدینہ اور شام کی صورت بنا کے میں نے واضح کر دیا ہے کہ مطلق اہلِ مشرق کا قبلہ مغرب ہے، جیسے: ہم بالکل مشرق کے اندر واقع ہے، لہٰذا مغرب ہے(۱)۔

---

(۱) تقریر بخاری شریف: ۲/۱۴۳، ۱۴۴

حضرت کشمیریؒ کی رائے

امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ اہلِ مدینہ اور کعبہ کے لحاظ سے اسی کی سمت میں واقع ہونے والے ملکِ شام اور مدینہ طیبہ سے مشرق والے بلاد کا قبلہ ان کی مشرقی ومغربی سمت میں نہیں ہے اور اسی لیے حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ قضائے حاجت کے وقت مشرق ومغرب کی سمت میں تمہارے لیے رُخ کرنے کی اجازت ہے کہ یہ کعبہ معظّمہ کی تعظیم میں مخل نہیں ہے، امام بخاریؒ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا کے کسی حصہ کے لوگوں کے لیے بھی مشرق ومغرب کی سمت میں قبلہ نہیں ہے، کیوں کہ امام بخاریؒ جیسے جلیل القدر علامہ زماں سے اس کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی۔

تاہم علامہ ابنِ بطالؒ نے امام کی یہی مراد قرار دے کر اس کو صحیح کرنے کی یہ توجیہ کی کہ کعبہ کے مشرق ومغرب میں بھی جن کے بلاد اس خط کے نیچے واقع ہیں، جو مشرق ومغرب تک کعبہ کے اوپر سے گزرتا ہے، صرف ان کو چھوڑ کر باقی ان سب کے لیے جو اس خط کے دائیں بائیں آباد ہیں، انحراف کی وجہ سے جواز کی گنجائش ہے، جس طرح حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے کیا کہ شام جا کر عیسائیوں کے زمانہ کے سمتِ قبلہ پر بنے ہوئے بیت الخلاؤں کا استعمال انحراف کے ساتھ کیا اور چونکہ اس معمولی انحراف کے وہ عادی نہ تھے، اس کو طبعًا وعادۃ مکروہ سمجھ کے استغفار کو بھی اختیار کیا۔

محقق عینیؒ نے علامہ موصوفؒ کی اس توجیہ کو ذکر کر کے اس پر نہ صرف یہ کہ کوئی نقد نہیں کیا، بلکہ اس کو اور زیادہ سنبھال کر پیش کر دیا ہے، جس سے دونوں توجیہ اپنی اپنی جگہ درست ہو جاتی ہیں، یعنی: امام بخاریؒ کی مراد صرف اہلِ مدینہ، اہلِ شام اور مدینہ سے مشرق کی سمت والے بلادِ عرب ہوں، تب تو بات صاف ہی ہے، لیکن اگر ابنِ بطالؒ والی توجیہ مراد ہو تب بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ مشرق ومغرب سے مراد مشرق ومغرب کی تمام سمتیں ہوسکتی ہیں، ٹھیک درمیانی خطِ مشرق ومغرب کو چھوڑ کر جنوب وشمال کی طرف تھوڑا سا انحراف بھی بول وغائط کے وقت کافی ہے اور یہی تشریق وتغریب ہے، جس میں کعبہ معظّمہ کی تعظیم کے خلاف کوئی بات نہیں ہے اور چونکہ ٹھیک درمیانی خط والے بہ نسبت دوسروں کے بہت کم لوگ ہوں گے، ان کی طرف گویا اس عام حکم میں تعرض نہیں کیا گیا، محقق عینیؒ نے اس توجیہ میں خاص طور سے انحراف مذکور کے ساتھ عند الغائط کی بھی قید ظاہر کر دی، تاکہ معلوم ہو کہ جس طرح یہاں امت سے تنگی رفع کرنے کے لیے بول وغائط کے وقت تھوڑے انحراف بہ سمتِ شمال

وجنوب کوشریعت نے کافی قرار دیا ہے، اسی طرح دوسری طرف بھی تنگی رفع کرنے کے لیے نماز میں استقبال قبلہ کے واسطے ربعِ دائرہ تک کا توسع جائز کر دیا گیا ہے، دونوں جگہ توسع ملحوظ ہے، وللہ در المحقق العینیؒ اور شاید اسی لیے عینیؒ نے اس بحث کے شروع میں یہ الفاظ ادا کیے ہیں کہ یہاں ہمیں قلم دبا کر ذرا زور دار تحریر لکھنی ہے، کیوں کہ بعض دوسرے لوگوں نے خواہ مخواہ دور از کار بحثوں کا رُخ اختیار کیا ہے۔

یہاں سے دوسری حدیثِ ترمذی وغیرہ کی مراد بھی واضح ہوگئی، جس میں "ما بین المشرق والمغرب قبلة" وارد ہے، محقق عینیؒ نے لکھا کہ وہ بھی صرف مدینہ اور اس کی سمت پر واقع بلاد وممالک کے لیے ہے اور جس طرح ان کے لیے وسعت ہے، ایسی ہی وسعت مشرق ومغرب کی سمت میں رہنے والوں کے لیے بھی جنوب وشمال کے لحاظ سے ہوگی اور اس سے قبلہ کی سمت میں ربع دائرہ تک کی وسعت کا جواز بھی ملتا ہے، یعنی: جس طرح اہلِ مدینہ اور دوسرے کعبہ معظّمہ سے شمال میں رہنے والوں کے لیے قبلہ کا رُخ ما بین المشرق والمغرب وسیع ہے، اسی طرح اہلِ مشرق کے لیے ما بین الشمال والجنوب وسعت ہوگی (۱)۔

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہاں "والمشرق" کا کیا مطلب ہے؟ اس میں شارحین نے بہت خبط کر دیا ہے، دراصل امام بخاریؒ کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ اور شام والوں کا قبلہ کیا ہے (اُسے اس باب میں بیان کروں گا،) "والمشرق" یعنی: اہلِ مشرق کا قبلہ کیا ہے؟ وہ بھی معلوم ہوگا۔ (امام بخاریؒ نے یہاں صرف مشرق کا ذکر کیا ہے) مغرب کا ذکر نہیں کیا، گومراد وہ بھی ہے، مگر مشرق ومغرب (ان دو) ضدین میں سے فقط ایک کا ذکر کافی سمجھا، مراد دونوں ہیں۔ جیسا کہ ﴿واجعل لکم سرآبیل تقیکم الحر﴾ (النحل: ۸۱) (میں ضدین یعنی: حر وبرد میں سے صرف ایک کا ذکر کیا گیا ہے، اگرچہ دونوں مراد ہیں)۔ الغرض مطلب یہ ہے کہ مدینہ اور شام والوں کا قبلہ تو بالتخصیص ذکر کروں گا، یہ دونوں حدیث میں منصوص ہیں، اسی سے اہلِ مشرق ومغرب کا قبلہ معلوم ہو جائے گا (۲)۔

---

(۱) انوار الباری: ۱۲/ ۱۹۳، ۱۹٤

(۲) فضل الباری: ۳/ ۱۰٤، ۱۰۵

حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ کی رائے

حضرت مولانا محمد ادریس کاندہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس ترجمہ سے مراد یہ ہے کہ اہلِ مدینہ اور اہلِ شام کا قبلہ مشرق اور مغرب کی جانب نہیں ہے، بلکہ جنوب اور شمال کی جانب ہے، دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ اور اہلِ شام کے لیے مشرق اور مغرب کی جانب رُخ کر کے قضائے حاجت کو مباح قرار دیا ہے، اور مشرق سے مراد بلادِ عربیہ کا مشرق ہے نہ کہ پورے عالَم کا مشرق۔ خلاصہ کلام امام بخاریؒ کا مقصود اس ترجمہ سے صرف اہلِ مدینہ اور اہلِ شام کے قبلہ کا ذکر کرنا ہے، نہ کہ پوری دنیا والوں کے سمتِ قبلہ کا ذکر (۱)۔

علامہ ابن بطال اور علامہ کورانی رحمہما اللہ کی آراء

اس بارے میں صحیح البخاری کے قدیم ترین شارح علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے ایک ایسی توجیہ بیان فرمادی جسے مؤخرین شراح حدیث میں سے کسی بھی شارح نے قبول نہیں کیا، وہ یہ کہ ترجمۃ الباب میں مذکور لفظ ''مشرق'' سے صرف اہلِ مدینہ یا اہلِ شام کا مشرق مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد پوری دنیا کے مشرق والے ہیں اور بظاہر انہی کی تائید میں علامہ کورانی رحمہ اللہ نے بھی اپنی شرح بخاری ''الکوثر الجاري'' میں اسی قول کو ذکر کیا ہے (۲)۔

چنانچہ اس کی تردید میں سب سے تفصیلی کلام علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ کا ہے، انہوں نے اس قول کی خرابیوں کی بیان کیا ہے، ان کے علاوہ اکثر شراح (حافظ ابن حجر، علامہ عینی، علامہ قسطلانی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندہلوی، اور مولانا محمد ادریس کاندہلوی وغیرہ رحمہم اللہ) نے اس توجیہ کو اختیار نہیں کیا، بلکہ مشرق سے مراد اہلِ مدینہ کا مشرق ہی مراد لیا ہے (۳)۔

خلاصہ کلام

یہ ترجمہ مشکل تراجم میں شمار کیا جاتا ہے، لیکن مشکل نہیں ہے، یوں سمجھا جائے کہ بعض نسخے تو وہ ہیں،

---

(۱) تحفة القاري: ۳/ ٤٦٢

(۲) شرح ابن بطال: ۲/ ٦١، ٦۲، الكوثر الجاري: ۲/ ۷۹، ۸۰

(۳) فيض الباري: ۲/ ٤۰، ٤۱، فتح الباري: ۱/ ٦٤٦، عمدة القاري: ٤/ ۱۹۰، ۱۹۱، إرشاد الساري: ۲/ ٥٦، الكنز المتواري: ٤/ ۸۲، تحفة القاري: ۲/ ٤٦۲

جن میں "ليس في المشرق ولا في المغرب قبلة" آیا ہے، یعنی: "ليس في المشرق ولا في المغرب" کے بعد لفظ "قبلةٌ" مذکور ہے، جو نسخہ ہمارے سامنے ہے اس میں بھی اسی طرح ہے، اس صورت میں یہ کہنا پڑے گا کہ لفظ "باب" مضاف ہے اور "قبلةُ أهلِ المدينة" میں لفظِ "قبلة" مضاف الیہ مضاف ہے اور "أهلِ المدينة، وأهلِ الشام، والمشرق" یہ تینوں بذریعۂ عطف لفظِ "قبلة" کا مضاف الیہ ہیں، اور معنی یہ ہیں کہ یہ باب اہلِ مدینہ اور اہلِ شام اور اہلِ مشرق کے قبلے کو بیان کرنے کے لیے ہے۔ اِن تینوں میں اہلِ مدینہ اور اہلِ شام تو معروف (بلاد) ہیں، اور آخر میں جو "مشرق" ہے، اُس سے مراد "مشرقِ مدینہ" ہے، مدینے کے مشرق میں جو لوگ آباد ہیں، جیسے نجد اور عراق والے، اُن کے قبلے کو بیان کرنا چاہتے ہیں، سوال ہوا کہ کیا ہے ان کا قبلہ؟ جواب دیا گیا کہ "ليس في المشرق ولا في المغرب"، ان کا قبلہ نہ مشرق میں ہے اور نہ مغرب میں ہے، بلکہ جانبِ جنوب میں ہے، مطلب یہ کہ یہ ایک جملہ سوال کا جواب دینے کے لیے لایا گیا ہے، اور "ليس في المشرق ولا في المغرب" میں "المشرق" سے مراد عام مشرق نہیں ہے، بلکہ مشرقِ اہلِ مدینہ اور مغربِ اہلِ مدینہ مراد ہے، یہ تو ایک حل ہوا عبارت کا جو بالکل واضح ہے، یہاں ایک ذرا سا اشکال ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ نے "قبلة اهلِ المدينه وأهلِ الشام والمشرق" میں صرف مشرق کا ذکر کیا ہے، مغرب کا ذکر نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ مدینہ کے مشرق میں تو بڑی مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی تھی، اس لیے ان کا ذکر کر دیا اور مغربِ مدینہ میں تو آبادی نہیں تھی اس لیے ذکر نہیں کیا۔

پہلا لفظ "المشرق" جو اہلِ مدینہ اور اہلِ شام کے بعد مذکور ہوا، اس سے مراد "مشرق اہلِ مدینہ" ہے، اس میں نجد اور عراق کا علاقہ داخل ہے۔ اور دوسرا جملہ جو "ليس في المشرق ولا في المغرب" ہے، یہ جملہ مستانفہ ہے، اس لیے بغیر واوٴ کے لایا گیا ہے، یہ جملہ درحقیقت ایک سوال کا جواب بنے گا کہ آپ ان تینوں کا قبلہ بیان کرنا چاہتے ہیں تو بتلائیے! جواب دیا گیا کہ ان تینوں کا قبلہ نہ مشرقِ مدینہ میں ہے اور نہ ہی مغربِ مدینہ میں ہے، لہٰذا اب دو جہتیں رہ گئیں: یا جنوبِ مدینہ یا شمالِ مدینہ؛ ظاہر ہے کہ شمالِ مدینہ میں تو بیت المقدس آتا ہے، تو جنوبِ مدینہ میں کعبہ واقع ہوا، لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کا قبلہ مدینے کے جنوب میں ہے۔

دوسری صورت؛ جہاں "ليس في المشرق ولا في المغرب" کے بعد لفظِ "قبلة" نہیں ہے، بعض نسخوں میں ایسا بھی ہے، اس صورت میں لفظِ "بابٌ" پر تنوین پڑھی جائے گی اور "قبلةُ" مرفوع ہوگا، اور "أهلِ

المدينة، وأهلِ الشام، والمشرقِ" اپنے معطوفات کے ساتھ مل کر "قبلةُ" مضاف کے لیے مضاف الیہ ہوکر مبتداء ہوگا اور اس کے لیے "ليس في المشرق ولا في المغرب" خبر بنے گی۔ مطلب یہ بنے گا کہ اہلِ مدینہ، اہلِ شام اور اہلِ مشرق کا قبلہ نہ تو مشرق میں ہے اور نہ ہی مغرب میں۔

اس توجیہ پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ "ليس في المشرق ولا في المغرب" میں "ليس" نہیں، "ليست" آنا چاہیے تھا، کیوں کہ "ليس" کی مذکر ضمیر "قبلة" کی طرف لوٹ رہی ہے، حالانکہ مرجع مؤنث ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ "قبلة" کو "مستقبل" کے معنی میں لے لیا جائے اور ليس کی مذکر ضمیر کو اس کی طرف لوٹا لیا جائے۔

مذکورہ تفصیل کے بعد یہ اشکال کرنا کہ امام بخاریؒ نے کہہ دیا ہے کہ "ليس في المشرق ولا في المغرب" مشرق ومغرب میں تو قبلہ ہی نہیں ہے، حالاں کہ اہلِ ہند اور اہلِ بخارا کا اور اہلِ چین وغیرہ سب کا قبلہ مغرب کی جانب ہوتا ہے، تو اس کا جواب بھی بتا دیا گیا کہ یہاں مشرق سے "مشرقِ مدینہ" اور مغرب سے "مغربِ مدینہ" مراد ہے، مطلقاً "عام جانبِ مشرق" اور "عام جانبِ مغرب" مراد نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ یہاں مذکورہ حدیث یا باب میں صرف اہلِ مدینہ، اہلِ شام اور اہلِ مشرق کا قبلہ بتلانا مقصود ہے، تمام عالَم کا قبلہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ اس لیے اگر اہلِ ہند کا قبلہ مغرب میں ہوتا ہے اور جو لوگ انتہائے مغرب میں آباد ہیں، ان کا قبلہ جانبِ مشرق میں ہوتا ہے تو بالکل ہو سکتا ہے، اس سے یہاں تعرض مقصود ہے ہی نہیں۔(۱)

تعلیق

لقول النبي صلى الله عليه وسلم: "لا تستقبلوا القبلة بغائط أو بول، ولكن شرقوا أو غربوا".

تعلیق کا ترجمہ

(اہلِ مدینہ، اہل شام اور اہلِ مشرق کا قبلہ نہ مشرق میں ہے اور نہ ہی

(۱) ملخص از فتح الباري: ١/٦٤٥، عمدة القاري: ٤/١٩٠،١٩١، إرشاد الساري: ١/٥٦، ٥٧، فيض الباري: ٢/٣٩-٤١، لامع الدراري: ٣٦٢-٣٦٤

مغرب میں) اس دلیل کی وجہ سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
(قضائے حاجت) پاخانہ یا پیشاب کرنے کے وقت قبلہ کی طرف رُخ نہ کرو،
لیکن مشرق یا مغرب کی طرف رُخ کرلو۔

تعلیق کی تخریج

مذکورہ تعلیق کوانہی الفاظ سے امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں موصولاً نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو:

أخبرنا محمد بن ،منصور قال: حدثنا سفيان، عن الزهري، عن عطاء بن يزيد، عن أبي أيوب رضي الله عنه، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها لغائط أو بول، ولكن شرقوا أو غربوا(۱).

تعلیق کا مقصد

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کے عموم سے دلیل پکڑی ہے کہ صحراء اور آبادیاں اس حکم میں برابر ہیں کہ ان دونوں جگہوں میں قضائے حاجت کے وقت نہ استقبالِ قبلہ جائز ہے اور نہ ہی استدبارِ قبلہ۔ اور مذکورہ حدیث کو ترجمۃ الباب کے اثبات کے لیے دلیل بنایا ہے۔

فقہائے احناف کثر اللہ سوادہم کا یہی مذہب ہے اور امام احمدؒ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے، جب کہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ قضائے حاجت کے وقت استقبالِ قبلہ صحراء میں تو ناجائز ہے لیکن آبادیوں میں جائز ہے(۲)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضرت امام بخاریؒ نے لقول النبي صلى الله عليه وسلم: "لا تستقبلوا القبلة بغائط أو بول، ولكن شرقوا أو غربوا" ذکر فرما کر ایک تو یہ ثابت فرمادیا کہ مشرق ومغرب میں اہلِ مدینہ ومَن علی سمتهم کا

(۲) عمدة القاري: ۱۹۱/٤

(نوٹ) اس موضوع پر (یعنی: مذاہبِ ائمہ پر) تفصیلی کلام کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: "لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء: جدار أو نحوه" میں گذر چکا ہے۔

قبلہ نہیں ہے،اسی کے ساتھ ان لوگوں کے قول پر بھی رد فرما دیا، جو کہتے ہیں کہ ''ولکن شرقوا أو غربوا '' کا خطاب عام ہے۔اہلِ مدینہ اور اُن کے غیر سب مشرق ومغرب کی طرف بحالتِ استنجاء استقبال کر سکتے ہیں،خواہ قبلہ سامنے ہو یا پیچھے،ہی کیوں نہ ہو(۱)۔

حدیثِ باب

۳۸٦ : حدّثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ قَالَ : حَدَّثنا سُفْيانُ قَالَ : حَدَّثنا ٱلزُّهْرِيُّ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ ٱلْأَنْصَارِيِّ(۲) : أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ قَالَ : (إِذَا أَتَيْتُمُ ٱلْغَائِطَ ، فَلَا تَسْتَقْبِلُوا ٱلْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا ، وَلٰكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا) .

قَالَ أَبُو أَيُّوبَ : فَقَدِمْنَا ٱلشَّأْمَ ، فَوَجَدْنَا مَرَاحِيضَ بُنِيَتْ قِبَلَ ٱلْقِبْلَةِ ، فَنَنْحَرِفُ ، وَنَسْتَغْفِرُ ٱللهَ تَعَالَى .

ترجمہ

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم قضائے حاجت کے لیے جاؤ تو قبلہ کی جانب نہ منہ کرو، نہ پیٹھ۔البتہ مشرق یا مغرب کی جانب رُخ کرلو۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پھر ہم ملکِ شام پہنچے تو ہم نے وہاں بیت الخلاء قبلے کے رُخ پر بنے ہوئے پائے،تو (قضائے حاجت کے وقت) ہم اپنا رُخ قبلے سے تھوڑا سا پھیر لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے تھے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ رجال ہیں:

(۱)تقرير بخاري شريف: ۲/۱٤٤، الكنز المتواري: ٤/ ۸۲، سراج القاري: ۲/ ٤٣٠

(۲)مر تخريجه رقم الحديث: ١٤٤، كشف الباري، كتاب الوضوء، باب: "لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء: جدار أو نحوه"

علی بن عبداللہ

یہ حضرت ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح سعدی البصری رحمہ اللہ ہیں، ابن المدینی کے نام سے معروف ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب:"الفهم في العلم" میں گذر چکے ہیں(۱)۔

سفیان

یہ مشہور امامِ حدیث، تبع تابعی حضرت ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری کوفی رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کتاب الایمان، باب:"علامة المنافق" کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

زہری

یہ امام محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن شہاب زُہری رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر حالات کشف الباری، کتاب:"بدء الوحی" کی تیسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں(۳)۔

عطاء بن یزید اللیثی

یہ ابومحمد یا ابویزید عطاء بن یزید اللیثی، ثم الجُندعی المدنی، ثم الشامی رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء: جدار أو نحوه، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

---

(۱) کشف الباری: ۲۹۷/۳

(۲) کشف الباری: ۲۷۸/۲

(۳) کشف الباری: ۳۲٦/۱

(٤) کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء: جدار أو نحوه، رقم الحدیث: ١٤٤

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ

یہ میزبان رسول، حضرت ابو ایوب خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ بن عبدعوف بن غنم الانصاري النجاري الخزرجي رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے بھی تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء: جدار أو نحوه، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

شرح حدیث

إذا أتيتم الغائط، فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها، ولكن شرقوا أو غربوا.

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم قضائے حاجت کے لیے جاؤ تو قبلہ کی جانب نہ منہ کرو، نہ پیٹھ۔ البتہ مشرق یا مغرب کی جانب رُخ کرلو۔

اس جملے کی تشریح، متعلقہ مسئلہ اختلافِ ائمہ اور وجہ ترجیح احناف پوری شرح وبسط کے ساتھ کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء: جدار أو نحوه، رقم الحدیث: ۱۴۴ میں گذر چکی ہے۔

قال أبو أيوب: فقدمنا الشام، فوجدنا مراحيض بنيت قبل القبلة، فننحرف، ونستغفر الله تعالىٰ.

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پھر ہم ملکِ شام پہنچے تو ہم نے وہاں بیت الخلاء قبلے کے رُخ پر بنے ہوئے پائے، تو (قضائے حاجت کے وقت) ہم اپنا رُخ قبلے سے تھوڑا سا پھیر لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے تھے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’اب تم یہ سنو کہ حضرت امام بخاریؒ نے اس

(۱) كشف الباری، كتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بتول إلا عند البناء: جدار أو نحوه، رقم الحديث: ١٤٤

[ٹکڑے] کو وہاں ذکر نہیں فرمایا، جہاں استقبال واستدبار کا ذکر ہے، بس صرف حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کردی، کیوں کہ وہ اُن کے موافق تھی"(۱)۔

فقدمنا الشام،

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پھر ہم ملکِ شام پہنچے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مذکورہ کلام شام میں ہوا یا مصر میں؟

صحیح البخاری کی مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بات ملکِ شام کی نقل کی، جب کہ سنن نسائی کی روایت میں ہے کہ راوی حدیث حضرت رافع بن اسحاق نے حضرت ابو ایوب رضی للہ عنہ سے سنا، اس حال میں کہ وہ مصر میں تھے............الخ(۲)

تو اس بارے میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ، شیخ ولی الدین العراقی رحمہ اللہ کے حوالے سے اور علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ صحیحین کی روایت میں یہ ہے کہ یہ معاملہ ملک شام میں پیش آیا، لیکن ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے اور نہ ہی یہ دونوں ایک دوسرے کے معارض ہیں، اس لیے کہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا یہ کلام مصر میں بھی ہوا ہو اور شام میں بھی(۳)۔

اور شیخ مختار بن محمد الشنقيطي رحمہ اللہ اپنی شرح سنن النسائی "شروق أنوار المنن الكبرى الإلهيه" میں اسی بات پر مزید فرماتے ہیں کہ (علامہ عراقی اور علامہ سندھی رحمہما اللہ کی) یہ بات زیادہ قرینِ قیاس ہے

(۱)تقریرِ بخاری شریف: ۱٤۲/۲

(۲)أخبرنا محمد بن سلمة والحارث بن مسكين قراء ة عليه وأنا أسمع واللفظ له عن ابن قاسم قال حدثني مالك عن إسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة عن رافع بن إسحاق أنه سمع أبا أيوب الأنصاري وهو بمصر يقول: والله ما أدري كيف أصنع بهٰذه الكرابيس وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا ذهب أحدكم إلى الغائط أو البول فلا يستقبل القبلة ولا يستدبرها". (سنن النسائي، كتاب الطهارة، النهي عن استدبار القبلة عند الحاجة، رقم الحديث: ۲۰)

(۳)حاشية السيوطي، والسندهي علىٰ سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب: النهي عن استقبال القبلة عند قضاء الحاجة، رقم الحديث: ۲۰، ۲٥/۱

ذخيرة العقبىٰ شرح سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب: النهي عن استقبال القبلة عند قضاء الحاجة، رقم الحديث: ۲۰، ٤٤۳/۱

خاص طور پر جب کہ دونوں احادیث کامخرج بھی مختلف ہے اس لیے کہ امام نسائی رحمہ اللہ کی تخریج کردہ حدیث کی سند دیگر ائمہ کی تخریج کردہ سند سے مختلف ہے، وہ اس طرح کہ اکثر ائمہ کی ذکر کردہ روایت امام زہریؒ کی ہے جو وہ عطاء بن یزید اللیثیؒ سے روایت کرتے ہیں اور امام نسائی رحمہ اللہ کی روایت اسحاق بن عبداللہ کی ہے جو وہ رافع بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں(۱)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ علماء نے نسائی کی اس روایت کو غلط قرار دیا ہے اور علمائے موجہین فرماتے ہیں کہ قدوم شام میں تھا اور روایت مصر میں بیان کی تھی (۲)۔

"الشـــام" یہ مشہور شہر ہے،اس کا استعمال مذکر اور مؤنث دونوں طرح سے ہوتا ہے،اس کے ہمزہ کو تسہیلا الف کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے،اس ملک کا نام حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے"سام بن نوح" کے نام پر رکھا گیا تھا، پھر عجمی لفظ ہونے کی بناء پر سین کو شین سے بدل دیا گیا (۳)۔

"مَراحِيُض" بفتح الميم، وبالحاء المهملة والضاد المعجمة، جمع ہے"مِرحاض"بکسرالمیم کی، یہ ایسے مکان کا نام ہے، جسے قضائے حاجت کے لیے تیار کیا جاتا ہے(۴)۔

"فننحرف" یہ إنحراف سے ہے،یعنی: ہم قبلہ کی جانب سے پھر جاتے ،ایک نسخے کے مطابق یہ لفظ "فنتحرَّف" التحرف سے ہے۔مراد دونوں کی ایک ہی ہے(۵)۔

"ونستغفر الله تعالیٰ"اور اللہ سے اپنے گناہوں پر مغفرت طلب کرتے تھے۔

---

(۱)شرح سنن النسائي المسمى بـ شروق أنوار المنن الكبرى الإلهيه، كتاب الطهارة، باب: النهي عن استقبال القبلة عند قضاء الحاجة، رقم الحديث: ۲۰، ۱۴۷/۱

(۲)تقرير بخاري شريف: ۱۴۱/۲

(۳)نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار، كتاب الكراهة، باب: استقبال القبلة بالفروج للغائط والبول: ۱۸۹/۱۳، عمدة القاري: ۱۹۲

(٤)تهذيب اللغة، المادة: رحض: ۲۰۳/٤، لسان العرب، المادة: ر ح ض: ۱۵۳/۷، نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار، كتاب الكراهة، باب: استقبال القبلة بالفروج للغائط والبول: ۱۸۹/۱۳

(٥)عمدة القاري: ۱۹۲/٤

انحراف عن القبلہ کا مطلب

انحراف عن القبلہ کے دو معنیٰ ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ ہم ملکِ شام میں بیت الخلاؤں کا رُخ قبلے کی جانب دیکھ کر واپس ہو جاتے تھے، انہیں استعمال نہیں کرتے تھے اور اللہ سے استغفار کرتے تھے۔

انحراف عن القبلہ پر استغفار کی وجہ

اس معنیٰ پر اشکال ہو سکتا ہے کہ جب ان کو استعمال ہی نہیں کرتے تھے تو پھر استغفار کس بات پر کرتے تھے؟

اس اشکال کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ استغفار بنانے والوں کے لیے ہوتا تھا، کہ انہوں نے کیسا بُرا کام کیا(۱)۔

اس جواب کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جن لوگوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ وہ ان کے بنانے والوں کے لیے استغفار کرتے تھے، [تو] یہ غلط ہے، اس لیے کہ اس کے بنانے والے تو کفار تھے، ان کے لیے استغفار کا کیا مطلب؟(۲)

اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ان کا استغفار اُن بنانے والوں پر اس لیے ہوتا تھا کہ [ملکِ شام میں] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت موجود تھی، اس کے باوجود ان لوگوں نے قبلہ رُخ بیت الخلاء بنائے، یعنی: اُن پر انکار کرتے ہوئے استغفار کرتے تھے(۳)۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم استغفار کرتے تھے استقبالِ قبلہ سے، کہ اے اللہ! ہمیں قضائے حاجت کے وقت استقبالِ قبلہ سے ہمیشہ محفوظ رکھنا، ہم آپ سے اس بات پر معافی چاہتے ہیں کہ ہم قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھیں یا پیٹھ کر کے بیٹھیں(۴)۔

---

(۱)عمدة القاري: ٤/١٩٢، الكوثر الجاري: ٢/٨٠، إرشاد الساري: ٢/٥٧، نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار، كتاب الكراهة، باب: استقبال القبلة بالفروج للغائط والبول: ١٣/١٨٩، كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري، الحديث الثالث: ٧/١٨

(٢)تقرير بخاري شريف: ٢/١٤٢،الكنزالمتواري: ٤/٨٣، ٨٤

(٣)الكوثر الجاري: ٢/٨٠

(٤) عمدة القاري: ٤/١٩٢، إرشاد الساري: ٢/٥٧، نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح =

ایک تیسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہمیں جب کبھی بھی یہ بات نظر آتی تھی کہ لوگوں نے اس طریقے سے بیت الخلاء بنائے ہوئے ہیں تو ہمیں اپنے گناہ یاد آ جاتے تھے کہ جیسے انہوں نے یہ غلطی کی ہے اور گناہ کا کام کیا ہے، اسی طرح ہم نے بھی گناہ کے بہت سارے کام کیے ہوئے ہیں، اس لیے ہم اپنے گناہوں پر استغفار کرتے تھے، اہل تقویٰ کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ کسی کی غلطی دیکھ کر اپنی غلطیوں سے استغفار کیا کرتے ہیں(۱)۔

چوتھا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ بہت دفع انسان کسی منکر، بُری بات کو دیکھ کر استغفر اللہ کہتا ہے، اگر چہ وہ برائی اس صادر نہیں ہوئی ہوتی، فلا اشکال (۲)

انحراف عن القبلہ کے دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ ہم ان بیت الخلاؤں کو استعمال کرتے تھے، لیکن بقدرِ استطاعت ٹیڑھا ہو کر بیٹھتے تھے، لیکن پھر بھی تھوڑی بہت چوک ہوجایا کرتی تھی اور کوتاہی واقع ہوجاتی تھی، اس لیے اس کوتاہی کے سرزد ہونے پر ہم استغفار کیا کرتے تھے(۳)۔

اس بارے میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قاعدہ یہ ہے کہ مشغول لوگ جو ہوتے ہیں وہ پائخانہ میں اس وقت جاتے ہیں جب کہ شدت کے ساتھ تقاضا ہو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا بھی یہی حال تھا کہ انتہائی مشغول ہوتے تھے اور جب شدت کے ساتھ طبیعت پر تقاضا ہوتا تب بیت الخلاء کا رُخ فرماتے اور جلدی میں اس کا خیال نہ رہتا اور اِن مراحیض میں جو کہ قبلہ کی طرف بنائے گئے تھے، بیٹھ جاتے، مگر جب یاد آتا تو اپنا رُخ پلٹتے اور اپنی غلطی پر گو وہ نسیاناً ہوتی تھی، نادِم ہوتے اور استغفار کرتے تھے، بہر حال یہ حضرات اپنے فعل پر استغفار کرتے تھے(۴)۔

= معاني الآثار، كتاب الكراهة، باب: استقبال القبلة بالفروج للغائط والبول: ۱۸۹/۱۳، كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري، الحديث الثالث: ۱۸/۷

(۱)عمدة القاري: ۱۹۲/٤، نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار، كتاب الكراهة، باب: استقبال القبلة بالفروج للغائط والبول: ۱۸۹/۱۳، كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري، الحديث الثالث: ۱۸/۷

(۲)الكوثر الجاري: ۲/ ۸۰

(۳)الكوثر الجاري: ۸۰/۲

(٤)تقرير بخاري شريف: ۱٤۲/۲، الكنزالمتواري: ۸۳/٤، ۸٤، سراج القاري: ٤۳۱/۲

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیثِ مبارکہ سے بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں، جن میں سے کچھ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ قضائے حاجت کے وقت استقبالِ قبلہ اور استدبارِ قبلہ دونوں ناجائز ہیں(۱)۔

۲۔ استقبالِ قبلہ اور استدبارِ قبلہ کی کراہت صحرا اور آبادی دونوں جگہ ہے(۲)۔

۳۔ شعار اللہ کی تعظیم اور احترام پر تنبیہ معلوم ہوتی ہے(۳)۔

۴۔ اہلِ مدینہ اور اہلِ شام کے لیے جہتِ قبلہ کا مشرق و مغرب میں ہونا معلوم ہوتا ہے(۴)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

---

(١)عمدة القاري، كتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء، جدار أو نحوه، رقم الحديث: ١٤٤، ٤٢٢/٢

الشرح الميسر للصابوني، كتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء، جدار أو نحوه، رقم الحديث: ١٤٤، ٢٣٥/١

(٢)التوضيح لشرح الجامع الصحيح لابن الملقن، كتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء، جدار أو نحوه، رقم الحديث: ١٤٤، ١٠٦/٤

الشرح الميسر للصابوني، كتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء، جدار أو نحوه، رقم الحديث: ١٤٤، ٢٣٥/١

(٣)عمدة القاري، كتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء، جدار أو نحوه، رقم الحديث: ١٤٤، ٤٢٤/٢

الشرح الميسر للصابوني، كتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء، جدار أو نحوه، رقم الحديث: ١٤٤، ٢٣٥/١

(٤) أعلام الحديث للخطابي، كتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء، جدار أو نحوه، رقم الحديث: ١٤٤، ٢٣٩/١

التوضيح لشرح الجامع الصحيح لابن الملقن، كتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء، جدار أو نحوه، رقم الحديث: ١٤٤، ١٠٦/٤

الشرح الميسر للصابوني، كتاب الوضوء، باب: لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء، جدار أو نحوه، رقم الحديث: ١٤٤، ٢٣٥/١

تعلیق

وَعَنِ ٱلزُّهْرِيِّ ، عَنْ عَطَاءٍ قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا أَيُّوبَ ، عَنِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ : مِثْلَهُ . [ر : ١٤٤]

تعلیق کی تشریح وغرض

امام بخاری رحمہ اللہ نے سابقہ حدیث کی مطابعت کے لیے ایک اور سند پیش کی ہے، چنانچہ "وعن الزهري" کا عطف سابقہ سند میں "حدثنا سفيان عن الزهري" پر ہے، یعنی: سابقہ سند "حدثنا علي بن عبد الله قال: حدثنا سفيان قال: حدثنا زهري، عن عطاء بن يزيد، عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله عنه" تھی اور موجودہ سند "وعن الزهري عن عطاء قال سمعت أبا أيوب عن النبي صلى الله عليه وسلممثله" ہے، اس طریق کا فائدہ یہ ہے کہ اس طریق میں اس بات کی تصریح ہے کہ عطاء نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے، جب کہ سابقہ طریق میں سماع ثابت نہیں تھا(۱)۔

اور علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "سماع" عنعنہ سے قوی ہوتا ہے، لیکن اس میں ضعف ہے "عن الزهری" کی تعلیق کی جہت سے(۲).

تو حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ بظاہر تو علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی بات صحیح ہے، لیکن یہی حدیث مسند اسحق بن راہویہ میں مسندا موجود ہے، لہذا اب کوئی اشکال باقی نہیں رہتا(۳)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

---

(۱)فتح الباري: ١/٦٤٦، عمدة القاري: ١٩٢/٤، ١٩٣، الكوثر الجاري: ٨٠/٢، اللامع الصبيح شرح الجامع الصحيح للبرماوي: ١١٨/٣

(۲)شرح الكرماني: ٥٨/٤

(۳)فتح الباري: ١/٦٤٦، عمدة القاري: ١٩٣/٤

۳ - باب : قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى : «وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى» /البقرة: ۱۲۵/ .

اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے قیام کی جگہ کو جائے نماز بناؤ

ترجمة الباب کی غرض

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس باب سے کیا ہے؟! بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ "اتخذوا" امر کا صیغہ ہے، اس سے بظاہر وجوب سمجھ میں آتا ہے، تو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب منعقد فرما کر بتلا دیا کہ امر ایجابی نہیں ہے اور یہی میرے والد صاحب قدس سرہ کی رائے ہے۔ اور بعض علماء کی رائے ہے کہ "اتخذوا" اپنے اطلاق کی وجہ سے مطلقاً اتخاذِ صلوٰۃ پر دلالت کرتا ہے، تو امام بخاریؒ نے اس کو ترجمہ گردان کر اور روایات ذکر فرما کر بتلا دیا کہ اس سے خاص رکعتي الطواف مراد ہے۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ من مقام إبراهيم کے لفظ سے بظاہر اس مقام کی تخصیص معلوم ہوتی تھی، تو امام بخاریؒ نے روایات ذکر فرما کر اشارہ فرما دیا کہ کوئی تخصیص نہیں، بلکہ اس کے آس پاس کا حصہ بھی مقام ابراہیم میں داخل ہے، مقامِ خاص مراد نہیں''۔(۱)

اور سراج القاری میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی نسبت سے لامع الدراری اور الکنز المتواری کی تحریرات کے خلاصہ کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ

"اتخذوا" امر کا صیغہ ہے اور امر کی اصل وجوب ہے اور مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی، اور اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدمین مبارکین کے نشانات موجود ہیں، یہ پتھر بیت اللہ کے سامنے نصب ہے۔ اور "مصلّی" کا مطلب قبلہ ہے۔ اب گویا آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ مقامِ ابراہیم کی طرف نماز پڑھی جائے، حالانکہ مقامِ ابراہیم کی طرف نماز پڑھنے کو کوئی ضروری نہیں سمجھتا؛ اس لیے لامحالہ یا اتخذوا میں وجوب کے علاوہ کوئی اور معنی اختیار کیے جائیں، یا پھر

(۱) تقرير بخاري شريف :۲/۱۲۵

مقامِ ابراہیم میں توسع اختیار کیا جائے، چنانچہ اکثر حضرات نے اتخذوا میں وجوب کے بجائے استحباب مراد لیا ہے اور مقامِ ابراہیم سے مراد وہی پتھر لیا ہے، جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات موجود ہیں، اس صورت میں جس نماز کو مقامِ ابراہیم میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے وہ صرف تحیۃ الطّواف کی دو رکعت ہیں، یعنی: وہ دو رکعتیں جو طواف کے بعد ادا کی جاتی ہیں، ان کے لیے تمام مقامات سے اولیٰ تر مقام: مقامِ ابراہیم ہے، یعنی: وہ جگہ جہاں یہ پتھر رکھا ہوا ہے، اور اگر "اتـخـذوا" کو اپنے اصل معنی، یعنی وجوب پر محمول کیا جائے تو ایسی صورت میں مقامِ ابراہیم میں توسع کر کے اس سے مراد کعبۃ اللہ لیا جائے گا؛ کیوں کہ کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ کعبہ چوں کہ نماز کا قبلہ ہے؛ اس لیے ہر شخص مکلّف ہے کہ اس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھے، اس صورت میں صیغۂ امر اپنے اصل یعنی: وجوب کے معنی میں ہوگا اور مقامِ ابراہیم سے مراد "کعبہ" ہوگا۔(۱)"

علامہ فخر الدین احمد صاحب رحمہ اللہ کی رائے

صدر المدرسین دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں کہ اتخذوا صیغۂ امر وجوب کے لیے نہیں، بلکہ استحباب کے لیے ہے۔

لیکن اس صورت میں دشواری یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے ترجمہ کے ذیل میں جو تین روایات ذکر کی ہیں، اس تقدیر پر ان تینوں روایات میں سے پہلی روایت تو ترجمہ سے بلا تکلف منطبق ہو جائے گی، لیکن باقی دو روایتوں کو منطبق کرنے کے لیے تکلفات سے کام لینا ہوگا، اس لیے کہ امام بخاریؒ کی ذکر کردہ روایات کے پیشِ نظر بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ "اتخذوا" کو تو اپنے اصل معنی یعنی: وجوب پر محمول کیا جائے اور مقامِ ابراہیم میں توسع کر کے اس سے مراد بیت اللہ شریف لیا جائے، کیونکہ بیت اللہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ بیت اللہ چونکہ نماز کا قبلہ ہے اس لیے ہر شخص مکلّف ہے کہ بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھے، اس صورت میں صیغۂ امر اپنی اصل یعنی: وجوب کے معنی میں رہا اور مقامِ ابراہیم کے معنی: بیت اللہ ہو گئے، اس صورت میں تینوں روایات کے انطباق میں کوئی دشواری نہ ہوگی (۲)۔

---

(۱)سراج القاري: ۴۳۲/۲، لامع الدراري: ۱۵۴/۱، ۱۵۵، الكنز المتواري: ۸۴/۴، ۸۵

(۲)إيضاح البخاري: ۱۱۷/۳، ۱۱۸

مقامِ ابراہیم کی مراد میں چند اقوال

اس سلسلہ میں علماءِ امت کے مختلف اقوال ہیں: (۱) وہ مقام جہاں وہ پتھر رکھا ہوا ہے، جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نشاناتِ قدم ہیں۔ (۲) بیت اللہ شریف۔ (۳) مسجدِ حرام۔ (۴) پورا حرم شریف۔ ان چار مشہور اقوال میں سے ہم نے دوسرے معنیٰ مراد لیے ہیں، تیسرے اور چوتھے معنی میں بہت زیادہ توسع ہے اور آیتِ کریمی کی مراد یہ ہے: ''بیت اللہ شریف کی کسی بھی حصہ کا استقبال نماز میں فرض ہے، چونکہ بیت اللہ وہ مقام ہے جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قائم فرمایا اور تعمیر کیا تھا اور تمہاری ملت؛ ملتِ ابراہیمی ہے اس لیے بیت اللہ کو تمہارا قبلہ مقرر کیا گیا''۔

یہ معنیٰ مراد لینے کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ امام بخاریؒ کی ذکر کردہ روایات بے تکلف ترجمہ سے منطبق ہو جاتی ہیں، دوسرے یہ کہ امام بخاریؒ نے یہ باب؛ ابوابِ قبلہ میں ذکر کیا ہے، اگر اتـخـذوا کو استحباب پر محمول کیا جائے اور مقامِ ابراہیم سے مراد وہ خاص پتھر لیا جائے تو ابوابِ قبلہ سے اس کا ربط کمزور ہو جائے گا۔ واللہ اعلم (۱)

علامہ عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ صرف اتنی بات فرماتے ہیں:

''قبلہ کے ابواب میں اس باب کو لا کر (امام بخاریؒ نے) آیتِ مذکورہ ﴿واتـخـذوا مـن مـقـام إبـراهيـم مـصـلى﴾ کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے، کیوں کہ مقامِ ابراہیم کو مصلی بنانے کا ظاہرِ مطلب تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھیں. امام بخاریؒ نے (یہ باب قائم کر کے) بتلا دیا کہ یہ مطلب نہیں، بلکہ مرد یہ ہے کہ مقامِ ابراہیم کو قبلہ کی طرح سامنے رکھ کر نماز پڑھو۔ (۲)''

حدیثِ باب (پہلی حدیث)

۳۸۷ : حدّثنا ٱلْحُمَيْدِيُّ قَالَ : حَدَّثنا سُفْيَانُ قَالَ : حَدَّثنا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ : سَأَلْنَا ٱبْنَ عُمَرَ ، عَنْ رَجُلٍ طَافَ بِالْبَيْتِ (۳) ٱلْعُمْرَةَ ، وَلَمْ يَطُفْ بَيْنَ ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةِ ، أَيَأْتِي ٱمْرَأَتَهُ ؟ فَقَالَ :

(۱) إيضاح البخاري: ۳/۱۱۷، ۱۱۸، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۳/۱۳۹

(۲)فضل الباري: ۳/۱۰٦

(۳) أخرجه البخاري أيضاً في الحج، في باب: صلى النبي صلى الله عليه وسلم لسبوعه ركعتين، =

قَدِمَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ ، فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا ، وَصَلَّى خَلْفَ ٱلْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ ، وَطَافَ بَيْنَ ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةِ ، وَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ .

وَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ ٱللهِ فَقَالَ : لَا يَقْرَبَنَّهَا ، حَتَّى يَطُوفَ بَيْنَ ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةِ .

[١٥٤٤ ، ١٥٤٧ ، ١٥٦٣ ، ١٥٦٤ ، ١٧٠٠]

ترجمہ

حضرت عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا کہ جس نے عمرہ کے لیے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا ومروہ کے درمیان سعی نہیں کی، کیا وہ اپنی بیوی سے ہمبستری کر سکتا ہے؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب میں ارشاد فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ) تشریف لائے، (تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مرتبہ بیت اللہ کا طواف کیا، اور مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور پھر صفا ومروہ کے درمیان سعی کی، اور بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں بہترین نمونہ موجود ہے۔ (لہٰذا عمرہ کے لیے صفا ومروہ کے درمیان سعی ضرور کرنی چاہیے۔)

= رقم الحديث: ١٦٢٣، وفي باب: من صلى ركعتي الطواف خلف المقام، رقم الحديث: ١٦٢٧، وفي باب: ما جاء في السعي بين الصفا والمروة، رقم الحديث: ١٦٤٥، ١٦٤٧، و في باب: متى يحل المعتمر، رقم الحديث: ١٧٩٣

ومسلم في صحيحه، في الحج، باب: بيان أن المحرم بعمرة لا يتحلل بالطواف قبل السعي وأن المحرم بحج لا يتحلل بطواف القدوم وكذلك القارن، رقم الحديث: ١٢٣٤

والنسائي في سننه، في الحج، باب: طواف من أهل بعمرة، رقم الحديث: ٢٩٣٣

وابن ماجة في سننه، في الحج، باب: الركعتين بعد الطواف، رقم الحديث: ٢٩٥٩

وفي جامع الأصول، حرف الحاء، الكتاب الأول: في الحج والعمرة، الباب الثامن: في التحلل وأحكامه، الفصل الثاني: في وقت التحلل وجوازه، رقم الحديث: ١٦١٢، ٣/٣٠٧

حضرت عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ یہی سوال ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کیا، تو انہوں نے صراحۃ فرمایا: ایسا شخص ہرگز اپنی بیوی سے ہمبستری نہ کرے، یہاں تک کہ صفا ومروہ کے درمیان سعی کرلے۔

تراجم رجال

اس حدیث مبارکہ میں کل چار رجال ہیں:

۱۔الحمیدی

یہ ''ابوبکر عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ قریشی، اسدی، حمیدی، مکی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، کی پہلی حدیث کے تحت اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: قول المحدث: حدثنا أوأخبرنا وأنبأنا، میں گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔سفیان

یہ ''مشہور محدث سفیان بن عیینہ بن ابی عمران ہلالی کوفی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، کی پہلی حدیث کے تحت اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: قول المحدث: حدثنا أوأخبرنا وأنبأنا، میں گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔عمرو بن دینار

یہ ''ابو محمد عمرو بن دینار مکی جُمحی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: کتابة العلم، کی تیسری حدیث میں گذر چکے ہیں(۳)۔

۴۔ابن عمر

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''عبداللہ بن عمر بن خطاب'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

---

(۱) كشف الباري: ۱/۲۳۷، ۳/۹۹

(۲) كشف الباري: ۱/ ۲۳۸، ۳/۱۰۲

(۳) كشف الباري: ٤/۳۰۹

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: بني الإسلام على خمس میں گذر چکے ہیں (۱)۔

شرح حدیث

طاف بالبيت العمرة

(حضرت عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا کہ) جس نے عمرہ کے لیے بیت اللہ کا طواف کیا۔

اس جملے میں لفظ "العمرة" حرف جر "لام" کے حذف کے ساتھ ہے، یہ مستملی اور حموی کی روایت ہے، اس جگہ حرفِ جر کو محذوف مانے بغیر معنی درست نہیں ہوتے اس لیے تقدیر ماننا ضروری ہے۔ اور دیگر بہت سارے نسخوں میں یہ لفظ "العمرة" کے بجائے "للعمرة" ہے (۲)۔

علامہ برماوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "لام" کے بغیر بھی درست ہے، اس صورت میں یہ مفعول لہ ہوگا اور "العمرة" کو "اعتمار" کے معنی میں لے لیا جائے گا (۳)۔

یہ بھی ممکن ہے کہ "العمرة" سے قبل لفظِ طواف کو بطورِ مضاف محذوف مانا جائے، پھر مضاف کو حذف کر کے اس کی جگہ مضاف الیہ کو قائم مقام کر دیا جائے (۴)۔

ولم يطف بين الصفا والمروة

اور صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کی،

"لم يطف" یہ لفظ "لم يسع" کے معنی میں ہے، یعنی: "ولم يسع بين الصفا والمروة" کہ اس نے صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کی۔

سعی کو طواف سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ "سعی" طواف کی ہی ایک نوع ہے، یا مشاکلت اور

---

(۱) كشف الباری: ۶۳۷/۱

(۲) الكواكب الدراري: ۵۹/۴، مصابيح الجامع: ۱۱۲/۲، عمدة القاري: ۱۹۴/۴

(۳) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۱۳۹/۳

(۴) مصابيح الجامع: ۱۱۲/۲، كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري: ۲۲/۷

بیت اللہ کے طواف کے مصاحب ہونے کی وجہ سے سعی کو طواف سے تعبیر کیا ہے(۱)۔

أ يأتي امرأته؟

کیا وہ اپنی بیوی سے ہمبستری کرسکتا ہے؟

ہمزہ استفہام کے لیے ہے، یعنی: سوال کیا کہ عمرہ کرتے ہوئے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے سے پہلے عمرہ کرنے والا حلال ہو جائے گا یا نہیں؟ اور اسی بناء پر ایسے شخص کے لیے اپنی بیوی سے صحبت کرنا جائز ہو جائے گا یا نہیں؟ اس مقام پر سوال صرف بیوی سے مجامعت کے حلال ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اس لیے کیا گیا ہے، کہ بیوی کے پاس آنا احرام کی حالت میں کیے جانے والے حرام کاموں میں سے سب بڑا احرام کام ہے، وگرنہ احرام سے حلال ہونے سے قبل تمام محرمات کا حکم یہ ہی ہے کہ ان کا ارتکاب جائز نہیں ہے(۲)۔

فقال: قدم النبي صلى الله عليه وسلم

تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب میں ارشاد فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ) تشریف لائے۔

"فقال" سے مراد "فأجاب" ہے، یعنی: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سوال کا یہ جواب دیا۔ اس جواب میں اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے براہ راست دوٹوک الفاظ میں جواب دینے کے بجائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے فعل کے لیے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے دلیل حاصل کرو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی گذارنے کے لیے بہترین نمونہ اپنے محبوب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں رکھا ہے، بالخصوص حج کے معاملات میں تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا صریح

(۱) الكواكب الدراري: ٥٩/٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ١٣٩/٣، عمدة القاري: ١٩٥/٤، فتح الملهم، كتاب الحج، باب: بيان أن المحرم بعمرة لا يتحلل بالطواف قبل السعي: ١٠٣/٦

(٢) الكواكب الدراري: ٥٩/٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ١٣٩/٣، عمدة القاري: ١٩٥/٤، كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري: ٢٢/٧، فتح الملهم، كتاب الحج، باب: بيان أن المحرم بعمرة لا يتحلل بالطواف قبل السعي: ١٠٤/٦

قول: "لتأخذوا مناسككم" (۱) بھی موجود ہے۔ (۲)

تفسیر ابن کثیر میں اس آیت: ﴿قد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة﴾ کی تشریح میں (جو دلیل میں حضرت بن عمر رضی اللہ عنہما نے پیش فرمائی) علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"هٰذه الآية الكريمة أصلٌ كبيرٌ في التأسّي برسول الله صلى الله عليه وسلم في أقواله، وأفعاله، وأحواله". (۳)

کہ یہ آیت کریمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال کی اتباع کرنے میں بہت بڑی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

اور اس مسئلے میں چونکہ نبی اکرم سعی کرنے کے بعد حلال ہوئے تھے، اس لیے سعی کرنے سے قبل بیوی سے ہمبستری کرنا جائز نہیں ہے (۴)۔

عمرہ سے حلال ہونے کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب

عمرہ سے حلال ہونے کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب مذکورہ حدیث میں بیان کیے جانے والے مذہب کے خلاف ہے اور وہ یہ کہ جب کسی کی نظر بیت اللہ پر پڑ جائے تو اس کا احرام کھل جائے گا، لہٰذا ایسے شخص کے لیے اپنی بیوی سے صحبت کرنا جائز ہوگا، یعنی: طواف کے بعد سعی سے پہلے ہی وہ حلال ہو جائے

(۱) عن جابر رضي الله عنه يقول: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يرمي على راحلته يوم النحر، ويقول: "لتأخذوا مناسككم، فإني لا أدري لعلي لا أحج بعد حجتي هٰذه". (صحيح مسلم، كتاب الحج، باب: استحباب رمي الجمرة العقبة يوم النحر راكباً، وبيان قولهصلى الله عليه وسلم: "لتأخذوا مناسككم"، رقم الحديث: ۱۲۹۷، بيت الأفكار)

(۲) الكواكب الدراري: ۵۹/۴، كوثر المعانى الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري: ۲۲/۷، فتح الملهم، كتاب الحج، باب: بيان أن المحرم بعمرة لا يتحلل بالطواف قبل السعي: ۱۰۴/۶

(۳) تفسير ابن كثير، سورة الأحزاب: ۳۱، ۳۹۱/۶)

(۴) إكمال المعلم بفوائد مسلم، كتاب الحج، باب: ما يلزم من أحرم بالحج، ثم قدم مكة، من الطواف والسعي: ۳۱۲/۴، المنهاج شرح صحيح مسلم، كتاب الحج، باب: بيان أن المحرم بعمرة لا يتحلل بالطواف قبل السعي، ۲۱۹/۸

گا۔اسی وجہ سے ایک صحابی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا تھا تو انہوں نے اشارۃً جواب دیا تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو۔قاضی عیاض، علامہ نووی، حافظ ابن حجر رحمہم اللہ وغیرہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب جمہور صحابہ کے ساتھ نہیں تھا(۱)۔

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت"وصلی خلف المقام رکعتین" میں ہے(۲)۔

''امام بخاریؒ کا مقصد صرف "وصلی خلف المقام رکعتین" سے ہے،اب اگر"اتخذوا من مقام إبراهيم مصلی" میں"اتخذوا" کو استحباب پر محمول کریں تو بھی مطابقت ظاہر ہے کہ تحیۃ الطّواف کے لیے سب سے اولیٰ تر مقام''مقامِ ابراہیم''ہی ہے،ضروری کسی کے نزدیک نہیں۔اور اگر"اتخذوا" کو وجوب پر حمل کریں تو مقامِ ابراہیم سے مراد''بیت اللہ''ہوگا اس صورت میں روایت کا ترجمۃ الباب سے انطباق ظاہر ہے کہ نماز میں کعبہ کو قبلہ بنایا جائے،جیسا کہ روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہی ثابت ہے''۔(۳)

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مطابقتِ ترجمہ "وصلی خلف المقام"سے حاصل ہوگئی،جو پہلی حدیث الباب میں مذکور ہے اور محقق عینیؒ نے بھی اس کی صراحت کی ہے، پھر نہ معلوم لامع الدراری:۱/۱۵۴میں ایسا کیوں لکھا گیا کہ ترجمۃ الباب پر یہ اشکال ہے کہ امام بخاریؒ نے اس میں آیتِ قرآنی ذکر کی ہے،جس میں مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے کا امر ہے، پھر وہ جو روایات اس ترجمہ کے تحت لائے ہیں،ان میں مقام ابراہیم کو مصلی بنانے پر کوئی دلالت نہیں

(۱)شرح ابن بطال، كتاب الحج، باب: متى يحل المعتمر، رقم الحديث: ١٥٦٧: ٣٩٨/٤، دارالكتب العلمية۔ إكمال المعلم بفوائد مسلم، كتاب الحج، باب: ما يلزم من أحرم بالحج، ثم قدم مكة، من الطواف والسعي: ٣١٢/٤۔ المنهاج شرح صحيح مسلم، كتاب الحج، باب: بيان أن المحرم بعمرة لا يتحلل بالطواف قبل السعي، ٢١٩/٨۔ فتح الباري: ٦٤٧/١۔ كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري: ٢٢/٧

(٢)فتح الباري: ٦٤٧/١۔ عمدة القاري: ١٩٤/٤۔ كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري: ٢٢/٧

(٣)إيضاح البخاري: ١٧٣/٣

ہے، پھر لکھا کہ حضرت اقدس مولانا گنگوہیؒ نے اسی اشکال کے دو جواب دیئے ہیں، الخ حیرت ہے کہ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے عدمِ مطابقت کی نشاندہی بھی کردی۔ اور بظاہر حضرت گنگوہیؒ کے نزدیک بھی عدمِ مطابقت کا کوئی اشکال یہاں نہیں ہے، بلکہ وہ امام بخاریؒ کی یہ مراد واضح فرمانا چاہتے ہیں کہ مقامِ ابراہیم کے پاس نماز کے حکم کے باوجود بھی فرض استقبال کعبہ کے تأکد میں فرق نہیں آیا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ خلف المقام کے ساتھ بھی استقبالِ کعبہ کو ترک نہیں فرمایا، دوسری بات حضرتؒ نے امام بخاریؒ کی یہ بتائی کہ آیت میں اگرچہ امر ہے مگر وہ سنیت یا استحباب کے لیے ہے، وجوب کے لیے نہیں ہے، کیونکہ وجوب کے لیے ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مواجہہ بیت اللہ میں نماز نہ پڑھتے، جو دوسری اور تیسری حدیث الباب میں

---

(۱)الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب: الإمامة: ۳۱۴/۲- ۳۱۶

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان مقام الإمام والمأموم: ۶۷۴/۱

الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الصلاة، الفصل الخامس في بيان المقام الإمام والمأموم: ۸۸/۱

(۲)حدثنا محمد بن العلاء الهمداني أبو كريب، قال: حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن الأسود، وعلقمة، قالا: أتينا عبد الله بن مسعود في داره، فقال: أصلى هؤلاء خلفكم؟ فقلنا: لا، قال: فقوموا فصلوا، فلم يأمرنا بأذان ولا إقامة، قال: وذهبنا لنقوم خلفه، فأخذ بأيدينا فجعل أحدنا عن يمينه والآخر عن شماله، قال: فلما ركع وضعنا أيدينا على ركبنا، قال: فضرب أيدينا وطبق بين كفيه، ثم أدخلهما بين فخذيه، قال: فلما صلى، قال: إنه ستكون عليكم أمراء يؤخرون الصلاة عن ميقاتها، ويخنقونها إلى شرق الموتى، فإذا رأيتموهم قد فعلوا ذلك، فصلوا الصلاة لميقاتها، واجعلوا صلاتكم معهم سبحة، وإذا كنتم ثلاثة فصلوا جميعا، وإذا كنتم أكثر من ذلك، فليؤمكم أحدكم، وإذا ركع أحدكم فليفرش ذراعيه على فخذيه، ولْيَجْنَأْ، وليطبق بين كفيه، فلكأني أنظر إلى اختلاف أصابع رسول الله صلى الله عليه وسلم فأراهم.(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: الندب إلى وضع الأيدي على الركب في الركوع، رقم الحديث: ۱۲۲۱)

والمذكور في "نزهة الألباب في قول الترمذي: وفي الباب هٰذا: "أما حديث ابن مسعود"، فرواه مسلم: ۳۷۸/۱، وأبو عوانة في مستخرجه: ۱۸۰/۲، ۱۸۱، والنسائي في المجتبى: ۶۶/۲، والكبرىٰ: ۳۷۸/۱، وأحمد: ۴۱۳/۱، ۴۱۸، وغيرهم. (نزهة الألباب وفي قول الترمذي: "وفي الباب"، كتاب الصلاة: ۵۵۴/۲)

مذکور ہے، اس لیے کہ اس صورت میں مقامِ ابراہیم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے تھا، آگے نہیں تھا اور آگے صرف کعبہ تھا، علاوہ ازیں یہ بات بجائے خود بھی صحیح نہیں ہے کہ روایاتِ باب میں مقامِ ابراہیم کو مصلی بنانے پر کوئی دلالت نہیں ہے، جب کہ پہلی ہی حدیث میں حضور اکرم و کے مقامِ ابراہیم میں نماز پڑھنے کا ذکر صراحت سے موجود ہے، یہ تو پوری طرح آیتِ ترجمۃ الباب کے مصداق پر عمل تھا، لیکن اس پر عمل کے باوجود یہ بھی ظاہر کرنا ضروری تھا کہ مقامِ ابراہیم کے پاس نماز پڑھنا موجبِ شرف و برکت و ازدیادِ اجر ہے، یہ نہیں کہ اس کی وجہ سے بیت اللہ کے استقبال کی اہمیت کچھ کم ہوگئی، بلکہ حسبِ تحقیق حضرت گنگوہیؒ اس کا تائیدِ مزید مفہوم ہوا کہ اس کے پاس بھی نماز کی صحت استقبالِ کعبہ معظّمہ پر ہی موقوف ہے اور اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں بھی نماز میں استقبال ترک نہیں فرمایا۔(۱)‘‘

مذکورہ حدیثِ مبارکہ سے مستنبط شدہ احکام

مذکورہ حدیثِ مبارکہ سے جو فوائد و احکام مستنبط ہوتے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) باتفاق علماء عمرہ میں سعی کرنا واجب ہے، اس کے بغیر عمرہ کرنے والا حلال نہیں ہوسکتا (۲)۔

(۲) سعی کے لیے سات چکر ہونا لازمی ہے (۳)۔

(۳) دو رکعت نماز مقامِ ابراہیم کے پاس پڑھنا واجب ہے، اس میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہے، یہ احناف کے نزدیک ہے، ورنہ شوافع کے نزدیک یہ دو رکعت سنت ہیں (۴)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

---

(۱)أنوار الباري: ۱۲/۱۹۵

(۲)فتح الباري: ۱/٦٤٧۔ الشرح الميسر لصحيح البخاري: ۱/٤٤٤۔ كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري: ۷/۲۲

(۳)الشرح الميسر لصحيح البخاري: ۱/٤٤٤

(٤)فتح الباري: ۱/٦٤٧۔ الشرح الميسر لصحيح البخاري: ۱/٤٤٤۔ كوثر المعاني الدراري في كشف خبايا صحيح البخاري: ۷/۲۲

تعلیق

وَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ فَقَالَ : لَا يَقْرَبَنَّهَا ، حَتَّى يَطُوفَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ .

تعلیق کا ترجمہ

حضرت عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ یہی سوال ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کیا، تو انہوں نے (صراحۃ) فرمایا: ایسا شخص ہرگز اپنی بیوی سے ہمبستری نہ کرے، یہاں تک کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرلے۔

تعلیق کی تخریج

یہ روایت مسند حمیدی (۱) اور مصنف ابن ابی شیبہ (۲) میں موصولا موجود ہے۔

تعلیق کا مقصد

اس تعلیق سے مقصود صرف اس بات کو واضح کرنا ہے کہ ماقبل والی روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے صراحۃً سائل کے سوال کا جواب نہیں دیا تھا، بلکہ محض جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل پیش کیا تھا کہ اس میں تمہارے لیے رہنمائی موجود ہے، اس کے مطابق عمل کرلو۔

لیکن مذکورہ تعلیق میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے واضح طور پر بتادیا کہ معتمر اس وقت تک حلال نہیں ہوسکتا، جب تک سعی نہ کرلے (۳)۔

---

(۱) حدثنا الحميدي، قال: حدثنا سفيان، قال: حدثنا عمرو بن دينار، قال: سألنا جابر بن عبد الله، فقال: لا تقربها حتى تطوف بين الصفا والمروة.

(مسند الحميدي، كتاب الحج، باب: أ يقع الرجل بإمرأته قبل أن يسعي، رقم الحديث: ۱٬۶۸٤، ۱/٥٤۱)

(۲) حدثنا أبو بكر قال: حدثنا ابن عيينة عن عمرو قال: سألت جابر بن عبد الله عن رجل اعتمر، فطاف بالبيت، ثم أراد أن يقع على أهله قبل أن يطوف بين الصفا والمروة؟ فقال: لا، حتى يطوف بين الصفا والمروة.

(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الحج، باب: في المعتمر يطوف بالبيت، أيقع على أهله، رقم الحديث: ۱٤۹۲۷، ٥/٤۹۳)

(۳) فتح الباري: ۱/٦٤۷۔ عمدة القاري: ٤/۱۹٥

حدیثِ باب: (دوسری حدیث)

۳۸۸ : حدّثنا مُسَدَّدٌ قَالَ : حَدَّثنا يَحْيَى ، عَنْ سَيْفٍ قَالَ : سَمِعْتُ مُجَاهِدًا[1] قَالَ : أُتِيَ ٱبْنُ عُمَرَ ، فَقِيلَ لَهُ : هٰذَا رَسُولُ ٱللهِ ﷺ دَخَلَ ٱلْكَعْبَةَ ، فَقَالَ ٱبْنُ عُمَرَ : فَأَقْبَلْتُ وَٱلنَّبِيُّ ﷺ قَدْ خَرَجَ ، وَأَجِدُ بِلَالًا قَائِمًا بَيْنَ ٱلْبَابَيْنِ ، فَسَأَلْتُ بِلَالًا فَقُلْتُ : أَصَلَّى ٱلنَّبِيُّ ﷺ فِي ٱلْكَعْبَةِ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، رَكْعَتَيْنِ ، بَيْنَ ٱلسَّارِيَتَيْنِ ٱللَّتَيْنِ عَلَى يَسَارِهِ إِذَا دَخَلْتَ ، ثُمَّ خَرَجَ ، فَصَلَّى فِي وَجْهِ ٱلْكَعْبَةِ رَكْعَتَيْنِ .

[٤٥٦ ، ٤٨٢-٤٨٤ ، ١١١٤ ، ١٥٢١ ، ١٥٢٢ ، ٢٨٢٦ ، ٤٠٣٨ ، ٤١٣٩]

(١) أخرجه البخاري أيضاً وفي المساجد، باب: الأبواب والغلق للكعبة والمساجد، رقم الحديث: ٤٦٨، وفي سترة المصلي، باب: الصلاة بين السواري في غير جماعة، رقم الحديث: ٥٠٤، ٥٠٥، ٥٠٦، وفي التطوع، باب: ما جاء في التطوع مثنى مثنى، رقم الحديث: ١١٦٧، وفي الحج، باب: إغلاق البيت ويصلي في أيّ نواحي البيت شاء، رقم الحديث: ١٥٩٨، وباب: الصلاة في الكعبة، رقم الحديث: ١٥٩٩، وفي الجهاد، باب: الردف على الحمار، رقم الحديث: ٢٩٨٨، وفي المغازي، باب: دخول النبي صلى الله عليه وسلم من أعلى مكة، رقم الحديث: ٤٢٨٩، باب: حجة الوداع، رقم الحديث: ٤٤٠٠

ومسلم في صحيحه، في الحج، باب: استحباب دخول الكعبة للحاج وغيره، رقم الحديث: ٣٢٣٠، ٣٢٣١، ٣٢٣٢، ٣٢٣٣، ٣٢٣٤، ٣٢٣٥، ٣٢٣٦

وأبو داؤد في سننه، في المناسك، باب: الصلاة في الكعبة، رقم الحديث: ٢٠٢٣

والترمذي في سننه، في الحج، باب ما جاء في الصلاة في الكعبة، رقم الحديث: ٨٧٤

والنسائي في سننه، في المساجد، باب: الصلاة في الكعبة، رقم الحديث: ٦٩٣، وفي القبلة، باب: مقدار ذٰلك، رقم الحديث: ٧٥٠، وفي الحج، باب: دخول البيت، رقم الحديث: ٢٩٠٨، ٢٩٠٩، وباب: موضع الصلاة بالبيت، رقم الحديث: ٢٩١٠، ٢٩١١

وابن ماجة في سننه، في المناسك، باب: ٣٠٦٣

وفي جامع الأصول، حرف الحاء، الكتاب الأول: في الحج والعمرة، الباب الرابع: في الطواف والسعي ودخول البيت، الفصل الثالث: في دخول البيت، رقم الحديث: ١٥١٤، ٣/٢٢٥

ترجمہ

حضرت مجاہد رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس کوئی شخص آیا اور بتایا کہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظّمہ کے اندر تشریف لے گئے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں اُدھر پہنچا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لا چکے تھے، اور (گویا) میں بلال کو (اب بھی) دیکھ رہا ہوں کہ دونوں باب کے درمیان کھڑے ہیں، میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے؟ تو انہوں نے کہا، ہاں! دو رکعت، اُن ستونوں کے درمیان، جو داخلۂ بیت اللہ کے وقت دائیں بائیں جانب ہوتے ہیں، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر آکر دو رکعت کعبہ کے مواجہہ میں پڑھیں۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی سند میں کل پانچ رجال ہیں:

۱۔ مسدد

یہ ''مسدد بن مسرہد بن مسربل بن مرعبل الاسدی البصری'' رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اور بعض کے نزدیک ان کا نام ''عبدالملک بن عبدالعزیز'' ہے۔

ان کے مختصر حالات کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أب يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت اور تفصیلی حالات کتاب العلم، باب: من خص بالعلم قوما دون قوم كراهية أن لا يفهموا، کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں (۱)۔

۲۔ یحیی

یہ ''یحی بن سعید بن فروخ القطان تمیمی'' رحمہ اللہ ہیں، ان کی کنیت ''ابوسعید'' ہے۔

---

(۱) كشف الباري: ۲/۲، ٥٨٨/٤

ان کے مختصر حالات کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أب يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۳۔سیف

یہ ''سیف بن سلیمان المخزومی المکی'' ہیں، ان کی کنیت ''ابوسلیمان المکی'' ہے(۲)۔ان کو''سیف بن ابی سلیمان'' بھی کہا جاتا تھا(۳)۔

ابن معین کہتے ہیں کہ سیف بن سلیمان المکی اور سیف بن ابی سلیمان ایک ہی فرد کے دو نام ہیں(۴)۔

ان کا شمار طبقہ سادسہ میں ہوتا تھا(۵)۔

یہ بنی مخزوم کے آزاد کردہ غلام تھے(۶)۔

یہ جن مشائخ سے روایت کرتے ہیں ان میں ''مجاہد بن جبر، عبداللہ بن ابی نجیح، قیس بن سعد المکی، عدی بن عدی الکندی، عمرو بن دینار، ابوامیہ عبدالکریم بن ابی المخارق البصری'' وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں(۷)۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں ''یحیی بن سعید القطان، ابواسامہ حماد بن اسامہ، زید بن الحباب، سفیان الثوری، معتمر بن سلیمان، عبداللہ ابن المبارک، مسلم بن خالد الزنجی، زید بن الحباب، عبداللہ بن نمیر وغیرہ''، رحمہم اللہ شامل ہیں(۸)۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یحیی القطان رحمہ اللہ کہتے ہیں: كان عندنا ثقة ممن يصدق ويحفظ(۹).

---

(۱) کشف الباری: ۲/۲

(۲)تهذيب الكمال: ۱۲/۳۲۰

(۳)الجرح والتعديل: ٦/٤٢٥، تهذيب التهذيب: ٤/ ٢٩٤

(٤)تاريخ ابن معين: ٣/٨٤

(٥)موسوعة رجال الكتب التسعة: ٢/١٣٣، تقريب التهذيب: ١/٤٩٨

(٦)التاريخ الكبير للبخاري: ٤/١٧١، تهذيب التهذيب: ٤/ ٢٩٤

(٧)تهذيب الكمال: ١٢/٣٢٠، تهذيب التهذيب: ٤/ ٢٩٤

(٨)تهذيب الكمال: ١٢/٣٢٠، تهذيب التهذيب: ٤/ ٢٩٤

(٩)التاريخ الكبير للبخاري: ٤/١٧١

اسی قول کو ابوحاتم نے علی ابن المدینی سے اس طرح نقل کیا ہے کہ میں نے یحیی بن سعید سے سیف بن سلیمان کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: كان عندنا ثبت ممن يصدق ويحفظ(۱).

صالح بن احمد کہتے ہیں کہ میرے والد احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: سيف ثقة

ابومحمد کہتے ہیں کہ میرے والد سے سیف بن سلیمان کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: لا بأس به(۲).

عجلی اور ابوبکر البزار رحمہما اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ثقة(۳).

ابوزرعہ الدمشقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثبت(٤).

ابن عدی رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا: حديثه ليس بالكثير، وارجو أنه لا بأس به(٥).

امام نسائی رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا: ثقة ثبت(٦).

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں الثقات میں ذکر کیا ہے(۷)۔

یحیی ابن معین کہتے تھے کہ سیف بن سلیمان اور زکریا بن اسحاق دونوں ''قدری'' تھے(۸)۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن معینؒ کے اس تعنت کے باوجود یحیی بن سعید القطان رحمہ اللہ نے ان سے روایت نقل کی ہے(۹)۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ابن عدی رحمہ اللہ نے ''الکامل فی ضعفاء الرجال'' میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی یہ حدیث نقل کی ہے:

---

(۱) یعنی: ''ثقة'' کی جگہ ''ثبت'' کا لفظ استعمال کیا۔ الجرح والتعديل: ٤/٢٥٤، تهذيب الكمال: ١٢/٣٢١

(۲) الجرح والتعديل: ٤/٢٥٤، تهذيب الكمال: ١٢/٣٢١

(۳) تهذيب التهذيب: ٤/ ٢٩٤

(٤) تهذيب الكمال: ١٢/٣٢٠، تهذيب التهذيب: ٤/ ٢٩٤

(٥) تهذيب الكمال: ١٢/٣٢٢، تهذيب التهذيب: ٤/ ٢٩٤

(٦) الكاشف: ١/٤٧٥، تهذيب التهذيب: ٤/ ٢٩٤

(۷) الثقات لابن حبان: ١/١٨٣

(۸) تاريخ ابن معين برواية الدوري: ٣/٧٧

(۹) ميزان الاعتدال: ٢/ ٢٥٥، سير أعلام النبلاء: ٦/٣٣٨

عن قيس بن سعد، عن عمرو بن دينار، عن ابن عباس، "أن النبي صلى الله عليه وسلم قضى باليمين مع الشاهد الواحد". (الکامل فی ضعفاء الرجال: ۳/ ۴۳۸) اورعباس نے یحیی ابن معین سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا: ليس بمحفوظ، وسيف قدري۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو تو عبدالرزاق نے عن محمد بن مسلم الطائفي، عن عمرو کی سند سے روایت کیا ہے اور یہ عن داؤد العطار، عن عمرو کی سند سے بھی روایت کی گئی ہے۔

ابن عدی رحمہ اللہ نے اس پوری بحث کے بعد فرمایا ہے: أرجو أنه لا بأس به(١).

الساجی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اجمعوا على أنه صدوق ثقة، غير أنه اتهم بالقدر(٢).

ابوعبید الآجری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوداؤد رحمہ اللہ سے ان کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: ثقة، میں نے عرض کیا: يرمى بالقدر تو انہوں نے جواب دیا: أعلمه(٣).

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثقة ثبت، رمي بالقدر(٤).

خلاصہ یہ کہ ان پر کی جانے والی یہ جرح جمہور ائمۃ الرجال کی تعدیل کے مقابلے میں مذموم نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی مقدمہ فتح الباری "ہدی الساری" میں ان پر تفصیلی کلام کیا ہے۔

---

(١)ميزان الاعتدال: ٢/ ٢٥٥، سير أعلام النبلاء: ٣٣٨/٦، ٣٣٩

(٢)تهذيب التهذيب: ٤/ ٢٩٤، هدي الساري، ص: ٥٧٤

(٣)تهذيب الكمال: ٣٢١/١٢، تهذيب التهذيب: ٤/ ٢٩٤

(٤)تقريب التهذيب: ٤٩٨/١، تحرير تقريب التهذيب: ١٠٠/٢

"قلت: له في البخاري أحاديث، **أحدها** في الأطعمة حديث حذيفة في آنية الذهب بمتابعة الحكم وابن عون وغيرهما عن مجاهد عن ابن أبي ليلى عنه، **ثانيها**: في الحج حديث في القيام على البدن بمتابعة ابن أبي نجيح وغيره عن مجاهد عن ابن أبي ليلى عنه، **ثالثها**: في الحج أيضا حديث كعب بن عجرة في الفدية بمتابعة حميد بن قيس وغير واحد عن مجاهد عن أبي ليلى عنه، **رابعها**: في الصلاة وفي التهجد حديث ابن عمر عن بلال في صلاة النبي صلى الله عليه وسلم أخرجه من حديثه عن مجاهد عنه وله متابع عنده عن نافع وعن سالم معا، وهذه الأحاديظ وقعت للبخاري عالية من حديث مجاهد، فإنه رواها عن أبي نعيم عن سيف هذا عن مجاهد، ولم أر له عنده من أفراده عن مجاهد، ولم أر له عنده من أفراده عن مجاهد غير الرابع، وقد ذكرت أنه أخرج شاهده والله أعلم، وروى له الباقون إلا الترمذي". (هدي الساري مقدمة فتح الباري، الفصل التاسع في سياق أسماء من طعن فيه من الرجال، ص: ٥٧٤)

ان کی عمر کا آخری حصہ بصرہ میں گذرا اور وفات ایک سو چھپن ہجری میں ہوئی (۱)۔

ان کی وفات کے بارے میں دوسرا قول ایک سو اکاون ہجری کا ہے (۲)۔

۴۔مجاہد

یہ ''ابوالحجاج مجاہد بن جُبُر مکی قرشی مخزومی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے حالات کشف الباری، کتاب العلم، باب: الفهم في الحديث، کے تحت گذر چکے ہیں (۳)۔

۵۔ابن عمر

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''عبداللہ بن عمر بن خطاب'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: بني الإسلام على خمس میں گذر چکے ہیں (۴)۔

شرح حدیث

أتي ابن عمر، فقيل له: هذا رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل الكعبة،

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس کوئی شخص آیا اور بتایا کہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظّمہ کے اندر تشریف لے گئے ہیں۔

''أتي'' ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ، مجہول کا صیغہ ہے (۵)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے نام کا علم نہیں ہو سکا، جس نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو خبر دی تھی (۶)۔

---

(۱) الجرح والتعديل: ٦/٤٢٥، تقريب التهذيب: ١/٤٩٨

(۲) الكاشف: ١/٤٧٥

(۳) كشف البارى: ٣/٣٠٧

(٤) كشف البارى: ١/٦٣٧

(٥) عمدة القاري: ٤/١٩٦، الكوثر الجاري إلى رياض أحاديث البخاري: ٢/٨٢

(٦) فتح الباري: ١/٦٤٨، التوضيح لمبهمات الجامع الصحيح، ص: ٥٢

فأقبلت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں اُدھر پہنچا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما چونکہ سخت متبع سنت تھے، اس لیے جب اُن کو یہ خبر ملی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو وہ بھی چلے تا کہ یہ دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں جا کر کیا کیا اور جو کچھ آپ نے کیا وہ ہی میں کروں گا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لا چکے تھے(۱)۔

والنبي صلى الله عليه وسلم قد خرج

اس حال میں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لا چکے تھے۔

"خرج" کا صلہ "من الکعبة" ہے۔

وأجد بلالا قائما بين البابين

میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بیت اللہ کے دونوں دروازوں کے درمیان کھڑے ہوئے پایا۔

یہاں "أجد" مضارع کا صیغہ ہے، لیکن یہ ماضی "وجدتُ" کے معنی میں ہے۔ اور مقصود اس سے حال کی حکایت کرنا ہے یا زمانہ ماضی کی اس صورت کو مستحضر رکھنا ہے(۲)۔

یعنی: ماضی کو استقبال کے صیغے کے ساتھ تعبیر کیا، ماضی کو استقبال کے صیغے کے ساتھ تعبیر کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ واقعہ اس وقت میرے آنکھوں کے سامنے گھوم گیا ہے، جیسے: اس وقت میری آنکھوں کے سامنے موجود تھا۔

علامہ سیوطی رحمہ فرماتے ہیں:

"بين البابين" سے مراد "بين المصراعين" ہے، اور حموی کی روایت میں تو اس لفظ کی جگہ "بين الناس" کا لفظ ہے(۳)۔

---

(۱)تقریر بخاری شریف: ۱٤٥/۲، الكنز المتواري: ٨٦/٤

(۲)شرح الكرماني: ٥٩/٤، التوشيح شرح الجامع الصحيح للسيوطي: ٤٨٦/٣، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ١٤٠/٣

(۳)التوشيح شرح الجامع الصحيح للسيوطي: ٤٨٦/٣

یعنی: یہ بات نہیں ہے کہ اس وقت کعبہ کے دو دروازے تھے، یعنی ایک دروازہ داخل ہونے کے لیے اور دوسرا دروازہ نکلنے کے لیے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان دو دروازوں کے درمیان کھڑے تھے۔ بلکہ دو دروازوں سے مراد ایک دروازے کے دو پٹ ہیں جن کے درمیان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے۔(از مرتب)

علامہ برماوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "بین البابین" سے مراد "مصراعي الباب" بھی ہوسکتا ہے، کیونکہ اس وقت کعبہ کا صرف ایک ہی دروازہ تھا اور اس سے مراد دو دروازے بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں کعبہ کے دو دروازے تھے، اسی لیے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے دور میں کعبہ کے دو ہی دروازے کروا دیئے تھے۔ اور بعض نسخوں میں البابین کی جگہ الناس کا لفظ بھی ہے" (۱)۔

فسألت بلالا، فقلت: أ صلى النبي صلى الله عليه وسلم في الكعبة؟

قال: نعم، ركعتين، بين الساريتين اللتين على يساره إذا دخلت

تو میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں ستونوں کے درمیان جو تمہارے داخل ہوتے وقت بائیں ہاتھ پڑتے ہیں، دو رکعتیں پڑھیں۔

"نعم! ركعتين" سے مراد "نعم! صلى ركعتين" ہے (۲)۔

"الساريتين" سے مراد "الأسطوانتين" ہے، اور "على يساره" سے مراد "يسار الداخل" ہے یا "يسار البيت" ہے، یا پھر اس مقام پر حاضر سے غائب کی طرف التفات کیا گیا ہے، وگرنہ مقام کے مناسب تو "يسارك" ہونا چاہیے تھا (۳)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر کتنی رکعت نماز ادا فرمائی؟

روایت کے اس مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعتیں پڑھیں تو اس پر انہوں نے جواب دیا کہ دو رکعتیں پڑھیں۔ جب کہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بڑے افسوس سے فرماتے ہیں کہ (افسوس) میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ کیوں نہ پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے

(۱) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۱٤۰/۳، وكذا في شرح الكرماني: ٥۹/٤

(۲) التوشيح شرح الجامع الصحيح للسيوطي: ٤۸٦/۳

(۳) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۱٤۰/۳

اندر کتنی رکعات ادا فرمائی؟(۱)

تو اس اشکال کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) علامہ عینی رحمہ فرماتے ہیں: اس کا بہتر جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس وقت صرف یہ سوال کیا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت کے اندر کیا کیا؟ تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کی دو انگلیوں سے اشارہ کر دیا(۲)، جس سے دو رکعت سمجھی گئیں، پھر زبانی طور پر اس کی وضاحت کرانے کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھول گئے ہوں گے، جس کا افسوس کیا کرتے تھے(۳)۔

(۲) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے "ركعتين" کا جو لفظ ذکر کیا ہے وہ ان کا اپنا کلام ہے حضرت

(۱) كما رواه البخاري في صحيح البخاري: حدثنا أبو النعمان، وقتيبة بن سعيد، قالا: حدثنا حماد بن زيد، عن أيوب، عن نافع، عن ابن عمر: "أن النبي صلى الله عليه وسلم قدم مكة فدعا عثمان بن طلحة، ففتح الباب، فدخل النبي صلى الله عليه وسلم وبلالا وأسامة بن زيد وعثمان بن طلحة، ثم أغلق الباب، فلبث فيه ساعة، ثم خرجوا"، قال ابن عمر: فبدرتُ فسألتُ بلالا فقال: صلى فيه، فقلت: في أي؟ قال: بين الأسوانتين، قال: ابن عمر: فذهب عليّ أسأله كم صلى.(كتاب الصلاة، باب: الأبواب والغلق للكعبة والساجد، رقم الحديث: ٤٦٨، دار طوق النجاة)

ورواه أيضا: حدثنا يحيى بن بكير، حدثناالليث، قال يونس: أخبرني نافع، عن عبد الله رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقبل يوم الفتح من أعلى مكة على راحلته مردفا أسامة بن زياد، ومعه بلال، ومعه عثمان بن طلحة من الحجبة، حتى أناخ في المسجد، فأمره أن يأتي بمفتاح البيت، ففتح، ودخل رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعه أسامة وبلال وعثمان، فمكث فيها نهارا طويلا، ثم خرج، فاستبق الناس، وكان عبد الله بن عمر أول من دخل، فوجد بلالا وراء الباب قائما، فسأله: "أين صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فأشار له إلى المكان الذي صلى فيه"، قال عبد الله: فنسيت أن أسأله كم صلى من سجدة. (كتاب الجهاد والسير، باب الردف على الحمار، رقم الحديث: ٢٩٨٨، دار طوق النجاة)

(٢)حدثنا إسحاق بن يوسف، حدثنا ابن أبي داؤد، عن نافع، عن ابن عمر، قال: صعد رسول الله صلى الله عليه وسلم البيت وبلال خلفه، قال: وكنت شابا، فسعدت، فاستقبلني بلال، فقلت له: ما صنع رسول الله هاهنا؟ قال: فأشار بيده، أي: صلى ركعتين. (مسند أحمد بن حنبل، حديث بلال، رقم الحديث: ٢٣٩٢١، ٣٤٣/٣٩، مؤسسة الرسالة)

(٣)عمدة القاري: ١٩٧/٤

بلال رضی اللہ عنہ کا نہیں ہے، بظاہر انہوں نے نماز کی تحقیقی مقدار پر اعتماد کرتے ہوئے اپنا یہ قول ذکر کیا، وہ اس طرح کی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ جواب تو مل گیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، دوسری طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دن میں دو رکعت سے زیادہ پڑھنا منقول نہیں، تو ان مقدمات کا لازمی نتیجہ یہ ہی نکلے گا کہ کعبہ کے اندر آپ علیہ السلام کی نماز کم از کم دو رکعت تو تھی، اسی بناء پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے "رکعتین" کا لفظ کہہ دیا۔

حافظ صاحب رحمہ فرماتے ہیں: پھر مجھے اپنی اس بات کی تائید بھی مل گئی وہ اس طرح کہ عمر بن شبہ نے "کتاب مکہ" میں عبدالعزیز بن ابی رواد کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے: عن نافع، عن ابن عمر: "...... فاستقبلني بلال، فقلت: ما صنع رسول الله صلى الله عليه وسلم هاهنا؟ فأشار بيده، أي: صلى ركعتين، بالسبابة والوسطى"۔ لہٰذا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول: "نسيت أن أسأله كم صلى" کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ انہوں نے زبان سے نہ یہ سوال کیا اور نہ ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے زبان سے اس کا جواب دیا، یعنی: دو رکعت نماز کا پڑھنا ان کے اشارے سے سمجھا گیا نہ کہ ان کے کلام کرنے سے۔ خلاصہ کلام یہ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہما کا یہ قول "نسيت أن أسأله كم صلى" اس بات پر محمول ہوگا کہ ان کو اس بات کی تحقیق نہ ہوسکی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں ادا فرمائی یا دو سے زیادہ؟(۱)

علامہ کورانی رحمہ اللہ اس بات کے جواب میں فرماتے ہیں

یہ تو ایسا جواب ہے کہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس میں یہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (کعبہ کے اندر) نماز پڑھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں؛ دو ستونوں کے درمیان دو رکعتیں ادا فرمائی۔ تو یہ بات کیسے سوچی جا سکتی ہے کہ یہ قول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا قول ہے، درست جواب یہ ہوسکتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو بار خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، ایک: فتح مکہ کے موقع پر، اور دوسرے: حجۃ الوداع کے موقع پر۔ (تعددِ دخول یا تعددِ واقعہ کی) دلیل یہ ہے کہ اس مقام میں (یعنی: حجۃ الوداع کے موقع پر دخولِ کعبہ والے واقعہ میں) یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیت کی طرف آئے، آپ کو خبر دی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ

(۱) فتح الباري: ۱/۶٤۸، شرح الزرقاني على المؤطا للإمام مالك، كتاب الحج، الصلاة في البيت: ۲/۲٤۹

میں داخل ہوئے۔ اور فتح مکہ کے موقع پر دخول کعبہ والی حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے اور بیت اللہ میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا، اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو میں نے کعبہ کے دروازے کے پیچھے کھڑے ہوئے دیکھا، جب کہ حجۃ الوداع والے واقعہ میں فرمایا تھا کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دونوں دروازوں کے درمیان کھڑے دیکھا تھا۔ تو جو شخص بھی دونوں قسم کی احادیث میں غور وفکر کرے گا، وہ اس واضح فرق کو خوب اچھی طرح پہچان لے گا(۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض متأخرین نے ان دونوں متضاد روایتوں کو اس طرح جمع کرنے کی کوشش کی ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث بیان کی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کرنا بھول گئے تھے، پھر اگلی ملاقات ہوئی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے یہ سوال بھی کر لیا۔ حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جواب یا احتمال میں دو طریقوں سے نظر ہے ایک یہ کہ یہ قصہ (یعنی: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کعبہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھنے والا) ایک بار پیش آیا متعدد بار نہیں، اس پر دلیل یہ ہے کہ دونوں روایتوں میں سوال وجواب کے مقام میں "فا" تعقیبیہ کا استعمال موجود ہے، ملاحظہ ہو پہلی روایت میں "فأقبلتُ، ثم قال: فسألتُ بلالا" ہے اور دوسری روایت میں "فبدرتُ، فسألتُ بلالا" ہے۔ تو "فا" تعقیبیہ کا استعمال اس بات کی دلیل ہے کہ مذکورہ سوال ایک ہی بار ایک ہی وقت میں ہوا تھا۔

دوسری بات یہ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول "ونسیتُ ......إلخ" کو روایت کرنے والے ان کے آزاد کردہ غلام "نافع" ہیں، جو بہت لمبا عرصہ ان کے ساتھ رہے ہیں، لیکن آخری وقت میں یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نہیں تھے، بلکہ ان سے جدا ہو گئے تھے، تو یہ بات عین ممکن ہے کہ اس آخری وقت میں ابن عمر

(۱) الكوثر الجاري إلى رياض أحاديث البخاري: ۸۲/۲

خلاصہ یہ کہ حدیثِ باب حجۃ الوداع کے موقع کی ہے، یہ جواب زیادہ قرین قیاس ہے، اس اعتبار سے کہ فتح مکہ پہلے پیش آیا اور حجۃ الوداع بعد میں، چنانچہ یہ بات عین ممکن ہے کہ پہلے پیش آنے والے واقعہ میں وہ یہ نہیں پوچھ سکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعتیں ادا فرمائیں اور بعد میں پیش آنے والے واقعہ میں انہوں نے دریافت بھی کر لیا اور انہیں جواب بھی مل گیا، فلا تعارض، واللہ اعلم بالصواب۔ (از مرتب)

رضی اللہ عنہما اپنے اس نسیان والے قول پر باقی نہ رہے ہوں، بلکہ انہوں نے دو رکعت کی ادائیگی والے صریح قول کو اختیار کرلیا ہو(۱)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ذکر کردہ وجوہِ نظر کو بیان کرنے کے بعد حافظ صاحب رحمہ اللہ کا نام لیے بغیر فرماتے ہیں کہ مذکورہ وجوہ کو نظر سے تعبیر کرنے میں بھی بہت سے اعتبارات سے نظر ہے:

پہلی بات یہ کہ اس قصے کے متعدد ہونے کا دعوی کرنا بلا دلیل ہے، اس قصے کے متعدد ہونے سے مانع کیا چیز ہے؟ وہ ذکر کی جائے۔

دوسری بات؛ "فا" تعقیبیہ ہونے سے استدلال کرتے ہوئے تعدد کی نفی کرنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ "فا" کا استعمال محض تعقیب کے لیے ہی نہیں ہوتا، بلکہ "فا" کا استعمال "ثم" کے معنی میں ہوکر تراخی کے لیے بھی ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کے اس قول ﴿ثم خلقنا النطفة علقة، فخلقنا العلقة مضغة﴾ میں فخلقنا پر داخل ہونے والی "فا" اور اس سے آگے ﴿فخلقنا المضغة﴾ اور اس سے آگے ﴿فکسونا﴾ پر داخل ہونے والی "فا"، ثم کے معنی میں ہوکر تراخی کے لیے ہے؛ اور اگر اس "فا" کا تعقیب کے لیے ہونا ہی تسلیم کرلیا جائے تو بھی کسی بھی چیز میں تعقیب کا معنی اس چیز کے اعتبار سے ہی مراد لینا درست ہوتا ہے، کیا یہ بات نہیں ہے کہ عربوں کے ہاں یہ کہا جاتا ہے: "تزوج فلان، فولد له" حالانکہ تزویج اور ولادت کے درمیان پورا مدت حمل کا وقت موجود ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے: "دخلت البصرة، فبغداد" یہاں بغداد پر فا تعقیب کے لیے ہے، لیکن بصرہ اور بغداد کے درمیان دو شہروں کے درمیان والی مسافت موجود ہے۔ لہذا یہ نظر بھی قابل تسلیم نہیں۔

تیسری بات: یہ کہنا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام نافع کا ان سے جدا ہو جانا اور پھر ان کی آخری لمبی عمر میں از خود یہ احتمال پیدا کرلینا کہ انہوں نے اپنا قول بدل لیا ہوگا، یہ بھی بے بنیاد بات ہے، اس لیے کہ انسان تو ماخوذ ہی نسیان سے ہے، لہذا جب ایسا ہے تو اس احتمال کی بھی کوئی وقعت باقی نہیں رہ جاتی (۲)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱/۶٤۸۔ ذخيرة العقبىٰ شرح سنن النسائي، كتاب المساجد، الصلاة في الكعبة: ۸/۵۰۹، ۵۱۰، دار المعراج

(۲) عمدة القاري: ٤/۱۹۸

(۳) علامہ ولی الدین العراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میرے والد (علامہ زین الدین العراقی رحمہ اللہ) نے بیان کیا کہ ایک احتمال یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے از خود اس بارے میں سوال نہیں کیا تھا بلکہ ان کے پوچھے بغیر ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دے دی تھی''۔ لیکن اس میں بُعد ہے، اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو اس صورت میں وہ اپنے نہ پوچھ سکنے پر اپنے آپ کو ملامت نہ کرتے (۱)۔

(۴) اسی طرح ایک احتمال یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دو رکعت پڑھنے کا ذکر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھنے سے قبل ہی کر دیا ہو اور پھر بعد میں ان سے پوچھا ہو، یا پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دو رکعت ادا کرنے کے بارے میں حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول کے بعد بیان کی ہو۔ لیکن اس میں بھی بُعد ہے اس لیے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بعض احادیث جو اس بارے میں ان سے منقول ہیں وہ ان سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سنی گئیں (۲)۔

(۵) ایک احتمال یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ پوچھنا بھول گئے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتوں سے زیادہ ادا فرمائی تھیں یا نہیں (۳)۔

(۶) حضرت مولانا انور علی شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر فرمایا کہ بعض علماء نے جو لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے زمانہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اپنے زمانہ کے لحاظ سے افضل تھے، وہ شاید ان ہی جیسی وجوہ سے ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ہر وقت اتباع سنت کی دھن لگی رہتی تھی اور اگر کوئی بات تحقیق سے رہ گئی تو اس کا افسوس کیا کرتے تھے، یہ ان کی عجیب وغریب شان ہی فضیلتِ خاصہ کا موجب تھی اور فرمایا: یہاں جو حضرت ابن

(۱) طرح التثريب في شرح التقريب، باب: دخول الكعبة والصلاة فيها، هل كانت هذا الصلاة تحية الكعبة؟ وهل يستدل بها على جواز صلاة الفريضة في جوف الكعبة؟ ذكر المذاهب في ذلك: ۱۳۹/۸، دار إحياء التراث العربي۔ ذخيرة العقبىٰ شرح سنن النسائي، كتاب المساجد، الصلاة في الكعبة: ۵۰۹/۸، ۵۱۰، دار المعراج

(۲) أيضا

(۳) أيضا

عمر رضی اللہ عنہما نے یقین کے ساتھ دو رکعت کا ذکر فرما دیا، وہ اس لیے نہیں تھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھ لیا تھا، بلکہ اس وجہ سے کہ کم سے کم نماز دو ہی رکعت ہوتی ہے، پس اسی کے قائل ہو گئے (۱)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں کس جگہ نماز ادا فرمائی؟

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز کس جگہ ادا فرمائی؟ اس بارے میں مختلف قسم کی روایات منقول ہیں (۲)۔

---

(۱) أنوار الباري: ۱۹٦/۱۲، فیض الباري: ٤۲/۲

(۲) ابوزرعہ ولی الدین، ابن العراقی رحمہ اللہ "تقریب الأسانید وترتیب المسانید" کی شرح "طرح التثریب" میں ان مختلف روایات اور ان پر تشریحی کلام نقل کرنے کے بعد اپنے والد ابوالفضل زین الدین العراقی رحمہ اللہ کا اخذ کیا ہوا نتیجہ ذکر فرماتے ہیں، جو کہ خوب جامع و مانع ہے، مقصود تک پہنچنے کے لیے اس کا نقل کرنا مفید معلوم ہوتا ہے، ملاحظہ کیجیے:

عن ابن عمر "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل الكعبة............ فقال جعل عمودا عن يساره، وعمودين عن يمينه، وثلاثة أعمدة وراءه، وكان البيت يومئذ على ستة أعمدة، ثم صلى". وفي رواية ابن القاسم عن مالك: "وجعل بينه وبين الجدار نحوا من ثلاثة أذرع"، وفي رواية البخاري: "عمودا عن يمينه وعمودا عن يساره"، وفي رواية لمسلم: "عمودا عن يمينه وعمودين عن يساره"، وله في رواية: "بين العمودين اليمانيين".

قال والدي: "في شرح الترمذي وهي موافقة لكونه مقابل الباب، وفي رواية في الصحيح أيضا "صلى بين العمودين اليمانيين" وإذا تقرر ترجيح الرواية الأولىٰ فلا ينافيها قوله في الرواية الثانية عمودا عن يمينه وعمودا عن يساره لأن معناها صلى بين عمودين وإن كان بجانب أحد العمودين عمود آخر ولا قوله في الرواية الأخيرة بين العمودين اليمانيين فإن العمد الثلاثة أحدها يماني وهو الأقرب إلى الركن اليماني والآخر وهو الأقرب إلى الهجر شامي والأوسط بينهما إن قرن بالأول قيل: اليمانيان وإن قرن بالثاني قيل الشاميان، ذكر المحب الطبري، وهو واضح، وأما الرواية الثالثة: فإنه يتعذر الجمع بينها وبين الأولى، فهي ضعيفة لشذوذها ومخالفتها رواية الأكثرين كما تقدم، والرواية الرابعة: فهي مقطوع بوهمها إذ ليس هناك أربعة أعمدة حتى يكون عن يمينه اثنان وعن يساره اثنان". (طرح التثريب في شرح التقريب، كتاب الحج، باب: دخول الكعبة، والصلاة فيها، حديث: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل الكعبة هو وأسامة بن زيد، فائدة: إثبات صلاته عليه السلام في الكعبة: ۱۳٦/٥)

تقریر بخاری شریف میں حضرت شیخ الحدیث صاحب نور الله مرقدہ نے ان روایات کے درمیان بہت بہترین تطبیق دی ہے۔

شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مذکورہ حدیث میں ایک جملہ ہے: "الساريتين اللتين على يساره" بعض روایات میں اس کا عکس آیا ہے، یعنی: على يمينه، اور بعض روایات میں بين العمودين المقدمين ہے اور بعض میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے تین ستون تھے۔ ان مختلف روایات کی وجہ سے اس جگہ کی تعیین میں اختلاف ہو گیا۔

میرے والد صاحب اعلی اللہ مراتبہ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں عام طور سے ستون غیر مرتب ہوتے تھے، ہموار اور بالکل خط مستقیم کے ذریعے سیدھے ایک لائن میں نہیں ہوتے تھے تو اس زمانے کا نقشہ اس قسم کا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کھڑے تھے کہ یسار میں بھی دو ستون تھے اور یمین میں بھی دو ستون تھے، اس طور پر آپ کا بين الساريتين ہونا بھی صادق ہو گیا اور یہ کہ آپ کے سامنے بھی دو ستون ہیں کیونکہ تین ہیں ایسے ہی ادھر ادھر مقابلہ میں دو ہیں، انہی کا ذکر کر دیا (۱)۔

ثم خرج، فصلى في وجه الكعبة ركعتين.

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ سے باہر نکلے، پھر کعبہ کے (دروازے کے) سامنے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

"وجه الكعبة" سے مراد "مواجهة باب الكعبة" ہے۔ یعنی: کعبہ مکرمہ کے دروازے کے سامنے (۲)۔

علامہ برماوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس لفظ "وجه الكعبة" کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو رکعت مقام ابراہیم کے پاس ادا کی گئی، اور وجہ کعبہ سے عموم مراد لینے کا احتمال بھی ہے کہ کعبہ کے دروازے کی جہت میں نماز ادا فرمائی (۳)۔

---

(١)تقرير بخاری شريف: ٢/١٤٤، الكنز المتواري: ٤/ ٨٦، ٨٧

(٢)التوشيح شرح الجامع الصحيح للسيوطي: ٤٨٧/٣،

(٣)ظاهره: عند مقام إبراهيم، وبه تحصل مطابقة الترجمة، ويحتمل جهة الباب عموما. (اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ١٤٠/٣)

حضرت شیخ الحدیث صاحب نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

اس "وجه الكعبة" سے تعمیم بھی ہوگئی، اس لیے کہ "وجہ کعبہ" میں جب پڑھی، تو مقامِ ابراہیم پیچھے رہ گیا، تو وہ رکعتین جو مقام (ابراہیمی) کے ساتھ متعلق ہیں، ان کا ایجاب ہی نہ رہا(۱)۔

روایت کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

مذکورہ روایت کی ترجمۃ الباب سے مطابقت روایت کے آخری جملے: "فصلى في وجه الكعبة" میں ہے، وہ اس طرح کہ "وجه الكعبة" سے مراد کعبہ کے دروازے کی جہت ہے جسے "مقامِ ابراہیم" کہتے ہیں(۲)۔

حدیثِ مبارکہ سے مستنبط شدہ احکام وفوائد

مذکورہ حدیثِ مبارکہ سے بہت سارے احکام وفوائد مستنبط ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ بیت اللہ کے اندر داخل ہونا جائز ہے(۳)۔

المغنی میں مذکور ہے کہ جو شخص حج کرے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ بیت اللہ میں بھی داخل ہو اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرے، جیسا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا؛ اور بیت اللہ میں جوتے اور موزے وغیرہ اتار کر داخل ہو(۴)۔

۲۔ بیت اللہ میں دو رکعت نماز ادا کرنا مستحب ہے(۵)۔

---

(۱)تقریر بخاری شریف: ۱٤٥/۲

(۲)عمدة القاري: ١٩٥/٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ١٤٠/٣

(۳)الإعلام بفوائد الأحكام لابن الملقن، كتاب الحج، باب: دخول مكة وغيرها، الحديث الثالث: ١٨٠/٦، عمدة القاري: ١٩٧/٤

(٤)المغني لابن قدامة الحنبلي، كتاب الحج، باب: الفدية وجزاء الصيد، مسئلة ما لزم من الدماء، فصل: يستحب لمن حج أن يدكل البيت ويصلي: ٥٦٤/٥

(٥)الإعلام بفوائد الأحكام لابن الملقن، كتاب الحج، باب: دخول مكة وغيرها، الحديث الثالث: ١٨٠/٦۔ عمدة القاري: ١٩٨/٤

۳۔ یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ دن میں دو رکعت پڑھنا افضل ہے(۱)۔

۴۔ یہ حدیث ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے خلاف اس مسئلہ میں حجت ہے کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ کعبہ میں نماز پڑھنا ہی جائز نہیں ہے، چاہے فرض ہو یا نفل (۲)۔

۵۔اس حدیث سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی عظیم منقبت ظاہر ہورہی ہے کہ وہ احکام کے سیکھنے اور ہر جگہ، ہر وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی تلاش اور اتباع پر خوب حریص تھے(۳)۔

۶۔خبر واحد پر عمل کرنے ثبوت بھی ہو رہا ہے(۴)۔

بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہونے کے آداب اور متعلقہ مسائل

معلم الحجاج (مؤلفہ:مفتی سعید احمد مظاہریؒ) میں بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہونے کے آداب کے بارے میں مفید بحث موجودہ ہے، ذیل میں وہ بعینہ نقل کی جاتی ہے(۵):

مسئلہ نمبر۱: بیت اللہ کے اندر داخل ہونا مستحب ہے، بشرطیکہ سہولت سے داخل ہونے کا موقع میسر ہو۔ خود تکلیف اٹھا کر یا دوسرے کو تکلیف دے کر داخل ہونے سے بچنا چاہیے، دوسرے کو تکلیف دینا حرام ہے۔اکثر لوگ شوق میں ایسے بے ہوش ہو جاتے ہیں کہ دوسروں کی تکلیف کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے، ایسا شوق کہ جس سے حرام کا ارتکاب ہو، موجبِ ناراضگیِ باری تعالیٰ ہے، نہ کہ موجبِ ثواب(۶)۔

مسئلہ نمبر۲: بیت میں کنجی بردار کو کچھ دے کر داخل ہونا حرام ہے، آج کل عام طور سے دربانِ بیت اللہ

(۱)عمدة القاري: ١٩٨/٤

(۲)الإعلام بفوائد الأحكام لابن الملقن، كتاب الحج، باب: دخول مكة وغيرها، الحديث الثالث: ١٨٠/٦- عمدة القاري: ١٩٨/٤

(۳)الإعلام بفوائد الأحكام لابن الملقن، كتاب الحج، باب: دخول مكة وغيرها، الحديث الثالث: ١٨٠/٦

(٤)الإعلام بفوائد الأحكام لابن الملقن، كتاب الحج، باب: دخول مكة وغيرها، الحديث الثالث: ١٨٠/٦

(۵)معلم الحجاج، بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہونے کے آداب اور متعلقہ مسائل،ص:۱۴۲، گابا سنز، کراچی

(٦)غنية الناسك، باب: السعي بين الصفا والمروة، مطلب في دخول البيت، ص:١٣٨- إرشاد الساري، فصل: يستحب دخول البيت، ص: ٥٤٦، ٥٤٧.

بلا کچھ لیے داخل نہیں ہونے دیتا، یہ دینا اور لینا حرام ہے، کیوں کہ رشوت ہے۔ (دربان داخلے کے وقت رشوت کا نام نہیں لیتے، بلکہ بخشش کہتے ہیں، یہ بھی رشوت ہے، یوں سمجھیں کہ شراب کہنہ در جام نو)،(۱)

مسئلہ نمبر۳: بیت اللہ میں اگر داخل ہونے کا موقع مل جائے تو مستحب یہ ہے کہ نماز پڑھے اور دعا مانگے اور ننگے پیر داخل ہو۔ پہلے سیدھا پیر رکھے اور نہایت خشوع وخضوع سے داخل ہو، چھت کی طرف نظر نہ اٹھائے اور اِدھر اُدھر بھی نہ دیکھے، یہ بے ادبی ہے اور جس جگہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، تو اس جگہ نفل پڑھے، یعنی: دروازے سے داخل ہو کر سیدھا چلا جائے، جب مغربی دیوار تین ہاتھ رہ جائے تو اسی جگہ دو یا چار نفل پڑھ کر اپنے رخسار کو دیوار پر رکھے اور خدا تعالیٰ کی حمد وثناء کرے اور تہلیل وتکبیر اور درود کے بعد دعا مانگے۔ (مسئلہ: کعبہ میں دو ستونوں کے درمیان سبز بلاط "سبز پتھر کا فرش" عوام اس کو مصلیٰ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے)،(۲)۔

مسئلہ: کعبہ کے ہر ستون کے نزدیک بھی دعا مانگے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے۔ كما رواه الإمام أحمد في المسند ۔البتہ ستون سے معانقہ ثابت نہیں، امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا تو فرمایا: کعبہ کے ستونوں کا معانقہ نہ کیا جائے، چونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبہ میں داخل ہوئے تو میں نے نہیں سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستونوں کا معانقہ کیا ہو، كذا ذكر العز بن جماعة(۳).

مسئلہ نمبر۴: حطیم بھی بیت اللہ کا حصہ ہے، اگر کسی شخص کو بیت اللہ میں داخل ہونے کا موقع نہ ملے تو حطیم میں داخل ہو جائے (۴)۔

مسئلہ نمبر۵: وسطِ کعبہ میں ایک میخ ہے، اس کو عوام "سرّة الدنيا" (دنیا کی ناف) کہتے ہیں اور اس پر

---

(۱)غنية الناسك، باب: السعي بين الصفا والمروة، مطلب في دخول البيت، ص:۱۳۸، ۱۳۹۔ إرشاد الساري، فصل: يستحب دخول البيت، ص: ٥٤٦، ٥٤٧.

(۲)غنية الناسك، باب: السعي بين الصفا والمروة، مطلب في دخول البيت، ص:۱۳۸، ۱۳۹۔ إرشاد الساري، فصل: يستحب دخول البيت، ص: ٥٤٦، ٥٤٧.

(۳)غنية الناسك، باب: السعي بين الصفا والمروة، مطلب في دخول البيت، ص:۱۳۹۔ إرشاد الساري، فصل: يستحب دخول البيت، ص: ٥٤٦

(٤)مجمع الزوائد، كتاب الحج، باب الحجر من البيت: ٤/٤١٤، ٤٧٥

اپنی ناف رکھتے ہیں یا سامنے کی دیوار میں ایک کڑہ ہے، اس کو "عروۃ الوثقیٰ" کہتے ہیں، یہ سب عوام کی خود ساختہ باتیں ہیں، ایسا ہرگز نہ کرے (۱)۔

مسئلہ: کعبہ کے اندر تنہا یا جماعت سے نماز پڑھنا جائز ہے اور وہاں یہ شرط بھی نہیں کہ امام اور مقتدیوں کا منہ ایک ہی طرف ہو، کیونکہ وہاں ہر طرف قبلہ ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ مقتدی امام سے آگے نہ ہو، اگر کوئی مقتدی امام کی طرف کو منہ کر کے پڑھے گا تو نماز ہو جائے گی، مگر اس طرح نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اس صورت میں مقتدی کو امام آگے نہ کیا جائے، آگے ہونے کی صورت یہ ہے کہ مقتدی اور امام دونوں کا منہ ایک ہی طرف ہو اور مقتدی آگے ہو اس صورت میں مقتدی کی نماز نہیں ہوگی (۲)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیثِ باب (تیسری حدیث)

۳۸۹ : حدّثنا إِسْحٰقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ : حَدَّثنا عبْدُ ٱلرَّزَّاقِ : أَخْبَرَنَا ٱبْنُ جُرَيْجٍ ، عَنْ عَطَاءٍ قَالَ : سَمِعْتُ ٱبْنَ عَبَّاسٍ[۳] قَالَ : لمَّا دَخَلَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ ٱلْبَيْتَ ، دَعَا فِي نَوَاحِيهِ كُلِّهَا ، وَلَمْ يُصَلِّ حَتَّى خَرَجَ مِنْهُ ، فَلَمَّا خَرَجَ رَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فِي قُبُلِ ٱلْكَعْبَةِ ، وَقَالَ : (هٰذِهِ ٱلْقِبْلَةُ) .

---

(۱)الدر المختار، كتاب الحج، باب الهدي: ٢/٦٢٤۔ غنية الناسك، باب: السعي بين الصفا والمروة، مطلب في دخول البيت، ص: ١٣٩

(۲)الفتاوى العالمگيرية، كتاب الصلاة، ومما يتصل بذلك الصلاة في الكعبة: ٦٥/١۔ الفتاوى التاترخانية، كتاب الصلاة، الفرائض: ٤٢٦/١

(۳)أخرجه البخاري أيضا في الحج، باب: من كبر في نواحي الكعبة، رقم الحديث: ١٦٠١ ، وفي المغازي، باب: أين ركز النبي صلى الله عليه وسلم الراية يوم الفتح، رقم الحديث: ٤٢٨٨ .

ومسلم في الحج، باب: استحباب دخول الكعبة للحاج، رقم الحديث: ١٣٣١

والنسائي في الحج، باب: التكبير في نواحي الكعبة، رقم الحديث: ٢٩١٦، وفي باب: موضع الصلاة من الكعبة، رقم الحديث: ٢٩٢٠

وفي جامع الأصول، حرف الحاء، الكتاب الأول: في الحج والعمرة، الباب الرابع: في الطواف والسعي ودخول البيت، الفصل الثالث: في دخول البيت، رقم الحديث: ١٥١٣، ٢٢٥/٣

ترجمہ حدیث

حضرت عطاء کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تمام گوشوں میں دعا کی اور باہر تشریف لانے تک نماز نہیں پڑھی، پھر جب باہر تشریف لائے تو دو رکعت کعبہ کے سامنے پڑھیں اور فرمایا: یہی قبلہ ہے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث کی سند میں کل پانچ رجال ہیں:

۱۔اسحاق بن نصر

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کئی مقامات پر ان سے حدیث روایت کی ہے، تو امام صاحبؒ کبھی ان کا نام ''اسحاق بن ابراہیم بن سعد'' ذکر کرتے ہیں اور کبھی ان کی نسبت ان کے دادا کی طرف کرتے ہوئے ''اسحاق بن نصر'' کہہ کر ذکر کرتے ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الغسل، باب: من اغتسل عريانا وحده في خلوة، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔عبدالرزاق

یہ ''ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی یمانی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے حالات کشف الباری، کتاب الایمان، باب: حسن إسلام المرء، کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ ابن جریج

ان کا پورا نام ''عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج'' ہے۔

---

(۱) کشف الباري، كتاب الغسل، باب: من اغتسل عريانا وحده في خلوة.

(۲) کشف الباری: ۴۲۱/۲

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الحیض، باب: غسل الحائض رأس زوجها وترجيله ، میں گذر چکے ہیں(۱)۔

۴۔عطاء

یہ ''ابو محمد عطاء بن ابی رباح مکی قرشی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب:عظة الإمام النساء وتعليمهن ، کے تحت گذر چکے ہیں (۲)۔

۵۔ابن عباس

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''عبداللہ بن عباس'' رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی چوتھی حدیث کے تحت، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب:کفران العشير، وكفر دون كفر ، کے تحت گذر چکے ہیں (۳)۔

شرح حدیث

عن عطاء قال: سمعت ابن عباس قال: دخل النبي صلى الله عليه وسلم البيت، دعا في نواحيه كلها

حضرت عطاء کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تمام گوشوں میں دعا کی۔

"نواحيه" جمع ہے "ناحية "کی اور مراد اس سے جہت ہے (۴)۔

ولم يصل حتى خرج منه، فلما خرج ركع ركعتين في قبل الكعبة

اور باہر تشریف لانے تک نماز نہیں پڑھی، پھر جب باہر تشریف لائے تو دو رکعت کعبہ کے سامنے پڑھیں۔

---

(۱) کشف الباری، کتاب الحیض، غسل الحائض رأس زوجهاوترجيله،ص: ۲۰٤

(۲) کشف الباری: ٤/٣٩

(۳) کشف الباری: ۱/٤٣٥، ۲/۲۰٥

(٤) عمدة القاري: ٤/١٩٩

"ركع ركعتين" سے مراد "صلى ركعتين" ہے، جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے(۱)۔

"في قُبُل الكعبة" میں "قُبُل" قاف اور با کے ضمہ کے ساتھ ہے اور مراد اس سے کسی چیز کے مقابل ہونا ہے۔ یعنی: کعبہ مکرمہ کے دروازے کے سامنے، مقامِ ابراہیمی کے پاس(۲)۔

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے مراد وجہ کعبہ ہے، یعنی: بیت اللہ کے دروازے کے پاس، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ماقبل والی حدیث مبارکہ میں گزرا(۳)۔

وقال: هٰذه القبلة.

اور ارشاد فرمایا: یہی قبلہ ہے۔

''هٰذه''اسم اشارہ ہے اور مشارالیہ ''کعبہ'' ہے(۴)۔

"هٰذه القبلة" کہنے کا مطلب ومقصد

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملے کے ذریعے گویا کہ یہ ارادہ فرمایا کہ قبلہ کا معاملہ اس بیت اللہ پر قرار پکڑ چکا ہے، اب اس کے علاوہ کسی اور قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا نہ کی جائے، یہ اس لیے ارشاد فرمایا کہ اس سے قبل بیت المقدس کی طرف بھی منہ کر کے نماز ادا کر لی جاتی تھی، پھر بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ ہو گیا اور قبلہ کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا، گویا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ آج کے بعد تمہارا قبلہ تبدیل نہیں ہوگا، چنانچہ تم ہمیشہ کعبہ کی جانب ہی رخ کر کے نماز ادا کیا کرو، یہی تمہارا قبلہ ہے۔

اس جملہ کے مطلب میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ

---

(۱)شرح الكرماني: ٤/٦٠، اللامع الصبيح: ١٤١/٣، عمدة القاري: ١٩٩/٤

(۲)التنقيح لألفاظ الجامع الصحيح: ١٥٠/١ـ مصابيح الجامع: ١١٣/٢ـ اللامع الصبيح: ١٤١/٣ـ عمدة القاري: ١٩٩/٤ـ حاشية السندي على سنن النسائي، كتاب المناسك، رقم الحديث: ٢٩٠٨، ٢٣٦/٥، دار المعرفة.

فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ١١٩/٢

(٤)عمدة القاري: ١٩٨/٤، الكوثر الجاري: ٨٨/٢

عنہم کو ان کے امام کے کھڑے ہونے کی مسنون جگہ بتلائی کہ امام مواجہہ بیت میں کھڑا ہو، نہ کہ بیت اللہ کے کونوں اور بقیہ تین اطراف میں سے کسی ایک طرف، اگرچہ بیت اللہ کے اطراف میں سے کسی ایک طرف میں بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھانا جائز ہے۔

اس جملہ کے مطلب میں تیسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے صرف ان لوگوں کا حکم بتلایا جو بیت اللہ کا مشاہدہ و معائنہ کر رہے ہوں کہ ان کے لیے مواجہہ بیت عیاناً ضروری ہے، اپنی اجتہادی رائے سے کام نہیں لے سکتے''(۱)۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے ایک اور احتمال ذکر فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ مسجد حرام جس کے استقبال کا تم کو حکم دیا گیا ہے یہی قبلہ ہے، نہ کہ کُل حرم، اور نہ مکہ، اور نہ ہی ہر وہ مسجد جو کعبہ کے اردگرد ہو، بلکہ کعبہ فقط یہی ہے(۲)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے اندر نماز ادا فرمائی یا نہیں؟

اسی باب کی مذکورہ حدیث سے قبل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد گزرا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں دو رکعت نماز ادا فرمائی (۳)۔

---

(۲) شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الحج، باب: استحباب دخول الكعبة للحاج وغيره، رقم الحديث: ۸۳/۹.

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وزعم غيره أن مراده: أن القبلة هي الكعبة نفسها، لا المسجد ولا الحرم، وهٰذا قاله بعض من يرى أن الواجب على البعيد الاستقبال على العين". (فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱۲۰/۲)

وقال السندي رحمه الله: "الإشارة إلى الكعبة المشرفة، أو جهتها، وعلى الثاني الحصر واضح، وعلى الأول باعتبار من كان داخل المسجد، أو من كان بمكة".(حاشية السندي على سنن النسائي، كتاب المناسك، رقم الحديث: ۲۹۰۸، ۲۳٦/۵، دار المعرفة)

(۳) حدثنا مسدد قال: حدثنا يحيى، عن سيف قال: سمعت مجاهداً قال: أتي ابن عمر، فقيل له: هٰذا رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل الكعبة، فقال ابن عمر: فأقبلت والنبي صلى الله عليه وسلم قد خرج، وأجد بلالاً قائماً بين البابين، فسألت بلالاً فقلت: أ صلى النبي صلى الله عليه وسلم في الكعبة؟ قال: نعم، ركعتين، بين السارتين اللتين على يساره إذا دخلت، ثم خرج، فصلى في وجه الكعبة ركعتين.(صحيح البخاري: رقم الحديث: ۳۹۷)

جب کہ مذکورہ حدیث مبارکہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے اندر دعا تو مانگی لیکن نماز ادا نہیں فرمائی۔

احادیثِ متعارضہ میں تطبیق

احادیث کے اس تعارض کو تطبیق وتوفیق اور ترجیح کے راستے سے دور کیا گیا ہے، تطبیق دینے والے حضرات میں امام زرقانی رحمہ اللہ ہیں، وہ فرماتے ہیں:

(۱) مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس بارے میں احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو مرتبہ بیت اللہ میں داخل ہوئے ہوں گے، ایک بار کے دخول میں نماز پڑھی اور دوسری بار کے دخول میں نماز نہیں پڑھی''۔

ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک دونوں قسم کی احادیث جمع کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ ان دونوں خبروں کو دو مختلف مواقع میں پیش آنا قرار دیا جائے، چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نماز ادا فرمائی، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے؛ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو کعبہ میں نماز ادا کرنے کی نفی فرمائی ہے وہ حجۃ الوداع کے موقع پر کعبہ میں داخل ہونے کے موقع کی ہے؛ اور انہوں نے اس کی نسبت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی طرف کی ہے، لہٰذا تعارض باطل ہوگیا'' (۱)۔

لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے اس تاویل پر اعتراض کیا ہے کہ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن بیت اللہ میں داخل ہوئے تھے، نہ کہ حجۃ الوداع کے دن۔ اور اس بات کی شہادت وہ حدیث ہے جو الأزرقي رحمہ اللہ نے اپنی ''کتابِ مکہ'' (اصل نام ''اخبارِ مکہ'' ہے) میں ذکر کی ہے: ''حضرت سفیان نے بہت سے اہلِ علم سے یہ بات نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال بیت

---

(۱) قال المهلب: "يحتمل أنه دخل البيت مرتين، صلى في إحداهما، ولم يصل في الأخرى"..................

وقال ابن حبان: "الأشبه عندي في الجمع أن يجعل الخبران في وقتين، فلما دخل الكعبة في الفتح، صلى فيها على ما رواه ابن عمر عن بلال......إلخ ونفى ابن عباس الصلاة فيها في حجة الوداع، لأنه نفاها وأسنده إلى أسامة، وابن عمر أثبتها، وأسنده إلى بلال وإلى أسامة أيضا، فبطل التعارض، وهذا جمع حسن". (شرح الزرقاني على المؤطا للإمام مالك، كتاب الحج، الصلاة في البيت: ۲٤۷/٤)

اللہ میں صرف ایک بار داخل ہوئے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو بیت اللہ میں داخل نہیں ہوئے"۔(۱)
تو جب معاملہ اسی طرح ہے تو یہ بات ممتنع نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال دو مرتبہ بیت اللہ میں داخل ہوئے ہوں؛ اور ابن عیینہ کی حدیث میں جس وحدۃ کا ذکر ہے اس سے مراد وحدتِ سفر ہو نہ کہ وحدت دخول؛ اس حال میں کہ دارقطنی کی ایک ضعیف حدیث سے بھی اس جمع کی تقویت ہوتی ہے، واللہ اعلم۔(۲)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کعبہ کے اندر داخل ہونے اور وہاں نماز ادا کرنے کے بارے میں جو کچھ احادیث میں مذکور ہے، وہ (دخولِ کعبہ) فتح مکہ کے موقع پر تھا اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اور وہ دن حجۃ الوداع کا دن نہیں تھا(۳)۔

(۲) بعض وہ حضرات جو بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں، انہوں نے ان دونوں متعارض روایات کو اس طرح جمع فرمایا ہے کہ جس حدیث میں نماز پڑھنے کا حکم آیا ہے، اس میں صلاۃ سے مراد لغوی صلاۃ (یعنی: دعا وغیرہ) مراد ہے اور جن احادیث میں نماز نہ پڑھنے کا ذکر ہے، ان میں نماز سے مراد نمازِ شرعی ہے۔

لیکن اس توجیح کو اس بات سے رد کیا گیا ہے کہ جن احادیث میں نماز کے اثبات کا ذکر ہے ان میں تعداد رکعات کا بھی ذکر ہے، اس صورت میں صلاۃ سے مراد صلاۃ لغوی مراد لینا کیسے درست ہوسکتا ہے؟!

(۳) امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مالکیہ کے مذہب کے مطابق ان دونوں متعارض احادیث کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قول: "أنه صلی فیها" سے نفل نماز مراد لی جائے اور

(۱) قال: حدثنا أبو الولید، قال: وحدثني جدي، قال: سمعت سفیان یقول: سمعت غیر واحد من أهل العلم یذکرون أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم إنما دخل الکعبة مرّة واحدة عام الفتح، ثم حج، فلم یدخلها.
(أخبار مکة وما جاء فیها من الآثار للأزرقي، الصلاة في الکعبة، رقم الحدیث: ۳۳٤، مکتبة الأسدي)
(۲) نیل الأوطار، باب صلاة التطوع في الکعبة، رقم الحدیث: ۶۱۹، ۲/۱٦٤
شرح الزرقاني علی المؤطا للإمام مالك، کتاب الحج، الصلاة في البیت: ٤/۲٤۷
کوثر المعاني الدراري في کشف خبایا صحیح البخاري: ۷/۳۷
(۳)شرح النووي علی صحیح مسلم، کتاب الحج، استحباب دخول الکعبة للحاج وغیره، رقم الحدیث: ۳۸۹، ۹/۸۲

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے قول: "إنه لم يصل" سے فرض نماز مراد لی جائے"(۱)۔

علامہ محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ (علامہ کشمیری رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ یہ بات ممکن ہے کہ اثبات اور نافی دونوں روایتوں تعددِ واقعہ پر محمول کرتے ہوئے توفیق وتطبیق دی جائے، لیکن محدثین کرام اس کی طرف مائل نہیں ہوئے، بلکہ ان حضرات کا میلان ترجیح کی طرف ہوا ہے(۲)۔

اس پر علامہ بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (حضرت کشمیری رحمہ اللہ کی بات اپنی جگہ لیکن) راقم کہتا ہے کہ (تطبیق والا راستہ اختیار کرتے ہوئے محدثین میں سے) علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے............(۳)۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اثبات اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی نفی کو اس طرح جمع کیا جائے گا کہ جب یہ تمام حضرات بیت اللہ میں داخل ہوئے تو دعاء میں مشغول ہوگئے، تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا میں مشغول دیکھا تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بھی ایک کونے میں بیٹھ کر دعا میں مشغول ہو گئے اس حال میں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے کونے میں تھے، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع فرمائی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ دور ہونے کی وجہ سے اور اپنے دعا میں مشغول ہونے کی وجہ سے نہ دیکھ سکے، یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ بیت اللہ کا دروازہ بند تھا اور کعبہ کے اندر کئی ستون بھی تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے گمان کی وجہ سے نفی کر دی(۴)۔

احادیثِ متعارضہ میں ترجیح

دوسرے بعض حضرات نے ان دونوں روایتوں میں تطبیق کے بجائے ترجیح کا راستہ اختیار کیا۔

---

(۱)"ويمكن أن يجمع بين حديث أسامة وبلال على مقتضى مذهب مالك، فيقال: إن قول بلال: "أنه صلى فيها" يعني به: "التطوع". وقول أسامة: "إنه لم يصل فيها"، يعني به: "الفرض". (المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب الحج، باب: ما جاء في دخول النبي صلى الله عليه وسلم الكعبة: ۴۳۱/۳)

(۲)معارف السنن، باب: الصلاة في الكعبه: ۱۷۳/۶، فيض الباري: ۴۲/۲

(۳)معارف السنن، باب: الصلاة في الكعبه: ۱۷۳/۶، ۱۷۴

(۴)شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الحج، استحباب دخول الكعبة للحاج وغيره، رقم الحديث: ۳۸۹، ۸۲/۹

چنانچہ! علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بہرحال ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يصل في الكعبة"، تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں نماز پڑھی ہے، اس حال میں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں لے کر بیت اللہ میں داخل ہوئے تھے۔ اور مُثبِت کا قول نافِي کے قول سے افضل ہوتا ہے''(۱)۔

محبّ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بیت اللہ میں داخل ہونے کے بعد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کسی حاجت کی وجہ سے بیت اللہ سے نکل گئے ہوں گے اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پر مطلع نہ ہو سکے''(۲)۔

اس پر شاہد وہ روایت ہے جو ابوداؤد الطیالسی رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں نقل کی ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کعبہ میں داخل ہوا، وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصاویر بنی ہوئی دیکھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ڈول منگوایا، میں جا کر لے آیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی کے ذریعے ان تصاویر کو مٹا دیا(۳)۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بہت جلد واپس لوٹ آنے کی وجہ

(۱) أعلام الحديث للخطابي: ۳۸۱/۱

(۲) فتح الباري، كتاب الحج، باب: من كبر في نواحي الكعبة، رقم الحديث: ۱۶۰۱، ۴۶۹/۳

(۳) حدثنا أبو داؤد، قال: حدثنا ابن أبي ذئب، عن عبد الرحمن ابن مهران، قال: حدثني عمير مولى ابن عباس، عن أسامة بن زيد، قال: دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم في الكعبة، ورأى صورا، قال: فدعا بدلو من ماء، فأتيته به، فجعل يمحوها، ويقول: "قاتل الله قوما يصورون ما لا يخلقون". (مسند أبي داؤد الطيالسي، مسند أسامة بن زيد، رقم الحديث: ۶۵۷، ۱۷/۲)

واضح رہے کہ مذکورہ جواب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں درست ہو جائے گا، لیکن حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث کا جواب یہ نہیں بن سکتا، کیوں کہ جس حدیث میں ان کے بارے میں منقول ہے کہ وہ بھی کعبہ میں داخل ہوئے، اس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی کسی کام کے سلسلے میں باہر بھیجا ہو، بلکہ بظاہر وہ تو اندر ہی رہے ہوں گے، تو ان کے بارے میں وہی جواب دیا جائے گا جو اوپر متن میں امام نووی رحمہ اللہ کی طرف سے ذکر کیا گیا ہے۔

سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز نہ پڑھنے پر قیاس کیا(۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عمر بن شبہ نے اپنی کتاب ''کتاب مکۃ'' میں علی بن بذیمہ رحمہ اللہ کے طریق سے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے، اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے؛ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بیت اللہ کے دروازے کے قریب ہی بیٹھ گئے، پھر جب یہ حضرات بیت اللہ سے نکلے تو انہوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو احتباء کے ساتھ بیٹھے ہوئے پایا، (یعنی: وہ اپنی سرین پر اس طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنے گھٹنے کھڑے کیے ہوئے تھے اور اپنی کمر اور گھٹنوں کے گرد کپڑا باندھا ہوا تھا) الخ، پس عین ممکن ہے کہ احتباء کی حالت میں انہوں نے آرام کرنا چاہا، پھر ان کو اونگھ آ گئی، تو اس وجہ سے وہ آپ علیہ السلام کے نماز پڑھنے کو نہ دیکھ سکے، چنانچہ جب ان سے کعبہ کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے نفی فرمادی، تاہم اس تمام قصے میں انہوں نے اپنی رؤیت کی نفی کی ہے نہ کہ نفس الامر کی''(۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

واضح رہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از خود بیت اللہ میں داخل نہیں ہوئے تھے(۳) کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز ادا نہ کرنے کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: ''جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے اندر دعا تو مانگی لیکن نماز ادا نہیں فرمائی''۔ بلکہ وہ اس نفی کی نسبت کبھی تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی

(۱) المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب الحج، باب: ما جاء في دخول النبي صلى الله عليه وسلم الكعبة: ۴۳۱/۳

(۲) فتح الباري، كتاب الحج، باب: من كبر في نواحي الكعبة، رقم الحديث: ۱۶۰۱، ۴۶۹/۳

(۳) اس لیے کہ بیت اللہ میں داخل ہوتے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں صرف تین کا ذکر ملتا ہے، اُن میں حضرت ابن عباس نہیں ہیں، بلکہ حضرت بلال، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم، ملاحظہ ہو: عن ابن شهاب، عن سالم، عن أبيه أنه قال: دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم البيت هو وأسامة بن زيد، وبلال، وعثمان بن طلحة، فأغلقوا عليهم ......إلخ. (صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب: إغلاق البيت، ويصلي في أي نواحي البيت شاء، رقم الحديث: ۱۵۹۸)

طرف منسوب کرتے ہیں (۱) اور کبھی اپنے بھائی ''فضل بن عباس'' کی طرف، (۲) باوجود اس کے کہ ان کے بھائی ''فضل بن عباس'' کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہونا ایک شاذ روایت کے علاوہ کہیں نہیں ملتا، اس کے علاوہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی نسبت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنے کی نفی کرنا مذکور ہے، تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کعبہ میں نماز ادا کرنا بھی مذکور ہے، (۳) اس لیے نماز کی نفی کے بارے میں احادیث مختلف ہوگئی، جب کہ نماز کے اثبات سے متعلق احادیث میں اختلاف نہیں ہے، اس لیے مثبت کو نافی پر ترجیح دیتے ہوئے کہا جائے گا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے اندر نماز ادا فرمائی ہے۔ (۴)

بیت اللہ میں نماز کے جواز یا عدمِ جواز کا حکم

ایک مسئلہ حدیثِ باب کے تحت یہ بھی آتا ہے کہ بیت اللہ میں نماز ادا کرنا: فرض ہو یا نفل؛ جائز ہے

(۱) حدثنا إسحاق بن إبراهيم وعبد بن حميد جميعا عن ابن بكر قال عبد: أخبرنا محمد بن بكر أخبرنا ابن جريج قال: قلت لعطاء: أسمعت ابن عباس يقول: إنما أمرتم بالطواف، ولم تؤمروا بدخوله؟ قال: لم يكن ينهى عن دخوله، ولكني سمعته يقول: أخبرني أسامة بن زيد أن النبي صلى الله عليه وسلم لما دخل البيت، دعا في نواحيه كلها، ولم يصل فيه حتى خرج ....إلخ. (صحيح مسلم، كتاب الحج، باب: استحباب دخول الكعبة للحاج وغيره والصلاة فيها والدعاء في نواحيها كلها، رقم الحديث: ۱۳۳۰)

(۲) حدثنا يونس بن محمد، حدثنا حماد بن سلمة، عن عمرو بن دينار عن ابن عباس عن الفضل بن عباس: أن النبي صلى الله عليه وسلم قام في الكعبة، فسبح، وكبر، ودعا الله عزوجل، واستغفر، ولم يركع، ولم يسجد. (مسند أحمد، رقم الحديث: ۱۷۹۵، ۳/۳۱۳)

فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی یہی حدیث مسند احمد میں ہی ایک اور طریق (حدثنا أبو كامل، حدثنا حماد -يعني: ابن سلمة- عن عمرو بن دينار عن ابن عباس عن الفضل بن عباس: ......إلخ) سے بھی مروی ہے، ملاحظہ ہو: (مسند أحمد، رقم الحديث: ۱۸۳۰، ۳/۳۳۱)

(۳) حدثنا أبو قطن، حدثنا المسعودي، عن أبي جعفر عن أسامة: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى في الكعبة". (مسند أحمد، رقم الحديث: ۲۱۷۹۷، ۳۶/۱۳۰)

(٤) فتح الباري، كتاب الحج، باب: من كبر في نواحي الكعبة، رقم الحديث: ۱۶۰۱، ۳/۴۶۹

یا نا جائز؟

تو اس مسئلہ میں جمہور علماء کرام (۱) کے نزدیک کعبہ کے اندر نماز پڑھنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔

جبکہ امام مالک کے نزدیک فرض نماز بیت اللہ کے اندر پڑھنا بہت زیادہ سخت مکروہ ہے اور وقت کے اندر اندر اس نماز کا اعادہ کرنا مستحب ہے، نفل اگر غیر مؤکدہ ہوں تو بیت اللہ کے اندر پڑھنا مستحب ہیں اور اگر مؤکدہ ہوں تو مکروہ ہیں، مگر اعادہ کی ضرورت نہیں (۲)۔

اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے نزدیک کعبہ میں نفل پڑھنا تو جائز ہے، لیکن فرائض پڑھنا جائز نہیں ہے، صرف یہ صورت ہوسکتی ہے کہ بیت اللہ کے اندر کسی دیوار کے ساتھ اس طرح متصل ہو کر پڑھے کہ اس کے پیچھے کچھ حصہ نہ رہے (۳)۔

---

(۱) جمہور علماء سے مراد احناف اور شوافع ہیں، ملاحظہ ہو:

عند الأحناف: فتح القدير، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في الكعبة: ١/١٦٠، دار الكتب العلمية.

التنوير مع الدر، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في الكعبة، ص: ١٢٥، دار الكتب العلمية.

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في الكعبة: ٢/١٣٥

البتہ: شوافع کے نزدیک اگر بیت اللہ کا دروازہ کھلا ہوا ہو تو اندر اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز درست نہ ہوگی۔

عند الشوافع: الحاوي في فقه الشافعي، كتاب الصلاة، باب: صفة الصلاة، فصل في الخشوع: ٢/٢٠٦

المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، باب: استقبال القبلة: ٣/١٩٦

الحاوي الكبير للماوردي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة وعدد سجود القرآن: ٢/٢٠٦.

(٢) مواهب الجليل لشرح مختصر خليل، كتاب الصلاة، فصل في استقبال القبلة: ٢/٢٠٠

الذخيرة للقرافي، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الشرط الخامس: استقبال القبلة: ٢/١١٢.

الاستذكار لابن عبد البر، كتاب الحج، باب: الصلاة في البيت وقصر الصلاة: ١٣/١٢٢-١٢٧

(۳) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک مشہور قول کے مطابق کعبہ میں اور کعبہ کی چھت پر فرض نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، البتہ نفل نماز پڑھنا جائز ہے، ملاحظہ ہو:

المقنع، كتاب الصلاة، باب اجتناب النجاسة، رقم المسئلة: ٣٤٣، ولا تصح الفريضة في الكعبة ولا على ظهرها: ٣/٣١٣. =

اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”والعمل عليه عند أكثر أهل العلم لا يرون بالصلاة بأسا، وقال مالك بن أنس: لا بأس بالصلاة النافلة في الكعبة، وكره أن يصلى المكتوبة في الكعبة“. (۱)

صاحبِ ہدایہ رحمہ اللہ کا ایک سہو

صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی رحمہ اللہ سے اس مقام پر نقلِ مذاہب میں سہو ہوگیا ہے، انہوں نے کعبہ کے اندر نماز کے جائز نہ ہونے کو امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے، (۲) حالانکہ امام شافعی رحمہ اللہ کعبہ میں نماز کے جواز کے قائل ہیں، اس کی تصریح علامہ ابن ہمام، (۳) علامہ عینی (۴) وغیرہ (۵) رحمہم اللہ نے کی ہے۔

= الشرح الكبير، كتاب الصلاة، باب اجتناب النجاسة، رقم المسئلة: ۳٤۳، ولا تصح الفريضة في الكعبة ولا على ظهرها: ۳/۳۱۳.

المبدع شرح المقنع، كتاب الصلاة، باب: اجتناب النجاسات: ۳/۳٥۱

اور ایک قول میں امام احمد رحمہ اللہ سے یہ بھی منقول ہے کہ کعبہ کے اندر فرض ہو یا نفل؛ دونوں طرح کی نماز جائز ہے، ملاحظہ ہو:

علامہ مرداوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وعنه: تصح، واختارها الآجري وصاحب الفائق“. (الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف على مذهب الإمام أحمد بن حنبل، كتاب الصلاة، باب اجتناب النجاسة، رقم المسئلة: ۳٤۳، ولا تصح الفريضة في الكعبة ولا على ظهرها: ۳/۳۱۳)

(۱) سنن الترمذي، أبواب الحج، باب ما جاء في الصلاة في الكعبة، تحت رقم الحديث: ۸۷٤

(۲) ”الصلاة في الكعبة جائزة فرضها ونفلها خلافا للشافعي فيهما“. (الهداية، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في الكعبة: ۱/٤۳٥، مكتبة البشرىٰ)

(۳) ”خلافا للشافعي“ سهو، فإن الشافعي رحمه الله يرى جواز الصلاة فيها“. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في الكعبة: ۱/۱٦۰، دار الكتب العلمية)

(٤) وقول المصنف: (خلافا للشافعي) ش: أي: في الفرض والنفل ليس كما ينبغي. قال: السغناقي: كأن هٰذا اللفظ وقع سهوا من الكاتب، فإن الشافعي يرى جواز الصلاة في الكعبة فرضها ونفلها، كذا أورده أصحابه في كتبهم عن ”الوجيز“ و”الخلاصة“ و”الذخيرة“ وغيرهما، ولم يرد أحد من علمائنا أيضا هٰذا الخلاف فيما عندي من الكتب ”كالمبسوط“ و”الأسرار“ و”الإيضاح“ و”المحيط“ و”شروح الجامع =

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت حدیث کے جملہ "قُبُل الکعبة" میں ہے، کہ اس سے مراد مقامِ ابراہیم ہے، جو بیت اللہ کے دروازے کے قریب ہے(۱)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

٤ – باب : اَلتَّوَجُّهِ نَحْوَ اَلْقِبْلَةِ حَيْثُ كَانَ .

یہ باب اس بارے میں ہے کہ نمازی جہاں کہیں بھی ہو، نماز میں اپنا رُخ قبلہ کی جانب کرے۔

"نحو القبلة" سے مراد جهة القبلة اور ناحية القبلة ہے۔ اور حيث كان میں كان تامہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کے قول ﴿وحيث ما كنتم﴾ [البقرة:۱۴۴] میں كان تامہ ہے۔ اس کا فاعل "شخص" ہوگا، چنانچہ حيث كان کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی شخص جس جگہ بھی، سفر میں ہو یا حضر میں، اس پر نماز فرض میں قبلہ کی طرف رخ کرنا لازم ہے(۲)۔

= الصغير" وغيرها ماخلا أنه يشترط السترة المتصلة بالأرض اتصال قرار إذا كان المصلي في عرصة الكعبة كالحجر والشجر. (البناية، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في الكعبة: ٢٨١/٣، دارالكتب العلمية)

(٥) یہاں صاحب النہایہ نے صاحب ہدایہ کے اس نقلِ مذہب کی تاویل کرتے ہوئے ایک جواب ذکر کیا ہے، کہ صاحب ہدایہ رحمہ اللہ کی مراد یہ ہوسکتی ہے، کہ جب کوئی شخص بیت اللہ کے اندر اس کے کھلے ہوئے دروازے کے سامنے اس طرح کھڑا ہو کر نماز پڑھے کہ اس کے سامنے کوئی سترہ وغیرہ نہ ہو تو شوافع کے نزدیک نماز نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ تاویل اس سے بہتر کہ صاحب ہدایہ کے کلام کو سہو پر محمول کیا جائے، اگر چہ صاحب ہدایہ رحمہ اللہ کا ظاہرِ کلام اس تاویل کی نفی کر رہا ہے۔ ملاحظہ ہو: وقال صاحب النهاية: .... وأجيب بأن مراده ما إذا توجه إلى الباب وهو مفتوح، وليست العتبة مرتفعة قدر مؤخرة الرحل، وهو خير من الحمل على السهو إلا أن إطلاق الكلام ينافيه. (النهاية، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في الكعبة: ١٦٠/١، دارالكتب العلمية)

....

(١)عمدة القاري: ١٩٩/٤، مصابيح الجامع: ١١٣/٢

(٢)اللامع الصبيح: ١٤٢/٣ـ ضياء الساري في مسالك أبواب البخاري: ٢٨٠/٥ـ التوشيح : ٤٨٨/٢

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں نمازِ فرض کے لیے جہتِ قبلہ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت وفرضیت بتلائی ہے، خواہ نمازی سفر میں ہو یا حضر میں (۱)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''شراح کی رائے "حیث کان" میں یہ ہے کہ سفر وحضر جہاں کہیں بھی ہو تو توجہ الی القبلہ کرے؛ اور چونکہ ﴿فاینما تولوا فثم وجه الله﴾ سے یہ سمجھ میں آتا تھا کہ سفر کے اندر استقبال قبلہ شرط نہیں، بلکہ جس طرح بھی بن پڑے پڑھ لے وہی قبلہ ہے، کیونکہ آیت سفر کے اندر ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس وہم کو دور فرما کر بتلا دیا کہ نہیں مسافر کو بھی توجہ کرنی ہوگی۔

اور میری رائے یہ ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض ترجمۃ الباب سے یہ ہے کہ جہاں بھی قبلہ کی قبلیت متحقق ہو جائے پس متوجہ ہو جائے، خواہ ابتداء صلوٰۃ ہو یا وسط صلوٰۃ ہو یا آخر صلوٰۃ ہو، خواہ مسافر ہو یا مقیم؛ سب کو یہ حکم عام ہے، جیسا کہ مسئلۂ تحری میں ہے کہ جب بھی جس طرف بھی تحری ہو اس طرف کو رُخ کرلے (۲)۔

تعلیق

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : قَالَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ : (اسْتَقْبِلِ ٱلْقِبْلَةَ وَكَبِّرْ) . [ر : ٥٨٩٧]

تعلیق کا ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

---

(۱) عمدة القاري: ٤/ ٢٢٠

(۲) تقریر بخاری شریف: ۲/۱۴۴

نیز! تقریر بخاری شریف کے حاشیہ میں مذکور ہے: وفيه حيث توجهت به، یعنی: نوافل میں باتفاق علماء جس طرف ناقہ چل رہی ہو، اسی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ لے، لیکن بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے لیے اپنی ناقہ کو قبلہ کی طرف کرلے اور پھر جب نماز شروع کردے تو جس طرف رُخ ہو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن یہ جمہور کے خلاف ہے کیونکہ بعض مرتبہ جب اس کو اپنی طرف موڑے گا تکبیر تحریمہ کے بعد، تو ہوسکتا ہے کہ وہ بدک جائے اور پھر عمل کثیر کی ضرورت پیش آئے۔ (تقریر بخاری شریف: ۲/۱۴۵)

فرمایا: اپنا منہ قبلہ کی طرف کرو اور (نماز شروع کرنے کے لیے) تکبیر تحریمہ کہو۔

تعلیق کی تخریج

مذکورہ تعلیق اس لمبی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیئ الصلاۃ کو ارشاد فرمائی، امام بخاری رحمہ نے اس تعلیق کو مکمل مسنداً انہی الفاظ سے کتاب الاستیذان میں ذکر کیا ہے(۱)۔

ملاحظہ ہو:

حدثنا إسحاق بن منصور، أخبرنا عبد الله بن نمير، حدثنا عبيد الله، عن سعيد بن أبي سعيد المقبري، عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رجلا دخل المسجد، ورسول الله صلى الله عليه وسلم جالس في ناحية المسجد، فصلى، ثم جاء، فسلم عليه، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: "وعليك السلام، ارجع، فصل، فإنك لم يصل"، فرجع، فصلى، ثم جاء، فسلم، فقال: "وعليك السلام، فارجع، فصل، فإنك لم تصل"، فقال في الثانية، أو في التي بعدها: علمني يا رسول الله، فقال: "إذا قمت إلى الصلاة، فأسبغ الوضوء، ثم استقبل القبلة، فكبر، ثم اقرأ بما تيسر معك من القرآن، ثم اركع حتى تطمئن راكعا، ثم ارفع حتى تستوي قائما، ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا، ثم ارفع حتى تطمئن جالسا، ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا، ثم ارفع حتى تطمئن جالسا، ثم افعل ذٰلك في صلاتك كلها"(۲).

تعلیق کا مقصد

تعلیق سے مقصود ترجمۃ الباب کا اثبات ہے کہ مذکورہ حدیث میں بھی حالت نماز میں استقبال قبلہ کو لازم قرار دیا گیا ہے۔

---

(۱)فتح الباري: ۱/ ٦٥٠

(۲)صحيح البخاري، كتاب الاستيذان، باب: من رد، فقال: عليك السلام، رقم الحديث: ٥١٦٢

ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بھی صاف ظاہر ہے کہ دونوں میں استقبال قبلہ مذکور ہے۔

حدیثِ باب (پہلی حدیث)

۳۹۰ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ رَجَاءٍ قَالَ : حَدَّثنا إِسْرائِيلُ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ ، عَنِ ٱلْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ[1] ، رَضِيَ ٱللهُ عَنْهُمَا ، قَالَ : كَانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ ، صَلَّى نَحْوَ بَيْتِ ٱلْمَقْدِسِ ، سِتَّةَ عَشَرَ أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا ، وكَانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ يُحِبُّ أَنْ يُوَجَّهَ إِلَى ٱلْكَعْبَةِ ، فَأَنْزَلَ ٱللهُ : «قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي ٱلسَّمَاءِ» . فَتَوَجَّهَ نَحْوَ ٱلْكَعْبَةِ . وَقَالَ ٱلسُّفَهَاءُ مِنَ ٱلنَّاسِ ، وَهُمُ ٱلْيَهُودُ : «مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ ٱلَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلهِ ٱلْمَشْرِقُ وَٱلْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ» . فَصَلَّى مَعَ ٱلنَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ ، ثُمَّ خَرَجَ بَعْدَمَا صَلَّى ، فَمَرَّ عَلَى قَوْمٍ مِنَ ٱلْأَنْصَارِ فِي صَلَاةِ ٱلْعَصْرِ ، نَحْوَ بَيْتِ ٱلْمَقْدِسِ ، فَقَالَ : هُوَ يَشْهَدُ : أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، وَأَنَّهُ تَوَجَّهَ نَحْوَ ٱلْكَعْبَةِ ، فَتَحَرَّفَ ٱلْقَوْمُ ، حَتَّى تَوَجَّهُوا نَحْوَ ٱلْكَعْبَةِ . [ر : ٤٠]

ترجمہ حدیث

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (دل سے یہ) چاہتے تھے کہ (نماز) کعبہ کی طرف رُخ کر کے ادا کی جائے، پس اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿قد نری تقلب...... الخ کہ اے پیغمبر! ہم تیرا آسمان کی طرف بار بار چہرہ اٹھانا دیکھ رہے ہیں﴾ نازل فرمائی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز میں) قبلہ کی طرف منہ کرلیا، اس پر بے وقوف لوگوں نے ''جو یہود تھے'' طنز کیا کہ اب ان کو ان کے پہلے قبلہ سے کس نے پھیر دیا؟ (اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا:) ان سے کہہ

---

(١) مرّ تخريجه في كتاب الإيمان، باب: الصلاة من الإيمان، رقم الحديث: ٤٠ (كشفالباري: ٣٦٦/٢، ٤٠٧)

دی جیے! مشرق ومغرب دونوں اللہ ہی کے ہیں، وہ جس کو چاہے صراطِ مستقیم
کی ہدایت مرحمت فرما دیتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک شخص نے
نماز پڑھی اور پھر وہ انصار کے کسی قبیلے کے پاس سے گذرا جو عصر کی نماز بیت
المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھ رہے تھے تو اس نے کہا کہ اللہ گواہ ہے کہ میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کے آیا ہوں اور اللہ گواہ ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی طرف نماز پڑھنے لگ گئے ہیں، اس پر وہ قبیلے
والے (بیت المقدس سے) گھوم گئے اور انہوں نے کعبہ کی طرف منہ کر لیا۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث کے کل چار رجال ہیں:

۱۔عبداللہ بن رجاء

واضح رہے کہ "عبداللہ بن رجاء" دو ہیں: ایک "عبداللہ بن رجاء بن عمر الغُدانی" اور دوسرے: "عبد اللہ بن رجاء المکی البصری"، اس حدیث میں اول الذکر "عبداللہ بن رجاء" مراد ہیں، جیسا کہ اس کی تصریح علامہ عینی رحمہ اللہ نے کی ہے(۱)۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الصلاۃ، باب: وجوب الصلاۃ في الثیاب وقول اللہ تعالیٰ: ﴿خذوا زینتکم عند کل مسجد﴾ ومن صلی ملتحفا في ثوب واحد، میں گذر چکے ہیں(۲)۔

۲۔اسرائیل

یہ "اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق سبیعی"، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: من ترك بعض الاختبار مخافة أن یقصر فهم بعض الناس عنه فیقعوا في أشد منه، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

(۱) عمدۃ القاری: ۲۲۰/۴
(۲) کشف الباری، کتاب الصلاۃ، باب: ص: ۲۴۱
(۳) کشف الباری: ۵۴۶/۴

۳۔ابواسحاق

ان کا نام ''ابواسحاق عمرو بن عبداللہ الکوفی'' رحمہ اللہ ہے۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: الصلاة من الإيمان کے تحت گذر چکا ہے(۱)۔

۴۔ براء بن عازب

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''براء بن عازب بن حارث بن عدی انصاری'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کا تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: الصلاة من الإيمان کے تحت گذر چکا ہے(۲)۔

شرح حدیث

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى نحو بيت المقدس ستة عشر أو سبعة عشر شهرا

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمائی۔

''بيت المقدس'' یہ لفظ ''المَقْدِسُ'' بھی پڑھا جاتا ہے اور ''المُقَدَّسُ'' بھی (۳)۔

''ستة عشر أو سبعة عشر شهرا'' کلمہ أو کے ذریعہ جس شک کا اظہار ہو رہا ہے، بظاہر وہ راوی کی جانب سے ہے۔ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے سولہ یا سترہ مہینے نماز ادا فرمانا مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے سے بعد کے زمانہ میں تھا، اس لیے کہ مکہ مکرمہ میں تو مکمل عرصہ بیت المقدس کی طرف ہی رخ کر کے نماز ادا کی جاتی تھی (۴)۔ اور صحیح مسلم میں سولہ مہینے کو جزماً ذکر کیا گیا ہے (۵)۔ اس تعارض اور دفع تعارض و تطبیق پر

(۱) كشف الباري: ۲/۳۷۰

(۲) كشف الباري: ۲/۳۷۵

(۳) شرح الكرماني: ٤/٦١، التنقيح لألفاظ الجامع الصحيح، ص: ۳۳

(٤) شرح الكرماني: ٤/٦٢، عمدة القاري: ٤/٢٠١

(٥) صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب: تحويل القبلة من القدس إلى الكعبة، التنقيح لألفاظ الجامع الصحيح، ص: ۳۳

تفصیلی بحث کشف الباری، کتاب الایمان میں گذر چکی ہے(۱)۔

وکان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب أن يوجه إلى الكعبة، فأنزل الله: ﴿قد نرى تقلب وجهك في السماء﴾، فتوجه نحو الكعبة،

اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم (دل سے یہ) چاہتے تھے کہ (نماز) کعبہ کی طرف رُخ کر کے ادا کی جائے، پس اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿قد نرى تقلب......إلخ کہ اے پیغمبر! ہم تیرا آسمان کی طرف بار بار چہرہ اٹھانا دیکھ رہے ہیں﴾ نازل فرمائی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز میں) قبلہ کی طرف منہ کرلیا(۲)۔

"یُوَجَّہ" مضارع مجہول کا صیغہ ہے، مراد یہ ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمانے کا حکم مل جائے(۳)۔

"فتوجه" چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلمنے (نماز میں) قبلہ کی طرف منہ کرلیا، کیوں کہ پوری آیت میں ﴿فول وجهك شطر المسجد الحرام﴾ بھی ہے، آیت مبارکہ کے اس ٹکڑے میں "المسجد" سے مراد "کعبہ" ہے(۴)۔

وقال السفهاء من الناس، وهم اليهود: ﴿ما ولاهم عن قبلتهم التي كانوا عليها، قل لله المشرق والمغرب، يهدي من يشاء إلى صراط مستقيم﴾، فصلى مع النبي صلى الله عليه وسلم رجل، ثم خرج بعد ما صلى، فمر على قوم من الأنصار في صلاة العصر نحو بيت المقدس،

اس پر بے وقوف لوگوں نے "جو یہود تھے" طنز کیا کہ اب ان کو ان کے پہلے قبلہ سے کس نے پھیر دیا؟

---

(۱) كشف الباري، كتاب الإيمان، باب: الصلاة من الإيمان: ۲/۳۷۸-۳۸۲

(۲)شرح الكرماني: ٦٢/٤

(۳)شرح الكرماني: ٦٢/٤- اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ١٤٤/٣- فتح الباري: ٦٥١/١- عمدة القاري: ٢٠١/٤

(٤)شرح الكرماني: ٦٢/٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ١٤٤/٣

(اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا:) ''ان سے کہہ دیجیے! مشرق ومغرب دونوں اللہ ہی کے ہیں، وہ جس کو چاہے صراطِ مستقیم کی ہدایت مرحمت فرمادیتا ہے،'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک شخص نے نماز پڑھی اور پھر وہ انصار کے کسی قبیلے کے پاس سے گذرا جو عصر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کرکے پڑھ رہے تھے۔

"رجل" بخاری کے بعض نسخوں میں مثلا: مستملی اور حموی کے نسخوں میں رجل کی بجائے رجال جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اس نسخے کے مطابق اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ اگر "رجال" جمع کا صیغہ درست تسلیم کیا جائے تو پھر حدیث پاک کے اگلے جملے میں "خرج"، فعل کی ضمیر''رجال''جمع کی طرف کیسے لوٹے گی؟ تو اس کی جواب یہ ہوگا کہ ضمیر کا مرجع وہ ہوگا جس پر رجال دلالت کرتا ہے اور وہ مفرد ہے، یا پھر "خرج" کے معنی "خرج خارج" ہوگا، لہٰذا کوئی اشکال نہیں۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق''خرج بعض أولائك الرجال"تقدیراً نکالا جائے گا(۱)۔

''رجل'' سے کون مراد ہے؟

اس ''رجل'' سے مراد کون شخص ہے؟ اس بارے میں دو افراد کے نام ملتے ہیں: ''عباد بن بشر'' ہے یا ''عباد بن نَہِیک''(۲)۔ اور ابن الملقن رحمہ اللہ نے ایک اور نام کا ذکر کیا ہے: عباد بن وہب (۳)۔

"في صلاة العصر نحو بيت المقدس" یہ جملہ کشمیہنی کی روایت میں''في صلاة العصر يصلون نحو بيت المقدس''ہے، بظاہر اس جملہ میں زیادہ وضاحت اور فصاحت ہے(۴)۔

"صلاة العصر" اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس شخص کا گذر قباء میں انصار کے قبیلے کے پاس سے فجر کی نماز میں ہوا تھا، تو ان دونوں روایتوں میں کوئی منافات نہیں ہے، اس طرح کہ وہ شخص مدینہ منورہ میں

(۱) شرح الكرماني: ٦٢/٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ١٤٤/٣، فتح الباري: ٦٥١/١، التوشيح لشرح الجامع الصحيح للسيوطي: ٢٨٨/٢، عمدة القاري: ٢٠١/٤

(۲) التنقيح لألفاظ الجامع الصحيح، ص: ٣٣۔ فتح الباري: ٩٧/١۔ عمدة القاري: ٢٠١/٤

(۳) الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: استقبال القبلة، الحديث الثاني: حديث عبد الله بن عمر: ٤٨٧/٢

(٤) فتح الباري: ١/ ٦٥١۔ التوشيح لشرح الجامع الصحيح للسيوطي: ٢٨٨/٢۔ عمدة القاري: ٢٠١/٤

ایک جماعت کے پاس سے گذرا تو عصر کا وقت تھا، پھر وہ سفر کرتا ہوا مدینہ سے باہر اہل قباء کے پاس پہنچا ہوگا تو وہاں فجر کا وقت تھا(۱)۔

اس تعارض اور دفع تعارض وتطبیق پر تفصیلی بحث کشف الباری، کتاب الایمان میں گذر چکی ہے(۲)۔

"فقال" اس فعل کی ضمیر اور "هو" ضمیر "رجل" کی طرف لوٹ رہی ہے۔یعنی: اس شخص نے "هو" ضمیر سے اپنے آپ کو مراد لیا۔متکلم کا اپنے آپ کو غائب کے صیغے سے تعبیر کرنا جائز ہے، یہ بطور التفات کے ہوتا ہے۔ایک احتمال یہ بھی ہے کہ راوی حدیث نے اس رجل کے کلام کا معنی نقل کر دیا ہو، اس طور پر کہ اس کا اصل کلام "أنا أشهد" تھا(۳)۔

روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت حدیث کے "فتوجه نحو الكعبة" والے جملہ میں ہے۔کہ باب میں بھی یہی مذکور ہے اور حدیث میں بھی(۴)۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد فوائد واحکام

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ

۱۔اس حدیث مبارکہ سے احکام کے نسخ کا جواز معلوم ہوتا ہے(۵)۔

۲۔اس حدیث مبارکہ میں نسخ السنۃ بالقرآن کی دلیل ہے(٦)۔

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/٦٢

(۲) كشف الباري، كتاب الإيمان، باب: الصلاة من الإيمان: ۲/۳۸۸-۳۹۰

(۳)شرح الكرماني: ٤/٦٢۔ اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۳/١٤٤۔ فتح الباري: ٦٥٢۔ التوشيح لشرح الجامع الصحيح للسيوطي: ۲/۲۸۸، عمدة القاري: ٤/٢٠١

(٤)عمدة القاري: ٤/٢٠٠

(٥)الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: استقبال القبلة، الحديث الثاني: حديث عبد الله بن عمر: ۲/٤٩٧۔ عمدة القاري: ٤/٢٠٢

(٦)الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: استقبال القبلة، الحديث الثاني: حديث عبد الله بن عمر: ۲/٤٩٧۔ عمدة القاري: ٤/٢٠٢

۳۔اس حدیث مبارکہ میں خبرِ واحد کے قبول کیے جانے پر دلیل ہے(۱)۔
۴۔قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے اور کعبہ کے قبلہ ہونے پر اجماع کا ہونا بھی معلوم ہو رہا ہے(۲)۔
۵۔مکلّف آدمی کے حق میں احکام کا منسوخ ہونا اس وقت معتبر شمار ہوگا، جب اس نسخ کی اسے خبر پہنچے(۳)۔
۶۔اس حدیث میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے سے قبل بیت المقدس کی طرف منہ کر کے ادا کی جانے والی نمازیں عنداللہ مقبول ہیں، ان کا اعادہ نہیں کیا جائے گا(۴)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیث باب (دوسری حدیث)

۳۹۱ : حدّثنا مُسْلِمٌ قَالَ : حَدَّثنا هِشَامٌ قَالَ : حَدَّثنا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ ٱلرَّحْمٰنِ ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ : (۵)كَانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ ، يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ ، فَإِذَا أَرَادَ ٱلْفَرِيضَةَ ، نَزَلَ فَاسْتَقْبَلَ ٱلْقِبْلَةَ . [۱۰۴۳ ، ۱۰۴۸ ، ۳۹۰۹]

---

(۱)أعلام الحديث للخطابي: ۱/۳۸۳۔ الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: استقبال القبلة، الحديث الثاني: حديث عبد الله بن عمر: ۲/۴۹۶۔ عمدة القاري: ۴/۲۰۲

(۲)عمدة القاري: ۴/۲۰۲

(۳)الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: استقبال القبلة، الحديث الثاني: حديث عبد الله بن عمر: ۲/۴۹۷۔ عمدة القاري: ۴/۲۰۲

(۴)أعلام الحديث للخطابي: ۱/۳۸۳

(۵) أخرجه البخاري أيضاً في تقصير الصلاة، باب: صلاة التطوع على الدابة وحيثما توجهت، رقم الحديث: ۱۰۹۴، وباب: ينزل للمكتوبة، رقم الحديث: ۱۰۹۹، وفي المغازي، باب: غزوة أنمار، رقم الحديث: ۴۱۴۰.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول في الصلاه، الباب الأول في الصلاة وأحكامها، الفصل الرابع في استقبال القبلة، رقم الحديث: ۳۳۸۰، ۵/۲۹۸

ترجمہ حدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر خواہ اس کا رخ کسی طرف ہو، (نفل) نماز پڑھ لیتے تھے، لیکن جب فرض نماز پڑھنا چاہتے تو سواری سے اتر جاتے اور قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا فرماتے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ رجال ہیں:

ا۔ مسلم

یہ "مسلم بن ابراہیم القصاب ازدی بصری" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: زيادة الإيمان ونقصانه، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ ہشام

یہ "ابوبکر ہشام بن ابوعبداللہ بصری الدستوائی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: زيادة الإيمان ونقصانه، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ یحیی بن ابی کثیر

یہ "یحیی بن ابی کثیر طائی یمامی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: کتابة العلم، کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

---

(۱) كشف الباری: ۲/٤٥٥

(۲) كشف الباری: ۲/٤٥٦

(۳) كشف الباری: ٤/٢٦٧

۴۔محمد بن عبدالرحمٰن

یہ ''محمد بن عبدالرحمٰن بن المغیرہ بن الحارث قرشی عامری مدنی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: حفظ العلم، کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۵۔جابر

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''جابر بن عبداللہ الانصاری''، رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب: "من لم یر الوضوء إلامن المخرجین من القبل والدبر" کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

شرح حدیث

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي على راحلته حيث توجهت،

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر خواہ اس کا رخ کسی طرف ہو، (نفل) نماز پڑھ لیتے تھے۔

"علی راحلته" راحلہ سے مراد وہ اونٹنی جو سوار کو لے جانے کی صلاحیت رکھتی ہو، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''راحلہ'' اونٹ کی سواری ہے، عام ہے کہ وہ اونٹ ہو یا اونٹنی (۳)۔

حدیث مبارکہ کے اس جملہ سے دلیل پکڑتے ہوئے احناف اور مالکیہ نے فرمایا ہے کہ پیدل چلنے والے کے لیے چلتے ہوئے نوافل ادا کرنا جائز نہیں ہے، جب کہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اس حالت میں بھی نوافل کی ادائیگی جائز ہے(۴)۔

---

(۱) کشف الباری: ٤/٤٤٢

(۲) کشف الباری، کتاب الوضو، باب: "من لم یر الوضوء إلامن المخرجین من القبل والدبر".

(۳) الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: استقبال القبلة، الحديث الأول: حديث عبد الله بن عمر: ٢/٤٨٠، عمدة القاري: ٤/٢٠٣

الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: استقبال القبلة، الحديث الأول: حديث عبد الله بن عمر: ٢/٤٨٢

"حيث توجهت" کشميني کی روایت میں "توجهت" کے بعد اس کا صلہ "به" بھی مذکور ہے(۱)۔

علامہ ابن ملقن رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حالت سفر میں سواری پر بیٹھے بیٹھے نوافل پڑھنے کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ سفر کی وجہ سے اللہ کی عبادت سے انقطاع نہ ہوجائے، یا مسافر نوافل سے محروم نہ رہ جائے (۲)۔

فإذا أراد الفريضة، نزل، فاستقبل القبلة.

لیکن جب فرض نماز پڑھنا چاہتے تو سواری سے اتر جاتے اور قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا فرماتے۔

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت حدیث کے جملہ "فاستقبل القبلة" میں ہے(۳)۔

حدیث مبارکہ سے مستنبط فوائد واحکام

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ

۱۔حالت سفر میں جس طرف بھی رخ ہو، سوار ہونے کی حالت میں نوافل ادا کرنا جائز ہے(۴)۔

۲۔فرائض میں ترک استقبال قبلہ درست نہیں، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرض کے لیے سواری سے اتر کر ضرور استقبال کرتے تھے، البتہ شدتِ خوف کا وقت اس سے مستثنیٰ ہے اور مجبوری ومعذوری کی حالت میں سواری پر بھی فرض نماز درست ہوجائے گی (۵)۔

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کے تحت دو مسئلہ زیر بحث آتے ہیں، ایک: سواری پر نماز (فرض ہو یا نفل) پڑھنے کا حکم، اور دوسرا: سوری پر نماز پڑھتے ہوئے استقبال قبلہ کا حکم، ذیل میں دونوں مسئلوں کو مفصلاً ذکر جاتا ہے۔

(۱)عمدة القاري: ٤/ ٢٠٣

(٢)الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: استقبال القبلة، الحديث الأول: حديث عبد الله بن عمر: ٢/٤٨١،

(٣)عمدة القاري: ٤/٢٠٢

(٤)الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: استقبال القبلة، الحديث الأول: حديث عبد الله بن عمر: ٢/٤٨٣

(٥)عمدة القاري: ٤/٢٠٣

سواری پر نماز (فرض ہو یا نفل) پڑھنے کا حکم

فرض نماز کی صحت کے جو شرائط ہیں اگر سواری کی حالت میں بھی ان شرائط کا پورا کیا جانا ممکن ہو تو سواری پر فرض نماز کی ادائیگی درست ہوگی اور اگر تمام شرائط کے ساتھ فرائض کی ادائیگی ممکن نہ ہو تو اس فریضے کی ادائیگی سواری پر درست نہیں ہوگی۔

شہر کے اندر مقیم شخص کے لیے جانور پر سوار ہو کر نفل نماز ادا کرنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک شہر میں بھی بلا کراہت جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

شہر سے باہر نکلنے کے بعد مسافر (شرعی) کے لیے تمام فقہائے کے نزدیک اور غیر مسافر کے لیے اکثر فقہاء کرام کے نزدیک (یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنے کھیتوں وغیرہ کی طرف یا شہر کے گردونواح میں گیا ہوا ہو، اس کے لیے بھی) سواری پر سوار ہو کر نفل پڑھنا جائز ہے، شہر سے باہر نکلنے کی حد سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے مسافر کے لیے قصر کرنا جائز ہوتا ہے، اسی جگہ سے سواری پر نفل پڑھنا جائز ہو جاتا ہے۔

سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ سب نفل کے حکم میں ہیں سوائے سنت فجر کے، کہ یہ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک سواری پر بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ ان کی تاکید بہت زیادہ آئی ہے(۱)۔

قال الحصكفيؒ: (و) يتنفل المقيم (راكبا خارج المصر) محل القصر (موميا) فلو سجد اعتبر إيماء لأنها إنما شرعت بالإيماء (إلى أي جهة توجهت دابته)

قال ابن عابدينؒ: قوله:(ويتنفل المقيم راكبا...... إلخ) أي: بلا عذر،أطلق النفل، فشمل السنن المؤكدة إلا سنة الفجر، كما مر، وأشار بذكر المقيم إلى أن المسافر كذٰلك بالأولىٰ؛ واحترز بالنفل عن الفرض والواجب بأنواعه كالوتر والمنذور وما لزم بالشروع والإفساد وصلاة الجنازة وسجدة تليت على الأرض، فلايجوز على الدابة بلا عذر لعدم الحرج كما في البحر، قوله: (راكبا) فلا تجوز صلاة الماشي بالإجماع، بحر عن المجتبى، قوله: (خارج المصر) هٰذا هوالمشهور، وعندهما يجوز في المصر، لكن بكراهة عند محمد لأنه يمنع من الخشوع، وتمامه في الحلية. قوله: (محل القصر) بالنصب بدل من خارج المصر، وفائدته شمول خارج القرية وخارج الأخبية ح:أي المحل الذي يجوز للمسافر قصر الصلاة فيه، وهو الصحيح، بحر. وقيل: إذا جاوز ميلا، وقيل: فرسخين، أو ثلاثة. قهستاني. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب: في الصلاة على الدابة: ۲/٤٨٦،٤٨٧)

یہی حکم ہر قسم کی سواری کا ہے، چاہے وہ قدیم زمانے کی ہو (جیسے: اونٹ، گھوڑا، خچر اور گدھا وغیرہ)، چاہے موجودہ زمانہ کی (جیسے: جہاز، ریل گاڑی، بس، کار وغیرہ)۔(۱)

ریل گاڑی پر سفر کرنے کی حالت میں نماز کا حکم

ریل گاڑی پر سفر کرتے ہوئے نماز کا وقت آ جائے تو نماز پڑھنا فرض ہے، چونکہ ریل گاڑی میں قیام کرنا اور استقبال قبلہ ممکن ہوتا ہے اس لیے مکمل نماز میں قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا ضروری ہے، حتی کہ دوران نماز اگر ٹرین قبلہ کی طرف سے پھر گئی تو نمازی کے لیے بھی اپنا رخ پھیرنا ضروری ہے(۲)۔

ٹرین میں سفر کرتے ہوئے اگر بہت زیادہ اژدہام ہو، کھڑے ہونے کی جگہ نہ ہو تو اپنے ہمسفر ساتھیوں سے نماز ادا کرنے کے لیے جگہ مانگ لینی چاہیے، اگر جگہ مل جائے تو فبہا، ورنہ اس وقت تو بیٹھ کر نماز ادا کر لی جائے، لیکن بعد اعادہ کرنا لازم ہوگا(۳)۔

سوری پر نماز پڑھتے ہوئے استقبال قبلہ کا حکم

سواری پر فرض نماز کی درستگی کے لیے قیام کی طرح استقبال قبلہ بھی ضروری ہے، ورنہ نماز نہیں ہوگی۔ البتہ سواری پر نفل پڑھنے کی حالت میں (چاہے کھڑا ہو کر پڑھے یا بیٹھ کر) استقبالِ قبلہ فرض نہیں ہے، بہت ساری احادیثِ مبارکہ میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر نفل نماز پڑھ لیتے تھے، چاہے سواری جس طرف بھی جا رہی ہوتی تھی۔ ملاحظہ ہو: حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری پر نفل نماز سر کے اشارہ سے پڑھتے ہوئے دیکھا، جس طرف کو بھی سواری ہوتی تھی، اُسی طرف کو رُخ کرتے ہوئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح فرض

---

(۱)الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة: الصلاة، الصلاة على الراحلة: ۲۲۹/۲۷

(۲)الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الثالث في استقبال القبلة: ۶۳/۱

(۳)العذر إن كان من قبل الله لا تجب الإعادة، وإن كان من قبل العبد، وجبت الإعادة. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب: التيمم: ۱۴۲/۱)

نماز میں نہیں کیا کرتے تھے(۱)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیثِ باب (تیسری حدیث)

٣٩٢ : حدّثنا عُثْمانُ قالَ : حَدَّثنا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عَلْقَمَةَ قالَ : قالَ عَبْدُ ٱللهِ : صَلَّى ٱلنَّبِيُّ ﷺ(۲) – قالَ إِبْراهِيمُ : لَا أَدْرِي – زَادَ أَوْ نَقَصَ ، فَلَمَّا سَلَّمَ قِيلَ لَهُ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، أَحَدَثَ فِي ٱلصَّلَاةِ شَيْءٌ؟ قالَ : (وَمَا ذَاكَ) . قَالُوا : صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا ، فَثَنَى رِجْلَيْهِ ، وَٱسْتَقْبَلَ ٱلْقِبْلَةَ ، وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ، ثُمَّ سَلَّمَ . فَلَمَّا أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ قالَ : (إِنَّهُ لَوْ حَدَثَ فِي ٱلصَّلَاةِ شَيْءٌ لَنَبَّأْتُكُمْ بِهِ ، وَلٰكِنْ ، إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ ، أَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ ، فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي ، وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ ، فَلْيَتَحَرَّ ٱلصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ، ثُمَّ لِيُسَلِّمْ ، ثُمَّ يَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ) . [٣٩٦ ، ١١٦٨ ، ٦٢٩٤ ، ٦٨٢٢]

---

(١) عن عامر بن ربيعة قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو على الراحلة يسبح، يومئ برأسه قِبَلَ أيّ وجهٍ توجه، ولم يكن رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع ذٰلك في الصلاة المكتوبة. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب: ينزل للمكتوبة، رقم الحديث: ١٠٩٧)

وكذا عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي على راحلته تطوعا حيثما توجهت به وهو جاء من مكة إلى المدينة، ثم قرأ ابن عمر هٰذه الآية: ﴿ولله المشرق والمغرب......إلخ﴾ فقال ابن عمر: هٰذا أنزلت هٰذه الآية. (سنن الترمذي، أبواب التفسير، من سورة البقرة، رقم الحديث: ٢٩٥٨)

(٢) أخرجه البخاري في الصلاة، باب: ما جاء في القبلة ومَن لا يرى الاعادة على من سها، فصلى إلى غير القبلة، رقم الحديث: ٤٠٤، وفي كتاب السهو، باب: إذا صلى خمساً، رقم الحديث: ١٢٢٦، وفي الأيمان، باب: إذا حنث ناسياً في الأيمان، رقم الحديث: ٦٦٧١، وفي كتاب أخبار الآحاد، باب: ما جاء في إجازة خبر الواحد الصدوق في الأذان والصلوٰة والصوم والفرائض والأحكام، رقم الحديث: ٧٢٤٩.

ومسلم في صحيحه، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب: السهو في الصلاة والسجود له، رقم الحديث: ٥٧٢ =

ترجمہ حدیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، -ابراہیم نے کہا کہ مجھے (اب) معلوم نہیں ہے کہ نماز (کی رکعات) میں کمی ہوئی یا زیادتی- پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! کیا نماز (کی ادائیگی کے بارے) میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: وہ کیا؟ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اتنی اتنی رکعتیں ادا کی ہیں، یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں پاؤں سمیٹے اور اور قبلہ کی طرف منہ کرلیا اور (سہو) کے دو سجدے کیے اور اس کے بعد سلام پھیرا۔ پھر ہماری طرف منہ کرلیا اور ارشاد فرمایا: اگر نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہوتا تو میں (نماز سے پہلے ہی) تم کو بتا چکا ہوتا، لیکن میں تو تمہارے جیسا ہی ایک آدمی ہوں، جس طرح تم بھول جاتے ہو، اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں، اس لیے جب (کبھی) میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلا دیا کرو۔ اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جایا کرے تو درست بات کو معلوم کرنے کی کوشش کرے اور اسی کے مطابق اپنی نماز پوری کرلے، پھر سلام پھیر کر دو سجدے (سہو کے) کرلے۔

=وأبو داؤد في سننه، في كتاب الصلوٰة، باب: إذا صلى خمساً، رقم الحديث: ١٠١٩، ١٠٢٠، ١٠٢١، ١٠٢٢

والترمذي في جامعه، في الصلوٰة، باب: ما جاء في سجدتي السهو بعد السلام والكلام، رقم الحديث: ٣٩٢، ٣٩٣.

والنسائي في سننه، في السهو، باب: ما يفعل من صلى خمساً، رقم الحديث: ١٢٥٥، ١٢٥٦، ١٢٦٠.

وابن ماجه في سننه، في كتاب إقامة الصلوٰة والسنة فيها، باب: من صلى الظهر خمساً وهو ساهٍ، رقم الحديث: ١٢٠٥، وفي باب: ما جاء فيمن شك في صلاته، فتحرى الصواب، رقم الحديث: ١٢١١، ١٢١٢،

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلوٰة، القسم الأول: في الفرائض وأحكامها، الباب الأول: في الصلوٰة وأحكامها، الفصل السابع: في السجدات، الفرع الأول: في سجود السهو، القسم الثاني: في السجود بعد التسليم، رقم الحديث: ٣٧٦٦، ٥/٥٤١

تراجم رجال

مذکورہ روایت کی سند میں کل چھ رجال ہیں:

۱۔عثمان

یہ "عثمان بن محمد بن قاضی ابوشیبہ ابراہیم کوفی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: من جعل لأهل العلم أياما معلومة، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔جریر

یہ "جریر بن عبدالحمید بن قرط رازی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: من جعل لأهل العلم أياما معلومة، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔منصور

یہ "منصور بن المعتمر السلمی الکوفی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: من جعل لأهل العلم أياما معلومة، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۴۔ابراہیم

یہ "ابوعمران ابراہیم بن یزید النخعی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: ظلم دون ظلم، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

---

(۱) كشف الباري: ۲٦٦/۳

(۲) كشف الباري: ۲٦۸/۳

(۳) كشف الباري: ۲۷۰/۳

(٤) كشف الباري: ۲٥۳/۲

۵۔علقمہ

یہ ''علقمہ بن قیس بن عبداللہ نخعی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: ظلم دون ظلم، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۶۔عبداللہ

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ'' ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: ظلم دون ظلم، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

شرحِ حدیث

قال عبد الله: صلى النبي صلى الله عليه وسلم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔

یہ نماز کون سی تھی؟ ایک قول کے مطابق یہ نماز ظہر کی تھی اور دوسرے قول کے مطابق یہ نماز عصر کی تھی، طبرانیؒ نے اسی راوی ''ابراہیم'' کی حدیث نقل کی ہے، طلحہ بن مصرف کے طریق سے، اس میں عصر کی نماز کی تصریح ہے(۳) اورانہی کی روایت شعبہ عن حماد کے طریق سے نقل کی ہے اس میں ظہر کی نماز کا ذکر ہے(۴)۔

-قال إبراهيم: لا أدري- زاد أو نقص،

راوی ابراہیم نے کہا کہ مجھے (اب) معلوم نہیں ہے کہ نماز (کی رکعات) میں کمی ہوئی یا زیادتی۔

---

(۱) کشف الباری: ۲/۲۵٦

(۲) کشف الباری: ۲/۲۵۷

(۳) عن طلحة بن مصرف عن إبراهيم عن علقمة عن عبد الله قال: صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم العصر، فنهض في الرابعة، ولم يجلس حتى صلى بنا الخامسة، فقيل: يا رسول الله! صليت بنا خمساً، فاستقبل القبلة، وكبر، وسجد سجدتين. (المعجم الكبير للطبراني، تابع عبد الله بن مسعود، رقم الحديث: ۹۸۳٦، ۳٤/۱۰)

(٤) عن شعبة عن حماد عن إبراهيم عن علقمة عن عبد الله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى الظهر خمساً، فقيل: يا رسول الله! زيد في الصلوٰة؟ قال: "وما ذاك؟" قالوا: صليت خمساً، فسجد سجدتين. (المعجم الكبير للطبراني، تابع عبد الله بن مسعود، رقم الحديث: ۹۸۳۹، ۳۵/۱۰)

”إبراهيم“ یہ ”ابن يزيد النخعي“ ہیں، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ”ابن سويد النخعي“ ہیں (۱)۔

”زاد أو نقص“ دونوں افعال کی ضمیریں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہیں۔ اور یہ دونوں افعال اس مقام پر متعدی ہیں (۲)۔

راوی حدیث کا بیان ہے کہ مجھے خیال نہیں رہا کہ نماز میں کوئی زیادتی ہوئی تھی یا کمی، لیکن کچھ آگے انہی راوی کی حدیث ایک دوسری سند سے آرہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں زیادتی ہوئی تھی، یعنی: چار کے بجائے پانچ رکعات پڑھا دی گئیں تھی۔

ان کا شک سجدہ سہو کے سبب کی بنیاد پر واقع ہوا کہ سجدہ سہو رکعات میں کمی پیش آنے کی وجہ سے کیا گیا یا رکعات میں زیادتی پائے جانے کی وجہ سے کیا گیا تھا (۳)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”یہ پورا جملہ راوی منصور کا ادراج ہے“ (۴)۔

فلما سلَّم، قيل له: يا رسول الله! أحَدَثَ في الصلوٰة شيئ؟

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلمنے سلام پھرا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! کیا نماز (کی ادائیگی کے بارے) میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہے؟

”أ“ ہمزہ استفہام کے لیے ہے اور ”حدَث“ دال کی فتح کے ساتھ ”وقع“ کے معنی میں ہے، مطلب اس جملے کا یہ ہے کہ کیا وحی کے ذریعہ نماز کے بارے میں کوئی ایسا حکم نازل ہو گیا کہ اس نے نماز کے سابقہ طریقہ کو بدل دیا ہے، یعنی: چار کے بجائے پانچ رکعت کا حکم آ گیا ہے؟ (۵)

---

(۱) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۳/ ۱٤٦

(۲) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۳/ ۱٤٦

اس مقام پر علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ یہ ”ابراہیم بن یزید نخعی“ ہیں، جو کوئی اس ابراہیم سے مراد میں کسی اور کا ذکر کرتا ہے وہ خطا پر ہے۔ (فتح الباری: ۱/۶۵۲)

(۳) عمدة القاري: ٤/ ۲۰۵، الكوثر الجاري: ۲/۹۲

(٤) شرح الكرماني: ٤/٦٣، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۳/ ۱٤٦

(٥) شرح الكرماني: ٤/ ٦٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۳/ ۱٤٦، فتح البارى: ۱/٦٥٢، عمدة القاري: ٤/ ۲۰٥

قال: "وما ذاك"، قالوا: صليت كذا وكذا،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: وہ کیا؟ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اتنی اتنی رکعتیں ادا کی ہیں،

"وما ذاك" کا استعمال ایسے شخص کی طرف سے ہوتا ہے، جسے کچھ خبر نہ ہو کہ اس سے کیسا فعل سرزد ہوا ہے، نہ یقینی طور پر اور نہ ہی غلبہ ظن کے ساتھ(۱)۔

بات چیت کر لینے کے بعد نماز کی بقاء کا حکم

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا تھا، اس کے بعد آپ نے "وما ذاك؟" کے ذریعے سوال کیا، تو اس بات چیت کرنے کے بعد آپ نے نماز کی بناء کیسے کر لی؟ تو احناف کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ بات چیت والا واقعہ نماز میں کلام کی حرمت سے قبل کا ہے(۲)۔

ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں تو تلقین من خارج الصلاة پائی جارہی ہے، یعنی: نماز پڑھنے والے کے لیے اپنے غیر کی بات پر عمل کرنا تو جائز نہیں ہوتا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے کسی دوسرے شخص کی بات پر عمل کرتے ہوئے اپنی نماز کو مکمل کر لیا؟ تو اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "وما ذاك" کے ذریعے جو سوال کیا تھا وہ نماز میں اپنی غلطی جاننے کے لیے تھا، جب صحابہ کے بتلانے سے آپ نے جان لیا تو تو اپنے علم کی بنیاد پر آپ نے نماز مکمل کی، نہ یہ کہ محض اپنے غیر کی بات پر عمل کر لیا(۳)۔

اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دراصل اس جملے میں مذہب شافعیہ پر اشکال لازم آتا ہے، وہ اس طرح کہ ان کے نزدیک نماز کے دوران نمازی کا اپنے غیر کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں ہے، چاہے امام ہو یا مقتدی، بلکہ اپنے جی کی بات پر ہی عمل کرنا لازم ہے۔ اس لیے امام نووی رحمہ اللہ نے وہ جواب دیا جو اوپر شرح الکرمانی کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے، اس جواب پر اشکال کرتے ہوئے علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہاں یہ جواب دینا "کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "وما ذاك" کے ذریعے جو سوال کیا تھا وہ نماز میں اپنی غلطی جاننے کے لیے تھا" قابل تسلیم نہیں ہے، اس لیے ذوالیدین والے قصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ان کی

(۱)فتح الباری: ۱/۶۵۲، عمدة القاري: ٤/ ٢٠٥

(۲)شرح الكرماني: ٤/ ٦٥

(۳) شرح الكرماني: ٤/ ٦٥

طرف رجوع ہے، وہ بات چیت اور سوال وجواب کے لیے ہے نہ کہ محض اپنے نفس کے اطمینان کے لیے، فافہم (۱)۔

''کذا و کذا'' سے کنایہ ہے ان تعداد رکعات کی طرف جو عہد ذہنی میں کم یا زیادہ ہوئیں (۲)۔

نماز کے دوران بات چیت کرنے کا حکم

جمہور فقہاء کے نزدیک عمداً ایسی بات چیت کرنے کے ساتھ نماز باطل ہو جاتی ہے۔ جو نماز کی اصلاح کی خاطر نہ ہو (۳)۔

مذہبِ احناف

احناف کے نزدیک نماز کے دوران تین شرطوں کے ساتھ (۴) بات چیت کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، چاہے؛ وہ کلام قلیل ہو یا کثیر، بھول کر ہو (یعنی: نماز پڑھنا یاد نہ ہو، اپنے آپ کو نماز سے خارج خیال کرتے ہوئے بات چیت کر لے) یا خطا سے (مثلا: ارادۃ تو زبان سے "یا أیها الناس" نکالا، لیکن نکل گیا "یا زیــد") ، جہالت کی وجہ سے ہو (یعنی: وہ نہیں جانتا کہ بات چیت کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے) ، یا کسی کے مجبور کر دینے پر ہو، یا عمداً ہو (یعنی: اپنے ارادہ اور خوشی سے کلام کیا) ، نماز کی اصلاح کے لیے ہو (مثلا: امام قعدہ

---

(١) عمدة القاري: ٤/ ٢٠٩

(٢)شرح الكرماني: ٤/ ٦٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ٣/ ١٤٦

(٣)يتكلم عامداً لا لمصلحة الصلاة فتبطل صلاته بالإجماع، نقل الإجماع فيه ابن المنذر وغيره لحديث معـاوية بن الحكم السابق وحديث ابن مسعود وحديث جابر وحديث زيد بن أرقم وغيرها من الأحاديث التـي سـنـذكـرهـا إن شـاء الـله تعالى. (المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، مسائل تتعلق بالكلام في الصلاة: ٤/٨٥)

(۴) ا۔ زبان سے نکلنے والا کلام کم از کم دو حروف پر مشتمل ہو، ایک حرف والے لفظ کے تکلم سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

۲۔ وہ کلام ایسا ہو، جو لوگوں کے درمیان آپس کی بات چیت میں چلتا ہے، یعنی نماز سے متعلق اذکار وغیرہ نہ ہوں، نماز سے متعلق اذکار وغیرہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

۳۔ وہ کلام اتنی آواز سے ہو کہ خود سننا ممکن ہو سکے، اگر اس سے کم آواز میں وہ کلام ہوا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (عمدۃ الفقہ :۲/۲۴۵)

کے موقع پر کھڑا ہو گیا اور مقتدی نے اس کو کہہ دیا کہ ''بیٹھ جا'' یا قیام کے موقع پر بیٹھ گیا تو مقتدی نے کہہ دیا ''کھڑا ہو جا'' حالاں کہ کہنا چاہیے تھا ''سبحان اللہ'' یا ''اللہ اکبر'') یا اصلاح کے لیے نہ ہو اور راجح قول کے مطابق نماز کے دوران سوتے ہوئے ہو یا بیداری میں ہو، ہر حال میں نماز فاسد ہو جائے گی۔(۱)

مذہبِ شافعیہ

شوافع کے نزدیک نماز کے اندر کلام کرنے والا اگر کوئی ایسا شخص ہو جو بھول کر کلام کر لے، یا وہ کلام کرنے پر مرتب ہونے والے حکم سے جاہل ہو اور قلیل کلام کرے تو نماز فاسد نہیں ہوتی (۲)۔

مذہبِ مالکیہ

مالکیہ کی اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں: ایک احناف کے مطابق اور دوسری یہ ہے کہ اگر کلام اصلاح نماز کے لیے ہو تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور اس کے برعکس کلام سے نماز فاسد ہو جاتی ہے (۳)۔

مذہبِ حنابلہ

حنابلہ کی اس مسئلہ میں چار روایتیں ہیں: تین روایتیں تو ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے مطابق ہیں اور چوتھی روایت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ میں نماز میں نہیں ہوں اور کلام کرے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہو گی،

---

(۱)البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۳-۵

رد المحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب: ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۳۷۰، ۳۷۱

حشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، ص: ۳۲۱، ۳۲۲

(۲)المجوع شرح المهذب، كتاب الصلاة، مسائل تتعلق بالكلام في الصلاة: ٤/٨٥

المهذب، كتاب الصلاة، فصل في الضحك والكلام في الصلاة: ۲/۲۸۹

نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/۳۸

(۳)بداية المجتهد، كتاب الصلاة، الباب السابع في معرفة التروك المشترطة في الصلاة: ۱/۱۱۹

مواهب الجليل في شرح مختصر خليل، كتاب الصلاة، باب في السهو: ۲/۲۳۲

الشرح الكبير للدردير، كتاب الصلاة، فصل في سن سجود السهو: ۱/۳۰۵

طرح التثريب في شرح التقريب، كتاب الصلاة، باب السهو في الصلاة، حديث سجود السهو، فائدة: تعمد الكلام في الصلاة لإصلاحها، الثالثة والعشرون: ۳/۱٦

اگر چہ وہ نماز میں ہو۔ اور اس کے برعکس کوئی شخص اس بات کو جانتے ہوئے کلام کرے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی (۱)۔

احناف کے دلائل

پہلی دلیل

احناف کی دلیل سب سے پہلے قرآن پاک سے ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وقوموا لله قانتين﴾ اس آیت میں "قانتين" کے معنی سکوت، خاموشی کے ہیں، بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں یہ بات منقول ہے کہ یہ آیت نماز میں کلام سے روکنے کے لیے نازل ہوئی ہے۔ (۲) پھر اس آیت میں کوئی تفصیل نہیں ہے کہ کس قسم کے کلام سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا ہر نوعیت کے کلام کی

(۱) طرح التثريب في شرح التقريب، كتاب الصلاة، باب السهو في الصلاة، حديث سجود السهو، فائدة: تعمد الكلام في الصلاة لإصلاحها، الثالثة والعشرون: ۱٦/۳

الشرح الكبير للمقدسي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، فصل فإن تكلم في هٰذه الحال...... لغير مصلحة الصلاة...... بطلت صلاته: ٤/ ۲۹، ۳۰

"الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف للمرداوي" تحت "الشرح الكبير للمقدسي"، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، فصل فإن تكلم في هٰذه الحال...... لغير مصلحة الصلاة...... بطلت صلاته: ٤/ ۲۹، ۳۰

(۲) عبد الرزاق عن الثوري عن منصور عن مجاهد قال: كانوا يتكلمون في الصلاة، ويعلم الرجل أخاه، حتى نزلت هٰذه الآية: ﴿وقوموا لله قانتين﴾، فقطعوا الكلام، قال: القنوت هو السكوت، والقنوت: الطاعة. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب: الكلام في الصلاة، رقم الحديث: ۳۵۷٤، ۲/۳۳۱)

أخبرنا فضيل عن عطية في قوله: ﴿وقوموا لله قانتين﴾ قال: كانوا يتكلمون في الصلاة بحوائجهم، حتى نزلت: ﴿وقوموا لله قانتين﴾، فتركوا الكلام في الصلاة. (تفسير الطبري، القول في تأويل قوله تعالىٰ: ﴿وقوموا لله قانتين﴾: ٤/۳۷۸

وكذا في تفسير الراغب الأصفهاني: ۱/٤۹۲، وتفسير السمعاني: ۱/۲٤٤، وتفسير ابن كثير: ۱/٦۵۵، وتفسير الماتريدي: ۲/۲۱۲، وتفسير السعدي: ۱/۱۰٦

ممنوعیت مراد ہوگی (۱)۔

دوسری دلیل

دوسری دلیل حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: ''ہم حالتِ نماز میں بات چیت کرلیا کرتے تھے، ایک شخص اپنے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے ساتھ (بوقتِ ضرورت) بات چیت کرلیتا تھا، پھر جب یہ آیت ﴿وقوموا لله قانتين﴾ نازل ہوئی تو ہمیں نماز میں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور بات چیت کرنے سے منع کردیا گیا''۔ یہ حدیث کتب صحاح میں موجود ہے (۲)۔

تیسری دلیل

تیسری دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں: ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سلام کرلیا کرتے تھے، آپ جواب دیا کرتے تھے، ہم لوگ جس وقت ملکِ حبشہ سے واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا۔ مجھ کو اپنے قریبی اور دور والی فکریں لاحق ہوگئیں، (یعنی: قسما قسم کے پرانے اور نئے نئے خیالات آتے گئے) اور اس کا افسوس ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس وجہ سے جواب نہیں دیا؟ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوگئے تو ارشاد فرمایا: ''اللہ عزوجل جب چاہتے ہیں نیا فرمان جاری فرما سکتے ہیں، اب اللہ نے یہ حکم نازل

---

(۱) إن أحاديث ابن مسعود وزيد بن أرقم ومعاوية بن الحكم وغيرها صحيحة صريحة في تحريم الكلام من غير تخصيص أو استثناء، فهي نص في الباب بوصف مطرد معلوم منضبط معقول المعنى، بل وقع بعضها بياناً لنص القرآن القطعي الثبوت......إلخ. (معارف السنن، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الرجل يسلم في الركعتين من الظهر والعصر: ۵۴۱/۳)

(۲) عن زيد بن أرقم قال: كنا نتكم خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلاة، يكلم الرجل منا صاحبه إلى جنبه، حتى نزلت: ﴿وقوموا لله قانتين﴾ [البقرة: ۲۳۸]، فأمرنا بالسكوت، ونهينا عن الكلام. (سنن الترمذي، كتاب الصلاة، ما جاء في نسخ الكلام في الصلاة، رقم الحديث: ۴۰۵)

کیا ہے کہ دورانِ نماز بات چیت نہ کی جائے‘‘(۱)۔

چوتھی دلیل

چوتھی دلیل حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک جماعت میں شریک ایک شخص کو چھینک آ گئی، تو میں نے اس کو ”یرحمك الله“ کہہ دیا، اس پر لوگ مجھے گھورنے لگے، تو میں نے کہا: ”وا ثكل أمياه“ (یہ عرب کا ایک محاورہ ہے، جو کہ مذکورہ نوعیت کے ماحول میں استعمال ہوتا ہے) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم میری طرف ایسے دیکھ رہے رہے ہو، لوگوں نے اپنی رانوں پر ہاتھ مارنا شروع کر دیا، تو میں نے سمجھا کہ لوگ مجھے خاموش رہنے کو کہہ رہے ہیں، عثمان (ایک دوسرا راوی) کی روایت میں ہے کہ جب میں نے دیکھا کہ لوگ مجھے خاموش رہنے کو کہہ رہے ہیں تو میں خاموش ہو گیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں تو آپ نے نہ تو مجھے ڈانٹ ڈپٹ کی اور نہ ہی مجھے بُرا بھلا کہا، البتہ یہ فرمایا کہ یہ نماز ہے اور اس میں گفتگو کرنا جائز نہیں، سوائے تسبیح تکبیر یا تلاوت قرآن کے، یا کچھ ایسی بات ارشاد فرمائی (۲)۔

---

(۱)عن ابن مسعود قال كنا نسلم على النبي صلى الله عليه وسلم، فيرد علينا السلام حتى قدمنا من أرض الحبشة، فسلمت عليه، فلم يرد علي، فأخذني ما قرُب وما بعُد، فجلست حتى إذا قضى الصلاة قال: ”إن الله عزوجل يحدث من أمره ما يشاء، وإنه قد أحدث من أمره أن لا يتكلم في الصلاة“. (سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب الكلام في الصلاة، رقم الحديث: ۱۲۲٤)

(۲)عن معاوية بن الحكم السلمي قال: صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فعطس رجل من القوم، فقلت: يرحمك الله، فرماني القوم بأبصارهم، فقلت: وا ثكل أمياه، ما شأنكم تنظرون إلي؟ فجعلوا يضربون بأيديهم على أفخاذهم، فعرفت أنهم يصمتوني -فقال عثمان: فلما رأيتهم يسكنوني لكني سكت - قال: فلما صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، بأبي وأمي ما ضربني، ولا كهرني، ولا سبني، ثم قال: إن هٰذه الصلاة لا يحل فيها شيئ من كلام الناس هٰذا، إنما هو التسبيح والتكبير وقرائة القرآن، أو كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب تشميت العاطس في الصلاة، رقم الحديث: ۹۳۰)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل حدیثِ ذی الیدین ہے، جو تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سولہ طُرق کے ساتھ مروی ہے، پوری تفصیل شرح معانی الآثار میں مذکور ہے۔(۱) امام طحاوی رحمہ اللہ نے بہت شرح وبسط سے اس مسئلہ پر کلام کیا ہے، اسی کا خلاصہ حضرت بنوری رحمہ نے معارف السنن میں ذکر کیا ہے، (۲) جو کہ دیکھنے کے لائق ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ شوافع کے نزدیک حدیث ذی الیدین اس طرح دلیل بنتی ہے کہ ذوالیدین کا کلام حکم نے ناواقفیت کی بنا پر تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نسیاناً تھا۔

امام مالک رحمہ اللہ نے نزدیک یہ ساری بات چیت اصلاح نماز کی خاطر تھی، جس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بات چیت کا ہونا تو اس وجہ سے تھا کہ آپ کے گمان میں نماز پوری ہو چکی تھی، جب کہ ذوالیدین کا کلام بھی اسی گمان پر تھا کیوں کہ یہاں یہ احتمال موجود تھا کہ نماز کے اندر کمی رکعات کا حکم نازل ہوا ہو چناں چہ اسی احتمال کی بنا پر نماز مکمل ہو چکنے کے گمان بن گیا، پھر انہوں نے تصدیق کی خاطر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرلیا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا پہلا جواب

جب کہ احناف کے نزدیک یہ واقعہ جس میں دورانِ نماز کلام پیش آیا ''نسخ الکلام فی الصلاۃ'' سے پہلے کا ہے۔

ہماری اس بات پر [کہ یہ واقعہ "نسخ الکلام فی الصلاۃ" سے پہلے کا ہے] پہلی دلیل وہ تمام روایات ہیں جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امام سے غلطی ہو جانے کے وقت تصحیح نماز کے لیے مقتدیوں کو مرد ہونے کی صورت میں ''سبحان اللہ'' یا ''اللہ اکبر'' کہنے کی اور عورت ہونے کی صورت میں ''تصفیق''، یعنی: ہاتھ پر ہاتھ مارنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ اس لیے کہ دوران نماز بات چیت کرنا مشروط رہتا تو تسبیح وتصفیق کے تلقین کی کوئی ضرورت نہیں رہتی تھی، اس کے بجائے نمازی نماز میں ہی بول کر بتا دیتے کہ امام صاحب آپ نے غلطی کر

(۱) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، الكلام في الصلاة لما يحدث فيها من السهو: ۱/۵٦۹-۵۸۱

(۲) معارف السنن، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الرجل يسلم في الركعتين من الظهر والعصر: ۳/۵۰٤-٤٤

لی ہے، اس طرح نہیں، بلکہ ایسا کی جیے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوتا(۱)۔

دوسرا جواب

دوسری دلیل حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھول کر ایک رکعت رہ گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان واقامت کا حکم دیا، اس کے بعد آپ نے ایک رکعت پڑھائی، حالاں کہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز کے دوران اذان واقامت کہنا نماز کو باطل کر دیتا ہے، جب کہ اس حدیث کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا، چناں چہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اس وقت یا اس دور میں کیا تھا، جب نماز میں کلام کرنا مباح تھا، اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی تھی۔ لیکن بعد میں دورانِ نماز بات چیت کرنا بند ہو گیا، اسی وجہ سے تو اس مسئلہ پر [کہ نماز کے دوران اذان واقامت کہنا نماز کو باطل کر دیتا ہے،] سب کا اتفاق ہے، لہٰذا حدیث ذی الیدین کو بھی اُسی زمانے پر محمول کیا جائے گا(۲)۔

تیسرا جواب

تیسری دلیل یہ ہے حدیثِ ذی الیدین والے واقعہ میں شریک ایک جلیل القدر صحابی سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک نماز کی امامت کے دوران غلطی ہوگئی، دو رکعت پر بھول کے سلام پھیر دیا، حالاں کہ نماز چار رکعت والی تھی، نماز کے بعد لوگوں نے یاد دلایا، تو خلیفہ المسلمین نے اس بات چیت ہو جانے کے بعد از سر نو چار رکعات ادا فرمائیں، نہ یہ کہ انہی دو رکعت پر بنا کر لیا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس وقت نماز کے دوران بات چیت کرنا بند ہو چکا تھا، ورنہ تو وہ لوگوں کے تنبیہ کر دینے کے بعد صرف دو رکعتیں مزید پڑھ لیتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، کیوں کہ ان کو معلوم تھا کہ کلام فی الصلاۃ منسوخ ہو چکا ہے(۳)۔

چوتھا جواب

چوتھی دلیل یہ ہے کہ اس وقت پوری امت کا اجماعی مسئلہ ہے کہ اگر امام سے غلطی ہو جائے تو اس کو تنبیہ

---

(۱) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، الكلام في الصلاة لما يحدث فيها من السهو: ۵۷۳/۱، ۵۷٤

(۲) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، الكلام في الصلاة لما يحدث فيها من السهو: ۵۷٤/۱

(۳) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، الكلام في الصلاة لما يحدث فيها من السهو: ۵۷۵/۱

کرنے کے لیے سبحان اللہ کہا جائے گا، بات چیت کر کے نہیں بتایا جائے گا۔ جب کہ دوسری طرف حدیثِ ذی الیدین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سبحان اللہ کہنے کی بجائے بات چیت کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کلام فی الصلاۃ کے منسوخ ہونے سے قبل کا ہے(۱)۔

عقلی دلیل

پھر امام طحاوی رحمہ اللہ اپنے عقلی دلیل (جس کو نظرِ طحاوی سے تعبیر کیا جاتا ہے،) پیش فرماتے ہیں کہ کئی مختلف قسم کی عبادات ایسی ہیں کہ ان کو شروع کر دینے کے بعد دیگر بہت سارے کام ممنوع ہو جاتے ہیں، مثلاً: نماز شروع کر دینے کے بعد کلام اور دیگر منافی الصلاۃ امور ممنوع ہو جاتے ہیں، روزہ رکھ لینے کے بعد اکل، شرب و جماع ممنوع ہو جاتے ہیں، حالتِ اعتکاف میں ہم بستری، خروج من المسجد وغیرہ، اور حج وعمرہ کے احرام میں خوش بو، سلا ہوا لباس اور جماع وغیرہ ممنوع ہو جاتے ہیں۔ اس تفصیل کے بعد جانیے کہ باتفاقِ فریقین ان تمام عبادات میں ممنوع امور کے ارتکاب؛ چاہے قصدا ہو یا نسیانا سے یہ عبادات فاسد ہو جاتی ہیں، تو اسی طرح نماز بھی ایک اہم ترین عبادت ہے، اس میں قصد اور نسیان کے قید کے بغیر کلام کے پائے جانے سے نماز فاسد ہونی چاہیے۔ جس طرح (ائمہ ثلاثہ کے نزدیک) قصداً کلام سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح نسیاناً کلام سے بھی نماز کا فساد ہونا چاہیے(۲)۔

فثنى رجليه،

یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں پاؤں سمیٹے۔

"فثَنَى" یہ باب ضرب یضرب سے ماضی کا صیغہ ہے، جس کے معنی موڑنے کے ہیں، یعنی: آپ صلی

---

(۱) معارف السنن، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الرجل يسلم في الركعتين من الظهر والعصر: ۵۴۳/۳

نوٹ: ائمہ ثلاثہ کی طرف سے ان دلائل پر اعتراضات اور ان کے نہایت تفصیلی اور مدلل جوابات کے شائقین کے لیے معارف السنن کی طرف مراجعت بہت فرحت بخش رہے گی۔

(۲) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، الكلام في الصلاة لما يحدث فيها من السهو: ۵۷۹/۱، ۵۸۰

اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں موڑے اور ایسے بیٹھ گئے جیسے قعدہ میں تشہد پڑھنے کے لیے بیٹھتے ہیں (۱)۔

"رجليه" یہ کشمیهني اور أصیلي کی روایت کے مطابق ہے، وگرنہ دیگر نسخوں میں "رجله" واحد کا صیغہ ہے (۲)۔

سجدہ سہو کرنے سے متعلق حضرت کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

قولہ: "فثنى رجله وسجد سجدتين" پر حضرت کشمیری فرمایا: اگر کہا جائے کہ جب کلام اس وقت نماز کے اندر جائز ہی تھا تو سجدہ سہو کی کیا ضرورت تھی؟ میں کہتا ہوں کہ وہ نماز کے اندر غیر اجزاءِ صلوٰۃ کی دخل اندازی کے باعث تھا، اس باب کو اگرچہ علماء نے ذکر نہیں کیا، مگر غالباً اس وقت مسئلہ یہی رہا ہوگا کہ کلام وغیرہ سے عدمِ مفسد صلوٰۃ کے ساتھ اس کی تلافی سجدۂ سہو سے ہو جاتی ہوگی (۳)۔

واستقبل القبلة، وسجد سجدتين، ثم سلَّم،

اور قبلہ کی طرف منہ کرلیا اور (سہو) کے دو سجدے کیے اور اس کے بعد سلام پھیرا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو کے واسطے استقبالِ قبلہ کیا، اس سے میرا استدلال ہے اس پر کہ جہاں بھی ہو، آخر صلوٰۃ ہو یا اول صلوٰۃ، استقبال قبلہ کیا جائے گا'' (۴)۔

پانچ رکعت والی نماز، نمازِ ظہر کیسی بنی؟

اس حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی چار رکعات کی بجائے اتنی اور اتنی رکعات پڑھادی ہیں، اگلے باب کی حدیث میں بالتصریح ان پڑھائی جانے والی رکعات کا ذکر موجود ہے کہ وہ پانچ رکعات تھیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں

(۱) شرح الكرماني: ٤/ ٦٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ٣/ ١٤٦، عمدة القاري: ٤/ ٢٠٥

(۲) فتح الباری: ١/٦٥٢، عمدة القاري: ٤/ ٢٠٥

(۳) انوار الباری: ١٢/٢٠٣

(٤) تقرير بخاري شريف: ٢/١٤٥، فتح الباری: ١/٦٥٢

سجدہ سہو کیا، اب یہ ظہر کی چار رکعات کیسے بنی؟ اس بارے میں علامہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ایسی صورت میں حنفیہ کے نزدیک چوتھی رکعت میں بیٹھنا ضروری ہے، ورنہ فرض نماز نفل بن جائے گی، لیکن شافعیہ کے مسلک پر اس (قعدہ) کی ضرورت نہیں، نماز بہر صورت فرض کے طور پر صحیح ہو جائے گی، ہمارا جواب یہ ہے کہ مسئلہ اجتہادی ہے، کسی کے پاس دلیل شرعی نہیں ہے، البتہ ہمارے پاس تفقہ کے لحاظ سے قوی دلیل موجود ہے، وہ یہ کہ دینِ محمدی میں نماز تین قسم کی ہیں، دو رکعت والی، تین رکعت والی اور چار رکعت والی۔ اور ظاہر ہے کہ نماز کے دو یا چار ہونے کا تحقق جو متواتراتِ دین سے ہے، صرف قعدہ سے ہوتا ہے، لہٰذا وہ بھی فرض اور ضروری ہوا، کیوں کہ واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوگا، اسی لیے حنفیہ نے کہا کہ ایک رکعت سے کم کا رفض وترک جائز ہے، بخلاف اس کے پوری رکعت ہو جانے پر نماز کا اہتمام فرض ہوگا، کیوں کہ وہ متواترات دین سے ہے، یعنی: شریعت نے اس کو معتد بہ امر قرار دیا ہے، جس کو ترک نہیں کر سکتے کہ اس سے دین کے ایک متواتر ومسلم امر کی توڑ پھوڑ یا اس کو بے وقعت کرنا لازم آتا ہے''(۱)۔

فلما أقبل علينا بوجهه، قال: "إنه لو حدث في الصلوٰة شيئ لنبّأتُكُم به،

پھر ہماری طرف منہ کر لیا اور ارشاد فرمایا: اگر نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہوتا تو میں (نماز سے پہلے ہی) تم کو بتا چکا ہوتا۔

"لنبّأتُكُم به" میں "لام" تاکید کے لیے ہے؛ اور بعض کے نزدیک یہ "لو" کے جواب میں آنے والا "لام" ہے۔

"نبّأ" ان افعال میں سے ہے جو تین مفعولوں کا تقاضا کرتے ہیں، چناں چہ! یہاں پہلا مفعول: مخاطب کی "كُم"، ضمیر ہے، دوسرا مفعول: جار مجرور یعنی: "به" ہے۔ اس کلمے میں "ہ" ضمیر اس حدوث کی طرف لوٹ رہی ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: "لو حدث في الصلوٰة شيئ" سے مفہوم ہو رہا ہے؛ اور تیسرا مفعول محذوف ہے۔ یعنی: اگر نماز میں کسی تبدیلی کے بارے میں وحی آئی ہوتی تو نماز سے قبل ہی میں تم لوگوں کو اس تبدیلی کے بارے میں بتا دیتا کہ وہ یہ ہے(۲)۔

(۱) انوار الباري: ۱۲/۲۰۳

(۲) شرح الكرماني: ٤/ ٦٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۳/ ١٤٦، عمدة القاري: ٤/ ۲۰٥

ولكن إنما أنا بشر مثلكم،

لیکن میں تو تمہارے جیسا ہی ایک آدمی ہوں،

"إنـمـا" کلمہ حصر ہے، جس کا مقتضاءِ لغوی یہ ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی بشریت عام انسانوں کے مماثل ہونے میں محصور ہے، لیکن واضح رہے کہ جس طرح جنس کے تحت انواع ہوتی ہیں، اسی طرح جنس بشریت کے تحت بھی بہت سارے درجات ہیں، جن میں سے سب سے اوپر والے درجے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہیں، چناں چہ! نفس بشریت میں تو مماثلت ہے لیکن وہ اس درجے کی ہے کہ کوئی اور انسان اس درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے کہ عام انسانوں کی طرح جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دو آنکھوں، دو کانوں، دو ہاتھوں اور دیگر تمام اعضاء رکھتے ہیں، لیکن اوصاف کے اعتبار سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمال کی ان بلندیوں پر ہیں کہ عام انسان ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یعنی: یہاں حصر مطلق نہیں ہے، بلکہ حصر مخصوص ہے، جسے سیاق وسباق سے سمجھا جا سکتا ہے(۱)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے یا بشر؟

قرآن وحدیث، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، سلف صالحین، مفسرین کرام، محدثین عظام اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی تعلیمات، تحقیقات اور تصریحات کو سامنے رکھتے ہوئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور و بشر ہونے کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام بیک وقت بشر بھی ہیں اور نور بھی، لیکن جنس اور ذات کے اعتبار سے بشر ہیں۔ اور صفات وہدایت کے اعتبار سے نور ہیں۔ اور دونوں اعتبارات (نور و بشر ہونے کے اعتبار) سے آنجناب ایسے مقام اور درجے پر فائز ہیں کہ نہ آپ سے پہلے اور نہ آپ کے بعد کوئی بھی آپ جیسا نہیں گذرا۔

قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی تمام حضرات انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام بشر تھے اور آپ کا جسم مبارک اور ظاہر خواص بشری تھا، آپ پر وہ سب کچھ جائز ہے، جو اور انسانوں پر طاری ہو سکتا ہے، مثلاً: تکالیف، مصائب، آلام، بیماریاں اور موت کا پیالہ پینا وغیرہ اور ان سب امور کی وجہ سے

(۱) ملخص من عمدة القاري: ٤/ ٢٠٥

آپ کی شان میں کوئی کمی اور نقص نہیں آتا"(۱)۔

البتہ اسی بات میں دورائے نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر تھے، خاص الخواص تھے، چناں چہ! علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"بشر کی تین قسمیں ہیں، خواص: جیسے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور درمیانے قسم کے: جیسے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وغیرہ اور عوام: جیسے دیگر لوگ"(۲)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طور پر سراپا نور قرار دے دینا کہ اس سے بشریت، آدمیت اور انسانیت کا ہی انکار کر دیا جائے، یہ صریح قطعی نصوص کے خلاف ہے؛ اور اس کے ساتھ ساتھ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے یا جن؛ تو فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ ایسا شخص کافر ہے، مسلمان نہیں۔ بلکہ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ آپ باعتبارِ جنس "بشر" اور باعتبارِ ایمان وہدایت "نور" تھے(۳)۔

---

(۱)وقد قدمنا أنه عليه الصلوٰة والسلام وسائر الأنبياء والرسل من البشر وأنه جسمه وظاهره خالص للبشر، يجوز عليه من الآفات والتغييرات والآلام والأسقام وتجرُع كأسِ الحِمام ما يجوز على البشر، وهٰذا كله ليس بنقيصة فيه؛ لأن الشيئ إنما يسمى ناقصاً بالإضافة إلى ما هو أتم منه وأكمل من نوعه............ فقد مرض صلى الله عليه وسلم، واشتكى، وأصابه الحر والقر، وأدركه الجوع والعطش، ولحقه الغضب والضجر، وناله الإعياء والتعب، ومسه الضعف والكبر، وسقط فجحش شقه، وشجه الكفار، وكسروا رباعيته، وسُقِي السم، وسحر، وتداوى، واحتجم، وتنشر، وتعوذ، ثم قضى نحبه، فتوفي صلى الله عليه وسلم ولحق بالرفيق الأعلى، وتخلص من دار الامتحان والبلوى، وهٰذه سمات البشر التي لا محيص عنها. (الشفا بتعريف حقوق المصطفىٰ، القسم الثالث: فيما يجب النبي للنبيصلى الله عليه وسلم، الباب الثاني: فيما يخصهم في الأمور النيبوية وما يطرأ عليهم من العوارض البشرية: ۱۷۸/۲، دار الكتب العلمية)

(۲)"وحاصله أنه قسم البشر إلى ثلاثة أقسام: خواص؛ كالأنبياء، وأوساط؛ كالصالحين من الصحابة وغيرهم، وعوام؛ كباقي الناس". (رد المحتار، كتاب الصلوٰة، مطلب: في تفضيل البشر على الملائكة: ۲۴۳/۲، دار عالم الكتب)

(۳)"ومن قال: لا أدري أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إنسياً أو جنياً، يكفر، كذا في الفصول العمادية". (الفتاوى الهندية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، موجبات الكفر: ۲/ ۲۶۳، رشيدية)

أنسى كما تنسون، فإذا نسيتُ

جس طرح تم بھول جاتے ہو، اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں، اس لیے جب (کبھی) میں بھول جاؤں۔

"أنسى" ہمزہ مفتوحہ اور سین مخففہ کے ساتھ ہے۔ اور جنہوں نے سے ہمزہ مضموم اور سین مشدد کے ساتھ ذکر کیا ہے، وہ درست نہیں (۱)۔

نسیان کے معنی

نسیان کا لغوی مطلب، اور اصطلاحی مطلب: کسی چیز سے دل کے غافل ہو جانے کا نام ہے۔ نسیان کے ایک معنی: چھوڑ دینے کے بھی آتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿نسوا الله فنسيهم﴾ میں نسیان کے معنی "ترک" کے ہیں (۲)۔

انبیاء کرام علیہم السلام سے بھول ممکن ہے یا نہیں؟

حدیثِ مبارکہ کے اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے افعال میں نسیان کا صدور ممکن ہے، لیکن اس بات پر علماء کرام کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے نسیان پر مطلع کر دیا جاتا ہے، وہ اس نسیان پر برقرار نہیں رہتے۔ پھر بعض علماء اس بات کے قائل ہیں، انبیاء کرام کو ان کے نسیان پر فوراً مطلع کر دیا جاتا ہے اور بعض کے نزدیک فوراً مطلع کیا جانا ضروری نہیں، بلکہ تا حیات ان کو اطلاع کا ہو جانا درست ہے (۳)۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال بلاغیہ (یعنی: امور تبلیغیہ) میں سہو کا واقع ہونا باجماع امت ممکن نہیں ہے، یعنی: آپ علیہ السلام احکاماتِ الٰہیہ کی تبلیغ میں سہو یا نسیان میں مبتلا ہو جائیں اور امت تک غلط بات پہنچا دیں، یہ ممکن نہیں ہے، البتہ دنیاوی معاملات میں اور عبادات میں بسا اوقات آپ پر نسیان طاری ہو جاتا تھا، لیکن اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقیقت حال سے مطلع کر دیا جاتا تھا اور اس

---

(۱) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۳/ ۱٤٦

(۲) عمدة القاري: ٤/ ۲۰٥

(۳) عمدة القاري: ٤/ ۲۰٥

نسیان میں ابتلا بھی درحقیقت امت کی تربیت کے لیے فعلاً نمونہ بنناتھا (۱)۔

علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث انبیاء علیہم السلام سے سہو کے صدور پر دلالت کرتی ہے، عامۃ العلماء کا اس بارے میں یہی مذہب ہے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا: کہ میں بھی تمہارے بھول جانے کی طرح بھول جاتا ہوں۔اور ایک غلو میں پڑ جانے والے گروہ کا اس بارے میں نظریہ یہ ہے کہ نبی پر سہو طاری نہیں ہوسکتا، بلکہ نبی تو قصداً نسیان والی صورت کو اختیار کرتے ہیں، تاکہ امت کو احکام کی فعلی تبلیغ کرسکیں۔

تو یہ نظریہ قطعی طور پر باطل ہے، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو خود خبر دے رہے ہیں کہ میں بھول گیا۔اور دوسری بات یہ ہے کہ ایسے شخص کی صورت اپنانا جو بھولنے والا ہو، یہ تو عمداً کسی فعل کو اختیار کرنے والے کے مشابہ ہوگیا، اور افعال عمدیہ نماز کو باطل کردیتے ہیں (۲)۔

خلاصہ ان اقوال کا یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں، ایک: افعال نبی اور دوسرا: اقوال نبی

افعال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں محقق بات یہ ہے کہ ان افعال میں قصداً نسیان یا سہو کا پایا جانا تو ممتنع ہے، یعنی: نبی سے ممکن نہیں ہے۔اور سہواً بھول کا پایا جانا ممکن ہے، لیکن ایسا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تھا تاکہ امت کو تعلیم ہوسکے، اور اس پر فوراً یا کچھ بعد آپ کو مطلع کردیا جاتا تھا۔

اور اقوال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اگر دینی امور سے متعلق ہوتے تھے تو بھی ان میں سہو یا نسیان نہیں ہوتا تھا اور اگر اقوال نبی دنیوی امور سے متعلق ہوتے تھے تو ان میں نسیان مضر نہ ہونے کی وجہ سے ان کا وقوع محال نہیں ہے (۳)۔

فذكِّروني،

تو تم مجھے یاد دلا دیا کرو۔

---

(۱)المنهاج شرح صحيح مسلم للنووي، كتاب الصلاة، مواضع الصلاة، صلاة المسافرين، رقم الحديث: ٥٧٢، ٥/٦١، ٦٢

(٢)إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام، كتاب الصلاة، باب: سجود السهو، جواز السهو على الأنبياء، الحديث: ١٠٥: ١/ ٢٧٤

(٣)عمدة القاري: ٤/٢٠٦

مراد یہ ہے کہ نماز میں تسبیح یا تکبیر کے ذریعے مجھے یاددلا دیا کرو(۱)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی بار سہو پیش آیا؟

علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ نے علامہ تقی الدین ابن دقیق العید رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا کہ انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار مرتبہ نمازوں میں سہو ہوا ہے، ان میں سے دو کا ذکر تو صحیح البخاری میں ہی ہے، ایک: یہ واقعہ جو مذکورہ حدیث میں بیان ہوا، کہ آپ صلی اللہ نے چار رکعت کی بجائے پانچ رکعات پڑھادیں، یہاں صراحت نہیں ہے، لیکن آگے صراحت بھی موجود ہے۔

دوسرا: واقعہ یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعت کی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا، اس کا ذکر بھی موجود ہے۔

تیسرا: واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسیاناً قعدہ اولی ترک ہوگیا، اس صورت کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

چوتھا: واقعہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے دوران کوئی آیت بھول گئے، تو نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تم نماز میں نہیں تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ جی میں موجود تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پھر تم نے مجھے وہ آیت یاد کیوں نہ دلا دی؟۔ یہ چار واقعات وہ ہیں جو ابن دقیق العید نے ذکر کیے ہیں۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو کا ایک پانچواں مقام بھی کتب میں ملتا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں تین کی بجائے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تھا(۲)۔

---

(۱)شرح الكرماني: ٤/ ٦٤، عمدة القاري: ٤/ ٢٠٥

(٢) فيض الباري: ٢/٤٥. العرف الشذي، كتاب الصلاة، باب: ما جاء في سجدتي السهو قبل السلام، رقم الحديث: ٣٩١، ٣٧٠/١

پہلا واقعہ صحیح البخاری میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

حدثنا عثمان، قال: حدثنا جرير، عن منصور، عن إبراهيم، عن علقمة، قال: قال عبد الله صلى النبي صلى الله عليه وسلم، قال إبراهيم: لا أدري؛ زاد أو نقص، فلما سلم قيل له: يا رسول الله! أحدث في الصلاة شيئ؟ قال: وما ذاك؟ قالوا: صليت كذا وكذا، فثنى رجليه، واستقبل القبلة، وسجد سجدتين، =

....

= ثـم سلم، فلما أقبل علينا بوجهه، قال: إنه لو حدث في الصلاة شيئ لنبأتكم به، ولكن إنما أنا بشر مثلكم، أنسـى كـمـا تـنسـون، فـإذا نسيـت فـذكروني، وإذا شك أحدكم في صلاته، فليتحر الصواب فليتم عليه، ثم ليسـلـم، ثـم يسـجـد سـجـدتين. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب: التوجه نحو القبلة حيث كان، رقم الحديث: ٤٠١)

دوسراواقعہ بھی صحیح البخاری میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

حـدثـنا مسدد، قال: حدثنا يحيى، عن شعبة، عن الحكم، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، قـال: صـلـى الـنبـي صـلى الله عليه وسلم الظهر خمسا، فقالوا: أزيد في الصلاة؟ قال: وما ذاك؟ قالوا: صليت خـمسا، فثنى رجليه وسجد سجدتين. (صـحيح البخاري كتاب الصلاة، باب: ما جاء في القبلة ومن لا يرى الإعادة على من سها فصلى إلى غير القبلة، رقم الحديث: ٤٠٤)

تیسراواقعہ سنن ابی داؤد میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

حـدثـنـا الـقعنبي، عن مالك، عن ابن شهاب، عن عبد الرحمن الأعرج عن عبد الله ابن بحينة أنه قـال: صـلى لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين، ثم قام فلم يجلس، فقام الناس معه، فلما قضى صلاته وانتـظـرنـا التسـليـم كبـر، فسجد سجدتين وهو جالس قبل التسليم، ثم سلم صلى الله عليه وسلم. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: من قام من ثنتين ولم يتشهد، رقم الحديث: ١٠٣٦)

چوتھاواقعہ شرح السنۃ للبغوی میں موجود ہے، لیکن اس واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال حضرت ابیؓ سے تھا، ملاحظہ فرمائیں:

عن عبد الله بن عمر أن النبي صلى الله عليه والم صلى صلاة، فقرأ فيها، فلبِّس عليه، فلمّا انصرف، قـال: لأبـي: أصليت معنا؟ قال: نعم، قال: فما منعك؟ ومعقول أن المردا منه: ما منعك أن تفتح علي. (شرح السنة للبغوي، كتاب الصلاة، باب: قعود بين السجدتين، رقم الحديث: ٦٦٥)

جب کہ سنن ابی داود کی روایت میں ان کے علاوہ کسی متعین صحابی کے بغیر یہ قصہ موجود ہے، ملاحظہ ہو:

عـن الـمسـور بـن يـزيـد الـمالكي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يحيى وربما قال شهدت رسـول الـلـه صلى الله عليه وسلم يقرأ في الصلاة، فترك شيئا لم يقرأه، فقال له رجل يا رسول الله! تركت آية كـذا وكـذا، فـقـال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "هلا أذكرتنيها". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: الفتح على الإمام في الصلاة، رقم الحديث: ٩٠٧) =

امام بخاریؒ کے نزدیک نماز میں کلام الناس کا جواز کا حکم

علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''امام بخاری رحمہ اللہ نے سہو کی حدیث کئی مرتبہ ذکر کی ہے اور مختلف تراجم قائم کر کے ان سے متعدد مسائل کا استنباط کیا ہے، لیکن ترجمہ وعنوان ''جواز کلام الناس'' کا کہیں قائم نہیں کیا، معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں انہوں نے احناف کی موافقت کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم''(۱)۔

وإذا شك أحدكم في الصلوٰة،

اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہوجایا کرے۔

''شک'' کا معنی ومفہوم

''شک'' لغت میں خلافِ یقین کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں ''شک'' سے مراد وہ کیفیت ہے کہ کوئی شخص جانئے اور نہ جاننے کی کیفیت کے درمیان ہو، کسی ایک جانب اس کا میلان نہ ہو رہا ہو، اور جب کسی ایک جانب کی طرف میلان ہوجائے لیکن دوسرے کو ذہن سے جھٹکا نہ جائے تو اسے ''ظن'' کہتے ہیں اور جب اسے جھٹک دیا جائے تو اسے ''غلبۂ ظن'' کہتے ہیں، جو کہ ''یقین'' کے قائم مقام ہوتا ہے(۲)۔

= اور پانچواں واقعہ المستدرك على الصحيحين للحاكم میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

أخبرنا أبو عمرو عثمان بن أحمد بن سماك، ببغداد، ثنا علي بن إبراهيم الواسطي، ثنا وهب عن جرير بن حازم، قال: سمعت يحيى بن أيوب، يحدث، عن يزيد بن أبي حبيب، عن سويد بن قيس، عن معاوية بن حديج، قال: صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم المغرب فسها، فسلم في ركعتين، ثم انصرف، فقال له رجل: يا رسول الله! إنك سهوت فسلمت في ركعتين، فأمر بلالا فأقام الصلاة، ثم أتم تلك الركعة، فسألت الناس عن الرجل الذي، قال: يا رسول الله! إنك سهوت، فقيل لي: تعرفه، قلت: لا، إلا أن أراه، فمر بي رجل، فقلت: هو هذا، فقالوا: هذا طلحة بن عبيد الله. اختصره الليث بن سعد، عن أبي حبيب. (المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب الصلاة، تحت باب التأمين، رقم الحديث: ٩٦٠)

(١)فيض الباري: ٤٥/٢. انوار البارى: ٢٠١/١٢

(٢)وقيل: الشك؛ ما استوى طرفاه، وهو الوقوف بين الشيئين لا يميل القلب إلى أحدهما، فإذا ترجح أحدهما ولم يطرح الآخر فهو ظن، فإذا طرحه فهو غالب الظن، وهو بمنزلة اليقين. (التعريفات للجرجاني، باب: الشين، رقم التعريف: ١٠٢٢، ص: ١١٠)

وكذا في المصباح المنير في غريب الشرح الكبير، كتاب الشين: ٤٣٦/١

فليتحرَّ الصواب،

تو درست بات کو معلوم کرنے کی کوشش کرے۔

''تحری'' کہتے ہیں کسی شئی کو طلب کرنے کی خوب کوشش کرنا۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فليتحر" کے معنی "فليجتهد" ہیں(۱)۔

صحیح بخاری کی کتاب الأیمان میں آنے والی روایت میں یہ الفاظ ہیں: فيتحرى الصواب.(۲)

سنن النسائی اور ابن ماجہ کی روایت میں "فليتحر أقرب ذٰلك من الصواب" کے الفاظ ہیں۔(۳)

---

(۱)شرح الكرماني: ٤/ ٦٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ٣/ ١٤٦

(۲) حدثنا إسحاق بن إبراهيم، سمع عبد العزيز بن عبد الصمد، حدثنا منصور، عن إبراهيم، عن علقمة، عن ابن مسعود رضي الله عنه أن نبي الله صلى الله عليه وسلم صلى بهم صلاة الظهر، فزاد أو نقص منها، قال منصور: لا أدري إبراهيم وهِم أم علقمة، قال: قيل: يا رسول الله! أقصرت الصلاة أم نسيت؟ قال: وما ذاك؟ قالوا: صليت كذا وكذا، قال: فسجد بهم سجدتين، ثم قال: هاتان السجدتان لمن لا يدري، زاد في صلاته أم نقص، فيتحرى الصواب، فيتم ما بقي، ثم يسجد سجدتين. (صحيح البخاري في الأيمان، باب: إذا حنث ناسياً في الأيمان، رقم الحديث: ٦٦٧١)

(۳) أخبرنا إسمعيل بن مسعود، قال: حدثنا خالد بن الحارث، عن شعبة، قال: كتب إلي منصور، وقرأته عليه وسمعته يحدث رجلا، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى صلاة الظهر، ثم أقبل عليهم بوجهه، فقالوا: أ حدث في الصلاة حدث؟ قال: وما ذاك؟ فأخبروه بصنيعه، فثنى رجله، واستقبل القبلة، فسجد سجدتين، ثم سلم، ثم أقبل عليهم بوجهه، فقال: إنما أنا بشر أنسى كما تنسون، فإذا نسيت فذكروني وقال: لو كان حدث في الصلاة حدث أنبأتكم به وقال: إذا أوهم أحدكم في صلاته فليتحر أقرب ذلك من الصواب ثم ليتم عليه، ثم يسجد سجدتين. (سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب: ما يفعل من صلى خمساً، رقم الحديث: ١٢٤٣)

حدثنا محمد بن بشار، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبة، عن منصور، قال شعبة: كتب إلي وقرأته عليه، قال: أخبرني إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، قال: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة لا ندري أزاد أو نقص، فسأل، فحدثناه، فثنى رجله، واستقبل القبلة، وسجد سجدتين، ثم سلم، ثم أقبل علينا بوجهه، فقال: لو حدث في الصلاة شيئ لأنبأتكموه، وإنما أنا بشر أنسى كما تنسون، فإذا نسيت فذكروني، وأيكم ما شك في الصلاة فليتحر أقرب ذلك من الصواب، فيتم عليه ويسلم ويسجد سجدتين. (سنن ابن ماجه، كتاب: إقامة الصلوٰة والسنة فيها، باب: ما جاء فيمن شك في صلاته فتحرى الصواب، رقم الحديث: ١٢١١)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں "فلیتحر الذي هو الصواب" کے الفاظ ملتے ہیں۔(۱)

سنن النسائی کی ہی ایک روایت میں "فليتحر الذي يرى أنه الصواب" (۲)، اور ایک اور روایت میں "فلينظر أحرى ذلك إلى الصواب" کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔(۳)

مقصود سب سے ایک ہی ہے کہ دو امور میں سے کسی ایک کو طلب کرنا "تحری" کہلاتا ہے، اس حال میں کہ ان میں سے ایک درست ہوگا(۴)۔

علامہ کرمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "الصواب" کے معنی: "الأخذ باليقين" اور "البناء على الأقل" ہے، جب کہ امام حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے معنی: "البناء على غالب الظن" ہے(۵)۔

(۱) وحدثنا عثمان، وأبو بكر، ابنا أبي شيبة، وإسحاق بن إبراهيم، جميعا عن جرير، قال عثمان: حدثنا جرير، عن منصور، عن إبراهيم، عن علقمة، قال: قال عبد الله: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال إبراهيم: زاد أو نقص، فلما سلم قيل له: يا رسول الله! أحدث في الصلاة شيئ؟ قال: وما ذاك؟ قالوا: صليت كذا وكذا، قال: فثنى رجليه، واستقبل القبلة، فسجد سجدتين، ثم سلم، ثم أقبل علينا بوجهه فقال: إنه لو حدث في الصلاة شيئ أنبأتكم به، ولكن إنما أنا بشر أنسى كما تنسون، فإذا نسيت فذكروني، وإذا شك أحدكم في صلاته فليتحر الصواب، فليتم عليه، ثم ليسجد سجدتين. (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب: السهو في الصلاة والسجود له، رقم الحديث: ۵۷۲)

(۲) أخبرنا محمد بن رافع، قال: حدثنا يحيى بن آدم، قال: حدثنا مفضل وهو ابن مهلهل، عن منصور، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، يرفعه إلى النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا شك أحدكم في صلاته فليتحر الذي يرى أنه الصواب فيتمه، ثم يعني: يسجد سجدتين، ولم أفهم بعض حروفه كما أردت. (سنن النسائي في السهو، باب: ما يفعل من صلى خمساً، رقم الحديث: ١٢٤٠)

(۳) أخبرنا سويد بن نصر، قال: أنبأنا عبد الله، عن مسعر، عن منصور، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، قال: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فزاد أو نقص، فلما سلم قلنا: يا رسول الله! هل حدث في الصلاة شيئ ؟ قال: لو حدث في الصلاة شيئ أنبأتكموه، ولكني إنما أنا بشر أنسى كما تنسون، فأيكم ما شك في صلاته فلينظر أحرى ذلك إلى الصواب، فليتم عليه، ثم ليسلم وليسجد سجدتين. (سنن النسائي في السهو، باب: ما يفعل من صلى خمساً، رقم الحديث: ١٢٤٢)

(٤) عمدة القاري: ٤/٢٠٦

(٥) شرح الكرماني: ٤/ ٦٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ٣/ ١٤٦

اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ راوی کا تو بیان ہے کہ لا أدري- زاد أو نقص، یعني: اسے شک تھا، تو جہاں شک ہو وہاں صواب تک (یعنی: درست بات تک) کیسے پہنچا جا سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی تحری جو یقین کے ساتھ لاحق ہو جائے اختیار کرے(۱)۔

بوقتِ شک نماز کی تکمیل تحری کی بنیاد پر کرنے کا حکم

اس جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب کبھی تمہیں تعداد رکعات میں شک ہو جایا کرے تو پھر رکعات کی تعداد کو اچھی طرح سوچ و بچار کے ذریعے متعین کر لیا کرو۔

اس طرح کی روایات میں تتبع کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ شک کے مسئلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین قسم کی روایات منقول ہیں:

پہلی قسم کی روایت کے مطابق رکعات میں شک پیش آنے کے وقت از سر نو نماز ادا کی جائے، یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، جو مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہے، نیز! اسحاق بن یحیی کے طریق سے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت مجمع الزوائد میں موجود ہے(۲)۔

دوسری روایت یہ ہے جو صحیح البخاری کے اس باب میں موجود ہے(۳)، اس میں یہ بات مذکور ہوئی کہ تحری کرنے کے بعد غلبہ ظن پر عمل کرتے ہوئے نماز پوری کرے اور اس کے بعد سجدہ سہو کرے۔

---

(۱) شرح الکرماني: ٤/ ٦٥

(۲) عن ابن عمر [رضي الله عنهما] قال: "أما أنا فإذا لم أدر كم صليت، فإني أعيد". وأيضاً عن ابن عمر: في الذي لا يدري ثلاثاً صلى أو أربعاً، قال: يعيد حتى يحفظ. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: إذا شك فلم يدر كم صلى أعاد، رقم الحديث: ٤٤٥٤، ٤٤٥٥، ٣/ ٤٣٥) نیز یہ قول "المصنف" میں ہی حضرت ایوب، سعید بن جبیر، شعبی، شریح، طاؤس، عطا اور میمون وغیرہ کبار تابعین رحمہم اللہ کا بھی منقول ہے، (دیکھیے: رقم الحدیث: ۴۴۵۶-۴۴۶۴)

عن عبادة بن الصامت: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن رجل سها في صلوته، فلم يدر كم صلى؟ قال: "ليُعِد صلاته، وليسجد سجدتين قاعداً". رواه الطبراني في الكبير هٰكذا، وإسحاق بن يحيى لم يسمع من عبادة، والله أعلم. (بُغية الرائد في تحقيق "مجمع الزوائد ومنبع الفوائد"، كتاب الصلاة، باب السهو في الصلاة، رقم الحديث: ٢٩٢٣، ٢/ ٣٥٤، ٣٥٥)

(۳) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب: التوجه نحو القبلة حيث كان، رقم الحديث: ٤٠١.

اور تیسری قسم کی روایت میں یہ ہے کہ بناء علی الاقل کرے، مثلاً: تین اور چار میں شک ہو تو چوں کہ تین کی ادائیگی یقینی ہے تو تین سمجھ کر نماز پوری کرے اور آخر میں سجدہ سہو کرے، اس راویت کے راوی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں، یہ سنن الترمذی میں موجود ہے(۱)۔ اس کے علاوہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اسی کے مطابق ہے جو سنن ابوداوٗد میں موجود ہے(۲)۔

احناف نے شک پیش آجانے کی صورت میں ان تینوں روایتوں کو جمع کیا ہے، وہ اس طرح کہ نماز میں شک پیش آجانے کی بنا پر درجاتی اعتبار سے تین صورتیں ہیں:

(۱) اگر ایسا شک پہلی بار ہوا ہے تو نماز از سر نو پڑھے۔ پہلی بار شک ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس میں فقہاء کرام کے کئی اقوال موجود ہیں، جن میں سے صحیح یہ ہے کہ نماز میں بھول جانا اس کی عادت نہ ہو، یہ معنی نہیں ہیں کہ کبھی عمر بھر میں سہو نہ ہوا ہو۔ یہ پہلی روایت پر عمل ہوا۔

(۲) اگر شک واقع ہونے کا معمول ہے، یعنی: اکثر شک پیش آتا ہی رہتا ہے تو اچھی طرح سوچ و بچار کر کے غلبہ ظن کے مطابق عمل کرے، اور بعض مشائخ کے نزدیک سجدہ سہو نہ کرے، جب کہ اکثر مشائخ کے نزدیک سجدہ سہو کرے۔ یہ دوسری روایت کے مطابق عمل ہوا۔

(۳) اور اگر غلبہ ظن قائم نہ ہو رہا ہو تو یقینی امر یعنی: اقل تعداد کے مطابق نماز مکمل کرے اور آخر میں

---

(۱) عن عبد الرحمن ابن عوف قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "إذا سها أحدكم في صلاته فلم يدر واحدة صلى أو ثنتين، فليبن على واحدة، فإن لم يدر ثنتين صلى أو ثلاثاً فليبن على ثنتين، فإن لم يدر ثلاثاً صلى أو أربعاً فليبن على ثلاثٍ، وليسجد سجدتين قبل أن يسلم". (سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما جاء في الرجل يصلي فيشك في الزيادة والنقصان، رقم الحديث: ۳۹۸)

(۲) حدثنا محمد بن العلاء ، حدثنا أبو خالد، عن ابن عجلان، عن زيد بن أسلم، عن عطاء بن يسار عن أبی سعيد الخدري، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا شك أحدكم في صلاته فليلق الشك، وليبن على اليقين، فإذا استيقن التمام سجد سجدتين، فإن كانت صلاته تامة كانت الركعة نافلة والسجدتان، وإن كانت ناقصة كانت الركعة تماما لصلاته وكانت السجدتان مرغمتي الشيطان. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: إذا شك في الثنتين والثلاث، من قال: يلقي الشك، رقم الحديث: ۱۰۲۴)

سجدہ سہو کرے۔ یہ تیسری روایت کے مطابق عمل ہوا(۱)۔

جب کہ شوافع کے نزدیک صرف اور صرف بناء علی الاقل کرے، یعنی: اگر رکعت کے چھوٹنے کے بارے میں شک ہو جائے کہ اس نے ایک رکعت ادا کی ہے یا دو رکعت، یا تین رکعت، یا چار رکعت؛ تو اس پر لازم ہے کہ وہ کم والی صورت کو اختیار کرے، جیسے: دو رکعت ادا کی گئی ہیں یا تین؟ تو اس میں دو کا ادا ہو جانا تو یقینی ہے، تین کا شک ہے، لہٰذا دو رکعت شمار کرتا ہوا اپنی نماز پوری کرے، اسی طرح بقیہ صورتوں کا حکم ہے۔ الغرض ان حضرات کے نزدیک صرف ایک قسم کی روایات پر عمل پایا جاتا ہے(۲)۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''احادیث سے تائید ہمارے ہی مذہب کی نکلتی ہے، کیوں کہ پھر سے نماز پڑھنے کی بھی روایت ہے، مثلاً: مصنف ابن ابی شیبہ میں اور تحری واخذ بالاقل کی بھی ہیں، جیسے: مسلم شریف میں اور یہ بخاری میں، لہٰذا ہم نے سب احادیث پر عمل کیا اور شافعیہ نے صرف اقل والی پر کیا اور باقی سب کی تاویل کی، اور تحری صواب کو بھی اقل پر ہی محمول کر دیا، حالاں کہ لغت میں اس کے بالکل خلاف ہے اور اس کے اصل معنی کو لغو کر دینا درست نہیں، خصوصاً جب کہ شریعت میں غلبہ ظن کا اعتبار بہت سے ابواب میں موجود بھی ہے، لہٰذا اس نوع کو یہاں غیر معتبر ٹھہرانے کی کوئی وجہ نہیں، دوسرے ان کے مذہب پر ایک نوع کو اس کے حکم سے بالکلیہ خالی کر دینا لازم آئے گا، جو درست نہیں ہے(۳)۔

---

(۱)البحر الرائق، کتاب الصلوٰۃ، باب سجود السھو: ۱۹۲/۲

الجوھرۃ النیرۃ، کتاب الصلوٰۃ، باب سجود السھو: ۹۳/۱

رد المحتار مع الدر المختار، کتاب الصلوٰۃ، باب سجود السھو: ۵۶۰/۲، ۵۶۱

(۲)المجموع شرح المھذب، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو: ۳۹/٤

العزيز شرح الوجيز المعروف بـ الشرح الكبير، كتاب الصلاة، الباب السادس في السجدات، القول في سجود السهو: ۸۲/۲

الحاوي الكبير للماوردي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو وسجود الشكر: ۲۱۲/۲

(۳)انوار الباری: ۲۰۱/۱۲

فليتمّ عليه،

اوراسی کے مطابق اپنی نماز پوری کرلے،

"تَمَّ" کا صلہ جب "علی" ہوتو یہ "اتمام" کے معنی میں ہوتا ہے۔تحری کرنے کے بعد غلبہ ظن کے مطابق اپنی نماز کو پورا کرنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے اور یقین پر بنیاد رکھنا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہے(۱)۔

ثم ليسلِّم، ثم يسجد سجدتين.

پھرسلام پھیر کر دوسجدے (سہو کے) کرلے۔

ایک روایت میں "ثم يسجد سجدتين" کی بجائے "ثم ليسجد سجدتين" کے الفاظ ہیں،مراد یہ ہے کہ سہو کی وجہ سے دوسجدے کرے(۲)۔

روایت مذکورہ پرایک اشکال اوراس کا جواب

مذکورہ حدیث میں ایک تعارض معلوم ہوتا ہے وہ اس طرح کہ حدیثِ باب کی ابتدا میں قبل السلام سجدے کرنے پر دلالت تھی اور آخر حدیث میں بعد السلام سجدہ سہو کرنے پر دلالت ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے،اس سے دونوں امرین کے جواز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے(۳)۔

سجدہ سہو سلام سے پہلے کیا جائے گا یا سلام کے بعد؟

حدیث پاک کے اس آخری جملے میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد سہو کے دوسجدے کرلو۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سجدہ سہو کا وقت سلام کے بعد ہے نہ کہ پہلے۔

---

(۱)عمدة القاري: ٤/٢٠٦

(۲)اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ٣/ ١٤٧، عمدة القاري: ٤/٢٠٦
علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "ثم ليسلم، ثم يسجد سجدتين" پرخاموشی اختیار کی اور بغیر جواب دہی کے آگے چلے گئے، ایسے موقع پر کہ اپنے مذہب میں کمزوری ہو،سکوت ہو اور جہاں کچھ قوت ہو تو دوسروں پر نکیر میں حدِ اعتدال سے بڑھ جانا اہلِ ادب وتحقیق کے لیے موزوں نہیں"۔(انوار الباری:۱۲/ ۱۹۹)

(۳)الكوثر الجاري: ٢/٩٢

مذہبِ احناف

اس بارے میں مختلف قسم کی احادیث ہونے کی وجہ سے ائمہ کرام رحمہم اللہ کے درمیان بھی اختلاف ہوا، چناں چہ! امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ سلام کے بعد دوسجدے کیے جائیں (۱)۔

سجدہ سہو کے لیے سلام پھیرنے کا طریقہ

سلام کے بارے میں احناف کے نزدیک تین اقوال ہیں، ایک: نمازی اپنے سامنے کی طرف دیکھتے ہوئے، دائیں بائیں دیکھے بغیر سلام کہہ دے اوراس کے بعد دوسجدے کرے۔ یہ قول مفتی بہ نہیں ہے۔

دوسرا: دائیں بائیں دونوں طرف منہ پھیرتے ہوئے سلام پھیرے، صاحب ہدایہ رحمہ اللہ نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۲) اوراس کو بدائع الصنائع میں عامۃ العلماء کا قول بتلایا گیا ہے۔ (۳)

تیسرا: صرف دائیں طرف سلام پھیر کر دوسجدے کر لیے جائیں، اس قول پرفتوی ہے (۴)۔

---

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ٥٤٠

الهداية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/۳۳۱

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، فصل في بيان محل سجود السهو: ۱/۷۱۱

(۲) "ويأتي بتسلمتين، هو الصحيح".(الهداية، كتاب الصلاة، باب: سجود السهو: ۱/۳۳۱، المكتبة البشرىٰ)

(۳) وعامتهم على أنه يسلم بتسليمتين عن يمينه وعن يساره؛ لقول النبي صلى الله عليه وسلم: "لكل سهوٍ سجدتان بعد السلام"، ذكر السلام بالألف واللام؛ فينصرف إلى الجنس أو إلى المعهود، وهما تسليمتان. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، فصل في قدر سلام السهو وصفته: ۱/۷۱٦)

(٤) هٰذا قول الجمهور، منهم شيخ الإسلام وفخر الإسلام. وقال في الكافي: إنه الصواب، وعليه الجمهور، وإليه أشار في الأصل اهـ. (حاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/٥٤٠)

أحدهما: "انه يسلم عن يمينه فقط، وصححه في المجتبى". ثانيهما لو سلم التسليمتين سقط عنه سجود السهو لأنه بمنزله الكلام، حكاه الشارح عن خواهر زاده، فقد اختلف التصحيح فيها. والذي ينبغي الاعتماد عليه تصحيح المجتبى أنه يسلم عن يمينه فقط لأن السلام عن اليمين معهود وبه يحصل التحليل فلا حاجة إلى غيره. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/١٦٥)

وقال ابن عابدين في حاشيته المسمى بـ منحة الخالق تحت قوله: "أحدهما أنه يسلم عن يمينه فقط" والحاصل أن ما صححه في المجتبى هو بعينه ما تقدم أنه قول الجمهور وأنه الأصوب والصواب. (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/١٦٥)

مذہبِ شوافع

شوافع کے نزدیک سجدہ سہو کرنا واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے، اور اصح قول کے مطابق سلام پھیرنے سے قبل سجدہ سہو کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ دو روایتیں اور ہیں، ایک روایت امام مالک رحمہ اللہ کے مطابق ہے، اس کے قائل امام مزنی رحمہ اللہ ہیں۔ اور دوسری روایت ان کا قول قدیم ہے کہ غلطی ہو جانے کی بنا پر نمازی کو اختیار ہے کہ سلام سے قبل سجدہ سہو کرلے یا سلام کے بعد۔(۱)

اصح قول کے مطابق سجدہ سہو کا طریقہ یہ بنے گا کہ قعدہ اخیرہ میں تشہد، درود، دعا سب کچھ پڑھنے کے بعد دو سجدے کیے جائیں گے اور اس بعد سلام پھیرا جائے گا۔ شوافع کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے (۲) حضرت عبداللہ بن بُحَینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، جس میں ہے: "كبر قبل التسليم، فسجد سجدتين وهو جالس، ثم سلم".

علامہ رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "شوافع نے اپنے مذہب پر استدلال اس طرح کیا ہے کہ سجدہ سہو قبل السلام والی حدیث کے راوی متاخر الاسلام ہیں، لہٰذا یہ حدیث بھی بعد کی ہی ہوگی، تو اس کا جواب ظاہر ہے کہ یہ تو بے بنیاد نسخ کا دعوی ہے، کیوں کہ راوی کا متاخر الاسلام ہونے سے حدیث کا مؤخر ہونا لازم نہیں آتا" (۳)۔

مذہبِ مالکیہ

مالکیہ کے نزدیک اگر نماز میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو سلام سے پہلے دو سجدے کیے جائیں گے اور نماز میں

---

(۱) العزيز شرح الوجيز المعروف بـ الشرح الكبير للقزويني، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ۹۷-۹۹
منهاج الطالبين وعمدة المفتين للنووي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۱۱۲
المغني المحتاج إلى معرفة معاني المنهاج، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/ ۳۲۳

(۲) حدثنا عبد الله بن يوسف، أخبرنا مالك بن أنس، عن ابن شهاب، عن عبد الرحمن الأعرج، عن عبد الله ابن بحينة رضي الله عنه، أنه قال: صلى لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين من بعض الصلوات، ثم قام، فلم يجلس، فقام الناس معه، فلما قضى صلاته ونظرنا تسليمه، كبر قبل التسليم، فسجد سجدتين وهو جالس، ثم سلم. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، أبواب ما جاء في السهو، رقم الحديث: ۱۲۲٤)

(۳)الكوكب الدري، كتاب الصلاة، باب ما جاء في سجدتي السهو قبل السلام: ۱/۱۷۳، سعيد

کسی فعل کی زیادتی واقع ہوگئی ہوتو سلام کے بعد دوسجدے کیے جائیں گے(۱)۔

اور اگر کسی نماز کے کسی رکن میں کمی بھی ہوجائے اور زیادتی بھی، تو مالکیہ کے نزدیک سجدہ سہو قبل السلام ہوگا، کیوں کہ ان کے ہاں نقص کو زیادتی پر غلبہ دیا جاتا ہے(۲)۔

علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مالکیہ نے احادیثِ نبویہ میں غور کرنے کے بعد یہ ثابت کیا تھا کہ کمی ہوجانے والی صورتوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو قبل السلام کیا تھا اور نماز میں زیادتی ہوجانے کی سورتوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو بعد السلام فرمایا تھا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ سنن الترمذی کے باب ما جاء في الإمام ينهض في الركعتين ناسياً میں ایک روایت گذری ہے(۳) کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی، اور دو رکعتوں پر تشہد پڑھے بغیر کھڑے ہوگئے، مقتدیوں نے ''سبحان اللہ'' کہا، تو جواب میں انہوں نے بھی ''سبحان اللہ'' کہہ دیا، پھر نماز کے آخر میں انہوں نے سلام پھیرنے کے بعد دوسجدے کیے اور پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس طرح فرمایا۔ اب غور فرمائیں کہ اس حدیث میں نماز میں کمی ہونے کے باوجود سجدہ سہو سلام پھیرنے کے بعد کیا گیا، لہٰذا یہ حدیث امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف حجت ہوگی''(۴)۔

اس پر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مالکیہ کا مذہب اُن

---

(۱) بداية المجتهد، كتاب الصلاة، الجملة الرابعة في قضاء الصلاة وجبر ما يقع فيها من خلل، الباب الثالث من الجملة الرابعة في سجود السهو، الفصل الثاني في معرفة مواضع سجود السهو: ۱۹۲/۱

متن الأخضري في العبادات على مذهب الإمام مالك، كتاب الصلاة، باب في السهو، ص: ۱٦

بُلغة السالك لأقرب المسالك المعروف بـ حاشية الصاوي على شرح الصغير، كتاب الصلاة، فصل في بيان سجود السهو، السجود القبلي والبعدي للسهو: ۳٥٦/۱

(۲) الكوكب الدري، كتاب الصلاة، باب ما جاء في سجدتي السهو قبل السلام: ۱۷۲/۱، سعيد

(۳) عن شعبي قال: صلى بنا المغيرة بن شعبة، فنهض في الركعتين، فسبح به القوم، وسبح بهم، فلما قضى صلاته سلم، ثم سجد سجدتي السهو، وهو جالس، ثم حدثهم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل به مثل الذي فعل". (سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الإمام ينهض في الركعتين ناسياً، رقم الحديث: ۳٦٤)

(٤) الكوكب الدري، كتاب الصلاة، باب ما جاء في سجدتي السهو قبل السلام: ۱۷۳/۱، سعيد

احادیث کے بھی خلاف ہے، جن میں یہ حکم ہے کہ نماز میں شک پڑنے کی صورت میں نمازی یقین پر بناء کرے گا اور دو سجدے قبل السلام کرے گا۔ اب غور کیجیے! کہ ان احادیث میں نمازی کو یہ شک ہے کہ وہ نماز پوری کر چکا ہے، یا اس نماز میں کوئی زیادتی کر چکا ہے اور ایسی صورت میں تو مالکیہ کے ہاں سجدہ سہو بعد السلام کیا جانا چاہیے، جب کہ ان احادیث میں قبل السلام سجدہ سہو کرنے کا حکم ہے، شاید اسی وجہ سے علامہ باجی رحمہ اللہ وغیرہ نے ایسی روایات میں تاویل سے کام لیا ہے''(۱)۔

مذہبِ حنابلہ

حنابلہ کے نزدیک اگر نمازی سے ایسی غلطی ہو جائے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے ان میں سجدہ سہو اسی طرح کیا جائے گا، جس طرح حدیث میں وارد ہوا ہے اور اگر نمازی سے ایسی غلطی اور سہو ہوا جو غلطی اور سہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اس میں امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب شوافع کے مطابق ہے، یعنی: سجدہ سہو سلام سے قبل ہوگا (۲)۔

بادی النظر میں حنابلہ کا مذہب بہت زیادہ پرکشش ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کما حقہ اس مذہب پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قعدہ اولی بھول گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے بعد سجدہ سہو کیا (۳)۔

---

(۱)الكوكب الدري، كتاب الصلاة، باب ما جاء في سجدتي السهو قبل السلام: ۱/۱۷۳، سعيد

(۲)المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، باب سجدتي السهو، مسئلة: وما عدا من السهو فسجوده قبل السلام: ۲/٤۱۵

الشرح الكبير للمقدسي مطبوع تحت "المقنع"، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ٤/۱۹

الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف للمرداوي مطبوع مع المقنع والشرح الكبير، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ٤/۱۹-۲۱

(۳) عن شعبي قال: صلى بنا المغيرة بن شعبة، فنهض في الركعتين، فسبح به القوم، وسبح بهم، فلما قضى صلاته سلم، ثم سجد سجدتي السهو، وهو جالس، ثم حدثهم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل به مثل الذي فعل". (سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الإمام ينهض في الركعتين ناسياً، رقم الحديث: ۳٦٤)

اور حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں قعدہ اولی بھول کر کھڑے ہوگئے تو آپ نے قبل السلام سجدہ کیا(۱)۔

یہ دونوں احادیث صحیح ہیں، لیکن اب امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب کو سامنے رکھتے ہوئے سوچا جائے کہ دو صحیح احادیث میں ایک ہی قسم کی غلطی پر دو طرح کا عمل موجود ہے، اب ان پر عمل کی کیا صورت ممکن ہے؟۔

دلائل احناف

اس مسئلہ میں احناف کا استدلال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے، جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے:

عن عبد الله بن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى الظهر خمساً، فقيل له: أزيد في الصلاة؟ فقال: وما ذاك؟ قال: صليت خمساً، فسجد سجدتين بعد ما سلم(۲).

دوسری دلیل بھی صحیح بخاری کی ہی حدیث ہے جو کہ مذکورہ باب میں گذری ہے، جس میں صاف وضاحت کے ساتھ ہے:

"فليتحر الصواب، فليتم عليه، ثم ليسلم، ثم يسجد سجدتين"(۳).

تیسری دلیل حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے:

عن عبد الله بن جعفر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من شك في صلاته، فليسجد سجدتين بعد ما يسلم"(٤).

---

(۱) عن عبد الله بن بحينة الأسدي، حليف بني عبد المطلب: أن النبي صلى الله عليه وسلم قام في صلاة الظهر وعليه جلوس، فلما أتم صلاته سجد سجدتين، يكبر في كل سجدة وهو جالس، قبل أن يسلم وسجدهما الناس معه مكان ما نسي من الجلوس. (سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في سجدتي السهو قبل السلام، رقم الحديث: ٤٠٠)

(۲)صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب إذا صلى خمساً، رقم الحديث: ١٢٢٦

(۳)صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان، رقم الحديث: ٤٠١

(٤)سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من قال بعد التسليم، رقم الحديث: ١٠٣٣

چوتھی دلیل حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، جس کے آخر میں ہے:

"فصلى الركعة التي كان ترك، ثم سلم، ثم سجد سجدتي السهو، ثم سلم"(۱).

پانچویں دلیل: وہ آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو سجدہ سہو قبل السلام پر دلالت کرتے ہیں، ان میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عمار، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں۔ ملاحظہ ہو: شرح معانی الآثار اور مصنف لابن ابی شیبہ (۲)۔

چھٹی دلیل عقلی ہے، کہ بعد السلام سجدہ کرنے میں عبادت اور مشقت زیادہ ہے، کیونکہ اس صورت میں تشہد دو مرتبہ پڑھا جاتا ہے، پس اس صورت کا افضل قرار دینا بہتر ہے (۳)۔

ساتویں دلیل نظرِ طحاوی ہے کہ سجدہ سہو دیگر سجود واجبہ فی الصلاۃ کی طرح نہیں ہوتا کہ واجب ہوتے ہی فی الفور ادا کرنا ضروری ہو، بلکہ اس کا وجوب علی سبیل التاخیر ہوتا ہے، اب یہ تاخیر کتنی ہونی چاہیے، تو اس میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف واقع ہوا، بعض کا رجحان اس طرف ہوا کہ سلام کے علاوہ بقیہ تمام افعالِ صلاۃ سے مؤخر ہونا چاہیے اور بعض کا رجحان یہ بنا کہ سلام سے بھی مؤخر ہونا چاہیے، لیکن غور کرنے سے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب بالاتفاق سلام کے علاوہ بقیہ تمام افعال سے اس کو مؤخر کیا جاتا ہے اور بقیہ افعال کو اس سجدہ پر مقدم کیا جاتا

(۱) وحدثنا إسحاق بن إبراهيم، أخبرنا عبد الوهاب الثقفي، حدثنا خالد وهو الحذاء، عن أبي قلابة، عن أبي المهلب، عن عمران بن الحصين، قال: سلم رسول الله صلى الله عليه وسلم في ثلاث ركعات، من العصر، ثم قام فدخل الحجرة، فقام رجل بسيط اليدين، فقال: أ قصرت الصلاة يا رسول الله؟ فخرج مغضبا، فصلى الركعة التي كان ترك، ثم سلم، ثم سجد سجدتي السهو، ثم سلم. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب السهو في الصلاة والسجود له، رقم الحديث: ٥٧٤)

(٢) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو في الصلاة؛ هل هو قبل التسليم أو بعده: ١/ ٥٦٣-٥٦٩

المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، في السلام في سجدتي السهو: قبل السلام أو بعد، رقم الحديث: ٤٤٧٠-٤٤٨١، و من كان يقول: اسجدهما قبل أن تسلم، رقم الحديث: ٤٤٨٢، ٤٤٨٣

(٣) معارف السنن، كتاب الصلاة، باب ما جاء في سجدتي السهو قبل السلام، رقم الحديث: ٤٠٠، ٣/ ٤٨٩

ہے تو قیاس ونظر کا تقاضا یہ بنتا ہے کہ دیگر افعال کی طرح سلام بھی ان سجود سے مقدم ہو اور یہ سجود سلام سے مؤخر ہوں (۱)۔

مذہبِ احناف کی وجہ ترجیح

''مذہبِ احناف کو اس طور پر ترجیح حاصل ہے کہ اس باب میں احادیثِ فعلیہ اور قولیہ دونوں طرح کی ہیں، جن میں غور سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل دونوں طرح کا ملتا ہے، قبل السلام کا بھی اور بعد السلام کا بھی، چناں چہ احناف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو ترجیح دی، جس کے مطابق آپ کا قول بھی تھا، اس طرح سے احناف کے ہاں قول اور فعل دونوں پر عمل ہو گیا۔

اس پر شوافع کی طرف سے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جس طرح احناف کے پاس فعلی کے ساتھ ساتھ قولی حدیث بھی ہے، اسی طرح شوافع کے پاس بھی دونوں احادیث موجود ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ احادیثِ قولیہ میں جب تعارض ہو جائے تو قیاس کے ذریعے ترجیح دی جاتی ہے، قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ سلام کے ذریعے سجدہ سہو میں فصل ہونا چاہیے، کیوں کہ سجدہ سہو نماز کی کمی کو پوری کرنے والی شئی ہے اور کسی شئی کی کمی کو پورا کرنے والی شئی اس چیز کا غیر ہوا کرتی ہے، جیسا کہ فرض نماز کے اندر سنتوں کی کوتاہی کو نماز کے بعد کی سنتیں اور اذکار اس کمی کو پورا کر دیتی ہیں۔ لہٰذا یہاں پر بھی سجدۂ سہو کو سلام کے بعد آنا چاہیے تا کہ کمی کو پورا کرنے والی شئی کے ساتھ جدائی ہو جائے اور یہ اصل شئی کا غیر ثابت ہو، لیکن چوں کہ دونوں طریقے سجدۂ سہو قبل السلام اور بعد السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً اور فعلاً ثابت ہیں، لہٰذا ہم کسی سے نہیں روک سکتے'' (۲)۔

مسئلہ مذکورہ میں اختلافِ مذاہب کی حیثیت

سلام سے قبل یا بعد میں سجدہ سہو کرنے میں ائمہ کا اختلاف جواز اور عدم جواز کا نہیں ہے، بلکہ افضل اور غیر افضل کا ہے، یعنی: جائز دونوں طرح ہے (۳)۔

---

(۱) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو في الصلاة؛ هل هو قبل التسليم أو بعده؟: ۱/۵٦۸، ۵٦۹

(۲) الكوكب الدري، كتاب الصلاة، باب ما جاء في سجدتي السهو قبل السلام: ۱/۱۷۲، ۱۷۳، سعيد

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۵٤۱

الهداية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/ ۳۳۱

اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۳/ ۱٤۸

حضرت گنگوہیؒ کا ایک سہو اور درست بات

اس مقام پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ سے سہو ہو گیا، نقلِ مذاہب کے وقت انہوں نے لکھ دیا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ سجدہ سہو بعد السلام ہوگا، لیکن قبل السلام سجدہ کرنا جائز ہی نہیں، کیوں کہ ان کے نزدیک ان کی مستدل حدیث کے علاوہ باقی سب منسوخ ہیں، اس لیے منسوخ حدیث پر عمل کیسے جائز ہوگا؟(۱)۔

شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ترمذی رحمہ اللہ کے آنے والے قول کہ "سجدة السهو قبل التسليم" والی حدیثیں دوسری احادیث کے لیے ناسخ ہیں، اس سے استدلال کیا ہے کہ شوافع کے نزدیک سجدہ سہو جائز ہی نہیں، کیوں کہ منسوخ حدیث پر عمل صحیح نہیں ہوتا، لیکن شوافع کے مذہب کے اکثر ناقلین نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ دونوں طرح جائز ہے، چناں چہ حافظ رحمہ اللہ نے ''فتح الباری'' میں ماوردیؒ سے نقل کیا ہے کہ دونوں طرح سجدہ سہو کرنے کے جواز پر اجماع ہے، اختلاف تو افضلیت کا ہے، اسی طرح امام نووی رحمہ اللہ نے اجماع کا قول نقل کیا ہے، انتہیٰ کذا فی الاوجز''(۲)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت حدیث کے جملے "فثنى رجليه واستقبل القبلة" سے ہے(۳)۔

حدیث مذکور سے مستنبط شدہ احکام وفوائد

اس حدیث مبارکہ سے بہت سارے فوائد مستنبط ہوتے ہیں، ان میں سے چند ذیل میں لکھتے جاتے ہیں:

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس سوال "أ حدث في الصلاة شيئ؟" سے نسخ کا جواز معلوم ہوتا ہے(۴)۔

---

(۱)الكوكب الدري، كتاب الصلاة، باب ما جاء في سجدتي السهو قبل السلام: ۱۷۲/۱، سعيد

(۲)الكوكب الدري، كتاب الصلاة، باب ما جاء في سجدتي السهو قبل السلام: ۱۷۲/۱، سعيد

(۳)فتح الباری: ٦٥٢/١، عمدة القاري: ٢٠٥/٤، كوثر المعاني الدراري في كشف الخبايا صحيح البخاري: ٤٦/٧، الكنز المتواري: ٩١/٤

(٤)عمدة القاري: ٢٠٦/٤

۲۔انبیاء کرام علیہم السلام سے سہو ونسیان کے وقوع کا بھی علم ہوتا ہے(۱)۔

۳۔اس حدیث سے وہ فقہاء کرام دلیل پکڑتے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ بھول کر کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی (۲)۔

۴۔اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ سہو کے دو سجدے ہوتے ہیں (۳)۔

۵۔اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ سہو کے دو سجدے سلام کے بعد ہیں، نہ کہ پہلے (۴)۔

۶۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ (اس) نماز کے بعد (جس میں فرائض کے بعد سنتیں نہ ہوں تو) امام مقتدی کی طرف پھر کر بیٹھ جائے (۵)۔

۷۔تابع کو متبوع کی طرف سے اس بات کا حکم دینا کہ جب مجھے بھول ہو جائے تو مجھے یاد دلا دینا، بھی معلوم ہوتا ہے(۶)۔

۸۔یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی بات کی وضاحت کو اس کے وقتِ حاجت سے مؤخر نہیں کرنا چاہیے، جیسا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا: "لو حدث في الصلاة شيئ لنبأتكم به"(۷).

۹۔اس حدیث مبارکہ میں احناف کی دلیل ہے کہ جب نماز میں کسی کو رکعات کی تعداد میں شک واقع ہو جائے تو وہ تحری کر کے اپنی نماز پوری کرے(۸)۔

۱۰۔اس بات پر بھی دلیل ہے کہ سجدہ سہو متعدد اسباب کی وجہ سے متعدد نہیں ہوتا، بلکہ جتنی بھی غلطیاں ہوں ان کے تدارک میں صرف دو ہی سجدے ہیں، جیسا کہ اس واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رکعات میں بھی سہو ہوا اور اس کے بعد آپ سے کلام کا صدور بھی ہوا(۹)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

(۱)عمدة القاري: ٤/ ٢٠٦

(۲)عمدة القاري: ٤/ ٢٠٦

(۳)عمدة القاري: ٤/ ٢٠٦

(٤)عمدة القاري: ٤/ ٢٠٦، كوثر المعاني الدراري في كشف الخبايا صحيح البخاري: ٥٣/٧

(٥)عمدة القاري: ٤/ ٢٠٦

(٦)المنهاج للنووي، كتاب الصلاة، مواضع الصلاة، صلاة المسافرين، رقم الحديث: ٥٧٢، ٥/ ٦١، ٦٢

(٧)فتح الباری: ٦٥٣/١، عمدة القاري: ٤/ ٢٠٦

(٨)عمدة القاري: ٤/ ٢٠٦

(٩)عمدة القاري: ٤/ ٢١٠

٥ – باب : مَا جَاءَ فِي الْقِبْلَةِ ، وَمَنْ لَا يَرَى الْإِعَادَةَ عَلَى مَنْ سَهَا ، فَصَلَّى إِلَى غَيْرِ الْقِبْلَةِ .

یہ باب ان روایات کے بارے میں ہے جو قبلہ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں

اوران حضرات کے بارے میں ہے، جو اس بات کے قائل ہیں کہ بھول کر غیر قبلہ کی جانب نماز پڑھ لینے والے پر نماز کا اعادہ کرنا واجب نہیں ہے۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت

''ومن لا یریٰ الإعادۃ''، بعض نسخوں میں ''ومن لم یر الإعادۃ'' ہے، یعنی: "لا یریٰ" کی جگہ "لم یر" ہے، مقصود دونوں سے ایک ہی ہے۔''ومن لا یریٰ الإعادۃ'' کا عطف "القبلۃ" پر ہے، اس صورت میں پوری عبارت: "باب ما جاء في من لا یریٰ الإعادۃ علی من سھا، فصلی إلی غیر القبلۃ" ہو جائے گی (۱)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کلمۃ "فصلی" میں "ف" تفسیریہ ہے، اور "فصلی" کا لفظ تفسیر ہے کلمۂ "سھا" کی (۲)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں: ''اس تشریح میں بُعد ہے، بہتر توجیہ یہ ہے کہ "ف" کو سببیہ بنایا جائے نہ کہ تفسیریہ، جیسا کہ اللہ تعالی کے قول: ﴿الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء، فتصبح الارض مخضرۃ﴾ میں "ف" سببیہ ہے نہ کہ تفسیریہ۔ اور اگر "فصلی" کی بجائے "وصلی" ہوتا تو یہ زیادہ بہتر تھا'' (۳)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ باب ماقبل والے باب سے جدا ہے، وہاں قبلہ کی جانب منہ کرنے کا بیان تھا، یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ اگر کوئی شخص غلطی سے قبلہ کے علاوہ کسی اور جانب منہ کر کے نماز ادا کر لے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ کا اپنا مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ ایسا شخص اپنی نماز کا اعادہ نہیں کرے گا (۴)۔

(١) عمدة القاري: ٤/ ٢١٣

(٢) شرح الكرماني: ٤/ ٦٦

(٣) عمدة القاري: ٤/ ٢١٣

(٤) عمدة القاري: ٤/ ٢١٣

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عند الشراح: "ومن لم یر الإعادة علی من سهیٰ" تفسیر ہے "ما جاء في القبلة" کی۔ اور عندی: "ما جاء في القبلة" الگ ہے اور "ومن لم یر الإعادة علی من سهیٰ" الگ ہے، کیوں کہ قبلہ کا باب اب ختم ہو رہا ہے اور قاعدہ ہے کہ ہر ایک مصنف باب کے ختم پر ایک باب مسائل شتیٰ کا لکھا کرتا ہے، اس اعتبار سے یہاں بھی مسائل شتی امام بخاری رحمہ اللہ لکھ رہے ہیں (۱)۔

قبلہ مشتبہ ہونے کی صورت میں نماز کا حکم

اس مسئلہ کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے:

احناف کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی نمازی پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور کوئی شخص قبلہ بتلانے والا نہ ہو اور نمازی تحری واجتہاد کر کے کوئی ایک جانب قبلہ کے لیے متعین کر کے نماز پڑھ لے، بعد میں معلوم ہو کہ قبلہ تو کسی اور جانب تھا، تو ایسے شخص کے ذمے اس نماز کا اعادہ کرنا لازم نہیں ہے (۲)۔

حنابلہ کے نزدیک بھی مسئلہ اسی طرح ہے (۳)۔

مالکیہ کے اس بارے میں دو قول ہیں، ایک تو وہی جو احناف کے نزدیک ہے اور دوسرا یہ کہ وقت کے اندر اندر معلوم ہو جانے کی صورت میں اعادہ کرے گا (۴)۔

---

(۱) الکنز المتواري: ٤/٩٣، ٩٤، سراج القاري: ٢/٤٤٢

(۲) البحر الرائق، کتاب الصلاة، شروط الصلاة: ١/٤٩٨-٥٠٢

الهداية، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة التي تتقدمها: ١/١٧٩، ١٨٠، مکتبة البشری

الفتاوی الهندية، کتاب الصلاة، الباب الثالث: في شروط الصلاة، الفصل الثالث في استقبال القبلة: ١/٦٤

(۳) المقنع مع الشرح الکبير والإنصاف، کتاب الصلاة، باب استقبال القبلة، مسئلة: ومن صلی بالاجتهاد إلی جهة، ثم علم أنه أخطأ القبلة: ٣/٣٥٤

الکافي لابن قدامة المقدسي، کتاب الصلاة، باب استقبال القبلة: ١/٢٦٠

المحرر في فقه المذهب للإمام أحمد بن حنبل، کتاب الصلاة، باب استقبال القبلة: ١/٥٢

(٤) بداية المجتهد، کتاب الصلاة، الجملة الثانية في الشرط، الباب الثالث من جملة الثانية في القبلة: ١/١١١

المدونة الکبری، کتاب الصلاة الأول، فيمن صلی إلی غير القبلة: ١/١٨٤

الشرح الکبير للدردير وحاشية الدسوقي، کتاب الصلاة، فصل شروط صحة الصلاة، الشرط الرابع وهو استقبال القبلة: ١/٢٢٥

شوافع کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ظاہر ہوا کہ اس نے تو نماز غیرِ قبلہ کی جانب ادا کرلی ہے تو یہ از سرنو نماز ادا کرے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس کو اپنا خطا پر ہونا بغیر کوشش کے معلوم ہوگیا ہو۔ اور اگر باقاعدہ غور وفکر کرکے اس کو اپنی غلطی کا علم ہو تو اس پر اعادہ واجب نہیں ہے(۱)۔

تعلیق

وَقَدْ سَلَّمَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ فِي رَكْعَتَيِ ٱلظُّهْرِ ، وَأَقْبَلَ عَلَى ٱلنَّاسِ بِوَجْهِهِ ، ثُمَّ أَتَمَّ مَا بَقِيَ . [ر : ٤٦٨]

تعلیق کا ترجمہ

اور تحقیق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی دو رکعتوں میں سلام پھیر کر لوگوں کی طرف اپنا منہ کرلیا، اس کے بعد جو باقی رہ گیا تھا، اسے پورا کیا تھا۔

تعلیق کی تخریج

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ کا گمان یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ٹکڑا ہے(۲)۔

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس معاملے میں ابن بطال رحمہ اللہ کو وہم ہوگیا ہے اس لیے کہ حدیث ابن مسعود میں دو رکعتوں پر سلام پھیرنے کا ذکر ہی نہیں ہے، بلکہ یہ تعلیق تو حدیث ابو ہریرہ جس میں قصہ ذوالیدین مذکور ہے(۳)، کا ٹکڑا ہے(۴)۔

---

(١) الأم كتاب الصلاة، باب استقبال القبلة، فيمن استبان الخطأ بعد الاجتهاد: ٢/٢١٣

تحفة الحبيب على شرح الخطيب المعروف بـ حاشية البجيرمي على الخطيب، كتاب الصلاة، فصل في شروط الصلاة، القول في مراتب القبلة وتعلم أدلتها: ٢/ ١٣٢

الحاوي في فقه الشافعي، كتاب الصلاة، باب استقبال القبلة وأن لا فرض إلا الخمس: ٢/ ٨٦

(٢)وقد أشار البخاري في ترجمته إلى هذا الاستدلال من حديث ابن مسعود فقال: وقد سلم النبي عليه السلام في ركعتي الظهر وأقبل على الناس بوجهه ......إلخ. (شرح ابن بطال: ٢/٧٨)

(٣) حدثنا إسحاق، قال: حدثنا النضر بن شميل، أخبرنا ابن عون، عن ابن سيرين، عن أبي هريرة، قال: صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم إحدى صلاتي العشاء، قال ابن سيرين: سماها أبو هريرة =

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اس اعتبار سے ہے کہ جس طرح ترجمۃ الباب سے یہ ظاہر ہے کہ جو شخص بھولے سے غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کر لے تو اس پر نماز کو لوٹانا واجب نہیں ہے اور یہی چیز مذکورہ تعلیق سے ظاہر ہو رہی ہے، وہ اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلطی سے دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا، اس کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئے، پھر جب غلطی پر تنبہ ہوا تو دوبارہ قبلہ رخ ہو کر نماز مکمل کی، اب جتنی دیر تک آپ لوگوں کی متوجہ رہے اتنی دیر تک قبلہ سے پھرے رہے حالاں کہ آپ اس وقت بھی آپ کا شمار نماز میں ہی تھا۔ اور بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کا اعادہ بھی نہیں کیا (١)۔

= ولكن نسيت أنا، قال: فصلى بنا ركعتين، ثم سلم، فقام إلى خشبة معروضة في المسجد، فاتكأ عليها كأنه غضبان، ووضع يده اليمنى على اليسرى، وشبك بين أصابعه، ووضع خده الأيمن على ظهر كفه اليسرى، وخرجت السرعان من أبواب المسجد، فقالوا: قصرت الصلاة؟ وفي القوم أبو بكر وعمر، فهابا أن يكلماه، وفي القوم رجل في يديه طول، يقال له: ذو اليدين، قال: يا رسول الله! أ نسيت أم قصرت الصلاة؟ قال: لم أنس ولم تقصر، فقال: أكما يقول ذو اليدين؟ فقالوا: نعم، فتقدم فصلى ما ترك، ثم سلم، ثم كبر وسجد مثل سجوده أو أطول، ثم رفع رأسه وكبر، ثم كبر وسجد مثل سجوده أو أطول، ثم رفع رأسه وكبر، فربما سألوه :ثم سلم؟ فيقول: نبئت أن عمران بن حصين، قال: ثم سلم. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب تشبيك الأصابع في المسجد وغيره، رقم الحديث: ٤٨٢)

(٤) فتح الباري: ١/٦٥٤، عمدة القاري: ٤/ ٢١٣

حاشية صفحة هذا......(١)فتح الباري: ١/ ٦٥٤، عمدة القاري: ٤/ ٢١٣

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس تعلیق سے استدلال اس طرح ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھول کر سلام پھیر دیا اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے، قبلہ کی طرف سے رُخ موڑ لیا، پھر صحابہ کے خبر دینے پر رُو بہ قبلہ ہو کر بقیہ نماز پوری کی اور سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا، یہاں عرض یہ کرنا ہے کہ اگر وہ پہلی نماز صحیح نہیں تھی تو بنا کیسے ہو گئی، اور اتمام کیونکر صحیح ہوا؟ اور سجدہ کیسے فرمایا؟ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک نماز میں ہی تھے تو بنا صحیح ہوئی، لہٰذا صلاۃ إلی غیر القبلة ساھیاً لازم آئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بنا کی، معلوم ہو کہ صلاة إلی غیر القبلة سهواً سے نماز فاسد نہیں ہوتی''۔ (تقریر بخاری شریف: ٢/٣١٣)

حدیثِ باب (پہلی حدیث)

۳۹۴/۳۹۳ : حدّثنا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ قَالَ : حَدَّثنا هُشَيْمٌ ، عَنْ حُمَيْدٍ ، عَنْ أَنَسٍ[1] قَالَ : قَالَ عُمَرُ : وَافَقْتُ رَبِّي فِي ثَلَاثٍ : فَقُلْتُ يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، لَوِ ٱتَّخَذْنَا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ، فَنَزَلَتْ : «وَٱتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى» . وَآيَةُ ٱلْحِجَابِ ، قُلْتُ : يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، لَوْ أَمَرْتَ نِسَاءَكَ أَنْ يَحْتَجِبْنَ ، فَإِنَّهُ يُكَلِّمُهُنَّ ٱلْبَرُّ وَٱلْفَاجِرُ ، فَنَزَلَتْ آيَةُ ٱلْحِجَابِ ، وَٱجْتَمَعَ نِسَاءُ ٱلنَّبِيِّ ﷺ فِي ٱلْغَيْرَةِ عَلَيْهِ ، فَقُلْتُ لَهُنَّ : عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ ، أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ ، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ ٱلآيَةُ .

ترجمہ حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین معاملات (کے بارے) میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری رائے میرے پروردگار کے موافق رہی، ایک یہ کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر ہم مقامِ ابراہیم کو مصلی (جائے نماز) بنالیں تو بہتر ہوگا، چناں چہ آیت مبارکہ ﴿واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى﴾ نازل ہوئی۔ دوسرا موقع حجاب کی آیت کا ہے، میں

---

(۱) أخرجه البخاري أيضاً في تفسير سورة البقرة، باب قوله تعالىٰ: ﴿واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى﴾، رقم الحديث: ٤٤٨٣ ـ وفي تفسير سورة الأحزاب، باب قول الله تعالىٰ: ﴿لا تدخلوا بيوت النبي إلا أن يؤذن لكم﴾، رقم الحديث: ٤٧٩٠ ـ وفي سورة التحريم، باب قوله تعالىٰ: ﴿عسى ربه ان طلقكن أن يبدله أزواجا خيرا منكن﴾، رقم الحديث: ٤٩١٦ .

وأخرجه مسلم في صحيحه، في فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر ، من حديث ابن عمر، رقم الحديث: ٢٣٩٩ .

وأخرجه الترمذي في جامعه ، في التفسير، باب ومن سورة البقرة، رقم الحديث: ٢٩٦٠

وأخرجه ابن ماجه في سننه، في الصلاة، باب القبلة، رقم الحديث: ١٠٠٩

وفي جامع الأصول، حرف التاء، الكتاب الأول في تفسير القرآن، سورة البقرة، رقم الحديث: ٤٧٤، ٩/٢

نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ ازواج مطہرات کو باپردہ رہنے کا حکم فرما دیں تو بہتر ہوگا، کیوں کہ ان سے بات چیت کرنے والوں میں اچھے اور بُرے سب طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ چناں چہ آیت حجاب [واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب] نازل ہوگئی۔ تیسرا موقع یہ ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات آپ کی خدمت میں رشک وغیرت کے جذبات کی بنا پر جمع ہوئیں تو میں نے زجراً ان سے کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو کر تم سب کو طلاق دے دیں تو کچھ عجب نہیں کہ آپ کا پروردگار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرما دے، چناں چہ! اسی مضمون کی آیت نازل ہوگئی۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی سند میں کل پانچ رجال ہیں:

۱۔ عمرو بن عون

یہ أبو عثمان عمرو بن عون بن أوس بن الجعد السُّلمي الواسطي الزاز رحمہ اللہ ہیں۔ ابو العجفاء السلمی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ بصری کے رہنے والے تھے۔

ان کے مشہور اساتذہ میں ہُشیم بن بشیر، اسحاق بن یونس الازرق، حماد بن زید، خالد بن عبداللہ الواسطی وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اور ان کے مشہور تلامذہ میں امام بخاری، امام ابوداؤد، امام دارمی، احمد بن سلیمان الرہاوی، احمد بن محمد وزیر الواسطی وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

یحیی بن معین، العجلی، یزید بن ہارون، ابوزرعہ، ابوحاتم وغیرہ رحمہم اللہ سب نے ان کی توثیق کی ہے، ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔

ابن حبان، امام بخاری، امام ابوداؤد اور امام حاتم رحمہم اللہ کے اقوال کے مطابق ان کی وفات ۲۲۵

ہجری میں ہوئی (۱)۔

۲۔ہُشیم

یہ ''ابومعاویہ ہُشیم بن بشیر بن قاسم الواسطی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب التیمم، باب قول اللہ تعالی: ﴿فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا فامسحوا بوجوهكم وأيديكم منه﴾ کی حدیث دوم، کے تحت گذر چکے ہیں (۲)۔

۳۔حمید

یہ ''ابوعبیدہ حُمید بن ابی حمید الطّویل الخزاعی البصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر، کے تحت گذر چکے ہیں (۳)۔

۴۔انس

یہ ''انس بن مالک'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں (۴)۔

۵۔عمر

یہ امیر المؤمنین حضرت ''عمر بن خطاب'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: بدء الوحی کی پہلی حدیث، اور تفصیلی احوال

(۱) تهذيب الكمال: ۲۲/۱۷۷-۱۸۰، الطبقات لابن سعد: ۷/۳۱۶، تاريخ الكبير للبخاري: ۶/ رقم الترجمة: ۲۶۳۸، الثقات لابن حبان: ۸/۴۵۸، سير أعلام النبلاء: ۱۰/۴۵۰، تهذيب التهذيب: ۸/۸۶،۸۷

(۲) كشف الباری، كتاب التيمم: ص: ۸٤

(۳) كشف الباری: ۲/۷۱

(٤) كشف الباری: ۲/٤

کتاب الایمان، باب: أحب الدین إلی الله أدوم، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

شرحِ حدیث

قال عمر: وافقت ربي في ثلاث:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تین معاملات (کے بارے) میں فرمایا کہ میری رائے میرے پروردگار کے موافق رہی۔

"وافقتُ ربي" اکثر شراحِ حدیث کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ادب کی وجہ سے اس طرح فرمایا، ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بات کہی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی بات کے مطابق وحی اتار دی، گویا موافقت مِن جانبِ اللہ ہوئی ہے، لیکن بابِ مفاعلہ میں فعل چونکہ مِن الجانبَین ہوتا ہے، اس لیے ادب کی رعایت رکھتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ میں نے اپنے رب کی موافقت کی اور اس عنوان کو بے ادبی سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے میری موافقت کی، اس لیے "وافقني ربي" نہیں کہا۔

علامہ برماوی رحمہ اللہ کا فرمانا ہے کہ اس تشریح کی ضرورت نہیں ہے، یہاں موافقت کے اصطلاحی معنی یعنی: امتثال اوامر رب عز وجل مراد نہیں ہے، بلکہ موافقت کا لفظ اپنے اطلاق پر استعمال ہو رہا ہے، یعنی: جو بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تھی، قرآن پاک کی آیت مبارکہ بھی اسی کے موافق نازل ہوگئی (۲)۔

علامہ کورانی رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کو ذکر کرتے ہوئے مزید یہ فرمایا ہے کہ اگر ادب کی رعایت سے "وافقتُ ربي" کہنے کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں ہی اسی آیت کے نزول پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا "وافقني ربي" کہنا منقول ہے، اس کا کیا جواب ہوگا؟ (۳)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے ثلاث کی تمییز "أمورا" ذکر کی ہے اور اس پر ایک اشکال ذکر کرکے اس کا جواب دیا ہے کہ "أموراً" جمع ہے "أمر" کی، جو کہ مذکر ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ لفظِ "ثلاث" مؤنث ہوتا، تو اس کا جواب یہ دیا کہ تمییز مذکور نہ ہو (جیسا کہ یہاں ہے) تو عدد کے مذکر یا مؤنث لانے میں اختیار ہوتا

(۱) کشف الباری: ۱/ ۲۳۹، ۲/ ۲۷٤

(۲) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۳/ ۱۵۰

(۳) الكوثر الجاري للكوراني: ۲/ ۹۵

ہے(۱)۔جبکہ علامہ برماوی رحمہ نے "فـي ثـلاث" سے مراد "قضایا" لیا ہے(۲) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "في ثلاثٍ" سے مراد "ثلاثة وقائع" ہے(۳)۔

موافقاتِ عمر

یہاں تین مقامات کا ذکر ہے کہ ان تین مقامات میں وحی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق آئی ہے، یہ (تین مقامات) غالباً مقام اور مصلحت کی رعایت سے بیان کیے گئے ہیں کہ اس مقام اور وہاں کی مصلحت کا تقاضا ان تین کے ذکر کا تھا، اس لیے تین کا ذکر کر دیا(۴)۔

یا یہ کہا جائے گا کہ عددِ اقل اکثر کی نفی نہیں کرتا(۵)۔

ایک توجیہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس قول کے وقت صرف تین امور میں ہی موافقت سامنے آئی ہو اور بقیہ مواقع اس قول کے بعد حاصل ہوئے ہوں گے(۶)۔

مذکورہ توجیہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ ہے، علامہ عینی رحمہ اللہ مذکورہ توجیہ ذکر کرنے کے بعد اس پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس توجیہ میں نظر ہے اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان موافقات کی خبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دی تھی، لہٰذا مذکورہ احتمال درست نہیں ہو سکتا(۷)۔

علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تعداد کا اہتمام غالباً وحی قرآن مجید کی موافقت کے پیشِ نظر آ رہا ہے، ورنہ حسبِ ارشاد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مطلق وحی نبوت کے موافقت بہ تعدادِ کثیر پائی گئی ہے اور ان سب کے بھی شمار کی طرف توجہ کی جاتی

(۱) شرح الکرماني: ٤/٦٦

(۲) اللامع الصبیح بشرح الجامع الصحیح للبرماوي: ٣/١٥٠

(۳) فتح الباري: ١/٦٥٤

(٤) التوضیح لشرح الجامع الصحیح لابن الملقن: ٥/ ٤١١، اللامع الصبیح بشرح الجامع الصحیح للبرماوي: ٣/١٥٠، فتح الباري: ١/٦٥٤

(٥) شرح الکرماني: ٤/٦٦، فتح الباري: ١/٦٥٤

(٦) شرح الکرماني: ٤/٦٦، التوضیح لشرح الجامع الصحیح لابن الملقن: ٥/ ٤١١

(٧) عمدة القاري: ٤/ ٢٠٥

تو عدد بہت بڑھ جاتا (۱)۔

موافقاتِ عمر رضی اللہ عنہ کی تعداد

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت متعدد مقامات میں ثابت ہے، چناں چہ! حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے پندرہ مقامات شمار کروائے ہیں (۲) اور امام سیوطی رحمہ اللہ نے ان کو بیس اور اکیس تک پہنچایا ہے (۳)۔ بلکہ ان (امام سیوطی رحمہ اللہ) کا تو اس بارے میں مستقل ایک منظوم کلام بھی ہے (۴)۔

(۱) انوار الباری: ۱۲/۲۰۴

(۲) فتح الباري: ١/٦٥٤

(۳) تاریخ الخلفاء للسیوطیؒ، فصل في موافقات عمر رضي اله عنه قد وصلها بعضهم إلى أكثر من عشرين، ص: ٨٣-٨٥

(۴) اس منظوم کلام کا نام "قطف الثمر في موافقات عمر" ہے، جو کہ امام سیوطی رحمہ اللہ کے مجموعہ رسائل "الحاوي للفتاوي: ١/٣٧٧" کا جزء بن کر شائع ہو چکا ہے، ملاحظہ ہو:

الحمد لله وصلى الله	على نبيه الذي اجتباه
يا سائلي والحادثات تكثر	عن الذي وافق فيه عمر
وما يرى أنزل الكتاب	موافقاً لرأيه الصواب
خذ ما سألت عنه في أبيات	منظومة تأمن من شتات
ففي المقام وأسارى بدر	وآيتي تظاهر وستر
وذكر جبريل لأهل الغدر	وآيتين أنزلا في الخمر
وآية الصيام في حل الرفث	وقوله نساؤكم حرث يبث
وقوله لا يؤمنون حتى	يحكموك إذ بقتل أفتى
وآية فيها لبدر أو به	ولا تصل آية في التوبة
وآية في النور هذا بهتان	وآية فيها بها الاستئذان
وفي ختام آية في المؤمنين	تبارك الله بحفظ المتقين
وثلة من في صفات السابقين	وفي سواء آية المنافقين
وعددوا من ذاك نسخ الرسم	لآية قد أنزلت في الرجم =

= وقال قولا هو في التوراة قد | نبهه كعب عليه فسجد
وفي الأذان الذكر للرسول | رأيته في خبر موصول
وفي القرآن جاء بالتحقيق | ما هو من موافق الصديق
كقوله هو الذي يصلي | عليكم أعظم به من فضل
وقوله في آخر المجادله | لا تجد الآية في المخالله
نظمت ما رأيته منقولا | والحمد لله على ما أولى

فائدے کی خاطر وہ سولہ آیات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں، بوقتِ ضرورت ان سے متعلقہ تفصیلی مباحث اور ان کا شانِ نزول تفاسیر میں دیکھا جاسکتا ہے:

پہلی آیت: ﴿قُلْ مَن كَانَ عَدُوّاً لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّهِ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ. (٩٧). مَن كَانَ عَدُوّاً لِّلّهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ. (البقرة:٩٨)﴾

دوسری آیت: ﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْناً وَاتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ. (البقرة:١٢٥)﴾

تیسری آیت: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا. (البقرة:٢١٩)﴾

چوتھی آیت: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَالآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُواْ مَا كَتَبَ اللّهُ لَكُمْ وَكُلُواْ وَاشْرَبُواْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّواْ الصِّيَامَ إِلَى الَّليْلِ وَلاَ تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللّهِ فَلاَ تَقْرَبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ. (البقرة:١٨٧)﴾

پانچویں آیت: ﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّىَ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيماً. (النساء: ٦٥)﴾

چھٹی آیت: ﴿كَمَآ أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقاً مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ. (الأنفال: ٥)﴾

ساتویں آیت: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّهُ يُرِيدُ =

اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ کی روایت ذکر کی ہے کہ جب کوئی بات پیش آتی تھی اور اس میں اختلافِ رائے ہوجاتا، لوگ ایک بات کہتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوسری بات

= الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (٦٧) لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ. (الأنفال: ٦٨)﴾

آٹھویں آیت:﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَداً وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ. (التوبة: ٨٤)﴾

نویں آیت:﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰماً فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْماً ثُمَّ أَنْشَأْنٰهُ خَلْقاً اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ. (المؤمنون: ١٤)﴾

دسویں آیت:﴿وَلَوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُم مَّا يَكُوْنُ لَنَآ أَن نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ. (النور: ١٦)﴾

گیارہویں آیت:﴿يٰٓا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لِيَسْتَأْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِن قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُم بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. (النور: ٥٨)﴾

بارہویں آیت:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوْتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ إِنٰهُ وَلٰكِنْ إِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ، إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعاً فَسْئَلُوْهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوٓا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهٖ أَبَداً إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْماً. (الأحزاب: ٥٣)﴾

تیرہویں آیت:﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ. (٣٩) وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ. (الواقعة: ٤٠)﴾

چودھویں آیت:﴿سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَن يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ. (المنافقون: ٦)﴾

پندرہویں آیت:﴿عَسٰى رَبُّهٗ إِن طَلَّقَكُنَّ أَن يُبْدِلَهٗٓ أَزْوَاجاً خَيْراً مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّأَبْكَاراً. (التحريم: ٥)﴾

سولہویں آیت:﴿إِن تَتُوْبَا إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا وَإِن تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ. (التحريم: ٤)﴾

کہتے تو قرآن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق نازل ہوتا(۱)۔

رب کے ساتھ موافقت کی وجہ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چند مقامات میں نہیں بلکہ متعدد مقامات میں کثرت کا ساتھ ایسا ہوتا رہا کہ وحی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رائے کی موافقت میں نازل ہوتی تھی۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ''محدَّث'' ہیں(۲)۔ ''محدَّث'' اس شخص کو کہتے ہیں جس کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے درست بات ڈال دی جاتی ہو۔ یا اس شخص کو کہتے ہیں جس کی زبان سے بغیر ارادے کے درست بات جاری ہو جاتی ہو(۳)۔

خطاء سے محفوظ صرف انبیاء علیہم السلام ہیں

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں مذکورہ اور دیگر بہت ساری بشارتوں کا مطلب یہ بھی نہیں کہ آپ خطاء اور غلطی سے محفوظ تھے، اس لیے کہ من جانب اللہ خطاء سے حفاظت صرف اور صرف انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے، جب کہ اس کے برخلاف اصحاب رسول علیہم الرضوان

---

(۱) عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إن الله جعل الحق على لسان عمر وقلبه"، وقال ابن عمر: ما نزل بالناس أمر قط، فقالوا فيه، وقال فيه عمر ، أو قال ابن الخطاب فيه -شك خارجة- إلا نزل فيه القرآن على نحو ما قال عمر. (سنن الترمذي، المناقب، باب في مناقب عمر بن الخطاب رضي الله عنه، رقم الحديث: ٣٦٨٢)

(٢) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لقد كان فيما قبلكم من الأمم محدثون، فإن يك في أمتي أحد، فإنه عمر". زاد زكريا بن أبي زائدة عن سعد عن أبي سلمة عن أبي هريرة قال قال النبي صلى الله عليه وسلم: "لقد كان فيمن كان قبلكم من بني إسرائيل رجال، يكلمون من غير أن يكونوا أنبياء، فإن يكن من أمتي منهم أحد فعمر" قال ابن عباس رضي الله عنهما: "من نبي ولا محدث". (صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب مناقب عمر بن الخطاب رضي الله عنه، رقم الحديث: ٣٦٨٩)

(٣) الكاشف عن حقائق السنن، كتاب المناقب، مناقب عمر، رقم الحديث: ٦٠٥٣، ١٢/٣٨٥٤

إرشاد الساري للقسطلاني، كتاب المناقب، باب مناقب عمر بن الخطاب رضي الله عنه، رقم الحديث: ٣٦٨٩: ٦/١٠٣

سے خطاؤں کا صدور ہوا، اور اس باب میں بھی امت مرحومہ کے لیے اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سامنے آیا، تاہم اتنا ضرور ہے کہ اس پاکباز جماعت قدسیہ کی من جانب اللہ دنیا میں ہی براءت، گناہوں سے صفائی اور رضائے عزوجل کا اعلان ہوگیا، رضي الله عنهم ورضوا عنه۔

چناں چہ! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے محدَّث اور مُلہَم ہونے اور اس کے سبب متعدد موافقات قرآنی ہونے کے باوجود ان سے متعدد بار بار خطاء کا ظہور بھی ہوا، اور بعد ان سے رجوع بھی ہوا، مثلاً:

ا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب عمرہ کیے بنا صلح ہو جانے کی بنا پر واپس جانے کا حکم ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس پر شرح صدر نہ تھا، جس کی بنا پر وہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بارے میں طویل سوال وجواب کیے، اور اس کے بعد وہی سوال وجواب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی کیے، اللہ کی شان کہ ان کے جوابات بھی بالکل وہی تھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے، بعد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان بھی ملتا ہے کہ وہ اپنے ان جذبات پر ندامت کیا کرتے تھے(۱)۔

(۱) صحیح البخاری میں صلح حدیبیہ کی تفصیلات پر بہت طویل حدیث موجود ہے، افادۂ عام کی خاطر متعلقہ واقعہ کا ترجمہ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

''عمرہ کیے بغیر جب واپسی کا حکم ہوا تو عام مسلمانوں پر ان کی واپسی شاق گذری حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا اور عرض کیا، یارسول اللہ! کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیوں نہیں''، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، کیا ہم حق پر؛ اور وہ باطل پر نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک''، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! پھر ہم یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اللہ کا رسول اور برحق نبی ہوں، اس کے حکم کے خلاف نہیں کرسکتا اور وہ میرا معین ومددگار ہے''، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے یہ کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے؟''، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نہیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تم بیت اللہ تک پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پھر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے بھی یہی پوچھا کہ اے ابوبکر! کیا یہ حقیقت نہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟ انہوں نے بھی فرمایا: کیوں نہیں؟!۔ میں نے پوچھا: کیا ہم حق پر نہیں؟ اور کیا ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں؟! میں نے پوچھا: پھر ہم دین کے معاملے میں کیوں دبیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جناب (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) بلاشک وشبہ =

۲۔دوسرا موقع وہ ہے کہ جب جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا،تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار لے کر کھڑے ہوگئے،انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا انکار کردیا اور اعلان کردیا کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے ہیں تو میں اس کا سر قلم کردوں گا،بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ویسا ہی سکتہ ہوگیا ہے جیسا موسی علیہ السلام کو ہوا تھا،اللہ تعالی آپ کو دوبارا پہلے کی طرح کردیں گے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کہنے والوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیں گے۔اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خاموش کرواکے منبر پر چڑھ گئے اور قرآن پاک کی یہ آیات تلاوت فرمائیں:﴿انك ميت وانهم ميتون﴾[الزمر:۳۰].﴿وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل، افئـن مـات او قتل انقلبتم على اعقٰبكم﴾[آل عمران:۱۴۴] یہ آیات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،کہ میں یہ آیات سن کر سکتے میں آگیا اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا پائیں گے اور میں زمین پر گر جاؤں گا(۱)۔

= اللہ تعالی کے رسول ہیں،وہ اپنے رب کے حکم سے انحراف نہیں کرسکتے اور ان کا رب ہی ان کا مددگار ہے،پس ان کی رسی مضبوطی سے پکڑلو،خدا گواہ ہے کہ وہ حق پر ہیں،میں نے کہا کہ کیا آپ(صلی اللہ علیہ وسلم)ہم سے یہ نہیں کہتے تھے کہ ہم عنقریب بیت اللہ پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟انہوں نے جواب دیا:یہ بھی صحیح ہے،لیکن کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا تھا کہ اسی سال آپ بیت اللہ پہنچ جائیں گے؟میں نے کہا:نہیں۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:پھر اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ آپ بیت اللہ پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے"۔

(صحيح البخاري، كتاب الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وكتابة الشروط، رقم الحديث: ۲۷۳۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:بعد میں اپنی اس گستاخی پر بہت نادم ہوا اور اس کے کفارہ میں بہت سی نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے اور صدقہ خیرات کی اور بہت سے غلام آزاد کیے"۔(سیرت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم،صلح حدیبیہ،شرائطِ صلح:۲/ ۳۴۶،۳۴۷)

(۱)صحیح البخاری میں اس واقعہ کی تفصیل پر بہت سے مقامات میں موجود ہے،افادۂ عام کی خاطر متعلقہ واقعہ کا ترجمہ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے کچھ کہہ رہے تھے،حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:اے عمر!بیٹھ جایئے،لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے =

۳۔ایک تیسرا موقع بھی ہے کہ آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے ساتھ قتال کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی، لیکن وہ اپنے فیصلے پر ثابت قدم رہے، اس پر بعد میں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کے دوررس اثرات سامنے آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں اُن کے سینے کو کھول دیا تھا اور میں نے پہچان لیا کہ وہ حق پر تھے(۱)۔

= بیٹھنے سے انکار کر دیا، اتنے میں لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے، آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل، افئن مات او قتل انقلبتم علی اعقٰبکم﴾ فرمایا: اما بعد! تم میں سے جو کوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ان کی وفات ہو چکی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو (اس کا معبود) اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اور اس پر کبھی موت طاری نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے: ''محمد صرف رسول ہیں، ان سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں...... الخ''............ زہری کا بیان ہے کہ مجھے سعید بن مسیّبؒ نے خبر دی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا گواہ ہے، مجھے اس وقت ہوش آیا جب میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس آیت کی تلاوت کرتے سنا، جب وقت میں نے انہیں تلاوت کرتے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے، تو میں سکتے میں آ گیا اور ایسا محسوس ہوا کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا پائیں گے اور میں زمین پر گر جاؤں گا۔

(صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب مرض النبي صلى الله عليه وسلم ووفاته، رقم الحديث: ٤٤٥٤)

(۱) صحیح البخاری میں اس واقعہ کی تفصیل موجود ہے، افادۂ عام کی خاطر متعلقہ واقعہ کا ترجمہ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، ادھر عرب کے بہت سے قبائل نے (خلافت کا اور زکوٰۃ وغیرہ کا) انکار شروع کر دیا تو (ان کے اس انکار پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان منکرین سے قتال کا قصد کیا اس پر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑتا رہوں جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت نہ دے دیں، اور جو شخص اس کی شہادت دے گا تو میری طرف سے اس کا مال و جان محفوظ ہو جائے گا، سوا اُس کے حق کے، اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوگا'' کی موجودگی میں کیسے ان سے جنگ کر سکتے ہیں؟ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا: اللہ کی قسم! میں ہر اس شخص سے قتال کروں گا جو زکوٰۃ اور نماز میں تفریق کریگا، کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، خدا کی قسم! اگر انہوں نے (زکوٰۃ میں) چار مہینے کے بچے کے دینے سے بھی انکار کیا جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے تو بھی میں ان سے لڑوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (بعد میں) فرمایا: بخدا! یہ بات اس کا نتیجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر عطا فرمایا تھا؛ اور بعد میں، میں بھی اسی نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی حق پر تھے۔

(صحيح البخاري، كتاب الزكوٰة، باب وجود الزكوٰة، رقم الحديث: ١٣٩٩)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر ایک اشکال اور اس کا جواب

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک اعتراض ذکر کیا ہے کہ کیا وجہ تھی کہ وہ شریعتِ محمدی علی صاحبہا الف الف تحیات پر اکتفاء نہیں کرتے تھے حالاں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کو ایک بار منع بھی کیا گیا جب وہ توریت کے کچھ اوراق لے کر آئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: "أمطها عنا يا عمر".

پھر ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس اعتراض کا جواب نقل کیا ہے۔ تتبع کتب سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ جواب درحقیقت علامہ خطابی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے(۱)۔

جس کی تسہیل ابن جوزی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن پاک کی دو روایات تھیں، ایک: ﴿إني جاعلك للناس إماما [البقرة: ١٢٤]﴾ اور دوسری: ﴿أن اتبع ملة إبراهيم [النحل: ١٢٣]﴾ پہلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پوری انسانیت کے لیے امام قرار دیا گیا اور دوسری آیت میں ملت ابراہیمی کی اقتداء کا حکم دیا گیا، تو انہوں نے اس بات سے جان لیا کہ دیگر انبیاء کرام سے ہٹ کر ان کو امام بنانا اور ان کی اقتدا کرنا مشروع ہے، پھر یہ بات بھی ان کے سامنے تھی کہ بیت اللہ کی نسبت بھی انہی کی طرف ہے کہ انہوں نے اس پاکیزہ گھر کی تعمیر کی، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس گھر کی طرف لوگوں کو بلایا، نیز! یہ بات بھی ان کے سامنے تھی کہ مقامِ ابراہیم، جو کہ ایک پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدمِ مبارک کا نشان بھی باقی ہے، یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص کوئی عمارت بنائے اور یادگار کے طور پر اپنا نام اس پر کنندہ کروالیتا ہے تاکہ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کا نام باقی رہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات آئی کہ اس مقام پر دو رکعت نماز ادا کی جائے یہ ایسے ہی ہوگا جیسے کسی تعمیر شدہ گھر کے پاس آنے والے شخص وہاں کنندہ اس بانی عمارت کا نام پڑھتا ہے۔ چنانچہ ان کی اس رائے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوگی، لیکن ایسا اتباع یا اتباع کی رائے حضرت

(۱) أعلام الحديث للخطابي: ١/٣٨٥

ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ کسی اور نبی کے بارے کے بارے میں نہیں ہوئی (۱)۔

فقلت يا رسول الله، لو اتخذنا من مقام إبراهيم مصلى، فنزلت: ﴿واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى﴾،

(ایک یہ کہ) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر ہم مقامِ ابراہیم کو مصلی (جائے نماز) بنالیں تو بہتر ہوگا، چناں چہ آیت مبارکہ ﴿واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى﴾ نازل ہوئی۔

قولہ: "لو اتخذنا" میں کلمہ "لو" کا جواب محذوف ہوگا، یعنی: "لكان خيراً"۔ یا پھر یہ کلمہ "لو"، تمنی کے لیے ہے۔ اس صورت میں جواب لو کی ضرورت نہیں (۲)۔

قوله: ﴿واتَّخِذُوا﴾ میں دو قراءتیں ہیں، ایک: ﴿واتَّخِذُوا﴾ [بكسر الخاء] یہ قراءت ابن کثیر، عاصم، ابو عمرو، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ سے منقول ہے اور دوسری قراءت: ﴿واتَّخَذُوا﴾ [بفتح الخاء] نافع اور

---

(۱) كشف المشكل من حديث الصحيحين لابن الجوزي، مسند عمر بن الخطاب، الحديث الرابع عشر: ۸۲/۱

ملاحظہ: اس اشکال وجواب کو علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ نے اپنی شرح البخاری "التوضيح لشرح الجامع الصحيح: (۴۱۱/۵، ۴۱۲)" میں علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کی نسبت سے ان الفاظ "فإن قلت: ما السر في أن عمر لم يقنع بما في شريعتنا حتى طلب الاستكان بملة إبراهيم، وقد نهاه الشارع عن مثل هذا حين أتى بأشياء من التوراة، فقال له: أمثلها منك يا عمر" میں ذکر کیا ہے، لیکن اس میں بظاہر کاتب کی غلطی سے دو مقامات میں سہو ہو گیا ہے؛ ایک: لفظِ "استكان" اور دوسرا شارع علیہ السلام کا قول "أمثلها منك يا عمر".

کیوں کہ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کی کتاب "كشف المشكل من حديث الصحيحين" میں اس اشکال وجواب کی جو عبارت ہے اس میں ایسا نہیں ہے، اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں: "فإن قيل: فما السر في أن عمر لم يقنع بما في شريعتنا حتى طلب الاستننان بملة إبراهيم، وقد نهاه رسول الله عن مثل هذا حين أتى بأشياء من التوراة، فقال: أمطها عنا يا عمر". (كشف المشكل من حديث الصحيحين لابن الجوزي، مسند عمر بن الخطاب، الحديث الرابع عشر: ۸۲/۱)

(۲) شرح الكرماني: ۶۶/۴، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۱۵۱/۳

ابن عامر رحمہما اللہ سے منقول ہے(۱)۔

وآية الحجاب، قلت: يا رسول الله! لو أمرت نسائك أن يحتجبن، فإنه يكلمهن البر والفاجر، فنزلت آية الحجاب،

دوسرا موقع حجاب کی آیت کا ہے، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر آپ ازواج مطہرات کو باپردہ رہنے کا حکم فرمادیں تو بہتر ہوگا، کیوں کہ ان سے بات چیت کرنے والوں میں اچھے اور بُرے سب طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ چناں چہ آیتِ حجاب نازل ہوگئی۔

قولہ:"وآية الحجاب" **کا عطف ماقبل میں مقدر عبارت**"اتخاذ المصلى في مقام إبراهيم" پر ہوگا جو کہ سیاقِ عبارت سے سمجھ آرہی ہے۔ لفظِ "آية" پر کسرہ پڑھنا زیادہ ظاہر ہے، اس صورت میں یہ لفظ عبارت کے لفظِ "ثلاث" سے بدل بن جائے گا(۲)۔

اس کے علاوہ اس لفظ کو مبتدا قرار دیتے ہوئے مرفوع پڑھنا بھی درست ہے(۳)۔ اس صورت میں خبر محذوف "كذلك" ہوگی(۴)۔

آیتِ حجاب کے مصداق میں اختلاف

علامہ کرمانی اور علامہ برماوی رحمہما اللہ کی تصریح کے مطابق آیتِ حجاب: ﴿يا أيها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن﴾ ہے(۵)۔

(۱)جامع البيان عن تأويل آي القرآن المعروف بـ تفسير الطبري، سورة البقرة، رقم الآية: ۱۲۵، ۵۲۲/۲
وقال الإمام الطبري رحمه الله: والصواب من القول والقراء ة في ذٰلك عندنا: ﴿واتَّخِذُوا﴾ بكسر الخاء على تأويل الأمر باتخاذ مقام إبراهيم مصلى. (أيضاً: ۵۲٤/۲)
الجامع لأحكام القرآن المعروف بـ تفسير القرطبي، سورة البقرة، رقم الآية: ۱۲۵، ۳۷۳/۲

(۲)شرح الكرماني: ٦٦/٤، ٦٧

(۳) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۱۵۱/۳ ، تحفة الباري: ۱۰۸/۲

(٤) ضياء الساري في مسالك أبواب البخاري: ۲۹۵/۵

(۵)شرح الكرماني: ٦٧/٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۱۵۱/۳

جب کہ علامہ کورانی رحمہ اللہ نے ان دو حضرات کی اس تعیین آیت کو بعض کا قول کہتے ہوئے سہو قرار دیا ہے اور آیتِ حجاب سے مراد سورہ احزاب کی ہی آیت نمبر:۵۳ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ، إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعاً فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَداً إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ عَظِيماً.﴾ قرار دیا ہے(۱)۔

واجتمع نساء النبي صلى الله عليه وسلم في الغيرة عليه، فقلت لهن: عسى ربه إن طلقكن أن يبدله أزواجاً خيراً منكن، فنزلت هذه الآية.

تیسرا موقع یہ ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات آپ کی خدمت میں رشک وغیرت کے جذبات کی بنا پر جمع ہوئیں تو میں نے زجراً ان سے کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوکر تم سب کو طلاق دے دیں تو کچھ عجب نہیں کہ آپ کا پروردگار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرمادے، چناں چہ! اسی مضمون کی آیت نازل ہوگئی۔

اس آیت کے نزول کا پسِ منظر تفصیلاً کتاب التفسیر کی سورۃ التحریم میں آئے گا (۲)۔

"فنزلت آية الحجاب" حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ روایت گذر چکی ہے باب: خروج النساء إلى البراز کے اندر کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نکلیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے پہچان لیا کہ "سودہ" ہیں۔ اس وقت آیتِ حجاب نازل ہوئی (۳)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غیرت کس بات پر آئی؟

"واجتمع نساء النبي صلى الله عليه وسلم في الغيرة عليه" غیرت یا تو اس بات کی تھی کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے وطی فرمائی یا اس واسطے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں عسل پیا، یہ پورا واقعہ

(۱) الكوثر الجاري للكوراني: ۹٦/۲

(۲) شرح الكرماني: ٦۷/٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۱۵۱/۳

(۳) تقرير بخاري شريف: ۱٤۸/۲

اپنی جگہ پر آئے گا وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ فرمایا، اس پر ان کی بیوی نے ان کو ٹوک دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو کون ہوتی ہے بولنے والی؟ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار کی عورتیں تو ہمیشہ اپنے شوہروں کے ساتھ بلا تکلف دو بدو گفتگو کرتی تھیں اور نساءِ قریش بالکل چپ، بہت زیادہ اپنے خاوندوں کے سامنے پست رہتی تھیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے جب مدینہ آئے تو انصار کی عورتوں سے قریش کی عورتوں نے ان کی عادات واطوار سیکھ لیے، خربوزہ خربوزہ سے رنگ پکڑتا ہی ہے، بیوی نے عرض کیا، اپنی بیٹی کو نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح جواب دیتی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا آئندہ ہرگز ایسا مت کرنا اور اپنی سوکن کی ریس مت کرنا، وہ اپنے حسن کی وجہ سے لاڈلی ہے، اگر تجھے کوئی ضرورت ہو تو مجھ سے کہنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتی ہو، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ عمر! [تم] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے بارے میں ہر بات میں ٹانگ اڑاتے ہو۔ غرض! واقعۂ عسل یا واقعہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا پیش آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشربہ میں قیام فرمایا(۱)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ کرمانی اور علامہ برماوی رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث ترجمۃ الباب کے جزءِ اول پر دلالت کرتی ہے اور آگے والی حدیث ترجمۃ الباب کے جزءِ اخیر پر دلالت کرتی ہے، دلالت اس طور پر ہوگی کہ مقام ابراہیمی کے مصداق کے بارے میں علماء مختلف ہیں، تو جو علماء مقامِ ابراہیمی سے مراد کعبہ لیتے ہیں، ان کے نزدیک تو مطابقت ودلالت واضح ہے اور جو علماء مقامِ ابراہیمی سے مراد ''پورا حرم'' لیتے ہیں ان کے نزدیک ''مِن مقام إبراهيم مصلى'' کا کلمہ ''مِن'' ''تبعیضیہ ہوگا۔ (گویا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چاہت ظاہر کی کہ یا رسول اللہ! میرا دل چاہتا ہے کہ مقامِ ابراہیم یعنی: پورے حرم کا کچھ حصہ قبلہ بن جائے۔)

اور ''مصلى'' سے مراد قبلہ یا اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی جگہ ہوگا۔ یا پھر ترجمۃ الباب سے مراد ''ما جاء في القبلة وما يتعلق بها'' لے لیا جائے اور یہ ہی زیادہ ظاہر ہے، اس لیے کہ متبادر الی الفہم

(۱) تقرير بخاري شريف: ۲/۱۴۸، ۱۴۹

''مقام'' سے وہ پتھر ہوتا ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے اور اس کے نصب ہونے کی جگہ مشہور ومعروف ہے(۱)۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا کہ اگر اس پتھر کو نمازی قبلہ اور اپنے درمیان کرلے، جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر تعمیر کی اور نماز ادا کرے تو کیسا ہے؟ تو اس دریافت کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذکورہ آیتِ مبارکہ نازل ہوگئی تھی (۲)۔

ابن رجب الحنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا اس کا مقصد یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول: ﴿واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى﴾ کی تفسیر بیت اللہ یعنی: کعبہ (جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا) کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے سے کی ہے (۳)۔

بعض شراح کا کہنا ہے کہ زیادہ مناسب یہ تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو ماقبل کے باب میں ذکر کرتے، تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ ایسا کہنا درست نہیں ہے اس لیے کہ وہاں حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما میں مقام ابراہیم کو مصلی بنا لینے کی تصریح تھی، جبکہ یہاں حدیثِ عمر رضی اللہ عنہ میں اس کی تصریح نہیں ہے (۴)۔

تعلیق

(۳۹٤) : حدّثنا ٱبْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ : أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ قَالَ : حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا بِهٰذَا . [٤٢١٣ ، ٤٥١٢ ، ٤٦٣٢]

''أبوعبداللہ'' سے مراد امام بخاری رحمہ اللہ خود ہیں، انہوں نے اس تعلیق کو اس مقام پر اور کتاب التفسیر

---

(۱)شرح الكرماني: ٦٧/٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ١٥١/٣ ، تحفة الباري: ١٠٩/٢

(۲)أعلام الحديث للخطابي: ٣٨٥/١

(۳)فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ٩٨/٣، ٩٩

(٤)فتح الباري لابن حجر: ٦٥٤/١، ٦٥٥، ضياء الساري في مسالك أبواب البخاري: ٢٩٥/٥

میں تعلیقاً ذکر کیا ہے، اس تعلیق سے مقصود صرف یہ ہے کہ اس تعلیق میں حمید راوی کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح ہے، جس سے تدلیس سے امن حاصل ہو جاتا ہے۔ جب کہ ماقبل روایت میں عنعنہ تھا، یعنی: "عن حمید عن أنس" سے روایت مذکور تھی اور یہاں "حدثني حمید قال: سمعت أنساً" ہے(۱)۔

"بهٰذا" سے مراد "بالحدیث المذکور سنداً ومتناً" ہے۔

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

حدیثِ باب: دوسری حدیث

۳۹۵ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ : أَخْبَرَنَا مالِكُ بْنُ أَنَسٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ دِينَارٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ : (۲) بَيْنَا ٱلنَّاسُ بِقُبَاءٍ فِي صَلَاةِ ٱلصُّبْحِ ، إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ : إِنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ ٱللَّيْلَةَ قُرْآنٌ ، وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ ٱلْكَعْبَةَ ، فَاسْتَقْبِلُوهَا ، وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى ٱلشَّامِ ، فَاسْتَدَارُوا إِلَى ٱلْكَعْبَةِ .

[٤٢١٨ ، ٤٢٢٠ ، ٤٢٢١ ، ٤٢٢٣ ، ٤٢٢٤ ، ٦٨٢٤]

---

(۱)فتح الباري، ١/٥٢٠، عمدة القاري: ٤/ ٢٠٥

(۲) أخرجه البخاري أيضاً في التفسير، سورة البقرة، باب قول الله تعالىٰ ﴿وما جعلنا القبلة التي كنت عليها إلا لنعلم من يتبع الرسول﴾، رقم الحديث: ٤٤٨٨. وباب: ﴿ولئن أتيتَ الذين أوتوا الكتاب بكل آية ما تبعوا قبلتك﴾، رقم الحديث: ٤٤٩٠. وباب: ﴿الذين آتيناهم الكتاب يعرفونه كما يعرفون ابناء هم﴾، رقم الحديث: ٤٤٩١. وباب: ﴿ومن حيث خرجت فول وجهك شطر المسجد الحرام﴾، رقم الحديث: ٤٤٩٣. وباب: ﴿ومن حيث خرجت فول وجهك شطر المسجد الحرام، وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره﴾، رقم الحديث: ٤٤٩٤. وفي اخبار الآحاد، باب ما جاء في إجازة خبر الواحد الصدوق، رقم الحديث: ٧٢٥١.

ورواه مسلم في صحيحه، في المساجد، باب: تحويل القبلة، رقم الحديث: ٥٢٦.

ورواه الترمذي في جامعه، في الصلاة، باب: ما جاء في ابتداء القبلة، رقم الحديث: ٣٤١.

ورواه النسائي في سننه، في القبلة، باب: استبانة الخطأ بعد الاجتهاد، رقم الحديث: ٤٩٤.

وفي جامع الأصول، حرف التاء، الكتاب الأول: في تفسير القرآن وأسباب نزوله، سورة البقرة، =

ترجمہ حدیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم لوگ قبا میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا، اس نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گذشتہ رات قرآن کی آیات نازل ہوئی ہیں اور انہیں کعبہ کی جانب (نماز میں رُخ) کرنے کا حکم ہوا ہے۔ لہٰذا تم بھی قبلہ رُو ہو جاؤ۔ اس وقت وہ (ملک) شام کی جانب رُخ کیے ہوئے تھے، اس لیے وہ کعبہ کی جانب مڑ گئے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل چار رجال ہیں:

ا۔ عبداللہ بن یوسف

یہ ''عبداللہ بن یوسف تنیسی دمشقی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا مختصر تذکرہ کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثاني، اور تفصیلی تذکرہ کتاب العلم،

= رقم الحدیث: ۲۷۹، ۱۴/۲

علامہ ابن ملقن رحمہ اللہ نے التوضیح میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث صحیح البخاری کی ''کتاب الصلاۃ'' میں ہی دو اور جگہ بھی آئے گی اور ''کتاب التفسیر'' میں چار بار آئے گی''، ملاحظہ ہو:

والکلام علیه من أوجه: أحدها: هذا الحدیث سیأتي إن شاء الله في الصلاة في موضعین، وفي التفسیر في أربعة مواضع، وفي خبر الواحد، وقد سلف في الإیمان من حدیث البراء. (التوضیح لابن الملقن: ۴۱۳/۵، ۴۱۴)

جب کہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ سے اس بارے میں سہو ہو گیا ہے، کیونکہ یہ حدیث ''کتاب الصلاۃ'' میں صرف ایک ہی مقام پر اور ''کتاب التفسیر'' میں پانچ مقام میں آئی ہے۔

باب: لیبلغ العلم الشاهد الغائب، کے تحت گذر چکا ہے(۱)۔

۲۔ مالک بن انس

یہ "مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر المدنی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا مختصر ذکر کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثاني، اور تفصیلی تذکرہ کتاب الایمان، باب: من الدين؛ الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکا ہے(۲)۔

۳۔ عبداللہ بن دینار

یہ "ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن دینار قرشی عدوی مدنی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا مختصر تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: أمور الإيمان، اور تفصیلی تذکرہ کتاب العلم، باب: قول المحدث: حدثنا وأخبرنا وأنبأنا، کے تحت گذر چکا ہے(۳)۔

۴۔ عبداللہ بن عمر

یہ مشہور صحابی حضرت "عمر فاروق" رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت "عبداللہ بن عمر" رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: الإيمان وقول النبي صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

شرح حدیث

قال: بينا الناس بقباء في صلاة الصبح،

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم لوگ قبا میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔

"بينا" یہ کلمہ بعض دیگر نسخوں میں میم کے ساتھ یعنی: "بينما" ہے، مطلب اس کا "بين أوقات كذا"

---

(۱) کشف الباری: ۱/۲۸۹، ٤/۱۱۳.

(۲) کشف الباری: ۱/۲۹۰، ۲/۸۰.

(۳) کشف الباری: ۱/٦٥٨، ۳/۱۲٥.

(٤) کشف الباری: ۱/٦۳۷.

ہے، یعنی: ان اوقات کے درمیان کہ لوگ قباء میں...... الخ(۱)۔

کلمہ "بینا" صیغۂ ظرف ہے، مفاجأ ۃ کے معنی میں، اس کا استعمال جملے کی طرف اضافت کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ اپنی معنوی تمامیت کے لیے جواب کا بھی محتاج ہوتا ہے، چنانچہ اس مقام پر اس کلمے کی اضافت مبتدا وخبر (الناس بقباء في صلاة الصبح) کی طرف ہے، لہٰذا مضاف اور مضاف الیہ ملنے کے بعد اس کا جواب آنے والا جملہ (إذ جاء هم آتٍ) ہوگا (۲)۔

"الــنــاس" میں الف لام عہدی ذہنی کا ہے، مراد اہل قباء اور وہ افراد ہیں جو اس وقت وہاں حاضر تھے (۳)۔

"قبــــاء" صحیح مشہور قول کے مطابق یہ کلمہ مدّ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، جب کہ مدّ کے علاوہ قصر کے ساتھ، مذکر بھی، مؤنث بھی، منصرف بھی اور غیر منصرف بھی مستعمل ہے۔ یہ مدینہ کے قریب، مدینہ کے عوالی میں ایک جگہ کا نام ہے (۴)۔ اور مراد اس سے "مسجدِ قباء" ہے (۵)۔

قبلہ کی تبدیلی کا حکم کس نماز میں ہوا؟

"صلاة الصبح" اس حدیث میں صبح کے وقت کا ذکر ہے جبکہ ماقبل میں باب: "التوجه نحو القبله" میں عصر کے وقت کا ذکر ہے تو ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے، تطبیق ممکن ہے، وہ اس طرح کہ جو شخص مدینہ میں رہنے والا تھا اس تک خبر عصر کے وقت ہی پہنچ گئی تھی اور جو مدینہ سے باہر (مثلاً: قباء وغیرہ میں) رہنے والے تھے اس تک خبر اگلے دن صبح فجر کی نماز میں پہنچی ہوگی (۶)۔

إذ جـاء هـم آتٍ، فـقـال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد أنزل عليه الليلة قرآن،

(۱) التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤١٤

(۲) عمدة القاري: ٢١٩/٤

(۳) فتح الباري: ٦٥٥/١، عمدة القاري: ٢١٩/٤

(٤) شرح الكرماني: ٤/ ٦٨، التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤١٤ ، عمدة القاري: ٢١٩/٤

(٥) فتح الباري: ٦٥٥/١

(٦) شرح الكرماني: ٤/ ٦٨، اس موضوع پر تفصیلی کلام کشف الباری: ۳۹۲/۲-۳۹۴، میں گذر چکا ہے۔

کہ اتنے میں ایک شخص آیا، اس نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گذشتہ رات قرآن کی آیات نازل ہوئی ہیں۔

آنے والا کون تھا؟

"إذ جاء هم آتٍ" یہ آنے والا کون تھا؟ اس بارے میں علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس کا نام ''عبَّاد بن ابی بِشر'' تھا(۱)۔

جب کہ علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ نے تین نام ذکر کیے ہیں کہ ان تین میں سے کوئی ایک تھا: عباد بن نھیک، عباد بن ابن بسر اور عباد بن ابن وھب (۲)۔

"أنزل عليه الليلة" اس میں لفظ "الليلة" مطلق ہے، جس سے مراد گذرا ہوا دن اور اس کے ساتھ متصل رات ہے (۳)۔

"قرآنٌ" سے مراد مکمل قرآن کا نزول نہیں ہے، بلکہ بعض قرآن کا نزول مراد ہے، کیونکہ اس پر تنوین تبعیض کی ہے، یعنی قرآن کی کچھ آیات نازل ہوئی ہیں (۴)۔ اور ان آیات سے مراد: ﴿قد نرى تقلب وجهك في السماء .... إلخ﴾ والی آیات ہیں (۵)۔

وقد أمر أن يستقبل الكعبة، فاستقبلوها،

اور انہیں کعبہ کی جانب (نماز میں رُخ) کرنے کا حکم ہوا ہے۔ لہٰذا تم بھی قبلہ رُو ہو جاؤ۔

''وقد أُمِر '' جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا (۶)۔ اسی کے اندر یہ امر موجود ہے کہ آپ

(۱) شرح الكرماني: ٤/ ٦٨ ، عمدة القاري: ٢١٩/٤

(٢) التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤١٤ ، الإعلام بفوائد عمدة الأحكام لابن الملقن: ٤٨٩/٢

(٣) فتح الباري: ٦٥٥/١، عمدة القاري: ٢١٩/٤

(٤) شرح الكرماني: ٤/ ٦٨ ، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ١٥٢/٣، فتح الباري: ٦٥٥/١

(٥) عمدة القاري: ٢١٩/٤

(٦) عمدة القاري: ٢١٩/٤

صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے آپ کی امت کو بھی یہ حکم دیا گیا، اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا بھی اُسی طرح ضروری ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی پیروی کرنا، تاوقتیکہ کہ اس فعلِ نبوی کے بارے میں کوئی قرینہ قائم ہو جائے کہ یہ فعل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی خاص ہے(۱)۔

"فاستقبِلوها" اس کلمے میں دو احتمال ہیں: پہلا احتمال یہ ہے کہ یہ امر کا صیغہ ہو(ترجمہ حدیث میں اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے)اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ فعل ماضی ہو، اس صورت میں یہ جملہ خبر کے لیے ہوگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز میں اپنا رُخ قبلہ کی جانب کرلیا ہے(۲)۔

ابن الملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسے امر کا صیغہ پڑھنا ماضی کا صیغہ پڑھنے سے زیادہ بہتر اور مشہور ہے، ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے بخاری کے اکثر رواۃ اسی پر ہیں(۳)۔

وكانت وجوههم إلى الشام، فاستداروا إلى الكعبة.

اس وقت وہ (ملک) شام کی جانب رُخ کیے ہوئے تھے، اس لیے وہ کعبہ کی جانب مڑ گئے۔

مذکورہ دونوں جملے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہیں نہ کہ اس خبر دینے والے آدمی کے(۴)۔

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ کرمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے پہلے جزء کے ساتھ مطابقت تو "فاستقبِلوها" امر کے صیغے میں ہے اور دوسرے جزء پر دلالت اس جہت سے ہے کہ نماز کی ابتداء ان لوگوں نے

(۱) فتح الباري: ۱/۶۵۵

(۲) شرح الكرماني: ٤/ ٦٨

(۳) التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤١٤، جب کہ علامہ دمامینی رحمہ اللہ نے اس کے برعکس ذکر کیا ہے کہ جمہور رواۃ کے مطابق یہ ماضی کا صیغہ ہے اور أصيلي کی روایت میں "امر" کا صیغہ ہے، ملاحظہ ہو: المصابيح الجامع للدماميني: ۱۱۵/۲، واللہ اعلم بالصواب

(٤) شرح الكرماني: ٤/ ٦٨، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ۱۵۳/۳، عمدة القاري: ۲۱۹/٤

ایسے قبلے کی طرف رُخ کر کے کی تھی جو منسوخ ہو چکا تھا، جس کا علم ان کو نہیں تھا، چنانچہ وہ بھولنے والے کی مثل ہوئے، پھر اعلان کرنے والے کا اعلان سن کر انہیں درست قبلہ کا علم ہوا، اس کے بعد نماز میں ہی انہوں نے اپنا رُخ موڑا، تو جو نماز ان کی غیرِ قبلہ کی جانب ہوئی اس نماز کے اعادہ کا انہیں حکم نہیں کیا گیا۔ اور یہی بات ترجمۃ الباب کے دوسرے جزء میں مذکور ہے(۱)۔

ابن الملقن رحمہ اللہ نے محض اتنی بات فرمائی ہے کہ اس حدیث کے مطابق انحراف قبلہ کی صورت میں بھی نماز کے اعادے کا حکم نہ دیا جانا ایسے ہی ہے جیسے "مجتهد في القبلة" کہ اس پر بھی اعادۂ صلاۃ لازم نہیں ہے(۲)۔

حدیثِ مبارکہ سے مستنبط شدہ فوائد واحکام

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سارے احکام مستنبط ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے آپ کی امت کو بھی یہ حکم دیا گیا، اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا بھی اُسی طرح ضروری ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی پیروی کرنا، تاوقتیکہ کہ اس فعلِ نبوی کے بارے میں کوئی قرینہ قائم ہو جائے کہ یہ فعل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی خاص ہے(۳)۔

۲۔ افعالِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے میں اس عمل کے وجوب پر دلیل قائم ہو تو اس فعل کی اتباع واجب ہوگی، بصورت دیگر دلیل کے قیام پر پیروی کا حکم متعین ہوگا(۴)۔

۳۔ اس حدیث سے خبرِ واحد کے مقبول ہونے کا علم ہوتا ہے(۵)۔

(۱)شرح الكرماني: ٤/ ٦٨

(۲)التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤١٤، المصابيح الجامع للدماميني: ١١٥/٢، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح للبرماوي: ١٥١/٣، فتح الباري: ٦٥٥/١، عمدة القاري: ٢١٨/٤

(۳)فتح الباري: ٦٥٥/١، عمدة القاري: ٢٢٠/٤

(٤)عمدة القاري: ٢٢٠

(٥)عمدة القاري: ٢٢٠، الإعلام بفوائد عمدة الأحكام لابن الملقن: ٤٩٨/٢

۴۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازی شخص اگر غیر نمازی کا کلام سن لے تو یہ اس کے لیے مضر نہیں ہے(۱)۔

۵۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن افراد تک کوئی حکمِ دن نہ پہنچا ہو تو ان سے اس حکم کی باز پرس نہیں ہوگی، جب تک وہ حکمِ دین ان تک نہ پہنچ جائے(۲)۔

۶۔ اس حدیث سے احکام کے نسخ کے جواز کا بھی علم ہوتا ہے(۳)۔

۷۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "الـلـيـلـة" کا اطلاق گذشتہ رات پر تو ٹھیک ہے، لیکن آنے والے رات پر ٹھیک نہیں(۴)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیثِ باب: تیسری حدیث

۳۹۶ : حدّثنا مُسَدَّدٌ قَالَ : حَدَّثنا يَحْيَى ، عَنْ شُعْبَةَ ، عَنِ ٱلْحَكَمِ ، عَنْ إِبْراهِيمَ ، عَنْ عَلْقَمَةَ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ قَالَ :(۵) صَلَّى ٱلنَّبِيُّ ﷺ ٱلظُّهْرَ خَمْسًا ، فَقَالُوا : أَزِيدَ فِي ٱلصَّلَاةِ ؟ قَالَ : (وَمَا ذَاكَ) . قَالُوا : صَلَّيْتَ خَمْسًا ، فَثَنَى رِجْلَيْهِ ، وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ . [ر : ۳۹۲]

ترجمہ حدیث

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی اور پانچ رکعتیں پڑھیں، تو لوگوں نے عرض کیا: کیا نماز میں کسی زیادتی کا حکم کیا گیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا

---

(۱) عمدة القاري: ۲۲۰

(۲) الإعلام بفوائد عمدة الأحكام لابن الملقن: ۲/۴۹۹، عمدة القاري: ۲۲۰، واضح رہے کہ یہ امر دار السلام میں آزاد عاقل بالغ کے لیے نہیں ہے، بلکہ ان کے لیے تو از خود بلوغت سے قبل ہی، یا بلوغت کے بعد متصل ہی احکامات دینیہ کا سیکھنا ضروری ہے، ان کا ایسا عذر کہ ہم تک تو ایسا حکم پہنچا ہی نہیں، عند اللہ مسموع نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

(۳) الإعلام بفوائد عمدة الأحكام لابن الملقن: ۲/۴۹۷

(۴) الإعلام بفوائد عمدة الأحكام لابن الملقن: ۲/۵۰۱

(۵) مرّ تخريجه رقم الحديث: ۳۹۲

مطلب؟ لوگوں نے عرض کیا: آپ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں سمیٹ لیے اور دو سجدے ادا کیے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث کی سند میں کل سات رجال ہیں:

۱۔مسدد

یہ ''مسدد بن مسرہد بن مسربل بن مرعبل الاسدی البصری'' رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔اور بعض کے نزدیک ان کا نام ''عبدالملک بن عبدالعزیز'' ہے۔

ان کے مختصر حالات کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أب يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت اور تفصیلی حالات کتاب العلم، باب: من خص بالعلم قوما دون قوم كراهية أن لا يفهموا ، کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔یحیی

یہ ''یحی بن سعید بن فروخ القطان تمیمی'' رحمہ اللہ ہیں، ان کی کنیت ''ابوسعید'' ہے۔

ان کے مختصر حالات کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔شعبہ

یہ امیر المؤمنین ''شعبہ بن الحجاج واسطی بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

---

(۱) کشف الباری: ۲/۲، ۵۸۸/٤

(۲) کشف الباری: ۲/۲

(۳) کشف الباری: ٦٧٨/١

۴۔حکم

یہ ''حکم بن عتیبہ الکندی الکوفی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: السمر في العلم، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۵۔ابراہیم

یہ ''ابوعمران ابراہیم بن یزید النخعی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: ظلم دون ظلم، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۶۔علقمہ

یہ ''علقمہ بن قیس بن عبداللہ النخعی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: ظلم دون ظلم، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۷۔عبداللہ

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ'' ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: ظلم دون ظلم، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

شرحِ حدیث

مذکورہ حدیث کی مکمل شرح ماقبل میں باب: "التوجه نحو القبلة حيث كان" میں حدیث نمبر:۴۰۱ کے تحت گذر چکی ہے۔اس باب میں اسی سابقہ حدیث کے کچھ ٹکڑے کو ذکر کرنے سے مقصود محض یہ بتانا یا واضح کرنا ہے کہ غلطی سے سلام پھیرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف سے مڑ کے لوگوں کی طرف رُخ کر کے بیٹھ گئے، سہو پر تنبہ ہو جانے کے بعد واپس قبلہ کی جانب مڑے اور سجدہ سہو کر لیا، اگر قبلہ سے مڑنے کی وجہ

(۱) كشف الباری: ٤/٤١٤

(۲) كشف الباری: ٢/٢٥٣

(۳) كشف الباری: ٢/٢٥٦

(٤) كشف الباری: ٢/٢٥٧

سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے نکل چکے ہوتے تو محض سجدہ سہو پر اکتفاء نہ کرتے بلکہ نماز کا اعادہ کرتے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا، لہٰذا اس سے ظاہر ہوا کہ خطأ قبلہ سے پھر جانا اعادہ نماز کو واجب نہیں کرتا(۱)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض سجدہ سہو کر لیا، نماز کا اعادہ نہیں کیا۔ اور یہی چیز ترجمۃ الباب میں مذکور ہے(۲)۔

(۱)عمدة القاري: ٤/٢٢٠

(۲)عمدة القاري: ٤/٢٢٠

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۱ - أبوابُ المساجد

ماقبل سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احکام قبلہ کے بعد اب ابواب مساجد کے درمیان مناسبت واضح ہے، اس باب سے لے کر باب سترۃ الامام تک سب ابواب کا تعلق مساجد سے ہی ہے(۱)۔

۱ - باب : حَكِّ ٱلْبُزَاقِ بِالْيَدِ مِنَ ٱلْمَسْجِدِ .

یہ باب مسجد میں پڑے ہوئے تھوک یا بلغم کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرنے کے بیان میں ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

چونکہ قبلہ کا ذکر ہو رہا تھا تو امام بخاری رحمہ اللہ نے پچپن ابواب مساجد کے متعلق [از باب: حك البزاق باليد من السجد تا باب: المساجد على طرق المدينة] منعقد فرمائے ہیں اور سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مساجد کے بارے میں تشدیدات ووعیدات کثرت سے وارد ہوئی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ کوئی شخص مسجد میں انشادِ ضالہ کر رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا ردها الله عليك" اور کنز العمال میں مساجد کے آداب میں ایسی روایات ذکر کی گئی ہیں، جن کا تقاضا یہ ہے کہ مساجد میں کسی قسم کا کلام نہ کرے، صرف تلاوت، قرآن، ذکر اللہ اور نماز پڑھے، چنانچہ! ایک روایت میں ہے کہ مسجد میں ضحک قبر کے اندر ظلمت کا سبب ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں دو آدمیوں کو زور سے بات کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اگر تم یہاں کے باشندے ہوتے تو تمہاری پٹائی کرتا۔ تو امام بخاری رحمہ اللہ نے ابواب المساجد منعقد فرمائے ہیں، اور

(۱) عمدة القاري: ٤/ ٢٢٠

اس کے اندر دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں: ایک تو وہ جو امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک آداب میں ہیں، ان کو ثابت فرمادیا، جیسے: حكِ بزاق۔ اور دوسرے ان چیزوں کا استثناء فرمادیا، جن کا مسجد میں کرلینا جائز ہے، گویا ان کے عموم کو مقید فرمادیا، جیسے: من دعی إلی الطعام في المسجد۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں "ید" کی قید لگائی ہے، "ید" کا ذکر صرف ایک روایت میں ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ترجمہ کے اندر تعمیم ہے، بالید اور بغیرہ، "ید" قیدِ احترازی نہیں ہے اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے "بالید" کی قید سے "تولی بنفسه" کی طرف اشارہ فرمادیا کہ خود کرنا چاہیے، اب چاہے ہاتھ سے دور کرے یا کسی اور چیز سے۔

اور حضرت شاہ [ولی اللہ] صاحب رحمہ اللہ کی رائے مبارک اپنے تراجم میں یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد بسا اوقات ابواب نہیں ہوتے، بلکہ روایات ہوتی ہیں۔ چنانچہ! یہاں پر بھی غرضِ ابواب نہیں ہیں، بلکہ روایات ہیں اور باب الفاظِ روایات کا لحاظ کرتے ہوئے تفنن کے طور پر باندھ دیا، ورنہ دونوں باب (باب البزاق اور باب المخاط) کی غرض ایک ہی ہے اور وہ ہے ازالہ۔

اور میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے دو باب باندھ کر بزاق ومخاط کے اندر تفریق فرمادی کہ بزاق میں تو ''ید'' کافی ہوجائے گا کیونکہ اس کے اندر لزوجت نہیں ہوتی اور مخاط میں "ید" کافی نہیں ہوگا، بلکہ اس کے لیے حصی وغیرہ کی ضرورت ہوگی، کیونکہ اس میں لزوجت ہوتی ہے(۱)۔

(۱) تقرير بخاري شريف: ۲/ ۱٤۹، ۱٥۰، الكنز المتواري: ٤/ ۹۷

''سراج القاری'' میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی ایک اور تقریر منقول ہے، "حك البزاق باليد" کی تشریح میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس باب کے تحت حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے تین روایات نقل فرمائی ہیں؛ لیکن ''ید'' کا ذکر صرف پہلی روایت میں ہے، حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: "أي سواء كان؛ بآلة أم لا" مطلب یہ ہے کہ ''ید'' کی قید؛ قید احترازی نہیں ہے؛ بلکہ ترجمہ کے اندر تعمیم ہے، خواہ ہاتھ سے ہو یا کسی آلہ سے، مقصد اس گندگی کو خانہ خدا سے دور کرنا ہے۔

صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مسجد میں تشریف لائے اور آپ کے دستِ مبارک میں ''عرجون'' (کھجور کے گچھے کی جڑ؛ جو ٹیڑھی ہوتی ہے اور گچھے کو کاٹنے پر درخت پر خشک ہوکر باقی رہتی ہے) ابن طاب تھا، اتنے میں آپ کی نظر مسجد میں قبلہ کی جانب پڑے ہوئے بلغم کے اوپر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم =

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی رائے

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حك البزاق باليد" کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ا۔بعضوں نے کہا ہے کہ "باليد"، "بالعصا ونحوه" کے مقابلہ میں ہے، یعنی: لکڑی وغیرہ سے نہیں، بلکہ بلاواسطہ ہاتھ سے اس کا ازالہ کرے۔

۲۔بعضوں نے کہا کہ "باليد"، "بالغير" کے مقابلہ میں ہے، یعنی: خود ہی اپنے ہاتھ سے اس کو زائل کرے، دوسرے کو حکم نہ کرے(۱)۔

علامہ ابن رجب الحنبلی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ ابن رجب الحنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام بخاری رحمہ اللہ کی اس تبویب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود اور بغیر حائل کے اپنے دستِ مبارک سے اس بلغم کو صاف کیا، اس پر دلیل یہ ہے کہ اس باب کے بعد والا باب "حك المخاط بالحصى من المسجد" کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے، یعنی: آنے والے باب میں "بالحصى" کی قید اور اس باب میں 'باليد" کی قید احترازی ہے نہ کہ واقعی''(۲)۔

حدیثِ باب: پہلی حدیث

۳۹۷ : حدّثنا قُتَيْبَةُ قَالَ : حَدَّثنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ ، عَنْ حُمَيْدٍ ، عَنْ أَنَسٍ(۳): أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ رَأَى نُخَامَةً فِي ٱلْقِبْلَةِ ، فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَيْهِ ، حَتَّى رُئِيَ فِي وَجْهِهِ ، فَقَامَ فَحَكَّهُ بِيَدِهِ ، فَقَالَ :

= نے اسے عرجون کے ذریعہ صاف کیا، اس کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوکر فرمایا: "أيكم يحب أن يعرض الله عنه بوجهه، ثم قال: إن أحدكم إذا قام يصلي؛ فإن الله قبل وجهه، فلا يبصقن قبل وجهه، ولا عن يمين، وليبزق عن يساره تحت رجله اليسرى، فإن عجلت به بادرة، فليقل بثوبه هكذا، ووضعه على فيه ثم دلكه، الحديث۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں جو لکڑی تھی اس کی مدد سے آپ نے اس بلغم کو صاف کیا''۔(سراج القاری:۲/ ۴۴۸،۴۴۹)

(۱)فضل الباري: ۳/ ۱۱٦

(۲)فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۳/ ۱۰۸

(۳) مرّ تخريجه في كتاب الوضوء، باب: البصاق والمخاط ونحوه في الثوب، رقم الحديث: ۲۴۱

(إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهِ ، فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ ، أَوْ ، إِنَّ رَبَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ ، فَلَا يَبْزُقَنَّ أَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهِ ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمَيْهِ) . ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ ، فَبَصَقَ فِيهِ ، ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ ، فَقَالَ : (أَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا) .

ترجمہ حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار میں بلغم لگا ہوا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات بہت ناگوار گذری یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر اس کا اثر نمایاں ہونے لگا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوئے اور اسے اپنے دستِ مبارک سے کھرچ ڈالا، پھر فرمایا: تم میں سے جب کوئی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے، اور فرمایا: گویا کہ بے شک اس کا رب؛ اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے، اس لیے کوئی شخص اپنے قبلہ کی جانب ہرگز نہ تھوکے، ہاں اپنی بائیں جانب یا اپنے پیر کے نیچے تھوکنے کی گنجائش ہے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کا کنارہ پکڑا اور اس میں تھوک کر مَل دیا اور فرمایا: یا اس طرح کرے۔

تراجمِ رجال

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کے تمام رجال کا ذکر ماقبل میں گذر چکا ہے:(۱)

شرحِ حدیث

أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى نخامةً في القبلة، فشق ذٰلك عليه،

ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار میں بلغم لگا ہوا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات بہت ناگوار گذری۔

(۱) مذکورہ حدیث مبارکہ کی مکمل سند کتاب الایمان، باب: خوف المؤمن أن يحبط عمله میں گذر چکی ہے، رجال کے احوال کے لیے ملاحظہ ہو، کشف الباری: ۲/۵۷۱

"نُخامةً": ابن اثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ نخامہ وہ بلغم ہوتا ہے جو حلق کی انتہاء اور خاءِ معجمہ کے مخرج سے نکلتا ہو(۱)۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے بھی یہی ذکر کیا ہے(۲)۔

لیکن کچھ یاد پڑتا ہے کہ ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے اس کا رد کیا ہے(۳)۔

اور "مُغرِب" میں لکھا ہے: وہ بلغم جو ناک سینکتے وقت بانسہ ناک سے نکلے(۴)۔

اس بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "نخامہ" کے بارے میں کہا گیا کہ اس سے مراد وہ بلغم ہے جو سینے سے نکلے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر یہ لفظ عین کے ساتھ ہو، یعنی: "نخاعة" تو اس سے مراد سینے سے نکلنے والی بلغم ہے اور اگر یہ لفظ "میم" کے ساتھ ہو، یعنی: "نخامة" تو اس سے مراد سر کی جانب سے آنے والی بلغم ہے(۵)۔

"في القبلة" سے مراد وہ دیور ہے جو قبلہ کی جانب تھی(۶)۔

"فشقّ ذٰلك" ذٰلك كامشارٌ إليه وہ منظر بنے گا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیوارِ قبلہ کا آیا تھا، یعنی: یہ منظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت گراں گذرا، یا مشقت کا باعث بنا۔

---

(۱) النهاية في غريب الحديث والأثر، المادة: ن خ م: ۷۲۳/۲

(۲) الكاشف عن حقائق السنن المعروف بـ شرح الطيبي، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ۷۴٦، ۲۵۹/۲

(۳) ملاعلی القاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کی بات درست نہیں ہے، اس لیے کہ خاءِ معجمہ کا مخرج أقصى الحلق نہیں بلکہ أدق الحلق ہے"۔ (یعنی: ابن اثیر رحمہ اللہ کے قول کے مطابق "نُخامہ" وہ تھوک یا بلغم ہے جو اقصی حلق اور مخرجِ خاء سے نکلتا ہے، جب کہ مخرجِ خاء اقصی حلق نہیں بلکہ ادقِ حلق ہے، چنانچہ تھوک بیک وقت ان دونوں مقامات نہیں نکل سکتا۔) مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ۷۴٦، ۴۲۰/۲

(۴) المُغرِب في ترتيب المعجم، المادة: ن خ م، ۲۹۴/۲

(۵) فتح الباري: ۶۵۸/۱

(٦) شرح الكرماني: ٤/ ۷۰، مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ۷۴٦، ۴۲۰/۲

حتى رئي في وجهه، فقام، فحكه بيده،

یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر اس کا اثر نمایاں ہونے لگا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوئے اور اسے اپنے دستِ مبارک سے کھرچ ڈالا۔

"رُئِي" فعل مجہول ہے، اس کی ضمیر جو نائب فاعل بنے گی، اس کا مرجع "فشق ذلك عليه" کا معنی بنے گا، یعنی: کراہیت، ناپسندیدگی، ناگواری وغیرہ (۱)۔

روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس منظر کی وجہ سے ناگواری کے اثرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک میں دیکھے گئے (۲)۔

اور سنن النسائی کی روایت میں ہے: غصے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سرخ ہوگیا (۳)۔ نیز! صحیح البخاری میں "العمل في الصلاة" اور "الأدب" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث ہے جس میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس منظر کی وجہ سے مسجد والوں پر غصے بھی ہوئے (۴)۔

---

(۱)شرح الكرماني: ٤/ ٧٠، مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ٧٤٦، ٢/ ٤٢٠

(٢)اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ٣/ ١٥٥، عمدة القاري: ٤/ ٢٢١

(٣) أخبرنا إسحاق بن إبراهيم قال: حدثنا عائذ بن حبيب قال: حدثنا حميد الطويل، عن أنس بن مالك قال: رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم نخامة في قبلة المسجد، فغضب حتى احمر وجهه، فقامت امرأة من الأنصار فحكتها وجعلت مكانها خلوقا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما أحسن هذا. (سنن النسائي، كتاب المساجد، تخليق المساجد، رقم الحديث: ٧٢٨).

(٢) حدثنا سليمان بن حرب، حدثنا حماد، عن أيوب، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى نخامة في قبلة المسجد، فتغيظ على أهل المسجد، وقال: إن الله قبل أحدكم، فإذا كان في صلاته فلا يبزقن أو قال: لا يتنخمن، ثم نزل فحتها بيده وقال ابن عمر رضي الله عنهما: إذا بزق أحدكم فليبزق على يساره. (صحيح الخاري، أبواب العمل في الصلاة، باب: ما يجوز من البصاق والنفخ في الصلاة، رقم الحديث: ١٢١٣)

حدثنا موسى بن إسماعيل، حدثنا جويرية، عن نافع، عن عبد الله رضي الله عنهما، قال: بينا النبي صلى الله عليه وسلم يصلي، رأى في قبلة المسجد نخامة، فحكها بيده، فتغيظ، ثم قال: إن أحدكم إذا كان في الصلاة، فإن الله حيال وجهه، فلا يتنخمن حيال وجهه في الصلاة. (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب: ما يجوز من الغضب والشدة لأمر الله، رقم الحديث: ٦١١١)

"فقام، فحكه بيده" اس جملے میں اشارہ ہے کہ قوم کا سردار اُن کا خادم ہوتا ہے، اسی لیے از خود کھڑے ہوئے اور اپنے مبارک ہاتھ سے صاف کیا اور یہ صاف کرنا اللہ رب العزت کے لیے تواضع وعاجزی اختیار کرنا تھا۔ اور اللہ کے گھر مسجد سے محبت کی وجہ سے تھا۔ اور امتِ ضعیفہ کی طرف سے بطورِ عوض تھا(١)۔

فقال: إن أحدكم إذا قام في صلاته، فإنه يناجي ربه،

پھر فرمایا: تم میں سے جب کوئی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے،

"إذا قام في الصلاة" اس جملے کے اندر تعمیم ہے کہ وہ مسجد میں نماز پڑھنے والا ہو یا مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ میں نماز ادا کرنے والا ہو(٢)۔

"فإنه يناجي ربه" **یعنی:** جب نمازی نماز میں قراءت، ذکر اور دعا کرتا ہے تو یہ زبان سے اللہ تعالیٰ سے کلام کرتا ہے، اور جب رکوع وسجود وقعود وغیرہ میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اپنے انتقال کے احوال سے اللہ رب العزت سے ہم کلام ہوتا ہے(٣)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ کلمہ "فإنه" كأنه کے معنیٰ میں ہے۔ جس کے معنی یہ بنیں گے کہ گویا کہ وہ اپنے رب سے مناجات کر رہا ہے(٤)۔

أو إن ربه بينه وبين القبلة، فلا يبزقن أحدكم قِبَل قبلته،

اور فرمایا: گویا کہ بے شک اس کا رب؛ اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے، اس لیے کوئی شخص اپنے قبلہ کی جانب ہرگز نہ تھوکے۔

مستملی اور حموی کے نسخے میں "أو إن ربه" کی بجائے "وإن ربه" ہے(٥)۔

"أو إن ربه بينه وبين القبلة" علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس جملہ کے ظاہری معنی تو مراد لینا

---

(١) مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ٧٤٦، ٢/ ٤٢٠

(٢) مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ٧٤٦، ٢/ ٤٢٠

(٣) مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ٧٤٦، ٢/ ٤٢٠

(٤) شرح الكرماني: ٤/ ٧٠

(٥) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ٣/ ١٥٥، فتح الباري: ١/ ٦٥٨

ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو کسی مکان وغیرہ میں اترنے وغیرہ سے بے نیاز ہے، تو یہاں محض تشبیہ مراد ہے کہ اس وقت گویا کہ اللہ تعالیٰ اس نمازی اور دیوارِ قبلہ کے درمیان موجود ہیں (۱)۔

علامہ بغوی رحمہ اللہ نے شرح السنۃ میں اس جملہ کے معنی یہ لکھے ہیں کہ ظاہراً تو نمازی قبلہ رُو ہو کر کھڑا ہوتا ہے، لیکن اس کھڑا ہونے میں وہ اللہ تعالیٰ کا قصد کرتا ہے، تو گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی کھڑا ہے، یعنی: اس نمازی اور دیوارِ قبلہ کے درمیان اللہ تعالیٰ موجود ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہت کا خیال رکھنے اور تھوکنے وغیرہ سے اس کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے (۲)۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس جملے کا معنی یہ ہے کہ نمازی کے قبلہ رُو ہونے کا مقصد قبلہ نہیں ہے بلکہ اس کا رب ہے، تو گویا کہ نمازی کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہے، اسی وجہ سے حکم دیا گیا کہ اس جہت کی حفاظت کی جائے، اس طرف نہ تھوکا جائے اور نہ ہی پیشاب کیا جائے (۳)۔

"فلا یبزقن أحدکم قِبَل قبلته" جہتِ قبلہ کے اشرف الجہات ہونے کے سبب اس کی جانب تھوکنے سے تاکیداً منع کیا گیا ہے (۴)۔

ابن بطال رحمہ اللہ نے امام مہلب رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حکم میں قبلہ کا اعزاز واکرام اور اسے گندگی وغیرہ سے پاک وصاف رکھنا ہے، اس لیے کہ نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ قبلہ کا اکرام اسی طرح کرے، جیسے مخلوقات کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے ان کی طرف منہ کر کے بات چیت کرتا ہے، یعنی: جس طرح ان مخلوقات کا اکرام کیا جاتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کا بھی اکرام کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو مخلوقات کے مقابلے میں بہت ہی زیادہ اکرام کے لائق ہیں۔

---

(۱) شرح الکرماني: ٤/ ٧٠

(۲) شرح السنة للبغوي، کتاب الصلاة، باب: کراهية البزاق في المسجف ونحو القبلة، رقم الحديث: ٤٩٢، ٢/٣١٢۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے یہی بات علامہ بغوی رحمہ اللہ کی طرف نسبت کیے بغیر ذکر کی ہے، ملاحظہ ہو: الکاشف عن حقائق السنن المعروف بـ شرح الطيبي، کتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ٧٤٦، ٢/٢٥٩

(۳) أعلام الحديث للخطابي: ١/٣٨٦

(٤) مرقاة المفاتيح، کتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ٧٤٦، ٢/ ٤٢٠

طاؤس تابعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اللہ کے قبلہ کا اکرام کرو اس طرح کہ اس کی طرف منہ کر کے نہ تھوکو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات واضح کر دی کہ قبلہ کی جانب تھوکنے سے ممانعت کی وجہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنا ہے جو نمازی اپنی نماز میں قبلہ کی جانب رُخ کر کے اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے۔ کتنا بڑا ظلم اور بے ادبی ہے کہ کوئی شخص رب الارباب اور شہنشاہ کے سامنے کھڑا ہو اور اس کی طرف منہ کر کے تھوک دے(۱)۔

ولكن عن يساره أو تحت قدميه،

ہاں اپنی بائیں جانب یا اپنے پیر کے نیچے تھوکنے کی گنجائش ہے۔

"عن يساره" فعل محذوف "ليبصق" سے متعلق ہوگا(۲)۔

"تحت قدميه" میں قدم سے مراد بھی "بایاں قدم" ہے(۳)۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بائیں طرف تھوکنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ اس میں دائیں جانب کا بھی تحفظ تھا، کیونکہ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ دائیں جانب نہ تھوکے، کیونکہ دائیں جانب فرشتہ ہوتا ہے۔ اور بائیں جانب بھی تھوکنے کا حکم اس وقت ہے جب بائیں جانب کوئی اور نمازی نہ ہو، یعنی: اگر بائیں جانب بھی کوئی نمازی ہو تو پھر دائیں، بائیں کسی جانب بھی نہ تھوکے، بلکہ قدموں کے نیچے یا اپنے کپڑے میں تھوکے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا(۴)۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بوقت ضرورت ان دونوں جہات میں تھوکنے کا حکم اس وقت ہے جب نماز خارجِ مسجد ادا کی جا رہی ہو اور جب نماز مسجد میں ادا کی جا رہی ہو تو پھر تھوکنے کی ضرورت پیش آئے تو صرف اپنے کپڑے میں ہی تھوکے، دائیں، بائیں یا قدموں کے نیچے نہیں(۵)۔

علامہ نووی رحمہ اللہ کی اس بات پر ملا علی قاری رحمہ اللہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی طرف سے ایک

(۱) شرح ابن البطال: ٦٨/٢

(۲) مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ٧٤٦، ٤٢١/٢

(۳) كما في حديث أبي هريرة في الباب الذي بعده.

(٤) أعلام الحديث للخطابي: ٣٨٦/١، ٣٨٧

(٥) شرح النووي، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب: النهي عن البصاق في المسجد في الصلاة، رقم الحديث: ٥٥٠، ٤١/٥

اشکال نقل کرکے اس کا جواب دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: [علامہ نوویؒ کی] اس توجیہ میں نظر ہے، اس لیے کہ جب نمازی مسجد میں کسی کپڑے یا جائے نماز وغیرہ کو بچھا کر نماز پڑھے تو بوقت ضرورت اس کے لیے جائز ہے کہ اپنے بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے تھوک دے، کیونکہ مقصود یہ تھا کہ تھوک، رینٹ یا بلغم میں سے کچھ بھی مسجد میں نہ گرے، جیسا کہ یہاں اس نمازی کے اپنے کپڑے پر گر رہا ہے نہ کہ مسجد کے فرش پر۔

اس پر ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علامہ نووی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ تفصیل میں کسی قسم کا کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا اس لیے کہ حدیث مبارکہ کے جملہ "إلا في ثوبه" کے مطلق ہونے سے جو مفہوم ہو رہا ہے وہ صحیح اور صریح ہے، اس میں کسی قسم کی کوئی نظر نہیں ہے، عملی صورت اس جملے کی یہی ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کے کونے کو پکڑا اور اس میں تھوک دیا۔ اس لیے کہ لوگ عام طور پر نماز کے دوران الگ سے اپنے نیچے کوئی کپڑا نہیں بچھاتے (۱)۔

ابن الملقن رحمہ اللہ نے بھی علامہ نووی رحمہ اللہ کی ہی تائید کی ہے (۲)۔

ثم أخذ طرف ردائه، فبصق فيه، ثم رد بعضه على بعض، فقال: أو يفعل هٰكذا.

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کا کنارہ پکڑا اور اس میں تھوک کر مل دیا اور ارشاد فرمایا: یا اس طرح کرے۔

"ثم أخذ رداءه" سے لے کر آخر تک میں بوقتِ ضرورت بلغم پھینکنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اور یہ بیان بالفعل کی قبیل سے ہے کیوں کہ یہ طریقہ سامع کے لیے اوقع فی النفس ہوتا ہے (۳)۔

---

(۱) مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ٧٤٦، ٢/ ٤٢١

(۲) التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤١٩

(۳) فتح الباري: ١/ ٦٥٩

"أو یفعل" کا عطف لٰکن حرف استدراک کے بعد فعلِ محذوف پر ہوگا، تقدیری عبارت اس طرح ہوجائے گی: ولکن یبزق عن یسارہ أو یفعل ھٰکذا(۱).

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کلمہ "أو" شک کے لیے نہیں ہے بلکہ تنویع کے لیے ہے، جس کے معنی یہ ہوں کہ اس کو دونوں عملوں میں سے اختیار ہے، جس کو بھی کرلے(۲)۔

حدیثِ مبارکہ کے اس جملے سے ظاہر یہ ہو رہا ہے کہ تھوکنے والے کو ان دونوں کاموں میں سے کسی ایک کام کے کرنے کا اختیار ہے، لیکن چار ابواب بعد مذکور ایک باب میں آنے والی روایت کی وجہ سے مصنف نے اس آخری عمل کو بہتر قرار دیا ہے(۳)۔

بلغم کی پاکی یا ناپاکی کا حکم

حدیثِ مبارکہ کے آخر میں ذکر کردہ طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ "بلغم" طاہر ہوتا ہے، نجس نہیں۔ اور یہ حکم اجماعی ہے، اس کے خلاف جن ائمہ کے کچھ اقوال ہیں، وہ شاذ کے حکم میں ہیں، جیسے: قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تھوکنا اس شخص کے حق میں گناہ ہے جو اسے دفن نہ کرے اور اگر کوئی شخص تھوکنے کے بعد اسے مٹی میں یا ریت میں دفن کردے یا ایسا ممکن نہ ہونے کی وجہ سے کسی چیز سے اسے کھرچ دے تو اس کے حق میں گناہ نہیں ہے(۴)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ ترجمۃ الباب میں تو حک بالید کا ذکر ہے، لیکن حدیثِ باب میں "حک" کی تصریح تو ہے اور "بالید" کی تصریح نہیں ہے۔ لیکن متبادر الی الفہم یہ بات موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیوار سے وہ تھوک یا رینٹ اپنے ہاتھ سے ہی صاف کیا ہوگا(۵)۔

---

(۱)اللامع الصبیح بشرح الجامع الصحیح: ۳/ ۱۵٦

(۲)عمدة القاري: ٤/۲۲۲

(۳)فتح الباري: ۱/٦٥٩

(٤)التوضیح لابن الملقن: ٥/ ٤١٩

(٥)شرح الكرماني: ٤/ ٧١، اللامع الصبیح بشرح الجامع الصحیح: ۳/ ۱٥٦، عمدة القاري: ٤/۲۲۱

حدیثِ مبارکہ سے مستفاد امور وآداب

مذکورہ حدیثِ مبارکہ سے بہت سے امور وآداب کا استنباط ہوتا ہے، جن میں سے کچھ ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔اس حدیث سے دائیں جانب کا بائیں جانب سے افضل ہونا معلوم ہوتا ہے(۱)۔

۲۔بدن کے فضلات کو مسجد سے دور رکھنے کا حکم معلوم ہوتا ہے(۲)۔

۳۔جہتِ قبلہ کی تعظیم بھی معلوم ہوتی ہے(۳)۔

۴۔مسجد کی صفائی کا مستحسن ہونا معلوم ہوتا ہے(۴)۔

۵۔تھوک وبلغم وغیرہ کا پاک ہونا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ نمازی کو بحالتِ نماز اپنے کپڑے میں تھوکنے کا حکم اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ پاک ہو، وگرنہ تو نمازی کے کپڑے کا نجس ہونا اور اس نجس کپڑے کی وجہ سے نماز نہ ہونا لازم آئے گا، جس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے(۵)۔

(۱)التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤١٩، عمدة القاري: ٤/٢٢٢

(۲)عمدة القاري: ٤/٢٢٢

(۳)عمدة القاري: ٤/٢٢٢

(٤)عمدة القاري: ٤/٢٢٢

(٥)عمدة القاري: ٤/٢٢٢

حدیثِ باب: دوسری حدیث

٣٩٨ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُمَرَ (١) : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ رَأَى بُصَاقًا فِي جِدَارِ ٱلْقِبْلَةِ ، فَحَكَّهُ ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى ٱلنَّاسِ فَقَالَ : (إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّي ، فَلَا يَبْصُقْ قِبَلَ وَجْهِهِ ، فَإِنَّ ٱللهَ قِبَلَ وَجْهِهِ إِذَا صَلَّى) .

[٧٢٠ ، ١١٥٥ ، ٥٧٦٠]

ترجمہ حدیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار پر بلغم لگا ہوا دیکھا تو اسے کھرچ ڈالا، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو اپنے سامنے نہ تھوکے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نمازی کے سامنے ہوتے ہیں۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث کی سند میں کل چار راوی ہیں:

۱۔ عبداللہ بن یوسف

یہ "عبداللہ بن یوسف تنیسی دمشقی"، رحمہ اللہ ہیں۔

---

(١) رواه البخاري أيضاً في صفة الصلاة، باب: هل يلتفت لأمر ينزل به، رقم الحديث: ٧٥٣، وفي العمل في الصلاة، باب: مايجوز من البصاق والنفخ في الصلاة، رقم الحديث: ١٢١٣، وفي الأدب، باب: ما يجوز من الغضب والشدة لأمر الله تعالى، رقم الحديث: ٦١١١.

ورواه مسلم في صحيحه في المساجد، باب: النهي عن البصاق في المسجد، رقم الحديث: ٥٤٧

رواه أبو داود في سننه في الصلاة، باب: في كراهية البزاق في المسجد، رقم الحديث: ٤٧٩.

ورواه النسائي في سننه في المساجد، باب: النهي عن أن يتنخم الرجل في قبلة المسجد، رقم الحديث: ٧٢٥.

وفي جامع الأصول، حرف الميم، الكتاب السادس في المساجد وما يتعلق به، الفصل الثاني في أحكام تتعلق بالمسجد، الفرع الأول في البصاق، رقم الحديث: ٨٧٢٩، ١١/١٩١

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثانی ، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب:لیبلغ العلم الشاهد الغائب، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔مالک بن انس

یہ ''مالک بن انس المدنی''رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثانی ، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب:من الدین؛ الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔نافع

یہ مولیٰ ''عبداللہ بن عمر القرشی''رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب:ذکر العلم والفتيا في المسجد ، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۴۔عبداللہ بن عمر

یہ مشہور صحابی حضرت ''عمر فاروق''رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت ''عبداللہ بن عمر''رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: الإيمان وقول النبي صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

شرحِ حدیث

"في جدار القبلة" میں القبلة کا الف لام عہد ذہنی کے لیے ہے، یعنی: في جدار قبلة المسجد، مستملي کی روایت میں "في جدار المسجد" کے الفاظ ہیں(۵)۔

---

(۱)کشف الباری: ۱/۲۸۹، ٤/۱۱۳.

(۲)کشف الباری: ۱/۲۹۰، ۲/ ۸۰.

(۳)کشف الباری: ۱/٦٤٨

(٤)کشف الباری: ۱/٦٣٧.

(٥)عمدة القاري: ٤/٢٢٣

صحیح البخاری میں ہی کتاب الصلاۃ کے آخر میں "ایوب عن نافع" کے طریق سے ایک روایت موجود ہے، اس میں "في قبلة المسجد" کے الفاظ ہیں۔ اور اس روایت میں "ثم نزل، فحتها بيده" کے الفاظ کی زیادتی بھی ہے۔ اس زیادتی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمار ہے تھے، جب آپ نے دیوار پر بلغم دیکھا(۱)۔

"فإن الله قبل" یعنی: اللہ تعالیٰ تمہارے چہرے کی جہت میں ہے۔ اس حدیثِ مبارکہ میں بھی یہ جملہ تشبیہ کے طور پر کہا گیا ہے، یعنی: گویا کہ اللہ تعالیٰ نمازی کے چہرے کے سامنے ہے، لہٰذا اس طرف مت تھوکو کہ اس عمل میں اُس پاک ذات کی تخفیف لازم آتی ہے(۲)۔

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

اس حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اس حیثیت سے قائم ہوگی کہ اس حدیث میں "حك" کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے، تو سمجھ میں آنے والی بات یہی ہے کہ اس بلغم کو کھرچنا ہاتھ کے ذریعہ ہی ہوا ہوگا۔

دوسری بات یہ کہ حدیث میں "جدار القبلة" سے مراد "جدار قبلة مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم" ہے، اس تقدیر سے وہ اعتراض بھی ختم ہو جائے گا، جو بعض افراد کی طرف سے کیا گیا کہ اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے کل سے نہیں، بلکہ جزء سے مطابقت ہے، کیونکہ ترجمۃ الباب میں "جدار المسجد" کا ذکر ہے اور حدیث میں "جدار القبلة" کا(۳)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

(۱)صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب: مايجوز من البصاق والنفخ في الصلاة، رقم الحديث: ۱۲۱۳

(۲)عمدة القاري: ۲۲۳/٤

(۳)عمدة القاري: ۲۲۳/٤

حدیثِ باب: تیسری حدیث

٣٩٩ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ ٱلْمُؤْمِنِينَ [١] : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ رَأَى فِي جِدَارِ ٱلْقِبْلَةِ مُخَاطًا ، أَوْ بُصَاقًا ، أَوْ نُخَامَةً ، فَحَكَّهُ .

تراجم رجال

مذکورہ حدیث کی سند میں کل پانچ رجال ہیں:

ا۔عبداللہ بن یوسف

یہ عبداللہ بن یوسف تنیسی دمشقی رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدءالوحی، الحدیث الثاني اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب:لیبلغ العلم الشاهد الغائب، کے تحت گذر چکے ہیں(٢)۔

٢۔ مالک

یہ ''مالک بن انس المدنی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدءالوحی، الحديث الثاني، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: من الدين؛ الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(٣)۔

٣۔ ہشام بن عروہ

یہ ''ہشام بن عروہ بن زبیر'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدءالوحی، الحديث الثاني ،اور تفصیلی احوال کتاب

(١)أخرجه مسلم في صحيحه في المساجد، باب: النهي عن البصاق في المسجد، رقم الحديث: ٥٤٩

وفي جامع الأصول، حرف الميم، الكتاب السادس في المساجد وما يتعلق به، الفصل الثاني في أحكام تتعلق بالمسجد، الفرع الأول في البصاق، رقم الحديث: ٨٧٣٣، ١١/١٩٥

(٢)كشف الباري: ١/٢٨٩، ٤/١١٣

(٣)كشف الباري: ١/٢٩٠، ٢/ ٨٠

الایمان، باب:أحب الدين إلى الله أدوم، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۴۔عروہ

یہ ''عروہ بن زبیر بن عوام'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحديث الثاني ،اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب:أحب الدين إلى الله أدوم، کے تحت گذر چکے ہیں (۲)۔

۵۔عائشہ

یہ ام المؤمنین حضرت ''عائشہ صدیقہ'' رضی اللہ عنہا ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحديث الثاني کے تحت گذر چکے ہیں (۳)۔

ترجمہ

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار پر رینٹ، یا تھوک یا بلغم لگا ہوا دیکھا تو اسے کھرچ ڈالا۔

شرحِ حدیث

مذکورہ حدیث کی تشریح ماقبل کی دونوں احادیث میں گذر چکی ہے۔

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے کہ متبادر الی الفہم یہ ہی ہے کہ اس بلغم کو اپنے دستِ مبارک سے ہی کھرچا ہوگا (۴)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

---

(۱) كشف الباري: ۱/ ۲۹۱، ۲/ ٤۳۲

(۲) كشف الباري: ۱/ ۲۹۱، ۲/ ٤۳۲

(۳) كشف الباري: ۱/۲۹۱

(٤) عمدة القاري: ٤/۲۲۲

۲ - باب : حَكِّ الْمُخَاطِ بِالْحَصَى مِنَ الْمَسْجِدِ .

یہ باب ہے مسجد سے کنکری کے ذریعہ بلغم کھرچنے کے بارے میں

مذکورہ باب کی ماقبل سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ فرماتے ہیں کہ سابقہ باب میں ہاتھ سے تھوک یا بلغم دور کرنے کا بیان تھا اور یہاں کنکری، پتھر وغیرہ سے دور کرنے کا بیان ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ "مخاط" میں رطوبت یا لزوجت بنسبت بلغم یا تھوک کے زیادہ ہوتی ہے، لہٰذا اس کو مسجد سے مکمل طور پر دور کرنے کے محض ہاتھ کافی نہیں ہوتا بلکہ کسی آلہ وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے کنکری سے صاف کرنے کا بیان اس حدیثِ مبارکہ میں مذکور ہوا۔

اس مقام پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ ترجمۃ الباب میں تو "مخاط" کا ذکر ہے، جبکہ حدیث مبارکہ میں "نخامہ" کا ذکر ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں انسانی جسم کے پاک فضلات ہیں، ان دونوں میں حکم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جواب علامہ کرمانی رحمہ اللہ کا ذکر کردہ ہے، میرے نزدیک زیادہ بہتر جواب یہ ہے کہ اگرچہ ان دونوں کے درمیان کچھ فرق ہے کہ "مخاط" ناک سے نکلنے والی بلغم ہوتی ہے اور "نخامہ" سینے سے نکلنے والی بلغم، لیکن ترجمۃ الباب میں "مخاط" کا ذکر اور حدیث مبارکہ میں "نخامہ" کا ذکر اس بات کی خبر دیتا ہے کہ جیسے دونوں اپنے اندر کی چکناہٹ اور گاڑھاپن کے اعتبار سے برابر ہیں ایسے ہی دونوں حکم میں بھی برابر ہیں (۱)۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ کا اس ترجمہ کو قائم کرنے کا مقصد ان بعض حضرات کا رد کرنا ہے جنہوں نے ناک کی رطوبت کو نجس قرار دیا ہے اور دلیل اس حدیث مبارکہ سے پکڑی ہے، جو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں ذکر کی ہے، اور اس کی بنیاد یہ قرار دی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بذاتِ خود اس رطوبت کو صاف کرنا محض مسجد کی صفائی و نظافت کی خاطر نہیں تھا بلکہ مسجد کو اس نجاست سے پاک کرنا بھی تھا، تو عین ممکن ہے کہ امام بخاری

(۱) عمدة القاري: ٤/ ٢٢٤

رحمہ اللہ نے ایسے افراد کی تردید کے لیے یہ ترجمہ قائم کیا ہو، بالخصوص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر بھی اسی لیے قائم کیا ہو کہ اس اثر سے ان بعض حضرات کی تردید ہو رہی تھی۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک عمدہ توجیہ میرے نزدیک یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے پاس اگر ایک حدیث مختلف طُرق سے ہو تو ان کی عادت یہ ہے کہ ان تمام طرق کو ایک عنوان کے تحت جمع نہیں کرتے بلکہ ہر روایت کو مستقل عنوان کے تحت ذکر کرتے ہیں، الفاظ حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے ترجمۃ الباب اور عنوان میں تنوع پیدا کرتے ہیں، جب کہ اصل مقصد طرق حدیث کا بیان ہوتا ہے، ایسا ہی یہاں بھی ہوا ہے(۱)۔

صحیح البخاری کے بعض نسخوں کے مطابق امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اثر اس ترجمۃ الباب کا جزء بنا کر تعلیقاً نقل کیا ہے، وہ بھی ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

تعلیق (۲)

قال ابن عباس رضي الله عنهما: إن وطعت على قذر رطب، فاغسله، وإن كان يابسا فلا.

تعلیق کی تخریج

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اثر کو ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اپنی ''مصنف'' میں ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

حدثنا حفص بن غياث، عن الأعمش، عن يحيى بن وثاب قال: سئل ابن عباس عن رجل خرج إلى الصلاة فوطئ على عذرة؟ قال إن كانت رطبة غسل ما أصاب، وإن كانت يابسة لم تضره(۳).

---

(۱)الأبواب والتراجم للدهلوي في بداية صحيح البخاري، باب: حك المخاط بالحصى، ص: ۳۰

(۲) مذکورہ تعلیق ''الدکتور مصطفیٰ دیب البغا'' والے نسخے، جس کو کشف الباری کے لیے بنیاد بنایا گیا ہے، میں نہیں ہے، لیکن چونکہ شراح حدیث نے اس پر کلام کیا ہے اس لیے کشف الباری میں بھی اس کی تشریح کر دی گئی ہے۔

(۳)المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطهارة، باب في الرجل يتوضأ فيطأ على العذرة، رقم الحديث: ۶۱۳، ۱/ ۴۲۶

تعلیق کا ترجمہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر تمہارا پیر کسی تر گندگی پر پڑ جائے تو اس کو دھوڈالو اور اگر خشک گندگی پر پڑے تو دھونے کی ضرورت نہیں۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس نہی میں بڑی اور اہم علت احترامِ قبلہ ہے، محض رطوبت کا قابلِ نفرت ہونا نہیں، اگر چہ اس کا قابلِ نفرت ہونا بھی ایک سبب ہے، لیکن بمقابلہ احترامِ قبلہ کم درجے کا سبب ہے، یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ مسجد کے معاملے میں رطوبت کے صاف کرنے میں اس کے تر یا خشک ہونے کا فرق نہیں کیا گیا، (بخلاف اس کے کہ اگر نہی کی علت محض ان کا قابلِ نفرت ہونا ہوتو وہاں دونوں میں فرق ہونا چاہیے کہ جہاں خشک رطوبت پر پاؤں آجائے تو کوئی حرج کی بات نہیں لیکن جہاں تر رطوبت پر پاؤں آجائے تو اس وقت وقت اس رطوبت کو دھولینا چاہیے، چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر میں رطوبت پر پاؤں آجانے والا واقعہ مسجد کا نہیں ہوگا بلکہ خارجِ مسجد کا ہوگا، اس لیے مسجد کے معاملہ میں رطوبت کے تر ہونے یا خشک ہونے کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ اسے صاف کردیا جائے گا)۔(۱)

علامہ عینی رحمہ اللہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے رد میں فرماتے ہیں: ایسا درست نہیں ہے، اس میں بہت بُعد ہے، بلکہ علت ممانعت ''احترام قبلہ'' کے ساتھ ساتھ اذیت کا پایا جانا بھی ہے، کیونکہ کچھ ہی بعد حضرت ابو سہلہ رضی اللہ عنہ کی روایت آرہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''إنك اذيت الله ورسوله''، اس ارشاد سے واضح طور پر حصول اذیت کا علت ممانعت ہونا معلوم ہورہا ہے۔

ترجمۃ الباب سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اثر کی مناسبت اس طور پر بھی ممکن ہے کہ ترجمہ میں حك المخاط بالحصى ہے، اور روایت سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ ناک کی وہ رطوبت خشک تھی، تبھی تو کنکری سے صاف کرنا ممکن ہوسکتا ہے، وگرنہ تو کنکری سے بجائے صاف ہونے کے اور زیادہ پھیل

(۱) فتح الباري: ٦٦٠

جاتی۔ چنانچہ اثرِ مذکور خشک اور تر نجاست میں فرق کے لیے لایا گیا ہے۔ اگرچہ ظاہر حدیث میں اس پر کوئی دلالت نہیں ہے، چنانچہ اثر اور ترجمہ میں اس حیثیت سے مناسبت ہے اور اتنی مقدار مناسبت کی کافی ہے(۱)۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ اثر یا تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اوپر کے دونوں اقوال میں واضح ہو چکی ہے۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیثِ باب: پہلی حدیث

٤٠٠ : حدّثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ : أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ : أَخْبَرَنَا ٱبْنُ شِهَابٍ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ ٱلرَّحْمٰنِ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَأَبَا سَعِيدٍ(۲) حَدَّثَاهُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ رَأَى نُخَامَةً فِي جِدَارِ ٱلْمَسْجِدِ ، فَتَنَاوَلَ حَصَاةً فَحَكَّهَا ، فَقَالَ : (إِذَا تَنَخَّمَ أَحَدُكُمْ ، فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ قِبَلَ وَجْهِهِ ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ ، وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ ٱلْيُسْرَى) . [٤٠١ ، ٤٠٤ ، ٤٠٦]

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل چھ راوی ہیں:

---

(۱)عمدة القاري: ٤/ ٢٢٤، ٢٢٥

(۲)أخرجه البخاري أيضاً في المساجد، باب: لا يبصق عن يمينه في الصلاة، رقم الحديث: ٤١٠، ٤١١، ٤١٤، ٤١٦

ومسلم في صحيحه في المساجد، باب النهي عن البصاق في المسجد، رقم الحديث: ٥٤٨

وأبو داؤد في سننه في الصلاة، باب في كراهية البزاق في المسجد، رقم الحديث: ٤٨٠

والنسائي في سننه في المساجد، باب ذكر نهي النبي صلى الله عليه وسلم عن يبصق الرجل بين يديه أو عن يمينه وهو في صلاته، رقم الحديث: ٧٢٦

وابن ماجة في سننه في المساجد، باب كراهية النخامة في المسجد، رقم الحديث: ٧٦١

وفي جامع الأصول، حرف الميم، الكتاب السادس، في المساجد وما يتعلق به أولا وآخرا، الفصل الثاني: في أحكام تتعلق بالمساجد، الفرع الأول: في البصاق، رقم الحديث: ٨٧٣٠، ١١/١٩٣

۱۔موسی بن اسماعیل

یہ ”ابوسلمہ موسیٰ بن اسماعیل التبوذکی البصری“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الرابع، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: من أجاب الفتيا بإشارة اليد والرأس، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ابراہیم بن سعد

یہ ”ابواسحاق ابراہیم بن سعد بن ابراہیم الزہری“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من كره أن يعود في الكفر كما يكره أن يلقى في النار من الإيمان، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: ما ذكر في ذهاب موسى عليه السلام في البحر إلى الخضر……، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ابن شہاب

یہ ”ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب الزہری“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحديث الثالث، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۴۔حمید بن عبدالرحمٰن

یہ ”حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: تطوع قيام رمضان من الإيمان، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

۵۔ابوہریرۃ

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۱) کشف الباری: ۴۳۲/۱، ۴۷۷/۳

(۲) کشف الباری: ۱۲۰/۲، ۳۳۳/۳

(۳) کشف الباری: ۳۲۶/۱

(۴) کشف الباری: ۳۱۶/۲

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: أمور الإیمان، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۶۔ابوسعید

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''ابوسعید خدری'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الدین الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

ترجمہ حدیث

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی دیوار پر بلغم دیکھا تو ایک کنکری لے کر اسے کھرچ ڈالا، پھر فرمایا: جب تم میں سے کوئی بلغم تھوکے، تو نہ اپنے سامنے کی جانب تھوکے اور نہ ہی اپنی داہنی جانب، بلکہ اپنی بائیں جانب یا پاؤں تلے تھوکے۔

شرحِ حدیث

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی تشریح ماقبل کے باب میں گذر چکی ہے، مزید کوئی چیز قابلِ تشریح نہیں ہے، الا یہ کہ اس روایت میں ''فحکھا'' کا لفظ ہے، جب کہ کشمیهني کی روایت میں یہی لفظ ''فحتها'' ہے، بات دونوں میں ایک ہی ہے(۳)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بھی اور اس پر ایک اشکال وجواب بھی ابتداء باب میں گذر چکا ہے۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

---

(۱) کشف الباری: ۱/ ٦٥٩

(۲) کشف الباری: ۸۲/۲

(۳) عمدة القاري: ٤/ ٢٢٦

۳ – باب : لَا يَبْصُقْ عَنْ يَمِينِهِ فِي الصَّلَاةِ .

اس باب میں ذکر کیا گیا ہے کہ نمازی دورانِ نماز اپنی دائیں جانب نہ تھوکے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب نوراللہ مرقدہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''شراح نے ان ابواب سے کوئی تعرض نہیں کیا، بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ روایات مذکورہ سے مختلف احکام ثابت ہوتے تھے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ہر ایک پر مستقل باب باندھ دیا، مگر میرے نزدیک ہر ایک باب سے ایک الگ غرض ہے، چنانچہ اس باب کی غرض یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ بصاق عن اليمين کی نہی صلوٰۃ کے ساتھ خاص ہے یا عام ہے، صلوٰۃ وغیر صلوٰۃ سب کو، کیونکہ روایات دونوں طرح کی ہیں۔ حضرت امام مالکؒ سے تخصیص بالصلوٰۃ منقول ہے اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ عام ہے۔ اور وجہ اس اختلاف کی اختلاف في التعليل ہے، جو لوگ عام مانتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ نہی بصاق الى اليمين کو معلل کیا گیا ہے، فرشتے کے دائیں جانب ہونے کے ساتھ۔ اور وہ ہر وقت ساتھ رہتا ہے، لہٰذا نہی عام ہوگی، کیونکہ یہ اس کے احترام کے خلاف ہے، مگر اس پر اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ بائیں جانب بھی تو فرشتہ کاتبِ سیئات ہوتا ہے، ویراعی للأمير ما لا يراعى للمأمور، علاوہ ازیں کاتبِ حسنات کاتب سیئات کو کتابت سیئات سے روکتا ہے، لہٰذا اس کا ہم پر احسان ہے، اس لیے ہم کو بھی اس کا احترام کرنا چاہیے۔

اور حضرت امام بخاری نے "في الصلاة'' بڑھا کر امام مالکؒ کی تائید کی ہے۔ اور میری رائے بھی یہی ہے کہ نہی صلاۃ کے ساتھ خاص ہے اور جو علت شراح نے بیان کی ہے اور "ملك'' سے "كاتبين حسنات'' کو مراد لیا ہے، یہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے، گو بڑوں سے منقول ہے۔ اور صحیح نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کاتبِ سیئات گو کاتبِ سیئات ہے، مگر فرشتہ بھی تو ہے اور فرشتے سارے کے سارے مکرم ہیں، "هم عباد مكرمون'' نیز! وہ کتابت سیئات از خود نہیں کرتا، بلکہ وہ مامور ہے، لہٰذا اس کا بھی احترام ہونا چاہیے، نیز! تھوک نیچے کو گرتا ہے اور فرشتہ اوپر ہوتا ہے۔ لہٰذا میرے نزدیک یہ درست نہیں کہ ''ملک'' سے مراد کاتبِ حسنات ہو، بلکہ اس سے مراد اس کے علاوہ دوسرا فرشتہ ہے، جو خاص طور سے نماز کے اندر آتا ہے اور دائیں جانب کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کے قلب

کی حفاظت کرتا ہے۔اور ایک شیطان آتا ہے، جو بائیں طرف کھڑا ہوجاتا ہے اور قلب میں وساوس ڈالتا ہے۔تو اس فرشتہ سے مراد یہ فرشتہ ہے اور چونکہ یہ نیچے کھڑا ہوتا ہے، اس لیے اگر تھوکے گا تو وہ تھوک اس پر پڑے گا"(۱)۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی رائے

ترجمۃ الباب میں "فی الصلاۃ" سے اس بات کی طرف اشارہ ہو رہا ہے یہ ممانعت صرف دوران نماز کی ہے، خارج نماز کی نہیں ہے، گویا کہ امام بخاری رحمہ اللہ ان حضرات کا رد کر رہے ہیں جو داخل صلاۃ اور خارج صلاۃ ہر حالت میں تھوکنے سے منع کرتے ہیں، اگرچہ اقرب الی الادب یہی ہے کہ ہر حال میں جانب قبلہ تھوکنا ممنوع ہو، جیسا کہ حضرت ابن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم وغیرہ خارج نماز بھی قبلہ رو تھوکنے کو مکروہ قرار دیتے تھے(۲)۔

حدیثِ باب (پہلی حدیث)

٤٠١ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ : حَدَّثَنَا ٱللَّيْثُ ، عَنْ عُقَيْلٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ ٱلرَّحْمٰنِ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ ، وَأَبَا سَعِيدٍ(۳) أَخْبَرَاهُ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ رَأَى نُخَامَةً فِي حَائِطِ ٱلْمَسْجِدِ ، فَتَنَاوَلَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ حَصَاةً فَحَتَّهَا ، ثُمَّ قَالَ : (إِذَا تَنَخَّمَ أَحَدُكُمْ ، فَلَا يَتَنَخَّمْ قِبَلَ وَجْهِهِ ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ ، وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ ٱلْيُسْرَى) . [ر : ٤٠٠]

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل سات راوی ہیں:

۱۔یحی بن بکیر

یہ "ابوزکریا یحی بن عبداللہ بن بکیر القرشی المخزومی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثالث، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

---

(۱) تقرير بخاری شریف: ۲/ ۳٦۲

(۲) تحفة القاري للكاندهلوی: ۲/ ٤٧۱

(۳) مرّ تخريجه تحت رقم الحديث: ٤۰۰

(٤) كشف الباري: ۱/۳۲۳

۲۔ اللیث

یہ ''اللیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثالث، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۳۔ عقیل

یہ ''عُقیل بن خالد بن عَقیل'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثالث، اور تفصیلی احوال اور کتاب العلم، باب: فضل العلم، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۴۔ ابن شہاب

یہ ''ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب الزہری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثالث، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۵۔ حمید بن عبدالرحمٰن

یہ ''حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: تطوع قیام رمضان من الإیمان، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

٦۔ ابو ہریرہ

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''ابو ہریرہ'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: أمور الإیمان، کے تحت گذر چکے ہیں(۵)۔

---

(۱) کشف الباری: ۱/ ۳۲٤

(۲) کشف الباری: ۱/ ۳۲۵، ۳/ ٤۵۵

(۳) کشف الباری: ۱/ ۳۲٦

(٤) کشف الباری: ۲/ ۳۱٦

(۵) کشف الباری: ۱/ ٦۵۹

۷۔ابوسعید

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''ابوسعید خدری'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الدین الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

ترجمہ حدیث

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی دیوار پر بلغم دیکھا تو ایک کنکری لے کر اسے کھرچ ڈالا، پھر فرمایا: جب تم میں سے کوئی بلغم تھوکے، تو نہ اپنے سامنے کی جانب تھوکے اور نہ ہی اپنی داہنی جانب، بلکہ اپنی بائیں جانب یا پاؤں تلے تھوکے۔

شرحِ حدیث

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی مکمل شرح ماقبل میں گذر چکی ہے، کوئی نئی بات اس میں نہیں ہے، ماقبل والی اور موجودہ حدیثِ مبارکہ میں محض کچھ لفظی فرق ہے، جس سے معنی ومباحث پر کچھ فرق نہیں پڑتا، مثلاً: وہاں "جدار المسجد" تھا اور یہاں "حائط المسجد" ہے، وہاں "فحکها" تھا اور یہاں "فحتها" ہے، وہاں "فلا یتنخمن" تھا اور یہاں "فلا یتنخم" ہے، وہاں "تحت قدمه" تھا اور یہاں "تحت قدمه الیسریٰ" ہے۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اس جملے "فلا یتنخم قبل وجهه ولا عن یمینه" میں ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ترجمۃ الباب میں تو ہے: "لا یبصق عن یمینه". جب کہ حدیث مبارکہ میں "لا یتنخم" کے الفاظ ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حکم کے اعتبار سے "نخامه" اور "بصاق" کو ایک ہی قرار دیا گیا ہے، دیگر احادیث سے اس تساوی کا اشارہ ملتا ہے(۲)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

---

(۱) کشف الباری: ۲/۸۲

(۲) عمدة القاري: ٤/٢٢٦۔ مثلاً: کچھ ہی بعد آنے والی حدیثِ مبارکہ میں ہے: "لا یبزقن في قبلته ولکن عن یساره" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ قبلہ کی دیوار میں "نخامه" دیکھنے کے بعد ارشاد فرمایا تھا، یہ دلالت ہے کہ نخامہ اور بزاق حکم کے اعتبار سے برابر ہیں۔ (عمدة القاري: ۴/۲۲۶)

حدیثِ باب (دوسری حدیث)

٤٠٢ : حدّثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ : حَدَّثَنا شُعْبَةُ قَالَ : أَخْبَرَنِي قَتَادَةُ قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا[1] قَالَ : قَالَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ : (لَا يَتْفِلَنَّ أَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ ، أَوْ تَحْتَ رِجْلِهِ) . [ر : ٣٩٧]

تراجم رجال

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی سند میں کل چار راوی ہیں:

۱۔حفص بن عمر

یہ ''حفص بن عمر، ابن الحرث الحوضی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب: إذا شرب الكلب في إناء أحدكم فليغسله سبعاً، الحديث الرابع ، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۲۔شعبہ

یہ امیر المؤمنین ''شعبہ بن الحجاج'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۳۔قتادۃ

یہ ''قتادہ بن دعامہ'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

---

(١) مرّ تخريجه تحت رقم الحديث: ٢٤١، في كشف الباري، كتاب الوضوء، باب: البزاق والمخاط ونحوه في الثوب.

(٢) كشف البارى، كتاب الوضو، باب: إذا شرب الكلب في إناء أحدكم فليغسله سبعاً، الحديث الرابع.

(٣) كشف البارى: ٦٧٨/١

(٤) كشف البارى: ٣/٢

۴۔انس

یہ ''انس بن مالک'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

ترجمہ حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی اپنے نہ سامنے تھوکے اور نہ اپنی دائیں جانب، لیکن (تھوکنے کی ضرورت پیش آجائے تو) اپنی بائیں جانب اور پاؤں کے نیچے تھوک سکتا ہے۔

شرحِ حدیث

مذکورہ حدیث مبارکہ کی تشریح ووضاحت بھی ماقبل میں گذر چکی ہے۔

"لا یتفُلَنَّ" یہ صیغہ "نصر" اور "ضرب" دونوں سے مستعمل ہے، یعنی: "ف" کی ''کسرہ'' اور ''ضمہ'' دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے، اس کے معنی: ''تھوکنے'' کے ہیں۔

"لا یتفُلَنَّ" اور "لا یبزقن" یا "لا یبصق" ایک ہی معنی رکھتے ہیں(۲)۔

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بالکل واضح ہے کہ دونوں میں ایک ہی بات مذکور ہے(۳)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

(۱) کشف الباری: ۲/٤

(۲) عمدة القاري: ٤/ ۲۲۷

(۳) عمدة القاري: ٤/ ۲۲۷

٤ – باب : لِيَبْزُقْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ ٱلْيُسْرَى .

یہ باب ہے اس بارے میں کہ (نمازی کو) چاہیے کہ (بوقتِ ضرورت)

اپنی بائیں جانب تھوکے یا اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے۔

عنوان باب میں بعض نسخوں میں "لیبزق" کی جگہ "لیبصق" ہے۔ معنی دونوں کے ایک ہی ہیں (۱)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب سے ایک اختلاف کی طرف اشارہ کردیا، وہ یہ کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بصاق فی المسجد جائز ہے اور اس کا دفن نہ کرنا گناہ ہے۔ اور امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بصاق فی المسجد گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کو دفن کردینا ہے۔

میں نے بیان کیا تھا کہ یہ دونوں قدیم شارحین میں سے ہیں۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ مقدّم ہیں اور مالکی ہیں۔ اور امام نووی رحمہ اللہ مؤخر ہیں اور شافعی ہیں۔ تو بسا اوقات معانی حدیث کے بیان کرنے میں دونوں اختلاف کرجاتے ہیں اور پھر ان کے بعد آنے والے دو فریق ہوگئے۔ ایک امام عیاض رحمہ اللہ کی موافقت کرتا ہے اور دوسرا امام نووی رحمہ اللہ کی تائید کرتا ہے، اسی میں سے یہ اختلاف بھی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ مختار قاضی عیاض رحمہ اللہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے، مختار قاضی عیاض رحمہ اللہ کا یہ مطلب نہیں کہ امام بخاریؒ نے مختار عیاضؒ سمجھ کر اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، بلکہ چونکہ شہرت امام عیاضؒ ہی کے ساتھ ہوئی تھی، اسی لیے ان کی طرف منسوب کردیا گیا'' (۲)۔

حدیثِ باب (پہلی حدیث)

٤٠٣ : حدَّثنا آدَمُ قَالَ : حَدَّثنا شُعْبَةُ قَالَ : حَدَّثنا قَتَادَةُ قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ (۳) قَالَ : قَالَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ : (إِنَّ ٱلْمُؤْمِنَ إِذَا كَانَ فِي ٱلصَّلَاةِ ، فَإِنَّمَا يُنَاجِي رَبَّهُ ، فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ) . [ر : ٣٩٧]

---

(۱) فتح الباري: ١/٦٦٢، عمدة القاري: ٤/ ٢٢٧

(۲) تقریر بخاری شریف: ٢/١٥١

(۳) مر تخريجه رقم الحديث: ٣٩٧

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل چار راوی ہیں:

ا۔آدم

یہ "آدم بن ابی ایاس العسقلانی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ وبیدہ، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔شعبہ

یہ "شعبہ بن الحجاج" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔قتادۃ

یہ "قتادہ بن دعامہ" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإیمان أن یحب لأخیہ ما یحب لنفسہ، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۴۔انس بن مالک

یہ مشہور صحابی رسول "انس بن مالک" رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب:من الإیمان أن یحب لأخیہ ما یحب لنفسہ، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

---

(۱)کشف الباری: ۶۷۸/۱

(۲)کشف الباری: ۶۷۸/۱

(۳)کشف الباری: ۳/۲

(۴)کشف الباری: ۴/۲

ترجمہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن جب نماز میں ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے مناجات میں مشغول ہوتا ہے، چنانچہ (تھوکنے کی حاجت آجانے کے وقت) اپنے سامنے یا اپنی داہنی جانب نہ تھوکے، بلکہ اپنی بائیں جانب یا پاؤں کی جانب تھوکے۔

شرحِ حدیث

مذکورہ حدیث مبارکہ کی تشریح ماقبل میں گذر چکی ہے۔

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت "ولکن عن يساره أو تحت قدمه" میں ہے۔ معنی اس جملے کے یہ ہیں کہ چاہیے کہ اپنی بائیں جانب نہ تھوکے۔

واضح رہے کہ ماقبل ترجمۃ الباب میں "في الصلاة" کی قید تھی جبکہ روایت میں یہ قید نہیں تھی۔ اور یہاں ترجمۃ الباب میں یہ قید نہیں ہے جبکہ حدیثِ مبارکہ میں قید موجود ہے(۱)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیثِ باب (دوسری حدیث)

٤٠٤ : حدّثنا عَلِيٌّ قَالَ : حَدَّثنا سُفْيانُ : حَدَّثَنا ٱلزُّهْرِيُّ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ ٱلرَّحْمٰنِ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ (۲) : أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ أَبْصَرَ نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ ٱلْمَسْجِدِ ، فَحَكَّهَا بِحَصَاةٍ ، ثُمَّ نَهَى أَنْ يَبْزُقَ ٱلرَّجُلُ بَيْنَ يَدَيْهِ ، أَوْ عَنْ يَمِينِهِ ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ ٱلْيُسْرَى .

وَعَنِ ٱلزُّهْرِيِّ ، سَمِعَ حُمَيْدًا ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ : نَحْوَهُ . [ر : ٤٠٠]

---

(۱)عمدة القاري: ٢٢٧/٤

(۲)مرّ تخريجه تحت رقم الحديث: ٤٠٠

تراجم الرجال

مذکورہ حدیث کی سند میں کل پانچ رجال ہیں:

۱۔علی

یہ ''علی بن عبداللہ المدینی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب:الفهم في العلم، کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۲۔سفیان

یہ ''سفیان بن عیینۃ'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحديث الأول، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

۳۔الزهری

یہ ''ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب الزہری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحديث الثالث، کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

۴۔ حمید بن عبدالرحمٰن

یہ ''حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب:تطوع قيام رمضان من الإيمان، کے تحت گزر چکے ہیں(۴)۔

۵۔ابوسعید

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ابوسعید خدری'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

---

(۱) کشف الباري: ۲۹۷/۳

(۲) کشف الباري: ۲۳۸/۱، ۱۰۲/۳

(۳) کشف الباري: ۳۲٦/۱

(٤) کشف الباري: ۳۱٦/۲

ان کا تفصیلی تذکرہ کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الدين الفرار من الفتن، کے تحت گزر چکا ہے(۱)۔

ترجمہ حدیث

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی قبلہ (والی دیوار) میں بلغم دیکھا، تو آپ نے ایک کنکری سے اُسے کھرچ ڈالا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا کہ کوئی بھی آدمی اپنے سامنے کی جانب یا اپنی دائیں جانب نہ تھوکے، بلکہ (بوقت ضرورت) اپنی بائیں جانب یا اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے۔

شرح حدیث

یہ روایت بھی واضح ہے، اس کی تشریح بھی ماقبل ابواب میں بیان ہو چکی ہے۔

حدیث مذکورہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت "ولكن عن يساره أو تحت قدمه" میں ہے۔ معنی اس جملے کے یہ ہیں کہ چاہیے کہ اپنی بائیں جانب نہ تھوکے(۲)۔

وعن الزهري سمع حميدا عن أبي سعيد نحوه

اس ٹکڑے کے ذریعے امام بخاری رحمہ اللہ یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ مذکورہ حدیث کو ماقبل سند میں ''زہری'' نے ''حمید بن عبدالرحمٰن'' سے عنعنہ کے ساتھ روایت کی تھی، جب کہ ''زہری'' کا ''حمید بن عبدالرحمٰن'' سے سماع بھی ثابت ہے، چنانچہ یہ سند اسی سماع پر دلالت کرتی ہے(۳)۔

اس ٹکڑے کے بارے میں علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تعلیق ہے(۴)، جب کہ حافظ ابن حجر

(۱) كشف الباري: ۸۲/۲

(۲) عمدة القاري: ۲۲۷/٤

(۳) شرح الكرماني: ٤/ ۷۳، عمدة القاري: ۲۲۸/٤

(٤) شرح الكرماني: ٤/ ۷۳

رحمہ اللہ ان کا نام لیے بغیر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسے تعلیق قرار دینا شراح کا وہم ہے، بلکہ یہ موصول ہے، جیسا کہ اس قبل بھی ایسا ہوتا رہا ہے(۱)۔اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی طرف داری کرتے ہوئے اس کا تعلیق ہونا راجح قرار دیتے ہیں (۲)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

٥ – باب : كَفَّارَةِ ٱلْبُزَاقِ فِي ٱلْمَسْجِدِ .

یہ باب اس بارے میں ہے کہ مسجد میں بلغم پھینکنے کا کفارہ کیا ہے؟

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اس باب سے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے امام نووی رحمہ اللہ کے مختار (مذہب) کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔(جبکہ سابقہ ابواب سے قاضی عیاض رحمہ اللہ کے مذہب کی تائید ہوتی تھی)۔(۳)

مسجد میں تھوکنے یا نہ تھوکنے کے احکامات کا خلاصہ

خلاصہ ماقبل ابواب کے مقاصد کا یہ نکلے گا کہ مسجد میں نماز کے دوران یا خارج نماز اگر تھوکنے کی مجبوری پیش آجائے تو احادیث کے مطابق مسجد میں اپنی بائیں جانب یا بائیں پاؤں کے نیچے جو تھوکنے کی تصریح مذکور ہے، وہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ مسجد کچی ہو، جس کی بنیاد پر وہاں تھوک کر اس تھوک کو مٹی وغیرہ سے چھپادینا ممکن ہو تو ایسا کیا جائے، لیکن اگر مسجد پکی ہے تو پھر مسجد کے فرش پر تھوکنے کی اجازت نہیں ہے، اس صورت میں اپنے کپڑے وغیرہ میں تھوک کر اسے مَل دینا چاہیے۔ ہماری اس بات کی تائید ابوداود شریف کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے(۴)۔

---

(١) فتح الباري: ١/٦٦٢

(٢) عمدة القاري: ٤/ ٢٢٨

(٣)تقرير بخاری شريف: ٢/ ١٥٢

(٤)عن عبد الرحمن بن أبي حدرد الأسلمي قال سمعت أبا هريرة يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من دخل هذا المسجد، فبزق فيه، أوتنخم، فليحفر، فليدفنه، فإن لم يفعل، فليبزق في ثوبه ثم ليخرج به". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، كراهية البزاق في المسجد، رقم الحديث: ٤٧٧)

حدیثِ باب

٤٠٥ : حدّثنا آدَمُ قَالَ : حَدَّثنا شُعْبَةُ قَالَ : حَدَّثنا قَتَادَةُ قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مالِكٍ قَالَ[1] : قَالَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ : (ٱلْبُزَاقُ فِي ٱلْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ ، وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا) .

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کے کل چار راوی ہیں:

۱۔آدم

یہ ''آدم بن ابی ایاس العسقلانی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه وبیده، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۲۔شعبہ

یہ ''شعبہ بن الحجاج'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۳۔قتادۃ

یہ ''قتادہ بن دعامہ'' رحمہ اللہ ہیں۔

---

(۱)أخرجه مسلم في صحيحه في المساجد، باب: النهي عن البصاق في المسجد، رقم الحديث: ١٢٦٠.

وأبو داود في سننه، في الصلاة، باب: في كراهية البزاق في المسجد، رقم الحديث: ٤٧٤، ٤٧٥، ٤٧٦.

والترمذي في جامعه، في الصلاة، باب: ما جاء في كراهية في المسجد، رقم الحديث: ٥٧٢.

والنسائي في سننه في المساجد، باب: البصاق في المسجد، رقم الحديث: ٨٠٤

وفي جامع الأصول، حرف الميم، الكتاب السادس: في المساجد، الفصل الثاني: في أحكام تتعلق بالمساجد، الفرع الأول: في البصاق، رقم الحديث: ٨٧٣٢، ١١/١٩٤.

(۲)كشف الباری: ١/٦٧٨

(۳)كشف الباری: ١/٦٧٨

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۴۔انس بن مالک

یہ مشہور صحابی رسول ''انس بن مالک'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

ترجمہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ دفن کرنا ہے۔

شرح حدیث

قال النبي صلى الله عليه وسلم: البُزاق في المسجد خطيئة،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: مسجد میں تھوکنا گناہ ہے۔

''البُزاق في المسجد'' صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ تو یہ ہیں، لیکن صحیح مسلم کی روایت میں ''البزاق'' کی جگہ ''التفل'' کا لفظ ہے، یعنی: ''التفل في المسجد''، معنیٰ دونوں کے ایک ہی ہیں(۳)۔

''في المسجد'' یہ ظرف ہے وقوعِ فعل کے لیے، یعنی: یہ بات ضروری نہیں ہے کہ فاعل بھی ظرف کے اندر ہی ہو، بلکہ فاعل ظرف سے باہر ہو اور اس کا فعل ظرف کے اندر واقع ہو تو بھی ممانعت متوجہ ہوگی، چنانچہ! تھوکنے والا چاہے مسجد کے اندر ہو چاہے باہر، دونوں صورتوں میں تھوک کا مسجد میں گرنا گناہ ہے(۴)۔

(۱) کشف الباری: ۲/۳

(۲) کشف الباری: ۲/٤

(۳) أخرجه مسلم في صحیحه في المساجد، باب: النهي عن البصاق في المسجد، رقم الحدیث: ۱۲٦۰.

(٤) عمدة القاري: ٤/۲۲۹

وكفارتها دفنها.

اوراس کا کفارہ دفن کرنا ہے۔

مسجد میں اگر مٹی، ریت یا چھوٹی کنکریاں وغیرہ ہوں تو دفن کرنے سے مراد یہ ہے کہ مسجد کی مٹی وغیرہ میں وہ تھوک دبا دے، اور اگر مذکورہ اشیاء نہ ہوں تو مثلاً: پکا فرش ہو یا قالین وغیرہ بچھے ہوئے ہوں تو دفن کرنے سے مراد یہ ہوگا کہ تھوک یا بلغم کو مسجد سے نکال دے، یعنی: کھرچ دے یا کسی کپڑے وغیرہ سے صاف کردے(۱)۔

سنن ابوداود کی حدیث میں اسی امر کی طرف اشارہ موجود ہے، ملاحظہ ہو:

عن عبد الرحمن بن أبي حدرد الأسلمي قال سمعت أبا هريرة يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من دخل هذا المسجد، فبزق فيه، أوتنخم، فليحفر، فليدفنه، فإن لم يفعل، فليبزق في ثوبه ثم ليخرج به"(۲).

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حکم خارج مسجد کا ہے نہ کہ داخل مسجد کا، داخل مسجد کا حکم تو یہ ہے کہ وہاں تھوکے ہی نہیں اور اگر تھوکنے کی نوبت آہی جائے تو اپنے کپڑے میں تھوکے(۳)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ اس بات کی تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ (علامہ نووی رحمہ اللہ کی) اس بات پر بہت ساری احادیث دال ہیں کہ یہ سارے احکام مسجد کے اندر ہی تھوکنے اور اسے صاف کرنے سے متعلق ہیں(۴)۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تھوک پر گناہ کا اطلاق اس وقت ہوگا جب اسے بغیر دفن کیے چھوڑ دیا جائے، محض تھوکنے کی وجہ سے گناہ کا حکم لاگو نہیں ہوگا(۵)۔

(۱)عمدة القاري: ٢٢٩/٤

(۲)سنن أبي داود، كتاب الصلاة، كراهية البزاق في المسجد، رقم الحديث: ٤٧٧

(۳)شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الصلاة، كتاب المساجد، باب النهي عن البصاق في المسجد في الصلاة وغيرها، ٣٩/٥

(٤)عمدة القاري: ٢٢٩/٤

(٥)المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم للقرطبي، كتاب الصلاة، باب النهي عن الاختصار،وما يجوز من المس فيها، وما جاء في البصاق في المسجد، رقم الحديث: ١٤٩، ٢/ ١٥٥

علامہ عینی رحمہ اللہ نے حضرت سعید بن منصور رحمہ اللہ کا ایک اثر نقل کیا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ کو ایک بار رات کو بصورتِ مجبوری تھوکنا پڑ گیا، پھر وہ اسے صاف کرنا بھول گئے اور اپنے گھر چلے گئے، گھر پہنچ کر یاد آیا تو آگ کا شعلہ روشنی کی خاطر لے کر مسجد کی طرف واپس پلٹے، مسجد پہنچ کر تھوک کو تلاش کیا اور اسے دفن کیا، یعنی: صاف کیا، پھر فرمایا تمام تعریفیں اللہ ہی کے واسطے ہیں کہ اس نے میرے نامہ اعمال میں رات کی اس خطا کو نہیں لکھا(۱)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بالکل واضح ہے کہ دونوں میں ایک بات مذکور ہے۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

٦ – باب : دَفْنِ ٱلنُّخَامَةِ فِي ٱلْمَسْجِدِ .

یہ باب مسجد میں بلغم دفن کرنے کے بارے میں ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

نخامہ مسجد میں دفن کرنا جائز ہے۔ علامہ رویانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مسجد تحت الثریٰ سے لے کر آسمان تک ہے، لہٰذا اگر مسجد کے اندر دفن کیا گیا تو مسجد میں ہی رہے گا اور حکّ مسجد کے احترام کی وجہ سے ہوتا ہے تو اب بھی احترام کے خلاف ہوا۔ لہٰذا دفن سے مراد اس کا اخراج ہے۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ دفن کا جواز ثابت فرماتے ہیں، اس لیے کہ اب وہ (بلغم) مٹی کے نیچے چلا گیا ہے اور اس کے نیچے نہ جانے کتنی چیزیں ہوتی ہیں، مردے بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ اس کے خلاف ہے اور دوسری غرض یہ ہے کہ ''دفن'' مسجد کے ساتھ خاص ہے، مسجد کے باہر نہیں (۲)۔

---

(۱) عمدة القاري: ٤/ ٢٢٩

(۲) تقریر بخاری شریف: ۲/۱۵۲، سراج القاری: ۲/۴۵۸، الكنز المتواري: ٤/١٠٦

تقریر بخاری شریف کے حواشی میں مولوی سلمان صاب کی طرف منسوب تقریر میں ایک اور بات مذکور ہے کہ بعض علماء سے دفنِ نخامہ کی ممانعت نقل کی گئی ہے، خلافِ احترام ہونے کی بناپر، ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احترام کی مخالفت جب ہے کہ وہ خود ناپاک ہو، بزاق خود ناپاک نہیں ہے بلکہ استقذار کی وجہ سے اس کو دفن کیا جاتا ہے اور اس حیثیت سے خلافِ احترام نہیں۔ (حاشیہ تقریر بخاری شریف: ۲/۱۵۲)

حدیثِ باب

٤٠٦ : حدّثنا إسحٰق بن نصر قال : حدّثنا عبد الرّزّاق ، عن معمر ، عن همّام : سمع أبا هريرة[1] ، عن النّبيّ ﷺ قال : (إذا قام أحدكم إلى الصّلاة ، فلا يبصق أمامه ، فإنّما يناجي الله ما دام في مصلّاه ، ولا عن يمينه ، فإنّ عن يمينه ملكًا ، وليبصق عن يساره ، أو تحت قدمه ، فيدفنها) . [ر : ٤٠٠]

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے کھڑا ہوتو وہ اپنے سامنے نہ تھوکے، کیوں کہ جب تک وہ اپنی نماز میں مشغول رہتا ہے تب تک اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتا ہے۔ اور اپنی دائیں جانب بھی نہ تھوکے، کیوں کہ اس کی داہنی جانب ایک فرشتہ ہوتا ہے، البتہ اپنی بائیں جانب یا اپنے پیر کے نیچے تھوکے پھر اسے دفن کردے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

۱۔اسحاق بن نصر

یہ ”اسحاق بن ابراہیم بن نصر“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب:من اغتسل عريانا وحده في خلوة، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۲۔عبدالرزاق

یہ ”ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع صنعانی“ رحمہ اللہ ہیں۔

---

(۱)تقدم تخريجه تحت رقم الحديث: ٤٠٠

(۲) کشف الباری، کتاب الوضو، باب:من اغتسل عريانا وحده في خلوة.

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: حسن إسلام المرء، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۳۔ معمر

یہ ''ابوعروہ معمر بن راشد الازدی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی چوتھی حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: کتابة العلم کی تیسری حدیث، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۴۔ ہمام

یہ ''ہمام بن منبہ بن کامل یمانی صنعانی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: حسن إسلام المرء، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: کتابة العلم کی تیسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۵۔ ابوہریرہ

یہ مشہور صحابی رسول ''حضرت ابوہریرۃ'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: أمور الإیمان، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

شرح حدیث

إذا قام أحدکم إلی الصلاة، فلا یبصق أمامه،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے کھڑا ہو تو وہ اپنے سامنے نہ تھوکے۔

''فلا یبصق'' یہ نہی غائب کا واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔

---

(۱) کشف الباری: ۴۲۱/۲

(۲) کشف الباری: ۴۶۵/۱، ۳۲۱/۴

(۳) کشف الباری: ۴۲۸/۲، ۳۱۷/۴

(۴) کشف الباری: ۶۵۹/۱

فإنما يناجي الله ما دام في مصلاه،

کیوں کہ جب تک وہ اپنی نماز میں مشغول رہتا ہے تب تک اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتا ہے۔

کشمیھني کی روایت میں "فإنه يناجي" کے الفاظ ہیں(۱)۔

"ما دام في مصلاه" جتنی دیر تک، جب تک نماز میں مشغول رہے تب تک۔

مسجد میں تھوکنے کی ممانعت صرف دورانِ نماز کی ہے یا خارجِ نماز کی بھی؟

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اس روایت کے مطابق تو تھوکنے کی ممانعت صرف نماز کی حالت میں ہے، جب کہ دوسری روایت - جس میں اس کی وجہ سے مسلمان کو اذیت پہنچنا بتلایا گیا تھا - کا تقاضا تو یہ ہے ممانعت نماز کے ساتھ خاص نہ ہو، بلکہ مطلق ہو۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس ممانعت کے مختلف درجات ہیں، یہ فعل نماز کے دوران بہت سخت گناہ کا باعث ہے اور پھر مسجد کے دیگر حصوں کی نسبت دیوارِ قبلہ میں ہونا اور بھی زیادہ سخت ہے۔ وغیرہ وغیرہ(۲)

ولا عن يمينه، فإن عن يمينه ملكاً،

اور اپنی دائیں جانب بھی نہ تھوکے، کیوں کہ اس کی داہنی جانب ایک فرشتہ ہوتا ہے۔

"ملكاً" ایک روایت میں یہ لفظ "ملك" استعمال ہوا ہے، اس صورت میں یہ لفظ "إنّ" کی خبر ہوگا اور "إنّ" کا اسم ''ضمیر الشان'' بنے گی(۳)۔

بائیں جانب تھوکنے میں کیا فرشتے کی بے اکرامی نہیں؟

اس عبارت پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ دائیں جانب فرشتہ ہونے کی وجہ سے اس کے اکرام میں دائیں جانب تھوکنا منع ہے، جب کہ فرشتہ تو بائیں جانب بھی ہوتا ہے، لہٰذا بائیں جانب تھوکنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟!

تو اس کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں:

ایک جواب علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے دیا ہے: ''نماز جو کہ ام الحسنات ہے اس کی ادائیگی کے وقت

(۱)فتح الباري: ۱/ ٦٦٤، عمدة القاري: ٤/ ٢٣٠

(۲)فتح الباري: ۱/ ٦٦٤، عمدة القاري: ٤/ ٢٣٠

(۳)شرح الكرماني: ٤/٧٤- اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ١٦٢/٣

برائیاں لکھنے والے فرشتے کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، لہٰذا حالتِ نماز میں وہ فرشتہ ساتھ نہیں ہوتا۔ یا پھر یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ کراما کاتبین کے علاوہ کوئی اور فرشتہ ساتھ ہوتا ہو، لہٰذا کوئی اشکال نہیں''(۱)۔

لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے ان جوابات کورد کرتے ہوئے ایک اپنا جواب نقل کیا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک قرین (شیطان) ہوتا ہے، فرشتے کی جگہ دائیں جانب اور قرین کی جگہ بائیں جانب ہوتی ہے، تو شاید بائیں جانب تھوکا جانے والے بلغم شیطان پر گرتا ہے، فرشتے پر نہیں(۲)۔ اسی کی طرف طبرانیؒ کی ایک روایت میں اشارہ بھی ملتا ہے(۳)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ فرشتہ کاتبِ حسنات نہیں ہے، بلکہ یہ وہ فرشتہ ہے جو مصلی کے پاس آکر داہنی طرف کھڑا رہتا ہے اور املاءِ حسنات کرتا ہے''(۴)۔

وليبصق عن يساره، أو تحت قدمه، فيدفنها.

البتہ اپنی بائیں جانب یا اپنے پیر کے نیچے تھوکے پھر اسے دفن کردے۔

"وليبصُق" یہ لفظ ایک دوسری روایت کے مطابق "وليبزق" ہے(۵)۔

(۱) شرح الكرماني: ٤/٧٤- اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ٣/١٦٢

(٢) عمدة القاري: ٤/٢٣٠

(٣) عن أبي أمامة قال قام رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم، فاستفتح الصلاة، فرأى نخاعة في القبلة، فخلع نعليه، ثم مشى إليها فحتها، ففعل ذلك ثلاث مرات، فلما قضى صلاته، أقبل على الناس بوجهه، فحمد الله وأثنى عليه، ثم قال: "أيها الناس! إن أحدكم إذا قام في الصلاة، فإنه في مقام عظيم، يسأل أمرا عظيما الفوز بالجنة، والنجاة من النار، وإن أحدكم إذا قام في الصلاة، فإنه يقوم بين يدي الله مستقبل ربه، وملكه عن يمينه، وقرينه عن يساره، فلا يتفلنّ أحدكم بين يديه، ولا عن يمينه، ولكن عن يساره تحت قدمه اليسرىٰ ....". (المعجم الكبير للطبراني، صدي بن العجلان أبو أمامة الباهلي، رقم الحديث: ٧٨٠٨، ٨/١٩٩)

(٤) الكنز المتواري: ٤/١٠٢، سراج القاري: ٢/٤٥٩- اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ٣/١٦٢

(٥) مصابيح الجامع شرح الجامع الصحيح للإمام البخاري: ٢/١١٨

"فیدفنھا" اس فعل پر تین اعراب (نصب، رفع اور جزم) پڑھنا جائز ہیں، نصب پڑھنے کی صورت میں یہ صیغہ جوابِ امر واقع ہوگا، رفع پڑھنے کی صورت میں مبتداء محذوف "ھو" کی خبر ہوگا اور جزم پڑھنے کی صورت میں اس کا عطف امر "لیبصق" پر ہوگا(۱)۔

"فیدفنھا" کی "ھا" ضمیر کا مرجع "البَصقة" بنایا جائے گا، جس پر حدیث مبارکہ کا قول "ولیبصُق" دلالت کررہا ہے(۲)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے ایک اشکال ذکر کرکے اس کا جواب بھی دیا ہے کہ ترجمۃ الباب تو "دفنِ نخامة" کے ذکر پر ہے، جب کہ حدیثِ مبارکہ "دفنِ بزاق" پر دلالت کرتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حکم کے اعتبار سے دونوں: نخامہ اور بزاق برابر ہیں(۳)۔

تھوک مسجد میں دفن کرنے کی صورت

"فیدفنھا" کی ایک صورت تو یہ ہے کہ نماز مکمل کرچکنے کے بعد اس پر تھوڑی بہت مٹی ڈال کر اسے چھپا دیا جائے تو یہ معنی یہاں مراد نہیں ہیں، اس لیے کہ اس صورت میں یہ خطرہ باقی رہے گا کہ وہاں کسی شخص کا پیر پڑ جائے یا وہ اس جگہ پر بیٹھ جائے تو اِس سے اُسے تکلیف اور اذیت پہنچے گی، بلکہ اِس کے دفن کا طریقہ یہ مراد ہوگا کہ باقاعدہ تھوڑا سا زمین کھود کے اُس کی مٹی میں اُس بلغم کو چھپا دیا جائے، اب ظاہر ہے کہ یہ اُسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے جب مسجد کا فرش کچا ہو، لیکن اگر فرش پکا ہو تو پھر یہ بات ماقبل میں گذر چکی کہ اس صورت میں مسجد کے فرش پر نہ تھوکا جائے بلکہ اپنے کپڑے کے ایک کونے میں تھوک کر مَل دیا جائے۔ اور اگر اُس فرش پر ہی تھوکنا پڑ گیا ہو تو اس صورت میں نماز کے بعد کپڑے سے یا پانی سے اس تھوک کو صاف کرنا مراد ہوگا(۴)۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت روایت کے لفظ "فیدفنھا" میں ہے، اس طور پر بزاق اور نخامہ ایک ہی حکم میں ہیں(۵)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

---

(۱)شرح الكرماني: ٤/٧٤، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ٣/١٦٢، عمدة القاري: ٤/٢٣٠

(٢)عمدة القاري: ٤/٢٣٠

(٣)شرح الكرماني: ٤/٧٤

(٤)فتح الباري: ١/ ٦٦٤

(٥)اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ٣/١٦٢، فتح الباري: ١/ ٦٦٤، عمدة القاري: ٤/ ٢٢٩

۷ – باب : إِذَا بَدَرَهُ ٱلْبُزَاقُ فَلْيَأْخُذْ بِطَرَفِ ثَوْبِهِ .

یہ باب اس بارے میں ہے کہ جب نمازی پر تھوک کا غلبہ ہو جائے
تو وہ اُس تھوک کو اپنے کپڑے کے کنارے میں لے لے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ نمازی اگر تھوکنے وغیرہ کے لیے مجبور ہو جائے تو اس کا کپڑے میں تھوک لینا بھی جائز ہے(۱)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ تنبیہ فرماتے ہیں کہ روایت میں "بصاق في اليسار" **اور** "تحت القدم" **اور** "في الثوب" **کے اندر تسویہ فرمایا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ثوب کے اندر لے کر مَل دے، بلکہ یہ اس وقت ہے جب کہ بصاق اس پر غالب آجائے اور کوئی چارہ نہ ہو تو ایسا کرے، گو ترجمہ شارحہ ہے اور میں نے بیان کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے اصول میں سے ہے کہ وہ کبھی ترجمۂ شارحہ باندھتے ہیں، جس میں ابہام کی توضیح اور خاص کی**

---

(۱) انوار الباری: ۱۳/۳۲۳

مولانا بجنوری رحمہ اللہ اس مقام پر لکھتے ہیں کہ اس موقع پر امام بخاری رحمہ اللہ نے "بدرہ" عربیت کے خلاف لکھا ہے، صحیح "بدر إليه" تھا، جیسا کہ جوہری وغیرہ اہلِ لغت وتصریف نے لکھا ہے۔ محقق عینی رحمہ اللہ نے لکھا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جو اس موقع پر امام بخاری رحمہ اللہ کی بے جا حمایت کی ہے وہ خود ان کی علمِ تصرف سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ (عمدہ: ۳/۳۲۴)

یہاں حیرت اس امر پر نہ ہونی چاہیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ یا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علمِ تصرف میں کمزور تھے، کیونکہ لکل فن رجال، یہ ضروری کب ہے امام بخاری اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ علمِ حدیث و رجال کے امام ہوں تو لغت وتصریف کے بھی امام ہوں۔ حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے درسِ بخاری شریف میں کئی جگہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عربیت پر نقد کیا اور فرمایا تھا کہ ان کو تو جرح وتعدیلِ رواۃ ہی میں رہنا چاہیے کہ یہاں تو زمخشری کا ہی اتباع کیا جائے گا کیونکہ وہ عربیت کا مالک ہے۔ ایک جگہ یہ بھی فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عربیت کامل ہوتی تو وہ "مجاز القرآن" سے نقل پر اکتفاء نہ کرتے بلکہ خود بھی کچھ لکھتے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے امام نحو سیبویہ کی غلطیاں بتلائی ہیں، حالانکہ بقول حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ وہ کتابِ سیبویہ کو پوری طرح سمجھ بھی نہ سکے ہوں گے۔ (انوار الباری: ۱۳/۳۲۳)، وكذا في عمدة القاري: ٤/٢٣٠۔

تعمیم اور عام کی تخصیص ہوتی ہے(۱)۔

حدیثِ باب

٤٠٧ : حدّثنا مالكُ بْنُ إِسْماعِيلَ قَالَ : حَدَّثنا زُهَيْرٌ قَالَ : حَدَّثنا حُمَيْدٌ ، عَنْ أَنَسٍ(٢) : أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ رَأَى نُخَامَةً فِي ٱلْقِبْلَةِ ، فَحَكَّهَا بِيَدِهِ ، وَرُئِيَ مِنْهُ كَرَاهِيَةٌ ، أَوْ رُئِيَ كَرَاهِيَتُهُ لِذٰلِكَ ، وَشِدَّتُهُ عَلَيْهِ ، وَقَالَ : (إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهِ ، فَإِنَّمَا يُنَاجِي رَبَّهُ ، أَوْ رَبُّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قِبْلَتِهِ ، فَلَا يَبْزُقَنَّ فِي قِبْلَتِهِ ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ) . ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ ، فَبَزَقَ فِيهِ ، وَرَدَّ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ ، قَالَ : (أَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا) . [ر : ٣٩٧]

ترجمہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی قبلہ والی دیوار میں بلغم لگا ہوا دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھ سے صاف کر دیا اس حال میں کہ ناپسندیدگی کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر دیکھے گئے۔ یا (روای نے فرمایا کہ) اس دیوارِ مسجد پر بلغم گرے ہوئے ہونے کی وجہ سے ناراضگی کے آثار آپ کے چہرۂ مبارک پر دیکھے گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز ادا کرنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات کر رہا ہوتا ہے۔ یا (یوں ارشاد فرمایا کہ) اس کا رب گویا اس کے اور اس کے قبلہ کے درمیان ہوتا

(١)تقرير بخاری شريف: ١٥٢/٢

اس مقام پر ''تقریر بخاری شریف'' کے حاشیے میں ایک اور توجیہ مذکور ہے:

میرے نزدیک امام بخاری کی غرض ایک لطیف طریقہ سے تنبیہ کرنا ہے، وہ یہ کہ کثرت سے یہ مضمون آیا ہے کہ "لكن عن يساره أو تحت قدمه، أو يفعل هكذا"۔ تو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے "إذا بدره البزاق" بڑھا کر بتلا دیا کہ یہ کپڑے سے بزاق کو رگڑنا نیچے تھوکنے کے مساوی نہیں جیسا کہ لفظ "أو" سے معلوم ہوتا ہے، بلکہ یہ مقید ہے "إذا بدره" کے ساتھ اور اس کا درجہ نیچے تھوکنے سے کم ہے اور نیچے تھوکنا اس فعل ثوب سے بڑھا ہوا ہے۔ (کذا فی تقریر مولوی احسان)

(٢)مر تخريجه تحت كتاب الوضوء، باب: البزاق والمخاط ونحوه في الثوب، رقم الحديث: ٢٤١

ہے، لہٰذا وہ قبلہ کی جانب نہ تھوکا کرے، بلکہ اپنی بائیں جانب یا اپنے پیر کے نیچے تھوک لیا کرے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کا کنارہ پکڑ کر اس میں تھوکا اور اسے مل دیا اور فرمایا کہ یا پھر اس طرح کر لیا کرے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی سند میں کل چار راوی ہیں:

۱۔ مالک بن اسماعیل

یہ ''مالک بن اسماعیل ابوغسان النہدی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: الماء الذي يغسل به شعر الإنسان، رقم الحدیث: ۱۷۰، کے تحت گذر چکے ہیں (۱)۔

۲۔ زہیر

یہ ''زہیر بن معاویہ بن حُدیج جعفی کوفی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: الصلاة من الإيمان، کے تحت گذر چکے ہیں (۲)۔

۳۔ حمید

یہ ''حمید بن ابی حمید الطّویل ابوعبیدہ بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر، کے تحت گذر چکے ہیں (۳)۔

۴۔ انس

یہ مشہور صحابی ''حضرت انس بن مالک'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

---

(۱) کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: الماء الذي يغسل به شعر الإنسان، رقم الحديث: ۱۷۰

(۲) کشف الباری: ۳٦۷/۲

(۳) کشف الباری: ۵۷۱/۲

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

شرحِ حدیث

عن أنس أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى نخامة في القبلة، فحكها بيده ورئي منه كراهية،

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی قبلہ والی دیوار میں بلغم لگا ہوا دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھ سے صاف کر دیا اس حال میں کہ ناپسندیدگی کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر دیکھے گئے۔

ورئي منه كراهية، حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص حسین ہوتا ہے تو رنج وغم، خوشی ومسرت اس کے چہرے سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون حسین وجمیل ہوسکتا ہے؟! نہ آپ جیسا کوئی حسین پیدا ہوا اور نہ ہوگا، چنانچہ! آپ کے غایتِ حسن کی بنا پر چہرۂ انور سے جو بات ہوتی تھی، ظاہر ہو جایا کرتی تھی (۲)۔

أو رئي كراهيته لذلك، وشدته عليه،

یا (روای نے فرمایا کہ) اس دیوارِ مسجد پر بلغم گرے ہوئے ہونے کی وجہ سے ناراضگی کے آثار آپ کے چہرۂ مبارک پر دیکھے گئے۔

"أو" سے راوی کے شک کا بیان ہے اور شک اس امر میں ہے کہ لفظِ "كراهية" کی "هو" ضمیر کی طرف اضافت ہے یا نہیں۔

بعض نسخوں میں یہ لفظ "یا" کے بغیر اور اضافت کے ساتھ ہے، یعنی: "كراهته" (۳)۔

---

(۱) کشف الباری: ۲/۴

(۲) تقریر بخاری شریف: ۲/۱۵۲

(۳) شرح الكرماني: ۴/۷۵

"شــدتــه" کومرفوع اور مجرور دونوں طرح پڑھنا درست ہے، مرفوع کی صورت میں اس کا عطف "كراهيته" پر ہوگا، اور مجرور پڑھنے کی صورت میں اس کا عطف "ذلك" پر ہوگا (۱)۔

روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب میں دو اجزاء ہیں، پہلا: "إذا بدره البزاق" اور دوسرا: "فليأخذ بطرف ثوبه"۔ جبکہ روایت کے اندر پہلے جز کا کوئی ذکر نہیں ہے، البتہ دوسرے جز کا ذکر موجود ہے اور وہ یہ ہے: "ثم أخذ طرف ردائه فبزق فيه، ورد بعضه على بعض"، لیکن "إذا بدره البزاق" کا جو جز تھا، اس کا ذکر روایت میں نہیں ہے۔ "إذا بدره البزاق" کے معنی ہیں کہ اس طرح تھوک آ گیا کہ اس کو پھینکنا ضروری ہے، نگل نہیں سکتا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے: "وإن عجلت به بادرة، فيأخذها بطرف ثوبه"، (۲) امام بخاری رحمہ اللہ اس روایت کی طرف ترجمۃ الباب میں اشارہ کرنا چاہتے ہیں اور یہاں باب میں انہوں نے ترجمہ کے اس جز سے متعلق کوئی حدیث نقل نہیں کی۔ اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب وہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی شرائط کے مطابق نہیں ہوتی، تو تب امام بخاری رحمہ اللہ اسے اپنے ترجمۃ الباب کا جز بنا لیتے ہیں یا اس کی طرف اشارہ فرما دیتے ہیں۔

علامہ سندی رحمہ اللہ نے فرمایا: "امام بخاری رحمہ اس ترجمہ کے ذریعے اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ باب میں جو مطلق حدیث ہے وہ ان روایت کی وجہ سے "إذا بـــدره" کے ساتھ مقید ہوگی جو امام صاحب نے ذکر نہیں کیں اور امام مسلم رحمہ اللہ نے انہیں ذکر کیا ہے" (۳)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ ایسی روایات صحیح مسلم، سنن ابو داؤد اور مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہیں (۴)۔

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/٧٥، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ٣/١٦٣، عمدة القاري: ٤/٢٣١

(۲) تفصیل آگے حاشیہ نمبر:۴، میں آ رہی ہے۔

(۳) حاشية السندي على الجامع الصحيح: ١/١٢٢، الطاف سنز

(٤) فتح الباري: ١/٦٦٥

صحیح مسلم میں مذکور حدیث مبارکہ کا متعلقہ حصہ:

ثم مضينا حتى أتينا جابر بن عبد الله في مسجده ......أتانا رسول الله صلى الله عليه وسلم في =

حدیثِ مبارکہ سے مستنبط شدہ احکام ومسائل

اس حدیث مبارکہ سے بہت سارے مسائل مستنبط ہوتے ہیں، جن میں کچھ ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔معلوم ہوا کہ تھوک ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ پاک ہوتا ہے(۱)۔

۲۔تھوکنا نماز کو باطل نہیں کرتا(۲)۔

۳۔جانبِ قبلہ کا محترم ومکرم ہونا اور اُسے صاف رکھنا بھی معلوم ہوتا ہے(۳)۔

= مسجدنا هٰذا .... قال [رسول الله صلى الله عليه وسلم]: "فإن أحدكم إذا قام يصلي، فإن الله تبارك وتعالى قبل وجهه، فلا يبصقن قبل وجهه، ولا عن يمينه، وليبصق عن يساره، تحت رجله اليسرىٰ، فإن عجِلَتْ به بادرةٌ، فليقُل بثوبه هٰكذا" ثم طوىٰ ثوبه بعضه على بعض .... (صحيح مسلم، كتاب الزهد، باب: حديث جابر الطويل وقصة أبي اليسر، رقم الحديث: ۳۰۰۸)

"سنن ابی داؤد" میں مذکور حدیثِ مبارکہ:

عن أبي سعيد الخدري: أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يحب الرعاجين ولا يزال في يده منها، فدخل المسجد فرأى نخامة في قبلة المسجد فحكها، ثم أقبل على الناس مغضبا فقال: أيسُرُّ أحدكم أن يبصق في وجهه، إن أحدكم إذا استقبل القبلة فإنما يستقبل ربه عزوجل والملك عن يمينه، فلا يتفُل عن يمينه ولا في قبلته، وليبصق عن يساره أو تحت قدمه، فإن عجِلَ به أمر فليقُل هٰكذا" - ووصف لنا ابن عجلان ذٰلك - أن يتفُلَ في ثوبه ثم يرد بعضه على بعض. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: في كراهية البزاق في المسجد، رقم الحديث: ۴۸۰، ۴۸۵)

"مصنف ابن ابی شیبہ" میں مذکور حدیثِ مبارکہ:

عن أبي سعيد قال دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم وبيده عُرجون - وكان يحب العرجون -، فرأى نخامة في القبلة، فحكها، ثم أقبل على الناس فقال: "أيها الناس، إن أحدكم إذا قام يصلي استقبله الله، وعن يمينه ملك، أفيحب أحدكم أن يستقبله الرجل فيبزق في وجهه؟ فلا يبزق أحدكم في القبلة ولا عن يمينه، وليبزق تحت رجله اليسرىٰ أو عن يساره، فإن عجِلَت به بادرة فليقل هكذا". يعني: في ثوبه. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من كره أن يبزق تجاه المسجد، رقم الحديث: ۷۵۲۷، ۵/۱۴۴)

(۱)شرح الكرماني: ۴/ ۷۵، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۳/۱۶۳، عمدة القاري: ۴/۲۳۱

(۲)شرح الكرماني: ۴/ ۷۵، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۳/۱۶۳، عمدة القاري: ۴/۲۳۱

(۳)شرح الكرماني: ۴/ ۷۵، التوضيح لشرح الجامع الصحيح: ۵/۴۲۲، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۳/۱۶۳

۴۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی حالت میں نمازی اپنے رب سے مناجات میں مشغول ہوتا ہے(۱)۔

۵۔اس امر کا بہت بڑی خطا ہونا بھی معلوم ہوا کہ نمازی کی توجہ بواسطہ جانبِ قبلہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے،اس لیے اس جانب تھوکنا خلافِ ادب ہونے کی بنا پر ممنوع ہے(۲)۔

۶۔دائیں اور بائیں جانبوں میں سے دائیں جانب کا فضل والا ہونا بھی معلوم ہوا(۳)۔

۷۔مسجد کو ناپسندیدہ چیزوں سے پاک صاف رکھنا بھی معلوم ہوا(۴)۔

۸۔امام مسجد کے لیے احوالِ مسجد کی جانچ پڑتال میں رہنا بھی مستحسن ومستحب ہے(۵)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

٨ – باب : عِظَةِ ٱلْإِمَامِ ٱلنَّاسَ فِي إِتْمَامِ ٱلصَّلَاةِ ، وَذِكْرِ ٱلْقِبْلَةِ .

یہ باب امام کا لوگوں کو اتمامِ نماز اور ذکرِ قبلہ کی نصیحت کرنے کے بیان میں ہے۔

ترجمۃ الباب کی ماقبل سے مناسبت اور مقصد

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس باب کا یہاں کے ابواب سے کچھ تعلق نہیں تھا،اس لیے خود ہی امام بخاری رحمہ اللہ نے ”وذکر القبلة“ کا لفظ بڑھادیا،تاکہ (یہ باب) اُن ابواب کے مناسب ہوجائے(۶)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میرے نزدیک ”ابواب المساجد“ شروع ہوگئے،لیکن اس باب کا مسجد سے تعلق معلوم نہیں ہوتا،نیز!

(١)شرح الكرماني: ٤/ ٧٥، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ١٦٣/٣،

(٢)شرح الكرماني: ٤/ ٧٥، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ١٦٣/٣،

(٣)شرح الكرماني: ٤/ ٧٦، اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ١٦٣/٣، عمدة القاري: ٢٣١/٤

(٤)التوضيح لشرح الجامع الصحيح: ٤٢٢/٥، فتح الباري: ٦٦٥/١، عمدة القاري: ٢٣١/٤

(٥)فتح الباري: ٦٦٥/١، عمدة القاري: ٢٣١/٤

(٦)فضل الباری:۱۲۲/۳

آگے جو دوسرا جز باب کا ہے، یعنی: "وذکر القبلة" اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اس صورت میں اس کا تعلق باب: استقبال القبلة سے ہو گیا، ابواب المساجد سے نہ ہوا۔ میری رائے یہ ہے کہ قبلہ کا ذکر تنبیہا واستطرادا آ گیا اور مقصود اول جز ہے اور عام طور سے لوگ جماعت کے ساتھ مساجد میں نماز پڑھتے ہیں، اس اعتبار سے یہ ابواب مساجد کے ساتھ متعلق ہو گیا(۱)۔

مسجد کے مصالح بہت ہیں، من جملہ ایک یہ کہ جُہلاء مسجد میں آ کر علما کی عبادت دیکھ کر اپنی عبادات کو درست کریں گے، وغیرہ وغیرہ، ان میں سے ایک یہ بھی ہے امام قوم کی نگرانی کرتا رہے اور ان کو ان کی غلطیوں پر ٹوکتا رہے اور انہیں سمجھاتا رہے، مگر بھائی! یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے حالات کو پہلے درست کرلے(۲)۔

علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ عادت ہے کہ ایک سلسلہ چل رہا ہوتا ہے، درمیان میں کوئی خاص فائدہ سلسلے کی روایات سے مستفاد ہوتا ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ تھوڑی دیر کے لیے اس سلسلے کو منقطع کر دیتے ہیں اور اس فائدہ جلیلہ پر تنبیہ کر دیا کرتے ہیں، شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا نام "انجاز" رکھا ہے، یہاں چونکہ استقبال قبلہ کا سلسلہ چل رہا تھا، اس میں ایک خاص بات درمیان میں آئی، اس پر متنبہ کرنے کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ترجمہ قائم فرمایا"(۳)۔

پہلے باب میں ادب سکھایا تھا کہ حالتِ نماز میں تھوک بلغم کا غلبہ ہو تو اس کو دفع کرنے کے وقت سمتِ قبلہ کی عظمت وادب کو ملحوظ رکھے، اس باب میں ارکان نماز کو پوری طرح ادا کرنے کا حکم بتلایا اور اس میں بھی سمت قبلہ کی طرف رُخ کرنے کا ذکر ضمناً آ گیا ہے، لہٰذا بابِ سابق سے مناسبت ظاہر ہے اور اسی توجیہ کو کلی طور سے محقق عینی رحمہ اللہ نے اور جزوی طور پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، ان دونوں اکابر کی توجیہ ومناسبت ابواب کو بعید وابعد قرار دے کے لامع الدراری کی اس توجیہ کو ہم اوجہ ماننے میں متردد ہیں کہ دونوں ابواب میں مسجد اور جماعت کے احکام پر متنبہ کیا گیا ہے، کیونکہ نہ بابِ سابق "إذا بدره البزاق فليأخذ بطرف ثوبه"

---

(۱)حاشیه تقریرِ بخاری: ۱۵۳/۳

(۲)الكنز المتواري: ٤/ ١٠٨، سراج القاري: ٤٦١/٢

(۳)فيض الباري: ٥١/٢

میں مسجد و جماعت کا ذکر تھا اور نہ ہی اس باب "عظة الامام" میں اتمام صلوٰۃ کا حکم مسجد و جماعت کے ساتھ مخصوص ہے، اتمام صلوٰۃ تو ہر نماز میں ضروری ہے، خواہ وہ انفرادی ہو یا جماعت کے ساتھ، مسجد میں ہو یا غیرِ مسجد میں۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے جو مصالح ''حجۃ اللہ'' میں ذکر کئے ہیں، وہ بھی مساجد کے ساتھ خاص نہیں، مطلق جماعت کے لیے ہیں اور خود امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہاں ''ابواب المساجد'' کا عنوان کہاں قائم کیا ہے؟ کتاب الصلوٰۃ کے تحت مساجد، غیر مساجد سب ہی کے احکام مختلف عنوانات قائم کر کے بیان کئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ واضح ہو کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے رسالہ شرح تراجم ابواب البخاری میں باب عظة الامام اور اس سے قبل کے بھی متعدد ابواب کا ذکر نہیں ہے(۱)۔

حدیثِ باب (پہلی حدیث)

٤٠٨ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ أَبِي ٱلزِّنَادِ ، عَنِ ٱلْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ[۲] رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَالَ : (هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِي هٰهُنَا ، فَوَٱللهِ مَا يَخْفَى عَلَيَّ خُشُوعُكُمْ وَلَا رُكُوعُكُمْ ، إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي) . [٧٠٨]

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم کیا سمجھتے ہو کہ میرا قبلہ ادھر ہی ہے؟! میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ مجھ سے نہ تمہارا خشوع چھپا ہوا ہے اور نہ ہی رکوع، بے شک میں تو تمہیں اپنی

---

(۱)انوار الباری: ١٤/٥

(۲)أخرجه البخاري في صفة الصلاة، باب: الخشوع في الصلاة، رقم الحديث: ٧٤١،

ومسلم في صحيحه، في الصلاة، باب: الأمر بتحسين الصلاة واتمامها والخشوع فيها، رقم الحديث: ٤٢٥.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، القسم الأول: في الفرائض وأحكامها وما يتعلق بها، الباب الثاني في صلاة الجماعة، الفصل الرابع في أحكام المأموم، الفرع الثالث: في آداب المأموم، رقم الحديث: ٣٩١٢، ٦٤٣/٥

پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

۱۔عبداللہ بن یوسف

یہ ''عبداللہ بن یوسف تنیسی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: لیبلغ العلم الشاهد الغائب، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔مالک

یہ امام ''مالک بن انس'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب:من الدين الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ابی الزناد

یہ ''ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان مدنی قرشی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: حب الرسول صلى الله عليه وسلم من الإيمان، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۴۔الاعرج

یہ ''ابوداؤد عبدالرحمٰن بن ہرمز مدنی قریشی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: حب الرسول صلى الله عليه وسلم من

(۱) کشف الباری:۱/۲۸۹، ۴/۱۱۳

(۲) کشف الباری:۱/۲۹۰، ۲/۸۰

(۳) کشف الباری: ۲/۱۰

الإیمان، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۵۔ابی ھریرۃ

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''ابو ہریرۃ'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: أمور الإیمان، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

شرح حدیث

عن أبي هرير ة أن رسـول الـلـه صلى الله عليه وسلم قال: "هل ترون قبلتي هٰهنا،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم کیا سمجھتے ہو کہ میرا قبلہ ادھر ہی ہے؟!

"هـل ترون" یہ استفہام انکاری ہے، اور "ترون" سے مراد رؤیت حقیقی نہیں ہے بلکہ یہ "تـظنون" کے معنی میں ہے، یعنی: کیا تم یہ گمان کرتے ہو......۔

"قبـلتي"، اس سے مراد قبلہ اصطلاحی نہیں ہے، نمازی کے سامنے کی جہت ہے جس طرف میں نے منہ کیا ہوا ہے(۳)۔

''هٰهـنـا''اس لیے کہ عام قاعدہ تو یہی ہے کہ جب ایک جانب منہ کرلیا جائے تو اس کے بالمقابل جہت کی طرف پشت ہو جاتی ہے(۴)۔

اب اس جملے کی مکمل مراد یہ ہو جائے گی کہ اے میرے صحابہ تم جو یہ سمجھ رہے ہو کہ نماز کے دوران چونکہ میرا رخ قبلے کی طرف ہوتا ہے اور تمہاری جانب پشت ہوتی ہے اس لیے مجھے تمھارے افعال کی کوئی خبر نہیں ہوتی

(۱) کشف الباری: ۲/۱۱

(۲) کشف الباری: ۱/۶۵۹

(۳) عمدة القاري: ٤/٢٣٢ ـ شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنيه بالمنح المحمديه، المقصد الثالث فيما فضله الله تعالىٰ به، الفصل الأول في كمال خلقته وجمال صورته صلى الله عليه وسلم: ٥/٢٦٤

(٤) أيضاً

تو تمہارا یہ سمجھنا ٹھیک نہیں ہے۔ بلکہ میں جس طرح آگے سے دیکھتا ہوں اسی طرح پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں (۱)۔

فواللہ ما یخفیٰ عليّ خشوعکم ولا رکوعکم،

میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ مجھ سے نہ تمہارا خشوع چھپا ہوا ہے اور نہ ہی رکوع،

ایک اور روایت میں "رکوعکم ولا خشوعکم" کے الفاظ آئے ہیں (۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مراد یہاں تمام ارکان ہیں، نہ کہ صرف رکوع، سجود۔ اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ رکوع کے ذکر سے سجود مراد لیا گیا ہو، کیونکہ حالت سجدہ میں تو غایت درجے کا خشوع ہوتا ہے۔ اس حال میں کہ صحیح مسلم کی حدیث میں رکوع کے ساتھ سجود کا ذکر بالتصریح موجود ہے" (۳)۔

اس صورت میں سجود سے مراد تمام ارکان لیے جائیں تو پھر رکوع کا ذکر تخصیص بعد التعمیم کی قبیل سے ہو گا، یا اس بنا پر کہ رکوع دیگر ارکان کی بنسبت ایک بڑا رکن ہے اس جہت سے کہ امام کو رکوع میں پا لینے والے کو رکعت کا پا لینے والا قرار دیا گیا ہے۔ اور رکوع سے رہ جانے والے کو رکعت فوت کر دینے والا قرار دیا گیا ہے (۴)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"بعض علماء نے رکوع کا لفظ دیکھ کر خشوع کی تفسیر سجود سے کی ہے، مگر میرے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ خشوع کو اپنے عموم پر رکھا جائے تا کہ سارے افعالِ صلوات کو شامل ہو جائے۔ ورنہ صورتِ اولیٰ میں صرف سجدہ و رکوع کا ذکر ہوگا باقی کا نہیں۔ اور جب سارے افعالِ صلوات خشوع کے اندر آ گئے اور پھر خاص طور سے رکوع کو اس واسطے ذکر کیا کہ زیادہ گڑبڑ رکوع کے اندر ہی ہوتی ہے، اسی کا اتمام نہیں ہوتا، سجدہ تو تھوڑا بہت ہو بھی جاتا ہے، کیونکہ سجدہ میں سر زمین پر رکھا جاتا ہے، اس لیے وہاں تھوڑی دیر رُک جاتا ہے، بخلاف رکوع کے اور بہت

(۱) اللامع الصبیح بشرح الجامع الصحیح: ۱۶۵/۳، فتح الباري: ۶۶۶/۱، عمدة القاري: ۲۳۲/٤

(۲) شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنيه بالمنح المحمديه، المقصد الثالث فيما فضله الله تعالىٰ به، الفصل الأول في كمال خلقته وجمال صورته صلى الله عليه وسلم: ۲٦٤/٥

(۳) فتح الباري: ٦٦٦/۱

(٤) عمدة القاري: ۲۳۲/٤، شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنيه بالمنح المحمديه، المقصد الثالث فيما فضله الله تعالىٰ به، الفصل الأول في كمال خلقته وجمال صورته صلى الله عليه وسلم: ۲٦٤/٥

سے لوگ ایسے ہیں کہ ان کی جلد بازی کی وجہ سے ان کا رکوع ہی نہیں ہوتا‘‘(۱)۔

اصل میں مشہور تو یہ ہے کہ ’’خشوع‘‘ کا تعلق قلب سے ہے اور ’’خضوع‘‘ کا تعلق جوارح سے ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ’’خشوع‘‘ کو قلب کے ساتھ محدود کرنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ ’’خشوع‘‘ کا تعلق جس طرح قلب سے ہے، جیسا کہ قرآن پاک کی اس آیت: ﴿الم یأن للذین امنوا ان تخشع قلوبهم لذكر الله ﴾ میں مذکور ہے، اسی طرح ’’خشوع‘‘ کا تعلق اصوات سے بھی ہے، جیسے: ﴿وخشعت الاصوات للرحمن ﴾ اور اسی طرح ’’خشوع‘‘ کا تعلق آنکھوں سے بھی ہے، جیسے قرآن میں آیا ہے: ﴿خاشعة ابصارهم﴾۔

”إني لأراكم من وراء ظهري“.

بے شک میں تو تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

یہ جملہ ماقبل جملے میں موجود جواب قسم ’’ما يخفىٰ عليّ خشوعكم ولا ركوعكم ‘‘ کا بدل یا بیان بنے گا(۲)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹھ پیچھے دیکھنے کا مطلب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹھ پیچھے سے دیکھنا حقیقی دیکھنا تھا، ادراکی یعنی: عقلی نہیں تھا، اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہی حق ہے کہ دیکھنے کے لیے کسی عضو مخصوص کا ہونا یا سامنے ہونا شرط نہیں ہے(۳)۔امام

(۱)تقرير بخاری شريف: ۱۵۳/۲

(۲)اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۱۶۵/۳، عمدة القاري: ۲۳۲/٤ ، شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنيه نالمنح المحمديه، المقصد الثالث فيما فضله الله تعالىٰ به، الفصل الأول في كمال خلقته وجمال صورته صلى الله عليه وسلم: ۲٦٤/٥

(۳) قاضی ابوالولید الباجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض حضرات اس بات کی طرف گئے ہیں کہ ”إني لأراكم من وراء ظهري“ کے معنی ”لأعلم بأفعالكم“ ہیں، کیونکہ ’’رؤیت‘‘ علم کے معنی میں بھی ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی فرمان ہے: ﴿الم تر كيف فعل ربك باصحاب الفيل﴾ [الفیل:۱] اس آیت میں میں” الم تر“ کے معنی ”الم تعلم“ ہیں۔

اور جمہور اس بات کہ قائل ہیں کہ اس جگہ رؤیت حقیقی مراد ہے۔

نیز! قاضی ابوالولید فرماتے ہیں: میرے نزدیک صحیح یہی ہے [جو اوپر جمہور کا مسلک بیان ہوا] اس لیے کہ اگر =

بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک معلوم ہوتا ہے۔ ہماری اس بات کی تائید صحیح مسلم کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے: "إني لأبصر من ورائي كما أبصر من بين يدي"(۱)۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ''الخصائص الکبری'' میں جمہور کا مذہب یہی نقل کیا ہے(۲)۔

ابن عبدالبرّ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کچھ لوگوں نے تاویلاً یہاں "أریٰ" کو "أعلم" کے معنی میں لیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں حضرت شعیب علیہ السلام کا قول: ﴿إني أراكم بخير﴾ نقل کیا ہے جو انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا، اس کا مطلب ''دیکھنا'' نہیں تھا بلکہ ''جاننا'' تھا، کہ انہوں نے فرمایا: ''میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم مالدار ہو''۔ چنانچہ اس صورت میں حدیث مبارکہ کے مذکورہ جملے کا مطلب یہ بنے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میں تمہارے خشوع کو اور تمہارے رکوع کی تمامیت کو جانتا ہوں، اللہ تعالیٰ تمہارے احوال کی معرفت کو میرے دل میں ڈال دیتے ہیں۔

= اس سے ''رؤیتِ علمی'' مراد لی جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول: "من وراء ظهري" کے کوئی معنی باقی نہیں رہیں گے۔ کیوں کہ جب اس سے مراد علم لیا جائے گا تو پیچھے دیکھنے یا آگے دیکھنے میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خبر دی کہ جیسے میں تمہیں اپنے آگے ہونے کی حالت میں دیکھتا ہوں تو ایسے جب تم پیچھے ہوتے ہو تو بھی دیکھ لیتا ہوں۔

(المنتقىٰ شرح مؤطأ مالك، كتاب الصلوٰة، باب: في العمل في جامع الصلوٰة، رقم الحديث: ۳۹٦، ۲/۳۱۸)، عمدة القاري: ۲۳۲/٤

(۱) حدثنا أبو كريب محمد بن العلاء الهمداني، حدثنا أبو أسامة، عن الوليد يعني ابن كثير، حدثني سعيد بن أبي سعيد المقبري، عن أبيه، عن أبي هريرة، قال: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما ثم انصرف فقال: يا فلان! ألا تحسن صلاتك؟ ألا ينظر المصلي إذا صلى كيف يصلي؟ فإنما يصلي لنفسه، إني والله لأبصر من ورائي كما أبصر من بين يدي. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: الأمر بتحسين الصلاة وإتمامها والخشوع فيها، رقم الحديث: ٤٢٣)

(۲) الخصائص الكبرى، باب: المعجزه والخصائص في عينيه الشريفتين: ۱۰٦/۱۔ فتح الباري: ٦٦٦/۱، عمدة القاري: ۲۳۲/٤

ابن عبدالبر رحمہ اللہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

اس دعوی میں ظاہر کی مخالفت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صفت کو محدود کر دینا ہے۔ حالانکہ جس طرح دیگر خرقِ عادت امور ہیں اور معجزات نبویہ ہیں، اسی طرح اس بیانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خرق عادت اور معجزہ تصور کرلیا جائے اور اس کے ظاہری معنی ہی مراد لیے جائیں۔ البتہ اس دیکھنے کی کیفیت کیا ہوتی تھی تو یہ نبوت کے اعلام ومعجزات میں سے ایک ہونے کی وجہ سے پہچاننا ممکن نہیں ہے۔

ابوبکر الاثرم کا کہنا ہے کہ میں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول: ﴿إني لأراكم من وراء ظهري﴾ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اپنے سامنے کی طرف دیکھتے تھے اسی طرح اپنے پیچھے کی جانب بھی دیکھتے تھے، میں نے کہا کہ کسی انسان سے یہ بات کس طرح ممکن ہے، وہ تو سامنے کی جانب یا اپنے دائیں، بائیں جانب والوں کو دیکھ سکتا ہے، تو اس پر انہوں نے بہت مضبوط طریقے سے رد کیا(۱)۔

اس پیٹھ پیچھے دیکھنے کی تشریح میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وحی اور الہام کے ذریعے سے آپ کو ان کی حالت کا علم ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ پیچھے ہوتے ہیں، لیکن یہ توجیہ ضعیف ہے اس لیے کہ وحی اور الہام کے ذریعے سے ان کی حالت کا علم ہونا، یہ تو پھر نماز کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، نماز کے علاوہ بھی ہو سکتا ہے(۲)۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم دائیں یا بائیں جانب ہوتے ہو یا پیچھے ہوتے ہو تو میں گوشۂ چشم سے تمہیں دیکھتا رہتا ہوں، اور تمہاری کیفیت مجھ پر مخفی نہیں ہوتی۔ یہ توجیہ بھی ضعیف ہے(۳)۔

---

(۱)الاستذكار لابن عبد البرّ، كتاب الصلاة، باب: حديث أبي هريره: "أترون قبلتي هاهنا؟": ٦/٢٧٣، ٢٧٤

(۲)فتح الباري: ١/٦٦٦ ـ عمدة القاري: ٤/٢٣٢ ـ شرح الزرقاني على المؤطأ، كتاب الصلوٰة، العمل في جامع الصلوٰة: ١/٣٠٢

(۳)المنتقىٰ شرح مؤطأ مالك، كتاب الصلوٰة، باب: في العمل في جامع الصلوٰة، رقم الحديث: ٣٩٦، ٢/٣١٨

إكمال إكمال المعلم، كتاب الصلوٰة، خروج النبي صلى الله عليه وسلم لبني عمرو بن عوف ليصلح بينهم: ٢/١٧٨، ١٧٩ـ فتح الباري: ١/٦٦٦ ـ عمدة القاري: ٤/٢٣٢

لہٰذا یہاں یہ کہا جائے گا کہ یہاں جس رؤیت کا آپ ذکر کررہے ہیں، یہ رؤیت کشفیہ نہیں ہے، یا یہ رؤیت گوشہ چشم سے نہیں ہے، بلکہ یہ روئیت ویسی ہی ہے جیسے کہ سامنے کوئی چیز ہوتی ہے اور اس کی رؤیت انسان کو ہوا کرتی ہے، آپ فرماتے ہیں تم جب پیچھے ہوتے ہو تو مجھے تمہاری اس وقت بھی اسی طرح رؤیت ہوتی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ نے فرمایا: اس میں تعجب والی کوئی بات نہیں ہے، آدمی کا کان سامنے کی آواز کو بھی سنتا ہے، دائیں اور بائیں جانب کی آواز کو بھی سنتا ہے، پیچھے کی آواز کو بھی سنتا ہے۔ اسی طرح انسان کی قوت شامہ ہے، سامنے سے یا پیچھے سے خوشبو یا بدبو آتی ہو، اس کا بھی وہ احساس کرتی ہے، دائیں یا بائیں جانب سے جو خوشبو یا بدبو آتی ہے اس کا بھی وہ احساس کرتی ہے، جس طرح قوت سامعہ اور قوت شامہ کے لیے مقابل اور سامنے کی جانب میں ہونا ضروری نہیں ہے، تو اسی طرح کیا بعید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤیت کی وہی استعداد عطا فرمادی ہو جو عام انسانوں کی قوت سامعہ اور قوت شامہ کو حاصل ہوتی ہے(۱)۔

دوسرے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اصل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کے نمازیوں کی کیفیت منکشف ہوجایا کرتی تھی، اس لیے ان کا عکس جدار قبلہ میں منعکس ہوجاتا تھا(۲)۔

بعض حضرات نے یہ کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت میں سم الخیاط کے برابر، بعض نے کہا کہ ایک، اور بعض نے کہا کہ دو آنکھیں تھیں۔ اور ثوب کا درمیان میں حائل ہونا ابصار اور رؤیت کے لیے مانع نہیں تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بطور خرق عادت کے اور بطور معجزہ کے ان آنکھوں سے جو آپ کی پشت میں تھیں پیچھے کی جانب کے نمازیوں کو دیکھا کرتے تھے(۳)۔

لیکن یہ بات دلائل کے اعتبار سے قوی نہیں ہے، حتی کہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے یہ بات ''المواہب

(۱)شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنيه بالمنح المحمديه، المقصد الثالث فيما فضله الله تعالىٰ به، الفصل الأول في كمال خلقته وجمال صورته صلى الله عليه وسلم: ۲٦٦/٥

(۲)فتح الباري: ٦٦٦/١ ، عمدة القاري: ٢٣٢/٤ ـ شرح الزرقاني على المؤطأ، كتاب الصلوٰة، العمل في جامع الصلوٰة: ٣٠٢/١

(۳)فتح الباري: ٦٦٦/١ ـ عمدة القاري: ٢٣٢/٤ ـ شرح الزرقاني على المؤطأ، كتاب الصلوٰة، العمل في جامع الصلوٰة: ٣٠٢/١

الخصائص الكبرى، باب: المعجزه والخصائص في عينيه الشريفتين: ١٠٧/١

اللدنیۃ“ میں نقل کرکے کہا ہے کہ اگر یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طریقے سے ثابت ہوجائے تو پھر اسے قبول کیا جائے گا اور اسے خرقِ عادت کی قبیل میں سے قرار دیا جائے گا، بصورت دیگر اس کا ظاہر حدیث کے مخالف ہونے کی بنا پر قبول کرنا ٹھیک نہیں ہوگا۔

شارح المواہب ”علامہ زرقانی“ رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کی تائید کی ہے(۱)۔

منکرین کے اشکالات اوران کے دلائل

عقل سے خالی لوگوں کی ایک جماعت نے اس حدیث مبارکہ کو ردّ کردیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس حدیث کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے حالانکہ اس کے برعکس احادیث موجود ہیں، مثلا: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں ہے کہ انہوں نے امام کو رکوع میں دیکھ کر صف سے پیچھے ہی نیت باندھ کر رکوع کرلیا تھا، اور اس کے بعد قدم قدم چلتے ہوئے صف تک پہنچے، پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ وہ کون شخص ہے جس نے صف سے پیچھے ہی کھڑے ہوکر رکوع کرلیا، پھر چلتے ہوئے صف میں شامل ہوا؟ تو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں نے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری حرص میں اور زیادہ بڑھوتری فرمائے، لیکن آئندہ ایسا نہ کرنا۔ (بلکہ صف میں شامل ہو کر نماز شروع کرنا)، (۲)۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص تیز تیز چلتا ہوا آکر صف میں داخل ہوا تو اس کا سانس تیز چل رہا تھا، پھر جب وہ صف میں داخل ہوگیا تو اس نے کہا: ”الحمد لله حمداً كثيرًا طيبا مبار كا فيه“. پھر نماز سے فراغت پر نبی صلی اللہ

(۱)شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنيه بالمنح المحمديه، المقصد الثالث فيما فضله الله تعالىٰ به، الفصل الأول في كمال خلقته وجمال صورته صلى الله عليه وسلم: ٢٦٧/٥

(٢)عن الحسن أن أبا بكر ة جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم راكع فركع دون الصف، ثم مشى إلى الصف، فلما قضىٰ النبي صلى الله عليه وسلم صلاته قال: ”أيكم الذي ركع دون الصف ثم مشى إلى الصف“؟ فقال أبو بكرة: أنا، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ”زادك الله حرصا ولا تعدُ“. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: الرجل يصلي وحده خلف الصف، رقم الحديث: ٦٨٤)

علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: وہ شخص کون ہے جس نے یہ کلمات کہے............(۱).

چنانچہ اس گروہ نے اس طرح کی احادیث نقل کرنے کے بعد کہا کہ کیا نہیں دیکھتے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم نہ ہوسکا کہ صف سے پیچھے ہی رکوع کر کے صف میں شامل ہونے والا کون ہے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا۔ اور دوسری حدیث کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کلمات کہنے والے کا بھی علم نہیں ہوسکا، حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کلمات کس نے کہے۔ تو پھر یہ صحیح ہونا کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے دوران اپنی پشت کی طرف سے بھی دیکھتے ہوں، اگر ایسا ہوتا تو مذکوہ دونوں حدیثوں کی طرح کا واقعہ پیش نہ آتا۔

اشکالات کا جواب

اس کے جواب میں ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اوپر والے گروہ کے اشکال کا جواب یہ ہے کہ ہر آنے والے لمحے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بمقابلہ سابقہ لمحے کے بڑھتے رہتے تھے، یعنی: ان میں اضافہ ہوتا رہتا تھا، اور ایسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ کر لینے تک ہوتا رہا، جیسا کہ یہ بات سب کے سامنے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نبوت ملنے سے پہلے ایک بندہ تھا، اور رسول بنائے جانے سے پہلے میں ایک نبی تھا۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی (میرے بارے میں) یہ نہ کہے کہ میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔

ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "یا خیر البریة" کہہ کر مخاطب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "خیر البریة" تو حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔

---

(۱) عن أنس أن رجلا جاء فدخل الصف وقد حفزه النفس، فقال: "الحمد لله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه"، فلما قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاته قال: "أيكم المتكلم فالكلمات؟" فأرمَّ القوم. فقال: "أيكم المتكلم بها؟ فإنه لم يقل بأساً"، فقال رجل: جئت وقد حفزني النفس فقلتها. فقال: "لقد رأيت اثني عشر ملكاً يبتدرونها أيهم يرفعها".

(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: ما يقال بين تكبيرة الإحرام والقراءة، رقم الحديث: ۱۳۵۷)

اسی طرح ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "یا سید ابن السادۃ" یا "یا شریف ابن الشرفاء" کہہ کرمخاطب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: وہ تو حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی آپ پر سورۃ الفتح نازل ہونے سے قبل کا ہے، پھر جب سورۃ الفتح نازل ہوئی اوراس میں یہ آیت ﴿لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تآخر﴾ نازل ہوئی، اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کسی کے بھی سابقہ گناہ معاف نہیں ہوئے تھے، الغرض جب ایسا ہوا تو اس وقت آپ نے ارشادفرمایا: "أنا سید ولد آدم ولا فخر"۔

اوراسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: اللہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں تم لوگوں کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

الغرض! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل دن بدن بڑھتے تھے، کم نہیں ہوتے تھے۔(اور جب ایسا ہے تو کہا جائے گا، معترضین کی پیش کردہ نظائر ابتدائی دور کی ہوں گی، بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ ارشادگرامی سامنے آیا کہ میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں)،(۱)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی ذکر کردہ تشریح

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس روایت کے اندر شراح کے پانچ قول ہیں، جن کو مختلف شراح نے الگ الگ ذکر کیا ہے، مجھ کو کہیں ایک جگہ نہیں ملے:

۱۔اول یہ کہ التفات کے ساتھ دیکھتے تھے۔مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا خصوصیت ہے؟ آپ کے علاوہ دوسرا بھی تو التفات سے دیکھ سکتا ہے۔

۲۔دوسرا قول یہ ہے کہ وحی کے ذریعے علم ہوتا تھا۔یہ اول سے زیادہ صحیح ہے۔مگر اس صورت میں "إني لأراکم" کہنے سے زیادہ مناسب "إني لأوحی" تھا۔

---

(۱)الاستذکار لابن عبد البرّ، کتاب الصلاۃ، باب: حدیث أبي هریرہ: "أترون قبلتي ھاھنا؟": ۶/۲۷۲، ۲۷۳

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جدارِ قبلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مثلِ آئینہ کے ہو جاتی تھی، صحابہ رضی اللہ عنہم جو کچھ کرتے تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر آجایا کرتا تھا۔ عامہ مشائخ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

۴۔ چوتھا قول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قفا میں دو آنکھیں تھیں، جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھا کرتے تھے، مگر اس کو محققین نے رد کر دیا۔ اس لیے کہ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو آپ کے احوال میں ضرور اس کا تذکرہ ہوتا۔

۵۔ اور پانچواں قول سننے سے پہلے ایک تمہید سنو وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رویت دنیا میں ممکن نہیں اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ یہ چیز جنت میں ہوگی۔ لیکن معتزلہ نے انکار کیا ہے۔ اس لیے کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ اللہ کے لیے جہت ہو مرئی رائی کے سامنے ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ رویت کے واسطے جہت کا ہونا اس عالم کے ساتھ خاص ہے، عالم آخرت میں جہت ضروری نہ ہوگی۔ تو جیسے آخرت میں سارے آدمی اللہ تعالیٰ کو بلا جہت دیکھیں گے، اسی طرح کیا عجب ہے کہ دنیا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے نماز میں یہ خصوصیت ہو کہ آپ مقتدیوں کو بلا جہت دیکھتے ہوں۔ یہی میرے نزدیک راجح ہے(۱)۔

خلاصہ کلام

پوری بحث سے کچھ اہم نتیجہ خیز باتیں معلوم ہوتی ہیں، جو مختصراً ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:

۱۔ علامہ سہیلی الشامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ قاضی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صفت کا حصول شب معراج سے واپسی پر ہوا تھا، جیسے: حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے تھے تو اس کے بعد آپ کی بصیرت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا، حتی کہ آپ اندھیری رات میں دس فرسخ کی مسافت سے بھی سیاہ چیونٹی کو دیکھ لیتے تھے''(۲)۔

۲۔ یہ ''رؤیة'' رؤیتِ ادارک تھی، اور ''رؤیة'' اہل حق کے نزدیک کسی عضو، روشنی یا کسی چیز کے سامنے آنے سے ہی حاصل نہیں ہوتی۔ یہ شان حق تعالیٰ شانہ کی ہے، کہ وہ دیکھنے کے لیے نہ کسی عضو، مثلاً: آنکھ وغیرہ کا

---

(۱) تقرير بخاری شريف: ۱۵۳/۲

(۲) سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد، جماع أبواب صفة جسده الشريف صلى الله عليه وسلم، الباب الخامس: في صفة عينيه وحاجبيه صلى الله عليه وسلم، تنبيهات: ۳۶/۲

محتاج ہے، اور نہ اس کے دیکھنے کے لیے کسی روشنی کی ضرورت ہوتی ہے، اور نہ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کوئی اس کے سامنے آئے گا تب اس کی طرف سے دیکھنے کا فعل صادر ہوگا، جیسے: انسان، کہ اس وقت تک وہ دیکھنے والا نہیں کہلائے گا جب تک اس کے سامنے مذکورہ تینوں امور میں سے کوئی ایک امر وجود میں نہ آجائے۔

یہ تو تفصیل تھی خالق کے دیکھنے کی، رہ گئی مخلوق، تو اس کا دیکھنا تو ان تینوں چیزوں پر موقوف ہوگا۔ چنانچہ کسی کی آنکھ تو ہے لیکن اندھیرا ہے اور اس کی آنکھ کے سامنے کوئی نہیں تو یہ نہیں دیکھ سکتا، خالق کی نسبت سے چونکہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مخلوق ہیں، لہٰذا آپ کے دیکھنے کی صفت بھی انہی امور پر موقوف ہوگی، البتہ وہ ذات اقدس جو آنکھ میں بصارت کے پیدا کرنے پر قادر ہیں وہی اس بات پر بھی قادر ہیں کہ آنکھ کے علاوہ کسی اور عضو میں بصارت کی صفت پیدا فرمادیں۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹھ پیچھے دیکھنا بھی خرق عادت کے طور پر اسی قبیل سے ہوگا(۱)۔

۳۔قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کو اس کے ظاہر پر محمول کرنا ہی اولیٰ ہے، اس لیے کہ اس امر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت اور بزرگی کا اعلیٰ درجے میں اظہار ہے(۲)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کے ثبوت پر ایک غلط استدلال

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"من وراء ظهري" ۔بعض لوگوں نے اس سے علم غیب مراد لیا ہے، لیکن یہ بالکل غلط ہے اس لیے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں خود مصلیوں کے حالات دیکھتا رہتا ہوں اور اس طرح مجھے علم ہوجاتا ہے، نیز! یہ حالت کلی بھی نہیں، خود حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ وہ مسجد میں آئے، وہاں جماعت ہورہی تھی، انہوں نے دور ہی سے رکوع کرلیا، نماز کے بعد یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دریافت کرنے پر معلوم ہوئی۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص ہانپتا ہوا آیا اور رکوع سے اٹھتے ہوئے ذرا بلند آواز سے

(۱)سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد، جماع أبواب صفة جسده الشريف صلى الله عليه وسلم، الباب الخامس: في صفة عينيه وحاجبيه صلى الله عليه وسلم، تنبيهات: ۲/۳٦، ۳۷

(۲)سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد، جماع أبواب صفة جسده الشريف صلى الله عليه وسلم، الباب الخامس: في صفة عينيه وحاجبيه صلى الله عليه وسلم، تنبيهات: ۲/۳٦، ۳۷

”حمدا طیبا کثیرا مبارکا“ پڑھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد دریافت کیا تب معلوم ہوا کہ فلاں شخص تھا۔ لہٰذا قاعدہ کلیہ نہ ہوا اور بعض ظاہر یہ اپنے ظاہر بین کی وجہ سے یوں کہتے ہیں کہ اس کے ظاہری معنی مراد ہیں، یعنی: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گدی میں دو مزید آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں، اگر ایسا ہوتا تو ضرور کسی نہ کسی حدیث میں اس کا تذکرہ ملتا، جیسے: مہر نبوت، کہ بہت سی احادیث میں اس کا ذکر ہے“(۱)۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ تنبیہ ان لوگوں کو تھی جو اب تک (ایمان ویقین میں) پختہ نہ ہوئے تھے، کچھ قاصر رہ گئے تھے، وگرنہ صحابہ کاملین رضی اللہ عنہم کے حق میں اللہ تعالیٰ کا دیکھنا (اِس کے لیے) کافی تھا (کہ نمازیں مکمل خشوع وخضوع کے ساتھ ادا فرمائیں، کیونکہ) کاملین کو تو مرتبۂ احسان حاصل ہوتا ہے، ہاں! قاصرین جو اب تک مرتبۂ احسان کو نہیں پہنچے، ان کے حق میں اپنے مرشد مثلاً: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا زیادہ مؤثر ہے، کیونکہ آپ کا دیکھنا بالکل مشاہد وظاہر وباہر ہے(۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیثِ مبارکہ کی مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اس طرح بنے گی کہ اس حدیث میں نمازیوں کو نصیحت کی گئی، ان پر یہ کہہ کر تنبیہ کی گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نمازیوں کا رکوع، سجدہ اور ان کا خشوع وخضوع مخفی نہیں رہتا، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا کہ میں اسی طرح اپنی پیچھے کی جانب سے بھی دیکھتا ہوں جیسے آگے کی جانب (۳)۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حدیثِ باب میں بے شک لفظِ ”قبلہ“ آ گیا، مگر محض لفظ کے آجانے پر ترجمۃ الباب تھوڑا ہی قائم ہوتا ہے؟ ترجمۃ الباب (کے ماتحت ذکر کردہ حدیث) میں تو مذکورہ عنوان سے متعلق کوئی مسئلہ مذکور ہونا چاہیے۔

---

(۱) حاشیہ تقریر بخاری: ۱۵۳/۳

(۲) فضل الباری: ۱۲۲/۳

(۳) عمدۃ القاري: ۲۳۲/٤

جواب یہ ہے کہ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نہایت لطیف وغریب طرز سے ایک مسئلہ کا استنباط کررہے ہیں، جو قبلہ ہی سے متعلق ہے۔ وہ یہ کہ انحراف عن القبلہ جو بعض اوقات مفسدِ صلاۃ ہوتا ہے، اس انحراف میں کس عضو کا اعتبار ہے؟ (یعنی: کس عضو کے منحرف عن القبلہ ہونے سے نماز فاسد ہوگی۔) سو معلوم ہونا چاہیے کہ انحراف کی تین صورتیں ہیں:

(۱) ایک یہ صدر سے انحراف ہو، یعنی: مصلی کا سینہ قبلہ سے پھر جائے۔

(۲) دوسری یہ کہ محض ''وجہ'' سے انحراف ہو (یعنی: چہرہ قبلہ سے پھر جائے)۔

(۳) تیسری یہ کہ صرف نظر اور نگاہ اُدھر (یعنی: قبلہ) سے ہٹ جائے۔

ہمارے فقہاء لکھتے ہیں کہ صورتِ اولیٰ مفسد صلاۃ ہے، ثانیہ مکروہ ہے، ثالثہ بوقت ضرورت بلا کراہت جائز ہے، بلا ضرورت یہ بھی مکروہ ہے، مگر اس کی کراہت ثانیہ (کی کراہت) سے اخف ہے۔

غالباً اس مسئلہ کی طرف امام بخاری رحمہ اللہ کو قدرے اشارہ کرنا ہے کہ دیکھو: حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں، یعنی: نماز کے اندر۔ تو معلوم ہوا کہ انحراف عن القبلہ کے مسئلہ میں نظر وبصر کا اعتبار نہیں (اس کے منحرف ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوگی)، ورنہ پیچھے کے دیکھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز معاذ اللہ فاسد یا مکروہ ٹھہرے گی، پس انحراف میں اعتبار صرف صدر یا چہرہ کا ہوگا۔ (الغرض! حدیث میں قبلہ سے متعلق ایک مسئلہ کی طرف لطیف اشارہ ہے۔ لہٰذا اب شبہ نہ رہا)، (۱)۔

حدیث مبارکہ سے مستنبط شدہ امور واحکام

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سے احکام مستنبط ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کو خشوع وخضوع کے ساتھ، اور تمام ارکان کو کامل طریقے سے ادا کرنا چاہیے (۲)۔

۲۔ کسی بات کو موکد کرنے کے لیے قسم کے ساتھ بیان کرنے کی گنجائش معلوم ہوئی (۳)۔

---

(۱) فضل الباری: ۱۲۲/۳

(۲) شرح النووي، کتاب الصلاة، باب: الأمر بتحسين الصلاة، رقم الحديث: ، ٤٢٣، ١٥٠/٤

(۳) شرح النووي، کتاب الصلاة، باب: الأمر بتحسين الصلاة، رقم الحديث: ، ٤٢٣، ١٥٠/٤

۳۔امام کو چاہیے کہ مقتدیوں میں سے جب کسی میں امورِ دینیہ سے متعلق کوئی کمی کوتاہی دیکھے تو ان کو تنبیہ کرے، ان کو کمال کی طرف لے جانے کی کوشش کرے(۱)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیث باب (دوسری حدیث)

٤٠٩ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ قَالَ : حَدَّثنا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمانَ ، عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ أَنسِ بْنِ مالِكٍ قَالَ : صَلَّى بِنَا ٱلنَّبِيُّ ﷺ صَلَاةً ، ثُمَّ رَقِيَ ٱلْمِنْبَرَ ، فَقَالَ فِي ٱلصَّلَاةِ وَفِي ٱلرُّكُوعِ : (إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ وَرَائِي كَمَا أَرَاكُمْ) . [٧٠٩ ، ٧١٦ ، ٦١٠٣ ، ٦٢٦٨](۲)

ترجمہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور نماز اور رکوع کے بارے میں فرمایا: میں تم کو پیچھے سے بھی ایسے ہی دیکھتا ہوں جس طرح کہ (سامنے سے) دیکھتا ہوں۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل چار راوی ہیں:

---

(۱)عمدة القاري: ٤/٢٣٣

(۲) رواه البخاري أيضاً في الصلاة، باب: الخشوع في الصلاة، رقم الحديث: ٧٤٢۔ وفي كتاب الأيمان والنذور، باب: كيف كانت يمين النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ٦٦٤٤۔

ومسلم في صحيحه، في الصلاة، الأمر بتحسين الصلاة واتمامها والخشوع فيها، رقم الحديث: ٤٢٥ .

والنسائي في سننه، في الصلاة، في الافتتاح، باب: الأمر باتمام الركوع، رقم الحديث: ١٠٥٥

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، القسم الأول: في الفرائض وأحكامها، الفصل الخامس: في كيفية الصلاة، الفرع الرابع: في الركوع والسجود، النوع الأول: في الركوع والسجود، الاعتدال، رقم الحديث: ٣٤٩٠، ٥/٣٦٣

۱۔ یحیی بن صالح

یہ ''ابوزکریا یحیٰی بن صالح الوحاظی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الصلاۃ، باب: إذا کا ن الثوب ضیقاً، الحدیث الأول، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ فلیح بن سلیمان

یہ ''ابویحیٰی فلیح بن سلیمان بن ابی المغیرہ الخزاعی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: من سئل علما وهو مشتغل في حديثه، فأتم الحديث، ثم أجاب السائل، کے تحت گذر چکے ہیں (۲)۔

۳۔ ہلال بن علی

یہ ''ہلال بن علی بن اسامہ قرشی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: من سئل علما وهو مشتغل في حديثه، فأتم الحديث، ثم أجاب السائل، کے تحت گذر چکے ہیں (۳)۔

۴۔ انس بن مالک

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''انس بن مالک'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں (۴)۔

(۱) كشف الباری، كتاب الصلاة، باب: إذا كا ن الثوب ضيقاً، الحديث الأول، ص: ۳۰٦،

(۲) كشف الباری:۳/٥٥

(۳) كشف الباری:۳/٦۲

(٤) كشف الباری: ۲/٤

شرح حدیث

عن أنس بن مالك قال: صلى بنا النبي صلى الله عليه وسلم صلاة، ثم رقي المنبر،

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے۔

"صلی بنا" اس روایت میں "صلی" کا صلہ "ب" ہے، جب کہ ابوذر، اصیلی اور ابن عساکر کی روایت میں اس کا صلہ "لام" استعمال ہوا ہے، یعنی: "صلی لنا"، اس صورت میں معنی ہوگا "صلی لاجلنا" کہ ہماری خاطر آپ نے نماز ادا فرمائی (۱)۔

فقال في الصلاة وفي الركوع: إني لأراكم من ورائي كما أراكم.

اور نماز اور رکوع کے بارے میں فرمایا: میں تم کو پیچھے سے بھی ایسے ہی دیکھتا ہوں جس طرح کہ (سامنے سے) دیکھتا ہوں۔

"فقال في الصلاة وفي الركوع": اس جملہ میں حذف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: "فقال في شأن الصلاة وفي أمرها" یعنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز اور رکوع کے باب میں فرمایا کہ میں تمہیں پیچھے سے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں، جس طرح کہ سامنے سے دیکھتا ہوں (۲)۔

رکوع کا ذکر خاص طور پر اس بنا پر کیا گیا ہوگا کہ رکوع دیگر ارکان کی بنسبت ایک بڑا رکن ہے اس جہت سے کہ امام کو رکوع میں پا لینے والے کو رکعت کا پا لینے والا قرار دیا گیا ہے۔ اور رکوع سے رہ جانے والے کو رکعت فوت کر دینے والا قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے اس پر تنبیہ کے لیے الگ سے اسی رکن کو ذکر کیا (۳)۔

---

(۱) ارشاد الساري: ۷٦/۲

(۲) شرح الكرماني: ۷۷/٤ ـ عمدة القاري: ۲۳٤/٤ ـ التوشيح للسيوطي: ٤۹۹/۲

(۳) شرح الكرماني: ۷۷/٤ ـ عمدة القاري: ۲۳۲/٤، شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنيه بالمنح المحمديه، المقصد الثالث فيما فضله الله تعالىٰ به، الفصل الأول في كمال خلقته وجمال صورته صلى الله عليه وسلم: ۲٦٤/٥

"إني لأراكم من ورائي كما أراكم "اس حدیث میں جو مطلقاً یہ فرمایا گیا ہے کہ میں تم کو پیچھے سے دیکھتا ہوں، اس اطلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ (پیچھے سے دیکھنا) حالتِ نماز اور غیر نماز دونوں کو عام ہو؛ لیکن سیاق حدیث کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ کیفیت حالتِ نماز ہی میں ہی ہو(۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ظاہر حدیث تو یہ دلالت کر رہی ہے کہ یہ کیفیت نماز کے ساتھ ہی خاص ہو، لیکن یہ احتمال موجود ہے کہ یہ کیفیت تمام احوال میں ہو، جیسا کہ بقی بن مخلد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندھیرے میں بھی ویسے ہی دیکھتے تھے جیسے روشنی میں (۲)۔

"من ورائي" بعض روایات میں یہ کلمہ "ي" کے بغیر ہے، یعنی: "من وراء" (۳).

"كما أراكم"، اس روایت میں اس فعل کا مفعول بہ مذکور نہیں ہے، جب کہ دوسری روایات میں بالتصریح مذکور ہے، اور اس کے ساتھ عبارت "كما أراكم من أمامي" ہوگی (۴)۔

نیز! مسلم کی روایت میں تو بالتصریح یہ بات ہے: "إني لأبصر من ورائي كما أبصر من بين يدي" کہ میں اپنے پیچھے کی جانب سے ویسے ہی دیکھتا ہوں جیسے اپنے آگے کی جانب سے (۵)۔

"كما أراكم" میں "کاف" تشبیہ کے لیے ہے، مشبہ "لأراكم من ورائي" ہے اور مشبہ بہ مابعد والا کلام، یعنی: "أراكم من أمامي" (٦)۔

مزید تمام ابحاث ماقبل والی حدیث مبارکہ کے تحت گذر چکی ہیں۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

---

(۱) عمدة القاري: ٤/ ٢٣٤

(۲) فتح الباري: ١/ ٦٦٧

(۳) شرح الكرماني: ٤/ ٧٧ ـ عمدة القاري: ٤/ ٢٣٤

(٤) التوشيح للسيوطي: ٢/ ٤٩٩

(٥) حدثنا أبو كريب محمد بن العلاء الهمداني، حدثنا أبو أسامة، عن الوليد يعني ابن كثير، حدثني سعيد بن أبي سعيد المقبري، عن أبيه، عن أبي هريرة، قال: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما ثم انصرف فقال: يا فلان! ألا تحسن صلاتك؟ ألا ينظر المصلي إذا صلى كيف يصلي؟ فإنما يصلي لنفسه، إني والله لأبصر من ورائي كما أبصر من بين يدي. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: الأمر بتحسين الصلاة وإتمامها والخشوع فيها، رقم الحديث: ٤٢٣)

(٦) عمدة القاري: ٤/ ٢٣٤

۹ – باب : هَلْ يُقَالُ : مَسْجِدُ بَنِي فُلَانٍ .

یہ باب اس بارے میں ہے کہ کیا (کسی مسجد کے بارے میں) کہا جا سکتا ہے کہ یہ مسجد فلاں لوگوں کی ہے؟

ترجمۃ الباب کی ما قابل ابواب سے مناسبت

سابقہ ابواب میں مساجد سے متعلق احکام مذکور تھے اور اس باب میں بھی احکام مسجد میں سے ایک حکم (یعنی: مسجد کی نسبت کسی شخص کی طرف کرنا) مذکور ہے، لہٰذا اتنی مناسبت کا پایا جانا کافی ہے(۱)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک میں: ﴿وان المساجد لله﴾ آیا ہے، اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ مسجدیں چونکہ اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں، لہٰذا کسی شخص یا کسی قبیلے کی طرف اس کی اضافت صحیح نہیں ہوگی، چنانچہ سلف میں بعض حضرات جیسے: حضرت ابراہیم نخعیؒ نے اس کو مکروہ بھی کہا ہے۔(۲) لیکن حدیثِ باب اس نظریئے کو رد کرتی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں ''مسجد بنی فلاں'' یا ''مسجد فلاں'' کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یعنی: مسجد کی نسبت کسی قبیلے یا کسی فرد کی طرف کرنا جائز ہے، رہ گئی وہ بات جو قرآن پاک میں مذکور ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقۃً تو مساجد اللہ تعالیٰ ہی کے لیے بنائی جاتی ہیں، لیکن جو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ مسجد فلاں قبیلے والوں کی ہے، یا یہ مسجد فلاں شخص کی ہے تو اس طرح کہنا محض تعارف کے لیے ہوتا ہے، امتیاز کے لیے ہوتا ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسناد یا اضافت حقیقی فلاں قبیلے یا فلاں فرد کی طرف ہے(۳)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس مقولے کا جواز بتلانا ہے؛ کیونکہ نسبت تعریف کی ہے نہ کہ تخصیص کی،

---

(۱)عمدة القاري: ٢٣٤/٤

(٢) حدثنا هشيم عن مغيرة عن إبراهيم أنه كان يكره أن يقول: "مسجد بني فلان"، ولا يرى بأسا أن يقول: "مصلى بني فلان". (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب: في المسجد ينسب إلى قوم، يقال: مسجد بني فلان، رقم الحديث: ٨١٥٤، ٣٤١/٥)

(٣)عمدة القاري: ٢٣٤/٤

آگے روایت کتاب الجہاد کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جنگ آمنے سامنے ہوتی تھی اور اس کے لیے گھوڑوں کی تضمیر کی جاتی تھی، خیر! محل ترجمہ صرف یہ ہے کہ روایت میں ''مسجد بنی زریق'' آتا ہے، اس سے ثابت ہوگیا کہ ''مسجد بنی فلاں'' کہنا جائز ہے؛ لیکن پھر اشکال ہوتا ہے کہ جب یہ ثابت ہے اور اس لیے روایت بھی پیش کر رہے ہیں کہ ''مسجدِ بنی فلاں'' کہنا جائز ہے تو پھر ترجمہ میں ''ہل'' کیوں لگایا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''ہل'' کا مقصد طالب علموں کو متنبہ کرنا ہے کہ بات تو اسی طرح ہے، لیکن اس میں کچھ اور بھی ہے، وہ یہ کہ روایت میں ''مسجد بنی زریق'' کا جو لفظ آیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی یہ نام تھا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں ہوا؟ اس میں ذرا غور کر لینا(۱)۔

حدیث باب

۴۱۰ : حدّثنا عَبْدُ ٱللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللّٰهِ بْنِ عُمَرَ :[۲] أَنَّ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ سَابَقَ بَيْنَ ٱلْخَيْلِ ٱلَّتِي أُضْمِرَتْ : مِنَ ٱلْحَفْيَاءِ ، وَأَمَدُهَا ثَنِيَّةُ ٱلْوَدَاعِ ، وَسَابَقَ بَيْنَ ٱلْخَيْلِ ٱلَّتِي لَمْ تُضْمَرْ مِنَ ٱلثَّنِيَّةِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ ، وَأَنَّ عَبْدَ ٱللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ فِيمَنْ سَابَقَ بِهَا . [۲۷۱۳–۲۷۱۵ ، ٦٩٠٥]

---

(۱)الأبواب والتراجم: ۲/۲۱۰، سراج القاری: ۲/٤٦۳.

(۲)رواه البخاري أيضاً في الجهاد، باب: السبق بين الخيل، رقم الحديث: ۲۸٦۸، وباب: إضمار الخيل للسبق، رقم الحديث: ۲۸٦۹، وباب: غاية السبق للخيل المضمرة، رقم الحديث: ۲۸۷۰، وفي الاعتصام، باب: ما ذكَر النبيُّ صلى الله عليه وسلم وحضَّ على اتفاق أهل العلم، رقم الحديث: ۷۳۳٦.

ومسلم في صحيحه، في الإمارة، باب: المسابقة بين الخيل وتضميرها، رقم الحديث: ۱۸۷۰.

وأبو داؤد في سننه، في الجهاد، باب: في السبق، رقم الحديث: ۲۵۷۵.

والترمذي في جامعه، في الجهاد، باب: ما جاء في الرِّهان والسبَق، رقم الحديث: ۱٦۹۹.

والنسائي في سننه، في الخيل، باب: إضمار الخيل للسبق، رقم الحديث: ۳٦۱٤.

وابن ماجة، في الجهاد، باب: السبق والرهان، رقم الحديث: ۲۸۷۷.

وفي جامع الأصول، حرف السين، الكتاب الثالث: في السبق والرمي، الفصل الأول: في أحكامها، رقم الحديث: ۳۰۳۵، ۵/۳۸

ترجمہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گھوڑوں کو جو (جہاد کے لیے) تیار کرائے گئے تھے، مقامِ حفیاء سے لے مقامِ ثنیۃ الوداع تک دوڑ کروائی۔ اور جو گھوڑے تیار نہیں کروائے گئے تھے ان کی دوڑ ثنیۃ الوداع سے لے کر مسجد بنی زریق تک کروائی۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اس دوڑ میں حصہ لیا۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں چار رجال ہیں:

ا۔عبداللہ بن یوسف

یہ ''عبداللہ بن یوسف تنیسی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: لیبلغ العلم الشاهد الغائب، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔مالک

یہ ''امام مالک بن انس'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: من الدين الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔نافع

یہ ''نافع مولی عبداللہ بن عمر القرشی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: ذكر العلم والفتيا في المسجد، کے تحت گذر

(۱) کشف الباری: ۲۸۹/۱، ۱۱۳/٤

(۲) کشف الباری: ۲۹۰/۱،۸۰/۲

چکے ہیں(۱)۔

۴۔عبداللہ بن عمر

یہ مشہور صحابی رسول ''حضرت عبداللہ بن عمر'' رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب:استثناء في الایمان، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

شرح حدیث

عن عبد اللـه بن عمر: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سابَق بين الخيل التي أُضمِرَت: من الحَفْيَاءِ، وأمَدُها ثَنِيَّةُ الوَداع،

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گھوڑوں کو جو (جہاد کے لیے) تیار کرائے گئے تھے، مقامِ حفیاء سے لے مقامِ ثنیۃ الوداع تک دوڑ کا مقابلہ کروایا۔

مسابقہ سے مراد

"سابَق": یہ باب مفاعلہ سے فعل ماضی معروف ہے، باب مفاعلہ کا خاصہ ہے کہ اس میں اشتراک کے معنی پائے جاتے ہیں، اور مصدری معنی ہیں: دوڑ لگانا، چنانچہ وہ دوڑ جس میں دو یا دو سے زیادہ افراد شریک ہوں اسے مسابقہ کہا جائے گا۔ اور یہ دوڑ کا مقابلہ گھوڑوں کے درمیان کروایا گیا، اس دوڑ میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گھوڑا بھی شریک ہوا تھا، اس کا نام "السـکـب" تھا۔ بنوفزارہ سے آپ نے اسے خریدا تھا، ان کے یہاں اس کا نام ''ضرس'' تھا، عجیب بات یہ ہے کہ یہ پہلا گھوڑا تھا جو آپ نے خریدا تھا اور یہی وہ پہلا گھوڑا ہے جس پر بیٹھ کر آپ نے جہاد میں شرکت فرمائی۔ اور پھر یہ بھی کہ یہ گھوڑا اس مقابلے میں شریک ہوا اور جیت بھی گیا، چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کو یہ فضیلت اور برتری حاصل ہوئی تو اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی خوشی ہوئی(۳)۔

---

(۱) کشف الباری: ٦٥١/٤

(۲) کشف الباری: ٦٣٧/١

(۳) عمدة القاري: ٢٣٥/٤

علامہ ابّی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "سابق" کے معنی "أذن في المسابقة" ہیں۔ اور بعض نے "أمر للمسابقة" ذکر کیا ہے(۱)۔

اور بعض نے "أمر بالسباق" یا "أباحه" کے معنی ذکر کیے ہیں(۲)۔

تضمیر کے دو معنی کا بیان

"أضمرت" اضمار کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گھوڑے کو زین پہنا دیتے ہیں اور پھر اس کے اوپر جھول ڈال دیتے ہیں اور مسلسل اسی طرح وہ زین میں کسا ہوا اور جھول کے اندر ڈھکا ہوا رہتا ہے، خوب پسینے آتے ہیں، تو اس کے بدن کا استرخاء ختم ہو جاتا ہے اور اس کا بدن لوہے کی طرح سخت ہو جاتا ہے(۳)۔

اضمار کا ایک دوسرا طریقہ بھی ہے کہ گھوڑے کو خوب کھلاتے ہیں اور خوب اچھی طرح سے اس کی خدمت کرتے ہیں، جب وہ خوب فربہ اور موٹا تازہ ہو جاتا ہے تو پھر اس کو ایک کمرے میں بند کر دیتے ہیں، جہاں بہت گرمی ہوتی ہے، اور اس زمانے میں خشک گھاس اس کو کھلاتے ہیں، اس سے اس کے بدن کو خوب پسینہ آتا ہے، جس سے اس کے بدن میں جتنی چربی ہوتی ہے اور فالتو گوشت ہوتا ہے وہ گھل جاتا ہے اور پگھل جاتا ہے اور قوت وطاقت باقی رہ جاتی ہے۔ یہ گھوڑے "مضمر" کہلاتے ہیں اور یہ عمل "اضمار" و "تضمیر" کہلاتا ہے(۴)۔

حفیاء سے مراد

"الحَفَيَاء": حا کے فتحہ اور فا کے سکون کے ساتھ، ایک جگہ کا نام ہے، وہاں سے مقام ثنیۃ الوداع کا فاصلہ بقول حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ پانچ یا چھ میل ہے اور بقول حضرت موسی بن عقبہ چھ یا سات میل ہے۔

(۱) إكمال إكمال المعلم للأبي، كتاب الإمارة، باب: الخيل في نواصيها الخير إلى يوم القيامة، رقم الحديث: ۱۸۷۰، ۲۱۷/۵

(۲) ذخيرة العقبى، كتاب الحيل، غاية السبق للتي لم تضمر، رقم الحديث: ۳۶۱۰، ۲۳/۳۰

(۳) عمدة القاري: ۲۳۵/٤

(٤) معالم السنن للخطابي، كتاب الجهاد، باب: السبق، ۲٤۵/۲۔ عمدة القاري: ۲۳۵/٤۔

الكوكب الوهاج والروض البهاج، كتاب الإمارة، باب: الخيل في نواصيها الخير إلى يوم القيامة، رقم الحديث: ۱۸۷۰، ۱۵۵/۲۰

اس لفظ کا استعمال ممدود یعنی: "حفیآء" اور مقصورہ یعنی: "حفیاء" دونوں طرح درست ہے(۱)۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صاحب مطالع نے ذکر کیا ہے کہ بعض لوگ اسے ''حا'' کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں، وہ خطا پر ہیں، نیز! اس لفظ کو ''یاء'' کی تقدیم کے ساتھ ''حیفاء'' بھی پڑھا گیا ہے، لیکن کتب حدیث میں ''یا'' کو مؤخر کرکے ''حفیاء'' پڑھنا ہی مشہور ہے(۲)۔

"أمَـدُهـا": ہمزہ اور میم مفتوحہ کے ساتھ ہے، اس کے معنی: غایت اور حد کے ہیں۔ اور معنی یہ ہیں کہ دوڑ کی ابتداء مقام حفیاء سے ہوئی اور اختتام ثنیۃ الوداع پر ہوا(۳)۔

ثنیۃ الوداع کی وجہ تسمیہ اور مطلب

"ثَنِيَّةُ الوَدَاع": یہ ثا کی فتحہ، نون کی کسرہ اور یا کی تشدید کے ساتھ مستعمل ہے، "ثنية" کے معنی گھاٹی کی طرف جانے کا راستہ اور "وداع" سے مراد کسی کو رخصت کرنے کے ہیں، چنانچہ اس تناظر میں "ثنية الوداع" کے معنی یہ بنیں گے کہ یہ مدینہ منورہ کے پاس ایک گھاٹی کا نام ہے، جہاں تک اہلِ مدینہ کسی کو رخصت کرنے کے لیے جایا کرتے تھے، اسی لیے اس گھاٹی کا نام ثنیۃ الوداع مشہور ہو گیا(۴)۔

اسی کی طرف ان اشعار میں اشارہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال میں مدینہ سے باہر آ کر مدینہ کی بچیوں نے پڑھے تھے:

---

(۱) إكمال المعلم بفوائد مسلم، في الإمارة، باب: المسابقة بين الخيل وتضميرها، رقم الحديث: ۱۸۷۰، ۲۸۵/۶۔ الديباج على صحيح مسلم للسيوطي، كتاب الإمارة، باب: الخيل في نواصيها الخير إلى يوم القيامة، رقم الحديث: ۱۸۷۰، ٤٦٨/٤

(۲) المنهاج شرح صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب: الخيل في نواصيها الخير إلى يوم القيامة، رقم الحديث: ۱۸۷۰، ۱٤/۱۳۔ عمدة القاري: ۲۳٥/٤

(۳) الكوكب الوهاج والروض البهاج، كتاب الإمارة، باب: الخيل في نواصيها الخير إلى يوم القيامة، رقم الحديث: ۱۸۷۰، ۱٥٥/۲۰۔

(٤) إكمال المعلم بفوائد مسلم، في الإمارة، باب: المسابقة بين الخيل وتضميرها، رقم الحديث: ۱۸۷۰، ۲۸٥/٦۔ الديباج على صحيح مسلم للسيوطي، كتاب الإمارة، باب: الخيل في نواصيها الخير إلى يوم القيامة، رقم الحديث: ۱۸۷۰، ٤٦٨/٤

طلع البدر علينا من ثنيات الوداع(١)

اس کے علاوہ اس لفظ کی وجہ تسمیہ میں اور اقوال بھی ہیں، مثلاً:

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت فرمانے لگے تو اس وقت اس مقام سے اپنے ساتھ آنے والے والوں کو واپس رخصت کیا، اس لیے اس جگہ کا نام ثنیۃ الوداع مشہور ہوا۔

بعض نے ذکر کیا ہے کہ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے بعض لشکروں کو جہاد کے لیے رخصت کیا۔

اور صحیح وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ اہلِ مدینہ کسی کو رخصت کرنے کے لیے اس مقام تک جایا کرتے تھے(۲)۔

وسابق بين الخيل التي لم تُضْمَر من الثنية إلى مسجِد بني زُرَيْقٍ،

اور جو گھوڑے تیار نہیں کروائے گئے تھے ان کی دوڑ ثنیۃ الوداع سے لے کر مسجد بنی زریق تک کروائی۔

بنی زریق کا مصداق

"بني زُرَيْق": یہ تصغیر کا صیغہ ہے، فُعَيْلٌ کے وزن پر ہے، انصار مدینہ کے مشہور قبیلہ خزرج کی ایک شاخ "بنو زریق بن عامر" مراد ہے۔

ان غیر مضمر گھوڑوں کے دوڑ مقابلہ کی انتہاء مسجد بنی زریق پر ہوئی تھی، علامہ ابی مالکی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ثنیۃ الوداع اور مسجد بنی زریق کا درمیانی فاصلہ ایک میل تھا(۳)۔

وأن عبد الله بن عمر كان فيمن سابق بها.

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اس دوڑ میں حصہ لیا۔

"سابق بها" میں "ها" ضمیر کا مرجع "الخيل" بھی ہوسکتا ہے اور "المسابقة" بھی۔ یعنی: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے اس گھڑ دوڑ میں حصہ لیا۔

---

(١)ذخيرة العقبى، كتاب الخيل، غاية السبق للتي لم تضمر، رقم الحديث: ٣٦١٠، ٢٣/٣٠

(٢)بذل المجهود، كتاب الجهاد، باب في السبق، ٧٥/١٢

(٣)إكمال المعلم بفوائد مسلم، في الإمارة، باب: المسابقة بين الخيل وتضميرها، رقم الحديث: ١٨٧٠، ٢٨٥/٦۔

حدیث مبارکہ کے مذکورہ ٹکڑے کے بارے میں امکان ہے کہ یہ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہی قول ہو جو انہوں نے اپنی طرف سے ہی بطریق حکایت نقل کیا ہو(۱)۔

اور یہ بھی امکان ہے کہ یہ ان کے شاگرد نافع رحمہ اللہ کا قول ہو(۲)۔

گھوڑ دوڑ کروانے کا حکم

مذکورہ حدیث مبارکہ کی روشنی میں تمام ائمہ کرام کے نزدیک جہاد کی نیت سے گھوڑوں کو تیار کرنا اور ان کے درمیان مسابقت کروانا جائز ہے، البتہ اگر مسابقت میں شرط لگائی جائے تو اس میں کچھ تفصیل ہے، جو ان شاء اللہ کتاب الجہاد میں بیان کی جائے گی(۳)۔

---

(۱)عمدة القاري: ٤/٢٣٥۔ بذل المجهود، كتاب الجهاد، باب في السبق، ١٢/٧٥

(۲)عمدة القاري: ٤/٢٣٥

(۳)ملاحظہ ہو: كشف البارى، كتاب الجهاد، باب: السبق بين الخيل، رقم الحديث: ٢٨٦٨، وباب: إضمار الخيل للسبق، رقم الحديث: ٢٨٦٩، وباب: غاية السبق للخيل المضمرة، رقم الحديث: ٢٨٧٠۔

ذیل میں اختصاراً گھوڑ دوڑ جائز صورتوں کا حکم نقل کیا جاتا ہے:

گھوڑ دوڑ کی جائز صورتیں

گھوڑ دوڑ کی تمام جائز صورتوں میں دو شرطیں لازمی ہیں:

[۱] اس کا مقصد محض کھیل تماشہ نہ ہو، بلکہ قوت جہاد یا جسمانی ورزش ہو۔

[۲] جو انعام مقرر کیا جائے وہ معلوم و متعین ہو، مجہول یا غیر متعین نہ ہو۔

پہلی صورت

مشروط رقم پر گھوڑ دوڑ کی جائز صورت ایک یہ ہے کہ فریقین جو اپنے گھوڑے دوڑا کر بازی لگا رہے ہیں، آپس میں کسی کو کسی سے لینا دینا نہ ہو، بلکہ حکومت یا کسی تیسرے شخص یا جماعت کی طرف سے بطور انعام کوئی رقم آگے بڑھنے والے کے لیے مقرر ہو۔

دوسری صورت

آگے بڑھنے والے کے لیے رقم یا انعام فریقین ہی میں سے ہو، مگر صرف ایک طرف سے ہو، دو طرفہ شرط نہ ہو۔ مثلا: زید اور عمر گھوڑوں کی دوڑ میں بازی لگا رہے ہیں۔ زید یہ کہے کہ اگر عمر آگے بڑھ گیا تو میں اس کو ایک ہزار انعام دوں گا۔ دوسری طرف سے یعنی: عمر کی طرف سے یہ شرط نہ ہو کہ اگر زید آگے بڑھ گیا تو عمر اس کو ایک ہزار روپے دے گا۔ دو طرفہ شرط کی صورت قمار ہے جو کہ حرام ہے۔

تیسری صورت

دو طرفہ شرط بھی ایک خاص صورت میں جائز ہے وہ یہ کہ فریقین ایک تیسرے گھوڑ سوار کو مثلا: خالد کو اپنے ساتھ =

گھوڑ دوڑ کے شرکاء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انعام تقسیم کرنا

ابن الملقن رحمہ اللہ نے التوضیح میں ''ابن التین'' کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کی دوڑ کرائی، اس موقعہ پر آپ کے پاس یمن سے حلّے آئے ہوئے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

=شریک کرلیں، جس کی دو صورتیں ہیں:

(۱)......شرط کی صورت یہ ٹھہرے کہ زید آگے بڑھے تو عمر ایک ہزار روپیہ اس کو دے اور عمر آگے بڑھے تو زید اتنی ہی رقم اس کو ادا کرے اور خالد آگے بڑھ جائے تو اس کو کچھ دینا کسی کے ذمہ نہیں۔

(۲)......شرط اس طرح ہو کہ خالد آگے بڑھ جائے تو زید وعمر دونوں اس کو ایک ایک ہزار روپیہ دیں اور زید وعمر دونوں یا ان میں سے کوئی ایک آگے بڑھے تو خالد کے ذمہ کچھ نہیں، لیکن زید وعمر میں باہم جو آگے برھے دوسرے پر اس کو ایک ہزار ادا کرنا لازم آئے۔

ان دونوں صورتوں میں جو تیسرا آدمی شریک کیا گیا ہے اس کو حدیث میں محلل کہا گیا ہے، کسی بھی صورت میں اس کو کچھ دینا نہیں پڑتا۔ علاوہ ازیں اس حدیث کی وجہ سے یہ بھی ضروری ہے کہ تیسرا گھوڑا زید اور عمر کے گھوڑوں کے ساتھ مساوی حیثیت رکھتا ہو، جس کی وجہ سے اس کے آگے اور پیچھے رہ جانے کے دونوں احتمال مساوی ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ کمزوری یا عیب کی وجہ سے اس کا پیچھے رہ جانا عادۃً یقینی ہو، یا زیادہ قوی اور چالاک ہونے کی وجہ سے اس کا آگے بڑھ جانا یقینی ہو۔

گھوڑ دوڑ کی ناجائز صورتیں

[۱] گھوڑ دور وغیرہ کی بازی محض کھیل تماشہ یا روپیہ کی طمع کے لیے ہو اور قوت جہاد کی نیت نہ ہو۔

[۲] معاوضہ یا انعام کی شرط فریقین میں دوطرفہ ہو اور کسی تیسرے فریق (محلل) کو مذکورہ بالا طریقے پر ساتھ نہ ملایا گیا ہو۔

[۳] ریس کی مروجہ شکل کہ گھوڑوں کی دوڑ کسی کمپنی اور کلب کی طرف سے ہوتی ہے۔ گھوڑے کمپنی کی ملک اور سوار بھی کمپنی کے ملازم ہوتے ہیں اور دوسرے دوسرے لوگ گھوڑوں کے نمبر پر اپنا داؤ لگاتے ہیں، جس کی فیس ان کو داخل کرنی ہوتی ہے۔ جس نمبر کا گھوڑا آگے بڑھ جائے، اس پر داؤ لگانے والے کو انعامی رقم مل جاتی ہے، باقی سب لوگوں کی فیس ضبط ہو جاتی ہے۔

یہ صورت مطلقاً قمار اور جوا ہے اور حرام ہے، پھر اس میں جہاد یا جسمانی ورزش سے کوئی واسطہ نہیں، کیونکہ بازی لگانے والے نہ گھوڑے رکھتے ہیں اور نہ سواری کی مشق سے ان کو کچھ تعلق ہے۔

تنبیہ: جو احکام اور جائز وناجائز کی تفصیل گھوڑوں کی دوڑ میں لکھی گئی ہے، یہی حکم اونٹوں کی دوڑ اور پیادہ دوڑ اور نشانہ بازی لگانے کا ہے۔

(ماخوذ از مسائل بہشتی زیور، مفتی عبدالواحد زید مجدہ، باب: قمار اور جوئے کا بیان: ۲/۲۶۰، ۲۶۱ مجلس نشریات اسلام، کراچی)

نے پہلے نمبر پر آنے والے کو تین حلّے عطا فرمائے، دوسرے نمبر پر آنے والے کو دو حلے عطا فرمائے، تیسرے نمبر پر آنے والے کو ایک حلّہ عطا فرمایا، چوتھے نمبر پر آنے والے کو ایک دینار عطا فرمایا، پانچویں نمبر پر آنے والے کو ایک درہم عطا فرمایا اور چھٹے نمبر پر آنے والے کو چاندی کا تھوڑا سا حصہ عطا فرمایا اور تمام کو برکت کی دعا دی (۱)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت راوی کی قول "إلی مسجد بني زریق" میں ہے (۲)۔

حدیث مبارکہ سے مستنبط شدہ فوائد واحکام

مذکورہ حدیث سے بہت سارے فوائد واحکامات مستنبط ہوتے ہیں، جن میں کچھ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے گھوڑوں کے درمیان دوڑ کروانے کے جواز کا علم ہوتا ہے اور ان کی تضمیر کے جواز کا بھی علم ہوتا ہے۔ یہ دونوں امور سب کے نزدیک اتفاقی ہیں، اس لیے کہ قتال کے لیے تیز رو، تندرست اور چاک وچوبند گھوڑوں کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا گھوڑوں کی تضمیر میں اور ان کی دوڑ کے مقابلے کروانے میں گھوڑوں کے اندر مطلوبہ صفات پیدا کی جاتی ہیں (۳)۔

۲۔اس میں دلیل ہے کہ معرفت کے لیے مسجد کو اس کے بانی یا کسی شخص یا قبیلے وغیرہ کی طرف منسوب کر کے بولنا جائز ہے (۴)۔

۳۔گھوڑوں کی تضمیر کا جواز بھی معلوم ہوا (۵)۔

---

(۱)التوضیح لابن الملقن: ٥/٤٢٨

(۲)التوضیح لابن الملقن: ٥/٤٢٦۔ عمدة القاري: ٤/٢٣٥

(۳)المنهاج شرح صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب: الخيل في نواصيها الخير إلى يوم القيامة، رقم الحديث: ١٨٧٠، ١٤/١٣

(٤)فتح الباري: ١/٦٦٧۔ عمدة القاري: ٤/٢٣٦۔ المنهاج شرح صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب: الخيل في نواصيها الخير إلى يوم القيامة، رقم الحديث: ١٨٧٠، ١٥/١٣

(٥)عمدة القاري: ٤/٢٣٦۔ تحفة الأحوزي، كتاب الجهاد، باب: ما جاء في الرِّهان والسبَق، رقم الحديث: ١٦٩٩، ٥/٣٥٠۔ذخيرة العقبى، كتاب الخيل، غاية السبق للتي لم تضمر، رقم الحديث: ٣٦١٠، ٢٥/٣٠

۴۔کسی کام کا حکم دینے والے کی طرف ہی اس کام کی نسبت کر دینا بھی درست ہے، جیسا کہ اس حدیث مبارکہ کی پہلے جملے ''سابق'' سے معلوم ہوا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس مسابقت کی اجازت دی تھی، یا مباح قرار دیا تھا، یا حکم فرمایا تھا۔لیکن اندازتعبیر یہ اختیار کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مسابقت میں حصہ لیا(۱)۔

۵۔گھڑ دوڑ کے مقامات ابتداء وانتہاء کو مقرر کرنے کی مشروعیت کا بھی علم ہوتا ہے(۲)۔

۶۔جانوروں کے ساتھ بلاضرورت جو معاملات ناجائز ہیں (مثلا: بھوکا رکھنا اور انہیں ضرورت سے زیادہ تیز دوڑانا وغیرہ) وہی معاملات بوقت ضرورت (مثلا: جہاد کی تیاری کے لیے) جائز ہو جاتے ہیں(۳)۔

۷۔جانوروں کے ساتھ ان کی طاقت وقوت کے اعتبار سے معاملہ کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔جیسا کہ مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں سامنے آیا کہ مضمر گھوڑوں کی دوڑ پانچ یا چھ میل تک کرائی گئی (کیوں کہ ان گھوڑوں کو خوب دوڑنے کی مشق کروائی جا چکی ہوتی ہے) اور غیر مضمر گھوڑوں کی دوڑ صرف ایک میل تک کرائی گئی (بوجہ اس کے کہ ان گھوڑوں کو بہت زیادہ دوڑنے کی نہ عادت ہوتی ہے اور نہ ہی مشق)،(۴)۔

☆☆☆......☆☆......☆☆☆

---

(۱)فتح الباري: ۱/۶۶۷۔ عمدة القاري: ٤/۲۳٦۔ ذخيرة العقبى، كتاب الحيل، غاية السبق للتي لم تضمر، رقم الحديث: ۳٦۱۰، ۲٥/۳۰

(۲)عمدة القاري: ٤/۲۳٦۔ تحفة الأحوزي، كتاب الجهاد، باب: ما جاء في الرِّهان والسبَق، رقم الحديث: ۱٦۹۹، ٥/۳٥۰۔ذخيرة العقبى، كتاب الحيل، غاية السبق للتي لم تضمر، رقم الحديث: ۳٦۱۰، ۲٥/۳۰

(۳)التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤۲۷۔ عمدة القاري: ٤/۲۳٦۔ ذخيرة العقبى، كتاب الحيل، غاية السبق للتي لم تضمر، رقم الحديث: ۳٦۱۰، ۲٥/۳۰

(٤)ذخيرة العقبى، كتاب الحيل، غاية السبق للتي لم تضمر، رقم الحديث: ۳٦۱۰، ۲٥/۳۰

۱۰ – باب : اَلْقِسْمَةِ ، وَتَعْلِيقِ اَلْقِنْوِ فِي اَلْمَسْجِدِ .

یہ باب مسجد میں (کسی چیز کی) تقسیم اور کھجور کا خوشہ لٹکانے کے جواز کے بیان میں ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے

لامع الدراری میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

چوں کہ احادیث مبارکہ میں مسجد میں عبادات کے علاوہ دیگر امور کی ممانعت موجود ہے، مثلا: حدیث کا مفہوم ہے کہ ان مساجد میں لوگوں کے (دنیا سے متعلق) کاموں میں سے کچھ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس حدیث کا ظاہر تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ عبادت کے علاوہ کوئی کام بھی مسجد میں جائز نہ ہو، لیکن (مذکورہ حدیث کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ حدیث میں مذکور) امور سے مراد ان امور کے علاوہ ہیں جن کی طرف مسجد میں ہی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ ''لامع الدراری'' میں اس حدیث پر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے اس کلام پر حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ (جو حدیث حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے) اس حدیث کے معنی مختلف الفاظ کے ساتھ احادیث میں مذکور ہیں، مثلا:

جمع الفوائد میں صحیح مسلم کی ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موجود ہے کہ جو شخص کسی شخص کو مسجد میں اپنی گمشدہ چیز کا اعلان کرتا ہوا سنے تو اسے کہے کہ اللہ! تجھے تمہاری گمشدہ چیز نہ لوٹائے، کیونکہ یہ مساجد ان کاموں کے لیے نہیں بنائی گئی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص مسجد میں اپنے گمشدہ اونٹ کے بارے میں اعلان کر رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ (اللہ کرے کہ) تیرا اونٹ نہ ملے، یہ مساجد اس (قسم کے اعلانوں کے) لیے نہیں بنائی گئیں۔

ایک اور حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خریدنے، بیچنے، گمشدہ اشیاء کے اعلان کرنے اور اشعار وغیرہ پڑھنے سے منع کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ طائف کے دو شخص مسجد میں اونچی آواز سے باتیں کر رہے تھے تو حضرت عمر

رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ اگر تم اس شہر کے ہوتے تو تمہیں دردناک سزا دیتا۔

اس کے علاوہ ایک اور حدیث میں مذکور ہے کہ مسجد میں ہنسنا قبر کی اندھیری ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سوائے قرآن، اللہ کے ذکر اور خیر کے سوال و جواب کے ہر قسم کی بات چیز مسجد کے اندر لغو ہے۔

چنانچہ اس قسم کی روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ نے آنے والے ابواب میں تفصیل سے ان روایات کو ذکر کیا ہے جن میں ان امور کا ذکر ہے جن کا کیا جانا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے(۱)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ مسجد میں کسی چیز کی تقسیم جائز ہے، نیز تعلیق قنو کا جواز بھی ثابت کرنا ہے اور دوسرے مسئلہ کی خاص طور سے ضرورت اس لیے پیش آئی کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے، جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ ایک شخص نے مسجد میں حشف، یعنی: ردی کھجور کا خوشہ لٹکا رکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں عصا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوشہ کو عصا سے مارتے ہوئے فرمایا کہ اگر صدقہ دینے والا چاہتا تو اس سے بہتر کا بھی صدقہ کر سکتا تھا۔

اور ایک اور روایت میں ہے کہ جس کے پاس اتنی کھجور (دس وسق) ہوں تو وہ زکاۃ بھی ادا کرے اور ایک خوشہ لا کر اصحاب صفہ کے لیے مسجد میں لٹکا دے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ کا قاعدہ یہ ہے کہ روایت کی طرف ترجمۃ الباب میں اشارہ فرما دیتے ہیں۔

نیز! حضرت امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مسجد کے احاطہ میں پھل دار درخت لگانا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ خوامخواہ ہر قسم کے لوگ پھل لینے آئیں گے۔ تو ان کے اس قول کی تردید کرنی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے تو ترجمہ میں وہ روایت ذکر کی جس میں بحرین کے مال کی آمد کا ذکر ہے تو اس

(۱)لامع الدراري مع حواشيه: ۱/۱٦٠

سے قسمت تو ثابت ہوگئی؛ لیکن تعلیقِ قنو ثابت نہیں ہوا، تو اس سے دلالۃ النص یا اشارۃ النص کے ذریعہ ثابت فرمایا(۱)۔

حضرت کشمیری صاحب رحمہ اللہ کی رائے

صاحب انوار الباری علامہ بجنوری رحمہ اللہ نے اس مقام پر لکھا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: (۲) امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں سے ان افعال کا ذکر شروع کیا جو جنس نماز واذکار سے خارج ہیں اور پھر بھی مسجد میں کیے گئے اور اس سے وہ اپنے وسیع مسلک کی تائید کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ اس باب میں تقسیم مال ثابت کی، جب کہ ہمارے فقہاء مسجد کے اندر کلام وطعام وغیرہ کو مکروہ فرماتے ہیں اور تقسیم اموال وغیرہ کو بھی، کیونکہ مساجد ان کاموں کے لیے موزوں نہیں ہوتیں، امام بخاری رحمہ اللہ دور تک ایسی احادیث ذکر

(۱) سراج القاری: ۲/٤٦٦

تقریر بخاری شریف میں ہے:

قسمت انہی استثناءات میں سے ہے جن کا مسجد میں کرنا جائز ہے اور تعلیق القنو ابن بطال کے نزدیک امام بخاری رحمہ اللہ کو غفلت ہوگئی اور اس کی کوئی دلیل نہیں ذکر کی۔ بعض لوگوں نے امام بخاری کی طرف سے یہ جواب دیا ہے کہ ان کا ارادہ لکھنے کا تھا مگر لکھ نہ سکے، بیاض چھوڑ دی گئی، جسے کاتبوں نے ملا دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ شرط کے موافق کوئی روایت نہیں ملی، یا بھول گئے وغیرہ وغیرہ، مگر میرے نزدیک یہ لفظ صحیح ہے اور حضرت امام بخاری نے اس ابوداؤد شریف کی ایک روایت کی طرف جو کتاب الزکاۃ میں ہے اشارہ کردیا۔ اس روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے دیکھا کہ ایک آدمی نے حشف یعنی ردی کھجوروں کا ایک خوشہ مسجد میں لٹکا رکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں لاٹھی تھی۔ آپ نے اس خوشے میں مار کر فرمایا کہ اگر اس خوشے والا چاہتا تو اس سے بہتر صدقہ کرسکتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ہر باغ میں سے ایک خوشہ مسجد میں مساکین کے لیے لٹکایا جائے۔ اور حضرت امام بخاری کا قاعدہ یہ ہے کہ روایات کی طرف ترجمۃ الباب سے اشارہ کیا کرتے ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ قیاس سے ثابت فرمادیا۔ اس لیے کہ روایت میں قسمت الدنانیر کا ذکر ہے اور دنانیر وکھجوریں تقریباً رنگ ومقدار کے اعتبار سے برابر ہوتی ہیں۔ یہ قیاس بھی صحیح ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تسبیح کے ہونے پر گٹھلی وغیرہ والی روایات سے استدلال ہوسکتا ہے تو یہاں بھی شرکت فی التقسیم وغیرہ سے استدلال ہوسکتا ہے اور بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ قسمت وتعلیق قنو چونکہ نفع عامہ کی چیزیں ہیں اس لیے جس طرح قسمت جائز ہے، تعلیق قنو بھی جائز ہوگی۔ (تقریر بخاری شریف: ۲/۱۵۵)

(۲) انوار الباري: ١٤/١٨

کریں گے، حالانکہ وہ سب خاص واقعات تھے، جن کا انکار فقہاء کو بھی نہیں ہے اور وہ ان امور کو صرف بطور عادت اختیار کرنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں، اگر ایک دو بار ایسا ہو جائے تو وہ ان کے نزدیک بھی جائز ہے، لہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ اگر ان جزوی واقعات سے مسجد کے احکام میں توسع پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس سے ان کا مقصد پورا نہیں ہوسکتا، کیونکہ جو دوسرے افعال احیاناً ثابت ہوئے ہیں، ظاہر ہے کہ مساجد ان کے لیے نہیں بنائی گئیں، پھر جب کہ نفل نمازوں کے لیے بھی مستحب یہ ہے کہ وہ گھروں میں پڑھی جائیں اور مساجد میں صرف فرائض ادا ہوں تو دوسرے اعمال وافعال کے لیے مستقل طور سے گنجائش نکالنے کی سعی کا کیا موقع ہے؟! قضا حنفیہ کے نزدیک مسجد میں بھی جائز ہے، کیونکہ وہ عبادت کے حکم میں ہے، شافعیہ کے یہاں ممنوع ہے، تدریس میں بھی اختلاف ہے، حنفیہ اس کو مسجد میں بلا اجرت جائز اور اجرت کے ساتھ ناجائز قرار دیتے ہیں۔ (کیونکہ وہ عبادت کے حکم میں نہ رہی۔)

(۲) حضرت رحمہ اللہ نے مزید فرمایا: مجھے اس امر میں بھی تردد ہے کہ تقسیم اموال بحرین وغیرہ معاملات مسجد کے اندر پیش آئے تھے، کیونکہ علامہ سمہودی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ مسجد نبوی کا قبلہ پہلے بیت المقدس کی طرف تھا پھر جب تحویل قبلہ ہوئی تو دوسری مقابل جانب میں ہو گیا اور وہ حصہ مسقّف ہو گیا جب کہ پہلا حصہ صفہ کہلایا جانے لگا، کتب فقہ میں یہ بھی ہے کہ مسجد کے کسی حصہ کو بوقت ضرورت اس سے خارج بھی کر سکتے ہیں(۱)، لہٰذا یہ سب توسّعات جو امام بخاری رحمہ اللہ نے ذکر کی ہیں، پہلے حصہ میں ہوئی ہوں گی، جو بعد کو مسجد کے حکم میں داخل نہ رہا، راویوں نے بھی توسع کر کے اس کو مسجد ہی کہا اور عرفاً اس کی گنجائش بھی تھی، علامہ

(۱) مسجد کے کسی حصے کو بالکلیہ مسجدیت سے خارج کر دینا، نکال دینا شرعا جائز نہیں ہے، جو جگہ ایک بار مسجد شرعی بن جائے وہ جگہ مسجد ہونے سے کسی کے نکالنے سے نکل بھی نہیں سکتی۔

البتہ بعض اوقات ایسا ممکن ہے کہ عوام الناس کو راستے کی تنگی وغیرہ کی وجہ سے مسجد سے بار بار گذرنے کی ضرورت پیش آتی ہو، اور مسجد کا وہ حصہ فی الوقت نماز وغیرہ کی ضرورت سے زائد بھی ہو، یعنی: مسجد کا بقیہ حصہ نماز کے لیے کافی بھی ہو تو ایسی صورت میں عوام الناس کو ان کی ضرورت کی وجہ سے مسجد کا وہ متعلقہ حصۃ راستہ کے طور پر استعمال کرنے کی اس وقت تک اجازت دی جاتی ہے جب تک متبادل راستہ کا بندوبست نہ ہو جائے، لیکن اس اجازت سے مسجد کا وہ حصہ مسجدیت سے نہیں نکلتا بلکہ وہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہی باقی رہتا ہے۔

ملاحظہ ہو: رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: في الوقف إذا خرب ولم يمكن عمارته: ٣٧٨/٤، دار الفكر. وفي البحر الرائق، كتاب الوقف: ٢٧٦/٥، دار الكتاب الإسلامي.

ذہبی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ صفہ اجزاء مسجد میں سے تھا پھر اس سے خارج کر دیا گیا تھا(۱)، اس تحقیق پر بھی امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد پورا نہیں ہوتا اور اس کے لیے یہ اجمالی جواب ہر جگہ جاری ہوگا۔

(۳) اس کے سوا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ بحرین کا مال (جو تقریباً ایک لاکھ درہم تھا) مسجد میں اس لیے بھی جمع کرنا پڑا تھا کہ اس وقت بیت المال نہیں بنا تھا اور اس کو کسی صحابی کے یہاں رکھنا بھی بدگمانیوں کا سبب بن سکتا تھا اور خود حضور علیہ السلام بھی اس متاع دنیوی کو اپنے گھر میں رکھنا پسند نہ کرتے تھے۔

ان سب قرائن وشواہد کے موجود ہوتے ہوئے اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب مال مسجدِ نبوی میں ڈھیر کرا کر فوراً ہی تقسیم بھی کرا دیا تو کیا یہ بات موزوں ومناسب قرار دی جا سکتی ہے کہ اس کو قاعدہ کلیہ بنا لیا جائے؟ نہیں بلکہ اس کو بطور ایک واقعہ جزئیہ خاصہ سمجھنا زیادہ بہتر ہے اور ہر انصاف پسند یہی فیصلہ کرے گا۔

فائدہ مہمہ: حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ وضع تراجم ابواب کے بارے میں سباق غایات ہیں، یعنی: ان کی یہ فضیلت ومزیت بے مثال ہے، مگر اس میں جہاں امت محمدیہ کے لیے غیر معمولی منافع وفوائد ہیں، وہاں ایک بڑی مضرت ونقصان بھی ہے، کیونکہ ایک حدیث کسی خاص حادثہ کے موقع پر وارد ہوئی ہے اور قرائن بتلاتے ہیں کہ اس وقت آپ نے کیا حکم اور کس وجہ سے دیا تھا، مگر امام بخاری رحمہ اللہ کے

(۱) حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے علامہ سمہودی رحمہ اللہ کی جو بات ذکر کی گئی ہے، وہ بات ان کی کتاب ''وفاء الوفاء'' میں نہیں مل سکی، ظاہر یہ ہو رہا ہے کہ علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے ان کی یہ بات محض بحث کے طور پر ذکر کر دی ہے، جیسا کہ فیض الباری میں ان کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد كذا ذكره السمهودي کہہ کے پوری بات کا حوالہ ان کے اوپر ڈال دیا ہے، نہ صرف یہ کہ، بلکہ اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد اپنا نتیجہ ذکر کرتے ہیں جس کا حاصل یہ بنتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد میں مالِ غنیمت تقسیم کرنا اس وقت کی ہنگامی حالت کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کشمیری رحمہ اللہ کے نزدیک بھی صُفہ مسجدِ نبوی کا ہی حصہ ہے، اس سے خارج نہیں ہوا۔

اگر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے علامہ سمہودیؒ کی بات بطورِ جواب ذکر کی ہوتی اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک صفہ کا مسجدِ شرعی نہ ہونا راجح ہوتا تو آخر میں ایسا جواب نہ دیتے جس کا مدار صفہ کو مسجد کا حصہ مان لینے پر مبنی ہے۔

اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی بھی رائے یہ تھی کہ صفہ مسجد سے خارج کر دیا گیا تھا تو بظاہر اس سے مراد یہ ہوگا کہ مسجدیت تو باقی تھی لیکن ضرورت کی وجہ سے صفہ کے حصہ میں ان کاموں کی اجازت دے دی گئی تھی، جو کام عام طور پر مسجد میں ممنوع ہیں، اور اس اعتبار سے یہ کہنا بھی درست ہو جائے گا کہ اس تقسیم کے وقت صفہ عینِ مسجد کا حصہ نہیں تھا، نیز! اس کی گنجائش کتبِ فقہ میں ملتی بھی ہے، جیسا کہ اوپر گذرا ہے، واللہ اعلم بالصواب

ترجمۃ الباب اور توسع کی وجہ سے دوسرا شخص مغالطہ میں پڑ جاتا ہے اور اس حکم نبوی کو حکم مطرد و عام سمجھنے لگتا ہے(۱)۔

تعلیق اور ایک وضاحت

قال أبو عبد الله: القنو العذق، والإثنان قنوان، والجماعة أيضا قنوانٌ، مثل: صنو وصنوانٍ

ابوعبداللہ (امام بخاری) رحمہ اللہ نے کہا: "قنو" عذق یعنی: کھجور کے خوشہ کو کہتے ہیں، اس کی تثنیہ اور جمع "قنوان" کے وزن پر آتی ہے، جیسے کہ صنو اور صنوان۔

یہ تعلیق مصطفیٰ دیب البغا والے نسخہ میں نہیں ہے جس کو کشف الباری میں بطور متن لگایا جا رہا ہے، البتہ ہمارے ہندی نسخوں میں اور شروحات میں اس تعلیق کا ثبوت ملتا ہے، چنانچہ علامہ قسطلانی رحمہ لکھتے ہیں کہ یہ تعلیق ابی ذر، ابن عساکر اور ابی الوقت کے نسخوں میں تو ملتی ہے لیکن ان کے علاوہ کے دیگر نسخوں میں یہ روایت نہیں ملتی (۲)۔

تعلیق کا مقصد و تشریح

"أبو عبد الله" سے مراد خود امام بخاری رحمہ اللہ ہیں، وہ ترجمۃ الباب میں موجود ایک لفظ "قنو" کی لغوی تشریح کر رہے ہیں، سب سے پہلے تو "قِــنــو" [قاف کی کسرہ کے ساتھ] کے معنی بتائے کہ اس کے معنی "الــعِــذق" [عین کی کسرہ کے ساتھ] یعنی: کھجور کے خوشے کے ہیں، اور مزید بتایا کہ اس لفظ کی تثنیہ اور جمع دونوں کا ایک ہی وزن ہے، یعنی: قنوان، لہٰذا جب اس کا استعمال تثنیہ کے لیے مقصود ہوگا تو یہ ہی لفظ ہوگا لیکن نون کی کسرہ کے ساتھ اور جب اس کا استعمال جمع کے لیے مقصود ہوگا تو اس کے اعراب حسب ضرورت ہوں گے۔ جیسا کہ صنو کہ اس کی تثنیہ اور جمع بھی اسی وزن پر آتی ہے اور فرق نون کی کسرہ کے ساتھ اور کسرہ کے بغیر سے کیا جاتا ہے(۳)۔

---

(۱) انوار الباری: ۱۴/۱۹، ۲۰

(۲) إرشاد الساري: ۲/۷۸۔ الكنز المتواري: ۴/۱۱۴

(۳) إرشاد الساري: ۲/۷۸۔

حدیث باب

٤١١ : وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ[١] ، عَنْ عَبْدِ ٱلْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ[٢] ، عَنْ أَنَسٍ[٣] رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : أُتِيَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ بِمَالٍ مِنَ ٱلْبَحْرَيْنِ ، فَقَالَ : (ٱنْثُرُوهُ فِي ٱلْمَسْجِدِ) . وَكَانَ أَكْثَرَ مَالٍ أُتِيَ بِهِ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ ، فَخَرَجَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ إِلَى ٱلصَّلَاةِ وَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلَيْهِ ، فَلَمَّا قَضَى ٱلصَّلَاةَ جَاءَ فَجَلَسَ إِلَيْهِ ، فَمَا كَانَ يَرَى أَحَدًا إِلَّا أَعْطَاهُ ، إِذْ جَاءَهُ ٱلْعَبَّاسُ فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، أَعْطِنِي ، فَإِنِّي فَادَيْتُ نَفْسِي وَفَادَيْتُ عَقِيلاً ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ : (خُذْ) . فَحَثَا فِي ثَوْبِهِ ، ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهُ فَلَمْ يَسْتَطِعْ ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، مُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ إِلَيَّ ، قَالَ : (لَا) . قَالَ : فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ ، قَالَ : (لَا) . فَنَثَرَ مِنْهُ ، ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهُ ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، مُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ عَلَيَّ ، قَالَ : (لَا) . قَالَ : فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ ، قَالَ : (لَا) . فَنَثَرَ مِنْهُ ، ثُمَّ ٱحْتَمَلَهُ ، فَأَلْقَاهُ عَلَى كَاهِلِهِ ، ثُمَّ ٱنْطَلَقَ ، فَمَا زَالَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ يُتْبِعُهُ بَصَرَهُ حَتَّى خَفِيَ عَلَيْنَا ، عَجَبًا مِنْ حِرْصِهِ ، فَمَا قَامَ رَسُولُ ٱللّٰهِ ﷺ وَثَمَّ مِنْهَا دِرْهَمٌ . [٢٨٨٤ ، ٢٩٩٤]

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل تین راوی ہیں:

---

(١) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس جو نسخے ہیں ان میں اس راوی ''ابراہیم'' کے ساتھ ان کے والد کا نام یعنی: ''ابن طهمان'' بھی مذکور ہے، اور یہی درست ہے، جب کہ اس نسخے کے علاوہ میں یہ لفظ ''ابراہیم'' اپنے والد کی نسبت کے بغیر مذکور ہے۔ (فتح الباری: ١/ ٦٦٨)

(٢) اس راوی کے بارے میں بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ہمارے نسخوں میں یہ لفظ ''عبدالعزیز بن صہیب'' ہے جب کہ اس کے علاوہ کے نسخوں میں باپ کی طرف نسبت کے بغیر صرف ''عبدالعزیز'' ہے۔ (فتح الباری: ١/ ٦٦٨)

(٣) أخرجه البخاري أيضاً في الجهاد، باب: فداء المشركين، رقم الحديث: ٣٠٤٩. وباب: ما أقطع النبي صلى الله عليه وسلم من البحرين وما وعد من مال البحرين والجزية ولمن يقسم الفيئ والجزية، رقم الحديث: ٣١٥٦

وفي جامع الأصول، حرف الجيم، الكتاب الأول: في الجهاد، الباب الثاني: في فروع الجهاد، الفصل الثالث: في الغنائم والفيئ، الفرع الرابع: في الفيئ، رقم الحديث: ١٢٠٧، ٢/ ٧١١

۱۔ابراہیم

یہ ''ابراہیم بن طھمان'' رحمہ اللہ ہیں،

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الغسل، باب: من اغتسل عريانا وحده في الخلوة، ومن تستر فالستر أفضل ، رقم الحديث: ۲۷۹ ، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔عبدالعزیز بن صہیب

یہ ''عبدالعزیز بن صہیب بنانی بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔انس

یہ مشہور صحابیٔ رسول حضرت ''انس بن مالک'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بحرین سے مال لایا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے مسجد میں ڈال دو، یہ مال ان تمام مالوں سے زیادہ تھا جو اب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے جاتے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز

---

(۱) كشف البـاري، كتاب الغسل، باب: من اغتسل عريانا وحده في الخلوة، ومن تستر فالستر أفضل ، رقم الحديث: ۲۷۹

(۲) كشف الباري:۲/۱۲

(۳) كشف الباري: ۲/٤

کے لیے نکلے تو اس مال کی طرف توجہ بھی نہیں فرمائی، پھر جب نماز ادا کر چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور مال کے پاس بیٹھ گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس کسی کو بھی دیکھتے تو اسے مال دیتے رہے، اتنے میں آپ کے پاس (آپ کے چچا) حضرت عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے، انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے (بھی) دی جیے، کیوں کہ میں نے اپنا اور عقیل (دونوں) کا بھی فدیہ ادا کیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (جتنا چاہے) لے لو، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے کپڑے میں مال (خوب اچھی طرح) بھر لیا، پھر اس گٹھری کو اٹھانے لگے تو (بوجھ زیادہ ہونے کی وجہ سے) نہ اٹھا سکے، تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کسی کو کہہ دیں کہ (وہ میری مدد کرے اور مل کر اسے) اٹھوا دے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، تو انہوں نے کہا کہ اچھا پھر آپ مجھے اٹھوا دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، آپ خود اٹھائیں۔ اس پر انہوں نے اس گٹھری سے کچھ مال کم کیا، پھر (اٹھانے لگے لیکن بوجھ کی وجہ سے اٹھائی نہیں گئی، اس پر انہوں نے پھر) کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کسی کو کہہ دیں کہ (وہ میری مدد کرے اور مل کر اسے) اٹھوا دے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، تو انہوں نے کہا کہ اچھا پھر آپ مجھے اٹھوا دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، آپ خود اٹھائیں۔ اس پر انہوں نے اس گٹھری سے کچھ مال اور نکالا، پھر اپنے کندھوں پر ڈالا اور چل پڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مال پر حرص دیکھ کر انہیں (جاتا ہوا) مسلسل دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ ہماری نظروں سے غائب ہو گئے، پھر جب تک ایک بھی درہم باقی رہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک وہاں ہی ٹھہرے رہے۔

شرح حدیث

عـن أنـس رضي الله عنه قال أتي النبي صلى الله عليه وسلم بمال من البـحرين، فقال: انثروه في المسجد، وكان أكثر مال أتي به رسول الله صلى الله عليه وسلم،

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بحرین سے مال لایا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے مسجد میں ڈال دو، یہ مال ان تمام مالوں سے زیادہ تھا جواب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے جاتے تھے۔

بحرین سے کیسا اور کتنا مال بھیجا گی؟

"بمال من البحرين" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے حمید بن ہلال کے طریق سے ایک روایت کی تخریج کی ہے(۱) کہ یہ مال ایک

(۱) حـدثـنـا أبـو أسامة، عن سليمان بن المغيرة، عن حميد بن هلال، قال: بعـث العلاء بن الحضرمي إلى رسـول الـله صلى الله عليه وسلم بثمان مائة ألف من خراج البحرين، وكان أول خراج قدم به على رسول الله صـلـى الـله عليه وسلم، فأمر به فنثر على حصير في المسجد، وأذن المؤذن فخرج إلى الصلاة فصلى، ثم جاء إلـى الـمال فمثل عليه قائما فلم يعط ساكتا ولم يمنع سائلا، فجعل الرجل يجيئ فيقول: أعطني، فيقول: خذ قبـضة، ثـم يـجيـئ الـرجـل فيقول: أعطني، فيقول: خذ قبضتين، ويجيئ الرجل فيقول: أعطني، فيقول: خذ ثـلاث قبضات، فجاء العباس، فقال: يا رسول الله! أعطني من هذا المال، فإني أعطيت فداي وفداء عقيل يوم بـدر، ولـم يكن لعقيل مال، قال: فأخذ يبسط خميصة كانت عليه، وجعل يحثى من المال ، فحثا فيها، ثم قام بـه فـلـم يـطـق حـمـلـه، فقال: يا رسول الله! احمل علي، فنظر إليه النبي صلى الله عليه وسلم فتبسم حتى بدا ضـاحـكـه، وقـال: أنقص من المال وقم بقدر ما تطيق، فلما ولى العباس قال: أما إحدى اللتين وعدنا الله فقد أنـجـز لنا إحداهما، ونحن ننتظر الأخرى، قوله تعالى: ﴿يا أيها النبي قل لمن فى أيديكم من الأسرى إن يعلم الـله فى قلوبكم خيرا﴾ (الأنفال: ۷۰) إلـى آخـر الآية، فـقد أنجزها الله لنا ونحن ننتظر الأخرى. (المصنف لابن أبي شيبه، كتاب الأوائل، باب: أول ما فعل ومن فعله، رقم الحديث: ۳۶۹۵۵، ۱۹/۵۳۲، ۵۳۳)

لاکھ تھا(۱)۔اور یہ مال خراج یا مال جزیہ تھا جو بحرین سے وصول کیا گیا تھا، کہا گیا ہے کہ یہ سب سے پہلا خراج تھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا گیا۔اور بھیجنے والے حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الجزیہ میں حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے(۲) کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بحرین سے صلح کی اور ان پر حضرت العلاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا اور ان کی طرف حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہاں سے جزیہ لے کر آئیں، پس جب انصار کو ان کے آنے کی خبر پہنچی تو انہوں نے فجر کی نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو مسکرا دیئے اور ارشاد فرمایا: میرا خیال ہے کہ تم لوگ ابوعبیدہ کی بحرین سے

---

(۱) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں بحوالہ ''المصنف لابن ابی شیبہ'' لکھا ہے کہ اس جزیے کی مقدار ایک لاکھ تھی، (دراہم تھے یا دنانیر؟ اس کی تصریح نہیں ہے۔) جب کہ المصنف میں جو روایت ہے، اس میں ''آٹھ لاکھ'' کا ذکر ہے، نہ کہ ''ایک لاکھ'' کا۔اور ابن سعد، یعقوب بن سفیان اور امام حاکم رحمہم اللہ کی روایت کے مطابق اسی ہزار تھے۔ شیخ عوامہ رحمہ اللہ نے حاشیۂ المصنف میں یہ تفصیل ذکر کی ہے۔(قوله "بثمان مائة ألف": كذا في النسخ، وفي فتح الباري: ۱/۵۱۷، أول الصفحة عن المصنف: "أنه كان مئة ألف"، والذي عند ابن سعد، ويعقوب بن سفيان والحاكم: بثمانين ألف. [حاشية المصنف للشيخ عوامة، كتاب الأوائل، باب: أول ما فعل ومن فعله، رقم الحديث: ۳٦۹۵۵، ۱۹/۵۳۲، ۵۳۳.])

(۲) حدثنا أبو اليمان أخبرنا شعيب عن الزهري قال حدثني عروة بن الزبير عن المسور بن مخرمة أنه أخبره أن عمرو بن العوف الأنصاري وهو حليف لبني عامر بن لؤي، وكان شهد بدرا، أخبره، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث أبا عبيدة بن الجراح إلى البحرين يأتي بجزيتها، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم هو صالح أهل البحرين وأمّر عليهم العلاء الحضرمي، فقدم أبو عبيدة بمال من البحرين، فسمعت الأنصار بقدوم أبي عبيدة، فوافقت صلاة الصبح مع النبي صلى الله عليه وسلم، فلما صلى بهم انصرف، فتعرضوا له، فتبسم رسول الله صلى الله عليه وسلم حين رآهم، وقال: "أظنكم قد سمعتم أن أبا عبيدة قد جآء بشيئ"، قالو: أجل يا رسول الله، قال: "فأبشروا وأمّلوا ما يسركم، فوالله لا الفقر أخشىٰ عليكم، ولكن أخشىٰ عليكم أن تبسط عليكم الدنيا، كما بسطت على من كان قبلكم، فتنافسوها كما تنافسوها، وتهلككم كما أهلكهم".(صحيح البخاري، كتاب الجزية، باب: الجزية والموادعة مع أهل الذمة والحرب، رقم الحديث: ۲۹۸۸)

واپس آنے کی اطلاع سن چکے ہو کہ وہ کچھ لے کر آئے ہیں..................الحدیث۔

"انثروہ في المسجد" اس کے معنی "صبوہ" ہیں، یعنی: مسجد میں ڈال دو(۱)۔

مسجد میں مال ڈھیر کرنے کی وجہ

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس وقت تک باقاعدہ اور مستقل کوئی بیت المال کا بندوبست نہیں ہوا تھا اور آپ علیہ السلام اپنے گھر میں مال ودولت رکھنا پسند نہیں فرماتے تھے، پھر دوسرے کسی اور کے گھر میں رکھنے سے منازعت ومنافست کا اندیشہ تھا، اس لیے (یہ مال) مسجد میں ڈال دیا گیا(۲)۔

فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الصلاة، ولم يلتفت إليه، فلما قضى الصلاة جاء فجلس إليه، فما كان يرى أحدا إلا أعطاه،

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے نکلے تو اس مال کی طرف توجہ بھی نہیں فرمائی، پھر جب نماز ادا کر چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور مال کے پاس بیٹھ گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس کسی کو بھی دیکھتے تو اسے مال دیتے رہے،

إذ جاء العباس فقال: يا رسول الله! أعطني، فإني فاديت نفسي وفاديت عقيلا، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: خذ، فحثا في ثوبه، ثم ذهب يقله فلم يستطع، فقال: يا رسول الله! مُر بعضهم يرفعه إليّ، قال: لا

اتنے میں آپ کے پاس (آپ کے چچا) حضرت عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے، انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے (بھی) دیجیے، کیوں کہ میں نے اپنا اور عقیل (دونوں) کا بھی فدیہ ادا کیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (جتنا چاہیے) لے لو، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے کپڑے میں مال (خوب اچھی طرح) بھر لیا، پھر اس گٹھری کو اٹھانے لگے تو (بوجھ زیادہ ہونے کی وجہ سے) نہ اٹھا سکے، تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کسی کو کہہ دیں کہ (وہ میری مدد کرے اور مل کر اسے) اٹھوا دے، آپ صلی اللہ

(۱)عمدة القاري: ٢٣٨/٤

(۲)فضل الباری: ١٢٦/٣

علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سوال کرنے کی وجہ

"أعطني"، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ سوال کرنا غربت کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ اس کی وجہ آگے آ رہی ہے کہ انہوں نے فدیہ ادا کیا ہوا تھا (۱)۔

فدیہ دینے کا مطلب

"فاديت عقيلا"، یہ ابوطالب کے بیٹے تھے، یعنی: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی، غزوہ بدر میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کو قیدی بنالیا گیا تھا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا اور ان کا فدیہ ادا کر کے قید سے رہائی حاصل کی تھی (۲)۔

"فحثا في ثوبه"، میں "حثاء" کی ضمیر اور "ثوبه" کی ضمیر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹ

---

(۱) حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ میں غریب ہو گیا ہوں، مگر یہ صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اگر یہ معنی ہوں تو اس صورت میں اس روایت کے معنی درست نہ ہوں گے جس میں یہ مضمون ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سال کی زکاۃ حضرت عباس رضی اللہ سے پیشگی لے لی تھی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ میرے اخراجات زیادہ ہو گئے ہیں۔ (لامع الدراری: ۱/۱۶۱، الابواب والتراجم: ۲/۲۱۰، ۲۱۱)

(۲) فتح الباري: ۱/٦٦٩، عمدة القاري: ٤/۲۳۸

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو یہ کہا تھا کہ مجھے بھی دیجیے کیوں کہ میں نے اپنا اور عقیل بن ابی طالب کا زرِ فدیہ ادا کیا تھا اور دوگنا ادا کیا تھا، اصل میں جنگ بدر میں یہ دونوں حضرات کفارِ قریش کی طرف سے آئے تھے، کافروں کو جب شکست ہوئی تو ان کے ستر (۷۰) آدمیوں کو مسلمانوں نے قید کر لیا تھا، جن کو بعد میں فدیہ کے بدلے چھوڑ دیا گیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ مال دار شخص تھے، اور ان کے بھتیجے "عقیل" غریب و نادار تھے، اس لیے دونوں کا فدیہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ادا کیا تھا، اب اس واقعہ کے وقت دونوں مسلمان ہو چکے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت داری کی وجہ سے اموال غنیمت کے خمس اور فیئ میں ان لوگوں کا بھی حق تھا؛ اس لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ لے لو، انہوں نے کپڑے میں اتنا بھر لیا کہ ان سے اٹھانا مشکل ہو گیا۔ (سراج القاری: ۲/۵۰۵)

رہی ہے، کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹ رہی ہے(۱)۔

قال: فارفعه أنت عليّ، قال: لا، فنثر منه، ثم ذهب يقله، فقال: يا رسول الله! مُر بعضهم يرفعه عليّ، قال: لا، قال: فارفعه أنت عليّ، قال: لا، فنثر منه، ثم احتمله، فألقاه على كاهِلِه، ثم انطلق، فما زال رسول الله صلى الله عليه وسلم يُتبعُه بصره حتى خفي علينا، عجبا من حرصه،

تو انہوں نے کہا کہ اچھا پھر آپ مجھے اٹھوا دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، آپ خود اٹھائیں۔اس پر انہوں نے اس گٹھری سے کچھ مال کم کیا، پھر (اٹھانے لگے لیکن بوجھ کی وجہ سے اٹھائی نہیں گئی، اس پر انہوں نے پھر) کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کسی کو کہہ دیں کہ (وہ میری مدد کرے اور مل کر اسے) اٹھوا دے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، تو انہوں نے کہا کہ اچھا پھر آپ مجھے اٹھوا دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، آپ خود اٹھائیں۔اس پر انہوں نے اس گٹھری سے کچھ مال اور نکالا، پھر اپنے کندھوں پر ڈالا اور چل پڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مال پر حرص دیکھ کر انہیں (جاتا ہوا) مسلسل دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ ہماری نظروں سے غائب ہو گئے،

"يقله"، یہ باب افعال سے فعل مضارع ہے، اس کے معنی اٹھانے کے ہیں (۲)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مدد کیوں نہ کی؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ کسی کو کہہ دیں کہ یہ گٹھری اٹھوا دے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ایسا کہنے سے انکار کیوں کر دیا؟ نیز! حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اچھا آپ کسی کو نہیں کہہ رہے تو پھر آپ خود اٹھوا دیں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی انکار فرما دیا۔اس کی کیا وجہ؟

---

(۱)فتح الباري: ۱/٦٦٩، عمدة القاري: ٤/٢٣٨

(٢) قال ابن أثير: "يقال: أقلَّ الشيئَ يُقِلُّه، واستقلَّه يَستقِلُّه، إذا رفَعَه وحَمَله". (النهاية في غريب الحديث والأثر لابن أثير: ٢/٤٨٧)

تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس انکار کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ مال کی کثرت کوئی پسندیدہ نہیں ہے۔

یا پھر انکار کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ اس طریقے سے نصیحت کرنا مقصود تھا کہ اپنی ضرورت کے بقدر لینے پر اکتفا کرو۔

یا پھر اس عمل کے ذریعے آخرت کے معاملے کی طرف توجہ دلانا مقصود تھا کہ کل کوئی بھی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا(۱)۔

"کاهله"، کا مطلب "بین کتفیه" ہے، کہ اپنی کمر پر کندھوں کے درمیان ڈال لیا(۲)۔

"یتبعه بصره"، آپ علیہ السلام کا ان کی طرف دور تک دیکھتے رہنا ان کی مال پر حرص دیکھ کر تھا

فما قام رسول الله صلى الله عليه وسلم وثَمَّ منها درهمٌ۔

پھر جب تک ایک بھی درہم باقی رہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک وہاں ہی ٹھہرے رہے۔

"ثَمّ"، بمعنی "هناك" ہے(۳)۔

یہ آخری جملہ حال ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں قیام آخری درہم ختم ہونے تک باقی رہا(۴)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس باب میں اور اس کے تحت آنے والی حدیث سے متعلق کوئی اعتراض کرے کہ ترجمۃ الباب تو دو باتوں پر مشتمل ہے، ایک: مسجد میں کسی چیز کی تقسیم کرنا، اور دوسرا: مسجد میں کوئی چیز لٹکانا، جب کہ حدیث باب صرف پہلی بات سے متعلق ہے، اور حدیث میں دوسری بات سے متعلق کچھ بھی نہیں ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ترجمۃ الباب میں تو کوئی امر ذکر کرتے ہیں لیکن ان کی شرائط کے

---

(۱)عمدة القاري: ٢٣٩/٤

(۲)عمدة القاري: ٢٣٩/٤

(۳)فتح الباري: ٦٦٩/١

(٤)عمدة القاري: ٢٣٩/٤

مطابق حدیث نہ ہونے کی وجہ سے حدیث ذکر نہیں کرتے، چنانچہ ایک حدیث میں یہ بات موجود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے باغ والوں کو حکم فرمایا تھا کہ خوشے مسجد میں لٹکا دیا کریں تاکہ جن کے پاس کوئی چیز نہ ہو وہ اسے کھالیا کریں۔

دوسرا جواب یہ ہے مسجد میں مال بکھیرنے کی ہی مثل خوشے وغیرہ لٹکانا بھی ہے، چنانچہ جیسے مسجد میں مال ڈال کے اسے تقسیم کرنا حدیث کی رو سے جائز قرار پایا اسی طرح خوشے لٹکا کر ان سے کھانا بھی درست ہوا(۱)۔

حدیث مبارکہ سے مستنبط شدہ فوائد واحکام

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سارے فوائد معلوم ہوتے ہیں، مثلاً:

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کریم ہونا، اور مال کی طرف التفات نہ ہونا معلوم ہوتا ہے، چاہے مال قلیل ہو یا کثیر(۲)۔

۲۔ امام وقت کے لیے مناسب یہ ہے کہ مال کو مستحقین کے درمیان تقسیم کرنے میں تاخیر نہ کرے(۳)۔

۳۔ امام وقت کے لیے اپنی صوابدید پر مال کا تقسیم کرنا بھی معلوم ہوتا ہے(۴)۔

۴۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب امام کو لوگوں کی حاجت کا علم ہو تو مال کو ذخیرہ کر کے نہیں رکھنا چاہیے بلکہ لوگوں کی حاجات میں صرف کر دینا چاہیے(۵)۔

۵۔ مسجد میں ایسی اشیاء رکھنے کا جواز معلوم ہوا جس کے استعمال میں لوگ مشترک ہوں(۶)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

---

(۱)عمدة القاري: ٢٣٧/٤

(٢)فتح الباري: ٦٦٩/١ ، عمدة القاري: ٢٣٩/٤

(٣)فتح الباري: ٦٦٩/١

(٤)عمدة القاري: ٢٣٩/٤

(٥)عمدة القاري: ٢٣٩/٤

(٦)عمدة القاري: ٢٣٩/٤

۱۱ – باب : مَنْ دَعَا لِطَعَامٍ فِي ٱلْمَسْجِدِ وَمَنْ أَجَابَ فِيهِ .

یہ باب اس شخص کے بارے میں جو مسجد میں کسی شخص کو کھانا کھانے کے لیے بلائے
اور اس شخص کے بارے میں ہے جو مسجد میں اس دعوت کو قبول کرے۔

ترجمۃ الباب کی تشریح

اس ترجمۃ الباب میں "في المسجد" کا لفظ "دعا" کے ساتھ متعلق ہوگا، مطلب یہ بنے گا کہ کوئی مسجد میں جا کر وہاں موجود شخص کو کھانے کی دعوت دے۔

"من أجاب فيه"، صحیح البخاری کے اکثر نسخوں میں "من أجاب منه" کے الفاظ ہیں، کشميهني کی روایت میں "من أجاب إليه" کے الفاظ ہیں(۱)۔

دونوں روایتوں کے مطابق کوئی بڑی تبدیلی نہیں آتی، پہلی صورت میں جب کہ "منه" ہو تو "ہ"، ضمیر مسجد کی طرف لوٹے گی اور اگر "إليه" ہو تو ضمیر طعام کی طرف لوٹے گی، بہر صورت معنی ٹھیک ہیں(۲)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ اس باب کا مقصد مسجد میں مباح بات چیت کے جائز ہونے کا بتانا ہے؛ کیوں کہ مساجد عبادات کے لیے بنائی جاتی ہیں اور حدیث میں دنیوی کلام سے ممانعت بھی موجود ہے، لہٰذا اس باب سے اس وہم کو دور کیا گیا ہے(۳)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

چونکہ دعوت وغیرہ اُمورِ دنیویہ میں سے ہے اور حدیث میں "إن هذه المساجد لا تصلح لشيئ من هذا البول ولا القذر إنما هي لذكر الله عزوجل والصلاة وقراءة القرآن" وغیرہ وارد ہوا ہے، لہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ اس کا جواز ثابت کر رہے ہیں، اس لیے کہ روایت میں اس کا ثبوت ہے(۴)۔

(۱) فتح الباري: ۱/۶۷۰، إرشاد الساري: ۲/۷۹

(۲) عمدة القاري: ٤/۲٤۰، إرشاد الساري: ۲/۸۰

(۳) شرح تراجم أبواب البخاري، ص: ۲۱

(٤) تقرير بخارى شريف: ۲/۳۱۹

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ کا اس باب سے مقصد اس بات کی جانب اشارہ کرنا ہے کہ یہ امور مسجد کے اندر مباح ہیں، ان کا شمار "امور لغویہ ممنوعہ فی المسجد" میں نہیں ہے(۱)۔

حدیث باب

۴۱۲ : حدّثنا عَبْدُ ٱللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ ٱللّٰهِ : سَمِعَ أَنَسًا[۲] قَالَ : وَجَدْتُ ٱلنَّبِيَّ ﷺ فِي ٱلْمَسْجِدِ مَعَهُ نَاسٌ ، فَقُمْتُ ، فَقَالَ لِي : (أَرْسَلَكَ أَبُو طَلْحَةَ) . قُلْتُ : نَعَمْ ، فَقَالَ : (لِطَعَامٍ) . قُلْتُ : نَعَمْ ، فَقَالَ لِمَنْ مَعَهُ : (قُومُوا) . فَانْطَلَقَ وَٱنْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ . [۳۳۸۵ ، ۵۰۶۶ ، ۵۱۳۵ ، ۶۳۱۰]

ترجمہ حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں کچھ لوگوں کے ساتھ پایا، میں کھڑا ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا: کیا تمہیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے، تو میں نے عرض کیا کہ جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کھانے کے لیے (بلایا ہے)؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے

(۱)عمدة القاري: ۲٤۰/٤

(۲)أخرجه البخاري أيضا في الأنبياء، باب: علامات النبوة في الإسلام، رقم الحديث: ۳۵۷۸، وفي الأطعمة، باب: من أكل حتى يشبع، رقم الحديث: ۵۲۸۱، وباب: من أدخل الضيفان عشرة عشرة، رقم الحديث: ۵٤۵۰، وفي الأيمان والنذور، باب: إذا حلف أن لا يأتدم فأكل تمرا بخبز وما يكون منه الأدم، رقم الحديث: ٦٦٨٨.

ومسلم في صحيحه، في الأشربة، باب: جواز استتباعه غيره إلى دار من يثق برضاه، رقم الحديث: ۲۰٤۰.

والترمذي في جامعه، في المناقب، باب: ۱۱، رقم الحديث: ۳٦۳٤.

وفي جامع الأصول، حرف النون، الكتاب الأول: في النبوة، الباب الخامس: في معجزاته ودلائل النبوة، الفصل الثالث: في زيادة الطعام والشراب، رقم الحديث: ۸۹۱۰، ۳۵٦/۱۱.

قریب موجود لوگوں سے فرمایا: اٹھو (اور میرے ساتھ چلو)، پھر آپ چل پڑے، تو میں ان تمام کے آگے چلتا رہا۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کے کل چار رجال ہیں:

۱۔عبداللہ بن یوسف

یہ "عبداللہ بن یوسف تنیسی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: لیبلغ الشاهد الغائب، کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۲۔مالک

یہ "امام مالک بن انس" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: من الدين الفرار من الفتن، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

۳۔اسحٰق بن عبداللہ

یہ "اسحاق بن ابراہیم بن مخلد، ابن راہویہ" رحمہ اللہ ہیں

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: فضل مَن علِم وعلَّم، کے تحت گزر چکے ہیں(۳)۔

۴۔انس

یہ مشہور صحابی رسول "حضرت انس بن مالک" رضی اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما

---

(۱) كشف الباري: ۱/۲۸۹، ٤/۱۱۳

(۲) كشف الباري: ۱/۲۹۰، ۲/ ۸۰

(۳) كشف الباري: ۳/٤۲۸

يحب لنفسه، کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

شرح حدیث

مذکورہ حدیث مبارکہ کی تشریح تقریباواضح ہے، کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے، البتہ حدیث میں مذکور واقعہ اس مقام پر بہت اجمال کے ساتھ ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے موافق محض ترجمۃ الباب سے متعلق ٹکڑا نقل کیا ہے، پوری تفصیل کتاب علامات النبوہ میں آئے گی (۲)۔

---

(۱) كشف الباري : ٢/٤

(۲) اس واقعے پر مشتمل باب: علامات النبوۃ میں موجود حدیث کا خلاصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

ایک مرتبہ حضرت ابوطلحہ زید بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی ام سلیم [جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں] سے کہا کہ مجھے آج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میں ضعف محسوس ہوا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھوکے ہیں، تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ حضرت ام سلیم نے چھوٹی موٹی چند روٹیاں نکالیں اور اپنے دوپٹہ کے ایک پلہ میں لپیٹیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بغل میں اس کو دبا کر بقیہ اوڑھنی اچھی طرح حضرت انس کے ہاتھ پر لپیٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب میں گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستر [۷۰] یا اسی [۸۰] لوگوں کے ساتھ تشریف فرما پایا، یہ حالت دیکھ کر میں کھڑا ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ابوطلحہ نے تمہیں بھیجا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں، پوچھا: کھانے کی دعوت کے لیے؟ میں نے کہا: جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام لوگوں سے کہا جو آپ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے، اٹھو چلو، وہ سب چلنے لگے، تو میں ان کے آگے آگے تیزی سے چلتا ہوا گھر پہنچا اور حضرت ابوطلحہ کو ساری بات بتائی، انہوں نے میری والدہ ام سلیم سے کہا کہ اب کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک مجمع کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں، ان کو کھلانے کے لیے تو ہمارے پاس کھانا نہیں ہے، ام سلیم نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہم سے زیادہ جانتے ہیں، ابوطلحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لینے کے لیے گھر سے نکلے اور راستے میں ساری بات حضور کو بتادی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوطلحہ آگے آگے اور بقیہ لوگ پیچھے پیچھے ہمارے گھر پہنچ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ام سلیم! جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ لے آؤ، ام سلیم نے وہی روٹیاں پیش کر دیں، ان روٹیوں کو توڑ کر چورا بنایا گیا پھر ام سلیم کے اپنے تیل کے کُپّے کو اس پر نچوڑا اور اس کا سالن بنا دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کچھ دعائیں پڑھیں اور ابوطلحہ سے فرمایا: دس دس آدمیوں کو اندر آنے کی اجازت دو، دس آدمی آتے، شکم سیر ہو کر کھاتے اور چلے جاتے، یہاں تک کہ سب نے کھانا کھالیا۔ (صحیح البخاری، کتاب الأنبیاء، باب: علامات النبوة في الإسلام، رقم الحديث: ٣٥٧٨)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بالکل ظاہر ہے، ترجمۃ الباب کے دو جزو ہیں، پہلا: "من دعا لطعام في المسجد"، اور دوسرا: "من أجاب منه"، پہلے جزو کے ساتھ مناسبت اس صورت میں ہوگی جب "في المسجد" کا تعلق "دعا" کے ساتھ ہو، کیونکہ اس صورت میں معنی ہوں کہ جو شخص مسجد میں بلائے۔ اور اگر "في المسجد" کا تعلق "طعام" کے ساتھ کیا گیا تو بھی ترجمۃ الباب سے مناسبت قائم نہیں ہوگی کیونکہ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ جو شخص مسجد میں کھانا کھانے کی دعوت دے، یعنی: کھانا مسجد میں ہوگا۔

اور دوسرے جزو کی مناسبت اس طرح قائم ہوگی کہ حدیث مبارکہ میں موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس بیٹھنے والے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ اٹھو، کھانے کے لیے چلو، تو آپ کا یہ کلام قبول دعوت کو مستلزم ہے۔ اس تقریر سے ان لوگوں کا اشکال دور ہوگیا جو اس بات کے قائل ہیں کہ اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت صرف جزو ثانی سے بنتی ہے نہ کہ جزو اول سے (۱)۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور و احکام

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سے احکام و آداب مستنبط ہوتے ہیں، جن میں سے کچھ ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔ اس حدیث سے کھانے کی دعوت دینے کے جواز کا علم ہوا، اگر چہ وہ کھانا ولیمے کا نہ ہو (۲)۔

۲۔ کھانا چاہے تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، زیادہ افراد کو بلانے میں کوئی حرج نہیں (۳)۔

۳۔ مدعو کو جب معلوم ہو کہ میرے بن بلائے کسی کو ساتھ لے جانے پر بلانے والے کو کسی قسم کی ناگواری نہیں ہوگی تو اپنے ساتھ کسی اور بھی لے جانا جائز ہے (۴)۔

۴۔ کسی چھوٹے کا اپنے بڑے کے آگے آگے چلنا بغرض رہبری جائز ہے (۵)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

---

(۱) عمدة القاري: ٤/٢٤٠

(٢) فتح الباري: ١/٦٧٠- عمدة القاري: ٤/٢٤٠

(٣) فتح الباري: ١/٦٧٠- عمدة القاري: ٤/٢٤٠

(٤) فتح الباري: ١/٦٧٠- عمدة القاري: ٤/٢٤٠

(٥) عمدة القاري: ٤/٢٤٠

١٢ - باب : اَلْقَضَاءِ وَاللِّعَانِ فِي الْمَسْجِدِ ، بَيْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ .

یہ باب مسجد میں مردوں اور عورتوں کے درمیان قضاء اور لعان کرنے کے جواز کے بیان میں ہے۔

ترجمۃ الباب کی تشریح، قضاء کی لغوی واصطلاحی تعریف

"القضاء"، لغت میں "قضاء" کے معنی: فیصلہ کرنے، مضبوط کرنے، کسی چیز کو اس کی انتہاء پر پہنچا دینے وغیرہ کے ہیں(١)۔

فقہاء کرام کی اصطلاح میں لازم کرنے کے طور پر کسی حکم شرعی کی اطلاع دینا قضاء کہلاتا ہے۔علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مخصوص طریقے پر جھگڑوں کو ختم کرنا اور ان کا فیصلہ کرنا قضاء ہے(٢)۔

---

(١)النهاية في غريب الحديث والأثر: ٤٦٧/٢.

وفيه أيضاً: وقال الزهري: القضاء في اللغة على وجوه، مرجعها إلى انقطاع الشيئ وتمامه، وكل ما أحكم عمله، أو أتم، أو ختم، أو أدي، أو أوجب، أو أعلم، أو أنفذ، أمضي، فقد قضي، وقد جاء ت هذه الوجوه كلها في الحديث. (المصدر السابق)

(٢)"قوله: (وشرعا فصل الخصومات إلخ) عزاه في البحر إلى المحيط، ولا بد أن يزاد فيه عله وجه خاص، وإلا دخل فيه نحو الصلح بين الخصمين". (حاشية ابن عابدين، كتاب القضاء: ١٩/٨، ٢٠، دار عالم الكتب)

''ابواب فقہ میں قضاء کے موضوع پر جس تفصیل اور شرح وبسط کے ساتھ مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں اور اس سلسلے کے ایک ایک جزئیہ کو واضح کیا گیا ہے، شاید ہی کسی اور موضوع پر ایسی توجہ دی گئی ہو، جن میں قاضی ابوالحسن ماوردی کی "ادب القاضی"، ابوبکر خصاف حنفی کی "ادب القضاء" اور اس پر صدر الشہید کی شرح، اور نیز اسی نام سے ابن الدم حموی کی کتاب، علامہ قرافی کی "الحكام في تمييز الفتاوى عن الأحكام"، ابن فرحون کی "تبصرة الحكام"، ابن شحنہ حنفی کی "لسان الحكام"، قاضی علاء الدین طرابلسی کی "معين الأحكام" اور علامہ ابوالقاسم سمنانی کی "روضة القضاة وطريق النجاة" نہایت اہم کتابیں ہیں، قاضی عماد الدین اشنورقانی حنفی کی "صنوان القضاء وعنوان الافتاء" (جو حال ہی میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے) اور عام کتب فقہیہ میں کتاب القضاء کے تحت جو بحثیں آئی ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں، اردو زبان کا دامن باوجود اپنی وسعت کے اس موضوع سے محروم تھا، اور گو بعض مختصر رسائل، قضاء کی تاریخ، اور قضاء سے متعلق بعض مخصوص مسائل پر موجود تھے، مگر کوئی ایسی کتاب موجود نہیں تھی جو وضاحت اور احکام کے استیعاب کے ساتھ اسلام کے قانون معدلت کو پیش کرے، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی قاضی القضاۃ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کی کتاب ''اسلامی عدالت'' (مطبوعہ: ١٩٨٨ء) نے بحمد اللہ اس کمی کو پورا کیا ہے، تاہم ابھی قضاء سے متعلق دوسرے مباحث، دعویٰ شہادت، اقرار، صلح وغیرہ کے موضوعات پر اردو زبان میں کام کی ضرورت ہے، امید ہے کہ کتاب مذکور کے حصہ دوم کے ذریعہ اس ضرورت کی تکمیل ہو گی''۔ وباللہ التوفیق وھو المستعان. (قاموس الفقہ: ٥٢٢/٤، ٥٢٣)

مسجد میں قضاء کا حکم

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک قاضی وقت مسجد میں بیٹھ کر خصومات کے فیصلے کر سکتا ہے، بلکہ اس کے لیے مسجد میں بیٹھ کر ہی فیصلے کرنا بہتر ہے، تا کہ صاحب حق وحاجت بسہولت مسجد میں پہنچ کر قاضی کے سامنے اپنا مدعا بیان کر سکے، نیز! مسجد میں بیٹھ کر فیصلہ کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مسجد کے تقدس کے پیش نظر لوگ جھوٹ بولنے پر جراءت نہیں کریں گے(۱)۔

جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قضاء کا انعقاد مسجد میں مناسب نہیں ہے، کیونکہ اس میں خصمین کی بات چیت اور شور وشغب سے مسجد کے تقدس کا پامال ہونا لازم آئے گا، اس کے علاوہ مسجد میں فیصلہ کروانے کی غرض سے مشرک بھی داخل ہوگا حالاں کہ وہ نجس ہے اور نجس کا مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں۔ چنانچہ اس بات کے پیش نظر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے قاضی تمیم بن عبدالرحمٰن کو مسجد میں قضاء کے انعقاد سے روک دیا تھا(۲)۔

لعان کی لغوی واصطلاحی تعریف

''لعان'' باب مفاعلہ کا مصدر ہے، لعنت سے مشتق ہے، لعنت کے معنی: دوری اور محرومی کے ہیں، تو اس اعتبار سے لعان کے لغوی معنی ہوئے، دو یا زیادہ افراد کا آپس میں ایک دوسرے پر لعنت کرنا۔

اور اصطلاح میں لعان کی تعریف اس طرح ہے کہ ایسی چار شہادتیں جو قسم سے مؤکد ہوں، شوہر نے اپنی شہادت کے ساتھ اپنے اوپر لعنت بھیجی ہو اور عورت نے اپنے اوپر غضب الٰہی کی دعا کی ہو، مرد کے حق میں یہ

---

(۱)بدائع الصنائع، كتاب القضاء، فصل : وأما آداب القضاء، ۱۳/۷

حاشية ابن عابدين، كتاب القضاء: ۴۷/۸، ۴۸، دار عالم الكتب

المدونة الكبرى، كتاب القضاء: ۱۴۴/۱۲

الذخيره، كتاب القضاء، الباب الرابع في آداب القضاة: ۵۸/۱۰

المقنع، مع الشرح الكبير، مع الإنصاف، كتاب القضاء، باب: أدب القاضي، مسألة: ويستعين بالله ويتوكل عليه، ......، فصل: لا يكته القضاء في الجامع والمساجد......، ۳۳۷/۲۸

(۲)الحاوي في فقه الشافعي، كتاب القاضي، القول في حكم القضاء، القضاء في غير المسجد وكراهة القضاء فيه: ۳۰/۱۶

جواهر العقود، كتاب القضاء، أدب القاضي: ۳۵۷/۲

گواہیاں حدقذف ہیں اور عورت کے حق میں حد زنا(۱)۔

ہوتا یہ ہے کہ اگر کوئی مرد اپنے عورت پر زنا کی تہمت لگائے، یا پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا انکار کرے اور عورت اس تہمت کا انکار کرے تو اولاً مرد پر لعان واجب ہے اور جب مرد لعان کر چکے تو پھر عورت پر بھی لعان واجب ہے(۲)۔

---

(۱)هو لغة: مصدر لاعن كقاتل، من اللعن: وهو الطرد والإبعاد، سمي به لا بالغضب للعنه نفسه قبلها، والسبق من أسباب الترجيح.

وشرعاً: (شهادات) أربعة كشهود الزنا (مؤكدات بالأيمان مقرونة شهادته) باللعن وشهادتها بالغضب لأنهن يكثر اللعن، فكان الغضب أردع لها (قائمة) شهاداته (مقام حد القذف في حقه و) شهاداتها (مقام حد الزنا في حقها) أي:إذا تلاعنا سقط عنه حد القذف وعنها حد الزنا، لأن الاستشهاد بالله مهلك كالحد بل أشد. (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب: اللعان، ص: ۲٤۱)

(۲)لعان کا پس منظر یہ ہے: ''اسلام میں انسانی عزت وآبرو کی بڑی اہمیت ہے، اسی لیے شریعت میں زنا کی سزا جتنی سخت رکھی گئی ہے، کسی اور جرم کی سزا اتنی شدید نہیں ہے، اسی طرح کسی شخص پر برائی کی تہمت لگائی جائے تو یہ اسلام کی نگاہ میں بڑا جرم ہے اور اس کی سزا اسّی (۸۰) کوڑے خود قرآن مجید نے متعین کی ہے، (النور:۴،۵) پس اگر کسی پاکدامن مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگائی جائے اور چار اشخاص کی گواہی کے ذریعے اس کو ثابت نہ کیا جاسکے تو اس الزام کو جھوٹا تصور کیا جائے گا اور اس کو اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے، قرآن کا یہ حکم عام تھا اور بظاہر اس کا اطلاق ان مردوں پر بھی ہوتا تھا جو اپنی بیوی پر ایسی تہمت لگائیں۔

چنانچہ حضرت بلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو شریک ابن سحماء کے ساتھ متہم کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمومی قاعدہ کے مطابق فرمایا کہ گواہ پیش کرو، ورنہ تمہاری پشت پر حد جاری ہوگی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو اس حال میں پائے اور وہ جا کر گواہ تلاش کرے گا؟؟!! لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اس سے ثبوت کا اصرار کرتے رہے اور فرماتے رہے؛ ورنہ حد جاری کردی جائے گی۔ یہاں تک کہ خود قرآن مجید میں یہ آیت لعان نازل ہوئی (النور:۶۔۱۰)

بعض روایات میں حضرت بلال بن امیہ کی جگہ ''عویمر عجلانی'' کا ذکر ہے۔

چونکہ شوہر و بیوی کا معاملہ خصوصی نوعیت کا حامل ہے اور عورت کی بے عفتی براہ راست شوہر کے مفاد اور اس کی عزت نفس کو مجروح کرتی ہے، نیز! گواہان فراہم نہ ہونے کی وجہ سے چاہے وہ خاموش رہ جائے، لیکن اس صورت حال کے علم کے بعد شریف مرد و عورت کے درمیان ازدواجی زندگی کی پائیداری اور خوش گوار تعلقات کی برقراری ممکن نہیں، اس لیے اس معاملہ میں یہ خصوصی حکم دیا گیا کہ شوہر اور بیوی سے مخصوص الفاظ کے ساتھ قسم لی جائے اور لعنت وغضب کے ساتھ بددعائیہ الفاظ کہلائے جائیں اور پھر ان دونوں میں تفریق کردی جائے، کہ ایسی بے اعتمادی اور بے اعتباری کے ساتھ اس رشتہ کو برقرار رکھنا دونوں ہی کے لیے بے سکونی اور اضطراب کا باعث ہوگا۔

لعان کا طریقہ

قاضی سب سے پہلے شوہر کو کہے گا چار بار اس طرح کہے کہ میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں فلاں عورت پر زنا کا دعویٰ کرنے میں سچا ہوں، اور پانچویں بار کہے کہ اگر میں اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔

اس کے بعد قاضی عورت سے چار بار اس طرح کہلوائے کہ میں اللہ کو گواہ بناتی ہوں کہ میرا شوہر مجھ پر زنا کا الزام لگانے میں جھوٹا ہے، اور پانچویں بار کہے کہ اگر وہ اپنے الزام لگانے میں سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو، یہ ساری تفصیل خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ اور اگر دونوں اس طرح لعان کرلیں تو دونوں کے درمیان قاضی تفریق کردے گا(۱)۔

"بين الرجال والنساء"، علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ زائد واقع ہوگئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان الفاظ کی زیادتی صرف مستملی کی روایت میں ہی ہے کسی اور میں نہیں (۲)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

شراح اعتراض کرتے ہیں کہ اس جگہ امام بخاری رحمہ اللہ نے لغو کلام کیا ہے؛ کیوں کہ لعان تو مرد وعورت کے درمیان ہی ہوتا ہے، نہ کہ مرد مرد میں، یا عورت عورت میں، تو "بين الرجال والنساء" کا کیا مطلب؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تک کی یہی رائے ہے کہ یہ لغو ہے اور یہی وجہ ہے کہ بین السطور "هذا حشو" لکھا ہوا ہے اور مستملی کے علاوہ کسی نسخہ میں یہ پایا بھی نہیں جاتا۔

عندي: هذا صحيح، بایں طور کہ جو "بين" کا لفظ ہے یہ لعان کے متعلق نہیں ہے؛ بلکہ قضا کے متعلق ہے اور مطلب یہ ہوا "باب: القضاء في المسجد بين الرجال والنساء" یعنی: مسجد میں فیصلہ مردوں اور عورتوں کے درمیان، تو اس سے مردوں مردوں اور عورتوں عورتوں میں فیصلہ بطریقۂ اولیٰ ثابت ہوگا (۳)۔

---

(۱) رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الطلاق، باب: اللعان: ۱۵۷/۵

(۲) عمدة القاري: ۲٤۱/٤۔ فتح الباري: ٦٧١/١

(۳) هامش اللامع: ١/ ١٦٢، الأبواب والتراجم: ٢١١/٢، سراج القاري: ٤٧١/٢

حدیث باب

۴۱۳ : حدّثنا يَحْيَى قَالَ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ ٱلرَّزَّاقِ قَالَ : أَخْبَرَنَا ٱبْنُ جُرَيْجٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي ٱبْنُ شِهَابٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ[1] : أَنَّ رَجُلًا قَالَ : يَا رَسُولَ ٱللهِ : أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ ٱمْرَأَتِهِ رَجُلًا ، أَيَقْتُلُهُ ؟ فَتَلَاعَنَا فِي ٱلْمَسْجِدِ ، وَأَنَا شَاهِدٌ .

[٤٤٦٨ ، ٤٤٦٩ ، ٤٩٥٩ ، ٥٠٠٢ ، ٥٠٠٣ ، ٦٤٦٢ ، ٦٧٤٥ ، ٦٧٤٦ ، ٦٨٧٤]

ترجمہ حدیث

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! آپ بتلایئے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی شخص کو (برائی کرتے ہوئے) دیکھے تو کیا اس کو قتل کر ڈالے؟ پھر ان دونوں (میاں وبیوی) نے مسجد میں لعان کیا اس حال میں کہ میں وہاں موجود تھا۔

---

(١) أخرجه البخاري أيضاً في التفسير، سورة النور، باب: قوله عزوجل: ﴿والذين يرمون أزواجهم ولم يكن لهم شهداء﴾، رقم الحديث: ٤٧٤٥. وباب: ﴿والخامسة أن لعنة الله عليه إن كان من الكاذبين﴾، رقم الحديث: ٤٧٤٦. وفي الطلاق، باب: من جوز طلاق الثلاث؛ لقول الله تعالىٰ: ﴿الطلاق مرتان، فامساك بمعروف او تسريح باحسان﴾، رقم الحديث: ٥٢٥٩. وباب: اللعان ومن طلق بعد اللعان، رقم الحديث: ٥٣٠٩. وفي المحاربين، باب: من أظهر الفاحشة واللطخ والتهمة بغير بينة، رقم الحديث: ٦٨٥٤. وفي الأحكام، باب: من قضي ولاعن في المسجد، رقم الحديث: ٧١٦٥، ٧١٦٦. وفي الاعتصام، باب: ما يكره من التعمق والتنازع في العلم والغلو في الدين والبدع، رقم الحديث: ٧٣٠٤.

ومسلم في صحيحه، في كتاب اللعان، رقم الحديث: ١٤٩٢

وأبو داؤد في سننه، في الطلاق، باب: في اللعان، رقم الحديث: ٢٢٤٥، ٢٢٤٦، ٢٢٤٧، ٢٢٤٨، ٢٢٤٩، ٢٢٥٠، ٢٢٥١، ٢٢٥٢.

والنسائي في سننه، في الطلاق، باب: بدء اللعان، رقم الحديث: ٣٤٩٦.

وفي جامع الأصول، حرف اللام، الكتاب الثالث: في اللعان ولحاق الولد، الفصل الأول: في اللعان وأحكامه، رقم الحديث: ٨٣٨١، ١٠/٧١٣.

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

۱۔ یحیی

یہ ''ابوزکریا یحی بن موسی بلخی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الحیض، باب: دلك المرأة إذا تطهرت من المحيض، وكيف تغتسل، وتأخذ فرصة ممسكة، فتتبع أثر الدم، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ عبدالرزاق

یہ ''عبدالرزاق بن ہمام صنعانی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: حسن إسلام المرء، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ ابن جریج

یہ ''عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الحیض، باب: غسل الحائض رأس زوجها وترجيله، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۴۔ ابن شہاب

یہ ''محمد بن مسلم ابن شہاب زہری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحديث الثالث، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

---

(۱) كشف الباري، كتاب الحيض، باب: دلك المرأة إذا تطهرت من المحيض، وكيف تغتسل، وتأخذ فرصة ممسكة، فتتبع أثر الدم، ص: ٣٧٤

(٢) كشف الباري: ٤٢١/٢

(٣) كشف الباري، كتاب الحيض، باب: غسل الحائض رأس زوجها وترجيله، ص: ٢٠٤

(٤) كشف الباري: ٣٢٦/١

۵۔ سہل بن سعد

یہ صحابی رسول ''سہل بن سعد بن مالک بن خالد خزرجی ساعدی'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے حالات کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: غسل المرأة أباها الدم عن وجهه، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

شرح حدیث

قوله: "أن رجلا"، محدثین وشارحین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ ''رجل'' کون تھا؟ تو اس بارے میں تین نام (۲) سامنے آتے ہیں، ۱: ہلال بن امیہ، ۲: عاصم بن عدی، ۳: عویمر عجلانی۔ صحیح البخاری میں عویمر عجلانی کے ''سائل'' ہونے کی تصریح موجود ہے (۳)۔

---

(۱) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب: غسل المرأة أباها الدم عن وجهه.

(۲) مصابيح الجامع شرح الجامع الصحيح للإمام البخاري: ۱۲٤/۲. عمدة القاري: ۲٤۲/٤

ایک چوتھا نام ''حضرت سعد بن عبادہ'' بھی منقول ہے، جو بحیثیت سائل صحيح مسلم، میں مذکور ہیں۔ ملاحظہ ہو:

حدثني عبيد الله بن عمر القواريري، وأبو كامل فضيل بن حسين الجحدري، واللفظ لأبي كامل، قالا: حدثنا أبو عوانة، عن عبد الملك بن عمير، عن وراد، كاتب المغيرة، عن المغيرة بن شعبة، قال: قال سعد بن عبادة: لو رأيت رجلا مع امرأتي لضربته بالسيف غير مصفح عنه، فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: أتعجبون من غيرة سعد، فوالله لأنا أغير منه، والله أغير مني، من أجل غيرة الله حرم الفواحش، ما ظهر منها، وما بطن، ولا شخص أغير من الله، ولا شخص أحب إليه العذر من الله، من أجل ذلك بعث الله المرسلين، مبشرين ومنذرين، ولا شخص أحب إليه المدحة من الله، من أجل ذلك وعد الله الجنة. (صحيح مسلم، كتاب اللعان، رقم الحديث: ۱٤۹۹)

(۳) ملاحظہ ہو: صحيح البخاري، كتاب التفسير، سورة النور، باب: قوله عزوجل: ﴿والذين يرمون أزواجهم ولم يكن لهم شهداء﴾، رقم الحديث: ٤۷٤٥. وباب: ﴿والخامسة أن لعنة الله عليه إن كان من الكاذبين﴾، رقم الحديث: ٤۷٤٦. وكتاب الطلاق، باب: من جوز طلاق الثلاث؛ لقول الله تعالىٰ: ﴿الطلاق مرتان، فامساك بمعروف او تسريح باحسان﴾، رقم الحديث: ٥۲٥۹. وباب: اللعان ومن طلق بعد اللعان، رقم الحديث: ٥۳۰۹.

قولہ: "أرأيت رجلاً؟" پہلا ہمزہ استفہامیہ ہے، مطلب یہ ہے کہ اے اللہ کے رسول! مجھے بتلائیے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ ملوث دیکھ لے تو کیا اس کو قتل کر ڈالے یا نہیں؟ (۱)

قولہ: "فتلاعنا"، سائل کے سوال اور اس جملے کے درمیان بہت سی بات محذوف ہے جو دوسری روایات سے سامنے آتی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سائل نے یہ سوال کیا کہ وہ دیکھنے والا مرد کیا اپنی بیوی کو قتل کر دے یا کیا کرے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی شان میں لعان کا یہ حکم نازل فرمایا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لو! تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں من جانب اللہ فیصلہ آ گیا ہے۔ پھر دونوں سے مسجد میں لعان کروایا گیا، راوی کہتے ہیں کہ میں بھی اس وقت مسجد میں موجود تھا (۲)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث مبارکہ میں مذکور ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد و عورت دونوں سے مسجد میں لعان کروایا، اور ترجمۃ الباب میں بھی یہی بات مذکور ہوئی ہے (۳)۔

---

(۱) شرح الكرماني: ٨٢/٤. عمدة القاري: ٢٤٣/٤

(۲) عمدة القاري: ٢٤٣/٤

(۳) ایضاح البخاری: ۲۰۸/۳

۱۳ - باب : إِذَا دَخَلَ بَيْتًا يُصَلِّي حَيْثُ شَاءَ ، أَوْ حَيْثُ أُمِرَ ، وَلَا يَتَجَسَّسُ .

یہ باب اس بارے میں ہے کہ جب کسی کے گھر میں جائے تو جس جگہ چاہے نماز ادا کر لے، یا (مالک مکان کی طرف سے، اُسے جس جگہ نماز پڑھنے کے لیے کہا جائے، وہاں ہی پڑھ لے، اور تجسس نہ کرے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

ترجمۃ الباب میں کلمہ "أو" کے ذریعے دو باتیں مذکور ہیں۔

ایک: کسی کے گھر جانے والا اگر وہاں نماز پڑھنا چاہے تو اسے اختیار ہے کہ بلا پوچھے جہاں چاہے نماز ادا کر لے۔ اور چاہے تو صاحب گھر سے دریافت کر لے کہ نماز ادا کرنے کی جگہ کون سی ہے، پھر وہاں نماز ادا کر لے، البتہ زیادہ کھود کرید اور ادھر ادھر جھانکنے وغیرہ میں نہ لگے۔

دوسرا: یہ کہ ترجمۃ الباب میں سوال کیا جا رہا ہے کہ کسی کے گھر جانے والا وہاں نماز پڑھنا چاہے تو کیا کرے؟ وہاں اپنے مرضی کے مطابق کسی بھی جگہ نماز ادا کر لے یا اہلِ خانہ سے نماز کی جگہ دریافت کر کے وہاں نماز ادا کرے؟ تو اس سوال کا جواب حدیثِ باب سے مل رہا ہے کہ وہ اہل خانہ سے دریافت کرے، وہ جہاں نماز پڑھنے کا کہے تو وہاں ہی نماز ادا کرے۔ اور اس صورت میں بھی تجسس سے احتراز لازم ہے(۱)۔

---

(۱) حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"شارحین بخاری نے دونوں صورتوں کو امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد بتلایا ہے کہ جو چاہے اختیار کر لے، مگر میں سمجھتا ہوں کہ مقصدِ ترجمہ تو حسبِ امر صاحب الدار ہی ہے، مگر پھر یہ خیال کر کے کہ حکمِ شارع کو اسی پر منحصر نہ سمجھ لیا جائے دوسری صورت بھی ذکر کر دی، احقر عرض کرتا ہے کہ شاید اسی لیے تجسس کو منع کیا، کیوں کہ جہاں چاہے نماز پڑھنے میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایسی جگہ پڑھنا چاہے، جہاں گھر والے کو پسند نہ ہو، یا پردے و حجاب کے خلاف ہو، یا اس جگہ ایسا گھریلو سامان ہو جس کو اس پر ظاہر نہ کرنا چاہتا ہو وغیرہ۔ البتہ اگر صاحب بیت ہی عام اجازت دے دے، کہ جہاں چاہے پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔

یہ تو عام بات ہوئی لیکن اگر کوئی شخص کسی ولی بزرگ کو بلا کر اپنے گھر کے کسی حصہ کو بابرکت بنانے کے لیے یا نماز خانگی کے لیے جگہ متعین کرانا چاہے تو بہتر یہی ہے کہ وہ بزرگ جگہ دریافت کر لے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے دریافت فرما لیا، واللہ اعلم

اس حدیث سے تبرک بآثار الصالحین کا ثبوت ہوا اور سلفی حضرات جو ان امور کو بے حیثیت گردانتے ہیں اس کا رد ہوا، حرمین شریفین کے مآثر متبرکہ حتی کہ مولد نبوی اور بیت مبارک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو معطل و بے نشان کر دیا گیا ہے اور اس کو خالص توحید کا نام دیا جاتا ہے، یعنی: ان چند لوگوں کے سوا اور ساری دنیائے اسلام کے کروڑوں مسلمان عوام و علماء سب کی =

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''عام شراح کی رائے یہ ہے کہ ترجمہ کے دو جز ہیں، ایک: یصلي حیث شاء، اور دوسرا: حیث أمر، اب اختلاف لا یتجسس میں ہو رہا ہے کہ کس کے متعلق؟ جز واول کے یا جز وثانی کے، شراح کی رائے یہ ہے کہ جز وثانی کے متعلق ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جہاں حکم دیا جائے وہیں پڑھے، تجسس نہ کرے اور اِدھر اُدھر نہ دیکھے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی رائے یہ ہے کہ دونوں کے متعلق ہوسکتا ہے۔

اب یہ سنو کہ یہاں روایت سے صرف حیث أمر ہوسکتا ہے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

= توحیدان کے مقابلہ میں ''ناخالص'' ہے، مگر کیا یہی حدیثِ بخاری اس بات کا کامل ثبوت نہیں کہ حضور علیہ السلام کے کسی ایک جگہ پر صرف نماز نفل پڑھ لینے سے صحابہ اس جگہ کو کتنا متبرک سمجھتے تھے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس جگہ کو حضرت عتبان بن مالک نے بت پرستوں کی طرح پرستش کی جگہ بنالیا تھا؟! پھر کیا وجہ ہے کہ جس بیت مبارک میں حضور علیہ السلام کی پیدائش ہوئی برسوں اس میں آپ نے عبادت کی، شب وروز گذارے اور بیت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا میں کتنی ہی بار وحی الٰہی نازل ہوئی ہوگی اور اس میں حضور نے نہ صرف سینکڑوں نوافل بلکہ فرائض بھی ادا کیے ہوں گے پھر یہ کہ تیرہ سو برس تک ہر دور کے حجاج وزائرین ان مقامات متبرکہ کی زیارت کرتے رہے اور حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کی طرح وہاں برکت حاصل کرنے کے لیے نفل نمازیں بھی پڑھتے رہے، چودھویں صدی میں آکر ان مقدس مقامات کو صرف اس خطرہ موہوم کو آڑ بنا کر کہ لوگ وہاں شرک کریں گے، ان کے آثار تک مٹادیئے گئے، یا کچھ ان کو مقفل کردیا گیا ہے، کیا وہاں بھی دیگر مساجد ومقامات مدینہ طیبہ کی طرح سپاہیوں کا پہرہ بٹھا کر مزعوم شرک کی روک تھام نہ ہوسکتی تھی، دوسرے صحابہ کرام کے بیسیوں واقعات سے استبراک ثابت ہے تو کیا ان سے بڑھ کر یہ لوگ کسی توحید خالص کے ماننے والے ہیں، میری عاجزانہ درخواست موجودہ علماء وامراء نجد سے ہے کہ وہ تلافی مافات کی طرف جلد توجہ فرمائیں، علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد کے شروع ہی میں حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی حدیث مسلم شریف سے نقل کی ہے کہ انہوں نے جبۂ مبارکہ نکالا اور فرمایا کہ یہ حضرت عائشہؓ کے پاس آخر تک رہا ان کے انتقال کے بعد میرے پاس آیا، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پہنا کرتے تھے، اس لیے ہم اس کو دھو کر مریضوں کو پانی پلاتے ہیں اور ان کو شفا ہوتی ہے اور حضرت ابوایوب انصاریؓ جن کے حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں سات ماہ تک مہمان رہے، حضرت ابوایوب اور زوجہ محترمہ کا معمول رہا کہ دونوں وقت حضور علیہ السلام کے لیے کھانا پیش کرتے اور جو بچتا وہ کھاتے، کوئی نجدی مزاج کہے گا کہ ایسا تو سب ہی کرتے ہیں مگر ابھی اور دیکھیے کہ حضرت ابوایوبؓ برکت حاصل کرنے کے لیے وہیں انگلیاں ڈالتے ہیں جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کا نشان پڑا ہوا دیکھتے تھے۔ (زرقانی، وفاء الوفاء، حاکم، اصابہ) افسوس ہے کہ ہمارے نجدی بھائی اور ان کے ہم خیال ایسی باتوں کو مہمل خیال کرتے ہیں۔ (انوار الباری: ۱۴/ ۴۸)

پوچھا تھا کہ کہاں پڑھوں؟ اس پر حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے کہہ دیا کہ فلاں جگہ، یہ حیث أمر ہوگیا۔ اور حیث شاء کا روایت میں کوئی ذکر نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے اصول میں سے یہ ہے کہ ترجمہ میں بسا اوقات روایت کے دوسرے طریق کی طرف اشارہ فرماتے ہیں تو یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک اور طریق کی طرف اشارہ فرما دیا، جس کے اندر تخییر موجود ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں "هل" مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ إذا دخل بيتا هل يصلي حيث شاء أو حيث أمر، اور روایت سے اس کا جواب معلوم ہوگیا أي: يصلي حيث أمر، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ مسئلہ محل غور وفکر ہے اس لیے کہ روایت کے لفظ سے امر ثابت ہوتا ہے اور بلانا دلیل ہے اس بات کی کہ اختیار ہے جہاں چاہیں پڑھیں (۱)۔

کسی کے گھر جانے کا ادب

"ولا يتجسس"، اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص جب کسی کے گھر جائے تو تو اس کے لیے مناسب اور بہتر یہ ہے کہ وہ تجسس وتفتیش کی نظروں سے گھر میں اِدھر اُدھر تا نک جھانک نہ کرے، بلکہ اپنے کام سے کام رکھے اور وہاں سے واپس آئے (۲)۔

حدیث باب

٤١٤ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ : حَدَّثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ ٱلرَّبِيعِ ، عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مالِكٍ (۳) : أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ أَتَاهُ فِي مَنْزِلِهِ ، فَقَالَ : (أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ لَكَ مِنْ بَيْتِكَ) . قَالَ : فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى مَكَانٍ ، فكَبَّرَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ ، وَصَفَفْنَا خَلْفَهُ ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ .

[٤١٥ ، ٦٣٦ ، ٦٥٤ ، ٨٠٣ ، ٨٠٤ ، ١١٣٠ ، ٣٧٨٧ ، ٥٠٨٦ ، ٦٠٥٩ ، ٦٥٣٩]

(١) تقرير بخاری شريف: ١٥٦/٢

(٢) فيض الباري: ٥٥/٢

(٣) أخرجه البخاري أيضاً في المساجد، باب: المساجد في البيوت، رقم الحديث: ٤٢٥. وفي الجماعة، باب: الرخصة والمطر والعلة أن يصلي في رحله، رقم الحديث: ٦٦٧، وباب: إذا زار الإمام قوماً فأمهم، رقم الحديث: ٦٨٦. وفي صفة الصلاة، باب: يسلم حين يسلم الإمام، رقم الحديث: ٨٣٨. وباب: من لم =

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کے کل رجال پانچ ہیں:

۱۔عبداللہ بن مسلمہ

یہ ''عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب حارثی بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب:من الدين الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ابراہیم بن سعد

یہ ''ابواسحاق ابراہیم بن سعد بن ابراہیم قرشی مدنی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: تفاضل أهل الإيمان في الأعمال، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: ما ذكر موسى عليه السلام في البحر إلى الخضر، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ابن شہاب

یہ ''محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری'' رحمہ اللہ ہیں۔

= يرد السلام على الإمام، واكتفىٰ بتسليم الصلاة، رقم الحديث: ٨٤٠. وفي التطوع، باب: صلاة النوافل جماعة، رقم الحديث: ١١٨٦. وفي المغازي، باب: شهود الملائكة بدراً، رقم الحديث: ٤٠٠٩، ٤٠١٠. وفي الأطعمة، باب: الخزيرة، رقم الحديث: ٥٤٠١. وفي الرقاق، باب: العمل الذي يبتغى به وجه الله، رقم الحديث: ٦٤٢٣. وفي استتابة المرتدين، باب: ما جاء في المتأولين، رقم الحديث: ٦٩٣٨.

ومسلم في صحيحه، في الإيمان، باب: الدليل على أن من مات على التوحيد، رقم الحديث: ٣٣. وفي المساجد، باب: الرخصة في التخلف، رقم الحديث: ٢٦٣

والنسائي في سننه، في الإمامة، باب: إمامة الأعمىٰ، رقم الحديث: ٧٨٩، وباب: الجماعة للنافلة، رقم الحديث: ٨٤٥. وفي السهو، باب: تسليم المأموم حين يسلم الإمام، رقم الحديث: ١٣٢٨.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، القسم الأول: في الفرائض وأحكامها، الباب الأول: في الصلاة وأحكامها، الفصل السادس: في شرائط الصلاة، الفرع الرابع: في أمكنة الصلاة، النوع الرابع: في أحاديث متفرقة، رقم الحديث: ٣٦٨٦، ٥/٤٨٤.

(١) كشف الباری: ٢/٨٠

(٢) كشف الباری: ٣/٣٣٣

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثالث، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۴۔ محمود بن الربیع

یہ ”محمود بن الربیع بن سراقہ خزرجی انصاری“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب، باب: متی یصح سماع الصغیر، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۵۔ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ

آپ کا پورا نام ”عتبان بن عمرو بن عجلان بن زید“ ہے، آپ انصاری ہیں۔ آپ کی والدہ قبیلہ مزینہ میں سے تھیں، آپ کی شادی لیلیٰ بنت رئاب ابن حنیف بن رئاب بن امیہ سے ہوئی، جن سے ایک بیٹا ”عبد الرحمٰن“ پیدا ہوا۔

قبا کے قریب (یعنی: مدینہ سے دو، تین میل کے فاصلے پر) ان کا مکان تھا، اپنے قبیلے کے سردار اور ان کے امام تھے۔

ان کی مسجد اور مکان کے درمیان میں ایک وادی پڑتی تھی، جب بارش ہوتی تو اس میں پانی جمع ہو جاتا، نظر کمزور ہو جانے کے باعث اس پانی سے گزر کر مسجد جانا بہت دشوار محسوس ہوتا تھا تو انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی کہ مجھے نماز باجماعت میں شرکت کرنے کی بجائے گھر میں ہی نماز ادا کرنے کی اجازت دے دی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو، عرض کیا کہ جی ہاں، تو آپ نے انھیں اجازت نہیں دی۔

عبد الواحد بن ابی عون سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے درمیان عقد مواخاۃ قائم کیا تھا۔

آپ نے غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق میں شرکت کی۔ بقیہ غزوات میں نابینا ہو جانے کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے۔

جمہور کے نزدیک بدری صحابہ میں سے تھے، لیکن ابن اسحاق نے شرکاءِ بدر میں ان کا ذکر نہیں کیا۔

---

(۱) کشف الباری: ۳۲۶/۱

(۲) کشف الباری: ۳۹۳/۳

اسی زمانے میں ان کی بینائی چلی گئی تو انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ میرے پاس میرے گھر تشریف لائیں اور گھر میں کسی جگہ نماز ادا کرلیں تاکہ میں اسے اپنے لیے جائے نماز بنا لوں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔

محمد بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آج تک لوگ مدینہ میں ان کے مکان میں برکت کے حصول کے لیے اس جگہ نماز ادا کرتے ہیں۔

آپ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ وسط خلافت میں تقریبا:۵۲ھ میں وفات پائی، اس وقت ان کی کوئی اولاد بھی موجود نہ تھی (۱)۔

ترجمہ حدیث

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے اور فرمایا: تم اپنے گھر میں کہاں پسند کرتے ہو کہ میں اس جگہ نماز ادا کروں؟ ان کا کہنا ہے کہ میں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کردیا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی، اور ہم نے آپ کے پیچھے صف بنالی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی۔

شرح حدیث

عن عتبان بن مالك أن النبي صلى الله عليه وسلم أتاه في منزله.

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد خود ہوئی؟ یا آپ کو بلایا گیا تھا؟

اس روایت سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے، تو دراصل اس روایت میں بہت اختصار ہے، تفصیلی روایات میں یہ بات ملتی ہے کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ جمعہ کے

(۱) أسد الغابة: رقم الترجمة: ۳۵۳۵، ۴۵۴/۳. معرفة الصحابة: رقم الترجمة: ۲۳۳۳، ص:۲۲۲۵. الطبقات الکبریٰ لابن سعد: رقم الترجمة: ۲۶۰، ۵۰۹/۳.

دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے گھر میں تشریف لائیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر ہفتے والے دن تشریف لے گئے۔ اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے(۱)۔

بعض روایات میں ہے کہ وہ خود بھی نہیں آئے بلکہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی آدمی کو پیغام دے کر بھیجا تھا، ابن حبان نے اپنی ''صحیح'' میں یہ روایت نقل کی ہے(۲)۔

فقال: أين تحب أن أصلي لك من بيتك.

اور فرمایا: تم اپنے گھر میں کہاں پسند کرتے ہو کہ میں اس جگہ نماز ادا کروں؟

مستملی کی روایت میں فقط "أن أصلّي لك" کے الفاظ ہیں، "مِن بيتِك" کے الفاظ نہیں ہیں۔ اور کشمیہنی کی روایت میں "مِن بيتِك" کی جگہ "في بيتِك" کے الفاظ ہیں(۳)۔

علامہ عینیؒ نے اس جگہ ایک سوال اور اس کا جواب نقل کیا ہے کہ نماز تو اللہ تعالیٰ کے لیے ادا کی جاتی ہے، پھر یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میں تمہارے لیے نماز پڑھوں، کیسے درست ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ دیا

(۱)عن محمود بن الربيع الأنصاري أخبرني عتبان بن مالك: أنه كان إمام قومه وقد شهد بدراً، فقال للنبي صلى الله عليه وسلم أنه لما ساء بصري شقت على إجازة الوادي إذا سال بيني وبين مسجد قومي، فقال للنبي صلى الله عليه وسلم يوم الجمعة: أرأيتني يا رسول الله ! لو أتيتني، فصليت في مكان من بيتي، اتخذه مصلىً؟ فقال له: سأفعل، فغدا النبي صلى الله عليه وسلم يوم السبت ومعه أبو بكر وعمر رضي الله عنهما، فدخل، فما جلس حتى قال: أين تحب أن أصلي في بيتك؟ فأشرت إلى الناحية التي أردت، فصلى فيها ضحى، وحبسناه على خزيرة يصنع له. (المعجم الكبير للطبراني، عتبان بن مالك، رقم الحديث: ١٤٧٦١، ٣١/١٨)

(٢)عن أبي هريرة رضي الله عنهما أن رجلا من الأنصار عمي، فبعث إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تعال، فاخطُط في داري مسجداً أتخذه مصلى، فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم واجتمع اليه قومه، وبقي رجل منهم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أين فلان؟"، فغمزه بعض القوم: إنه وإنه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أليس قد شهد بدراً؟"، قالوا بلى يا رسول الله! ولكنه كذا وكذا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لعل الله اطلع على أهل بدر، فقال: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم".
(صحيح ابن حبان، كتاب الجهاد، باب الخروج وكيفية الجهاد، رقم الحديث: ٤٧٩٨، ١١/١٢٣)

(٣)فتح الباري: ٦٧٢/١۔ عمدة القاري: ٢٤٥/٤

گیا کہ نفسِ نماز تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور ادائیگی اس جگہ کی جاتی تھی جس کو نماز کے لیے خاص کیا جانا تھا۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جو جگہ تم نماز ادا کرنے کے لیے مخصوص کرنا چاہتے وہ بتاؤ تا کہ میں اس جگہ میں نماز پڑھوں (۱)۔

قال: فأشرت له إلى مكان، فكبر النبي صلى الله عليه وسلم، وصففنا خلفه، فصلى ركعتين.

ان کا کہنا ہے کہ میں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کر دیا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی، اور ہم نے آپ کے پیچھے صف بنالی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی۔

اس عبارت میں بعض روایات کے مطابق "فصففنا" کا لفظ ہے، "وصففنا" کے بجائے۔ اور بعض نسخوں میں "صففنا" کے بجائے "فصفَّنا" ہے، پہلی صورت میں مطلب یہ بنے گا کہ ہم نے صف بنالی، اور دوسری صورت میں مطلب یہ بنے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے ہماری صف بنادی (۲)۔

نوافل کی جماعت کا حکم

مذکورہ حدیث مبارکہ سے یہ بات سامنے آرہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفل نماز کی جماعت کروائی، تو جاننا چاہیے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی معمول نہیں تھا، نہ ہی بہت بڑی جماعت تھی اور نہ ہی اس جماعت کے لیے باقاعدہ دعوت دی گئی، بلکہ یہاں تو حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی درخواست کی تھی آپ تشریف لائیں، میرے گھر میں نماز ادا فرمالیں، تا کہ مجھے اس جگہ میں برکت حاصل ہو اور آئندہ میں اسی جگہ نماز پڑھا کروں۔ وہ تو آتے ہوئے از خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہ سیدنا صدیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما کو لے آئے، گھر نماز ادا کی تو یہ سب کچھ بغیر دعوت دیئے ہوا۔

اس نوعیت کو سامنے رکھتے ہوئے ائمہ کرام اس مسئلہ میں مختلف ہوگئے، چنانچہ!

احناف کا مسلک

احناف کے نزدیک اگر نوافل کا فرائض کی طرح اہتمام کیا جائے اور اذان واقامت یا کسی اور طریقے

(۱) عمدة القاري: ٤/٢٤٥

(۲) عمدة القاري: ٤/٢٤٥

سے لوگوں کو بلایا جائے تو جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے، اگر کبھی کبھار اذان واقامت یا تداعی (بلانے) کے بغیر امام کے علاوہ ایک، دو یا تین افراد مسجد کے کسی کونے میں نفل نماز جماعت سے پڑھ لیں تو کوئی حرج نہیں۔ اور اگر امام کے علاوہ چار افراد اس کے ساتھ جماعت میں شریک ہوں تو اس میں اختلاف ہے، صحیح قول کے مطابق یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اور اس بارے میں رمضان اور غیر رمضان کی تفریق بھی نہیں ہے(۱)۔ ہمارے اساتذہ میں سے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ذاتی وجدان یا رائے رمضان المبارک میں نوافل جماعت سے پڑھنے کے جواز کی تھی، لیکن یہ حضرت اقدس کی ذاتی رائے تھی، جمہور احناف سے اس کے خلاف منقول ہے(۲)، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

---

(۱) أن التطوع بالجماعة إذا كان على سبيل التداعي يكره في الأصل للصدر الشهيد ، أما إذا صلوا بجماعة بغير أذان وإقامة في ناحية المسجد لا يكره. وقال شمس الأئمة الحلواني: إن كان سوى الإمام ثلاثة لا يكره بالاتفاق، وفي الأربع اختلف المشايخ، والأصح أنه يكره اھ؛ كذا في شرح المنية. وقال ابن عابدين في منحة الخالق تحت قوله: "أما إذا صلوا بجماعة إلخ" لا محل لهٰذا الجملة هنا، وإنما محلّها فيما بعد عند ذكر حكم تكرارها. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب: الإمامة: ۱/۶۰۴، ۶۰۶، دارالكتب العلمية)

أن الجماعة في التطوع ليست بسنة إلا في قيام رمضان، وفي الفرض واجبة أو سنة مؤكدة، .... لأن الجماعة من شعائر الإسلام، وذٰلك مختص بالفرائض أو الواجبات دون التطوعات. (البدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: فيما يفارق التطوع الفرض: ۲/۳۰۱)

وكذا في الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الأول في الجماعة: ۱/۸۳)

(۲) حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے ایک مقالے میں حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے اس مسئلے میں دلائل ان کے جوابات اور جمہور فقہائے احناف کا مسلک بہت تفصیل کے ساتھ نہایت مدلل انداز میں تحریر فرمایا ہے، جو فقہی مقالات، جلد دوم اور فتاوی عثمانی، جلد اول میں موجود ہے، اس کی طرف مراجعت مفید ثابت ہوگی۔

مذکورہ مسئلہ کے بارے میں انوار الباری، جلد:۴ میں بھی بہت تفصیلی بحث موجود ہے، جو دیکھنے کے لائق ہے، اس میں سے اس بارے میں اکابر علمائے دیوبند کا جو معمول نقل کیا گیا ہے، افادہ عام کی خاطر محض وہ ذکر کیا جا رہا ہے:

''اس سلسلہ میں اکابر علماء دیوبندؒ میں سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا جو اس جماعت میں حدیث وفقہ دونوں کے مسلم امام تھے ارشاد ہے: ''نوافل کی جماعت بجز ان مواقع کے جو حدیث سے ثابت ہیں، اگر تداعی کے ساتھ ہو تو فقہ میں مکروہ تحریمی ہے اور تداعی سے مراد چار مقتدی کا ہونا ہے، لہٰذا صلوٰۃ کسوف، تراویح، واستسقاء درست ہیں، باقی سب مکروہ، (کذا فی کتب الفقہ، فتاوی رشیدیہ، ص:۱/۱۲۸)''۔ =

= دوسری جگہ فرمایا: ''نوافل کی جماعت تہجد ہو یا غیر تہجد، سوائے تراویح وکسوف واستسقاء کے اگر چار مقتدی ہوں تو حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، خوہ خود جمع ہوں یا بلانے سے آئیں اور تین کی صورت میں اختلاف ہے، البتہ دو میں کراہت نہیں ہے، کذا فی کتب الفقہ، (ص:۲/۶۶)''۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ کو رمضان المبارک میں احیاء لیالی اور قرآن مجید سننے کا نہایت شغف تھا اس لیے پہلے یہ معمول رہا کہ بلا تداعی تہجد میں سنتے، مخصوص مہمان شرکت کرتے تھے، جو دو چار سے زائد نہ ہوتے تھے اور باہر کا دروازہ مکان کا بند کرادیا تھا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی صدر مفتی دارالعلوم دیوبند دام ظلہم نے تحریر فرمایا:

''میرے نزدیک زیر بحث میں فتوی یہی ہے کہ علاوہ تراویح کے رمضان میں کسی دوسری نفل کی نماز درست نہیں، جمہور فقہا ومحدثین اسی پر ہیں اور اسی پر اکابر علماء دیوبند کا عمل رہا ہے، سیدی وسندی حضرت شیخ الہند قدس سرہ جن کا معمول پورے رمضان مبارک کی شب بیداری اور نفلوں میں سماعتِ قرآن کا تھا، جب لوگوں نے اس کی جماعت میں شرکت کی خواہش ظاہر کی تو اس کی اجازت نہیں دی، گھر کا دروازہ بند کردیا، حافظ کفایت اللہ صاحب کی اقتدا میں قرآن مجید سنتے تھے، مکان پر جماعت ہوتی تھی، جس میں چالیس پچاس آدمی شریک ہوتے تھے یہ احقر خود بھی حضرتؒ کی اسارتِ مالٹا سے پہلے دو سال اس جماعت میں شریک رہا ہے جو تراویح کی جماعت تھی، نفل تہجد کی جماعت کو حضرتؒ نے کبھی گوارا نہیں فرمایا، حضرت مدنیؒ کی جلالتِ شان اور علمی پایہ بلند اپنی جگہ ہے، لیکن جب جمہور حنفیہ نے محقق ابن ہمام کے تفردات کو قابلِ عمل نہیں سمجھا، حضرت شاہ ولی اللہ اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کے تفردات کو معمول نہیں بنایا تو بعد کے علماء کا معاملہ اہون ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ (دارالعلوم کراچی، ۱/۴ شوال ۱۳۷۸ھ)

مندرجہ بالا عبارت مطبوعہ ''فتویٰ متعلقہ جماعت تہجد ورمضان'' سے نقل کی گئی ہے، جو ادارۃ المعارف لسبیلہ چوک کراچی سے شائع ہوا ہے، اس میں مفتی محمد سہول صاحب سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ بھی بابت کراہت جماعتِ تہجد درج ہے، جس میں تفصیلی دلائل پیش کیے ہیں۔

حکیم الامت حضرت علامہ تھانویؒ نے جو حدیث وفقہ کے متبحر عالم تھے، امداد الفتاوی، جلد اول میں نوافل کی جماعت کو علاوہ تراویح کے مکروہ قرار دیا ہے، الا یہ کہ صرف دو مقتدی ہوں اور تین میں اختلاف لکھا ہے، نیز! دوسری جگہ شبینہ رمضان کے سلسلہ میں لکھا کہ اگر وہ تراویح کے بعد نوافل میں ہو تو بوجہ جماعت کثیر کے مکروہ ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری مہاجر مدنی قدس سرہ حافظ تھے اور تہجد میں قرآن مجید تلاوت فرماتے اور دو حافظ مقتدی ہو کر سنتے تھے، مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ کا بیان ہے کہ ایک رات میں بھی مقتدی بن گیا، تو حضرت نے نماز کے بعد میرا کان پکڑ کر الگ کردیا۔ =

تداعی سے مراد

تداعی ایک فقہی اصطلاح ہے، جس کا لغوی مطلب تو یہ ہے کہ بعض افراد دوسرے بعض کو کسی کام کے کرنے کی دعوت دیں، اس کے لیے بلائیں۔(۱)

اور اصطلاح میں اس کا اطلاق اس جماعت پر ہوتا ہے، جس میں امام کے علاوہ چار افراد شریک ہوں یا

= حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے علم وتبحر کا کیا کہنا! درس بخاری شریف میں "باب: طول السجود في قيام الليل" پر عجیب تحقیق فرمائی، جو یہاں قابلِ ذکر ہے: فرمایا کہ یہاں حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طول سجود کا اندازہ بتلایا گیا ہے، جتنی دیر میں کوئی پچاس آیتیں پڑھ لے اسی لیے آپ نے صحابہ کو اپنے ساتھ تہجد کی نماز میں اقتداء کرنے سے روک دیا تھا کہ اس میں فرض نماز کی طرح ضعفا ومریضوں کی رعایت نہیں فرما سکتے تھے، پھر فرمایا: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز تنہا بغیر جماعت کے ہی پڑھنے کی چیز ہے اور اسی کی طرف قرآن مجید میں اشارہ موجود ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ﴿نافلة لك﴾ فرما کر پانچ فرض نمازوں سے الگ کر دیا جن کو ﴿اقم الصلوٰة لدلوك الشمس الى غسق الليل وقرآن الفجر﴾ سے بیان فرمایا تھا۔

ان پانچوں نمازوں کے لیے اقامت کا حکم فرمایا جس کا منشاء یہ ہے کہ علی اعلان مساجد مساجد میں ندا واقامت کے ساتھ ادا کی جائیں پھر تہجد کا ذکر فرمایا تو ﴿ومن الليل فتهجد به نافلة لك﴾ میں اس کو نافلة سے تعبیر فرمایا، کیونکہ اس میں جماعت کی شرکت نہیں ہے اور پانچ فرض نمازوں میں دوسرے سب آپ کے ساتھ شریک ہیں، جس طرح مال غنیمت میں حصے لگتے ہیں اور نفل (خصوصی طور عطیہ میں) سب کا کچھ حق نہیں ہوتا، اسی طرح تہجد کی نماز آپ کے لیے نافلہ ہے، لہٰذا دوسرے لوگ آپ کے ساتھ داخل نماز نہ ہوں گے، پس وہ آپ کی ایک الگ حالت اور آپ کا انفرادی وظیفہ ہے، درحقیقت ان ہی امور پر نظر فرما کر ہمارے امام اعظمؒ نے یہ فیصلہ کیا کہ رات کے نوافل میں تداعی مکروہ ہے اور میرے نزدیک تداعی سے مراد وہی معنی ہیں جو عرف عام میں سمجھا جاتا ہے کہ لوگوں کو اس کے لیے بلایا جائے اور جو کچھ مفتیان کرام نے دو یا تین مقتدی لکھے ہیں وہ بغرض تحدید عمل لکھا ہے، اس لیے نہیں کہ وہ صاحب مذہب سے منقول ہے۔

اسی طرح حضرت شاہ صاحبؒ نے "باب صلوٰۃ النفل" کے درس میں فرمایا کہ "حنفیہ کے یہاں نوافل کی جماعت مکروہ ہے، بجز رمضان کے"، بعض لوگوں نے سمجھ لیا کہ رمضان میں ہر نفل کی جماعت جائز ہے، حالانکہ فقہاء کی مراد اس سے صرف تراویح کے نوافل تھے، دوسرا کچھ نہیں تھا، پھر فرمایا: اس کو اچھی طرح سمجھ لو، کیونکہ علم بہت ہی تحقیق، دیدہ ریزی کاوش وتجربہ کے بعد حاصل ہوتا ہے۔(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: انوار الباری: ۴/ ۲۳۸ تا ۲۴۶)

(۱) المغرب، المادة: دع و، ۲/۲۸۹

چار سے زیادہ۔ اور اگر چار سے کم ہوں تو پھر تداعی نہیں ہے(۱)۔

واضح رہے کہ یہ بات کتب فقہ میں مذکور تو ہے لیکن کتاب وسنت میں اس کی تحدید پر کوئی اصل نہیں ملتی، لہٰذا عرف کے اعتبار سے درست بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی نفل نماز کی جماعت کے لیے دوسروں کو دعوت دی جائے تو اسے تداعی کہا جائے گا اور اس کے برخلاف اگر جماعت کے لیے دعوت نہ دی جائے تو پھر یہ تداعی نہیں ہوگی، حضرت علامہ کشمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فیض الباری میں اسی طرف اپنا میلان ظاہر کیا ہے(۲)۔

مالکیہ کا مذہب

مالکیہ کے نزدیک نوافل کی جماعت کے ساتھ ادائیگی کی مختلف صورتیں ممکن ہیں، مثلاً: نوافل کی جماعت مسجد کی اندر کرائی جائے، یا جماعت کے اندر بہت سے افراد شریک ہوں، یا جماعت ایسے مکان میں قائم کی جائے کہ وہاں لوگوں کے عام آمد ورفت ہو تو ان تینوں صورتوں میں نوافل کی جماعت مکروہ ہوگی۔

اور اگر اس جماعت میں افراد کم ہوں اور ایسی جگہ ادا کی جائے کہ وہاں لوگوں کی آمد ورفت بلا روک ٹوک ممکن نہ ہو تو پھر ایسی جگہ نوافل کی جماعت کروانے میں کوئی حرج نہیں۔

غور کیا جائے تو احناف اور مالکیہ کے مذہب میں کوئی خاص فرق نہیں ہے(۳)۔

حنابلہ کا مذہب

حنابلہ کے نزدیک نوافل کی جماعت مباح ہے(۴)۔

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب: الإمامة: ۱/۶۰۴، ۶۰۶، دار الكتب العلمية. وكذا في الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الأول في الجماعة: ۱/۸۳.

(۲) "ثم التداعي على عرف اللغة، ولا تحديد في أصل المذهب وإن عيّنه المشائخ". (فيض الباري، كتاب الصلاة، باب: إذا دخل بيتا يصلي حيث شاء، أو حيث أُمر، ولا يتجسس: ۲/۶۳)

(۳) حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، كتاب الصلاة، فصل: في بيان حكم صلاة الجماعة: ۱/۳۲۰.
شرح منح الجليل على مختصر العلامة خليل، كتاب الصلاة، فصل في بيان حكم فعل الصلاة في جماعة: ۱/۲۱۱.
مواهب الجليل، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجماعة: ۲/۳۹۵.

(٤) ولا بأس بالجماعة فيه، قال في الفروع: ويجوز جماعة، وأطلقه بعضهم. قلت: منهم الشيخ في المغني، الكافي، والشارح، وشرح ابن رزين والرعايتين، والحاوي الصغير. وقيل: ما لم يتخذ عادة وسنة، قطع =

شافعیہ کا مذہب

شوافع کے نزدیک نوافل کی جماعت چاہے کتنی بڑی بھی ہو جائز ہے، کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں۔ لیکن جماعت مستحب بھی نہیں ہے۔ مذکورہ حدیث مبارکہ کو شوافع اپنے مستدل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ جب کہ احناف کے نزدیک اس حدیث مبارکہ میں بلاتداعی نماز با جماعت کی صورت بنی ہے، لہٰذا اسی کے مطابق اس جماعت کا حکم ہوگا، جس کی تفصیل اوپر ذکر کی جا چکی ہے(۱)۔

تبرک بآثار سلف صالحین کا حکم

اس حدیث مبارکہ سے ایک مسئلہ انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے آثار سے برکت حاصل کرنے کا بھی سامنے آتا ہے کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ میرے گھر تشریف لا کر دو رکعت نماز ادا فرمالیں تاکہ آئندہ میں اسی جگہ نماز ادا کیا کروں، اس سے میں برکت حاصل کروں۔ چنانچہ جمہور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہی ہے کہ ان آثار سے برکت حاصل کرنا جائز ہے۔ اس بارے میں بہت بہترین تفصیل علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر بخاری میں موجود ہے،

= بـه الـمجد في شرحه، ومجمع البحرين. وقيل: يستحب، اختاره الآمدي. وقيل: يكره. (الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف على مذهب الإمام أحمد بن حنبل، كتاب الصلاة، باب: صلاة التطوع: ۲/۱۸۶)

الكافي لموفق الدين، كتاب الصلاة، باب: صلاة التطوع، ۱/۳۵٤

المغني، كتاب الصلاة، صلاة التطوع، رقم المسألة: ۲۳۹، ۲/۵٦۷

(۱)الشامن: قد سبق أن النوافل لا تشرع الجماعة فيها إلا في العيدين والكسوفين والاستسقاء، وكذا باقي النوافل كالسنن الراتبة مع الفرائض والضحى والنوافل المطلقة فلا تشرع فيها الجماعة، أي: لا تستحب، لكن لو صلاها جماعة جاز، ولا يقال: أنه مكروه، وقد نص الشافعي رحمه الله في مختصري البوطي والربيع على أنه لا بأس بالجماعة في النافلة، ودليل جوازها جماعة أحاديث كثيرة .... إلخ. (المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، باب: صلاة التطوع: ۳/۵٤۸)

الوسيط في المذهب، كتاب الصلاة، الباب السابع في صلاة التطوع: ۲/۲۱۵.

حاشية قليوبي وعميرة على منهاج الطالبين، كتاب الصلاة، باب: صلاة النفل: ۱/۲۱۰.

انھوں نے شاہ سعودی کے سامنے بڑی مدلل گفتگو کی تھی جسے سن کر وہ بھی لاجواب ہو گئے تھے(۱)۔

(۱) مذکورہ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر علامہ عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی تقریر بخاری ''فضل الباری'' سے متعلقہ بحث مکمل بلفظہ نقل کی جاتی ہے۔

مسئلہ تبرک بآثار الصالحین:

یہ جو حضرت عتبان بن مالکؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "وددت يا رسول الله، أنك تأتيني، فتصلي في بيتي، فأتخذه مصلى" یہ تبرک بالآثار ہی تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا، بلکہ وعدہ فرمایا کہ "سأفعل إن شاء الله"، پھر اس کو پورا بھی فرمایا۔ تو یہ حدیث بہت بڑی اصل ہے، تبرک بآثار الصالحین کے (ثبوت) کے لیے، جیسا کہ امام نوویؒ وغیرہ بڑے بڑے محققین نے تصریح کی ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر اس (حدیث) سے طلب التبريك منهم (یعنی: بزرگوں سے ان کی کسی چیز سے برکت حاصل کرنے کی درخواست کرنا) بھی ثابت ہوتا ہے، کیونکہ حضرت عتبانؓ نے طلب کیا، آپ علیہ السلام نے انکار نہیں فرمایا، بلکہ ان کی درخواست کو شرفِ قبول بخشا۔

ملک الحجاز شاہ ابن سعود کے خصوصی جلسے میں مسئلہ مذکورہ پر طویل گفتگو:

میں [حضرت عثمانی رحمہ اللہ] ۱۳۴۴ھ میں جمعیت علماء ہند کی طرف سے ملک الحجاز ابن سعود کی دعوت پر مؤتمر العالم الاسلامی میں شریک ہوا تھا، وہاں اَطرافِ عالم کے مشاہیر مدعو تھے۔ تو ایک روز ایک خاص جلسہ ہوا، جس میں سلطان بھی شریک تھے۔ اس وقت چند مسائل پر میں نے گفتگو کی، جن میں سے ایک مسئلہ شروع کتاب میں حدیثِ ہرقل کے ماتحت ''شرک جلی وشرکِ خفی''، اور ''سجودِ تعظیم'' کے متعلق گذر چکا ہے۔ انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ''تبرک بآثار الصالحین'' کا بھی تھا، اس خاص جلسہ میں تقریباً ایک گھنٹہ مسلسل تقریر میں نے کی، جس سے سلطان بہت متأثر ہوئے اور فرمایا: میں عالم نہیں، اس لیے نہ آپ کی بات کو رد کر سکتا ہوں نہ قبول۔ آپ ہمارے علماء سے اس میں گفتگو کر لیں، پھر بحث کے بعد جو فیصلہ ہو، اپنی گردن کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ عبدالعزیز کی یہ گردن اس فیصلے کے نیچے ہے۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ پھر ایک روز شیخ الاسلام عبد اللہ بن بلیہد نجدی سے خصوصی طور پر گفتگو ہوئی۔

ان لوگوں نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے آثار قدیمہ جیسے: بیتِ خدیجہؓ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد شریف وغیرہ کو بالکل مٹا ڈالا تھا، اور جن کو مٹانے سے عاجز رہے، جیسا کہ غار ثور، غار حراو غیرہ، وہاں لوگوں کا آنا جانا بند کر دیا اور پہرہ بٹھا دیا، کیونکہ وہ لوگ اس طرح کے تبرک بالآثار کو بدعت اور ناجائز سمجھتے ہیں۔ =

= تبرک بالآثار کے ثبوت پر سب سے قوی اور صریح دلیل:

تو اس مسئلہ کے متعلق میں نے جو دلائل وہاں پیش کی تھیں ان میں سب سے زیادہ قوی اور صریح یہی عتبان بن مالکؓ کی حدیث تھی۔ خیال کرو کہ عتبان بن مالکؓ کا مصلّٰی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ دو رکعت نماز پڑھی، اس وجہ سے اگر یہ مصلّٰی متبرک ہوسکتا ہے تو بیتِ خدیجہؓ جس میں آپ علیہ السلام نے سالہا سال لیل ونہار اللہ کی عبادت کی، اور یہ غار حرا جس میں آپ علیہ السلام نے مہینوں خاص کیفیت کے ساتھ عبادت کے لیے قیام فرمایا اور جہاں شب وروز آپ علیہ السلام عبادت میں مشغول رہے، کیا یہ سب مقامات ہمارے لیے متبرک نہیں ہوسکتے؟

دوسری دلیل:

دوسری دلیل جو میں نے پیش کی وہ صحیح بخاری (کے) "باب المساجد بین المکة والمدینة" میں ابن عمرؓ کی ایک طویل حدیث ہے، جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ مکہ ومدینہ کے درمیان راستہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مآثر اور مواضع صلوٰۃ ہیں (جن میں آپ علیہ السلام نے نماز پڑھی)، ان کو خوب اہتمام سے تتبع وتلاش کرتے اور وہیں نماز پڑھتے تھے، اس کے علاوہ جس جگہ جو فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا، حضرت ابن عمرؓ وہاں وہیں کام کرتے تھے۔ یہ مقامات جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقی طور پر ایک دو دفعہ نماز پڑھی یا ایک آدھ دفعہ نزول فرمایا، اس وجہ سے اگر یہ مقامات حضرت ابن عمرؓ کے لیے متبرک ہوسکتے ہیں تو آج امت کے لیے بیتِ خدیجہؓ وغار ثور وغیرہ مقامات کیوں متبرک نہیں ہوسکتے؟

تیسری دلیل:

پھر اخیر میں میں نے کہا: چھوڑیئے ان باتوں کو! لیلۃ الاسراء کی ایک طویل ومفصل حدیث ہے، اس میں یہ اجزاء بھی مذکور ہیں کہ: مرّ بأرض ذات نخل، فقال له جبریل: انزل فصل، فنزل فصلی، فقال: صلیت بیثرب" (آپ علیہ السلام کا گذر ایک ایسے قطعۂ زمین پر ہوا جہاں کھجور درختوں کی بہتات تھی، جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: یہاں نزول فرمائیں اور نماز پڑھیں، آپ علیہ السلام نے نماز ادا فرمائی، تو جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: آپ نے یثرب یعنی: مدینہ کی سرزمین میں نماز ادا فرمائی)۔ پھر آگے چلنے کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: "انزل فصل، فنزل فصلی، فقال: صلیت بطور سیناء حیث کلم الله موسی" (یہاں بھی اتریں اور نماز پڑھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتر کر نماز پڑھی، تو جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: آپ نے طور سیناء میں نماز پڑھی جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف بخشا)۔

جبلِ طور جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام فرمایا، اگر وہ جبلِ طور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے متبرک ہوسکتا ہے، حتی کہ اُس خاص سفر میں جب کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مدعو ہو کر ملأ اعلیٰ اور خاص دربارِ الٰہی میں تشریف لے جارہے تھے، راستہ میں آپ علیہ السلام کو اتار کر وہاں نماز پڑھوائی گئی، تو کیا وہ غارِ حراء جس میں اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء علیہ الصلاۃ والسلام پر افضل الکتب (قرآن عزیز) اور اپنے کلام قدیم کو نازل کرنا شروع کیا، آج ہم گنہگار امتیوں کے لیے متبرک نہیں ہوسکتا کہ ہم اس میں جاکر کسی وقت دو رکعت نماز اللہ کے واسطے ادا کرلیں؟ =

....

= پھر آگے چل کر جبرئیل علیہ السلام نے کہا:"انزل، فنزل فصلی، قال: صلیت ببیت اللحم حیث ولد عیسیٰ"، یہاں اتریں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتر کر نماز پڑھی، جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: آپ نے بیت لحم میں نماز پڑھی ہے، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ یہ بیت لحم جو عیسیٰ علیہ السلام کا مولد ہے، اگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہستی کے لیے متبرک ہوسکتا ہو تو کیا وجہ کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد شریف آج ہم امتیوں کے لیے متبرک نہیں ہوسکتا؟!

پھر آگے چل کر جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا:"انزل فصل، فنزل فصلی، قال: صلیت بمدین"، مسکن شعیب علیہ السلام، اگر شعیب علیہ السلام کا مسکن اور موسیٰ علیہ السلام کا مورد (جہاں آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے) سید المرسلین کے حق میں اس قدر متبرک قرار پاسکتا ہے، تو خود سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن و مکان ان کے امتیوں کے لیے متبرک کیوں نہیں دیا جاسکتا؟!

میری مراد اُس مسکن سے بیتِ خدیجہؓ ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سالہا سال مقیم رہے اور وحی الٰہی کا سلسلہ لیل ونہار جاری رہا۔ مناسک میں ملاعلی قاریؒ نے طبرانیؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ اس پر اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں کہ مکہ میں حرم شریف کے بعد کوئی مکان بیتِ خدیجہؓ سے افضل نہیں۔

مذکورہ حدیث کا حوالہ اور اس کا درجہ:

جب میں دلائل بیان کررہا تھا، شیخ الاسلام (عبداللہ بن بلیہد) نے کسی بات پر کچھ نہیں کہا۔ فقط اس اخیر دلیل حدیثِ اسراء پر آکر انہوں نے پوچھا کہ یہ روایت کہاں ہے؟ تو میں نے تعجب آمیز لہجہ سے کہا کہ آپ تو فرمارہے تھے کہ مجھے الحمدللہ کتب حدیث وغیرہ کافی مستحضر ہیں، اس لیے میں نے حوالہ دینا ضروری نہ سمجھا۔ یہ حدیث حافظ ابن حجرؒ کی فتح الباری میں موجود ہے۔ اور حافظ نے اس کو نقل کر کے سکوت فرمایا، کچھ کلام نہیں کیا، جو دلیل ہے اس بات کی کہ یہ حدیث حسن سے گری ہوئی نہیں، کیونکہ حافظ مقدمۂ فتح الباری میں تصریح کرچکے ہیں کہ جس روایت پر میں سکوت کروں، کوئی کلام نہ کروں وہ میرے نزدیک حسن سے گری ہوئی نہ ہوگی۔

تبرک بآثار الصالحین پر مخالفین کے شبہات اور ان کا جواب:

ان دلائل کے مقابلہ میں شیخ الاسلام کوئی چیز نہیں لاسکے، فقط سیر کی جو ایک روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے شجرۃ رضوان کٹوادیا تھا، رواها ابن سعد في الطبقات من طريق نافع عن عمر، اس کو پیش کیا۔ =

= (مگر) اولا اس میں ایک بہت بڑی بات یہ ہے کہ وہ شجرہ جسے حضرت عمرؓ نے کٹوا دیا اور جس کو لوگوں نے شجرۃ الرضوان متعین کر رکھا تھا اور اس سے تبرک حاصل کرتے تھے، اس کا واقع میں وہی شجرۃ متبرکہ ہونا جس کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہؓ سے) بیعۃ الرضوان لی تھی، یہی چیز متیقن طور پر ثابت نہیں۔

چنانچہ صحیح بخاری میں ایک صریح روایت ہے حضرت مسیبؓ کی جو خود اس بیعتِ رضوان میں شریک تھے، وہ کہتے ہیں کہ بیعتِ رضوان کے ایک سال بعد ہم وہاں آئے تو وہ شجر ہمیں یاد نہیں رہا کہ کون سا تھا، یعنی: علی التعیین پتہ نہیں چلا۔ تو خوامخواہ غیر متعین، موہوم ایک چیز کو متبرک و معظم قرار دینا، یہ کوئی بھی جائز نہیں رکھتا۔ ہم جو تبرک بالآثار کے قائل ہیں جب ہی قائل ہیں، جب کسی چیز کا متبرک ہونا یعنی: کسی صالح مثلا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی قسم کی نسبت رکھنا متعین و متیقن طور پر ثابت ہو جائے۔ اگر کسی نے یوں ہی بلا دلیل و بلا سند دعوی کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قمیص مبارک ہے، یا نعل شریف ہے تو ہم تھوڑا ہی اس کو متبرک سمجھ لیں گے، جیسا کہ آج کل بعض اہل ہوا نے ایک پیشہ بنا رکھا ہے، ہرگز نہیں۔

(بہر حال) ہم ایسے وہابی بھی نہیں کہ کسی چیز کا متبرک ہونا ثابت ہونے کے بعد بھی اس کی تعظیم نہ کریں اور اپنے سر اور آنکھوں پر نہ رکھیں، اور ایسے بدعتی بھی نہیں کہ موہوم، بے ثبوت، بے دلیل و بے سند چیزوں کو متبرک و معظم سمجھنے لگیں۔

تو ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کو اسی لیے کٹوایا ہو کہ جب تیقن کے ساتھ متعین نہیں کہ یہ وہی شجرۃ الرضوان ہے تو پھر اس کی اتنی تعظیم و تبرک بے اصل ہے۔

باقی رہا بیتِ خدیجہؓ، غارِ حرا اور غارِ ثور وغیرہ مآثر قدیمہ، یہ سب تو مثل تواترِ قرآن کے تواترِ طبقہ سے ثابت ہیں، جو مفید للقطع والیقین ہے، بالاتفاق، جیسا کہ شروع کتاب الایمان میں اقسام تواتر کی تحقیق کی گئی۔ واللہ اعلم

دوسرا جواب:

ثانیا یہ روایت سیر کی ہے، پھر منقطع ہے (اس لیے کہ عمرؓ کا یہ واقعہ بیان کرنے والے حضرت نافع ہیں اور) حضرت نافع کی حضرت عمرؓ سے ملاقات نہیں ہوئی۔

تیسرا جواب:

پھر یہ کوئی مرفوع چیز نہیں، بلکہ محض حضرت عمرؓ کی رائے تھی۔ یہ چیز ان دلائل کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتی جو (اوپر) ذکر کی گئی، جن میں بعض صحیحین کی متفق علیہ، بعض صحیح بخاری کی، اور بعض دوسری کتب حدیث کی قابل احتجاج روایات ہیں۔

چوتھا جواب:

پھر اس میں ایک چیز اور ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا تھا وہ ایک وقتی مصلحت کی بناء پر کیا تھا اور وہ مصلحت یہی "سد ذرائع وحسم مادته" تھی، (یعنی: یہ اندیشہ تھا کہ کہیں اس درخت سے تبرک حاصل کرنے میں غلو ہونے لگے اور تبرک حدِ شرک =

اور ہماری اس تقریر میں بھی اس موضوع پر پہلے بھی گفتگو ہو چکی ہے(۱)۔

حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ترجمۃ الباب کے دو اجزاء ہیں، ایک: "يصلي حيث شاء" اور دوسرا: "حيث أمر"، دونوں اجزاء کے ساتھ حدیث مبارکہ کی مطابقت تب بنے گی جب **معطوف الیہ** "يصلي حيث شاء" میں "يصلي" سے قبل ہمزہ استفہام محذوف نکالیں، ورنہ مطابقت صرف جزو ثانی کے ساتھ ہوگی (۲)۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور واحکام

یہ حدیث مبارکہ یہاں مختصر مذکور ہے، تفصیلی روایت اگلے باب میں آ رہی ہے، تو حدیث مبارکہ سے متعلق اہم امور واحکام اگلے باب میں ہی ذکر کیے جائیں گے تا کہ تکرار لازم نہ آئے۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

=کو پہنچ جائے، اس اندیشہ کی وجہ سے اس درخت ہی کو کٹوا دیا، جو آئندہ کبھی ذریعۂ شرک بن سکتا تھا)، وہ کوئی شرعی مسئلہ کی بناء پر نہیں تھا (یعنی: اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ تبرک اپنی اصل کے اعتبار سے ہی شرعاً ممنوع ہے)۔

اگر آپ بھی مصلحت کے متعلق کچھ کہنا چاہیں تو غور کی جیے: آپ نے جوان آثر کے ساتھ برتاؤ کیا، اس میں مصلحت ہوئی یا مصلحت کے خلاف ہوا؟ آپ کے اس فعل سے تمام اطرف عالم کے مسلمانوں میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا کہ دیکھو: ابن سعود کی حکومت نے کیا کر دیا، جس سے حج جیسے شعار اسلام کے لیے آنے میں لوگ پس و پیش کر رہے ہیں۔ تو یہ کون سی مصلحت ہوئی؟

شیخ عبداللہ بن بلیہد کا آخری اعتراف:

اس پر شیخ الاسلام کچھ نہ بول سکے، اخیر میں تسلیم کرتے ہوئے فقط اتنا کہا کہ کیا کروں! ہماری قوم نہیں مانتی۔

(فضل الباری: ۳/ ۱۲۹ ـ ۱۳۶)

(۱) كشف الباري، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في الثوب الأحمر، ص: ۵۵۱-۵۵۸.

(۲) عمدة القاري: ۴/ ۲۴۴

١٤ - باب : اَلْمَسَاجِدِ فِي الْبُيُوتِ .

یہ باب گھروں میں مساجد بنانے کے جواز میں ہے۔

ترجمۃ الباب کی وضاحت

گھروں میں مسجد بنانے کا مطلب

گھروں کے اندر مساجد اس طرح بنائی جاتی ہیں کہ گھر کے کسی کمرے کو، یا کسی کونے کو اپنی عبادت کے لیے مخصوص کرلیا جائے، وہاں چٹائی یا لکڑی کا تخت وغیرہ بچھادیا جائے، اور گھر کے افراد اسی جگہ نوافل وغیرہ ادا کیا کریں۔ یہ ''مسجد'' اصطلاحی مسجد نہیں ہوگی اور نہ ہی وقف ہوگی، یہاں نمازوں کے لیے اذان دینے کی بھی ضرورت نہیں، چنانچہ یہ جگہ مالک مکان کی وراثت میں بھی جاری ہوگی۔ تاہم اس جگہ میں وہ ثواب نہیں ملے گا جو مسجدِ اصطلاحی میں ملے گا۔ اس طرح کی مساجد اپنے گھروں میں بنانا مسنون اور مستحب ہے۔

سنن ابوداؤد میں ایک روایت ہے(۱)، جس میں صراحۃً یہ بات مذکور ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اپنے گھروں میں مساجد بنائیں۔ یعنی: عبادت کے لیے جگہ مخصوص کریں۔ شارحین نے اس کے دو مطلب بیان کیے ہیں (۲) کہ اپنے گھروں میں مساجد بنائیں اور دوسرا یہ کہ اپنے محلّہ میں مساجد بنائیں، تاہم ابوداؤد شریف کی یہ حدیث چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی شرائط کے مطابق نہیں تھی اس لیے ترجمۃ الباب کے تحت وہ اسے نہیں لائے، البتہ اپنے مدعی کے اثبات کے لیے انھوں نے حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے۔

---

(١) عن عائشة قالت: أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم ببناء المساجد في الدور، وأن تنظف وتطيب.
(سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: اتخاذ المساجد في الدور، رقم الحديث: ٤٥٥)

وأيضاً: حدثني خبيب بن سليمان عن أبيه سليمان بن سمرة، عن أبيه سمرة قال: إنه كتب إلى بنيه: أما بعد! فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمرنا بالمساجد أن نَصنَعَها في دورنا، ونُصلِح صَنعَتَها ونُطهِّرها. (أيضاً، رقم الحديث: ٤٥٦)

(٢) بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب: اتخاذ المساجد في الدور، رقم الحديث: ٤٥٥: ٢٩٢/٣.

گھروں میں جماعت کروانے کا حکم

کسی عذر کی وجہ سے گھروں میں نماز باجماعت ادا کرنا درست ہے، مثلاً: کبھی کسی وجہ سے مسجد کی جماعت میں حاضر نہ ہوسکے تو گھر میں محرم مستورات وغیرہ کو لے کر باجماعت نماز ادا کرنا درست ہے، لیکن بلا عذر اس کی عادت بنالینا برا ہے، بلکہ ایسے شخص کے بارے میں بہت سخت وعید بھی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرا دل چاہتا ہے کہ میں چند نوجوانوں کو حکم دوں کہ وہ بہت سا ایندھن جمع کرکے لائیں، پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں، جو بلا عذر گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور جا کر اُن کے گھروں کو جلا دوں (۱)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنے رسالے فضائل نماز میں پوری ایک فصل اس بارے میں قائم فرمائی ہے جس میں وہ احادیث جمع فرمائی ہیں جن میں جماعت چھوڑنے پر وارد ہونے والی وعیدیں مذکور ہیں، وہ فصل بالخصوص اور پورا رسالہ بالعموم دیکھنے کے لائق ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ گھر میں جماعت کروانے سے جماعت کا ثواب تو مل جائے گا لیکن مسجد میں ادا کی جانے والے جماعت کا ثواب نہیں ملے گا۔ نماز کے موضوع پر لکھی جانے والی سب سے مفصل کتاب منیۃ المصلی میں اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے (۲)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ باب اور سابقہ باب حقیقت میں ایک ہی ہیں، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ دونوں بابوں میں ایک ہی حدیث حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی لے کر آئے ہیں، اور یہی حدیث امام

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لقد هممت أن آمر فتيتي، فيجمعوا لي حزما من حطب، ثم اتي قوماً يصلون في بيوتهم، ليست بهم علة، فأحرقها عليهم. (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب: ما روي في التخلف عن الجماعة، رقم الحديث: ١٤٨١.)

(۲) وإن أقيمت في المسجد بجماعة وتخلف عنها رجل من أفراد الناس وصلى في بيته فقد ترك الفضيلة. وإن صلى في بيته بالجماعة لم ينالوا فضيلة الجماعة في المسجد، وهكذا في المكتوبة. (منية المصلي، كتاب الصلاة، صلاة التراويح، ص: ١٤٥، مكتبة طيبة، كوئته)

صاحب نے بخاری میں کئی مقامات میں ذکر فرمائی ہے، کہیں مختصر اور کہیں مفصل، اور مقصود ان سب سے مختلف تراجم کا قائم کرنا ہے(۱)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کو مطلق رکھا ہے، حالانکہ ہمارے خیال کے مطابق اس میں معذورین کے لیے کی قید ہونی چاہیے تھی، چنانچہ جب ایسا نہیں ہے تو مطلب یہ بنے گا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معذور اور غیر معذور دونوں کا گھر میں مسجد بنا کر وہاں نماز ادا کرنا درست ہے۔یعنی: عذر کی قید ہوتی تو مطلب یہ سامنے آتا کہ وہ معذورین کو گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دینا چاہ رہے ہیں، لیکن جب انہوں نے قید کے بغیر ہی یہ فرما دیا کہ گھر میں مسجد بنانے کا بیان، تو مطلب یہ ہوا "بلا عذر اور بلا قید گھر میں مسجد بنا کر نماز پڑھنے کا بیان"۔ چنانچہ دلیل میں انہوں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی تعلیق بھی بیان کر دی، دلیل اس طرح کہ وہ ایک جلیل القدر صحابی رسول ہیں، انہیں کوئی عذر بھی نہیں تھا، اس کے باوجود انہوں نے مسجد کی جماعت چھوڑ کر گھر میں نماز پڑھی، تو اگر اس میں کوئی نقصان ہوتا یا ممانعت ہوتی تو وہ کیوں ایسا کرتے؟!

اگر اس سب کو درست فرض کر لیا جائے تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا، کہ اس بات کا قوی احتمال موجود ہے کہ انہوں نے ایسا اس وقت کیا ہو جب ان سے مسجد میں جماعت فوت ہوگئی ہو اور انہوں نے گھر میں اہل خانہ کو جمع کر کے باجماعت نماز ادا کر لی ہو تا کہ نماز باجماعت کا ثواب مل جائے۔ چنانچہ اس سے استدلال کر کے بلا عذر بھی گھر میں مسجد بنا کر مستقل گھر میں نماز پڑھنے کا جواز نہیں نکل سکتا۔

اور حدیث باب سے استدلال بھی ممکن نہیں کیوں کہ اس میں حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی رخصت ان کے عذر کی وجہ سے تھی جیسا حدیث باب میں تفصیل سے آ رہا ہے۔

تعلیق

وَصَلَّى ٱلْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ فِي مَسْجِدِهِ فِي دَارِهِ جَمَاعَةً.

تعلیق کی تخریج

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ابن ابی شیبہؒ نے اپنی مصنف میں اس اثر کے ہم معنی

(۱)عمدة القاري: ٤/٢٤٥

ایک قصہ ذکر کیا ہے(۱)۔

تعلیق کے رجال

تعلیق کے راوی حضرت براء بن العازب رضی اللہ عنہ ہیں ان کا ذکر کشف الباری میں گذر چکا ہے(۲)۔

تعلیق کا ترجمہ وتشریح

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کی مسجد (نماز کے لیے مقرر کردہ جگہ) میں با جماعت نماز ادا فرمائی۔

"جماعةً"، یہاں یہ لفظ نصب کے ساتھ ہے، جب کہ کشمیهني کی روایت میں اس سے قبل "في" حرف جر ہے، یعنی: في جماعةٍ(۳).

تعلیق کا مقصد

تعلیق کا مقصد واضح ہے کہ ترجمۃ الباب کو ثابت کرنا مقصود ہے۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب بھی یہی ہے کہ گھروں میں مساجد بنائی جائیں، یعنی: گھروں میں عبادات اور نماز وغیرہ کے لیے جگہیں متعین کی جائیں، اور مذکورہ تعلیق میں بھی یہ امر سامنے آ رہا ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں نماز کے لیے مقرر کی گئی جگہ میں نماز ادا کی۔

---

(۱)فتح الباري: ۶۷۲/۱، عمدة القاري: ۲٤٦/٤.

راقم کہتا ہے کہ باوجود کوشش کے المصنف لابن أبي شيبه میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا مذکورہ یا اس کے ہم معنی کوئی اثر نہیں مل سکا، حتی کہ حافظ صاحبؒ کی ہی تصنیف "تغلیق التعلیق"، دیکھی تو وہاں بھی اس تعلیق کی تخریج کے مقام پر بیاض تھی، یعنی: نہ حافظ صاحبؒ نے از خود وہاں اس کی تخریج کی اور نہ ہی محشی حضرات نے اس کی تخریج کی، ملاحظہ ہو: تغليق التعليق: ۸۲/۲۔

البتہ! المصنف میں حضرت ابو المجلز کا معمول مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے گھر میں مسجد بنا رکھی تھی، جس میں بسا اوقات اپنے گھر والوں اور غلاموں کو جمع کر کے نماز با جماعت ادا کیا کرتے تھے، ملاحظہ ہو: حدثنا زيد بن حباب، عن مطهر بن جويرية قال: "رأيت أبا مجلز، وله مسجد في داره، فربما جمع أهله وغلمانه". (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب: في الرجل يؤم النساء، رقم الحديث: ٦٢١٠)

(۲)كشف الباري، كتاب الإيمان، باب: الصلاة من الإيمان، ۳۷۵/۲.

(۳)فتح الباري: ۶۷۲/۱، عمدة القاري: ۳٤٦/٤۔

حدیث باب

٤١٥ : حدّثنا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ : حَدَّثَنِي ٱللَّيْثُ قَالَ : حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ ٱلرَّبِيعِ ٱلْأَنْصَارِيُّ : أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ (١) ، وَهُوَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ ٱللَّهِ ﷺ ، مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ ٱلْأَنْصَارِ : أَنَّهُ أَتَى رَسُولَ ٱللَّهِ ﷺ فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللَّهِ ، قَدْ أَنْكَرْتُ بَصَرِي ، وَأَنَا أُصَلِّي لِقَوْمِي ، فَإِذَا كَانَتِ ٱلْأَمْطَارُ ، سَالَ ٱلْوَادِي ٱلَّذِي بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ ، لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ آتِيَ مَسْجِدَهُمْ فَأُصَلِّيَ بِهِمْ ، وَوَدِدْتُ يَا رَسُولَ ٱللَّهِ ، أَنَّكَ تَأْتِينِي فَتُصَلِّيَ فِي بَيْتِي ، فَأَتَّخِذَهُ مُصَلًّى ، قَالَ : فَقَالَ لَهُ رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ : (سَأَفْعَلُ إِنْ شَاءَ ٱللَّهُ) . قَالَ عِتْبَانُ : فَغَدَا رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ حِينَ ٱرْتَفَعَ ٱلنَّهَارُ ، فَاسْتَأْذَنَ رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ فَأَذِنْتُ لَهُ ، فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى دَخَلَ ٱلْبَيْتَ ، ثُمَّ قَالَ : (أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ) . قَالَ : فَأَشَرْتُ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ ٱلْبَيْتِ ، فَقَامَ رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ فَكَبَّرَ ، فَقُمْنَا فَصَفَفْنَا ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ، قَالَ : وَحَبَسْنَاهُ عَلَى خَزِيرَةٍ صَنَعْنَاهَا لَهُ ، قَالَ : فَثَابَ فِي ٱلْبَيْتِ رِجَالٌ مِنْ أَهْلِ ٱلدَّارِ ذَوُو عَدَدٍ ، فَاجْتَمَعُوا ، فَقَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ : أَيْنَ مَالِكُ بْنُ ٱلدُّخَيْشِنِ أَوِ ٱبْنُ ٱلدُّخْشُنِ ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ : ذَلِكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُ ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ : (لَا تَقُلْ ذَلِكَ ، أَلَا تَرَاهُ قَدْ قَالَ لَا إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ ، يُرِيدُ بِذَٰلِكَ وَجْهَ ٱللَّهِ) . قَالَ : ٱللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ ، قَالَ : فَإِنَّا نَرَى وَجْهَهُ وَنَصِيحَتَهُ إِلَى ٱلْمُنَافِقِينَ ، قَالَ رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ : (فَإِنَّ ٱللَّهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى ٱلنَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ ، يَبْتَغِي بِذَٰلِكَ وَجْهَ ٱللَّهِ) .

قَالَ ٱبْنُ شِهَابٍ : ثُمَّ سَأَلْتُ ٱلْحُصَيْنَ بْنَ مُحَمَّدٍ ٱلْأَنْصَارِيَّ ، وَهُوَ أَحَدُ بَنِي سَالِمٍ ، وَهُوَ مِنْ سَرَاتِهِمْ ، عَنْ حَدِيثِ مَحْمُودِ بْنِ ٱلرَّبِيعِ ، فَصَدَّقَهُ بِذَٰلِكَ . [ر : ٤١٤]

ترجمہ حدیث

ابن شہاب سے مروی ہے کہ مجھے محمود بن ربیع انصاری نے خبر دی کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ ـــــ جو کہ اُن انصاری صحابہ میں سے ہیں جو بدر میں شریک تھے ـ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری نظر کمزور ہوگئی ہے اور میں اپنی قوم کے لوگوں کو نماز پڑھاتا ہوں، جب بارش ہوتی ہے تو اُس وادی جو میرے گھر اور

(١) مر تخريجه تحت الحديث السابق الرقم:......

لوگوں کے درمیان پڑتی ہے، میں پانی بھر جاتا ہے، جس کی وجہ سے میں ان کی مسجد تک نہیں پہنچ پاتا کہ ان کو نماز پڑھاؤں، یا رسول اللہ! میرا دل چاہتا ہے کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز ادا فرمالیں، تو میں اس جگہ کو اپنے لیے نماز کی جگہ بنالوں گا۔

راوی نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان شاء اللہ عنقریب میں ایسا کروں گا، حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دوسرے دن جب دن روشن ہوگیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، اور (گھر میں داخل ہونے کی) اجازت چاہی تو میں نے اجازت دے دی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں داخل ہوئے تو تشریف فرمانہیں ہوئے، اور دریافت فرمایا کہ تم اپنے گھر میں کس جگہ چاہتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کردیا، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور (نماز شروع کرنے کے لیے تکبیر، یعنی:) اللہ اکبر کہا، ہم بھی کھڑے ہوگئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (اپنے پیچھے ایک) صف میں کھڑا کرلیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیرا۔

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حلیم (کھانے) کے لیے روک لیا، جو ہم نے (خاص طور سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تیار کیا تھا۔

حضرت عتبانؓ نے کہا کہ پھر محلّہ کے کئی آدمی گھر آکر جمع ہوگئے، پھر ان میں سے کسی کہنے والے نے کہا کہ مالک بن دخیشن یا مالک بن دخشن کہاں ہے؟ تو ان میں سے کسی نے کہا کہ وہ تو منافق ہے، اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں رکھتا، تو رسول اللہ نے فرمایا: ایسا مت کہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ محض

اللہ کی رضا کے لیے ''لا الہ الا اللہ'' کہتا ہے۔تو اس شخص نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، ہم تو اس کی توجہ اور ہمدردی منافقوں کے ساتھ دیکھتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص پر جہنم کو حرام کر دیا ہے جو اللہ کو راضی کرنے کی غرض سے ''لا الہ الا اللہ'' کہے۔

ابن شہاب نے کہا کہ پھر میں نے حصین بن محمد انصاری سے جو کہ قبیلہ بنو سالم کے ایک فرد اور ان کے سرداروں میں سے ہیں، محمود بن ربیع کی اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل چھ راوی ہیں:

۱۔سعید بن عفیر

یہ ''سعید بن کثیر بن عفیر'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: من یرد الله به خیرا یفقهه في الدین، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔اللیث

یہ ''لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثالث، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔عقیل

یہ ''عقیل بن خالد بن عکرمہ'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثالث، اور تفصیلی احوال کتاب العلم،

---

(۱) کشف الباری: ۲۷٤/۳

(۲) کشف الباری ۱/۳۲٤

باب: فضل العلم، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۴۔ابن شہاب

یہ ''محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب الزہری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثالث، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۵۔محمود بن الربیع الأنصاري

یہ ''محمود بن ربیع بن سناقہ بن عمرو خزرجی'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: متی یصح سماع الصغیر کی دوسری حدیث، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۶۔عتبان بن مالک

یہ صحابی رسول ''عتبان بن مالک'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری کی اسی جلد میں گذر چکے ہیں(۴)۔

شرح حدیث

عن ابن شهاب قال: أخبرني محمود بن الربيع الأنصاري: أن عتبان بن مالك، وهو من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، ممن شهد بدراً من الأنصار أنه أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! قد أنكرت بصري،

ابن شہاب سے مروی ہے کہ مجھے محمود بن ربیع انصاری نے خبر دی کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ

(۱) کشف الباری: ۱/۳۲۵، ۳/۴۵۵

(۲) کشف الباری: ۱/۳۲۶

(۳) کشف الباری: ۳/۳۹۳

(۴) کشف الباری:

جو کہ اُن اَنصاری صحابہ میں سے ہیں جو بدر میں شریک تھے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری نظر کمزور ہوگئی ہے۔

قولہ:"عتبان"، یہ نام "عین" کی "فتحہ" اور "کسرہ" دونوں کے ساتھ مستعمل ہے(۱)۔

قولہ:"أنــه أتـىٰ"، اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خود حاضر ہوئے۔ جبکہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی قاصد کو بھیجا جو بلا لائے (۲)۔

اس تعارض کے حل میں شارحین نے دو احتمال ذکر کیے ہیں:

۱۔ یہاں خود حاضر ہونے کی بات مجازاً کی گئی ہے، ورنہ بھیجا قاصد ہی تھا۔

۲۔ ایسا دو مرتبہ ہوا، ایک مرتبہ تو خود حاضر ہوئے اور دوسری بار قاصد بھیجا، اور قاصد کو بھیجنے میں بھی دونوں احتمال ہیں کہ اس نے ابتداء گھر تشریف لانے کا مطالبہ کیا، اور دوسرا یہ کہ مطالبہ تو حضرت عتبان خود کر چکے تھے، قاصد محض یاددہانی کے لیے گیا (۳)۔

---

(۱)فتح الباري: ۱/۶۷۳۔ اور علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ نے "عین" کے "ضمہ" کے ساتھ مستعمل ہونا بھی بتلایا ہے۔ (التوضیح لابن الملقن: ۵/۴٤۲)

(۲)حدثنا شيبان بن فروخ، حدثنا سليمان يعني ابن المغيرة، قال: حدثنا ثابت، عن أنس بن مالك، قال: حدثني محمود بن الربيع، عن عتبان بن مالك، قال: قدمت المدينة، فلقيت عتبان، فقلت: حديث بلغني عنك، قال: أصابني في بصري بعض الشيئ، فبعثت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أني أحب أن تأتيني فتصلى في منزلي، فأتخذه مصلى، قال: فأتى النبي صلى الله عليه وسلم، ومن شاء الله من أصحابه، فدخل وهو يصلي في منزلي وأصحابه يتحدثون بينهم، ثم أسندوا عظم ذلك وكبره إلى مالك بن دخشم، قالوا: ودوا أنه دعا عليه فهلك، ودوا أنه أصابه شر، فقضى رسول الله صلى الله عليه وسلم الصلاة، وقال: أليس يشهد أن لا إله إلا الله، وأني رسول الله؟ قالوا: إنه يقول ذلك، وما هو في قلبه، قال: لا يشهد أحد أن لا إله إلا الله، وأني رسول الله، فيدخل النار، أو تطعمه، قال أنس: فأعجبني هذا الحديث، فقلت لابني: اكتبه فكتبه. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب: من لقي الله بالإيمان وهو غير شاك فيه دخل الجنة وحرم النار، رقم الحديث: ٥٤)

(۳)فتح الباري: ۱/۶۷۳، عمدة القاري: ٤/ ٧٤٢

طبرانی رحمہ اللہ نے ابی اویس کے طریق سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ جب حضرت عتبان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر تشریف لانے کی بات کی اس دن جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ اور اسی روایت میں یہ بات بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہفتے کے دن ان کے گھر تشریف لے گئے (۱)۔

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نابینا تھے یا کم نظر والے؟

قولہ: ''قد أنكرت بصري''، اس جملے کے معنی ہیں کہ میری نظر کمزور ہوگئی ہے، اب میں اسے پہلے جیسا نہیں پاتا (۲)۔

اس روایت میں ''قد أنكرت بصري'' کے الفاظ ہیں۔

دوسری روایت میں "أنا رجل ضرير البصر" کے الفاظ ہیں (۳)۔

صحیح بخاری کی ہی روایت میں ہے: "أن عتبان بن مالك كان يؤم قومه وهو اعمىٰ" (٤)۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں "إن بصري قد ساء" کے الفاظ ہیں (۵) اور دوسری روایت میں "اصابني في بصري بعض الشيئ" کے الفاظ ہیں (٦)۔

(١) فتح الباري: ١/٦٧٣

(٢) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب: الرخصة في المطر، رقم الحديث: ٦٣٦.

(٣) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب: الرخصة في المطر، رقم الحديث: ٦٦٧.

(٤) أيضا

(٥) وحدثنا إسحاق بن إبراهيم، أخبرنا الوليد بن مسلم، عن الأوزاعي، قال: حدثني الزهري، عن محمود بن الربيع، قال: إني أعقل مجة مجها رسول الله صلى الله عليه وسلم من دلو في دارنا، قال محمود: فحدثني عتبان بن مالك، قال: قلت: يا رسول الله! **إن بصري قد ساء،** وساق الحديث إلى قوله، فصلى بنا ركعتين، وحبسنا رسول الله صلى الله عليه وسلم على جشيشة صنعناها له، ولم يذكر ما بعده من زيادة يونس، ومعمر. (صحيح مسلم ، كتاب الصلاة، باب: الرخصة في التخلف عن الجماعة بعذر، رقم الحديث: ٢٥٦)

(٦) حدثنا شيبان بن فروخ، حدثنا سليمان يعني ابن المغيرة، قال: حدثنا ثابت، عن أنس بن مالك، قال: حدثني محمود بن الربيع، عن عتبان بن مالك، قال: قدمت المدينة، فلقيت عتبان، فقلت: حديث بلغني عنك، قال: **أصابني في بصري بعض الشيئ،** فبعثت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أني أحب أن تأتيني فتصلي في منزلي، .... (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب: من لقي الله بالإيمان، رقم الحديث: ٣٣)

طبرانی کی ایک روایت میں "وأن بصري قد ذهب" کے الفاظ ہیں(۱)۔اوردوسری روایت میں: "لما ساء بصري" کے الفاظ ہیں(۲)۔

خلاصہ یہ کہ ان اختلاف روایت کی وجہ سے ایک تعارض پیدا ہوتا ہے کہ ایک روایت کے مطابق وہ نابینا تھے اور دیگر روایات کے مطابق ضعفِ بصر سمجھ آتا ہے۔

توسب میں تطبیق اس طرح دینا ممکن ہے کہ

اعمیٰ سے مراد حقیقی نابینا نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ نابینا ہونے کے قریب ہو گئے تھے، جیسا کہ دوسری روایات سے ضعف بصر ثابت ہوتا ہے۔

نیز! صحیح البخاری کی جس روایت میں "اعمیٰ" کا ذکر ہے، اس میں یہ احتمال موجود ہوسکتا ہے کہ جب راوی تک یہ حدیث پہنچی تو اس وقت حضرت عتبان رضی اللہ عنہ مکمل نابینا ہو چکے تھے، یعنی: ابتداء میں نظر کمزور ہوئی پھر بڑھتے بڑھتے مکمل نابینا ہوگئے (۳)۔

---

(۱) حدثنا علي بن عبد العزيز، ثنا عارم أبو النعمان، ثنا حماد بن زيد، ثنا علي بن زيد، قال: كنا عند أنس بن مالك فقال لابنه أبي بكر حدثهم حديث عتبان بن مالك الأنصاري، فحدثنا أبو بكر، وأنس، شاهد فقال: خرجت مع أبي إلى الشام فلما أقبل من الشام مشى معنا محمود بن الربيع الأنصاري فشيعنا حتى إذا أراد أن يفارقنا قال: ألا أحدثكم بحديث عتبان بن مالك؟ قلنا: بلى! قال: فإنه حدثني أنه ذهب بصره على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! فلو أتيت منزلي، فبوأت لي فيه مسجدا، وصليت فيه، فأتخذه مسجدا، **وإن بصري قد ذهب،** وضعفت عن الخروج إلى المسجد، .... (المعجم الكبير للطبراني، عتبان بن مالك الأنصاري، رقم الحديث: ١٤٧٥٤)

(٢) حدثنا العباس بن الفضل الأسفاطي، ثنا إسماعيل بن أبي أويس، حدثني أبي، أخبرني ابن شهاب، عن محمود بن الربيع الأنصاري، أخبرني عتبان بن مالك، أنه كان إمام قومه وقد شهد بدرا فقال للنبي صلى الله عليه وسلم: **أنه لما ساء بصري** شقت علي إجازة الوادي إذا سال بيني وبين مسجد قومي، .... (المعجم الكبير للطبراني، عتبان بن مالك الأنصاري، رقم الحديث: ١٤٧٦١)

(۳)فتح الباري: ١/٦٧٣۔ عمدة القاري: ٤/ ٧٤٢

وأنـا أصـلـي لـقومي، فإذا كانت الأمطار، سال الوادي الذى بيني وبينهم، لم أستطـع أن آتـي مسـجدهم فأصلي بهـم، ووَدِدتُّ يا رسول الله! أنك تأتيني فتصليَ في بيتي، فأتخذه مصلى،

اور میں اپنی قوم کے لوگوں کو نماز پڑھاتا ہوں، جب بارش ہوتی ہے تو اُس وادی جو میرے گھر اور لوگوں کے درمیان پڑتی ہے، میں پانی بھر جاتا ہے، جس کی وجہ سے میں ان کی مسجد تک نہیں پہنچ پاتا کہ ان کو نماز پڑھاؤں، یارسول اللہ! میرا دل چاہتا ہے کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز ادا فرمالیں، تو میں اس جگہ کو اپنے لیے نماز کی جگہ بنالوں گا۔

قولہ:"سـال الوادي"، اس کا مطلب ہے کہ وادی میں پانی بہہ رہا ہوتا ہے، اس جملے میں محل کا اطلاق حال پر کیا گیا ہے(۱)۔

صحیح مسلم(۲) اور طبرانی(۳) کی روایت میں اس جملے کے بجائے "إذا كـانـت الأمـطـار سالت

(۱)عمدة القاري: ٤/ ٢٤٧

(٢) حـدثـنـي حـرمـلة بـن يـحيي التجيبي، أخبرنا ابن وهب، أخبرني يونس، عن ابن شهاب، أن محمود بن الربيع الأنصاري، حدثه أن عتبان بن مالك- وهو من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ممن شهد بدرا من الأنصار- أنـه أتـى رسـول الـله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله! إني قد أنكرت بصري، وأنا أصلي لقومي، **وإذا كـانـت الأمطار سال الوادي الذي بيني وبينهم ولم أستطع أن آتي مسجدهم فأصلي لهم،** وددت أنك يا رسول الله تأتي فتصلي في مصلى، فأتخذه مصلى، قال: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سأفعل إن شـاء الـلـه،...... (صـحـيـح مسـلـم، كتـاب الـصـلاة، باب: الرخصة في التخلف عن الجماعة بعذر، رقم الحديث: ٢٥٦)

(٣) حدثنا مطلب بن شعيب الأزدي، ثنا عبد الله بن صالح، حدثني الليث، عن عقيل ـ ح ـ وحدثنا عمرو بن أبي الطاهر بن السرح المصري، ثنا محمد بن عزيز الأيلي، ثنا سلامة بن روح، عن عقيل، أخبرني محمد بن مسـلـم، أن مـحـمـود بن الربيع الأنصاري، أخبره أن عتبان بن مالك، وهو من أصحاب رسول الله صلى الله عـلـيـه وسـلـم مـمـن شهـد بدرا من الأنصار أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله! إني قد أنـكـرت بـصـري وإني أصلي بقومي، **فـإذا كـانـت الأمـطـار سـال الـوادي بيني وبينهم، فلم أستطع أن آتي مسجدهم فأصلي لهم،** .... (المعجم الكبير، عتبان بن مالك، رقم الحديث: ١٤٧٥٩)

الـوادي الـذي بيـنـي وبينهم، ولم استطيع أن آتي مسجدهم" کے الفاظ بھی وارد ہیں۔ کہ جب بارشیں ہوتی ہیں تو وہ وادی جو میرے اور میری قوم کے درمیان ہے وہ پانی سے بھر جاتی ہے جس کی وجہ سے میں مسجد تک آنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

قولہ: "بيني وبينهم"، اسماعیلی کی روایت میں ہے: "بين مسكني وبين مسجد قومي"(۱)۔

قولہ: "ووَدِدْتُ"، دال کی کسرہ اور فتحہ دونوں طرح مستعمل ہے، اسی طرح اس کا مصدر "وُدّ" اور "وَدّ" بھی دونوں طرح یعنی: واؤ کی فتحہ اور ضمہ کے ساتھ مستعمل ہے(۲)۔

قولہ: "فتصلي" اور "فاتخذه"، دونوں کو مجزوم اور منصوب پڑھنا جائز ہے(۳)۔

قـال: فـقـال لـه رسـول الـلـه صـلى الله عليه وسلم: سأفعل إن شاء الله. قال عتبـان: فـغـدا رسـول الـلـه صلى الله عليه وسلم وأبو بكر حين ارتفع النهار، فاستأذن رسول الله صلى الله عليه وسلم فأذنت له،

راوی نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان شاء اللہ عنقریب میں ایسا کروں گا، حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دوسرے دن جب دن روشن ہو گیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، اور (گھر میں داخل ہونے کی) اجازت چاہی تو میں نے اجازت دے دی۔

''إن شاء اللہ'' کہنے کا مقصد

قولہ: "سأفعل إن شاء الله"، اس جملے میں لفظ ''ان شاء اللہ'' سے مقصود ''تبریک'' نہیں ہے، بلکہ ''تعلیق'' ہے، کہ اگر اللہ کی مشیت میرے ساتھ ہو گئی تو میں آ جاؤں گا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ لفظ ''ان شاء اللہ'' برکت حاصل کرنے کے لیے ہی ہے نہ کہ تعلیق کے لیے، یہ معنی اس صورت پر محمول ہوں گے کہ اللہ تعالی کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مطلع کر دیا گیا ہو کہ عنقریب

(۱) فتح الباري: ۱/ ۶۷۳۔ عمدة القاري: ۴/ ۲۴۷

(۲) فتح الباري: ۱/ ۶۷۴، عمدة القاري: ۴/ ۲۴۷

(۳) فتح الباري: ۱/ ۶۷۴۔ عمدة القاري: ۴/ ۲۴۷

آپ نے یہ کام کرنا ہے(۱)۔

قولہ: "قال عتبان: فغدا"، اس سے پہلے تک کی عبارت "محمود" راوی کی تھی اور اس کے بعد کی مکمل روایت حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہی زبانی ہے، اس اعتبار سے اب سے پہلے تک کی روایت ان کی مراسیل میں شمار ہوگی، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے یہ بھی حضرت عتبانؓ سے ہی سنی ہوگی مگر بیان حوالے کے بغیر ہی کر دی(۲)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کتنے صحابہ تشریف لائے؟

قولہ: "فغدا رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبو بكر"، اس روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تشریف لائے، یہاں تک کہ اوزاعی کی روایت کے مطابق حضرت عتبانؓ نے اس بات کو بتاتے ہوئے ان دونوں حضرات کے لیے تثنیہ کا صیغہ اور تثنیہ کی ہی ضمیر استعمال کی، یعنی: "فاستأذنا فأذنت لهما"(۳)۔

لیکن دیگر روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھی تشریف لانے کا ذکر ملتا ہے(۴)۔

---

(۱)فتح الباري: ۱/٦٧٤، عمدة القاري: ٤/ ٢٤٧

(۲)فتح الباري: ۱/٦٧٤۔

(۳)فتح الباري: ۱/٦٧٤، عمدة القاري: ٤/ ٢٤٧

(٤)حدثنا مطلب بن شعيب الأزدي، ثنا عبد الله بن صالح، حدثني الليث، عن عقيل ـ ح ـ وحدثنا عمرو بن أبي الطاهر بن السرح المصري، ثنا محمد بن عزيز الأيلي، ثنا سلامة بن روح، عن عقيل، أخبرني محمد بن مسلم، أن محمود بن الربيع الأنصاري، أخبره أن عتبان بن مالك، وهو من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ممن شهد بدرا من الأنصار أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله! إني قد أنكرت بصري وإني أصلي بقومي، فإذا كانت الأمطار سال الوادي بيني وبينهم، فلم أستطع أن آتي مسجدهم فأصلي لهم، فوددت يا رسول الله! أن تصلي في مصلى أتخذه مصلى، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سأفعل إن شاء الله فقال عتبان: **فغدا رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبو بكر وعمر حيث ارتفع النهار**،............. (المعجم الكبير للطبراني، عتبان بن مالك الأنصاري، رقم الحديث: ١٤٧٦٢)

طبرانی کی روایت میں "في نفر من أصحابه" کے الفاظ ہیں (۱)۔

ایک اور روایت میں "فأتاني ومن شاء الله من أصحابه" کے الفاظ ہیں (۲)۔

ان مختلف روایات میں شارحین نے تطبیق اس طرح دی ہے کہ ابتداء میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ بھی ساتھ مل گئے (۳)۔

فلم يجلس حتى دخل البيت، ثم قال: أين تحب أن أصلي من بيتك؟ قال: فأشرت إلى ناحية من البيت، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فكبر، فقمنا فصففنا، فصلى ركعتين ثم سلم،

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں داخل ہوئے تو تشریف فرما نہیں ہوئے، اور دریافت

---

(١) حدثنا محمد بن العباس المؤدب، ثنا محمد بن بكير الحضرمي، ثنا عامر بن يساف، عن سعيد بن أبي عروبة، عن قتادة، عن النضر بن أنس، عن أنس قال: لما أصيب عتبان بن مالك في بصره، بعث إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، أحب أن تأتيني فتصلي في بيتي، وتدعو لنا بالبركة، **فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم في نفر من أصحابه،** فدخلوا عليه، فتحدثوا بينهم فذكروا مالك بن الدخشم، فقال بعضهم: يا رسول الله! ذاك كهف المنافقين ومأواهم، فأكثروا فيه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أوليس يصلي؟ قالوا: نعم يا رسول الله! صلاة لا خير فيها، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نهيت عن قتل المصلين، مرتين. (المعجم الكبير للطبراني، عتبان بن مالك الأنصاري، رقم الحديث: ١٤٧٥٣)

(٢)حدثنا شيبان بن فروخ، حدثنا سليمان يعني ابن المغيرة، قال: حدثنا ثابت، عن أنس بن مالك، قال: حدثني محمود بن الربيع، عن عتبان بن مالك، قال: قدمت المدينة، فلقيت عتبان، فقلت: حديث بلغني عنك، قال: أصابني في بصري بعض الشيئ، فبعثت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أني أحب أن تأتيني فتصلي في منزلي، فأتخذه مصلى، قال: **فأتى النبي صلى الله عليه وسلم، ومن شاء الله من أصحابه،** فدخل وهو يصلي في منزلي وأصحابه يتحدثون بينهم، ثم أسندوا عظم ذلك وكبره إلى مالك بن دخشم، قالوا: ودوا أنه دعا عليه فهلك، ودوا أنه أصابه شر، فقضى رسول الله صلى الله عليه وسلم الصلاة، .... (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب: من لقي الله بالإيمان، رقم الحديث: ٣٣)

(٣)فتح الباري: ١/٦٧٤۔ عمدة القاري: ٤/ ٢٤٧

فرمایا کہ تم اپنے گھر میں کس جگہ چاہتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کر دیا، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور (نماز شروع کرنے کے لیے تکبیر، یعنی:) اللہ اکبر کہا، ہم بھی کھڑے ہو گئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (اپنے پیچھے ایک) صف میں کھڑا کر لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیرا۔

دو مختلف مقامات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف عمل

قولہ: "فلم یجلس"، حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لانے والے واقعہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں بیٹھے نہیں بلکہ گھر میں پہنچتے ہی دریافت فرمایا کہ بتاؤ گھر کے کس حصے میں مجھ سے نماز پڑھوانا چاہتے ہو۔

جب کہ آپ علیہ السلام نے حضرت ام سلیم کے گھر میں بھی ایک بار اسی طرح نماز ادا فرمائی تھی تو وہاں پہنچتے ہی نماز نہیں ادا کرنے لگ گئے تھے بلکہ وہاں پہلے کھانا کھایا تھا پھر نماز ادا فرمائی تھی۔

تو دونوں واقعات میں عمل کے فرق کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لانے کا مقصد وہاں نماز ادا کرنا ہی تھا، لہٰذا وہاں پہنچتے ہی مقصد اصلی کو مکمل کیا اس کے بعد ضمناً کھانا بھی تناول فرما لیا۔

اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی طرف سے تو دعوت ہی کھانے کی ملی تھی، لہٰذا ان کے گھر پہنچ کر پہلے کھانا کھایا پھر ضمناً ان کی درخواست پر برکت کے لیے نماز بھی ادا کر لی گئی (۱)۔

حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کو تو گھر نماز کی ادائیگی کی اجازت نہیں ملی تھی، پھر ان کو کیسے مل گئی؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر میں نماز ادا کی کی اجازت طلب کی تھی اور حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی اجازت طلب کی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اجازت مرحمت نہیں فرمائی اور انہیں اجازت عطا فرما دی، اس فرق کی کیا وجہ ہے؟

(۱) فتح الباري: ۱/۶۷٤، عمدة القاري: ٤/ ۲٤۷

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابن ام مکتومؓ پیدائشی نابینا تھے، ایسے بندے کی حسیات بہت تیز ہوتی ہیں، ان کے لیے آنا جانا مشکل نہیں تھا، آسان تھا، اس لیے انہیں اجازت نہیں دی، بخلاف ان کے کہ یہ پیدائشی نابینا نہیں تھے، پہلے بینائی کمزور ہوئی، پھر یہ ضعف بصر بڑھتا گیا، تو ان کے لیے زیادہ مشقت تھی، اس لیے انہیں اجازت مل گئی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ابن ام مکتومؓ نے مسجد نبوی سے تخلف کی اجازت طلب کی تھی اور انہوں نے مسجد محلّہ سے تخلف کی اجازت لی تھی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ابن ام مکتومؓ کا تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بنسبت حضرت عتبان بن مالکؓ کے زیادہ تھا، اس لیے اُنہیں اجازت نہیں ملی۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ سورہ عبس کے نزول کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابن ام مکتومؓ کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، اس کی بنا پر انہیں اپنے سے دور کرنے کو مناسب خیال نہیں کیا ہوگا۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ ابن ام مکتومؓ کو عزیمت پر عمل کرنے کی دعوت دی اور حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کو رخصت پر عمل کی اجازت دی۔

قولہ: "حتی دخل"، یہ کشمیهني کی روایت ہے، دیگر روایات میں حین دخل کے الفاظ بھی ملتے ہیں، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں داخل ہونے تک کسی اور جگہ نہیں بیٹھے، بلکہ سیدھے ان کے گھر تشریف لے گئے (۱)۔

قال: وحسبناه علی خزیرة صنعناها له،

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حلیم (کھانے) کی لیے روک لیا، جو ہم نے (خاص طور سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تیار کیا تھا۔

قولہ: "حبسناه"، اس کے معنی ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس لوٹنے سے روک لیا (۲)۔

"خزیرة" کے معنی

قولہ: "خـزیـرة"، "خ" کی فتحہ اور "ز" کی کسرہ کے ساتھ عربوں کے ایک قسم کے کھانے کا نام ہے،

(۱) فتح الباري: ۱/۶۷٤، عمدة القاري: ٤/ ۲٤۷

(۲) فتح الباري: ۱/۶۷٤، عمدة القاري: ٤/ ۲٤۷

جسے پکانے کا طریقہ یہ تھا: گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیے جاتے تھے اور پھر اسے پانی میں پکایا جاتا تھا، جب خوب پک جاتا تو اوپر سے آٹا چھڑک دیا جاتا تھا(۱)۔

قال: فثاب في البيت رجال من أهل الدار ذوو عدد، فاجتمعوا، فقال قائل منهم: أين مالك بن الدُّخَيْشِن أو ابنُ الدُّخشُنِ؟ فقال بعضهم: ذلك منافق لا يحب الله ورسوله،

حضرت عتبان نے کہا کہ پھر محلّہ کے کئی آدمی گھر آ کر جمع ہو گئے، پھر ان میں سے کسی کہنے والے نے کہا کہ مالک بن دخیشن یا مالک بن دخشن کہاں ہے؟ تو ان میں سے کسی نے کہا کہ وہ تو منافق ہے، اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں رکھتا،

قولہ:"فثاب في البيت رجال" ،عام طور پر دستور یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی بزرگ کسی جگہ تشریف لائیں تو لوگ اس کی زیارت، مصافحے اور ملاقات کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ تو یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کے گھر میں لوگ جمع ہو گئے۔ اور کیوں نہ ہوتے؟! وہاں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبوب ترین ہستی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔

"فثاب" کے معنی: جمع ہونے اور آنے کے ہیں(۲)۔

قولہ:"من أهل الدار"، اس سے مراد "محلّہ" ہے، جیسا کہ ایک اور حدیث مبارکہ میں بھی "دار" سے مراد محلّہ لیا گیا ہے(۳)۔

قولہ:"فقال قائل منهم"، یہ کہنے والا کون تھا، اس بارے میں تصریح نہیں ملتی۔

---

(۱)فتح الباري: ۱/۶۷۵، عمدة القاري: ٤/ ۲٤۷

(۲)عمدة القاري: ٤/ ۲٤۹

(۳)عمدة القاري: ٤/ ۲٤۹

عن أبي أسيد الساعدي، قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كير دور الأنصار بنو النجار، ثم بنو عبد الأشهل، ثم بنو الحارث بن الخزرج، ثم بنو ساعدة، وفي كل دور الأنصار خير. (المسند لأحمد بن الحنبل، حديث أبي أسيد الساعدي، رقم الحديث: ١٦٠٤٩)

صحیح لفظ ''الدُّخَیْشِن '' نہیں، بلکہ ''الدُّخَیْشِم '' ہے

قولہ: "ابن الدُّخَیْشِن أو ابنُ الدُّخشُنِ"، ان دونوں اسماء کے درمیان کلمہ "أو" کا مطلب یہ ہے کہ راوی حدیث کو شبہ ہو گیا یہ اسم تصغیر کے ساتھ ''الدُّخَیْشِن '' ہے یا تصغیر کے بغیر ''الدُّخشُنِ ''۔

تو اس بارے میں جان لیجیے کہ ان اسماء میں یہ دونوں لغات ہی صحیح نہیں ہیں، کیونکہ صحیح لفظ "ابن الدُّخَیْشِم أو ابنُ الدُّخشُمِ" ہے۔ یعنی: نام کے آخر میں "میم" ہے نہ کہ "نون"۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں "مالك بن دخشم" مذکور ہے۔ اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے بھی احمد بن صالح سے نقل کیا ہے کہ صحیح "میم" کے ساتھ ہے، یعنی: "دخشم" (۱)۔

قولہ: "فقال بعضهم"، اس قائل کے بارے میں یہ بات ملتی ہے کہ یہ راوی حدیث ''حضرت عتبان'' تھے۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ''التمہید'' میں یہ بات ذکر کی ہے کہ وہ شخص جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منافقین میں سے کسی آدمی کے قتل کرنے کے بارے میں سرگوشی کی، وہ ''عتبان'' تھے۔ اور وہ شخص جس کی طرف نفاق کا اشارہ کیا گیا وہ ''مالک بن دخشن'' تھے (۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ اس بات کے ذکر کرنے کے بعد حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث مبارکہ ذکر کرتے ہیں، حالانکہ ان کے اس دعوی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے والے شخص ''عتبان'' تھے، پر کوئی دلیل نہیں ہے (۳)۔

ابن حجر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ ''المغازی لابن اسحاق'' میں یہ بات مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک (بن دخشم) اور معن بن عدی رضی اللہ عنہما کو مسجد ضرار جلانے کے لیے بھیجا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں حضرات کو منافقین کی بنائی گئی مسجد کو آگ لگانے کے لیے بھیجا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں حضرات نفاق کی تہمت سے بری ہیں۔

---

(۱) فتح الباري: ۱/۶۷۵، عمدة القاري: ٤/ ۲٤۹

(۲) وأما الرجل الذي سار رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو عتبان بن مالك) الرجل المتهم بالنفاق والذي جرى فيه هذا الكلام هومالك بن الدخشم. (التمهيد لابن عبد البر، تابع حرف الميم، تابع لمحمد بن شهاب الزهري، الحديث السابع والثلاثون: ۱۰/۱٤۹)

(۳) فتح الباري: ۱/۶۷۵، عمدة القاري: ٤/ ۲٤۹

یا پھر جس نفاق کی ان کی طرف تہمت لگائی گئی تھی وہ ''نفاق'' کفر والا نفاق نہیں تھا، تو پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اسے اوپرا سمجھنا اس لیے تھا کہ یہ منافقین کے ساتھ کچھ تعلقات رکھتے تھے، جس کی بنا پر انہیں بھی منافقین کی صف میں شامل سمجھا گیا۔ حالانکہ مدینہ میں بسنے والے منافقین قبیلہ اوس وخزرج میں سے ہی تھے، لہٰذا ان کے ساتھ سماجی تعلقات تو تھے ہی، نیز! اس کے علاوہ ایک اور بات کا احتمال ہے کہ اس وقت ہر منافق شخص کی حالت نفاق سب پر کھلی ہوئی نہیں تھی، لہٰذا عین ممکن ہے کہ حضرت مالک بن دخشم کے جن سے تعلقات تھے وہ ان کی نظر میں منافق نہیں تھے اور وہ دوسروں کی نظروں میں منافق تھے(۱)۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک اور جواب لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ ان تعلقات کے حوالے سے ان کا ''حاطب (بن ابی بلتعہ'') کی طرح کوئی عذر ہو(۲)۔

---

(۱)فتح الباري: ۱/۶۷۵

(۲)فتح الباري: ۱/۶۷۵

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنے اس قول میں ''حاطب بن ابی بلتعہ'' کے جس عذر کی طرف اشارہ کیا ہے، اس سے مراد وہ قصہ ہے جس میں ''حاطب بن ابی بلتعہ'' نے غزوہ احد کے موقع پر مشرکینِ مکہ کی طرف جنگ کی خبر پہنچانے کی کوشش کی تھی، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اجازت چاہی کہ اے اللہ کے رسول! ان کی گردن اُڑا دی جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں وہ اصحاب بدر میں سے ہے، جن کے سب گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما چکے ہیں۔ اور انہوں نے اطلاع بھیجنے میں یہ عذر بیان کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول! یہ وجہ ہرگز نہیں تھی کہ اللہ اور اس کے رسول پر میرا ایمان باقی نہیں رہا تھا، بلکہ میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ قریش پر اس طرح ایک احسان ہو جائے گا جس کی وجہ سے وہ وہاں میرے اہل وعیال کی حفاظت کریں گے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس قول کی تصدیق فرمائی اور انہیں بری قرار دیا۔

پورے قصہ کو افادہ عام کی خاطر ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے۔

عن علي رضي الله عنه قال بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبا مرثد الغنوي والزبير بن العوام وكلنا فارس، قال: انطلقوا حتى تأتوا روضة خاخ، فإن بها امرأة من المشركين معها كتاب من حاطب بن أبي بلتعة إلى المشركين، فأدركناها تيسير على بعير لها حيث قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلنا: الكتاب؟ فقالت: ما معنا كتاب، فأنضناها، فالتمسنا، فلم نر كتاباً، فقلنا: ما كذب رسول الله صلى الله عليه وسلم، لتخرجن الكتاب أو لنجردنك، فلما رأت الجد أهوت إلى حجزتها وهي محتجزة بكساء، فأخرجته فانطلقنا بها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فقال عمر: يا رسول الله! قد كان الله ورسوله والمؤمنين،=

الغرض یہ بات یقینی ہے کہ حضرت مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ منافق نہیں تھے، ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی براءت نہ کرتے۔

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تقل ذلك، ألا تراه قد قال: لا إله إلا الله، يريد بذلك وجه الله. قال: الله ورسوله أعلم، قال: فإنا نرى وجهه ونصيحته إلى المنافقين، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فإن الله قد حرم على النار من قال لا إله إلا الله، يبتغي بذلك وجه الله.

تو رسول اللہ نے فرمایا: ایسا مت کہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ محض اللہ کی رضا کے لیے ''لا الہ الا اللہ'' کہتا ہے۔ تو اس شخص نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، ہم تو اس کی توجہ اور ہمدردی منافقوں کے ساتھ دیکھتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص پر جہنم کو حرام کر دیا ہے جو اللہ کو راضی کرنے کی غرض سے ''لا الہ الا اللہ'' کہے۔

قولہ: "فإنا نرى وجهه"، اس جملے میں "وجهه" سے مراد ''توجہ'' ہے، یعنی ہم اس کی توجہ کو منافقین کی طرف دیکھتے ہیں(۱)۔

قولہ: ''ونصيحته إلى المنافقين"، علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر یہاں کوئی اشکال کرے کہ اس جملہ میں "نصيحته" کا صلہ "إلى" درست نہیں، کیونکہ اس کا صلہ "لام" استعمال ہوتا ہے "إلى" نہیں۔ تو

= فدعني فلأضرب عنقه، فقال النبي صلى الله عليه وسلم ما حملك على ما صنعت؟ قال حاطب: والله ما بي أن لا أكون مؤمنا بالله ورسوله صلى الله عليه وسلم، أردت أن يكون لي عند القوم يد يدفع الله بها عن أهلي ومالي وليس أحد من أصحابك إلا له هناك من عشيرته من يدفع الله به عن أهله وماله، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: صدق، ولا تقولوا له إلا خيرا، فقال عمر: إنه قد خان الله ورسوله والمؤمنين، فدعني فلأضرب عنقه، فقال: أليس من أهل بدر، فقال: لعل الله اطلع إلى أهل بدر، فقال: اعملوا ما شئتم، فقد وجبت لكم الجنة أو فقد غفرت لكم، فدمعت عينا عمر، وقال: الله ورسوله أعلم.(صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب: فضل من شهد بدرا، رقم الحديث: ٣٩٨٣)

(١)فتح الباري: ١/٦٧٦، عمدة القاري: ٤/ ٢٥٠

اس کا جواب یہ ہے کہ "نصح" اس مقام پر "إلی" کے معنی کو متضمن ہے(۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ کرمانی رحمہ اللہ کا جواب نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس جملہ "إلی المنافقین" کو "وجهه" کے ساتھ متعلق کیا جائے تو کوئی اشکال نہیں، کیونکہ "وجهه" کا صلہ "إلی" استعمال ہوتا ہے، اور اس صورت میں "نصیحته" کا صلہ محذوف سمجھ لیا جائے تو بات درست ہو جائے گی(۲)۔

اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ نے حافظ صاحب کا بھی رد کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ اتنی بات کافی ہے کہ اس جملہ میں "إلی المنافقین" کو "وجهه" کے ساتھ متعلق کر دیا جائے اور اس پر "نصیحته" کا عطف ڈال دیا جائے، اس کے بعد مزید یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ "نصیحته" کا صلہ محذوف سمجھ لیا جائے تو بات درست ہو جائے گی۔ کیونکہ معطوف تو معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اس لیے معطوف کے لیے الگ سے صلہ محذوف نکالنے کی حاجت نہیں ہے(۳)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

اگر ان حضرات نے ان کے نہ آنے پر غصہ کی وجہ سے یہ بات کہی تو اس میں کوئی بات نہیں، غصہ میں ایسا ہو ہی جاتا ہے، اور اگر غصہ نہ تھا، بلکہ واقع میں ایسا سمجھ کر کہا تو انہیں معلوم نہ ہوگا اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے معلوم ہو گیا ہوگا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا تقل ذلك، ألا تراه قد قال: لا إله إلا الله، یرید بذلك وجه الله" فرمایا(۴)۔

قال ابن شهاب: ثم سألتُ الحصين بن محمد الأنصاري، وهو أحد بني سالم، وهو من سراتهم، عن حديث محمود بن الربيع، فصدقه بذلك.

ابن شہاب نے کہا کہ پھر میں نے حصین بن محمد انصاری سے جو کہ قبیلہ بنو سالم کے ایک فرد اور ان کے سرداروں میں سے ہیں، محمود بن ربیع کی اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔

---

(۱) شرح الکرماني: ٤/٨٥

(۲) فتح الباري: ١/٦٧٦

(۳) عمدة القاري: ٤/ ٢٥٠

(٤) تقریر بخاری شریف: ٣/١٥٨

قولہ:"قال ابن شهاب" ، یہاں سے کسی نئی تعلیق کا بیان نہیں ہے، بلکہ یہ قول سابقہ سند کے ساتھ ہی انہوں نے ارشاد فرمایا(۱)۔

لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ تعلیق ہے، کیونکہ "قال ابن شهاب" کی ابتداء کسی حرف عطف کے بغیر ہے(۲)۔

قولہ:"قال ابن شهاب: ثم سألتُ"، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''سوال کی وجہ یہ ہے کہ روایت سے بظاہر اہمالِ عمل سمجھ میں آتا ہے اور دوسری روایات عمل چاہتی ہیں تو انہوں نے سوال کیا کہ آیا یہ صحیح محفوظ ہے یا نسیان کا طریان ہوگیا''(۳)۔

قولہ: "من سراتهم"، یہ جمع ہے اس کی واحد "سري" ہے، اس کے معنی: "من خيارهم" ، قوم کے سرداروں میں سے ایک(۴)۔

روایتِ باب میں محمود بن الربیع کی حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے سماع کی صراحت نہیں ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسری سند لاکر محمود بن الربیع کی حدیث کی تصدیق کروائی، صحیحین کے علاوہ اس حدیث کے دوسرے طریق میں محمود بن الربیع کی حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح ہے(۵)۔

روایت کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ومطابقت پوری طرح واضح ہے کہ ترجمۃ الباب اور روایت دونوں میں اپنے گھر میں قائم کی جانے والی مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کا ذکر ہے(۶)۔

---

(۱)فتح الباري: ۶۷۶/۱

(۲)عمدة القاري: ۴/ ۲۵۰

(۳)تقرير بخاری شريف: ۱۵۸/۲

(۴)فتح الباري: ۶۷۶/۱۔عمدة القاري: ۴/ ۲۵۰

(۵)عمدة القاري: ۴/ ۲۵۱

(۶)عمدة القاري: ۲۴۶/۴

حدیث مبارکہ سے مستنبط فوائد واحکام

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سارے فوائد واحکامات معلوم ہوتے ہیں، جن میں سے کچھ ذیل میں نقل کیے جارہے ہیں۔

۱۔عذر کی وجہ سے جماعت سے پیچھے رہ جانا اور گھر میں اپنی نماز پڑھ لینا جائز ہے(۱)۔

۲۔نیک لوگوں سے کسی جگہ نماز پڑھوانے کے ساتھ برکت حاصل کرنا جائز ہے(۲)۔

۳۔حصول برکت کی غرض سے کسی کو اپنے ہاں بلایا جائے تو اس بھی چاہیے کہ اس دعوت کو قبول کرے(۳)۔

۴۔مذکورہ حدیث سے عہد کی پاسداری کا بھی علم ہوتا ہے(۴)۔

۵۔جب گھر میں کسی صالح بندے یا عالم وغیرہ کو بلایا جائے تو اس کا کھانے پینے والی کسی چیز سے اکرام بھی کرنا چاہیے(۵)۔

۶۔یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حاکم کے سامنے کسی فاسق وغیرہ کے بارے میں خبر دینا جائز ہے(۶)۔

۷۔یہ بھی معلوم ہوا کہ جب جماعت کا وقت ہو اور نمازیوں میں سے کوئی غائب ہو تو امام کو چاہیے کہ اس کے بارے میں پوچھ گچھ کرے(۷)۔

۸۔یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی چھوٹے کے لیے اپنے بڑے کو کسی مصلحت کی غرض سے اپنے پاس بلانے میں کوئی بے ادبی یا حرج نہیں ہے(۸)۔

۹۔اہل خانہ کی رضامندی اور اجازت سے مہمان کا میزبان کے گھر میں جماعت کروانا جائز ہے(۹)۔

(۱)شرح الکرمانی: ٨٦/٤، عمدة القاري: ٢٥١/٤

(۲)شرح الکرمانی: ٨٦/٤، التوضيح لابن الملقن: ٤٤٢/٥، عمدة القاري: ٢٥١/٤

(۳)شرح الکرمانی: ٨٦/٤، التوضيح لابن الملقن: ٤٤٢/٥، عمدة القاري: ٢٥٢/٤

(٤)شرح الکرمانی: ٨٦/٤، عمدة القاري: ٢٥٢/٤

(٥)شرح الکرمانی: ٨٦/٤، عمدة القاري: ٢٥٢/٤

(٦)شرح الکرمانی: ٨٦/٤، التوضيح لابن الملقن: ٤٥٥/٥، عمدة القاري: ٢٥٢/٤

(٧)شرح الکرمانی: ٨٦/٤، التوضيح لابن الملقن: ٤٥٥/٥، عمدة القاري: ٢٥٢/٤

(٨)شرح الکرمانی: ٨٦/٤، التوضيح لابن الملقن: ٤٤٦/٥، عمدة القاري: ٢٥٢/٤

(٩)شرح الکرمانی: ٨٦/٤، التوضيح لابن الملقن: ٤٥٣/٥، عمدة القاري: ٢٥١/٤

۱۰۔ کسی کے گھر میں داخل ہونے کے اجازت لینی چاہیے، اگر چہ آنے والا بلاوے پر ہی کیوں نہ آیا ہو(۱)۔

۱۱۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کہیں کوئی بزرگ شخصیت آئی ہو تو اس کی زیارت اور ملاقات کے لیے حاضر ہونا چاہیے(۲)۔

۱۲۔ گھر کے اندر ہی کسی جگہ کو نماز کے لیے مستقل کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ بخلاف مسجد کے کہ وہاں کسی نمازی کا ایک ہی جگہ کو مستقل کر لینا مکروہ ہے(۳)۔

۱۳۔ جس شخص کا انتقال توحید پر ہوگا وہ جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا(۴)۔

۱۴۔ نابینا شخص کی امامت کا جواز بھی معلوم ہوا(۵)۔

۱۴۔ مسجد کی نسبت قوم کی طرف کرنے کا جواز بھی معلوم ہوا(۶)۔

۱۵۔ کسی شخص کا اپنے اوپر واقع ہونے والی مصیبت کی خبر دینا شکوہ میں داخل نہیں ہے(۷)۔

۱۶۔ گھر میں مسجد بنانا مباح ہے، لیکن یہ بنائی جانے والی مسجد مسجدِ شرعی نہیں ہوگی، لہٰذا اسے فروخت کرنا جائز ہوگا(۸)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

---

(۱)شرح الكرماني: ٨٦/٤، التوضيح لابن الملقن: ٤٤٦/٥، عمدة القاري: ٢٥٢/٤

(٢)شرح الكرماني: ٨٦/٤، عمدة القاري: ٢٥٢/٤

(٣)شرح الكرماني: ٨٦/٤، التوضيح لابن الملقن: ٤٥١/٥، عمدة القاري: ٢٥١/٤

(٤)شرح الكرماني: ٨٦/٤، عمدة القاري: ٢٥٢/٤

(٥)شرح الكرماني: ٨٦/٤، عمدة القاري: ٢٥١/٤

(٦)شرح الكرماني: ٨٦/٤، عمدة القاري: ٢٥٢/٤

(٧) عمدة القاري: ٢٥١/٤

(٨)التوضيح لابن الملقن: ٤٤٢/٥

۱۵ – باب : اَلتَّيَمُّنِ فِي دُخُولِ الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهِ .

یہ باب مسجد میں دائیں پاؤں کے ساتھ داخل ہونے

اور (دخول مسجد کے علاوہ) دیگر کاموں میں دائیں جانب سے ابتدا کرنے کے بارے میں ہے۔

ترجمۃ الباب کی تشریح

ترجمۃ الباب کی تشریح کرتے ہوئے علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ لفظ "غیــــــرِہ" کا عطف "دخول" پر ہوگا، نہ کہ "مسجد" پر، اور اسی طرح "التیمن" پر بھی عطف نہیں ہوگا (۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی علامہ کرمانی رحمہ اللہ والے قول کو ہی اختیار کیا ہے (۲)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ ان دونوں حضرات کی تحقیق ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس بات کی کوئی وجہ نہیں ہے، کہ لفظ "غیرہ" کا عطف مسجد پر نہ کیا جائے۔ بلکہ اس کا عطف مسجد پر کرنا درست ہے۔ تو اب مطلب یہ ہوگا کہ مسجد ہو یا غیر مسجد، یعنی: گھر وغیرہ، ہر دو جگہ دخول دائیں پاؤں کے ساتھ ہونا چاہیے (۳)۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ بھی یہی بات ارشاد فرماتے ہیں: قولہ: "وغیــرہ"، اس کا عطف دخول پر ہے، اور مسجد پر بھی اس کا عطف ہوسکتا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دخول پر عطف کرنا زیادہ مفید ہے۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک دوسرا احتمال (مسجد پر عطف کرنا) راجح ہے اور غرض یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ امور کے عموم میں مسجد میں جانا بھی شامل ہے، مطلب یہ ہے کہ مسجد کے علاوہ دوسری متبرک جگہوں میں بھی تیمن کا خیال رکھنا چاہیے (۴)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں:

"میں نے ابتدا میں بیان کیا تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے پچپن ابواب مساجد ذکر فرمائے ہیں اور اُن

(۱) شرح الكرماني: ٤/ ٨٦

(۲) فتح الباري: ١/٦٧٨

(۳) عمدة القاري: ٤/ ٢٥٢

(٤) الأبواب والتراجم: ٢/٢١٢

ابواب میں وہ تین چیزیں ذکر کریں گے۔ایک وہ افعال جو مسجد میں کرنے جائز ہیں۔دوسرے آداب مساجد۔ اور تیسرے وہ امور جن کا مساجد میں کرنا احترام کے خلاف ہے۔

تو حضرت امام بخاری نے یہاں یہ ادب ذکر فرمایا کہ مسجد میں داخل ہونے کا ادب یہ ہے کہ دایاں پاؤں پہلے داخل کرے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مسجد متبرک ہے اور دایاں پاؤں مکرم ہے؛ لہٰذا متبرک کے لیے مکرم کو استعمال کرے اور مسجد سے نکلنا اس کے خالف ہے؛ لہٰذا بایاں پاؤں پہلے نکالے''(۱)۔

تعلیق

وَكَانَ ٱبْنُ عُمَرَ يَبْدَأُ بِرِجْلِهِ ٱلْيُمْنَى ، فَإِذَا خَرَجَ بَدَأَ بِرِجْلِهِ ٱلْيُسْرَى .

تعلیق کا ترجمہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مسجد میں داخل ہونے کے وقت پہلے اپنا دایاں پاؤں اندر رکھتے تھے اور جب نکلتے تو پہلے بایاں پاؤں باہر نکالتے تھے۔

تعلیق کی تخریج

امام بخاری رحمہ اللہ نے مرفوعا کوئی روایت پیش نہیں کی، البتہ عمل صحابی اس عمل کے لیے پیش کیا ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تو سنت پر کس شدت سے عمل پیرا ہوتے تھے، وہ اظہر من الشمس ہے، البتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس فعل کی تائید ''المستدرك للحاكم'' کی ایک روایت سے ہوتی ہے(۲)، جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ عمل سنت ہے کہ جب تو مسجد میں داخل ہو تو دائیں پاؤں کے ساتھ داخل ہونے کی ابتدا کرو اور جب نکلو تو بائیں قدم سے نکلنے کی ابتدا کرو۔

اب اسی روایت کو کیوں امام بخاری رحمہ اللہ نے پیش نہیں کیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ان کی

(۱)تقریر بخاری شریف: ۱۵۸/۲، سراج القاری: ۷/۳

(۲) حدثنا أبو حفص عمر بن جعفر المقيد المصري ثنا أبو خليفة القاضي ثنا أبو الوليد الطيالسي ثنا شداد أبوطلحة قال سمعت معاوية بن قرة يحدث عن انس بن مالك أنه كان يقول: ''من السنة إذا دخلت المسجد أن تبدأ برجلك اليمنى، وإذا خرجت أن تبدأ برجلك اليسرىٰ''. هذا حديث صحيح على شرط مسلم. (المستدرك على الصحيحين، كتاب الصلاة: رقم الحديث: ۷۹۱، ۲۱۸/۱)

شرائط کے مطابق نہیں تھی، اس لیے انہوں نے اس کے بجائے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے(۱)۔

شراح نے اپنی کتب میں یہ بات لکھی ہے: ''صحابیٔ رسول کا ''من السنة كذا'' کہنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً ثبوت پر محمول ہوتا ہے(۲)۔

تعلیق کا مقصد

اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کے پاس ان کی شرائط کے مطابق کوئی مرفوع حدیث نہیں تھی، اس لیے انہوں نے یہ اثر صحابی ذکر کر کے اپنے قائم کردہ ترجمہ کا اثبات کیا ہے۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

تعلیق اور ترجمۃ الباب کی مطابقت دونوں کے مضمون سے بالکل ظاہر ہے کہ دونوں میں مسجد میں دخول دائیں پاؤں کے ساتھ ہونا مذکور ہے(۳)۔

حدیث باب

٤١٦ : حدّثنا سُلَيْمانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ : حَدَّثنا شُعْبَةُ ، عَنِ ٱلْأَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ مَسْرُوقٍ ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : (٤) كَانَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ يُحِبُّ ٱلتَّيَمُّنَ مَا ٱسْتَطَاعَ ، فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ ، فِي طُهُورِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَتَنَعُّلِهِ . [ر : ١٦٦]

ترجمہ حدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جتنا ممکن ہوسکتا تھا اتنا اپنے ہر کام میں دائیں جانب سے ابتدا کرنے کو پسند کرتے تھے، مثلاً: طہارت حاصل کرنے میں، اور کنگھی کرنے میں، اور جوتے پہننے میں۔

(١) فتح الباري: ١/٦٧٨

(٢)فتح الباري: ١/ ٦٧٨، عمدة القاري: ٤/ ٢٥٢

(٣)عمدة القاري: ٤/ ٢٥٢

(٤)مر تخريجه تحت الحديث، الرقم: ١٨٦، كشف الباري، كتاب الوضو، باب: التيمن في الوضو والغسل

تراجم الرجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل چھ رجال ہیں:

۱۔سلیمان بن حرب

یہ ''سلیمان بن حرب بن بجیل بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تفصیلی ذکر کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من كره أن يعود في الكفر كما يكره أن يلقى في النار من الإيمان، میں گذر چکا ہے(۱)۔

۲۔شعبہ

یہ ''شعبہ بن الحجاج'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تفصیلی ذکر کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من سلم المسلمون من لسانه ويده، میں گذر چکا ہے(۲)۔

۳۔الأشعث بن سلیم

یہ ''الاشعث بن سلیم'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تفصیلی ذکر کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: التيمن في الوضو والغسل، کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکا ہے(۳)۔

۴۔أبیہ

یہ ''سلیم بن الاسود المحاربی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تفصیلی ذکر کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: التيمن في الوضو والغسل، کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکا ہے(۴)۔

---

(۱) كشف الباري: ۲/۱۰۵

(۲) كشف الباري: ۱/٦٧٨

(۳) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب: التيمن في الوضو والغسل

(٤) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب: التيمن في الوضو والغسل

۵۔مسروق

یہ ''مسروق بن الاجدع بن مالک ہمدانی کوفی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کا تفصیلی ذکر کشف الباری، کتاب الایمان، باب: علامة النفاق ،الحديث الثاني ، میں گذر چکا ہے(۱)۔

۶۔عائشہ

یہ ''ام المؤمنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق''، رضی اللہ عنہا ہیں۔

ان کا تفصیلی ذکر کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، میں گذر چکا ہے(۲)۔

شرح حدیث

عن عائشة قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم يحب التيمن ما استطاع في شأنه كله في طهوره وترجله وتنعله.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جتنا ممکن ہوسکتا تھا اتنا اپنے ہر کام میں دائیں جانب سے ابتدا کرنے کو پسند کرتے تھے، (مثلا:) طہارت حاصل کرنے میں، اور کنگھی کرنے میں، اور جوتے پہننے میں۔

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی تفصیلی شرح کتاب الوضو، باب: التيمن في الوضو والغسل کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکی ہے، وہاں مراجعت کرلی جائے، ذیل میں کچھ ضروری تشریح ذکر کی جاتی ہے۔

قولہ: ''يحب التيمن''، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت تھی، اس لیے اُن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب عادت کا معلوم ہونا قرین قیاس ہے، اب یہ علم کیسے ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ علم خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے ہوجانا بھی ممکن ہے اور ان کا قرائن سے اندازہ کرلینے کے ذریعے بھی ممکن ہے، واللہ اعلم بالصواب (۳)۔

---

(۱) كشف الباري: ۲۸۱/۲

(۲) كشف الباري: ۲۹۱/۱

(۳) فتح الباري: ۶۷۸/۱

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس بات کو سوال وجواب کے انداز میں ذکر کیا ہے کہ محبت تو ایک امر باطنی ہے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس امر باطنی پر کیسے مطلع ہوگئیں؟ تو اس کا وہی جواب ذکر کیا جو اوپر مذکور ہوا۔ (عمدة القاري: ۴/ ۲۵۳)

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کے عموم سے تیمن فی دخول المسجد پر استدلال فرمایا ہے کہ جب ہر چیز کے اندر تیمن کو پسند فرماتے تھے تو مسجد کے اندر داخل ہونا جو ایک متبرک عمل ہے، اس میں بدرجۂ اولی اس کو پسند فرماتے ہوں گے''(۱)۔

قولہ:"ما استطاع"، کلمہ "ما" کے بارے میں علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ "موصولہ" بھی ہو سکتا ہے اور "تیمن" سے بدل بھی ہو سکتا ہے اور "ما دام" کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے(۲)۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس لفظ سے یہ احتمال نکلتا ہے کہ مقصود ان اشیاء سے احتراز کرنا ہے جن کو کرنا شرعی طور پر دائیں ہاتھ سے درست نہیں ہے، مثلا: مسجد سے نکلنا، بیت الخلاء میں داخل ہونا وغیرہ۔ اسی طرح ناپسندیدہ کاموں کو بھی دائیں ہاتھ سے نہیں کیا جائے گا، جیسے: استنجا کرنا، ناک سے بلغم صاف کرنا وغیرہ(۳)۔

قولہ:"في شأنه"، اس جار مجرور کا تعلق "التيمن" کے ساتھ ہوگا، یہ بھی ممکن ہے کہ "المحبة" کے ساتھ متعلق ہو، اور اس کا بھی احتمال ہے کہ ان دونوں کے ساتھ متعلق ہو، تنازع کے طور پر(۴)۔

قولہ:"طُهوره"، یہ لفظ "ط" کی ضمہ کے ساتھ ہے، اس کے معنی طہارت حاصل کرنا ہے، یعنی: وضو کرنا۔ اور "ترجُّله" کے معنی: بالوں میں کنگھی کرنا ہے۔ اور "تنعُّله" کے معنی: پاؤں میں جوتا پہننے کے ہیں۔ "طُهوره"، ترکیبی اعتبار سے "شأنه" سے بدل ہے، بدل البعض من الكل کی قبیل سے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس ترکیبی احتمال پر ایک سوال اور اس کا جواب بھی نقل کیا ہے، کہ اگر اسے بدل البعض من الكل کی قبیل سے قرار دیا جائے تو اس سے بعض امور میں دائیں جانب کا اہتمام کرنا مستحب قرار پائے گا، جب کہ "في شأنه" کی تاکید "كله" کا تقاضا یہ ہے کہ استحباب تمام امور میں ہو نہ کہ بعض امور میں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تخصیص بعد التعمیم ہے۔ اور ان تین امور میں دائیں جانب سے ابتدا کیے جانے کا ان کے شرف اور ان کی اہمیت کی وجہ سے ہے، نیز! اس بدل کو بدل الكل من الكل قرار دیا جائے تو بھی درست ہے، بایں طور کہ "طهور" تمام عبادات کی کنجی ہے، "ترجل" یعنی: کنگھی کرنے کا تعلق سر سے

(۱)الكنز المتواري: ٤/ ١٢٥، الأبواب والتراجم: ٢/٢١٢، تقرير بخاری شريف: ٢/ ١٥٨

(۲)عمدة القاري: ٤/ ٢٥٣

(۳)فتح الباري: ١/٦٧٨

(٤)عمدة القاري: ٤/٢٥٣

ہے۔اور "تنعل" کا تعلق پاؤں کے ساتھ ہے، اور انسان کے تمام احوال یا تو اس کے اوپر والے حصے سے متعلق ہوتے ہیں یا نیچے والے حصے سے، یا اطراف سے، پس ان میں سے ہر حالت سے متعلق اسی کے مثل لفظ ذکر کر دیا، تا کہ تمام احوال کا احاطہ ہو جائے (۱)۔

حدیث مبارکہ کا ترجمۃ الباب سے ربط

اس حدیث مبارکہ کا ترجمۃ الباب سے ربط اس حدیث کے عموم سے ہے، کہ في شأنه كله میں منجملہ دیگر کاموں کے دخولِ مسجد بھی ہے (۲)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

١٦ – باب : هَلْ تُنْبَشُ قُبُورُ مُشْرِكِي ٱلْجَاهِلِيَّةِ ، وَيُتَّخَذُ مَكَانُهَا مَسَاجِدَ .

لِقَوْلِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ : (لَعَنَ ٱللّٰهُ ٱلْيَهُودَ ، ٱتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ) . [ر : ١٣٢٤]

وَمَا يُكْرَهُ مِنَ ٱلصَّلَاةِ فِي ٱلْقُبُورِ .

وَرَأَى عُمَرُ أَنَسَ بْنَ مالِكٍ يُصَلِّي عِنْدَ قَبْرٍ ، فَقَالَ : ٱلْقَبْرَ ٱلْقَبْرَ ، وَلَمْ يَأْمُرْهُ بِالْإِعَادَةِ .

یہ باب اس بارے میں ہے کہ کیا جاہلیت کے مشرکین کی قبروں کو کھودنا اور ان کی جگہ مساجد تعمیر کرنا جائز ہے؟!

کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی کی لعنت ہو یہود پر، اس لیے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں پر مساجد بنالیں۔

اور (یہ باب اس بارے میں ہے کہ) قبرستان میں نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

چنانچہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو (لاعلمی کی وجہ سے) قبر کے پاس نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا، تو "قبر، قبر" کہہ کر تنبیہ کی، البتہ نماز کا اعادہ کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔

ترجمۃ الباب کی تشریح

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، کیا جاہلیت کے مشرکین کی قبروں کو اکھیڑ دیا جائے گا اور ان کی جگہ مسجد بنائی جائے گی؟ "هل تنبش"

(۱) عمدة القاري: ٤/ ٢٥٣

(۲) عمدة القاري: ٤/ ٢٥٢

فرمایا ہے اور "ھل" استفہام کے لیے آتا ہے، جس کے معنی یہ ہوں گے کہ کیا ایسا کیا جاسکتا ہے؟ جواب ہوگا، جی، ایسا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن عام طور پر شراح کی رائے یہ ہے کہ یہاں "ھل" قد کے معنی میں ہے، سوال بنانا اور پھر اس کا جواب نکالنا اس کی ضرورت نہیں ہے۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ھل اتی علی الانسان حین من الدھر میں جس طرح ھل معنی میں قد کے ہے، اسی طرح یہاں بھی ھل معنی میں قد کے ہے(۱)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام زجاج، امام فرّاء اور امام مبرد رحمہم اللہ نے ﴿ھل اتی علی الانسان حین من الدھر﴾ میں "ھل" کو "قد" کے معنی میں بتایا ہے(۲)۔

یہاں بھی اس کو قد کے معنی میں لیا جاسکتا ہے، اب اس کا مطلب یہ ہوگا مشرکین جاہلیت کی قبروں کو تحقیقاً اکھاڑا جائے گا اور وہاں مسجد بنائی جائے گی۔

لیکن حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

شراح کی رائے یہ ہے کہ "ھل" قد کے معنی میں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ روایت میں مسجد نبوی کے بنانے کا ذکر ہے اور اس میں تصریح ہے کہ قبور مشرکین کا نبش کیا گیا تھا، پھر "ھل" کو اپنے اصل معنی میں لینا ہی غلط ہے، اس لیے یہ "قد" کے معنی میں ہے اور میرے نزدیک اپنے اصل معنی میں ہے، جیسا کہ آئندہ بیان کروں گا(۳)۔

لقول النبي صلى الله عليه وسلم: "لعن الله اليهود، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد"(٤).

---

(١)إرشاد الساري: ٨٦/٢

(٢)تنوير المقباس من تفسير ابن عباس، سورة الإنسان، رقم الآية: ١، ٤٩٥/١

معاني القرآن وإعرابه للزجاج، سورة الإنسان، رقم الآية: ١، ٢٥٧/٥

معاني القرآن للفراء، سورة الإنسان، رقم الآية: ١، ٢١٣/٣، دار المصريه

و"هل" تخرج من حد المسألة فتصير بمنزلة "قد" نحو: قوله عز وجل: ﴿هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شيئا مذكورا﴾. المقتضب للمبرد، هذا باب أم، وأو، ٢٨٩/٣، وزارة الأوقاف لجنة إحياء التراث الإسلامي.

(٣)تقرير بخارى شريف: ١٥٨/٢

(۴) یہ تعلیق امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسرے مقامات میں موصولاً نقل کی ہے، ملاحظہ کیجیے:

حدثنا موسى بن إسماعيل، حدثنا أبو عوانة، عن هلال هو الوزان، عن عروة، عن عائشة رضي الله عنها =

ترجمۃ الباب میں ایک بات ذکر کرنے کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے لقول النبي صلى الله عليه وسلم: "لعن الله اليهود، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد"، فرمایا ہے۔

اس سلسلے میں حافظ ابن حجر، علامہ قسطلانی اور ان سے بھی پہلے علامہ کرمانی رحمہم اللہ نے تقریر استدلال کی یہ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی تخصیص کی ہے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی قبور پر مسجد بنانے والوں پر، اس سے معلوم ہوا کہ اگر انبیاء علیہم السلام کی قبور نہ ہوں بلکہ دوسروں کی قبریں مثلاً: کفار کی قبریں ہیں تو نبش کے بعد وہاں مسجد بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبروں پر اگر مسجد بنائی جائے تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو قبر کو باقی رکھتے ہوئے مسجد بنائی جائیگی تو افضاء إلى الشرك لازم آئے گا اور اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبروں کا نبش کیا جائے گا، اس کو اکھاڑا جائے گا تو اہانت لازم آئے گی، برخلاف کفار اور مشرکین کی قبور کے، کہ ان کی نبش میں اہانت کا کوئی سوال نہیں، وہ احترام کی مستحق ہی نہیں ہیں، لہٰذا کفار اور مشرکین کی قبروں کی جگہ پر نبش کے بعد مسجد بنانے میں مضائقہ نہیں ہے، اور صالحین چونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ملحق ہیں، لہٰذا انبیاء کی قبور پر بھی اور صالحین کی قبور پر بھی مسجد بنانے والے مستحق لعنت ہوں گے(۱)۔

سببِ لعنت میں علامہ نووی رحمہ اللہ کی تشریح

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء کرام کے بیان کے مطابق اس ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ کہیں اس تعظیمِ قبر میں مبالغہ ہی نہ کیا جانے لگے اور لوگ اپنے عقیدے میں خلل پیدا کر کے فتنہ میں نہ پڑھ جائیں کہ پھر

= قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في مرضه الذي لم يقم منه: لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد، لولا ذلك أبرز قبره غير أنه خشي - أو خشي - أن يتخذ مسجدا. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب: ما جاء في قبر النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ١٣٩٠)، وأيضا بهذا السند حدثنا الصلت بن محمد، حدثنا أبو عوانة، عن هلال الوزان، عن عروة بن الزبير، عن عائشة رضي الله عنها، قالت: .... (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب: مرض النبي صلى الله عليه وسلم ووفاته، رقم الحديث: ٤٤٤١)

(١)شرح الكرماني: ٤/، ٨٨، فتح الباري: ٦٧٩/١، ارشاد الساري: ٨٧/٢

یہی چیز کفر وشرک تک لے جاتی ہے۔جیسا کہ سابقہ امتوں میں ہوتا رہا(۱)۔

سببِ لعنت میں ملاعلی قاری رحمہ اللہ کی تشریح

ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سببِ لعنت یا تو یہ تھا کہ یہود قبورِ انبیاء پر تعظیمی سجدہ کرتے تھے، جو شرک جلی تھا۔یا یہ تھا کہ وہ خدا کی نماز بھی مقابرِ انبیاء ہی میں ان کی قبور کی طرف توجہ کر کے پڑھتے تھے کہ عبادت خدا کی اور تعظیم انبیاء کی، دونوں ایک ساتھ انجام دیں، جو شرف خفی تھا، کیونکہ دونوں میں حدود واذن خداوندی سے متجاوز ہوگئی تھی، اس کو ہمارے ائمہ میں سے بعض شارحین نے ذکر کیا ہے(۲)۔

سببِ لعنت میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی تشریح

لیکن حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے استدلال کی جو تقریر فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے تشبه بعبادة الاصنام کی وجہ سے۔اور تشبہ جب لازم آئے گا جب قربانی ہوگی۔

لہٰذا جب صالحین اور انبیاء کی قبریں ہیں اور ان کو برابر کر دیا جائے، یا یہ کہ ان کی عظام کو نکال کر ادب واحترام کے ساتھ کسی دوسرے مقام میں دفن کر دیا جائے تو پھر وہاں بھی مسجد بنانا جائز ہے اور جہاں تک تعلق ہے مشرکین کی قبر کا تو اس میں نبش متعین اور مقرر ہے، ان کی ہڈیاں نکال کر پھینک دی جائیں گی اور وہاں پر مسجد بنالی جائے گی(۳)۔

علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے ”مراقی الفلاح“ کے حاشیے میں یہ لکھا ہے کہ میزاب رحمت کے نیچے حجر کی جو جگہ ہے، وہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر ہے اور حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ستر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی قبریں ہیں، لیکن چونکہ زمین برابر ہوگئی ہے اور قبر کا نشان باقی نہیں رہا ہے، لہٰذا مسجد وہاں ہے اور اس میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں ہے(۴)۔

---

(١)شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلوٰة، باب: النهي عن بناء المسجد على القبورواتخاذ الصور: ١٣/٥

(٢)مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة: ٣٨٩/٢

(٣)لامع الدراري: ١٦٥/١

(٤)حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٣٥٦، ٣٥٧وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة: ٣٨٩/٢

سبب لعنت میں حضرت کشمیری رحمہ اللہ کی تشریح

اس کے علاوہ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے نکتے کی ایک بات بتائی کہ وما یکرہ من الصلوٰۃ في القبور میں "ما" موصولہ اور اگر "من" بیانیہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قبرستان میں نماز مکروہ ہے، لیکن "من" کو اگر تبعیضیہ لیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امام بخاری رحمہ اللہ صلوٰۃ فی القبر کی کراہت کو بیان کر رہے ہیں کہ اگر بالکل سامنے ہوگی تو کراہت زیادہ شدید ہوگی اور اگر قبر دائیں جانب ہوگی تو سامنے کے مقابلے میں کراہت کم ہو جائے گی اور بائیں جانب ہوگی تو دائیں جانب کے مقابلے میں اور کم ہو جائے گی، اور اگر پیچھے ہوگی تو پھر کراہت ہی نہیں ہوگی (۱)۔

سبب لعنت میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تشریح

قولہ: "لعن الله اليهود": بعض روایتوں میں نصاریٰ کا بھی ذکر آیا ہے۔ وہاں اشکال ہوتا ہے کہ نصاریٰ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام کی تو قبر ہی نہیں ہے، پھر ان پر "اتخذوا قبور أنبيائهم ......" کیسے صادق علیہ السلام نے لعنت کی؟

کسی نے یہ جواب دیا کہ یہود جن انبیاء سابقین مثلاً: ابراہیم علیہ السلام وغیرہ کو مانتے تھے، نصاریٰ بھی قریب قریب ان سب کو مانتے تھے، تو ان کی قبور کے ساتھ ایسا کرتے ہوں گے۔

لیکن صحیح جواب یہ ہے کہ مسلم کی روایت میں ایک لفظ زائد ہے، "قبور أنبيائهم وصلحائهم"، بس اب کوئی اشکال باقی نہیں رہتا، آخر صالحین ان کے ہاں بھی تھے، ان کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہوں گے۔ واللہ اعلم (۲)

سبب لعنت میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی تشریح

اس سے استدلال اس طرح ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کی قبور کو مساجد بنانے والوں پر لعنت فرمائی ہے تو مشرکین کا کیا حال ہوگا، لہٰذا اگر وہاں مسجد بنانے کی ضرورت ہو تو مشرکین کی قبور کا نبش کیا جائے گا (۳)۔

---

(۱) فيض الباري: ۳۸/۲

(۲) فضل الباری: ۱۳۹/۳، ۱۴۰

(۳) تقریر بخاری شریف: ۱۵۸/۲

قبر کے سامنے نماز پڑھنے کا حکم

احناف کا مذہب

احناف کے نزدیک قبرستان میں اگر نماز کے لیے الگ کوئی جگہ بنائی گئی ہو، یعنی: متعین کی گئی ہو، اور اس جگہ کوئی قبر نہ ہو اور نہ وہاں کوئی نجاست ہو، اور نہ نمازی کے سامنے کوئی قبر ہو، یعنی: نمازی کا قبلہ قبر کی جانب نہ ہو تو ایسی جگہ نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ اور اگر قبر دائیں، یا بائیں، یا پیچھے ہو، یا آگے ہونے کی صورت میں سترہ کے سامنے نماز پڑھے تو بھی کوئی کراہت نہیں ہے۔ اور بغیر کسی حائل کے قبر کو سامنے رکھ کر نماز پڑھنا درست نہیں (۱)۔

مالکیہ کا مذہب

مالکیہ کے نزدیک قبرستان میں نماز ادا کرنا جائز ہے، چاہے وہ قبرستان آباد ہو، یا آباد نہ ہو، بلکہ مٹا ہوا ہو، اس میں سے قبور کو اکھیڑ کر مردوں کو نکال دیا گیا ہو، یا نہ نکالا گیا ہو، وہ قبرستان کسی مسلمان کا ہو، یا مشرکین کا، بہر صورت نماز ادا کرنا جائز ہے (۲)۔

حنابلہ کا مذہب

حنابلہ کے نزدیک قبرستان میں نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے، خوہ قبرستان پرانا ہو یا نیا ہو، وہاں سے مردوں

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في تعريف الإعادة: ۴۲۵/۲، دار عالم الكتب

البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۱/۲

فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، ۲۹/۱

الموسوعة الفقهية الكويتية، حرف الميم، المقبرة، الصلاة في المقبرة: ۳۴۶/۳۸

فضل الباری: ۱۳۹/۳

(۲) المدونة الكبرى، كتاب الصلاة، الصلاة في المواضع التي تكره فيها الصلاة: ۱۸۲/۱

مناهج التحصيل ونتائج لطائف التأويل في شرح المدونة وحل مشكلاتها، كتاب الصلاة، المسألة التاسعة في الموضع الذي تجوز فيه الصلاة وما تكره فيه الصلوات، ۳۲۹/۱، ۳۳۰

الثمر الداني شرح رسالة ابن أبي زيد القيرواني، باب: طهارة الماء والثوب والبقعة وما يجزئ من اللباس في الصلاة، ص: ۳۵

الموسوعة الفقهية الكويتية، حرف الميم، المقبرة، الصلاة في المقبرة: ۳۴۶/۳۸

کو نکال دیا گیا ہو یا نہ نکالا گیا ہو، ان سے منقول ہے کہ قبروں کے گرد و نواح میں آنے جو جگہ بھی قبرستان کے نام کے تحت آتی ہے، وہاں نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

عندالحنابلہ قبرستان کی تعریف

البتہ! قبرستان کی تعریف میں حنابلہ سے منقول ہے کہ جہاں تین سے زیادہ قبریں ہوں وہ تو قبرستان کہلائے گا، لیکن اگر قبریں تین سے کم ہوں تو اسے قبرستان کا نام نہیں دیا جائے گا اور وہاں نماز ادا کرنا جائز ہوگا۔

اسی طرح اگر گھر کے اندر تدفین کی گئی ہو تو وہاں بھی نماز ادا کرنا جائز ہے، اگرچہ وہاں تین سے زیادہ قبریں ہوں، کیونکہ اسے بھی قبرستان کا نام نہیں دیا جاتا (۱)۔

شوافع کا مذہب

شوافع کے نزدیک اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے، ان کے نزدیک اگر قبرستان سے مردوں کی لاشیں نکال دی گئی ہوں تو اس جگہ نماز ادا کرنا بالاتفاق (عندالشوافع) صحیح نہیں ہے، کیونکہ زمین کے ساتھ مردوں کی پیپ وغیرہ ملی ہوئی ہوتی ہے، یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس قبرستان والی زمین پر کوئی کپڑا بچھائے بغیر نماز ادا کی جائے۔ اور اگر کوئی کپڑا وغیرہ بچھا کے وہاں نماز ادا کی جائے تو کراہت کیساتھ نماز ادا ہو جائے گی۔

اور اگر اس قبرستان سے مردوں کی لاشیں نہ نکالی گئی ہوں تو ان کے نزدیک بلا اختلاف اس زمین پر نماز ادا کرنا درست ہے، البتہ مکروہ تنزیہی ہے، جواز کی وجہ یہ ہے کہ جس زمین پر نماز ادا کی جارہی ہے وہ پاک ہے، اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ نماز قبرستان میں ادا کی جارہی ہے جو کہ نجاست کے دفن کرنے کی جگہ ہے۔

اور اگر معاملہ مشکوک ہو کہ معلوم نہیں اس قبرستان سے لاشیں نکالی گئی ہیں یا نہیں، تو اصح قول کے مطابق

---

(۱)الكشاف القناع عن متن الاقناع، كتاب الصلاة، باب: اجتناب النجاسة ومواضع الصلاة، فصل: في بيان المواضع التي نهي عن الصلاة فيها: ۱/۲۹۸، ۲۸۹

الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف للمرداوي، كتاب الصلاة، الأماكن التي لا تصح الصلاة فيها كالمقبرة ونحوها: ۱/۴۸۹ - ۴۹۱

نيل المآرب بشرح دليل الطالب، كتاب الصلاة، باب: شروط الصلاة، الموضع المنهي عنها: ۱/۱۲۸

الموسوعة الفقهية الكويتية، حرف الميم، المقبرة، الصلاة في المقبرة: ۳۸/۳۴۶

نماز بالکراہت درست ہوجائے گی، کیونکہ زمین میں اصل اس کا پاک ہونا ہے، شک کی بنیاد پر اس کی نجاست کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اصح قول کے بالمقابل ایک قول یہ ہے کہ نماز صحیح نہیں ہوتی، کیونکہ بندے کے ذمہ اصل اس کے فرض کا باقی رہنا ہے، اور اس کو ساقط کرنے میں اگر شک ہے تو شک کے ساتھ فرض ساقط نہیں ہوگا (۱)۔

اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

ما يكره من الصلوٰة في القبور

اس جملے کے بارے میں علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے یہ فرمایا کہ اس کا عطف "هل ينبش قبور مشركي الجاهلية" پر ہے، اور یہ ترجمے کا دوسرا جز ہے۔

اس پر یہ اشکال کیا گیا کہ "ما يكره من الصلوٰة في القبور" جملہ خبریہ ہے اور "هل ينبش قبور مشركي الجاهلية" جملہ انشائیہ ہے، استفہام اس میں آرہا ہے، پھر یہ عطف کیسے صحیح ہوگا؟ تو اس کا جواب علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے یہ دیا کہ "هل" چونکہ وہاں "قد" کے معنی میں ہے، لہٰذا وہ بھی جملہ خبریہ ہے اور "ما يكره من الصلوٰة في القبور" بھی جملہ خبریہ ہے لہٰذا عطف میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اور دوسرے شراح بھی یہی فرماتے ہیں کہ "ما يكره من الصلوٰة في القبور" کا عطف "هل ينبش قبور مشركي الجاهلية" پر ہے، اور یہ ترجمے کا دوسرا جز ہے، لیکن اس جز کا ثبوت حدیث سے نہیں ہوتا، جو امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے بیان کی ہے۔ اس لیے شراح نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس جز کو ثابت کرنے کے لیے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کیا ہے:

---

(۱) الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعيؒ للماوردي المعروف بـ شرح مختصر المزني، كتاب الصلاة، باب: الصلاة بالنجاسة ومواضع الصلاة: ۱/۲٦۰، ۲٦۱

فتح العزيز شرح الوجيز للرافعيؒ مطبوع تحت المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، الباب الخامس في شرائط الصلاة: ۳٦/٤

المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، باب: مواقيت الصلاة، باب: طهارة البدن وما يصلي فيه وعليه: ۱۵۷/۳، ۱۵۸

الموسوعة الفقهية الكويتية، حرف الميم، المقبرة، الصلاة في المقبرة: ۳٤٦/۳۸

ورأى عمر أنس بن مالك يصلي عند القبر، فقال: القبر القبر.

کہ قبر سے علیحدہ رہو، اس کی طرف منہ کر کے نماز نہیں پڑھو۔

ولم يأمره بالإعادة. لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اعادہ صلوٰۃ کا حکم نہیں دیا، اس سے معلوم ہوا کہ نماز تو ہو جاتی ہے لیکن مکروہ ہے، یہ رائے ہے شراح کی (۱)۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی رائے

لیکن حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی رائے اس کے برعکس ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''یہ ترجمۃ الباب کا جز ہے اور باب کے تحت میں داخل ہے اور اس پر عطف کا نشان بھی لگا ہوا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کراهة صلوٰة في المقابر کی امام بخاری نے کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی۔ شراح اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اثر انس بن مالک پر اکتفا کر لیا گیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال یوں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبور کے پاس نماز پڑھنے پر ٹوکا اور اعادہ کا حکم نہیں دیا تو معلوم ہوا کہ مکروہ تو ہے لیکن نماز ہو جائے گی۔ اگر نماز صحیح نہ ہوتی تو اعادہ کا حکم فرماتے۔

اب اشکال یہ ہے کہ امام بخاری اس کے بعد ایک مستقل باب كراهية الصلوٰة في المقابر منعقد فرما رہے ہیں، لہٰذا ترجمہ مکرر ہو گیا اور یہ بات اصول میں معلوم ہو چکی ہے کہ اگر تراجم کی غرض ایک ہو اور الفاظ بدل جائیں تو یہ تکرار ہوگا۔ اور اگر الفاظ ایک ہوں لیکن اغراض الگ الگ ہوں تو یہ تکرار نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں دونوں بابوں کی غرض ایک ہی ہے۔

شراح اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں باب تبعاً ہے اور آنے والا باب قصداً ہے۔

مگر میرے نزدیک اس پر اشکال ہے کہ قصد و تبع کہنے کی ضرورت تو اس وقت پیش آتی ہے جب کہ کوئی اور صورت نہ ہوتی اور یہاں اس کے علاوہ ایک صورت اور ہے وہ یہ کہ میرے نزدیک هل اپنے اصل معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیا قبورِ مشرکین جاہلیہ کا نبش کر دیا جائے اور ان کو مساجد بنا دیا جائے؟ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور انبیاء کو مساجد بنانے والوں کو لعنت فرمائی ہے۔ تو قبور مشرکین کا کیا حال ہوگا اور اس

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/، ٨٨، فتح الباري: ١/٦٧٩، ارشاد الساري: ٢/٨٧

لیے کہ صلوۃ في المقابر مکروہ ہے، تو میرے نزدیک ”وما یکرہ من الصلوۃ“ ترجمہ کا جز نہیں، بلکہ لام کے تحت داخل ہے اور قول پر عطف ہے اور یہ بھی ایک علت ہے، میرے قول کی بنا پر جب یہ ترجمہ میں داخل ہی نہ رہا تو روایت کی ضرورت ہی نہ رہی۔ اس لیے اثر سے ثابت کرنے کی بھی ضرورت نہیں اور نہ ہی تکرار ہوا جس کے دفع کرنے کی بھی کوشش کی جائے۔

اب یہاں اشکال یہ ہے کہ ھل اپنے اصل معنی میں کیونکر درست ہوسکتا ہے۔ حالانکہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت نبش قبور مشرکین ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری چند ابواب کے بعد باب: الصلوۃ في مواضع الخسف والعذاب منعقد فرمائیں گے اس میں یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بابل کے اندر موضع عذاب ہونے کے سبب نماز پڑھنی مکروہ سمجھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کراہت موضع عذاب ہونے کے سبب سے تھی اور جہاں مشرکین مدفون ہوں گے وہ خود موضع عذاب ہے لہٰذا اس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ترجمہ میں لفظ ھل لے آئے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ قبور کے نبش کے بعد وہاں کیا رہ گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ بابل میں خسف کب واقع ہوا تھا، اب وہاں کیا رہ گیا تھا؟ بالکل نہیں، لہٰذا جس طرح وہاں باوجود نہ ہونے کے کراہت کی موضع عذاب ہونے کی وجہ سے، تو یہ بھی موضع عذاب ہو چکا ہے(۱)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کی تخریج

حضرت ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق رحمہما اللہ نے اپنی اپنی ”مصنف“ میں اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”السنن الکبریٰ“ میں قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ اس اثر کی تخریج کی ہے، ”المصنف لابن ابی شیبہ“ کی روایت یہ ہے:

حدثنا حفص، عن حميد، عن أنس، قال أبصرني عمر قأنا أصلي إلى قبر، فجعل يقول: يا أنس! القبر، فجعلت أرفع رأسي أنظر إلى القمر، فقالوا: إنما، يعنى: القبر(۲).

”المصنف لابن عبدالرزاق“ میں موجود اثر کے الفاظ یہ ہیں:

عبد الرزاق، عن معمر، عن ثابت البناني، عن أنس بن مالك قال: رآني عمر بن

(۱) تقرير بخاری شريف: ۱۵۹/۲

(۲) المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، الصلاة بين القبور، رقم الحديث: ۳۷۵۳۲، ۲٤۰/۱٤

الخطاب وأنا أصلي عند قبر، فجعل يقول: القبر، قال: فحسبته يقول: القمر، قال: فجعلت أرفع رأسي إلى السماء، فأنظر، فقال: إنما أقول؛ القبر، لا تصل إليه، قال ثابت: فكان أنس بن مالك يأخذ بيدي إذا أراد أن يصلي فيتنحى عن القبور(۱).

السنن الکبری میں موجود اثر کے الفاظ یہ ہیں:

أخبرنا محمد بن موسى بن الفضل حدثناأبو العباس، محمد بن يعقوب حدثنا محمد بن هشام حدثنا مروان بن معاوية حدثنا حميد عن أنس قال: قمت يوما أصلي وبين يدي قبر لا أشعر به، فناداني عمر: القبر القبر، فظننت أنه يعني: القمر، فقال لي بعض من يليني: إنما يعني: القبر، فتنحيت عنه(۲).

صالحین کے مزارات کے قرب میں مساجد کا حکم

آج کل ہر طرف یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی بھی جگہ کسی اللہ والے کے قبر ہوتی ہے تو اس کے قریب ہی کوئی مسجد بھی ہوتی ہے، تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، درست ہے، چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ اس بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''اگر کسی نیک صالح انسان کی قبر کے پاس اس طرح مسجد تعمیر کر لی جائے کہ ''قبر'' مسجد سے بالکل

(۱)المصنف لابن عبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب الصلاة على القبور، رقم الحديث: ۱۵۸۱: ۴۰۴/۱

(۲)السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب: النهي عن الصلاة إلى القبور، رقم الحديث: ۴۴۵۰

تغليق التعليق، كتاب الصلاة، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد لقول النبي صلى الله عليه وسلم: "لعن الله اليهود، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد".وما يكره من الصلاة في القبور. ورأى عمر أنس بن مالك يصلي عند القبر، فقال: القبر القبر، ولم يأمره بالإعادة: ۲۲۸/۲، ۲۲۹

مسند الفاروق لابن الكثير، كتاب الصلاة، باب في مواطن السجود، رقم الحديث: ۷۸، ۱۸۷/۱

المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية، كتاب الصلاة، باب: ما يصلي إليه وما لا يصلى إليه، رقم الحديث: ۳۳۹، ۴۱۷/۳

سلسلة الآثار الصحيحة أو الصحيح المسند من أقوال الصحابة والتابعين، كتاب الصلاة، الصلاة عند القبر: ۲۷۷/۲

علیحدہ ہو، مزار کے قریب مسجد بنانے سے مقصود محض حصولِ برکت ہو، نماز میں صاحبِ قبر کی تعظیم یا ان کی طرف توجہ نہ ہو تو اس میں مضائقہ نہیں ہے، وہ مذکورہ وعید میں داخل نہیں ہوگا"(۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"کسی صالح مرد کی قبر کے پاس (مندرجہ بالا تفصیل کے ساتھ) مسجد تعمیر کرنا وعید میں شامل نہیں ہے"(۲)۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"رہا یہ کہ اگر کوئی صالحین میں سے کسی کے مزار کے قریب مسجد بنالے، یا مقبرہ میں نماز پڑھ لے، اور ان کی روح سے تقویت حاصل کرنے، یا ان کی عبادت کے اثرات سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ ہو، نماز میں ان کی تعظیم، یا ان کی طرف توجہ نہ ہو تو اس تعمیر مسجد میں کوئی مضائقہ نہیں ہے"(۳)۔

خلاصہ یہ کہ صالحین کے مزارات کے نزدیک شرائط کا خیال کرتے ہوئے مسجد بنانا جائز ہے۔

حدیثِ باب: پہلی حدیث

٤١٧ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ ٱلْمُثَنَّى قَالَ : حَدَّثنا يَحْيَى ، عَنْ هِشَامٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي أَبِي ، عَنْ

(۱)فـأما من اتخذ مسجدا في جوار صالح وقصد التبرك بالقرب منه لا للتعظيم له، ولا للتوجه إليه، فلا يدخل في الوعيد المذكور. عمدة القاري: ٤/٢٥٨

(۲)فتح الباري: ١/ ٦٨٠

سلفی حضرات کا فتح الباری پر اعتراض اور اس کا رد

فتح الباری کے دار السلام کے نسخے (جس کے حوالہ دیا گیا ہے) کے حاشیہ میں اس مقام پر محشی کی جانب سے یہ حاشیہ "هٰذا غلط واضح، والصواب تحريم ذٰلك، ودخوله تحت الأحاديث الناهية عن اتخاذ القبور مساجد، فانتبه واحذر، والله الموفق" موجود ہے، جو کہ درست نہیں ہے، کیونکہ ماقبل کی تفصیل سے یہ بات واضح ہے کہ ممانعت کا تعلق منکرات کے ساتھ ہے اس کے بغیر نہیں، جبکہ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ کی ذکر کردہ تفصیل منکرات سے بچتے ہوئے مساجد بنانے کے ساتھ مقید ہے، فلا اشکال۔

(۳)أما من اتخذ مسجدا في جوار صالح أو صلى في مقبرة وقصد الاستظهار بروحه أو وصول أثر ما من أثر عبادته اليه لا للتعظيم له والتوجه نحوه، فلا حرج. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة: ٢/٣٨٩)

عَائِشَةَ : أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ وَأُمَّ سَلَمَةَ [(١)] ذَكَرَتَا كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِالْحَبَشَةِ ، فِيهَا تَصَاوِيرُ ، فَذَكَرَتَا لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : (إِنَّ أُولٰئِكَ ، إِذَا كَانَ فِيهِمُ ٱلرَّجُلُ ٱلصَّالِحُ فَمَاتَ ، بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا ، وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ ٱلصُّوَرَ ، فَأُولٰئِكَ شِرَارُ ٱلْخَلْقِ عِنْدَ ٱللهِ يَوْمَ ٱلْقِيَامَةِ) . [٤٢٤ ، ١٢٧٦ ، ٣٦٦٠]

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

ا۔ محمد بن المثنی

یہ حضرت "محمد بن المثنی بن عبید عنزی بصری" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: حلاوة الإيمان، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۲۔ یحیی

یہ "یحیی بن سعید بن فروخ القطان تمیمی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۳۔ ہشام

یہ "ہشام بن عروہ بن زبیر بن العوام قرشی اسدی مدنی" رحمہ اللہ ہیں۔

---

(١) أخرجه البخاري أيضا في الصلاة في البيعة، رقم الحديث: ٤٣٤، وفي الجنائز، باب: بناء المسجد على القبر، رقم الحديث: ١٣٤١، وفي فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب: هجرة الحبشه، رقم الحديث: ٣٨٧٨.

ومسلم في صحيحه، في المساجد، باب: النهي عن بناء المساجد على القبور، رقم الحديث: ٥٢٨

والنسائي في سننه، في المساجد، باب: النهي عن اتخاذ القبور مساجد، رقم الحديث: ٧٠٥

وفي جامع الأصول، حرف الزاء، الكتاب الثالث: في الزينة، الباب السابع: في الصور والنقوش والستور، الأحاديث الواردة في ذم المصورين، رقم الحديث: ٢٩٦١، ٤/٨٠٢.

(٢) كشف الباري: ٢/٢٥

(٣) كشف الباري: ٢/٢

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: أحب الدين إلى الله أدومه، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۴۔ابی

یہ ''عروہ بن زبیر بن العوام قرشی اسدی مدنی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب:أحب الدين إلى الله أدومه، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۵۔عائشہ

یہ ام المؤمنین حضرت ''عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق'' رضی اللہ عنہ وعنہا ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

ترجمہ حدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک گرجے کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، جس میں تصاویر لگی ہوئی تھیں۔تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُن لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب اُن کا کوئی نیک شخص فوت ہوجاتا تو وہ اس کی قبر پر عبادت گاہ تعمیر کرلیتے تھے اور اس میں اس شخص کی مورتیاں رکھ لیتے تھے۔(پھر فرمایا کہ) قیامت کے دن ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مخلوق کے بدترین لوگ ہوں گے۔

شرح حدیث

عن عائشة: أن أم حبيبة وأم سلمة: ذكرتا كنيسة رأينا بالحبشة، فيها

(۱) کشف الباری: ۲۹۱/۱، ۴۳۲/۲

(۲) کشف الباری: ۴۳۶/۲

(۳) کشف الباری: ۲۹۱/۱

تصاویر،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک گرجے کا ذکر کیا جوانہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، جس میں تصاویر لگی ہوئی تھیں۔

قولہ:"كنيسة"، عیسائیوں کے عبادت خانے کو"کنیسہ" کہتے ہیں(۱)۔

اس کنیسہ کا نام"ماریہ" بتایا جاتا ہے(۲)۔

قولہ:"ذكرتا"، تثنیہ کے اس صیغے کی ضمیر حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی طرف لوٹ رہی ہے۔ مستملی اور حموی کے نسخوں میں یہ لفظ"ذكرا" مذکر کا صیغہ ہے، جو کہ خلاف اصل ہے، ظاہر یہ معلوم ہورہا ہے کہ یہ نسخہ مرتب کرنے والوں کی غلطی سے ہوا ہوگا(۳)۔

قولہ:"رأينا"، یہ لفظ صیغہ جمع کے ساتھ استعمال ہوا، حالانکہ دیکھنے والیاں دو تھیں، تو اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ جمع کی نسبت صرف ان دو کی طرف ہی نہیں، بلکہ ان دونوں کے ساتھ دیگر جو بھی افراد شریک تھے، ان سب کو اس رویت میں شامل کیا گیا۔

دوسری بات: اقل جمع دو ہوتی ہے، لہٰذا اس اعتبار سے بھی اشکال کی کوئی بات نہیں ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ بعض نسخوں میں مثلاً: كشميهني اور أصيلي کے نسخے میں"رأتا" کا لفظ بھی ملتا ہے، فلا اشکال(۴)

فذكرنا للنبي صلى الله عليه وسلم فقال: "إن أولئك، إذا كان فيهم الرجل الصالح فمات، بنوا على قبره مسجدا، وصوروا فيه تلك الصور، فأولئك شرار الخلق عند الله يوم القيامة".

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُن لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب اُن کا کوئی نیک شخص فوت ہوجاتا

(۱)شرح الكرماني: ٨٨/٤

(٢)فتح الباري: ١/ ٦٨٠، عمدة القاري: ٤/ ٢٥٧

(٣)عمدة القاري: ٤/ ٢٥٧

(٤)شرح الكرماني: ٨٨/٤، فتح الباري: ١/ ٦٨٠، عمدة القاري: ٤/ ٢٥٧

تو وہ اس کی قبر پر عبادت گاہ تعمیر کر لیتے تھے اور اس میں اس شخص کی مورتیاں رکھ لیتے تھے۔ (پھر فرمایا کہ) قیامت کے دن ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مخلوق کے بدترین لوگ ہوں گے۔

قولہ:"فأولئك"، ایک دوسری روایت میں "ف" کے بجائے "واو" یعنی:"وأولئك" ہے(۱)۔

قولہ:"فمات"، اس کا عطف "کان" پر ہوگا۔ اور آگے "بنوا" کا جملہ إذا کے لیے جواب بنے گا (۲)۔

بت پرستی کی ابتداء کیسے ہوئی؟

قولہ:"وصوروا فیه"، قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ بت پرستی کی ابتداء تھی، یعنی: بت پرستی اس طریقے سے تدریجاً شروع ہوئی (۳)۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ طریقہ ان کا یہ تھا کہ جب نیک لوگ فوت ہو جایا کرتے تھے تو ان کی تصویریں بنا کر لٹکا دیا کرتے تھے اور مقصد ان کا یہ ہوا کرتا تھا کہ ان تصویروں کو دیکھ کر وہ قلب میں اطمینان اور سکون حاصل کریں اور ان کے اعمال صالحہ کو یاد کریں اور پھر انہی کی طرح عبادت کے اندر سعی اور کوشش کریں اور ان کی قبور کے پاس وہ نماز پڑھا کرتے تھے، لیکن قبور کو نماز میں سامنے نہیں رکھتے تھے۔ یہ اوائل جب فوت ہو گئے اور ان کے بعد جانشین بعد میں ان کی جگہ آئے تو انہوں نے ان اوائل اور متقدمین کا مقصد تو فوت کر دیا اور شیطان نے ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ تمہارے بزرگ تو قبروں کی عبادت اور پرستش کیا کرتے تھے، لہٰذا تم ان کی عبادت اور پرستش کرو، چنانچہ بعد میں آنے والوں نے قبروں کی پوجا اور پرستش شروع کر دی۔

اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نکیر فرمائی، تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس طریقے کو اختیار کر کے شرک کی مرتکب نہ ہو اور اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا: کہ میرے بعد میری قبر کے ساتھ یہ معاملہ نہ کیا جائے (۴)۔

---

(۱)عمدة القاري: ٤/ ٢٥٧

(٢)فتح الباري: ١/ ٦٨٠

(٣)إكمال المعلم بفوائد مسلم، كتاب: في المساجد، باب: النهي عن بناء المساجد على القبور، رقم الحديث: ٥٢٨، ٢/ ٤٥٠

(٤)المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب الصلاة، باب: تحويل القبلة من الشام إلى الكعبة، والنهي عن بناء المساجد على القبور وعن التصاوير فيها، رقم الحديث: ١٢٥، ٥/ ٥٤

''شرار'' کی لغوی تحقیق

قولہ:"فأولئك شرار الخلق عند الله يوم القيامة"، ''شرار'' شین کی کسرہ کے ساتھ جمع ہے ''شر'' کی، اور عند البعض ''شریر'' کی جمع ہے(۱)۔

شرار الخلق کا مصداق کون لوگ؟

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اس جگہ ایک اشکال کیا ہے کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو "فأولئك شرار الخلق عند الله يوم القيامة" فرمایا، اس سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبر کی طرف نماز پڑھنا حرام ہے اور علماء اس کو صرف مکروہ کہتے ہیں؟

پھر خود ہی اس کا جواب دیا کہ اصل میں چونکہ کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہے، لہٰذا ''شرار الخلق'' کے اطلاق میں کوئی اشکال نہیں، اس اطلاق کا تقاضا یہ تھا کہ قبر سامنے ہو تو نماز حرام ہونی چاہیے اور علماء کرام نے جب اسے مکروہ تحریمی کہا تو وہ حکم میں حرام ہی کے ہے۔

اور دوسری بات علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے یہ فرمائی کہ اگر کراہت سے کراہت تنزیہی مراد لی جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر کی مذمت میں "فأولئك شرار الخلق عند الله يوم القيامة" فرمایا ہے، اس پر علامہ رحمہ اللہ نے اشکال کیا ہے کہ اگر تصویر کی مذمت میں "فأولئك شرار الخلق" فرمایا ہے، تو تصویر تو صرف معصیت ہے اور ''شرار الخلق'' ہونے سے لازم آتا ہے کہ وہ کافر قرار دیئے جائیں، معصیت کے ارتکاب کی بناء پر کافر کا اطلاق کیسے کیا گیا؟

اس کا جواب پھر انہوں نے دیا ہے اصل میں ان کو ''شرار الخلق'' اس لیے کہا کہ وہ تصویر کی عبادت کرتے تھے اور کافر بھی تھے، اس لیے اس اطلاق میں کوئی اشکال نہیں (۲)۔

دوسری ایک بات یہ بھی کہی ہے کہ ''شرار الخلق'' کا اطلاق کفر پر جب آئے گا، جب ''شرار الخلق'' علی الاطلاق مراد ہو، ویسے ''شر'' کا لفظ ''خیر'' کے مقابلے میں بھی آتا ہے، اور ''شرار'' خیار کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:''إن شر الناس عند الله منزلةً مَن

(۱)عمدة القاري: ٤/ ٢٥٧

(۲)شرح الكرماني: ٤/٨٩

تركه الناسُ اتقاءَ شره"،(۱) یہاں ''شر الناس'' کا مطلب کافر نہیں ہے۔

اسی طرح دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ألا أخبركم بشرّ الناس؟ رجل يسأل بالله ولا يعطي به"،(۲) اللہ تعالی کا واسطہ دے کر اس سے سوال کیا جائے اور اس واسطے کے باوجود بھی وہ عطیہ نہ دے، وہ ''شرّ الناس'' ہے۔

اسی طرح حدیث میں آتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"إن شر الناس ذو الوجهين الذي يأتي هؤلاء بوجه وهؤلاء بوجه"،(۳) یہ بھی کفر کی وجہ سے نہیں کہا گیا، غرضیکہ ''شرار'' کا اطلاق ''اخیار'' کے مقابلے میں بھی ہوتا ہے، لہٰذا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہاں جو آپ نے تصویر کی وجہ سے ان کو ''شرار الخلق'' کہا ہے یہ في مقابلة الأخيار کہا ہے۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

(۱) حدثنا عمرو بن عيسى، حدثنا محمد بن سواء، حدثنا روح بن القاسم، عن محمد بن المنكدر، عن عروة، عن عائشة: أن رجلا استأذن على النبي صلى الله عليه وسلم، فلما رآه قال: بئس أخو العشيرة، وبئس ابن العشيرة، فلما جلس تطلق النبي صلى الله عليه وسلم في وجهه وانبسط إليه، فلما انطلق الرجل قالت له عائشة: يا رسول الله! حين رأيت الرجل قلت له كذا وكذا، ثم تطلقت في وجهه وانبسطت إليه؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا عائشة! متى عهدتني فحاشا، **إن شر الناس عند الله منزلة يوم القيامة من تركه الناس اتقاء شره**. (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب: لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم فاحشا ولا متفحشا، رقم الحديث: ٦٠٣٢)

(۲) حدثنا قتيبة، قال: حدثنا ابن لهيعة، عن بكير بن عبد الله بن الأشج، عن عطاء بن يسار، عن ابن عباس، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ألا أخبركم بخير الناس؟ رجل ممسك بعنان فرسه في سبيل الله. ألا أخبركم بالذي يتلوه؟ رجل معتزل في غنيمة له يؤدي حق الله فيها. **ألا أخبركم بشر الناس؟ رجل يسأل بالله ولا يعطى به**. هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه، ويروى هذا الحديث من غير وجه، عن ابن عباس، عن النبي صلى الله عليه وسلم. (جامع الترمذي، فضائل جهاد، أي الناس خير، رقم الحديث: ١٦٥٢)

(۳) حدثنا قتيبة، حدثنا الليث، عن يزيد بن أبي حبيب، عن عراك، عن أبى هريرة، أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: **إن شر الناس ذو الوجهين، الذى يأتى هؤلاء بوجه، وهؤلاء بوجه**. (صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب: ما يكره من ثناء السلاطان وإذا خرج قال غير ذٰلك، رقم الحديث: ٧١٧٩)

اس حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت ترجمہ کے جزء "لعن اللہ الیھود" کے ساتھ ہے، اس اعتبار سے کہ اس قول میں یہ بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود پر اس لیے لعنت فرمائی کہ انہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدے کی جگہ بنالیا، اور اس حدیث میں نصاری کی ایسے طریقے سے مذمت کی گئی جو لعنت سے بھی بڑھی ہوئی ہے، بوجہ اس بات کے کہ ان میں یہ رواج پیدا ہو گیا تھا کہ جب ان کا کوئی صالح شخص فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں اس شخص کی تصاویر لٹکا دیتے تھے(۱)۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہاں پر شارحین حیران ہیں کہ دعوی ودلیل میں کیا مناسبت ہے؟ دعویٰ میں یعنی: ترجمۃ الباب میں قبورِ مشرکین (کا ذکر) ہے اور دلیل یعنی: حدیث قبورِ انبیاء کے متعلق ہے، اور دعویٰ میں نبشِ قبور (کا ذکر) ہے۔ اور دلیل میں قبور کو مسجد بنانے کی نفی ہے۔ (الغرض دعویٰ یہ ہے کہ قبورِ مشرکین کو کھود کر ان کی جگہ مساجد بنانا جائز ہے اور اس پر دلیل یہ دی کہ آپ علیہ السلام نے قبورِ انبیاء کو مساجد بنانے سے منع فرمایا ہے، تو ان دونوں میں کون سی مناسبت ہوئی؟)

(فرمایا) میرے نزدیک یہاں مناسبت اس طرح ہے کہ (یہاں) دو مسئلے ہیں:

(۱) ایک مسئلہ تو (قبر پر مسجد بنانے کے متعلق ہے، اور اس کی دو صورتیں ہیں، پہلی صورت) یہ کہ قبور کی موجودگی میں اس پر مسجد بنانا، جس کی قبر بھی ہو، انبیاء واولیاء کی یا کسی کافر وفاسق کی۔ دوسری صورت یہ کہ قبر کو نبش کر دیا جائے (یعنی: اسے اکھیڑ کر برابر کر دیا جائے) پھر اس جگہ مسجد بنائی جائے۔

اس کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے کہ قبور کی موجودگی میں وہاں مسجد بنانا درست نہیں مطلقا، جس کی بھی قبر ہو، خواہ نبی کی یا کسی کافر کی۔ اور علتِ ممانعت قبور کا موجود ہونا ہے، اب اگر قبور کو اکھیڑ کر برابر کر دیا جائے کہ نشان باقی نہ رہے (اور پھر وہاں مسجد تیار کی جائے) تو اس کا حکم امام بخاری رحمہ اللہ بتلانا چاہتے ہیں۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کن قبور کا نبش جائز ہے؟ اس کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ انبیاء وصالحین، بلکہ بلا ضرورتِ شدیدہ عامۂ مؤمنین کی قبور کا نبش بھی جائز نہیں، مشرکین وکافرین کی قبور کا نبش جائز ہے "أولـــئك كالأنعام، بل هم أضل"۔

---

(۱) عمدة القاري: ٤/ ٢٥٦

تو اب امام بخاری رحمہ اللہ پہلے مسئلہ کی صورتِ ثانیہ (قبر کو اکھیڑ کر پھر مسجد تیار کرنے) کے متعلق حکم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قبور کو اکھیڑ دیئے جانے کے بعد وہاں مسجد بنانا جائز ہے، لقول النبی .... ۔(وجہ استدلال یہ ہے کہ) دیکھو: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت اس صورت میں کی ہے جب قبور موجود ہوں اور ان پر مسجد تعمیر کی جائے، (چنانچہ) یہود کا فعل جس پر آپ علیہ السلام نے لعنت کی، ایسا ہی تھا کہ انبیاء کی قبور کو باقی رکھتے ہوئے تعظیماً مسجد بناتے تھے، (توجب لعنت؛ قبور کو باقی رکھ کر ان پر مسجد تعمیر کرنے کی صورت میں ہے تو معلوم ہوا کہ قبور کو اکھیڑ کر ان کی جگہ مسجد بنانا جائز ہے) بس دعوی کے ساتھ دلیل کی مناسبت ہوگئی۔

باقی رہا دوسرا مسئلہ کہ کن قبور کا نبش جائز ہے؟ انبیاء کی قبور کا نبش جائز ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق یہاں کوئی بحث نہیں۔ چونکہ مشرکین کی قبور کا نبش جائز تھا اس لیے ترجمہ میں اس کو بالتخصیص ذکر کر دیا، اصل مقصود تو یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ نبشِ قبور کر کے وہاں مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اس کو ثابت کر دیا کہ نبش کے بعد جائز ہے(۱)۔

حدیث مبارکہ سے مستنبط شدہ فوائد واحکام

۱۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص عجائبات میں سے کسی چیز کا مشاہدہ کرے تو اسے آگے اوروں کے سامنے بیان کرنے کی گنجائش ہے(۲)۔

۲۔ جس شخص کے سامنے اگر کوئی بات بیان کی جارہی ہے اور وہ شخص اُس بات کے حکم کو جاننے والا ہے تو اُس پر اُس بات کا حکم بیان کرنا اور محرمات میں ابتلاء کی مذمت کرنا واجب ہے(۳)۔

۳۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ احکام میں اعتبار شریعت کا ہے نہ کہ عقل کا(۴)۔

۴۔ اس حدیث سے قبرستان میں نماز ادا کرنے کی کراہت کا بھی علم ہوا، برابر ہے کہ قبر کے ساتھ متصل ہو، قبر کے اوپر ہو یا قبر کے سامنے کھڑے ہو کر ہو(۵)۔

۵۔ اس حدیث مبارکہ سے تصویر کی حرمت خصوصاً نیک صالح افراد کی تصویر کی حرمت معلوم ہوئی(۶)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

---

(۱) فضل الباری: ۳/۱۳۸، ۱۳۹

(۲) فتح الباري: ۱/ ۶۸۰، عمدة القاري: ٤/ ۲۵۷

(۳) فتح الباري: ۱/ ۶۸۰، عمدة القاري: ٤/ ۲۵۷

(٤) فتح الباري: ۱/ ۶۸۰، عمدة القاري: ٤/ ۲۵۷

(۵) فتح الباري: ۱/ ۶۸۰

(٦) عمدة القاري: ٤/ ۲۵۷

حدیث باب (دوسری حدیث)

٤١٨ : حدّثنا مُسَدَّدٌ قالَ : حدَّثنا عَبْدُ ٱلْوَارِثِ ، عَنْ أَبِي ٱلتَّيَّاحِ ، عَنْ أَنَسٍ[1] قالَ : قَدِمَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ ٱلمَدِينَةَ ، فَنَزَلَ أَعْلَى ٱلْمَدِينَةِ فِي حَيٍّ يُقَالُ لَهُمْ بَنُو عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ ، فَأَقَامَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ فِيهِمْ أَرْبَعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً ، ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى بَنِي ٱلنَّجَّارِ ، فَجَاؤُوا مُتَقَلِّدِي ٱلسُّيُوفِ ، كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى ٱلنَّبِيِّ ﷺ عَلَى رَاحِلَتِهِ ، وَأَبُو بَكْرٍ رِدْفُهُ ، وَمَلَأُ بَنِي ٱلنَّجَّارِ حَوْلَهُ ، حَتَّى أَلْقَى بِفِنَاءِ أَبِي أَيُّوبَ ، وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يُصَلِّيَ حَيْثُ أَدْرَكَتْهُ ٱلصَّلَاةُ ، وَيُصَلِّي فِي مَرَابِضِ ٱلْغَنَمِ ، وَأَنَّهُ أَمَرَ بِبِنَاءِ ٱلْمَسْجِدِ ، فَأَرْسَلَ إِلَى مَلَإٍ مِنْ بَنِي ٱلنَّجَّارِ ، فَقَالَ : (يَا بَنِي ٱلنَّجَّارِ ثَامِنُونِي بِحَائِطِكُمْ هٰذَا) . قَالُوا : لَا وَٱللهِ ، لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهُ إِلَّا إِلَى ٱللهِ ، فَقَالَ أَنَسٌ : فَكَانَ فِيهِ مَا أَقُولُ لَكُمْ ، قُبُورُ ٱلْمُشْرِكِينَ ، وَفِيهِ خَرِبٌ ، وَفِيهِ نَخْلٌ ، فَأَمَرَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ بِقُبُورِ ٱلْمُشْرِكِينَ فَنُبِشَتْ ، ثُمَّ بِالْخَرِبِ فَسُوِّيَتْ ، وَبِالنَّخْلِ فَقُطِعَ ، فَصَفُّوا ٱلنَّخْلَ قِبْلَةَ ٱلْمَسْجِدِ ، وَجَعَلُوا عِضَادَتَيْهِ ٱلْحِجَارَةَ ، وَجَعَلُوا يَنْقُلُونَ ٱلصَّخْرَ وَهُمْ يَرْتَجِزُونَ ، وَٱلنَّبِيُّ ﷺ مَعَهُمْ ، وَهُوَ يَقُولُ :

(ٱللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ ٱلْآخِرَهْ فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَٱلْمُهَاجِرَهْ)

[١٧٦٩ ، ٢٠٠٠ ، ٢٦١٩ ، ٢٦٢٢ ، ٢٦٢٧ ، ٣٧١٧]

ترجمہ حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے مدینہ کے بالائی علاقہ کے جس محلے میں قیام فرمایا وہ بنوعمرو بن عوف کا تھا، یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ رات قیام کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونجار کو پیغام بھیج کر بھلایا تو وہ لوگ تلواریں لٹکائے ہوئے حاضر خدمت ہوئے، (راوی حدیث کا بیان ہے کہ) گویا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سواری پر تشریف فرما دیکھ رہا ہوں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے ہیں، اور بنونجار کی ایک جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف ہے، اسی حال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوب رضی

(١) مر تخريجه في البخاري، كتاب الوضوء، باب: أبوال الإبل والدواب والغنم ومرابضها، رقم الحديث: ٢٣٤

اللہ عنہ کے سامنے اپنا سامان اُتارا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو پسند کیا کرتے تھے کہ آپ کو جہاں بھی نماز کا وقت آپہنچا، وہیں نماز ادا فرمالیں، (یہاں تک کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریوں کے باڑے میں بھی نماز ادا فرمائی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ مسجد تعمیر کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ آپ نے بنونجار کو بلوایا اور فرمایا: اے بنونجار! تم اپنے اس احاطے کی قیمت لے لو، انہوں نے عرض کیا، نہیں؛ اللہ کی قسم نہیں، ہم آپ سے اس کی قیمت نہیں لیں گے، ہم تو اس کا اجر صرف اللہ تعالیٰ سے لیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جیسا کہ میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ یہاں مشرکین کی قبریں تھیں، اس احاطہ میں ایک ویران جگہ تھی، اور کھجور کے درخت تھے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبروں کو اکھیڑ دینے کا حکم فرمایا، ویران جگہ کو برابر کر دینے کا حکم فرمایا، اور درختوں کو کٹوا دیا، لوگوں نے ان درختوں کو مسجد کے قبلہ کی جانب بچھا دیا اور پتھروں کے ذریعے انہیں مضبوط کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پتھر اٹھاتے ہوئے رجزیہ اشعار پڑھتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ہمراہ تھے اور یہ فرما رہے تھے: اے اللہ! آخرت کی بھلائی کے علاوہ اور کوئی بھلائی (قابل توجہ) نہیں، پس انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمائیے۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل چار راوی ہیں:

ا۔ مسدد

یہ ''مسدد بن مسرہد الاسدی البصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: من خص بالعلم قوما دون قوم كراهية أن لا يفهموا، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

(۱) کشف الباری: ٤/ ٥٨٨

۲۔عبدالوارث

یہ ''عبدالوارث بن سعید التیمي''رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب:ما کان النبي صلی الله علیه وسلم یتخولهم بالموعظة والعلم کي لا ینفروا، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۳۔ابی التیاح

یہ ''ابوالتیاح یزید بن حمید الضبعی''رحمہ اللہ ہیں،

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب:ما کان النبي صلی الله علیه وسلم یتخولهم بالموعظة والعلم کي لا ینفروا، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۴۔انس

یہ مشہور صحابی رسول''حضرت انس بن مالک''رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

شرح الحدیث

عن أنس قال: قدم النبي صلی الله علیه وسلم المدینة، فنزل أعلی المدینة في حيّ، یقال لهم: بني عمرو بن عوف،

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے مدینہ کے بالائی علاقہ کے جس محلے میں قیام فرمایا وہ بنوعمرو بن عوف کا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد کب ہوئی؟

قولہ:''قدم النبي صلی الله علیه وسلم المدینة''،امام حاکم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ''اخبار''

(۱)کشف الباری: ۲۵۸/۳

(۲)کشف الباری: ۲۶۱/۳

(۳)کشف الباری: ۴/۲

تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں اس بات پر کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں تشریف لائے تو ربیع الاول کی آٹھ تاریخ تھی اور اتوار کا دن تھا۔

ابن سعد رحمہ اللہ نے ''الطبقات الکبریٰ'' میں یہ بات ذکر کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار سے نکلے ربیع الاول کی چار تاریخ اور شب اتوار تھی۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی (۱)۔

قولہ: ''أعلی المدینة''، ایک روایت میں صرف "المدینة" کا لفظ ہے، "أعلیٰ" کے بغیر (۲)۔

جب کہ سنن ابی داؤد کی روایت میں "أعلیٰ" کی جگہ "علو" کا لفظ ہے، یہ بھی "أعلیٰ" کے معنی میں ہی ہے (۳)۔

فأقام النبي صلی الله علیه وسلم فیهم أربع وعشرة لیلة،

یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ رات قیام کیا، بعض دیگر نسخوں (مستملی اور حموی کے نسخوں) میں چوبیس رات قیام کرنا مذکور ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے چودہ راتوں کے قیام والی بات کو راجح قرار دیا ہے (۴)۔

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے بھی چودہ راتوں کے قیام کو اختیار کیا ہے (۵)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے چوبیس راتوں کو ترجیح دی، وہ تقریر بھی دیکھنے کے لائق ہے (۶)۔

---

(۱) الطبقات الکبری لابن سعد، ذکر خروج رسول الله صلی الله علیه وسلم وأبي بکر إلی المدینة للهجرة: ۱۷۹/۱

(۲) عمدة القاري: ٢٥٩/٤

(۳) حدثنا مسدد، حدثنا عبد الوارث، عن أبي التیاح، عن أنس بن مالك، قال: قدم رسول الله صلی الله علیه وسلم المدینة، **فنزل في علو المدینة في حي** یقال: لهم بنو عمرو بن عوف، فأقام فیهم أربع عشرة لیلة، ثم أرسل إلی بني النجار، فجاء وا متقلدین سیوفهم، .... (سنن أبي داؤد، کتاب الصلاة، باب: في بناء المساجد، رقم الحدیث: ٤٥٣)

(٤) فتح الباري: ٦٨٠/١

(٥) فضل الباری: ١٤٢/٣

(٦) قولہ: "أربعا وعشرین لیلة"، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا واقعہ ہے، اس میں روایات مختلف ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں کتنے دن قیام فرمایا؟ اس روایت میں چوبیس دن معلوم ہوتے ہیں اور خود بخاری شریف ہی کی روایت میں چودہ دن قیام کا ذکر ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ان میں سے ایک خلاف واقعہ ہوگی۔ تو اس سے پتہ چلا کہ بخاری شریف کی روایات کے صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ساری روایات واقعہ کے مطابق بھی ہوں تو حنفیہ اسی قاعدہ کے مطابق کہتے =

بہر حال قیام چوبیس دن ہو یا چودہ دن، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ فی القری جائز نہیں، اس لیے کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف آنے کے بعد جمعہ قبا میں ادا نہیں کیا بلکہ بنوسالم میں جب آپ مدینہ منورہ پہنچ گئے تب آپ نے جمعہ ادا کیا ہے، اس پر فریقین کا اتفاق ہے، اور یہ بات بھی متعین ہے کہ ہجرت سے پہلے واجب ہو چکا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے جمعہ ادا کرنے پر قادر نہیں تھے اس لیے وہاں تو آپ نے جمعہ ادا نہیں کی، لیکن جب آپ مدینہ آئے تو وہاں آنے پر جمعہ ادا کیا ہے۔

= ہیں کہ بخاری میں رفع یدین کا تذکرہ آجانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واقعہ کے مطابق بھی ہو، یعنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل بھی ہو۔ اب یہاں دونوں روایات مشکل ہیں، اس لیے کہ سارے محدثین اور مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن قبا پہنچے اور پیر ہی کے دن مکہ سے چلے تھے، تو پیر کو چلے اور پیر کو قبا پہنچے اور مدینہ میں جمعہ کو تشریف لے گئے اور سب سے پہلا جمعہ بنوسالم میں پڑھا تو ان دونوں پر اتفاق ہے کہ پیر کو قبا پہنچے ہیں کہ پیر قبا پہنچے اور جمعہ کو قبا سے مدینہ تشریف لے گئے۔ اب روایات دو طرح کی ہیں، ایک: چوبیس کی اور دوسری: چودہ کی، اور دونوں میں سے ایک بھی ان اقوال کے پیش نظر صحیح نہیں ہوتی، اس لیے کہ اگر چودہ کو لیا جائے تو پیر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبا تشریف لائے اور پیر سے پیر تک آٹھ اور تیسرے پیر تک پندرہ ہو جاتے ہیں، لہذا چودھواں دن یکشنبہ کو پڑتا ہے، حالانکہ اس پر اتفاق ہے کہ جمعہ کو مدینہ گئے۔

اور چوبیس والی روایت بھی نہیں بنتی، اس لیے کہ پیر سے پیر تک آٹھ، اور تیسرے پیر تک پندرہ اور چوتھے پیر کو بائیس دن ہوتے ہیں، اور منگل کو تیئیس، اور بدھ کو جا کر چوبیس دن ہوتے ہیں، پھر بھی جمعہ کو چوبیس دن نہیں ہوتے۔ اب یہ دونوں تو صحیح نہیں ہوئے۔ لہذا میری رائے یہ ہے کہ چوبیس کی روایت صحیح ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ راوی نے یوم الدخول اور یوم الخروج کو شمار نہیں کیا تو پیر تو یوم الدخول فی قباء تھا اور جمعہ یوم الخروج منہ تھا، اب دونوں کو نکال کر چوبیس صحیح ہو جاتے ہیں، اور قول متفق سے تعارض بھی نہیں ہوتا، اس لیے اب شمار منگل سے ہوگا۔ کیونکہ پیر تو نکل گیا۔ تو منگل سے منگل تک آٹھ، اور تیسرے منگل تک پندرہ، اور چوتھے منگل کو بائیس، اور بدھ تیئیس، اور جمعرات چوبیس ہو جاتے ہیں۔

اور جمعہ جو یوم الخروج ہے وہ بھی خارج ہے۔ لہذا اب بالکل درست ہو گیا۔ اب اس سے میری ایک تائید ہو گئی وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں تین جمعوں تک قیام فرمایا، اور کوئی سا جمعہ دیہات ہونے کی وجہ سے نہیں پڑھا اور نہ اور کیا بات تھی۔ (تقریر بخاری شریف: ۲/۱۶۰)

جمعہ کی فرضیت مکہ میں ہوچکی تھی

حافظ جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ نے ''اتقان'' میں (۱)، ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے ''شرح المنہاج'' میں (۲) اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے ''نیل الاوطار'' میں (۳) اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جمعہ مکہ مکرمہ کے قیام میں فرض ہوگیا تھا، لیکن عدم قدرت کی وجہ سے آپ نے وہاں (مکہ میں) ادا نہیں کیا تھا، اور ہجرت کے بعد جب آپ تشریف لائے تو قبا میں چودہ دن قیام کرنے کے باوجود وہاں آپ نے جمعہ نہیں پڑھا، بلکہ مدینہ منورہ آکر پڑھا ہے۔

ثم أرسل إلى بني النجار، فجاؤوا متقلدي السيوف،

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونجار کو پیغام بھیج کر بھلایا تو وہ لوگ تلواریں لٹکائے ہوئے حاضر خدمت ہوئے۔

بنونجار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیالی رشتہ دار تھے (۴)۔

تلواریں لٹکا کر آنے سے کیا مقصود تھا؟

قولہ: ''متقلدي السيوف''، یہ اصل میں متقلدين السيوف تھا، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا۔ یہ مرکب ''جاؤوا'' کی ضمیر سے حال بنے گا (۵)۔

علامہ برماوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان کے اس طرح آنے کی حکمت یہ تھی اس سے یہود کو خوف زدہ کرنا مقصود تھا تاکہ وہ دیکھ لیں کہ انصار مدینہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و نصرت کے لیے کس طرح تیاری کی ہوئی ہے (۶)۔

---

(۱) الاتقان في علوم القرآن، النوع الثاني عشر ما تأخر حكمه عن نزوله وما تأخر نزوله عن حكمه: ۱/ ۱۳٤.

(۲) تحفة المحتاج في شرح المهاج لابن حجر الهيتمي، كتاب الصلاة، باب: صلاة الجمعة: ۲/ ٤۰٥.

(۳) نيل الأوطار للشوكاني، كتاب الجمعة، باب: انعقاد الجمعه بأربعين وإقامتها في القرى: ۳/ ۲۷٤.

(٤) التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤٦۷. عمدة القاري: ٤/ ۲٥۹

(٥) عمدة القاري: ٤/ ۲٥۹

(٦) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۳/ ۱۸٦.

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ اس زمانے کا شعار تھا کہ جب کسی کے استقبال کے لیے جاتے تھے تو تلوار وغیرہ ساتھ لے جاتے تھے، جیسے: آج کل شیروانی پہننے کا رواج ہے'' (۱)۔

كأني أنظر إلى النبي صلى الله عليه وسلم على راحلته، وأبو بكر ردفه، وملأ بني النجار حوله، حتى ألقى بفناء أبي أيوب،

(راوی حدیث کا بیان ہے کہ) گویا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سواری پر تشریف فرما دیکھ رہا ہوں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے ہیں، اور بنونجار کی ایک جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف ہے، اسی حال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنا سامان اُتارا۔

قولہ: ''راحلته''، اونٹ کی سواری کو ''راحلة'' کہتے ہیں، عام ہے کہ اونٹ مذکر ہو یا مؤنث، لیکن اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے، جس کا نام ''قصواء'' تھا (۲)۔

قولہ: ''أبو بكر ردفه''، ردیف اس شخص کو کہتے ہیں جو اصل سوار کے پیچھے اسی سواری پر بیٹھا ہو (۳)۔

حضرت ابوبکرؓ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ردیف بننے کی وجہ؟

روایت کے مطابق تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی اونٹنی بھی تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف کیوں بنے؟

تو اس بارے میں شراح نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے انہوں نے اپنی اونٹنی کو قبیلہ عمرو بن عوف میں یا کسی اور جگہ ہی چھوڑ دیا تھا، یا اس اونٹنی کو گھر واپس بھیج دیا تھا تا کہ گھر والے استعمال کر لیں، یا پھر ایک اور وجہ ہے جو زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ ان کی اونٹنی بھی ساتھ ہی تھی لیکن وہ اس پر سوار نہیں

(۱) تقرير بخاری شريف: ۲/ ۱٦۰

(۲) النهاية في غريب الحديث والأثر، باب: الراء مع الحاء، ۱/ ٦٤٥، عمدة القاري: ٤/ ۲٥۹

(۳) معجم الصحاح، ردف، ص: ٤۰۱

رِدفه؛ وهو المرتدف، أي يركب خلف الراكب. (اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۳/ ۱۸٦.)

ہوئے تا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف بننے کا شرف حاصل کرسکیں، اوراس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بننا تھا(۱)۔

قولہ:"وملاء بني النجار حوله"، الملاء سے مراد قبیلے کے معزز اور سردار لوگ ہیں،اس کے علاوہ ملاء سے مراد جماعت بھی ہوتی ہے(۲)۔

قولہ:"ألقی"،اس جگہ اس فعل کا مفعول محذوف ہے،جوکہ "رحله" ہے،یعنی:اپنے کجاوے کوڈال دیا(۳)۔

قولہ:"بفناء"،اس سے مراد گھر کے سامنے کی خالی جگہ ہے(۴)۔

اونٹنی اللہ تعالی کی طرف سے مامور تھی

انصار میں سے ہر شخص اس سعادت کی آرزو رکھتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس قیام کریں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کو چھوڑ دیا اور فرمایا:"إنها مأمورة"، وہ اونٹنی حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کی فناء میں بیٹھ گئی،بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ پہلی بار بیٹھی، پھر اٹھ کر دو چار قدم چل کر دوبارہ وہیں آ کر بیٹھ گئی۔

اس واقعے سے متعلق سیر کی ایک عجیب روایت

علامہ نیسابوری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "شرفِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم" میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ ایک صحابی تھے، جبار بن صخر رضی اللہ عنہ، ان کا گھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر سے کچھ آگے تھا، وہ چاہتے تھے کہ (اونٹنی) ذرا سا آگے سرک کر میرے مکان کے سامنے ٹھہرے، تو انہوں نے خفیہ طور پر اونٹنی کو کچوکا لگایا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا تو غصہ میں آکر کہا واللہ! اگر آج اخوت اسلامی نہ ہوتی تو میں تیری گردن اڑا دیتا، تو مجھ سے یہ سعادت چھین کر اپنے ہاں لے جانا چاہتا

(۱)التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤٦٨. عمدة القاري: ٢٥٩/٤

(۲)النهاية في غريب الحديث والأثر، باب: الميم مع اللام: ٦٧٢/٢، عمدة القاري: ٢٥٩/٤

(۳)اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ٣/ ١٨٦، عمدة القاري: ٢٥٩/٤

(٤)النهاية في غريب الحديث والأثر، باب:الفاء مع النون: ٣٩٧/٢، عمدة القاري: ٢٥٩/٤

ہے، جو حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے عنایت فرمائی ہے(۱)۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کی تاریخ

علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ یمن کے بادشاہوں کا لقب ''تبع'' ہے اور یہ معروف بات ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے سے آٹھ سو سال پہلے یمن کا ایک بادشاہ قتال کرتے کرتے مدینہ منورہ تک پہنچ گیا، مدینہ منورہ میں جب وہ پہنچا تو ایک یہودی عالم نے اس سے کہا کہ تم یہاں قتال مت کرو، یہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ ہے، آپ یہاں آ کر قیام فرمائیں گے، لہٰذا ادب کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں قتال نہ کیا جائے، اس یمن کے بادشاہ نے یہودی عالم کی اس بات کو سن کر وہاں قتال موقوف کر دیا اور نہ صرف یہ کہ اس نے قتال موقوف کیا بلکہ اس نے وہاں اس نے ایک مکان بنوایا اور کہا کہ یہ نبی آخر الزمان کے لیے ہے اور دوسرے کچھ اور مکانات بھی بنوائے جو احبار یہود کو عطا کیے گئے، اور اس کے بعد اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ایک خط لکھا، اس میں یہ لکھا کہ یہ مکان جو میں نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنایا ہے، جب وہ تشریف لائیں تو ان کو پیش کیا جائے، اس خط کے اندر اس نے یہ بھی لکھا کہ میں ان پر ایمان لاتا ہوں اور یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر مجھے ان کا زمانہ ملا تو میں ان کا خادم بن کر رہوں گا، ایک شعر بھی اس نے اس میں لکھا:

---

(۱)قال لما دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة قام إليه المنذر بن عمرو وأبو دجانة وجامعة من أشرافهم يقولون: هلم يا رسول الله إلى العز والثروة، وجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: بارك الله عليكم، خلّوا سبيلها فإنها مأمورة، حتى جاء إلى باب أبي أيوب فبركت ناقته هناك، فجاء جبار بن صخر فنخسها بالرحل، فقال أبو أيوب: أعن منزلي تنحيها، فما؟ والذي بعثه بالحق لو لا الإسلام لضربتك بالسيف.

(مناحل الشفا ومناهل الصفا بتحقيق كتاب شرف المصطفى صلى الله عليه وسلم للنيسابوري، باب: ذكر مقدم النبي صلى الله عليه وسلم قباء وبناء المسجد: ۳٦٥/۲)

اس کتاب کے محقق الشیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن القشيري نے اس واقعے کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس قصے میں نکارت ہے، ملاحظہ فرمائیں: قلت: وفي السياق نكارة؛ لأن جبار بن صخر هذا كان ممن أسر يوم بدر فيما ذكره أصحاب المغازي والسير، ومحمد بن الحسن ممن يضعف في الحديث، وانظر التعليق التالي. (محولہ بالا)

شهــدت عــلـى أحـمـد أنــه رسـول مـن الله باري النسيم

فـلـو مـدّ عـمـري إلـى عمـره لـكـنـت وزيـرا لــه وابن عم

اگر میں نے ان کا زمانہ پایا تو میں ان کا خادم، وزیر اور ابن عم بن کر رہوں گا۔

چنانچہ علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ خط اور گھر منتقل ہوتے ہوتے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تک پہنچے، چنانچہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے وہ خط آپ کو پیش کیا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی جو مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے رُکی، یہ درحقیقت وحی ربانی کا اثر تھا، جیسے کہ حدیبیہ کے موقع پر جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہونا چاہتے تھے تو اونٹنی بیٹھ گئی تھی اور اس نے چلنے سے انکار کر دیا تھا، وہ بھی وحی کا اثر تھا، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کفار اور مشرکین نے میرے ساتھ کوئی ایسا معاہدہ کیا جس میں وہ شعائر اللہ کا احترام کرنے والے ہوں گے، تو میں اس کو منظور اور قبول کرلوں گا اور آپ نے مکہ مکرمہ جانے اور شہر میں داخل ہونے کا ارادہ ملتوی فرمادیا تو اونٹنی فوراً کھڑی ہوگئی اور آپ حدیبیہ کے مقام پر جا کر فروکش ہوئے تھے، اسی طرح یہاں بھی حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے آکر بیٹھ گئی، ایک مرتبہ بیٹھی، اور اس کے بعد اٹھ کر ادھر ادھر گھومی اور پھر واپس وہیں آکر بیٹھ گئی، یہ اللہ کے حکم سے ہوا(۱)۔

اس کے بعد علامہ زرقانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں ٹھہرے وہ آپ کا ہی گھر تھا، جو آپ کے لیے ہی بنایا گیا تھا، آپ نے کسی دوسرے کے گھر میں قیام نہیں کیا(۲)۔

---

(۱)شـرح العلامه الزرقاني على المواهب اللدنية للقسطلاني، باب: هجرة المصطفى وأصحابه إلى المدينة، خاتمة: في وقائع متفرقة حصلت في الهجرة: ۱۶۳/۲

(۲)،(فعلى هٰذا) المذكور من أن تبعاً بنى للمصطفىٰ ـ صلى الله عليه وسلم ـ دارًا (إنما نزل في منزل نفسه لا فـي مـنـزل غيـره، كذا حكاه في تحقيق النصرة،) في تاريخ دارالهجرة لقاضيها الشيخ زين الدين بن الحسين المراغي من مراغة الصعيد من فضلاء طلبة الجمال الإسنوى.

(شـرح الـعـلامـه الـزرقاني على المواهب اللدنية للقسطلاني، باب: هجرة المصطفى وأصحابه إلى المدينة، خاتمة: في وقائع متفرقة حصلت في الهجرة: ۱۶٤/۲)

رہا یہ کہ اونٹنی کو وحی؛ تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے، ﴿واوحی ربك الی النحل ان اتخذی بیوتا من الجبال﴾، قرآن مجید کی آیت میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے شہد کی مکھی کو وحی کیا ہے۔

وكان يحب أن يصلي حيث أدركته الصلاة، ويصلي في مرابض الغنم،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو پسند کیا کرتے تھے کہ آپ کو جہاں بھی نماز کا وقت آپہنچے، وہیں نماز ادا فرمالیں، (یہاں تک کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریوں کے باڑے میں بھی نماز ادا فرمائی ہے۔

قولہ:"ويصلي في مرابض الغنم"، "ويصلي" کا عطف "يحب" پر ہے، نہ کہ "يصلي" پر(۱)۔

قولہ:"مرابض" بکریوں کے ٹھہرنے کی جگہ کو "مَربِض" کہتے ہیں، اور اس کی جمع "مرابض" استعمال ہوتی ہے(۲)۔

بکریوں کے باڑے میں نماز کے مباح ہونے کے بیان میں مستقل ایک باب آگے آرہا ہے۔

وأنه أمر ببناء المسجد، فأرسل إلى ملإ من بني النجار، فقال: يا بني النجار ثامنوني بحائطكم هٰذا، قالوا: لا والله، لا نطلب ثمنه إلا إلى الله،

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ مسجد تعمیر کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ آپ نے بنونجار کو بلوایا اور فرمایا: اے بنونجار! تم اپنے اس احاطے کی قیمت لے لو، انہوں نے عرض کیا، نہیں؛ اللہ کی قسم نہیں، ہم آپ سے اس کی قیمت نہیں لیں گے، ہم تو اس کا اجر صرف اللہ تعالیٰ سے لیں گے۔

قولہ:"وأنه أمر ببناء المسجد"، ایک روایت میں یہ کلام "إن" سے شروع ہو رہا ہے، اس بنا پر کہ یہ مستقل کلام ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد تعمیر کرنے کا حکم فرمایا(۳)۔ اور ایک دوسری روایت میں "أَمَر" معروف کی بجائے "أُمِر" مجہول کا صیغہ ہے(۴)، اس صورت میں "أنه" کی "هو" ضمیر، ضمیر شان ہوگی۔

قولہ:ثامنوني بحائطكم"، علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اس جملے کا ترجمہ "تبيعونيه بالثمن" سے کیا

(۱) اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح: ۳/ ۱۸۶.

(۲) معجم الصحاح، رب ض، ص: ۳۸۶۔ النهاية في غريب الحديث والأثر، باب: رب ض: ۱/ ۶۲۶.

(۳) عمدة القاري: ۴/ ۲۶۱

(۴) مصابيح الجامع شرح الجامع الصحيح البخاري: ۲/ ۱۳۵. عمدة القاري: ۴/ ۲۶۱.

ہے، کہ تم مجھے زمین یہ کا یہ ٹکڑا ثمن کے بدلے فروخت کردو(۱)۔

بعض حضرات نے اس کا مطلب: "اذكروا لي ثمنه" ذکر کیا ہے، جس کا مطلب ہے کہ ''تم مجھے اس کا ثمن بتاؤ''(۲)۔

علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ نے "قدروا ثمنه لأشتريه منكم وبايعوني فيه" سے اس کا ترجمہ کیا ہے، کہ تم اس کا ثمن متعین کروتا کہ میں تم سے یہ زمین خرید لوں، اور تم اس ثمن میں یہ زمین مجھے فروخت کردو(۳)۔

ان سب معانی کے بعد علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان تمام مطالب میں سے کوئی بھی اس مادے/ صیغے "ثامنوني" کی تفسیر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اگرچہ یہ سب معانی مقصود پر دلالت کرتے ہیں۔ لیکن اس کی صحیح تفسیر وہ ہے جو میں نے شرح ابوداؤد میں کی ہے کہ جب کوئی شخص دوسرے سے کوئی چیز خریدنے کے لیے بھاؤ تاؤ کرتا ہے تو اس وقت ثامنوني کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ یہاں بھی یہ مراد ہوگی کہ مجھے اس زمین کے ٹکڑے کی قیمت متعین کروتا کہ میں تم سے یہ زمین کا ٹکڑا خرید لوں(۴)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ دو یتیموں کی زمین تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم اس زمین کی قیمت بتاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو اس کو بلا قیمت دیں گے، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منظور نہ فرمایا، اور قیمت سے کر زمین لی، کیونکہ وہ یتیموں کا مال تھا، یہاں روایت مختصر ہے، ابواب ہجرت میں پوری آئے گی''(۵)۔

---

(۱)شرح الكرماني: ٩٠/٤

(۲)علامہ عینی رحمہ اللہ نے یہاں ''بعض حضرات'' کہہ کر ذکر کیا ہے، جب کہ اس کے قائل حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہیں، ملاحظہ ہو فتح الباري: ٦٨١/١، اور حافظ صاحب رحمہ اللہ نے بھی یہ جملہ علامہ دمامینی رحمہ اللہ کا ان کی طرف نسبت کیے بغیر نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو: مصابيح الجامع شرح الجامع الصحيح البخاري: ٢/ ١٣٥.

(۳)التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤٧١

(٤)عمدة القاري: ٢٦١/٤

(٥)تقرير بخارى شريف: ١٦٠/٢

قولہ:"بحائطکم" حائط سے مراد باغ ہے، محض دیوار نہیں ہے، اس کی دلیل آگے آنے والا قول "وفيه نخل" ہے(۱)۔

قولہ:"لا والله" یہ اجمال ہے، اگلا قول:"لا نطلب ثمنه إلا إلى الله" اس اجمال کی تفصیل ہے۔ اور اجمال کے بعد تفصیل اوقع فی النفس ہوا کرتا ہے، جیسے: ﴿فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم﴾۔

قولہ:"إلى الله" میں کلمہ "إلى" من کے معنی میں ہے۔

علماء لغت نے لکھا ہے:"إلى" انتہائے غایت کو بیان کرنے کے لیے آتا ہے(۲)، لہٰذا "لا نطلب ثمنه إلا إلى الله" میں بنونجار نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ ہمارا انتہائے غایت طلبِ اجر من اللہ ہے، طلبِ رضاء الٰہی ہے، ہمیں قیمت نہیں چاہیے۔

اور یہ بالکل اسی طرح ہے، جیسے: حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿من انصاري الى الله، قال الحواريون نحن انصار الله﴾(۳) یہاں حضرت عیسیٰ علیہ وسلم نے مبتدا اپنی ذات کو بنایا اور منتہیٰ اللہ تبارک وتعالیٰ کو بنایا تھا، حواریین نے جواب دیا: ﴿نحن انصار الله﴾(۴)، مبتدا کو انہوں نے غائب کر دیا اور صرف منتہیٰ کی انہوں نے رعایت کی، وہاں بھی "إلیٰ" منتہائے غایت ہی کو بیان کرنے کے لیے ہے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اس جملے کے جو معنی بیان کیے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ ہم اس زمین کا ثمن نہیں لیں گے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں استعمال کی جائے گی۔

پھر سوال یہ ہے کہ جب وہ اس زمین کا بدل لینا ہی نہیں چاہ رہے تھے تو لفظِ ثمن کا استعمال کس بنا پر کر لیا؟

جواب یہ ہے کہ یہ لفظ مشاکلت کے طور پر استعمال کیا گیا، مطلب یہ کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ اس کے ثمن کے بدلے مجھے فروخت کر دو، تو جواب میں بھی انہوں نے وہی لفظ استعمال کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس کا ثمن اللہ تعالیٰ سے ہی وصول کریں گے۔ پھر علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے ایک اشکال اور اس کا

---

(١)التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٤٧١. عمدة القاري: ٤/٢٦١

(٢) معجم الصحاح، المادة: ال، ص: ٤٩

(٣) آل عمران: ٥٤

(٤) أيضا

جواب نقل کیا ہے کہ

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ "الطلب" مصدر کا صلہ تو "مِن" استعمال ہوتا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کہا جاتا: "إلا من الله" نہ کہ "الا إلی الله"۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جملے میں معنوی طور پر یہ مقدر مانا جائے گا: "لا نطلب من أحد لكنه مصروف إلى الله"(۱)۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جہاں رہنے کا اہتمام کرے، جس جگہ کو اپنا وطن بنائے تو وہاں جمعہ اور جماعت کو قائم کرنے اور شعائر اسلام کے اظہار کی خاطر مسجد قائم کرے۔ (اس میں یہ ضروری ہے کہ پہلے سے وہاں مسجد نہ ہو، یا پھر ہو تو صحیح لیکن آبادی کے اعتبار سے ناکافی ہو)، (۲)۔

فقال أنس: فكان فيه ما أقول لكم، قبور المشركين، وفيه خَرِبٌ، وفيه نخلٌ،

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جیسا کہ میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ یہاں مشرکین کی قبریں تھیں، اس احاطہ میں ایک ویران جگہ تھی، اور کھجور کے درخت تھے۔

قولہ: "فكان فيه"، ضمیر کا مرجع "الحائط" ہے جس میں مکان بنا ہوا تھا (۳)۔

قولہ: "قبور المشركين"، اس سے قبل راوی نے کہا: "ما أقول لكم" کہ اس جگہ میں وہ تھا جو میں تمہیں بتا رہا ہوں، اس کے بعد یہ جملہ بدل کے طور پر یا بیان کے طور پر ہوگا (۴)۔

قولہ: "خَرِب"، یہ جمع کا صیغہ ہے جس کی واحد "خَرِبة" ہے، جیسے: كلِمَة کی جمع كَلِم ہے (۵)۔

(۱)شرح الكرماني: ٩٠/٤

(۲)المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب: الصلاة، باب: ابتناء مسجد النبي صلى الله عليه وسلم: ١٢١/٢

(۳)فتح الباري: ١/ ٦٨١.

(٤)عمدة القاري: ٢٦٢/٤

(٥)الخرب: يجوز أن يكون بكسر الخاء، وفتح الراء، جمع خَربة، كنَقِمَة، ونِقَمٍ، أو يجوز أن تكون، جمع خِرْبة -بكسر الخاء، وسكون الراء على التخفيف - كنِعمَة ونِعَمٍ، ويجوز أن يكون، الخَرِب، بفتح الخاء، وبكسر الراء، كنَقِبَة، ونَبِقٍ، وكلمَةٍ، وكَلِمٍ، وقد روي بالحاء المهملة، والثاء المثلثة، يريد به: الموضع المحروث، للزراعة. (النهاية في غريب الحديث والأثر، خ ر ب: ٤٧٧/١)

معجم الصحاح، خ رب، ص: ٢٨٧.

فأمر النبي صلى الله عليه وسلم بقبور المشركين فنُبِشت، ثم بالخرِب فسُوِّيت، وبالنخل فقُطِع، فصفوا النخل قبلة المسجد، وجعلوا عِضادتيه الحجارة،

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبروں کو اکھیڑ دینے کا حکم فرمایا، ویران جگہ کو برابر کر دینے کا حکم فرمایا، اور درختوں کو کٹوا دیا، لوگوں نے ان درختوں کو مسجد کے قبلہ کی جانب بچھا دیا اور پتھروں کے ذریعے اس کے دوستون بنا دیئے۔

قولہ: "فأمر النبي صلى الله عليه وسلم بقبور المشركين فنُبِشت"، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبروں کو اکھیڑ دینے کا حکم فرمایا، تو انہیں اکھیڑ دیا گیا۔

بوقتِ ضرورت مشرکین کی قبروں کے اکھیڑنے کا جواز

قبروں کو اکھیڑنا، اس وقت جب کہ وہ مشرکین، کفار کی ہوں، میتیں مٹی بن چکی ہوں، غصب کی جگہ میں مدفون ہوں، جائز ہے۔ قبر کا احترام ان شقوں کے علاوہ کی صورت میں ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایسا کرنا ضرورت کے وقت جائز ہے، لیکن مسلمانوں کی قبروں کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کیا جائے گا (۱)۔

قولہ: "ثم بالخرِب فسُوِّيت"، بالخرب کا عطف بقبور المشركين پر ہے، مطلب یہ ہے کہ زمین میں پڑے ہوئے گڑھوں، کھڈوں کے بارے میں حکم فرمایا کہ انہیں برابر کر دیا جائے، یعنی: بھر دیا جائے، تاکہ زمین ہموار ہو جائے، اونچی نیچی یا بے ترتیب نہ رہے۔

قولہ: "وبالنخل"، اس سے مراد بھی یہی ہے کہ کھجور کے درختوں کو کاٹ دینے کا حکم فرمایا (۲)۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے، کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پھل دار درختوں کو بھی ضرورت اور حاجت کے وقت کاٹ سکتے ہیں (۳)۔

قولہ: "فصفوا النخل قبلة المسجد"، علامہ سمہودی رحمہ اللہ نے اس قول کی تشریح میں یہ فرمایا ہے

(۱) المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب: الصلاة، باب: ابتناء مسجد النبي صلى الله عليه وسلم: ۱۲۲/۲

(۲) عمدة القاري: ۴/ ۲۶۲

(۳) المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب: الصلاة، باب: ابتناء مسجد النبي صلى الله عليه وسلم: ۱۲۲/۲

کہ ان درختوں کو قبلہ کی جانب، دیوار سے علیحدہ ستون کے طور پر کھڑا کر دیا گیا(۱)۔

علامہ سہیلی رحمہ اللہ نے ابن اسحاق کے واسطے سے یونس بن بکیر کی روایت نقل کی ہے کہ مسجد کی قبلہ والی جانب اینٹوں سے پختہ کی گئی، بلکہ کہا گیا ہے کہ وہ دیوار پتھروں کے ساتھ اس طرح پختہ کی گئی کہ ایک پتھر دوسرے پتھر میں داخل تھا(۲)۔

"قبلة المسجد" سے مراد جہتِ قبلہ ہے، نہ کہ آج کے دور میں موجود قبلہ(۳)۔

قولہ:"وجعلوا عِضادتيه الحجارة"،عضاد واحد ہے،اور عضادتيه تثنیہ ہے،اس کے معنی: راستے کے پہلو کو، حوض کے کناروں کو، جب انہیں پتھروں سے مضبوط کر دیا جائے، چوکھٹ کے دونوں بازوؤں کو مضبوط کرنا،اس جگہ مراد دو ستون کھڑے کرنا ہے، جو پتھر کے تھے(۴)۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر

اس موقع پر جب کہ مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سب اس تعمیر میں حصہ لے رہے تھے تو اس وقت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ مسجد کی تعمیر کے لیے دو دو اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے، ایک اینٹ اپنی اور ایک اینٹ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے، اس وقت اُن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "سب لوگوں کے لیے ایک اجر ہے اور تیرے لیے دہرا اجر ہے، (اور اے عمار!) اس دنیا میں تیرا آخری کھانا دودھ کا گھونٹ ہوگا، اور تجھ کو ایک باغی جماعت شہید کرے گی"(۵)۔

وجعلوا ينقلون الصخر وهم يرتجزون، والنبي صلى الله عليه وسلم معهم،

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پتھر اٹھاتے ہوئے رجزیہ اشعار پڑھتے تھے،اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ہمراہ تھے۔

---

(۱)خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفىٰ صلى الله عليه وسلم، عمارة النبي صلى الله عليه وسلم مسجد المدينة: ۲/۸

(۲)الروض الأنف: ۲/ ۲٤۸

(۳)التوضيح لشرح الجامع الصحيح لابن الملقن: ٥/٤٧٥.

(٤)المعجم الوسيط، ص: ٦٠٦

(٥)الجامع للإمام معمر بن راشد ومعه المصنف لابن عبد الرزاق، باب أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ٢٠٤٢٦، ١١/٢٣٩، ٢٤٠.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اشعار پڑھنا

قولہ: ''یرتجزون''، رجز پڑھ رہے تھے(۱)، اس بات میں ماہرین کا اختلاف ہے کہ رجز شعر کی اقسام میں سے ہے یا نہیں، اکثر عروضیین اور اہل ادب کا اتفاق ہے کہ ''رجز'' شعر نہیں ہے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے پڑھا ہے، اگر یہ شعر ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر کا علم ہونا لازم آئے گا، حالانکہ قرآن حکیم میں ہے: ﴿وما علمنه الشعر﴾ (۲) کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھایا۔

---

(۱) علامہ احمد رضا خان بجنوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: اخفش (امام نحو) کی رائے ہے کہ رجز بحور اشعار میں سے نہیں ہے، دوسرے علماء نحو اسی میں سے مانتے ہیں، مگر میرے نزدیک اخفش کی رائے دقیق وقوی ہے، رجز اردو کے فقرہ بندی وتک بندی کی طرح ہے اور شعر و رجز کو مقابل سمجھا جاتا تھا، چنانچہ تباع یمن کے ہاں راجز بھی ہوتے تھے اور شاعر بھی، اور تمام شعراء کے بعد راجز سناتا تھا، لہٰذا رجز شعر کے علاوہ ہے، پھر جو لوگ رجز کو شعر میں داخل مانتے ہیں وہ بھی اس میں قصد وارادہ کو ضروری سمجھتے اور کہتے ہیں، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انشاء شعر تو کسی طرح ثابت نہیں، یعنی: آپ نے خود شاعری نہیں کی، نہ کوئی شعر کبھی کہا، کیونکہ آپ کی شان گرامی کے مناسب وموزوں نہ تھا، البتہ دوسروں کے اشعار یا رجز پڑھے ہیں اور اشعار پڑھنے میں بھی جان بوجھ کر وزن توڑ دیتے تھے، جن پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرما بھی دیا کرتے تھے کہ حضرت! اس طرح نہیں ہے، اور آپ جواب میں فرمادیتے تھے کہ میں شاعر نہیں ہوں، آپ سے یہ شعر پڑھنا ثابت ہے، جس کے اسناد میں ائمہ نحو ہیں:

تفاء ل بما تهوىٰ يكن فلقلما　　　يقال لشيئ كانا لا تحقق

اصل شعر میں ''تحققا'' الف کے ساتھ تھا جس کو آپ نے توڑ دیا۔ العرف الشذی اور فیض الباری میں ''تحققا'' چھپا ہے، جو غلط ہے، کیونکہ سنن بیہقی، ص:۴۳، ج:۷ میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا حضور علیہ السلام نے کبھی پورا شعر نہیں پڑھا، مگر ایک، اور پھر یہی مذکورہ بالا شعر ذکر کیا، اس کے بعد امام بیہقیؒ نے فرمایا کہ رجز پڑھنے کا ثبوت حضور علیہ السلام سے ضرور ہوا ہے اور پھر سندوں کے ساتھ پڑھے ہوئے بہت سے رجزوں کا ذکر کیا۔

پھر یہ اختلاف ہے کہ قرآن مجید سے شعر میں اقتباس جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً:

ايها الناس اتقوا ربكم　　　زلزلة الساعة شيئ عظيم

ومن يتق الله يجعل له　　　ويرزقه من حيث لا يحتسب

یہاں ایک ایک لفظ کم کر کے شعر بنادیا ہے، اس طرح شافعیہ کے یہاں جائز ہے، مگر ہمارے یہاں جائز نہیں ہے اور اس سے مجھے تو خوف ہی ہے، اگر بغیر کم کیے ہوجائے تو خیر!۔ (انوار الباری: ۱۴/ ۳۹، ۴۰)

(۲) یٰسن: ٦٩

لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ ایک آدھ شعر کہنے سے، یا کبھی کبھار شعر پڑھنے سے کوئی شاعر نہیں بن جاتا، اور نہ ہی ایسے شخص کو شاعر کا نام دیا جاتا ہے، اور نہ ہی وہ اشعار اس شخص کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں(۱)۔

صحیح قول یہی ہے کہ رجز بھی شعر کی ہی ایک قسم ہے، کیونکہ شعر اس کلام موزون کو کہتے ہیں، جس میں قافیہ کی رعایت کی جائے، اور رجز بھی اسی طرح ہے(۲)۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اشعار پڑھتے تھے، بلکہ ظاہر بات تو یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رجز پڑھتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود ہوتے تھے، کیونکہ واؤ حالیہ ہے، اور جملہ "النبي صلى الله عليه وسلم معهم" حال کی جگہ ہے۔

اور دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ اس جملہ "النبي صلى الله عليه وسلم معهم" کا عطف یرتجزون کی ضمیر پر ہے، اس صورت میں اشعار پڑھنے والوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب تھے(۳)۔

سماع کے مباح ہونے پر استدلال

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صوفیاء کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان اشعار پڑھنے سے سماع کے مباح ہونے پر دلیل پکڑی ہے، لیکن موجودہ دور میں اس میں غلو ہو چکا ہے، حد جواز سے تجاوز کیا جا چکا ہے، آلات موسیقی کو جائز قرار دیا گیا ہے حالانکہ وہ حرام ہیں، رقص کو جائز سمجھا جاتا ہے، یہ تو مجنون، اہل باطل اور فساق لوگوں کے کام ہیں، جو انہوں نے دین میں داخل کر دیئے ہیں حالانکہ وہ دین میں سے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے ہمیں ان سے محفوظ رکھے، آمین(۴)

وهو يقول:

اللهم لا خير إلا خير الآخرة فاغفر للأنصار والمهاجرة.

---

(۱)عمدة القاري: ٢٦٣/٤

(٢)المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب: الصلاة، باب: ابتناء مسجد النبي صلى الله عليه وسلم: ١٢٣/٢

(٣)المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب: الصلاة، باب: ابتناء مسجد النبي صلى الله عليه وسلم: ١٢٤/٢

(٤)المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب: الصلاة، باب: ابتناء مسجد النبي صلى الله عليه وسلم: ١٢٤/٢

اور یہ فرما رہے تھے: اے اللہ! آخرت کی بھلائی کے علاوہ اور کوئی بھلائی (قابل توجہ) نہیں، پس انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمائیے۔

قولہ: "وهو يقول"، یہ **جملہ حال** ہے، النبي سے(۱)۔

قولہ: "اللهم لا خير إلا خير الآخرة"، **صحیح البخاری** کی ہی **ایک روایت** اور **صحیح مسلم** کی **ایک روایت** میں: "اللهم إنه لا خير إلا خير الآخرة" ہے، **معنی کے اعتبار** سے کوئی **خاص فرق نہیں** ہے۔ کہ اے اللہ! اصل خیر تو آخرت کی خیر ہی ہے(۲)۔

---

(۱)عمدة القاري: ٢٦٤/٤

(٢)حدثنا مسدد، حدثنا عبد الوارث، ح وحدثنا إسحاق بن منصور، أخبرنا عبد الصمد، قال: سمعت أبي يحدث، حدثنا أبو التياح يزيد بن حميد الضبعي، قال: حدثني أنس بن مالك رضي الله عنه، قال: لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة، نزل في علو المدينة، في حي يقال لهم بنو عمرو بن عوف، قال: فأقام فيهم أربع عشرة ليلة، ثم أرسل إلى ملإ بني النجار، قال: فجاء وا متقلدي سيوفهم، قال: وكأني أنظر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على راحلته وأبو بكر ردفه، وملأ بني النجار حوله، حتى ألقى بفناء أبي أيوب، قال: فكان يصلي حيث أدركته الصلاة، ويصلي في مرابض الغنم، قال: ثم إنه أمر ببناء المسجد، فأرسل إلى ملإ بني النجار فجاء وا، فقال: يا بني النجار! ثامنوني حائطكم هذا فقالوا: لا والله، لا نطلب ثمنه إلا إلى الله، قال: فكان فيه ما أقول لكم، كانت فيه قبور المشركين، وكانت فيه خرب، وكان فيه نخل، فأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقبور المشركين فنبشت، وبالخرب فسويت، وبالنخل فقطع، قال:فصفوا النخل قبلة المسجد، قال: وجعلوا عضادتيه حجارة، قال: قال: جعلوا ينقلون ذاك الصخر **وهم يرتجزون، ورسول الله صلى الله عليه وسلم معهم، يقولون: اللهم إنه لا خير إلا خير الآخره، فانصر الأنصار والمهاجره**. (صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب: مقدم النبي صلى الله عليه وسمل وأصحابه المدينة، رقم الحديث: ٣٩٣٢)

حدثنا يحيى بن يحيى، وشيبان بن فروخ، كلاهما عن عبد الوارث، قال يحيى: أخبرنا عبد الوارث بن سعيد، عن أبي التياح الضبعي، حدثنا أنس بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قدم المدينة، فنزل في علو المدينة، في حي يقال لهم بنو عمرو بن عوف، فأقام فيهم أربع عشرة ليلة، ثم إنه أرسل إلى ملأ بني النجار، فجاء وا متقلدين بسيوفهم، قال: فكأني أنظر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على =

اس کے علاوہ ایک روایت میں "اللهم إن الخير خير الآخرة" کے الفاظ بھی منقول ہیں(١)۔

قولہ: "فاغفر للأنصار"، اس روایت میں "للأنصار" ہے، جبکہ مستملی اور حموی کی روایت میں لام حرف جر کے بغیر "الأنصار" ہے(٢)، اور سنن ابی داوٗد کی روایت میں "فاغفر" کی جگہ "فانصر" ہے، یعنی: "فانصر الأنصار"(٣)۔

= راحلته، وأبو بكر ردفه، وملأ بني النجار حوله، حتى ألقى بفناء أبي أيوب، قال: فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي حيث أدركته الصلاة، ويصلي في مرابض الغنم، ثم إنه أمر بالمسجد، قال فأرسل إلى ملأ بني النجار فجاء وا، فقال: يا بني النجار، ثامنوني بحائطكم هذا قالوا: لا، والله! لا نطلب ثمنه إلا إلى الله، قال أنس: فكان فيه ما أقول: كان فيه نخل وقبور المشركين وخرب، فأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالنخل فقطع، وبقبور المشركين فنبشت، وبالخرب فسويت، قال: فصفوا النخل قبلة، وجعلوا عضادتيه حجارة، قال: فكانوا يرتجزون، ورسول الله صلى الله عليه وسلم معهم، **وهم يقولون: اللهم إنه لا خير إلا خير الآخره، فانصر الأنصار والمهاجره.** (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب: ابتناء مسجد النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ٥٢٤)

(١) حدثنا عمرو بن علي، حدثنا خالد بن الحارث، حدثنا حميد، عن أنس رضي الله عنه: خرج النبي صلى الله عليه وسلم، في غداة باردة، والمهاجرون والأنصار يحفرون الخندق، فقال:

اللهم إن الخير خير الآخره   فاغفر للأنصار والمهاجره

فأجابوا:

نحن الذين بايعوا محمدا   على الجهاد ما بقينا أبدا

(صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب: كيف يباع الإمام الناس، رقم الحديث: ٧٢٠١)

(٢) فتح الباري: ١/ ٦٨١. عمدة القاري: ٤/ ٢٦٤

(٣) حدثنا مسدد، حدثنا عبد الوارث، عن أبي التياح، عن أنس بن مالك، قال: قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة فنزل في علو المدينة في حي يقال: لهم بنو عمرو بن عوف فأقام فيهم أربع عشرة ليلة، ثم أرسل إلى بني النجار فجاء وا متقلدين سيوفهم، فقال أنس: فكأني أنظر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على راحلته، وأبو بكر ردفه، وملأ بني النجار حوله حتى ألقى بفناء أبي أيوب، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي، حيث أدركته الصلاة، ويصلي في مرابض الغنم، وإنه أمر ببناء المسجد، فأرسل إلى بني النجار فقال: يا بني النجار، ثامنوني بحائطكم هذا فقالوا: والله! لا نطلب ثمنه إلا إلى الله عز وجل، =

انصار کی وجہ تسمیہ

''انصار''، جمع ہے نصیر کی، جیسے شریف کی جمع ''اشراف'' ہے، اس جماعت کو انصار اس لیے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و نصرت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کے دشمنوں سے حفاظت کی۔ یہ جماعت اپنی اس صفت میں کچھ ایسی ممتاز ہوئی کہ ان کا نام ہی ''انصار'' ہوگیا، اور ایسا معروف ومشہور ہوگیا کہ گویا کسی قبیلے کا نام انصار ہے(۱)۔

مہاجرین کی وجہ تسمیہ

قولہ: ''والمهاجرة''، اس سے مراد وہ جماعت ہے جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اور آخرت کی کامیابی کی طلب میں مکہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، ہجرت کی اصل کسی چیز کو ترک کرنا، چھوڑ دینا ہے، پھر یہ لفظ ایک زمین کو چھوڑ کے دوسری زمین کی طرف چلے جانے کے لیے استعمال ہونے لگا، اور پہلے معنی کا استعمال متروک ہوگیا(۲)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب اس شعر کو شعر کے انداز میں پڑھا جائے گا تو لفظ "آخرة" اور "المهاجرة" پر وقف کر کے جزم کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ لیکن منقول یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعر کو وزن شعری سے نکالتے ہوئے تاء متحرکہ کے ساتھ پڑھا تھا(۳)۔

= قال أنس: وكان فيه ما أقول لكم، كانت فيه قبور المشركين، وكانت فيه خرب، وكان فيه نخل، فأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقبور المشركين، فنبشت وبالخرب فسويت وبالنخل فقطع، فصفوا النخل قبلة المسجد، وجعلوا عضادتيه حجارة، وجعلوا ينقلون الصخر، **وهم يرتجزون والنبي صلى الله عليه وسلم معهم، وهو يقول: اللهم لا خير إلا خير الآخره فانصر الأنصار والمهاجره**. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: في بناء المساجد، رقم الحديث: ٤٥٣)

(١)المحكم والمحيط الأعظم لابن سيده، الماده: ن ص ر، ٨/ ٢٩٩۔ لسان العرب، فصل النون: ٥/ ٢١٠

(٢)عمدة القاري: ٤/ ٢٦٤

(٣)شرح الكرماني: ٤/ ٩٠

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بالکل ظاہر ہے کہ ترجمہ میں بھی اور حدیث مبارکہ میں بھی مشرکین کی قبور کو اکھیڑنے کا ذکر ہے(۱)۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور واحکام

اس حدیث مبارک سے بہت سے احکام وآداب مستنبط ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ ذیل میں لکھے جاتے ہیں:

۱۔ایک ہی سواری پر سوار کے پیچھے کسی دوسرے بندے کو بھی بٹھانے کا جواز معلوم ہوا(۲)۔

۲۔بکریوں کے باندھنے کی جگہ نماز کی ادائیگی کے جواز کا علم ہوا(۳)۔

۳۔ہبہ یا بیع کی وجہ سے جس قبرستان کا مالک بنا ہوا اس قبرستان میں تصرفات کرنے کے جواز کا علم ہوا(۴)۔

۴۔یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکین کی قبور کو اکھیڑنا جائز ہے، کیونکہ وہ قابل احترام نہیں ہیں(۵)۔

۵۔یہ معلوم ہوا کہ جب قبر میں مردے کی ہڈیاں تک ختم ہو کر مٹی میں مل جائیں تو اس زمین پر نماز ادا کرنا درست ہے(٦)۔

٦۔یہ بھی معلوم ہوا کہ تازہ پھل دار درختوں کا بوقت ضرورت کاٹ کر استعمال میں لانا بھی درست ہے(۷)۔

۷۔ذہنوں کو تازہ رکھنے کے لیے اشعار کہنے کا جواز بھی معلوم ہوا(۸)۔

---

(۱)عمدة القاري: ٤/ ٢٥٨

(٢)عمدة القاري: ٤/٢٦٤

(٣)عمدة القاري: ٤/٢٦٤

(٤)فتح الباري: ١/ ٦٨١. عمدة القاري: ٤/٢٦٤

(٥)أعلام الحديث في شرح صحيح البخاري للخطابي: ١/٣٩١- فتح الباري: ١/ ٦٨١. عمدة القاري: ٤/٢٦٤

(٦)التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٧٤٧. عمدة القاري: ٤/ ٢٦٥

(٧)التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٧٤٧. عمدة القاري: ٤/ ٢٦٥

(٨)عمدة القاري: ٤/ ٢٦٥

۸۔علامہ قرطبی رحمہ اللہ کا قول ماقبل میں گذرا کہ وہ فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جہاں رہنے کا اہتمام کرے، جس جگہ کو اپنا وطن بنائے تو وہاں جمعہ اور جماعت کو قائم کرنے اور شعائرِ اسلام کے اظہار کی خاطر مسجد قائم کرے۔(اس میں یہ ضروری ہے کہ پہلے سے وہاں مسجد نہ ہو، یا پھر ہو تو صحیح ،لیکن آبادی کے اعتبار سے ناکافی ہو)،(۱)

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

۱۷ – باب : اَلصَّلَاةِ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ .

یہ باب ہے بکریوں کے باندھنے کی جگہ نماز پڑھنے کے بارے میں

قولہ:"مرابض"، کا مادہ ہے رب ض،جس کے معنی ہیں: کسی جگہ ٹھہرنا، یہ جمع ہے مَرِبض (''میم'' کی فتحہ اور''باء'' کی کسرہ) کی۔ربَضَ، یَربِضُ باب ضرب یضرِبُ سے اسم مکان ہے،جس کے معنی: بکریوں کے رہنے کی جگہ کے ہیں، جسے باڑہ اور تھان بھی کہتے ہیں(۲)۔

بعض حضرات نے اس لفظ کو مِربَض (بکسر المیم) پڑھا ہے،لیکن اسے علامہ عینی رحمہ اللہ نے غلط قرار دیا ہے(۳)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دیگر جانور مثلاً گائے،بھینس، گھوڑا، اونٹ وغیرہ کے مقابل بکریوں میں مسکنت ہوتی ہے،اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور جانوروں کے مقابلے میں بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنا پسند فرماتے تھے(۴)۔

نیز فرمایا: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود اس ترجمہ سے یہ ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر سے پہلے آپ صلی اللہ

---

(۱)المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب: الصلاة، باب: ابتناء مسجد النبي صلى الله عليه وسلم: ۱۲۱/۲

(۲)المحكم والمحيط الأعظم، المادة: رب ض: ۱۹٤/۸ . الصحاح للجوهري، المادة: رب ض، ۱۰۷٦/۳ .

(۳)عمدة القاري: ٤/٢٦٥

(٤)الأبواب والتراجم: ۲۱٤/۲ . الكنز المتواري: ٤/ ۱۳۳ .

علیہ وسلم کا مرابض غنم میں نماز پڑھنا کوئی اتفاقی امر نہیں تھا، بلکہ قصداً تھا(١)۔

٤١٩ : حدّثنا سُلَيْمانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ : حَدَّثنا شُعْبَةُ ، عَنْ أَبِي ٱلتَّيَّاحِ ، عَنْ أَنَسٍ(٢) قَالَ : كَانَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي فِي مَرَابِضِ ٱلْغَنَمِ ، ثُمَّ سَمِعْتُهُ بَعْدُ يَقُولُ : كَانَ يُصَلِّي فِي مَرَابِضِ ٱلْغَنَمِ ، قَبْلَ أَنْ يُبْنَى ٱلْمَسْجِدُ . [ر : ٢٣٢]

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل چار راوی ہیں:

١۔سلیمان بن حرب

یہ ”ابوایوب سلیمان بن حرب بن بجیل ازدی واشحی بصری“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من کره أن يعود في الكفر كما يكره أن يلقى في النار من الإيمان، کے تحت گزر چکے ہیں(٣)۔

٢۔شعبہ

یہ ”شعبہ بن الحجاج بن الورد واسطی بصری“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب:المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، کے تحت گذر چکے ہیں(٤)۔

٣۔ابی التیاح

یہ ”ابوالتیاح یزید بن حمید الضبعی“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولهم بالموعظة والعلم كي لا ينفروا، کے تحت گذر چکے ہیں(٥)۔

---

(١)سراج القاري: ١٤/٢

(٢)مر تخريجه تحت رقم الحديث: ٢٣٢، كتاب الوضوء، باب: أبوال الإبل والدواب والغنم ومرابضها.

(٣)كشف الباري: ١٠٥/٢

(٤)كشف الباری: ٦٧٨/١

(٥)كشف الباری: ٢٦١/٣

۴۔انس

یہ مشہور صحابی رسول ''حضرت انس بن مالک'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

ترجمہ حدیث

حضرت ابوالتیاح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں کے باڑے میں نماز ادا کر لیتے تھے، پھر اس کے بعد میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد (نبوی) بننے سے پہلے بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھتے تھے۔

شرح حدیث

مذکورہ حدیث کی شرح تفصیل سے کتاب الوضو کے باب: أبوال الإبل والدواب والغنم ومرابضها، میں گذر چکی ہے(۲)۔

خلاصہ اس تشریح کا یہ ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے آسانی اور سہولت والا معاملہ کرتے ہوئے پوری روئے زمین کو نماز اور طہارت کی جگہ بنا دیا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی کو جہاں بھی نماز کا وقت آجائے وہ جگہ کی پاکی کا لحاظ رکھتے ہوئے وہاں نماز ادا کرلے، یہ اس امت کا امتیازی وصف ہے، اس کی عمومیت میں بکریوں کے باڑے میں ادا کی جانے والی نماز بھی شامل ہے۔

دوسری بات یہ کہ روایت کے مطابق جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل مسجدِ نبوی کی تعمیر سے پہلے کا تھا اور مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مسجد میں نماز ادا کرنے کا تھا، یعنی: بکریوں کے

---

(۱) کشف الباری: ۲/٤

(۲) کشف الباري: کتاب الوضوء، باب: أبوال الإبل والدواب والغنم ومرابضها، رقم الحدیث: ۲۳٤.

باڑے میں نماز ادا کرنا مطلوب ومحمود نہیں ہے، بلکہ بوقت ضرورت ایسی جگہ نماز ادا کرنا جائز ہے۔

قولہ: "ثم سمعته بعدُ"، اس قول کا قائل کون ہے؟ اس بارے میں علامہ برماوی رحمہ اللہ نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ اس کے قائل "ابوالتیاح" ہیں جنہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بات سنی (۱)۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ اس کے قائل حضرت شعبہ کا ہے جو اس حدیث کو حضرت ابوالتیاح سے روایت کررہے ہیں (۲)۔

اور علامہ عینی رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں دونوں احتمال ہیں (۳)۔

اس زیادتی کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک مسجد نبوی تعمیر نہیں ہوئی تھی تب تک تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت کے وقت، جب کوئی اور جگہ میسر نہ ہوتی تو بکریوں کے باڑے میں بھی نماز ادا فرمالیتے تھے۔ لیکن جب مسجدِ نبوی تعمیر ہوگئی تو پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی جگہ نماز ادا نہیں کی، اگرچہ ایسی جگہوں میں ناپاکی وغیرہ سے سلامتی کی صورت میں نماز ادا کرنے کا جواز برقرار ہے (۴)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بالکل ظاہر ہے کہ دونوں میں بکریوں کے باڑے میں نماز ادا کرنے کا ذکر ہے (۵)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

---

(۱) اللامع الصبیح بشرح الجامع الصحیح: ۱۸۹/۳

(۲) فتح الباری: ۶۸۲/۱

(۳) عمدة القاري: ٢٦٦/٤

(۴) عرب بکریاں اور اونٹ پالتے تھے، یہی ان کی معیشت تھی، جہاں رات کے وقت انہیں لاکر وہ باندھتے تھے ان میں ایک طرف اپنے اٹھنے بیٹھنے کی بھی جگہ بنالیا کرتے تھے، جس کی صفائی کا التزام رکھتے تھے، چونکہ مساجد کی ابھی تعمیر نہیں ہوئی تھی اور نماز پڑھنے کے لیے اسلام میں کسی خاص جگہ کی قید نہیں تھی، اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اور صحابہؓ نے بھی بکریوں کے ان باڑوں میں نماز ادا فرمائی، پھر یہاں کی کوئی تخصیص نہیں تھی، جہاں بھی نماز کا وقت ہوجاتا، آپ فوراً ادا کرلیتے، جب مسجد کی تعمیر ہوگئی تو اب عام حالات میں نماز مسجد ہی میں پڑھنا بہتر قرار پایا۔ (انوار الباری: ۴۰/۱۴)

(۵) عمدة القاري: ٢٦٥/٤

۱۸ – باب : اَلصَّلَاةِ فِي مَوَاضِعِ الْإِبِلِ .

یہ باب اونٹوں کے رہنے کی جگہ میں نماز ادا کرنے کے بارے میں ہے۔

قولہ:"مواضع الإبل"، اس ترجمة الباب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے مواضع الإبل کا لفظ استعمال کیا ہے، حالانکہ احادیث میں یہ لفظ استعمال نہیں ہوا، بلکہ حضرت براء اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں "مبارك الإبل" کے الفاظ ہیں (۱)، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں "أعطان الإبل" کے الفاظ (۲)، اور حضرت اُسید بن حضیر کی روایت میں "مناخ الإبل" کے الفاظ (۳)، اور حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت میں "مرابد الإبل" کے الفاظ منقول ہیں (۴)، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان تمام الفاظ کو ترک کر کے "مواضع الإبل" کا لفظ استعمال کیا ہے، کیونکہ یہ لفظ سابقہ تمام معانی کو شامل ہے (۵)۔

---

(۱) عن البراء بن عازب، قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الوضوء من لحوم الإبل، فقال: توضؤوا منها، وسئل عن لحوم الغنم، فقال: لا توضؤوا منها، **وسئل عن الصلاة في مبارك الإبل،** فقال: لا تصلوا في مبارك الإبل، فإنها من الشياطين، وسئل عن الصلاة في مرابض الغنم، فقال: صلوا فيها فإنها بركة. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب: في الوضوء من لحوم الإبل، رقم الحديث: ۱۸۷)

عن جابر بن سمرة أن رجلا سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم أأتوضأ من لحوم الغنم؟ قال: إن شئت فتوضأ، وإن شئت فلا توضأ. قال أتوضأ من لحوم الإبل؟ قال: نعم فتوضأ من لحوم الإبل، قال: أصلي في مرابض الغنم؟ قال: نعم. **قال: أصلي في مبارك الإبل؟** قال: لا. (صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب: الوضوء من لحوم الإبل، رقم الحديث: ۹۷)

(۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلوا في مرابض الغنم، **ولا تصلوا في أعطان الإبل**. (سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الصلاة في مرابض الغنم وأعطان الإبل، رقم الحديث: ۳٤۸)

(۳) فتح الباري: ۶۸۲/۱

(٤) عن عبد الله بن عمرو: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي في مرابد الغنم، **ولا يصلي في مرابد الإبل** والبقر. (مسند أحمد بن الحنبل، مسند عبد الله بن عمرو بن العاص، رقم الحديث: ۶۶۵۸، ۲۳۹/۱۱)

(۵) فتح الباري: ۶۸۲/۱

معنی ان تمام الفاظ کا قدرے فرق کے ساتھ تقریبا ایک ہی ہے۔

"مَبارِك"، اس کے معنی: گھٹنوں کے بل بیٹھنے کے ہیں، جب اونٹ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتا ہے تو اس کے بیٹھنے کی جگہ کو مَبرَك اور اس کی جمع کو مَبارِك کہتے ہیں(۱)۔

"معاطن" جمع ہے "معطِن" کی، اس کے معنی ہیں تالاب کے اردگرد اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ، ایسا عام طور پر اس وقت ہوتا ہے جب اونٹ یا بکریاں وغیرہ پانی پی کر سیراب ہو جاتے ہیں، اس کے بعد وہ تالاب کے اردگرد ہی بیٹھا دیئے جاتے ہیں، تاکہ کچھ دیر بعد وہ دوبارہ پانی پی لیں، کیوں کہ انہوں نے ہفتہ بھر کے اپنے پیٹ میں پانی کا ذخیرہ جمع کرنا ہوتا ہے، تو اس جگہ کو "معاطن" کہتے ہیں(۲)۔

"مرابد" جمع ہے "مربد" کی، اس کے معنی بھی اونٹ بٹھانے اور باندھنے کی جگہ ہے(۳)۔

"مناخ" کے معنی بھی یہی ہیں(۴)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود اس باب سے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہوں میں نماز کی ادائیگی کی صحیح ہونے کو بیان کرنا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا رد کرنا ہے، کہ ان کے نزدیک اونٹ باندھنے کی جگہوں میں نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے(۵)۔

---

(۱)الصحاح تاج اللغة، برك: ١٥٧٤/٤. المعجم الوسيط: باب الباء: ٥٢/١.

(۲)النهاية في غريب الحديث والأثر، عطن: ٢٥٨/٣. لسان العرب، فصل العين المهملة: ٢٨٦/١٣. المعجم الوسيط، باب العين: ٦٠٩/٢

(۳)الصحاح تاج اللغة: ٤٧١/٢. لسان العرب، فصل الراء: ١٧٠/٣. المعجم الوسيط، باب الراء: ٣٢٢/١

(٤)المغرب في ترتيب المعرب، العين مع الطاء: ٣١٩/١

(۵)علامہ بجنوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس باب وحدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اونٹوں کے طویلہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت جن احادیث میں موجود ہے وہ دوسری وجوہ سے ہے کہ بعض اونٹ شریر ہوتے ہیں، بدک جائیں تو نماز اطمینان سے پڑھنی مشکل ہو، وغیرہ، ورنہ اگر سدھائے ہوئے ہوں اور سواری کے ہوں جو اکثر بہت ہی زیادہ شریف مزاج ہوتے ہیں تو ان کے قرب میں فی نفسہ کوئی خرابی نماز میں آسکتی تو حضور علیہ السلام خود کیوں نماز پڑھتے؟! لیکن امام احمدؒ نے یہاں فقہی دقتِ نظر سے کام نہ لے کر ظاہری ممانعت حدیث کی وجہ سے اونٹوں کے طویلہ میں نماز کو نادرست قرار دیا اور اسی کا رد امام بخاریؒ =

علامہ سندھی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ سندھی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ "مواضع ابل" اور "معاطن ابل" میں فرق بیان فرمارہے ہیں کہ معاطن اور شئی ہے، مواضع اور شئی۔ معاطن وہ جگہ کہلاتی ہے جہاں اونٹ پانی پینے کے وقت ٹھہرتا ہے۔ اور نہی مذکور خاص ہے معاطنِ ابل کے ساتھ، لہٰذا اونٹ کے اٹھنے بیٹھنے کی دوسری جگہوں کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا، چنانچہ ان جگہوں میں نماز جائز رہے گی (۱)۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس باب کو قائم کر کے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتلانا چاہ رہے ہیں کہ وہ ممانعت جو اونٹوں کے باڑے میں نماز سے متعلق ہے وہ اپنے عموم پر نہیں ہے اور نہ ہی وہ ممانعت کسی ایسی علت پر مبنی ہے جو اونٹ کی ذات میں پائی جاتی ہو، بلکہ اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ایسی جگہوں میں نماز ادا کرنے سے یکسوئی باقی نہیں رہتی، دل میں اونٹ کی طرف سے نقصان، شرارت اور نجاست کے وساوس منڈلاتے رہتے ہیں، لہٰذا اگر ان امور سے تحفظ ممکن ہو، اور دل کا اطمینان حاصل ہو تو پھر ایسی جگہوں میں نماز کے صحیح ہونے سے کچھ مانع نہیں ہے۔ جیسے کجاوے کی لکڑی وغیرہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا درست ہے، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اثر سے اس کا اشارہ مل رہا ہے، لہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ کا اثرِ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے استدلال کرتے ہوئے اونٹوں کے باڑے میں نماز کے جواز کو اختیار کرنا درست ہے (۲)۔

علامہ کاندھلوی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گویا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس ترجمہ کے ذریعہ ان احادیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو اونٹوں کے باڑے میں نماز ادا کرنے سے منع کے بارے میں

= نے کیا ہے۔ حافظؒ نے یہاں لکھا کہ ممانعت والی احادیث امام بخاریؒ کی شرط پر نہ ہوں گی، اس لیے ان کو ذکر نہیں کیا، مگر میں کہتا ہوں کہ امام بخاریؒ دوسروں کے مسلک والی احادیث روایت کرنے کا التزام ہی کب کرتے ہیں جو تاویل مذکور کی جائے، واللہ اعلم۔ (انوار الباری: ۱۴/۴۱)

(۱) حاشية السندي، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في مواضع الإبل: ۱/۱۲۶، الطاف سنز.

(۲) اللامع الداراري: ۱/۱٦٦

وارد ہوئی ہیں اور وہ امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر پورا نہیں اترتیں۔یعنی: اس باب کے قائم کرنے کے ذریعے امام بخاری رحمہ اللہ اونٹوں کے باڑے میں نماز کے جواز کو بتلا رہے ہیں(۱)۔

اونٹوں کے باڑے میں نماز کا حکم

ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ) کے نزدیک اونٹوں کے باندھنے کی جگہ میں جبکہ وہاں اونٹ بندھے ہوئے ہوں تو وہاں نماز ادا کرنا مکروہ ہے، اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ شریر جانور ہے، اس کی شرارت اور اس کے بھاگنے اور کچل دینے کے خوف کی وجہ سے نماز میں خلل کا اندیشہ ہے، اور یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ اونٹوں کے باڑہ میں نجاست زیادہ ہوتی ہے، بخلاف بکریوں کے باڑے میں۔

اور اگر ایسی جگہوں میں جگہ پاک وصاف ہو یا پاک کپڑا بچھا کے نماز پڑھ لی جائے تو پھر کراہت بھی نہیں ہے(۲)۔

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک ایسی جگہوں میں نماز ادا نہیں ہوتی، ان کی دلیل سنن ابی داؤد کی وہ حدیث ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کے باڑے میں نماز ادا کرنے کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کے باڑے میں نماز مت پڑھو کیونکہ ان کی خلقت شیاطین سے ہے(۳)، البتہ ان کے نزدیک

(۱) تحفة القاري: ۲/۴۸۸

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل شرائط أركان الصلاة: ۱/۱۱۵

حاشية ابن عابدين، کتاب الصلاة: ۱/۳۸۰

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۱/۳۵۷.

شرح التلقين للمازري المالكي، کتاب الصلاة، فصل: الأماكن التي تكره فيها الصلاة: ۱/۸۲۰

المدونة، کتاب الصلاة، الصلاة في المواضع التي تكره فيها الصلاة: ۱/۱۸۳

مواهب الجليل في شرح مختصر الخليل، کتاب الصلاة، فائدة: تكره الصلاة في أربعة عشر موضعا: ۱/۴۱۹

البيان في مذهب الإمام الشافعي، کتاب الصلاة، مسألة: الصلاة في أعطان الإبل: ۲/۱۱۱

التهذيب في فقه الإمام الشافعي، کتاب الصلاة: ۲/۲۰۵

النجم الوهاج في شرح المنهاج، کتاب الصلاة، فصل: ۲/۲۴۳

(۳) عن البراء بن عازب، قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الوضوء من لحوم الإبل، فقال توضؤوا منها، وسئل عن لحوم الغنم، فقال: لا توضؤوا منها، وسئل عن الصلاة في مبارك الإبل، فقال: لا تصلوا في مبارك الإبل، فإنها من الشياطين، وسئل عن الصلاة في مرابض الغنم، فقال: صلوا فيها فإنها بركة. (سنن أبي داؤد، کتاب الطهارة، باب: في الوضوء من لحوم الإبل، رقم الحديث: ۱۸۷)

بھی اونٹ کے چلنے پھرنے کی جگہوں میں، عارضی قیام گاہ، (جیسے: راہ چلتے چلتے کچھ دیر کے لیے رک کر بیٹھ گئے، یا چارہ کھانے کے لیے بیٹھ گئے ہوں وغیرہ وغیرہ) میں نماز ادا کرنا جائز ہے(۱)۔

حنابلہ کی دلیل کا جواب

علامہ سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث کے جملے "فإنها من الشياطين" میں "ہ" ضمیر کا مرجع ماقبل جملے میں لفظِ "مبـــارِك" بنے گا یا پھر لفظِ "ابـل"، دونوں احتمال موجود ہیں، اگر احتمال اول مراد ہو تو اس صورت میں "الشيـاطين" سے قبل مضاف محذوف ہوگا، یعنی: "مـأوى الشيـاطين"، کہ اونٹوں کے باڑے شیاطین کے ٹھکانے ہیں۔

اور اگر دوسرا احتمال مراد ہو یعنی: ضمیر راجع ہو "ابل" کی طرف، تو اس سے لازم آئے گا کہ اونٹ شیاطین کی نسل میں سے ہیں۔ اس احتمال کو سامنے رکھتے ہوئے بعض کا کہنا ہے کہ یہ جملہ اپنی حقیقت پر محمول ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اونٹ بھی شیاطین کے پانی سے تخلیق کیے گئے ہیں۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہاں معنیٰ حقیقی مراد نہیں ہیں، بلکہ معنیٰ مجازی مراد ہیں، یعنی: اونٹوں کو شیاطین کے ساتھ نفور اور شرارت میں تشبیہ دی گئی ہے، کہ جس طرح شیاطین شریر ہوتے ہیں، اسی طرح اونٹ بھی شریر ہوتے ہیں۔

اور بعض علماء کا یہ بھی کہنا ہے کہ شیطان بھی دو ہیں، ایک: وہی جو جنات کی نسل سے ہے اور مشہور ومعروف ہے اور دوسرا ہر سرکش وشریر پر بھی شیطان کا اطلاق ہوتا ہے، لہٰذا اونٹوں کے بارے میں "فـإنهـا من الشياطين" کہنے میں بھی یہی دوسری قسم مراد ہے۔

پھر ممانعت (لا تـصـلـوا في مبارك الإبل) کی علت جمہور کے نزدیک یہ نہیں ہے کہ وہ شیطان کی نسل سے ہیں، ورنہ اس صورت میں تو ان کے قرب میں، اور اُن کی طرف منہ کر کے یا ان پر سوار ہو کر بھی نماز پڑھنا جائز نہ ہوتا، جبکہ ان سب کا جواز منقول ہے، بلکہ ممانعت کی علت میں کئی احتمال ہیں، مثلاً:

بعض نے کہا: اونٹ والوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اونٹوں کی آڑ میں بیٹھ کر پیشاب پاخانہ واستنجاء

---

(۱) المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، مسألة: الصلاة في المقبرة: ۵۳/۲

الممتع في شرح المقنع، كتاب الصلاة، باب اجتناب النجاسات: ۳۲۰/۱

حاشية الروض المربع، كتاب الصلاة، اختلف في الموضع المغصوب: ۵۴۱/۱

کرتے ہیں، اس لیے منع کیا گیا۔

بعض نے کہا کہ اونٹوں کے مالک اونٹوں کو صاف وستھرا اور پاک نہیں رکھتے۔

بعض نے کہا کہ اونٹ بڑا شریر ہوتا ہے، اچھلتا اور بدکتا رہتا ہے، جس کی وجہ سے نمازی کو نقصان وضرر پہنچنے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔

بعض نے کہا کہ اونٹوں سے بڑی کریہہ بو آتی رہتی ہے، جس کی وجہ سے منع کیا گیا۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول ہے کہ کراہت کی وجہ قربِ شیطان ہے، کیونکہ حدیث میں اونٹ کو من جنس الشیاطین کہا گیا ہے(۱)۔

گائے کے باڑے میں نماز ادا کرنے کا حکم

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے لکھا ہے کہ گائے کے باڑے میں نماز کی ادائیگی کو بکریوں کے باڑے والے حکم کے ساتھ جوڑا جائے گا، نہ کہ اونٹوں کے باڑے میں نماز کے حکم کے ساتھ، یعنی: گائے کے باڑے میں نماز ادا کرنا بلاکراہت جائز ہے۔

پھر علامہ صاحب رحمہ اللہ نے یہ بھی ذکر کیا کہ اگر کوئی کہے کہ مسند احمد میں ایک حدیث موجود ہے جس میں گائے کے باڑے میں نماز کے حکم کو اونٹ کے باڑے میں نماز کے ساتھ جوڑا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حدیث ضعیف ہے، اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا (۲)۔

حدیث باب

٤٢٠ : حدّثنا صَدَقَةُ بْنُ ٱلْفَضْلِ قَالَ : أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَيَّانَ قَالَ : حَدَّثنا عُبَيْدُ ٱللهِ ، عَنْ نَافِعٍ قَالَ : رَأَيْتُ ٱبْنَ عُمَرَ يُصَلِّي إِلَى بَعِيرِهِ . وَقَالَ : رَأَيْتُ ٱلنَّبِيَّ ﷺ يَفْعَلُهُ .(۳) [٤٨٥]

(١)بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب: في الوضوء من لحوم الإبل، رقم الحديث: ١٨٧: ٩٨/٢. الكنز المتواري: ١٣٣/٤، ١٣٤. أوجز المسالك، كتاب الصلاة، باب: سترة المصلي في السفر، رقم الحديث: ٣٥٨، ٢٨٨/٣، ٢٨٩. شرح الكرماني: ٩٢/٤.

(٢)فتح الباري: ٦٨٣/١. عمدة القاري: ٣٦٩/٤

(٣)أخرجه البخاري أيضا في سترة المصلي، باب: الصلاة إلى الراحلة والبعير والشجر والرحل، رقم =

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ میں کل پانچ رجال ہیں:

۱۔صدقہ بن الفضل

یہ "ابوالفضل صدقہ بن الفضل مروزی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: العلم والعظة بالليل، کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۲۔سلیمان بن حیان

ان کا نام حافظ سلیمان بن حیان الازدی الکوفی ہے، اور کنیت ابوخالد الاحمر ہے۔ان کی جائے پیدائش جرجان اور سن پیدائش: ۱۱۴ہجری ہے۔

ان کے اساتذہ میں عبیداللہ بن عمر، حمید الطّویل، داؤد بن ابی ھند، ابن عون، یحی بن سعید انصاری، ابن عجلان، ہشام بن عروہ، ابن جریج، ہشام بن حسان، یزید بن کیسان، وعاصم الحول، حاتم بن ابی صغیرہ رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔

اوران کی تلامذہ میں صدقہ بن الفضل، آدم بن ابی ایاس، اسد بن موسی، ابوکریب، ابوسعید الاشج، یوسف بن موسی القطان، عمرو الناقد، محمد بن عبداللہ بن نمیر اور حمید بن الربیع وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

ابن معین اور ابن المدینی رحمہما اللہ ان کے بارے میں کہتے ہیں: ثقة.

= الحديث: ٥٠٧

ومسلم في صحيحه، في الصلاة، باب: سترة المصلي، رقم الحديث: ٥٠٢

وأبو داؤد في سننه، في الصلاة، باب: الصلاة إلى الراحلة، رقم الحديث: ٦٩٢

والترمذي في جامعه، في الصلاة، في باب: ما جاء في الصلاة إلى الراحلة، رقم الحديث: ٣٥٢

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، القسم الأول: في الفرائض وأحكامها، الباب الأول: في الصلاة وأحكامها، الفصل السادس: في شرائط الصلاة، الفرع السابع: في قبلة المصلي، النوع الثاني: في سترة المصلي، رقم الحديث: ٣٧٤٤، ٥٢١/٥.

(١) كشف الباري: ٣٨٨/٤

عثمان الدارمی ابن معین رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں: ليس به بأس.

امام نسائی رحمہ اللہ بھی اسی طرح فرماتے ہیں۔

عباس الدوری ابن معین رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں: صدوق وليس بحجة.

ابوہشام الرفاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: الثقة الأمين.

ابوحاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں: صدوق.

خطیب رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ حدیث کے معاملے میں ان پر کوئی طعن نہیں ہے۔

ابن عدی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: له أحاديث صالحة.

ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے۔

عجلی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ثقة ثبت صاحب سنة.

یہ اصلا شامی تھی لیکن کوفہ میں پلے بڑھے۔ ان کی وفات ۱۸۹ھ میں ہوئی (۱)۔

۳۔ عبیداللہ

یہ "عبیداللہ بن عمر بن حفص بن عبداللہ بن عمر بن خطاب" ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب: التبرز في البيوت، کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

۴۔ نافع

یہ "مولی عبداللہ بن عمر القرشی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: ذكر العلم والفتيا في المسجد، کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

(۱) تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام للذهبي: ٨٥٩/٤. تهذيب التهذيب: ٤/ ١٨١. إكمال تهذيب الكمال: ٥٠/٦. سير أعلام النبلاء: ٩/ ١٩. لسان الميزان: ٣١٧/٩. الطبقات الكبرى لابن سعد: ٣٩١/٦.

(۲) كشف الباري، كتاب الوضو، باب: التبرز في البيوت، ص: ٣٦٠

(۳) كشف الباري: ٦٥١/٤

۵۔ابن عمر

یہ ''حضرت عبداللہ بن عمر'' رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: الإیمان وقول النبي صلی الله علیه وسلم: بني الإسلام علی خمس ، کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

ترجمہ حدیث

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنے اونٹ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے دیکھا۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح نماز ادا کرتے دیکھا ہے۔

شرح حدیث

قولہ: ''رأیت النبي صلی الله علیه وسلم یفعله''، **میں** ''یفعله'' **کا مطلب** ''یصلي والبعیر في طرف قبلته'' ہے، اسے علامہ عینی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ اس تشریح میں اس بات کا بیان ہے کہ محض قبلہ کی طرف ہی رُخ نہیں تھا بلکہ وہ اونٹ قبلہ جانب بھی تھا، تب ہی تو نماز درست ہوگی ورنہ نہیں (۲)۔

یہ بات ماقبل میں بھی گذر چکی کہ علامہ سندھی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ''مواضع ابل'' اور ''معاطن ابل'' میں فرق بیان فرمارہے ہیں کہ ''معاطن'' اور شئ ہے، اور ''مواضع'' اور شئ۔ ''معاطن'' وہ جگہ کہلاتی ہے جہاں اونٹ پانی پینے کے وقت ٹھہرتا ہے۔ اور نہی مذکور خاص ہے معاطنِ ابل کے ساتھ، لہٰذا اونٹ کے اٹھنے بیٹھنے کی دوسری جگہوں کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا، چنانچہ ان جگہوں میں نماز جائز رہے گی (۳)۔

---

(۱) کشف الباري: ۱/۶۳۷

(۲) شرح الکرماني: ۴/۹۲. عمدة القاري: ۴/۲۸۱

(۳) حاشیة السندي، کتاب الصلاة، باب: الصلاة في مواضع الإبل: ۱/۱۲۶، الطاف سنز.

دیگر روایات میں اس بات کی تصریح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمائی (۱).

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اونٹوں کی جگہ پر نماز پڑھنا جائز ہے، جب کہ اونٹ کے کھڑے ہونے سے اور تکلیف پہنچانے سے مامون ہو۔ یہاں حدیث میں بعیر سے مراد سواری ہے، بوجہ اس کے کہ بعیر کی نسبت، اضافت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس کے اوپر سامان نہیں لادا جاتا تھا، ورنہ اس کو ''حاملۃ'' کہتے، اور نہ اس سے کام کاج لیا جاتا تھا، ورنہ اسے ''راحلۃ'' کہا جاتا، اور نہ ہی اس سے کھیتوں کو سیراب کیا جاتا تھا، ورنہ اسے ''سانیۃ'' کہا جاتا۔

یہاں اونٹ کو سترہ بنا نماز پڑھنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی شرارت اور فتنہ سے حفاظت تھی، کیونکہ بعض سواریوں میں بہت سی ایسی صفات ہوتی ہیں جو دوسروں میں نہیں پائی جاتیں، لہٰذا اس پر اس صورت کو بھی قیاس کیا جائے گا، جہاں جانور کی تکلیف سے انسان محفوظ و مامون ہو، کیونکہ نہی کی علت موجود نہ ہونے یا ہونے پر حکم کا مدار ہوتا ہے۔ نیز جانور کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا سبب یہ بھی ہے کہ جانور ایک ذی روح شئے ہے لیکن اس میں بت پرستی کی مشابہت نہیں ہے، کیونکہ اہلِ باطل میں سے کسی نے بھی اونٹوں کی پرستش نہیں کی (۲)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ظاہری طور پر تو ترجمۃ الباب اور حدیث مبارکہ میں مناسبت نہیں ہے، کیونکہ ترجمۃ الباب میں ''مواضع الابل'' میں نماز کا جواز بتایا ہے اور حدیث باب میں ''صلوٰۃ الی البعیر'' کا ذکر ہے۔

لیکن مناسبت ومطابقت اس اعتبار سے بن جائے گی کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے تراجم ومطالب میں توسع بہت ہوتا ہے تو یہاں بھی ''صلوٰۃ الی البعیر'' کو ''مواضع الابل'' میں شامل کیا گیا ہے۔

علامہ ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مطابقت یہ ہے کہ (اونٹوں کے بارے میں جو یہ کہا گیا

---

(۱) عن ابن عمر رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى إلى بعيره، أو راحلته، وكان يصلي على راحلته حيث توجهت به. (جامع الترمذي، كتاب الصلاة، باب: ما جاء في الصلاة إلى الراحلة، رقم الحديث: ۳۵۲)

(۲) الكوكب الدري، كتاب الصلاة، باب: ما جاء في الصلاة إلى الراحلة، رقم الحديث: ۳۵۲، ۱/۳۳۸.

ہے کہ یہ شیاطین میں سے ہیں تو) اگر اونٹوں کا شیاطین میں سے ہونا صحت نماز سے مانع ہوتا، تو پھر نمازی کے سامنے اونٹ کا ہونا، یا اونٹ پر سوار ہو کر نماز ادا کرنا بھی صحیح نہیں ہونا چاہیے تھا، حالانکہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سواری کی حالت میں نفل نماز ادا فرمائی ہے(۱)۔

حدیث مبارکہ سے مستنبط فوائد واحکام

حدیثِ مذکورہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جب حیوان قبلہ رخ بیٹھا ہو تو اس حیوان کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنا درست ہے(۲)۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اونٹ کے قرب میں نماز کی ادائیگی جائز ہے، بخلاف ان کے معاطن کے، کہ ان میں نماز کی ادائیگی مکروہ ہے(۳)۔

اور اونٹ کے کجاوے وغیرہ کو سترہ بنا کر نماز ادا کی جا سکتی ہے(۴)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

(۱)تحفة القاري: ٤٨٩/٢

(۲)التوضيح لابن الملقن: ٤٨٣/٥، عمدة القاري: ٢٧١/٤

(۳)التوضيح لابن الملقن: ٤٨٣/٥، عمدة القاري: ٢٧١/٤

(٤)عمدة القاري: ٢٧١/٤

۱۹ – باب : مَنْ صَلَّى وَقُدَّامَهُ تَنُّورٌ أَوْ نَارٌ ، أَوْ شَيْءٌ مِمَّا يُعْبَدُ ، فَأَرَادَ بِهِ اللّٰهَ .

یہ باب اس شخص کے بارے میں ہے جس نے نماز اس حال میں پڑھی کہ
اسکے سامنے تنور، آگ یا کوئی ایسی چیز ہو جس کی عبادت کی جاتی ہو،
لیکن اس نماز کے ذریعے اس نے اللہ کی رضامندی کا ارادہ کیا۔

ترجمۃ الباب کی تشریح

قولہ: "وقدّامہ تنور"، یہ جملہ اسمیہ خبریہ ہے، جو حال واقع ہوگا، اور "قدامہ" خبر مقدم ہے اور "تنور" مبتداء مؤخر ہے۔ لفظ قدّام کے معنی سامنے کے ہیں، یعنی: خلف کی ضد(۱)۔

قولہ: "تنور"، کے معنی اس گڑھے کے ہیں، جس میں آگ جل رہی ہو، اور اس سے مراد وہ مخصوص ومعروف گڑھا بھی ہے جس میں روٹیاں لگائی جاتی ہیں اور کبھی سالن بھی پکایا جاتا ہے، کبھی یہ گڑھا مٹی کا بنایا جاتا ہے اور کبھی یہ لوہے سے تیار کیا جاتا ہے(۲)۔

قولہ: "أو نار"، کا عطف "تنور" پر ہے، اس پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ صرف یہی لفظ ذکر کر دیا جاتا تو کافی تھا، "تنور" کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ عطف العام علی الخاص کی قبیل سے ہے اور اس کو الگ سے ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ مجوسیوں میں بہت سے آگ کی پوجا کرنے والے وہ ہیں جو صرف اسی آگ کی پوجا کرتے ہیں جو ظاہر ہو، جب کہ بسا اوقات تنور اپنی گہرائی کی وجہ سے یا آگ کم ہونے کی وجہ سے اپنی آگ ظاہر نہیں کر پاتا، بلکہ اس کی آگ اس تنور کے گڑھے میں چھپی رہتی ہے، اس بنا پر تنور اور آگ دونوں کا الگ سے ذکر کیا گیا(۳)۔

قولہ: أو شيئ مما يعبد"، اس جملے کا عطف بھی ماقبل پر ہے، اور اس کی تقدیری عبارت "من صلی وقدامه شيئ مما يعبد كالأوثان والأصنام والتماثيل والصورونحو ذٰلك مما يعبده أهل الضلال والكفر" بنے گی۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس حال میں نماز پڑھے کہ اس کے سامنے کوئی ایسی چیز ہو جس کی پرستش کی جاتی ہو جیسے بت، مورتیاں، تصاویر وغیرہ اور ہر وہ چیز جس کی پرستش اہل کفر کرتے ہیں، ترجمۃ الباب کا یہ حصہ ماقبل کے دونوں الفاظ سے بھی زیادہ عام ہے(۴)۔

---

(۱)المحكم والمحيط الأعظم: ۳۲۲/۱. مختار الصحاح: ۲٤۹/۱

(۲)النهاية في غريب الحديث والأثر: ۱۹۹/۱. المخصص لابن سيده: ۱٦۹/۳

(۳)عمدة القاري: ٤/ ۲۷۳

(٤)عمدة القاري: ۲۷۲/۲، ۲۷۳

قولہ:"فـأراد بـه وجـه الله"، ترجمۃ الباب کے اس ٹکڑے سے مقصود یہ ہے کہ نماز کے سامنے ایسی اشیاء میں چاہے کچھ بھی سامنے ہو لیکن اس کا مقصود یہ اشیاء نہ ہوں بلکہ اللہ کی رضا مندی ہی مقصود ہو تو اس بنا پر اس طرح ادا کی جانے والی نماز مکروہ نہیں ہوگی (۱)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

پہلی بات تو یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خالص اللہ کی رضا کے لیے نماز ادا کرنے کے لیے کھڑا ہو تو اس کے سامنے تنور، آگ یا کوئی بھی ایسی چیز آجائے جس کو پوجا جاتا ہے، جیسے: درخت، سورج، چاند، گائے وغیرہ تو اس کی وجہ سے اس نمازی کی نماز میں کوئی خرابی یا کراہت پیدا نہیں ہوتی، بلکہ اس کی نماز درست ہے۔

اس پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے تو ترجمۃ الباب میں کراہت یا عدم کراہت کا کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ حکم کو مجہول یا مبہم رکھا ہے تو پھر کراہت کی جہت متعین کرنے کی کیا وجہ ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کو قائم کر کے جو دو احادیث ذکر کی ہیں، ایک: تعلیقا، اور دوسری: موصولا، ان سے عدم کراہت پر دلالت ہو رہی ہے، اگر چہ بہت ساری وجوہ سے ان احادیث سے عدم کراہت پر استدلال تام نہیں ہے (۲)۔ (وضاحت آگے آ رہی ہے)

جب کہ اس کے مقابل بہت سارے تابعین (۳)، حنابلہ (۴) اور احناف (۵) کے نزدیک ایسی

(۱) عمدة القاري: ٤/٢٧٣

(۲) فتح الباري لابن رجب: ٣/٢٢٨. عمدة القاري: ٤/٢٨١

(۳) علامہ ابن رجب حنبلی، حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہم اللہ وغیرہ نے اپنی کتب میں حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ کے بارے میں یہ نقل کیا ہے کہ وہ تنور کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کو مکروہ جانتے تھے اور تنور کو "بیت نار" کہتے تھے، ابن سیرین اور حضرت سفیان سے بھی کراہت منقول ہے۔ ملاحظہ ہو: فتح الباری لابن رجب: ٣/٢٢٩، فتح الباري لابن حجر: ١/٦٨٤، عمدة القاري: ٤/٢٧٣

(٤) كشف القناع عن متن الإقناع، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: ما يكره وما يباح وما يستحب في الصلاة: ١/٣٧٠۔

المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، باب: الإمامة وصلاة الجامعة، فصل: الصلاة مستقبلا وجه الإنسان: ٢/١٧٨ =

صورت میں نماز ادا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

چنانچہ اپنی بات کو ثابت کرنے اور کراہت کے قائلین پر رد کرنے کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا ہے، اور دلیل کے طور پر دو حدیثیں پیش کی ہیں، ایک: تعلیقا اور دوسری: موصولا۔

تعلیق

وَقَالَ ٱلزُّهْرِيُّ : أَخْبَرَنِي أَنَسٌ قَالَ : قَالَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ : (عُرِضَتْ عَلَيَّ ٱلنَّارُ وَأَنَا أُصَلِّي) . [ر : ۹۳]

تعلیق کا ترجمہ

حضرت زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے آگ لائی گئی اس حال میں کہ میں نماز ادا کر رہا تھا۔

تعلیق کی تخریج

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس تعلیق کو موصولا کتاب الصلاۃ میں ہی (۱) باب: "وقت الظهر عند

= المبدع في شرح المقنع، كتاب الصلاة، باب: مكروهات الصلاة: ٤٢٨/١

(٥) درر الحكام شرح غرر الأحكام، كتاب الصلاة، مكروهات الصلاة: ١٠٩/١

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات: ١٣٢/١

المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الراب في الصلاة، والتسبيح، وقراء ة القرآن والذكر، والدعاء، ورفع الصوت عند قراء ة القرآن والذكر والدعاء: ٣٠٨/٥.

(١)حدثنا أبو اليمان، قال: أخبرنا شعيب، عن الزهري، قال: أخبرني أنس بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج حين زاغت الشمس، فصلى الظهر، فقام على المنبر، فذكر الساعة، فذكر أن فيها أمورا عظاما، ثم قال: من أحب أن يسأل عن شيئ فليسأل، فلا تسألوني عن شيئ إلا أخبرتكم، ما دمت في مقامي هذا فأكثر الناس في البكاء، وأكثر أن يقول: سلوني، فقام عبد الله بن حذافة السهمي، فقال: من أبي؟ قال: أبوك حذافة، ثم أكثر أن يقول: سلوني، فبرك عمر على ركبتيه، فقال: رضينا بالله ربا، وبالإسلام دينا، وبمحمد نبيا، فسكت، **ثم قال: عرضت على الجنة والنار آنفا في عرض هذا الحائط،** فلم أر كالخير والشر. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب: وقت الظهر عند الزوال، رقم الحديث: ٥٤٠)

الزوال" میں بیان کیا ہے، مکمل تخریج متعلقہ مقام پر آئے گی، ان شاء اللہ العزیز

تعلیق اور ترجمۃ الباب میں مطابقت

اس تعلیق اور ترجمۃ الباب میں مناسبت اس اعتبار سے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران نماز اپنے سامنے آگ کا مشاہدہ کیا، اور ترجمۃ الباب میں بھی یہی ہے کہ نمازی کے سامنے آگ ہو اور وہ نماز ادا کر رہا ہو، لیکن اس مطابقت اور بغرض استدلال اس تعلیق کو ترجمۃ الباب کے تحت لانے میں اشکالات ہیں، جو بالتفصیل آگے آرہے ہیں(۱)۔

تعلیق سے طریق استدلال

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ دیکھو! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی حالت میں تھے، اس حالت میں آپ کے سامنے جہنم کی آگ پیش کی گئی، یعنی: آگ آپ کے سامنے تھی اور آپ مسلسل نماز میں تھے، اگر کراہت کا قول اختیار کیا جائے تو لامحالہ یہ لازم آئے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اس صورت میں کراہت کے ساتھ ادا ہوئی، تو یہ درست نہیں ہے۔ لہٰذا ایسی صورت پیش آجائے تو نماز بلا کراہت درست ہے۔

احناف کا مسلک اور امام بخاریؒ کے استدلال کا جواب

احناف کا مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ اگر نمازی کے سامنے آگ یا تنور وغیرہ ہو، یعنی: ایسی چیز ہو جس کو پوجا جاتا ہے تو مجوسیوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس کی نماز میں بھی کراہت آجائے گی، لیکن اس نمازی کا قصدِ عبادت نہ ہونے کی وجہ سے وہ کراہت تنزیہی ہوگی، تحریمی نہیں۔

رہ گئی بات امام بخاری رحمہ اللہ کے استدلال کی، تو وہ بوجہ تام نہ ہونے کے ہمیں تسلیم نہیں۔

اس استدلال کے ناقص یا تام نہ ہونے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ جہنم کی جو آگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دورانِ نماز دکھائی گئی تھی وہ آپ کے اختیار کے بغیر تھی، یعنی: ایسا نہیں تھا کہ آگ پہلے سے جل رہی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا شروع کر دی، بلکہ ایسا ہوا کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے نماز شروع فرمائی اور اس حالت میں آپ کے سامنے آپ کے ارادہ وچاہت اور اختیار کے بغیر جنت اور جہنم سامنے لائی گئی۔

---

(۱) عمدة القاري: ٤/٢٧٣.

جبکہ ہمارا کلام اور بحث تو اس صورت کے بارے میں ہے کہ کسی جگہ آگ جل رہی ہو اور کوئی شخص اس کے سامنے کھڑا ہو کر نماز ادا کرنا شروع کر دے۔ لہٰذا اس حدیث یا واقعے کو دلیل بنانا درست نہیں (۱)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جہنم کا یہ دکھلایا جانا بطور کشف کے ہوا، دلیل یہ ہے کہ آپ کے ساتھ جماعت میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ کشف نہیں ہوا، یعنی: جہنم کی یہ آگ نظر نہیں آئی، جب کہ ہماری بحث حسی عالم میں نمازی کے سامنے آگ ہونے کی صورت میں ہے، لہٰذا اس وجہ سے بھی استدلال تام نہیں ہے (۲)۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ہماری بحث اِس دنیا کی آگ کے بارے میں ہے، جب کہ وہ آگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دورانِ نماز دکھلائی گئی وہ آخرت کی آگ تھی (۳)۔

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے اس بات کی دلیل کے طور پر ایک قول نقل کیا ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو چیرا تھا اور جنت کے پانی سے اسے غسل دیا تھا تو یہ سارا عمل سونے کے طشت میں کیا گیا جو حضرت جبرئیل اپنے ہمراہ لائے تھے، تو ان کے اس سونے والے طشت کے استعمال پر حرمت کا حکم نہیں لگا کیونکہ وہ برتن اس دنیا کا نہیں تھا بلکہ جنت کا لایا ہوا برتن تھا، اور حرمت کا تعلق دنیا کے اندر سونے کے برتن استعمال کرنے پر ہے۔ چنانچہ اس باب میں ذکر کردہ تعلیق میں دکھلائی جانے والی اخروی آگ پر بھی دنیوی آگ کا حکم نہیں لگایا جائے گا، تو جب یہ دونوں قسم کی آگ جدا ہو گئیں تو ایک آگ سے دوسری آگ کا حکم مستنبط نہیں کیا جا سکتا (۴)۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہماری بحث اس آگ میں ہے جو نمازی کے سامنے ہو، جب کہ وہ آگ جو آپ کو دکھائی گئی وہ ضروری نہیں کہ سامنے ہو بلکہ ممکن ہے کہ وہ یمیناً اور شمالاً بھی ہو (۵)۔

علامہ محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان احتمالات کو دیکھ کر صاف یہ محسوس ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جزئی مسائل کو بیان کرنا چاہتے ہیں اور ان کے حکم کو بیان کرنے کے لیے احادیث سے حکم

---

(۱) فتح الباري لابن رجب: ۲۲۹/۳. عمدة القاري: ٤/ ۲۷۲. تحفة القاري: ۲/ ٤۹۰

(۲) عمدة القاري: ٤/ ۲۷۲. تحفة القاري: ۲/ ٤۹۰

(۳) عمدة القاري: ٤/ ۲۷۲. تحفة القاري: ۲/ ٤۹۰

(٤) فتح الباري لابن رجب: ۲۲۹/۳

(٥) عمدة القاري: ٤/ ۲۷۲

مستنبط کرنے کی کوشش میں ہیں، لیکن جب وہ اپنی شرائط کے مطابق واضح حدیث نہیں پاتے تو پھر انتہائی کھینچ تان کے اس طرح کے دور کے استدلالات کررہے ہیں(۱)۔

علامہ کاندھلوی رحمہ اللہ نے ایک توجیہ اور پیش کی ہے کہ اگر اس کو مدنظر رکھ لیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا کلام دیگر فقہاء کے مقابل ومخالف نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ جب نمازی کے سامنے ایسی آگ ہو جو دوسرے نمازیوں کے سامنے نہ ہو، یعنی: ان کی نظروں سے اوجھل ہو اور وہ اس حیثیت سے ہو کہ اس آگ کے نمازی کے سامنے ہونے سے مجوس کے ساتھ مشابہت لازم نہ آتی ہو تو اس جیسے حالت میں نماز ادا کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے(۲)۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے مسلک پر ایک اعتراض

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے امام بخاری صاحب رحمہ اللہ کے اختیار کردہ مسئلہ پر معترضین کی طرف سے کیا جانے والا ایک اعتراض نقل کرکے اس کا جواب دیا ہے، فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اگر مصلی کے سامنے آگ ہو تو اس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے، اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے آگے صفحہ/۶۲ پر "باب: الصلاة في البيعة" باندھ کر گرجا گھر میں نماز پڑھنے کو مکروہ ثابت کیا ہے، اسی طرح پیچھے صفحہ/۵۴ پر "باب: إن صلى في ثوب مصلب أو تصاوير" باندھ کر تصویر یا صلیب والے کپڑے میں نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے اور ان کے مکروہ ہونے کی علت اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس میں تشبہ بعبادۃ الغیر لازم آتا ہے، جو شرعاً ممنوع ہے اور یہ علت یہاں پائی جارہی ہے؛ اس لیے یہاں پر بھی نماز مکروہ ہونی چاہیے؟

اس کے جواب میں علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تماثیل کا حکم دیگر تمام معبودات کے حکم سے الگ ہے؛ کیوں کہ تصویر تو بذات خود ایک منکر شئی ہے، خواہ اس کی پرستش کی جائے یا نہ کی جائے، برخلاف آگ وغیرہ کے کہ وہ بالذات قبیح نہیں، البتہ اس کی عبادت حرام ہے۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ تصاویر؛ نماز میں ہمہ تن مصروف ہونے سے غافل کرنے والی ہیں؛ اس لیے

(۱)تحفة القاري: ۲/ ٤٩٠

(۲)تحفة القاري: ۲/ ٤٩٠

تصویروالے کپڑے میں نماز مکروہ ہے(۱)۔

حدیثِ باب

۴۲۱ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ ، عَنْ مالِكٍ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عَبَّاسٍ(۲) قَالَ : ٱنْخَسَفَتِ ٱلشَّمْسُ ، فَصَلَّى رَسُولُ ٱللهِ ﷺ ، ثُمَّ قَالَ : (أُرِيتُ ٱلنَّارَ ، فَلَمْ أَرَ مَنْظَرًا كَالْيَوْمِ قَطُّ أَفْظَعَ) . [ر : ۲۹]

تراجم رجال

اس حدیث مبارک کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

۱۔عبداللہ بن مسلمہ

یہ ”ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب حارثی بصری“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الدين الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۲۔مالک

یہ ”ابوعبداللہ امام مالک بن انس بن مالک“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الدين الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

۳۔زید بن اسلم

یہ ”ابواسامہ زید بن اسلم قرشی عدوی مدنی“ رحمہ اللہ ہیں۔

(۱)الأبواب والتراجم: ۲/۲۱۵، الكنز المتواري: ۴/۱۳۶، سراج القاري: ۳/۹۳.

(۲) مر تخريجه في كشف الباري تحت كتاب الإيمان، باب: كفران العشير وكفر بعد كفر، رقم الحديث: ۲۹، ۲/۲۰۶

(۳)کشف الباری: ۲/۸۰

(۴)کشف الباری: ۲/۸۰

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: كفران العشير وكفر بعد كفر، رقم الحديث: ۲۹، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۴۔عطاء بن یسار

یہ "ابومحمد عطاء بن یسار ہلالی، مدنی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: كفران العشير وكفر بعد كفر، رقم الحديث: ۲۹، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۵۔عبداللہ بن عباس

یہ مشہور صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب: بدء الوحی کی چوتھی حدیث، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

ترجمہ حدیث

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سورج گہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی، پھر فرمایا: مجھے جہنم دکھائی گئی، میں نے آج جیسا بھیانک منظر کبھی نہیں دیکھا۔

شرح حدیث

قولہ: "انخسفت"، یہ "انکسفت" کے معنی میں ہے(۴)۔

صلاۃ کسوف اور خسوف کا مصداق

سورج یا چاند کی مکمل روشنی یا کچھ روشنی کے ختم ہو جانے اور چاند وسورج کے سیاہ ہو جانے کو "کسوف"

(۱) كشف الباري: ۲/۲۰۳

(۲) كشف الباري: ۲/۲۰٤

(۳) كشف الباري: ۱/٤۳۵

(٤) شرح الكرماني: ٤/۹۳

کہتے ہیں، کسفت الشمس ،اور خسفت الشمس دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔اور اسی طرح کسف القمر ،اور کسف القمر دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ''کسوف'' سورج کے لیے اور ''خسوف'' چاند کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور یہی لغت زیادہ مشہور ہے۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ گرہن کے ابتدائی اوقات کو کسوف اور انتہائی اوقات کو خسوف کہتے ہیں، لیکن زیادہ فصیح تعبیر، تعریف وقول وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ نماز جو سورج یا چاند میں سے کسی ایک کے مکمل یا بعض حصہ کے تاریک ہونے کے وقت مخصوص طریقہ پر ادا کی جاتی ہے، اُسے صلاۃ کسوف کہتے ہیں(۱)۔

قولہ:"فصلی"،اس فعل کا مفعول محذوف ہے، جو کہ "الكسوف" ہے، یعنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف ادا کی (۲)۔

قولہ:"أُريت"، یہ ماضی مجہول کا صیغہ ہے، معنی مرادی اس کا یہ ہے کہ میں نے نماز ادا کرتے ہوئے آگ دیکھی (۳)۔

قولہ:"وكاليوم"، یہ لفظ مصدر محذوف کی صفت بنے گا، یعنی:"رؤية مثل رؤية اليوم" ،آج کے دیکھنے جیسا دیکھنا میں نے کبھی نہیں دیکھا۔"کالیوم" میں کاف تشبیہ کے لیے ہے، مثل کے معنی میں (۴)۔

---

(۱)تاج العروس، ك س ف: ٣٠٩/٢٤. لسان العرب، فصل الكاف: ٢٩٩/٩

(۲)شرح الكرماني: ٩٣/٤، عمدة القاري: ٢٧٤/٤

صلاۃ کسوف اور صلاۃ خسوف جمہور ائمہ کرام کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، ان نمازوں کا وقت گرہن شروع ہونے کے وقت سے شروع ہوتا ہے اور گرہن ختم کے وقت تک باقی رہتا ہے، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: إذا رأيتموها فادعوا الله وصلوا حتى ينجلي. کہ جب تم ان کو دیکھو تو اللہ سے دعاء کرو۔ اور نماز پڑھو، یہاں تک کہ گرہن چھٹ جائے، آپ نے گرہن چھٹنے کو نماز کی انتہاء بتائی، نیز اس لیے کہ اس کی مشروعیت اللہ تعالیٰ سے اس خواہش کے اظہار کے لیے ہے کہ وہ روشنی کی نعمت دوبارہ عطاء کردے اور جب یہ مقصود حاصل ہوگیا تو نماز کا مقصود حاصل ہوگیا۔(الموسوعۃ الکویتیۃ الفقہیۃ :۲۸۰/۲۷)

(۳)شرح الكرماني: ٩٣/٤، عمدة القاري: ٢٧٤/٤

(٤)شرح الكرماني: ٩٣/٤، عمدة القاري: ٢٧٤/٤

قولہ:"أفظع"، یہ لفظ بہت زیادہ قباحت کے معنی کو بیان کر رہا ہے(۱)۔

قولہ:"قــــط"، یہ زمانہ ماضی منفی کے استغراق کے معنی پیدا کرتا ہے، مراد یہ ہے کہ جب سے میں پیدا ہوا ہوں تب سے میں نے ایسے قبیح منظر کبھی نہیں دیکھا(۲)۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت

ترجمۃ الباب کی مناسبت حدیث مبارکہ کے "أریت النار" سے ہے، بایں طور کہ اگر مصلی کے سامنے آگ کا ہونا ناپسند اور مفسدِ صلوٰۃ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے حبیب جناب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش نہ کرتے(۳)۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور

مذکورہ حدیث مبارکہ سے جو فوائد واحکام مستنبط ہوتے ہیں ان میں کچھ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔نماز کسوف کے مستحب ہونے کا علم ہوا(۴)۔

۲۔اہل سنت والجماعت کے نزدیک جنت اور جہنم پیدا کی جا چکی ہے، بخلاف معتزلہ کے(۵)۔

۳۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں ایک معجزہ یہاں مذکور ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے اور جہنم کی آگ آپ کی آنکھوں کے سامنے کر دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آگ کو اپنی آنکھوں سے ایسے ہی دیکھا جیسے معراج سے واپسی پر مسجد اقصی کو دیکھا تھا۔ابن الملقن رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ یہاں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رؤیت؛ رؤیت علمی ہو، جس کی اطلاع وحی کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کی گئی(۶)۔

---

(۱)شرح الكرماني: ٤/٩٣، عمدة القاري: ٤/٢٧٤

(٢)عمدة القاري: ٤/٢٧٤، ٢٧٥

(٣)عمدة القاري: ٤/٢٧٣. الأبواب والتراجم: ٢/٢١٥، سراج القاري: ٣/ ١٩

(٣)شرح الكرمانى: ٤/٩٣. عمدة القاري: ٤/٢٧٥

(٥)شرح الكرمانى: ٤/٩٣. التوضيح لابن الملقن: ٥/٤٨٨، عمدة القاري: ٤/٢٧٥

(٦)التوضيح لابن الملقن: ٥/٤٨٨، عمدة القاري: ٤/٢٧٥

۴۔امام بخاری رحمہ اللہ کے ترجمۃ الباب کے مطابق جب نماز کے سامنے آگ ہو لیکن اس نمازی کا مقصود اس آگ کی پرستش نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی پیش نظر ہو تو ایسی نماز میں کوئی کراہت نہیں ہے(۱)۔

مساجد کی قبلہ والی دیوار میں ہیٹر یا گیس لیمپ وغیرہ لگانے کا حکم

موجودہ دور میں بعض ایسے علاقوں میں کہ جہاں سردی بہت زیادہ ہوتی ہے، وہاں مساجد میں جو ہیٹر، قبلہ کی جانب لگائے جائے جاتے ہیں، تا کہ نمازی حضرات ان کی تپش کی وجہ سے سردی سے بچ سکیں اور مسجد کا ماحول ان کی وجہ سے گرم رہے، یا روشنی کی خاطر گیس لیمپ، موم بتی یا چراغ وغیرہ دیوار قبلہ میں لگائے جاتے ہیں تو ضرورت کی وجہ سے شرعاً ان کی گنجائش ہے، تاہم ظاہری طور پر بھی مجوس کی مشابہت سے بچنے کی خاطر انتظامیہ کو چاہیے کہ ایسے ہیٹر یا آگ والے دیگر آلات سامنے قبلے والی دیوار میں نصب نہ کریں، بلکہ شمالاً وجنوباً یا نمازیوں کی پشت کی جانب نصب کریں۔ یا پھر قبلہ کی جانب ہی نصب کرنا ہو تو ان کو نمازیوں کے سروں سے اوپر کر کے دیوار میں نصب کریں(۲)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

---

(۱)عمدة القاري: ٤/٢٧٥

(٢)، (و) لا [يكره] إلى (مصحف أو سيف مطلقا أو شمع أو سراج) أو نار توقد، لأن المجوس إنما تعبد الجمر، لا النار الموقدة، قنية. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب: ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها: ١/٨٩، دار الكتب العلمية)

ومن توجه في صلاته إلى تنور فيه نار تتوقد أو كانون فيه نار يكره، ولو توجه إلى قنديل أو إلى سراج لم يكره. كذا في محيط السرخسي وهو الأصح. كذا في خزانة الفتاوى. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع: فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها وما لا يكره، الفصل الثاني: فيما يكره في الصلاة وما لا يكره: ١/١٠٨)

(نجم الفتاوی، کتاب الصلاۃ، مسجد میں نمازیوں کے سامنے ہیٹر لگانے کا حکم؟ ۲/۵۶۵)

(خیر الفتاوی، احکام المساجد، مسجد میں گیس کے ہیٹر دائیں بائیں لگائے جائیں، یا انسانی قد سے اوپر لگائے جائیں:۶/۵۵۰)

بعض علاقے انتہائی سرد ہوتے ہیں، ان میں سردی سے بچنے کے لیے مختلف چیزیں استعمال کی جاتی ہیں، ان میں سے ایک گیس ہیٹر بھی ہے، جو مکان، دکان اور مساجد میں نصب کیے جاتے ہیں، ان گیس ہیٹروں کی پلیٹوں پر انگاروں کی شکل بنی ہوتی ہے، جب ہیٹر جلتے ہیں تو وہ انگاروں کی طرح بھڑکتے نظر آتے ہیں، اس طرح کے ہیٹر سامنے رکھ کر نماز جائز تو ہے، مگر آتش پرستوں کی مشابہت سے بچنے کے لیے ان کو اطرافِ مسجد یا سجدہ کی جگہ سے اونچا کر کے نصب کرنا چاہیے۔(المسائل المهمة فيما ابتلت العامة، کتاب الصلاۃ، نماز کے مکروہات ومفسدات:۵/۱۱۴)

٢٠ – باب : كَرَاهِيَةِ ٱلصَّلَاةِ فِي ٱلْمَقَابِرِ .

یہ باب ہے قبرستان میں نماز نماز پڑھنے کے مکروہ ہونے کے بیان میں

قولہ:"كراهية"، بعض نسخوں میں "كراهة الصلاة" ہے نہ کہ "كراهية الصلاة"، معنوی اعتبار سے کوئی حرج نہیں، کیونکہ كراهة اور كراهية دونوں مصدر ہیں(۱)۔

قبرستان میں نماز کا حکم

قبرستان میں نماز کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تفصیل تین باب قبل باب:"هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد"، میں گذر چکی ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب سے مقصود مطلقا قبروں کے درمیان نماز کے مکروہ ہونے کا بیان کرنا ہے، اور ماقبل میں جو باب:"هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد" گذرا، اس میں خاص قبر کے سامنے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کی کراہیت کا بیان تھا، اس طور پر کہ نمازی کے سامنے قبر ہو، چنانچہ اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے تکرار کے قائلین کا رد ہو جاتا ہے(۲)۔

---

(١)عمدة القاري: ٤/٢٧٥

(٢)تحفة القاري للكاندهلوي: ٢/٤٩٠

حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:''چند صفحات پہلے "هل تنبش قبور مشركي الجاهلية" اور اس کے ساتھ "ما يكره من الصلاة في القبور" گذر چکا ہے، اور وہاں تفصیل آ چکی ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنے کے مسئلہ میں فقہاء کرام کا کیا اختلاف ہے، یہاں امام بخاری رحمہ اللہ مستقلا اس مسئلہ کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس وضاحت کی وجہ یہ ہے کہ زمین کے ہر حصہ پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے، آپ کا ارشاد ہے:"جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا" اور مقابر بھی زمین کا ایک حصہ ہیں، بخاری رحمہ اللہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اصل کے اعتبار سے زمین کا ہر حصہ نماز کے قابل تھا لیکن عوارض کی وجہ سے خاص خاص حصوں میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا ہے، یہ عوارض کبھی زمین میں ہوتے ہیں اور کبھی ماحول میں، انھی عوارض کی بنیاد پر قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ قبرستان میں نماز کا عمل بت پرستوں یا قبر پرستوں سے تشبہ پیدا کرتا ہے، اس لیے فقہاء اربعہ اس پر متفق ہیں کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے''۔(ایضاح البخاری:۳/۱۸۰)

حدیث باب

٤٢٢ : حدّثنا مُسَدَّدٌ قَالَ : حَدَّثنا يَحْيَى ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ قَالَ : أَخْبَرَنِي نَافِعٌ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ ، عَنِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ قَالَ : (ٱجْعَلُوا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ ، وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا) . [١١٣١] (١)

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ راوی ہیں۔

۱۔مسدد

یہ ''مسدد بن مسرہد الاسدی البصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: من خص بالعلم قوما دون قوم كراهية أن لا يفهموا، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۲۔یحیی

یہ ''یحیی بن سعید بن فروخ القطان تمیمی'' رحمہ اللہ ہیں۔

---

(١)أخرجه البخاري ايضا في التطوع، باب: التطوع في البيت، رقم الحديث:١١٨٧.

ومسلم في صحيحه، في صلاة المسافرين وقصرها، باب: استحباب صلاة النافلة، رقم الحديث: ٧٧٧

وأبو داؤد في سننه، كتاب الصلاة، باب: في فضل التطوع في البيت، رقم الحديث: ١٤٤٨.

والترمذي في جامعه، كتاب الصلاة، باب: ما جاء في فضل صلاة التطوع في البيت، رقم الحديث: ٤٥١

والنسائي في سننه، كتاب في صلاة الليل، باب: الحث على الصلاة في البيوت والفضل في ذٰلك، رقم الحديث: ١٥٩٨

وابن ماجة في سننه، كتاب الصلاة، باب: ما جاء في التطوع في البيت، رقم الحديث: ١٣٧٧.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، القسم الأول: في الفرائض وأحكامها، الباب الأول: في الصلاة وأحكامها، الفصل السادس: في شرائط الصلاة، الفرع الرابع: في أمكنة الصلاة، النوع الرابع: في أحاديث متفرقة، رقم الحديث: ٣٦٨٣، ٥/٤٨٣.

(٢)كشف البارى:٢/٢، ٤/ ٥٨٨

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه ، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۳۔عبیداللہ

یہ ''عبیداللہ بن عمر بن حفص بن عبداللہ بن عمر بن خطاب'' ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب: التبرز في البيوت، ص: ٣٦٠ ، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۴۔نافع

یہ ''مولی عبداللہ بن عمر القرشی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: ذكر العلم والفتيا في المسجد، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۵۔ابن عمر

یہ ''حضرت عبداللہ بن عمر'' رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب:الإيمان وقول النبي صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس ، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

ترجمہ حدیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے گھروں میں بھی نماز ادا یا کرو، انہیں قبرستان نہ بناؤ۔

---

(۱) کشف الباری: ٢/٢

(۲) کشف الباری، کتاب الوضو، باب: التبرز في البيوت، ص: ٣٦٠ ،

(۳) کشف الباری: ٦٥١/٤

(٤) کشف الباری: ٦٣٧/١

شرح حدیث

قولہ:"اجعلوا في بيوتكم من صلاتكم"،تم نوافل اپنے گھروں میں ادا کرو۔

گھروں میں نوافل پڑھنے کے بارے میں علامہ قرطبی رحمہ اللہ کا مؤقف

اس عبارت میں "من صلاتكم" میں جو 'مِن' ہے،اس کے بارے میں علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں(۱) کہ یہ تبعیض کے لیے ہے،اوراس صورت میں "صلاتكم" سے مرادنوافل نماز ہوگی،اوراس پر دلیل صحیح مسلم کی وہ روایت ہے جس میں ہے:إذا قضى أحدكم الصلاة في مسجده، فليجعل لبيته نصيبا من صلاته ،(۲) کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں فرض نماز ادا کرلیا کرے تو اپنی نماز کا کچھ حصہ یعنی:نوافل گھر میں ادا کیا کرے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کا مؤقف

اور قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:اس نماز سے مرادفرض نماز ہے،نفل نہیں،مراد یہ ہے کہ تم کبھی کبھی فرض نماز گھر میں بھی ادا کرلیا کرو،تا کہ وہ افراد جو مسجد نہیں آسکتے ،جیسے:عورتیں،غلام اور مریض وغیرہ،ان کو گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھادیا کرو(۳)۔

جمہور کا مؤقف

جمہور کے نزدیک یہ حکم نوافل کے بارے میں ہے نہ کہ فرائض کے بارے میں،کیونکہ نوافل کو پوشیدہ اور خفیہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے،جس کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ فرائض مسجد میں ادا کرنے کے بعد نوافل گھر

---

(۱)المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب الصلاة، ومن باب: فضل النوافل، رقم الحديث: ٦٥٣، ٤١١/٢

(٢) وحدثنا أبو بكر بن أبي شيبة، وأبو كريب، قالا: حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن أبي سفيان، عن جابر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: **إذا قضى أحدكم الصلاة في مسجده، فليجعل لبيته نصيبا من صلاته،** فإن الله جاعل في بيته من صلاته خيرا. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، ومن باب: فضل النوافل، رقم الحديث:٦٥٣)

(٣)إكمال المعلم بفوائد مسلم، كتاب الصلاة، باب: استحباب صلاة النافلة في بيته، رقم الحديث:٧٧٧، ١٤٤/٣

میں آکر ادا کیا کرو، اور ایک دوسری دلیل بھی ہے، جس میں فرمایا گیا: فرض نماز کے علاوہ آدمی کی افضل نماز وہ ہے جو گھر میں ادا کی جائے(۱)۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زیادہ درست بات یہ ہی ہے کہ اس نماز سے مراد نفل نماز ہی ہو، نہ کہ فرائض، کیونکہ اس باب کی تمام احادیث اسی امر کا تقاضا کرتی ہیں، لہٰذا اس حدیث میں مذکور امرِ صلاۃ کو فرائض پر محمول کرنا درست نہیں ہے(۲)۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنی شرح ''فتح الباری'' میں قاضی صاحبؒ کا کلام نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: حدیث مذکور اس امر کا احتمال تو رکھتی ہے لیکن پہلا احتمال راجح ہے(۳)۔

اس پوری تفصیل کے بعد سنو کہ ہمارے نزدیک علامہ نووی رحمہ اللہ کی بات راجح ہے، اور جو بات حافظ صاحب رحمہ اللہ فرمارہے ہیں کہ حدیث سے وہ احتمال بھی نکلتا ہے جو قاضی صاحبؒ نے بیان کیا ہے، وہ بڑی بعید ہے، سوچنے کی بات ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث موجود ہے کہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کی افضل نماز وہ ہے جو گھر میں ادا کی جائے، تو پھر یہ احتمال کیسے ممکن ہے؟!(۴)

گھروں میں نوافل پڑھنے کے فوائد

احادیث میں ترغیب دی گئی ہے کہ نوافل کی ادائیگی گھروں کی کی جائے، کیونکہ یہ خفیہ نماز ہے جو ریاکاری سے دور ہوتی ہے، اس کی وجہ سے گھروں میں برکت ہوتی ہے، اس عمل کی وجہ سے گھروں میں رحمت اترتی ہے، فرشتوں کی آمد ہوتی ہے، شیطان گھروں سے بھاگتا ہے(۵)۔

---

(۱)عمدة القاري: ٤/٢٧٦

(٢)شرح النووي على مسلم، كتاب الصلاة، باب: استحباب صلاة النافلة في بيته، رقم الحديث: ٧٧٧، ٦/٦٧

(٣)فتح الباري: ١/٦٨٥

(٤)فتح الملهم، كتاب الصلاة، باب: استحباب صلاة النافلة في بيته، رقم الحديث: ٧٧٧، ٥/١٤٣
وكذا في ذخيرة العقبى، كتاب الصلاة، باب: الحث على الصلاة في البيوت، رقم الحديث: ١٥٩٨، ٢٦٠/١٧

(٥)شرح النووي على مسلم، كتاب الصلاة، باب: استحباب صلاة النافلة في بيته، رقم الحديث: ٧٧٧، ٦/٦٧
ذخيرة العقبى، كتاب الصلاة، باب: الحث على الصلاة في البيوت، رقم الحديث: ١٥٩٨، ١٧/٢٦٠

قولہ:"ولا تتخذوها قبورا"، ان گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، اس جملے سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ قبور عبادت کرنے کی جگہ نہیں ہیں، لہٰذا ایسی جگہوں میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔

گھروں کو قبرستان نہ بنانے سے متعلق حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حدیث پاک کے اس جملے کے معنی میں مختلف اقوال ہیں: ایک مطلب تو یہ ہے کہ گھروں میں نماز پڑھتے رہا کرو، گھروں میں نماز نہ پڑھنا گویا کہ گھر کو قبرستان بنانا ہے؛ کیوں کہ مقبرہ میں نماز نہیں پڑھی جاتی؛ لہٰذا گھروں کو قبرستان جیسا مت بناؤ، اس مطلب سے امام بخاری رحمہ اللہ کی تائید ہوتی ہے اور مقصدِ بخاری بھی یہی ہے اور اسی سے ترجمہ ثابت ہوتا ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ گھروں میں نماز پڑھتے رہا کرو اور گھروں میں قبریں نہ بناؤ، کیوں کہ پھر تو وہ مقبرہ بن جائے گا اور مقبرہ میں نماز جائز نہیں ہے۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ قبرستان میں گھر نہ بناؤ، کیوں کہ کبھی کبھی مقابر میں جا کر عبرت حاصل کی جاتی ہے، اگر انسان وہیں گھر بنالے تو پھر عبرت حاصل کرنے کا موقع نہیں رہے گا، بلکہ عادت ہو جائے گی۔

چوتھا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آوے تو کھانا، چائے، پانی وغیرہ سے اس کی تواضع کر لیا کرو، کچھ کھلا پلا دو، گھروں کو مقابر جیسا نہ بناؤ(۱)۔

اس جملے کو دیکھتے ہوئے ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ گھروں میں نماز ادا کرنا مستحب ہے، کیوں کہ مردے تو نماز نہیں پڑھتے، گویا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم ان مُردوں کی طرح مت بنو جو گھروں میں نماز ادا کرنے پر قادر نہیں ہیں۔

بعض فقہاء نے اس سے یہ مستنبط کیا ہے کہ قبرستان عبادت کرنے کی جگہیں نہیں ہیں، چنانچہ قبرستان میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے، اس بات کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پوری زمین میں نماز ادا کی جاسکتی ہے، سوائے قبرستان اور حمام کے، کہ ان دو جگہوں میں نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے(۲)۔

---

(۱)الكنز المتواري: ١٤١/٤، سراج القاري: ٢١/٣

(٢)عن أبي سعيد قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الأرض كلها مسجد إلا الحمام والمقبرة. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: في المواضع التي لا تجوز فيها الصلاة، رقم الحديث: ٤٩٢)

علامہ خطابی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک معنی یہ بھی ہے کہ تم اپنے گھروں کو محض سونے کے لیے ہی استعمال نہ کرو، کہ کبھی گھروں میں نماز پڑھنے کی نوبت ہی نہ آئے، چونکہ نیند موت کی بہن ہے، اور مردہ تو نماز نہیں پڑھا کرتا(۱)۔

علامہ تورپشتی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک احتمال یہ بھی ہے کہ وہ شخص جو ذکر کرتا ہے اور جو ذکر نہیں کرتا اس کی مثال زندہ اور مردہ جیسی ہے، اور زندہ لوگ گھروں میں رہتے ہیں، اور مردہ لوگ قبروں میں رہتے ہیں، پس وہ شخص جو گھر میں نماز نہیں پڑھتا وہ اپنے گھر کو قبر کے قائم مقام بنالیتا ہے، جیسا کہ وہ خود مردہ آدمی کی طرح ہوتا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ قبرستان وہ جگہ ہے جہاں نماز ادا نہیں کی جاتی، کیونکہ وہ ان لوگوں (مردوں) کے رہنے کی جگہ ہے، جو احکامات پر عمل کرنے کے مکلّف نہیں ہیں، عمل کا دروازہ ان کی طرف سے بند ہو چکا ہوتا ہے، لیکن گھروں میں تم لوگ نماز ادا کیا کرو، کیونکہ تم زندہ ہو، مکلف ہو، عمل کرنے کی طاقت تمہارے میں موجود ہے۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ بے شک تم کو قبرستان میں نماز ادا کرنے سے روکا گیا ہے، پس تم لوگ اپنے گھروں میں نماز ادا کرنے کو نہ چھوڑو، اگر تم نے ایسا کیا تو ایسی صورت میں تم اپنے گھروں کو قبرستان کے ساتھ تشبیہ دینے والے بن جاؤ گے(۲)۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ کی رائے

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ایک معنی یہ ذکر کیا ہے کہ تم قبرستان میں اپنی رہائش نہ بناؤ، تا کہ تم سے دل کی رقت، نصیحت کا حاصل کرنا اور رحمت کا حاصل کرنا زائل نہ ہو جائے، (یہ اس وجہ سے کہ جب بندہ ایک ہی جگہ رہنا

---

(١)أعلام الحديث في شرح صحيح البخاري: ١/٣٩٣

فتح الملهم، كتاب الصلاة، باب: استحباب صلاة النافلة في بيته، رقم الحديث: ٧٧٧، ٥/١٤٣

(٢)الميسر في شرح مصابيح السنة للتوربشتي، كتاب الصلاة، باب: المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ٤٧٩، ١/٢٠٥

شروع کر دے تو وہ وہاں کا عادی ہو جاتا ہے، چنانچہ جب کوئی شخص قبرستان میں رہنے کا عادہ ہو جائے گا تو قبرستان میں جانے سے جو مقصود ہے وہ فوت ہو جائے گا) بلکہ تم قبرستان میں قبور کی زیارت کے لیے جایا کرو اور پھر اپنے گھروں کی طرف واپس لوٹ آیا کرو۔

اور دیگر اقوال ذکر کرنے کے بعد مزید ایک قول ذکر فرمایا کہ ارباب لطائف میں سے بعض کا قول یہ بھی ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے گھروں میں آنے والے مہمانوں کے لیے قبرستان کی طرح نہ بناؤ کہ نہ ان کو کھانا کھلاؤ، نہ پانی پلاؤ اور نہ ہی ان کا کوئی اور اکرام کرو، (چونکہ قبرستان میں ایسا کوئی کام نہیں کیا جاتا، اس لیے گھروں کو مہمانوں کے لیے اس طرح کا بنانے سے منع کیا)،(۱)۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ کا ایک اشکال اور اس کا جواب

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے ایک قول کی تردید کی ہے کہ

جنہوں نے یہ تاویل بیان کی ہے کہ حدیث مبارک کے اس جملے میں گھروں کے اندر مردے دفنانے سے منع کیا گیا ہے، تو ان کی یہ تاویل درست نہیں ہے، کیونکہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے اسی کمرے میں دفن کیا گیا جس میں آپ رہائش پذیر تھے(۲)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مذکورہ تاویل درست ہے کیونکہ یہ بات عین ممکن ہے کہ گھروں میں تدفین کا جائز ہونا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہو، جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے کہ انبیاء کی وفات جس جگہ ہوتی ہے، انہیں اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے(۳)۔

---

(۱)مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب: الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ٩٢٦، ٢/٧٤٤

(٢) أعلام الحديث في شرح صحيح البخاري: ١/٣٩٣

(٣) قال الكرماني: "أقول: هو شيئ، ودفن الرسول صلى الله عليه وسلم فيه لعله من خصائصه سيما، وقد روي: الأنبياء يدفنون حيث يموتون". (شرح الكرماني: ٤/٩٤)

وقال ابن حجر العسقلانيؒ: قلت: هذا الحديث رواه بن ماجه مع حديث ابن عباس عن أبي بكر مرفوعا: "ما قبض نبي إلا دفن حيث يقبض" وفي إسناده حسين بن عبد الله الهاشمي، وهو ضعيف. وله طريق أخرى مرسلة ذكرها البيهقي في الدلائل. وروى الترمذي في الشمائل، والنسائي في الكبرى، من طريق سالم بن عبيد الأشجعي الصحابي، عن أبي بكر الصديق؛ "أنه قيل له: فأين يدفنون رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: في المكان الذي قبض الله فيه روحه، فإنه لم يقبض روحه إلا في مكان طيب" =

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب:"كراهية الصلاة في المقابر" کی مطابقت حدیث مبارکہ کے جملے:"ولا تتخذوا قبورا" کے ساتھ ہے، اس معنی میں کہ گھروں کو قبرستان نہ بناؤ میں تشبیہ عدم صلاۃ میں ہے، مطلب یہ کہ جس طرح قبرستان میں نماز نہیں ادا کی جاتی تو تم اپنے گھروں کو بھی اسی طرح نہ بناؤ کہ گھروں میں بالکل نماز ہی نہ پڑھو، یہی امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود ہے اور اسی سے ترجمۃ الباب ثابت ہو رہا ہے(۱)۔

علامہ کورانی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ کورانی رحمہ اللہ حدیث مبارکہ کا جملہ:"ولا تتخذوها قبورا" ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ وہ مقام ہے جو ترجمۃ الباب کو ثابت کرتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں: اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ جملہ تو ترجمۃ الباب پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ حدیث مبارکہ کے معنی یہ ہیں کہ تم نوافل اپنے گھروں میں ادا کیا کرو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جملے میں دو معانی کا احتمال ہے، ایک تو وہی جو معترض نے ذکر کیے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ قبرستان میں نماز ادا کرنا جائز نہیں۔ اس معنی پر ترجمۃ الباب اور حدیث مبارکہ میں مناسبت و مطابقت ظاہر ہے(۲)۔

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

= إسناده صحيح، لكنه موقوف. والذي قبله أصرح في المقصود، وإذا حمل دفنه في بيته على الاختصاص لم يبعد نهي غيره عن ذلك، بل هو متجه، لأن استمرار الدفن في البيوت ربما صيرها مقابر، فتصير الصلاة فيها مكروهة، ولفظ حديث أبي هريره عند مسلم أصرح من حديث الباب، وهو قوله: "لا تجعلوا بيوتكم مقابر" فإن ظاهره يقتضي النهي عن الدفن في البيوت مطلقا، والله أعلم. (فتح الباري: ۱/۶۸۵، ۶۸۶)

(۱)مستفاد از تقریر بخاری شریف: ۲/۱۶۲

قال العلامة الدماميني في شرحه: "حمله البخاري على منع الصلاة في المقابر، وتُعقب بأن القصد الحث على الصلاة في البيت؛ فإن الموتى لا يصلون في قبورهم، وكأنه قال: لا تكونوا كالموتى، وليس فيه تعرض لجواز الصلاة في المقابر، ولا منعها. (مصابيح الجامع للدماميني: ۲/۱۳۸)

(۲)الكوثر الجاري: ۲/۱۲۱، ۱۲۲

۲۱ - باب : اَلصَّلَاةِ فِي مَوَاضِعِ اَلْخَسْفِ وَاَلْعَذَابِ .

یہ باب ہے خسف (زمین میں دھنسنے) اور عذاب کی جگہوں میں نماز کی ادائیگی کے مکروہ ہونے کے بارے میں

ترجمۃ الباب کی تشریح

قولہ:"خسف"، کسی مکان کا اس کے دروازوں سمیت زمین میں دھنس جانا خسف کہلاتا ہے(۱)۔

اسی سے متعلق ہے قرآن پاک کی آیت:﴿فخسفنا به وبداره﴾، سورہ قصص میں ہے،''پھر دھنسا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو''(۲)۔

قولہ:"والعذاب"، اس کا ذکر "الخسف" کے بعد ذکر العام بعد الخاص کی قبیل سے ہے۔ کہ خسف بھی عذاب ہے، لیکن مخصوص نوعیت کا عذاب، کہ زمین میں دھنسا دیا جانا، اور اس کے بعد عام قسم کے عذاب کا ذکر ہے، مراد یہ ہے کہ جس جگہ عذاب نازل ہوا ہو، چاہے خصوصی؛ کہ زمین میں دھنسا دیا گیا ہو، یا کوئی بھی عذاب ہوا ہو، وہاں نماز ادا کرنا ناپسندیدہ ہے، مکروہ ہے(۳)۔

''خسف'' سے مراد کون سا واقعہ ہے؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''خسف'' سے مراد وہ واقعہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: ﴿فاتى الله بنيانهم من القواعد فخر عليهم السقف من فوقهم﴾ میں بیان کیا ہے(۴)۔

---

(۱)مختار الصحاح، خ س ف: ۹۰/۱۔ المصباح المنير في غريب الشرح الكبير، خ س ف: ۱۶۹/۱۔ القاموس المحيط، فصل الخاء: ۸۰٤/۱۔ لسان العرب، فصل الخاء المعجمة: ٦٧/٩.

(۲)القصص:۸۱

(۳)عمدة القاري: ۲۷۹/۲

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس ترجمہ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے تعمیم بعد التخصیص کے طور پر عذاب کو ذکر کیا، کیوں کہ خسف بھی من جملہ عذاب ہے، گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ترجمہ سے اشارہ کر دیا کہ یہ حکم صرف خسف کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ بلکہ ہر عذاب اس میں داخل ہے، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول:"لا تدخلوا على هؤلاء المعذبين" اس پر دلالت کرتا ہے، گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے اس لفظ سے عموم کو ثابت کیا ہے۔(الکنز المتواری: ۱۴۱/۴، سراج القاری:۳۰/۳)

(٤)فتح الباري: ٦٨٦/١

اس کی تشریح میں علامہ بغوی رحمہ اللہ نے ''معالم التنزیل'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نمرود بن کنعان نے بابل شہر میں ایک محل بنایا تھا، جس کی اونچائی پانچ ہزار ہاتھ اور چوڑائی تین ہزار ہاتھ تھی، اس کا مقصد یہ تھا کہ آسمان پر چڑھے اور وہاں کے حالات معلوم کر کے آسمان والوں سے قتال کرے، اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیج دی، جس نے اس محل کو گرا دیا اور اس کی چھت نمرود پر اور اس کے متبعین پر گر پڑی، جس سے وہ ہلاک ہو گئے (۱)۔

صاحب روح المعانی نے ایک قول یہ بھی لکھا ہے کہ خود نمرود اس وقت ہلاک نہیں ہوا تھا بلکہ محل کی بربادی کے بعد زندہ رہا اور اللہ تعالی نے اسے ایک مچھر کے ذریعے ہلاک فرما دیا، جو اس کے دماغ میں پہنچ گیا تھا (۲)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ عذاب والی جگہوں میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔

احادیث سے یہ بات ماخوذ ہے کہ زحمت وعذاب والی جگہ کو رحمت والی جگہ نہ بناؤ، لہذا خسف اور عذاب کی جگہ نماز نہ پڑھو۔

نیز! عذاب والی جگہوں سے فرار کا حکم ہے، لہذا ایسی جگہوں میں نمازیں ادا کرنے کے ذریعے قرار کی جگہ نہ بناؤ، اس کے علاوہ مفہوم حدیث ہے کہ ایسی جگہوں میں روتے ہوئے گذرنا چاہیے، جب کہ نماز میں رونا تو ہر کسی کو نہیں آتا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس پر اشکال یہ ہے کہ نماز باعثِ رحمت ہے تو موضع خسف میں اور زائد پڑھنی چاہیے، تا کہ عذاب کا اثر کم ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نماز اگر چہ رحمت ہے، لیکن دعا بھی ہے اور مواضع خسف میں اگر زیادہ اخلاص نہ ہو تو رِدِ دعا کا اندیشہ ہے، یہ یاد رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جواز صلاة في مواضع الخسف کے قائل ہیں (۳)۔

---

(۱) معالم التنزيل للبغوي، سورة النحل، الآية: ۲٦، ١٦/٥

(۲) تفسير روح المعاني، سورة النحل، الآية: ۲٦، ۳٦٦/٧، ۳٦٧

(۳) تقرير بخاری شريف: ١٦٢/٢

تعلیق

وَيُذْكَرُ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَرِهَ الصَّلَاةَ بِخَسْفِ بَابِلَ .

تعلیق کی تخریج

اس تخریج کی اصل (۱)وہ اثر ہے جو المصنف لابن ابی شیبہ میں موجود ہے (۲) کہ حُجر بن عنبس الحضرمی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ نہروان کی طرف نکلے، یہاں تک کہ ہم جب بابل شہر پہنچے تو نماز عصر کا وقت داخل ہوگیا، ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ نماز ادا کرلیں؟ وہ خاموش رہے، ہم نے پھر (کچھ دیر بعد) کہا کہ نماز ادا کرلیں، تو وہ پھر خاموش رہے (کوئی جواب نہیں دیا)، پھر جب ہم بابل شہر سے نکل گئے تو تب آپ نے نماز عصر ادا کی، پھر فرمایا: میں ایسی جگہ نماز ادا نہیں کرتا جہاں کسی قوم کو زمین میں دھنسا کر عذاب دیا گیا ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات تین بار ارشاد فرمائی۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہی ایک اثر سنن ابی داوٴد میں ہے (۳)۔

---

(۱)تغليق التعليق: ۲۳۱/۲

(۲) عن حُجر بن عنبس الحضرمي، قال: خرجنا مع علي إلى النهروان، حتى إذا كنا ببابل حضرت صلاة العصر، قلنا: الصلاة، فسكت، ثم قلنا: الصلاة، فسكت، فلما خرج منها صلى، ثم قال: "ما كنت أصلي بأرض خسف بها ثلاث مرات". (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب: في الموضع الذي خسف به، رقم الحديث: ۷۵۵٦، ۱۵۱/۲)

حدثنا وكيع عن سفيان عن عبد الله بن أبي المحل عن علي أنه كره الصلاة في الخسوف. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب: في الموضع الذي خسف به، رقم الحديث: ۷۵۵۷، ۱۵۱/۲)

وحدثنا ابن عيينة عن عبد الله بن شريك عن أبي المحل أن عليا مر بجانب من بابل فلم يصل بها.(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب: في الموضع الذي خسف به، رقم الحديث: ۷۵۵۸، ۱۵۲/۲)

(۳)حدثنا سليمان بن داؤد، أنا ابن وهيب، حدثني ابن لهيعة، ويحيى بن أزهر، عن عمار بن سعد المرادي، عن أبي صالح الغفاري، أن عليا مر ببابل وهو يسير، فجاء ه المؤذن يؤذنه بصلاة العصر، فلما برز منها أمر المؤذن، فأقام الصلاة، فلما فرغ، قال: إن حبي عليه الصلاة والسلام نهاني أن أصلي في المقبرة، ونهاني أن أصلي في أرض بابل، فإنها ملعونة. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: في المواضع التي =

تعلیق کا ترجمہ

ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بابل شہر میں خسف کا عذاب نازل ہونے کی وجہ سے نماز ادا کرنے کو ناپسند جانتے تھے۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ایک بات تو یہ ہے کہ یہ تعلیق ترجمۃ الباب کا ہی جزو ہے، اور اگر جدا بھی ہے تو بھی ترجمۃ الباب اور اس تعلیق میں امر مشترک یہی ہے کہ ایسی جگہوں میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے(۱)۔

بابل شہر

بابل ایک عظیم الشان شہر کا نام ہے، جو قدیم زمانے میں دریاءِ فرات کے دونوں جانب واقع تھا، اور دریائے فرات اس شہر کے بیچ سے گذرتا تھا، آج بھی اس شہر کے کھنڈرات دریا فرات کے دونوں جانب موجود ہیں، ایک لمبی مدت یہ شہر سلطنت عراق کا پایہ تخت تھا، اور بخت نصر کے زمانہ تک بڑی شان وشوکت والا شہر تھا،

= لا تجوز فيها الصلاة، رقم الحديث: ٤٩٠)

اس حدیث کے آخری جملے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بابل شہر میں نماز ادا کرنے سے منع کیا ہے، کیونکہ وہ سرزمین ایسی ہے، جہاں اللہ تعالیٰ کی لعنت نازل ہوئی ہے۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں گفتگو ہے، میرے علم میں کسی عالم نے سرزمین بابل میں نماز ادا کرنے کو حرام نہیں کہا، علاوہ ازیں! "جُعِلَت لي الأرضُ مسجدًا وطهورًا" (میرے لیے ساری زمین سجدہ کے قابل اور پاک کردی گئی ہے) جو اس سے زیادہ صحیح ہے، اِس کے معارض ہے۔

(چلیں فرض کرلیں کہ) اگر یہ حدیث ثبوت کو پہنچ جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارض بابل کو وطن بنانے اور وہاں اقامت اختیار کرنے سے منع فرمادیا، کیونکہ جب وہاں اقامت اختیار کی جائے گی تو لامحالہ وہاں نماز بھی پڑھنی پڑھے گی۔

پھر اس بارے میں جو نہی وارد ہے وہ بھی مخصوص ہے، نهاني؛ کے لفظ پر غور کیجیے (جس کے معنی ہیں کہ مجھے منع کیا گیا) غالبا اس محنت ومشقت سے ڈرانا مقصود تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں اٹھانی پڑی، کوفہ کا شمار بابل ہی کی سرزمین میں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے خلفائے راشدین میں سے کوئی بھی مدینہ سے منتقل نہیں ہوا۔ (معالم السنن للخطابي، كتاب الصلاة، باب: المواضع التي لا تجوز فيها الصلاة: ١/١٤٨)

(١) عمدة القاري: ٤/٢٧٩

۵۲۸ قبل مسیح کے بعد اس شہر پر ایسی تباہی آئی کہ ہمیشہ کے لیے اس شہر کا خاتمہ ہوگیا، بابل شہر میں اس دور میں جادو، وسحر کا جو غلبہ تھا اس کی نظیر کہیں نہ تھی۔

یہ لفظ مشہور نحوی اخفش کے بیان کے مطابق غیر منصرف ہے، عربی میں ہر مؤنث شے کا نام جب کہ وہ علَم ہو اور تین حرف سے زائد ہو غیر منصرف ہوتا ہے(۱)۔

بابل کی وجہ تسمیہ

اسرائیلیات میں سے ہے کہ جب نمرود بن کنعان کا بنایا ہوا محل اللہ تعالیٰ کی حکم سے زمین بوس ہوگیا تو خوف اور دہشت کی وجہ سے لوگوں کی زبانیں گنگ ہوگئی، ایک دوسرے میں گڈ مڈ ہوگئیں، وہ قسما قسم کی بولیاں بولنے لگے، تو وہ تہتر زبانوں میں بٹ گئے، اس کو عربی زبان میں تَبَـلْبَلَتْ ألسنُ الناسِ من الفزع سے تعبیر کیا گیا، اسی سے بابل نام مشہور ہوا۔ اس سے قبل اہل بابل کی زبان سریانی تھی (۲)۔

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

حدیث باب

٤٢٣ : حدّثنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ ٱللّٰهِ قَالَ : حَدَّثَنِي مالِكٌ ، عَنْ عَبْدِ ٱللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُمَا (۳) : أَنَّ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ قَالَ : (لَا تَدْخُلُوا عَلَى هٰؤُلَاءِ ٱلْمُعَذَّبِينَ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ ، فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ ، لَا يُصِيبُكُمْ مَا أَصَابَهُمْ) .

[٣١٩٨-٣٢٠١ ، ٤١٥٧ ، ٤١٥٨ ، ٤٤٢٥]

---

(١)معجم البلدان: ١٨/٢، ط: مصر۔ لغات القرآن للنعمانی: ١١/٢

(٢) روح المعاني، النحل: ٢٦، ٣٦٦/٧، ٣٦٧۔ معالم التنزيل للبغوي، النحل، الآية: ٢٦، ١٦/٥

(٣)أخرجه البخاري أيضا في الأنبياء، باب: قول الله تعالى: ﴿وإلى ثمود أخاهم صالحا﴾، رقم الحديث: ٣٣٨٠، وفي المغازي، باب: نزول النبي صلى الله عليه وسلم الحجر، رقم الحديث: ٤٤١٩، ٤٤٢٠، وفي تفسير سورة الحجر، باب: ﴿ولقد كذب أصحاب الحجر﴾، رقم الحديث: ٤٧٠٢

ومسلم في صحيحه، في الزهد والرقايق، باب: لا تدخلوا مساكن اللذين ظلموا أنفسهم إلا أن تكونوا باكين، رقم الحديث: ٢٩٨٠

وفي جامع الأصول، حرف الذال، الكتاب الثالث: في ذم الدنيا، وذم أماكن من الأرض، الفصل الثاني: في ذم أماكن من الأرض، رقم الحديث: ٢٦١١، ٥١٢/٤

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل چار راوی ہیں:

۱۔ اسماعیل بن عبداللہ

یہ ''ابوعبداللہ اسماعیل بن ابی اویس عبداللہ بن عبداللہ بن اویس بن مالک اصبحی مدنی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: تفاضل أهل الإيمان في الأعمال، کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ مالک

یہ ''ابوعبداللہ امام مالک بن انس بن مالک'' رحمہ اللہ ہیں

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الدین الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ عبداللہ بن دینار

یہ ''ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن دینار قرشی عدوی مدنی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر حالات کشف الباری، کتاب الایمان، باب: أمور الإيمان، اور تفصیلی حالات کتاب العلم، باب: قول المحدث: حدثنا وأخبرنا وأنبأنا، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۴۔ عبداللہ بن عمر

یہ ''حضرت عبداللہ بن عمر'' رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: الإيمان وقول النبي صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

---

(۱) کشف الباری: ۱۱۳/۲

(۲) کشف الباری: ۸۰/۲

(۳) کشف الباری: ۶۵۸/۱، ۱۲۵/۳

(٤) کشف الباری: ۶۳۷/۱

ترجمہ حدیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کے علاقوں میں مت جاؤ جن کو عذاب دیا گیا ہے، مگر یہ کہ روتے ہوئے، اگر تم نہ روسکو تو ان کے علاقے میں مت جاؤ، ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہی عذاب آجائے، جس نے ان کو گرفت میں لیا۔

شرح حدیث

عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لا تدخلوا على هٰؤلاء المعذبين

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کے علاقوں میں مت جاؤ جن کو عذاب دیا گیا ہے۔

قولہ: "لا تدخلوا"، یہ نہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس وقت ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف جا رہے تھے، اس وقت "حجر" مقام میں قوم ثمود کے تباہ شدہ مکانات سے گذر ہوا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم ارشاد فرمایا(۱)۔

حِجر کون سا مقام ہے؟

وہ مکان جس کا احاطہ پتھروں سے بنایا جائے، وہ "حجر" کہلاتا ہے، اسی لیے ثمود کی آبادیاں چونکہ پتھروں کو تراش کر بنائی گئی تھیں "حجر" کہلائیں، ارشاد ہے: ﴿كذب اصحاب الحجر المرسلين﴾ حجر والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک جاتے ہوئے اس شہر سے گذرے تھے۔ دولت عثمانیہ کے زمانہ میں یہ حجاز کا ریلوے اسٹیشن تھا اور چونکہ پتھروں کے احاطہ سے مقصود حفاظت اور روک تھام ہوتی ہے اور عقل بھی انسان کی حفاظت کرتی اور اس کو روکتی رہتی ہے، اس لیے اس کو بھی "حجر" کہا جاتا ہے، ارشاد ہے: ﴿هل في قَسَم الذي حجر﴾ (کیا ان میں عقل والوں کے لیے قسم ہے)(۲)۔

---

(۱)فتح الباري: ۶۸۷/۱

(۲)لغات القرآن للنعمانی، الحِجر: ۲۷۳/۲

حجر کی مزید تفصیل اگر کسی نے دیکھنی ہو تو ''اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ'' جو شاید اردو لغت کی سب سے بڑی کتاب ہے، میں دیکھ لے(۱)۔

---

(۱) ''الحجر'' جنوبی عرب کا ایک شہر ہے، جو ''تیما'' کے جنوب میں وادی القری سے ایک دن کی مسافت پر واقع تھا، یہ قدیم زمانہ کا وہی تجارتی شہر ہے، جس کا بطلیموس اور پلینی نے (Egra) کے نام سے ذکر کیا ہے، یہ شہر اب موجود نہیں، موجودہ زمانے میں اس کا اطلاق بدوی اس سپاٹ زمین پر کرتے ہیں جو مبرك الناقة اور بیر الغنم کے درمیان کئی میل تک پھیلی ہوئی ہے، اس کی زرخیز زمین میں بہت سے کنویں ہیں، جہاں بدوی بڑی تعداد میں اپنے گلّوں سمیت آ کر خیمہ زن ہوتے ہیں، الحِجر سے دو سڑکیں مکے کی طرف جاتی ہیں، ایک تو نجد کی سڑک، جس سے آج کل حاجی گذرتے ہیں اور دوسری شاہراہ؛ مرو، جس سے قدیم زمانے میں زائرین مکے جایا کرتے تھے، الحِجر کے مغرب میں ایک پہاڑ ہے جو ریت کے پتھر کی پانچ منفرد چٹانوں پر مشتمل ہے، جنہیں ''اثالث'' کہتے ہیں، اور ان پر بہت ہی خوش وضع یادگاریں تراش کر بنائی گئی ہیں، (ان میں قصر البنت، بیت الشیخ، بیت اخریمات، محل المجلس اور دیوان شامل ہیں، جو پرندوں اور جانوروں کی متعدد تراشی ہوئی اشکال اور بہت سے کتبوں سے مزین ہیں)۔

''چارلس ڈاوٹی'' یورپ کا سب سے پہلا باشندہ تھا جس نے ۱۸۷۶ء اور ۱۸۷۷ء میں الحِجر کی سیاحت کی، اور ان چٹانوں کا اور ان پر تراشی ہوئی عمارتوں کا بغور مشاہدہ کیا، اس نے پتا چلایا کہ یہ عمارتیں (باستثنائے دیوان) مقبرے (یعنی: خاندانی مدفن) ہیں، جن میں طاق اور جسمانی اجسام کے بقیات موجود ہیں، مکے جانے والے زائرین ایک دن کے لیے جبلِ اثالث پر قیام کرتے اور نماز ادا کرتے ہیں، قدیم زمانے میں یہاں کچھ بے دین اور متکبر لوگ موسوم بہ ثمود آباد تھے، جن کے متعلق قرآن میں کہا گیا ہے کہ وہ چٹانوں کو کاٹ کر وہاں اپنے مسکن بناتے تھے، ان لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے ایک ہم قوم صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر ان کے پاس بھیجا (اور اونٹنی کو بطورِ نشان پیش کیا کہ اگر اسے نقصان پہنچایا گیا تو عذاب نازل ہوگا) لیکن جب ان لوگوں نے اپنی بت پرستی جاری رکھی اور اس اونٹنی کو مار ڈالا، حالانکہ حضرت صالح علیہ السلام ان سے اُسے ضرر نہ پہنچانے کے لیے کہتے رہے، تو خدائے تعالیٰ نے ان پر ایک زلزلہ نازل کیا، جس سے وہ نیست و نابود ہو گئے، الحِجر کے ریتلے پتھر کی چٹانوں کو مع ان یادگاروں کے جو اُن کے اندر تراش کر بنائی گئی ہیں، (حضرت) صالح کے نام پر ''مدائن صالح''، یعنی: ''صالح کے شہر'' بھی کہا جاتا ہے۔

عرب کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پروردگار کے حکم سے حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ''الحِجر'' میں چھوڑ کر چلے گئے تھے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام یہاں اپنی والدہ کے پہلو میں مدفون ہیں، سیرتِ نبوی میں بھی ''الحِجر'' کا ذکر آتا ہے، جب ۹ ہجری/ ۶۳۱ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو ''الحِجر'' میں سے آپ کا گذر ہوا، صحابہ نے چاہا کہ یہاں آرام کر کے یہاں کے کنوؤں پر =

قولہ:"هٰؤلاء المعذَّبين" ، وہ لوگ جن کو عذاب دیا گیا ہے، ان کے علاقوں میں مت جاؤ، صحیح بخاری کی دیگر روایات میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام حجر سے گذرے تو ارشاد فرمایا: "لا تدخلوا مساكن الذين ظلموا أنفسهم"، کہ جن لوگوں نے اپنی جانوں پر (اللہ کے نافرمان بن کے) ظلم کیا، ان کے ٹھکانوں میں مت جایا کرو(١)۔

إلا أن تكونوا باكين، فإن لم تكونوا باكين، فلا تدخلوا عليهم،

مگر یہ کہ روتے ہوئے، اگر تم نہ رو سکو تو ان کے علاقے میں مت جاؤ۔

قولہ:"إلا أن تكونوا باكين"، اس جملے کے ذریعے ان جگہوں میں روتے ہوئے اور عبرت حاصل کرتے ہوئے داخل ہونے کی اجازت دی گئی کہ اگر اس طرح داخل ہوں تو مباح ہے، اور یہ جملہ اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ اس جگہ پر ادا کی جانے والی نماز فاسد نہیں ہوتی (٢)۔

قولہ:"باكين"، یہ رونا اس لیے کہ ان پر شفقت کی وجہ سے ہو، یا اس ڈر سے کہیں اللہ کا عذاب ہم پر بھی نہ نازل ہو جائے (٣)۔

= اپنے آپ کو تازہ دم کرلیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ ایسی جگہ ٹھہریں جہاں قہرِ الٰہی نازل ہو چکا تھا۔

زمانہ حال میں امیر سعود یہاں ایک شہر بسانا چاہتا تھا، لیکن ایک ایسے مقام پر جو منجانب اللہ مورِدِ لعنت وعذاب بن چکا تھا از سرِ نو ایک شہر آباد کرنے پر علمائے دین کے شدید اعتراضات کی وجہ سے یہ منصوبہ پورا نہ ہوسکا۔

ڈاوٹی کے بعد سے مُلک "الساتیا (Alsatia)" کے ایک سیاح "C,Huber" نے دوبار "الحِجر" کی سیاحت کی ہے، ایک مرتبہ: ١٨٧٩ء میں اور دوسری دفعہ: ("Euting" کے ہمراہ) ١٨٨٤ء میں۔

(اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، الحِجر، ٧/ ٩٤٥-٩٥٧، دانش گاہ پنجاب لاہور)

(١) حدثنا عبد الله بن محمد الجعفي، حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا معمر، عن الزهري، عن سالم، عن ابن عمر رضي الله عنهما، قال: لما مر النبي صلى الله عليه وسلم بالحجر قال: **لا تدخلوا مساكن الذين ظلموا أنفسهم،** أن يصيبكم ما أصابهم، إلا أن تكونوا باكين، ثم قنع رأسه وأسرع السير حتى أجاز الوادي.
(صحيح البخاري، المغازي، باب: نزول النبي صلى الله عليه وسلم الحجر، رقم الحديث: ٤٤١٩، ٤٤٢٠)

(٢) عمدة القاري: ٤/ ٢٨٢

(٣) ارشاد الساري: ١/ ٤٣٤

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "بکاء" سے مراد بکاءِ قلب ہے، اگر ساتھ ساتھ بکاءِ عین بھی ہوتو اور بھی بہتر ہے(۱)۔

لا يصيبكم ما أصابهم".

ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہی عذاب آجائے، جس نے ان کو گرفت میں لیا۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ وہ شخص جو کسی ایسی قوم کے علاقوں میں داخل ہو جن پر اللہ تعالی کا عذاب نازل ہوا ہو اور اس پر وہاں داخل ہوتے وقت عبرت، خوف اور رقت کے آثار ظاہر نہ ہوں تو وہ بڑا سخت دل ہے، جو خشوع کے اعتبار سے بہت کمی والا ہے، خوف وڈر کے اثر کو قبول نہیں کرتا، تو ایسی حالت میں ڈر ہے کہ ایسے شخص کو بھی وہی عذاب آ پکڑے جو اس بستی والوں پر آیا تھا(۲)۔

قولہ:"لا يصيبكم ما أصابهم" پر ایک شبہ اور اس کا جواب

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر شبہ کیا جائے کہ امت محمدیہ پر اس قسم کے عذاب نہ ہونے کا وعدہ ہو چکا ہے، تو اب اس طرف سے امن اور اطمینان ہے، پھر آپ علیہ السلام یہ کیسے فرماتے ہیں کہ "لا يصيبكم ما أصابهم"؟

تو یاد رکھیے کہ اولا یہ وعدہ وغیرہ انہی کو ہر وقت مستحضر رہتا ہے جن کے قلب پر خشیتِ خداوندی کا تسلط نہ ہو، وگرنہ غلبہ خشیت کے وقت یہ سب وعدے یاد نہیں رہا کرتے (اور ظاہر ہے کہ آپ علیہ السلام کے قلب مبارک پر ہر وقت مکمل غلبہ تھا)۔

علاوہ ازیں وعدہ اس بات کا ہے کہ عام عذاب اس طرح آجائے کہ ساری امت ہلاک ہو جائے، ایسا نہ ہوگا۔ باقی کسی خاص خطہ یا جماعت پر آسکتا ہے، چنانچہ خود حدیث میں ہے کہ اس امت میں خسف بھی ہوگا، مسخ بھی ہوگا(۳)۔

---

(۱)فضل الباري: ۱٤٧/٣

(۲)أعلام الحديث للخطابي: ۳۹٤/۱

(۳)فضل الباري: ١٤٧/٣، ١٤٨

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عذاب نازل ہونے والی جگہ میں نہیں اترے، جس کا لازمی خاصہ ہے کہ جب وہاں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا تو وہاں نماز ادا کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ یعنی: عدم نزول مستلزم ہے عدم صلاۃ کو، اور عدم صلاۃ بوجہ کراہت ہے، اور باب بھی بیان کراہت کے لیے قائم کیا گیا ہے(۱)۔

حدیث مبارکہ سے مستنبط شدہ احکام وآداب

اس حدیث مبارکہ سے جو احکام مستنبط ہوتے ہیں، ان میں بعض ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ جن علاقوں میں اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا ہو، ان جگہوں کو اپنا وطن نہیں بنانا چاہیے(۲)۔

۲۔ ایسے علاقوں سے بہت تیزی سے، رکے بغیر گذر جانا چاہیے(۳)۔

۳۔ اگر جانا بھی پڑے تو عبرت حاصل کرتے ہوئے، روتے ہوئے، ڈرتے دل کے ساتھ جانا چاہیے(۴)۔

۴۔ اس حدیث مبارکہ میں انسان کو مراقبہ کی طرف رغبت دلائی گئی ہے(۵)۔

(۱)عمدة القاري: ٢٨١/٤

(٢)فتح الباري: ٦٨٧/١۔ عمدة القاري: ٢٨٣/٤

(٣)فتح الباري: ٦٨٧/١۔ عمدة القاري: ٢٨٣/٤

(٤)فتح الباري: ٦٨٧/١۔ عمدة القاري: ٢٨٣/٤

(٥)التوضيح لابن الملقن: ٥٠٢/٥۔ فتح الباري: ٦٨٧/١

۲۲ – باب : اَلصَّلَاةِ فِي الْبِيعَةِ .

یہ باب ہے گرجا گھر میں نماز کے بارے میں

ترجمۃ الباب کی تشریح

قولہ: "البِيُــــعَة"، عیسائیوں کی عبادت کرنے کی جگہ کو"گرجا گھر" کہتے ہیں، اور اسے عربی میں "البِيــعَة" کہتے ہیں،"با" کی کسرہ کے ساتھ(۱)۔

"بیعۃ" اور "کنیسہ" میں فرق

"بيـعة" نصاری کے عبادت خانے کو کہتے ہیں، اِس کی جمع "البِيـع" آتی ہے۔ اور "كـنيسة" یہود کے عبادت خانے کو، اِس کی جمع "الكنائس" ہے۔ نیز! اہل لغت عیسائی اور یہودی؛ دونوں کے عبادت خانوں کے لیے "البيعة" کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں(۲)۔

اس تشریح سے اُس اشکال کا بھی جواب ہوگیا کہ ترجمۃ الباب میں تو "البِيُـعَة" کا ذکر ہے، جب کہ حدیث باب میں "كنيسة" کا۔ کہ "البِيُــــعَة" اور "الكنيسة" کا استعمال یہود ونصاری دونوں کے عبادت خانوں پر ہوتا ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ مذکورہ باب قائم کر کے یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ اگر نصاری کے معبد میں تصاویر وغیرہ ہوں تو وہاں نماز ادا کرنا مکروہ ہے اور اگر وہاں ایسا کچھ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے(۳)۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شاید امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد اس باب سے یہ ہے کہ اگر اس (معبدِ نصاری) میں معصیت، جیسے: شرک باللہ، تصاویر اور قبور وغیرہ نہ ہوں تو بلا کراہت اس میں

(۱)مختار الصحاح، ب ي ع: ۴۳/۱۔ القاموس الفقهي، حرف الباء: ۴۶/۱

(۲)طلبة الطلبة في الاصطلاحات الفقهية، كتاب اللقطة: ۹۳/۱۔ المخصص لابن سيده، الأصنام: ۶۷/۴۔ تاج العروس، ب ي ع: ۳۶۹/۲۰

(۳)عمدة القاري: ۲۸۳/۴

نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر ان میں مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز پائی جائے تو نماز مکروہ ہوگی، آثار وروایات واردہ فی الباب سے اس معنی کی مطابقت واضح ہے، کیوں کہ ان تصاویر کا وجود اور تصاویر کا رکھنا ہی ان کے لیے لعنت کا سبب بنا، پھر یہی چیز ان لوگوں کے لیے بھی لعنت کا سبب ہوگی جو وہاں ان کے ساتھ عبادت میں شریک ہوں گے، اگرچہ لعنت ان چیزوں کے بنانے اور رکھنے والے پر زیادہ سخت ہوگی بمقابلہ اُن مسلمانوں کے جو وہاں نماز وغیرہ پڑھیں گے(۱)۔

سابقہ ایک باب سے تعارض اور اس کا حل

اشکال یہ ہے کہ اس باب اور ماقبل میں گذرنے والے ایک باب میں تعارض ہے، سمجھیے: ماقبل میں ایک باب گذرا: "من صلى وقدامه نار أو تنور"، اس میں بیان ہوا کہ اگر نمازی کے سامنے آگ وغیرہ ہو لیکن اس نمازی کا اس نماز سے مقصود محض اللہ کی رضامندی ہو تو اس ہیئت میں نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ اس باب میں غیر مسلموں کے معبد میں محض تصاویر کی وجہ سے نماز کی ادائیگی کے مکروہ ہونے کا بیان ہے۔

اس تعارض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس ماقبل باب میں نماز کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہاں نمازی کے سامنے آگ وغیرہ ہونے کا تعلق اس کے اختیار سے نہیں تھا، یعنی: نمازی کے اختیار کے بغیر آگ وغیرہ سامنے ہو جانے کی صورت میں اس نمازی کی نماز میں کوئی کراہت نہیں آئی، جب کہ اس کی نیت اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھنے کی تھی۔

اور اس باب میں قصد کا دخل ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم تمہارے عبادت خانوں میں داخل نہیں ہوں گے، یا نہیں ہوتے۔ لہٰذا اب کوئی تعارض باقی نہیں رہا(۲)۔

پہلی تعلیق

وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ ٱللّٰهُ عَنْهُ : إِنَّا لَا نَدْخُلُ كَنَائِسَكُمْ ، مِنْ أَجْلِ ٱلتَّمَاثِيلِ ٱلَّتِي فِيهَا ، ٱلصُّوَرَ .

---

(۱)لامع الدراري: ۱/ ۱۷۰، ۱۷۱۔ الأبواب والتراجم: ۲/ ۲۱٦

(۲)فتح الباري: ۱/ ٦۸۸. عمدة القاري: ٤/ ۲۸۳

تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کوموصولا ''المصنف لعبدالرزاق'' میں نقل کیا گیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ملک شام میں آئے تو ایک نصرانی شخص نے آپ نے کھانا تیار کیا اور آپ کو دعوت دیتے ہوئے کہا اے عمر! میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے پاس تشریف لائیں، اور آپ اپنے ساتھیوں سمیت میرے پاس آ کر مجھے اعزاز بخشیں، وہ شخص نصاری کا بڑا پادری تھا، حضرت عمر رضي اللہ عنہ نے جواب دیا ہم تمہارے گرجوں میں ان تصاویر کی وجہ میں داخل بھی نہیں ہوں گے، جو وہاں موجود ہیں(۱)۔

عیسائیوں کے اس بڑے پادری کا نام ''قسطنطین'' تھا جو حضرت مسلمہ بن عبداللہ الجہنی رحمہ اللہ نے رکھا تھا(۲)۔

تعلیق کا ترجمہ

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم تمہارے گرجا گھروں میں ان تماثیل
یعنی: تصویروں کی وجہ سے داخل نہیں ہوتے جو وہاں ہوتی ہیں۔

تعلیق کی تشریح

قولہ: ''کنائسکم''، اس حدیث مبارکہ میں ''کنائسکم'' خطاب کے ساتھ ہے، جب کہ أصیلي کی روایت میں ''کنائسھم'' غائب کی ضمیر کے ساتھ ہے(۳)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم تمہارے کنیساؤں میں داخل نہیں ہوتے، کنیسہ کے معنی اوپر واضح کر دیئے گئے کہ یہود کی عبادت گاہ کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور نصاری کے معبد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

---

(۱)عبد الرزاق عن معمر عن أيوب عن نافع عن أسلم أن عمر حين قدم الشام، صنع له رجل من النصارى طعاما، وقال لعمر: إني أحب أن تجيئني، وتكرمني أنت وأصحابك، وهو رجل من عظماء النصارى، فقال عمر: إنا لا ندخل كنائسكم من أجل الصور التي فيها يعني: التماثيل. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في البيعة، رقم الحديث: ١٦١١، ١/٤١١، ٤١٢)

(۲)فتح الباري: ١/ ٦٨٨.

(۳)فتح الباري: ١/ ٦٨٨. عمدة القاري: ٤/٢٨٤

قولہ:"التي فیھا"، یہ جملہ "التماثیل" کی صفت بنے گا، اور "الصور" کو مکسور پڑھا جائے گا، جو کہ "التماثیل" کے لیے بدل بنے گا، یا عطف بیان۔ اوپر تعلیق کا جو ترجمہ کیا گیا ہے، اس ترکیب کو مدِ نظر رکھ کر ہی کیا گیا ہے(۱)۔ جب کہ اس جملے کی ترکیب میں اور احتمالات بھی موجود ہیں (۲)۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

اس اثر کی ترجمۃ الباب سے مطابقت اس اعتبار سے ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نصاری کے کنیسہ میں داخل نہ ہونا ان تصاویر کی وجہ سے تھا جو اس میں موجود تھیں، اگر وہاں تصاویر نہ ہوتیں تو ان کے اس کنیسہ میں داخل ہونے سے کوئی بھی چیز مانع نہ تھی، چنانچہ اس صورت میں وہ وہاں نماز بھی ادا کرتے، بوجہ کسی مانع کے نہ ہونے کے۔ اور اس صورت میں وہاں ان کی نماز ادا کرنے میں کوئی کراہت بھی نہیں ہونی تھی (۳)۔

اس بات کی تائید اس اثر سے ہوتی ہے جو ابن ابی شیبہؒ نے المصنف میں ذکر کیا ہے کہ جب اہل نجران مسلمان ہو گئے تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ ہم یہاں گرجا گھر سے زیادہ صاف اور عمدہ زمین نہیں پاتے، (تو کیا یہاں ہم نماز ادا کر لیں؟) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا کہ وہاں (صفائی کر کے) پانی چھڑک لو اور نماز ادا کر لو(۴)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱/ ٦٨٨. عمدة القاري: ٤/ ٢٨٤

(۲) وہ یہ ہے کہ "التي فیھا الصور" جملہ اسمیہ ہے، اس طرح کہ "الصور" مبتداء مؤخر ہوگا، اور "فیھا" خبر مقدم ہے۔ "ھا"، ضمیر کا مرجع "الکنائس" ہوگا، یہ پورا جملہ موصول کے لیے صلہ بنے گا، اور موصول اپنے صلہ سے مل کر "الکنائس" کے لیے صفت بنے گا، نہ کہ "التماثیل" کے لیے، کیونکہ اس سے معنی میں فساد آ رہا ہے۔ (فتح الباري: ۱/ ٦٨٨. عمدة القاري: ٤/٢٨٤)

(۳) عمدة القاري: ٤/٢٨٤

(٤) حدثنا أبو بكر قال: حدثنا سهل بن يوسف، عن حميد، عن أبي بكر، قال: "كتبتُ إلى عمر مِن نجرانَ: لم يجدوا مكانا أنظف ولا أجود مِن بِيعةٍ، فكتب: انضَحوها بماءٍ وسِدرٍ وصلوا فيها".
(المصنف لابن ابی شیبه، كتاب الصلاة، الصلاة في الكنائس والبيعة، رقم الحديث: ٤٨٦١، ١/٤٢٣)

دوسری تعلیق

وَكَانَ ٱبْنُ عَبَّاسٍ يُصَلِّي فِي ٱلْبِيعَةِ ، إِلَّا بِيْعَةً فِيهَا تَمَاثِيلُ .

تعلیق کی تخریج

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''تغلیق التعلیق'' میں لکھا ہے کہ ابو القاسم البغوی رحمہ اللہ نے اس اثر کو موصولاً نقل کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

عبيد الله العيشي ثنا العيشي ثنا عبد الواحد بن زياد ثنا خصيف عن مقسم مولى ابن عباس قال كان ابن عباس إذا دخل الكنائس التي فيها الصور والتماثيل لم يصل فيها وخرج.

نیز! اس تعلیق کو امام بغوی رحمہ اللہ نے ''الجعدیات'' میں بھی موصولاً نقل کیا ہے، اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے: "فإن كان فيها تماثيل خرج فصلى في المطر". ملاحظہ ہو:

ثنا علي بن الجعد ثنا شريك عن خصيف عن مقسم عن ابن عباس أنه كان يصلي في البيع ما لم يكن فيها تماثيل، فإن كان فيها تماثيل خرج فصلى في المطر(١).

تعلیق کا ترجمہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما گرجا گھر میں نماز ادا کرلیا کرتے تھے سوائے اس گرجا کے جس میں صورتیں ہوتیں۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بالکل واضح ہے کہ ایسی جگہوں میں نماز کی کراہت کا اثبات ہو رہا ہے۔

(١) تغليق التعليق، كتاب الصلاة، باب: الصلاة في البيعة: ٢/٢٣٣. فتح الباري: ١/٦٨٨، عمدة القاري: ٤/٢٨٤

حدیث باب؛ پہلی حدیث

٤٢٤ : حدثنا مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَائِشَةَ :[(1)] أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتْ لِرَسُولِ ٱللَّهِ ﷺ كَنِيسَةً رَأَتْهَا بِأَرْضِ ٱلْحَبَشَةِ ، يُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ ، فَذَكَرَتْ لَهُ مَا رَأَتْ فِيهَا مِنَ ٱلصُّوَرِ ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللَّهِ ﷺ : (أُولٰئِكَ قَوْمٌ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ ٱلْعَبْدُ ٱلصَّالِحُ ، أَوِ ٱلرَّجُلُ ٱلصَّالِحُ ، بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا ، وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ ٱلصُّوَرَ ، أُولٰئِكَ شِرَارُ ٱلْخَلْقِ عِنْدَ ٱللَّهِ) . [ر : ٤١٧]

تراجم رجال

اس حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

۱۔محمد

یہ "ابوعبداللہ محمد بن سلام بن الفرج البیکندی" رحمہ اللہ ہیں،

اس سند میں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ یہ راوی جو سب سے پہلے ہیں "محمد"؛ یہ کون سے ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن سکین رحمہ اللہ کی نسبت سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ "محمد بن سلام" ہیں (۲)۔

ان کے احوال کشف الباري، کتاب الایمان، باب: قول النبي صلى الله عليه وسلم : "أنا أعلمكم بالله"، وأن المعرفة فعل القلب، کے تحت گذر چکے ہیں (۳)۔

۲۔عبدة

یہ عبدة بن سلیمان بن حاجب بن زرارہ کلابی کوفی" رحمہ اللہ ہیں، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ان کا نام "عبدالرحمٰن" ہے اور عبدہ ان کا لقب ہے۔

ان کے احوال کشف الباري، کتاب الایمان، باب:قول النبي صلى الله عليه وسلم : "أنا أعلمكم بالله"، وأن المعرفة فعل القلب، کے تحت گذر چکے ہیں (۴)۔

---

(١)مر تخريجه تحت باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، رقم الحديث: ٤١٧

(٢)فتح الباري: ٦٨٨/١

(٣) كشف الباری: ٢/ ٩٣

(٤) كشف الباری:٩٤/٢

۳۔ہشام بن عروہ

یہ ''ہشام بن عروہ بن زبیر بن العوام قرشی اسدی مدنی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: أحب الدين إلى الله أدومه، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۴۔ابیہ

یہ ''عروہ بن زبیر بن العوام قرشی اسدی مدنی''، رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: أحب الدين إلى الله أدومه، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۵۔عائشہ

یہ ام المؤمنین حضرت ''عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق''، رضی اللہ عنہ وعنہما ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

ترجمہ حدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک گرجا گھر کا ذکر کیا، جوانہوں نے حبشہ میں میں دیکھا تھا، جسے ''ماریہ'' کہا جاتا تھا، پھر انھوں (حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان تصاویر کا ذکر کیا جو اس گرجا گھر میں دیکھی تھیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان لوگوں میں جب کوئی نیک بندہ (یا یوں فرمایا کہ) ایک بندہ مرجاتا تھا تو یہ لوگ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے تھے اور اس میں یہ تصاویر بنا دیتے تھے، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین لوگ ہیں۔

---

(۱) كشف الباری: ۲۹۱/۱، ۴۳۲/۲

(۲) كشف الباری: ، ۲۹۱/۱، ۴۳۶/۲

(۳) كشف الباری: ۲۹۱/۱

شرح حدیث

مذکورہ حدیث کی مکمل تشریح ماقبل میں پانچ ابواب پہلے باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، رقم الحديث: ٤٢٧ **میں گذر چکی ہے۔**

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت حدیث کے جملے: "بنوا على قبره مسجدا وصوروا فيه تلك الصور" سے ہے، کیونکہ ترجمۃ الباب ہے "الصلاة في البيعة" کا۔ **اور یہ بات گذر چکی ہے کہ گرجا گھر میں نماز کی کراہت اس صورت میں ہے جب اس میں تصاویر ہوں (۱)۔**

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیث باب: دوسری حدیث

نسخ کا فرق

کشف الباری کے متن کے لیے جس نسخے کو بنیاد بنایا گیا ہے وہ الدکتور المصطفی دیب البغا کا نسخہ ہے، اس نسخہ میں اس حدیث مبارکہ سے قبل ''باب'' کا عنوان نہیں ہے، جب کہ صحیح البخاری کے دیگر نسخوں میں اور ہمارے ہندی نسخوں میں بھی اس مقام پر یعنی: اس حدیث سے قبل لفظِ ''باب'' موجود ہے، اگرچہ اس باب کا عنوان کوئی بھی قائم نہیں کیا گیا ہے، لیکن یہ باب بلا ترجمہ موجود ہے۔

اس باب کا فی الجملہ ماقبل باب سے تعلق قائم مقام فصل کے ہے، دونوں بابوں میں وجہ اشتراک یہ ہے کہ انبیائے کرام کی قبروں کو مسجد بنانے سے منع کیا گیا ہے، گویا امام بخاری رحمہ اللہ اس باب سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں، صلاة في البيعة مطلقاً مذموم ہے خواہ اس میں تصویر ہو یا نہ ہو (۲)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دوسری غرض یہ ہے کہ باب سابق سے صلاة في معابد النصارى ثابت فرمایا تھا اور اس باب سے صلاة في معابد اليهود ثابت فرما رہے ہیں اور یہی میری رائے ہے۔

---

(۱) عمدة القاري: ٤/ ٢٨٤

(۲) فتح الباري: ١/ ٦٨٩۔ عمدة القاري: ٤/ ٢٨٤، ٢٨٥

باب سابق میں تصاویر کا ذکر ہے اور اس باب میں تصاویر کا ذکر نہیں ہے، نیز! بابِ سابق میں نصاری کے معابد کا ذکر تھا جن میں تصاویر ہوتی ہیں اور یہاں یہود کے معابد کا ذکر ہے جن میں تصاویر نہیں ہوتیں، گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب سے عموم کی طرف اشارہ کیا ہے، بایں معنی کہ یہود و نصاری کے معابد میں چاہے تصاویر ہوں یا نہ ہوں بہر صورت ان میں نماز مکروہ ہے، بابِ سابق سے امام مالکؒ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے اور اس باب سے جمہور کے مسلک کی تائید ہوتی ہے(١)۔

٤٢٥ : حَدَّثنا أَبُو ٱلْيَمَانِ قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ ٱلزُّهْرِيِّ : أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ ٱللهِ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ عُتْبَةَ : أَنَّ عَائِشَةَ وَعَبْدَ ٱللهِ بْنَ عَبَّاسٍ(٢) قَالَا : لَمَّا نَزَلَ بِرَسُولِ ٱللهِ ﷺ ، طَفِقَ يَطْرَحُ

---

(١)الأبواب والتراجم: ٢/٢١٧- سراج القاري: ٢/٢٥

علامہ فخر الدین احمد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہمارا خیال یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بابِ سابق میں یہ بیان کیا ہے کہ یہود و نصاری کی عبادت گاہوں میں نماز کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ وہاں مجسمے اور تصاویر نصب ہوتے ہیں، ورنہ اصل کے اعتبار سے تو ہر جگہ نماز جائز ہے، "جعلت لي الأرض مسجدا" اس لیے اصل کے اعتبار سے تو نماز درست ہونی چاہیے، لیکن تصویروں کی بنیاد پر ان عبادت خانوں میں نماز سے منع کر دیا گیا، اب امام بخاری رحمہ اللہ ترقی کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ منکرات پائے جانے کے سبب نماز کی ممانعت صرف یہود و نصاریٰ کے معابد کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے، بلکہ اگر مسلمانوں کی مسجد میں بھی کوئی ایسی صورت پیدا کر دی جائے، مثلاً: یہ کہ مسجدوں میں قبروں کو نمایاں طور پر برقرار رکھا جائے تو چونکہ مسجدوں میں قبروں کا برقرار رکھنا ایک قابلِ لعنت فعل ہے، اس لیے اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے تو ان مساجد میں بھی نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہ ہوگا، گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں یہ بیان کیا کہ مسجدوں میں قبروں کو باقی رکھنا ایسا ہی ہے جیسے: یہود و نصاریٰ کے عبادت خانوں میں تصاویر کا پایا جانا، کیونکہ مسجدوں کے بارے میں صاف ارشاد فرمایا گیا ہے: ﴿وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احدا﴾[الجن:١٨]، (اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کے واسطے ہیں، سو؛ اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔) اس لیے مسجدوں میں کسی بھی عام وخاص کی قبر باقی رکھنے کا جواز نہیں ہے، البتہ اگر قبروں کا احاطہ کر کے ان کو مسجدوں سے الگ کر دیا جائے تو گنجائش ہے۔

بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ نے باب بلا ترجمہ منعقد کر کے یہ واضح کر دیا کہ اگر مسجدوں میں قبروں کو باقی رکھا جائے تو ان میں بھی نماز مکروہ ہے، اس طرح یہاں ترجمۂ جدیدہ اس طرح منعقد کیا جا سکتا ہے، باب: كراهية الصلاة في المساجد التي فيها قبور. (ایضاح البخاری:٣/١٨٥، ١٨٦)

(٢)أخرجه البخاري أيضا في الجنائز، باب: ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، رقم الحديث: ١٣٣٠، وفي أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، رقم الحديث: ٣٤٥٣، ٣٤٥٤، وفي المغازي، باب: =

خَمِيصَةً لَهُ عَلَى وَجْهِهِ ، فَإِذَا ٱغْتَمَّ بِهَا كَشَفَهَا عَنْ وَجْهِهِ ، فَقَالَ وَهْوَ كَذَٰلِكَ : (لَعْنَةُ ٱللّٰهِ عَلَى ٱلْيَهُودِ وَٱلنَّصَارَى ، ٱتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ) . يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوا .

[١٢٦٥ ، ١٣٢٤ ، ٣٢٦٧ ، ٤١٧٧ ، ٤١٧٩ ، ٥٤٧٨]

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند کے کل چھ راوی ہیں:

۱۔ابوالیمان

یہ ”ابوالیمان حکم بن نافع بہرانی حمصی“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری: کتاب بدء الوحی، الحدیث السادس، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔شعیب

یہ ”ابوبشر شعیب بن ابی حمزہ القرشی الاموی“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری: کتاب بدء الوحی، الحدیث السادس ، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔زہری

یہ ”محمد بن مسلم ابن شہاب زہری“ رحمہ اللہ ہیں۔

= مرض النبي صلى الله عليه وسلم ووفاته، رقم الحديث: ٤٤٤١، ٤٤٤٣، وفي اللباس، باب: الأكسية والخمائص، رقم الحديث: ٥٨١٥، ٥٨١٦.

ومسلم في صحيحه، في المساجد، باب: النهي عن بناء المساجد على القبور واتخاذ الصور فيها، رقم الحديث: ٥٣١.

والنسائي في سننه، في المساجد، باب: النهي عن اتخاذ القبور مساجد، رقم الحديث: ٧٠٣

وفي الجنائز، باب اتخاذ القبور مساجد، رقم الحديث: ٢٠٤٦.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، القسم الأول: في الفرائض وأحكامها، الباب الأول: في وجوبها أداء وقضاء، الفصل السادس: في شرائط الصلاة، الفرع الرابع: في أمكنة الصلاة، النوع الثاني: الأمكنة المكروهة، رقم الحديث: ٣٦٧٠، ٤٧٣/٥.

(١) كشف البارى: ٩٧٤/١

(٢) كشف البارى: ٤٨٠/١

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثالث، کے تحت گذر چکے ہیں(١)۔

٤۔عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ

یہ "عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعودؒ" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الخامس، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: متی یصح سماع الصغیر، کے تحت گذر چکے ہیں(٢)۔

٥۔عائشہ

یہ "ام المؤمنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق" رضی اللہ عنہا ہیں۔

ان کا تفصیلی ذکر کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث میں گذر چکا ہے(٣)۔

٦۔عبد اللہ بن عباس

یہ "حضرت عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب" رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الرابع، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: کفران العشیر، وکفر بعد کفر، کے تحت گذر چکے ہیں(٤)۔

ترجمہ حدیث

حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری وقت آپہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اپنی چادر اپنے چہرے پر ڈالنے لگے، پھر جب اس کی وجہ سے گرمی محسوس فرماتے تو اس کو اپنے چہرۂ مبارک سے ہٹا دیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی اضطراب کی حالت میں تھے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: یہود ونصاری پر اللہ کی لعنت ہو، انہوں نے اپنے

(١) کشف الباری: ٣٢٦/١

(٢) کشف الباری: ٤٦٦/١، ٣٧٩/٣

(٣) کشف الباری: ٢٩١/١

(٤) کشف الباری: ٤٣٥/١، ٢٠٥/٢

انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا، (راوی کا کہنا ہے کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے اُس عمل سے ڈرا رہے تھے۔

شرح حدیث

أن عائشة وعبد الله بن عباس قالا: لما نَزَل برسول الله صلى الله عليه وسلم، طفِقَ يطرَح خَميُصةً له على وجهه،

حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری وقت آپہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اپنی چادر اپنے چہرے پر ڈالنے لگے۔

قولہ: "لما نزل"، ابی ذر کی روایت کے مطابق یہ معروف کا صیغہ ہے، اور فاعل محذوف ہے، جو کہ "الموت" ہے، اور ابی ذر کے نسخے کے علاوہ کے نسخوں میں یہ مجہول کا صیغہ ہے، نائب فاعل اس صورت میں بھی "الموت" محذوف ہوگا (١)۔

قولہ: "طَفِق"، یہ جعَل کے معنی میں ہے (٢)۔

قولہ: "الخميصة"، ایسی چادر جس پر نقش ونگار بنا ہوا ہو، اُسے "الخميصة" کہتے ہیں (٣)۔

فإذا اغتم بها كشفها عن وجهه، فقال: وهو كذٰلك:

پھر جب اس کی وجہ سے گرمی محسوس فرماتے تو اس کو اپنے چہرۂ مبارک سے ہٹا دیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی اضطراب کی حالت میں تھے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

قولہ: "اغتم"، مراد یہ ہے کہ جب گرمی اور گھبراہٹ محسوس کرتے (٤)۔

قولہ: "وهو كذٰلك"، مراد یہ ہے کہ گھبراہٹ واضطراب والی اُسی حالت میں تھے۔ جیسے گھبراہٹ کے عالم میں کوئی شخص کبھی اپنے اوپر سے کمبل وچادر وغیرہ اتار لیتا ہے اور کبھی اوڑھ لیتا ہے، یہی کیفیت جناب

(١)التوضيح لابن الملقن: ٥/٥٠٧۔ فتح الباري: ١/٦٨٩۔ عمدة القاري: ٤/٢٨٥

(٢)التوضيح لابن الملقن: ٥/٥٠٧۔ فتح الباري: ١/٦٨٩۔ عمدة القاري: ٤/٢٨٥

(٣)التوضيح لابن الملقن: ٥/٥٠٧۔ فتح الباري: ١/٦٨٩۔ عمدة القاري: ٤/٢٨٥

(٤)عمدة القاري: ٤/٢٨٦

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔

احتمال یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کی اس کیفیت کے طاری ہونے کے وقت ہی حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہما نے سرزمین حبشہ میں دیکھے جانے والے گرجا گھر کا ذکر کیا تھا، اور گویا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کا یہ مرض ہی مرض الموت ثابت ہوگا اور یہ بھی ڈر پیدا ہوا کہ جیسے گذشتہ زمانے میں دوسرے انبیاء کی قبروں کے ساتھ کیا جاتا رہا، وہی کچھ آپ کے ساتھ بھی نہ ہونے لگے، اس لیے آپ علیہ السلام نے یہود ونصاری کے اس قبیح فعل کی وجہ سے لعنت کرتے ہوئے اس فعل بد کی قباحت وشناعت کی طرف اشارہ کیا (۱)۔

"لعنة الله على اليهود والنصارى، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد"،

یہود ونصاری پر اللہ کی لعنت ہو، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔

قولہ: "اتخذوا"، یہ جملہ جملہ مستانفہ ہے، جو کہ ماقبل جملہ کے سبب بن رہا ہے یعنی: نزولِ لعنت کا۔ گویا کہ یہاں مکالمہ ہوا کہ یہود ونصاری پر اللہ کی لعنت کیوں نازل ہو؟ تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا (۲)۔

"اتخاذ" سے مراد عام ہے کہ انھوں نے ابتدائی طور پر قبور کو سجدہ گاہ بنایا ہو، یا یہود کی اتباع کرتے ہوئے قبور کو سجدہ گاہ بنایا ہو، دونوں مراد ہیں، چنانچہ اس فعلِ بد کی ابتداء یہود نے کی، اور نصاری نے ان کی پیروی کی، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نصاری ایسے بہت سے انبیاء کی تعظیم کرتے تھے یا کرتے ہیں جن کی تعظیم یہود کرتے تھے (۳)۔

يُحَذِّرُ ما صَنَعُوا.

(راوی کا کہنا ہے کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے اُس عمل سے ڈرا رہے تھے۔

قولہ: "يُحذِّرُ ما صنَعوا"، یہ بھی ماقبل کلام سے جدا ایک مستقل کلام ہے، جو راوی حدیث سے صادر ہوا، یہ بھی گویا ایک سوال کا ہی جواب ہے، کہ جب اُس نازک وقت میں کہ مرض الموت تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱)فتح الباري: ۱/۶۸۹۔ عمدة القاري: ٤/۲۸٦

(۲)فتح الباري: ۱/۶۸۹۔ عمدة القاري: ٤/۲۸٦

(۳)فتح الباري: ۱/۶۸۹

نے یہود ونصاریٰ کے فعل کی مذمت کی اور ان پر لعنت کی، تو اس میں کیا حکمت تھی؟ یا اس کی کیا وجہ تھی؟ تو راویٔ حدیث نے اس کا جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی وجہ یہ تھی کہ آپ اپنی امت کو متنبہ کررہے تھے کہ تم ان کے نقش وقدم پر چلتے ہوئے ایسا نہ کر بیٹھنا (۱)۔

ایک اشکال اوراس کا جواب

اس مقام پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو سجدے کی جگہ بنالیا، حالانکہ یہ بات یہود کے بارے میں تو درست ہوسکتی ہے کہ اُن کے تو بہت سارے انبیاء دنیا میں آئے، لیکن نصاریٰ کا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی بھی نبی نہیں آیا حتی کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو پھر اُن کو بھی یہود کے ساتھ اُن کے اس قبیح فعل میں شریک ٹھہرا کے اُن کے بارے میں یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ انھوں نے بھی اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا؟

تو اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں، مثلا:

۱۔ انبیاء جمع کا صیغہ مجموعہ یہود ونصاریٰ کے مقابلے میں ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تمام انبیاء یہود کے مقابل آجائیں گے اور نصاریٰ کے مقابل صرف ایک ہی نبی، لہٰذا اشکال ختم ہوجائے گا (۲)۔

۲۔ آپ علیہ السلام نے جو انبیاء کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد محض انبیاء ہی نہیں ہیں، بلکہ انبیاء اور ان کے کبار متبعین جو صالحین تھے، دونوں مراد ہیں (۳)، اس قول کی تائید صحیح مسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انھوں نے اپنے انبیاء اور اپنے صالح لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ البتہ آپ علیہ السلام نے ذکر صرف انبیاء کا ہی کیا (۴)۔

---

(۱) فتح الباري: ۱/۶۸۹ـ عمدة القاري: ٤/۲۸٦

(۲) فتح الباري: ۱/۶۸۹

(۳) فتح الباري: ۱/۶۸۹

(٤) عن عبد الله بن الحارث النجراني، قال: حدثني جندب، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم قبل أن يموت بخمس، وهو يقول: إني أبرأ إلى الله أن يكون لي منكم خليل، فإن الله تعالى قد اتخذني خليلا، كما اتخذ إبراهيم خليلا، ولو كنت متخذا من أمتي خليلا لاتخذت أبا بكر خليلا، ألا وإن من كان قبلكم كانوا يتخذون قبور أنبيائهم وصالحيهم مساجد، ألا فلا تتخذوا القبور مساجد، إني أنهاكم عن ذٰلك. (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب: النهي عن بناء المساجد على القبور واتخاذ الصور فيها والنهي عن اتخاذ القبور مساجد، رقم الحديث: ۵۳۲)

٣۔اصالۃً تو یہ کام یہود ہی کرتے تھے اور وہی اس مشرکانہ عمل بد کے موجد اصلی ہیں،لیکن نصاریٰ نے ان کے اس فعل کو غلط نہ سمجھا اور وہ بھی یہود کے ساتھ مل کر ان کا اتباع کرتے رہے،اس لیے لعنت میں یہود کے ساتھ ساتھ نصاریٰ کو بھی شریک کیا گیا(۱)۔

۴۔یہ بات بھی پوری طرح تسلیم نہیں کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی اور نبی نہیں آیا،جیسا کہ سورہ یٰس میں ہے:﴿واضرب لهم مثلا اصحاب القرية اذ جاء ها المرسلون اذ ارسلنا اليهم اثنين فكذبوهما فعززنا بثالث﴾[یٰس:۱۸]اور ان کے سامنے اہل قریہ کی مثال بیان کی جیے کہ جب وہاں رسول پہنچے،جب ہم نے ان کی طرف دو کو بھیجا تو انھوں نے ان کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے کو بھیج کر ان کو تقویت دی۔

اس آیت مبارکہ میں رسولوں سے مراد اہل انطاکیہ کی راہنمائی اور ہدایت کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب سے بھیجے گئے فرستادے مراد لیے گئے ہیں،جن کے نام حضرت کعب کی جانب روایت کا انتساب کرتے ہوئے بعض مفسرین نے صادق،مصدوق،اور شلوم یا شمعون لکھے ہیں،اس لیے اس اعتبار سے نصاریٰ میں بھی انبیاء کا وجود تسلیم کیا جا سکتا ہے،چنانچہ اس صورت میں لعنت کے مصداق یہود کے ساتھ ساتھ براہ راست نصاریٰ بھی بنتے ہیں(۲)۔

لیکن اس تقریر پر اشکال بھی ہوتا ہے کہ یہ تو اللہ کے رسول نہیں تھے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رسول تھے،یعنی:ان کی طرف سے دعوت کا پیغام دے کر بھیجے گئے تھے(۳)۔

---

(۱)فتح الباري: ۱/ ٦٨٩

(۲)﴿اذ ارسلنا اليهم اثنين﴾، قال وهب: اسمهما يوحنا وبولس، ﴿فكذبوهما فعززنا﴾، يعني: فقوينا، ﴿بثالث﴾، برسول ثالث وهو شمعون، وقرأ أبو بكر عن عاصم: "فعززنا" بالتخفيف وهو بمعنى الأول كقولك: وشددنا، وشدّدْنا، بالتخفيف والتثقيل، وقيل: أي: فغلبنا، من قولهم: من عزَّ بزَّ. وقال كعب: الرسولان: صادق ومصدوق، والثالث شلوم، وإنما أضاف الله الإرسال إليه لأن عيسىٰ عليه السلام إنما بعثهم بأمره تعالىٰ، ﴿فقالوا﴾، جميعا لأهل أنطاكية، ﴿انا اليكم مرسلون﴾. (تفسير البغوي، سورة يٰس، الآية: ١٤، ٧/ ١٢)۔ (الكشف والبيان المعروف بـ تفسير الثعلبي، سورة يٰس، الآية: ١٤، ١٢٥/٨)۔ (البحر المحيط، سورة يٰس، الآية: ١٤، ٥٣/٩)

(۳) عمدة القاري: ٢٨٧

کیا عورت نبی ہوسکتی ہے؟

اس کے علاوہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت مریم علیہا السلام کو بھی اس مقام پر جواب دیتے ہوئے نبیہ شمار کیا ہے(۱)، جب کہ جمہور کا مسلک اس بارے میں بھی یہ ہے کہ وہ نبیہ نہیں تھیں، بلکہ ولیہ تھیں، کیوں کہ نبوت آدمیوں کے ساتھ مخصوص ہے، عورتوں میں نبوت کا سلسلہ نہیں ہے(۲)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بھی واضح ہے، کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہے۔ وہ اس طرح کہ جب یہود ونصاری نے اپنے انبیاء کی قبور کو مسجدیں بنالیا تو وہ وہاں عبادت کرتے تھے، نماز پڑھتے تھے، تو انھوں نے ان مساجد کا نام گرجا رکھا، جسے ''البِـيَع ''اور ''الكنائس'' کہتے ہیں، اور دوسری طرف باب بھی ''الصلاة في البيع'' قائم کیا گیا ہے(۳)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیثِ باب؛ تیسری حدیث

٤٢٦ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ ، عَنْ مالِكٍ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ ٱلْمُسَيَّبِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ :(٤) أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَالَ : (قَاتَلَ ٱللهُ ٱلْيَهُودَ ، ٱتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ) .

(١) فتح الباري: ٦٨٩/١

(٢) عمدة القاري: ٢٨٧

(٣)عمدة القاري: ٢٨٥/٤

(٤)أخرجه أبو داؤد في سننه، في الجنائز، باب: في البناء على القبر، رقم الحديث: ٣٢٢٧.

ومسلم في صحيحه، في المساجد، باب: النهي عن بناء المساجد على القبور، رقم الحديث: ٥٣٠

والنسائي في سننه، في الجنائز، باب: اتخاذ القبور مساجد، رقم الحديث: ٢٠٤٧.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، القسم الأول: في الفرائض وأحكامها، الباب الأول: في وجوبها أداء وقضاء، الفصل السادس: في شرائط الصلاة، الفرع الرابع: في أمكنة الصلاة، النوع الثاني: الأمكنة المكروهة، رقم الحديث: ٣٦٧٠، ٤٧٢/٥.

ترجمہ حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہلاک کرے، انہوں نے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

۱۔ عبداللہ بن مسلمہ

یہ ''عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب حارثی بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الدین الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ مالک

یہ ''امام مالک بن انس'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: من الدین الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ ابن شہاب

یہ ''محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی، الحدیث الثالث، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

---

(۱) کشف الباری: ۲/ ۸۰

(۲) کشف الباری: ۱/ ۲۹۰، ۲/ ۸۰

(۳) کشف الباری: ۱/ ۳۲٦

۴۔سعید بن المسیب

یہ مشہور تابعی ''سعید بن المسیب بن حزن بن ابی وھب قرشی مخزومی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباقی، کتاب الایمان، باب: من قال إن الإيمان هو العمل، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۵۔ابی ہریرہ

یہ مشہور صحابیٔ رسول ''حضرت ابو ہریرہ'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: أمور الإيمان، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

شرح حدیث

قولہ: "قاتل الله"، اس جملے میں "قاتل" بابِ مفاعلہ سے فعل ماضی کا صیغہ ہے، لیکن معنی میں ثلاثی مجرد سے ہے، یعنی: "قَتَل" کے معنی میں، اور ایسا ہوتا رہتا ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ اللہ ان پر لعنت کرے، انہیں ہلاک کرے۔ ''قتال'' سے مراد اس مقام میں لعنت ہے، یعنی: ''رحمت سے دوری''(۳)۔

بقیہ تشریح تو ماقبل میں گذر چکی ہے۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

(۱) کشف الباری: ۱۵۹/۲

(۲) کشف الباری: ۶۵۹/۱

(۳) عمدة القاري: ۲۸۶/٤

۲۳ – باب : قَوْلِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ : (جُعِلَتْ لِيَ ٱلْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا) .

یہ باب ہے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: کہ میرے لیے ساری زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنائی گئی ہے، کے بارے میں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

سابقہ ابواب میں جن جگہوں میں نماز کی ادائیگی کی کراہت کا بیان ہوا، ان کے جواز کے بارے میں بطور دلیل کے یہ باب قائم کیا گیا ہے، کہ جب آپ علیہ السلام نے "جعلت لي الأرض مسجدا وطهورًا" فرمادیا ہے، تو اس عموم کے تحت تمام جگہیں آ گئی ہیں کہ ہر جگہ نماز جائز ہے، البتہ بعض عوارض کی بنا پر، جو کہ ماسبق میں بیان ہو چکے، کراہت آ جاتی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابواب سابقہ میں جو کراہت کی بات گذری ہے وہ تحریم کے لیے نہ تھی بلکہ خلاف اولیٰ پر محمول ہے، کیوں کہ اس امت کو روئے زمین کے ہر ہر حصہ پر نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے، اور اس باب کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان مذکورہ جگہوں میں نماز پڑھے گا تو اس کی نماز مکروہ ہوگی لیکن نماز ہو جائے گی، دلیل "جعلت لي الأرض مسجدا وطهورًا" کا عموم ہے(۱)۔

حدیث باب

٤٢٧ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ : حَدَّثنا هُشَيْمٌ(۲) قَالَ : حَدَّثنا سَيَّارٌ ، هُوَ أَبُو ٱلْحَكَمِ ، قَالَ : حَدَّثنا يَزِيدُ ٱلْفَقِيرُ قَالَ : حَدَّثنا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ قَالَ : قَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (أُعْطِيتُ خَمْسًا ، لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ ٱلْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي : نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ ، وَجُعِلَتْ لِيَ ٱلْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا ، وَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ ٱلصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ ، وَأُحِلَّتْ لِيَ ٱلْغَنَائِمُ ، وَكَانَ ٱلنَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً ، وَبُعِثْتُ إِلَى ٱلنَّاسِ كَافَّةً ، وَأُعْطِيتُ ٱلشَّفَاعَةَ) . [ر : ٣٢٨]

تراجم رجال

مذکورہ حدیث کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

(۱) الأبواب والتراجم: ۲/۲۱۷۔ سراج القاري: ۳/ ۲۷

(۲) مر تخريجه تحت كتاب التيمم، الباب الأول، رقم الحديث: ۳۲۸، رقم الصفحة: ۸۳

۱۔ محمد بن سنان

یہ ''محمد بن سنان عوقلی باہلی بصری'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، الحدیث الأول، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔ ہشیم

یہ ''ابومعاویہ ہشیم بن بشیر بن قاسم واسطی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب التیمم، الباب الأول، رقم الحدیث:۳۲۸، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔ سیار

یہ ''ابوالحکم سیار بن ابی سیار واسطی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب التیمم، الباب الأول، رقم الحدیث:۳۲۸، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۴۔ یزید الفقیر

یہ ''ابوعثمان یزید بن صہیب کوفی الفقیر'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب التیمم، الباب الأول، رقم الحدیث:۳۲۸، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

۵۔ جابر بن عبداللہ

یہ مشہور صحابی رسول ''حضرت جابر بن عبداللہ'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب: من لم یر الوضوء إلا من المخرجین، من القبل والدبر، کے تحت گذر چکے ہیں(۵)۔

---

(۱) کشف الباری: ۵۳/۳، ٥٤

(۲) کشف الباری، کتاب التیمم، رقم الصفحة: ۸۳

(۳) کشف الباری، کتاب التیمم، رقم الصفحة: ۸۸

(٤) کشف الباری، کتاب التیمم، رقم الصفحة: ۸۹

(۵) کشف الباري، کتاب الوضو، باب: من لم یر الوضوء إلا من المخرجین، من القبل والدبر.

ترجمہ حدیث

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئیں جو مجھ سے قبل کسی نبی کو نہیں دی گئیں، ۱: ایک مہینہ کی مسافت تک میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی۔۲: میرے لیے ساری زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنا دی گئی، میری امت کے جس شخص کو نماز کا وقت پالے تو اسے چاہیے کہ وہیں نماز ادا کرلے۔ ۳: اور میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا۔۴: (سابقہ) انبیاء خاص طور پر اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے اور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔۵: اور مجھے حقِ شفاعت عطا کیا گیا ہے۔

شرح حدیث

مذکورہ حدیث مبارکہ کی مکمل اور تفصیلی شرح، خصائص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد میں اختلاف اوران کے درمیان تطبیق ''کتاب التیمم''، میں گذر چکی ہے، وہ خاصی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، وہ دیکھ لی جائے (۱)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بھی بالکل واضح اور ظاہر ہے کہ دونوں میں "جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا" وجہ اشتراک ہے۔

(۱) كشف الباري، كتاب التيمم، الباب الأول، رقم الحديث: ٣٢٨، رقم الصفحة: ٨٨ - ١٢٧

٢٤ - باب : نَوْمِ ٱلْمَرْأَةِ فِي ٱلْمَسْجِدِ .

یہ باب ہے عورت کے مسجد میں سونے کے بارے میں

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام بخاری رحمہ اللہ نے دو باب باندھے ہیں، ایک: نوم المرأة في المسجد کا اور دوسرا: نوم الرجال في المسجد کا۔ بظاہر امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض دونوں بابوں سے جواز بیان کرنا ہے، اس لیے کہ روایات جو ذکر کی ہیں وہ جواز پر دلالت کرتی ہیں، مگر نوم المرأة کو نوم الرجال پر مقدم کر دیا اہتمام کی بنا پر، کیونکہ عورت محل فتنہ ہے، اس لیے ممکن ہے کہ عدمِ جواز کا وہم ہو تو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو مقدم کر کے جواز واضح فرما دیا اور اسی محل فتنہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ مطلقاً عورت کو مسجد کے اندر سونا جائز نہیں، وإن کانت عجوزة۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے، مگر خلافِ اولیٰ ہے، کیونکہ محل فتنہ ہے اور نوم رجال کے اندر امام مالک رحمہ اللہ کے یہاں تفصیل ہے، فرماتے ہیں: اگر کوئی سونے کی جگہ نائم کے واسطے نہ ہو تو مسجد کے اندر سو سکتا ہے، اور اگر جگہ ہو تو سونا جائز نہیں اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے، مگر اولیٰ یہ ہے کہ اگر کوئی ٹھکانہ ہو تو باہر سوئے''(١)۔

ایک بات اچھی طرح یہاں سمجھ لینی چاہیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا جو مقصد ہے اس سے جواز تو ثابت ہو رہا ہے، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے یہ ترغیب دی جا رہی ہے کہ یہ کام کیا جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ امور رخصت کے درجے میں ہیں، اگر کبھی اس طرح کی نوبت آ جائے تو فتنے کے امن کی صورت میں اس طرح کر لینے کی گنجائش ہے۔

---

(١) تقریر بخاری شریف: ٢/١٦٣

فرمایا: باعتبار قیاس عورت کا مسجد میں سونا ناجائز ہونا چاہیے تھا؛ کیوں کہ اس سے ایک تو بے پردگی ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ ممکن ہے کہ حیض وغیرہ آ جائے جس سے مسجد کے ملوث ہونے کا اندیشہ ہے، تیسرے یہ کہ فتنہ کا باعث ہے، تو امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود ان فتنوں سے امن کی صورت میں جواز ثابت کرنا ہے کہ نفس نوم مرأة فی المسجد میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (الأبواب والتراجم: ٢/٢١٧، سراج القاری: ٢/٢٨)

حدیث باب

٤٢٨ : حدَّثنا عُبَيْدُ بْنُ إِسْماعِيلَ قَالَ : حَدَّثنا أَبُو أُسَامَةَ ، عَنْ هِشَامٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَائِشَةَ[1] : أَنَّ وَلِيدَةً كَانَتْ سَوْدَاءَ لِحَيٍّ مِنَ ٱلْعَرَبِ ، فَأَعْتَقُوهَا فَكَانَتْ مَعَهُمْ ، قَالَتْ : فَخَرَجَتْ صَبِيَّةٌ لَهُمْ ، عَلَيْهَا وِشَاحٌ أَحْمَرُ مِنْ سُيُورٍ ، قَالَتْ : فَوَضَعَتْهُ ، أَوْ وَقَعَ مِنْهَا ، فَمَرَّتْ بِهِ حُدَيَّاةٌ وَهْوَ مُلْقًى ، فَحَسِبَتْهُ لَحْمًا فَخَطِفَتْهُ ، قَالَتْ : فَالْتَمَسُوهُ فَلَمْ يَجِدُوهُ ، قَالَتْ : فَاتَّهَمُونِي بِهِ ، قَالَتْ : فَطَفِقُوا يُفَتِّشُونَ ، حَتَّى فَتَّشُوا قُبُلَهَا ، قَالَتْ : وَٱللهِ إِنِّي لَقَائِمَةٌ مَعَهُمْ ، إِذْ مَرَّتِ ٱلْحُدَيَّاةُ فَأَلْقَتْهُ ، قَالَتْ : فَوَقَعَ بَيْنَهُمْ ، قَالَتْ : فَقُلْتُ : هٰذَا ٱلَّذِي ٱتَّهَمْتُمُونِي بِهِ ، زَعَمْتُمْ وَأَنَا مِنْهُ بَرِيئَةٌ ، وَهُوَ ذَا هُوَ ، قَالَتْ : فَجَاءَتْ إِلَى رَسُولِ ٱللهِ ﷺ فَأَسْلَمَتْ ، قَالَتْ عَائِشَةُ : فَكَانَ لَهَا خِبَاءٌ فِي ٱلْمَسْجِدِ أَوْ حِفْشٌ ، قَالَتْ : فَكَانَتْ تَأْتِينِي فَتَحَدَّثُ عِنْدِي ، قَالَتْ : فَلَا تَجْلِسُ عِنْدِي مَجْلِسًا ، إِلَّا قَالَتْ :

وَيَوْمَ ٱلْوِشَاحِ مِنْ أَعَاجِيبِ رَبِّنَا * أَلَا إِنَّهُ مِنْ بَلْدَةِ ٱلْكُفْرِ أَنْجَانِي

قَالَتْ عَائِشَةُ : فَقُلْتُ لَهَا : مَا شَأْنُكِ ، لَا تَقْعُدِينَ مَعِي مَقْعَدًا إِلَّا قُلْتِ هٰذَا ؟ قَالَتْ : فَحَدَّثَتْنِي بِهٰذَا ٱلْحَدِيثِ . [٣٦٢٣]

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

۱۔عبید بن اسماعیل

یہ ”عبید بن اسماعیل قرشی عبادی کوفی“ رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الحیض، باب: نقص المرأة شعرها عند غسل المحيض، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

---

(۱) أخرجه البخاري أيضا في صحيحه، في فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب: أيام الجاهلية، رقم لحديث: ٣٧٣٥.

وفي جامع الأصول، كتاب اللواحق، الفصل الرابع: في أحاديث متفرقة من كل نوع لا يضمها معنى، ولا يحصرها فن، وهي عشرة أنواع، نوع عاشر: متفرق، رقم الحديث: ٩٤٧٦، ١١/٧٧٦.

(۲) کشف الباری، کتاب الحیض، ص: ٣٩٨

۲۔ابواسامہ

یہ ''ابواسامہ حماد بن اسامہ'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب:فضل من علم وعلّم، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۳۔ہشام بن عروۃ

یہ ''ہشام بن عروہ بن زبیر بن العوام قرشی اسدی مدنی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: أحب الدين إلى الله أدومه ، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

۴۔ابیہ

یہ ''عروہ بن زبیر بن العوام قرشی اسدی مدنی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، اور تفصیلی احوال کتاب الایمان، باب: أحب الدين إلى الله أدومه، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۵۔عائشہ

یہ ام المؤمنین حضرت ''عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق'' رضی اللہ عنہ وعنہما ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث، کے تحت گذر چکے ہیں(۴)۔

ترجمہ حدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عرب کے کسی قبیلہ کے پاس ایک حبشی لونڈی تھی، انہوں نے اسے آزاد کر دیا تھا، مگر وہ انہی کے پاس رہا کرتی تھی، وہ کہتی ہے کہ ایک مرتبہ ان کی لڑکی باہر نکلی، اس کے جسم پر تسموں کا سرخ ہار

---

(۱) كشف الباري : ۴۱۴/۳

(۲) كشف الباري : ۲۹۱/۱، ۴۳۲/۲

(۳) كشف الباري: ۲۹۱/۱، ۴۳۶/۲

(۴) كشف الباري: ۲۹۱/۱

تھا، اس لڑکی نے خود اسے اتار دیا، یا وہ اس سے گر گیا، ادھر ایک چیل وہاں سے گذری اور اس گرے ہوئے ہار کو گوشت کا ٹکڑا سمجھ کر اسے جھپٹ کر لے گئی، اُن لوگوں نے اُسے تلاش کیا مگر نہ پایا، (اس) باندی نے کہا، قبیلے والوں نے مجھ پر (چوری) کا الزام لگایا، (اس) باندی نے کہا، پھر میری تلاشی لینے لگے، یہاں تک کہ میری شرم گاہ کی بھی تلاشی لی گئی، میں ان لوگوں کے پاس ہی تھی کہ اچانک وہ چیل وہاں سے گذری تو اس نے وہ ہار وہاں پھینک دیا، (اس) باندی نے کہا کہ وہ ہار ہمارے سامنے آ کے گرا، (اس) باندی نے کہا کہ میں نے ان لوگوں سے کہا یہ ہے وہ ہار جس کی چوری کا تم مجھ پر الزام لگا رہے تھے حالانکہ میں اس سے بری تھی، وہ ہار یہ (آپ کے سامنے) پڑا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: (اس واقعہ کے بعد) وہ باندی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئی اور اسلام قبول کر لیا، تو مسجد میں ہی اس کے لیے ایک خیمہ یا چھوٹی سی جھونپڑی بنا دی گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: وہ باندی میرے پاس آیا کرتی تھی، اور مجھ سے باتیں کیا کرتی تھی، مگر وہ جب بھی آتی تو باتوں کے دوران وہ یہ شعر ضرور کہا کرتی تھی، (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) ہار (گم ہو جانے) کا دن میرے رب کے عجائبات میں سے ہے، سنو! اس (ہار کے واقعے) نے ہی مجھے کفرستان سے نجات دی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے اس سے کہا کہ آخر بات کیا ہے کہ جب بھی تم میرے پاس بیٹھتی ہو تو یہ بات ضرور کہتی ہو؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پھر اس نے مجھے یہ واقعہ سنایا۔

شرح حدیث

عن عائشة: أن وليدة كانت سوداء لحيّ من العرب،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عرب کے کسی قبیلہ کے پاس ایک حبشی لونڈی تھی۔

قولہ:"ولیــــدۃ"، کے معنی باندی کے ہیں، ولیـــدہ کا اصل استعمال بچی کے لیے ہوتا تھا، پھراس کا استعمال باندی کے لیے کیا جانے لگا، عام ہے کہ وہ باندی چھوٹی عمر کی ہو، چاہے بڑی عمر کی۔اس کی جمع "الولائد" آتی ہے(۱)۔

قولہ:"کانت سوداء"، مراد یہ ہے کہ وہ بڑی عورت تھی جو سانولے رنگ کی تھی، کتب میں اس باندی کا نام، اس کے قبیلے کا نام، اور نہ اس بچی کا نام جس کا ہار گم ہوا تھا، کچھ مذکور نہیں (۲)۔

فأعتقوها، فكانت معهم، قالت: فخرجت صبية لهم، عليها وِشاحٌ أحمر من سُيورٍ،

انہوں نے اسے آزاد کر دیا تھا، مگر وہ انہی کے پاس رہا کرتے تھی، وہ کہتی ہے کہ ایک مرتبہ ان کی لڑکی باہر نکلی، اس کے جسم پر تسموں کا سرخ ہار تھا،

قولہ:"قـالـت، فخرجت"، اس عبارت میں "قالت"، کی فاعل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، اور "فخرجت" کی فاعل: وہ "الولیدہ" ہے(۳)۔

قولہ:"صبية لهم"، اس جملے میں "هم"، ضمیر "الحي" کی طرف لوٹ رہی ہے۔مراد یہ ہے کہ وہ بچی اسی قبیلے والوں میں سے کسی ایک کی تھی (۴)۔

قولہ:"وِشـاح"، (بكسـر الـواو أو بضم الواو) چمڑے کی وہ پٹی/ یا وہ بیلٹ جسے عورت کوکھ سے گزار کر کندھے پر ڈالتی ہے، اور اس پر موتی و جواہرات جڑے ہوتے ہیں، یہ لفظ "واوٗ" کو ہمزہ سے بدل کر "إشاح"، پڑھنا بھی جائز ہے(۵)۔

---

(۱)النهاية في غريب الحديث والأثر: ٥/٢٣٥، المكتبة الإسلامية، رياض۔ مختار الصحاح، و ل د: ٣٤٥/١.تاج العروس، و ل د: ٣٣٣/٩.

(۲)فتح الباري: ٦٩١/١۔ عمدة القاري: ٢٨٨/٤

(۳)فتح الباري: ٦٩١/١۔

(٤)عمدة القاري: ٢٨٨/٤

(٥)المحكم والمحيط الأعظم لابن سيده، و ش ح: ٣/ ٤٦٩۔ النهاية في غريب الحديث والأثر، و ش ح: ١٨٧/٥۔ المصباح المنير في غريب الشرح الكبير، وشح: ٦٦٠/٢. شرح الكرماني: ٩٨/٤.
ایسا ہار جس کو عورت پر تلہ کی شکل میں کندھے اور پہلو کے بیچ باندھتی ہے۔(سراج القاری:۳۰/۳)

قولہ:"سُیــور"، وہ تسمہ یادھاگہ جس سے چمڑے کوسیا جاتا ہے، اسے "سَیْــر" کہتے ہیں، اس کی جمع "سُیُور" استعمال ہوتی ہے(١)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے ایک اشکال وجواب ذکر کیا ہے کہ اس لفظِ''سیور'' سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پٹی چمڑے کی تھی جس پر موتی جڑے ہوئے تھے، تو پھر چیل نے اسے گوشت کیسے گمان کرلیا کہ اسے اچک کے لے گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ صاف سی بات ہے کہ جب سرخ پٹی پر چمکدار موتی دیکھے تو گمان ہوا کہ موٹا تازہ گوشت ہے، لہٰذا اُچک لیا(٢)۔

قـالـت:فـوضـعتـه، أو وَقَـع مـنها، فمرت به حُدَيّاةٌ وهو ملقىً، فحسِبَته لحما فخطِفَته،

اس لڑکی نے خود اسے اتار دیا، یا وہ اس سے گر گیا، ادھر ایک چیل وہاں سے گذری، اور اس گرے ہوئے ہار کو گوشت کا ٹکڑا سمجھ کر اسے جھپٹ کر لے گئی،

قولہ:"أو وقع"، یہ راوی کے شک کا بیان ہے، دونوں امور میں سے کوئی ایک واقع ہوا(٣)۔

قولہ:''حُدَيَّاةٌ''، یہ "حِـدَأَةٌ" کی تصغیر ہے، جوکہ "عِنَبَةٌ" کے وزن پر ہے، جو اصل میں "حُدَيْـئَةٌ" تھا، یائے ساکنہ کے بعد ہمزہ ہے، اس لیے ہمزہ کو یا سے بدل کر یا کا یا میں ادغام کردیا گیا، پھر یا کے فتحہ کا اشباع کرکے الف بنالیا گیا،''حُدَيَّاةٌ'' ہوگیا۔

یہ معروف پرندہ ہے، جسے چیل کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے(٤)۔

قولہ:"وهو ملقىً"، یہ جملہ حالیہ ہے، یعنی: وہ ہار گرا ہوا؟ پڑا ہوا تھا(٥)۔

---

(١)مختار الصحاح، س ى ر: ١٥٩/١۔ المصباح المنير في غريب الشرح الكبير، س ي ر: ٢٩٩/١۔ تاج العروس، سير: ١٢/ ١١٧. شرح الكرماني: ٩٨/٤.

(٢)عمدة القاري: ٢٨٩/٤

(٣)فتح الباري: ٦٩١/١۔عمدة القاري: ٢٨٩/٤

(٤)المخصص لابن سيده، الأدوات التي تعتمل في القطع: ١٦٣/٣۔ النهاية في غريب الحديث والأثر، حدأ: ٣٤٩/١۔ فتح الباري: ٦٩١/١۔ عمدة القاري: ٢٨٩/٤.

(٥)عمدة القاري: ٢٨٩/٤

قولہ: "فـخَطِفَته"، یہ صیغہ "سمِع يسمَع" سے بھی مستعمل ہے اور "ضرَب يضرِب" سے بھی، لیکن مشہور "سمِع يسمَع" سے ہی مستعمل ہے(۱)۔

قـالـت: فـالتـمَسوه فلم يجدوه، قالت: فاتَّهَموني به، قالت: فطفِقوا يفَتِّشونِ، حتى فَتَّشوا قُبُلَها،

اُن لوگوں نے اُسے تلاش کیا مگر نہ پایا، (اس) باندی نے کہا، قبیلے والوں نے مجھ پر (چوری) کا الزام لگایا، (اس) باندی نے کہا، پھر میری تلاشی لینے لگے، یہاں تک کہ میری شرم گاہ کی بھی تلاشی لی گئی،

قولہ: "فـالتـمَسـوه"، معنی یہ ہے کہ قبیلے والے اس ہار کو تلاش کرنے لگے اور اس کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے(۲)۔

قولہ: "يُـفَتِّشونِ"، بعض روایات میں یہ صیغہ یائے متکلم کے ساتھ ہے، یعنی: يُـفَتِّشونِي، جس کی بھی اصل: يُفَتِّشونَني ہے، ایک نون کو تخفیفًا حذف کیا گیا ہے(۳)۔

قولہ: "حتى فتَّشوا قُبُلها"، ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے، ورنہ اگر یہ کلام اسی باندی کا ہوتا تو "قُـبُلِي" ہوتا نہ کہ "قُبُـلها"، اور اگر یہ باندی کا ہی کلام ہو جیسا کہ بعض نے لکھا بھی ہے تو پھر کہا جائے گا کہ یہاں باندی نے بات کرتے ہوئے خطاب سے غیوبت کی طرف التفات کیا(۴)۔

قـالـت: والـلـه إنـي لـقائمة معهم، إذ مرت الحُدَيَّاة فألقته، قالت: فوقع بينهم، قالت: قلت: هٰذا الذي اتَّهَمْتُمُوني به، زعمتم وأنا منه بريئة، وهو ذا هو،

میں ان لوگوں کے پاس ہی تھی کہ اچانک وہ چیل وہاں سے گذری تو اس نے وہ ہار وہاں پھینک دیا، (اس) باندی نے کہا کہ وہ ہار ہمارے سامنے آ کے گرا، (اس) باندی نے کہا کہ میں نے ان لوگوں سے کہا یہ ہے وہ ہار جس کی چوری کا تم مجھ پر الزام لگا رہے تھے حالانکہ میں اس سے بری تھی، وہ ہار یہ (آپ کے سامنے) پڑا ہے۔

(۱)التوضيح لابن المقلن: ٥/ ٥١١۔ عمدة القاري: ٢٨٩/٤

(٢)عمدة القاري: ٢٩٠/٤

(٣)شرح الكرماني: ٩٩/٤. عمدة القاري: ٢٩٠/٤

(٤)شرح الكرماني: ٩٩/٤. فتح الباري: ٦٩١/١۔ عمدة القاري: ٢٩٠/٤

قولہ:"زعمتم"، اس فعل کا مفعول محذوف ہے، یعنی: "زعمتم أني أخذته"(۱)۔

قولہ:"وأنا منه بريئة" ، یہ بھی جملہ حالیہ ہے، "منه" کی "ہ" ضمیر کا مرجع "الزعم" بنے گا جس پر "زعمتم" دلالت کر رہا ہے۔ یا پھر اس ضمیر کا مرجع "وشاح" بنے گا، یعنی: میں اس ہار کے لینے سے، یا چوری کرنے سے بری ہوں(۲)۔

قولہ: "وهو ذا هو" ، اس جملہ میں جو دوسرا "هو" ہے وہ "ذا" کی خبر بنے گا، اور "ذا" مبتداء اپنی خبر سے مل کر پہلے "هو" کے لیے خبر بن جائے گا، یا پھر "هو" خبر ثانی بنے گا پہلے "هو" کے لیے، اس کے لیے بھی اور احتمالات ممکن ہیں۔ ابونعیم کی روایت میں یہ جملہ: "ها هو ذا" ہے، اور ابن خزیمہ کی روایت میں یہ جملہ: "وهو ذا كما ترون" ہے(۳)۔

قالت: فجاء ت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فأسلمت، قالت عائشة: فكان لها خِباء في المسجد أو حِفشٌ،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: (اس واقعہ کے بعد) وہ باندی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئی اور اسلام قبول کر لیا، تو مسجد میں ہی اس کے لیے ایک خیمہ یا چھوٹی سی جھونپڑی بنا دی گئی۔

قولہ:"الخباء"، اون، بالوں یا اس کے علاوہ سے بنے ہوئے خیمہ کو کہتے ہیں، جو دو یا تین ستونوں پر لگایا جاتا ہے(۴)۔

قولہ:"حفش" [بكسر المهملة وسكون الفاء وبعدها شين معجمة] ایسے چھوٹے گھر جسکی چھت زمین کے قریب ہو، یا بدویوں کے چھوٹے خیمے کو کہتے ہیں(۵)۔

قالت: فكانت تأتيني فتحدث عندي، قالت: فلا تجلِسُ عندي

---

(١)شرح الكرماني: ٤/٩٩. عمدة القاري: ٤/٢٩٠

(٢)عمدة القاري: ٤/٢٩٠

(٣)شرح الكرماني: ٤/٩٩. فتح الباري: ١/٦٩١۔ عمدة القاري: ٤/٢٩٠

(٤)شرح الكرماني: ٤/٩٩. فتح الباري: ١/٦٩١۔ عمدة القاري: ٤/٢٩٠

(٥)فتح الباري: ١/٦٩١۔ عمدة القاري: ٤/٢٩٠

مجلِسا، إلا قالت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: وہ باندی میرے پاس آیا کرتی تھی، اور مجھ سے باتیں کیا کرتی تھی، مگر وہ جب بھی آتی تو باتوں کے دوران وہ یہ شعر ضرور کہا کرتی تھی۔

قولہ: "فكانت"، اس کا فاعل؛ وہ باندی ہے، اور کشمیھنی کی روایت میں اس کی بجائے "فكان" ہے(١)۔

قولہ: "فتحدث"، یہ مضارع کا صیغہ ہے ایک تاء کے حذف کے ساتھ، یعنی: اصل میں فتتحدث تھا(٢)۔

ويومَ الوِشاحِ مِنْ أعاجيبِ ربِّنا ألا إنه مِن بَلدةِ الكُفر أنجَانِي

(جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) ہار (گم ہو جانے) کا دن میرے رب کے عجائبات میں سے ہے، سنو! اس (ہار کے واقعہ) نے ہی مجھے کفرستان سے نجات دی ہے۔

قولہ: "أعاجيب" اس کی واحد أعجوبة ہے، بعض نسخوں میں "تعاجيب" ہے، جس کی اس لفظ سے واحد نہیں آتی (٣)۔

قالت عائشة: فقلت لها: ما شأنُك، لا تقعُدِينَ معي مقعَدًا إلا قلتِ هٰذا؟ قالت: فحدَّثني بهٰذا الحديث.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے اس سے کہا کہ آخر بات کیا ہے کہ جب بھی تم میرے پاس بیٹھتی ہو تو یہ بات ضرور کہتی ہو؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پھر اس نے مجھے یہ واقعہ سنایا۔

قولہ: "قلتِ هٰذا"، یعنی: یہ شعر کہتی ہو (٤)۔

قولہ: "بهٰذا الحديث"، مراد یہ ہے کہ اس قصے کو (٥)۔

---

(١) فتح الباري: ٦٩١/١

(٢) شرح الكرماني: ٩٩/٤. فتح الباري: ٦٩١/١- عمدة القاري: ٢٩٠/٤

(٣) التوضيح لابن المقلن: ٥/ ٥١١- فتح الباري: ٦٩١/١- عمدة القاري: ٢٩٠/٤

(٤) شرح الكرماني: ٩٩/٤. عمدة القاري: ٢٩١/٤

(٥) شرح الكرماني: ٩٩/٤. عمدة القاري: ٢٩١/٤

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت اس جملے: "وكان لها خباء في المسجد"، میں ہے، کیونکہ خیمہ رات گذارنے اور نیند کرنے کے لیے ہی نصب کیا جاتا ہے(۱)۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد فوائد واحکام

مذکورہ حدیث مبارکہ سے بہت سے احکامات مستنبط ہوتے ہیں، ان میں سے بعض ذیل میں مذکور ہیں:

۱۔ مسلمانوں میں سے جس کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو اس کے لیے مسجد میں رات گذارنا اور بات چیت کرنا جائز ہے، یہ حکم مرد کے لیے بھی ہے اور عورت کے لیے بھی، شرط یہ ہے کہ یہ فتنے سے محفوظ ہوں (۲)۔

۲۔ مذکورہ بالا مقصد کے حصول کی خاطر مسجد میں سایہ دار انتظام کرنا، مثلا: خیمہ وغیرہ لگانا جائز ہے(۳)۔

۳۔ کسی ایک شہر وغیرہ کو مصائب ومشکلات کی وجہ سے چھوڑ کر کسی اور ایسے شہر کی طرف کوچ کر جانا جائز ہے جہاں اس کے لیے خیر اور بھلائی متوقع ہو(۴)۔

۴۔ دار الکفر چھوڑ کے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا بھی معلوم ہوا (۵)۔

۵۔ مظلوم کی دادرسی کرنا بھی معلوم ہوتا ہے، چاہے وہ مظلوم کافر ہی کیوں نہ ہو، حدیث میں مذکور قصے کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باندی کافرہ تھی، آپ علیہ السلام کے پاس حاضر ہو جانے کے بعد وہ مسلمان ہوئی تھی (۶)۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

---

(۱)عمدة القاري: ٢٨٨/٤

(٢)شرح ابن بطال: ٢/٩٠۔ شرح الكرماني: ٩٩/٤. التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٥١١۔ فتح الباري: ٦٩١/١۔ عمدة القاري: ٢٩٠/٤

(٣)شرح الكرماني: ٩٩/٤. فتح الباري: ٦٩١/١۔ عمدة القاري: ٢٩٠/٤

(٤)شرح ابن بطال: ٢/٩٠۔ شرح الكرماني: ٩٩/٤. التوضيح لابن الملقن: ٥/ ٥١١۔ فتح الباري: ٦٩١/١۔ عمدة القاري: ٢٩٠/٤

(٥)فتح الباري: ٦٩١/١۔ عمدة القاري: ٢٩٠/٤

(٦)فتح الباري: ٦٩١/١۔ عمدة القاري: ٢٩٠/٤

۲۵ - باب : نَوْمِ ٱلرِّجَالِ فِي ٱلْمَسْجِدِ .

یہ باب مسجد میں مردوں کے سونے کے بارے میں ہے۔

اس باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے دو تعلیقیں اور تین احادیث مبارکہ ذکر فرمائیں ہیں۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود وہی ہے جو سابقہ باب سے تھا، کہ مسجد میں سونا جائز ہے، البتہ مرد اور عورت کے مسجد میں سونے کے جواز کو بیان کرنے کے لیے الگ الگ باب قائم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے مسجد میں سونے پر اشکال زیادہ تھا بانسبت مردوں کے، تو اس کے جواز کو مستقلا ایک باب میں بیان کر دیا، سابقہ باب کے تحت ذکر کی جانے والی حدیث میں چونکہ ایک باندی کے سونے کا ذکر تھا اس لیے سابقہ باب میں واحد کا صیغہ: "نوم المرأة" ذکر کیا تھا، اور یہاں چونکہ کئی روایات میں مردوں کے سونے کا ذکر ملتا ہے اس لیے اس ترجمہ میں جمع کے صیغہ: "نوم الرجال" کا ذکر کیا گیا۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں "نوم الرجل" کا ترجمہ بھی موجود ہے(۱)۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس وجہ سے بھی اس باب کو قائم کیا ہے کہ چونکہ بعض روایات میں مسجد میں سونے کی ممانعت بھی منقول ہے(۲)، اس لیے امام صاحب ان روایات کے مقابل اپنا رجحان جواز والی

---

(۱)عمدة القاري: ٤/ ٢٩١

(٢) عن عطاء قال قال رجل لابن عباس إني نِمتُ في المسجد الحرام فاحتلمتُ، فقال: أما أن تتخذه مبيتا أو مقيلا لا، وأما أن تنامَ تستريحَ أو تنتظرَ حاجةً فلا بأس. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب في النوم في المسجد، رقم الحديث: ٤٩١٥، ١/٤٢٧)

عن عطاء وطاؤس ومجاهد أنهم كرهوا النوم في المسجد. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب في النوم في المسجد، رقم الحديث: ٤٩١٦، ١/٤٢٧)

حدثنا وكيع عن أيمن بن نابل قال: رآني سعيد بن جبير وأنا نائم في الحِجر، فأيقَظَنِي وقال: مثلُك ينامُ هاهنا. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب في النوم في المسجد، رقم الحديث: ٤٩١٩، ١/٤٢٧) =

روایات کوپیش کرنے کے ذریعے ظاہر کررہے ہیں کہ مسجد میں سونا جائز ہے۔

پہلی تعلیق

وَقَالَ أَبُو قِلَابَةَ ، عَنْ أَنَسٍ : قَدِمَ رَهْطٌ مِنْ عُكْلٍ ، عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَكَانُوا فِي الصُّفَّةِ .

[ر : ٦٤١٩]

تعلیق کی تخریج

یہ تعلیق قصةُ العُرَنِيِّين کا ایک جزو ہے،جن کا واقعہ کتاب الطہارہ میں گذر چکا ہے۔اور اسی تعلیق کو موصولا امام بخاری رحمہ اللہ نے كتاب الحدود، باب: لم يسق المرتدون المحاربون حتى ماتوا، رقم الحديث: ٦٨٠٤ میں ذکر کیا ہے(١)۔

تعلیق کے رجال

اس تعلیق کی سند میں دوراوی ہیں:

= عن عمرو الشيباني قال: رأيتُ ابن مسعود نعَس في المسجد ليلا، فلا يدعُ سوادًا في المسجد إلا أخرجَه إلا رجلا يصلي. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب في النوم في المسجد، رقم الحديث: ٤٩٢٠، ١/٤٢٧)

عبد الرزاق عن يحيى بن العلاء عن حرام بن عثمان عن ابني جابر عن جابر بن عبد الله قال: أتانا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن مضطجعون في مسجده، فضرَبَنَا بعَسِيبٍ كان في يده، وقال: "قوموا! لا ترقُدوا في المسجد". (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الطهارة، باب: الوضوء في المسجد، رقم الحديث: ١٦٥٥، ١/٤٢٢)

(١)حدثنا موسى بن إسماعيل، عن وهيبٍ، عن أيوب، عن أبي قِلابة، عن أنس رضي الله عنه، قال: قدِم رهطٌ من عُكلٍ على النبي صلى الله عليه وسلم، كانوا في الصفة، فاجتووا المدينة، فقالوا: يا رسول الله! أبْغِنا رِسلا، فقال: "ما أجد لكم إلا أن تلحقوا بإبل رسول الله" فأتوها، فشربوا من ألبانها وأبوالها، حتى صحوا وسمِنوا وقتلوا الراعي واستاقوا الزَودَ، فأتى النبي صلى الله عليه وسلم الصريخُ، فبعَث الطَلَبَ في آثارهم، فما ترجَّل النهارُ حتى أُتِيَ بهم، فأَمر بمساميرَ فأُحمِيتُ، فكَحَلَهم، وقطع أيديَهم وأرجلَهم وما حسَمَهم، ثم أُلقوا في الحَرَّةِ، يستسقون فما سُقُوا حتى ماتوا، قال أبو قلابة: "سرقوا وقتلوا وحاربوا الله ورسوله". (صحيح البخاري، كتاب الحدود، باب: لم يسق المرتدون المحاربون حتى ماتوا، رقم الحديث: ٦٨٠٤)

۱۔ابوقلابہ

یہ مشہور تابعی ''حضرت عبداللہ بن زید جرمی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: حلاوة الإيمان، کے تحت گزر چکے ہیں(۱)۔

۲۔انس

یہ مشہور ومعروف صحابی رسول ''حضرت انس بن مالک'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

تعلیق کا ترجمہ

حضرت ابوقلابہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ قبیلہ عکل کے کچھ لوگ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور صفہ میں ٹھہرے۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مطابقت اس طرح ہے کہ اس آنے والے قبیلے کو صفہ میں ٹھہرایا گیا، چنانچہ جب ان کا قیام وہاں ہوا تو ظاہر ہے کہ ان کا سونا بھی وہیں ہوتا تھا، اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ صفہ مسجد کا حصہ تھا، جو ایک سائبان کے نیچے بنایا گیا تھا۔ یہی بات ترجمۃ الباب میں ہے کہ مسجد میں مردوں کا سونا جائز ہے۔

☆☆☆............☆☆............☆☆☆

دوسری تعلیق

وَقَالَ عَبْدُ ٱلرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ : كَانَ أَصْحَابَ ٱلصُّفَّةِ ٱلْفُقَرَاءُ . [ر : ٥٧٧]

(۱) كشف الباري: ۲/۲٦

(۲) كشف الباري: ۲/٤

تعلیق کی تخریج

مذکورہ تعلیق امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے کتاب مواقیت الصلاۃ میں اور کتاب المناقب، باب المعاملات میں موصول نقل کی ہے(۱)۔

تعلیق کے رجال

اس تعلیق کی سند میں صرف ایک راوی ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکر

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الحیض، باب: امتشاط المرأة عند غسلها من المحيض، کے تحت گزر چکے ہیں(۲)۔

---

(١)عن عبد الرحمن بن أبي بكر أن أصحاب الصفة كانوا أناسًا فقراء، وأن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالث، وإن أربعٌ فخامسٌ أو سادسٌ. وأن أبا بكر جاء بثلاثةٍ، فانطلق النبي صلى الله عليه وسلم بعشرة. قال: فهو أنا وأبي وأمي، فلا أدري قال: وامرأتي، وخادم، بيننا وبين بيت أبي بكر. وإن أبا بكر تعشىَّ عند النبي صلى الله عليه وسلم، ثم لبث حيث صُلِّيتِ العشاءُ، ثم رجع فلبث حتى تعشىَّ النبي صلى الله عليه وسلم، فجاء بعدما مضى من الليل ما شاء الله.

قالت له امرأته: وما حبسك عن أضيافك؟ أو قالت ضيفك، قال :أوَ ما عشَّيْتِيهِم؟ قالت: أبَوا حتى تجيء ، قد عُرِضوا فأبوا، قال: فذهبت أنا فاختبأتُ، فقال: يا غُنثَرُ! فجدَّ ع وسبَّ، وقال: كلوا لا هنيئًا، فقال: والله لا أَطعَمُه أبدًا، وأيم الله، ما كنا نأخذ من لقمة إلا ربا من أسفلها أكثر منها، قال: يعني حتى شبِعوا، وصارت أكثرَ مما كانت قبل ذلك، فنظر إليها أبو بكر فإذا هي كما هي أو أكثر منها، فقال لامرأته: يا أخت بني فراس ما هذا؟ قالت: لا وقرة عيني، لهِيَ الآنَ أكثرُ منها قبل ذلك بثلاث مرات، فأكل منها أبو بكر وقال: إنما كان ذلك من الشيطان، يعني يمينَه، ثم أكل منها لقمة، ثم حملها إلى النبي صلى الله عليه وسلم فأصبحتْ عنده، وكان بيننا وبين قومٍ عقدٌ، فمضى الأجل، ففرَّقَنا اثنا عشر رجلًا مع كل رجلٍ منهم أناسٌ الله أعلم كم مع كل رجلٍ، فأكلوا منها أجمعون. أو كما قال . (صحيح البخاري، كتاب: مواقيت الصلاة، باب السمر مع الضيف والأهل، رقم الحديث: ٦٠٢)

(٢)كشف الباري، كتاب الحيض، باب: امتشاط المرأة عند غسلها من المحيض.

تعلیق کا ترجمہ

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صفہ میں رہنے والے
صحابہ فقراء تھے۔

''صفہ اور اصحابِ صفہ''

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''صفہ'' کے بارے میں فرماتے ہیں:

''تحویلِ قبلہ کے بعد جب مسجدِ نبوی کا رُخ بیت اللہ کی طرف ہوگیا تو قبلۂ اول کی طرف دیوار اور اس کے متصل جو جگہ تھی وہ اُن فقراء وغرباء کے ٹھہرنے کے لیے بدستور چھوڑ دی گئی، جن کے لیے کوئی ٹھکانہ اور گھر بار نہ تھا۔ یہ جگہ ''صفہ'' کے نام سے مشہور تھی۔

''صفہ'' اصل میں سائبان اور سایہ دار جگہ کو کہتے ہیں، وہ ضعفاء مسلمین اور فقراء شاکرین جو اپنے فقر پر فقط صابر ہی نہ تھے بلکہ امراء اور اغنیاء سے زیادہ شاکر اور مسرور تھے، جب احادیث قدسیہ اور کلمات نبویہ سننے کی غرض سے بارگاہِ نبوت ورسالت میں حاضر ہوتے تو یہیں ہی پڑے رہتے تھے۔ لوگ ان حضرات کو اصحاب صفہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ گویا یہ اس بشیر ونذیر اور نبی فقیر کی خانقاہ تھی جس نے بہ ہزار رجاء ورغبت فقر کو دنیا کی سلطنت پر ترجیح دی۔

اور اصحاب صفۂ ارباب توکل اور اصحاب تبتل کی ایک جماعت تھی، جو لیل ونہار تزکیۂ نفس اور کتاب وحکمت کی تعلیم پانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر رہتی تھی، نہ ان کو تجارت سے کوئی مطلب تھا اور نہ ہی زراعت سے کوئی سروکار تھا۔ یہ حضرات اپنی آنکھوں کو آپ کے دیدارِ پُر انوار کے لیے اور کانوں کو آپ کے کلماتِ قدسیہ کے سننے کے لیے اور جسم کو آپ کی صحبت اور معیت کے لیے وقف کر چکے تھے۔

وإن حدثوا عنها فكلي مسامع وكلي إذا حدثتهم السن تتلو''.

حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ نے مزید بھی بڑی عمدہ تفصیل بیان کی ہے، جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے(۱)۔

(۱) سیر ت مصطفى للكاندهلوي: ۱/ ٤٤٤ تا ٤٥٢۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی سے جاری ہونے والے ماہنامہ ''بینات'' میں اس صفہ اور اصحاب صفہ سے متعلق ایک عمدہ تحریر نظر سے گذری تھی، اس کا کچھ حصہ افادۂ عام کی غرض سے ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے: =

....

= ''مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے شمالی مشرقی جانب ایک سائبان کے سایہ میں چند نفوسِ قدسیہ تعلیم وتربیت پا رہے تھے ان نفوسِ قدسیہ نے اپنی زندگی حصولِ علم ہی کے لئے وقف کردی تھی، ان میں چند نفوس ایسے بھی تھے کہ کبھی کبھی دن کے کسی حصہ میں جنگل سے لکڑی لا کر فروخت کرتے اور گذر بسر کیا کرتے تھے، ان کے احوال وتعداد میں قدماء محدثین نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، جن میں امام حدیث ابونعیم اصبہانی اور امام حدیث ابوعبداللہ حاکم اور ابن الاعرابی اور سلمٰی وغیرہ [رحمہم اللہ] کے نام قابل ذکر ہیں، ان کی تعداد مختلف اوقات میں کل ملا کر چار سو تک پہنچتی ہے۔ ویسے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی تعلیمی ہی تھی اور امت محمدیہ میں صحابۂ کرام [رضی اللہ عنہم] ہی سب سے پہلے متعلم وشاگرد تھے۔

لیکن اسی تحصیلِ علم کے ساتھ اکثر وبیشتر حضرات کے تجارت وزراعت وغیرہ کے مشاغل بھی تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی اہم شخصیت کا ایک دور ایسا گذرا کہ مدینہ سے باہر عوالی مدینہ میں ان کا قیام تھا اور بعدِ مسافت کے علاوہ معاشی مشغولیت کی وجہ سے روزانہ بارگاہِ نبوت کی حاضری سے معذور تھے، لیکن آپ نے اپنے ایک انصاری پڑوسی (غالبًا ان کا نام اوس بن خولٰی ہے) کے ساتھ یہ انتظام کیا ہوا تھا اور باری مقرر کر رکھی تھی کہ ایک دن وہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا کریں اور جو وحی نبوت (قرآن کریم کی آیت) جدید اتری ہو یا کوئی اہم حدیث آپ بیان فرمائیں تو وہ رات کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سنا دیا کریں اور ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ ہی خدمت انجام دیا کریں، جس کی تفصیل صحیح بخاری میں موجود ہے۔

الغرض صحابہ کرام [رضی اللہ عنہم] جو روزانہ حاضری نہیں دے سکتے تھے وہ بھی حصولِ علم کے لئے پورا اہتمام وانتظام فرماتے تھے لیکن کچھ حضرات ایسے بھی تھے جن کی شب وروز کی زندگی اسی حصولِ علم کے لئے وقف تھی، اہل وعیال سے آزاد؛ نہ تجارت سے غرض، نہ زراعت سے، مطلب! نہ اپنی معاش کی فکر، نہ اہل وعیال کی، یہ وہ اصحابِ صفہ کے نفوسِ قدسیہ ہیں؛ جن کی تعداد ایک ایک وقت میں ستر ستر تک بھی پہنچ جاتی تھی۔

انہی نفوسِ قدسیہ میں سے ستر وہ شہداءِ بیر معونہ ہیں، جن کو کفار کے چند قبائل بنی لحیان ورعل وذکوان وغیرہ نے جو تعلیمِ دین اور تبلیغِ اسلام کی غرض سے حضرت رسول اللہ سے معلم ومبلغ طلب کرنے آئے تھے اور آپ نے ان قراء کو اس دینی خدمت کے لئے بھیجا تھا، ان بدظن قبائل نے ان کو لے جا کر شہید کر ڈالا تھا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید صدمہ ہوا تھا؛ اور نماز فجر میں آپ نے دعاءِ قنوتِ نازلہ پڑھنی شروع فرمادی تھی۔

انہی نفوسِ قدسیہ میں سے اس واقعہء شہادت کے بعد ستر ایسے صحابہ بھی تھے جن کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان صحیح بخاری میں قابلِ عبرت وبصیرت ہے:

رأيت سبعين من أصحاب الصفه؛ ما منهم رجل عليه رداء، إما ازار وإما كساء، قد ربطوا في أعناقهم، فمنها ما يبلغ نصف الساقين، ومنها ما يبلغ الكعبين، فيجمعه بيده كراهية أن تعرىٰ عورته۔

(صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب: نوم الرجال فى المسجد) =

= ترجمہ: میں نے ستر ایسے اصحابِ صفہ کو دیکھا ہے جن میں سے کسی کے پاس (اوپر اوڑھنے کے لئے) چادر نہ تھی، یا ان کے پاس صرف لنگی تھی، یا (بدن ڈھانپنے کے لئے) ایک کمبلی، جس کو انہوں نے گردن سے (نیچے تک) باندھا ہوا ہوتا، کوئی کملی تو ٹخنوں تک پہنچ جاتی، کوئی پنڈلیوں تک ہی پہنچتی (رکوع سجدہ کے وقت) اس کو ہاتھ سے سنبھالے رہتے کہ (جسم کا) پوشیدہ حصہ نہ کھل جائے۔

انہی نفوسِ قدسیہ میں سے خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جن پر بعض اوقات بھوک سے غشی کے دورے پڑا کرتے اور مسجد نبوی کے اندر منبر نبوی اور بیت الرسول کے درمیان روضہ میں بے ہوش پڑے ہوتے اور عام حضرات کا گمان ہوتا کہ ان پر مرگی کا دورہ پڑا ہے، حالانکہ صرف بھوک کی شدت اور فاقوں کی کثرت سے ان پر اس قسم کی حالت طاری ہوتی تھی۔ خود انہی کے زبان سے صحیح بخاری میں یہ ساری تفصیل مذکور ہے؛ آخر اس جفاکشی اور اس اندازِ طالب علمی کے جو حیرت انگیز نتائج ہونے چاہئیں تھے وہ امت کے سامنے آئے خود انہی کے زبان سے صحیح بخاری میں مروی ہے:

صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث سنين فلم أكن في سني أحرص على أن أعي الحديث مني.

ترجمہ: میں تین سال تک (ہمہ وقت) رسول اللہ کے ساتھ رہا میں نے اپنی عمر میں اپنے سے زیادہ حدیثوں کو یاد کرنے کا حریص (سرگرم شائق) اور کسی کو نہیں دیکھا۔

اتنے مختصر عہد میں جو روایتیں مدونین کتب حدیث کو ان سے پہنچی ہیں ان کی تعداد ہزاروں میں ہے، نہ معلوم اور کتنی روایتیں ہوں گی جو مدونین کتب حدیث تک ان کے معیار کے مطابق نہ پہنچ سکیں، جو یقیناً اس قدسی صحبت اور اس فنا فی العلم کے جذبہ کی برکات تھیں، چنانچہ پورے آٹھ سو صحابہ و تابعین کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہوا اور دین کا بہت بڑا حصہ تنہا انہی کی روایات سے امت کو پہنچا، یہی وجہ ہے کہ یورپ کے مستشرقین اور منکرین حدیث مستغربین اور ان کے علاوہ اعداء اسلام کا سارا زور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع اور عیب چینی پر صرف ہو رہا ہے، کہنا یہ ہے کہ آخر وہ کیا اسباب تھے جن کی بناء پر ان اصحابِ صفہ کے فقر و افلاس کی حالت کو برداشت کیا گیا؟! اور ان کو فکرِ معاش کی طرف کیوں متوجہ نہیں کیا گیا؟! کیوں ان کو زراعت یا صنعت و حرفت کی طرف رغبت نہیں دلائی گئی؟ اور کیوں ان کے پیٹ بھرنے یا سدِ رمق کے لیے زکاۃ و صدقات کا انتظام کیا جاتا؟ اور جب انتہائی مجبوری کی نوبت آجاتی اور فاقوں پر فاقے پڑنے لگتے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک صحابی کو اربابِ صفہ میں سے ایک ایک نفر کو کھانا کھلانے کے لیے اپنے گھر لے جانے کا ارشاد فرماتے اور خود بھی دس دس افراد کو اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے، اس لیے کہ ازواج مطہرات کی تعداد/ ۹ تھی اور دسویں آپ تھے اس لحاظ سے گویا طعام الواحد یکفی الاثنین کے اصول پر جو حدیث مرفوع میں مذکور ہے، خود بیوتِ نبی علیہ الصلاۃ والسلام میں عمل ہوتا تھا، یہ تو احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے شواہد و بینات ہیں۔ اب ذرا قرآن کریم کا ارشاد بھی سنیے: =

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق صفہ میں رہنے والے صحابہ فقراء تھے۔ یعنی: ان کے پاس اپنا کوئی مسکن اور ٹھکانہ وغیرہ نہیں تھا جہاں وہ شب باشی کرتے، چنانچہ وہ وہیں رات کو سویا کرتے تھے۔ اور یہی ترجمہ میں مذکور ہے۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیث باب؛ پہلی حدیث

٤٢٩ : حدَّثنا مُسَدَّدٌ قَالَ : حَدَّثنا يَحْيَى ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ قَالَ : حَدَّثَنِي نَافِعٌ قَالَ : أَخْبَرَنِي عَبْدُ ٱللهِ[(۱)] : أَنَّهُ كَانَ يَنَامُ ، وَهْوَ شَابٌّ أَعْزَبُ لَا أَهْلَ لَهُ ، فِي مَسْجِدِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ .

[١٠٧٠ ، ١١٠٥ ، ٣٥٣٠ ، ٣٥٣١ ، ٦٦١٣ ، ٦٦٢٥ ، ٦٦٢٦]

= ﴿الذين احصروا فی سبيل الله لايستطيعون ضرباً فی الارض يحسبهم الجاهل اغنياء من التعفف تعرفهم بسيماهم لايسألون الناس الحافاً﴾۔ (البقرہ)

ترجمہ: وہ حاجت مند (تمہاری امداد واعانت کے مستحق ہیں) جو اللہ کی راہ میں (کسبِ معاش سے) روک دیئے گئے ہیں، وہ (روزی حاصل کرنے کے لئے) روئے زمین میں (کہیں) جا آ نہیں سکتے، ناواقف آدمی تو ان کے (سوال کرنے سے) بچنے کی وجہ سے ان کو مالدار گمان کرتے ہیں (لیکن) تم ان کے فقر وافلاس کو ان کے چہرہ بشرہ سے پہچان سکتے ہو وہ لوگوں سے سوال ہی نہیں کرتے (کہ پیچھے پڑیں اور) اصرار کریں۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیتِ کریمہ انہی نفوسِ قدسیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جن کی زندگی کا مقصدِ وحید صرف تعلیم دین اور جہاد تھا۔ ٹھنڈے دل سے غور کرنے کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اس صورت حال کو قائم رکھا بلکہ اس کی تعریف وتوصیف وحی متلو میں بھی فرمائی، کیا یہ واضح اور صاف دلیل اس کی نہیں ہے کہ امت میں کچھ افراد ایسے ہونے چاہئیں، جن کی حیاتِ طیبہ کلی طور پر علم ودین کے لیے وقف ہوچکی ہو، اس مقدس مشغلہ کے علاوہ اُن کا اور کوئی مشغلہ ہی نہ ہو، اب رہا یہ سوال کہ وہ کھائیں گے کہاں سے، اور ضروریاتِ معاش پوری کیسے کریں گے؟ تو قرآن حکیم کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل میں اس کا واضح جواب صرف یہی ملتا ہے کہ ان کی ضرورت کا تکفل اور خبر گیری امت محمدیہ کے ذمہ فرض ہے کہ وہ اپنے صدقات وخیرات اور زکاۃ سے اُن کی خدمت کرے گی، اسی لیے علم دین میں مہارت وخصوصیت فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں کہ ہر شخص کے بس کا یہ کام نہیں۔ (ماخوذ از، ماہنامہ بینات، ذوالحجہ/ ۱۴۲۸ھ بمطابق: جنوری/ ۲۰۰۸ء)

(١) أخرجه البخاري أيضا في التهجد، باب: فضل قيام الليل، رقم الحديث: ١١٢١، وباب: من تعار من الليل فصلى، رقم الحديث: ١١٥٦، وفي فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب: =

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

۱۔مسدد

یہ "مسدد بن مسرہد الاسدی البصری" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه، اور تفصیلی احوال کتاب العلم، باب: من خص بالعلم قوما دون قوم کراهیة أن لا یفهموا، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔یحیی

یہ "یحیی بن سعید بن فروخ القطان تمیمی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه ، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

= مناقب عبد الله بن عمر، رقم الحدیث: ۳۷۳۸، ۳۷٤۰، وفي التعبیر، باب: الاستبرق ودخول الجنة في المنام، رقم الحدیث: ۷۰۱۵، وباب: الأمن وذهاب الروح فی المنام، رقم الحدیث: ۷۰۲۸، وباب: الأخذ علی الیمین في النوم، رقم الحدیث: ۷۰۳۰.

ومسلم في صحیحه في فضائل الصحابة، باب: من فضائل عبد الله بن عمر رضي الله عنهما، رقم الحدیث: ۲٤۷۹.

والترمذي في جامعه، في الصلاة، باب: ما جاء في النوم في المسجد، رقم الحدیث: ۳۲۱.

والنسائي في سننه، في المساجد، باب النوم في المسجد، رقم الحدیث: ۷۲۳.

وفي جامع الأصول، حرف المیم، الکتاب الأول: في المواعظ والرقائق، الکتاب السادس: في المساجد وما یتعلق به أولا وآخرا، رقم الحدیث: ۸۷۵۵، ۱۱/ ۲۰٦.

(۱) کشف الباری: ۲/۲،٤/ ۵۸۸

(۲) کشف الباری: ۲/ ۲

٣۔عبیداللہ

یہ ''عبیداللہ بن عمر بن حفص بن عبداللہ بن عمر بن خطاب'' ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب:التبرز في البيوت، کے تحت گذر چکے ہیں(١)۔

٤۔نافع

یہ ''مولی عبداللہ بن عمر القرشی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب:ذكر العلم والفتيا في المسجد، کے تحت گذر چکے ہیں(٢)۔

٥۔ابن عمر

یہ ''حضرت عبداللہ بن عمر'' رضی اللہ عنہما ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: الإيمان وقول النبي صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس ، کے تحت گذر چکے ہیں(٣)۔

ترجمہ حدیث

حضرت نافع کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے بتلایا کہ وہ مسجد نبوی میں سویا کرتے تھے، اس حال میں کہ وہ نوجوان تھے، اور کنوارے تھے، گھر بار نہیں تھا۔

شرح حدیث

قولہ:"وهو شاب"، یہ جملہ جملۂ اسمیہ ہے جو "ينام" فعل کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے۔

''شابّ'' اس شخص کو کہتے ہیں، جس کی عمر تیس سے چالیس سال تک ہو، اس کی جمع "شُبّان" استعمال

(١) كشف الباری، كتاب الوضوء، باب: التبرز في البيوت، ص: ٣٦٠

(٢) كشف الباری: ٦٥١/٤

(٣) كشف الباری: ٦٣٧/١

ہوتی ہے،مؤنث: شابة، اور اس کی جمع شواب استعمال ہوتی ہے(۱)۔

انسانی عمر کے مختلف ارتقائی ادوار

ہماری اردو زبان کا سینہ بہت تنگ ہے، لیکن عربی زبان کا سینہ بڑی وسعتوں کا حامل ہے، انسانی زندگی کے جتنے مراحل ہیں، ان سب کے لیے عربی زبان میں الگ الگ نام متعین ہے، مثلا: بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اسے "جنین" کہتے ہیں، جب پیدا ہو جائے تو اسے "ولید" کہتے ہیں، جب سات دن کا ہو جائے تو اسے "صدیغ" کہتے ہیں، پھر جب تک دودھ پیتا رہتا ہے اسے "فطیم" کہتے ہیں، پھر جب ٹھوس غذا کھانے لگتا ہے اسے "جحوش" کہتے ہیں۔ پھر اسی طرح چلتے چلتے اسے "مترعرع، ناشئ، یافع، مراهق، حزور"، اور "غلام" سے موسوم کیا جاتا ہے، پھر یہ "فتی" اور "شارخ" بنتا ہے، پھر "مجتمع" ہوتا ہے، پھر "شاب" اور اس کے بعد آخر میں "کهل" کہلاتا ہے۔

ائمۃ اللغات نے ان سب ناموں کی تفصیلات کو اپنی کتب میں جمع کیا ہے(۲)۔

---

(١)المحكم والمحيط الأعظم، الشين والباء: ٦٣٦/٧ـ مختار الصحاح، شبب: ١٦٠/١. المصباح المنير في غريب الشرح الكبير، ش ب ب: ٣٠٢/١

(٢) الفصل الأول: "في ترتيب سن الغلام". "عن أبي عمرو وعن أبي العباس ثعلب عن ابن الأعرابي"، يقال للصبي: إذا ولد "رضيع وطفل". ثم: "فطيم". ثم: "دارج". ثم: "حفر". ثم: "يافع". ثم: "شدخ". ثم: "مُطَبَّخ". ثم: "كوكب".

الفصل الثاني: "أشفى فنه في ترتيب أحواله وتنقل السن به إلى أن يتناهى شبابه". "عن الائمة المذكورين" ما دام في الرحم فهو "جنين". فإذا ولد فهو "وليد". وما دام لم يستتم سبعة أيام فهو "صديغ"، لأنه لا يَشْتَدُّ صُدْغُهُ إلى تمام السبعة. ثم ما دام يرضع فهو "رضيع". ثم إذا قطع عنه اللبن فهو "فطيم". ثم إذا غلظ وذهبت عنه تَرَارَةُ الرَّضاع فهو "جَحْوَشٌ".

عن الأصمَعِي، وأنشد لِلْهُذَلِيّ (من الوافر)

قَتَلْنَا مَخْلَداً وابْنَيْ حِرَاقٍ وآخَرَ جَحْوَشاً فَوْقَ الْفَطِيمِ

قال الأزهري: كأنه مأخوذ من "الجحش" الذي هو ولد الحمار. ثم هو إذا دب ونما فهو "دارج". فإذا بلغ طوله خمسة أشبار فهو "خماسي". فإذا سقطت رواضعه فهو "مثغور". =

قولہ:''أعزب''، یہ صفت ہے ''شاب'' کی، ابی ذر کی روایت میں ''عزب'' کا لفظ ہے، بغیر الف کے۔ ''رجل عزب'' ایسے شخص کو کہا جاتا ہے، جو کنوارہ ہو، جس کی بیوی نہ ہو۔ نصر ینصر سے اس کا استعمال ہے، عازب اسم فاعل اور اس کی جمع عُزّاب استعمال ہوتی ہے۔ جو شخص نکاح کو ترک کرنے والا ہو، اس کے لیے عربی میں تعزب الرجل کا جملہ استعمال ہوتا ہے، اور جس کے دور (ترک نکاح) کا زمانہ بہت طویل ہو جائے یہاں تک کہ اسے نکاح میں رغبت ہی ختم ہو جائے، اُسے ''المِعزابة'' کہتے ہیں (۱)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جوان غیر شادی شدہ آدمی کو احتلام کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے، اس کے باوجود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مسجد میں سوتے تھے اور ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر بھی رہی ہوگی، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا تو اس سے مسجد میں سونے کا جواز معلوم ہوتا ہے اور یہی ترجمۃ الباب کا مقصد ہے (۲)۔

= عن أبي زيد، فإذا نبتت أسنانه بعد السقوط فهو "مثغر" بالثاء والتاء.

عن أبي عمرو، فإذا كاد يجاوز العشر السنين أو جاوزها فهو "مترعرع وناشئ"، فإذا كاد يبلغ الحلم أو بلغه فهو "يافع ومراهق"، فإذا احتلم واجتمعت قوته فهو "حَزَوَّر وَحَزْوَر"، واسمه في جميع هذه الأحوال التي ذكرنا "غلام". فإذا اخضر شارِبُه وأخذ عِذَارُه يَسِيْل قيل: بَقَل وجهُه. فإذا صار ذا فَتَاء فهو "فتىً وشارِخ". فإذا اجتمعت لحيتُه وبلغ غايةَ شبابِه فهو "مُجتَمِع". ثم ما دام بين الثلاثين والأربعين فهو "شابّ". ثم هو "كهُل" إلى أن يستوفِي السِّتّينَ .(فقه اللغة للثعالبي، الباب الرابع عشر فی أسنان الناس والدواب وتنقل الأحوال بهما وذكر ما يتصل بهما وينضاف إليهما: ٦٧/١)

اردو زبان میں ''صبی'' کا ترجمہ بچہ سے کیا جاتا ہے۔ عربی زبان میں عمر کے مختلف مرحلوں کے لیے الگ الگ الفاظ بولے جاتے ہیں، بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں ہے، ''جنین'' کہلاتا ہے، پیدا ہونے کے بعد بلوغ تک ''صبی''، بلوغ کے بعد انیس سال تک ''غلام''، اس کے بعد چونتیس سال تک ''شاب''، پھر اکاون سال تک ''کہل''، اور اس کے بعد اخیر عمر تک ''شیخ''۔ فقہاء کرام نے اس تعبیر میں کسی قدر فرق کیا ہے کہ پیدائش سے بلوغ تک ''صبی وغلام''، بالغ ہونے کے بعد تیس سال تک ''فتی اور شاب''، پچاس سال تک ''کہل'' اور پچاس سے ''شیخ'' کا اطلاق ہوتا ہے۔ (قاموس الفقہ، صبی: ۲۱۶/۴)

(١)المحكم والمحيط الأعظم، ع ز ب: ٥٣٠/١۔ غريب الحديث للجوزي، باب العين مع الزاء: ٩١/٢۔ النهاية في غريب الحديث والأثر، عزب: ٢٢٨/٣۔ فتح الباري: ٦٩٣/١.

(٢)سراج القارى: ٣٣/٣

”العلماء العزاب“ کا تعارف

علماء وفقہاء میں کئی ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اپنی علمی وفقہی مصروفیات کی وجہ سے شادی نہیں کی، ایسے علماء کی تفصیلات کو شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے اپنی ایک کتاب میں جمع کیا ہے، جس کا نام ہے: ”العلماء العزّاب“، وہ بھی دیکھنے کی چیز ہے(۱)۔

قولہ: ”لا أهل له“، اس جملے میں ”له“ ضمیر کا مرجع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ذات ہے، یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عزب یا عازب کہتے ہی اس شخص کو ہیں جس کا اہل نہ ہو، جس کی بیوی نہ ہو، تو پھر جب ”شاب“ کی صفت ”اعزب“ استعمال ہو چکی تھی، تو پھر ”لا أهل له“ کو ذکر کرنے کی کیا وجہ۔ بظاہر تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

تو اس کو جواب یہ ہے کہ اس جملے کو بطور تاکید کے ذکر کیا گیا ہے، یا بطور تعمیم کے ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ ”أهل“ کا لفظ زوجہ کی نسبت عام ہے، یعنی: ”لا أهل له“ کا مطلب یہ ہے کہ جس کی بیوی نہ ہو، اور اسی طرح جس عورت کا خاوند نہ ہو، اس کے لیے بھی ”لا أهل لها“ استعمال ہوتا ہے(۲)۔

قولہ: ”في مسجد“، یہ جار مجرور ماقبل میں ”ینام“ کے ساتھ متعلق ہوں گے(۳)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بالکل ظاہر ہے۔

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور وآداب

مذکورہ حدیث مبارکہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ مسافر کے علاوہ بھی دیگر افراد کا بوقت ضرورت سونا جائز ہے۔ رہا احتلام کا اندیشہ تو اس کی وجہ سے بھی سونے کی ممانعت نہیں ہے، البتہ اسے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا بھی لازم ہے۔

---

(۱) ”العلماء العزاب الذين آثروا العلم على الزواج“، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ کی یہ کتاب حلب کے مکتب المطبوعات الاسلامیہ سے طبع ہوئی ہے، ایک سو چھپن صفحات پر مشتمل ہے۔

(۲) فتح الباري: ۱/۶۹۳۔ عمدة القاري: ٤/۲۹۲

(۳) فتح الباري: ۱/۶۹۳۔ عمدة القاري: ٤/۲۹۲، ۲۹۳

مسجد میں سونے کے بارے میں ائمہ کرام کے مذاہب

مسجد میں کسی شخص کے سونے کے بارے میں فقہاء کرام کے مختلف اقوال ہیں، جو ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

احناف کا مسلک

مسجد میں سونا احناف کے نزدیک مکروہ ہے، البتہ مسافر اور معتکف کے لیے کوئی حرج نہیں ہے(۱)۔

مالکیہ کا مسلک

صحراء کی مسجد میں کسی مہمان کو ٹھہرانا جائز ہے، یہی حکم چھوٹے گاؤں کی مسجد کا حکم ہے، شہر کی بڑی مسجد میں مہمان ٹھہرانا جائز نہیں ہے۔

اور ایسا شخص جس کا گھر بار نہ ہو، اہل وعیال نہ ہوں، یا ہوں لیکن رات کو کسی وجہ سے ان تک پہنچنا ممکن نہ ہو تو ایسے افراد کے لیے رات مسجد میں گذارنا جائز ہے۔

نیز! قیلولہ کی خاطر دن میں مسجد میں لیٹنا ہر کسی کے لیے درست ہے۔

علاوہ ازیں! معتکف کے لیے تو مسجد میں کھانا اور پینا بوجہ ضرورت مطلقا جائز ہے(۲)۔

شوافع اور حنابلہ کا مسلک

شوافع (۳) اور حنابلہ (۴) کے نزدیک مسجد میں سونا مطلقا جائز ہے۔

---

(۱)المبسوط للسرخسي، ما يحدث في المسجد: ۲۷/۲۵

البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، اعتكاف المرأة: ۲/۳۲۷

فتح القدير، كتاب الصيام، باب الاعتكاف: ۲/۳۹۸

(۲)التاج والإكليل لمختصر خليل، كتاب إحياء الموات، باب: المنافع المشتركة في البقاع كالشوارع والمساجد: ۷/۶۱۶

الشرح الكبير للشيخ الدردير وحاشية الدسوقي، باب: موات الأرض وإحياء ها: ٤/ ۷۰

(۳) الأم للشافعي، جماع التيمم للمقيم والمسافر، باب: ما يوصل بالرجل والمرأة: ۱/۷۱.

المجموع شرح المهذب، باب: الإحداث التي تنقض الوضوء، فصل: في المساجد وأحكامها: ۲/۱۷۳.

إعلام الساجد بأحكام المساجد، الباب الرابع فيما يتعلق بسائر المساجد: ۱/۳۰۶ =

تبلیغی جماعت والوں کا مسجد میں سونا

موجودہ دور میں دین کی محنت وتبلیغ کے لیے مسلمانوں کی جماعتیں نکلتی ہیں، ان کا قیام مساجد میں ہوتا ہے، تو بلا شک وشبہ ان کے قیام وطعام فی المسجد میں کچھ شبہ نہیں ہے، درست ہے۔

ایک تو اس وجہ سے کہ وہ اکثر مسافر ہوتے ہیں۔

دوسرا: اس وجہ سے بھی کہ وہ مساجد میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہرتے ہیں۔

تیسری بات یہ کہ نکلنے والی جماعتوں کو بہت اہتمام سے ہدایات میں مساجد میں ٹھہرنے کے آداب بتلائے جاتے ہیں، جس کی بنا پر ان کا مساجد میں ٹھہر کر کام کرنا بالکل درست ہے۔

اور آج کل تو ایک اور اچھی فضا قائم ہو رہی ہے، کہ مساجد میں جماعت والوں کے نظم طعام وغیرہ کے لیے الگ کمرہ تعمیر کیا جاتا ہے، یہ اور بھی اچھی روایت ہے اس کو عام کرنا چاہیے، اور ایسی جگہ کے ہوتے ہوئے اسی کو استعمال کرنا چاہیے، بلاضرورت مسجد میں کھانے پینے سے گریز کرنا چاہیے، ہاں کوئی ایسا کمرہ یا خارجِ مسجد جگہ نہ ہو تو پھر مسجد کے آداب کا خیال رکھتے ہوئے، اعتکاف کی نیت سے کھانے پینے اور سونے کی اجازت ہے(۱)۔

= حاشية الورقة السابقه (٤) المسائل الفقهية من كتاب الروايتين والوجهين، كتاب الصلاة، مسائل في السهو والسجود له، اتخاذ المسجد مبيتا ومقيلا: ١٤٨/١.

مسائل الإمام أحمد وإسحاق بن راهويه، كتاب الصلاة، رقم المسئلة: ٣٦٥، النوم في المسجد: ٧٣٧/٢.

الشرح الكبير على متن المقنع، كتاب الصلاة، فصل فيما يباح في المسجد: ٤٢٢/١.

(١)قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: وأكل ونوم المعتكف وغريب إلخ . وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله: وأكل ونوم) وإذا أراد ذٰلك ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل ويذكر الله تعالىٰ بقدر ما نوىٰ، ويصلي، ثم يفعل ما شاء. فتاوى هندية. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: في الغرس في المسجد: ٦٦١/١، سعيد)

”ويكره النوم والأكل فيه، أي: المسجد لغير المعتكف، وإذا أراد أن يفعل ذلك، ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه ويذكر الله تعالىٰ بقدر ما نوى. ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح في المذهب، والأحسن أن يتورع، فلا ينام، اه“. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في آداب المسجد: ٣٢١/٥، رشيدية)

طلبہ مدارس دینیہ کا مسجد میں سونا

ہمارے مدارس دینیہ میں بھی کئی جگہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض اوقات طلباء کرام کی رہائش کا بندوبست مسجد میں کیا گیا ہوتا ہے، تو اس کا حکم بھی یہی ہے کہ اگر ان کے لیے مسجد سے باہر ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہ ہو تو اعتکاف کی نیت سے مسجد کے آداب کا خیال رکھتے ہوئے ٹھہر سکتے ہیں(۱)۔

=”والنوم فيه لغير المعتكف مكروه، وقيل: لا بأس للغريب أن ينام فيه، والأولىٰ أن ينوي الاعتكاف، ليخرج من الخالف“. (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل: في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيدمي لاهور)

(۱)احسن الفتاوی کا فتوی

سوال: طلبۂ علم کو مسجد میں سونا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد کی بناء ذکر وعبادت کے لیے ہے، اس قسم کے کاموں کے لیے نہیں، اس لیے عام حالات میں تو کسی کے لیے مسجد میں سونا جائز نہیں، خواہ طالب علم ہو یا کوئی اور، اگر بامر مجبوری طلبہ کو مسجد میں سونا پڑتا ہے تو ان شرائط کے ساتھ اس کی گنجائش ہے:

۱۔ مسجد کے سوا اور کوئی عارضی یا مستقل قیام گاہ موجود نہ ہو، نہ متولی و منتظم اس کا انتظام کر سکتے ہوں۔

۲۔ مسجد کے آداب کا پورا خیال رکھیں کہ شور وغوغا، ہنسی مذاق اور لایعنی گفتگو سے پرہیز کریں، صفائی کا پورا اہتمام رکھیں اور اعتکاف کی نیت کرلیں۔

۳۔ نمازیوں کو ان سے کسی قسم کی ایذاء نہ پہنچے، اذان ہوتے ہی اٹھ جائیں اور نمازوں کے بعد بھی جب تک لوگ سنن ونوافل یا ذکر وتلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں، ان کی عبادت میں خلل نہ ڈالیں۔

۴۔ طلبہ باریش یا کم از کم آداب مسجد سے واقف اور باشعور ہوں، کم سن بے شعور بچوں کو مسجد میں سلانا جائز نہیں۔

الغرض: ممکن حد تک اس سے بچنے کی کوشش کی جائے، مجبوری کی بات الگ ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم ۲۴/ ربیع آخر سنہ ۸۷ھ

(احسن الفتاوی، باب المساجد، سوال: مسجد میں سونا: ۶/ ۴۴۷، ۴۴۸، ایچ ایم سعید)

سوال مثلِ بالا:

سوال: کسی مقیم شخص کے لیے مسجد میں چارپائی ڈال کر، یا بلا چارپائی لیٹنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز! آجکل دستور ہے کہ تبلیغی جماعت کے حضرات مسجد میں لیٹتے، مسجد ہی میں کھاتے پیتے اور دوسرے معمولات پورے کرتے ہیں، کیا شرعا اس کی گنجائش ہے؟ بینوا توجروا =

....

=**الجواب باسم ملہم الصواب**

معتکف اور مسافر کے لیے مسجد میں کھانے پینے اور سونے کی گنجائش ہے، لہٰذا تبلیغی جماعت کا یہ دستور جائز ہے، اس لیے کہ اہلِ تبلیغ بھی عموماً مسافر ہوتے ہیں، معہٰذا بہتر ہے کہ اعتکاف کی نیت بھی کرلیا کریں اور اس کا بھی اہتمام کریں کہ مسجد سے ملحق اگر کوئی حجرہ وغیرہ ہو جس میں تمام ساتھی سما سکتے ہوں تو مسجد میں نہ سوئیں اور کھانا بھی باہر کھائیں، مسجد میں چارپائی بچھانا کسی کے لیے جائز نہیں۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: وأكل ونوم المعتكف وغريب إلخ . وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله: وأكل ونوم) وإذا أراد ذٰلك ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل ويذكر الله تعالىٰ بقدر ما نوىٰ، ويصلي، ثم يفعل ما شاء. فتاوى هندية. (رد المحتار، ص: ٦١٩، ج: ١) والله تعالىٰ اعلم.

۲۷/ ربیع الاول سنہ:۸۹ھ

(احسن الفتاوی، باب المساجد، سوال مثل بالا:۶/ ۴۴۸، ۴۴۹، ایچ ایم سعید)

فتاوی مفتی محمود کا فتوی

س: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسجد میں سونا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کن کن صورتوں میں سوسکتا ہے۔ مثلاً: مسافر یا غیر مسافر یا تندرست یا معتکف وغیرہ ہو۔

وفي الدر المختار: وأكل ونوم المعتكف وغريب إلخ . وفي رد المحتار: (قوله: وأكل ونوم) وإذا أراد ذٰلك؛ ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل ويذكر الله تعالىٰ بقدر ما نوىٰ، أويصلي، ثم يفعل ما شاء. (ص: ٤٨٩، ج: ١)

اس سے معلوم ہوا کہ بجز معتکف یا مسافر کے اوروں کو مسجد میں سونا مکروہ ہے۔ لیکن اگر کسی کو سخت ضرورت ہو تو یہ حیلہ کرے کہ مسجد میں تھوڑی دیر کے اعتکاف کی نیت کرے اور پھر اس میں داخل ہو اور تھوڑا اعبادت وذکر میں صرف کرے، پھر وہاں سورہے اور فجر کو اٹھ کر نماز پڑھے اور مسجد سے باہر آجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ ۲۳ رجب ۱۴۰۰ھ

(فتاوی مفتی محمود، کتاب المساجد، مسجد میں سونا، ۱/ ۴۶۱، جمعیۃ پبلیکشنز، لاہور)

فتاوی محمودیہ سے منتخب فتاوی

سوال: مسجد میں سونا عوام کو، یا خواص کو، چارپائی پر ہو، یا بلا چارپائی کے، بوڑھا ہو یا جوان ہو، درست ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب مع تشریح لکھا جائے۔ =

حدیث...

=الجواب حامداومصلیا:

معتکف کواور ایسے مسافر کوجس کا کہیں ٹھکانہ نہ ہو درست ہے، چار پائی پر ہو یا بلا چار پائی کے، جوان ہو یا بوڑھا ہو، اَوروں کو احتیاط چاہیے کہ مسجد کے اندر سونا مکروہ ہے۔

”ویکره النوم والأكل فيه، أي: المسجد لغير المعتكف، وإذا أراد أن يفعل ذلك، ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه ويذكر الله تعالىٰ بقدر ما نوى. ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح في المذهب، والأحسن أن يتورع، فلا ينام، اھ“. عالمگيري: ۳۲۱/۵.

بعض صحابہ سے بعض اوقات مسجد میں سونا ثابت ہے، جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق منقول ہے:

”إنه كان ينام وهو شاب أعزب لا أهل له في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم“.

ہمارے علماء نے اس کو ضرورت پر محمول کیا ہے، كذا في فيض الباري۔ فقط واللہ اعلم۔

نیز !الجواب حامداومصلیا:

مستقلاً مسجد کو مکان بنانا اور وہاں رہائش اختیار کرنا نہیں چاہیے، یہ مکروہ اور احترامِ مسجد کے خلاف ہے، لیکن اگر کسی پر نیند کا غلبہ ہو اور اس کی جماعت ترک ہوتی، یا نماز قضا ہو جاتی ہے اور مسجد میں سونے سے نماز باجماعت کی پابندی نصیب ہوتی ہے، یا تہجد کی توفیق ہوتی ہے، یا مسجد کی حفاظت مقصود ہے، یا کوئی اور دینی ضرورت ہے جو بغیر مسجد میں سوئے حاصل نہیں ہوتی تو اس کے لیے اجازت بھی ہے، بعض صحابہ بھی دینی ضرورت کے لیے مسجد میں سوتے تھے۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم

نیز !الجواب حامداومصلیا:

جب دوسری جگہ موجود ہے تو پھر مسجد میں سونا اور وہ بھی روزمرہ سونا مکروہ ہے، اس سے بچنا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم۔

نیز !الجواب حامداومصلیا:

مسجد نماز کی جگہ ہے، سونے اور آرام کرنے کی جگہ نہیں ہے، جو مسافر پردیسی ہو، یا کوئی معتکف ہو، اس کے لیے گنجائش ہے۔ جماعتیں عموماً پردیسی ہوتی ہیں، یا پھر مسجد میں رات کو رہ کر تسبیح ونوافل میں بیشتر مشغول رہتی ہیں، کچھ دیر آرام بھی کر لیتی ہیں، اس طرح اگر ان کے ساتھ مقامی آدمی بھی شب گزاری کریں تو بنیتِ اعتکاف کر لیا کریں۔ فقط واللہ اعلم

نیز !الجواب حامداومصلیا:

(مسجد میں چار پائی بچھا کر سونا) مسجد کے احترام کے خلاف اور دوسروں کے لیے موجبِ توحش ہے، آج کل مسجد میں چار پائی بچھانے کو مسجد کی بے ادبی تصور کیا جاتا ہے، ایسے مسائل میں عرف کا لحاظ چاہیے۔ فقط واللہ اعلم =

حدیثِ باب: دوسری حدیث

٤٣٠ : حدّثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ : حَدَّثنا عَبْدُ ٱلْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ (١): جَاءَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ بَيْتَ فَاطِمَةَ ، فَلَمْ يَجِدْ عَلِيًّا فِي ٱلْبَيْتِ ، فَقَالَ : (أَيْنَ ٱبْنُ عَمِّكِ) . قَالَتْ : كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ ، فَغَاضَبَنِي فَخَرَجَ ، فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِي ، فَقَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ لِإِنْسَانٍ : (ٱنْظُرْ أَيْنَ هُوَ) . فَجَاءَ فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، هُوَ فِي ٱلْمَسْجِدِ رَاقِدٌ ، فَجَاءَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ ، قَدْ سَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ شِقِّهِ ، وَأَصَابَهُ تُرَابٌ ، فَجَعَلَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ يَمْسَحُهُ عَنْهُ وَيَقُولُ : (قُمْ أَبَا تُرَابٍ ، قُمْ أَبَا تُرَابٍ) .

[٣٥٠٠ ، ٥٨٥١ ، ٥٩٢٤]

تراجم رجال

مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند میں کل چار راوی ہیں:

ا۔قتیبۃ بن سعید

یہ "ابورجاء قتیبہ بن سعید بن جمیل ثقفی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب: الایمان، باب: إفشاء السلام من الإسلام، *کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔*

= **نیز! الجواب حامداومصلیا:**

نفلی اعتکاف بغیر رمضان کے بھی ہوسکتا ہے اور ایسے معتکف کو بھی مسجد میں قیام کرنا درست ہے۔فقط واللہ اعلم

(فتاوی محمودیہ، کتاب الوقف، باب: آداب المسجد، مسجد میں سونے اور ٹھہرنے کا بیان: ۲۳۱/۱۵-۲۳۸، ادارہ الفاروق، کراچی)

(١)أخرجه البخاري أيضا، في فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب: مناقب علي بن أبي طالب، رقم الحديث: ٣٧٠٣، وفي الأدب، باب: التكنى بأبي تراب، رقم الحديث: ٦٢٠٤، وفي الاستئذان، باب: القائلة في المسجد، رقم الحديث: ٦٢٨٠.

وأخرجه مسلم في صحيحه، في فضائل الصحابة، باب: من فضائل علي بن أبى طالب رضي الله عنه، رقم الحديث: ٢٤٠٩.

وفي جامع الأصول، حرف الهمزه، الكتاب الثامن: في الأسماء والكنى، الفصل الثاني: فيمن سماه النبي صلى الله عليه وسلم ابتداء، رقم الحديث: ١٥٤، ٣٦٣/١.

(٢)كشف الباري: ١٨٩/٢

٢۔عبدالعزیز بن ابی حازم

یہ ''ابوتمام عبدالعزیز بن ابی حازم سلمہ بن دینار المدنی''ہیں، لبنی اشجع کے آزاد کردہ غلام ہیں،

یہ جن اساتذہ سے روایت حدیث کرتے ہیں، ان میں ''ان کے والد، زید بن اسلم، علاء بن عبدالرحمٰن، سہیل بن ابی صالح، یزید بن عبداللہ بن الھاد، ہشام بن عروہ، موسی بن عقبہ''وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں ''حمیدی، ابومصعب، علی بن حجر، عمرو الناقد، یعقوب الدورقی، یحی بن اکثم''، وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: كان إماما كبير الشأن.

فلاّس کہتے ہیں کہ میں نے ابن مہدی کو ان سے کوئی بھی حدیث روایت کرتے نہیں دیکھا۔

ابن ابی خیثمہ کا کہنا ہے کہ میں نے ابن معین کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابن ابی حازم اپنے باپ سے روایت کرنے میں ثقہ نہیں ہے، علامہ ذہبی رحمہ اللہ اس پر رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نہیں یہ تو اپنے باپ اوران کے علاوہ سے روایت کرنے میں حجت ہیں۔

ابن معین ان کے بارے میں کہتے ہیں: صدوق

ابوحاتم کا کہنا ہے کہ یہ دراوردی سے زیادہ فقیہ ہیں۔

ابن حنبل رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ طلب حدیث میں زیادہ معروف ومشہور نہیں تھے، البتہ یہ بات ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے بعد مدینہ منورہ میں ان سے بڑا کوئی فقیہ نہیں تھا۔

ان کی پیدائش ایک سوسات (١٠٧) ہجری میں ہوئی۔

اوروفات ایک سو چوراسی (١٨٤) ہجری میں جمعہ کے دن مسجد نبوی میں سجدہ کی حالت میں ہوئی (١)۔

٣۔ابی حازم

یہ ''ابوحازم سلمہ بن دینار الأعرج الزاھد المدنی''رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب: غسل المرأة أباها الدم عن وجهه، کے تحت

(١) الطبقات الكبرى لابن سعد: ٤٢٤/٥- الأعلام للزركلي: ١٨/٤- ميزان الاعتدال: ٦٢٦/٢- تاريخ اسلام للذهبي: ٩١٣/٤. سير أعلام النبلاء: ٣٦٣/٨- تهذيب التهذيب: ٣٣٤/٦.

گذر چکے ہیں(۱)۔

۳۔سہل بن سعد

یہ "ابوالعباس ابن سعد الساعدي الأنصاري الخزرجی" رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضو، باب: غسل المرأة أباها الدم عن وجهه، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

ترجمہ حدیث

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے تو گھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ پایا، تو دریافت فرمایا: تیرے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ ان بن ہو گئی، تو وہ مجھ پر غصہ ہو کر گھر سے باہر چلے گئے ہیں، اور میرے ہاں انہوں نے قیلولہ بھی نہیں کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے فرمایا: دیکھو، وہ کہاں ہیں؟ (کچھ دیر بعد) اس آدمی نے آکر خبر دی کہ یا رسول اللہ! وہ مسجد میں سو رہے ہیں، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد میں) تشریف لے آئے تو وہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) لیٹے ہوئے تھے، چادر ان کے پہلو سے سرک گئی تھی اور جسم پر مٹی لگ گئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بدن سے مٹی صاف فرما رہے تھے اور فرما رہے تھے: اٹھو ابوتراب، اٹھو ابوتراب۔

شرح حدیث

عن سهل بن سعد قال: جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم بيت فاطمة، فلم يجد عليا في البيت، فقال: "أين ابن عمك"؟

(۱) کشف الباری، کتاب الوضو، باب: غسل المرأة أباها الدم عن وجهه

(۲) کشف الباری، کتاب الوضو، باب: غسل المرأة أباها الدم عن وجهه

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے تو گھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ پایا، تو دریافت فرمایا: تیرے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟

قولہ: "أین ابن عمك؟"، اس جملے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کرنا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ حقیقت میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے تھے، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لائے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمالیا تھا کہ بیٹی اور داماد کے درمیان کچھ اَن بَن ہوگئی ہے، کچھ ناگواری والا معاملہ ہوگیا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماحول کو نرم کرنے کے لیے یہ نہیں دریافت فرمایا کہ اے فاطمہ! تیرا شوہر، تیرا خاوند کہاں ہے؟ یا ان کا نام لے کر دریافت نہیں فرمایا کہ اے فاطمہ! علی کہاں ہے؟ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرابت اور رشتہ داری کو یاد دلا کر سوال کیا جو ان دونوں کے درمیان نسلی اعتبار سے موجود تھی کہ اے فاطمہ! تیرے چچا کا بیٹا کہاں چلا گیا؟(۱)

قالت: كان بيني وبينه شيئ، فغاضبني فخرج،

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ ان بن ہوگئی، تو وہ مجھ پر غصہ ہو کر گھر سے باہر چلے گئے ہیں۔

---

(١)فتح الباري: ١/٦٩٣- عمدة القاري: ٤/ ٢٩٣، ٢٩٤

حضرت شیخ الحدیث صاحب نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں: مجازاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ابن عمك" کہا، یا یہ کہ اس کا مضاف محذوف ہے، اصل میں "أین ابن عم أبیك" ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دراصل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت ابوطالب کے لڑکے ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چچا کے لڑکے نہیں ہیں، چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے درمیان ہونے والی ناراضگی کا اندازہ ہوگیا تھا؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہِ استعطاف یہ تعبیر اختیار فرمائی اور ان دونوں کی نسبی قرابت کو ذکر کیا۔ (سراج القاری:۳/۳۴)

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس تعبیر میں اشارہ ہے کہ (تم دونوں کے درمیان) میاں بیوی ہونے کے علاوہ اور بھی رشتہ داری ہے، لہٰذا ائتلاف ومحبت سے رہنا چاہیے''۔ (فضل الباری:۳/۱۵۳)

ناگواری جانبین سے پیش آئی

قولہ:''فغاضبني''، یہ باب مفاعلہ سے ہے، جس کا خاصہ اشتراک کے معنی کو بیان کرنا ہے، چنانچہ مطلب یہ بنے گا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے ابا جان! میرے اور ان کے درمیان تو تو میں میں ہوگئی، وہ مجھ پر غصے ہوئے اور میں ان پر غصہ ہوئی، تو اس تلخ کلامی کی وجہ سے وہ مجھے سے ناراض ہوکر گھر سے نکل گئے ہیں(۱)۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاف بیانی

سبحان اللہ! جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کیا سچائی، صاف گوئی اور عدل بیانی سامنے آئی کہ عام طور پر ایسے مواقع پر عورتوں کا مزاج یہ سامنے آتا ہے کہ اپنا قصور سامنے نہیں آتا اور مدمقابل یعنی: اپنے شوہر کا ہی سارا قصور بیان کرجاتی ہیں، کہ اس نے یہ کیا، اس نے یہ کیا وغیرہ وغیرہ، لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس ناگواری کے آنے کے باوجود صرف یہ نہیں فرمایا کہ وہ مجھ پر غصے ہوئے، ناراض ہوئے، ڈانٹا ڈپٹا اور اوپر سے ناراض ہوکے بھی چلے گئے، بلکہ صاف عرض کردیا کہ اے ابا جان! وہ بھی غصہ ہوئے، میں بھی غصہ ہوئی، سبحان اللہ۔

برتن تو کھڑکتے ہی ہیں

اور یہ کوئی ایسی بات بھی نہیں ہے کہ خاندان میں، میاں وبیوی میں کبھی آپس میں کوئی تلخ کلامی، یا ہلکی پھلکی بھی چپقلش وغیرہ نہ ہو، انسان ہیں، فطرت اور مزاج مختلف ہوتے ہیں، اور پھر کبھی خارجی حالات کا بھی ان معاملات میں بڑا دخل ہوتا ہے، تو ایسے امور پیش آجانا کوئی بڑی بات نہیں ہے، جہاں ایک جگہ برتن پڑے ہوتے ہیں، وہ آپس ٹکراتے بھی ہیں، شور بھی پیدا ہوتا رہتا ہے۔

لیکن دیکھنے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ایسے حالات میں بھی عدل کا معاملہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے، اور اس ناگواری کو سر پر ہی نہ سوار کرلیا جائے، بلکہ غصہ ٹھنڈا ہو جانے کے بعد صلح بھی کرلینی چاہیے، اور بڑوں کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ طرفین میں محبت وشفقت، حکمت وبصیرت کے ساتھ صلح کروادیں، جیسا کہ

---

(۱) عمدة القاري: ٤/ ٢٩٤

یہاں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کانمونہ ہمارے سامنے آیا۔

فلم يَقِل عندي،

اور میرے ہاں انہوں نے قیلولہ بھی نہیں کیا ہے۔

قولہ:''فلم يَقِل ''، یہ باب ضرب یضرب (قال يَقِيل) سے نفی جحد بلم کا صیغہ ہے، جس کے معنی ہیں: ''قیلولہ کرنا، یعنی: دو پہر کے وقت لیٹنا''(۱)۔

جب کہ اصیلی اور ابن عساکر کی روایت کے مطابق یہ صیغہ یاء کے ضمہ اور قاف کی کسرہ کے ساتھ ہے(۲)۔

قیلولہ کا حکم

دو پہر میں کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر آرام کرنے کو قیلولہ کہتے ہیں۔ اس کے لئے نیند آنا ضروری نہیں، صرف استراحت (آرام کرنے) پر بھی قیلولہ کا اطلاق ہوتا ہے(۳)۔

لیکن اگر کسی کا ارادہ سونے کا بھی ہو تو سوتے وقت کی دعا وغیرہ پڑھ کر اور باوضو ہو کر سونا چاہیے، یعنی: رات کو سوتے وقت کی جو سنتیں ہیں، وہ رات کے سونے کے ساتھ خاص نہیں ہیں، بلکہ اُن سنتوں کا تعلق صرف سونے سے ہے، دن کا سونا ہو یا رات کا، چنانچہ! دن میں سوتے وقت بھی ان کا اہتمام کرنا چاہیے۔

قیلولہ کرنا سنت عمل ہے، اس سے رات کی عبادت میں مدد ملتی ہے(۴)۔ ایک حدیث میں ہے کہ

---

(۱)شرح الكرماني: ٤/١٠١- فتح الباري: ١/٦٩٣- عمدة القاري: ٤/٢٩٤- إرشاد الساري: ١/٤٣٧

(٢)إرشاد الساري: ١/٤٣٧

(٣) قال الأزهري: القيلولة والمقيلُ عند العرب الاستراحة نصف النهار، وإن لم يكن مع ذٰلك نوم؛ بدليل قوله: ﴿وَأَحۡسَنُ مَقِيۡلاً﴾ [الفرقان: ٢٤] والجنةُ لا نوم فيها. (مرقاة المفاتيح، كتاب الجمعة، باب: الخطبة والصلاة، رقم الحديث: ١٤٠٢، ٣/١٠٤٠)

(٤) عن ابن عباس رضى الله عنهما عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "استعينوا بطعام السحر على صيام النهار والقيلولة على قيام الليل". (سنن ابن ماجة، كتاب الصيام، باب: ما جاء في السحور، رقم الحديث: ١٦٩٣)

عمل السلف والخلف على أن القيلولة مطلوبة لإعانتها على قيام الليل، قال حجة الإسلام: وإنما تطلب القيلولة لم يقوم الليل ويسهر في الخير، فإن فيها معونة على التهجد كما أن في السحور معونة على صيام النهار، فالقيلولة من غير قيام الليل كالسحور من غير صيام النهار. (فيض القدير، حرف القاف، رقم الحديث: ٦١٦٨، ٤/٥٣١)

قیلولہ کیا کرو؛ اس لئے کہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا(۱)۔

فـقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لإنسان: "انظر أين هو"، فجاء فقال: يا رسول الله! هو في المسجد راقد،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے فرمایا: دیکھو، وہ کہاں ہیں؟ (کچھ دیر بعد) اس آدمی نے آکر خبر دی کہ یا رسول اللہ! وہ مسجد میں سو رہے ہیں،

قوله: "لإنسان"، طبرانی کی روایت میں ہے: "فأمر إنسانا معه"(۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بظاہر اس انسان سے مراد حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ہی ہوں گے، کیونکہ روایت میں اس وقت کسی اور شخص کی موجودگی کا ذکر نہیں ہے(۳)۔

---

(١) عـن أنـس بن مالك رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم: قيـلوا؛ فإن الشيطان لا يقيل. (المعجم الأوسط، من اسمه أحمد، رقم الحديث: ٢٨، ١٣/١)

عـن مـجاهد قال: بلغ عمر أن عاملاً له لم يقِل، فكتب إليه عمرُ رضي الله عنه: قِل؛ فإني حُدِّثتُ أن الشيطان لا يقيل.

قال مجاهد: إن الشياطين لا يقيلون.

(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الأدب، باب: ما ذكر في القائلة نصف النهار، رقم الحديث: ٢٦٦٧٦، ٣٣٩/٥)

(٢) حـدثنا الحسين بن إسحاق التستري، ثنا يحيى الحماني، ثنا سليمان بن بلال، عن أبي حازم، عـن سهـل بـن سعد قال: سمعته يقول: إن كانت لأحب أسماء علي رضي الله عنه إليه : أبو تراب، وإن كان ليـفـرح أن يـدعـوه بها، وما سماه أبا تراب إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم، غاضب يوما فاطمة رضي الله عـنهـا، فـخرج فاضطجع إلى الجدار، فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم يطلبه، فلم يجده في البيت، فقال لفاطمة: أيـن ابـن عـمك؟، قالت: خرج آنفا مغضبا، فأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم إنسانا معه يطلبه، فـقـال: مـضـطجع في الجدار، وقد زال رداؤه عن ظهره، وامتلأ ترابا، فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يـمسـح التـراب عـن ظهـره، ويقول: اجلس يا أبا تراب. (المعجم الكبير للطبراني، سليمان بن بلال عن أبي حازم، رقم الحديث: ٥٨٠٨، ١٤٩/٦)

(٣)فتح الباري: ٦٩٣/١

قولہ:"راقد في المسجد"، اس روایت میں مسجد میں سونے کا ذکر ہے، جب کہ ابھی المعجم الکبیر للطبرانی کی روایت میں گذرا کہ وہ دیوار میں، یعنی: دیوار کے سائے میں لیٹے ہوئے تھے(۱)، دونوں میں تطبیق ممکن ہے کہ مسجد کی دیوار کے سائے میں لیٹے ہوئے تھے۔

فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو مضطجع، قد سقط رداؤه عن شقه، وأصابه تراب،

تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد میں) تشریف لے آئے تو وہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) لیٹے ہوئے تھے، چادران کے پہلو سے سرک گئی تھی اور جسم پر مٹی لگ گئی تھی،

قولہ:"وهو مضطجع"، یہ جملہ اسمیہ ہے، جو حال واقع ہوگا "جاء" کے فاعل "رسول الله" سے، یعنی: جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے پہلو کے بل لیٹ کر سوتے ہوئے پایا۔ تقدیری عبارت یہ ہوگی:"فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى المسجد، ورآه وهو مضطجع"(٢).

قولہ:"قد سقط رداؤه"، یہ جملہ بھی حالیہ ہے(۳)۔

قولہ:"عن شقه"، سے مراد "عن جانبه" ہے(۴)۔

فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسحه عنه ويقول: "قم أبا تراب، قم أبا تراب".

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بدن سے مٹی صاف فرما رہے تھے اور فرما رہے تھے: اٹھو ابو تراب، اٹھو ابو تراب۔

---

(١) المعجم الكبير للطبراني، سليمان بن بلال عن أبي حازم، رقم الحديث: ٥٨٠٨، ١٤٩/٦.

(٢) عمدة القاري: ٤/ ٢٩٤

(٣) أيضا

(٤) عمدة القاري: ٤/ ٢٩٤

قولہ:"أبا تراب"،اس سے قبل حرف نداء محذوف ہے،اصل تھا: "قم؛ يا أبا تراب"(۱).

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ''ابوتراب'' کی وجہ تسمیہ

یہ پہلا موقع تھا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو''ابوتراب'' کہہ کر مخاطب کیا، یہ شفقت کی بنا پر تھا،اس سے مراد مٹی کا باپ نہیں ہے، بلکہ اے مٹی والے! مراد ہے، کیونکہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پہلو پر کچے فرش کی مٹی لگی ہوئی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کنیت بہت پسند تھی، کیونکہ یہ ان کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے لیے انتخاب تھا،حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے اسے بیان کیا ہے،جیسا کہ طبرانی کی روایت میں:"عن سهل بن سعد قال: سمعته يقول: إن كانت لأحب أسماء علي رضي الله عنه إليه : أبو تراب، وإن كان ليفرح أن يدعوه بها''،موجود ہے(۲)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت حدیث کے جملے "وهو راقد في المسجد" میں ہے(۳)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس باب کی پہلی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مسجد میں سونے والی ایسے شخص کے مسجد میں سونے پر دلالت کرتی ہے جس کے اہل وعیال نہ ہوں، وہ غیر شادی شدہ ہو۔ اور یہ حدیث جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مسجد میں لیٹنے کا ذکر ہے، اس میں تعمیم ہے، کیونکہ یہ شادی شدہ تھے، اہل وعیال والے تھے۔تو دونوں قسم کے افراد کا مسجد میں سونا ثابت ہوا۔ ویسے دونوں حدیثوں میں کچھ فرق کرنا بھی ممکن ہے، وہ اس طرح کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا لیٹنا باقاعدہ سونا تھا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لیٹنا سونا نہیں تھا، بلکہ محض قیلولہ تھا، جس کو نیند لازم نہیں، ہو تب بھی اور نہ ہو تب بھی، ہر دو صورت قیلولہ ہی کہلائے گا(۴)۔

---

(١)شرح الكرماني: ٤/١٠١۔ عمدة القاري: ٤/ ٢٩٤

(٢)المعجم الكبير للطبراني، سليمان بن بلال عن أبي حازم، رقم الحديث: ٥٨٠٨، ١٤٩/٦.

(٣)عمدة القاري: ٤/ ٢٩٣

(٤)فتح الباري: ١/ ٢٩٣، ٢٩٤

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور وآداب

مذکورہ حدیث مبارکہ سے جو امور وآداب وغیرہ مستنبط ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ مسجد میں قیلولہ کی غرض سے لیٹنے کا جواز بھی معلوم ہوا(۱)۔

۲۔ جو شخص غصے میں ہو، اس سے ایسی بات چیت کرنا جس سے وہ مزید غصے میں نہ آئے، بلکہ اس گفتگو سے انس حاصل کرے، جائز ہے(۲)۔

۳۔ اولاد کے علاوہ کسی اور نام کی طرف نسبت کر کے کنیت رکھنا بھی جائز ہے(۳)۔

۴۔ کسی شخص کو ایسی کنیت سے پکارنا جس سے وہ ناراض نہ ہوتا ہو، درست ہے(۴)۔

۵۔ والد اپنی بیٹی کے گھر میں اس کے خاوند کی اجازت کے بغیر بھی آ جا سکتا ہے، بشرطیکہ یہ علم ہو کہ داماد اس آمد و رفت پر راضی ہوگا(۵)۔

۶۔ سسر کا اپنے داماد کی خاطر مدارت کرنا اور اس کی دلداری کے لیے ایسا کلام کرنا، جس سے اس کا غصہ ٹھنڈا ہو، بہتر ہے(۶)۔

۷۔ غیر مسافر اور غیر فقیر کے لیے بھی مسجد میں سونے کا جواز معلوم ہوا(۷)۔

۸۔ قرابت داری کے الفاظ کو گفتگو میں لا کر کسی کو مانوس کرنے کا بھی علم ہوا(۸)۔

۹۔ اس حدیث مبارکہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور منقبت کا بھی اچھا ظہور ہوتا ہے(۹)۔

---

(۱)التوضيح لابن الملقن: ٥١٧/٥۔ فتح الباري: ٦٩٤/١۔ عمدة القاري: ٢٩٣/٤

(٢)فتح الباري: ٦٩٤/١۔ عمدة القاري: ٢٩٣/٤

(٣)شرح الكرماني: ١٠١/٤۔ التوضيح لابن الملقن: ٥١٧/٥۔ فتح الباري: ٦٩٤/١۔ عمدة القاري: ٢٩٣/٤

(٤)شرح الكرماني: ١٠١/٤۔ التوضيح لابن الملقن: ٥١٧/٥۔ فتح الباري: ٦٩٤/١۔

(٥)شرح الكرماني: ١٠١/٤۔ فتح الباري: ٦٩٤/١۔ عمدة القاري: ٢٩٣/٤

(٦)شرح الكرماني: ١٠١/٤۔ التوضيح لابن الملقن: ٥١٧/٥۔ فتح الباري: ٦٩٤/١۔ عمدة القاري: ٢٩٣/٤

(٧)شرح الكرماني: ١٠١/٤۔ التوضيح لابن الملقن: ٥١٧/٥۔ عمدة القاري: ٢٩٣/٤

(٨)عمدة القاري: ٢٩٣/٤

(٩)التوضيح لابن الملقن: ٥١٩/٥۔ عمدة القاري: ٢٩٣/٤

۱۰۔جس شخص کا ستر لباس میں چھپا ہوا ہو، وہ لباس پہننے والا ہی ہے، اگر چہ ستر کے علاوہ کے بعض اعضاء سے کپڑا ہٹا ہوا بھی ہو(۱)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

حدیث باب: تیسری حدیث

۴۳۱ : حدّثنا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى قَالَ : حَدَّثَنا ٱبْنُ فُضَيْلٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ :(۲) رَأَيْتُ سَبْعِينَ مِنْ أَصْحَابِ ٱلصُّفَّةِ ، مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ عَلَيْهِ رِدَاءٌ ، إِمَّا إِزَارٌ وَإِمَّا كِسَاءٌ ، قَدْ رَبَطُوا فِي أَعْنَاقِهِمْ ، فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ نِصْفَ ٱلسَّاقَيْنِ ، وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ ٱلْكَعْبَيْنِ ، فَيَجْمَعُهُ بِيَدِهِ ، كَرَاهِيَةَ أَنْ تُرَى عَوْرَتُهُ .

تراجم رجال

اس حدیث مبارکہ کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

۱۔یوسف بن عیسی

یہ ''یوسف بن عیسیٰ'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الغسل، باب: من توضأ في الجناية ثم غسل سائر جسده ولم يعد غسل مواضع الوضوء مرة أخرىٰ، کے تحت گذر چکے ہیں(۳)۔

۲۔ابن فضیل

یہ ''ابوعبدالرحمٰن محمد بن فضیل بن غزوان کوفی'' رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: صوم رمضان احتسابا من الإيمان، کے

(۱)شرح الكرماني: ۴/ ۱۰۱۔ التوضيح لابن الملقن: ۵/ ۵۱۹.

(۲)هٰذه الحديث من افراد البخاري، وفي جامع الأصول، حرف الزاي، الكتاب الثاني: في الزهد والفقر، الفصل الثاني: فيما كان النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه عليه من الفقر، رقم الحديث: ۲۸۱۳، ۴/ ۷۰۱.

(۳) كشف البارى، كتاب الغسل، باب: من توضأ في الجناية ثم غسل سائر جسده ولم يعد غسل مواضع الوضوء مرة أخرىٰ

تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۳۔أبیه، (فضیل بن غزوان)

یہ "ابومحمد فضیل بن غزوان بن جریر الضبی الکوفی" رحمہ اللہ ہیں۔ یہ ابوالفضل الکوفی کے والد ہیں۔

یہ جن مشائخ واساتذہ سے روایت حدیث کرتے ہیں ان میں ابوحازم الاشجعی، ابوزرعی البجلی، عکرمہ، سالم بن عبداللہ بن عمر، زبید الیامی، طلحہ بن عبیداللہ بن کریز، عاصم بن بہدلہ، عبداللہ بن واقد بن عبداللہ بن عمر، عبدالرحمٰن بن ابی نُعم البجلی، وغیرہم رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹے محمد بن فضیل، جریر بن عبدالحمید، عبداللہ بن مبارک، اسحاق الازرق، ابن نمیر، یحیی بن سعید القطان، حفص بن غیاث، ابواسامہ حماد بن اسامہ، سعید بن محمد الوراق، سفیان ثوری، سیف بن عمر التمیمی، عبداللہ بن داوٗد الخریبی، عبدالرحمٰن بن محمد المحاربی، عیسی بن یونس، مروان بن معاویہ الفراری وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔

یحیی بن معین ان کے بارے میں کہتے ہیں: ثقة.

ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔

ان کی وفات ایک سو چالیس ہجری سے ایک سو پچاس ہجری کے درمیان کسی سال میں ہوئی (۲)۔

۴۔ابی حازم

یہ ابوحازم سلمان الاشجعی الکوفی عزۃ الاشجعیہ" رحمہ اللہ ہیں۔

واضح رہے کہ اس سند میں جو"ابوحازم" ہیں، ان سے مراد"ابوحازم سلمان الاشجعی" رحمہ اللہ ہیں، نہ کہ "ابوحازم سلمۃ بن دینار" رحمہ اللہ۔ اس کی تصریح علامہ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ وغیرہ نے کی ہے(۳)۔

---

(۱) كشف الباری: ۳۱۸/۲

(۲) تهذيب الكمال: ۳۰۱/۲۳۔ سير أعلام النبلاء: ۲۰۳/٦۔ التاريخ الكبير لإمام البخاري: ۱۲۲/۷۔ الجرح والتعديل: ۷٤/۷۔ تهذيب التهذيب: ۲۹۷/۷، تاريخ الإسلام: ۹۵۱/۳۔ الثقات لابن حبان: ۳۱٦/۷۔

(۳) فتح الباري: ٦۹٤/۱۔ عمدة القاري: ۲۹٤/٤

فائدہ: ابوحازم کنیت کے ایک اور راوی ''سلمۃ بن دینار الأعرج'' رحمہ اللہ ہیں، ان دونوں راویوں میں اشتباہ ہوجاتا ہے، کیونکہ کنیتوں میں اشتراک ہے، دونوں تابعی ہیں، دونوں صحابہ کرام سے روایت کرتے ہیں اور دونوں ہی ثقہ ہیں۔

البتہ ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ ابوحازم سلمان الاشجعی کا انتقال پہلی صدی کے اختتام پر، یعنی: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دورِ خلافت میں ہوا، جب کہ ابوحازم سلمۃ بن دینار کا انتقال ۱۳۵ھ میں ہوا۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ ''ابوحازم سلمان الاشجعی'' کی روایتیں صحیحین میں صرف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہیں، جب کہ ''ابوحازم سلمۃ بن دینار'' نے سوائے ''حضرت سہل بن سعد'' رضی اللہ عنہ کے کسی اور صحابی سے روایت نہیں لی۔ واللہ اعلم (۱)

ان دونوں حضرات کی پہچان کا ایک طریقہ یہ بھی بن گیا کہ جس سند میں ابوحازم کے شیخ؛ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہوں تو اُن ابوحازم سے مراد ''سلمان الاشجعی'' ہیں۔ اور اگر ان کے شیخ؛ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ہوں تو اُن ابوحازم سے مراد سلمہ بن دینار اعرج کوفی ہیں (۲)۔

تفصیل کشف الباری، کتاب العلم، باب: هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم، کے تحت ملاحظہ کیجیے (۳)۔

۵۔ ابی ہریرہ

یہ مشہور صحابی رسول حضرت ''ابوہریرہ'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: أمور الإيمان، کے تحت گذر چکے ہیں (۴)۔

ترجمہ حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اصحابِ صفہ میں سے ستر لوگوں

(۱) عمدة القاری: ۱۳۵/۲

(۲) إرشاد الساري: ۴۳۸/۱

(۳) کشف الباری: ۱۰۱/۴

(۴) کشف الباری: ۶۵۹/۱

کواس حال میں دیکھا ہے ان میں سے کسی کے پاس (اوپر اوڑھنے کے لیے) چادر نہ تھی، یا ان کے پاس صرف لنگی تھی، یا (بدن ڈھانپنے کے لئے) ایک کمبلی، جس کو انہوں نے گردن سے (نیچے تک) باندھا ہوا ہوتا، اور یہ ان میں سے کسی کے ٹخنوں تک پہنچ جاتی، اور کسی کی پنڈلیوں تک ہی پہنچتی (رکوع سجدہ کے وقت) اس کو ہاتھ سے سنبھالے رہتے کہ کہیں ان کی شرمگاہ نہ کھل جائے۔

شرح حدیث

عن أبی هريرة، قال: لقد رأيت سبعين من أصحاب الصفة

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اصحابِ صفہ میں سے ستر لوگوں کو دیکھا ہے۔

قولہ:"لقد رأيت"، صحیح البخاری کی دیگر نسخوں میں "لقد" کے بغیر صرف "رأيت" کا لفظ ہے(۱)۔

قولہ:"سبعين من أصحاب الصفة"، یہ ستر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان ستر اصحاب کے علاوہ ہیں جن کو دھوکے سے بئیر معونہ کے مقام پر شہید کر دیا گیا تھا، کیونکہ وہ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے قبل ہی شہید کر دیئے گئے تھے(۲)۔

اصحاب صفہ کی تعداد

اصحاب صفہ کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ علم سیکھنے کے لیے آتے تھے اور صفہ میں قیام فرماتے تھے، پھر چلے جاتے تھے، جس کی وجہ سے ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، بسا اوقات تو ان کی تعداد دو سو تک پہنچ جاتی تھی، اور عام طور سے ستر کی تعداد رہتی تھی۔

مدارس اور خانقاہوں کی اصل

یہی ''صفہ'' مدرسہ والوں اور خانقاہ والوں کی اصل ہے، مدارس کی اصل تو اس وجہ سے ہے کہ لوگ علم سیکھنے کے لیے آتے تھے۔ اور خانقاہوں کی اصل اس وجہ سے ہے کہ ان حضرات صحابہ کرام کا اصل مقصد آپ صلی

---

(۱) إرشاد الساري: ۱/ ٤٣٨

(۲) عمدة القاري: ٤/ ٢٩٤۔ إرشاد الساري: ۱/ ٤٣٨

اللہ علیہ وسلم سے روحانی فیض حاصل کرنا تھا۔ اور یہ اشکال یہاں نہیں ہوتا کہ بعض علماء نے مدارس کو بدعت حسنہ شمار کیا ہے، اس لیے کہ مدارس کی خاص ہیئت ''مدرسین کا ہونا''، ''ملازمین کا ہونا''، اوقات کی پابندی'' وغیرہ یہ سب کچھ وہاں نہیں تھا، تو گویا ہیئت خاصہ حادث ہے۔ اور اصل تعلیم و متعلمین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہیں، اسی طرح خانقاہوں کا حال ہے کہ یہ ہیئت خاصہ نہیں تھی(۱)۔

ما منهم رجل عليه رداء

کہ ان میں سے کسی کے پاس (اوپر اوڑھنے کے لیے) چادر نہ تھی۔

قولہ: "رِداء"، را کی کسرہ کے ساتھ، وہ چادر جس سے بدن کے اوپر والے حصے کو چھپایا جاتا ہے(۲)۔

إما إزار وإما كساء، قد ربطوا في أعناقهم

یا ان کے پاس صرف لنگی تھی، یا (بدن ڈھانپنے کے لئے) ایک کمبلی، جس کو انہوں نے گردن سے (نیچے تک) باندھا ہوا ہوتا۔

قولہ: "إما إزار"، مطلب یہ ہے کہ صرف ازار یعنی: تہبند ہوتا تھا، اوپر کے لیے چادر وغیرہ نہیں(۳)۔

قولہ: "إما كِساء"، مطلب یہ کہ صرف چادر یا کمبل وغیرہ ہوتا تھا، ازار وغیرہ نہیں(۴)۔

قولہ: "قد ربطوا"، اس فعل کا مفعول ضمیرِ محذوف ہے، جو کہ "الكساء" کی طرف لوٹے گی، اس فعل کو جمع اس وجہ سے لائے کہ "الرجل" جنس ہے، جو واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتی ہے، لہٰذا جمع کا اعتبار

---

(۱)الكنز المتواري: ٤/ ١٥٦، سراج القاري: ٣٥/٣

(۲)فتح الباري: ٦٩٤/١ـ عمدة القاري: ٢٩٤/٤ـ إرشاد الساري: ٤٣٨/١

علامہ سید فخر الدین احمد صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: ایک ترجمہ تو یہ ہے کہ جسم کے بالائی حصہ کے ستر کے لیے کوئی مستقل کپڑا نہ ہوتا تھا، بلکہ ایک کملی ہوتی تھی، جسے وہ گردن میں گرہ باندھ کر پورے جسم کے ستر کے لیے استعمال کرتے تھے، اور ایک ترجمہ شیخ الاسلام دہلوی رحمہ اللہ نے: ''نبود از ایشاں مردے کہ بروے چادرے باشد بالائے ازار''، (شیخ الاسلام، ج:۱، ص:۴۱۱) ''اُن میں ایک مرد بھی ایسا نہیں تھا کہ اس کے پاس ازار کے ساتھ اوپر کے لیے چادر ہو''۔ یہ ترجمہ زیادہ صاف ہے کہ کسی کے پاس بھی جسم کے دونوں حصوں کے لیے الگ الگ لباس نہیں تھا۔ (ایضاح البخاری: ۱۹۴/۳)

(۳)فتح الباري: ٦٩٤/١ـ عمدة القاري: ٢٩٥/٤ـ إرشاد الساري: ٤٣٨/١

(٤)فتح الباري: ٦٩٤/١ـ عمدة القاري: ٢٩٥/٤ـ إرشاد الساري: ٤٣٨/١

کرتے ہوئے کہا: قد ربطوا الأکسیة(۱).

فمنها ما يبلغ نصف الساقين، ومنها ما يبلغ الكعبين، فيجمعه بيده، كراهية أن ترى عورته.

اور یہ ان میں سے کسی کے ٹخنوں تک پہنچ جاتی، اور کسی کی پنڈلیوں تک ہی پہنچتی (رکوع سجدہ کے وقت) اس کو ہاتھ سے سنبھالے رہتے کہ کہیں ان کی شرمگاہ نہ کھل جائے۔

قولہ:"فمنها"، میں هاء ضمیر کا مرجع "الأکسیة" ہے، جمع اس اعتبار سے کہ "الکساء" خود اسم جنس ہے، جس کا اطلاق واحد وجمع ہر دو پر ہوتا ہے(۲)۔

قولہ: "فیجمعه"، أي: الواحد منهم، یعني: ان فقراء اصحاب میں سے جن کی حالت مذکورہ بالا ہوتی تھی، اپنے ہاتھوں سے اس چادر کو سمیٹ رہا ہوتا تھا(۳)۔

قولہ:"بیده"، اس مقام پر أصیلي کے نسخے میں کچھ زیادتی ہے، اور وہ ہے: "حال کونهم في الصلاة" یعني: ان کے اس طرح اپنے ہاتھوں سے اپنی چادر کو سمیٹنا اس لیے ہوتا تھا کہ کہیں چادر کھلنے کی وجہ سے کشف عورت ہی نہ ہو جائے(۴)۔

حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

مذکورہ حدیث مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مطابقت حدیث کے لفظ ''اصحاب صفہ'' سے ہے، وہ اس طرح کہ جب ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رہن سہن، گذر بسر تھا ہی صفہ میں، جو کہ مسجد شرعی کا حصہ تھا، تو یقیناً ان کا رات کا قیام بھی وہیں ہوتا تھا، اور یہی بات ترجمۃ الباب کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس باب میں مذکور دونوں تعلیقات اور تینوں احادیث سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مردوں کا مسجد میں سونا جائز ہے، لیکن یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اس باب سے مقصود امام بخاری رحمہ اللہ کا ترغیب دینا نہیں ہے کہ مسجد میں سویا جائے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ سونے کی یہ اجازت محض ضرورت کے وقت کی ہے، کیونکہ مساجد کا مقصدِ اصلی عبادت ہے۔

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

---

(۱)فتح الباري: ۱/۶۹٤۔ عمدة القاري: ٤/۲۹٥۔ إرشاد الساري: ۱/٤۳۸

(۲)فتح الباري: ۱/۶۹٤۔ عمدة القاري: ٤/۲۹٥۔ إرشاد الساري: ۱/٤۳۸

(۳)فتح الباري: ۱/۶۹٤۔ عمدة القاري: ٤/۲۹٥۔ إرشاد الساري: ۱/٤۳۸

(٤)فتح الباري: ۱/۶۹٤۔ عمدة القاري: ٤/۲۹٥۔ إرشاد الساري: ۱/٤۳۸

٢٦ – باب : اَلصَّلَاةِ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ .

یہ باب سفر سے واپسی پر نماز پڑھنے کے بیان میں ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب سے مقصود اس امر کا بیان ہے کہ واضح ہے کہ جب سفر سے واپس آئیں تو مستحب یہ ہے کہ گھر جانے سے قبل مسجد میں جا کر دو رکعت نفل بطورِ شکرانہ ادا کریں، اس کے بعد گھر جائیں۔ اسی استحباب کو بیان کرنے کی غرض سے یہ باب قائم کیا گیا ہے، اس موقع پر ادا کی جانے والی نماز کو تحية القدوم من السفر کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ابواب جو چل رہے ہیں، یہ اکثر مسجد سے ہی متعلق ہیں، لہٰذا ابواب کی آپس میں مناسبت ایک ہی ہے یعنی: مسجد سے تعلق کی، لہٰذا ان مناسبات کی تلاش کے زیادہ درپے ہونے کی ضرورت نہیں ہے(۱)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ تحية القدوم من السفر کہلاتا ہے، یہ ائمہ کے یہاں ہے کہ جب سفر سے واپس آئے تو اول مسجد میں جا کر دو رکعت نماز تحیۃ السفر پڑھے تاکہ ابتداء مقامِ متبرک سے تلبس ہو اور برکت حاصل ہو اور اس لیے بھی لوگ عام طور سے مساجد میں جمع ہوتے ہیں تو ان سے ملاقات بھی ہو جاتی ہے(۲)۔

---

(١)أي: هذا باب في بيان الصلاة إذا قدم الرجل من سفر، وغالب الأبواب في هذا الموضع فيما يتعلق بالمساجد فلا يحتاج إلى زيادة طلب وجوه المناسبات، فيها. (عمدة القاري: ٤/٢٩٥)

(٢)تقرير بخاری شریف: ٢/١٦٤، ١٦٥

تقریر بخاری شریف کے حاشیہ میں ''تقریر مولوی احسان'' کے حوالے سے یہ تفصیل موجود ہے: ''آداب سفر میں سے یوں ہے کہ جب واپس آئے تو پہلے مسجد جا کر تحیۃ المسجد پڑھے اور کچھ دیر وہاں بیٹھے تاکہ احباب وغیرہ کو ملنے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ صرف نماز پڑھنا تو ہر ایک کے لیے مندوب ہے، اور نماز کے بعد بیٹھنا صرف ان کے لیے ہے جن کے دوست احباب زیادہ ہوں، اس باب کی حدیث میں قدوم من السفر کا ذکر نہیں ہے، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کے اصول میں سے استدلال بالعموم بھی ہے، اور یہی حدیث آگے آئے گی، جس میں سفر کا ذکر ہے۔ (حاشیہ تقریر بخاری شریف:۲/۱۶۵)

تعلیق

وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مالِكٍ : كَانَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ ، بَدَأَ بِالمَسْجِدِ فَصَلَّى فِيهِ .
[ر : ٤١٥٦]

تعلیق کی تخریج

یہ تعلیق سند کے ساتھ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح البخاری میں ہی غزوہ تبوک کے بیان میں ذکر کی ہے، جس میں حضرت کعب بن مالک اوران کے دواور ساتھی رضی اللہ عنہم کے غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کا قصہ بیان کیا گیا ہے، اسی میں جہاں حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اپنی توبہ کا تفصیلی قصہ نقل کیا وہاں ہی انہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد تشریف لے جاتے وہاں دو رکعت نماز ادا کرتے ، کچھ دیر ٹھہرتے ،آنے جانے والوں سے ملاقات کرتے اوراس کے بعد اپنے گھر تشریف لے جاتے (۱)۔

تعلیق کا ترجمہ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد تشریف لے جاتے اور
وہاں (دو رکعت) نماز ادا فرماتے۔

تعلیق کے راوی

اس تعلیق میں ایک ہی راوی ہے:

---

(١)هذا التعليق ذكره البخاري مسندا في غزوة تبوك، وهو حديث طويل؛ يرويه عن يحيى بن بكير عن الليث عن عقيل عن ابن شهاب عن عبد الرحمن بن عبد ابن كعب بن مالك: أن عبد الله ابن كعب بن مالك، وكان قائد كعب من بنيه حين عمى، قال: سمعت كعب بن مالك يحدثني تخلف عن غزوة تبوك ... الحديث بطوله، يأتي إن شاء الله تعالى، وفيه: "وأصبح رسول الله قادما، وكان إذا قدم من سفر بدأ بالمسجد فركع فيه ركعتين ثم جلس للناس". الحديث.(عمدة القاري: ٤/٢٩٥)

کعب بن مالک

یہ صحابی رسول ہیں، ان کا پورا نام ''عمرو بن اُلْقَین بن کعب بن سواد بن غنم بن کعب ابن سلمہ الانصاری الخزرجی العقبی الاحدی'' ہے۔

ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں

ان کے اپنے بیٹے، عبداللہ، عبدالرحمٰن، عبیداللہ، محمد، بنوکعب، جابر، ابن عباس، ابوامامہ، عمر بن الحکم، عمر بن کثیر بن افلح، اوران کے پوتے عبدالرحمٰن بن عبداللہ، وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ان کی کنیت ابوالبشیر تھی، اسلام کے بعد ان کی کنیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبداللہ رکھ دی، اس کے علاوہ ان کی کنیت کے بارے میں ایک قول ابوعبدالرحمٰن کا بھی ہے۔

ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ یہ اہل صفہ میں سے تھے۔

یہ بڑے مشہور شاعر تھے، ابن سیرین کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین بڑے مشہور شعرا تھے: حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم۔

ان کے والد کے ہاں ان کے علاوہ کوئی اور اولاد نہیں تھی، یہ ان ستر افراد میں سے ایک تھے جو بیعت عقبہ میں شریک ہوئے، غزوہ بدر میں یہ شریک نہیں ہوئے تھے، اس کے بعد غزوہ احد اور دیگر غزوات میں شرکت فرماتے رہے، غزوہ احد میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی جھوٹی افواہ پھیلی تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت سب سے پہلا فرد میں تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ پہچانا تو میں نے اونچی آواز میں مؤمنین کو آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے زندہ اور صحیح سلامت ہونے کی بشارت دی۔ اسی غزوہ میں آپ رضی اللہ عنہ کو ستر سے زیادہ زخم لگے تھے۔

پھر غزوہ تبوک میں بھی شریک نہیں ہو سکے تھے، پھر لمبی مدت (پچاس دن) کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی، جس کا تفصیلی قصہ یہ خود بیان کرتے ہیں، جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے(۱)۔

---

(۱) صحیح البخاری کی اس طویل ایمان افروز حدیث کا ترجمہ فوائد کثیرہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ذیل میں مکمل ذکر کیا جاتا ہے: =

= ''عبدالرحمٰن بن عبداللہ اپنے والد عبداللہ بن کعب سے جو اپنے والد کو نابینا ہو جانے کی وجہ سے پکڑ کر چلایا کرتے تھے؛ روایت کرتے ہیں کہ میں نے کعب بن مالک سے سنا انہوں نے کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام لڑائیوں میں حاضر رہا۔ مگر تبوک اور بدر میں پیچھے رہ گیا، مگر بدر میں پیچھے رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا عتاب نہیں ہوا، جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض یہ تھی کہ قافلہ قریش کا تعاقب کیا جائے، دشمنوں کو اللہ تعالیٰ نے اچانک حائل کر دیا اور جنگ ہوگئی، میں لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے اسلام پر قائم رہنے کا عہد لیا اور مجھے تو لیلۃ العقبہ جنگ بدر کے مقابلہ میں عزیز ہے۔ اگرچہ جنگ بدر کو لوگوں میں زیادہ شہرت اور فضیلت حاصل ہے۔

اور جنگ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے قبل کبھی میرے پاس دو سواریاں جمع نہیں ہوئی تھیں مگر اس غزوہ کے وقت میں دو سواریوں کا مالک بن گیا، اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ جب کہیں جنگ کا خیال کرتے تو صاف صاف پتہ نشان اور جگہ نہیں بتاتے تھے، بلکہ کچھ گول مول الفاظ میں ظاہر کرتے تھے، تاکہ کوئی دوسرا مقام سمجھتا رہے۔ غرض! جب لڑائی کا وقت آیا تو گرمی بہت شدید تھی، راستہ طویل اور بے آب و گیاہ تھا، دشمن کی تعداد زیادہ تھی، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پورے طور پر آگاہ کر دیا کہ ہم تبوک جارہے ہیں؛ تاکہ تیاری کرلیں، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کثیر تعداد میں مسلمان موجود تھے، مگر کوئی ایسی کتاب وغیرہ نہیں تھی کہ اس میں سب کے نام لکھے ہوئے ہوں، کعبؓ کہتے ہیں کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں تھا کہ جو اس لڑائی میں شریک ہونا نہ چاہتا ہو، مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی کرتے تھے کہ کسی کی غیر حاضری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی، جب تک کہ وحی نہ آئے۔

غرض! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور یہ وقت تھا جب کہ میوہ پک رہا تھا، اور سایہ میں بیٹھنا اچھا معلوم ہوتا تھا، سب تیاریاں کر رہے تھے، مگر میں ہر صبح کو یہی سوچتا تھا کہ میں تیاری کرلوں گا، کیا جلدی ہے؟! میں تو ہر وقت تیاری کر سکتا ہوں، اسی طرح دن گزرتے رہے، ایک روز صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوگئے، میں نے سوچا؛ ان کو جانے دو، اور میں دو ایک دن میں تیار کر کے راستہ میں ان سے شامل ہو جاؤں گا، غرض! دوسری صبح کو میں نے تیاری کرنی چاہی، مگر نہ ہو سکی اور میں یوں ہی رہ گیا، تیسرے روز بھی یہی ہوا، اور پھر میرا برابر یہی حال ہوتا رہا، اب سب لوگ بہت دور نکل چکے تھے، میں نے کئی مرتبہ قصد کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر مل جاؤں مگر تقدیر میں نہ تھا۔ کاش! ایسا کر لیتا۔ =

....

= چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے کے بعد میں جب مدینہ میں چلتا پھرتا تو مجھ کو یا تو منافق نظر آتے، یا وہ نظر آتے جو کمزور ضعیف اور بیمار تھے، مجھے بہت افسوس ہوتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ میں مجھے کہیں بھی یاد نہیں کیا، البتہ تبوک پہنچ کر جب سب لوگوں میں تشریف فرما ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کعب بن مالک کہاں ہیں؟ بنی سلمہ کے ایک آدمی عبداللہ بن انیسؓ نے کہا کہ یارسول اللہ! وہ تو اپنے حسن و جمال پر ناز کرنے کی وجہ سے رہ گئے ہیں، تو معاذؓ نے کہا کہ تم نے اچھی بات نہیں کی۔ اللہ کی قسم؛ اے اللہ کے رسول! ہم تو انہیں اچھا آدمی جانتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش ہو رہے، کعب بن مالکؓ کا بیان ہے کہ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آرہے ہیں تو میں سوچنے لگا کہ کوئی ایسا حیلہ بہانہ ہاتھ آجائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ سے مجھے بچا سکے، پھر میں اپنے گھر کے سمجھدار لوگوں سے مشورہ کرنے لگا کہ اس سلسلہ میں کچھ تم بھی سوچو؛ مگر جب یہ بات معلوم ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے بالکل قریب آگئے ہیں تو میرے دل سے اس حیلہ کا خیال دور ہو گیا، اور میں نے یقین کر لیا کہ جھوٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ سے نہیں بچا سکے گا۔

صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور دو رکعت نفل ادا فرماتے، اب جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے انہوں نے آنا شروع کیا اور اپنے اپنے عذر بیان کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے، یہ لوگ اسّی (۸۰) تھے، یا اس سے کچھ زیادہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان کے عذر قبول کر لئے اور ان سے دوبارہ بیعت لی اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی اور ان کے دلوں کے خیالات کو اللہ کے حوالے کر دیا۔

کعبؓ کہتے ہیں، میں بھی آیا: ''السلام علیکم'' کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی مسکراہٹ سے جس میں غصہ بھی جھلک رہا تھا، جواب دیا، اور فرمایا: آؤ؛ میں سامنے جا کر بیٹھ گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا: کعب! تم کیوں پیچھے رہ گئے تھے؟ حالانکہ تم نے تو سواری کا بھی انتظام کر لیا تھا۔ میں نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا درست ہے، میں اگر کسی اور کے سامنے ہوتا تو ممکن تھا کہ اس سے بہانہ وغیرہ کر کے چھوٹ جاتا، کیونکہ میں بول بھی خوب سکتا ہوں، مگر اللہ گواہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ اگر آج میں نے جھوٹ بول کر آپ کو راضی کر لیا تو کل اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا، اس لئے میں سچ ہی بولوں گا، چاہے آپ میرے اوپر غصہ ہی کیوں نہ فرمائیں، آئندہ کو تو اللہ کی مغفرت اور بخشش کی امید رہے گی، اللہ کی قسم! میں قصوروار ہوں، حالانکہ! مال و دولت میں کوئی بھی میرے برابر نہیں ہے، مگر میں یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی شریک نہ ہو سکا۔ =

= آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ کعب نے صحیح بات بیان کردی، اچھا جاؤ، اور اللہ کے حکم کا اپنے حق میں انتظار کرو، غرض میں اٹھ کر چلا تو بنی سلمہ کے آدمی بھی میرے ساتھ ہولئے، اور کہنے لگے کہ ہم نے تو اب تک تمہارا کوئی گناہ نہیں دیکھا ہے، تم نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی بہانہ پیش کردیا ہوتا، حضور کی دعاءِ مغفرت آپ کے لئے کافی ہوجاتی، وہ برابر مجھے یہی سمجھاتے رہے، یہاں تک کہ میرے دل میں یہ خیال آنے لگا کہ واپس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں اور پہلے والی بات کو غلط ثابت کرکے کوئی بہانہ پیش کردوں، پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی اور بھی ہے؟ جس نے میری طرح اپنے گناہ کا اعتراف کیا ہے، انہوں نے کہا: ہاں! دو آدمی اور بھی ہیں، جنہوں نے اقرار کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی وہی فرمایا ہے جو کہ تم سے ارشاد کیا ہے۔ میں نے ان کے نام پوچھے، تو کہا ایک: ''مرارہ بن ربیع عمروی''، دوسرے: ''ہلال بن امیہ واقفی'' یہ دونوں نیک آدمی تھے اور جنگ بدر میں شریک ہوچکے تھے، مجھے ان سے ملنا اچھا معلوم ہوتا تھا، غرض! ان دو آدمیوں کا نام سن کر مجھے اطمینان ہوگیا، اور میں چل دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو منع فرمادیا تھا کہ ان تین آدمیوں سے کوئی کلام نہ کرے، مگر دوسرے رہ جانے والے اور جھوٹے بہانے کرنے والوں کے لئے یہ حکم نہیں دیا تھا، آخر لوگوں نے ہم سے الگ رہنا شروع کردیا، اور ہم ایسے ہوگئے جیسے ہمیں کوئی جانتا ہی نہیں ہے، گویا آسمان وزمین بدل گئے ہیں، غرض پچاس راتیں اسی حال میں گزرگئیں، میرے دونوں ساتھی تو گھر میں بیٹھ گئے، مگر میں ہمت والا تھا، نکلتا رہا، نماز جماعت میں شریک ہوتا، بازار وغیرہ جاتا، مگر کوئی بات نہیں کرتا تھا۔

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصلے پر رونق افروز ہوتے، میں سلام کرتا، اور مجھے ایسا شبہ ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹ ہل رہے ہیں، شاید سلام کا جواب دے رہے ہیں، پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی نماز پڑھنے لگتا، مگر آنکھ چرا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیکھتا رہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے رہتے ہیں، چنانچہ! میں جب نماز میں ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھتے رہتے اور جب میری نظر آپ سے ملتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منہ پھیرلیا کرتے تھے، اس حال میں مدت گزرگئی، اور میں لوگوں کی خاموشی سے عاجز آگیا اور پھر اپنے چچا زاد بھائی ''ابوقتادہ'' کے پاس باغ میں آیا، اور سلام کیا اور اس سے مجھے بہت محبت تھی، مگر اللہ کی قسم! اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، میں نے کہا: اے ابوقتادہ! تو مجھے اللہ اور اس کے رسول کا طرفدار جانتا ہے یا نہیں؟ مگر اس نے جواب نہ دیا، پھر میں نے قسم کھا کر یہی بات کہی، مگر جواب ندارد! میں نے تیسری مرتبہ یہی کہا، تو ''ابوقتادہ'' نے صرف اتنا جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب معلوم ہے، پھر مجھ سے ضبط نہ ہوسکا، آنسو جاری ہوگئے، اور میں واپس چل دیا۔ =

= میں ایک دن بازار میں جا رہا تھا کہ ایک نصرانی کسان جو ملک شام کا رہنے والا تھا اور اناج فروخت کرنے آیا تھا وہ میرا پتہ لوگوں سے معلوم کر رہا تھا، تو لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا کہ یہ کعب بن مالکؓ ہیں، وہ میرے پاس آیا اور غسان کے نصرانی بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا؛ جس میں لکھا تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر بہت زیادتی کر رہے ہیں، حالانکہ اللہ نے تم کو ذلیل نہیں بنایا ہے، تم بہت کام کے آدمی ہو، تم میرے پاس آ جاؤ، ہم تم کو بہت آرام سے رکھیں گے، میں نے سوچا: یہ دوہری آزمائش ہے، اور پھر اس خط کو آگ کے تندور میں ڈال دیا۔

ابھی صرف چالیس راتیں گزری تھیں اور دس باقی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ''حزیمہ بن ثابتؓ'' نے مجھ سے آ کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے الگ رہو، میں نے کہا: کیا مطلب ہے؟ طلاق دے دوں، یا کچھ اور؟ ''حزیمہؓ'' نے کہا: بس الگ رہو، اور مباشرت وغیرہ مت کرو، ایسا ہی حکم میرے دونوں ساتھیوں کو بھی ملا تھا، غرض! میں نے بیوی سے کہا کہ تم اپنے رشتہ داروں میں جا کر رہو، جب تک اللہ تعالیٰ میرا فیصلہ نہ فرما دے۔

کعبؓ کہتے ہیں کہ پھر ہلال بن امیہؓ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول! ہلال بن امیہؓ میرا خاوند بہت بوڑھا ہے، اگر میں اس کا کام کر دیا کروں، تو کوئی برائی تو نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کچھ نہیں، مگر وہ صحبت نہیں کر سکتا، اس نے عرض کیا: حضور! اس میں تو ایسی خواہش ہی نہیں ہے، اور جب سے یہ بات ہوئی ہے، رو رہا ہے، اور جب سے اس کا یہی حال ہے۔

کعبؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے کچھ میرے عزیزوں نے کہا کہ تم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اپنی بیوی کے بارے میں ایسی ہی اجازت حاصل کر لو، تا کہ وہ تمہاری خدمت کرتی رہے، جس طرح ہلالؓ کی بیوی کو اجازت مل گئی ہے، میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں کبھی ایسا نہیں کر سکتا، معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرمائیں، میں نوجوان آدمی ہوں، ہلال کی مانند ضعیف نہیں ہوں، غرض! اس کے بعد وہ دس راتیں بھی گزر گئیں، اور میں پچاسویں رات کو صبح کو نماز کے بعد اپنے گھر کے پاس بیٹھا تھا، اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ زندگی اجیرن ہو چکی ہے، اور زمین میرے لئے باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہو چکی ہے، کہ اتنے میں کوہِ سلع پر سے کسی پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ اے کعب بن مالکؓ! تم کو بشارت دی جاتی ہے، اس آواز کے سنتے ہی میں خوشی سے سجدہ میں گر پڑا، اور یقین کر لیا کہ اب یہ مشکل آسان ہوگئی، کیونکہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر کے بعد لوگوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کا قصور معاف کر دیا ہے، اب تو لوگ میرے پاس اور میرے ان ساتھیوں کے پاس خوشخبری اور مبارکباد کے لئے جانے لگے، اور ایک آدمی زبیر بن عوامؓ اپنے گھوڑے کو بھگاتے میرے پاس آئے، اور ایک دوسرا آدمی بنی سلمہ کا سلع پہاڑ پر چڑھ گیا، اس کی آواز جلدی میرے کانوں تک پہنچ گئی۔ =

....

= اس وقت میں اس قدر خوش ہوا کہ اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس کو دیدیئے، میرے پاس ان کے سواء کوئی دوسرے کپڑے نہیں تھے، میں نے ابوقتادہؓ سے دو کپڑے لے کر پہنے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے لگا، راستہ میں لوگوں کا ایک ہجوم تھا، جو مجھے مبارکباد دے رہے تھے، اور کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ انعام تمہیں مبارک ہو، کعبؓ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، اور دوسرے لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے، طلحہ بن عبیداللہؓ مجھے دیکھ کر دوڑے، مصافحہ کیا، پھر مبارک باد دی، مہاجرین میں سے یہ کام صرف طلحہؓ نے کیا، اللہ گواہ ہے کہ میں ان کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا، کعبؓ کہتے ہیں کہ پھر جب میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے کعب یہ دن تمہیں مبارک ہو، جو سب دنوں سے اچھا ہے، تمہاری پیدائش سے لے کر آج تک، میں نے عرض کیا حضور! یہ معافی؛ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف کیا گیا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خوش ہوتے تھے، تو چہرہ مبارک چاند کی طرح چمکنے لگتا تھا، اور ہم آپ کی خوشی کو پہچان جاتے تھے۔

پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اپنی اس نجات اور معافی کے شکریہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خیرات نہ کردوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تھوڑا کرو، اور کچھ اپنے لئے بھی رکھو، کیونکہ! یہ تمہارے لئے فائدہ مند ہے، میں نے عرض کیا: ٹھیک ہے، میں اپنا خیبر کا حصہ روک لیتا ہوں، پھر میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے سچ بولنے کی وجہ سے نجات پائی ہے، اب میں تمام زندگی سچ ہی بولوں گا، اللہ کی قسم! میں نہیں کہہ سکتا کہ سچ بولنے کی وجہ سے اللہ نے کسی پر ایسی مہربانی فرمائی ہو، جیسی مجھ پر کی ہے، اس وقت سے جب کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی بات کہہ دی، پھر اس وقت سے اب تک میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، اور میں امید کرتا ہوں کہ زندگی بھر اللہ مجھے جھوٹ سے بچائے گا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ (التوبہ: ١١٧) یعنی: اللہ نے نبی کو اور مہاجرین وانصار کو معاف کر دیا، اللہ کی قسم! قبول اسلام کے بعد اس سے بڑھ کر میں نے کوئی انعام اور احسان نہیں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجھے سچ بولنے کی توفیق دے کر ہلاک ہونے سے بچا لیا، ورنہ! دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی تباہ اور ہلاک ہو جاتا، جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بولا، جھوٹے حلف اٹھائے، تو پھر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ﴾ (التوبہ: ٩٥) یعنی: یہ لوگ جھوٹے ہیں =

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ اوران کے درمیان مؤاخات قائم کی تھی۔

جب کہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت زبیر اور حضرت کعب رضی اللہ عنہما کے درمیان مؤاخات قائم کی گئی تھی۔

ابن سیرین کا بیان ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے دو ایسے شعر کہے جو قبیلہ دوس کے اسلام لانے کا سبب بنے، وہ یہ ہیں:

قضينا من تهامة كل وتر وخيبر ثُمَّ أغمدنا السيوفا

نخيرها، ولو نطقت لقالت قواطعهن :دوسًا أَوْ ثقيفًا

ہم نے تہامہ اور خیبر سے ہر طاق کام کر کے تلواروں کو نیام میں کرلیا، اگر ان کی زبانیں ہوتیں تو ہمیں بتاتیں، دوس اور ثقیف کو ان تلواروں سے زیادہ کاٹنے والی ہوتیں۔

جب قبیلہ دوس کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ کہنے لگے: اپنے بچاؤ کا سامان کرلو، ایسا نہ ہو جو آفت ثقیف پہ پڑی تم پہ نہ آ پڑے۔

جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا، اس وقت انہوں نے وفات پائی۔

خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں ان کی بینائی چلی گئی۔

بخاری رحمہ اللہ نے ان کی وفات کا مختصر ذکر کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مرثیہ کیا، ہمیں حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کی لڑائی کے بارے میں ان کی کوئی بات معلوم نہیں ہوئی۔

= کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم تینوں ان منافقوں سے علیحدہ ہیں، جنہوں نے نہ جانے کتنے بہانے بنائے اور جھوٹے حلف اٹھائے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات کو قبول کرلیا، اور ان سے بیعت لے لی، اور دعائے مغفرت فرمائی، مگر ہمارا معاملہ چھوڑ دیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ (التوبہ:۱۱۸) یعنی: ان تین کو معاف کیا، جو پیچھے رہ گئے تھے، اس سے وہ لوگ مراد نہیں ہیں، جو جان بوجھ کر رہ گئے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم ان سے پیچھے رہے، جنہوں نے قسمیں کھائیں، عذر بیان کئے، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عذر کو قبول کرلیا''۔(صحيح البخاری، كتاب المغازی، غزوه تبوك، باب: حديث كعب بن مالك، وقول الله عز وجل: ﴿وعلى الثلاثة الذين خلفوا﴾ رقم الحديث: ۴۴۱۸)

بغوی رحمہ اللہ کا قول ہے: مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ وہ خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں شام میں فوت ہوئے (۱)۔

تعلیق کا مقصد

مذکورہ تعلیق کا مقصد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے ذریعے اپنا مدعا یعنی: ترجمۃ الباب ثابت ہو جائے، چنانچہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس بات کا ذکر کیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس تشریف لاتے تھے تو مسجد تشریف لے جاتے تھے اور وہاں دو رکعت نماز ادا فرماتے ہیں۔

اس تعلیق کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ جو حدیث لائے ہیں اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ان دو رکعات سفر کا اثبات ہے۔ یعنی: تعلیق سے تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ چونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے اس لیے یہ آپ کی خصوصیت ہوگی، لیکن حدیث میں قولی حکم ہونے کی وجہ سے یہ احتمال ختم ہو گیا (۲)۔

☆☆☆...........☆☆...........☆☆☆

حدیث باب

۴۳۲ : حدّثنا خَلّادُ بْنُ يَحْيَى قالَ : حَدَّثنا مِسْعَرٌ قَالَ : حَدّثنا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ (۳) قَالَ : أَتَيْتُ ٱلنَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ فِي ٱلْمَسْجِدِ ، قَالَ مِسْعَرٌ : أُرَاهُ قَالَ : ضُحًى ، فَقَالَ : (صَلِّ رَكْعَتَيْنِ) . وَكَانَ لِي عَلَيْهِ دَيْنٌ ، فَقَضَانِي وَزَادَنِي .

[۱۹۹۱ ، ۲۱۸۵ ، ۲۲۵۵ ، ۲۲۶٤ ، ۲۳۳۸ ، ۲٤٦۳ ، ۲٥٦۹ ، ۲۷۰٦ ، ۲۸۰٥ ، ۲۹۲۱ ، ۲۹۲۳ ، ۲۹۲٤ ، ۳۸۲٦ ، ٤۷۹۱ ، ٤۷۹۲ ، ٤۹٤۷-٤۹٤۹ ، ٥۰٥۲ ، ٦۰۲٤]

(۱)الإصابة : ٥/٤٥٦، دارالكتب العلميه۔ معرفة الصحابة لأبي نعيم: ٥/ص: ٢٣٦٦۔ أسد الغابة: ٤/ ٤٦٠، ٤٦١۔ الاستيعاب في معرفة الأصحاب: ٣/ ص: ١٣٢٣۔ مختصر تاريخ دمشق لابن عساكر: ١٧٦/٥٠۔ سير أعلام النبلاء: ٢/ ٥٣٣۔ التاريخ الكبير: ٢١٩/٧۔ الجرح والتعديل :١٦٠/٧۔ تهذيب التهذيب :٤٤٠/٨.

(۲)فتح الباري: ١/٦٩٥

(۳)أخرجه البخاري في صحيحه في كتاب العمرة، باب: لا يطرق أهله إذا بلغ المدينة، رقم الحديث: ١٨٠١. وفي البيوع، باب شراء الدواب والحمير، رقم الحديث: ٢٠٩٧. وفي الوكالة، باب إذا وكل رجل رجلاً أن يعطي شيئاً ولم يبين كم يعطي فأعطى على ما يتعارفه الناس، رقم الحديث: ٢٣٠٩. =

ترجمہ حدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔

مسعر نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ محارب نے کہا؛ چاشت کے وقت۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے) فرمایا: دو رکعت نماز پڑھ لو، (حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:) میرا کچھ قرضہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وہ قرضہ ادا کیا، اور (اس مقدار سے) مزید بھی عطا فرمایا۔

= وفي الاستقراض، باب: من اشترى بالدين وليس عنده ثمنه، رقم الحديث: ٢٣٨٥. وباب: حسن القضاء، رقم الحديث: ٢٣٩٤. وباب: الشفاعة في وضع الدين، رقم الحديث: ٢٤٠٦. وفي المظالم، باب: من عقل بعيره على البَلاط أو باب المسجد، رقم الحديث: ٢٤٧٠. وفي الهبة، باب: الهبة المقبوضة وغير المقبوضة والمقسومة وغير المقسومة، رقم الحديث: ٢٦٠٣، ٢٦٠٤. وفي الشروط، باب: إذا اشترط البائع ظهر الدابة إلى مكان، رقم الحديث: ٢٧١٨. وفي الجهاد، باب: من ضرب دابة غيره في الغزو، رقم الحديث: ٢٨٦١. وباب: استئذان الرجل الإمام، رقم الحديث: ٢٩٦٧. وباب: الصلاة إذا قدم من سفر، رقم الحديث: ٣٠٨٧. وباب: الطعام عند القدوم، رقم الحديث: ٣٠٨٩، ٣٠٩٠. وفي المغازي، باب: ﴿إذ همت طائفتان منكم ان تفشلا والله وليهما﴾، رقم الحديث: ٤٠٥٢. وفي النكاح، باب: تزويج الثيبات، رقم الحديث: ٥٠٧٩، ٥٠٨٠. وباب: لا يطرق أهله ليلا إذا أطال الغيبة مخافة أن يخونهم أو يلتمس عثراتهم، رقم الحديث: ٥٢٤٣، ٥٢٤٤. وباب: طلب الولد، رقم الحديث: ٥٢٤٥، ٥٢٤٦. وباب: تستحد المغيبة وتمتشط الشَعِثَة، رقم الحديث: ٥٢٤٧. وفي النفقات، باب: عون المرأة زوجها في ولده، رقم الحديث: ٥٣٦٧. وفي الدعوات، باب: الدعاء للمتزوج، رقم الحديث: ٦٣٨٧.

ومسلم في صحيحه، في صلاة المسافرين، باب: استحباب تحية المسجد بركعتين وكراهة الجلوس قبل صلاتهما، وأنها مشروعة في جميع الأوقات، رقم الحديث: ٧١٥.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، القسم الثاني: في النوافل المقرونة بالأوقات، الفصل الرابع: في صلوات متفرقة، تحية المسجد، رقم الحديث: ٤٣٥٤، ٦/٢٤٩.

تراجم رجال

مذکورہ حدیث کی سند میں چار راوی ہیں:

۱۔خلاد بن یحیی

یہ ابومحمد خلاد بن یحییٰ ابن صفوان الکوفی السلمی رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الغسل، باب: من بدأ بشق رأسه الأيمن في الغسل میں گذر چکے ہیں(۱)۔

۲۔مِسعر

یہ ابوسلمہ مسعر بن کدام بن ظھیر بن عبیدہ بن الحارث الھلالی العامری الکوفی رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: الوضوء بالمد میں گذر چکے ہیں(۲)۔

۳۔مُحارِب بن دِثار

ان کا پورا نام "مُحارب بن دِثار بن کُردوس بن قِرواش السدوسی الکوفی رحمہ اللہ" ہے۔

یہ ایک بڑی جماعت سے روایت حدیث کرتے ہیں، اس جماعت میں جابر بن عبداللہ، ابن عمر، عبد اللہ بن یزید الخطمی، اسود بن یزید رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں مسعر، زبید الیامی، شعبہ، ثوری، قیس بن ربیع رحمہم اللہ اور ایک بڑی جماعت شامل ہے۔

یہ کوفہ کے بڑے نامور قاضی تھے۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے محارب بن دثار سے افضل کسی کو نہیں پایا۔

احمد بن حنبل اور یحیی بن معین رحمہما اللہ نے ان کی توثیق کی ہے۔

ابن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے محارب بن دثار کو مسجد میں بیٹھ کر فیصلہ کرتے ہوئے پایا۔

---

(۱) کشف الباری، کتاب الغسل، باب: من بدأ بشق رأسه الأيمن في الغسل.

(۲) کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: الوضوء بالمد.

عبداللہ بن ادریس رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حکم اور حماد بن سلیمان رحمہما اللہ کو محارب بن دثار رحمہ اللہ کے فیصلوں والی مجلس میں بیٹھے ہوئے پایا، ایک ان کے دائیں جانب اور دوسرا ان کی بائیں جانب بیٹھا ہوا تھا۔

محارب بن دثار رحمہ اللہ کی وفات ایک سو سولہ ہجری میں ہوئی (۱)۔

۴۔ جابر بن عبداللہ

یہ مشہور صحابی رسول ''حضرت جابر بن عبداللہ'' رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے احوال کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: من لم یر الوضوء إلا من المخرجین، من القبل والدبر میں گذر چکے ہیں (۲)۔

شرح حدیث

قولہ: ''قال مسعر أراه قال: ضحی''، یہ کلام مدرج ہے، یعنی: یہ راوی حدیث کا اپنا کلام ہے، حدیث کا حصہ نہیں ہے۔

''أراه''، ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ، أظن کے معنی میں ہے، اور ''ہ'' ضمیر کا مرجع محارب بن دثار ہے (۳)۔

مطلب یہ ہوگا کہ محارب نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے یہ بات کہی کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب حاضر ہوا تو وہ چاشت کا وقت تھا (۴)۔

قولہ: ''وکان لي علیه دین''، اکثر نسّاخ کی روایت میں یہی الفاظ ہیں، البتہ حموی کی روایت میں ''وکان له'' کا لفظ ہے، اس صورت میں ''ہ'' ضمیر کا مرجع ''جابر بن عبداللہ'' ہے۔ یعنی: ''وکان لجابر علی النبي صلی الله علیه وسلم دین''. یہ دین حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اونٹ کا ثمن تھا جو نبی اکرم

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۲۱۷/۵۔ التاریخ الکبیر للبخاري: ۲۸/۷۔ الجرح والتعدیل: ۴۱۶/۸۔ تاریخ الإسلام: ۲۹۷/۴۔ میزان الاعتدال: ۴۴۱/۳، تهذیب التهذیب: ۴۹/۱۰۔ تاریخ دمشق لابن عساکر: ۵۴/۵۷۔ إکمال تهذیب الکمال: ۸۷/۱۱۔ الطبقات الکبری لابن سعد: ۳۰۷/۶.

(۲) کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: من لم یر الوضوء إلا من المخرجین، من القبل والدبر.

(۳) فتح الباري: ۶۹۵/۱۔ عمدة القاري: ۲۹۶/۴

(۴) شرح الکرماني: ۱۰۳/۴

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خریدا تھا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے، حموی کی اس روایت میں متکلم کی ضمیر سے غائب کی ضمیر کی طرف التفات ہوا ہے، یعنی: اکثر کی روایت میں "وكان لي"، ضمیر متکلم کے ساتھ تھا، اور حموی کی روایت میں ضمیر متکلم سے ضمیر غائب کی طرف التفات ہوگیا، یعنی: "وكان له" (١).

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ دو رکعات سفر سے واپس آنے والے کے لیے ہیں، جو کہ تحیۃ المسجد سے جدا ہیں (٢)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

اس حدیث مبارکہ میں سفر سے واپسی کا ذکر نہیں ہے، جب کہ ترجمۃ الباب میں یہ قید ہے، کہ سفر سے واپسی میں دو رکعت نماز پڑھی جائے۔ لیکن صحیح بخاری میں ہی تفصیلی روایت موجود ہے جس میں اس بات کی تصریح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ کو یہ حکم ان کے سفر سے واپس آنے پر دیا تھا (٣)۔

---

(١)فتح الباري: ٦٩٥/١- عمدة القاري: ٢٩٦/٤

(٢)شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: استحباب صلاة الضحى وأن أقلها ركعتان، رقم الضديث: ٧١٧، ٢٢٧/٥

(٣)حدثنا محمد بن بشار، حدثنا عبد الوهاب، حدثنا عبيد الله، عن وهب بن كيسان، عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما، قال: كنت مع النبي صلى الله عليه وسلم في غزاة، فأبطَأَ بي جمَلي وأعيا، فأتى على النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: جابر؟ فقلت: نعم، قال: ما شأنُك؟ قلت: أبطأ عليّ جملي وأعيا، فتخلَّفتُ، فنزل يَحْجُنُهُ بِمِحْجَنِهِ، ثم قال: اِركَب، فركبتُ، فلقد رأيتُه أكُفُّه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: تزوجتَ، قلت: نعم، قال: بكراً أم ثيباً؟ قلت: بل ثيبا، قال: أفلا جارية؛ تُلاعِبها وتلاعبُك، قلت: إن لي أخوات، فأحببت أن أتزوَّجَ امرأةً تَجْمَعُهُنَّ، وَتَمْشُطُهُنّ، وتقوَّم عليهن، قال: أما إنك قادم، فإذا قدمت، فالكيسَ الكيسَ، ثم قال: أتبيعُ جملَك؟ قلتُ: نعم، فاشتراه مني بأوقية، ثم قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم قبلي، وقدمتُ بالغداة، فجئنا إلى المسجد، فوجدتُه على باب المسجد، قال: الآن قدمتَ؟ قلت: نعم، قال: فدع جملَك، فادخُل، فصلِّ ركعتين، فدخلتُ فصليتُ، فأمر بلالا أن يزِن له أوقيةً، فوزن لي بلال، فأرجَح لي في الميزان، فانطلقتُ حتى وَلَّيتُ، فقال: ادعُ لي جابراً، قلت: الآن يرد علي الجمل، ولم يكن شيئ أبغض إلي منه، قال: خذ جملك ولك ثمنه. (صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب: شراء الدواب والحمر، رقم الحديث: ٢٠٩٧)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اس حدیث میں اور ترجمۃ الباب میں کیا مناسبت ہے؟ (بایں طور کہ ترجمہ میں تو سفر سے آ کر مسجد میں نماز پڑھنے کا بیان ہے اور اس روایت میں تو سفر سے آنے کا ذکر نہیں ہے۔) تو اس کا جواب یہ دوں گا کہ یہ حدیث اس لمبی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو صحیح البخاری کی کتاب البیوع اور دیگر بہت سارے ابواب میں موجود ہے۔ اور اس طویل روایت میں یہ بات موجود ہے کہ میں ایک غزوہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا، اسی سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک اوقیہ چاندی کے بدلے میرا اونٹ خریدا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ غزوہ سے واپس لوٹ آئے، اور میں صبح کے وقت صبح (چاشت) کے وقت واپس پہنچا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد کے دروازے پر پایا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس وقت واپس پہنچے؟ تو میں جواب دیا کہ جی ہاں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: اچھا، تو پھر مسجد میں داخل ہو اور دو رکعت نماز ادا کر، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ایک اوقیہ چاندی کا وزن کرو، چنانچہ اس نے وزن کیا تو (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر) وزن میں جھکتا ہوا تولا۔ (یعنی: میرے ثمن سے زیادہ مقدار مجھے ادا کی)، (۱)

حدیث مبارکہ سے مستفاد امور و آداب

اس حدیث سے بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں، چونکہ یہ حدیث ٹکڑا ہے، ایک طویل حدیث کا، اس لیے تمام فوائد کا بیان تو متعلقہ جگہ ہی آئے گا، سردست تو یہاں صرف اسی حصے کے فوائد کا بیان ہوگا جو ترجمۃ الباب کے تحت مذکور ہے۔ مثلا:

۱۔ سفر سے آنے والے شخص کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ واپس آ کر پہلے دو رکعت نماز ادا کرے، پھر گھر جائے۔

۲۔ صبح کے وقت سفر سے واپسی کرنے کی کوشش کی جائے۔

۳۔ جو شخص مقتداء ہو اور اس کے واپس آنے پر لوگوں کی خواہش ہو کہ اس سے ملاقات، زیارت و مصافحہ وغیرہ کریں تو ایسے شخص کو چاہیے کہ واپس آ کر لوگوں کے قریب میں کسی جگہ، بہتر یہ ہے کہ مسجد میں ٹھہرے تا کہ لوگ اس سے ملاقات کر لیں، پھر وہ اپنے گھر جائے، جیسا کہ مذکورہ معاملہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

۴۔ قرض کی ادائیگی کا بندوبست ہو تو اس میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، بلکہ فی الفور ادا کر دینا چاہیے۔

---

(۱) شرح الكرماني: ٤/١٠٣۔ فتح الباري: ١/٦٩٥۔ عمدة القاري: ٤/٢٩٥

۵۔افضل یہ ہے کہ جب کسی کے قرض کی ادائیگی کی جائے تو کچھ اضافہ کر کے دیا جائے تا کہ اس کے احسان کا بدلہ ہو جائے، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ پہلے سے مشروط نہ ہو، کیونکہ اگر وہ اضافہ مشروط ہوا تو یہ سود ہو جائے گا(۱)۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

۲۷[۲]– باب : إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ .

یہ باب ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اسے چاہیے کہ
بیٹھنے سے پہلے دو رکعت (تحیۃ المسجد) پڑھ لے۔

اس ترجمۃ الباب کے بارے میں نسخے مختلف ہیں، بعض میں اسی طرح ہے جیسے اوپر مذکور ہوا، اور بعض میں ہے: باب: إذا دخل المسجد فليركع ركعتين. اور بعض میں ہے: إذا دخل المسجد فليركع قبل أن يجلس.

"فليركع" میں "فا" کلمہ إذا شرطیہ کے جواب میں ہے(۳)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ تحیۃ المسجد کے استحباب کو بیان کر رہے ہیں، چنانچہ اس کے لیے انہوں نے الفاظِ حدیث کو ہی ترجمۃ الباب بنا کر پیش کر دیا ہے۔

ان الفاظِ ترجمہ یا الفاظِ حدیث سے پانچ مسائل ثابت ہو رہے ہیں، دو مسائل: إذا دخل سے، ایک مسئلہ: فليركع سے، اور دو مسئلے: ركعتين سے۔ یہ سب مسائل مرحلہ وار ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: اوقاتِ مکروہہ میں تحیۃ المسجد کا حکم

سب سے پہلا مسئلہ جو "إذا دخل" سے ثابت ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ "إذا" ظرفیہ ہے، جس کے مقتضیٰ کو سامنے رکھتے ہوئے ظاہری مطلب یہ نکلتا ہے کہ جس وقت بھی مسجد میں داخل ہوں، تحیۃ المسجد ادا کی جائے،

---

(۱)شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: استحباب صلاة الضحى وأن أقلها ركعتان، رقم الضديث: ۷۱۷، ۵/۲۲۷۔ شرح الكرماني: ۴/۱۰۳

مذکورہ باب چونکہ کشف الباری کی مذکورہ جلد کا آخری باب ہے، اس لیے اس مقام پر اس امر کی تجدید ضروری معلوم ہوتی ہے کہ کشف الباری کے لیے منتخب کیے گئے "الدکتور مصطفیٰ دیب البغا" والے نسخے کے مطابق اس باب کا نمبر: ۲۷، ہے، جب کہ دیگر نسخوں؛ جو "فتح الباری" یا "عمدۃ القاری" میں استعمال کیے گئے ہیں، ان کے مطابق اس باب کا نمبر: ۶۰، ہے۔

(۲)عمدة القاري: ۴/۲۹۶۔ إرشاد الساري: ۲/۱۰۳

چاہے وہ وقت اوقاتِ مکروہہ وممنوعہ میں سے ہو یا اوقاتِ مباحہ میں سے۔

چنانچہ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہوا، جمہور فقہاء، مثلا: امام ابوحنیفہ(۱)، امام مالک(۲)، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ(۳) اس بات کے قائل ہیں کہ اگر دخولِ مسجد کے وقت اوقاتِ مکروہہ میں سے کوئی وقت نہ ہو تو تحیۃ المسجد ادا کرنا مستحب ہے، اور اگر وقتِ مکروہ ہو تو اس وقت میں تحیۃ المسجد ادا کرنا ممنوع ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کلمۂ "إذا" کے عموم کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کے قائل ہیں کہ دخولِ مسجد کے وقت جو بھی وقت ہو تحیۃ المسجد ادا کرنا جائز ہے(۴)۔

---

(۱) المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب: مواقيت الصلاة: ۱/۱۵۳

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: بيان ما يكره من التطوع: ۱/۲۹۶

شرح مختصر الطحاوي للجصاص، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ۱/۵٤۲

(۲) الكافي في فقه أهل المدينة، كتاب الصلاة، باب: الأوقات التي تكره فيها عندنا النوافل: ۱/۱۹٦

التاج والإكليل لمختصر خليل، كتاب الصلاة، باب: في صلاة التطوع: ۲/۳۷٤

الفواكه الدواني على رسالة ابن أبي زيد، كتاب الصلاة، باب: أقل الشفع: ۱/۲۰۲

دخول سے مراد بیٹھنے کے لیے، طہارہ کے ساتھ داخل ہو، وقت مکروہ نہ ہو، بیٹھنے سے قبل مستحب ہے، واجب نہیں، اگر بیٹھ گیا تو بھی یہ فوت نہیں ہوں گے۔

(تنبيه): علم من كلام المصنف أن المار أو الداخل على غير وضوء أو في وقت نهي لا تستحب التحية في حقه صلاة، وإنما يستحب له أن يقول أربع مرات: سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر.

قال سيدي أحمد زروق: ينبغي أن يقولها في أوقات النهي، قال الحطاب: وهو حسن لمكان الخلاف؛ لأن التحية بمعنى الصلاة وإن سقطت لا يسقط بدلها.

(الشرح الكبير للشيخ الدردير وحاشية الدسوقي، كتاب الصلاة، في بيان حكم صلاة النافلة: ۱/۳۱۳)

(۳) المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، فصل: الإنصات من حين يأخذ الإمام في الخطبة: ۲/۲۳۷

المحرر في الفقه على مذهب الإمام أحمد بن حنبل، كتاب الصلاة، باب: صلاة الجمعة: ۱/۱۵۲

الشرح الكبير على متن المقنع، كتاب الصلاة، مسألة: ومتى سجد بعد السلام جلس فتشهد: ۱/۷۳۹

الحاوي الكبير، كتاب الصلاة، فصل: ۲/٤۲۹

(٤)التنبيه في الفقه الشافعي، كتاب الصلاة، باب: صلاة لتطوع: ۱/۳۵

الوسيط في المذهب، كتاب الصلاة، الطرف الثالث في السنن والآداب: ۲/۲۸۳.

البيان في مذهب الإمام الشافعي، كتاب الصلاة، مسألة: يحية المسجد: ۲/۲۸٦

المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، باب: صفة الصلاة: ۳/۲۵۵.

المجموع: مسائل مهمة تتعلق بصلاة الليل: ٤/۵۱، أسنى المطالب في شرح روض الطالب: ۱/٤۸٦.

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اوقاتِ مکروہہ میں تحیۃ المسجد کے عدمِ جواز میں جمہور کے ساتھ ہیں، لیکن خطبۂ جمعہ کے وقت دخولِ مسجد کی صورت میں تحیۃ المسجد کے جواز میں امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں، جبکہ جمہور کے نزدیک اس وقت بھی تحیۃ المسجد جائز نہیں ہے(۱)۔

دوسرا مسئلہ: تحیۃ المسجد محض داخل ہونے والے پر ہے، یا گذرنے والے پر بھی؟

"إذا دخل" سے دوسرا مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس قسم کے دخول سے تحیۃ المسجد کا حکم متوجہ ہوتا ہے؟ کیونکہ دخول عام طور پر تو عبادت کے لیے ہوتا ہے، اور اس کے علاوہ کبھی محض مرور کے لیے ہوتا ہے اور کبھی جلوس کے لیے۔

تو اس بارے میں جمہور فقہاء؛ امام ابوحنیفہ(۲)، امام شافعی (۳) اور امام احمد بن حنبل (۴) رحمہم اللہ کے نزدیک مسجد میں دخول جس مقصد کے لیے بھی ہو تحیۃ المسجد مستحب ہوگا۔

اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک جو شخص مسجد میں عبادات وغیرہ کے لیے داخل ہو، اس کے لیے تحیۃ المسجد مستحب ہے، اور وہ شخص جو مسجد سے محض گذرنا چاہ رہا ہو، مسجد میں بیٹھنے یا عبادات وغیرہ میں، مشغولیت کا

(۱)المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، فصل: الإنصات من حين يأخذ الإمام في الخطبة: ۲/۲۳۷.

المحرر في الفقه على مذهب الإمام أحمد بن حنبل، كتاب الصلاة، باب: صلاة الجمعة: ۱/۱۵۲.

الشرح الكبير على متن امقنع، كتاب الصلاة، مسألة: ومتى سجد بعد السلام جلس فتشهد: ۱/۷۳۹.

الإقناع في فقه الإمام أحمد بن حنبل، فصل: يسن أن يغتسل للجمعة: ۱/۱۹۸.

(۲) المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب: مواقيت الصلاة: ۱/۱۵۳.

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: بيان ما يكره من التطوع: ۱/۲۹٦.

شرح مختصر الطحاوي للجصاص، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ۱/٥٤۲.

(۳) الحاوي الكبير، كتاب الصلاة، فصل: ۲/٤۲۹.

التنبيه في الفقه الشافعي، كتاب الصلاة، باب: صلاة لتطوع: ۱/۳٥ .

الوسيط في المذهب، كتاب الصلاة، الطرف الثالث في السنن والآداب: ۲/۲۸۳.

(٤)الإقناع في فقه الإمام أحمد بن حنبل، فصل: يسن أن يغتسل للجمعة: ۱/۱۹۸.

الشرح الكبير على متن امقنع، كتاب الصلاة، مسألة: ومتى سجد بعد السلام جلس فتشهد: ۱/۷۳۹ .

المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، فصل: الإنصات من حين يأخذ الإمام في الخطبة: ۲/۲۳۷.

ارادہ نہ ہوتو اس کے لیے یہ مستحب نہیں ہے(۱)۔

تیسرا مسئلہ: تحیۃ المسجد واجب ہے یا مستحب

تیسرا مسئلہ "فلیرکع" سے پیدا ہوتا ہے کہ یہ دو رکعت نماز واجب ہے یا مستحب؟ اس بارے میں ظاہریہ وجوب کے قائل ہیں (۲)۔

---

(١)حاشية الصاوي على الشرح الصغير، كتاب الصلاة، النوافل المندوبة والرغائب: ١/٤٠٥
الكافي في فقه أهل المدينة، كتاب الصلاة، باب: الأوقات التي تكره فيها عندنا النوافل: ١/١٩٦
التاج والإكليل لمختصر خليل، كتاب الصلاة، باب: في صلاة التطوع: ٢/٣٧٤
الفواكه الدواني على رسالة ابن أبي زيد، كتاب الصلاة، باب: أقل الشفع: ١/٢٠٢

(٢) اتفق جماعة أهل الفتوى على أن تأويل هذا الحديث محمول على الندب، والإرشاد مع استحبابهم الركوع لكل من دخل المسجد، وهو طاهر، في وقت تجوز فيه النافلة. قال مالك: ذلك حسن وليس بواجب. وأوجب ذلك أهل الظاهر فرضا على كل داخل في وقت تجوز فيه الصلاة، وقال بعضهم: ذلك واجب في كل وقت؛ لأن فعل الخير لا يمنع منه إلا بدليل لا معارض له.

قال الطحاوي: وحجة الجماعة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر سُلَيْكًا حين جاء يوم الجمعة وهو يخطب أن يركع ركعتين، وأمر مرةً أخرى رجلاً رآه يتخطى رقاب الناس بالجلوس ولم يأمره بالركوع، حدثنا بحُر بن نصر، حدثنا عبد الله بن وهب، عن معاوية بن صالح، عن أبي الزاهرية، عن عبد الله بن بسر قال: جاء رجل يتخطى رقاب الناس في يوم الجمعة، فقال له رسول الله: "اجلس فقد آذيت وآنيت"، فهذا يخالف حديث سليك، واستعمال الأحاديث هو على ما تأولها عليه جماعة الفقهاء.

قال الطحاوي: وأما قول من قال من أهل الظاهر أن عليه أن يركع في كل وقت دخل المسجد فهو خطأ؛ لنهيه عليه السلام عن الصلاة عند طلوع الشمس وعند غروبها وغير ذلك من الأوقات المنهي عنها، فمن دخل المسجد في هذه الأوقات، فليس بداخل فى أمره بالركوع عند دخوله في المسجد، وإنما يدخل في أمره بذلك كل من لو كان في المسجد قبل ذلك، فأراد الصلاة، كان له ذلك، فأما من لو كان في المسجد قبل ذلك لم يكن له أن يصلي، فليس بداخل في ذلك.

وقد روي عن جماعة من السلف أنهم كانوا يمرون في المسجد ولا يركعون، فروى ابن أبى شيبة عن عبد العزيز الدراوردي، عن زيد بن أسلم قال: كان كبار أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يدخلون ثم يخرجون ولا يصلون. قال زيد: وقد رأيت ابن عمر يفعله، وذكر ذلك مالك عن زيد بن ثابت، وسالم بن عبد الله، وكان القاسم بن محمد يدخل المسجد، فيجلس فيه ولا يصلى وفعله الشعبي، وقال جابر بن زيد: إذا دخلت مسجدًا فصلّ فيه، فإن لم تصل فيه؛ فاذكر الله فكأنك قد صليت. (شرح ابن بطال: ٢/١١٦)

اور جمہور فقہاء کرام استحباب کے قائل ہیں(١)۔

چوتھا مسئلہ: نفل نماز کی کم از کم کتنی رکعات؟

"رکعتین" کے لفظ سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ نوافل کی کم از کم دو رکعتیں ہیں، دو رکعت سے کم نفل نہیں ہوتے، چنانچہ ائمہ میں سے احناف (٢) اور مالکیہ (٣) کے نزدیک اور حنابلہ کی ایک روایت میں ایک

(١) المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب: مواقيت الصلاة: ١/١٥٣
بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: بيان ما يكره من التطوع: ١/٢٩٦
شرح مختصر الطحاوي للجصاص، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ١/٥٤٢
الحاوي الكبير، كتاب الصلاة، فصل: ٢/٤٢٩
التنبيه في الفقه الشافعي، كتاب الصلاة، باب: صلاة التطوع: ١/٣٥
الوسيط في المذهب، كتاب الصلاة، الطرف الثالث في السنن والآداب: ٢/٢٨٣
الإقناع في فقه الإمام أحمد بن حنبل، فصل: يسن أن يغتسل للجمعة: ١/١٩٨
الشرح الكبير على متن امقنع، كتاب الصلاة، مسألة: ومتى سجد بعد السلام جلس فتشهد: ١/٧٣٩
المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، فصل: الإنصات من حين يأخذ الإمام في الخطبة: ٢/٢٣٧
الكافي في فقه أهل المدينة، كتاب الصلاة، باب: الأوقات التي تكره فيها عندنا النوافل: ١/١٩٦
التاج والإكليل لمختصر خليل، كتاب الصلاة، باب: في صلاة التطوع: ٢/٣٧٤
الفواكه الدواني على رسالة ابن أبي زيد، كتاب الصلاة، باب: أقل الشفع: ١/٢٠٢

(٢)ومحمل حديث ابن عمر عندهم الحصر في الأشفاع، يعني: لا يجوز القعود على الأكثر أو الأقل من ركعتين، وعليه حمله صاحب الهداية إذ قال: ومعنى ما رواه شفعا لا وترا. (أوجز المسالك، كتاب الصلاة، كتاب صلاة الليل، رقم الحديث: ٢٥٣: ٢/٥٧٠)

قال صاحب البدائع: التنفل بالركعة الواحدة غير مشروعٍ. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: في التطوع، فصل: في بيان مقدار ما يلزم منه بالشروع في صلاة التطوع: ١/٢٩٣)

الهداية، كتاب الصلاة، باب: في النوافل: ١/٦٧.

ولو قال: عبده حر إن صلى اليوم صلاة، فصلى ركعة قطعها، لا يحنث في يمينه، لأن المنفي باليمين فعل الصلاة، وأن يكون المفعول صلاة، فمطلق الاسم ينصرف إلى الكامل، والركعة الواحدة ليست بصلاة كاملة، لأنها لا تفيد حكم الصلاة لأنها بتيرة؛ فإن النبي صلى الله عليه وسلّم نهى عن البتيراء والبتيراء ركعة واحدة. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني عشر: في الحلف على الأفعال: ٤/٢٧٣)

(٣) واستُدِلَّ به أيضاً على عدم النقصان من ركعتين في النافلة ما عدا الوتر، وقد اختلف العلماء فيه (اتفق أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد على أفضلية الرباعية نهاراً كما في "شرح المهذَّب: ٥/٧٥" =

رکعت کی نماز نہیں ہوتی، جب کہ شوافع (۱) اور حنابلہ کے نزدیک ایک روایت میں (جس کو علامہ مرداوی صالحیؒ نے راجح قرار دیا ہے) نفل نماز ایک رکعت بھی ہو جاتی ہے (۲)۔

= و"المغني": ١/٧٦٥، واتفق الشافعي وأحمد وأبو يوسف والثوري والليث على أفضلية الثنائية ليلاً. والشافعي وأحمد منهم على أفضليتها نهاراً أيضاً، وشذَّ مالك في القول بعدم جواز الرباعية ليلاً استدلالاً بإفادة التركيب القصر، كما حكاه ابن دقيق العيد في "العمدة"): فذهبت طائفة إلى المنع وهو مذهب أبي حنيفة ومالك. (التعليق الممجد على مؤطأ محمد، كتاب الصلاة، باب: صلاة الليل: ١/٥٠٧)

وقال ابن رشد في "بداية المجتهد": والجمهور على أنه لا يتنفل بواحدة، وأحسب أن فيه خلافا شاذا. (بداية المجتهد ونهايةُ المقتصد، كتاب الصلاة، الباب الثالث: في النوافل: ١/٢١٧)

نيل الأوطار، كتاب الصلاة، باب: الوتر بركعة وبثلاث...: ٣/٤١

(١)النجم الوهاج في شرح المنهاج، كتاب الصلاة، باب؛ ٢/٣١٣

الإقناع في حل ألفاظ أبي شجاع، كتاب الصلاة، فصل: القول فيمن تجب عليه الصلاة: ١/١١٩

فتح المعين بشرح قرة العين بمهمات الدين، كتاب الصلاة، فصل: في صلاة النفل: ١/١٦٩

(٢) قوله (وهل يصح التطوع بركعة؟ على روايتين) وأطلقهما في المذهب، والبلغة، وابن تميم، والنظم، ومسبوك الذهب، والمستوعب، والحاوي الصغير، والزركشي، إحداهما: يصح، وهو المذهب صححهما في التصحيح، وابن منجا في شرحه، قال في الخلاصة: يصح أن يتطوع بركعة على الأصح، قال في التلخيص: ويصح التطوع بركعة في أصح الروايتين ونصره في مجمع البحرين، والمجد في شرحه وقدمه في الفروع، والمحرر، والهداية، والرعايتين، والحاوي الكبير، الفائق وغيرهم، وجزم به في الإفادات، ونهاية ابن رزين، ونظمها وصححه أبو الخطاب في رءوس المسائل، الرواية الثانية: لا يصح جزم به في الوجيز، وهي ظاهر كلام الخرقي، ونصرها المصنف في المغني والشرح، وقال فيه ابن تميم، والشارح: أقل الصلاة ركعتان، على ظاهر المذهب.

فائدة: قال المجد في شرحه، وابن تميم، والزركشي، وابن حمدان في رعايته وصاحب الحاوي، ومجمع البحرين، وغيرهم: حكم التنفل بالثلاث والخمس حكم التنفل بركعة فيه الروايتان، ولا نعلم مخالفا قال في الفروع: ويصح التطوع بفرد ركعة . (الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف للمرداوي، كتاب الصلاة، باب: صلاة التطوع: ٢/١٩٢)

فصل: قال بعض أصحابنا: ولا يزاد في الليل على اثنتين، ولا في النهار على أربع، ولا يصح التطوع بركعة ولا بثلاث. وهذا ظاهر كلام الخرقي. وقال القاضي: لو صلى ستا في ليل أو نهار، كره وصح=

لیکن تحیۃ المسجد کی نماز ان حضرات کے نزدیک بھی دو رکعت سے کم نہیں ہے(۱)۔

پانچواں مسئلہ: تحیۃ المسجد کا وقت

ترجمۃ الباب کا آخری لفظ "قبل أن یجلس" ہے، یعنی: مسجد میں داخل ہونے والا بیٹھنے سے پہلے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ لے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مسجد میں داخل ہوتے ہی تحیۃ المسجد ادا نہ کی بلکہ بیٹھ گیا، پھر اٹھ کے تحیۃ المسجد پڑھی تو اس کی تحیۃ المسجد فوت سمجھی جائے گی یا ادا سمجھی جائے گی؟، چنانچہ اس بارے

= وقال أبو الخطاب: في صحة التطوع بركعة روايتان؛ إحداهما، يجوز؛ لما روى سعيد، قال: حدثنا جرير، عن قابوس، عن أبيه، قال: دخل عمر المسجد فصلى ركعة، ثم خرج، فتبعه رجل، فقال: يا أمير المؤمنين! إنما صليت ركعة، قال: هو تطوع، فمن شاء زاد، ومن شاء نقص. ولنا، أن هذا خلاف قول رسول الله صلى الله عليه وسلم: "صلاة الليل مثنى مثنى". ولأنه لم يرد الشرع بمثله، والأحكام إنما تتلقى من الشارع، إما من نصه، أو معنى نصه، وليس هاهنا شيئ من ذلك. (المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة، فصل: التطوعات قسمان: ٢/٩٢)

(وهل يصح التطوع بركعة): أي: بفرد؛ (على روايتين) كذا في (الهداية) إحداهما: تصح، قدمها في "المحرر" و"الفروع" ونصرها أبو الخطاب، وابن الجوزي؛ وهو قول عمر. رواه سعيد: حدثنا جرير عن قابوس عن أبيه عنه، ولأن الوتر مشروع؛ وهو ركعة، والثانية: لا، جزم بها في "الوجيز" وهي ظاهر الخرقي، وقواها في "المغني"؛ لأنه خلاف قوله عليه السلام: صلاة الليل مثنى مثنى، ولأنه لا يجزء في الفرض، فكذا في النفل كالسجدة، ولم يرد أنه فعل في غير الوتر (المبدع في شرح المقنع، كتاب الصلاة، التطوع بركعة: ٢/٣٠)

نيل المآرب بشرح دليل الطالب، كتاب الصلاة، قيام الليل: ١/١٦٣.

الروض المربع شرح زاد المستقنع، كتاب الصلاة، فصل: في صلاة الليل: ١/١١٨.

(١) الإقناع في حل ألفاظ أبي شجاع، كتاب الصلاة، في من تجب عليه الصلاة: ١/١١٧

التنبيه في الفقه الشافعي، كتاب الصلاة، باب: صلاة التطوع: ١/٣٥

الوسيط في المذهب، كتاب الصلاة، الطرف الثالث في السنن والآداب: ٢/٢٨٣

الإقناع في فقه الإمام أحمد بن حنبل، كتاب الصلاة، فصل: يسن أن يغتسل للجمعة: ١/١٩٨

كشاف القناع عن متن الإقناع، كتاب الصلاة، فصل: يسن أن يغتسل للجمعة: ٢/٤٦

نيل المآرب بشرح دليل الطالب، كتاب الصلاة، سنة الوضوء وتطوعات أخرى: ١/١٦٤

میں بھی ائمہ کرام کا اختلاف ہوا، جو کہ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

احناف(۱)اور مالکیہ (۲) کے نزدیک اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہو کر بیٹھ گیا اور کچھ دیر بعد کھڑے

---

(۱) وفي حاشيته المسمى بـ حاشية الطحطاوي؛ قوله : سن تحية المسجد، أي: تحية رب المسجد لأن التحية إنما تكون لصاحب المكان لا للمكان، ويستثنى المسجد الحرام؛ فإن تحيته الطواف، وصرح المنلا على: بأن من دخل المسجد الحرام لا يشتغل بتحية؛ لأن تحية هذا المسجد الشريف هو الطواف؛ لمن عليه طواف، أو أراده، بخلاف من لم يرده أو أراد أن يجلس، فلا يجلس حتى يصلي ركعتين تحية المسجد اهـ . قوله: "بركعتين"، وإن شاء بأربع والثنتان أفضل، قهستاني. قوله: "في غير وقت مكروه، في القهستاني: إذا دخل المسجد بعد الفجر أو العصر لا يأتي بالتحية، بل يسبح، ويهلل، ويصلي على النبي صلى الله عليه وسلم، فإنه حينئذ يؤدي حق المسجد، كما إذا دخل للمكتوبة، فإنه غير مأمور بها كما في التمرتاشي اهـ. وفي الدر عن الضياء عن القوت: من لم يتمكن منها لحدث أو غيره، يقول: كلمات التسبيح الأربع أربعا اهـ. وهي: سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر. قوله: "قبل الجلوس"، هذا بيان للأولى، كما يأتي، وهذا قول العامة وهو الصحيح. وقيل: يجلس أولا ثم يصلي. قوله: "وإن كان الأفضل فعلها قبله"، هذا يدل على أنهم حملوا النهي في حديث: "فلا يجلس حتى يركع ركعتين" على التنزيه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في تحية المسجد: ١/٣٩٤، ٣٩٥)

(حاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة، باب: الوتر والنوافل: ٢/١٨، دار الفكر، بيروت)

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، أعظم المساجد حرمة: ٢/٣٨، دار الكتاب الإسلامي)

(مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل: في تحية المسجد: ١/١٤٨)

(٢) "ويكره جلوسه قبل التحية حيث طلبت ولا تسقط به، وذكر سيدي أحمد زروق عن الغزالي وغيره أن من قال: سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر، أربع مرات، قامت مقام التحية". (شرح مختصر خليل للخرشي، كتاب الصلاة، فصل: في بيان صلاة النافلة وحكمها: ٢/٥.)

فالحاصل أن تحية المسجد لها ثلاثة شروط : أن يدخل على طهارة، وأن يكون مراده الجلوس في المسجد، وأن يكون الوقت وقت جواز، والشرط الثاني يفهم من قوله فلا يجلس، والأصل في ذلك قوله صلى الله عليه وسلم: إذا دخل أحدكم المسجد فلا يجلس حتى يصلي ركعتين. رواه مسلم.

وفي رواية : إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين قبل أن يجلس، والنهي على الأولى للكراهة، والأمر في الثانية على جهة الندب، وورد: أعطوا المساجد حقها، قالوا: وما حقها يا رسول الله =

ہوکر تحیۃ المسجد ادا کی تو کوئی حرج نہیں، تحیۃ المسجد درست ہوجائے گی، لیکن افضل یہی ہے کہ بیٹھنے سے قبل تحیۃ المسجد ادا کرلے۔

شوافع کے نزدیک اگر بھول کر تھوڑی دیر بیٹھ گیا پھر یاد آنے پر تحیۃ المسجد ادا کی تو کوئی حرج نہیں۔ اور اگر بھول کر دیر تک بیٹھا رہا، یا قصدا بیٹھا، چاہے تھوڑی دیر یا زیادہ دیر، ہر دوصورت میں تحیۃ المسجد فوت ہوجائے گی (۱)۔

حنابلہ کے نزدیک تھوڑی دیر بیٹھا؛ بھول کر ہو یا قصدا، تحیۃ المسجد فوت نہیں ہوئی۔ اور اگر زیادہ دیر بیٹھا، بھول کر ہو یا قصدا، تحیۃ المسجد فوت ہوجائے گی (۲)۔

= قال: صلاة ركعتين قبل الجلوس، وكونهما قبل الجلوس على جهة الندب، فلو جلس لا يفوتان ولو طال زمان الجلوس. (الفواكه الدواني على رسالة ابن أبي زيد، كتاب الصلاة، باب: أقل الشفع: ۱/۲۰۲)
(حاشية الصاوي على الشرح الصغير، كتاب الصلاة، النوافل المندوبة والرغائب: ۱/۴۰۵)

(۱)لو جلس في المسجد قبل التحية وطال الفصل، فاتت ولا يشرع قضاؤها بالاتفاق؛ كما سبق بيانه فإن لم يطل الفصل؛ فالذي قاله الأصحاب: إنها تفوت بالجلوس، فلا يفعلها بعده، وذكر الأصحاب هذه المسألة في كتاب الحج في مسألة الإحرام لدخول الحرم وقاسوا عليها أن من دخله بغير إحرام لا يقضيه بل فاته بمجرد الدخول كما تفوت التحية بالجلوس، وذكر الإمام أبو الفضل ابن عبدان من أصحابنا في كتابه المصنف في العبادات: أنه لو نسي التحية وجلس ثم ذكرها بعد ساعة صلاها، وهذا غريب، وقد ثبت عن جابر رضي الله عنه قال: جاء سليك الغطفاني يوم الجمعة ورسول الله صلى الله عليه وسلم قاعدا على المنبر فقعد سليك قبل أن يصلي، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: أركعت ركعتين؟ قال: لا، قال: قم فاركعهما. رواه مسلم بهذا اللفظ. ورواه البخاري أيضا بمعناه، فالذي يقتضيه هذا الحديث أنه إذا ترك التحية جهلا بها أو سهوا يشرع له فعلها ما لم يطل الفصل، وهذا هو المختار، وعليه يحمل قول ابن عبدان، ويحمل كلام الأصحاب على ما إذا طال الفصل لئلا يصادم الحديث الصحيح، وهذا الذي اختاره متعين لما فيه من موافقة الحديث والجمع بين كلام الأصحاب وابن عبدان والحديث. والله أعلم. (المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، مسألة مهمة تتعلق بصلاة الليل: ۴/۵۱)
(أسنى المطالب في شرح روض الطالب، كتاب الصلاة، الباب السابع: في صلاة التطوع: ۱/۲۰۵)
(الغرر البهية في شرح البهجة الوردية، كتاب الصلاة، فصل: في بيان صلاة النفل: ۱/۳۹۵)

(۲) مذكرة القول الراجح مع الدليل، كتاب الصلاة، إذا تكرر خروج الإنسان من المسجد، هل تشرع كلما خروج ورجع أم لا؟:۳/۹۱.
(الفروع وتصحيح الفروع، كتاب الصلاة، فصل: من دخل المسجد في الخطبة لم يمنع من التحية: ۳/۱۸۱)
(الإقناع في فقه الإمام أحمد بن حنبل، كتاب الصلاة، فصل: أسن أن يغتسل للجمعة: ۱/۱۹۸)

حدیث باب

٤٣٣ [1]: حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ ٱلزُّبَيْرِ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ ٱلزُّرَقِيِّ ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ ٱلسَّلَمِيِّ [2]: أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ قَالَ : (إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ ٱلْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ) . [١١١٠]

تراجم رجال

مذکورہ روایت کی سند میں پانچ رجال ہیں:

ا۔عبداللہ بن یوسف

یہ عبداللہ بن یوسف التنیسی دمشقی رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث اور تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: لیبلغ العلم الشاھد الغائب، کے تحت گذر چکے ہیں (۳)۔

(۱) مذکورہ حدیث چونکہ کشف الباری کی مذکورہ جلد کی آخری حدیث ہے، اس لیے اس مقام پر اس امر کی تجدید ضروری معلوم ہوتی ہے کہ کشف الباری کے لیے منتخب کیے گئے ''الدکتور مصطفیٰ دیب البغا'' والے نسخے کے مطابق اس حدیث کا نمبر:۴۳۳ ہے، جب کہ دیگر نسخوں؛ جو''فتح الباری'' یا ''عمدۃ القاری'' میں استعمال کیے گئے ہیں، ان کے مطابق اس حدیث کا نمبر:۴۴۴، ہے۔

(٢)أخرجه البخاري في صحيحه أيضا: في التهجد، باب: ما جاء في التطوع مثنى مثنى، رقم الحديث: ١١٦٣ .

ومسلم في صحيحه: في صلاة المسافرين، باب: استحباب تحية المسجد بركعتين وكراهة الجلوس قبل صلاتهما، وأنها ،مشروعة في جميع الأوقات، رقم الحديث: ٧١٤

وأبو داود في سننه، في الصلا ة، باب: ما جاء في الصلاة عند دخول المسجد، رقم الحديث: ٤٦٧، ٤٦٨

والترمذي في جامعه: في الصلاة، باب: ما جاء إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين، رقم الحديث: ٣١٦

والنسائي في سننه: في المساجد، باب: الأمر بالصلاة قبل الجلوس في المسجد، رقم الحديث: ٧٣١.

وفي جامع الأصول، حرف الصاد، الكتاب الأول: في الصلاة، القسم الثاني: من كتاب الصلاة: في النوافل، الفصل الرابع: في صلوات متفرقة، تحية المسجد، رقم الحديث: ٢٤٥٣، ٦/٢٤٨

(٣)كشف الباري: ١/٢٨٩، ٤/١١٣

۲۔ مالک

یہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر المدنی رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کشف الباری، کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث اور تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الایمان، باب: من الدین الفرار من الفتن، کے تحت گذر چکے ہیں(۱)۔

۳۔ عامر بن عبداللہ بن الزبیر

یہ ابوالحارث عامر بن عبداللہ بن زبیر بن العوام قرشی اسدی رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب: إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم، کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں (۲)۔

۴۔ عمرو بن سلیم الزرقی

ان کا پورا نام "عمرو بن سُلیم بن خلدہ بن مَخلد بن عامر ابن زُریق الزُرَقِي انصاری مدنی رحمہ اللہ ہے۔

یہ جن مشائخ سے روایت حدیث کرتے ہیں ان میں

ابوقتادہ، ابوسعید خدری، ابوھریرہ، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر بن خطاب، سعید بن میسّب، عاصم بن عمرو المدینی، عبدالرحمٰن بن ابی سعید خدری، ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں۔

اوران سے روایت کرنے والوں میں

عامر بن عبداللہ بن زبیر، بکیر بن عبداللہ بن الاشج، زید بن ابی عتاب، سعید بن ابی سعید المقبر ی، عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم، عبداللہ بن ابی سلمہ الماجشون، عبداللہ بن عامر الاسلمی، عبیداللہ ابن المگیرہ بن معیقیب، عثان بن ابی سلیمان، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، ابوبکر بن المنکد ر اور خود ان کے بیٹے سعید بن عمرو بن سُلیم الزرقی وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

محمد بن سعد رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: كان ثقة، قليل الحديث.

امام نسائی رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ثقة.

---

(۱) كشف الباري: ۱/۲۹۰، ۲/۸۰

(۲) كشف الباري: ٤/١٦٢

امام عجلی رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: مدني تابعي ثقة.

ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ما علمت فيه شيئايشينه.

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثقة من كبار التابعين(۱).

۵۔ ابی قتادہ السلمی

یہ صحابی رسول حضرت ابوقتادہ انصاری سلمی رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے تفصیلی احوال کشف الباری، کتاب الوضوء، باب: النهي عن الاستنجاء باليمين، کے تحت گذر چکے ہیں(۲)۔

ترجمہ حدیث

حضرت ابوقتادہ سلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اسے چاہیے کہ بیٹھنے سے قبل دو رکعت نماز (تحیۃ المسجد) پڑھ لیا کرے۔

شرح حدیث

مذکورہ حدیث مبارکہ کے تمام الفاظ چونکہ ترجمۃ الباب کا ہی حصہ تھے، اس لیے متعلقہ مباحث ترجمۃ الباب کی تشریح کے تحت ہی بیان ہو چکی ہیں، علاوہ اس کے کہ

"إذا دخل أحدكم المسجد"، اس حکم میں یہ بات شامل ہے کہ وہ باوضو بھی ہو، وگرنہ پہلے وضو کرے پھر تحیۃ المسجد ادا کرے(۳)۔

---

(۱)تهذيب الكمال: ۲۲/۵۵۔التاريخ الكبير للبخاري: ٦/ الترجمه: ۲۵۵۹، ثقات العجلي، ص: ٤٢، الثقات لابن حبان: ١٦٧/٥، الكاشف: ٢/الورقه: ١٠٠، تاريخ الإسلام: ٤٠/٤، ميزان الاعتدال:٣/ الترجمة: ٦٣٨٠، تهذيب التهذيب: ٤٤/٨، ٤٥، تقريب التهذيب: ٧١/٢.

(۲)كشف الباري، كتاب الوضوء، باب: النهي عن الاستنجاء باليمين، ص: ٤١١

(۳)إرشاد الساري: ١٠٣/٢

"فلیرکع"، معنی میں "فلیصل" کے ہے، جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے(۱)۔

"رکعتین"، اس سے مراد تحیۃ المسجد ہے، اور اس تثنیہ کے لفظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ دو رکعت سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں، البتہ دو رکعت سے کم پڑھنے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے اور معتبر بات یہ ہے کہ تحیۃ المسجد دو رکعت سے کم ادا کرنا جائز نہیں (۲)۔

حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بالکل واضح ہے، کسی قسم کا اخفا نہیں ہے۔

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

هذا آخر ما أردنا من شرح كتاب الصلاة، ويليه إن شاء الله تعالىٰ في المجلد الثالث:

٦١ ـــــــــ باب: الحدث في المسجد

والحمد للّٰه الذي بنعمته تتم الصالحات، والصلاة والسلام على رسولهٖ محمد أفضل الموجودات، وأكرم المخلوقات، وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ والتابعين لهم بإحسان ما دامت الأرض والسمٰوٰت.

☆☆☆..........☆☆..........☆☆☆

---

(۱)تحفة القاري: ٤٨٩/٢

(۲)التوضيح لابن الملقن: ٤٨٣/٥، عمدة القاري: ٢٧١/٤

فہرس مصادرومراجع

❁-اسلام اور عقلیات، مولانا اشرف علی تھانوي رحمہ اللہ، متوفی:١٣٦٢ھ، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان۔

❁-اشرف الجواب، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوي رحمہ اللہ، متوفی:١٣٦٢ھ، ادارۃ تالیفات اشرفیہ، ملتان

❁-أحكام القرآن، لأبي بكر محمد بن عبدالله المعروف بابن العربي رحمه الله، المتوفى:٥٤٣هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-أحكام القرآن، للإمام حجة الإسلام أبي بكر أحمد بن علي الرازي الجصاص رحمه الله، المتوفىٰ: ٣٧٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-أسد الغابة في معرفة الصحابة، للإمام عز الدين أبي الحسين علي بن محمد الجزري المعروف بابن الأثير رحمه الله، المتوفىٰ: ٦٣٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-أسنىٰ المطالب في أحاديث مختلفة المراتب، للإمام المحدث أبي عبد الرحمن محمد بن درويش الحوت البيروتي رحمه الله، المتوفىٰ: ١٢٧٦هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-أصول الشاشي، للإمام العلامة نظام الدين الشاشي رحمه الله، المتوفىٰ: ٣٢٥هـ، الطبعة الثانية: ١٤٢٩هـ، مكتبة البشرىٰ، كراتشي

❁-أعلام الحديث في شرح صحيح البخاري، للإمام المحدث أبي سليمان حمد بن محمد الخطابي رحمه الله، المتوفىٰ:٣٨٨هـ، مركز إحياء التراث الإسلامي، جامعة أم القرىٰ، مكة المكرمة

❁-أقرب الموارد في فصح العربية والشوارد، للإمام سعيد الخوري الشرتوني اللبناني

رحمه الله، منشورات مكتبة آية الله العظمى المرعشي النجفي، إيران

❁-أنوار التنزيل وأسرار التأويل: (راجع إلىٰ تفسير البيضاوي)

❁-أنوار الباري (اردو شرح) صحيح البخاري، إفادات الشيخ الكشميري وغيره، للشيخ السيد أحمد رضا البجنوري رحمه الله، إدارة التاليفات الأشرفية، ملتان، طبع: ١٤٢٥هـ.

❁-أوجز المسالك، للإمام المحدث محمد زكريا الكاندهلوي المدني رحمه الله، المتوفىٰ: ١٤٠٢هـ، دارالقلم، دمشق

❁-بحر العلوم: (راجع إلىٰ تفسير السمرقندي.)

❁-إتحاف الخِيَرة المَهَرة بزوائد المسانيد العشرة، للإمام أحمد بن أبي بكر بن إسماعيل البوصيري رحمه الله، المتوفىٰ: ٨٤٠هـ، دارالكتب العلمية، بيروت

❁-إرشاد الساري، للإمام شهاب الدين أبي العباس أحمد بن محمد الشافعي القسطلاني رحمه الله، المتوفى: ٩٢٣هـ، دار الكتب العلمية/المطبعة الكبرىٰ الأميرية، ببولاق مصر المحمية سنة ١٣٢٣هـ (الطبعة السابعة)

❁-إعلاء السنن، للمحدث الناقد ظفر أحمد العثماني رحمه الله، المتوفى: ١٣٩٤هـ، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية / دارالفكر

❁-إكمال المعلم بفوائد مسلم، للإمام الحافظ أبي الفضل عياض بن موسىٰ بن عياض اليحصبي رحمه الله، المتوفى: ٥٤٤هـ، دار الوفا للطباعة والنشر والتوزيع / دار الكتب العلمية، بيروت

❁-إكمال تهذيب الكمال، للعلامة علاء الدين مغلطائي ابن قليج بن عبدالله الحنفي رحمه الله، المتوفى: ٧٦٢هـ، الفاروق الحديثية للطباعة والنشر

❁-إكمال إكمال المعلم شرح صحيح مسلم، للإمام أبي عبدالله محمد بن خلفة الوشناني الأُبّي المالكي رحمه الله، المتوفىٰ: ٨٢٧ أو ٨٢٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون: (راجع إلىٰ السيرة الحلبية)

❁-الاستذكار، للإمام الحافظ أبي عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر المالكي رحمه الله، المتوفىٰ:٤٦٣هـ، دار إحياء التراث العربي

❁-الاستيعاب في أسماء الأصحاب (بهامش الإصابة)، للإمام الحافظ أبي عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر المالكي رحمه الله، المتوفىٰ:٤٦٣هـ، دار الفكر، بيروت

❁-الأبواب والتراجم لصحيح البخاري، للشيخ العلام محمد زكريا الكاندهلوي رحمه الله، المتوفىٰ:١٤٠٢هـ، سعيد، كراتشي

❁-الأحاديث المختارة، للشيخ الإمام ضياء الدين أبي عبد الله محمد بن عبد الواحد بن أحمد الحنبلي المقدسي رحمه الله، المتوفىٰ: ٦٤٣هـ، الطبعة الرابعة: ١٤٢١هـ، دار خضر، بيروت

❁-الأسماء المبهمة في أنباء المحكمة، للشيخ الإمام أبي بكر أحمد بن علي بن ثابت الخطيب البغدادي رحمه الله، المتوفىٰ: ٤٦٣، الطبعة الثالثة: ١٤١٧هـ، مكتبة الخانجي، القاهرة

❁-الأعلام لأشهر الرجال والنساء من العرب والمستغربين والمستشرقين، لإمام الشيخ خير الدين الزركلي رحمه الله، الطبعة الخامسة عشرة: ٢٠٠٢م، دار العلم للملايين، لبنان

❁-الإصابة في تمييز الصحابة، للإمام الحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر شهاب الدين العسقلاني الشافعي رحمه الله، المتوفىٰ: ٨٥٢ هـ، دار الفكر، بيروت / دار الجيل، بيروت

❁-الإعلام بفواعد عمدة الأحكام، للإمام سراج الدين أبي حفص عمر بن علي بن أحمد الأنصاري الشافعي المعروف بابن ملقن رحمه الله، المتوفىٰ:٨٠٤هـ، الطبعة الأولىٰ:١٤١٧هـ، دار العاصمة للنشر والتوزيع، الرياض

❁-الإقناع في فقه الإمام أحمد بن حنبل، للإمام شرف الدين موسىٰ بن أحمد بن

موسىٰ أبي النجا الحجاوي رحمه الله، المتوفىٰ: ٩٦٠هـ، دار المعرفة، بيروت

❁-الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف على مذهب الإمام أحمد بن حنبل، للإمام علاء الدين أبي الحسن علي بن سليمان بن أحمد المرداوي السعدي الحنبلي رحمه الله، المتوفىٰ: ٨٨٥هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-البحر الرائق شرح كنز الدقائق، للإمام العلام الشيخ زين الدين بن إبراهيم بن محمد المعروف بابن نجيم المصري الحنفي رحمه الله، المتوفىٰ: ٩٧٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-البحر الزخار المعروف بمسند البزار، للحافظ الإمام أبي بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق العتكي البزار رحمه الله، المتوفىٰ: ٢٩٢هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤٠٩هـ، مؤسسة علوم القرآن، بيروت

❁-البداية والنهاية، للإمام الحافظ أبي الفداء إسماعيل بن كثير الدمشقي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٧٧٤هـ، دار الكتب العلمية، بيروت / دار إحياء التراث العربي

❁-البناية شرح الهداية، للإمام المحدث الفقيه محمود بن أحمد بن موسىٰ بن أحمد بن الحسين، المعروف ببدرالدين العيني الحنفي رحمه الله، المتوفىٰ رحمه الله ٨٥٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-التاج والإكليل لمختصر خليل، للشيخ العلام أبو عبد الله محمد بن يوسف بن أبي القاسم العبدري رحمه الله، المتوفىٰ: ٨٩٧هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٣٩٨هـ، دار الفكر، بيروت

❁-التاريخ الكبير، للحافظ النقاد شيخ الإسلام أبي عبدالله إسماعيل بن إبراهيم البخاري رحمه الله، المتوفىٰ:٢٥٦ هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

❁-التبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، للإمام فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي رحمه الله الحنفي، المتوفىٰ: ٧٤٣هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٠هـ، دارالكتب العلمية، بيروت

❁-الترغيب والترهيب، للإمام الحافظ عبد العظيم بن عبد القوي المنذري رحمه

الله، المتوفىٰ: ٦٥٦هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٤هـ، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الرياض

❁-التعليق الصبيح على مشكاة المصابيح، للشيخ للإمام محمد إدريس الكاندهلوي رحمه الله، المتوفىٰ: ١٣٩٤هـ، الطبعة الأولىٰ، المجلس العلمي الإسلامي، حيدر آباد، دكن / المكتبة الرشيدية، كوئتة

❁-التفسير الكبير / مفاتيح الغيب، للإمام المفسر الكبير أبي عبدالله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التميمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي رحمه الله، المتوفىٰ: ٦٠٤هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-التفسير المظهري، للعلامة القاضي محمد ثناء الله بن حبيب الله بن هدايت الله المظهري پاني بتي رحمه الله، المتوفىٰ: ١٢٢٥هـ، بلوجستان بك دپو، باكستان

❁-التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير، للحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر العسقلاني رحمه الله، المتوفىٰ: ٨٥٢، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٦هـ، مؤسسة قرطبة، مصر

❁-التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد، للإمام الحافظ أبي عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر المالكي رحمه الله، المتوفىٰ: ٤٦٣هـ، المكتبة التجارية، مكة المكرمة

❁-التنبه على ما في التشبه: (راجع إلىٰ تشبه بالكفار للكاندهلوي)

❁-التوشيح شرح الجامع الصحيح، للإمام الحافظ أبي الفضل جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطي رحمه الله، المتوفىٰ: ٩١١هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٩هـ، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع، الرياض

❁-التوضيح لشرح الجامع الصحيح، للإمام سراج الدين أبي حفص عمر بن علي بن أحمد الأنصاري الشافعي المعروف بابن ملقن رحمه الله، المتوفىٰ: ٨٠٤هـ، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية، الكويت

❁-الجامع الصغير وزوائده والجامع الكبير: (راجع إلىٰ جامع الأحاديث للسيوطي)

❁-الجامع لأحكام القرآن، للإمام العلام أبي عبدالله محمد بن أحمد الأنصاري القرطبي رحمه الله، المتوفى: ٦٧١ هـ، دار إحياء التراث العربي

❁-الجرح والتعديل، للإمام الحافظ شيخ الإسلام أبي محمد عبدالرحمن بن أبي حاتم محمد بن إدريس بن المنذر التميمي الحنظلي الرازي رحمه الله، المتوفىٰ: ٣٢٧هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت / مطبعة دائرة المعارف العثمانية، بحيدرآباد، دكن، الهند

❁-الجمع بين الصحيحين، للإمام المحدث محمد بن فتوح الحميدي رحمه الله، المتوفىٰ: ٤٨٨هـ، دار ابن حزم

❁-الجواهر في تفسير القرآن الحكيم: (راجع إلىٰ تفسير الطنطاوي)

❁-الجوهرة النيرة على مختصر القدوري، للإمام العلام شيخ الإسلام أبي بكر بن علي بن محمد الحداد اليمني رحمه الله، المتوفىٰ: ٨٠٠هـ، قديمي كتب خانه، كراتشي

❁-الحاوي الكبير (في فقه الإمام الشافعي) للإمام الفقيه أبي الحسن علي بن محمد بن حبيب الماوردي البصري رحمه الله، المتوفى: ٤٥٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-الدر المختار، للإمام العلام علاء الدين محمد بن علي بن محمد الحصكفي رحمه الله، المتوفىٰ: ١٠٨٨ هـ، دار عالم الكتب

❁-الدرر واللآلي بشرح صحيح البخاري: (راجع إلىٰ الشرح الميسر لصحيح البخاري)

❁-الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج، للعلامة جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر بن سابق الدين الخضيري السيوطي رحمه الله، المتوفىٰ: ٩١١هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٦هـ، دار ابن عفان للنشر والتوزيع، السعودية

❁-الذخيرة، للإمام الشيخ شهاب الدين أحمد بن إدريس القرافي رحمه الله،

المتوفیٰ: ٦٨٤هـ، الطبعة الأولیٰ: ١٩٩٤م، دار الغرب الإسلامي، بیروت

✽-الروض الأنف في شرح السيرة النبوية لابن هشام، للإمام المحدث عبد الرحمن السهيلي رحمه الله، المتوفیٰ: ٥٨١هـ، الطبعة الأولیٰ: ١٣٨٧هـ، دار الكتب الإسلامية

✽-الروض الندي شرح كافي المبتدي في فقه إمام السنة أحمد بن حنبل الشيباني رحمه الله، للإمام العامل أحمد بن عبد الله بن أحمد البعلي رحمه الله، المتوفیٰ: ١١٨٩هـ، منشورات المؤسسة السعيدية، الرياض

✽-الزهد، للإمام أبي عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني رحمه الله، المتوفیٰ: ٢٤١هـ، الطبعة الأولیٰ: ١٤٠٣هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

✽-السراج الوهاج من كشف مطالب صحيح مسلم بن الحجاج، للعلامة أبي الطيب صديق بن حسن خان الحسيني القنوجي البخاري رحمه الله، طبع الشئون الدينية، قطر

✽-السنن الكبرىٰ، للإمام أبي بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي رحمه الله، المتوفیٰ: ٤٥٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت / مجلس دائرة المعارف الإسلامية بهند

✽-السنن الكبرىٰ، للإمام أبي عبدالرحمن أحمد بن شعيب النسائي رحمه الله، المتوفیٰ: ٣٠٣هـ، إدارة التاليفات الأشرفية، ملتان

✽-السيرة الحلبية، (إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون)، للعلامة علي بن برهان الدين الحلبي رحمه الله، المتوفیٰ: ١٠٤٤هـ، المكتبة الإسلامية، بيروت

✽-السيرة النبوية، للإمام أبو محمد عبدالملك بن هشام المعافري رحمه الله، المتوفیٰ: ٢١٣هـ، المكتبة العلمية، بيروت، لبنان

✽-السيرة النبوية، للإمام أبي محمد عبد الملك بن هشام المعافري رحمه الله، المتوفیٰ: ١٨٣هـ، الطبعة الأولیٰ: ١٤١٦هـ، دار الصحابة للتراث

✽-الشرح الصغير، للإمام أبي البركات أحمد بن محمد العدوي، الشهير بالدردير رحمه الله، المتوفیٰ: ١٢٠١هـ، دارالكتب العلمية، بيروت

❁-الشرح الكبير مع حاشية الدسوقي، للإمام أبي البركات أحمد بن محمد العدوي، الشهير بالدردير رحمه الله، المتوفیٰ:١٢٠١هـ، دارالكتب العلمية، بيروت

❁-الشرح الكبيرعلى هامش المقنع، لشمس الدين أبي الفرج عبد الرحمن بن محمد بن أحمد بن قدامة المقدسي رحمه الله، المتوفیٰ: ٦٨٢هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٤هـ، هجر للطباعة والنشر والتوزيع

❁-الشرح الميسر لصحيح البخاري (الدرر واللآلي بشرح صحيح البخاري)، للشيخ محمد علي الصابوني، الطبعة الأولىٰ: ١٤٣٢هـ، المكتبة العصرية، لبنان

❁-الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ، للعالم العلامة المحقق القاضي أبي الفضل عياض اليحصبي رحمه الله، المتوفیٰ: ٥٤٤هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-الصحيح لابن خزيمة، للعلامة أبي بكر محمد بن إسحاق بن خزيمة السلمي رحمه الله، المتوفیٰ: ٣١١هـ، الطبعة: ١٤٠٠، المكتب الإسلامي، بيروت

❁-الطبقات الكبرىٰ، للإمام محمد بن سعد بن منيع أبي عبدالله البصري الزهري رحمه الله، المتوفیٰ: ٢٣٠هـ، دار صادر، بيروت / مكتبة الخانجي، القاهرة

❁-العرف الشذي، للفقيه المحدث الشيخ محمد أنور الكشميري ثم الديوبندي رحمه الله، المتوفیٰ:١٢٥٢هـ، دار الكتب العلمية / المكتبةالرشيدية، كوئته

❁-العزيزشرح الوجيز (الشرح الكبير)، للإمام أبي القاسم عبدالكريم بن محمد بن عبدالكريم الرافعي القزويني الشافعي رحمه الله، المتوفیٰ سنة ٦٢٣ هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

❁-العقود الدرية (تنقيح فتاوىٰ الحامدية)، للفقيه العلام محمد أمين بن عمر، الشهير بابن عابدين رحمه الله، المتوفیٰ:١٢٥٢هـ، رشيدية، كوئتة

❁-العلل الواردة في الأحاديث النبوية، للإمام الحافظ أبي الحسن علي بن عمر ابن أحمد بن مهدي الدار قطني رحمه الله، المتوفیٰ:٣٨٥ هـ، دار طيبة

❁-العلل ومعرفة الرجال، للإمام أبي عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني رحمه الله، المتوفىٰ: ٢٤١هـ، الطبعة الثانية: ١٤٢٢هـ، دار الخاني، الرياض

❁-الفائق في غريب الحديث والأثر، لإمام اللغة العلامة جار الله محمود بن عمر الزمخشري رحمه الله، المتوفى: ٥٣٨هـ، دار الفكر، بيروت

❁-الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان (الفتاوىٰ العالمكيرية)، للعلامة الهمام مولانا الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند الأعلام رحمهم الله، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢١هـ، دار الكتب العلمية، بيروت / رشيدية، كوئتة

❁-الفقه الإسلامي وأدلته، للدكتور وهبة الزحيلي، الطبعة الثانية: ١٤٠٥هـ، دار الفكر للطباعة والتوزيع والنشر، دمشق

❁-الفواكه الدواني علىٰ رسالة ابن أبي زيد القيرواني، للعلامة الشيخ أحمد بن غنيم بن سالم بن مهنا النفراوي الأزهري المالكي رحمه الله، المتوفىٰ: ١١٢٦هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

❁-الفوائد البهية، للشيخ المحقق المحدث أبي الحسنات محمد عبدالحيي بن محمد عبدالحليم الأنصاري اللكنوي الهندي رحمه الله، المتوفىٰ: ١٣٠٤هـ، قديمي كتب خانة، كراتشي

❁-القاموس المحيط، للعلامة مجد الدين محمد بن يعقوب الفيروز آبادي الشيرازي رحمه الله، المتوفىٰ: ٨١٧هـ،

❁-القاموس الوحيد، لمولانا وحيد الزمان قاسمي كيرانوي رحمه الله، إدارة إسلاميات، لاهور

❁-الكاشف عن حقائق السنن الشهير بشرح الطيبي، للعلامة حسن بن محمد الطيبي رحمه الله، المتوفىٰ: ٧٤٣هـ، إدارة القرآن والعلوم، كراتشي

❁-الكاشف في معرفة من له الرواية في الكتب الستة، للإمام شمس الدين أبي

عبدالله محمد بن أحمد الذهبي الدمشقي رحمه الله، المتوفىٰ: ٧٤٨ هـ، دار القبلة للثقافة الإسلامية، جدة / مؤسسة علوم القرآن، جدة

❁-الكامل في ضعفاء الرجال، للإمام الحافظ أبي أحمد عبد الله بن عُدي الجرجاني رحمه الله، المتوفىٰ: ٣٦٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-الكشف والبيان في تفسير القرآن (تفسير الثعلبي)، للإمام العلامة أبي إسحاق أحمد بن محمد بن إبراهيم الثعلبي رحمه الله، المتوفىٰ: ٤٢٧هـ، الطبعه الأولىٰ: ١٤٢٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-الكنز المتواري، للشيخ العلام محمد زكريا الكاندهلوي رحمه الله، المتوفىٰ: ١٤٠٢هـ، مؤسسة الخليل الإسلامي، فيصل آباد

❁-الكواكب الدراري: (راجع إلىٰ شرح الكرماني)

❁-الكوثر الجاري إلىٰ رياض أحاديث البخاري، للإمام أحمد بن إسماعيل بن عثمان بن محمد الكُوراني رحمه الله الشافعي ثم الحنفي، المتوفىٰ: ٨٩٣هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٩هـ، دار إحياء التراث العربي

❁-الكوكب الدري، للإمام المحدث الشيخ رشيد أحمد الجنجوهي رحمه الله، المتوفىٰ: ١٣٢٣هـ، مطبعة ندوة العلماء، لكنوء

❁-اللباب في علوم الكتاب، للإمام المفسر أبي حفص عمر بن علي ابن عادل الدمشقي الحنبلي رحمه الله، المتوفىٰ بعد سنة: ٨٨٠هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٩هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-المبدع شرح المقنع، للإمام أبي إسحاق برهان الدين إبراهيم بن محمد بن عبد الله بن محمد ابن مفلح الحنبلي رحمه الله، المتوفىٰ: ٨٨٤هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-المجموع شرح المهذب، للإمام العلامة الفقيه الحافظ أبي زكريا محيي الدين

بن شرف النووي رحمه الله، المتوفیٰ:٦٧٦ھ، إدارة الطباعة المنيرية

❁-المحكم والمحيط الأعظم، لإمام اللغة أبي الحسن علي بن إسماعيل بن سيده المرسي، المعروف بابن سيده رحمه الله، المتوفیٰ:٤٥٨ھ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-المحلیٰ بالآثار، للإمام المحدث أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي رحمه الله، المتوفیٰ:٤٥٦ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

❁-المخصص، لإمام اللغة أبي الحسن علي بن إسماعيل بن سيده المرسي، المعروف بابن سيده رحمه الله، المتوفیٰ:٤٥٨ھ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-المدونة الكبریٰ، لإمام دار الهجرة مالك بن أنس الأصبحي رحمه الله، المتوفیٰ:١٧٩ھ، دار صادر، بيروت / دار الكتب العلمية، بيروت

❁-المستدرك على الصحيحين، للإمام الحافظ أبي عبدالله محمد بن عبدالله الحاكم النيسابوري رحمه الله، المتوفیٰ:٤٠٥ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

❁-المصنف لابن أبي شيبة، للإمام أبي بكر عبدالله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفي رحمه الله، المتوفیٰ:٢٣٥ھ، الطبعة الثانية: ١٤٢٨ھ، شركة دار القبلة / مؤسسة علوم القرآن / إدارة القرآن والعلوم الإسلامية باكستان

❁-المصنف لعبدالرزاق، للإمام المحدث أبي بكرعبدالرزاق بن همام الصنعاني رحمه الله، المتوفیٰ:٢١١ھ، الطبعة: ١٣٩٢ھ، دار الكتب العلمية، بيروت/ المكتب الإسلامي، بيروت / منشورات المجلس العلمي، هند

❁-المعجم الكبير، للإمام الحافظ أبي القاسم سليمان بن أحمد الطبراني رحمه الله، المتوفیٰ:٣٦٠ھ، مكتبة العلوم والحكم

❁-المعجم الوسيط، مجمع اللغة العربية، الطبعة السادسة: ١٤٢٩ھ، مؤسسة الصادق للطباعة والنشر، إيران

❁-المغني في الضعفاء، للإمام أبي عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان

الذهبي رحمه الله، المتوفىٰ: ٧٤٨هـ، دار إحياء التراث العربي، قطر

❁-المغني في فقه الإمام مالك رحمه الله، للإمام موفق الدين أبي محمد عبدالله بن أحمد بن قدامة رحمه الله، المتوفىٰ: ٦٢٠ هـ، دار الفكر / دار عالم الكتب، الرياض

❁-المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب المسلم، للإمام الحافظ أبي العباس أحمد بن عمر بن إبراهيم القرطبي رحمه الله، المتوفىٰ: ٦٥٦هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٧هـ، دار ابن كثير، دمشق

❁-المقنع، للإمام موفق الدين أبي محمد عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة المقدسي رحمه الله، المتوفىٰ: ٦٢٠هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٤هـ، هجر للطباعة والنشر والتوزيع

❁-المنتقىٰ (شرح موطأ الإمام مالك)، للإمام القاضي أبي الوليد سليمان بن خلف بن سعد بن أيوب الباجي رحمه الله، المتوفىٰ: ٤٩٤هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

❁-المنهاج شرح النووي علىٰ صحيح الإمام مسلم، للإمام العلامة الفقيه الحافظ أبي زكريا محيي الدين بن شرف النووي رحمه الله، المتوفىٰ: ٦٧٦ هـ، دار المعرفة / المطبعة المصرية بالأزهر

❁-المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، للعلامة أبي العباس أحمد بن محمد بن أبي بكر القسطلاني رحمه الله، المتوفىٰ: ٩٢٣هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٣٢٦هـ، المكتبة التوفيقية، القاهرة

❁-الموسوعة الفقهية، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية، الطبعة الثانية: ١٤٠٤هـ، طباعة ذات السلاسل، الكويت

❁-الموطا، للإمام الهمام محمد بن الحسن الشيباني رحمه الله، المتوفىٰ: ١٨٩هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤٣١هـ، مكتبة البشرىٰ، كراتشي

❁-الموطا، للإمام مالك بن أنس الأصبحي رحمه الله، المتوفىٰ: ١٧٩هـ، دار الكتب العلمية / دار إحياء التراث العربي

❁-المُستَطرف في كل فنٍ مستظرف، للإمام شهاب الدين محمد بن أبي الفتح الأبْشَيْهِي المحلي رحمه الله، المتوفىٰ: ٨٥٠هـ، مكتبة الجمهورية العربية، مصر

❁-المُغرِب في ترتيب المعرب، للإمام اللغوي أبي الفتح ناصر الدين المطرزي رحمه الله، المتوفىٰ: ٦١٠هـ، الطبعة الأولىٰ:١٣٩٩هـ، مكتبة أسامة بن زيد، حلب

❁-النبراس على شرح العقائد، للإمام الحافظ أبي عبد الرحمن عبد العزيز بن أبي حفص أحمد بن حامد الفرهاوي رحمه الله، المتوفىٰ:١٢٣٩، مكتبة الرشيدية، كوئتة

❁-النهاية في غريب الحديث والأثر، للإمام مجد الدين أبي السعادات المبارك بن محمد الجزري، المعروف بابن الأثير رحمه الله، المتوفىٰ:٦٠٦هـ، الطبعة الثالثة: ١٤٣٠هـ، دار المعرفة، بيروت

❁-النهر الفائق شرح كنز الدقائق، للإمام سراج الدين عمر بن إبراهيم ابن نجم الحنفي رحمه الله، المتوفىٰ:١٠٠٥هـ، دار الكتب العلمية

❁-بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، للإمام علاء الدين أبي بكر بن مسعود الكاساني الحنفي رحمه الله، المتوفىٰ:٥٨٧هـ، الطبعة الثانية: ١٤٢٤هـ، الطبعة الثانية:١٤٠٦هـ، دار الكتب العلمية

❁-بداية المجتهد ونهاية المقتصد، للإمام القاضي أبي الوليد محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد ابن رشد المالكي القرطبي رحمه الله، المتوفى:٥٩٥هـ، دار الكتب العلمية

❁-بذل المجهود، للشيخ المحدث خليل أحمد السهارنبوري رحمه الله، المتوفىٰ:١٣٤٦هـ، مركز الشيخ أبي الحسن الندوي

❁-بهجة النفوس وتحليها بمعرفة ما لها وما عليها شرح مختصر صحيح البخاري، للإمام المحدث أبي محمد عبد الله بن أبي جمرة الأندلسي رحمه الله، المتوفىٰ: ٦٩٩هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٣٤٨هـ، مطبعة الصدق الخيرية بجوار الأزهر، مصر

❁-بيان القرآن، للشيخ مولانا أشرف علي التهانوي رحمه الله، المتوفىٰ:١٣٦٢هـ،

إدارة التاليفات الأشرفية، ملتان

✽-تاج العروس، للشيخ أبي الفيض محمد بن محمد بن عبدالرزاق الحسيني، الملقب بمرتضىٰ الزبيدي رحمه اللّٰه، المتوفىٰ:١٢٠٥ھ، دار الهداية

✽-تاريخ الرسل الملوك: (راجع إلىٰ تاريخ الطبري)

✽-تاريخ الطبري (تاريخ الرسل الملوك)، للإمام جعفر محمد بن جرير الطبري رحمه اللّٰه، المتوفىٰ: ٣١٠ھ، الطبعة الثانية، دارالمعارف، مصر

✽-تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام، للإمام شمس الدين أبي عبداللّٰه محمد بن أحمد الذهبي الدمشقي رحمه اللّٰه، المتوفى:٧٤٨ ھ، دار الكتاب العربي

✽-تاريخ يحى بن معين، للإمام يحيىٰ بن معين بن عون المُزي البغدادي رحمه اللّٰه، المتوفىٰ:٢٣٣ھ، دار القلم للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت

✽-تبيين الحقائق، للإمام فخر الدين بن عثمان بن علي الزيلعي الحنفي رحمه اللّٰه، المتوفى رحمه اللّٰه ٧٤٣ ھ، دار الكتب العلمية، بيروت

✽-تحرير تقريب التهذيب، تأليف: الدكتور بشار عواد معروف، والشيخ شعيب الأنؤوط، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٧ھ، مؤسسة الرسالة، بيروت

✽-تحفة الأحوذي بشرح الجامع للإمام الترمذي، للإمام الحافظ أبي العلي محمد بن عبدالرحمن ابن عبدالرحيم المباركفوري رحمه اللّٰه، المتوفى:١٣٥٣ھ، دار الفكر

✽-تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف، للحافظ المتقن جمال الدين أبي الحجاج يوسف المزّي رحمه اللّٰه، المتوفىٰ:٧٤٢ھ، الطبعة الثانية: ١٤٠٣ھ، المكتب الإسلامي، بيروت

✽-تحفة الباري: (راجع إلىٰ منحة الباري)

✽-تحفة الملوك في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة النعمان، للإمام زين الدين محمد بن أبي بكر بن عبد القادر الرازي رحمه اللّٰه، المتوفىٰ بعد سنة: ٦٦٦ھ، الطبعة الثانية:

١٤٣٢هـ، مكتبة معهد عثمان بن عفان، كراتشي

❁-تذكرة الحفاظ، للإمام الحافظ أبي عبدالله شمس الدين محمد بن عثمان الذهبي رحمه الله، المتوفىٰ: ٧٤٨هـ، دار إحياء التراث العربي / دائرة المعارف النظامية بهند

❁-تشبه بالكفار للكاندهلوي(التنبه على ما في التشبه)، للشيخ للإمام محمد إدريس الكاندهلوي رحمه الله، المتوفىٰ:١٨٩٩هـ، إدارة التاليفات أشرفية، ملتان

❁-تغليق التعليق، للحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر شهاب الدين العسقلاني الشافعي رحمه الله، المتوفىٰ: ٨٥٢ هـ، المكتبة الأثرية باكستان

❁-تفسير ابن كثير: (راجع إلىٰ تفسير القرآن العظيم)

❁-تفسير البغوي (معالم التنزيل)، للإمام محيي السنة أبي محمد الحسين بن مسعود البغوي رحمه الله، المتوفىٰ: ٥١٦هـ، طبع: ١٤٠٩هـ، دار طيبة للنشر والتوزيع:

❁-تفسير البيضاوي (أنوار التنزيل وأسرار التأويل) للقاضي الإمام ناصر الدين أبي سعيد عبد الله بن عمر البيضاوي الشافعي رحمه الله، المتوفىٰ: ٦٨٥هـ، قديمي كتب خانة، كراتشي

❁-تفسير السمرقندي (بحر العلوم)، للإمام الفقيه الزاهد أبي الليث نصر بن محمد بن إبراهيم السمرقندي الحنفي رحمه الله، المتوفىٰ: ٣٧٥هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-تفسير الطبري (جامع البيان عن تأويل آي القرآن)، للإمام أبي جعفر محمد بن جرير الطبري رحمه الله، المتوفىٰ: ٣١٠هـ، تحقيق الدكتورعبد الله بن عبد المحسن التركي، دار هجر، مركز البحوث والدراسات العربية والإسلامية

❁-تفسير الطنطاوي (الجواهر في تفسير القرآن الحكيم)، للأستاذ الحكيم الشيخ طنطاوي رحمه الله، جوهري، الطبعة: ١٣٥٠هـ، انتشارات آفتاب، تهران

❁-تفسير القرآن العظيم (تفسير ابن كثير)، للإمام الجليل الحافظ عماد الدين أبي

الـفـداء إسـمـاعيـل بـن كثيـر الـدمشقي رحمه الله، المتوفیٰ: ٧٧٤هـ، الطبعة الأولیٰ: ١٤٢١هـ، الفاروق الحديثة للطباعة والنشر، القاهرة / مؤسسة قرطبة

❁-تـفسيـر الـقـرآن، لسـرسيـد أحمد خان، طبع: ١٩٩٨م، دوست ايسوسي ايٹس، لاهور

❁-تـفسيـر الـكشـاف عن حقائق غوامض التنزيل وعيون الأقاويل في وجوه التأويل، لـلـعلامة جار الله أبي القاسم محمود بن عمر الزمخشري رحمه الله، المتوفیٰ: ٥٣٨هـ، الطبعة الأولیٰ: ١٤١٨هـ، مكتبة العبيكان، الرياض

❁-تـفسيـر أبـي سعود (إرشاد العقل السليم إلیٰ مزايا الكتاب الكريم) لقاضي القضاة أبي سعـود بن محمد العمادي الحنفي رحمه الله، المتوفیٰ: ٩٨٢هـ، مكتبة الرياض الحديثية، الرياض

❁-تـفسيـر عثـمـانـي، لشيـخ الإسـلام الـعـلامة شبيـر أحمد عثـمـانـي رحـمـه الله، المتوفیٰ: ١٣٦٩هـ، دار الاشاعت، كراتشي

❁-تفسير عزيزي، للشيخ الإمام العلامة شاة عبد العزيز محدث الدهلوي رحمه الله،

❁-تـقـريـب التهـذيـب، لـلـحـافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر شهاب الدين العسقلاني الشافعي رحمه الله، المتوفی: ٨٥٢ هـ، دار الرشيد، سوريا، حلب

❁-تـقـريـرِ بـخـاري، لـلشيـخ الـعـلام مـحـمـد زكـريـا الكـاندهلوي رحـمـه الله، المتوفی: ١٤٠٢هـ، مكتبة الشيخ، كراتشي

❁-تنقيح فتاویٰ الحامدية: (راجع إلیٰ العقود الدرية)

❁-تـنـويـر الحوالك شرح علی الموطا للإمام مالك رحمه الله، للعلامة جلال الدين عبـد الـرحـمـن بـن أبـي بـكـر بن سابق الدين الخضيري السيوطي رحمه الله، المتوفیٰ: ٩١١هـ، الطبعة الأولیٰ: ١٤١٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-تهذيب الأسماء واللغات، للإمام العلامة الحافظ الفقيه أبي زكريا محيي الدين بن

شرف النووي رحمه الله، المتوفى:٦٧٦هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-تهذيب التهذيب، للحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر شهاب الدين العسقلاني الشافعي رحمه الله، المتوفى:٨٥٢هـ، مؤسسة الرسالة

❁-تهذيب الكمال في أسماء الرجال، للحافظ المتقن جمال الدين أبي الحجاج يوسف المزّي رحمه الله، المتوفىٰ:٧٤٢هـ، مؤسسة الرسالة

❁-تيسير القاري فارسي شرح صحيح البخاري، للإمام المحدث مولانا نور الحق الدهلوي بن مولانا شيخ عبد الحق الدهلوي رحمه الله، المتوفىٰ: ١٠٧٣هـ، مطبع علوي محمد علي خان بخش لكهنوى

❁-جامع الأحاديث (الجامع الصغير وزوائده والجامع الكبير) للعلامة جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر بن سابق الدين الخضيري السيوطي رحمه الله، المتوفىٰ:٩١١هـ، الطبعة:١٤١٤هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-جامع الأصول في أحاديث الرسول، للإمام مجد الدين أبي السعادات المبارك بن محمد الجزري، المعروف بابن الأثير رحمه الله، المتوفىٰ: ٦٠٦هـ، دار الفكر

❁-جامع البيان عن تأويل آي القرآن: (راجع إلىٰ تفسير الطبري)

❁-جامع الدروس العربية، للشيخ مصطفىٰ الغلاييني رحمه الله، منشورات المكتبة العصرية، بيروت

❁-حاشية ابن عابدين (راجع إلىٰ رد المحتار)

❁-حاشية الدسوقي (علىٰ الشرح الكبير)، للإمام العلام الشيخ محمد بن أحمد بن عرفة الدسوقي المالكي رحمه الله، المتوفىٰ: ١٢٣٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-حاشية السندي علىٰ صحيح البخاري، للعلامة محمد عابد السندهي رحمه الله، المتوفى:١٢٥٧هـ، للإمام أبي الحسن نور الدين محمد بن عبد الهادي السندي رحمه الله، المتوفىٰ: ١١٣٨هـ، قديمي كتب خانه

*-حاشية السهارنپوري على صحيح البخاري، للشيخ المحدث أحمد علي السهارنفوري رحمه الله، المتوفىٰ: ١٢٩٧هـ، قديمي كتب خانة، كراتشي

*-حاشية الشهاب على تفسير البيضاوي(عناية القاضي وكفاية الراضي)، للشيخ أحمد بن محمد بن عمر قاضي القضاة الملقب بشهاب الدين الخفاجي المصري الحنفي رحمه الله، المتوفىٰ:١٠٦٩هـ، الطبعة الأولىٰ:١٤١٧هـ، دارالكتب العلمية، بيروت

*-حاشية الصاوي على تفسير الجلالين، للعلامة الشيخ أحمد بن محمد الصاوي المصري الخلوتي المالكي رحمه الله، المتوفىٰ: ١٢٤١هـ، الطبعة الرابعة: ١٤٢٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

*-حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، للإمام العلامة أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي رحمه الله، المتوفىٰ:١٢٣١هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

*-حاشية شيخ الإسلام على صحيح البخاري مطبوع على تيسير القاري، للشيخ الإسلام نبيره الإمام المحدث شيخ عبد الحق الدهلوي رحمه الله، مطبع علوي محمد علي خان بخش لكهنوي

*-حجة الله البالغة، لإمام الكبير الشيخ أحمد المعروف بشاة ولي الله ابن عبد الرحيم الدهلوي رحمه الله، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٦هـ، دار الجيل للنشر والطباعة والتوزيع، بيروت

*-حلبي كبير(غنية المتملي في شرح منية المصلي)، للشيخ إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحنفي الحلبي رحمه الله، المتوفىٰ: ٩٥٦هـ، طبع: ١٣٢٥هـ، سهيل اكيدمي، لاهور

*-حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، للحافظ أبي نعيم أحمد بن عبدالله الأصفهاني رحمه الله، المتوفى: ٤٣٠هـ، دار الفكر، بيروت/ دار الكتب العلمية، بيروت

*-خصائل نبوي صلى الله عليه وسلم، حضرت شيخ الحديث مولانا محمد زكريا كاندهلوى رحمه الله، متوفى:

١٤٠٢ھ،مکتبۃ البشریٰ، کراچی

❁-خلاصة الخزرجي (خلاصة تذهيب تهذيب الكمال)، للعلامة صفي الدين الخزرجي رحمه الله، المتوفىٰ بعد سنة ٩٢٣هـ، مكتب المطبوعات الإسلامية بحلب

❁-خلاصة تذهيب تهذيب الكمال: (راجع إلىٰ خلاصة الخزرجي)

❁-دلائل النبوة، لأبي بكر أحمد بن الحسين البيهقي رحمه الله، المتوفىٰ:٤٥٨هـ، دار الكتب العلمية / المكتبة الأثرية، لاهور

❁-ذخيرة العقبىٰ في شرح المجتبىٰ (شرح سنن النسائي) للعلامة محمد بن الشيخ العلامة علي بنآدم بن موسىٰ الإشيوبي الولّوي حفظه الله، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٦هـ، دار المعراج الدولية للنشر، الرياض

❁-رد المحتار، للفقيه العلام محمد أمين بن عمر، الشهير بابن عابدين رحمه الله، المتوفى:١٢٥٢هـ، دار عالم الكتب / دار الثقافة والتراث، دمشق، سورية

❁-رسالة شرح تراجم أبواب صحيح البخاري (المطبوع مع صحيح البخاري)، للإمام المحدث الشاه ولي الله رحمه الله، المتوفىٰ: ١١٧٦هـ، قديمي كتب خانه

❁-روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، للعلامة أبي الفضل شهاب الدين السيد محمود الآلوسي البغدادي رحمه الله، المتوفىٰ: ١٢٧٠هـ، دار الكتب العلمية/ دار إحياء التراث العربي

❁-روضة الطالبين، للعلامة محي الدين يحيٰ بن شرف بن مري النووي رحمه الله، المتوفىٰ: ٦٧٦هـ، طبعة خاصة: ١٤٢٣هـ، دار عالم الكتب، الرياض

❁-زاد المسير في علم التفسير، للإمام أبي الفرج جمال الدين عبد الرحمن بن علي بن محمد الجوزي القرشي البغدادي رحمه الله، المتوفىٰ: ٥٩٧هـ، الطبعة الثانية: ١٤٢٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-زاد المعاد في هدي خير العباد، للإمام العلامة المحدث شمس الدين أبي عبدالله

محمد بن أبي بكر الزرعي الدمشقي، المعروف بابن القيم الجوزية رحمه الله، المتوفىٰ: ٧٥١هـ، مؤسسة الرسالة / مكتبة المنار الإسلامية

❁-سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد، للإمام محمد بن يوسف الصالحي الشامي رحمه الله، المتوفىٰ: ٩٤٢هـ، وزارة الأوقاف، لجنة إحياء التراث الإسلامي، مصر

❁-سبل السلام شرح بُلوغ المرام، للإمام العلامة محمد بن إسماعيل الصنعاني رحمه الله، المتوفىٰ: ١١٨٢هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٧هـ، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الرياض

❁-سراج القاري، للشيخ عبدالرحيم مد ظله، الجامعة القاسمية دار العلوم زكريا بهند

❁-سنن ابن ماجه، للإمام الحافظ أبي عبدالله محمد بن يزيد الربعي ابن ماجه القزويني رحمه الله، المتوفىٰ: ٢٧٣هـ، دار السلام

❁-سنن الترمذي، للإمام المحدث الحافظ محمد بن عيسىٰ بن سورة الترمذي رحمه الله، المتوفىٰ: ٢٧٩، دار السلام

❁-سنن الدار قطني، للإمام المحدث الحافظ الكبير علي بن عمر الدار قطني رحمه الله، المتوفىٰ: ٣٨٥هـ، دار نشر الكتب الإسلامية لاهور / مؤسسة الرسالة / دار المعرفة، بيروت

❁-سنن النسائي، للإمام الحافظ أبي عبدالرحمن أحمد بن شعيب بن علي ابن سنان النسائي رحمه الله، المتوفىٰ: ٣٠٣هـ، دار السلام

❁-سنن أبي داوٗد، للإمام الحافظ أبي داوٗد سليمان بن الأشعث بن إسحاق الأذدي السجستاني رحمه الله، المتوفى: ٢٧٥هـ، دار السلام

❁-سير أعلام النبلاء، للإمام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي رحمه الله، المتوفى: ٧٤٨هـ، مؤسسة الرسالة، للإمام أبي عبد الله محمد بن إدريس بن

العباس المُطَّلِبِي الشافعي رحمه الله، المتوفىٰ: ٢٠٤هـ، دار الكتب العلمية

❁-سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ، علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ، اشاعت اول: ۱۴۲۳ھ، ادارۂ اسلامیات، لاہور

❁-سیرۃ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، مولانا محمد ادریس کاندہلوی رحمہ اللہ، متوفی: ۱۸۹۹ھ، دارالاشاعت/کتب خانہ مظہری، کراچی

❁-شرح الزرقاني على المواهب اللدنية، للإمام محمد بن عبدالباقي بن يوسف الزرقاني رحمه الله، المتوفىٰ: ١١٢٢ هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-شرح الزرقاني على الموطأ، للإمام محمد بن عبدالباقي بن يوسف الزرقاني رحمه الله، المتوفىٰ: ١١٢٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-شرح الزركشي، للإمام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن عبدالله الزركشي المصري الحنبلي رحمه الله، المتوفى: ٧٧٢هـ، مكتبة العبيكان / دار الكتب العلمية، بيروت

❁-شرح العقائد النسفية، للعلامة سعد الدين التفتازاني رحمه الله، المتوفىٰ: ٧٩٢هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤٣٠هـ، مكتبة البشرىٰ، كراتشي

❁-شرح الكرماني، (الكواكب الدراري)، للإمام العلام شمس الدين محمد بن يوسف بن علي الكرماني رحمه الله، المتوفىٰ: ٧٨٦هـ، دار إحياء التراث العربي

❁-شرح النووي على صحيح مسلم، للعلامة محي الدين يحيٰ بن شرف بن مري النووي رحمه الله، المتوفىٰ: ٦٧٦هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٣٤٧هـ، الطبعة المصرية، الأزهر

❁-شرح الوقاية، للعلامة صدر الشريعة الأصغر عبيد الله بن مسعود بن تاج الشريعة محمود بن صدر الشريعة الأكبر أحمد الأنصاري رحمه الله، المتوفىٰ: ٧٢٧هـ، مير محمد كتب خانة، كراتشي

❁-شرح أبي داود، للإمام بدرالدين أبي محمد محمود بن أحمد العيني رحمه الله، المتوفىٰ: ٨٥٥هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٠هـ، مكتبة الرشد، الرياض

❁-شرح سنن الإمام أبي داود للخطابي: (راجع إلىٰ معالم السسن)

❁-شـرح صـحيـح البـخـاري، لأبـي الحسن علي بن خلف بن عبدالملك ابن بطال البكري القرطبي رحمه الله، المتوفىٰ:٤٤٩هـ، دار الكتب العلمية / مكتبة الرشد،رياض

❁-شـرح لبـاب الـمـنـاسك (الـمسلك الـمتقسّط في المنسك المتوسط علىٰ لباب الـمـنـاسك لـلإمـام السندي رحمه الله)، للعلامة علي بن سلطان المعروف بملا علي القاري رحمه الله، المتوفىٰ: ١٠١٤هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-شـرح معاني الآثار، للإمام المحدث الفقيه أبي جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوي رحمه الله، المتوفىٰ: ٣٢١هـ، المكتبة الحقانية، ملتان / عالم الكتاب

❁-شـعب الإيمان، للحافظ أبي بكر أحمد بن الحسين البيهقي رحمه الله، المتوفىٰ: ٤٥٨هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٣هـ، مكتبة الرشد، الرياض

❁-صـحيـح ابـن حبـان بتـرتيـب ابن بلبان، للإمام محمد بن حبان بن أحمد بن أبي حـاتـم البُستي رحمه الله، المتوفىٰ: ٣٥٤هـ، الطبعة الثانية:١٤١٤هـ ١٤١٤هـ، مؤسسة الرسالة، بيروت

❁-صـحيـح البـخـاري، لـلإمام أبوعبدالله محمد بن إسماعيل البخاري رحمه الله، المتوفىٰ:٢٥٦هـ، دار السلام

❁-صـحيـح الإمـام مسـلم، للإمام الحافظ أبي الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشري النيسابوري رحمه الله، المتوفىٰ:٢٦١هـ، دارالسلام

❁-طـرح التثريـب فـي شـرح التـقـريـب، للإمام الحافظ زين الدين أبي الفضل عبد الرهيم بن الحسين العراقي رحمه الله، المتوفىٰ: ٨٠٦هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت

❁-عـارضة الأحـوذي، لـلإمـام أبـي بـكـر مـحمد بن عبدالله المعروف بابن العربي المالكي رحمه الله، المتوفى:٥٤٣هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-عمدة الـقـاري، لـلإمـام بدرالدين ابومحمد محمود بن أحمد العيني رحمه الله،

المتوفى: ٨٥٥ھ، دار الكتب العلمية/إدارة الطباعة المنيرية

❁-عناية القاضي وكفاية الراضي: (راجع إلىٰ حاشية الشهاب على تفسير البيضاوي)

❁-عون المعبود شرح سنن أبي داؤد، للعلامة أبي الطيب محمد شمس الحق العظيم آبادي رحمه الله، الطبعة الثانية: ١٣٨٨ھ، المكتبة السلفية، المدينة المنورة

❁-غنية المتملي في شرح منية المصلي: (راجع إلىٰ حلبي كبير)

❁-فتاوىٰ التاترخانية، للشيخ الإمام فريد الدين عالم بن العلاء الإدرپتي الدهلوي الهندي رحمه الله، المتوفىٰ: ٧٨٦، الطبعة الأولىٰ: ١٤٣١ھ، مكتبة زكريا، بديوبند، الهند

❁-فتح الباري شرح صحيح البخاري، للإمام العلام زين الدين عبدالرحمن بن أحمد ابن رجب الحنبلي رحمه الله، المتوفىٰ: ٧٩٥ھ، دار الكتب العلمية / مكتبة الغرباء الأثرية، المدينة المنورة

❁-فتح الباري، للإمام الحافظ أحمد بن علي بن حجرالعسقلاني رحمه الله، المتوفىٰ: ٨٥٢ھ، دار المعرفة / دار الكتب العلمية / دار السلام

❁-فتح القدير (الجامع بين فني الرواية والدراية من علم التفسير) للإمام محمد بن علي بن محمد الشوكاني رحمه الله، المتوفىٰ: ١٢٥٠ھ، دار الكتب العلمية

❁-فتح القدير، للشيخ الإمام كمال الدين محمد بن عبدالواحد، المعروف بابن الهمام الحنفي رحمه الله، المتوفى: ٦٨١ھ، المكتبة الرشيدية، كوئٹه

❁-فتح الملهم شرح صحيح مسلم، للعلامة شبير أحمد العثماني رحمه الله، المتوفىٰ: ١٣٦٩ھ، دار القلم

❁-فضل الباري، لشيخ الإسلام العلام شبير أحمد العثماني رحمه الله، المتوفىٰ: ١٣٦٩ھ، إدارة العلوم الشرعية بكراتشي

❁-فهرس ابن عطية، للإمام القاضي أبي محمد عبد الحق بن عطية المحاربي

الأندلسي رحمه الله، المتوفىٰ:، الطبعة الثانية: ١٩٨٣م، دار الغرب الإسلامي

❁-فيض الباري على صحيح البخاري، للفقيه المحدث الشيخ محمد أنور الكشميري ثم الديوبندي رحمه الله، المتوفى: ١٢٥٢ه، دار الكتب العلمية / المكتبة الرشيدية، كوئته

❁-فيض القدير شرح الجامع الصغير، للعلامة محمد عبد الرؤف بن تاج العارفين المناوي رحمه الله، المتوفىٰ: ١٠٣١ه، الطبعة الثانية: ١٣٩١ه، دار المعرفة، بيروت

❁-كتاب الأم، للإمام المطلبي محمد بن إدريس الشافعي رحمه الله، المتوفىٰ: ٢٠٤ه، الطبعة الثانية: ١٤٢٨ه، دار قتيبة

❁-كتاب التعريفات، للفاضل العلامة علي بن محمد علي، المعروف بالشريف الجرجاني رحمه الله، المتوفىٰ: ٨١٦ه، طبعة جديدة: ١٩٨٥م، مكتبة لبنان، بيروت

❁-كتاب الثقات، للإمام الحافظ محمد بن حبان بن أحمد أبي حاتم التميمي البستي رحمه الله، المتوفى: ٣٥٤ه، دار الفكر

❁-كتاب المبسوط، للإمام شمس الأئمة الفقيه أبي بكر محمد بن أحمد بن أبي سهل السرخسي الحنفي رحمه الله، المتوفىٰ: ٤٩٠ه، دار الكتب العلمية

❁-كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، للباحث العلامة محمد علي التهانوي رحمه الله، مكتبة لبنان ناشرون، بيروت

❁-كشف الباري، للشيخ الإمام المحدث سليم الله خان مد ظله، المكتبة الفاروقية، كراتشي

❁-كشف القناع عن متن الإقناع، للشيخ العلامة فقيه الحنابلة منصور بن يونس بن إدريس البهوتي رحمه الله، المتوفىٰ: ١٠٥١ه، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٧ه، عالم الكتب

❁-كنز العمال في سنن أقوال والأفعال، للعلامة علاء الدين علي المتقي بن حسام الدين الهندي رحمه الله، المتوفىٰ: ٩٧٥ه، الطبعة الثانية: ١٤٢٤ه، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-لامع الدراري على جامع البخاري، للفقيه المحدث الشيخ رشيد أحمد الجنجوهي رحمه الله، المتوفى: ١٣٢٣هـ، المكتبة الإمدادية، مكة المكرمة

❁-لسان العرب، للإمام العلام أبي الفضل جمال الدين محمد بن مكرم ابن منظور الأفريقي المصري رحمه الله، المتوفى: ٧١١هـ، دار إحياء التراث العربي/ مؤسسة التاريخ الإسلامي، بيوت، لبنان

❁-لسان الميزان، للإمام الحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر العسقلاني رحمه الله، المتوفى: ٨٥٢هـ، الطبعة الأولى: ١٤٢٣هـ، دار البشائر الإسلامية، بيروت

❁-لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح، للإمام العلامة الفقيه الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي رحمه الله، المتوفى: ١٠٥٢هـ، الطبعة الأولى: ١٣٩٢هـ، مكتبة المعارف العلمية، لاهور

❁-مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، للحافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي رحمه الله، المتوفى: ٨٠٧هـ، الطبعة الأولى: ١٤٢٥هـ، دار الفكر، بيروت

❁-مجمع بحار الأنوار، للشيخ العلام اللغوي محمد طاهر الصديقي الهندي الجحراتي رحمه الله، المتوفى: ٩٨٦هـ، طبع بمطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية، بحيدرآباد، الدكن، الهند

❁-مجموع الفتاوى، للإمام تقي الدين أحمد بن تيمية الحرّاني رحمه الله، المتوفى: ٧٢٧هـ، الطبعة الثالثة: ١٤٢٦هـ، دار الوفاء

❁-*مجموعہ رسائل، حکیم الاسلام مولانا قاري محمد طیب قاسمی صاحب رحمہ اللہ، متوفی: ۱۴۰۳ھ، دار الاشاعت، کراچی*

❁-مختار الصحاح، للإمام محمد بن أبي بكر بن عبدالقادر الرازي رحمه الله، المتوفى بعد سنة ٦٦٦هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

❁-مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، للعلامة الشيخ علي بن سلطان محمد

القاري رحمه الله، المتوفى: ١٠١٤هـ، دار الكتب العملية، بيروت

❁-مسند الطيالسي، للإمام المحدث سليمان بن داؤد بن الجارود رحمه الله، المتوفىٰ: ٢٠٤ هـ، دار الكتب العلمية / دار هجر للطباعة والنشر

❁-مسند أبي عوانة، للإمام الجليل أبي عوانة يعقوب بن إسحاق الأسفرائيني رحمه الله، المتوفىٰ: ٣١٦هـ، دار المعرفة، بيروت، لبنان

❁-مسند أبي يعلى موصلي، للإمام الحافظ أحمد بن علي بن المثنى التميمي رحمه الله، المتوفىٰ: ٣٠٧، الطبعة الثانية: ١٤١٠هـ، دار المأمون للتراث، دمشق

❁-مسند أحمد، للإمام أبي عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني رحمه الله، المتوفىٰ: ٢٤١هـ، مؤسسة الرسالة / عالم الكتب

❁-مشكوٰة المصابيح، للإمام محمد بن عبد الله الخطيب التبريزي رحمه الله، المتوفىٰ: ، الطبعة الثانية: ١٢٩٩، المكتب الإسلامي

❁-معارف السنن، للشيخ السيد محمد يوسف بن سيد محمد زكريا الحسيني البنوري رحمه الله، المتوفىٰ: ١٣٩٧هـ، ايج ايم، سعيد، كمبني

❁-معارف القرآن، للعلامة مولانا المفتي محمد شفيع الديوبندي رحمه الله، طبع: ١٤١٥هـ، إدارة المعارف، كراتشي

❁-معالم التنزيل: (راجع إلىٰ تفسير البغوي)

❁-معالم السنن (شرح سنن الإمام أبي داؤد)، للإمام أبي سليمان حمد بنمحمد الخطابي البستي رحمه الله، المتوفىٰ: ٣٨٨، الطبعة الأولىٰ: ١٣٥١هـ، مطبعة العلمية، حلب

❁-معجم البلدان، للشيخ الإمام شهاب الدين أبي عبد الله ياقوت بن عبد الله الحموي الرومي البغدادي رحمه الله، طبع: ١٣٩٧هـ، دار صادر، بيروت

❁-معجم الصحاح، للإمام إسماعيل بن حماد الجوهري رحمه الله، المتوفىٰ: ٣٩٣هـ، دار المعرفة، بيروت، لبنان

❁-معرفة الثقات، للإمام أحمد بن عبدالله بن صالح أبي الحسن العجلي الكوفي رحمه الله، المتوفىٰ: ٢٦١هـ، مكتبة الدار، المدينة المنورة

❁-معرفة الصحابة لأبي نعيم، للإمام المحدث العلامة أحمد بن عبدالله بن أحمد بن إسحاق بن مهران، المعروف بأبي نعيم الأصبهاني رحمه الله، المتوفى: ٤٣٠هـ، دار الوطن للنشر / دار الكتب العلمية، بيروت

❁-منحة الباري (تحفة الباري)، للإمام شيخ الإسلام أبي يحيىٰ زكريا الأنصاري المصري الشافعي رحمه الله، المتوفىٰ: ٩٢٦هـ، مركز الفلاح للبحوث العلمية / دار الكتب العلمية، بيروت

❁-ميزان الاعتدال في نقد الرجال، للإمام أبي عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز الذهبي رحمه الله، المتوفىٰ: ٧٤٨هـ، دارالمعرفة، بيروت

❁-نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض، للعلامة أحمد بن محمد بن عمر شهاب الدين الخفاجي المصري رحمه الله، المتوفىٰ: ١٠٦٩هـ، المكتبة السلفية، المدينة المنورة

❁-نصب الراية لأحاديث الهداية، للإمام الحافظ العلامة جمال الدين أبي محمد عبد الله بن يوسف الزيلعي الحنفي رحمه الله، المتوفىٰ: ٧٦٢هـ، مؤسسة الريان للطباعة والنشر والتوزيع

❁-نور الإيضاح، للشيخ العلامة حسن بن علي الشرنبلالي رحمه الله، المتوفىٰ: ١٠٦٩هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤٣١هـ، مكتبة البشرىٰ، كراتشي

❁-نهاية المحتاج إلىٰ شرح المنهاج في الفقه على مذهب الإمام الشافعي، للإمام شمس الدين محمد بن أبي العباس أحمد بن حمزة المصري الأنصاري الشهير بالشافعي الصغير رحمه الله، المتوفىٰ: ١٠٠٤هـ، طبعة: ١٤١٤هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-نيل الأوطار شرح منتقىٰ الأخبار، للشيخ الإمام محمد بن علي الشوكاني رحمه

اللّٰه، المتوفى: ١٢٥٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت

❁-وفيات الأعيان أنباء أبناء الزمان، للعلامة أبي العباس شمس الدين أحمد بن محمد بن أبي بكر بن خلكان رحمه اللّٰه، المتوفىٰ: ٦٨١هـ، دار صادر، بيروت .

❁-هدي الساري، للحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر شهاب الدين العسقلاني الشافعي رحمه اللّٰه، المتوفىٰ: ٨٥٢هـ، دار السلام، الرياض

فہرس مصادر ومراجع

❁ ــ قرآن مجید

❁ ــ اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور

❁ ــ الاتقان في علوم القرآن، للحافظ أبي الفضل جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطيؒ، المتوفى سنة: ۹۱۱ھ، وزارة الشئون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد، المملكة العربية السعودية.

❁ ــ الاستذكار، للإمام الحافظ أبي عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر المالكيؒ، المتوفىٰ سنة: ٤٦٣، دار إحياء التراث العربي.

❁ ــ الاستيعاب في أسماء الأصحاب (بهامش الإصابة)، للإمام الحافظ أبي عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر المالكيؒ، المتوفىٰ سنة: ٤٦٣، دار الفكر، بيروت.

❁ ــ الأبواب والتراجم لصحيح البخاري، للشيخ العلامة محمد زكريا الكاندهلويؒ، المتوفىٰ سنة: ١٤٠٢، ايج، ايم، سعيد، كمبني

❁ ــ الأعلام لأشهر الرجال والنساء من العرب والستغربين والمستشرقين، للإمام الشيخ خير الدين الزركليؒ، دار العلم للملايين، لبنان.

❁ ــ الأم، لأبي عبد الله محمد بن إدريس بن العباس الشافعيؒ، المتوفى سنة: ٢٠٤ھ، دار المعرفة.

❁ ــ البناية شرح الهداية، للإمام المحدث الفقيه محمود بن أحمد بن موسىٰ بن أحمد بن الحسين، المعروف ببدرالدين العيني الحنفيؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٥٥، دار الكتب العلمية.

❁ ــ البيان في مذهب الإمام الشافعي، لأبي الحسين يحى بن أبي الخير بن سالم العمراني الشافعيؒ، المتوفى سنة: ٥٥٨ھ، دار المنهاج.

❁ ــ التاج والإكليل لمختصر خليل، للشيخ العلام أبو عبد الله محمد بن يوسف بن أبي القاسم العبدريؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٩٧ھ، دار الفكر، بيروت.

۞ ـــالتاريخ الكبير، للحافظ النقاد شيخ الإسلام أبي عبدالله إسماعيل بن إبراهيم البخاريؒ، المتوفىٰ سنة: ٢٥٦ هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

۞ ـــالتقرير والتحبير على التحرير في أصول الفقه، للعلامة ابن أمير الحاج الحلبيؒ، المتوفى سنة: ٨٧٩هـ، دار الكتب العلمية.

۞ ـــالتنقيح لألفاظ الجامع الصحيح، لبدر الدين الزركشيؒ، المتوفى سنة: ٧٩٤هـ، مكتبة الرشد.

۞ ـــ التوشيح شرح الجامع الصحيح، للإمام الحافظ أبي الفضل جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطيؒ، المتوفىٰ: ٩١١هـ، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع، الرياض.

۞ ـــالتوضيح لشرح الجامع الصحيح ، للإمام سراج الدين أبي حفص عمر بن علي بن أحمد الأنصاري الشافعي المعروف بابن ملقنؒ، المتوفىٰ سنة ٨٠٤هـ، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية.

۞ ـــالتهذيب في فقه الإمام الشافعي، لمحي السنة أبي محمد الحسين بن مسعود البغوي الشافعيؒ، المتوفى سنة: ٥١٦هـ، دار الكتب العلمية.

۞ ـــالثقات، لأبي حاتم محمد بن حبان بن أحمد بن حبان الدارمي البستيؒ، المتوفى سنة ٣٥٤هـ، دائرة المعارف العثمانية، الدكن، هند.

۞ ـــ الثمر الداني شرح رسالة ابن أبي زيد القيرواني، لصالح بن عبد السميع الآبي الأزهري المالكيؒ، المتوفى سنة: ١٣٣٥هـ، المكتبة الثقافة، بيروت.

۞ ـــالجامع لأحكام القرآن، للإمام العلام أبي عبدالله محمد بن أحمد الأنصاري القرطبيؒ، المتوفىٰ سنة: ٦٧١ هـ، دار إحياء التراث العربي.

۞ ـــالجامع (مطبوع مع المصنف لابن عبد الرزاق)، للإمام معمر بن أبي عمرو راشد الأزديؒ، المتوفى سنة: ١٥٣هـ، المجلس العلمي بباكستان.

۞ ـــالجرح والتعديل،للإمام الحافظ شيخ الإسلام أبي محمد عبدالرحمن بن أبي حاتم محمد بن إدريس بن المنذر التميمي الحنظلي الرازيؒ، المتوفىٰ سنة: ٣٢٧هـ، بمطبعة دائرة المعارف العثمانية، بحيدرآباد، دكن ،الهند/ دار الكتب العلمية.

۞ ـــ الحاوي الكبير (في فقه الإمام الشافعي) للإمام الفقيه أبي الحسن علي بن محمد بن حبيب

الماوردي البصريؒ، المتوفىٰ سنة: ٤٥٠ھ ، دار الكتب العلمية ، بيروت .

۞ ــ الحلبي الكبير، غنية المستملي في شرح منية المصلي المشتهر بشرح الكبير ، للشيخ إبراهيم الحلبي الحنفيؒ، المتوفىٰ سنة: ٩٥٦ھ ،الناشر :سهيل اكيدمى لاهور باكستان.

۞ ــ الخائص الكبرىٰ المسمىٰ بـ"كفاية الطالب اللبيب في خصائص الحبيب" للشيخ الإمام الحافظ أبي الفضل جلال الدين عبدالرحمٰن أبي بكر السيوطي الشافعيؒ ، المتوفىٰ سنة: ٩١١ھ، دار الكتب العلمية بيروت .

۞ ــ الدر المختار ، للإمام العلام علاء الدين محمد بن علي بن محمد الحصكفيؒ، المتوفىٰ سنة: ١٠٨٨ ھ ، دار عالم الكتب ، الرياض.

۞ ــ الديباج على صحيح مسلم، للحافظ أبي الفضل جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطيؒ، المتوفى سنة: ٩١١ھ، دار ابن عفان.

۞ ــ الذخيرة، لشهاب الدين أحمد بن إدريس القرافيؒ المالكي، التوفى سنة: ٦٨٤ھ، دارالغرب الإسلامي.

۞ ــ الروض الأنف في تفسير السيرة النبوية لابن هشام، للإمام أبي القاسم عبد الرحمن بن عبد الله بن أحمد بن أبي الحسين الخثعمي السهيليؒ، المتوفىٰ سنة: ٥٨١ھ، دار الكتب العلمية.

۞ ــ الروض المربع شرح زاد المستقنع، لمنصور بن يونس بن صلاح الدين البهوتي الحنبليؒ، التوفى سنة: ١٠٥١ھ، مؤسسة الرساله.

۞ ــ الشرح الكبير (المطبوع مع المقنع، والإنصاف) لشمس الدين أبي الفرج عبد الرحمن بن محمد بن أحمد بن قدامة المقدسيؒ، المتوفى سنة: ٦٨٢ھ، هجر للطباعة والنشر، القاهرة

۞ ــ الشرح الميسر لصحيح الإمام البخاري ، المسمىٰ بـ"الدرر واللآلي" بشرح صحيح الإمام البخاري ، للشيخ العلامة محمد علي الصابونيؒ،المكتبة العصرية،لبنان مع دار الأفق.

۞ ــ الشفاء بتعريف حقوق المصطفى، للعلامة قاضي أبي الفضل عياض اليَحْصُبِيؒ، المتوفىٰ سنة: ٥٤٤ھ، دارالكتب العلمية ـ بيروت.

۞ ــ الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، لأبي نصر إسماعيل بن حماد الجوهري الفارابيؒ، المتوفى سنة: ٣٩٣ھ، دار العلم للملايين، بيروت.

❁ ــ الطبقات الكبرىٰ، للإمام محمد بن سعد بن منيع أبي عبدالله البصري الزهريؒ، المتوفىٰ سنة: ٢٣٠ ﻫ، دار صادر ، بيروت / مكتبة الخانجي، القاهرة.

❁ ــ العزيز شرح الوجيز (الشرح الكبير) ، للإمام أبي القاسم عبدالكريم بن محمد بن عبدالكريم الرافعي القزويني الشافعيؒ، المتوفىٰ سنة: ٦٢٣ ﻫ ، دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان.

❁ ــ العقود الدرية المعروف بـ تنقيح فتاوىٰ الحامدية، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدينؒ الشامي، المتوفىٰ سنة: ١٢٥٢ﻫ، دار المعرفة بيروت

❁ ــ العلماء العزاب الذين آثروا العلم على الزواج، للعلامة عبد الفتاح أبي غدة الحلبي الحنفيؒ، المتوفى سنة: ١٤١٧ﻫ، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب.

❁ ــ الغرر البهية في شرح البهجة الوردية، لزكريا بن محمد بن أحمد بن زكريا الأنصاري الشافعيؒ، المتوفى سنه: ٩٢٦ﻫ، المطبعة الميمنية.

❁ ــ الفتاوى الهندية المعروفة بالفتاوى العالمكيرية ، للعلامة الهمام الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند الأعلام ، دار الكتب العلمية ، بيروت.

❁ ــ الفتاوىٰ التاتارخانية ،للشيخ فريد الدين عالم بن العلاء الإندرپتي الدهلوي المتوفىٰ:٧٨٦ﻫ، تحقيق: شبير أحمد القاسمي، مكتبه فاروقيه، كوئٹه.

❁ ــ الفواكه الدواني علىٰ رسالة ابن أبي زيد القيرواني ، للعلامة الشيخ أحمد بن غنيم بن سالم بن مهنا النفراوي الأزهري المالكيؒ، المتوفىٰ سنة: ١١٢٦ﻫ، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

❁ ــ الكاشف عن حقائق السنن الشهير بشرح الطيبي، للعلامة حسن بن محمد الطيبيؒ، المتوفىٰ: ٧٤٣ﻫ، إدارة القرآن والعلوم، كراتشي.

❁ ــ الكافي(في فقه الإمام أحمد بن حنبل) ، لموفق الدين أبي محمد عبدالله بن أحمد بن محمد بن قدامة المقدسي الدمشقيؒ، المتوفىٰ سنة: ٦٢٠ ﻫ ، دار هجر للطباعة والنشر.

❁ ــ الكنز المتواري، للشيخ العلام محمد زكريا الكاندهلويؒ، المتوفىٰ سنة: ١٤٠٢ﻫ، مؤسسة الخليل الإسلامي، فيصل آباد .

❁ ــ الكوثر الجاري إلىٰ رياض أحاديث البخاري، للإمام أحمد بن إسماعيل بن عثمان بن محمد

الكُوراني الشافعي ثم الحنفي، المتوفىٰ سنة: ٨٩٣ﻫ، دار إحياء التراث العربي.

❁ــالكوكب الدري، للإمام المحدث الشيخ رشيد أحمد الجنجوهي، المتوفىٰ سنة: ١٣٢٣ﻫ، مع تعليقات المحدث محمد زكريا بن محمد يحيىٰ الكاندهلوي، المتوفىٰ سنة: ١٤٠٢، إدارة القرآن و العلوم الإسلامية، كراتشي، مطبعة ندوة العلماء، لكنؤ.

❁ــ الكوكب الوهاج والروض البهاج في شرح صحيح مسلم، لمحمد الأمين بن عبد الله الأرمي الهردي الشافعي، دار المنهاج.

❁ــاللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح، لأبي عبد الله محمد بن موسى النعيمي العسقلاني الشافعي البِرماوي، المتوفى سنة: ٨٢٧ﻫ، دار النوادر.

❁ــالمبدع شرح المقنع، للإمام أبي إسحاق برهان الدين إبراهيم بن محمد بن عبد الله بن محمد ابن مفلح الحنبلي، المتوفىٰ: ٨٨٤ﻫ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ــ المتواري على أبواب البخاري، للإمام العلامة ناصر الدين ابن المنير، المتوفىٰ سنة: ٦٨٣ﻫ، المكتب الإسلامي.

❁ــ المجموع شرح المهذب، للإمام العلامة الفقيه الحافظ أبي زكريا محيي الدين بن شرف النووي، المتوفىٰ سنة: ٦٧٦ﻫ، إدارة الطباعة المنيرية.

❁ــ المحرر في الفقه على مذهب الإمام أحمد بن حنبل، للإمام مجد الدين ابن تيمية عبد السلام بن عبد الله الحنبلي، المتوفى سنة: ٦٥٢ﻫ، وزارة الشئوون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد، المملكة العربية السعودية.

❁ــ المحكم والمحيط الأعظم، للإمام اللغة أبي الحسن علي بن إسماعيل بن سيده المرسي، المعروف بابن سيده، المتوفىٰ سنة: ٤٥٨ﻫ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ــ المحيط البرهاني في الفقه النعماني، للإمام برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز البخاري الحنفي، المتوفى سنة: ٦١٦ﻫ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ــ المخصص، للإمام اللغة أبي الحسن علي بن إسماعيل بن سيده المرسي، المعروف بـ ابن سيده، المتوفىٰ سنة: ٤٥٨ﻫ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ـــالمدونة الكبرىٰ، للإمام دار الهجرة مالك بن أنس الأصبحيؒ، المتوفىٰ سنة: ١٧٩هـ، دار صادر، بيروت / دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ـــالمسائل الفقهية من كتاب الروايتين والوجهين، للقاضي أبي يعلى محمد بن الحسين بن محمد المعروف بـ ابن الفراء الحنبليؒ، المتوفى سنة: ٤٥٨هـ، مكتبة المعارف، الرياض.

❁ـــالمستدرك على الصحيحين، للإمام الحافظ أبي عبدالله محمد بن عبدالله الحاكم النيسابوريؒ، المتوفىٰ سنة ٤٠٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

❁ـــالمصباح المنير في غريب الشرح الكبير، للإمام أحمد بن محمد بن على الفيومي ثم الحمويؒ، المتوفى سنة: ٧٧٠هـ، المكتبة العلمية، بيروت.

❁ـــالمصنف لابن أبي شيبة، للإمام أبي بكر عبدالله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفيؒ، المتوفىٰ سنة: ٢٣٥هـ، مؤسسة علوم القرآن / إدارة القرآن والعلوم الإسلامية باكستان.

❁ـــالمصنف لعبدالرزاق، للإمام المحدث أبي بكرعبدالرزاق بن همام الصنعانيؒ، المتوفىٰ سنة ٢١١هـ، دار الكتب العلمية / منشورات المجلس العلمي، هند.

❁ـــالمطالب العالية بزائد المسانيد الثمانية:للحافظ أحمد بن علي بن حجرأبي الفضل العسقلانيؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٥٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ـــالمعجم الكبير، للإمام الحافظ أبي القاسم سليمان بن أحمد الطبرانيؒ، المتوفىٰ سنة: ٣٦٠هـ، مكتبة العلوم والحكم.

❁ـــالمغني في الضعفاء، للإمام أبي عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبيؒ، المتوفىٰ سنة: ٧٤٨هـ، دار إحياء التراث العربي، قطر.

❁ـــالمغني في فقه الإمام مالكؒ، للإمام موفق الدين أبي محمد عبدالله بن أحمد بن قدامةؒ، المتوفىٰ سنة: ٦٢٠هـ، دار الفكر / دار عالم الكتب، الرياض.

❁ـــالمفهم لما أشكل من تلخيص كتاب المسلم، للإمام الحافظ أبي العباس أحمد بن عمر بن إبراهيم القرطبيؒ، المتوفىٰ سنة: ٦٥٦هـ، دار ابن كثير، دمشق.

❁ـــالمقتضب للإمام محمد بن عبد الأكبر الثمالي الأزدي، أبي العباس المعروف بـ المبردؒ،

المتوفیٰ سنة: ۲۸۵ھ، عالم الكتب، بيروت.

❁ ـــ المقنع، للإمام موفق الدين أبي محمد عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة المقدسيؒ، المتوفیٰ سنة: ٦٢٠ھ، هجر للطباعة والنشر والتوزيع.

❁ ـــ الممتع في شرح المقنع، لزين الدين المُنجّى بن عثمان بن أسعد التنوخي الحنبليؒ، المتوفى سنة: ٦٩٥ھ، مكتبة الأسدي، المكة المكرمة.

❁ ـــ المنتقىٰ (شرح مؤطأ الإمام مالك)، للإمام القاضي أبي الوليد سليمان بن خلف بن سعد بن أيوب الباجيؒ، المتوفیٰ سنة: ٤٩٤ھ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ ـــ المنهاج شرح النووي علیٰ صحيح الإمام مسلم، للإمام العلامة الفقيه الحافظ أبي زكريا محيي الدين بن شرف النوويؒ، المتوفیٰ سنة: ٦٧٦ھ، دار المعرفة / المطبعة المصرية بالأزهر.

❁ ـــ المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، للعلامة أبي العباس أحمد بن محمد بن أبي بكر القسطلانيؒ، المتوفیٰ سنة: ٩٢٣ھ، المكتبة التوفيقية، القاهرة.

❁ ـــ الموسوعة الفقهية الكويتية، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية، الكويت.

❁ ـــ المؤطا، للإمام الهمام محمد بن الحسن الشيبانيؒ، المتوفیٰ سنة: ١٨٩ھ، مكتبة البشریٰ، كراتشي

❁ ـــ المؤطا، للإمام مالك بن أنس الأصبحيؒ، المتوفیٰ سنة: ١٧٩ھ، دار الكتب العلمية.

❁ ـــ المُغرِب في ترتيب المعرب، للإمام اللغوي أبي الفتح ناصر الدين المطرزيؒ، المتوفیٰ سنة: ٦١٠ھ، مكتبة أسامة بن زيد، حلب.

❁ ـــ النبراس على شرح العقائد، للإمام الحافظ أبي عبد الرحمن عبد العزيز بن أبي حفص أحمد بن حامد الفرهاويؒ، المتوفیٰ سنة: ١٢٣٩، مكتبة الرشيدية، كوئتة.

❁ ـــ النجم الوهاج في شرح المنهاج، لأبي البقاء كمال الدين محمد بن موسى بن عيسى الدميري الشافعيؒ، المتوفى سنة: ٨٠٨ھ، لجنة علمية.

❁ ـــ النهاية في غريب الحديث والأثر، للإمام مجد الدين أبي السعادات المبارك بن محمد الجزري، المعروف بـ ابن الأثيرؒ، المتوفیٰ سنة: ٦٠٦ھ، دار المعرفة، بيروت.

❁ ـــ الوسيط في المذهب، للإمام أبي حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي الشافعيؒ، المتوفیٰ

سنة: ٥٠٥هـ، دارالسلام القاهرة.

❁ــ الإصابة في تمييز الصحابة، للإمام الحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر شهاب الدين العسقلاني الشافعيؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٥٢ هـ، دار الفكر، بيروت / دار الجيل، بيروت.

❁ــ الإعلام بفوائد عمدة الأحكام، لابن الملقن سراج الدين أبي حفص عمر بن علي بن أحمد الشافعي المصريؒ، المتوفى سنة: ٨٠٤هـ، دار العاصمة للنشر والتوزيع، المملكة العربية السعودية.

❁ــ الإقناع في حل ألفاظ أبي شجاع، لشمس الدين محمد بن أحمد الخطيب الشربيني الشافعيؒ، المتوفى سنة: ٩٧٧هـ، درا الفكر، بيروت.

❁ــ الإقناع في فقه الإمام أحمد بن حنبل، للإمام شرف الدين موسىٰ بن أحمد بن موسىٰ أبي النجا الحجاويؒ، المتوفىٰ سنة: ٩٦٠هـ، دار المعرفة، بيروت.

❁ــ الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف على مذهب الإمام أحمد بن حنبلؒ، للإمام علاء الدين أبي الحسن علي بن سليمان بن أحمد المرداوي السعدي الحنبليؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٨٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ــ الإيمان، لأبي عبد الله محمد بن إسحاق بن محمد بن يحيى بن مَنده العبديؒ، المتوفى سنة: ٣٩٥ء، مؤسسة الرسالة، بيروت.

❁ــ *انوارالباری،مولانا سیداحمدرضاصاحب بجنوریؒ، ادارۂ تالیفات اشرفیہ،ملتان*

❁ــ *ایضاح البخاري،افادات:مولاناسیدفخرالدینؒ،مرتب:مولاناریاست علی بجنوری،قدیمی کتب خانہ،کراچی.*

❁ــ أخبار مكة وما جاء فيها من الآثار، لأبي الوليد محمد بن عبد الله بن أحمد بن محمد بن الوليد الغساني المكي المعروف بـ الأزرقيؒ، المتوفى سنة: ٢٥٠هـ، دار الأندلس، بيروت.

❁ــ أسد الغابة في معرفة الصحابة، للإمام عز الدين أبي الحسين علي بن محمد الجزري المعروف بـ ابن الأثيرؒ، المتوفىٰ سنة: ٦٣٠ هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ــ أسنىٰ المطالب في أحاديث مختلفة المراتب، للإمام المحدث أبي عبد الرحمن محمد بن درويش الحوت البيروتيؒ، المتوفىٰ سنة: ١٢٧٦هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ــ أعلام الحديث في شرح صحيح البخاري ، للإمام المحدث أبي سليمان حمد بن محمد

الخطابيؒ، المتوفیٰ سنة: ٣٨٨ھ، مركز إحياء التراث الإسلامي، جامعة أم القریٰ، مكة المكرمة.

❁ ـــ أنموذج اللبيب في خصائص الحبيب (مطبوع مع شرح محمد بن أحمد عبد الباري الأهدل، المسمی: بـ فتح الكريم القريب شرظ أنموذج اللبيب) لعبد الرحمن بن أبي بكر جلال الدين السيوطيؒ، المتوفی سنة: ٩١١ھ، وزارة الإعلام بجدة.

❁ ـــ أوجز المسالك، للإمام المحدث محمد زكريا الكاندهلوي المدنيؒ، المتوفیٰ سنة: ١٤٠٢ھ، دار القلم، دمشق.

❁ ـــ إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام، لمحمد بن علي بن مطيع المعروف بـ ابن دقيق العيدؒ، المتوفیٰ سنة: ٧٠٢ھ، مطبعة السنة المحمدية.

❁ ـــ إرشاد الساري، للإمام شهاب الدين أبي العباس أحمد بن محمد الشافعي القسطلانيؒ، المتوفیٰ سنة: ٩٢٣ھ، دار الكتب العلمية.

❁ ـــ إسعاف المبطأ برجال المؤطا، لعبد الرحمن بن أبي بكر جلال الدين السيوطيؒ، المتوفیٰ سنة: ٩١١ھ، المكتبة التجارية الكبریٰ، مصر.

❁ ـــ إعلام الساجد بأحكام المساجد، لأبي عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشي الشافعيؒ، المتوفیٰ سنة: ٧٩٤ھ، المجلس الأعلى للشئوون الإسلامية.

❁ ـــ إكمال المعلم بفوائد مسلم ، للإمام الحافظ أبي الفضل عياض بن موسیٰ بن عياض اليحصبيؒ، المتوفیٰ سنة: ٥٤٤ھ ، دار الكتب العلمية.

❁ ـــ إكمال تهذيب الكمال ، للعلامة علاء الدين مغلطائي ابن قليح بن عبدالله الحنفيؒ، المتوفیٰ سنة: ٧٦٢ھ، الفاروق الحديثية للطباعة والنشر.

❁ ـــ إكمال إكمال المعلم شرح صحيح مسلم ، للإمام أبي عبدالله محمد بن خلفة الوشتاني الأُبّي المالكيؒ، المتوفیٰ سنة: ٨٢٧ أو ٨٢٨ھ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ ـــ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، للإمام علاء الدين أبي بكر بن مسعود الكاساني الحنفيؒ، المتوفیٰ سنة: ٥٨٧ھ، دار الكتب العلمية.

❁ ـــ بداية المجتهد ونهاية المقتصد، للإمام القاضي أبي الوليد محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد

ابن رشد المالكي القرطبيؒ، المتوفى سنة: ٥٩٥هـ، دار الكتب العلمية.

❁ ـــ بذل المجهود ، للشيخ المحدث خليل أحمد السهارنبوريؒ، المتوفیٰ سنة: ١٣٤٦هـ، مركز الشيخ أبي الحسن الندوي.

❁ ـــ بُغية الرائد في تحقيق "مجمع الزوائد ومنبع الفوائد"، للحافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثميؒ، المتوفى سنة: ٨٠٧هـ، دار الفكر.

❁ ـــ بُلغة السالك لأقرب المسالك المعروف بـ حاشية الصاوي على شرح الصغير، للشيخ أحمد الصاويؒ، دار الكتب العلمية.

❁ ـــ تاج العروس ، للشيخ أبي الفيض محمد بن محمد بن عبدالرزاق الحسيني ، الملقب بـ مرتضیٰ الزبيديؒ، المتوفیٰ سنة: ١٢٠٥هـ، دار الهداية.

❁ ـــ تاريخ ابن معين، لأبي زكريا يحيى بن معين بن عون بن زياد البغداديؒ، المتوفیٰ سنة: ٢٣٣هـ، مجمع اللغة العربية، دمشق.

❁ ـــ تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام، للإمام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أحمد الذهبي الدمشقيؒ، المتوفیٰ سنة: ٧٤٨هـ، دار الكتاب العربي.

❁ ـــ تبيين الحقائق، للإمام فخر الدين بن عثمان بن علي الزيلعي الحنفيؒ، المتوفیٰ سنة: ٧٤٣هـ، دار الكتب العلمية.

❁ ـــ تحفة الأبرار شرح مصابيح السنة، للقاضي ناصر الدين عبد الله بن عمر البيضاويؒ، المتوفى سنة: ٦٨٥هـ، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية، الكويت.

❁ ـــ تحفة الأحوذي بشرح الجامع للإمام الترمذي ، للإمام الحافظ أبي العلي محمد بن عبدالرحمن ابن عبدالرحيم المباركفوريؒ، المتوفیٰ سنة: ١٣٥٣هـ، دار الفكر.

❁ ـــ تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف، للحافظ المتقن جمال الدين أبي الحجاج يوسف المزّيؒ، المتوفیٰ:٧٤٢هـ، المكتب الإسلامي، بيروت.

❁ ـــ تحفة الباري شرح صحيح البخاري، للإمام شيخ الإسلام أبي يحيیٰ زكريا بن محمد الأنصاري الشافعيؒ، المتوفیٰ سنة: ٩٢٦هـ، دار الكتب العلمية.

❁ ـــ تحفة الحبيب على شرح الخطيب المعروف بـ حاشية البجيرمي على الخطيب، لسليمان بن محمد بن عمر البُجَيرِمي المصري الشافعيؒ، المتوفى سنة: ١٢٢١هـ، دار الفكر.

❁ ـــ تحفة المحتاج في شرح المهاج، لأحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتميؒ، المتوفى سنة: ٩٧٤هـ، دار إحياء التراث العربي.

❁ ـــ تحفة الملوك في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة النعمان، للإمام زين الدين محمد بن أبي بكر بن عبد القادر الرازيؒ، المتوفىٰ بعد سنة: ٦٦٦هـ، مكتبة معهد عثمان بن عفان، كراتشي.

❁ ـــ تعظيم قدر الصلوٰة، لأبي عبد الله محمد بن نصر بن الحجاج المَرْوزِي، المتوفى سنة: ٢٩٤هـ، مكتبة الدار، المدينة المنورة.

❁ ـــ تعليقات الشيخ المحدث محمد عوامه علىٰ الكاشف في معرفة من له الرواية في الكتب الستة، للإمام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أحمد الذهبي الدمشقيؒ، المتوفىٰ سنة: ٧٤٨هـ، دار المعرفة.

❁ ـــ تعليقات الشيخ أحمد محمد شاكر والشيخ محمد فؤاد عبد الباقي علىٰ جامع الترمذي، للإمام الحافظ أبي عيسىٰ محمد بن عيسىٰ بن سورة ابن موسىٰ الترمذيؒ، المتوفى سنة: ٢٧٩هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

❁ ـــ تعليقات الإمام المحدث محمد يحيٰ الكاندهلويؒ، المتوفىٰ سنة: ١٣٣٤هـ، على "لامع الدراري علىٰ جامع البخاري"، للإمام الفقيه المحدث الشيخ رشيد أحمد الكنكوهيؒ، المتوفىٰ سنة: ١٣٢٣هـ، المكتبة الإمدادية، مكة المكرمة.

❁ ـــ تعليقات على المصنف لابن أبي شيبة، للشيخ محمد عوامة، إدارة القرآن كراتشي.

❁ ـــ تغليق التعليق، للحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر شهاب الدين العسقلاني الشافعيؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٥٢هـ، المكتبة الأثرية باكستان.

❁ ـــ تفسير الراغب، لأبي القاسم الحسين بن محمد المعروف بـ الراغب الأصفهانيؒ، المتوفى سنة: ٥٠٢هـ، كلية الأدب، جامعة طنطا.

❁ ـــ تفسير السعدي الشهير بـ تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان، لعبد الرحمن بن ناصر

بن عبد الله السعديؒ، المتوفى سنة: ١٣٧٦ھ، مؤسسة الرسالة.

❁ــــ تفسير السمرقندي،المسمى بـ "بحر العلوم" للإمام الفقيه أبي الليث نصر بن محمد السمرقندي الحنفيؒ، المتوفى سنة: ٣٧٥ھ، دار الكتب العلمية.

❁ــــ تفسير السمعاني، لأبي المظفر منصور بن محمد بن عبد الجبار المروزي السمعاني الحنفي ثم الشافعيؒ، المتوفى سنة: ٤٨٩ھ، دار الوطن الرياض.

❁ــــ تفسير القرآن العظيم (تفسير ابن كثير)، للإمام الجليل الحافظ عماد الدين أبي الفداء إسماعيل بن كثير الدمشقيؒ، المتوفىٰ سنة: ٧٧٤ھ، الفاروق الحديثة للطباعة والنشر، القاهرة.

❁ــــ تفسير الماتريدي، لمحمد بن محمد بن محمود، أو منصور الماتريديؒ، المتوفى سنة: ٣٣٣ھ، دار الكتب العلمية.

❁ــــ تقريب التهذيب،للحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجرشهاب الدين العسقلاني الشافعيؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٥٢ھ، دار الرشيد ،سوريا،حلب.

❁ــــ تقريرِ بخاري، للشيخ العلام محمد زكريا الكاندهلوي رحمه الله ، المتوفىٰ سنة ١٤٠٢، مكتبة الشيخ، كراتشي.

❁ــــ تنوير المقباس من تفسير ابن عباس، لعبد الله بن عباس رضي الله عنهما، المتوفى سنة: ٦٨ھ، دار الكتب العلمية، لبنان.

❁ــــ تهذيب التهذيب، للحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجرشهاب الدين العسقلاني الشافعيؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٥٢ھ، مؤسسة الرسالة.

❁ــــ تهذيب الكمال في أسماء الرجال، للحافظ المتقن جمال الدين أبي الحجاج يوسف المزّيؒ، المتوفىٰ سنة: ٧٤٢ھ، مؤسسة الرسالة.

❁ــــ تهذيب اللغة للأزهري، لإمام اللغة العلامة أبي منصور بن أحمد الأزهري رحمه الله ، المتوفىٰ سنة: ٣٧٠ھ، المؤسسة المصرية العامة للتأليف والنشر.

❁ــــ جامع الأصول في أحاديث الرسول، للإمام مجد الدين أبي السعادات المبارك بن محمد الجزري، المعروف بـ ابن الأثيرؒ،المتوفىٰ سنة: ٦٠٦ھ، دار الفكر.

۞ ـــجامع البيان عن تأويل آي القرآن (راجع إلىٰ تفسير الطبري)

۞ ـــ جواهر العقود ومعين القضاة والموقعين والشهود، لشمس الدين محمد بن أحمد بن علي الأسيوطي القاهري الشافعيؒ، المتوفى سنة: ۸۸۰ھ، دار الكتب العلمية.

۞ ـــحاشية الروض المربع شرح زاد المستقنع، لعبد الرحمن بن محمد قاسم العاصمي الحنبلي النجديؒ، المتوفى سنة: ۱۳۹۲ھ.(ما كتب إسم المكتبة على المجلد)

۞ ـــ حاشية السندي على سنن النسائي،للإمام أبي الحسن نور الدين محمد بن عبدالهادي السنديؒ، المتوفىٰ سنة: ۱۱۳۸ھ ،دار المعرفة ،بيروت/ قديمي كتب خانه،كراتشى.

۞ ـــ حاشية السيوطي على سنن النسائي، لعبد الرحمن بن أبي بكر جلا الدين السيوطيؒ، المتوفى سنة: ۹۱۱ھ، مكتب المطبوعات الإسلامية./ قديمي كتب خانه،كراتشى.

۞ ـــ حاشية الطحطاوي على الدر المختار، للشيخ أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفيؒ، المتوفى سنة: ۱۲۳۱ھ، دارالمعرفة، بيروت.

۞ ـــحاشية قليوبي وعميرة على منهاج الطالبين، لشهاب الدين أحمد بن أحمد بن سلامة القليوبيؒ، المتوفى سنة: ۱۰٦۹ھ، ولشهاب الدين أحمد البرنسي الملقب بـ عميرةؒ، المتوفى سنة: ۸٦٤ھ، مطبعة: مصطفى البابي الحلبى.

۞ ـــ حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، للحافظ أبي نعيم أحمد بن عبدالله الأصفهانيؒ، المتوفىٰ سنة: ٤۳۰ھ، دار الفكر، بيروت/ دار الكتب العلمية، بيروت.

۞ ـــخلاصة الخزرجي (خلاصة تذهيب تهذيب الكمال) ، للعلامة صفي الدين الخزرجيؒ، المتوفىٰ بعد سنة: ۹۲۳ھ، مكتب المطبوعات الإسلامية بحلب.

۞ ـــ خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفىٰ صلى الله عليه وسلم، للإمام علي بن عبد الله بن أحمد الحسيني السمهوديؒ، المتوفى سنة: ۹۲۲ھ، طبع على نفقة السيد حبيب محمود أحمد.

۞ ـــ درر الحكام شرح غرر الأحكام، لمحمد بن فرامرز بن علي الشهير بـ ملا أو بـ منلا خسروؒ، المتوفى سنة: ۸۸۵ھ، دار إحياء الكتب العربية.

۞ ـــذخيرة العقبى في شرح المجتبى، شرح سنن النسائي، للشيخ محمد بن علي بن آدم بن موسى

الإثيوبي الولَّوِيّ، دار المعراج.

❁ ـــرد المحتار، لفقيه العلام محمد أمين بن عمر، الشهير بابن عابدين الشاميّ، المتوفىٰ سنة: ١٢٥٢ هـ، دار عالم الكتب / دار الثقافة والتراث، دمشق، سورية

❁ ـــ روضة الطالبين، للعلامة محي الدين يحيٰ بن شرف بن مري النوويّ، المتوفىٰ: ٦٧٦هـ، طبعة خاصة: ١٤٢٣هـ، دار عالم الكتب، الرياض

❁ ـــ سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد، للإمام محمد بن يوسف الصالحي الشاميّ، المتوفىٰ سنة: ٩٤٢هـ، وزارة الأوقاف، لجنة إحياء التراث الإسلامي، مصر

❁ ـــسراج القاري، للشيخ عبدالرحيم مد ظله، الجامعة القاسمية دار العلوم زكريا بهند.

❁ ـــ سلسلة الآثار الصحيحة أو الصحيح المسند من أقوال الصحابة والتابعين، للشيخ أبي عبد الله الداني بن منير آل زهوي، دار الفاروق.

❁ ـــ سنن ابن ماجه، للإمام الحافظ أبي عبدالله محمد بن يزيد الربعي ابن ماجه القزوينيّ، المتوفىٰ سنة: ٢٧٣هـ دار السلام.

❁ ـــسنن الترمذي، للإمام المحدث الحافظ محمد بن عيسىٰ بن سورة الترمذيّ، المتوفىٰ سنة: ٢٧٩. دار السلام.

❁ ـــسنن النسائي، للإمام الحافظ أبي عبدالرحمن أحمد بن شعيب بن علي ابن سنان النسائيّ، المتوفىٰ سنة: ٣٠٣هـ، دار السلام.

❁ ـــ سنن أبي داؤد، للإمام الحافظ أبي داؤد سليمان بن الأشعث بن إسحاق الأذدي السجستانيّ، المتوفىٰ سنة: ٢٧٥هـ، دار السلام.

❁ ـــسير أعلام النبلاء، للإمام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبيّ، المتوفىٰ سنة: ٧٤٨هـ، مؤسسة الرسالة.

❁ ـــ سیرۃ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، متوفی: ۱۳۹۴ھ، دارالاشاعت کراچی.

❁ ـــشرح ابن بطال علىٰ صحيح البخاري، لأبي الحسن علي بن خلف بن عبدالملك ابن بطال البكري القرطبيّ، المتوفىٰ سنة: ٤٤٩هـ، دار الكتب العلمية.

❁ــ شرح التلقين، لأبي عبد الله محمد بن علي بن عمر التميمي المازري المالكيؒ، المتوفىٰ سنة: ٥٣٦ھ، دار الغرب الإسلامی.

❁ــ شرح الزرقاني علىٰ المواهب اللدنية، للإمام محمد بن عبدالباقي بن يوسف الزرقانيؒ، المتوفىٰ سنة: ١١٢٢ھ، درالكتب العلمية.

❁ــ شرح الزرقاني علىٰ المؤطأ،للإمام محمد بن عبدالباقي بن يوسف الزرقانيؒ، المتوفىٰ سنة: ١١٢٢ھ، دار الكتب العلمية.

❁ــ شرح السنة، لأبي محمد الحسين بن مسعود البغويؒ، المتوفى سنة:٥١٦ھ، دارالكتب العلمية.

❁ــ شرح الفقه الأكبر، للعلامة علي بن سلطان محمد القاريؒ، المتوفى سنة:١٠١٤ھ، دار البشائر.

❁ــ شرح الكرماني، (الكواكب الدراري) ، للإمام العلام شمس الدين محمد بن يوسف بن علي الكرمانيؒ ، المتوفىٰ سنة: ٧٨٦، دار إحياء التراث العربي.

❁ــ شرح المقاصد، لسعد الدين مسعود بن عمر بن عبد الله التفتازانيؒ، المتوفى سنة: ٧٩١ھ، مكتبة البشرى، كراتشي.

❁ــ شرح النووي على صحيح مسلم، للعلامة محي الدين يحيٰ بن شرف بن مري النوويؒ، المتوفىٰ سنة: ٦٧٦ھ، الطبعة المصرية، الأزهر.

❁ــ شرح أبي داؤد، للإمام بدرالدين أبي محمد محمود بن أحمد العينيؒ، المتوفى سنةٰ: ٨٥٥ھ، مكتبة الرشد، الرياض.

❁ــ شرح سنن النسائي المسمى بـ شروق أنوار المِنن الكبرى الإلهيه بكشف أسرار السنن الصغرىٰ النسائية، للشيخ محمد المختار بن محمد بن أحمد مزيد الجكني الشنقيطيؒ، المتوفى سنة: ١٤٠٥ھ، طبع على نفقة أحد المحسنين.

❁ــ شرح عقيدة الطحاوية للبابرتي، لمحمد بن محمد بن محمود الرومي البابرتي الحنفيؒ، المتوفى سنة: ٧٨٦ھ، زم زم پبلشرز كراتشي.

❁ــ شرح عقيدة الطحاوية، لعبد الغني بن طالب بن حمادة بن إبراهيم الغنيمي الدمشقي الميداني الحنفيؒ، المتوفىٰ سنة: ١٢٩٨ھ، زم زم پبلشرز كراتشي.

❁ــ شرح مختصر الطحاوي، لأحمد بن علي أبي بكر الرازي الجصاص الحنفيؒ، المتوفیٰ سنة: ٣٧٠هـ، دار البشائر الإسلامية.

❁ــشرح مختصر خليل، لمحمد بن عبد الله الخرشي المالكيؒ، المتوفیٰ سنة: ١١٠١هـ، دار الفكر.

❁ــ شرح معاني الآثار ، للإمام المحدث الفقيه أبي جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاويؒ، المتوفیٰ سنة: ٣٢١هـ، عالم الكتاب.

❁ــ صحيح ابن خزيمة، لأبي بكر محمد بن إسحاق بن خزيمة بن المغيرة السلمي النيسابوريؒ، المتوفیٰ سنة: ٣١١هـ، المكتب الإسلامي.

❁ــ صحيح البخاري، للإمام أبوعبدالله محمد بن إسماعيل البخاريؒ، المتوفیٰ سنة: ٢٥٦هـ، دار السلام.

❁ــ صحيح الإمام مسلم، للإمام الحافظ أبي الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشري النيسابوريؒ، المتوفیٰ سنة: ٢٦١هـ، دارالسلام.

❁ــ ضياء الساري في مسالك أبواب البخاري، للإمام عبد الله بن سالم بن محمد البصري المكي الشافعيؒ، المتوفیٰ سنة: ١١٣٤هـ، دار النوادر.

❁ــطرح التثريب في شرح التقريب، للإمام الحافظ زين الدين أبي الفضل عبد الرحيم بن الحسين العراقيؒ، المتوفیٰ سنة: ٨٠٦هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

❁ــطلبة الطلبة في الاصطلاحات الفقهية، لعمر بن محمد بن أحمد بن إسماعيل، النسفيؒ، المتوفیٰ سنة: ٥٣٧هـ، المطبعة العامرة.

❁ــ عمدة القاري، للإمام بدرالدين ابومحمد محمود بن أحمد العينيؒ، المتوفیٰ سنة: ٨٥٥هـ، دار الكتب العلمية/إدارة الطباعة المنيرية.

❁ــغاية التحقيق، لعبد العزيز بن أحمد ابن محمد البخاريؒ، مير محمد كتب خانه، كراتشي.

❁ــ غاية المقال فيما يتعلق بالنعال (مطبوع في مجموعة رسائل اللكنوي المجلد الأول)، للإمام المحدث محمد عبد الحي اللكنوي الهندي الحنفيؒ، المتوفیٰ سنة: ١٣٠٤هـ، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي.

❁ —غنية الناسك في بغية المناسك، للعلامة محمد حسن شاه المهاجر المكيؒ، إدارة القرآن كراتشي.

❁ —فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى الهندية، للعلامة فخر الدين حسن بن منصور الأوزجنديؒ، المتوفى سنة: ٥٩٢ﻫ، دار الفكر.

❁ — فتح الباري شرح صحيح البخاري، للإمام العلام زين الدين عبدالرحمن بن أحمد ابن رجب الحنبليؒ، المتوفىٰ سنة: ٧٩٥ﻫ، دار الكتب العلمية.

❁ — فتح الباري، للإمام الحافظ أحمد بن علي بن حجرالعسقلانيؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٥٢ﻫ، دار المعرفة.

❁ — فتح القدير ، للشيخ الإمام كمال الدين محمد بن عبدالواحد، المعروف بـ ابن الهمام الحنفيؒ، المتوفىٰ سنة: ٦٨١ﻫ، المكتبة الرشيدية، كوئته.

❁ — فتح المتعال في مدح النعال، لأحمد بن محمد بن أحمد بن يحيى المقريؒ، المتوفى سنة: ١٠٤١ﻫ، دار القاضي عياض للتراث، القاهره.

❁ —فتح المعين بشرح قرة العين بمهمات الدين، لأحمد زين الدين عبد العزيز المعبري الفناني الشافعيؒ، دار ابن حزم.

❁ —فتح الملهم شرح صحيح مسلم ، للعلامة شبير أحمد العثمانيؒ، المتوفىٰ سنة: ١٣٦٩ﻫ، دار القلم ، دمشق.

❁ — فضل الباري، لشيخ الإسلام العلام شبير أحمد العثمانيؒ، المتوفىٰ سنة: ١٣٦٩ﻫ، إدارة العلوم الشرعية بكراتشي.

❁ — فقه اللغة و أسرار العربية،للإمام أبي منصور عبد الملك بن محمد بن إسماعيل الثعالبيؒ، المتوفىٰ سنة: ٤٣٠ﻫ، المكتبة العصرية،بيروت.

❁ — فيض الباري على صحيح البخاري، لـلفقيه المحدث الشيخ محمد أنور الكشميري ثم الديوبنديؒ، المتوفىٰ سنة: ١٢٥٢ﻫ، دار الكتب العلمية.

❁ — فيض القدير شرح الجامع الصغير، للعلامة محمد عبد الرؤف بن تاج العارفين المناويؒ، المتوفىٰ سنة:١٠٣١ﻫ، دار المعرفة ، بيروت.

❁ ـــ قاموس الفقہ: شیخ علامہ مفتی سیف اللہ خالد دام فیوضہم، زم زم پبلشرز، کراچی.

❁ ـــ كتاب التعريفات، للفاضل العلامة علي بن محمد الشريف الجرجانيؒ، المتوفىٰ سنة: ٨١٦ھ، مكتبة لبنان، بيروت.

❁ ـــ كتاب الثقات، للإمام الحافظ محمد بن حبان بن أحمد أبي حاتم التميمي البستيؒ، المتوفىٰ سنة: ٣٥٤ھ، دار الفكر.

❁ ـــ كتاب الفروع (و معه تصحيح الفروع للمرداويؒ) لشمس الدين محمد بن مفلح المقدسيؒ، المتوفىٰ سنة: ٧٦٣ھ، مؤسسة الرسالة.

❁ ـــ كتاب المبسوط، للإمام شمس الأئمة الفقيه أبي بكر محمد بن أحمد بن أبي سهل السرخسي الحنفيؒ، المتوفىٰ سنة: ٤٩٠ھ، دار الكتب العلمية.

❁ ـــ كشف الباري ، لشيخ الحديث مولانا سليم الله خان نور الله مرقده، المتوفىٰ سنة: ١٤٣٩ھ، المكتبة الفاروقية ،كراتشي.

❁ ـــ كشف المشكل من حديث الصحيحين ، للإمام الحافظ جمال الدين أبي الفرج عبدالرحمن بن علي بن محمد الجوزيؒ، المتوفىٰ سنة: ٥٩٧ھ، دارالنشر .

❁ ـــ كنز العمال في سنن أقوال والأفعال، للعلامة علاء الدين علي المتقي بن حسام الدين الهنديؒ، المتوفىٰ سنة: ٩٧٥ھ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❁ ـــ كوثر معاني الدارري في كشف خبايا صحيح البخاري، للإمام محمد الخضر الجكي الشنقيطيؒ، المتوفى سنة: ١٢٥٤ھ، مؤسسة الرسالة.

❁ ـــ لسان العرب،لـلإمام العلام أبي الفضل جمال الدين محمد بن مكرم ابن منظورالأفريقي المصريؒ، المتوفىٰ سنة: ٧١١ھ، دار إحياء التراث العربي.

❁ ـــ لغات القرآن، مولانا عبدالرشید نعمانیؒ، دارالاشاعت، کراچی.

❁ ـــ ماہنامہ بینات، جامعۃ الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی سے نکلنے والا ماہنامہ.

❁ ـــ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، للحافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثميؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٠٧ھ، دار الفكر، بيروت.

❁ـــ مختار الصحاح، للإمام محمد بن أبي بكر بن عبدالقادر الرازيؒ، المتوفىٰ بعد سنة: ٦٦٦ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

❁ـــ مذكرة القول الراجح مع الدليل (شرح منار السبيل)، لخالد بن إبراهيم الصقعبي الحنبليؒ، دار أم المؤمنين خديجة بنت خويلد.

❁ـــ مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، لحسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفيؒ، المتوفى سنة: ١٠٦٩ھ، المكتبة العصرية.

❁ـــ مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ، للعلامة الشيخ علي بن سلطان محمد القاريؒ، المتوفىٰ سنة: ١٠١٤ھ ، دار الكتب العملية ، بيروت

❁ـــ مسائل الإمام أحمد وإسحاق بن راهويه، لإسحاق بن منصور بن بهرام، أبي يعقوب المروزي المعروف بـ الكوسجؒ، المتوفى سنة: ٢٥١ھ، عمادة البحث العلمي، المملكة العربية السعودية.

❁ـــ مسائل بہشتی زیور، ڈاکٹر مفتی عبدالواحد زیدمجدہ، مجلس نشریات اسلام، کراچی.

❁ـــ مسند الحميدي ، للإمام المحدث أبي بكر عبدالله بن الزبير القرشي المعروف بالحميديؒ، المتوفىٰ سنة: ٢٠٩ھ، دار الفكر،بيروت.

❁ـــ مسند الطيالسي، للإمام المحدث سليمان بن داؤد بن الجارودؒ، المتوفىٰ سنة: ٢٠٤ھ، دار الكتب العلمية.

❁ـــ مسند الفاروق،لأبي الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقيؒ، المتوفىٰ سنة: ٧٧٤ھ، دار الوفاء.

❁ـــ مسند أبي عوانة، للإمام الجليل أبي عوانة يعقوب بن إسحاق الأسفرائينيؒ، المتوفىٰ سنة: ٣١٦ھ، دار المعرفة، بيروت.

❁ـــ مسند أبي يعلى موصلي، للإمام الحافظ أحمد بن علي بن المثنى التميميؒ، المتوفىٰ سنة: ٣٠٧ھ، دار المأمون للتراث، دمشق.

❁ـــ مسند أحمد، للإمام أبي عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل الشيبانيؒ، المتوفىٰ سنة:٢٤١ھ، مؤسسة الرسالة.

❁ـــ مسند أبي داؤد الطيالسي، للإمام المحدث أبي داؤد سليمان بن داؤد بن الجارودؒ، المتوفىٰ سنة: ۲۰٤هـ، دار الكتب العلمية.

❁ـــ مشارق الأنوار علىٰ صحاح الآثار، للإمام الشهير الكبير القاضي أبي الفضل عياض بن موسى بن عياض اليحصبي البتي المالكيؒ، المتوفى سنة: ٥٤٤هـ، دار التراث، القاهرة.

❁ـــ مشكوٰة المصابيح، للإمام محمد بن عبد الله الخطيب التبريزيؒ، المتوفىٰ سنة: ٧٤١هـ، المكتب الإسلامي.

❁ـــ مصابيح الجامع، لمحمد بن أبي بكر بن عمر بن أبي بكر بن محمد المخزومي القرشي المعروف بـ الدمامينيؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٢٧هـ، دار النوادر، سوريا.

❁ـــ معالم التنزيل للبغوي (مختصر تفسير بغوي) لعبد الله بن أحمد بن علي الزيدؒ، دار السلام.

❁ـــ معالم السنن، لأبي سليمان حمد بن محمد بن إبراهيم بن الخطاب البستي المعروف بـ الخطابيؒ، المتوفىٰ سنة: ٣٨٨هـ، المطبعة العلمية، حلب.

❁ـــ معاني القرآن وإعرابه، لأبي إسحاق إبراهيم بن السري بن سهل الزجاجؒ، المتوفىٰ سنة: ٣١١هـ، عالم الكتب، بيروت.

❁ـــ معاني القرآن، لأبي زكريا يحيى بن زياد بن عبد الله بن منظور الديلمي الفراءؒ، المتوفىٰ سنة: ٢٠٧هـ، دار المصرية، مصر.

❁ـــ معجم البلدان، لشهاب الدين أبي عبد الله ياقوت بن عبد الله الرومي الحمويؒ، المتوفىٰ سنة: ٦٢٦هـ، دار صادر، بيروت.

❁ـــ معجم الصحاح، للإمام إسماعيل بن حماد الجوهريؒ، المتوفىٰ سنة: ٣٩٣هـ، دار المعرفة.

❁ـــ معرفة السنن والآثار، لأبي بكر أحمد بن الحسين بن علي بن موسىٰ الخُسرَوجِردي الخراساني البيهقيؒ، المتوفىٰ سنة: ٤٥٨هـ، دار الوعي، حلب.

❁ـــ معرفة الصحابة لأبي نعيم، للإمام المحدث العلامة أحمد بن عبدالله بن أحمد بن إسحاق بن مهرانؒ، المعروف بـ أبي نعيم الأصبهانيؒ، المتوفىٰ سنة: ٤٣٠هـ، دار الوطن للنشر.

❁ـــ معلم الحجاج، مولانا قاری سعید احمد سہارنپوریؒ، مکتبۃ البشریٰ، کراچی

۞ ـــمغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج، للشيخ شمس الدين محمد بن محمد الخطيب الشربيني الشافعيؒ، المتوفى سنة: ٩٧٧هـ، دار الكتب العلمية.

۞ ـــمناحل الشفا ومناهل الصفا بتحقيق كتاب شرف المصطفى صلى الله عليه وسلم، لأبي القاسم عند الكريم بن هوازن القشيريؒ، دار البشائر الإسلامية.

۞ ـــمنار القاري شرح مختصر صحيح البخاري، لحمزه محمد قاسم، دار البيان، دمشق.

۞ ـــمناسبات تراجم البخاري، للشيخ بدر الدين بن جماعةؒ، المتوفیٰ سنة: ٧٣٣هـ، الدار السلفية.

۞ ـــ مناهج التحصيل ونتائج لطائف التأويل في شرح المدونة وحل مشكلاتها، لأبي الحسن علي بن سعيد الجراجي المالكيؒ، المتوفیٰ سنة بعد: ٦٣٣هـ، دار ابن حزم.

۞ ـــمنهاج الطالبين وعمدة المفتين، لأبي زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النوويؒ، المتوفیٰ سنة: ٦٧٦هـ، دار الفكر.

۞ ـــمنية المصلي، للإمام سديد الدين محمد بن محمد بن علي الكاشغريؒ، المتوفیٰ سنة: ٧٠٥هـ، مكتبة طيبة كوئٹه.

۞ ـــمواهب الجليل في الشرح الكبير، لشمس الدين أبي عبد الله محمد بن محمد بن عبد الرحمن الطالبلسي المغربي المعروف بـ الحطاب الرعينيؒ، المتوفیٰ سنة: ٩٥٤هـ، دار الفكر.

۞ ـــمواهب الجليل لشرح مختصر الخليل،لأبي عبد اللّٰه محمد بن محمد بن عبد الرحمٰن المغربي المتوفیٰ سنة: ٩٥٤هـ، دار عالم الكتب.

۞ ـــموسوعة رجال الكتب التسعة، لعبد الغفار سليمان البنداري، وسيد كسروي حسن، دار الكتب العلمية.

۞ ـــميزان الاعتدال في نقد الرجال، للإمام أبي عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز الذهبيؒ، المتوفى سنة: ٧٤٨هـ، دارالمعرفة، بيروت.

۞ ـــنخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار، لبدر الدين أبي محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغتيابي الحنفي العينيؒ، المتوفى سنة: ٨٥٥هـ، وزارة الأوقاف والشئوون الإسلامية، قطر.

۞ ـــ نزهة الألباب في قول الترمذي: "وفي الباب"، لأبي الفضل حسن بن محمد بن حيدر الوائلي

الصنعانيؒ، دار ابن الجوزي للنشر والتوزيع.

❁ ـــــنيـل الأوطـار شـرح مـنتـقـىٰ الأخبار، للشيخ الإمام محمد بن علي الشوكانيؒ، المتوفىٰ سنة: ١٢٥٥هـ، دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان

❁ ـــــنيـل الـمـآرب بشـرح دليل الطالب، لعبد القادر بن عمر بن عبد القادر ابن عمر بن أبي تغلب الشيباني الحنبليؒ، المتوفى سنة: ١١٣٥هـ، مكتبة الفلاح، الكويت.

❁ ـــهـدي الساري، للحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر شهاب الدين العسقلاني الشافعيؒ، المتوفىٰ سنة: ٨٥٢ هـ، دار السلام، الرياض.

كشف الباري
عما في صحيح البخاري
كتاب الصلوة
شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم
مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی
مكتبة فاروقية
شاہ فیصل کالونی ۴ کراچی